واپسی
1
محی الدین نواب

قصہ عجیب و غریب ہوتو اسے پڑھنے کا لطف آتا ہے۔میری داستان عجیب ہے۔دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات سے مالا مال ہے۔اس لئے امیر ہے' غریب ہے۔کیا بتاؤں' بہت ہی عجیب ہے۔

کیا یہ عجیب 'حیرت انگیر اور نا قابل فہم بات نہیں کہ میری زندگی کے ستر برس گم ہوگئے؟جی ہاں...ایک دو لمحے یا ایک دو برس نہیں'پورے ستر برس تک پتہ نہ چلا کہ میں کہاں گیا؟میری زندگی کہاں چلی گئی؟

یا حیرت!زندگی کے لحات نہ چرائے جاسکتے ہیں' نہ انہیں جادوئی پٹارے میں بند کیا جاسکتا ہے۔پھر میرے ستر برس کہاں چلے گئے؟

یہ بات مضحکہ خیز لگتی ہے۔کوئی یقین نہیں کرے گا۔اسے بچوں جیسی بات کہے گا۔لیکن میں ٹھوس دلائل اور تاریخی حوالاجات کے ذریعے ثابت کروں گا کہ میری گاتی گنگناتی زندگی یک لخت چپ ہوگئی تھی۔سانسوں کی سرگم بھول گئی تھی۔عالم خموشاں میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی تھی۔اس کے بعد آپ ہی آپ ستر برس کے بعد یہ گانے گنگنانے لگی ہے۔

میں جی رہا ہوں۔سانسیں لے رہا ہوں۔واپس مڑ کر پوچھ رہا ہوں۔''میرے وہ ستر برس کہاں ہیں؟میں اپنے گمشدہ برسوں کا ایک ایک لحہ بھرپور انداز میں گزارنا چاہتا ہوں۔یہ میرا حق ہے۔یہ میری زندگی کے ستر برس ہیں۔کیا مجھے ان لحات کی طرف واپسی کا راستہ ملے گا؟''

میں انیس سو چھ ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوا۔

انیس سو پینتیس ۱۹۳۵ء میں اپنی زندگی کے دلچسپ واقعات بیان کرنے کے لئے داستان گوئی شروع کی۔

انیس سو چھتیس ۱۹۳۶ء میں صرف ایک برس بعد ہی اپنی رام کہانی سناتے سناتے چپ ہوگیا۔یہیں سے میری زندگی کو جھٹکا لگا۔ میں گم ہوگیا۔کیا میری زندگی مجھ سے روٹھ گئی تھی؟

نہیں۔زندگی روٹھ جاتی تو میں مر چکا ہوتا۔میں تو زندہ ہوں۔

یہ دو ہزار چھ ۲۰۰۶ء ہے۔ٹھیک ستر برس کے بعد میں اپنی داستان کے ٹوٹے ہوئے سرے کو جوڑ رہا ہوں۔

میری یہ روداد انیس سو پینتیس ۱۹۳۵ء کے پسماندہ دور سے شروع ہو رہی ہے۔ایک برس کے بعد ہی اچانک ایسے واقعاتی جھٹکے پہنچیں گے کہ یہ نئے فتنے جگاتی ہوئی نئے ہنگامے برپا کرتی ہوئی دو ہزار چھ ۲۰۰۶ء کے جدید دور میں پہنچ جائے گی۔

اس مختصری تمہید کے بعد اپنے حالات بیان کر رہا ہوں۔

☆☆☆

میں مجاہد اعظم' فاتح اعظم غازی صلاح الدین نہیں ہوں۔مگر نام میرا یہی ہے۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے' جب میں نام کا مسلمان تھا۔کبھی چھٹی لے کر اپنے والدین اور شریک حیات کے ساتھ کچھ دن گزارنے دہلی آتا تھا تو دو چار وقت کی نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ورنہ ایک ہندو راجہ کی خدمت گزاری سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔

میں راج گڑھ کے راجہ مہاویر چوہان کا انگ رکھشک یعنی باڈی گارڈ تھا۔راج محل کے اندر اور باہر درجنوں سیکورٹی گارڈز تھے۔وہ سب ہی راجہ کے آگے ڈھال بن کر جان پر کھیل جانے والے سورما تھے۔لیکن مہاویر چوہان میری عسکری صلاحیتوں کو مانتے تھے اور راج محل کے باہر ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔

یقیناً سیکورٹی افسر اور تمام سیکورٹی گارڈز مجھ سے حسد کرتے ہوں گے۔راجہ کا قرب حاصل کرنے اور وقتاً فوقتاً انعام واکرام حاصل کرنے کے لئے میرا عہدہ' میرا مان مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔مگر وہ منہ سے کچھ نہیں بولتے تھے۔

ان کے ساتھ بڑی مجبوریاں تھیں۔وہ میری طرح جسمانی قوتوں کا مظاہرہ نہیں کرسکتے تھے۔مجھے فولاد کا مجسمہ کہتے تھے۔میں سینے پر لوہے کی سلاخ کا ایک سرا رکھ کر دوسرے سرے کو تھام کر سانس روکتا تھا' پھر اسے موڑ دیتا تھا۔بپھرے ہوئے سانڈ سے ٹکرا جاتا تھا۔اس کے سینگوں کو گرفت میں لے کر اسے زمین پر پچھاڑ دیتا تھا۔

سیکورٹی گارڈز ہوں یا جانے انجانے دشمن ہوں۔وہ میرے سامنے بونے لگتے تھے۔میرا قد چھ فٹ گیارہ انچ ہے۔وہ مجھے دیکھتے تھے پھر یوں سر جھکا لیتے تھے' جیسے گردن دُکھ رہی ہو۔

میں کہوں گا' اللہ تعالیٰ کی مجھ پر خاص عنایات ہیں۔وہ مجھ پر مہربان ہے۔میں انسان ہوں۔لیکن اس نے مجھے جنگلی بلی کی بصارت دی ہے۔میں اندھیرے میں دور تک دیکھ لیتا ہوں۔

میرے آس پاس کچھ فاصلے تک کھانے پینے' پہننے اوڑھنے اور دیگر استعمال کی چیزیں چھپا کر رکھی جائیں تو میں اُن کی مہک پا کر بتا دیتا ہوں کہ کس سمت میں مجھ سے کیا چھپا کر رکھا گیا ہے؟

خدا جسے چاہتا ہے' اسے خداداد صلاحیتوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔میرے سونگھنے کی حِس اتنی تیز ہے کہ کسی بھی دشمن کی بو پا کر قبر تک اس کا پیچھا کرتا ہوں۔کوئی بھی ہو' ایک بار میرے سامنے آکر آہنی پردوں کے پیچھے بھی چلا جائے' تب بھی مجھ سے چھپ نہیں پاتا۔

میں سوچتا تھا' مجھے نماز پڑھنی چاہئے' سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے۔لیکن راج گڑھ میں مسلمان بہت کم تھے۔پوری آبادی میں اور راج محل میں ہندو ہی ہندو تھے۔میرے آس پاس پوجا پاٹ ہوتی رہتی تھی۔ایک چھوٹی سی مسجد محل سے کچھ فاصلے پر تھی۔میں کبھی کبھی وہاں جا کر نماز پڑھتا تھا۔دل ہی دل میں عہد کرتا تھا کہ آئندہ دینی پابندیوں کے مطابق عبادت کرتا رہوں گا۔لیکن ایسا کر نہیں پاتا تھا۔

میرے گھر والے' میرے بزرگ سمجھاتے تھے کہ مجھے اپنے لوگوں میں اپنے دینی ماحول میں رہنا چاہئے۔میں وعدہ کرتا تھا کہ جلد ہی نوکری چھوڑ کر دہلی آجاؤں گا' اپنے لوگوں میں رہوں گا اور پوری آزادی سے دینی فرائض ادا کرتا رہوں گا۔

مگر پھر پتہ نہیں کیا ہوتا تھا؟ میں اپنے وعدوں کو اپنے ارادوں کو نظر انداز کر دیتا تھا۔مجھے راج محل میں رہنا اور راجہ صاحب کے ساتھ جنگلوں میں شکار کے لئے جانا بہت اچھا لگتا تھا۔

ہم ہندوستان کے تمام جنگلوں میں اور خصوصاً بنگال کے سندر بن میں رائل بنگال ٹائیگر کا شکار کھیلنے جاتے تھے۔کبھی کئی دنوں اور کئی کئی راتوں تک کسی شیر کو گھیرتے وقت بڑے خطرات کا سامنا ہوتا تھا اور مجھے خطرات سے کھیلنا اچھا لگتا ہے۔میں خوب انجوائے

کرتا تھا۔ راجہ صاحب کی نوکری چھوڑ کر اور کہیں جانا نہیں چاہتا تھا۔

اور وہ بھی مجھے نہیں چھوڑتے تھے۔ ایک راجہ کی حفاظت کرنے اور خود کو محتاط رکھنے کے لئے جیسی غیر معمولی صلاحیتیں ہونی چاہئیں' وہ تمام خوبیاں مجھ میں تھیں۔ راجہ مہاویر چوہان کو میرے خلاف بھڑکایا جاتا تھا۔ دیوان جی اور دوسرے مشیر کہتے تھے۔ ''مہاراج! آپ غازی کو جاں نثار کہتے ہیں' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی؟ باڈی گارڈز تو جان پر کھیل کر ہی حفاظت کرتے ہیں ان کا تو پیشہ یہی ہوتا ہے۔''

دیوان جی نے کہا۔ ''اس پر اندھا اعتماد نہ کریں۔ وہ مسلمان ہے اور آپ چوہان ہیں۔ یاد ہے ناں' مغلوں کے دور میں مسلمان بادشاہ کس طرح پرتھوی راج چوہان کے دشمن بن گئے تھے؟ یہ غازی کسی دن اپنی اصلیت ضرور دکھائے گا۔''

ایک مشیر نے کہا۔ ''آپ اس پر اتنا ہی بھروسہ کریں جتنا ایک نوکر پر کرنا چاہئے۔''

''ہمارا مشورہ ہے' آپ ایک ہندو باڈی گارڈ بھی اپنے ساتھ رکھا کریں۔''

مہاویر چوہان نے کہا۔ ''ہاں۔ دو چار باڈی گارڈز آگے پیچھے ہوں تو شان بڑھتی ہے۔ لیکن ہمارے پیچھے غازی چلتا ہے تو لگتا ہے' پہاڑ ہمیں دشمنوں سے چھپا رہا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے باڈی گارڈز چلتے ہیں تو بونے دکھائی دیتے ہیں۔''

ایک مشیر نے کہا۔ ''بونے لگتے ہیں۔ مگر ہندو ہیں' دھرم والے ہیں۔ ایک مسلمان سے زیادہ آپ کے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔''

دیوان جی نے کہا۔ ''آپ ایک بار غازی کو آزمائیں۔ کبھی تجوری کھلی چھوڑ دیں۔ پھر دیکھیں! وہ مسلمان کیسا بے ایمان نکلے گا؟''

جب وہ راجہ صاحب کی خاص میٹنگ میں ایسے مشورے دیتے رہتے تھے' تب میں فارغ رہتا تھا۔ چھٹی کے وقت محل کے باہر کہیں وقت گزارتا تھا اور آرام سے بیٹھ کر غیر معمولی سماعت کے ذریعے ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔

میں اس محل میں تنہا مسلمان ملازم تھا۔ مجھ سے عداوت رکھنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

میں چاہتا تو عداوت رکھنے والوں سے تنہائی میں بڑی رازداری سے نمٹ سکتا تھا۔ چاہتا تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا یا اپاہج بنا کر چھوڑ دیتا۔ لیکن میں مطمئن تھا۔ ابھی ان کی دشمنی مجھے نقصان نہیں پہنچا رہی تھی۔

ایک بار راجہ مہاویر نے مجھے آزمایا۔ وہ بنارس تیرتھ یاترا کے لئے گئے تھے۔ میں ان کے ساتھ دن رات رہتا تھا۔ انہوں نے راج گڑھ واپس آتے وقت میرے سامان میں دس ہزار سونے کی اشرفیاں یوں چھوڑ دیں' جیسے انہیں رکھ کر بھول گئے ہوں۔ پھر انہوں نے محل میں آ کر دیوان جی سے کہا۔ ''مجھے یاد نہیں آ رہا ہے' میں نے دس ہزار سونے کی اشرفیاں کہاں رکھی تھیں؟ شائد بنارس کے سرکاری گیسٹ ہاؤس میں بھول آیا ہوں۔''

دیوان جی دھرم داس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''دس ہزار سونے کی اشرفیاں....؟''

اس کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔ اس نے کہا۔ ''گنگا آپ کے بھروسے کا نوکر ہے۔ آپ کے سامان کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ آپ کو غازی پر بھی بھروسہ ہے۔ ضرور انہوں نے مل کر چوری کی ہوگی۔ یا کسی ایک نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔''

اس وقت دیوان عام میں محل کے معزز افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب ہی کہہ رہے تھے کہ راجہ صاحب کہیں بھولے نہیں ہیں' وہ اشرفیاں چرائی گئی ہیں اور غازی ہی ایسی مجرمانہ دلیری دکھا سکتا ہے۔

ایسے ہی وقت میں اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں لے کر وہاں پہنچا اور انہیں راجہ صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔ سب کو چپ لگ گئی۔

میں نے کہا۔ ''اتنے لمبے سفر میں سامان اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں' کیسے یہ تھیلیاں میرے سامان میں آ گئیں؟''

راجہ صاحب نے خوش ہو کر' میرے شانے کو تھپک کر ایک تھیلی انعام کے طور پر مجھے دی۔ جب میں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر وہاں سے چلا آیا تو راجہ صاحب نے محل کے معزز افراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا تم لوگوں نے' یہ ہمارے دھرم کا نہیں ہے۔ مگر سچا اور ایمان والا ہے۔''

یہ ثابت ہو گیا کہ وہ سب میرے متعلق غلط رائے رکھتے ہیں۔ دھرم داس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! بات اصل میں یہ ہے کہ کسی کو دولت کا لالچ ہوتا ہے' کسی کو عورت کی ہوس ہوتی ہے۔ یہ دیو جیسا مرد ہے۔ مجھے کسی نے کہا تھا کہ یہ عورتوں کا رسیا ہے۔ آپ کی تین رانیاں ہیں اور سات سندر داسیاں ہیں۔ ان کے علاوہ کتنی ہی راج گھرانے کی لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ آپ اسے راج محل کے اندر آزادی سے نہ جانے دیا کریں۔''

محل میں ان کی تین رانیاں تھیں۔ انہوں نے بارہ برس پہلے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ وہ اسے دل و جان سے چاہتے تھے۔ سات برسوں تک ازدواجی مسرتیں حاصل

کرنے کے بعد ہی وہ دوسری شادی کے لئے مجبور ہوگئے۔ کیونکہ پہلی رانی سے اولاد نہیں ہو رہی تھی۔ راج گدی کا کوئی وارث پیدا نہیں ہو رہا تھا۔

دوسری رانی ششی کلا کو معلوم تھا کہ اولاد کی خاطر اسے رانی بنایا گیا ہے۔ اگر وہ ماں نہیں بنے گی تو مہارانی نہیں کہلائے گی۔ طلاق ہو جائے گی۔ پھر وہ ایک داشتہ کی طرح محل کے کسی کونے میں پڑی رہے گی۔

تین برس گزر گئے۔ وہ یقین سے کہتی رہی کہ ماں بننے کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ لیکن راجہ صاحب تیسری رانی لے آئے۔ مقابلہ سخت ہو گیا کہ ان میں سے کون پہلے جانشین پیدا کرے گی؟ جبکہ وہاں بیٹا تو کیا بیٹی بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

دوائیں اور دعائیں رنگ لاتی ہیں۔ دوسری رانی ششی کلا کے پاؤں بھاری ہو گئے۔ ایک اولاد کے بعد دوسرے بچوں کے لئے دنیا میں آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ سب یہی کہہ رہے تھے کہ ششی کلا پر قدرت مہربان ہے۔ اب وہ بچے پیدا کرتی رہے گی۔

پہلی رانی تو مایوس ہو چکی تھی۔ دس برس گزرنے کے بعد بھی کھیتی ہری نہیں ہوئی تھی۔ البتہ بچوں نے راجہ مہاویر کا محل دیکھ لیا تھا۔ اِدھر دوسری رانی ششی کلا نے ایک بیٹی کو جنم دیا تو تیسری رانی کلاوتی ایک برس کے بعد ہی بیٹا پیدا کر کے مہارانی کہلانے لگی۔ کیونکہ اس نے راج گدی کا وارث پیدا کیا تھا۔

سب ہی راجہ صاحب کو خوش ہوتے دیکھ رہے تھے۔ وہ ماں بننے والی رانیوں کے نام زمین جائیداد کا کچھ حصہ لکھ رہے تھے۔ مگر ان کی تمام توجہ اور تمام محبتیں پہلی رانی کے لئے ہی تھیں۔ وہ اپنا زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزارتے تھے۔

راجہ مہاویر کو مشورے دیئے جا رہے تھے کہ مجھے محل سے باہر رانیوں اور داسیوں سے دور رکھا جائے۔ جبکہ ان کا محل عشرت کدہ بنا ہوا تھا۔ وہاں ان کے کئی رشتے دار مرد اور جوان عورتیں تھیں۔ جب راجہ صاحب اپنی خوابگاہ میں کسی رانی یا کسی داسی کے ساتھ کچھ وقت گزار کر پی پلا کر مدہوش ہو جاتے تھے تو ان کی غفلت کے دوران تمام رشتے داروں کو کھلی چھٹی مل جاتی تھی۔

وہاں حسیناؤں کی کمی نہیں تھی۔ راج گھرانے کے چاچا جی' ماما جی اور کسی نہ کسی رشتے سے بھائی یا بہنوئی کہلانے والے خوب پیتے پلاتے اور عیش کرتے رہتے تھے۔

باہر والوں کو اندر کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ صرف میں جانتا تھا۔ محل کے ایک گوشے میں

میری رہائش تھی۔ راجہ صاحب رات کے وقت بھی مجھے اپنے قریب رکھتے تھے۔ میرے رہائشی کمرے سے ایک خفیہ راستہ ان کی خوابگاہ تک گیا تھا۔ اگر کوئی آفت آتی تھی تو وہ گھنٹی بجاتے تھے اور میں فوراً ہی وہاں پہنچ جاتا تھا۔

محل کے دوسرے حصوں میں پہنچانے والے دروازے رات کو مقفل رکھے جاتے تھے۔ میں بھی ادھر نہیں جا سکتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ وہاں کیسی رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں؟ لیکن قدرت نے مجھے دیکھنے' سننے اور سونگھنے کی ایسی غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں کہ میں ایک بند چار دیواری کے اندر رہ کر نہ دیکھتے ہوئے بھی بہت کچھ سن لیتا تھا۔ سونگھ لیتا تھا' سمجھ لیتا تھا۔

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں' مجھے رات کی تاریکی میں کچھ فاصلے تک واضح طور پر نظر آتا ہے۔ لیکن میری بصارت میں' میری نگاہوں میں دیوار کے آر پار دیکھنے والی جادوگری نہیں تھی۔ اس لئے میں محل میں رنگ رلیاں منانے والوں کو آنکھوں سے نہیں دیکھتا تھا۔ مگر کانوں سے ان کی باتیں سن لیتا تھا۔

غیر معمولی سماعت کا طریقہ یہ تھا کہ میں جس کی طرف دھیان دیتا تھا' اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ میرا یہ فرض تھا کہ فرصت کے کسی بھی لمحے میں راجہ صاحب کی خیریت معلوم کرتا رہوں۔ لہٰذا پہلے ان پر دھیان دیتا تھا۔ مجھے ان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہ اپنی آغوش میں آنے والی کسی حسینہ سے بولتے تھے۔ ''میری جان! تمہارا حسن و شباب لاجواب ہے۔ تمہارے جیسے بدن والی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔''

حسینہ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ''آپ کی تنہائی میں جو بھی آتی ہوگی' آپ اسی طرح اس کی تعریفیں کرتے ہوں گے۔''

انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''حسن کی تعریف نہ کی جائے تو جوانی کی سوغات نہیں ملتی۔''

''میں خریدی ہوئی چیز ہوں۔ تعریف کریں یا نہ کریں' آپ کو خوش کر کے ہی جاؤں گی۔''

وہ کچھ کہنے سے پہلے غٹاغٹ پینے لگے۔ ایسے وقت میں شراب کی اور کھانے پینے کی بو محسوس کرتا رہتا تھا۔ میرے کمرے میں خاموشی رہتی تھی۔ چشم تصور سے ایسا لگتا تھا' جیسے وہ آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔

وہ غٹاغٹ پینے کے بعد بولے۔"دنیا کی ہر عورت اپنی تعریف سننا چاہتی ہے۔چاہے وہ بکاؤ مال کیوں نہ ہو۔تم بھی اپنی تعریف سن کر یقیناً اندر سے خوش ہو رہی ہو۔سچ تو یہ ہے کہ موج مستی کے وقت حسینائیں بوتل کو سلام کیا کریں' کیونکہ نشے کی ترنگ میں وہ دنیا کی حسین ترین سوغات دکھائی دیتی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ سوغات پر جھپٹ پڑے۔میں نے فوراً ہی انہیں اپنے دھیان سے نکال دیا۔ان کی آواز اور ان کی سمت سے آنے والی بو گم ہو گئی۔

ہر رات راج محل میں بہت کچھ ہوتا رہتا تھا۔میں تھوڑی دیر تک اپنے خالی کمرے کو دیکھتا رہا۔پھر میں نے راجہ صاحب کے بہنوئی کو تصور میں دیکھا۔اس کی طرف دھیان دیا۔دوسرے ہی لمحے میں اس کی آواز سنائی دینے لگی۔وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔"تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔میں بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔کیا راجہ صاحب ابھی تک جاگ رہے ہیں؟"

وہ دھیمی خرگوشی میں بولی۔"وہ ابھی مدہوش ہو کر خراٹے لے رہے ہیں۔"

میں اس کی آواز سنتے ہی چونک گیا۔سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔وہ راجہ مہاویر چوہان کی تیسری رانی کلاوتی تھی۔مجھے اپنی سماعت پر شبہ ہوا کہ شائد میں آواز کے ذریعے پہچاننے میں غلطی کر رہا ہوں۔وہ رانی نہیں ہے۔راجہ صاحب کے بہنوئی کے پاس آدھی رات کو نہیں آئی ہے۔

میرا دل نہیں مان رہا تھا۔میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"نہیں۔یہ جھوٹ ہے۔مجھے دھیان سے سننا چاہئے۔"

پھر میں نے توجہ سے آواز سنی۔میری سننے کی صلاحیت دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔

رانی کلاوتی کہہ رہی تھی۔"مجھے یقین ہے' چوہان کبھی باپ نہیں بن پائے گا۔مجھے بچہ دو۔میری کوکھ میں ایک جانشین دو۔میں اپنی عزت اور مان مرتبے کو داؤ پر لگانے آتی ہوں۔بار بار آؤں گی تو کبھی پکڑی جاؤں گی۔مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

وہ دونوں خاموش تھے۔لیکن ملبوسات کی سرسراہٹ سے اور سانسوں کی ہلچل سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس محل میں ایک جانشین کو لانے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔

میں اپنے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔انہیں ذہن سے نکال کر وہاں سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔سوچنے لگا کہ رانی کلاوتی اپنے پتی دیو کو دھوکہ دے رہی ہے۔ایسے وقت مجھے کیا

کرنا چاہئے؟

میں بند کمرے میں ٹہل رہا تھا۔دل میں یہی بات آ رہی تھی کہ میں نمک حلال ملازم ہوں۔مجھے اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔راجہ صاحب کو ایک بدچلن پتنی کے فریب سے آگاہ کرنا چاہئے۔

مگر کیسے آگاہ کروں؟میں رانی کلاوتی کو کیسے بیوفا اور بدچلن ثابت کروں گا؟

مجھ میں قدرتی طور پر جو خوبیاں اور غیر معمولی صلاحیتیں ہیں' انہیں کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔راجہ صاحب کو اتنا ہی بتایا تھا کہ اندھیرے میں قریب کی چیزیں ذرا ذرا سی جھلکتی ہیں۔یہ نہیں کہا تھا کہ تاریکی میں خاصی دور تک صاف طور پر دیکھ لیا کرتا ہوں۔

انہیں بتایا تھا کہ توجہ سے سنو تو دور کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔یہ حقیقت نہیں بتائی تھی کہ میں خاصی دور سے ہونے والی گفتگو سن لیا کرتا ہوں۔

اگر انہیں ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کا علم ہو جاتا تو وہ مجھ سے بدک جاتے۔اپنے ذاتی رازوں اور ذاتی معاملات کو چھپانے کے لئے مجھ سے محتاط رہتے۔مجھے گھر کا بھیدی کبھی نہ بناتے۔شائد میری چھٹی ہی کر دیتے۔

سچ تو یہ ہے کہ میں نے ایک آدھ بار ایک ہندو راجہ کی ملازمت چھوڑ دینے کے متعلق سوچا تھا۔جب کبھی دہلی جاتا تو میری شریک حیات ساجدہ اور خاندان کے بزرگ بھی یہی کہتے کہ ہندو کی غلامی چھوڑو اور اپنوں میں رہ کر اپنی زمینیں سنبھالو' کھیتی باڑی کرو۔

یہی مناسب تھا۔میں آزاد رہ کر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے ذریعے عزت' دولت اور بے انتہا دولت کما سکتا تھا۔میں یہ ضرور سوچتا تھا کہ مجھے کسی کی نوکری نہیں کرنی چاہئے۔مگر بس سوچ کر رہ جاتا تھا۔

بڑی عجیب سی بات تھی کہ آزادی' نیک نامی اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی راہ سجھائی دے رہی تھی اور میں عمل نہیں کر رہا تھا۔مجھے یوں لگتا تھا' جیسے کوئی غیبی طاقت مجھے روک رہی ہے۔میں بے اختیار خود کو سمجھاتا تھا کہ مجھے کچھ روز صبر کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ جلد ہی اس ملازمت کے ذریعے بہتری کرنے والا ہے۔

بہرحال میں بیان کر رہا تھا کہ رانی کلاوتی کے معاملے نے مجھے الجھا دیا تھا۔میں راجہ صاحب کے سامنے اس کے شرمناک کرتوت بیان نہیں کر سکتا تھا۔ایسے وقت ذہن میں بات آئی' کیا راجہ صاحب کے کرتوت شرمناک نہیں ہیں؟وہ تو ملک سے باہر جا کر بھی منہ کالا

کرتے رہتے ہیں۔

میں نے سوچا۔ ''مجھے ان کے ذاتی اور ازدواجی معاملات کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ جو جیسا کرے گا' ویسا بھرے گا۔''

ویسے یہ غریبوں کے ساتھ ہی دیکھا گیا ہے۔ راجہ' مہاراجہ اور امیر کبیر لوگ برا کرتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ برا نہیں ہوتا۔ وہ عیاشی کرتے ہیں اور بڑی نیک نامی کے ساتھ دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ غیر معمولی صلاحتیں کسی کسی کو نصیب ہوتی ہیں۔ میری دانشمندی یہ ہوگی کہ میں ایسی صلاحیتیں دنیا والوں سے چھپا کر رکھوں۔ کسی پر ظاہر نہ کروں۔ یہی کوشش کرتا رہوں کہ میری ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔

میں نے ان لمحات میں فیصلہ کیا کہ میں خاموش اور پراسرار بن کر رہا کروں گا۔ جو خاموش رہتا ہے۔ اپنے خول میں بند رہتا ہے' وہی دنیا والوں کو ان کے خول سے باہر نکال لاتا ہے۔

ایک رات راجہ صاحب نے اپنی ایک داشتہ رُکمنی کی سندرتا سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔ ''سچ بتا! غازی تجھے کیسا لگتا ہے؟''

رکمنی نے کہا۔ ''ایسا گبرو جوان تو کوئی نہ ہوگا۔ محل کی ساری عورتیں آہیں بھرتی ہیں۔ اس کی تمنا کرتی ہیں۔ مگر وہ کسی کو منہ نہیں لگاتا۔''

''کیا تجھے بھی منہ نہیں لگاتا؟''

''اسے رجھانے کا موقع ملے گا تو اپنا دیوانہ بنا کر چھوڑ دوں گی۔''

''میرا باڈی گارڈ پتھر ہے۔ نہیں پگھلے گا۔''

وہ بولی۔ ''اونہہ..... بڑے بڑے رشی منی عورت کے آگے اپنی تپسیا اور پوجا پاٹ بھول جاتے ہیں۔ میں اس کے ہوش اڑا سکتی ہوں۔''

''اگر تو اس کا صرف ایک لباس اتار دے گی تو میں سو مربع زمین تیرے نام کردوں گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''سو مربع زمین....؟ ہے بھگوان! میں تو زمینوں والی بن جاؤں گی۔''

''تو پھر جو کہہ رہی ہے' وہ کر کے دکھا۔ ابھی جا اور اس کے بدن سے کپڑا اتار کر

لے آ۔''

میں اپنے کمرے میں بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ رُکمنی نے کہا۔ ''محل کے دروازے اس وقت مقفل رہتے ہیں۔ میں اس کے کمرے میں کیسے جاؤں گی؟''

''تو میرے کمرے سے نکل کر راہداری سے گزر کر اس کے کمرے میں چلی جا۔ اس سے کہنا' آج راجہ صاحب کو خوش کرنے کی تیری باری تھی۔ مگر وہ بہت زیادہ پینے کے بعد بیہوشی کی نیند سو رہے ہیں۔''

وہ بولی۔ ''بس سمجھ گئی' آگے میں باتیں بنا لوں گی۔''

پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ میری طرف آ رہی ہوگی۔ میں لیٹا ہوا تھا۔ بستر سے اٹھ کر کرسی پر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دروازے کو ایک ذرا سا کھول کر مجھے دیکھا۔ نظریں ملتے ہی وہ بڑی شوخی سے مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔ میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ راجہ صاحب ہم دونوں کو گولی مار دیں گے۔''

وہ ساڑھی کا آنچل ڈھلکاتے ہوئے بولی۔ ''وہ تو گئے... آج تو مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اتنی پی لی کہ مدہوش ہو گئے۔ اب گہری نیند سو رہے ہیں۔''

وہ بڑے ہی جذباتی انداز میں اپنے بدن کے ایک حصے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''ہائے...! آگ بجھانے والا سو گیا اور میں سلگ رہی ہوں۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم پر ٹھنڈا پانی لا کر ڈالوں؟''

''کیوں نادان بنتے ہو؟ گھر والی سے دور آ کر نوکری کرتے ہو۔ سنا ہے' چار مہینوں میں ایک بار اپنی پتنی کے پاس جاتے ہو؟''

وہ بل کھاتے ہوئے ادھر سے ادھر اپنے بدن کے زاویے پیش کرتے ہوئے بولی۔ ''اتنے دنوں تک کیسے رہتے ہو؟ کیا سلگتے نہیں ہو؟''

میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آگے آ کر اپنی ساڑھی کا آنچل میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے پکڑ کر کھینچو۔ میں گھومتی جاؤں گی' ساڑھی کھلتی جائے گی۔ یہ گیان ہوگا کہ خزانے کس طرح دریافت ہوتے ہیں؟''

وہ بلاشبہ حسین تھی۔ چھلکتے ہوئے بدن کی ملکہ تھی۔ اسے چھونے والے جل جاتے ہوں گے۔ میں انسان ہوں' فرشتہ نہیں ہوں۔ شائد بہک جاتا اگر یہ جان نہ چکا ہوتا کہ وہ سو مربع زمین جیتنے آئی ہے۔

میں نے کہا۔''تم بہت سندر ہو۔تمہیں دیکھنے والے للچاتے ہوں گے۔تمہیں لوٹ لینا چاہتے ہوں گے۔مگر.....''

اس نے پوچھا۔''مگر کیا.....؟''

''میری شریک حیات ساجدہ تم سے زیادہ سندر ہے۔اتنی کشش رکھتی ہے کہ میں یہاں آجاتا ہوں اور وہ چار ماہ تک مجھے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔کسی دوسری طرف بھٹکنے نہیں دیتی۔''

میں نے اس کی ساڑھی کا آنچل نہیں پکڑا تھا۔وہ خود ہی اسے اتارتے ہوئے بولی۔''وہ پرانی استعمال شدہ ہے۔میں تمہارے لئے نئی ہوں۔مجھے دیکھو اور نئے پرانے کے فرق کو سمجھو۔سنا ہے' وہ تمہارے دو بچوں کی ماں ہے؟''

وہ ساڑھی اتار چکی تھی۔آگے اور تماشہ دکھانے والی تھی۔میں نے کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے ایک لات ماری۔وہ تکلیف سے کراہتی ہوئی دور جاکر فرش پر گر پڑی۔مجھے افسوس ہوا۔کبھی عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔میں نے بہت مجبور ہو کر ایسا کیا تھا۔نہ کرتا تو وہ اور کھلتی چلی جاتی۔

میرا ایک بیٹا عمیر بن غازی پانچ برس کا تھا۔ایک بیٹی رابعہ چھ ماہ کی تھی۔میرے لئے ساجدہ سے افضل کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔اس نے میرے بچوں کو جنم دیا تھا۔ایک کو دودھ پلایا تھا۔دوسری کو پلا رہی تھی۔

میں نے کہا۔''رکمنی! مجھے افسوس ہے۔میں اپنے بیوی بچوں کے پاکیزہ ماحول میں رہتا ہوں۔اس لئے تمہاری بے حیائی برداشت نہیں ہوئی۔میں نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔مجھے اور ایسا کرنے پر مجبور نہ کرو۔فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔''

وہ کھلی ہوئی ساڑھی میں خود کو چھپا رہی تھی۔اچانک ہی رونے لگی۔میں نے پوچھا۔''کیوں رو رہی ہو؟''

وہ اور سسک سسک کر رونے لگی۔میں تھوڑی دیر تک چپ رہا۔یہ خیال آیا کہ اس نے راجہ صاحب کے سامنے بڑی ڈینگیں ماری تھیں اور کہا تھا کہ اپنے حسن و شباب سے میرے ہوش اڑا دے گی۔

اور ایسا نہیں ہوا تھا۔میں نے سوچا' یہ اپنی ناکامی پر رو رہی ہے۔لیکن اس نے اچانک ایسی بات کہی کہ میں اس کا منہ تکتا رہ گیا۔اس نے سر اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے

مجھے دیکھا پھر کہا۔''میرا بھی ایک بیٹا ہے۔''

یہ چونکا دینے والی بات تھی۔راجہ صاحب کوری کنواری لڑکیوں کو داسی بنا کر رکھتے تھے۔کوئی بیاہتا یا بیوہ انتہائی خوبصورت ہو اور اس پر دل آجائے تو اپنی دولت اور طاقت سے اسے ایک بار حاصل کر کے چھوڑ دیتے تھے۔

میں نے حیرانی سے پوچھا۔''راجہ صاحب نے تمہیں قبول کیسے کیا ہے؟''

''وہ نہیں جانتے کہ میں ودھوا ہوں اور تین برس کے ایک بیٹے کی ماں ہوں۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔''ہم بہت غریب ہیں۔میرے دودھ نہیں ہوتا تھا۔بچے کو اوپری دودھ پلانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ماں محنت مزدوری کرتی تھی۔تب میرے ماما جی نے مشورہ دیا کہ وہ مجھے کسی طرح محل میں پہنچائیں گے اور راجہ صاحب میری سندرتا کو دیکھ کر ہماری روزی روٹی کا وسیلہ بن جائیں گے۔''

میں نے کہا۔''راجہ صاحب نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔وہ دھوکا کیسے کھا گئے؟''

''میرے باپو وید تھے۔انہوں نے جڑی بوٹیوں سے ایسی دوا تیار کی تھی' جسے استعمال کرنے کے بعد میں پھر پہلے جیسی ہو گئی ہوں۔کسی پہلو سے بھی دیکھو' پرکھو کنواری ہی لگتی ہوں۔''

یقیناً ایسا ہی ہوگا۔اسی لئے راجہ صاحب ایک بیوہ اور ایک بچے کی ماں سے دھوکا کھا رہے تھے۔اس نے کہا۔''میرا بچہ یہاں سے بہت دور اپنی نانی کے پاس پل رہا ہے۔وہ تینوں وقت اچھا کھاتا پیتا اور پہنتا ہے۔''

پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اس نے کہا۔''باپو کی دوا زیادہ دنوں تک کام نہیں آئے گی۔جوانی کا زور اور لہو کی گرمی سے کے ساتھ ساتھ ختم ہونے کو ہے۔جب کام کی نہیں رہوں گی تو راجہ صاحب دس پانچ ہزار روپے دے کر یہاں سے نکال دیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔''اس رقم سے میں کسی طرح گزارہ کر لوں گی۔لیکن میرے بیٹے کو جوان ہونا ہے۔ایک اچھی کھاتی پیتی زندگی گزارنا ہے۔اس کا کیا بنے گا؟''

وہ ساڑھی میں منہ چھپا کر رونے لگی۔یہ میں جانتا تھا کہ برٹش سرکار کے سائے میں رہنے والے راجے مہاراجے' سلطان اور نواب کہلاتے تھے۔لیکن ماضی کے مہاراجاؤں اور

شہنشاہوں کی طرح اشرفیاں لٹانے والے دولتمند نہیں تھے۔

مہاویر چوہان جیسے راجہ بہت حساب کتاب سے ناپ تول کر عیاشی کرتے تھے۔ رکمنی محل سے نکالے جانے کے بعد پھر محتاجی کی زندگی گزارنے والی تھی۔

وہ روتے روتے بولی۔ ''ابھی میں تمہیں اپنا دیوانہ بنا دیتی اور تمہارا اتارا ہوا لباس راجہ صاحب کے پاس پہنچا دیتی تو وہ سو مربع زمین میرے نام لکھ دیتے۔''

میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ''کیا راجہ صاحب نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے؟''

''ہاں۔ مگر تمہارے خدا کا واسطہ دیتی ہوں' یہ بات ان سے نہ کہنا۔ ورنہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ ''ہاں۔ وہ ایک راجہ ہیں۔ انہوں نے ایک دلال کی طرح تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ وہ نہیں چاہیں گے کہ مجھے یہ بات معلوم ہو۔ اگر معلوم ہو گی تو وہ اپنی ہتک محسوس کریں گے۔ ان کا مان رہنا چاہئے کہ وہ اس معاملے میں انجان ہیں۔''

وہ پھر رونے لگی۔ کہنے لگی۔ ''لیکن میں سو مربعے ہار چکی ہوں۔ میرے بیٹے کے جیون میں جو کھیتی باڑی' جو خوشحالی آنے کو تھی' اب نہیں آئے گی۔''

مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟ کس طرح تمہارے بیٹے کے کام آ سکتا ہوں؟''

''تم چاہو تو دیالو بن سکتے ہو۔ مہربان ہو سکتے ہو۔''

''اگر میں کچھ کر سکتا ہوں تو ضرور کروں گا۔ بولو! کس طرح تمہارے کام آ سکتا ہوں؟''

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ بولی۔ ''تم اپنا یہ لباس اتار کر مجھے دے دو۔''

میں نے ناگواری سے پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

وہ بولی۔ ''تم عیاش اور بدکار نہیں ہو۔ میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ تمہاری پارسائی ہمیشہ قائم رہے۔ آج تم میرے لئے ذرا سی بدنامی مول لے کر اپنی یہ پتلون مجھے دے کر نیکی کما سکتے ہو۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مجھے نقصان پہنچانے والا مطالبہ کر رہی تھی۔ میں اپنی اترن اسے دے کر راجہ صاحب کے آگے یہ ثابت کر دیتا کہ رکمنی کے ساتھ گناہ گار بن چکا ہوں۔

وہ بولی۔ ''میرے لئے ہمدردی سے سوچو گے تو گناہ گار کہلا کر غریبوں کو زمیندار بنا دو گے۔''

واقعی میری ایک ذرا سی ہمدردی سے وہ ماں بیٹے سو مربع زمین کے مالک بن سکتے تھے۔ رکمنی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''مرد بدنامی کے کام کر کے بھی بدنام نہیں ہوتا۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑتا' یہ سب ہی کہتے ہیں۔ راجہ صاحب بھی کہتے ہیں کہ تمہارے جیسا باڈی گارڈ کوئی نہیں ہے۔ تم اُن کے لئے اتنے ضروری ہو کہ وہ تمہیں نوکری اور اس محل سے کبھی نہیں نکالیں گے۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ اپنے حساب سے درست کہہ رہی تھی۔ میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے دیکھ رہا تھا اور دوسرے پہلوؤں سے سوچ رہا تھا۔ مجھے یہ فخر تھا کہ راجہ صاحب کی جان ہوں۔ وہ مجھے اپنی جان کے ساتھ لگا کر رکھیں گے۔ اب یہ آزمایا جا سکتا تھا کہ وہ میری ایک غلطی ایک گناہ معاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ بات میرے اندر پکتی رہتی تھی کہ راجہ کو سلوٹ کرنے والی نوکری چھوڑ دینا چاہئے۔ چھوڑ دینے کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے گا تو ضرور وہاں سے چلا جاؤں گا۔

اب شائد رکمنی سے نیکی کرنے کے بہانے راجہ صاحب کو الوداع کہنے کا وقت آ رہا تھا۔ میں کرسی سے اٹھ کر باتھ روم میں گیا وہاں میں نے پتلون اتار دی۔ دوسری پہنی پھر کمرے میں آ کر وہ اترن اس کی طرف پھینک دی اور اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

اس نے حیرانی سے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر جلدی سے اٹھ کر ساڑھی پہنتے ہوئے کہا۔ ''ہے بھگوان! میں تمہیں بیوقوف دیوانہ بنانے آئی تھی اور تم میرے لئے اتنی بڑی نیکی کر رہے ہو۔ میرے بیٹے کی زندگی سنوارنے کے لئے بدنامی مول لینے والے ہو۔ تم انسان نہیں' دیوتا ہو۔''

وہ میرے قدموں میں جھکتے ہوئے بولی۔ ''میرے سامنے سوئم بھگوان بیٹھے ہیں۔''

میں نے قدموں میں جھکنے سے پہلے اسے پکڑ کر کہا۔ ''میں خدا کا ناچیز بندہ ہوں۔ اب یہاں سے جاؤ۔''

وہ پتلون اٹھا کر دونوں ہاتھ جوڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ میں نے اٹھ کر دروازے کو بند کیا۔ پھر بستر پر آ کر نیم دراز ہو گیا۔ میرے کان راجہ صاحب کی طرف لگے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز سنائی دی۔ ''کیا ہوا؟ ناکام ہو کر آئی ہو؟ یہ ساڑھی میں کیا چھپا

رکھا ہے؟''

وہ بولی۔ ''میں نے کہا تھا نا' عورت بڑے بڑے رشی منی اور دیوتاؤں کے ہوش اڑا دیتی ہے۔ یہ آپ کے باڈی گارڈ غازی کی اترن....''

میں سن سکتا تھا' دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے ساڑھی میں چھپی ہوئی پتلون نکال کر دکھائی ہوگی۔ راجہ صاحب کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑے ہی سخت لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ''تم نے کمال کیا ہے۔ مگر مجھے غصہ آرہا ہے۔ وہ اوپر سے پتھر کی طرح سخت نظر آنے والا ایک عورت کی جوانی سے پگھل گیا؟ تھو ہے اس پر اور تھو ہے تم پر... جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے...''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''آپ غصہ نہ کریں۔ میں نے آپ کے حکم سے ایسا کیا ہے اور آپ نے وعدہ کیا ہے کہ میرے نام سو مربع زمین لکھ دیں گے۔''

تڑاخ کی آواز سنائی دی۔ یقیناً رکمنی کے منہ پر طمانچہ پڑا تھا۔ پھر ان کی آواز سنائی دی۔ ''کتے کی اولاد! کبھی تیرے باپ نے بھی سو مربع زمین دیکھی ہے؟ ہم اپنا جھوٹا نوکر کو دیتے ہیں۔ مگر ہماری جھوٹی عورت کسی نوکر کے پاس جائے تو اسے گولی مار دیتے ہیں۔ بھگوان کا شکر ادا کر! ہم تجھے اس محل سے زندہ جانے دیں گے۔ تُو نمک حرام ہے۔ منہ کالا کر کے آئی ہے اور انعام مانگ رہی ہے؟''

میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے کہتے ہیں' نیکی برباد گناہ لازم... سوچا تھا کیا اور کیا ہو رہا تھا؟ رکمنی کو انعام میں لات جوتے مل رہے تھے اور میں نیکی کر کے مفت میں گناہ گار بن گیا تھا۔

یہ دولت اور اقتدار والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اب اسے راجہ صاحب نہیں کہوں گا۔ اس کم بخت کو اس بات پر غصہ آرہا تھا کہ میں نے ایک ملازم ہو کر اس کی داشتہ پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ پہلی بار معلوم ہوا کہ وہ مجھے ایک گرا ہوا نوکر سمجھتا ہے۔

یہ تو موٹی عقل سے بھی سوچا جا سکتا تھا کہ میں ملازمت کر رہا تھا تو پھر نوکر ہی کہلاؤں گا اور نوکروں کو تو پاؤں کی جوتی ہی سمجھا جاتا ہے۔

میں بیٹھے بیٹھے پہلو بدلنے لگا۔ گویا پیچ و تاب کھانے لگا۔ میرے اندر بغاوت کا دھواں بھر رہا تھا۔ میں ابھی وہاں جا کر خوب باتیں سنانا چاہتا تھا۔ اس کی نوکری کو ٹھکرا کر ابھی وہاں سے جانا چاہتا تھا۔

میں بستر پر بیٹھا تھا۔ غصے سے باغیانہ انداز میں سوچ رہا تھا۔ مگر اپنی جگہ سے اٹھ

نہیں رہا تھا۔ یقین سے تو نہیں کہہ سکتا مگر ایسا لگتا تھا کوئی غیبی طاقت مجھے وہ ملازمت چھوڑنے سے روکتی رہتی ہے۔

ان لمحات میں میری ذہانت کہہ رہی تھی کہ ملازمت چھوڑنے میں پہل نہ کرو۔ اس سلسلے میں پہلے مہاویر کو کچھ کہنے دو۔

میں اس محل میں اور راج گڑھ میں رہ کر اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کئی طرح کے الزامات لگا کر مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے پھینک سکتا تھا۔ عسکری حکمت عملی کے خلاف اس کے درجنوں مسلح گارڈز سے تنہا لڑ کر خود کو باغی ثابت کرنے کی حماقت کرتا تو انگریز سرکار کے قانون کا پھندہ اپنی گردن میں ڈال لیتا۔

میں کئی پہلوؤں سے سوچ رہا تھا اور مہاویر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہا تھا۔ انتظار کر رہا تھا کہ وہ غصے میں ہے اور میری طرف آنے ہی والا ہے۔

اس نے ایک داشتہ کو لات جوتے مار کر وہاں سے نکال دیا تھا۔ مجھے اس عورت کے لئے جتنا کرنا تھا' اس سے زیادہ کر چکا تھا۔ فی الحال اس کی حمایت میں نہ کچھ بول سکتا تھا' نہ کچھ کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس کے خراٹوں کی آواز سنی۔ وہ سو گیا تھا۔ جبکہ اسے غصہ دکھاتے ہوئے میرے پاس آنا چاہئے تھا یا مجھے طلب کرنا چاہئے تھا۔ تعجب ہے' وہ بڑے آرام سے سو گیا تھا۔

رکمنی ایک داشتہ تھی۔ اسے آسانی سے ٹھکرا دیا گیا تھا۔ لیکن وہ مجھے اتنی آسانی سے ٹھوکر نہیں مار سکتا تھا۔ اس نے بارہا دیکھا تھا کہ میں مخالفین کی موت بن جاتا ہوں۔ شائد اسی لئے فی الحال میری مخالفت سے کترا رہا تھا۔

میرے جیسا باڈی گارڈ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ بلکہ نصیب سے ملتا ہے۔ اس لئے وہ عجلت میں کوئی غلط قدم اٹھا کر بدنصیب نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے فی الحال مصلحتاً برداشت کرے گا۔ پھر مناسب موقع دیکھ کر پیچھا چھڑا لے گا اور پیچھا چھڑانے کے لئے میری موت لازمی ہوگی۔

میں تو باڈی گارڈ ہوں۔ اب تک دوسرے کی حفاظت کے لئے موت سے لڑتا آیا ہوں۔ آئندہ اپنی بقا کے لئے جنگ جاری رکھوں گا۔ میرے لئے کوئی فکر کی بات نہیں تھی۔ میں بھی آرام سے سو گیا۔

دوسری صبح سامنا ہوا تو اس نے پچھلی رات کے حوالے سے کوئی ردعمل پیش نہیں کیا۔وہ بالکل نارمل تھا۔نہ غصہ تھا' نہ کوئی ناراضگی یا ناگواری تھی۔ ایسا ہی لگ رہا تھا' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

صاف سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ بظاہر مجھے برداشت کر رہا ہے مگر اندر نفرت بھری ہوئی ہے۔مناسب موقع پا کر دوسرے گارڈز کے ذریعے مجھے ہلاک کرانے سے گریز نہیں کرے گا۔

حالات میرے مزاج کے مطابق تھے۔موت سے پنجہ لڑاتے رہنا میرا مشغلہ رہا ہے۔میں محتاط تھا۔بالکل تیار تھا۔''آؤ مہاویر چوہان...!کسی لمحے میں بھی آؤ۔ مجھے بندوق سے نکلتی ہوئی گولی کی طرح بے قرار اور تیز رفتار پاؤ گے۔''

وہ جب بھی شکار کے لئے جاتا تھا تو کسی ایک رانی کو ضرور ساتھ لے جاتا تھا۔خدمت کے لئے داسیاں تو ہوتی ہی تھیں۔ درجنوں مسلح گارڈز بھی ان کے خیموں کے اطراف مستعد رہا کرتے تھے۔ میں رکمنی کے معاملے میں مہاویر کا اعتماد کھو چکا تھا۔گناہ نہ کرنے کے باوجود گناہ گار بن گیا تھا۔اس نے شکار گاہ میں خیموں سے ذرا دور مجھے بلا کر کہا۔''تم اس مچان میں بیٹھا کرو جو ہمارے لئے بنائی گئی ہے۔ان خیموں کی طرف نہ آیا کرو۔''

میں نے کہا۔''پہلے تو آپ مجھے رانی صاحبہ اور داسیوں کے پاس آنے سے منع نہیں کیا کرتے تھے؟ کیا اب میں بھروسے کے قابل نہیں رہا ہوں؟''

''اس کا جواب خود سوچو اور سمجھو۔ہم نے جو حکم دیا ہے۔اس پر عمل کرو۔''

ہم ان خیموں سے دور ایک درخت کے سائے میں کھڑے ہوئے تھے۔اس وقت شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔رانی ششی کلا اپنے خیمے سے نکل کر دو داسیوں کے ساتھ وہاں سے دور ایک طرف جا رہی تھی۔کوئی مسلح باڈی گارڈ ان کے ساتھ نہیں تھا۔بات سمجھ میں آگئی۔وہ اپنی داسیوں کی نگرانی میں رفع حاجت کے لئے جا رہی تھی۔

مہاویر نے کہا۔''میں رانی کے پاس جا رہا ہوں۔تم ہماری مچان کی طرف جاؤ۔تھوڑی دیر بعد تمہیں ایک فائر کی آواز سنائی دے گی۔ایسے وقت تم لگاتار فائر کرتے ہوئے چلاؤ گے' سپاہیوں سے کہو گے کہ تم نے کسی جنگلی جانور کی جھلک دیکھی ہے۔لہٰذا اسے گھیرا جائے۔زندہ نہ جانے دیا جائے۔''

میں نے کہا۔''جب کوئی جانور نہیں ہوگا۔جب کوئی آہٹ نہیں ہوگی تو....؟''

اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔''ہم جو کہہ رہے ہیں وہی کرو۔''

میں نے کہا۔''ٹھیک ہے۔گولی چلنے کی آواز سنائی دے گی تو میں فائر کروں گا۔کوئی جنگلی جانور نظر آئے یا نہ آئے' میں چیختا چلاتا رہوں گا۔''

وہ مجھے حکم دے کر ادھر جانے لگا۔جدھر رانی اپنی داسیوں کے ساتھ گئی تھی۔میں مچان کی طرف جاتے ہوئے سوچنے لگا۔''مہاویر کیوں ایک فائر کی آواز سنائے گا؟ خواہ مخواہ یہ کیوں چاہتا ہے کہ میں شور مچاؤں اور دوسرے سپاہی بھی گولیاں چلانا شروع کر دیں؟''

بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔مگر آنے والی تھی۔ میں مچان کے پاس پہنچ گیا۔وہاں آس پاس ضرورت کے وقت مشعلیں روشن کی جاتی تھیں۔ورنہ اندھیرے میں شیر یا دوسرے جنگلی کا انتظار کیا جاتا تھا۔ہنگامی ضرورت کے لئے ہماری جیبوں میں ٹارچ رہا کرتی تھی۔

میں نے ایک مچان پر چڑھ کر وہاں آرام سے بیٹھ کر مہاویر چوہان کی آواز اور لہجے پر توجہ مرکوز کی۔وہ ٹارچ کی روشنی میں دبے قدموں چلتا ہوا ان جھاڑیوں کے پیچھے گیا' جہاں رانی ششی کلا داسیوں کے ساتھ گئی تھی۔داسیوں نے مہاویر کو دیکھتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا لئے۔

میں نے مہاویر کی آواز سنی وہ داسیوں سے کہہ رہا تھا۔''تم دونوں وفادار ہو' نمک حلال ہو' ہم محل میں پہنچ کر تمہیں انعام دیں گے۔اب جاؤ یہاں سے....''

وہ دونوں وہاں سے جانے لگیں۔رانی ششی کلا نے کہا۔''آپ جانتے ہیں' میں یہاں کس لئے آئی ہوں؟ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئے۔داسیوں کو واپس بلائیں۔''

''ہمارا حکم کمان سے نکلا ہوا تیر ہوتا ہے۔واپس نہیں آتا۔ داسیاں بھی واپس نہیں آئیں گی۔''

وہ اپنے لباس سے ریوالور نکال کر اس کا نشانہ لیتے ہوئے بولا۔''تم نے ہمارے لئے ایک بیٹی پیدا کی ہے۔''

وہ سہم کر بولی۔''اسے سامنے سے ہٹائیں۔یہ چل جائے گا۔اگلی بار بیٹا پیدا کروں گی۔''

وہ غصے سے بولا۔''بیٹا پیدا کرنے کے لئے کسی کے پاس منہ کالا کرنے جاؤ گی؟''

''یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ مجھے بدچلن کہہ کر کیوں میری توہین کر رہے ہیں؟''

میں نے طمانچہ مارنے کی آواز سنی۔وہ بولا۔''ذلیل کمینی! بازاری عورتیں کھل کر بدکاری کرتی ہیں۔مگر راج گھرانے کی شریف زادیاں چھپ کر اپنی جوانی لٹاتی ہیں۔تُو نے

اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ بڑی رانی دس برسوں میں بھی ماں نہ بن سکی۔ پچھلے دو برسوں تک تیری گود بھی خالی رہی۔ پھر تُو نے وارث پیدا کرنے کے لئے کسی کو اپنا یار بنالیا۔ وہ جو بیٹی محل میں ہے۔ وہ میری نہیں' تیرے یار کی ہے۔''

ششی کلا رو رو کر قسمیں کھا کر کہہ رہی تھی کہ وہ راجہ مہاویر کے سوا کبھی کسی کی تنہائی میں نہیں گئی ہے۔ اس نے پھر اس کے منہ پر ہاتھ جڑتے ہوئے کہا۔'' یہ صرف عورت ہی جانتی ہے کہ وہ کس مرد سے بچہ پیدا کر رہی ہے؟ لیکن تیرا پاپ میرے آگے نہیں چھپے گا۔ میں پکے ثبوت کے ساتھ جانتا ہوں کہ وہ بیٹی میری نہیں ہے۔''

وہ روتے ہوئے بولی۔'' کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟''

وہ بولا۔'' جب بڑی رانی سے شادی کے بعد پانچ برس گزر گئے اور اولاد نہیں ہوئی' تب میں لندن گیا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑے ڈاکٹر نے میرا معائنہ کرنے کے بعد رپورٹ لکھ دی کہ میں بانجھ ہوں۔ باپ نہیں بن سکوں گا۔''

ششی کلا نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی اس طرح بھید کھلے گا۔ وہ بے یقینی سے بولی۔'' آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا تھا تو آپ نے اولاد کے لئے مجھ سے شادی کیوں کی؟''

''ہم نے اولاد کے لئے نہیں' تمہاری سندرتا اور جوانی کے لیے کی تھی۔ اگر تم بڑی رانی کی طرح صبر کر لیتیں۔ حرام کی اولاد پیدا نہ کرتیں تو ہم پیار بھی کرتے اور تمہاری عزت بھی کرتے۔''

ششی کلا نے کہا۔'' اگر آپ بانجھ ہیں' باپ نہیں بن سکتے تو پھر تیسری رانی کلاوتی سے ہونے والا بیٹا بھی آپ کا نہیں ہے۔''

''ہاں۔ کلاوتی نے بھی وشواش گھات کیا ہے۔ وہ سمجھتی ہے' راج گدی کا جانشین پیدا کر کے ہمیں الو بنا رہی ہے۔ ہم موقع کی تاک میں ہیں۔ تمہارے بعد اس کی بھی باری آئے گی۔''

''دوسری رانیوں کی طرح میں بھی راج گھرانے سے آئی ہوں۔ میری ہتھیا کرو گے تو مصیبت میں پڑو گے۔''

''ہم شکار کھیلنے آتے ہیں تو صرف جانور کی ہتھیا کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی اچانک ہی غلطی سے کوئی گولی کسی انسان کو لگ جاتی ہے۔ اسی طرح یہ ایک گولی تمہیں

لگے گی۔''

وہ بولی۔'' رک جاؤ۔ مجھے گولی نہ مارو۔ میں نے تمہارے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے۔ مجھے طلاق دے دو۔ میں اپنی بیٹی کو لے کر تمہارے جیون سے نکل جاؤں گی۔''

''میں کھلاڑی ہوں' اناڑی نہیں ہوں۔ تم سات میل کے رقبے پر پھیلی ہوئی زمینیں جہیز میں لے کر آئی ہو۔ تمہاری موت کے بعد وہ زمینیں میری ہو جائیں گی۔ اگر طلاق لے کر جاؤ گی تو زمینیں بھی جائیں گی۔ میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی ششی کلا کی آخری چیخ سنائی دی۔ میں مچان سے نکل کر درخت سے اتر کر نیچے آ گیا۔ مہاویر نے کہا تھا کہ میں فائر کی آواز سنتے ہی گولی چلاؤں اور چیخنا شروع کر دوں۔ لہٰذا مجھے فائر کرنا تھا اور چیختے ہوئے یہ کہنا تھا کہ میں نے کسی جنگلی جانور کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ گویا ششی کلا کے قتل میں مجھے مہاویر کا ساتھ دینا تھا۔ یہ ثابت کرنا تھا کہ جس وقت ایک جنگلی جانور پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں' اس وقت ششی کلا رفع حاجت کے لئے گئی ہوئی تھی۔ وہیں گولیوں کی زد میں آ گئی۔

ابھی تو میرا یہ فرض تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل کروں۔ اس کے فائر کی آواز سنتے ہی یہاں سے گولی چلاؤں۔ اس نے جو کہا' وہی کرتا رہوں۔ لیکن میں چپ کھڑا تھا۔ اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ ششی کلا کے قتل کے سلسلے میں اس کا ساتھ دینا چاہئے یا نہیں؟

میں حکم کی تعمیل کرنے میں دیر کر رہا تھا۔ گویا حکم عدولی کر رہا تھا۔ آگے بات بگڑنے والی تھی۔ ایسے وقت دوسرے مچان سے ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔'' کہیں سے گولی چلی ہے۔ ضرور کوئی بات ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے جواباً گولی چلائی۔ اتفاقاً کسی جانور کے بھاگنے کی آواز سنائی دی۔ پھر تو کئی مچانوں سے' کئی طرف سے فائر کی آوازیں آنے لگیں۔ کئی ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے کو دور کرنے لگیں۔

اس طرح میرا باغیانہ انداز ظاہر نہ ہوسکا۔ اُدھر مہاویر نے یہی سمجھا کہ میں نے اس کے فائر کے جواب میں فائر کیا ہے۔ میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ قدرت کی یہ منشا تھی کہ ابھی میرے اور اس کے درمیان نفرت اور کشیدگی پیدا نہ ہو۔ ابھی علیحدگی نہ ہو۔ اسی لئے ایک جنگلی جانور اتفاقاً ادھر نکل آیا تھا۔ پھر فائرنگ سے بچتا ہوا کہیں نکل گیا تھا۔

دوسری طرف شور مچا کہ رانی ششی کلا کو گولی لگ گئی ہے۔ اس کا دیہانت ہو چکا ہے۔ میں مسلح سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو ششی کلا کی لاش خیمے میں پڑی ہوئی تھی۔ مہاویر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے کہنے لگا۔ ''اندھیرے میں سوچ سمجھ کر گولیاں چلائی جاتی ہیں۔ پتہ نہیں' کس کی گولی نے میری ششی کو مجھ سے چھین لیا ہے؟''

پھر وہ رانی کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''میں کس گولی چلانے والے کو الزام دوں؟ کس کو موت کی سزا سنا دوں؟

آہ رانی! کسی قاتل کو سزا نہیں ملے گی تو تمہاری آتما کو شانتی نہیں ملے گی۔ آہ! میں کیا کروں؟ یہاں سب ہی وفادار ہیں۔ کسی نے تم سے دشمنی نہیں کی ہے۔''

میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ اسے قتل کرنے کے بعد سب کے سامنے آنسو بہا رہا تھا۔ نہ کوئی سوچ سکتا تھا' نہ شبہ کر سکتا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ یہی ثابت ہونے والا تھا کہ وہ اتفاقاً گولیوں کی زد میں آ گئی تھی۔

آخر کو وہ راجہ تھا۔ کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں قتل کی اس واردات کا چشم دید گواہ نہیں تھا۔ مگر اپنی غیر معمولی ساعت کے ذریعے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہی ششی کلا کا قاتل ہے۔ لیکن نہ کوئی اس بات کو مانتا اور نہ ہی میں کسی پر اپنی غیر معمولی صلاحیتیں ظاہر کرنے والا تھا۔

دوسرے دن اس کی ارتھی اٹھائی گئی۔ چتا جلائی گئی۔ آس پاس کے رجواڑوں سے راجے' مہاراجے اور بیشمار رشتے دار آئے۔ سب نے راجہ مہاویر سے ہمدردی کی۔ ششی کلا کی آتما کی شانتی کے لئے دعائیں کیں۔ بیچاری اپنے پیا کی نشانی دو برس کی دودھ پیتی بچی چھوڑ کر گئی تھی۔ اسے کسی آیا کے حوالے کر دیا جاتا۔ وہ محل کے کسی حصے میں پڑی زندگی گزارتی رہتی۔ آخر اس کی ماں جہیز میں لائی ہوئی زمین جائیداد راجہ صاحب کو دے کر گئی تھی۔ اس کے عوض ایک بچی کی پرورش مہنگی نہ پڑتی۔

مہاویر کے حکم سے راج گڑھ میں سات دنوں تک سوگ منایا گیا۔ جانے والے خواہ کسی بہانے جان سے جائیں۔ جانے کے بعد دنیاوی دستور کے مطابق ماتم کرتے ہوئے انہیں یاد کیا جاتا ہے۔

ایک رات مہاویر چوہان خوب پی رہا تھا۔ اس نے مجھے بلا کر گھورتے ہوئے

دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''تمہارے دل میں کیا ہے؟''

میں نے بے اختیار کہا۔ ''میرے دل میں خدا ہے۔''

''خدا کی نہیں' انسانوں کی بات کرو۔ یہ بتاؤ! تم مجھے چھپ چھپ کر گھور گھور کر کیوں دیکھتے ہو؟ جب کبھی نظریں ملتی ہیں تو منہ پھیر لیتے ہو۔ سچ بولو! تمہارے دل میں کیا ہے؟''

''یہی میں پوچھتا ہوں' آپ کے دل میں کیا ہے؟ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے آپ کی داسی رکمنی کے ساتھ پاپ کیا ہے؟''

وہ تڑخ کر بولا۔ ''کیا نہیں ہے؟ یہ دیکھو کہ ہمارا دل کتنا بڑا ہے؟ ہم جانتے ہوئے بھی انجان بن گئے' تمہیں معاف کر دیا۔''

میں نے رسمی طور پر ایک ملازم کی حیثیت سے کہا۔ ''آپ کی مہربانی ہے۔''

''تم یہ بتاؤ' ہم سے کیا شکایت ہے؟ ہمیں چھپ چھپ کر گھور گھور کر کیوں دیکھتے ہو؟''

''اس لئے کہ میں آپ کے ایک بھید کا' ایک جرم کا چشم دید گواہ ہوں۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' آپ نے رانی ششی کلا کو گولی ماری تھی۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ نشے کی حالت میں آگے پیچھے جھوم رہا تھا۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو؟''

میں نے جھوٹ کہا۔ ''جس وقت آپ رانی سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر اسے گولی ماری' اس وقت میں وہاں ایک ذرا دور جھاڑیوں کے پیچھے تھا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے میرے فائر کی آواز میں کہیں دور سے گولی چلائی تھی۔''

''وہ میں نے نہیں' ایک سپاہی نے فائر کیا تھا۔ دراصل میں آپ کے ارادے کو بھانپ گیا تھا۔ اس لئے مچان کی طرف نہیں تھا۔ آپ کا پیچھا کرتا ہوا وہاں جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔''

وہ تھوڑی دیر تک مجھے گھور کر دیکھتا رہا پھر ایک گھونٹ پینے کے بعد بولا۔ ''ٹھیک ہے تم چشم دید گواہ ہو۔ آگے بولو! کیا ارادہ ہے؟ کیا مجھ سے دشمنی کرو گے؟ کیا یہ اعلان کرو گے کہ میں ششی کلا کا ہتھیارا ہوں؟''

''نہیں۔کہاں ایک راجہ اور کہاں یہ نوکر...؟ میں نوکری چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں۔''

''تمہیں چھوڑنا ہوتا تو ہم اسی رات چھوڑ دیتے' جب تم نے ہماری داسی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا۔یہاں کی ہر چیز تمہارے لئے ایک امانت ہے۔تم نے امانت میں خیانت کی۔ ہمیں یقین ہے' آئندہ تم ایسی غلطی نہیں کرو گے۔یہاں سے جانے کا خیال دل سے نکال دو۔''

میں کچھ نہ بولا۔سر جھکائے کھڑا رہا۔اس نے کہا۔''تم ہمارے بھیدی بن گئے ہو۔کیا تم نے ہماری ششی کلا سے ہونے والی باتیں بھی سنی تھیں؟''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔اس نے کہا۔''پھر تو یہ مانتے ہو کہ وہ رانی بد چلن اور بیوفا تھی؟ اس نے ایک حرام کی بچی پیدا کر کے ہمیں باپ بنایا۔دھوکا دینا چاہا۔''

''جی ہاں۔میں نے سب کچھ سنا ہے۔وہ آپ سے طلاق مانگ رہی تھی۔آپ اسے چھوڑ دیتے' جانے دیتے اس کی ہتھیا نہ کرتے۔''

''تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ ہم نے اس کی ہتھیا کیوں کی؟ وہ جہیز میں جو کچھ لائی تھی' اسے ہم منافع کے طور پر حاصل کرنا چاہتے تھے لہٰذا اس کی موت لازمی تھی۔''

''پھر تو رانی کلاوتی بھی آپ کو فریب دے رہی ہے۔اس نے جو بیٹا پیدا کیا ہے' وہ آپ کا نہیں ہے۔''

وہ شیشے کے جام کو منہ سے لگا کر کئی گھونٹ پینے کے بعد بولا۔''ہاں۔اب اس کی باری ہے۔ان عورتوں نے فریب دے کر ان سے پیچھا چھڑانے کا معقول جواز پیدا کیا ہے۔ان دونوں سے دل بھر چکا ہے۔یہ جائیں گی تو اور نئی آئیں گی۔''

وہ خالی جام کو بھرتے ہوئے بولا۔''حسین عورت بس ایک رات کی شاعری ہوتی ہے۔سہاگ رات میں کلی بن کر آتی ہے۔دوسری صبح پھول بن کر کھلتی ہے۔ہمیں گوبھی کا پھول دکھائی دیتی ہے۔''

وہ ایک گھونٹ پی کر بولا۔''محل میں جتنے گلدان ہیں' روز صبح ان میں تازہ پھول مہکتے ہیں۔تو پھر ہماری آغوش کے گلدان میں ایک ہی پھول کیوں کھلتا رہے؟ دوسری تیسری کلی کیوں نہ آئے؟''

وہ ہنسنے لگا۔ہندوستان کے راجہ اور نواب ایسے ہی عیاش تھے۔برٹش سرکار انگریز بہادر کے سائے میں پرورش پا رہے تھے۔ان کی وفاداری اور تابعداری یہ تھی کہ وہ اپنے راجواڑے کی تمام جنتا کو تاج برطانیہ کا وفادار بنا کر رکھتے تھے۔

یہ کام راجہ کی فوج کرتی تھی اور وہ عیاشی کرتے تھے۔شراب و شباب میں مست رہتے تھے۔راجہ مہاویر بھی یہی کر رہا تھا۔

میں چپ چاپ سر جھکائے سن رہا تھا۔اس نے کہا۔''اس بار ہمارا کام تم کرو گے۔رانی کلاوتی کا ٹھکانے لگاؤ گے۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا۔''بچہ ابھی دودھ پی رہا ہے۔اسے ماں کی چھاتی سے الگ نہ کریں۔طلاق دے کر میکے بھیج دیں۔''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔''رانی اپنے بدن کو خوبصورت بنائے رکھتی ہے۔کہتی ہے' دودھ پلانے سے بدن ڈھلک جائے گا۔اس نے پہلے دو ماہ تک بچے کو بکری کا دودھ پلایا۔اب وہ گائے کا دودھ پی رہا ہے۔ماں کے بغیر جی لے گا۔ہماری اولاد نہیں ہو سکتی۔وارث ضروری ہے۔ہماری بڑی رانی اس بچے کو سنبھال لے گی۔''

اس نے دو گھونٹ پی کر مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔''تم ہمارا حکم ٹالنا چاہتے ہو؟''

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔''سرکار! میں نے کبھی آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کیا۔مگر آپ میری مردانگی کا' میرے اصولوں کا خیال کریں۔میں نے کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔آپ کے کئی وفادار گارڈز ہیں۔ان میں سے کوئی یہ کام کر سکتا ہے۔''

وہ میز پر گلاس پٹختے ہوئے بولا۔''تم ہمارے حکم سے انکار کر رہے ہو۔''

''میں گستاخی نہیں کر رہا ہوں۔التجا کر رہا ہوں۔نوکری چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں۔آپ نہیں چاہتے' اس لئے نہیں جا رہا ہوں۔اسی شرط پر تابعدار بن کر رہوں گا کہ مجھ سے کسی عورت کی ہتھیا نہیں کرائیں گے۔''

وہ سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔دھیما پڑ گیا تھا۔پھر اس نے سر ہلا کر کہا۔''ہم اس معاملے میں کسی بھی گارڈ کو اپنا بھیدی نہیں بنائیں گے۔خود ہی رانی کلاوتی سے مکتی حاصل کریں گے۔''

وہ ذرا چپ ہوا۔ایک ایک گھونٹ پیتا رہا۔سوچتا رہا۔پھر بولا۔''اگلے روی وار کو چھوٹی رانی کے میکے میں گن پتی پوجا ہے۔تم ہمارے ساتھ چلو گے۔ہمارا خیال ہے' ہم وہاں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔اب جاؤ یہاں سے۔ہم خوب سوچ سمجھ کر منصوبہ بنائیں گے۔''

شکار کھیلتے وقت اور دشمنوں سے مقابلہ کرتے وقت میں درندہ بن جاتا تھا۔کسی پر رحم

نہیں کرتا تھا۔ جو کاٹنے آتا تھا' اسے کتے کی موت مار ڈالتا تھا۔ لیکن خواہ مخواہ کسی کی زندگی سے نہیں کھیلتا تھا۔

راجہ چوہان کی زندگی میں آنے والی رانیوں سے مجھے دلی ہمدردی تھی۔ وہ بیچاریاں راجہ کو اپنے بچوں کا باپ بنانے کے لئے گناہوں کی دلدل میں دھنس گئی تھیں۔ اب ایک ایک کر کے موت کی طرف جا رہی تھیں۔

اُتر پردیش میں ایک چھوٹے سے راجواڑے کا نام بھیم پارہ تھا۔ رانی کلاوتی وہاں کے راجہ پرتھوی ولبھ کی بیٹی تھی۔ میں راجہ مہاویر کے شاہی قافلے کے ساتھ وہاں پہنچا تو وہاں کے راجہ نے اپنی بیٹی اور داماد کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ بالفاظ دیگر اپنی بیٹی کی موت کو خوش آمدید کہتے ہوئے گلے لگایا۔

میرے اندر بے چینی سی تھی۔ میرا ضمیر کہہ رہا تھا کہ رانی خواہ مخواہ جان سے جائے گی۔ اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔

اور اس کی جان بچانے کے لئے' اس کے ساتھ نیکی کرنے کے لئے مہاویر کے ارادوں کے خلاف قدم اٹھانا ضروری تھا۔ وہ رانی میری کوئی سگی نہیں تھی۔ بہت ہی مغرور تھی۔ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی۔ اس کے باوجود کسی حرام موت مرنے والی کو بچانا نیکی بھی تھی اور مردانگی بھی۔۔۔ اور ایمان کا تقاضہ تھا کہ جس کے لئے اچھائی کرو۔ اس کا برا پہلو نہ دیکھو۔ نیکی کرو اور دریا میں ڈال دو۔

کلاوتی کی چھوٹی بہن پھول وتی لندن سے تعلیم حاصل کر کے آئی تھی۔ ایک تو راجکماری تھی۔ پھر سات سمندر پار سے آئی تھی۔ ایسا حسن و جمال لے کر آئی تھی کہ میں نے اسے دیکھا تو بڑی دیر تک دیکھتا رہ گیا۔ بڑا ہی دمکتا ہوا حسن تھا اور گرجتی ہوئی جوانی تھی۔ زبان بے زبانی سے کہتی تھی۔ ''میں صرف گرجتی نہیں ہوں۔ برستی بھی ہوں۔''

راجہ چوہان نے اسے دیکھا تو ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ یہ ارادہ اور پختہ ہو گیا کہ رانی کلاوتی سے پیچھا چھڑانا ہی ہو گا۔ وہ مرے گی تو راجہ بہادر اپنی حسین و جمیل سالی سے بیاہ رچا سکیں گے۔

میں کشمکش میں تھا۔ ایسی کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی کہ کلاوتی کی جان بھی بچا لیتا اور مہاویر کو خبر بھی نہ ہوتی کہ رانی کیسے بچ گئی؟ اسے یہ کبھی معلوم نہ ہوتا کہ اس کی ناکامی کے پیچھے میرا ہاتھ رہا ہے۔ لیکن ایسی کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔

ایسے وقت پھول وتی لندن سے آ کر حالات کو ایک نئے موڑ پر لے آئی۔ یہ تو میں دیکھتا آیا تھا کہ میرے قد اور ڈیل ڈول کے آگے عورتیں دل ہار جاتی تھیں۔ لیکن پہلی بار یہ دیکھا کہ راج گھرانے کی ایک دوشیزہ اپنا دل ہار گئی۔

مجھ سے سامنا ہوا تو گردن اٹھا کر حیرانی سے بولی۔ ''اوہ گاڈ! تم زمین پر ہو مگر آسمان لگتے ہو۔ تمہیں سر سے پاؤں تک دیکھنے کے لئے آسمان تک دیکھنا پڑتا ہے۔''

میں اسے جھکی جھکی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سپاہی تھا' شکاری تھا۔ دشمنوں سے پنجے لڑانا جانتا تھا۔ شاعری نہیں جانتا تھا۔ مگر ان لمحات میں دل کر رہا تھا' کوئی اچھا سا شعر' کوئی اچھا سا گیت یاد آ جائے اور میں گنگنانے لگوں۔

اب تک میری نگاہوں کے سامنے کتنے ہی گل کھلتے رہے۔ لیکن میں نے کبھی گل چینی نہیں کی۔ صرف اپنی شریک حیات ساجدہ پر اکتفا کرتا رہا۔ میرا مزاج ہی ایسا تھا۔ بھنورہ بن کر کلی کلی نہیں منڈلاتا تھا۔

مگر اب میرے مزاج کے خلاف کچھ ہونے والا تھا۔ زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا۔۔۔؟ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔۔۔؟ اب رنگ اور ڈھنگ کیسے بدلنے والے تھے؟ یہ آگے جا کر معلوم ہونے والا تھا۔

پھول وتی مجھ سے متاثر ہو کر سر سے پاؤں تک بار بار دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''تم آدمی نہیں دیو لگتے ہو۔ مجھے جلدی سے یہ بتاؤ' کیا تمہارا نام جی اور ایس سے شروع ہوتا ہے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ میرا نام غازی صلاح الدین ہے۔''

''اچھا تو تم مسلمان ہو؟ پھر تو بالکل وہی ہو۔''

میں نے پوچھا۔ ''وہی کون۔۔۔؟''

''ڈاکٹر ڈوگلس نے کہا تھا کہ جس نام جی اور ایس سے شروع ہو گا' وہ میری زندگی میں آئے گا اور وہ مسلمان ہو گا۔''

''یہ ڈاکٹر ڈوگلس کون ہے؟''

''لندن کے بہت ہی مشہور و معروف پامسٹ ہیں اور ستاروں کی چال کو سمجھنے والے بہت بڑے جیوتشی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔۔۔''

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر بڑی شوخ اداؤں سے بل کھا کر دوسری گھوم گئی۔ چند قدم

تک اس کی کمر بل کھاتی گئی۔ پھر وہ سر کو جھٹک کر پراندے والی چوٹی کو لہراتے ہوئے بولی۔ ''میں کیوں بتاؤں کہ پامسٹ نے کیا کہا ہے؟ جو بات وہ کہتا ہے' پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔''

اس نے جھک کر زمین سے ایک ننھا سا کنکر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کنکر مارتے ہوئے بولی۔ ''واہ کیا بات ہے۔ یہاں آتے ہی اُس کی پیشگوئی رنگ دکھا رہی ہے۔''

میں چپ چاپ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ادائیں بڑی پرکشش تھیں۔ میں بندوق کی گولی اور تلوار کی کاٹ جانتا ہوں۔ پہلی بار اداؤں کی کاٹ سے اپنے دل کی کانٹ چھانٹ ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اگرچہ اس نے کھل کر کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر بھی ایک نجومی کے حوالے سے بہت کچھ کہہ چکی تھی۔ اس نے دور ہی سے اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر ہتھیلی پھیلا کر کہا۔ ''جو اِن ریکھاؤں میں ہے' اسے میں نے دیکھ لیا ہے۔ اب کہیں جانے نہیں دوں گی۔ اپنی مٹھی میں بند کر کے رکھوں گی۔''

اس نے مٹھی بند کرتے ہوئے مجھے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ انداز ایسا ہی تھا' جیسے مجھے اپنے اندر کھینچ رہی ہو۔ پھر وہ گنگناتی ہوئی' لہراتی بل کھاتی ہوئی محل کے اندر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں محل کے گارڈن میں تھا۔ وہیں پتھر کے بنے ہوئے ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ پہلے تو رانی کلاوتی کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے حرام موت سے بچانے کے لئے کچھ کرنا چاہئے یا محض تماشائی بن کر رہنا چاہئے؟

ایسے میں پھول وتی ایک نیا مسئلہ بن کر ایک کھلے ہوئے چیلنج کی طرح سامنے آ گئی تھی۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ کلاوتی زندہ رہے گی تو راجہ مہاویر اس کی بہن سے کبھی شادی نہیں کر سکے گا۔

اگرچہ وہ محبت کے حوالے سے آ رہی تھی۔ مگر ایک راجکماری اور ایک ملازم کی محبت پنپنے والی نہیں تھی۔ طرح طرح کی مشکلات اور جان لیوا عداوتیں جنم لینے والی تھیں۔

ابھی میں نہیں جانتا تھا کہ راج ہٹ کے اصولوں پر پروان چڑھنے والی ضدی راجکماری کیا گل کھلانے والی ہے؟ اس نے وضاحت سے یہ نہیں بتایا تھا کہ لندن کے مشہور پامسٹ نے اس سے کیا کہا ہے؟ ویسے یہ معلوم ہو گیا کہ اس راجکماری کی زندگی میں جس شخص کو اہمیت دی گئی ہے' اس کے نام کے پہلے حروف جی اور ایس سے ہیں۔ اور وہ ڈاکٹر ڈگلس کی اس

پیشگوئی کے باعث مجھ سے متاثر ہو رہی تھی۔

شائد میرے بارے میں اور بہت کچھ معلوم کرنے کے لئے رہ گیا ہوگا۔ اسی لئے جلد ہی مجھ سے کترا کر چلی گئی تھی۔ میرے لئے لمحۂ فکریہ تھا۔ راجہ چوہان کو معلوم ہوتا کہ وہ میری طرف مائل ہو رہی ہے تو وہ اپنے باڈی گارڈ کا رقیب بننے کی توہین برداشت نہ کرتا۔ مجھے گولی مار دیتا۔ اگر میں بچ نکلتا تو اپنے وسیع اختیارات کے ذریعے میرا جینا حرام کر دیتا۔

ابھی یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ جسمانی قوتوں کا مظاہرہ کرنا ہو تو میں ایک وقت میں درجنوں دشمنوں سے ٹکرا جاتا ہوں۔ لیکن پہلی بار جسمانی نہیں' ذہنی الجھن میں مبتلا ہو رہا تھا۔ ایسے وقت جی کر رہا تھا کہ ان جھمیلوں سے دور رہنے کے لئے کہیں چلا جاؤں۔ کسی ویرانے اور سناٹے میں تنہا رہ کر سوچوں اور سمجھوں کہ مجھے آگے کیا کرنا چاہئے؟

پرتھوی ولبھ نے اپنی بیٹی اور داماد کا دل بہلانے کے لئے حکم دیا کہ کھلے میدان میں کھیل تماشے کئے جائیں۔ پھول وتی نے لندن میں گھڑ سواری اور رائفل شوٹنگ کی تربیت حاصل کی تھی۔ وہ اپنی پرجا کے سامنے خصوصاً میرے سامنے اپنی گھڑ سواری کے کمالات دکھانا چاہتی تھی۔

ریس کے میدان میں جانے والے گھوڑوں کو تھوڑی سی شراب پلائی جاتی ہے۔ پھول وتی نے سواری کے لئے جس گھوڑے کا انتخاب کیا تھا' اسے اپنی موجودگی میں شراب پلائی۔ سائیس کو حکم دیا کہ گھوڑے کو مقررہ مقدار سے زیادہ پلائی جائے۔ تاکہ وہ بے زبان مستی میں رہے اور اس کے اشاروں پر ناچتا رہے۔

محل کے سامنے کھلے میدان میں بڑا سا پنڈال سجایا گیا تھا۔ وہاں راج گھرانے کے لوگ زرق برق ملبوسات میں براجمان تھے۔ راجہ ولبھ اپنی بیٹیوں کے ساتھ ایک اونچی مسند پر سر اٹھائے سینہ تان کر بیٹھا ہوا تھا۔ راجہ مہاویر چوہان کے لئے ایک علیحدہ اونچی مسند تھی۔ وہ بھی شاہانہ بلندی پر بیٹھا بار بار پھول وتی کو دیکھ رہا تھا۔

بیشک۔ وہ ایسی حسین اور جاذب نظر تھی کہ نظر بھر کر دیکھنے کے بعد بھی دل نہیں بھرتا تھا۔ قصہ حاتم طائی کے ایک کردار کی طرح دھڑکنیں کہتی تھیں کہ ایک بار دیکھا ہے' بار بار دیکھنے کی ہوس ہے۔

چوہان کی نظروں میں ہوس تھی۔ وہ محبت سے دیکھنا نہیں جانتا تھا۔ اس نے مجھے

اشارے سے قریب بلایا۔ میں قریب آیا تو مجھے اور قریب ہو کر بات سننے کو کہا۔ وہ رازداری سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

میں نے اس کے آگے سر جھکایا تو وہ سرگوشی میں بولا۔ ''کماری جی کو دیکھ رہے ہو' کیا غضب کا سنگھار کیا ہے۔ گھڑ سواری کے لباس میں بھی پٹاخہ لگ رہی ہے۔''

میں نے مختصر سا جواب دیا۔ ''جی ہاں۔''

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہائے! ہم تو ہار گئے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے پورا راج پاٹ داؤ پر لگا دیں گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''یہ نیک کام کب کریں گے؟''

وہ اپنی دھن میں تھا۔ میرے طنز کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے کہا۔ ''ہم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ مگر ابھی دل سے کہتے ہیں' اس سے محبت ہو گئی۔ ہمارے لئے کچھ کرو۔''

''آپ حکم کریں' مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''ہم نہیں جانتے۔ بس کچھ کرو۔ دیر ہو گی تو یہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔''

''نہیں نکلے گی۔ ابھی تو لندن سے آئی ہے۔ جب آپ کہتے ہیں' محبت ہو گئی ہے تو پہلے محبت کریں۔ راجکماری کے دل کی بات معلوم کریں۔ انہیں اپنی طرف مائل کریں۔''

اس نے پھول وتی کی طرف دیکھا۔ وہ ہماری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ ''جب بھی ہم سے نظریں ملتی ہیں' وہ محبت سے مسکرانے لگتی ہے۔ دیکھو! اس وقت بھی مسکرا کر دیکھ رہی ہے۔''

میں اس سے کیا کہتا' وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ میں خوش تھا اور پریشان بھی تھا۔ اس راجکماری کی چاہت کے پیچھے نجانے کتنی بندوقوں کی گولیاں میری منتظر ہوں گی؟ میں نہ تو عاشق مزاج تھا اور نہ ہی ابھی اس سے دل لگانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔

ویسے ہم عاجز ہیں' مجبور ہیں۔ ہمارے چاہنے' نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔ میرے اندر خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کہہ رہی تھی' میری شامت آنے والی ہے۔

راجہ بھیتوی ولپ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے فخر سے کہا۔ ''پرجا جنو...! تم سب جانتے ہو' ہماری پھول وتی لندن سے تعلیم حاصل کر کے آئی ہے۔ راجکماری نے رائفل شوٹنگ اور گھڑ سواری کی بھی ٹریننگ حاصل کی ہے۔ ہماری یہ جان سے پیاری بیٹی ابھی گھڑ سواری اور

نشانہ بازی کے کمالات دکھانے آ رہی ہے۔''

میدان کے ایک سرے پر دور تک ہزاروں عورتیں' مرد' بوڑھے اور بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ راجکماری میدان میں آئی تو سب تالیاں بجانے لگے۔ راجہ اور راجکماری کی جے جے کار ہونے لگی۔

پھول وتی نے اپنے پتا مہاراج کے آگے سر جھکا کر آشرواد لیا۔ پھر گردن گھما کر مجھے دیکھا۔ اس وقت راجہ چوہان کی خوش فہمی دور ہو گئی۔ میں ذرا دور کھڑا ہوا تھا اور پھول وتی کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ وہ دور والے کو بڑی اپنائیت سے دیکھنے کے بعد میدان میں جا رہی ہے۔

مہاویر مجھے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ میں اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ عجیب صورتحال تھی۔ کچھ نہ کرنے کے باوجود پیار کا سزاوار بن رہا تھا۔

میدان میں شوٹنگ ٹارگٹ کے لئے جگہ جگہ اونچے پتھر نصب کئے گئے تھے۔ چاندی کی ایک تھال پر راجکماری کے لئے ایک بھرا ہوا ریوالور لایا گیا۔ سائس اس کے منتخب گھوڑے کی لگام تھام کر میدان میں آ رہا تھا۔ ایسے وقت میں گھوڑے کو بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑا مست ہو کر زمین پر پاؤں مارتا ہوا چل رہا تھا۔

میں آٹھ برس کی عمر سے گھڑ سواری کرتا آ رہا ہوں۔ کئی ملکوں کے کئی نسل کے گھوڑوں کے تیور پہچانتا ہوں۔ اس وقت یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ گھوڑا فی الوقت سواری کے قابل نہیں ہے۔ میں حیران تھا کہ راجکماری کے لئے ایسے گھوڑے کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟

میں اس گھوڑے کے قریب جا کر اسے اچھی طرح پرکھ سکتا تھا۔ لیکن وہاں جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ پھول وتی کے پاس جا رہا ہوں۔ راجہ چوہان پہلے ہی مجھ سے بدظن ہو گیا تھا۔ میں اس موحول میں اس کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اس کے قریب آ کر بولا۔ ''سرکار! آپ راجکماری کو گھڑ سوای سے روک دیں۔ اس گھوڑے کا انتخاب غلط ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ ''سچ بول رہے ہو؟''

وہ میرے تجربات کو میری صلاحیتوں کو مانتا تھا۔ میرا جواب سنے بغیر ہی تیزی سے چلتا ہوا میدان کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''پھول وتی جی! رک جاؤ۔ یہ گھوڑا سواری کے قابل نہیں ہے۔''

پھول وتی گھوڑے پر سوار ہو کر بولی۔ ''جیجا جی! میں نے لندن میں ٹریننگ حاصل

کی ہے۔گھوڑوں کو آپ سے زیادہ پہچانتی ہوں۔"

وہ بولا۔"اس وقت میں تم سے زیادہ اس گھوڑے کو سمجھ رہا ہوں۔"

اس نے کہا۔"اگر سمجھ رہے ہیں تو بتائیں اس میں کیا خرابی ہے؟ مجھے کیوں دوسرا گھوڑا لینا چاہئے؟"

اس سوال کا جواب مہاویر کے پاس نہیں تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ اس میں خرابی کیا ہے؟اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا پھر اشارے سے اپنی طرف بلایا میں دوڑتا ہوا ادھر جانے لگا۔اسی وقت پھول وتی نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا اور ایک سمت سرپٹ دوڑنے لگا۔

پھول وتی بڑے مضبوط ارادوں کی مالکہ تھی۔بدمست گھوڑوں کو قابو میں کرنا جانتی تھی۔وہ اسے میدان میں دوڑانے لگی۔کمالات دکھانے کے لئے ایک بار گھوڑے سے اتر گئی۔پھر اس کے ساتھ دوڑتی ہوئی اچھل کر پھر اس پر سوار ہوگئی۔

راجہ مہاویر مجھے گھور کر دیکھ رہا تھا۔اس کی خاموش نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ گھوڑا غلط نہیں ہے۔میں نے اس سے غلط کہلوا کر پھول وتی کے سامنے اس کی سبکی کی ہے۔

پھول وتی بڑی پراعتماد تھی۔اس نے تیز رفتار گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر ایک ٹارگٹ کی طرف گولی چلائی۔وہاں رکھا ہوا ایک چھوٹا سا پتھر ٹوٹ کر بکھر گیا۔تماشائی اچھل اچھل کر نعرے لگانے لگے۔"راجکماری کی جے ہو۔راجکماری پھول وتی کی جے ہو۔"

میں پریشان ہو رہا تھا۔میری تجربہ کار آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور سمجھا رہی تھیں کہ گھوڑے کی چال بدل رہی ہے۔مزاج بدل رہا ہے۔دیکھتے ہی دیکھتے ہی کچھ بھی ہوسکتا تھا۔میں بے اختیار گھوڑے کے پیچھے دوڑتے ہوئے آوازیں دینے لگا۔

"راجکماری جی !رک جائیں۔گھوڑے سے اتر جائیں۔اس کا مزاج بدل رہا ہے۔یہ بھکنے والا ہے۔"

وہ ضدی راجکماری میری آواز پر رکنے والی نہیں تھی۔میں پوری تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے گھوڑے کی لگام پکڑ لینا چاہتا تھا۔وہ مجھے اپنے پیچھے آتے دیکھ کر قہقہے لگانے لگی۔ایسے وقت اس نے دوسرے ٹارگٹ پر گولی چلائی۔اسی وقت گھوڑے نے رک کر ہنہناتے ہوئے اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اٹھائیں۔ریوالور والا ہاتھ بھی اٹھ گیا۔گولی سنسناتی ہوئی دور گئی اور ایک تماشائی کے جسم میں پیوست ہوگئی۔

پھول وتی گھوڑے کی پیٹھ پر اپنا توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ایسی حالت میں ٹریگر دبتا چلا گیا۔یکے بعد دیگرے کئی گولیاں چلتی چلی گئیں۔تڑتڑا کی آوازوں کے ساتھ بھگدڑ مچ گئی۔تماشائیوں میں سے ایک بیچارہ مارا گیا تھا۔دوسرے تمام تماشائی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے۔

وہ میدان جنگ کا گھوڑا نہیں تھا۔اس نے پہلے گولیاں چلنے کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔نشے میں اور بدک گیا تھا۔بدکنے کی ایک اور وجہ شراب کی کثیر مقدار تھی۔اب نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔وہ پھول وتی کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔جدھر تماشائی بھاگ رہے تھے ادھر دوڑ لگا رہا تھا۔

ادھر میں دوڑتا ہوا قریب آگیا تھا۔پھر اس سے پہلے کہ لگام پھول وتی کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتی۔میں چھلانگ لگا کر اس کے پیچھے آگیا۔لگام سنبھالتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔وہ تھوڑی دیر کے لئے پریشان ہوئی تھی۔پھر میرا سہارا ملتے ہی قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔"کیا زبردست سچویشن ہے۔مزہ آرہا ہے۔"

گھوڑا تماشائیوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اندھا دھند دوڑتا جارہا تھا۔لگام کے اشاروں کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔نہ رک رہا تھا' نہ اس کی اندھی تیز رفتاری کم ہو رہی تھی۔وہ ہمیں میدان سے' محل سے اور محل والوں سے دور لے جارہا تھا۔

میں نے کہا۔"کماری جی!یہ بے لگام ہوگیا ہے۔کیا اسے شراب پلائی گئی ہے؟"

"ہاں۔تو کیا ہوا؟"

"آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسے کچھ زیادہ ہی پلادی گئی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔"جانتی ہوں۔میں نے انجوائے کرنے کے لئے زیادہ پلائی ہے۔"

میں نے حیران ہو کر کہا۔"یا خدا!کیا آپ جانتی تھیں کہ ایسا ہوگا؟"

"اس حد تک نہیں جانتی تھی کہ تمہاری گود میں آجاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پھر ہنسنے لگی۔اپنا رخ پلٹنے لگی۔پہلے پشت میری طرف تھی۔اب روبرو ہونے لگی۔میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔"یہ کیا کر رہی ہیں؟کیا نیچے گرنے کا ارادہ ہے؟"

"تم گرنے نہیں دوگے۔یہ میرا یقین ہے۔"

وہ دیکھتے ہی دیکھتے روبرو سینہ بہ سینہ ہوگئی۔اس کی دھڑکنیں میری دھڑکنوں سے

آ کر لگ گئیں۔

ایسی آفت کی گھڑی تھی کہ وہ بدمست گھوڑا ہمیں کسی پتھریلی زمین پر کسی کھائی میں گرا سکتا تھا۔ ہم مر سکتے تھے۔ اس کی پیٹھ سے گر کر اپاہج بن سکتے تھے۔ ایسے میں وہ اپنی دھڑکنوں کے گیت سنا رہی تھی۔

میں اپنی حالت کیا بتاؤں؟ پچھلے چار مہینوں سے اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا تھا۔ ایسے میں ایک نیا نوخیز چیختا ہوا بدن کہہ رہا تھا کہ بدن کو' دل کو' جگر کو آگ لگی ہے۔ میرے سارے گھر کو آگ لگ رہی ہے۔

گھوڑے سے گرنے کے بعد ہی یہ آگ پیچھا چھوڑ سکتی تھی۔ میں اپنا دھیان سلامتی کی طرف رکھنا چاہتا تھا۔ پاگل ہو جانے والا گھوڑا ہمیں گرائے بغیر کہیں رکنے والا نہیں تھا۔ میں تدبیر سوچ رہا تھا کہ ہم کس طرح سلامتی سے زمین پر پہنچ سکتے ہیں؟ جبکہ پھول وتی کی قربت ساتویں آسمان پر پہنچا رہی تھی۔

وہ میری دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر لپٹی ہوئی تھی۔ بدن ایسا دہک رہا تھا' جیسے دوزخ کی آگ میں پک کر آئی ہو۔ میں ایسی حالت میں تھا کہ خود کو چھڑا نہیں سکتا تھا۔ اسے سنبھالے رکھنا میرا فرض تھا اور فرض کی ادائیگی بڑی رنگین بھی تھی اور سنگین بھی۔

پتہ نہیں ہم کتنی دور نکل آئے تھے؟ گھنے درختوں کے سائے سے گزر رہے تھے۔ اس کا چہرہ میری ٹھوڑی کے نیچے تھا۔ وہ سانسوں کے بھبکے چھوڑ رہی تھی۔ جیسے آکسیجن پہنچا رہی ہو۔ میں اس کی طرف دھیان نہیں دینا چاہتا تھا۔ اور وہ سانسوں کی گرمی سے میرے اندر کا موسم بدل رہی تھی۔

اسے گھوڑے سے گرنے کا خوف نہیں تھا۔ یہ یقین تھا کہ میں باڈی گارڈ ہوں۔ بدن کا محافظ ہوں۔ اسے ہر حال میں تحفظ اور سلامتی دوں گا۔ اس لئے وہ اپنا کام کر رہی تھی اور میں الجھ الجھ کر بچاؤ کی تدبیر سوچ رہا تھا۔

گھوڑے کی تیز رفتاری کم نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے آگے کچھ فاصلے پر ایک درخت کی جھکی ہوئی شاخ دیکھی۔ پھول وتی سے کہا۔ ''مجھ سے اچھی طرح لپٹ جاؤ۔ مجھے مضبوطی سے جکڑ لو۔''

''وہ تو میں نے جکڑ لیا ہے۔ اب تو کبھی نہیں چھوڑوں گی۔''

گھوڑا اس مطلوبہ درخت کے نیچے سے گزرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس کی لگام چھوڑ

دی۔ ایکدم سے اچھل کر جھکی ہوئی شاخ کو تھام لیا۔ اسے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہی گھوڑا ہمارے نیچے سے نکلتا چلا گیا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں بدمست بے لگام گھوڑے سے یوں نجات حاصل کرلوں گا۔ وہ مجھ سے لپٹی ہوئی درخت کی شاخ سے لٹک رہی تھی۔ حیرانی سے دیدے پھیلائے مجھے دیکھ رہی تھی۔

ہم زیادہ بلندی پر نہیں تھے۔ میں نے شاخ کو چھوڑ دیا۔ اس نے نیچے گرنے کے خوف سے چیخ مارتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ اگرچہ وہ دلیر تھی۔ مگر عورت بھی تھی۔

بند آنکھوں کے پیچھے سے اندازہ کیا کہ نیچے آ گئی ہے۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا میں گھاس پر پڑا ہوا تھا اور وہ میرے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اسے ایک ذرا سی چوٹ نہیں آئی تھی۔ وہ تو یوں بھی مجھ پر لدی ہوئی تھی۔ خوشی کے مارے اور زیادہ لپٹ گئی۔ میرے چہرے کو ادھر ادھر سے چومنے لگی۔

میں اس کی بیباکی سے پریشان ہو رہا تھا۔ وہ راجکماری تھی' کچھ بھی کرسکتی تھی۔ میں روکنے ٹوکنے کے لئے اسے جبراً اپنے اوپر سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی ہچکچاتے ہوئے بولا ''یہ... یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ مجھے یہاں سے اٹھنے دیں۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا میں بوجھ لگ رہی ہوں؟''

''یہ بات نہیں ہے۔ مگر۔ مگر....''

''ایک سندر راجکماری تم پر مہربان ہو رہی ہے اور تم اگر مگر کر رہے ہو۔''

''یہی تو گڑبڑ والی بات ہے۔ آپ راجکماری ہیں۔ میں ایک باڈی گارڈ ہوں۔''

''تو پھر میرے بدن کی حفاظت کرو۔ میں بکھر رہی ہوں' مجھے سمیٹ لو۔''

''میں صرف سرکش گھوڑے کو ہی نہیں' جذبات کو بھی قابو میں رکھنا جانتا ہوں۔ ہم دونوں کو اپنی اپنی حد میں رہنا چاہئے۔''

وہ بڑے ہی جذباتی انداز میں میرے چٹانی بدن پر کسمسا رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔

''ڈاکٹر ڈوگلس نے کہا ہے' میں تمہیں پانے کے بعد حد سے گزر جاؤں گی۔''

''وہ پامسٹ مجھے کیسے جانتا ہے؟''

''تمہیں نہیں جانتا۔ تمہارے نام کے پہلے حروف بتا چکا ہے۔ پھر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جو بھی جی اور ایس والا میری زندگی میں آئے گا' وہ میرے دھرم کا نہیں ہوگا۔ اور تم میری

طرح ہندو نہیں ہو' مسلمان ہو۔"

"ذرا سوچو! غور کرو۔ تم ہندو ہو' میں مسلمان ہوں۔ تم راجکماری ہو' میں ایک ملازم ہوں۔ پھر یہ کہ میں شادی شدہ ہوں۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے دین میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔ تم مجھے اپنی دلہن بناؤ گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تمہارے پتا مہاراج اور راج گھرانے کے لوگ راضی ہو جائیں گے؟"

"نہیں ہوں گے۔ مگر پامسٹ نے کہا ہے' ہم دونوں مخالفین سے لڑتے رہنے اور بڑے ہی تھکا دینے والے انتظار کے بعد ایک ہو جائیں گے۔"

"تو پھر انتظار کرو۔ ابھی ہمارے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے۔ پہلے اچھی طرح سوچنا سمجھنا چاہئے کہ ایک راجکماری اور ملازم کا ملن ناممکن ہے۔ یہ ممکن کیسے ہوگا؟ ہمارے درمیان دین دھرم کی دیوار ہے۔ میں اپنی دیوار کے سائے میں رہوں گا۔ اسے گرنے نہیں دوں گا۔"

"جو تمہارے لئے ناممکن ہے' وہ میرے لئے ممکن ہے۔ تم ایسے مرد ہو کہ میں تمہارے سانچے میں ڈھل جاؤں گی۔ تمہارا دین قبول کرلوں گی۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ پہلی بار محبت اور عزت سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بہت بڑا فیصلہ کر رہی ہو۔ یہ سوچ لو کہ صرف تمہارا راج گھرانہ ہی نہیں' راجہ مہاویر چوہان بھی ہمارا دشمن ہو جائے گا۔"

"یہ سب تو ہوگا ہی۔ مگر میں فخر کرتی رہوں گی۔ جب تم میری خاطر دو دو راجاؤں کی فوج اور سیاسی قوتوں سے لڑتے رہو گے۔"

"ہندوستان کے تمام راجہ اور نواب حکومت برطانیہ کے سائے میں پرورش پا رہے ہیں۔ اگر وہ دونوں راجہ متحد ہو کر مجھ پر انگریز سرکار سے غداری کا الزام لگائیں گے تو انگریز آقا مجھے باغی سمجھ کر گولی مارنے کا حکم دے دیں گے۔ پھر مجھے اور میرے بیوی بچوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

وہ بولی۔ "مجھے اندازہ ہے کہ تمہیں جان لیوا مشکلات سے گزرنا ہوگا۔ میرے بھاگ کی ریکھا اور ڈاکٹر ڈوگلس کی پیشگوئی کہتی ہے" میرے جیون میں آنے والا عاشق جانباز ہوگا۔ میری خاطر مشکل اور بدترین حالات سے گزرے گا۔ فولادی قوتوں سے ٹکرائے گا۔ لیکن

مجھے اپنی دلہن ضرور بنائے گا۔"

میں نے کہا۔ "اگر ہمارے مقدر میں یہ سب لکھا ہوا ہے تو پھر ہمیں انتظار کرنا چاہئے۔"

"ہاتھ پر ہاتھ دھر کر انتظار نہیں کرنا ہے۔ ہم تدبیر کرتے رہیں گے تو تقدیر بنتی رہے گی۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔"

میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "مجھے بتاؤ' تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"تم سب سے پہلے اپنی حیثیت بدلو۔ مالک اور آقا بنو۔ غلام نہ بنو۔ یہ نوکری چھوڑ دو۔"

میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ میرے اندر کی بات کہہ رہی تھی۔ اب شائد راجہ چوہان کی نوکری چھوڑنے کا وقت آگیا تھا۔ شائد ایسے ہی وقت کے لئے میں راجہ کو نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ایک دن اس کے ساتھ راجہ ولپ کے محل میں آنا تھا اور یہاں سے پھول وتی میری زندگی کو ایک نئے موڑ پر لانے والی تھی۔

میں نے کہا۔ "تم میرے دل کی بات کہہ رہی ہو۔ میں نوکری چھوڑ دوں گا۔ میرے بیوی اپنے بچوں کے ساتھ کچھ عرصے تک میکے میں رہے گی۔ تب تک میں آزاد رہ کر کوئی بہت بڑا کاروبار کرنے اور دولت کمانے کی کوشش کروں گا۔"

وہ بولی۔ "کوئی کاروبار کرو گے تو کتنی دولت کما لو گے؟ تمہیں راجہ مہاراجہ کے برابر دولتمند بننا ہے۔ ان سے زیادہ طاقتور بننا ہے اور یہ میں تمہیں بناؤں گی۔"

وہ محض محبت ہی نہیں کر رہی تھی۔ میرا مان مرتبہ بھی بڑھانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "مجھے ایک خفیہ خزانے کا راز معلوم ہے۔ وہاں دس من سونا اور ڈھیر سارے ہیرے جواہرات چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ تم انہیں حاصل کرنے کے بعد زمین جائیداد خریدو گے۔ بہت بڑے جاگیردار بن کر اپنی ایک فوج بناؤ گے۔ حکومت برطانیہ کے وفادار رہنے کا حلف اٹھاؤ گے تو راجاؤں اور نوابوں کی صف میں آجاؤ گے۔ تمہارے اپنے راج گھرانے کی ابتدا ہو جائے گی۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ پہلے مجھ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اب میری آغوش میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ میری زندگی میں آکر بیٹھ گئی ہے' اب کبھی نہیں اٹھے گی۔ وہ مجھے عزت' مان' مرتبے اور بلندی کی طرف لے جانے والی دل میں سما رہی تھی۔ ذہن میں نقش

ہورہی تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''اتنا سارا خزانہ کہاں ہے؟''

''اسی جنگل میں دادا مہاراج نے ایک شکار گاہ بنائی تھی۔ اس کی عمارت بہت پرانی ہے۔ اس کی چار دیواری کے بیچ والے کمرے میں نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔''

وہ آگے بہت کچھ بتانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''شش۔ کوئی آرہا ہے۔''

وہ فوراً ہی مجھ سے الگ ہوگئی۔ گھاس پر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''وہ یہاں سے دور ہے۔ جہاں سے چھپ کر ہمیں دیکھ رہا ہوگا' وہاں درخت کے سوکھے ہوئے پتے اس کے پیروں تلے آرہے ہیں۔ میں ان بکھرے ہوئے پتوں کی کراہیں سن رہا ہوں۔''

وہ حیرانی سے بولی۔ ''مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔ تم کیسے سن رہے ہو؟ وہ بھی سوکھے ہوئے پتوں کی آوازیں...''

''میں تقریباً سو گز کے فاصلے سے کوئی آواز یا آہٹ سن لیتا ہوں۔''

وہ مجھے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ میں ایک طرف جھک کر زمین سے کان لگا کر سننے لگا۔ وہ مجھے توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دے رہی ہیں۔ وہ بہت دور ہیں۔ یقیناً تمہارے پتا مہاراج کے سپاہی تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں اور....''

میں پھر توجہ سے سننے لگا۔ پھول وتی کا تجسس بڑھ گیا تھا۔ ''کیا سچ مچ تم دور کی آوازیں سن رہے ہو؟''

''ہاں۔ وہ یہاں پہنچنے والے ہیں۔ تمہیں یقین ہوجائے گا۔''

''ابھی تم کہہ رہے تھے کہ کوئی ایک شخص کہیں چھپا ہوا ہے۔ اس کے پیروں تلے سوکھے پتے چرمرا رہے ہیں؟''

''ہاں۔ وہ تقریباً پچیس تیس گز کے فاصلے پر ہے۔''

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ ہر سمت گھنے درخت تھے۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے ایک تناور درخت کی طرف دیکھتے ہوئے للکارا۔ ''وہاں کون ہے؟ سامنے آؤ؟ ورنہ گولی چلے گی۔''

میں نے اپنا ریوالور نکال کر اس درخت کا نشانہ لیا۔ ہماری توقع کے خلاف راجہ مہاویر چوہان کی آواز سنائی دی۔ ''گولی نہ چلانا ہم آرہے ہیں۔''

میں نے اور پھول وتی نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ پریشان ہوکر بولی۔ ''ہے بھگوان! جیجا جی جانے کب سے چھپ کر ہمیں دیکھ رہے تھے؟''

میں نے کہا۔ ''میرے سننے کی حس کہتی ہے' یہ ابھی ہماری طرف آئے ہیں۔''

ہم اس درخت کی سمت دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول تھا۔ وہ غصے سے ہونٹوں کو بھینچ رہا تھا۔ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

شائد اس نے تھوڑی دیر پہلے راجکماری کو میرے گلے کا ہار بنتے دیکھا ہوگا۔ اسی بات پر تلملا رہا تھا کہ ایک ملازم نے راجہ کے کھانے پر منہ مارا ہے' اسے جھوٹا کردیا ہے۔

اس سے یہ توہین برداشت نہیں ہورہی تھی۔ اس کی نظروں میں میری اوقات ہی کیا تھی؟ وہ راجہ تھا۔ مجھے ٹھوکروں میں اڑا سکتا تھا۔ چٹکیوں میں مسل سکتا تھا۔ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ میں محتاط ہوگیا تھا۔

پھر اس نے جیسے ہی میرا نشانہ لیا۔ میں اچھل کر ایک درخت سے آکر لگ گیا۔ جنگل کے سناٹے میں فائر کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی میرے قریب آکر درخت کے تنے میں پیوست ہوگئی۔

عداوت کا آغاز ہوگیا۔

میں اس کا بندہ نہ رہا۔ اس بندہ نواز نے اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارنے کا آغاز کردیا۔

مجھ پر ایک گولی چلا کر میری نمک حلالی کا حق مجھ سے چھین لیا۔

یہ بات بہت پہلے ہی سے میرے ذہن میں تھی کہ عداوت کی پہل مجھے نہیں کرنی چاہئے۔ صبر کرنا چاہئے۔ وہ ضرور پہل کرے گا۔

اور یہی ہوا۔ میں بڑی پھرتی سے چھلانگیں لگاتا ہوا درخت کے پیچھے چلا آیا۔ پھول وتی نے کہا۔ ''جیجا جی! یہ کیا کررہے ہیں؟ کیوں اسے مار ڈالنا چاہتے ہیں؟ یہ تو آپ کا باڈی گارڈ ہے۔''

وہ گرجتے ہوئے بولا۔ ''یہ نمک حرام ہے۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے دوکوڑی کے نوکر نے تمہیں ہاتھ لگایا ہے۔ ایک راجکماری کو میلا کیا ہے۔''

وہ بولی۔"اس نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔میں اسے چاہتی ہوں۔دل و جان سے چاہتی ہوں۔آپ گولی نہ چلائیں۔"

وہ غصے سے اور بھڑک گیا۔تھوکتے ہوئے بولا۔"تھو ہے تم پر...ایک نوکر کو اپنی سندرتا اپنی جوانی دینے سے پہلے ہمارے پاس آؤ۔پہلے ہمیں خوش کرو۔جب بے حیا' بے غیرت بننا ہی ہے تو اس کی شروعات ہم سے کرو۔"

وہ غصے سے بولی۔"آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔میری دیدی آپ کی دھرم پتنی ہے۔"

وہ حقارت سے بولا۔"کہاں کی دیدی؟ کہاں کی دھرم پتنی؟ اسے تو تم گولی مار کر اپنے یار کے ساتھ ادھر آئی ہو۔وہ بیچاری تو سورگ باس ہو چکی ہے۔"

وہ صدمے سے چیخ کر بولی۔"نہیں۔میری دیدی زندہ ہیں۔میں نے انہیں گولی نہیں ماری ہے۔آپ جھوٹ کیوں بول رہے ہیں؟"

وہ بولا۔"وہاں پنڈال میں تمہارے پتا مہاراج اور پورے راج گھرانے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔تم اندھا دھند فائر کر رہی تھیں۔ایک تماشائی مر گیا۔دو زخمی ہوئے اور ایک گولی تمہاری دیدی کو دنیا سے لے گئی۔"

میں نے درخت کے پیچھے سے کہا۔"آج سے نہ تم میرے لئے راجہ ہو نہ میں تمہارا باڈی گارڈ ہوں۔میں راجکماری پھول وتی سے کہہ رہا ہوں۔یہ بہت ہی مکار ہے۔اس نے شکار گاہ میں ہونے والی اندھی فائرنگ کے دوران اپنی دوسری رانی ششی کلا کو گولی ماری تھی۔یہاں تم بدحواسی میں گولیاں چلا رہی تھیں۔اس نے یہاں بھی اسی طرح فائدہ اٹھایا ہوگا۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں' یہ تمہاری دیدی کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا۔"

اس نے میری طرف گولی چلائی۔میں درخت کے پیچھے تھا۔پھول وتی سے کہہ رہا تھا۔"تم نے اپنی بہن کی ہتھیا نہیں کی ہے۔اس کے کسی سیکورٹی گارڈ نے اندھا دھند فائرنگ کے دوران فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کم بخت کے حکم کی تعمیل کی ہوگی۔"

وہ میری باتیں سن رہی تھی اور نفرت سے مہاویر کو دیکھ رہی تھی۔ایک ایک قدم پیچھے ہٹتی ہوئی میری طرف درخت کے پیچھے آنا چاہتی تھی۔میں نے کہا۔"راجکماری! میں پھر کہتا ہوں' گھوڑا سرکش ہو گیا تھا۔تم بدحواسی میں فائر کرتی جا رہی تھیں۔اس چالباز نے موقع سے فائدہ اٹھا کر تمہاری دیدی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

ایسا کہتے وقت میری نظریں مہاویر کے پستول پر تھیں۔وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ

راجکماری کو حاصل نہیں کر سکے گا۔اس نے جھنجھلا کر اس کا نشانہ لیا۔میں نے اسی لمحے میں گولی چلائی۔اسے قتل کر کے قانونی گرفت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔گولی اس کے ہاتھ پر لگی۔پستول زمین پر گر پڑا۔

اس نے فوراً ہی جھک کر اسے اٹھانا چاہا۔میں نے دوسرا فائر کیا۔گولی اس کے پیروں کے پاس گھاس کے تنکے اڑاتی ہوئی گزر گئی۔وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا۔

میں نے کہا۔"زندہ رہنا چاہتے ہو تو پستول سے دور رہو۔"

پھول وتی دوڑتی ہوئی پستول کے پاس گئی۔پھر اسے زمین پر سے اٹھا کر اس کا نشانہ لیتے ہوئے بولی۔"میری دیدی کا قاتل یہاں سے زندہ نہیں جائے گا۔"

میں نے اس کی طرف جاتے ہوئے کہا۔"اسے گولی نہ مارنا۔ہمیں قتل کے کیس میں نہیں الجھنا چاہئے۔"

وہ اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔"تم نے کہا تھا' تھو ہے مجھ پر میں اپنی سندرتا اور جوانی ایک نوکر کو دے رہی ہوں۔تم مجھے بے حیا اور بدچلن کہہ کر اپنی آغوش میں بلا رہے تھے۔"

اس نے ایک فائر کیا۔گولی اس کے ایک بازو کا گوشت ادھیڑتی ہوئی گزر گئی۔وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس بازو کو تھامنا چاہتا تھا۔اس سے پہلے ہی ایک اور فائر کی آواز گونجی۔دوسرا بازو بھی زخمی ہو گیا۔اس کے دونوں ہاتھ بے جان سے ہو کر کٹی ہوئی شاخوں کی طرح جھولنے لگے۔

وہ سینہ تان کر لچکتی مٹکتی ہوئی اس کے بالکل قریب آ کر بولی۔"مجھے اپنی آغوش میں بلا رہے تھے۔لو میں آ گئی۔مجھے بازوؤں میں بھر لو۔"

ساری مردانگی سلامتی سے قائم رہتی ہے۔وہ بے جان بازوؤں سے اسے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔تکلیف سے کراہتے ہوئے مجھ سے کہہ رہا تھا۔"کماری جی کو سمجھاؤ۔میری ہتھیا کرنے کے بعد تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔"

میں نے پھول وتی کے ہاتھ سے پستول لے کر خالی کیا۔پھر اسے چوہان کی ایک مٹھی میں پکڑا دیا۔اس کے بعد پھول وتی سے کہا۔"آپ نے اس کے سامنے کہہ دیا۔کسی اور کے سامنے مجھ سے محبت کرنے' مجھے دل و جان سے چاہنے والی باتیں نہ کرنا۔"

وہ پلٹ کر میرے قریب ہو گئی۔میری گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔"میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ڈنکے کی چوٹ پر تم سے پیار کرتی رہوں گی۔"

میں نے کہا۔ ''آپ کے پتا مہاراج' آپ کا راج گھرانہ' آپ کی ہندو برادری ایک مسلمان کو برداشت نہیں کرے گی۔ سب ہی اس راجہ چوہان کی حمایت میں بولیں گے۔ ہم یہ ثابت نہیں کرسکیں گے کہ اس نے آپ کی دیدی کی ہتھیا کی ہے یا کرائی ہے۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے کہا۔ ''حالات کو سمجھیں۔ ہمیں بڑی حکمت عملی سے کام لینا ہے۔ پہلے مجھے ان راجاؤں کے برابر مقام حاصل کرنے دیں۔''

''تم مجھے آپ نہ کہو۔ تم کہو۔''

''جو چاہو گی وہی کہوں گا۔ فی الحال آپ کہنے دو۔''

اس نے سر گھما کر مہاویر چوہان کو دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا۔ ''اگر تم چاہتے ہو کہ ابھی اپنے پیار کا اعلان نہ کروں تو میری دیدی کے اس ہتھیارے کے سامنے مجھے پیار کرو۔''

میں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ.... یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''کوئی سوال نہ کرو۔ بحث کرو گے تو میری انسلٹ ہوگی۔ یہ سمجھے گا' میں پیار کے قابل نہیں ہوں۔''

''تم تو پیار کے آسمان سے اتر کر آنے والی اپسرا ہو۔ پہلی ہی ملاقات میں دل ودماغ پر چھا گئی ہو۔ میں آخری سانسوں تک تمہیں پیار کرتا رہوں گا۔ مگر شادی سے پہلے ہمیں فاصلہ رکھنا چاہئے۔''

''میں کوئی جسمانی رشتہ کرنے کوئی پاپ کرنے کو نہیں کہہ رہی ہوں۔ صرف پیار کرو۔ اسے دکھاؤ کہ میں تمہاری ملکیت ہوں۔''

میں نے چوہان کو فاتحانہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم راجہ ہو مگر بھیک مانگو گے' تب بھی یہ راجکماری نہیں ملے گی۔ حسن کا ایسا خزانہ نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔''

میں نے اس کے کورے کنوارے بدن کو بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ چھوتے ہی بے حال ہوگئی۔ جذبات سے لرزنے لگی۔ میرے اندر جیسے سارے خلا پر ہوگئے۔ میں اس ہری بھری کے نین نقش پر اتر گیا۔ مہاویر چوہان ہمیں دیکھ رہا تھا اور تلملا رہا تھا۔ میں اس کے سامنے راج گھرانے کے دسترخوان سے اپنے نام کا دانہ چگ رہا تھا۔

میں نے سوچا تھا' ایک ذرا راجکماری کی ضد پوری کر کے الگ ہو جاؤں گا۔ ایسا سوچتے وقت عورت کی مقناطیسی قوت کو بھول گیا تھا۔ وہ بھولا ہوا سبق یاد دلا رہی تھی اور میں سحر زدہ ہو کر سبق کے معنی اور مفہوم میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

اگر وہ رقیب موجود نہ ہوتا اور مکمل تنہائی ہوتی تو شائد ہم انگلی پکڑتے پکڑتے پا پہنچے

تک پہنچ جاتے۔ جنگل میں منگل ہو جاتا۔ مگر وہ جتنی بیباک تھی' اتنی ہی محتاط اور سنبھلنے والی تھی۔ اس نے جذبات کے شکنجے سے جلد ہی خود کو چھڑا لیا۔

چوہان کو جلانے اور طیش دلانے کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ مجھ سے الگ ہوئی تو میں نے اسے کھینچ کر بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ ''کیا کر رہے ہو؟ ابھی تو کہہ رہے تھے' فاصلہ رکھنا چاہئے؟''

میں نے اس کے چہرے پر جھک کر ایک سمت جاتے ہوئے کہا۔ ''کام کی باتیں ہوں گی۔ اس لئے رقیب سے دوری اور ہماری قربت لازمی ہے۔''

چوہان ایک درخت سے ٹیک لگائے اپنے زخمی بازوؤں کو تھامے تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ہمیں بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ ہم اس سے دور آ کر رک گئے۔ میں نے کہا۔ ''کام کی باتیں کرو۔ مجھے ان راجاؤں سے برتر اور دھنوان ہونا ہے۔''

''وہ تو ہونا ہی ہے۔''

''تم نے خزانے کا پتہ بتایا ہے۔ میں شکار گاہ کے اس درمیانی کمرے تک پہنچ جاؤں گا۔ یہ بتاؤ' تہہ خانے میں جانے کا چور راستہ کہاں سے ہے؟''

وہ بولنے سے پہلے اور آگے آ کر گلے لگ گئی۔ بہت دور مہاویر کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور جل بھن کو کباب ہو رہا ہے۔''

''وہ اور جلے گا' مرے گا۔ مجھے اسے کچل کر آگے نکلنا ہے۔ چور راستہ بتاؤ۔''

وہ بولی۔ ''وہ کمرہ ایک پوجا گھر ہے۔ اسے ایک مندر کی طرح آراستہ کیا گیا ہے۔ دیواروں پر چھت پر نہ ہی فرش پر کہیں کوئی چور دروازہ ہے۔ تلاش کرنے والے تھک ہار جائیں گے' یہ مان جائیں گے کہ نیچے کوئی تہہ خانہ نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''جبکہ ہے۔ مگر تلاش کرنے والوں کو دکھائی نہیں دیتا.... کیا وہاں کوئی جادوئی عمل کیا گیا ہے؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''کوئی جادو منتر نہیں کیا گیا ہے۔ ایک خوبصورت سے چبوترے پر کرشن کنہیا کی مورتی ہے۔ ان کے ہونٹوں سے بانسری لگی ہوئی ہے۔ ان کے قدموں تلے وہ چور دروازہ ہے۔''

''ہوں۔ سمجھ گیا۔ اس مورتی کو ہٹاتے ہی وہ راستہ نظر آئے گا۔''

''نہیں۔ مورتی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی۔ اسے ہٹانے کے لئے زور لگاؤ گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ دروازہ پھر کبھی نہیں ملے گا۔''

"ہوں۔ بڑا پیچیدہ راستہ ہے۔"

"طریقہ کار معلوم ہو جائے تو پھر پیچیدگی اور الجھن ختم ہو جاتی ہے۔ تم وہاں پہنچ کر بھگوان کی مورتی کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دائیں طرف گھماؤ گے تو وہ ایک دائرے کی صورت میں گھوم جائے گی۔ پھر بائیں طرف گھما کر اسے پہلی والی پوزیشن میں لاؤ گے۔"

وہ ذرا چپ رہ کر بولی۔ "بظاہر کچھ نہیں ہوگا۔ مگر دوسری بار اسی طرح پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف گھماؤ گے تو چمتکار ہوگا۔ بھگوان کرشن کی مورتی میں جیسے جان پڑ جائے گی۔ ویسے تو وہ بے جان رہیں گے۔ مگر ان کی بانسری بجنے لگے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا مرلی کی دھن کے ساتھ چور دروازہ کھلے گا؟"

"نہیں۔ تم اس کی دھن کو غور سے سنو گے۔ جے جگدیش ہرے کی دھن چار بار سنائی دے تو تم بھگوان کی مورتی کو پھر دونوں ہاتھوں سے تھام کر دائیں طرف گھماؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "وہ پوری طرح گھوم جائے گی تو پھر اسے بائیں طرف گھماؤں گا۔ اسے پہلے والی پوزیشن میں لاؤں گا۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ "تب وہ مورتی ایک طرف کھسکتی چلی جائے گی اور اس کی جگہ فرش میں خلا پیدا ہوتا جائے گا۔ پہلے جہاں مورتی تھی' وہاں سے ایک زینہ تہہ خانے میں جاتا ہوا دکھائی دے گا۔"

"کیا تم نے یہ راز اپنے پتا مہاراج سے معلوم کیا ہے؟"

"ہاں۔ ان کا کوئی بیٹا یعنی ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ ان کے بعد وہ سارا خزانہ ہم دونوں بہنوں کو ملے گا۔ اس لئے پتا مہاراج نے یہ راز ہم دونوں کو بتایا ہے۔"

پھر وہ بڑے صدمے سے بولی۔ "یہ کمینہ جیجا کہہ رہا ہے کہ دیدی اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو صرف میں ہی اس خزانے کی حقدار ہوں۔ ہمیں فوراً واپس جانا چاہئے۔ میں دیدی کا آخری دیدار کروں گی۔"

وہ میرے بازوؤں میں تھی۔ میں نے اسے اتار دیا۔ مہاویر کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "تم اتنی دور پیدل نہیں آئے ہو۔ تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟"

اس نے کہا۔ "وہ یہاں سے بہت دور ایک درخت سے بندھا ہوا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو' میں بری طرح زخمی ہوں۔ مجھے فوراً ہی طبی امداد کی ضرورت ہے۔ مجھے گھوڑے پر لے چلو۔ میری مرہم پٹی کراؤ۔"

میں نے حقارت سے کہا۔ "اب مجھے حکم نہ دو۔ میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔"

وہ پھول وتی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں جیسا بھی ہوں' تمہارا جیجا ہوں۔ تمہیں میرے کام آنا چاہئے۔"

"میں جیجا اور سالی کے رشتے پر تھوکتی ہوں۔ جہاں گھوڑے کو باندھ رکھا ہے' وہاں لے چلو۔"

وہ بے بسی سے ادھر جانے لگا۔ ہم اس کے پیچھے چلنے لگے۔ ایسے ہی وقت کئی گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ راجکماری کے سپاہی بہت دور تھے۔ قریب آتے جا رہے تھے۔ وہ تعداد میں بیس تھے۔ ان میں مہاویر کے سات مسلح سیکورٹی گارڈز بھی تھے۔

انہوں نے قریب آ کر مہاویر کو حیرانی سے دیکھا۔ اس کے زخمی ہونے کی وجہ پوچھی۔ پھول وتی نے سخت لہجے میں حکم دیا۔ "ہم سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ یہ بتاؤ' کیا ہماری دیدی کی ہتھیا کی گئی ہے؟"

ایک نے کہا۔ "جی ہاں۔ پورے محل' پورے راجواڑے میں سوگ منایا جا رہا ہے۔ آپ کے پتا مہاراج آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

بہن کی موت کا یقین ہوتے ہی پھول وتی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ راجہ چوہان کے سیکورٹی گارڈز نے اسے آرام سے اٹھا کر ایک گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ لگام پکڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ دو گارڈز لگام پکڑ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

چوہان نے اپنے وفاداروں سے کہا۔ "دونوں ہمارے ساتھ چلتے رہو۔ باقی تم پانچوں آگے جاؤ۔ غازی پر نظر رکھو۔ اس نے ہمیں مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اسے فرار ہونے نہ دو۔ ہم اپنے سسر راجہ کے پاس پہنچ کر اس کم بخت کو حراست میں لیں گے۔"

اس کے پانچ وفادار وہاں سے جاتے ہوئے گھوڑوں کی رفتار بڑھانے لگے۔ میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے ارادے معلوم ہو رہے تھے۔

میں نے پھول وتی سے کہا۔ "چوہان تمہارے پتا کے پاس پہنچ کر ایک کی دس لگائے گا۔ یہ الزام دے گا کہ میں نے گولیاں چلا کر اسے معذور بنایا ہے اور ایک مسلمان ہو کر ہندو راجکماری کو پھانس رہا ہوں۔ راجہ ولبھ کی عزت اور مان مریادا کو مٹی میں ملا رہا ہوں۔"

وہ بولی۔ "ہاں۔ وہ ہمارے خلاف باتیں بنائے گا۔ وہاں تم سے ہتھیار چھین لئے جائیں گے۔ تمہاری بے گناہی ثابت ہونے تک تمہیں حراست میں رکھا جائے گا۔"

"اور میری بے گناہی ثابت نہیں ہو سکے گی۔ تمام ہندو یہ سنتے ہی بھڑک جائیں گے کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو۔"

''اور میں ڈنکے کی چوٹ پر تمہیں اپنی جان' اپنا ایمان کہوں گی۔عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ہم بھی نہیں چھپائیں گے۔مخالفت کرنے والوں سے ہماری لڑائی آج سے بلکہ ابھی سے شروع ہورہی ہے۔''

''پھرتو مجھے اپنی سلامتی کے لئے یہاں سے جانا ہوگا۔''

''ضرور جاؤ۔تمہیں خزانے کا راستہ بتا چکی ہوں۔جتنی جلدی ہوسکے' اسے حاصل کرو اور راجاؤں کے مقابلے میں طاقتور بن جاؤ۔''

ہم الگ الگ گھوڑوں پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ہمارے آس پاس مسلح سپاہی تھے۔اس نے ان کی پراوہ کئے بغیر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔میں نے ہاتھ تھام لیا۔اس نے کہا۔''میں اس اعتماد سے رخصت کررہی ہوں کہ تم جلد ہی مجھے یہاں سے لے جانے کے لئے آؤ گے۔''

''میں جلد سے جلد آنے کی کوشش کروں گا۔یہ سمجھو کہ اپنی جان یہاں چھوڑے جارہا ہوں۔جب تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔تمہاری خبر لیتا رہوں گا۔تمہارے قریب ہی رہا کروں گا۔''

میں نے ہاتھ چھوڑ دیا۔گھوڑے کی لگام ایک طرف موڑ دی۔وہاں سے دور جاتے ہوئے بار بار پلٹ کر اسے دیکھتا رہا۔جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے مہاویر کے ایک باڈی گارڈ کی طرف دھیان دیا۔اس کی آواز اور لب و لہجے پر توجہ دی۔وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پھول وتی اور اس کے مسلح سپاہیوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔کہہ رہا تھا' ''یہاں غازی دکھائی نہیں دے رہا ہے؟''

پھول وتی نے ناگواری سے پوچھا۔''غازی سے تمہیں کیا لینا ہے؟''

گارڈ نے کہا۔''وہ ہمارے راجہ صاحب کا مجرم ہے۔ہم اسے گرفتار کرکے آپ کے پتا مہاراج کے پاس لے جائیں گے۔''

وہ بولی۔''کوئی اسے گرفتار نہیں کرے گا۔وہ مجرم نہیں ہے۔تم سب ہمارے ساتھ محل میں چلو۔''

وہ بولا۔''ہم شما چاہتے ہیں۔آپ کا حکم نہیں مانیں گے۔اپنے راجہ صاحب کی آگیا کا پالن کریں گے۔''

ان میں سے ایک گارڈ نے مسلح سپاہیوں سے پوچھا۔''ہمیں بتاؤ' وہ کدھر گیا ہے؟''

پھول وتی نے غصے سے کہا۔''خبردار!کوئی نہ بتائے کہ وہ کدھر گیا ہے؟ آگے بڑھو!

ہمیں فوراً محل میں پہنچنا ہے۔''

مسلح سپاہی راجکماری کے حکم سے آگے بڑھ گئے۔چوہان کے پانچوں گارڈز رک گئے تھے۔گھوڑوں کی لگامیں موڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک نے سب کو حکم دیتے ہوئے کہا۔''تم اُدھر جاؤ اور تم اِدھر جاؤ اور تم پچھم کی طرف جاؤ۔وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ہم اسے پکڑ لیں گے۔''

ایک نے پوچھا۔''کیسے پکڑ لیں گے؟ ہم الگ الگ ہوکر جارہے ہیں اور وہ ہاتھی ایک دو کے بس کا نہیں ہے۔ہم پانچوں کو ایک ساتھ رہ کر اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔''

''اس کے نزدیک نہ جاؤ۔مقابلہ نہ کرو۔دور سے ہی گولی مار کر زخمی کرو۔پھر وہ لڑنے اور فرار ہونے کے قابل نہیں رہے گا۔''

میں ان کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا۔اب وہ مختلف سمتوں میں گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ان میں سے کوئی نہ کوئی جلد ہی میری طرف آنے والا تھا۔

مجھ پر ایسا وقت آیا تھا کہ کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔میں کسی بھی راجہ کی زمین پر نہیں رہ سکتا تھا۔وہ سب ہی اپنے جیسے راجہ چوہان کی حمایت کرنے اور میری مخالفت کرنے والے تھے۔دہلی' بمبئی اور کولکتہ جیسے بڑے شہروں میں چھپ کر رہ سکتا تھا۔جبکہ بزدلوں کی طرح چھپنا نہیں تھا۔وہ راجہ تھے تو مجھے مقابلے میں مہاراجہ بننا تھا۔

وہ خفیہ خزانہ اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ میرے ذہن میں محفوظ تھا۔میں جلد از جلد وہاں تک پہنچنے کی فکر میں تھا۔لیکن اس سے پہلے تعاقب کرنے والے کتوں سے پیچھا چھڑانا لازمی تھا۔

میں نے آگے بڑھتے بڑھتے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ایک چھوٹے سے پہاڑی ٹیلے کے پیچھے رک گیا۔وہ گارڈز بہت دور سے گھوڑے دوڑاتے چلے آرہے تھے۔ٹھہر ٹھہر کر دائیں بائیں گھنے درختوں کی طرف جارہے تھے۔مجھے تلاش کررہے تھے۔پھر مایوس ہوکر اس ٹیلے کی طرف آرہے تھے' جس کے پیچھے میں چھپا ہوا تھا۔

ایسے وقت میں نے بہت دھیمی دھیمی کلام پاک کی آیات سنیں۔حیرانی ہوئی کہ کوئی عابد اس جنگل بیابان میں تلاوت کیوں کررہا ہے؟ شائد کوئی مسافر ہوگا۔وہاں سے گزرتے ہوئے نماز کا وقت ہوتے ہی عبادت میں مصروف ہوگیا ہوگا۔

میرے پیچھے ایک غار تھا۔وہ مقدس آیات وہیں سے سنائی دے رہی تھیں۔میں اُدھر دھیان نہ دے سکا۔دشمن سر پر چلے آرہے تھے۔میں گھوڑے سے اتر گیا تھا۔میرے ایک

ہاتھ میں ریوالور تھا' دوسرے ہاتھ میں لگام تھی۔ میرا گھوڑا مجھ سے مانوس نہیں تھا۔ میں اس پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ لگام ہاتھ سے چھوٹتے ہی وہ بھاگ جاتا۔

سدھائے ہوئے گھوڑوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اگر مالک چھپتا ہے اور چپ رہتا ہے تو وہ بھی ایک طرف دبک کر رہتے ہیں۔ منہ سے آواز نہیں نکالتے۔ پتہ نہیں' اس گھوڑے کو کیسی کھجلی ہو رہی تھی کہ وہ اچانک ہی ہنہنانے لگا۔ دشمن قریب آرہے تھے۔ انہوں نے ایکدم سے ٹھٹک کر لگامیں کھینچ لیں۔ ہوشیار ہوگئے کہ آگے خطرہ ہے۔ وہاں سے پلٹ کر گھنے درختوں کی طرف جانے لگے۔

میں نے ایک کا نشانہ لے کر ٹریگر دبایا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی وہ گھوڑے کی پیٹھ سے اچھل کر گرا۔ پاؤں رکاب میں پھنس گیا تھا۔ لہٰذا بھاگتے ہوئے گھوڑے کے ساتھ اس کی لاش زمین پر گھسٹتی چلی گئی۔

دوسرا بھاگتا جا رہا تھا۔ شوٹنگ رینج سے دور نکل گیا تھا۔ میں فوراً ہی اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر جانے لگا۔ مجھے دشمنوں نے اس طرح الجھایا تھا کہ وہ عبادت گزار میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ میرا فرض تھا کہ اس جنگل بیابان میں اس کی خیر خیریت معلوم کرتا۔ لیکن اپنی سلامتی کی فکر حاوی ہوگئی تھی۔

وہ میرے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اگرچہ مسلح تھا۔ دشمن سے جنگ لڑنے والا سپاہی تھا۔ مگر مجھ سے لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ مہاویر کے تمام گارڈز میری جسمانی قوت سے اور جنگی مہارت سے خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ سے بار بار گھوم کر فائر کر رہا تھا۔ بدحواسی میں یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی شوٹنگ رینج سے دور ہیں۔

میں اس کی طرح خواہ مخواہ گولیاں ضائع نہیں کر رہا تھا۔ جب فاصلہ کم ہونے لگا۔ تب میں نے ایک گولی داغ دی۔ سو سنار کی ایک لوہار کی... پتہ نہیں وہ کتنے فائر کر چکا تھا؟ میری ایک ہی گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

میں اس پیچھا کرتا ہوا جنگل کے اس حصے میں آگیا تھا۔ جہاں دوسرے دشمن مجھے تلاش کر رہے تھے۔ وہ تینوں فائرنگ کی آوازیں سن کر ادھر چلے آئے تھے۔ مجھے ان کی آوازیں سن کر اندازہ ہوا' وہ جلد ہی مجھ تک پہنچنے والے ہیں۔

میں گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ کر وہاں سے دوڑتا ہوا تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر آیا۔ پھر ایک گھنے درخت پر چڑھ کر پتوں کے درمیان چھپ گیا۔ وہ تینوں وہاں پہنچ گئے تھے۔ جہاں گھوڑا بندھا ہوا تھا۔

انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش دیکھی۔ ایک نے کہا۔ ''ہوشیار رہو۔ وہ یہیں کہیں ہے۔''

وہ گھوڑوں کو ادھر ادھر دوڑاتے ہوئے مجھے تلاش کرنے لگے۔ میں بھی ان کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُدھر سے بھٹکتے ہوئے میری طرف آنے لگے۔ میں نے پتوں کے درمیان چھپ کر بلندی سے دیکھا۔ وہ تینوں وہاں آ کر رک گئے تھے۔ لگامیں موڑ کر ادھر ادھر نظریں دوڑا رہے تھے۔

میں نے نشانہ لیا۔ ایک ذرا وقفہ کئے بغیر تڑاتڑ گولیاں چلائیں۔ پہلے ایک چیخ مار کر گھوڑے کی پیٹھ سے گرا۔ پھر دوسرے کو گولی لگی۔ اتنی دیر میں تیسرا وہاں سے بھاگنے لگا۔ میں نے کئی فائر کئے۔ مگر ابھی اس کی موت نہیں آئی تھی۔ گھنے درخت ڈھال بن رہے تھے۔

میں سن رہا تھا۔ مجھے دیر تک دوڑتے ہوئے گھوڑے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ آواز تھم گئی۔ پتہ نہیں کیا بات تھی؟ اس کے آگے جانے یا پیچھے آنے آواز گم ہوگئی تھی۔ شائد وہ کہیں رک کر سستا رہا ہوگا۔

میں درخت سے اتر گیا۔ قریب ہی دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے گھوڑے فرار ہوگئے تھے۔ میں اپنے گھوڑے کی طرف جانے لگا۔ ایسے وقت پھول وتی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔ یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ وہاں اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

میں نے اس دلربا کو چشم تصور سے دیکھا۔ میری غیر معمولی سماعت نے اس کی آواز اور لب و لہجے کو پکارا۔ وہ سنائی دینے لگی۔ اپنی بہن کی میت کے پاس سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ زیر لب کہہ رہی تھی۔ ''دیدی! اب وہ میرا جیجا نہیں ہے۔ تمہارا ہتھیارا ہے۔ تمہاری آتما کو شانتی ضرور ملے گی۔ میرا غازی اسے نہیں چھوڑے گا۔ تڑپا تڑپا کر مارے گا۔''

محل کے بڑے ہال میں بیشمار عورتیں اور مرد سفید لباس میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ میں نے چوہان کا دھیان کیا تو اس کی آواز سنائی دی۔ وہ محل کے کمرے میں تھا۔ اس کے زخمی بازوؤں کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ وہ بستر پر لیٹا ہوا اپنے سسر مہاراج سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ غازی اچانک ہی میرا دشمن بنا گیا ہے۔ اسی نے آپ کی بیٹی اور میری سب سے چہیتی رانی کلاوتی کی ہتھیا کی ہے اور اسی نے گولیاں چلا کر میرے بازوؤں کو اس طرح ناکارہ کر دیا تھا کہ میں اس پر جوابی حملہ نہ کر سکا۔''

راجہ ولبھ نے کہا۔ ''ہم ابھی غازی کی گرفتاری کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن اس نے ہماری بیٹی کلاوتی پر کب گولی چلائی تھی؟''

''جب گھوڑا بدک گیا تھا' پھول وتی کے قابو میں نہیں آرہا تھا اور اس کے ریوالور سے اندھا دھند گولیاں چل رہی تھیں۔ غازی نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میری کلاوتی کو گولی ماری تھی۔''

''اس نے کیوں اس کی ہتھیا کی ہے؟''

''اس نے راجکماری پھول وتی کے عشق میں گرفتار ہو کر ایسا کیا ہے۔''

وہ ایکدم سے بھڑک کر بولا۔''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ کہاں ہماری راجکماری اور کہاں وہ دو کوڑی کا نوکر....؟''

مہاویر نے کہا۔''اور اس نوکر کو راجکماری نے شہہ دی ہے۔ آپ کو یہ سن کر دکھ ہوگا' یقین نہیں کریں گے کہ راجکماری اس مسلمان کی دیوانی ہوگئی ہے۔''

راجہ نے مٹھیاں بھینچ کر غصے سے کہا۔''تم بکواس کر رہے ہو۔ ہماری عزت اور غیرت پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔''

وہ بولا۔''اگر میری بات غلط ہوگی تو آپ کے قدموں میں اپنی گردن کٹوا لوں گا۔ میں نے جنگل میں اپنی آنکھوں سے....''

وہ بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ راجہ نے پوچھا۔''اپنی آنکھوں سے کیا....؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

وہ بولا۔''ان دونوں کو ایسی شرمناک حالت میں دیکھا ہے کہ منہ سے کچھ بول نہیں سکتا۔''

وہ گرجتی ہوئی آواز میں بولا۔''مہاویر! تم ہمارے داماد نہ ہوتے تو ابھی تمہیں گولی مار دیتے۔ تم زخم کھا کر آئے ہو۔ جھوٹ نہیں بولو گے۔ مگر ہم سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ تم کس حد تک سچ بول رہے ہو' یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

وہ اپنے سیکرٹری کو آواز دیتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ سیکرٹری کے ساتھ اور بھی ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔ اس نے حکم دیا۔''سیناپتی سے کہو' راجہ مہاویر کے گارڈز کے ساتھ اپنے سپاہیوں کی فوج لے کر جائے اور غازی کو زنجیروں میں جکڑ کر یہاں گھسیٹتا ہوا لائے۔''

سیکرٹری ''یس مہاراج'' کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ راجہ نے ایک ملازم سے کہا۔''راجکماری سے جا کر کہو' ہم ابھی اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ فوراً یہاں آئے۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا پھر مہاویر کے کمرے میں آیا۔ غصے اور بے چینی کے وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پھول وتی نے آکر باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر

جھکا لیا۔ باپ نے گرجتے ہوئے پوچھا۔''یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟''

پھول وتی نے نفرت سے ایک نظر مہاویر پر ڈالی پھر کہا۔''اب یہ میرا جیجا نہیں ہے۔ میری دیدی کا ہتھیارا ہے۔ میرا دشمن ہے۔ میں جانتی ہوں' اس نے میرے خلاف زہر اگلا ہوگا۔''

مہاویر نے کہا۔''اپنے پتا مہاراج کے چرنوں کو چھو کر بولو! جنگل میں غازی کے ساتھ کیا کر رہی تھیں؟ میں نے اس کم بخت کو گولی مارنی چاہی تو تم ڈھال بن گئی تھیں اور کہا تھا' پتا مہاراج کے سامنے اور ساری دنیا کے سامنے غازی سے پیار کرو گی۔''

وہ ذرا جھجک گئی۔ چور نظروں سے باپ کو دیکھا پھر کہا۔''غازی کی نہیں' میری دیدی کی بات کرو۔ تم نے پہلے اپنی رانی ششی کلا کی ہتھیا کرائی۔ آج موقع سے فائدہ اٹھا کر میری دیدی کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔''

مہاویر نے کہا۔''تم پتا مہاراج کے سامنے باتیں نہ بناؤ۔ ہتھیارا میں ہوں یا غازی؟ جو سچ ہے' وہ سامنے آجائے گا۔ تم صرف میرے سوال کا جواب دو۔ تم غازی کے ساتھ جنگل میں کیا کر رہی تھیں؟ پتا مہاراج کو بتاؤ' غازی تمہارے لئے کیا ہے؟''

اس وقت میں جنگل میں تنہا تھا۔ اپنے گھوڑے کی طرف جاتے جاتے رک رہا تھا۔ ان کی باتیں سن رہا تھا پھر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے پھول وتی کی آواز سنی۔ وہ اپنے باپ سے کہہ رہی تھی۔''میں ابھی کچھ نہیں بولوں گی۔ پہلے دیدی کا کریا کرم ہو جانے دیں۔''

راجہ نے کہا۔''تنہائی میں باتیں کر لینا۔ ابھی مہاویر کے سوال کا جواب دو۔ وہ ہماری جوتیوں میں رہنے والا نوکر تمہاری نظروں میں کیا ہے؟''

''پلیز پتا جی! ابھی کچھ نہ پوچھیں۔ پہلے دیدی کی ارتھی اٹھنے دیں۔''

وہ غصے سے بولا۔''تم ٹال رہی ہو۔ ہمیں غصہ دلا رہی ہو۔ جب تک سچ نہیں بولو گی' کلاوتی کی ارتھی نہیں اٹھے گی۔''

میں اپنے گھوڑے کے پاس آکر رک گیا۔ میں نے پھول وتی کو ایک گہری سانس لیتے ہوئے سنا۔ وہ بہت ہی بیباک اور ارادے کی پکی تھی۔ اس نے کہا۔''آپ پھر بھی اسے نوکر نہ کہیں۔ وہ میرے من مندر کا دیوتا ہے۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی تڑاخ کی آواز سنائی دی۔ اس کے منہ پر طمانچہ پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے تکلیف کا احساس ہوا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی

میری پسلی کی ایک ہڈی کو توڑتی ہوئی گزر گئی۔

وہ دشمن جو فرار ہو گیا تھا۔ خلاف توقع چلتا ہوا آیا تھا۔ میرا دھیان پھول وتی کی طرف تھا۔اس لئے غفلت میں اس کا نشانہ بن گیا۔

گولی کھانے والے جانتے ہیں کہ ہڈی توڑ کر نکلے تو کیسی ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے؟ مگر میں ذرا ڈھیٹ تھا۔ مجھے بعد میں تکلیف ہوتی تھی۔ مقابلے کے دوران زخم پر زخم کھاتے ہوئے بھی منہ سے اُف نہیں کرتا تھا۔جنون میں مبتلا ہو کر قاتل کی موت بن جاتا تھا۔

میں نے ریوالور پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔اس نے اسی لمحے میں دوسرا فائر کیا۔گولی میرے پیٹ میں آ کر دھنس گئی۔میں نے لڑکھڑاتے ہوئے اس پر گولی چلائی۔ادھر سے بھی تیسری گولی آ کر میری ایک ران میں پیوست ہو گئی۔میرے قدم اکھڑ گئے۔میں گھاس پر گر پڑا۔میرا نشانہ پکا تھا۔گولی اس کے سینے کی ہڈیاں توڑتی ہوئی دل میں دھنس گئی تھی۔وہ زمین پر گرتے ہی پھڑ پھڑا کر مر گیا۔

اس سے نجات ملتے ہی مجھے تکلیف کا احساس ہوا۔ایک گولی میرے پیٹ میں اور دوسری ران میں دھنسی ہوئی تھی۔ایسی جلن ہو رہی تھی' جیسے پورے بدن میں انگارے دہک رہے ہوں۔آہ!اس جنگل میں طبی امداد نہ ملنے پر مجھے آدھی موت ملنے والی تھی۔

میں نے بڑی مشکل سے کروٹ لے کر گھوڑے کی طرف دیکھا۔''کہاں جاؤں؟''

وہاں سے رائے پور شہر تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر تھا۔کیا وہاں کے کسی ہسپتال تک پہنچ سکتا تھا؟ جبکہ راجہ ولبھ کے سپاہی میری طرف آنے ہی والے تھے۔

میں گھاس پر چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتا ہوا درخت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔میرا لباس لہو سے تربتر ہو رہا تھا۔میں ہانپتے ہوئے درخت سے بندھی ہوئی لگام کھول کر گھوڑے کے پاس آ گیا۔تکلیف کی شدت سے سر چکرا رہا تھا۔میں نہیں جانتا کہ کتنی مشکل سے گھوڑے پر سوار ہو کر اوندھے منہ جھک گیا۔پھر وہ گھوڑا خود ہی ایک سمت چلنے لگا۔

وہ مجھے کہاں لے جا رہا تھا؟

میں تو اس خزانے کی طرف جانے والا تھا۔جسے حاصل کرنے کے بعد میری زندگی ایک نئے موڑ پر آنے والی تھی۔

اب وہ نیا موڑ کہاں چلا گیا تھا؟ ہم جانا کہیں چاہتے ہیں' تقدیر کہیں لے جاتی ہے۔

اور یہ تو سیدھی سی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ تقدیر مجھے موت کی طرف لے جا رہی ہے۔اگر میں اس رجواڑے کے کسی ڈاکٹر کے پاس گولیاں نکلوانے کے لئے پہنچوں گا تو

دشمن راجاؤں کی گرفت میں آ جاؤں گا۔اور مجھے جانا کہاں تھا راجہ ولبھ کے سپاہی ادھر آ ہی رہے تھے۔

آہ پھول وتی! آج ہماری محبت کا آغاز ہوا' آج ہی اختتام ہو رہا ہے۔

میں نہ تو تمہارے بتائے ہوئے خزانے تک پہنچ پاؤں گا اور نہ تمہیں اپنی دلہن بنا سکوں گا۔

افسوس! باپ کا طمانچہ کھایا ہے۔اب ناکامی اور نامرادی کے طمانچے کھاؤ گی۔

میرے زخموں سے مسلسل لہو رس رہا تھا۔کمزوری غالب آ رہی تھی۔پورے جسم میں انگارے دہک رہے تھے۔کوئی اور ہوتا تو ایسی حالت میں گھوڑے سے گر جاتا۔میں غیر معمولی قوتِ ارادی کے باعث ہوش میں رہنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ایسے ہی وقت بیشمار گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔وہ آ رہے تھے۔

میرا سر چکرا رہا تھا۔پھر بھی ذرا دھیان سے سنا۔وہ واقعی آ رہے تھے۔ابھی دور تھے۔جگہ جگہ رک کر مجھے تلاش کر رہے تھے۔برا وقت آ چکا تھا۔وہ بس پہنچنے ہی والے تھے۔میرے لئے کہیں چھپنے کی جگہ نہیں تھی اور مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ کہیں کوئی پناہ گاہ تلاش کرتا۔

جب زمین پر ہر سو مارنے والے ہوں' بچانے والا کوئی نہ ہو تو بعض اوقات آسمان مہربان ہو جاتا ہے۔میں جیسا مجبور' بے بس اور بے یار و مددگار تھا تو ان حالات میں مجھ جیسے بدبختوں کے ساتھ دو ہی باتیں ہوتی ہیں۔یا تو ہر سمت سے گولیاں چلانے والے آ جاتے ہیں اور موت لازمی ہو جاتی ہے۔یا پھر اچانک ہی خدا مہربان ہو جاتا ہے۔

گھوڑوں کی دوڑتی ''کھڑ بک کھڑ بک'' آوازیں میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں اور وہ آوازیں دم بدم قریب آتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ان ہی لمحات میں گنگناتی ہوئی مقدس آیتیں سنائی دیں۔

جیسے تپتے صحرا میں پیاس سے مرنے والے کو پانی کی جھلک دکھائی دی ہو۔میرے مردہ پڑتے ہوئے جسم میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔میں نے ایک ذرا آنکھیں کھول کر دیکھا۔''یا خدا! میں کہاں ہوں؟''

میں اس پہاڑی ٹیلے کے پاس پہنچ گیا تھا' جہاں پہلے قرآنی آیات قرأت کے ساتھ سنی تھیں۔ہاں۔سنی تھیں۔مگر نظر انداز کر گیا تھا۔

میں نے اس عابد کو اس کی مقدس آواز کو ٹال دیا تھا۔ایک مسلمان ہو کر اسے اہمیت

نہیں دی تھی۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اذان کی یا تلاوت کی روح پرور آواز سن کر ایک ذرا نہیں ٹھہرتے۔ چند لمحوں کے لئے رک کر یہ نہیں سنتے کہ وہ آیات ہم سے کیا کہہ رہی ہیں؟

میں نے بھی دشمنوں سے نمٹنے کے باعث دھیان نہیں دیا تھا۔ ان کے پیچھے بھاگتا چلا گیا تھا۔ جبکہ اس غار سے آسمانی صدائیں میرا پیچھا کر رہی تھیں۔ ”آؤ۔ اپنی بہتری کی طرف آؤ۔ آؤ اپنی سلامتی کی طرف آؤ...“

مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ میں منہ پھیر کر چلا گیا تھا اور اب اس گھوڑے نے مجھے پھر وہاں پہنچا دیا تھا۔ وہ غار کے دہانے پر رک گیا تھا۔ مجھے ہی جانا تھا۔ میرے ہاتھوں پیروں سے جان نکلی جا رہی تھی۔ گھوڑے سے اترنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ میں اس کی پیٹھ پر سے پھسلتا ہوا زمین پر آ گرا۔

غار کے اندر سے تلاوت کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ میں اوندھے منہ ہو کر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا نیم تاریکی میں اندر جانے لگا۔ وہ گھوڑا مجھے وہاں چھوڑ کر کہیں بھاگتا چلا گیا تھا۔

وہ بے زبان مجھے کیوں چھوڑ کر چلا گیا تھا؟

قدرتی معاملات کو سمجھو تو کسی حد تک بات سمجھ میں آتی ہے' اگر وہ وہاں کھڑا رہ جاتا تو دشمنوں کو معلوم ہو جاتا کہ جسے شکار کرنے آئے ہیں' وہ غار کے اندر موجود ہے۔ اس لئے وہ وہاں سے دوڑتا ہوا گھنے درختوں کے درمیان چلا گیا تھا۔ جب راجہ کے سپاہی غار کے پاس پہنچے تو انہوں نے بہت دور گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے ایک گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ وہ سب ادھر دوڑتے چلے گئے۔

خدا بڑا کارساز ہے۔ جہاں بات نہیں بنتی' وہاں بناتا ہے۔ جہاں سلامتی ناممکن ہو' وہاں سلامتی پہنچاتا ہے۔ اس وقت جیسے میرے جسم کا سارا خون بہہ چکا تھا۔ میں حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ حوصلہ ہارتے ہارتے غار کے اس حصے میں پہنچ گیا تھا' جہاں وہ بزرگ ایک بھاری بھرکم چٹان پر بیٹھے کلام پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ ایک دیئے کی روشنی نے پورے غار کو دور تک روشن کر رکھا تھا۔

میں نے بس اتنا ہی دیکھا پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ جیسے میری زندگی کا چراغ بجھ گیا۔ میں بیہوشی کے نام پر آدھی موت مر چکا تھا۔

موت اسی کو کہتے ہیں کہ پانچوں حواس ناکارہ ہو جائیں۔ نہ بندہ دیکھ سکے' نہ سن

سکے' نہ سونگھ سکے' نہ چکھ سکے اور نہ ہی کسی کا لمس محسوس کر سکے۔ میرے پانچوں حواس مر چکے تھے۔ میں ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا۔ عارضی موت کا مزہ چکھ رہا تھا۔

ہماری زندگی میں ایسا لمحہ آتا ہے' جب نیم بیہوشی اور غفلت کے دوران عالم نامعلوم میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہوش میں آنے کے بعد یاد نہیں رہتا کہ ہم کہاں تھے؟

مجھے یاد تھا۔ میں نے ایک نئی ملکوتی دنیا دیکھی۔ وہاں ہر سمت دھیما دھیما سا نور پھیلا ہوا تھا۔ سفید پوش فرشتے دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی کسی نے فرشتوں کو نہیں دیکھا۔ میں بھی دیکھنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ لیکن ایسا ہی لگ رہا تھا' جیسے میرے آس پاس آسمانی مخلوق متحرک ہیں۔

وہ زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے اور مجھے اپنے کاندھوں پر لے جا رہے تھے۔ چار کاندھوں پر جنازہ جاتا ہے۔ میں زندہ تھا' خون آلود لباس میں ایک اسٹریچر پر پڑا ہوا تھا۔ میرے دماغ پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ میں سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھا کہ کہاں ہوں اور کن حالات سے گزر رہا ہوں؟

میں نے خود کو ایک پتھریلی چار دیواری میں پایا۔ وہاں بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں دکھائی دے رہی تھیں۔ انہوں نے اسٹریچر کو ایک جگہ رکھ دیا۔ میں نے وہاں ان بزرگ کو دیکھا جو غار میں نظر آئے تھے۔ اس وقت بھی وہ وہی آیت پڑھ رہے تھے' جسے میں نے غار کے باہر منہ پھیر کر جاتے ہوئے سنا تھا۔

اس آیت کا مفہوم یہ تھا کہ دین کی طرف آؤ۔ اللہ گمراہوں کو اور خطا کرنے والوں کو معاف کرتا ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ بخشنے والا ہے۔ اپنی بہتری کی طرف آؤ۔ اپنی سلامتی کی طرف آؤ۔

یہ اللہ کی شان ہے کہ میں منہ پھیر کر گیا تھا اور ایک بے زبان جانور مجھے وہاں پہنچا کر چلا گیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ ہادی برحق ہیں۔ ہم ان کی ہدایات پر کبھی عمل کرتے ہیں' کبھی نہیں کرتے۔ ہم آزاد ہیں' بے لگام ہیں۔ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ سوچتے ہیں' ہدایات پر عمل نہیں کریں گے تو اس دنیا میں ہمارا کوئی کیا بگاڑ لے گا؟

وہ بزرگ میرے قریب آ گئے تھے۔ کہہ رہے تھے۔ ”بگڑتا ہے... اس دنیا میں بھی گمراہی کی سزا ملتی ہے۔ کیا تمہیں نہیں مل رہی ہے؟“

ان کی بات ختم ہوتے ہی مجھے شدت سے تکلیف کا احساس ہوا۔ اس عالم نامعلوم میں یہ بھول گیا تھا کہ مجھے تین گولیاں لگی ہیں۔ وہ گولیاں پیٹ میں اور ران میں پھر سے انگارے کی طرح دہکنے لگی تھیں۔ میں تکلیف سے تڑپنے لگا۔ دنیاوی عدالت ہو یا یوم حساب ہو

اپنی اچھائیوں اور برائیوں کا حساب ایک دن ضرور ہوتا ہے۔ میں نے کبھی اس دھیان سے زندگی نہیں گزاری کہ مجھ سے کیسی غلطیاں ہوتی جارہی ہیں؟ میں اپنے حال میں مست رہتا تھا۔ میں نے کبھی اپنا محاسبہ نہیں کیا تھا۔

میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں راجہ مہاویر چوہان کا غلام بن گیا تھا اور غلام تو تمام جائز' ناجائز احکامات کی تعمیل کرتا ہے۔ میں بھی کرتا تھا۔ اس کے حکم پر کسی کو بھی گولی ماردیتا تھا۔ یہ نہیں سوچتا تھا کہ مہاویر نے اسے انصافاً موت کی سزا دی ہے یا نہیں؟

وہ بزرگ زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''تم نے اس سے بڑی غلطی کی ہے۔ ایک راجہ کی تابعداری کے دوران اپنے اللہ کی تابعداری بھول گئے۔ جب بھی راج گڑھ میں رہتے ہو' اللہ کو بھول جاتے ہو۔ چھٹی لے کر اپنوں میں جاتے ہو تو وہاں دینی ماحول میں دو چار وقت کی نماز پڑھ لیتے ہو۔ کبھی دل کرتا ہے تو قرآن مجید کھول کر پڑھ لیتے ہو۔ ورنہ اپنی مقدس کتاب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔''

میں تکلیف سے بے حال ہورہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے پتہ نہیں کیسے آرام آگیا تھا؟ اب پھر سے تکالیف جھیلنے کی سزا مل رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ''سوچو اور سمجھو وہ پروردگار کب نا مہربان ہوتا ہے اور کب مہربان ہوجاتا ہے؟

سوچو... کہ تم دینی احکامات سے منحرف تھے۔

سمجھو... کہ وہ معبود تم پر مہربان کیوں ہورہا ہے؟

اس نے تمہیں سزا نہیں دی۔ اس کے برعکس غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے۔ تمہارے سامنے بڑے بڑے شہزوروں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ اس قادر مطلق نے تمہیں ناقابل شکست کیوں بنایا ہے؟''

میں نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔ ''میں عاقبت نااندیش ہوں۔ مجھ سے بڑی حماقتیں اور غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں شرمندہ ہوں۔ خدا کے لئے... مجھے تکلیف سے نجات دلوائیں۔ کسی ڈاکٹر کو بلائیں۔ میرے اندر سے گولیاں نکالیں۔ میں مرنے والا ہوں۔''

''کیا مجھ سے مدد مانگ رہے ہو؟''

''ہاں۔ یہاں اور کون ہے؟ صرف آپ ہی میری امداد کرسکتے ہیں۔''

انہوں نے پوچھا۔ ''یہاں میں نہ ہوتا تو کون ہوتا؟''

اب تو مجھ سے بات بھی نہیں کی جارہی تھی۔ میں نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''جہاں کوئی نہیں ہوتا' وہاں خدا ضرور ہوتا ہے۔''

انہوں نے پوچھا۔ ''تمہیں یہاں کس نے پہنچایا؟''

کمزوری کے باعث میری آنکھیں بند ہورہی تھیں۔ میں نے کہا۔ ''خدا نے...''

''تو پھر تمہارا ایمان کمزور کیوں ہے؟ اللہ سے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ مجھ سے کیوں مانگ رہے ہو؟''

میں نے زیر لب کہا۔ ''اللہ! میں تجھ سے پھر گیا تھا۔ مجھے معاف فرما۔ یہ گولیاں میری جان لے رہی ہیں۔ ان سے نجات دے میرے مالک...!''

انہوں نے کہا۔ ''یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں آئے گا۔ نہ ہی آپریشن ہوگا۔ روحانی علاج سے گولیاں نکالی جائیں گی۔''

''میں خدا سے مدد مانگ رہا ہوں اور خدا نے روحانی علاج کے لئے آپ کو وسیلہ بنایا ہے۔''

''بیشک۔ روحانی علاج آسان بھی ہے اور مشکل بھی... صرف ایک اسم اعظم پڑھو۔ پڑھنا آسان ہے۔ مگر پڑھ نہیں پاؤ گے۔''

''مجھے بتائیں' اسم اعظم کیا ہے؟ ایسا کیا مشکل ہے؟ میں ضرور پڑھوں گا۔''

انہوں نے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ میں ایک اسم اعظم اللہ ہے۔ عام حالات میں اللہ کا نام لینا آسان ہے۔ لیکن مدد کے لئے اسے پکارنا ہو تو اپنی ذات کے اندر ڈوب کر دل کی اتھا گہرائیوں سے پکارو' تب اس نام کی سچی اور کامل ادائیگی ہو پاتی ہے اور تب ہی چشم زدن میں پکارنے والے کی بلائیں ٹل جاتی ہیں۔''

پھر انہوں نے آگے بڑھ کر میرے قریب ہو کر کہا۔ ''پڑھو! اسم اعظم پڑھو۔ اور اسم اعظم ہے اللہ.....''

میں نے اپنی دانست میں دل کی گہرائیوں سے بڑے جذبے اور عقیدت سے بڑے مان سے کہا۔ ''یا اللہ.....! مدد فرما۔''

انہوں نے کہا۔ ''بندہ سمجھتا ہے' وہ بڑے ہی ایمانی جذبے سے اللہ کا نام لے رہا ہے۔ مگر ادائیگی میں جو کمی اور کوتاہی رہ جاتی ہے۔ اسے صرف اللہ جانتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یا اللہ! میں اپنی کوتاہی کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میری مدد فرما۔''

وہ کہہ رہے تھے۔ ''اسم اعظم کی برکت صرف اس کے لئے ہے' جو بے اختیار تڑپ کر اسے پکارتا ہے اور انسان اس وقت تڑپتا ہے' جب اس کی سانسیں اکھڑنے لگتی ہیں۔ وہ جاتی ہوئی سانسوں کو اور ہوا کو پکڑ نہیں پاتا۔ ایکدم سے تڑپ تڑپ کر اللہ اللہ کرتا ہے۔ ان ہی لمحات

میں اسم اعظم کی ادائیگی مکمل ہوتی ہے۔"

میں سن رہا تھا۔ میری سانسیں اکھڑنے والی تھیں۔ میں ہوا کو پکڑ کر ایک کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے اپنی بے بسی کو اپنی مجبوری کو سمجھتے ہوئے پکارا۔ "اللہ! اللہ....! اللہ...!"

انہوں نے خوش ہو کر جھومنے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ادائیگی کامل ہے۔ مگر ایک نقطہ قابل غور ہے۔ سارے ہی مسلمان جاں کنی کی حالت میں تڑپ کو اللہ کا پکارتے ہیں۔ پھر انہیں ایک کے بعد دوسری سانس کیوں نہیں ملتی؟

اس لئے کہ ان کی طبعی عمر پوری ہو چکی ہوتی ہے' اس لئے کہ ساری عمر رسمی طور پر' نیم دلی سے' نیم توجہ سے سجدے کرتے رہنے اور اللہ اللہ کرتے رہنے کے بعد وہ آخری وقت زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے تڑپ کر اسم اعظم پڑھتے ہیں۔

تم نے بھی یہی کیا ہے۔ کبھی دل سے اور توجہ سے نماز نہیں پڑھی۔ جب بھی دینی احکامات کے مطابق پڑھنا چاہی تو تمہارے اندر راجہ کے احکامات گردش کرتے رہے اور مندر کی گھنٹیاں بجتی رہیں۔

آج پہلی بار موت کی دہلیز پر یہ گھنٹیاں نہیں بج رہی ہیں۔ ابھی تم نے ساری دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات میں غرق ہو کر اسم اعظم پڑھا ہے۔ یا خدا! اس بندے سے راضی ہو جا۔"

وہ میرے اور قریب آ گئے۔ "یا خدا! طبعی عمر کے مطابق اس کے مقدر میں ابھی زندگی ہے۔ اے پروردگار عالم! تو نے مجھے روحانی علاج کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ میں تیری رضا سے علاج کر رہا ہوں۔"

وہ میرے برابر لیٹ گئے۔ انہوں نے جیسے روحانی نماز کی تکبیر پڑھی۔ "اللہ اکبر۔ اللہ اکبر..."

انہوں نے بڑے درد سے' بڑے جذبے سے اسم اعظم پڑھا۔

میں اچھی طرح دیکھ نہیں پایا۔ وہ "اللہ اللہ" کہتے ہوئے میری طرف کروٹ لے کر مجھ سے لگ گئے۔ پھر پلک جھپکتے ہی میرے قالب میں ڈھل گئے۔ میرے وجود کے اندر گم ہو گئے۔ اسی لمحے سے میں جیسے میں نہ رہا۔ وہ ہو گیا...

میں ایک تھا۔ مگر ایک اور مقدس وجود کا حامل ہو گیا۔ میرے اندر جیسے روح کی نا معلوم گہرائیوں سے اسم اعظم ادا ہوا۔ "اللہ...! اللہ....! اللہ....!"

وہ ایک ہی ایمانی ادائیگی تھی کہ معجزہ ہو گیا۔ میرے پیٹ میں سرسراہٹ سی ہوئی۔ وہ گولی سرسراتی ہوئی باہر آ گئی۔

جل جلا اللہ ہو جل شانہ ہو۔ میں نے ان لمحات میں اسم اعظم پڑھا تھا۔ مگر اس ادائیگی کے پیچھے ان بزرگ کی روحانی قوت تھی۔ میری ادائیگی میں جو کمی رہ گئی تھی۔ وہ ان کی شرکت سے پوری ہو گئی تھی۔

میں نے پھر آنکھیں بند کیں۔ بڑے جذبے سے تڑپ کر اسم اعظم پڑھا۔ "اللہ...! اللہ...!"

پھر معجزہ ہوا۔ میری ران کے اندر سرسراہٹ سی ہوئی۔ وہ دوسری گولی بھی سرسراتی ہوئی باہر آ گئی۔ انسان بہت ذہین ہے۔ ایک دن اپنی ذہانت سے پوری کائنات کا بھید معلوم کر لے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کو اور روحانی علوم کے رازوں کو کبھی سمجھ نہیں پائے گا۔

اگر میرے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔ وہ میرے اندر نہ سماتے اسم اعظم کی ادائیگی مکمل نہ ہوتی تو میری ذہانت یہ گتھی سلجھانے میں ناکام رہتی کہ یہ معجزہ کیسے ہو گیا؟

دیکھتے ہی دیکھتے ساری تکالیف دور ہو گئی تھیں۔ میں بڑے آرام و سکون سے لیٹا ہوا تھا۔ ہونٹ چپ تھے مگر میرے اندر کلام پاک کی تلاوت ہو رہی تھی۔ وہ پڑھ رہے تھے' میں سن رہا تھا۔ اب تک دینی معاملات سے کتراتا رہا تھا۔ اب میرے اندر مکمل ایمانی جذبے سے عبادت ہو رہی تھی۔

میں نے لیٹے ہی لیٹے سر اٹھائے بغیر پیٹ کے اس حصے پر ہاتھ رکھا' جہاں گولی پیوست ہوئی تھی۔ میں غیر معمولی چھونے کی حس رکھتا ہوں۔ لیکن اس وقت چھونے سے زخم کا منہ اور لہو کی نمی محسوس نہیں ہوئی۔

میں حیرانی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اللہ اکبر! یہ بھی ایک معجزہ ہوا۔ پیٹ پر گولی کے زخم کا نشان تو کجا' کہیں ایک ہلکی سی خراش بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ لباس پر بھی لہو کا ایک ننھا سا دھبہ تک نہ تھا۔

میں نے ایک پائنچہ اٹھا کر دیکھا۔ ران پر بھی کوئی خراش نہیں آئی تھی۔ جیسے کبھی کوئی گولی لگی ہی نہیں تھی۔

پھر میں نے بائیں پسلیوں کو چھو کر معلوم کیا' وہاں گولی ایک پسلی کو توڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ مگر اب ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ کوئی زخم نہیں تھا۔ کوئی تکلیف نہیں تھی۔ میں نے جو کبھی سوچا نہیں تھا' ویسے ایمان افروز حالات سے گزر رہا تھا۔

بیشک۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان تھا۔میرا سر احسان مندی سے' جذبہ تشکر سے اور جذبہ عبودیت سے جھک گیا۔میرے اندر وہ بزرگ موجود تھے۔میں تلاوت کی دھیمی دھیمی سی آواز سن رہا تھا اور اپنے اندر تبدیلیاں محسوس کررہا تھا۔میرا مزاج' میرے خیالات بدل رہے تھے اور ایمان مستحکم ہورہا تھا۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔میرے اندر نام کو بھی کمزوری نہیں تھی۔ پہلے کی طرح چھلانگیں لگا کر جھپٹ پڑنے والے چیتے کی مانند تیز وطرار اور شہزور تھا۔

میں نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ پتھروں سے بنا ہوا ایک زینہ اوپر کی طرف گیا تھا۔میں اس پر چڑھتا ہوا اوپر اس جگہ پہنچا' جہاں زخموں سے چور آیا تھا اور ان بزرگ کو ایک چٹان پر عبادت میں مصروف دیکھا تھا۔

اب وہ میرے اندر تھے۔انہوں نے کہا۔''اس چٹان کو سرکاؤ۔تہہ خانے کا راستہ بند ہوجائے گا۔''

وہ چٹان اتنی وسیع وعریض' اتنی وزنی تھی کہ اسے کرین کے ذریعے ہی ادھر سے اُدھر کیا جاسکتا تھا۔میں نے یہ نہیں پوچھا کہ اسے اس کی جگہ سے کیسے ہلاسکوں گا؟ میرے دل و دماغ پر میرے وجود پر ان کا کنٹرول تھا۔ مجھے ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

میں نے اس چٹان پر دونوں ہاتھ رکھے پھر اپنی تمام قوت صرف کرتے ہوئے اسے تہہ خانے کے خلا کی طرف سرکانا چاہا تو مجھے ایسا لگا' جیسے وہ چٹان نامعلوم میکنزم کے ذریعے متحرک ہوتی ہے۔اسے ہاتھ لگاتے ہی جیسے سوئچ کا بٹن دب گیا ہو۔وہ آہستہ آہستہ سرکتی ہوئی اس خلا پر آگئی۔تہہ خانے کا راستہ بند ہوگیا۔

نہ وہاں بجلی تھی' نہ جنریٹر تھا اور نہ ہی کسی طرح کا میکنزم تھا۔ میں عارضی طور پر مادی دنیا سے کٹ کر روحانی ماحول میں آگیا تھا اور روحانی مقتظم کی کرامات دیکھ رہا تھا۔

میں نے وقتاً فوقتاً اولیاء کرام کی زندگی کے حالات اور ان کی کرامات سے بھرپور واقعات پڑھے تھے۔میں انہیں دلچسپ قصے کہانیاں کہا کرتا تھا۔سوچتا تھا' کیا وہ سبق آموز قصے سچے ہوں گے؟ کسی زمانے میں رونما ہوئے ہوں گے؟ موجودہ زمانے میں ایسے حیرت انگیز اور ناقابل فہم معجزے' کرامات اور کرشمے نہ دیکھنے میں آتے ہیں' نہ سننے میں آتے ہیں۔ایسا کسی کے ساتھ نہیں ہوتا۔

اب ایسا میرے ساتھ ہورہا تھا۔روحانی علوم سے' اسم اعظم کی برکت سے میرا علاج ہوچکا تھا۔میں موت کی طرف جاتے جاتے زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔روحانی کمالات دیکھ

رہا تھا۔وہ بزرگ اب تک میرے اندر سمائے ہوئے تھے۔ابھی اور بہت کچھ ہونے والا تھا۔اس لئے مجھ سے الگ نہیں ہورہے تھے۔

میں ان کی مرضی کے مطابق عمل کررہا تھا۔اس چٹان پر آکر دوزانو ہوکر بیٹھ گیا تھا۔انہوں نے آنکھیں بند کی ہوں گی۔ میری بھی آنکھیں بند ہوگئیں۔وہ تلاوت کرنے لگے تو الفاظ کی ادائیگی کے مطابق میرے ہونٹ ہلنے لگے۔گویا میں بھی تلاوت کرنے لگا تھا۔

تب معلوم ہوا کہ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ ایسے وقت میں نے بیشمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔راجہ ولبھ کے سپاہی غار کے پاس آکر رک گئے تھے۔گھوڑوں سے اتر ہماری طرف آرہے تھے۔وہ اب تک میری تلاش میں میلوں دور تک بھٹکتے رہے تھے۔ مجھے ڈھونڈنے کے لئے یہی ایک غار رہ گیا تھا۔اس لئے اب انہوں نے ادھر کا رخ کیا تھا۔

میں نے پریشان ہوکر کہا۔''آپ نے مجھے یہاں بٹھا دیا ہے۔وہ دشمن یا تو مجھے گولی ماردیں گے یا گرفتار کرکے لے جائیں گے۔''

انہوں نے کہا۔''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔میرے ساتھ تلاوت کرتے رہو۔''

سپاہیوں کے بھاری بھرکم فوجی بوٹ زمین پر دھمک پیدا کرتے ہوئے میرے سامنے آگئے۔وہ میرے اندر پڑھتے پڑھتے رک گئے تھے۔انہوں نے آنکھیں کھولیں۔میں نے بھی کھول دیں۔ بڑا حیران ہوا۔سیناپتی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر کہہ رہا تھا۔''بابا سائیں کی جے ہو۔ہم ایک اپرادھی کو ڈھونڈنے آئے ہیں۔''

میری حیرانی اور بڑھ گئی۔وہ مجھے بابا سائیں کہہ رہا تھا۔وہ سب اپنی آنکھوں سے مجھے نہیں' ان بزرگ کو دیکھ رہے تھے۔یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس راجواڑے کے مسلمان' ہندو' سکھ اور بدھ مت کے ماننے والے سب ہی انہیں اللہ والا اور بھگوان کا اوتار مانتے تھے۔

آس پاس کے علاقوں سے بھی ہزاروں عقیدت مند مہینے میں ایک بار ان کے آگے سر جھکانے' اپنے مسائل پیش کرنے اور اپنی مرادیں حاصل کرنے آتے تھے۔راجاؤں نے اپنی اپنی جنتا سے کہا تھا کہ وہ بابا سائیں کی عبادت کے دوران غار کی طرف نہ جایا کریں۔ان کی مرضی اور مزاج کے خلاف جو وہاں جائے گا' اسے سخت سزا دی جائے گی۔بہرحال ان دشمن سپاہیوں کے سامنے میں نہیں تھا۔شائد انہیں بابا سائیں نظر آرہے تھے اور وہ بابا سائیں میری الجھن کو سمجھ رہے تھے۔

انہوں نے کہا۔''پہلے میں تمہارے اندر تھا۔اب دشمنوں کی موجودگی میں تم میرے

اندر سما گئے ہو۔ یہ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں۔''

سیناپتی سر جھکائے پلتھی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ باقی تمام سپاہی مجھے تلاش کرنے کے لئے اس غار کے مختلف حصوں میں گئے تھے۔ بابا سائیں نے کہا۔''جسے ڈھونڈ رہے ہو' وہ نہیں ملے گا۔ جتنی جلدی ہو سکے' یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے میری عبادت میں مداخلت کی ہے۔ میری شکائیت راجہ ولبھ تک پہنچے گی۔''

وہ گڑگڑانے کے انداز میں بولا۔''ہم پر دیا کریں۔ شکائیت نہ کریں۔ میں ابھی سپاہیوں کو یہاں سے لے جاتا ہوں۔''

وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی میں نے تمام سپاہیوں کے قدموں کی آوازیں سنیں۔ وہ سب غار سے باہر جا رہے تھے۔ مجھے وہاں ڈھونڈنے کے بعد مایوس ہو گئے تھے۔ اپنے راجہ کے پاس جا کر یہ رپورٹ دینے والے تھے کہ میں راجواڑے کے اس جنگل سے کہیں بہت دور چلا گیا ہوں۔

یہ آنکھ مچولی خوب رہی تھی۔ میں انہیں دیکھتا رہا تھا اور وہ میرے سامنے بالکل قریب آ کر بھی دیکھ نہ سکے تھے۔ میں نے کہا۔''بابا سائیں! آپ میرے لئے رحمت کا فرشتہ ہیں۔ انسانی عقل کبھی سوچ نہیں پائے گی کہ آپ مجھے کس طرح چھپا رہے ہیں؟''

انہوں نے کہا۔''یہ روحانی آنکھ مچولی ہے۔ آئندہ تمہیں اسی طرح پناہ ملتی رہے گی۔ اپنی آنکھیں بند کرو۔''

میں نے بند کر لیں۔ پھر انہوں نے کہا۔''آنکھیں کھولو۔''

میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ دائیں طرف میری طرح دو زانو ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے مجھ جیسے بے دین کو دین کے حوالے سے بہت متاثر کیا تھا۔

اب میں روحانی کمالات کو قصہ کہانیوں والی باتیں نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسم اعظم ایک ازلی اور دائمی سچائی ہے۔ مجھے ایک نہیں تین گولیاں لگی تھیں۔ میرے جسم کا تمام لہو بہہ گیا تھا۔ میں کھوکھلا ہو کر مرنے ہی والا تھا۔ ایسے جان لیوا لمحات میں بابا سائیں نے مجھے اسم اعظم پڑھا کر نئی زندگی دی تھی۔

دنیا بہت بڑی ہے۔ مگر میرے لئے بہت چھوٹی پڑ گئی تھی۔ کہیں چھپنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ میں اپنی سلامتی کے لئے آسمان کی طرف اڑ نہیں سکتا تھا۔ زمین کھود کر چھپ نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے اسم اعظم پڑھتے ہوئے میرے پہاڑ جیسے وجود کو اپنے وجود کے اندر چھپا لیا تھا۔

بیشک۔ سلامتی صرف اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ میں نے کہا۔''میں دشمنوں سے چھپنے اور اُن سے لڑتے رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہوں گا۔ اسم اعظم پڑھتا رہوں گا۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ میں آپ کی طرح کیسے دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم ادا کر سکتا ہوں؟''

انہوں نے فرمایا۔''اس کی ادئیگی کے لئے پانچوں وقت کی نماز لازمی ہے۔ پھر بلا تامل' کسی حیل و حجت کے بغیر دین کے تمام احکامات کی تعمیل کرنا ضروری ہے۔ کیا یہ تمام فرائض ادا کر سکو گے؟''

''انشااللہ کروں گا۔''

''کیا ساری دنیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر سکتے ہو؟''

میں ذرا ہچکچایا۔ فوراً ہی ہاں نہیں کہہ سکتا تھا۔ انہوں نے فرمایا۔''بہت مشکل ہے۔ دنیاوی معاملات نے تمہیں بری طرح جکڑ لیا ہے۔ تمہاری بیوی ہے۔ دو بچے ہیں۔ ان کی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ پھر یہ کہ راجکماری کی محبت بھی دل میں بیٹھ گئی ہے۔''

میں چپ چاپ سر جھکائے سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔''دشمنوں کو کچلنا ہے۔ ان پر غالب آنے کے لئے' ان سے برتر ہونے کے لئے طاقت اور دولت کا حصول لازمی ہے اور تم خفیہ خزانہ حاصل کر کے ہی اپنے مقاصد حاصل کر سکو گے۔''

وہ ذرا چپ ہوئے پھر بولے۔''کیا کرو گے؟ کیا ان حالات میں صرف اللہ تعالیٰ کے ہو کر رہ سکو گے؟ میری طرح دنیا کو چھوڑ کر دن رات عبادت کر سکو گے؟''

میں نے کہا۔''ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ عبادت ضرور کرو۔ مگر دنیاوی معاملات میں بھی رہو۔ اپنی محنت سے زندگی کی تمام ضروریات پوری کیا کرو۔''

انہوں نے فرمایا۔''میں نے بھی دنیا نہیں چھوڑی ہے۔ یہاں گوشہ نشین ہوں۔ پھر بھی دنیا والوں سے تعلق رکھتا ہوں۔ اب یہ سمجھو کہ مجھ میں اور تم میں کیا فرق ہے؟''

میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ بولے۔''میں نے اپنی ضرورتوں کو ایک حد میں رکھا ہے۔ جبکہ تمہاری ضرورتیں لامحدود ہیں۔ میں ایک جوڑا پہنتا ہوں اور دو وقت کھاتا ہوں۔ ابتدا میں عبادت کرتا رہا۔ فاقے کرتا رہا۔ کبھی روزی مل جاتی تھی' ورنہ روزے رکھتا تھا۔ یہ یقین کامل تھا کہ خود کو صرف عبادت کے لئے وقف کر دوں گا اور روحانیت کے مدارج طے کرتا رہوں گا تو پھر رہبانیت اور گوشہ نشینی کا الزام مجھ پر نہیں آئے گا۔ پھر میں دنیاوی

معاملات میں بھی رہوں گا اور اللہ کے بندوں کے کام بھی آتا رہوں گا۔''

انہوں نے پوچھا۔ ''کیا ابھی تمہارے کام نہیں آ رہا ہوں؟''

''بیشک۔ آپ گوشہ نشین ہیں۔ مگر یہاں بیشمار عقیدت مند آتے ہیں۔ آپ ان کی مصیبتیں' ان کی بیماریاں دور کرتے ہیں۔ مجھے تو آپ موت سے چھین کر لائے ہیں۔ میرے دشمن بینائی رکھتے تھے۔ آپ نے میری طرف سے انہیں نابینا بنا دیا۔ میں آپ کے اندر موجود تھا اور وہ مجھے دیکھ نہیں پا رہے تھے۔''

''میں نے شر کو کچلنے کی روحانی قوت حاصل کی ہے۔ تم شر پسندوں سے نمٹنے کے لئے خفیہ پناہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا صرف اللہ کے ہو کر اسم اعظم کی برکتیں حاصل کر سکو گے؟''

انہوں نے خود ہی انکار میں سر ہلا کر جواب دیا۔ ''نہیں۔ ایسا نہیں کر سکو گے۔''

میں نے قائل ہو کر کہا۔ ''بے شک۔ میں ایسی کٹھن عبادت نہیں کر سکوں گا جیسی آپ کرتے رہے ہیں۔ مجھے بیوی بچوں کے فرائض ادا کرنے ہیں۔ میرے لئے راجکماری اور وہ خفیہ خزانہ ضروری ہو گیا ہے۔ میں ان معاملات سے نکل نہیں پاؤں گا۔''

''پھر اسم اعظم کبھی نہیں پڑھ پاؤ گے۔''

میں نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ انہوں نے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ وہی جانتا ہے کہ تمہیں یہ نئی زندگی کیوں دی ہے؟ اگر تم صدق دل سے پانچ وقت کی نماز پڑھتے رہو گے۔ دینی احکامات کی تعمیل کرتے رہو گے تو میں تمہارے کام آؤں گا۔ تم اسم اعظم نہیں پڑھ سکو گے' میں تمہارے اندر آ کر پڑھتا رہوں گا۔''

میں نے بڑی عقیدت سے سر جھکا کر کہا۔ ''آپ مجھ پر یہ احسان فرمائیں گے۔ میرا بہت بڑا سہارا بن جائیں گے۔ پھر انشاءاللہ ایک وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔ آپ کی طرح اللہ کے نیک اور مجبور بندوں کے کام آتا رہوں گا۔''

پھر میں نے اپنے حالات کے مطابق کہا۔ ''ابھی تو میں راجہ مہاویر اور راجہ ولبھ جیسے دشمنوں سے چھپ رہا ہوں۔ ابھی آپ کی مدد حاصل کرتے ہوئے اپنے ہی کام آنا ہے۔''

''میں تمہارے قریب رہا کروں گا۔ مگر پہلے نماز پڑھو۔ قرآن مجید کے پورے تیس پاروں کی تلاوت کرو۔''

''مجھے یہ کہتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے کہ کلام پاک اٹک اٹک کر پڑھتا ہوں۔ صحیح تلفظ بھول جاتا ہوں۔''

''میں تمہیں پڑھاؤں گا۔ جب درست پڑھنے لگو گے۔ کوئی غلطی نہیں کرو گے' تب تمہارے اندر اسم اعظم پڑھوں گا۔ تب ہی تم اپنے مسائل حل کر سکو گے۔''

میں نے اپنے تصور میں راجکماری پھول وتی کو دیکھا۔ باپ نے اسے طمانچہ مارا تھا۔ پتہ نہیں' وہ مجھ سے محبت کرنے کی کیسی سزائیں پا رہی ہو گی؟ میں جلد سے جلد اس کے کام آنا چاہتا تھا۔ اسے وہاں سے نکال لانا چاہتا تھا۔ جبکہ راجاؤں سے ٹکرانے والی قوت اور قانونی ذرائع سے محروم تھا۔

میں نے کہا۔ ''کلام پاک کو صحیح ہجے اور تلفظ سے پڑھنے میں کئی دن' کئی ہفتے لگ جائیں گے۔ راجکماری مصیبت میں ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ پہلے میں اسے وہاں سے نکال لاؤں؟''

''دنیا کا ہر انسان اپنے حصے کی مصیبتیں جھیلتا ہے۔ راجکماری کو بھی جھیلنے دو۔''

''میرا دل نہیں مانے گا۔ میں اسے مصیبتوں سے اور مخالفین سے نجات دلائے بغیر سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔''

''تو پھر جاؤ۔ اسے نجات دلاؤ۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو سبق یاد نہیں کرتا' اسے چھٹی نہیں ملتی۔ تم نے کلام پاک کو بھولنے کی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر واقعی شرمندہ ہو تو ابھی سے غلطی کئے بغیر صحیح پڑھنے کی لگن پیدا کرو۔''

نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے اسی وقت وہاں سے اٹھ کر وضو کیا۔ وہ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس کے بعد انہوں نے میرے سامنے کلام پاک لا کر رکھا۔ پھر کہا۔ ''پڑھو....''

میں پڑھنے لگا اور بھولنے لگا۔ وہ مجھے درست اعراب اور ہجوں کے ساتھ پڑھانے لگے۔ چونکہ پہلے پورے تیس سپارے پڑھ چکا تھا۔ اس لئے ایک بار پڑھاتے ہی ذہن نشین ہونے لگا۔ میں نے پہلا سپارہ پڑھنے کے بعد اسے دہرایا تو غلطی نہیں ہوئی۔

انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ ''سبحان اللہ...! اگر روزانہ دس سپارے پڑھو گے اور اسی طرح یاد رکھو گے تو تین دنوں کے بعد میں تمہارے اندر آ کر اسم اعظم پڑھوں گا۔''

مجھے حوصلہ ملا۔ میں بڑی لگن سے پڑھنے لگا۔ جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ وہ صرف اللہ سے ہی لو لگائے رکھتے ہیں۔ انہیں دنیا میں مال و زر کی اور عاقبت میں جنت کی طلب نہیں ہوتی۔ وہ اپنے اعمال کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی کسی لالچ کے تحت عبادت نہیں کرتے۔ اس کے برعکس میرے دل میں راجکماری پھول وتی کی طلب تھی۔ میں جلد از جلد

اس کے پاس پہنچنے کے لئے' اس کے کام آنے کے لئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے بھولا ہوا سبق پوری توجہ سے ذہن نشین کر رہا تھا اور پانچوں وقت کی نمازیں پڑھ رہا تھا۔

اسی دوران میں نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے کام لے کر پھول وتی کی باتیں سنیں۔اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ بابا سائیں نے سمجھایا تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک سپارہ پڑھ کے سوجایا کروں۔تھوڑی سی نیند لے کر تہجد پڑھا کروں اور میں یہی کرتا تھا۔

کیا کروں؟ پھول وتی میرے اندر کھلبلی پیدا کرتی رہتی تھی۔لہٰذا دوسری رات میں نے اس کی خبر لی۔وہ جاگ رہی تھی۔ ڈائری لکھ رہی تھی اور اسے زیر لب پڑھ رہی تھی۔یوں میں اس کی آواز سن رہا تھا۔ یہ معلوم ہوا کہ راجہ ولبھ نے اسے محل میں بند کر رکھا ہے۔ رشتے داروں کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

راجہ ولبھ' راجہ مہاویرا اور دوسرے تمام راج گھرانوں میں یہ تشویش پیدا ہوگئی تھی کہ راجکماری پھول وتی ایک مسلمان سے عشق کر رہی ہے۔عشق کے نتیجے میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہے اور مسلمان سے شادی کا مطلب یہ ہوا کہ دھرم چھوڑنے والی ہے۔

یہ بات صرف راجاؤں کے لئے ہی نہیں' تمام ہندو جنتا کے لئے بھی ناقابل برداشت تھی۔ایک راجکماری کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ وہ بھی ایک نوکر سے...سب ہی ہندو چھی چھی تھوتھو کر رہے تھے' کہہ رہے تھے کہ غازی کو پکڑ کر لایا جائے اور تمام جنتا کے سامنے اس کی گردن اڑائی جائے۔

کسی ثبوت کے بغیر مجھے رانی کلاوتی کا قاتل قرار دے دیا گیا تھا۔مجھ پر یہ بھی الزام تھا کہ میں نے راجہ مہاویر پر گولیاں چلا کر اس کے دونوں بازو ناکارہ کردیئے ہیں۔یہ بھی کہا جارہا تھا کہ میں کٹر متعصب مسلمان ہوں۔ ہندوؤں سے سخت نفرت کرتا ہوں اور ان کے دھرم کی ایک لڑکی کو پھانس کر ان کی غیرت کو للکار رہا ہوں۔

میں کسی بھی راجوڑے میں نہیں جاسکتا تھا۔تمام راجاؤں نے عدالت سے میری گرفتاری کا اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔ ہر جگہ میری تصویر کے ساتھ پوسٹر لگائے جا رہے تھے۔جلی حروف میں لکھا گیا تھا کہ خطرناک قاتل غازی صلاح الدین کو جو پکڑ کر لائے گا یا پولیس کی مدد سے گرفتار کرائے گا' اسے نقد پانچ سو روپے انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔

انہوں نے میرے لئے زمین تنگ کردی تھی۔ میں روپوش رہ کر ہی محفوظ رہ سکتا تھا۔میری تصویر کے باعث مجھے ایک بچہ بھی پہچان سکتا تھا۔پھر میرا قد اور جسامت ایسی تھی کہ سب سے الگ دکھائی دیتا تھا۔راجاؤں کو اطمینان تھا کہ میں جنونی عاشق بن کر یا ڈکیت بن

کر پھول وتی کو چرانے نہیں آؤں گا۔

دوسری طرف راجکماری کو اس کی خوابگاہ میں قیدی بنا دیا گیا تھا۔کھڑکیوں اور دروازوں کو باہر سے بند رکھا جاتا تھا۔راجہ کی اجازت کے بغیر نہ ہی وہ خوابگاہ سے باہر آسکتی تھی اور نہ ہی کوئی داسی اندر جاسکتی تھی۔

اس کے پتا مہاراج نے کہا تھا' اگر وہ میرا خیال دل سے نہیں نکالے گی' میری طلب سے باز نہیں آئے گی تو وہ اسے گولی مار دے گا۔لیکن یہ محض ایک دھمکی تھی۔

اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔دو بیٹیاں تھیں۔ان میں سے ایک اپنے شوہر راجہ مہاویر کی سازشوں کا شکار ہوگئی تھی۔اب ایک ہی بیٹی پھول وتی رہ گئی تھی۔وہ اس سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔

دوسری ریاستوں کے راجہ بھی یہ چاہتے تھے کہ پھول وتی زندہ رہے اور جہیز میں باپ کی پوری ریاست لے آئے۔کئی راجہ اور راجکمار اسے اپنی دلہن بنانے کے لئے رشتہ بھیج چکے تھے۔

ان سب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ شادی کے بعد وہ پھول وتی کے دل ودماغ سے ایک مسلمان کو نکال پھینکیں گے۔صرف تین دنوں کے اندر میرے اور اس کے خلاف ایسے سخت اقدامات کئے گئے تھے کہ وہ پنجرے میں رہ کر پر نہیں مار سکتی تھی اور میں اس پنجرے کے دروازے تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی گولی ماردی جاتی یا طیش میں آنے والے ہندو چاروں طرف سے لاٹھیاں چلاتے تو میں تنہا سینکڑوں' ہزاروں مخالفین کا مقابلہ نہ کرپاتا۔

میں نے تیسرے دن بابا سائیں کو تیسواں پارہ پڑھ کر سنایا۔ذرا بھی زیر زبر پیش کی غلطی نہیں کی۔انہوں نے فرمایا۔''تم واقعی بڑی لگن سے دن رات پڑھتے رہے ہو۔آئندہ صبح شام تلاوت کرتے رہو گے تو اپنی مقدس کتاب کو کبھی نہیں بھولو گے۔''

میں نے کہا۔''امتحان میں پاس ہونے والوں کو انعام دیا جاتا ہے۔آپ نے انعام کے طور پر میرے کام آنے کا وعدہ کیا ہے۔''

''بیشک۔تم پانچوں وقت کی اور تہجد کی نماز پڑھ رہے ہو۔آئندہ کلام پاک کو معنی اور مکمل تشریح کے ساتھ پڑھتے رہو گے۔ جب تک تمہاری یہ لگن قائم رہے گی' میں تمہارے کام آتا رہوں گا۔''

''میں نے غیر معمولی سماعت کے ذریعے راجکماری کے حالات معلوم کئے ہیں۔راجہ ولبھ' راجہ مہاویرا اور دوسرے کئی راجاؤں کی باتیں سنی ہیں۔وہ سب ہی پھول وتی سے

شادی کرنے کے لئے میرے دشمن بن گئے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی قتل کر دینا چاہتے ہیں۔''

انہوں نے پوچھا۔''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر پھول وتی سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسے قید سے رہائی دلانا چاہتا ہوں۔''

''وہ رہائی پا کر تمہارے ساتھ کہاں جائے گی؟ تم اسے کہاں لئے پھرو گے؟''

میں اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ تمام شہروں اور چھوٹے بڑے علاقوں میں جگہ جگہ دیواروں پر میری تصویر کے ساتھ پوسٹر چسپاں کئے گئے تھے۔ صرف پولیس ہی نہیں' سر پھرے ہندو بھی مجھے تلاش کر رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتے۔

انہوں نے کہا۔''ابھی یہ ممکن نہیں ہے کہ راجکماری کو وہاں سے نکال کر کہیں لے جا سکو۔''

''آپ باکمال بزرگ ہیں۔ ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔''

انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔''ہم کسی کام کو ممکن بنانے کے لئے خدا کی قدرت سے نہیں ٹکراتے۔ یہ معلوم کرتے ہیں کہ مقدر میں کتنی پیچیدگیاں ہیں اور ان پیچیدگیوں کو اللہ کی رضا کے مطابق کس طرح سلجھانا چاہئے؟''

''آپ کسی بھی طرح سلجھائیں۔ مجھے پھول وتی تک پہنچنے دیں۔''

انہوں نے کہا۔''عبادت میں مصروف رہو۔ کل صبح تک پھول وتی کو بھول جاؤ۔ ہم فجر کی نماز کے بعد محل میں جائیں گے۔''

میں خوشی سے کھل گیا۔ مجھے یقین تھا کہ محل میں کسی طرح پہنچ جاؤں گا تو راجکماری سے بھی مل سکوں گا۔ مجھے بڑا حوصلہ مل رہا تھا۔ میں بڑے جذبے اور لگن سے عبادت میں مصروف ہو گیا۔

عبادت کے دوران جب بھی وقفہ ہوتا تھا اور میں ذرا کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ جاتا تھا' تب اپنے مخالفین کی طرف دھیان دے کر ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔

ایسے ہی وقت پتہ چلا کہ شانتی نگر کا راجہ شیو شنکر داس اور بمبئی کا ایک بہت بڑا صنعتکار شانتا رام مہمان بن کر محل میں آئے ہیں۔ وہ دونوں ہی راجکماری کا ہاتھ مانگنے آئے تھے۔

راجہ شیو شنکر داس راجکماری سے شادی کر کے اپنی سلطنت شانتی نگر سے لے کر بھیم پارہ تک پھیلا سکتا تھا۔ اور صنعت کار مہاجن شانتا رام بھیم پارہ میں راجکماری کی زمینوں پر

انڈسٹریز کا جال پھیلانا چاہتا تھا۔ جبکہ تیسرا طلب گار راجہ مہاویر چوہان پہلے سے محل میں موجود تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں کا زخم بھر رہا تھا۔ پھر بھی وہ کسی سے پنجہ لڑانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

راجہ ولبھ نے راجکماری کا ہاتھ مانگنے والے تمام راجاؤں اور صنعت کاروں سے کہہ دیا تھا کہ جو ہماری بیٹی کا دل ایک مسلمان سے پھیر دے گا' اسے اپنی طرف مائل کرے گا' ہم اسی کو اپنا داماد بنائیں گے۔

صنعت کار شانتا رام ایک بہت ہی مشہور اور معروف ماہر نفسیات کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ پھول وتی کا نفسیاتی تجزیہ کرے گا۔ اس کے دماغ میں اپنے دھرم کی برتری اور اہمیت نقش کرے گا اور مجھے اس کے دل سے نکال دے گا۔

جبکہ راجہ شیو شنکر داس ایک بہت ہی پہنچے ہوئے تانترک مہاراج کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ مہاراج کالے علوم کے ذریعے کسی کی بھی کھوپڑی گھما دیتا تھا۔ ہوشمند کو پاگل اور پاگل کو ہوشمند بنا دیتا تھا۔

تانترک مہاراج نے راجہ ولبھ سے کہا تھا۔''آپ ایک بار راجکماری کو میرے سامنے لے آئیں۔ آپ کی ساری چنتا دور ہو جائے گی۔''

صنعت کار شانتا رام نے اس کے جادوئی کمالات کی شہرت سنی تھی۔ یہ جانتا تھا کہ جادو کا اثر زیادہ دنوں تک نہیں رہتا۔ لیکن راجکماری کا دماغ دو چار دن کے لئے بھی پھر جائے گا تو وہ راجہ شیو شنکر کی طرف مائل ہو جائے گی۔ پھر راجہ اسے جیت کر لے جائے گا۔ یوں اس کی انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کرنے کی پلاننگ دھری کی دھری رہ جائے گی۔

شانتا رام نے بڑی رازداری سے تانترک مہاراج کو بھاری رشوت دی۔ اسے اپنے قابو میں کیا اور کہا۔''اگر تم راجکماری کو راجہ شیو شنکر داس کے بجائے میری طرف مائل کرو گے تو تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ اس کے علاوہ بھی تمہاری جو مانگ ہو گی' اسے پورا کروں گا۔''

اس تانترک مہاراج نے ایک لاکھ تو کیا' دو چار ہزار روپے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس نے وعدہ کیا کہ اب شانتا رام کے حق میں کالا جادو کرے گا۔ راجکماری اس کی آغوش میں جائے گی۔ بمبئی سے آنے والا ماہر نفسیات راجکماری کے پاس گیا تھا۔ اس کے ساتھ دو گھنٹے تک مغز ماری کرتا رہا۔ پھر مایوس ہو کر اس کی خوابگاہ سے باہر آ گیا۔

راجہ ولبھ اور شانتا رام نے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے کہا۔''راجکماری غازی کے پیار میں پاگل ہو گئی ہے اور جو پیار میں پاگل ہوتے ہیں' ان کا علاج کوئی بھی ماہر نفسیات نہیں کر سکتا۔''

اس کے بعد تانترک مہاراج کو اس کے کمرے میں بھیجا گیا۔ وہ دروازہ بند کرنے کے بعد پھول وتی پر جادوئی ہتھکنڈے آزمانے لگا۔ شانتا رام کا نام لیتے ہوئے طرح طرح کے منتر پڑھنے لگا۔ واقعی وہ کھوپڑی گھمانا جانتا تھا۔ پھول وتی منتروں کے زیر اثر آنے لگی۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہی کالے جادو نے اثر دکھایا۔ اس نے سحر زدہ ہوکر کہا۔ ''جس کا نام شانتا رام ہوگا' میں اسی سے شادی کروں گی۔''

میں اس وقت اپنی قوت سماعت سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا مزاج' اس کا خیال بدل رہا تھا اور میرا پیار معدوم ہو رہا تھا۔

میں نے پریشان ہوکر بابا سائیں سے کہا۔ ''وہ کالے جادو کے شکنجے میں آگئی ہے۔ اس نے مجھے بھلا دیا ہے۔ خدا کے لئے آپ کچھ کریں۔''

انہوں نے فرمایا۔ ''میں نے کہا تھا' صبح تک پھول وتی کو بھول جاؤ۔''

''بابا جی! کیسے بھول جاؤں؟ اسے کالا جادو مجھ سے چھین چکا ہے۔''

''تمہارا ایمان کمزور ہے۔ تم اتنی جلدی بھول گئے کہ اسم اعظم کی برکت سے تمہیں نئی زندگی ملی ہے۔ اس عظیم اور پاک نام کے آگے تمام جادو' تمام شیطانیت فنا ہو جاتی ہے۔ اپنی کمزوریوں کو سمجھو کہ وہ اسم اعظم تمہارے دل کی گہرائیوں سے کیوں ادا نہیں ہوتا ہے؟''

میرا سر ندامت سے جھک گیا۔ بیشک میں مسلمان ہوں۔ تمام نمازیں پڑھتا ہوں۔ کلام پاک کی تلاوت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو قوی اور قادر مطلق مانتا ہوں۔ اس کے باوجود عام مسلمانوں کی طرح کبھی گھبرا کر کسی شر پسند کو کسی شیطان کو قوی اور نہایت قوت والا سمجھ لیتا ہوں۔ میرے ایمان کی کمزوری نے مجھے شرمندہ کیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

انہوں نے میرے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ گرتے گرتے ہی سنبھلتے رہو گے' جاؤ تماشہ دیکھو' فکر نہ کرو۔ جو ہو رہا ہے' ہونے دو۔ ہم کل وہاں جائیں گے۔''

وہ بڑی محبت اور شفقت سے میری غلطیاں اور کمزوریاں دور کر رہے تھے۔ عبادت کے دوران وقفہ ہوا تو میں نے پھر پھول وتی کی طرف دھیان دیا۔ چونکہ وہ میرے خلاف فیصلہ سنا چکی تھی۔ شانتا رام کو مجھ پر ترجیح دے چکی تھی۔ اس لئے خوابگاہ کے بند دروازے اور کھڑکیاں کھول دی گئی تھیں۔ اب وہ محل میں آزادی سے گھوم رہی تھی۔

وہاں صنعت کار شانتا رام کی جیت ہوئی تھی۔ راجہ شیو شنکر داس ہارنے کے بعد تانترک مہاراج کو غصہ دکھا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ ''تم نے وسواش گھات کیا ہے۔ بھاری رشوت لے کر راجکماری کا من مزاج شانتا رام کی طرف پھیر دیا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''ہاں۔ میں نے شانتا رام سے رشوت لی ہے۔ لیکن آپ میرا کمال دیکھیں۔ میں آپ کا سیوک ہوں۔ میرے جادو کا اثر تھوڑی دیر تک راجکماری پر رہے گا۔ پھر وہ آپ سے شادی کرنے کی ضد کرے گی۔''

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''اگر یہ جھوٹ ہوگا تو بے شک میری گردن اڑا دیں۔ سچ ہوگا تو وعدہ کریں' میرے نام پچاس مربع زمین لکھ دیں گے۔''

''پچاس کیا سو مربع لکھ دیں گے۔ ہم نے دیکھا ہے' تم جس پر عمل کرتے ہو' اس کا دماغ پھیر دیتے ہو۔''

''آپ ابھی دیکھ رہے ہیں' وہ غازی کو بھول کر شانتا رام کی طرف پھر گئی ہے۔ ذرا انتظار کریں' وہ کسی وقت بھی آپ کی طرف کھنچی چلی آئے گی۔''

ادھر پھول وتی ایک کمرے میں اپنے پتا مہاراج کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے شانتا رام کھڑا ہوا تھا۔ اسے بیٹھنا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس خوشی کی شدت سے بیٹھ نہیں پا رہا تھا کہ راجکماری اس سے راضی ہو گئی ہے۔ وہ ان دولتمندوں میں سے تھا' جو یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے پاس کتنی دولت ہے اور وہ کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے؟ اس کے باوجود وہ ایک خادم کی طرح پھول وتی کے سامنے ایسے کھڑا ہوا تھا' جیسے ابھی ناچنے لگے گا۔

اس راجکماری کے ساتھ جہیز میں آنے والی زمینیں اس کے لئے بہت اہم تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''راجکماری نے مجھے پسند کر کے میرا مان بڑھا دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں' چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو جائے۔''

راجہ ولبھ نے کہا۔ ''ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ لیکن اتنی جلدی اپنی بیٹی کو وِدا نہیں کریں گے۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ جب تک چاہیں گے' کماری جی یہیں رہیں گی۔ ہم بھی یہیں رہیں گے۔ جب وِدا کریں گے تو یہ ہمارے ساتھ جائیں گی۔''

ان لمحات میں پھول وتی آنکھیں بند کئے آگے پیچھے ہل رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''مجھے کیوں وِدا کریں گے؟ میں کہاں جاؤں گی؟''

شانتا رام نے کہا۔ ''دھرم کے انوسار تم میری پتنی بن کر میرے ساتھ بمبئی کے ایک محل میں رہنے جاؤ گی۔''

اس نے آنکھیں کھول کر شانتا رام کو دیکھا پھر پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

یہ سوال سن کر وہ بوکھلا گیا۔ پھر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ ''کماری جی خوب مسخری کرتی ہیں۔ میں شانتا رام ہوں۔ آپ نے مجھے پسند کیا ہے۔ میں آپ کا ہونے والا جیون ساتھی ہوں۔ آپ کا پتی دیو ہوں۔''

وہ ناگواری سے بولی۔ ''کبھی آئینے میں صورت دیکھی ہے؟ میں اور تم کو پتی بناؤں گی۔ ایک راجکماری تمہارے گھر میں کیا خاک راج کرے گی؟''

باپ نے پریشان ہو کر کہا۔ ''بیٹی! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ یہ ہمارے دیش کے بہت بڑے بیوپاری ہیں۔ ان کے پاس دھن دولت کی کمی نہیں ہے۔ تم ان کے ساتھ راج کرو گی۔''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''نہیں کروں گی۔ ہم راج گھرانے کے لوگ ہیں۔ مجھے کسی راجہ کے گھر جانا چاہئے۔ میں شانتی نگر کے راجہ شیو شنکر داس کے ساتھ بیاہ کروں گی۔''

شانتا نے کہا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے پسند کرنے کے بعد دھتکار رہی ہیں۔ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔''

وہ بولی۔ ''پتا مہاراج! اس سے کہہ دیں' ہمیں مخاطب نہ کرے۔ ہمارا نام بھی زبان پر نہ لائے۔ ہم اپنے ہونے والے جیون ساتھی کے پاس جا رہے ہیں۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ شانتا رام نے کچھ کہنا چاہا۔ مہاراج نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''چپ رہو۔ وہ راجکماری ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہوگا۔ ہم مطمئن ہیں کہ وہ اس مسلمان کو بھول گئی ہے۔ تمہیں نہ سہی' راجہ شیو شنکر کو پسند کر رہی ہے۔''

پھول وتی محل کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی شیو شنکر کے پاس آئی۔ وہ تانترک مہاراج کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں بانہیں پھیلا کر بڑے ہی ڈرامائی انداز میں بولی۔ ''میرے پریمی! میرے من مندر کے دیوتا! میرا دل تمہاری طرف کھنچا جا رہا ہے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

راجہ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ تانترک نے کہا۔ ''دیکھا مہاراج! میرا جادو کیسے سر چڑھ کر بولتا ہے؟ راجکماری خود ہی آپ کے پاس آئی ہیں۔''

وہ دونوں بانہیں پھیلائے جیسے ایک جان دو قالب ہونے کے لئے بلا رہی تھی۔ راجہ تو نہال ہو گیا۔ خوشی سے جھومتا ہوا اس کے پاس آیا۔ تب پتہ چلا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ نزدیک جاؤ تو فسانے کچھ اور ہوتے ہیں۔

تڑاخ کی آواز ساتھ جیسے آنکھ کھل گئی۔ خواب کچھ دیکھا تھا' تعبیر کچھ تھی۔ وہ طمانچہ رسید کرتے ہوئے بولی۔ ''کیا باپ کا مال سمجھ کر پاس آ رہے ہو؟ دور سے بات کرو۔''

وہ راجہ تھا۔ کوئی اس کی طرف انگلی اٹھانے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ کجا یہ کہ منہ پر تھپڑ پڑا تھا۔ وہ غصے سے چیخ پڑا۔ ''میں تمہارا ہاتھ توڑ دوں گا۔ خود کو سمجھتی کیا ہو؟''

وہ جوابی کارروائی کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن راجکماری کے سپاہی اس کے آگے ڈھال بن گئے۔ راجہ ولبھ دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ شیو شنکر کو غصے سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم ہماری بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کر رہے تھے؟''

وہ بولا۔ ''کیا آپ نے دیکھا نہیں' آپ کی بیٹی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے؟ کیا یہ پاگل ہے؟''

''یہ پاگل نہیں ہے۔ تم جس تانترک جادوگر کو لائے ہو' اس کے کالے منتر میری معصوم بچی کا من مزاج بدل رہے ہیں۔ اس خبیث سے پوچھو' یہ کیا کرتا پھر رہا ہے؟''

پھول وتی نے وہاں سے پلٹ کر خلا میں بانہیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''مہاویر...! میرے مہاویر! میرے پریمی! تم کہاں ہو؟''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کمرے سے باہر جانے لگی۔ راجہ ولبھ نے بیٹی کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔ ''شیو شنکر! اگر میری بیٹی کا دماغ پھر گیا' یہ پاگل ہو گئی تو ہم تمہیں اور تمہارے جادوگر کو یہاں سے زندہ نہیں جانے دیں گے۔''

شیو شنکر نے آگے بڑھ کر جادوگر کی گردن دبوچ لی۔ ''ابے او کالی مائی کے کالے پجاری! یہ تو کیا کر رہا ہے؟ اگر وہ پاگل ہو جائے گی تو ہم یہاں سے زندہ نہیں جا سکیں گے۔ گدھے کے بچے! الٹا منتر پڑھ اور راجکماری کو سیدھا کر دے۔ اسے میری جھولی میں ڈال دے۔ میں نے جو وعدہ کیا ہے' اس سے بھی زیادہ تجھے دوں گا۔''

اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔ وہ بڑی مشکل سے بولا۔ آپ گردن چھوڑیں گے تو منتر پڑھوں گا۔''

اس نے گردن چھوڑ دی۔ وہ بولا۔ ''شانتا رام مجھے ایک لاکھ روپے دے گا۔ ابھی دس ہزار دیئے ہیں۔ یہ میرے لئے بہت ہیں۔ آپ سے الگ انعام ملنے والا ہے۔ میں نے آپ دونوں کے نام سے منتر پڑھے تھے۔''

''تو نے ایسا کیوں کیا؟''

''کہہ تو رہا ہوں' مجھے دس ہزار روپے مل گئے۔ میں نے تھوڑی دیر کے لئے اسے خوش کر دیا۔ پھر آپ نے دیکھا' وہ آپ کے پاس آئی تھی۔''

شیو شنکر نے اسے ایک تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ ''وہ پھول مارنے نہیں' پتھر مارنے آئی

تھی۔ تیرا جادو میرے خلاف کیوں ہو گیا؟''

وہ اپنا گال سہلاتے ہوئے بولا۔''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ وہ یہاں سے پھسل کر راجہ مہاویر کی طرف کیوں گئی ہے؟ میں اپنے کمرے میں جا کر منتر پڑھتا ہوں۔ وہ ضرور آپ کے پاس لوٹ کر آئے گی۔''

وہ فوراً ہی پلٹ کر بھاگنے کے انداز میں چلتا ہوا راجہ شیو شنکر سے دور چلا گیا۔ دوسرا تھپڑ نہیں کھانا چاہتا تھا۔ اس لئے جھوٹ بول رہا تھا۔ سچ یہ تھا کہ اس نے راجہ مہاویر سے بھی دس ہزار روپے لئے تھے۔ اس کے حق میں بھی کالے منتر پڑھے تھے۔ اب اس جادوگر کی سلامتی اسی میں تھی کہ پھول وتی جس طلبگار کی ہو جاتی' وہ اسی کی پناہ میں رہتا۔ ورنہ دوسرے اسے زندہ چھوڑنے والے نہیں تھے۔

اس نے بڑے لوگوں سے بڑا فریب کیا تھا اور بیس ہزار کما لئے تھے۔ آگے یہ یقین تھا کہ جو بھی راجکماری کو جیتے گا' وہ اسے پناہ ضرور دے گا۔

ادھر راجہ مہاویر کے نام لاٹری نکل آئی تھی۔ پھول وتی اپنے پتا مہاراج سے کہہ رہی تھی۔''پہلے یہ میرے جیجا تھے۔ انہوں نے میری دیدی کو بہت خوش رکھا تھا۔ محبتیں دی تھیں' میں ان سے ہی شادی کروں گی۔''

باپ نے کہا۔''بیٹی! پہلے تم نے شانتا رام کو پسند کیا۔ پھر شنکر داس کے پاس گئیں۔ اب ادھر آئی ہو۔ مہاویر کو جیون ساتھی بنانا چاہتی ہو۔ تمہارے ارادے' تمہارے فیصلے دیکھتے دیکھتے بدلتے جا رہے ہیں۔''

وہ بولی۔''اب فیصلہ نہیں بدلے گا۔''

وہ بولا۔''اچھی طرح سوچ لو' سمجھ لو پھر اپنا آخری فیصلہ سناؤ۔''

وہ تھوڑی دیر تک باپ کا منہ تکتی رہی۔ پھر سر جھکا کر سوچتی ہوئی مسند پر بیٹھ گئی۔ باپ نے پوچھا۔''کیا بات ہے؟''

وہ بولی۔''سمجھ میں نہیں آتا' میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میں نہیں چاہتی کہ فیصلہ کروں اور اسے بدل دوں۔ مگر آپ ہی آپ ایک فیصلے سے دل پھر گیا۔ میں نے دوسرا فیصلہ کیا۔ لیکن دوسرے سے بھی دل پھر گیا۔ اب تیسرے کو پسند کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔ میں نہیں جانتی' اس فیصلے پر کب تک قائم رہوں گی؟''

مہاویر چوہان نے اپنے سسر سے کہا۔''آپ فوراً ہماری شادی کرا دیں۔ پھر راجکماری کی ساری الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔ یہ دھرم پتنی بننے کے بعد فیصلہ نہیں بدلیں گی۔''

راجہ ولبھ نے کہا۔''میری بڑی بیٹی کا دیہانت ہوا ہے۔ ابھی تین ہی دن گزرے ہیں۔ اتنی جلدی شادی کی خوشیاں منائی نہیں جا سکتیں۔ خواہ مخواہ تمام راج گھرانوں میں باتیں بنائی جائیں گی۔''

مہاویر نے کہا۔''آپ خوشیاں نہ منائیں۔ شادی کا اعلان نہ کریں۔ چپ چاپ پھول وتی کا بیاہ مجھ سے ہو جائے گا۔ یہ میری پتنی بن جائیں گی تو پھر اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلیں گی۔''

باپ بھی چاہتا تھا کہ بیٹی کا فیصلہ نہ بدلے۔ بدلنے سے پہلے ہی مہاویر کو اپنا داماد بنا لینا دانشمندی ہو گی۔ دیوان جی اور دوسرے مشیروں نے بھی یہی کہا کہ راجکماری کو ایک مسلمان سے نجات مل رہی ہے۔ آج ہی مہاویر سے اس کی شادی کر دیں۔

راجہ نے ان سب سے متفق ہو کر حکم دیا کہ فوراً پنڈت کو بلایا جائے۔ لگن منڈپ تیار کیا جائے۔ چند گھنٹوں میں پھول وتی اور مہاویر چوہان اگنی کے سات پھیرے لے کر پتی پتنی بن جائیں گے۔

بڑی عجلت میں شادی کے انتظامات ہونے لگے۔ ایسے ہی وقت پھر ایک تماشہ ہوا۔ محل میں شور برپا ہوا کہ راجکماری پاگل ہو گئی ہے۔ محل میں دوڑتی پھر رہی ہے۔ داسیاں اور رشتے دار اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے ہاتھ نہیں آ رہی ہے۔

راجہ ولبھ دوڑتا ہوا بیٹی کے کمرے میں آیا معلوم ہوا' وہ بھاگتی ہوئی محل کی چھت پر گئی ہے۔ وہ ہانپتا کانپتا ہوا چھت پر پہنچا تو پھول وتی وہاں سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرنا چاہتی تھی۔ چار داسیوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ سپاہی اسے روکنے کے لئے چھت کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔

باپ نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔''میری بیٹی! میری جان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ ہوش میں آؤ۔ اپنے باپ کو اپنی تکلیف' اپنی پریشانی بتاؤ؟''

وہ بولی۔''کیا بتاؤں؟ میرا فیصلہ پھر بدل گیا ہے۔ مہاویر میری دیدی کا ہتھیارا ہے۔ میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔''

''ٹھیک ہے' نہ کرو۔ مگر یہاں چھت پر آ کر آتما ہتھیا تو نہ کرو۔ محل میں چلو۔''

''میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ وہاں کبھی شانتا رام کی طرف دل مائل ہوتا ہے۔ کبھی راجہ شنکر داس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ ہتھیارا مہاویر اچھا لگتا ہے۔ میں کیا کروں؟ پتہ نہیں' اس جادوگر نے مجھ پر کیسا جادو کیا ہے؟ میں ان تینوں کے درمیان چکراتی

رہوں گی۔تماشہ بنتی رہوں گی۔اس سے اچھا ہے' اپنی جان دے دوں۔''

''جان دیں گے تمہارے دشمن...ہم ابھی اس جادوگر کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے ہی جادو کا توڑ کرے۔تمہارے دل سے ان تینوں طلبگاروں کو نکال دے۔اگر اس کے جادو کا اثر ختم نہیں ہوگا اور تمہیں الجھنوں سے نجات نہیں ملے گی تو ہم اس تانترک مہاراج کو گولی مار دیں گے۔''

اس جادوگر کی شامت آ گئی تھی۔اس نے بیس ہزار روپے کمانے کے لالچ میں منتر پڑھے تھے۔یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ پڑھنے کے دوران کیسی گڑبڑ ہوئی ہے' جس کے نتیجے میں راجکماری گڑبڑا رہی ہے؟ تینوں طلبگاروں کے درمیان بھٹکتی پھر رہی ہے۔اب اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ اپنے ہی منتروں کا توڑ کرتا اور پھول وتی کو کالے جادو سے بالکل ہی مکت کر دیتا۔وہ پھر سے منتر پڑھنے کے لئے راجکماری کی خوابگاہ میں آ گیا۔

راجہ ولبھ نے سپاہیوں کو حکم دیا۔''اگر یہ بدبخت اپنے منتروں کا توڑ کرنے میں ناکام رہا تو اسے ہتھیا گھاٹ میں لے جا کر اس کی گردن اڑا دی جائے۔''

اس تانترک مہاراج کو اپنی موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔اس نے راجکماری کے سامنے بیٹھ کر اپنی دانست میں بڑے دھیان سے منتر پڑھنا شروع کیا۔طرح طرح سے جادوئی ہتھکنڈے آزمانے لگا۔اس کے ذہن پر موت کا خوف حاوی تھا۔وہ پوری توجہ سے پڑھنے کے باوجود اٹک جاتا تھا' بھول جاتا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ پھول وتی بیٹھے بیٹھے بیہوش ہو کر گر پڑی۔

اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔اس نے راجکماری کے پیروں کو چھو کر آواز دی۔''کماری جی! میرے حال پر رحم کریں۔آنکھیں کھولیں۔میں مرنا نہیں چاہتا۔آپ کے پتا مہاراج مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

وہ بلند آواز سے منتر پڑھنے لگا۔اب وہ اپنی سلامتی کے لئے پڑھ رہا تھا۔راجہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ آ گیا تھا۔اس نے بیٹی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔باپ نے اسے سہارا دے کر بٹھایا۔اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔وہ اپنے کمرے کو' اپنے باپ کو اور سپاہیوں کو ایسے دیکھ رہی تھی' جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔

راجہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔''تم بے ہوش کیسے ہو گئی تھیں؟ ابھی کیسی طبیعت ہے؟''

وہ بیٹھے بیٹھے باپ سے ذرا دور ہو کر بولی۔''تم کون ہو؟''

وہ ایکدم سے پریشان ہو کر بولا۔''میں تمہارا باپ ہوں۔تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا اپنے باپ کو نہیں پہچان رہی ہو؟''

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر چند لمحوں تک سوچتی رہی۔پھر بولی۔''میں کون ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ میں کہاں سے آئی ہوں؟ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے....''

راجہ نے تانترک کو ایک الٹا ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا۔''کتے جادوگر! تو نے میری بیٹی کا دماغ الٹ دیا ہے۔یہ اپنے آپ کو بھول گئی ہے۔اپنے باپ کو بھول گئی ہے۔تو نے میری پھول جیسی بیٹی کو برباد کیا ہے۔میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ بولتا جا رہا تھا اور اس کی پٹائی کرتا جا رہا تھا۔پھر اس نے سپاہیوں سے کہا۔''اسے لے جاؤ۔اس کی بوٹی بوٹی کر کے چیل کووں کو کھلاؤ۔تھو ہے اس پر...''

اس نے بدنصیب جادوگر پر تھوک دیا۔سپاہی اسے پکڑ کر وہاں سے گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔میں غیر معمولی سماعت کے ذریعے ان سب کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ پھول وتی کن حالات سے گزر رہی ہے؟

مجھے اندیشہ تھا کہ وہ لوگ کالے جادو کے ذریعے اسے مجھ سے چھین لیں گے اور بابا سائیں نے کہا تھا کہ میرا ایمان کمزور ہے۔اسم اعظم کے آگے تمام کالا جادو' تمام شیطانیت فنا ہو جائے گی۔میں ہر سانس میں اسم اعظم پڑھنے لگا تھا۔اگرچہ بابا سائیں کی طرح مکمل ایمانی جذبے سے پڑھ نہیں پاتا تھا۔تاہم میرا دل کہہ رہا تھا کہ ادھر میں پڑھتا رہا تھا اور ادھر کالے منتر کمزور پڑتے رہے تھے۔

اب یہ تشویش تھی کہ پھول وتی کا دماغ پھر گیا ہے۔وہ یادداشت کھو چکی ہے اور میں دل کو سمجھا رہا تھا۔''صرف اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتا رہوں گا' اسم اعظم پڑھتا رہوں گا تو اس کی یادداشت جلد ہی بحال ہو جائے گی۔''

بابا سائیں نے مجھ سے کہا تھا۔''یہ اچھی بات ہے کہ اپنے ایمان کی کمزوری پر شرمندہ ہو رہے ہو۔کوئی بات نہیں' گرتے گرتے سنبھلتے رہو گے۔جاؤ تماشہ دیکھو۔جو ہو رہا ہے' ہونے دو۔ہم کل وہاں جائیں گے۔''

انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں ان کے ساتھ کیسے وہاں جاؤں گا؟ ان کے لئے کہیں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ہندو' مسلم' سکھ عیسائی سب ہی ان کے عقیدت مند تھے۔ان کی دعاؤں سے' ان کی کرامات سے بیشمار ہندو فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔انہیں بھگوان کا اوتار مان کر ہاتھ جوڑتے اور سر جھکاتے رہتے تھے۔

دوسری صبح فجر کی نماز کے بعد ہم نے ایک ایک سپارے کی تلاوت کی۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔''

میں بڑی عقیدت سے بغلگیر ہوگیا۔

انہوں نے کہا۔ ''دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھو۔''

میں نے پڑھا تو وہ بھی میرے ہمنوا ہوئے۔ بڑے جذبے سے کہا۔ ''یا اللہ.... یا اللہ.... یا اللہ...!''

میں اسی لمحے میں ان کے اندر سما گیا۔ بظاہر میرا وجود نہ رہا' میں گم ہوگیا۔ وہ زیر لب مقدس آیات پڑھ رہے تھے۔ میں بھی پڑھ رہا تھا۔ یک لخت پتہ چلا' ہم بھیم پارہ کی آبادی میں محل کے سامنے پہنچ گئے ہیں۔ پوری بستی میں شور اٹھا کہ بابا سائیں آئے ہیں۔ مرد عورتیں' بچے اور بوڑھے گھروں سے نکل کر بڑی عقیدت سے نعرے لگاتے آرہے تھے۔ ''جے بابا سائیں....! جے بابا سائیں....!''

لوگ دکانیں بند کر رہے تھے۔ اپنے بیمار ماں باپ کو چارپائی پر ڈال کر اور معذور بچوں کو سینے سے لگا کر دوڑے چلے آرہے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ بابا سائیں جس بیمار پر ہاتھ رکھتے تھے' اس کی تکلیف کم ہوجاتی تھی۔ طرح طرح کے لوگ تھے۔ طرح طرح کے مسائل تھے۔ وہ ان کا دکھڑا سن رہے تھے۔ انہیں دعائیں دے رہے تھے۔ ان سب کا عقیدہ تھا کہ بابا سائیں کی دعائیں اثر کرتی ہیں اور ان کی پریشانیاں بڑی حد تک دور ہوجاتی ہیں۔

راجہ ولبھ نے سنا کہ بابا سائیں آئے ہیں تو وہ ان کے استقبال کے لئے محل سے باہر آنے لگا۔ اس نے دیوان جی اور دوسرے مشیروں سے کہا۔ ''میری بیٹی پر جو کالا جادو کیا گیا ہے۔ اس کا توڑ صرف بابا سائیں کرسکیں گے۔''

دیوان جی نے کہا۔ ''بیشک۔ وہ راجکماری جی کی یادداشت بھی واپس لے آئیں گے۔ لیکن وہ مسلمان ہیں۔ غازی کو راجکماری کے دل سے نہیں نکالیں گے۔''

راجہ نے کہا۔ ''تمام دین دھرم والے ان کو مانتے ہیں اور وہ کسی تعصب کے بغیر تمام لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں۔ بھگوان کا شکر ہے' وہ خود ہی یہاں چل کر آئے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے' میری پھول وتی کی ساری الجھنیں دور ہوجائیں گی۔''

وہ اپنے حواریوں کے ساتھ محل سے باہر آیا۔ دور ہی سے بابا سائیں کو دیکھ کر ہاتھ جوڑے اور سر جھکا لیا۔ پھر اس نے کمر کی طرف سے جھکتے ہوئے ان کے سامنے آکر گھٹنے ٹیک دیئے۔ انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''کھڑے ہوجاؤ۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں' ایشور کے

سامنے گھٹنے ٹیک کر سر جھکایا کرو۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔ ''میرے محل میں پدھاریں۔ میری بیٹی بڑی مصیبت میں ہے۔''

بابا سائیں نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ''کالے جادو سے کبھی کسی کا بھلا نہیں ہوتا۔ کبھی بھلا ہوتا بھی ہے تو اس سے زیادہ بڑی اور نہ ٹلنے والی مصیبتیں پیچھے پڑجاتی ہیں۔''

راجہ نے متاثر ہوکر کہا۔ ''آپ انتر گیانی ہیں۔ یہاں کیا ہورہا ہے' سب جانتے ہیں۔''

''ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ راجکماری کو ایک مسلمان سے دور کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ تم لوگوں سے یہ غلطی ہوئی کہ اس مسلمان سے دل پھیرنے کے لئے کالے جادو سے بیچاری کا دماغ پھیر دیا۔ اب وہ دماغی مریضہ بن گئی ہے۔''

''بیشک ہم سے غلطی ہوئی۔ ہمیں کالے جادو کا سہارا نہیں لینا چاہئے تھا۔ بھگوان کے لئے کچھ کریں۔ وہ اپنے آپ کو بھی نہیں پہچان رہی ہے۔''

''چنتا نہ کرو۔ پہچان لے گی۔''

راجہ ولبھ نے کہا۔ ''شادی اپنے دھرم میں' اپنے پریوار اور برابر کے لوگوں میں ہوتی ہے۔ آپ اس بات کو مانتے ہیں؟''

''ہم ماننے والی بات ضرور مانتے ہیں اور ماننے والی بات یہ ہے کہ خدا یعنی ایشور کی مرضی کے خلاف ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ کرتے ہیں تو نتیجہ یہی ہوتا ہے' جو ابھی راجکماری کے ساتھ ہورہا ہے۔''

دیوان جی نے کہا۔ ''آپ چاہیں تو اس مسلمان کو راجکماری کے دل و دماغ سے نکال سکتے ہیں۔''

''ہمارا ایمان ہے کہ بندے کے چاہنے سے وہ بات نہیں بنتی جسے خدا نہیں چاہتا۔ ہم ابھی راجکماری سے پوچھیں گے' وہ کیا چاہتی ہے؟ اگر وہ مسلمان سے پھرنا چاہے گی تو خدا کی قسم ہم وہی کریں گے' جو آپ سب چاہتے ہیں۔''

راجہ نے پوچھا۔ ''اگر وہ اس سے راضی رہے گی تو؟''

''تو وہی کریں گے' جو اس کے مقدر میں لکھا ہوگا۔''

''آپ مہا گیانی ہیں۔ قدرت کے بھید جانتے ہوں گے۔ ہمیں بتائیں' اس کے مقدر میں کیا لکھا ہے؟''

"کوئی ہمیں اپنا بھید اس لئے بتاتا ہے کہ ہم کسی کو نہ بتائیں۔ہمیں روحانی علوم کے ذریعے جو بھی راز معلوم ہوتا ہے' وہ چھپانے کے لئے ہوتا ہے' بتانے کے لئے نہیں..."

"آپ میری بیٹی کو یہ تو سمجھا سکتے ہیں کہ اسے اپنے دھرم میں رہ کر راج گھرانے میں شادی کرنی چاہیے؟"

انہوں نے کہا۔"آپ باپ ہو کر اسے سمجھا رہے ہیں۔اس کا دھرم بچپن سے اسے سمجھا رہا ہے۔وہ لندن سے تعلیم حاصل کر کے آئی ہے۔ نادان نہیں ہے۔ہم جانتے ہیں' ہمارے سمجھانے کا بھی اثر اس پر نہیں ہوگا۔"

"بابا سائیں! ہمارے لئے کچھ کریں۔"

"ہم بہت کچھ کرنے آئے ہیں۔ابھی اسے کالے جادو سے نجات دلائیں گے تو وہ دماغی مریضہ نہیں رہے گی۔اس کی یادداشت واپس آجائے گی۔"

وہ سب باتیں کرتے ہوئے خوابگاہ کے دروازے تک آئے۔انہوں نے کہا۔"اس پر عمل کرنے کے لئے تنہائی اور خاموشی لازمی ہے۔آپ اس کے پتا مہاراج ہیں۔ہم جب تک آواز نہ دیں' آپ بھی اندر نہ آئیں۔"

راجہ کے حکم سے ایک سپاہی نے دروازہ کھولا۔وہ زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے کمرے کے اندر آئے۔دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا۔انہوں نے اسے اندر سے بھی بند کر دیا۔کھڑکیوں کے پٹ پر پہلے سے کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔وہ کھل نہیں سکتی تھیں۔میں نے دیکھا' میری پھول وتی شاہانہ طرز کے بیڈ پر آنکھیں بند کئے لیٹی ہوئی تھی۔

وہ زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے اس کے قریب آئے۔گویا میں اس کے قریب آ گیا۔وہ جو ہجر کی دوریاں تھیں' پریشانیاں اور مجبوریاں تھیں کہ کیسے اسے دیکھ پاؤں گا؟ کس طرح اس سے دو باتیں کر سکوں گا؟ اور دشمنوں کے درمیان سے کس طرح گزرتے ہوئے اس کے کام آسکوں گا؟ اب وہ ساری پریشانیاں اور مجبوریاں بڑی رازداری سے دور ہو رہی تھیں۔

ہم قریب پہنچے تو اس کی آنکھ کھل گئی۔اس نے سوالیہ نظروں سے بابا سائیں کو دیکھا۔مگر کوئی سوال نہیں کیا۔وہ مقدس آیات سن رہی تھی۔انہیں دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔میں بھی ان لمحات میں ان کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔بابا سائیں اس سے ذرا دور ہو کر قالین پر آ کر بیٹھ گئے۔قرآت جاری تھی۔کلام پاک کی پاکیزگی پھول وتی کی سماعت کو چھو رہی تھی۔اس کے دل میں اتر رہی تھی۔وہ بیڈ سے اتر کر ان کے سامنے آ کر قالین پر دوزانو ہو گئی۔سر جھکا لیا۔

وہ زیر لب کہہ رہے تھے۔"اللہ تعالیٰ قوی ہے۔شیطان کو' کالے جادو کو عارضی قوت حاصل ہوتی ہے۔کالا علم' کالے اثرات پانی کے بلبلے ہوتے ہیں۔مقدس کلام کے آگے پانی ہو جاتے ہیں۔فنا ہو جاتے ہیں۔"

ہم پھر پڑھنے لگے۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔ان لمحات میں عود اور عنبر کا دھواں پھیلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ایمان کی خوشبو اس ماحول کو بدل رہی تھی۔وہ ہولے ہولے آگے پیچھے جھوم رہی تھی۔ ایسے وقت بابا سائیں نے اپنی ذات میں غرق ہو کر اسم اعظم پڑھا۔

"اللہ....! یا اللہ....! یا اللہ....!"

میں نے بھی ہمنوا ہو کر اسم اعظم ادا کیا۔پھول وتی کو ہلکا سا جھٹکا لگا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔سامنے بابا سائیں کو دیکھتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے بولی۔"جے بابا سائیں کی... بابا سائیں کی جے ہو۔"

وہ انہیں پہچان رہی تھی۔خود کو دیکھ رہی تھی۔سمجھ رہی تھی۔ یہ یاد آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اب تک کیا ہوتا رہا تھا؟ انہوں نے پوچھا۔"کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے کہا۔"آپ کو دیکھ کر حیران ہوں' خوش ہوں۔ یہ سمجھ رہی ہوں کہ آپ کے آتے ہی کالے جادو کی خباثت دور ہو گئی ہے۔اب نہ تو وہ تینوں خبیث میرے اندر آئیں گے' نہ ہی غازی کو میرے دماغ سے بھلائیں گے۔"

"میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں' غازی کو بھول جاؤ۔اپنے دھرم کے کسی راجکمار سے شادی کرو۔"

وہ بولی۔"ہم اور آپ دھرم اور دین کو دل سے مانتے ہیں۔دل نہ مانے تو پھر دین اور دھرم کچھ نہیں ہوتا۔"

وہ بڑے اعتماد سے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔"جسے دل مان لے وہی بھگوان ہوتا ہے اور غازی ہی میرا بھگوان ہے۔"

انہوں نے کہا۔"یہ سب ہی جانتے ہیں کہ دل دیوانہ ہو جائے تو پھر کسی کی نصیحت نہیں سنتا۔اس دیس میں بیشمار ہندوؤں نے مسلمان عورتوں سے اور مسلمانوں نے ہندو عورتوں سے شادیاں کی ہیں اور آئندہ بھی دل کے معاملات رکنے والے نہیں ہیں۔کوئی نصیحت کرتا رہے' غصہ دکھاتا رہے' غیرت کا مسئلہ بناتا رہے' تب بھی قیامت تک دونوں مذاہب کے لوگ لڑتے مرتے رہیں گے۔"

پھول وتی نے پوچھا۔"پھر آپ کیوں کہتے ہیں کہ میں غازی کو بھول جاؤں؟"

''میں سمجھانے کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ ورنہ جانتا ہوں' تم دونوں ایک دوسرے کے مقدر میں لکھے گئے ہو۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ تم فیصلہ بدلنا چاہو گی تو کسی بھی وقت غازی سے پھر جاؤ گی۔''

''میں بہت ضدی ہوں۔ جسے جنم جنم کا ساتھی مان چکی ہوں' وہی میری ہر سانس میں میرے ساتھ رہے گا۔''

''تمہیں دین اسلام قبول کرنا ہوگا۔ کیا اس کی خاطر اپنا دھرم چھوڑ دو گی؟''

اس کی خاطر یہ جان چھوڑ دوں گی۔ دنیا چھوڑ دوں گی' پھر دھرم کیا ہے؟ کیا آپ مجھے مسلمان بنائیں گے؟''

''الحمدللہ... میں یہ اعزاز حاصل کرنے آیا ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ ابھی تم اسلام قبول کرو گی اور میں ابھی غازی سے تمہارا نکاح پڑھا دوں گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ غازی سے میرا نکاح....؟ آپ ابھی پڑھائیں گے....؟ مگر کیسے....؟ وہ تو یہاں نہیں ہے؟''

''نہیں ہے تو آ جائے گا۔ تم جاؤ غسل کرو۔ لباس تبدیل کرو۔ پاک صاف ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ غازی بھی آ جائے گا۔''

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بند کمرے میں مجھے دیکھ سکے گی۔ لیکن وہ بابا سائیں کی عقیدت مند تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا' وہ بھگوان کا اوتار ہیں۔ ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

جب اس نے الماری سے لباس نکال کر غسل خانے میں جا کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ تب انہوں نے مجھ سے کہا۔''اپنی تمام توجہ اللہ تعالیٰ پر مرکوز کرو اور میرے ساتھ اسم اعظم پڑھو۔''

میں نے رب کریم کو دھیان سے یاد کیا۔ پھر ان کے ساتھ ایک آیت پڑھی۔ پھر اسم اعظم پڑھا۔''اللہ...! یا اللہ! یا اللہ....!''

اب میں ڈوب کر پڑھنے کا عادی ہو رہا تھا۔ اسم اعظم ادا کرتے ہی ان کے وجود سے باہر آ گیا۔ غار میں گم ہوا تھا۔ اس بند کمرے میں ظاہر ہو گیا۔ اس چار دیواری سے باہر ایک زمانہ میرا دشمن تھا۔ اس محل میں کوئی میرا سایہ بھی برداشت نہ کرتا اور میں تھا کہ روحانی آنکھ مچولی کھیلتا ہوا پھول وتی کے پاس پہنچ گیا تھا۔

وہ پاک صاف ہو کر لباس بدل کر غسل خانے سے باہر آئی تو مجھے دیکھتے ہی دم بخود

رہ گئی۔ مارے حیرت کے اور مسرت کے منہ سے چیخ نکلنے والی تھی۔ مگر اس نے فوراً ہی دونوں ہاتھوں سے منہ کو دبا لیا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے لگ رہا تھا' مجھے خواب میں دیکھ رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ جیسے نیند میں چلتی ہوئی آ رہی تھی۔

میں نے اس کی طرف ایک قدم بڑھایا۔ اس کے اندر جذبے شور مچا رہے تھے۔ اس نے کہا۔''غازی! مجھے تھام لو۔ میں خوشی کے مارے گر پڑوں گی۔''

میں نے بابا سائیں کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔''الگ رہو۔ ابھی نامحرم ہو۔ ہمارے سامنے آ کر بیٹھو۔''

ہم دونوں نے جھکی جھکی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ان کے سامنے آ کر دوزانو ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا۔''تم صدق دل سے ہمارا دین قبول کرنا چاہتی ہو؟''

وہ بولی۔''میں آخری سانسوں تک اپنے غازی کے دین میں رہوں گی۔''

انہوں نے کہا۔''سر پر آنچل رکھو اور میرے ساتھ پڑھو۔''

وہ ان کے ساتھ پڑھنے لگی۔ اس نے شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ پھر کہا۔''شروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

بابا سائیں نے اسے یکے بعد دیگرے تمام کلمے پڑھائے۔ پھر کہا۔''تمہیں مبارک ہو۔ تم ہمارے دین میں آئی ہو۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہو گی۔''

وہ بولی۔''مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں اللہ کے اور آپ کے سائے میں پورے یقین کے ساتھ خود کو محفوظ سمجھ رہی ہوں۔ میری التجا ہے کہ مجھے غازی کے سائے میں بھی پہنچا دیں۔''

''یہ لوح مقدر پر لکھا ہے۔ ابھی تم اس کی منکوحہ بنو گی۔ لیکن اس کے بعد...''

وہ ذرا چپ ہوئے پھر بولے۔''یہ یہاں نہیں رہ پائے گا۔ کیا اس کی جدائی برداشت کرو گی؟''

وہ تڑپ کر بولی۔''نہیں.... یہ یہاں رہیں گے۔ میں انہیں جانے نہیں دوں گی۔''

''کیا اسے گرفتار کراؤ گی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔''اس کمرے میں چھپنے کی جگہ ہے۔ میں جان سے زیادہ ان کی حفاظت کروں گی۔ اس طرح چھپا کر رکھوں گی کہ کوئی ان کی آواز بھی نہیں سن پائے گا۔''

''تم کمرے میں اسے کب تک قیدی بنا کر رکھو گی؟ کیا یہ باہر نکل کر تمہیں حاصل کرنے کے لئے مردوں کی طرح جنگ نہیں لڑے گا؟ خفیہ خزانہ حاصل نہیں کرے گا؟''

میں نے کہا۔"ہاں۔پھول وتی! مجھے تمہارے لئے ایک طویل جنگ لڑنی ہے۔یہاں زیادہ دنوں تک چھپ کر رہنا نادانی ہوگی۔ہم ہمیشہ کے لئے آزادی سے ایک دوسرے کے نہیں ہوسکیں گے۔"

اس نے بابا سائیں کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔"آپ ہی ہماری مشکل دور کرسکتے ہیں۔کچھ ایسا کریں کہ ہم دو چار دنوں تک یہاں ساتھ رہ سکیں۔اس کے بعد یہ چلے جائیں۔پھر مجھے حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں۔"

انہوں نے ہم دونوں کو باری باری دیکھا۔پھر کہا۔"اچھی بات ہے۔غازی یہاں صرف دو دن تک چھپ کر رہے گا۔میں تیسرے دن آؤں گا اور اسے یہاں سے لے جاؤں گا۔"

ہم دونوں فراق کے مارے تھے۔ہمارے لئے دو دن بھی غنیمت تھے۔میں نے کہا۔"آپ ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ہم آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کریں گے۔"

"تو پھر بسم اللہ.....رشتہ ازدواج میں منسلک ہوجاؤ۔"

وہ زیرلب آیات پڑھنے لگے۔ہم سر جھکائے بیٹھے رہے۔پھر انہوں نے شریعت محمدی کے مطابق ہمارا نکاح پڑھادیا۔دلہن کا باپ اپنے حواریوں اور تینوں طلبگاروں کے ساتھ باہر کھڑا تھا۔ان میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اندر کیا ہورہا ہے؟

دیوان جی نے کہا۔"مہاراج! بابا سائیں تو پلک جھپکتے ہی مشکل آسان کردیتے ہیں۔پھر دیر کیوں ہورہی ہے؟ آخر وہ کیا کررہے ہیں؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازہ کھل گیا۔کھلے ہوئے دروازے پر بابا سائیں کھڑے ہوئے تھے۔انہوں نے راجہ ولبھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔"کالے جادو کا توڑ ہوچکا ہے۔راجکماری کی یادداشت بحال ہوچکی ہے۔لیکن....."

راجہ نے پوچھا۔"لیکن کیا؟ کوئی تشویش کی بات ہے؟"

"نہیں۔ہم ایک اور بار راجکماری سے ملنے آئیں گے۔"

"یہ ہماری خوش نصیبی ہے۔آپ ہماری بیٹی کا خیال رکھیں گے۔"

"ہم دو دن اور دو راتوں کے بعد تیسرے دن آئیں گے۔آپ ابھی جائیں۔بیٹی سے ملیں۔اس کے بعد اسے تنہا چھوڑ دیں۔دو دنوں تک اس کے کمرے میں کوئی نہ جائے۔"

وہ دروازے سے باہر آگئے۔زیرلب آیتیں پڑھتے ہوئے وہاں سے جانے لگے۔راجہ پرتھوی ولبھ' اس کے حواری اور پھول وتی کے وہ تینوں طلبگار اس پراسرار کمرے میں

جانے لگے۔وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کمرے میں ایسا کوئی راز ہے' جسے وہ جان سکیں گے۔

کیا ان میں سے کوئی کچھ جان سکے گا؟

خوابگاہ کا دروازہ کھل گیا تھا۔اب راز کھلنے والا تھا' حجاب اٹھنے والا تھا۔

دیوان جی اور کئی مشیر یہ دیکھنے کے لئے بے چین تھے کہ اندر کیا ہوتا رہا تھا؟ لیکن راجکماری کی خوابگاہ میں کوئی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔صرف پرتھوی ولبھ جاسکتا تھا۔کیونکہ وہ باپ بھی تھا اور راجہ بھی۔اس نے راجہ کی حیثیت سے راجکماری کو کمرے میں بند رکھا تھا۔اب باپ کی حیثیت سے مزاج پرسی کے لئے آیا تھا۔

بابا سائیں نے خوشخبری دی تھی کہ پھول وتی ذہنی طور پر نارمل ہوگئی ہے۔اس کی یادداشت واپس آگئی ہے۔وہ خوش ہوکر بڑی بے چینی سے اندر آیا تو خوابگاہ خالی تھی۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک کو دیکھنے آیا ہے تو وہاں دو دکھائی دیں گے۔لیکن وہاں ایک کا بھی وجود نہیں تھا۔

اس نے چاروں طرف گھوم کر متلاشی نظروں سے دیکھا۔پھر آواز دی۔"پتا کی جان! کہاں ہو تم؟"

جواب نہیں ملا۔اس نے خوابگاہ کے دوسرے حصوں میں آکر دیکھا۔وہاں پھول وتی کے سنگھار کا کمرہ تھا۔دوسرے حصے میں اسٹور روم اور واش روم تھا۔اس نے آواز دی۔"پھول وتی! طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بیٹی! کہاں ہو تم؟"

واش روم کے اندر سے اس کی سریلی سی آواز سنائی دی۔"پتا مہاراج! میں یہاں ہوں۔ابھی آتی ہوں۔"

باپ نے اطمینان کی سانس لی۔لیکن واش روم کے اندر اطمینان نہیں تھا۔ہلچل تھی' ہم جیسے مدتوں کے بچھڑے ہوئے ملے تھے۔مقناطیسی کشش نے ایک دوسرے سے ٹکرا دیا تھا۔ایسے خاموش دھماکے ہورہے تھے' جن کی آواز باہر نہیں جاسکتی تھی۔

ہم ایک دوسرے کے لئے جائز تھے' نامحرم نہیں تھے۔لیکن میں چور تھا' چوری سے آیا تھا اور وہ چرائی جانے کے لئے سرتاپا آمادہ تھی۔ایسے میں باہر داروغہ آگیا تھا۔چور کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرسکتا تھا۔

ابھی تو داروغہ کی بیٹی گرفتار تھی' رہائی نہیں چاہتی تھی۔یہ جکڑ بندی ایسی ہوتی ہے کہ کوئی رہائی نہیں چاہتا۔وہ مجبوراً ہانپتی ہوئی سرگوشی میں بولی۔"پتا مہاراج آئے ہیں۔"

میں نے ذرا اور جکڑتے ہوئے کہا۔"آنے دو۔"

وہ میری بیباکی سے بے حال ہورہی تھی۔وہ راجکماری تھی' کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا

سکتا تھا۔ پہلی بار کسی کے ہاتھوں بے حال ہونے کی جادوگری ایسی تھی کہ وہ اس سحر سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر کباب میں ہڈی آ گئی تھی۔

وہ بڑی بے بسی سے بولی۔ ''جانے دو' نہیں تو وہ کیا سوچیں گے؟''

میرے بہکتے ہوئے ہاتھوں اور ہونٹوں نے کہا۔ ''یہ سوچو کہ تمہارے جانے کے بعد میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔''

''میں بس جاؤں گی اور آ جاؤں گی۔''

میں نے اس کے چہرے پر سانسوں کا بھپکا چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''تم میری شریک حیات ہو' مگر ایسا لگتا ہے' ہاتھ سے نکلیں تو گئیں۔''

''تمہیں چھوڑ کر جاؤں گی تو مر جاؤں گی۔ نہیں جاؤں گی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ صورتحال سنبھالنی ہوگی۔ نہیں تو پکڑے جاؤ گے۔''

''کیا مشکل ہے؟ جسے پکڑا ہے' اسے چھوڑنا ہوگا۔''

''چھوڑو گے تو پھر پکڑو گے۔''

وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ میں نے چھوڑ دیا۔ وہ جلدی سے لباس درست کرتی ہوئی آئینے کے سامنے آ کر بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔

میں نے تڑپ کر کہا۔ ''تم یار کے پاس نہیں' باپ کے پاس جا رہی ہو۔ کیوں مجھے بھڑکا رہی ہو؟''

وہ بولی۔ ''حلیہ تو درست کرنے دو۔''

''تمہارے درست ہونے تک میں بگڑ رہا ہوں۔''

میں پھر اسے پکڑنے کے لئے آیا تو اس نے جلدی سے باہر جا کر دروازے کو بند کر دیا۔ پھر پلٹ کر دیکھا تو کچھ فاصلے پر باپ کھڑا تھا۔ چور کو ایسا لگا' جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ وہ ذرا شرمائی' ذرا گھبرائی.... پھر باپ کو مسکراتے دیکھ کر جان میں جان آئی۔

اس نے بڑی شفقت سے پوچھا۔ ''کیسی ہے میری بیٹی...؟ بابا سائیں کہہ رہے تھے' کچھ بہتر ہو گئی ہو۔''

''جی۔ جی ہاں۔ آپ ادھر چلیں۔''

وہ اس کے ساتھ خوابگاہ کے اگلے حصے میں آئی۔ اس نے بیٹی کو توجہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کچھ الجھی ہوئی سی' پریشان سی دکھائی دے رہی ہو؟''

اس نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''وہ.... ہاں۔ مجھے عجیب سا لگ رہا ہے کہ میرا

دماغ پھر گیا تھا۔ میں اپنے آپ کو بھی بھول گئی تھی۔ میرے اندر گھبراہٹ سی ہے۔''

''کیسی گھبراہٹ ہے؟''

''ڈر لگتا ہے کہ کالا جادو دوبارہ اثر کرے گا۔ میں پھر خود کو' آپ کو اور ساری دنیا کو بھول جاؤں گی۔''

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''بابا سائیں کے آگے کالا جادو ختم ہو چکا ہے۔ بھگوان نے چاہا تو تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''کچھ ہو رہا ہے۔''

وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''پتہ نہیں۔ بابا سائیں نے کہا تھا' دو دنوں تک کچھ ہوتا رہے گا اور میں بار بار باتھ روم میں جاتی رہوں گی۔ تیسرے دن طبیعت سنبھل جائے گی۔''

''بابا سائیں نے ہم سے کہا ہے کہ وہ دو دنوں کے بعد آئیں گے۔ وہ بڑے پہنچے ہوئے ہیں' یہ جانتے ہیں کہ تمہارے ساتھ کیا ہوتا رہے گا اور انہیں آئندہ کیا کرنا چاہئے؟''

''ہاں۔ وہ جانتے ہیں پر آپ نہیں جانتے۔ آپ جا کر آرام کریں۔ مجھے باتھ روم جانا ہے۔ کچھ ہو رہا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ تم جاؤ۔ ہم انتظار کریں گے۔ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

وہ ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ اپنے راجہ باپ کو جبراً کمرے سے نہیں نکال سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ ''پتا مہاراج! پتہ نہیں مجھے کتنی دیر لگے گی؟''

وہ بڑے یقین سے بولا۔ ''ہم جانتے ہیں دیر کیوں لگے گی؟''

اس نے چونک کر باپ کو دیکھا وہ بولا۔ ''تمہاری ماں زندہ ہوتی تو تم سے پوچھتی کہ تمہارے ساتھ دو دنوں تک کیا ہوتا رہے گا؟ ویسے ہم مطمئن ہیں کہ تیسرے دن تم بالکل نارمل ہو جاؤ گی۔ جاؤ بیٹی! جاؤ وہاں سے لگاؤ۔ ہم یہاں انتظار کریں گے۔''

ادھر دھیان تھا۔ ادھر بھی دیر ہو رہی تھی۔ وہ سر جھکا کر تیزی سے چلتی ہوئی باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ وہ خوش تھا' بیٹی کی یادداشت بحال ہو گئی تھی۔ ایک ذرا سی پریشانی یہ تھی کہ اسے کیا ہو رہا ہے؟ کچھ بھی ہو رہا ہو' باتھ روم میں عورتوں کے کئی مسائل ہوتے ہیں۔ وہ بیٹی سے کسی طرح کی بھی وضاحت طلب نہیں کر سکتا تھا۔

اسے فی الحال وہاں سے جانا چاہئے تھا۔ مگر یہ بھی خیال تھا کہ بار بار اسے کچھ

ہو رہا ہے۔اگر طبیعت زیادہ خراب ہوگی تو کسی کو خبر نہیں ہوگی لہٰذا اسے خوابگاہ میں موجود رہنا چاہئے۔

تجسس میں مبتلا رہنے والے سکون سے نہیں بیٹھتے' وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔وہی ایک بیٹی رہ گئی تھی۔وہ ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا۔''پتہ نہیں' میری بچی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

بچی ہمیشہ بچی نہیں رہتی۔وہ اپنی مرضی سے لڑکپن کا باب بند کر رہی تھی۔اپنی ساری پنکھڑیاں پھیلا کر گل سے گلستاں ہو رہی تھی۔اس نے یہ دیکھا تھا کہ میں اس کا دیوانہ ہوں۔ایسا درندہ ہوں کہ دہلا کر رکھ دیتا ہوں۔وہ دیوانہ وار لپٹ کر بولی۔''تم سے تو ڈر لگتا ہے' مگر کیا کروں' اچھا بھی لگتا ہے۔''

میں اسے یوں پیار کرنے لگا' جیسے زخم دینے کے بعد مرہم رکھ رہا ہوں۔وہ جلدی سے اٹھ کر بولی۔''یہ تم نے کیا کیا؟ میرے کپڑے پھاڑ دیئے۔باہر کیسے جاؤں گی؟ وہاں پتا مہاراج بیٹھے ہیں۔''

''وہ وہاں ہیں۔یہاں واش روم کے سامنے نہیں ہیں۔تم فوراً اپنے ملبوسات کے کمرے میں جا کر تبدیل کرو۔''

''تم بھی چلو۔اب تمہیں یہاں نہیں' میرے ملبوسات کے کمرے میں چھپنا ہوگا۔''

راجہ ولبھ نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔وہ واپس نہیں آئی تھی۔تشویش ہوئی۔''اسے کیا ہو رہا ہے؟ کہیں طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہوگئی؟ اگر بیہوش ہو جائے گی' باتھ روم میں گر پڑے گی تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا؟ نہیں۔ہمیں معلوم کرنا چاہئے۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔پھر بیٹھ گیا۔سوچنے لگا۔''کیا ہمیں جانا چاہئے؟ اگر اسے کچھ ہوگیا ہے تو نجانے کیسی حالت میں پڑی ہوگی؟ ایسے وقت ہمیں نہیں' اس کی ماں کو جانا.....''

وہ سر جھٹک کر بولا۔''ماں تو نہیں ہے۔اس کی ایک خاص داسی رُکمنی ہے۔اسے وہاں لے جانا چاہئے۔''

اس نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔بابا سائیں نے کہا تھا کہ خوابگاہ کا دروازہ بند رکھا جائے۔دو دنوں تک کسی کو کمرے میں جانے کی اجازت نہ دی جائے۔باپ کو بھی تھوڑی دیر کے لئے ابھی بیٹی سے بات کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔اس کے بعد اسے بھی تیسرے دن تک خوابگاہ سے دور رہنا تھا۔

بابا سائیں کی ہدایت پر عمل کرنا تھا۔وہ کسی داسی کو بھی کمرے میں نہیں بلا سکتا

تھا۔آخر خود ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔یہ سوچ کر ادھر جانے لگا کہ پہلے باتھ روم کے باہر سے آواز دے گا۔اگر معاملہ گھمبیر ہوا تو داسیوں کو اور ڈاکٹروں کو بلائے گا۔

وہ سوچتا ہوا باتھ روم کی طرف آیا تو ٹھٹک گیا۔ایک پردے کی آڑ میں ہوگیا۔بیٹی دونوں ہاتھوں میں دھلا ہوا لباس اٹھائے ملبوسات کے کمرے سے نکل کر باتھ روم کی طرف جا رہی تھی اور جو لباس اس نے پہنا ہوا تھا' وہ ایک آدھ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔بال بکھرے ہوئے تھے' کچھ عجیب سی کیفیت تھی اس کی... تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔مگر نکھری ہوئی بھی تھی۔مسکراتی ہوئی گنگناتی ہوئی واش روم کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھی۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔''کیا ہماری بچی پر کسی طرح کا دورہ پڑا تھا؟ وہ اپنے کپڑے پھاڑتی رہی' بال نوچتی رہی اور ہم وہاں بیٹھے رہے' ہمیں خبر بھی نہ ہوئی۔''

اس نے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا۔پھر سوچا۔''پتہ نہیں' کیسا دورہ پڑا ہوگا کہ اب بالکل نارمل ہوگئی۔نہ گھبرا رہی ہے' نہ پریشان ہے۔ایسے مسکرا کر گنگنا رہی ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔''

وہ الجھ گیا تھا۔یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیٹی سہاگن بن گئی ہے۔وہ خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کا دھرم بدل چکا ہے۔وہ مسلمان ہوگئی ہے اور اس چھت کے نیچے اپنے مجازی خدا کے ساتھ ازدواجی لمحات گزار رہی ہے۔

وہ واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔اس کمرے میں خاصی دیر ہو چکی تھی۔بابا سائیں نے کہا تھا کہ بیٹی سے مختصر سی ملاقات کی جائے۔اس کے بعد اسے تنہا رہنے دیا جائے۔جبکہ وہ بڑی دیر سے وہاں موجود تھا۔بیٹی کی تنہائی میں مداخلت کر رہا تھا۔اسے باہر جانا چاہئے تھا۔

لیکن کیسے جاتا؟ بیٹی دھوپ چھاؤں بن گئی تھی۔وہ دھوپ کی طرح تپا رہی تھی اور چھاؤں کی طرح ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔اس کے دوہرے حالات معمہ بن گئے تھے۔

وہ غسل سے فارغ ہو کر لباس بدل کر آگئی۔بہت ہی ہشاش بشاش دکھائی دے رہی تھی۔اس کے روبرو بیٹھ کر بولی۔''سوری پتا مہاراج! میں نے آپ کو اتنا انتظار کرایا۔آپ میری فکر نہ کریں۔یہ دیکھ رہے ہیں کہ میں بالکل نارمل ہوں۔''

وہ بیٹی کو بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔اس نے پوچھا۔''تمہارا لباس کیسے پھٹ گیا تھا؟''

وہ ایکدم سے چونک گئی۔گھبرا کر باپ کو دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے پوچھا' آ...آپ نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ....وہ میں کیا بتاؤں...؟''

اس سے بات نہیں بن رہی تھی۔باپ کے سوال نے سہارا دیا۔"کیا تم پر دورہ پڑا تھا؟"

وہ جلدی سے سر ہلا کر بولی۔"ہاں ہاں۔وہ جانے کیسے اچانک ہی...."

وہ بولتے بولتے رک گئی کہ کیا بولے؟ باپ کے سوال نے پھر سہارا دیا۔"کیا اب تک کالے جادو کا اثر ہے؟"

وہ فوراً ہی پہلو بدل کر بولی۔"ہاں جادو.... ہاں کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔وہ بات یہ ہے کہ ابھی مجھے یاد آرہا ہے' بابا سائیں نے کہا تھا' جادو مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا۔مگر ذرا پریشان کرتا رہے گا۔ بابا سائیں دو دنوں تک عمل پڑھتے رہیں گے تو تمام شیطانی عمل فناء ہو جائیں گے۔"

وہ سر ہلا کر بولا۔"ہاں ۔وہ بہت چمتکار دکھانے والے بابا ہیں۔بھگوان نے چاہا تو تم پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا۔"

"پتا مہاراج! انہوں نے آپ سے کہا ہے' دو دنوں تک میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔میں دروازہ اندر سے بند رکھوں گی۔"

"ہاں۔ہم بھی نہیں آئیں گے۔ابھی جا رہے ہیں۔لیکن پھر تم پر دورہ پڑے گا تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ تم خیریت سے ہو؟"

"آپ بھگوان پر بھروسہ کریں اور مجھے بابا سائیں کی تپسیا اور دعاؤں کے سائے میں چھوڑ دیں۔مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

وہ کرسی سے اٹھ گیا۔پھول وتی بھی کھڑی ہوگئی۔اس کے ساتھ چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔باپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نیک خواہشات کا اظہار کیا۔دعائیں دیں پھر باہر چلا گیا۔بیٹی نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔

دیوان جی اور کئی مشیر اس دروازے سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔بابا سائیں یہ کہہ کر گئے تھے کہ راجکماری کی یادداشت واپس آگئی ہے اور دو دنوں کے بعد وہ بالکل نارمل ہو جائے گی۔لیکن ان سب کے ذہنوں میں ایک بات اٹکی ہوئی تھی کہ راجکماری ایک مسلمان کے عشق میں گرفتار تھی۔کیا ایک مسلمان بابا سائیں نے راجکماری کو اس عاشق سے نجات دلائی ہوگی؟

وہ سب راجہ ولبھ کو دیکھ کر ادب سے کھڑے ہوگئے۔اس نے کہا۔"بھگوان کا شکر ہے۔ہماری بیٹی نارمل ہوگئی ہے۔ہم سے بڑی دیر تک باتیں کرتی رہی ہے۔"

دیوان جی نے کہا۔"ہم سب ان کے لئے پرارتھنا کر رہے تھے۔کیا وہ کسی راجہ یا راجکمار سے شادی کرنے کے لئے راضی ہوگئی ہے؟"

راجہ ولبھ نے کہا۔"ابھی اس کی یادداشت بحال ہوئی ہے۔فی الحال اس سے شادی کے سلسلے میں بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ جب بابا سائیں آئیں گے اور وہ پوری طرح نارمل جائے گی' تب ہم اسے جلد سے جلد سہاگن بنانے کی فکر کریں گے۔"

ایک مشیر نے کہا۔"ہم تو ایک بات کے لئے فکر مند ہیں۔اس کم بخت غازی نے پتہ نہیں راجکماری پر کیسا جادو کیا تھا؟ کیا اس کے جادو سے مکتی مل گئی ہے؟"

راجہ نے سر گھما کر بند دروازے کو دیکھا اور سوچا۔"ہمیں بیٹی سے باتیں کرتے وقت اندازہ لگانا چاہئے تھا کہ وہ غازی کا خیال دل سے نکال چکی ہے یا نہیں؟"

دیوان جی نے پوچھا۔"مہاراج! کیا سوچ رہے ہیں؟"

اس نے کہا۔"ہم نے بیٹی سے بڑی دیر تک باتیں کی ہیں۔اس کی زبان پر ایک بار بھی غازی کا نام نہیں آیا۔"

ایک نے کہا۔"بابا سائیں مسلمان ہیں۔کیا انہوں نے ایک مسلمان کو راجکماری کے دل سے نکال دیا ہوگا؟"

"ہندو ہوں یا مسلمان' بابا سائیں سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔وہ کسی طرح کا بھید بھاؤ نہیں رکھتے۔سب ہی کے دکھ درد میں کام آتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔سب اس کے پیچھے چلنے لگے۔اس نے کہا۔"غازی ایک کانٹا ہے۔وہ پاؤں میں چبھ رہا ہے۔اسے نکال کر پھینکنا ہمارا کام ہے۔یہ دیکھو کہ ہمارے ہی دھرم کے لوگ ہمارے پاؤں میں کس طرح چبھ رہے ہیں۔راجہ شیو شنکر داس نے ہماری بیٹی پر کالا جادو کرایا۔بابا سائیں نہ آتے تو اس کا انجام کیا ہوتا؟"

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔"شنکر داس بھی راجہ ہے اور ہمارا مہمان ہے۔ہم کھل کر انتقام نہیں لے سکتے۔انگریز بہادر ہماری آپس کی لڑائی سے ناراض ہوجائیں گے۔ہم نے کہہ دیا ہے کہ وہ کل صبح تک یہاں سے چلا جائے۔"

دیوان جی نے کہا۔"راجہ شنکر داس بہت مغرور ہے۔سنا ہے' راجکماری نے اسے طمانچہ مارا تھا۔اس کے تیور بگڑے ہوئے ہیں۔وہ بھی کھل کر آپ کے اور راجکماری کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا۔مگر یہاں سے جانے کے بعد کوئی گڑبڑ ضرور کرے گا۔"

راجہ ولبھ نے کہا۔"اونہہ... ہمارے منہ لگے گا تو منہ کی کھائے گا۔ہم مہاویر چوہان

سے بھی کہیں گے کہ وہ پھر ایک بار ہمارا داماد بننے کی امید نہ رکھے۔ پھول وتی کبھی اسے پتی کی حیثیت سے سویکار نہیں کرے گی۔''

راجہ مہاویر چوہان اپنے کمرے سے نکل کر ادھر آ رہا تھا۔ سسر راجہ ولبھ کی بات سن کر رک گیا۔ ایک دیوار کی آڑ سے انہیں دیکھنے لگا۔ ایک مشیر کہہ رہا تھا۔''آپ کی بڑی بیٹی کی ہتھیا ہوئی ہے۔ یہ اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ ان کی ہلاکت دھوکے سے ہوئی ہے یا وہ کسی سازش کے تحت ماری گئی ہیں۔''

دیوان جی نے کہا۔''راجہ مہاویر کہتے ہیں' غازی کے ورغلانے سے راجکماری پھول وتی نے اندھا دھند فائرنگ کے بہانے اپنی بہن کو مار ڈالا ہے۔ تاکہ راج پاٹ اور دھن دولت کی حصہ دار بہن نہ رہے۔''

راجہ ولبھ نے کہا۔''مہاویر بکواس کرتا ہے۔ پھول وتی اپنی بہن کو جان سے زیادہ چاہتی تھی۔ اب بھی چاہتی ہے۔ اسے یاد کرتی ہے اور روتی ہے۔ ہم باپ ہیں۔ دونوں بہنوں کو بچپن سے دیکھتے آئے ہیں۔ وہ ایسے رہتی تھیں' جیسے ایک جان دو قالب ہوں۔''

مہاویر چھپ کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا راجہ سسر کہہ رہا تھا۔''ہماری بیٹی کھل کر کہتی آ رہی ہے کہ مہاویر کے کسی باڈی گارڈ نے راجکماری کلاوتی پر گولی چلائی تھی۔''

''مہاراج! آپ کا کیا خیال ہے؟''

وہ بولا۔''راج پاٹ میں بھائی بھائی کو' باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو قتل کر دیتا ہے۔ مہاویر کے دماغ میں ضرور یہ بات ہوگی کہ کلاوتی کی ہتھیا کے بعد وہ پھول وتی سے شادی کرے گا تو یہ راج پاٹ اور میلوں دور تک پھیلی ہوئی زمینیں اسی کے ہاتھ لگیں گی۔''

وہ مٹھیاں بھینچ کر فیصلہ کن انداز میں بولا۔''مگر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ راجہ شنکر داس کے جانے کے بعد اسے بھی یہاں سے رخصت کر دیں گے۔''

مہاویر نے ناگواری سے منہ بنایا۔ دور بیٹھے ہوئے سسر کو حقارت سے دیکھا۔ پھر ایک راہداری سے گزرتا ہوا پھول وتی کی خوابگاہ کے سامنے آ گیا۔ یہ تجسس تھا کہ یادداشت بحال ہونے کے بعد وہ کس حال میں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ یہ خوش فہمی تھی کہ غازی کو دل سے نکالنے کے بعد اسی چھیل چھبیلے راجہ کی طرف مائل ہوگی۔

وہ تنہائی میں اس سے دو باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں جگہ بنانا چاہتا تھا۔ لیکن اس خوابگاہ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہاں دروازے پر دو مسلح گارڈز کھڑے ہوئے

تھے۔ یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ پھول وتی کو پھر اس کی خوابگاہ میں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔

اس نے دروازے کے پاس آ کر گارڈز سے پوچھا۔''یہاں پہرہ کیوں لگایا گیا ہے؟''

جواب ملا۔''بابا سائیں نے ہدایت دی ہے۔ مہاراج نے حکم دیا ہے کہ دو دنوں تک راجکماری جی اکیلی رہیں گی۔''

دوسرے گارڈ نے کہا۔''مہاراج بھی ادھر نہیں آئیں گے۔ آپ بھی نہ آئیں۔''

اس نے حسرت سے بند دروازے کو دیکھا۔ اور سوچا۔''وہ کیسی ہوگی؟ نارمل ہونے کے بعد پھول کی طرح کھل گئی ہوگی۔ کھلنے کے بعد تنہا نہیں رہنا چاہئے۔ کوئی تو پھول چننے والا ہو... میں ہوں ناں....''

لیکن وہ دروازہ ایسی سختی سے بند تھا' جیسے راجہ ولبھ تن کر کھڑا ہوا اور کہہ رہا ہو۔''ابے جا.... یہاں تیری دال نہیں گلے گی۔''

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح وہاں سے چلا گیا۔ جواری وہ ہوتا ہے' جو ہارتے رہنے کے باوجود جیتنے کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ وہ پھول وتی کو حاصل کرنے کی قسم کھا چکا تھا۔

راجہ شنکر داس نے بھی قسم کھائی تھی۔ ابھی وہاں مہمان تھا' دوسرے دن جانے والا تھا۔ اس نے راج محل کے مندر میں آ کر شنکر بھگوان کے سامنے پرتگیا کی تھی' ہر ہر مہا دیو کے چرنوں میں رکھے ہوئے سندور سے ماتھے پر تلک لگا کر کہا تھا۔''آج تک کوئی سورما مجھ پر انگلی اٹھانے کی جرات نہ کر سکا۔ جبکہ پھول وتی نے طمانچہ مارا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ پہلے اسے دھرم پتنی بناؤں گا۔ پھر اس حسینہ کے چکنے بدن کی بوٹی بوٹی چبانے کے بعد اسے داسی بنا کر اپنی ٹھوکروں میں رکھوں گا۔''

وہ ایک پھول تھی اور کئی بھنورے تھے' ایسے دیوانے تھے کہ ہاتھ نہ آنے پر اسے چیر پھاڑ کر رکھ دینے والے تھے۔ انہوں نے موجودہ حالات میں غازی کو بھلا دیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ ہتھیارا ہے' مجرم ہے۔ اس لئے مفرور رہے گا۔ کبھی پھول وتی کی طرف آنے کی جرات نہیں کرے گا۔

کوئی ایسا ایمان والا ہوتا ہے' جو آتش نمرود کو گلزار بنا دیتا ہے۔ کوئی ایسا دل والا ہوتا ہے' جو کانٹوں کے درمیان پھولوں کی سیج سجا لیتا ہے۔ وہ بھی حالات سے جنگ لڑ رہا تھا۔ دشمنوں نے اپنی دانست میں اسے بھگا دیا تھا۔ وہ پھول وتی کے سر پر ننگی تلواروں کی

طرح لٹک رہے تھے اور وہ تھا کہ تلواروں کے سائے میں ہنی مون منا رہا تھا۔

☆☆☆

بند کمرے میں وقت گزرتا جارہا تھا۔ شام کو پھول وتی نے ایک ذرا دروازہ کھول کر انگور' سیب' خشک میوے اور پانچ سیر دودھ لانے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر رات کے کھانے کا آڈر دیا تھا کہ بیس روٹیاں طرح طرح کی ڈشیں اور بکرے کی بھنی ہوئی ران لائی جائے۔

اتنی ساری چیزیں لے کر صرف ایک ہی داسی اندر آتی تھی۔ اس نے رات کھانا پہنچاتے ہوئے حیرانی سے دیکھا۔ پانچ سیر دودھ سے بھرا ہوا برتن خالی ہوگیا تھا۔ انگور سیب اور خشک میوے کے تھال بھی خالی پڑے تھے۔ اس نے بے یقینی سے راجکماری کو دیکھا۔ وہ گھور کر بولی۔ ''کیا دیکھ رہی ہے؟ جھوٹے برتن اٹھا اور یہاں سے جا.....''

وہ چپ چاپ تمام برتن سمیٹ کر لے گئی۔ دروازہ پھر بند ہوگیا۔ وہ دونوں کھانے کے دسترخوان پر آئے۔ راجکماری اپنے مزاج کے مطابق بڑی نزاکت سے کم کھاتی تھی۔ اسے کھاتے ہوئے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے شام کو پھل اور خشک میوے کھائے تھے۔ پانچ سیر دودھ پیا تھا۔

پھول وتی نے پوچھا۔ ''اتنی خوراک کیسے ہضم کر لیتے ہو؟''

وہ اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر شاہانہ سیج پر لے گیا۔ پھر بولا۔ ''چار دیواری سے باہر نہیں جاسکتا۔ اس لئے خوراک ایسے ہی ہضم ہوگی۔ ورنہ شکار کھیلتے وقت جنگلی درندوں کے پیچھے دوڑتا رہتا ہوں۔ شہر میں مجرموں کو دوڑاتا رہتا ہوں۔ روز ہی جھپٹتا ہوں' پلٹتا ہوں۔ پلٹ کر جھپٹتا ہوں۔ یوں خوراک ہضم ہوتی رہتی ہے۔''

رات کے کھانے کے بعد جب داسی کو اندر بلایا گیا تو راجکماری اکیلی دسترخوان پر تھی۔ اس کے سامنے رکھی ہوئی کئی ڈشیں آدھی ہوگئی تھیں یا خالی ہوگئی تھیں۔ نازک اندام راجکماری ایک روٹی سے زیادہ نہیں کھاتی تھی۔ وہاں بیس میں سے صرف دو روٹیاں رہ گئی تھیں۔ بکرے کی ران کی جگہ صرف ہڈیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ داسی نے یوں سہم کر دیکھا' جیسے اس کے سامنے کوئی نہ سمجھ میں آنے والی بلا بیٹھی ہو۔

وہ نوکرانی تھی کچھ پوچھنے کی جرات نہیں کرسکتی تھی۔ اس سلسلے میں شام کو راجکماری کی ڈانٹ سن چکی تھی۔ وہ تمام برتن سمیٹ کر رسوئی میں گئی۔ پھر راجہ ولبھ کے سامنے حاضر ہوگئی۔ اس نے راجکماری کے پتا مہاراج کو شام کے کھانے پینے کا حال سنایا تھا۔ راجہ کو یقین نہیں

ہوا تھا۔ جب رات کو بھی بیٹی نے چار آدمیوں کے برابر خوراک منگوائی تو وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

رات کے کھانے کے بعد داسی حاضر ہوئی تو اس نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ ہماری بیٹی نے کتنا کھایا ہے؟''

وہ بولی۔ ''کیا بتاؤں مہاراج! آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا ہے۔ دسترخوان پر تھوڑا سا جھوٹا بچا تھا۔ وہ اٹھا کر رسوئی میں لائی ہوں۔''

وہ شدید حیرانی سے بولا۔ ''کیا کہہ رہی ہو؟ کیا اس نے تمام روٹیاں کھالیں؟''

''صرف دو چھوڑی ہیں۔''

''اور بکرے کی ران....؟''

''صرف ہڈیاں اٹھا کر لائی ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پریشان ہوکر بولا۔ ''وہ اتنا کیسے کھالیتی ہے؟ تم نے اسے غور سے دیکھا ہے؟ وہ کسی طرح کی تکلیف میں تو نہیں ہے؟''

''بالکل نہیں۔ وہ بڑے آرام سے اٹھ کر ٹہل رہی تھیں۔''

''تعجب ہے۔ کیا بابا سائیں نے ایسا عمل کیا ہے' جس سے خوراک بڑھ گئی ہے؟ یہ تو کسی شیر کی' کسی آدم خور کی خوراک ہے۔''

وہ بری طرح اضطراب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ابھی وہاں جاکر بیٹی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ بات بھی ذہن میں آرہی تھی کہ کیا کھانے پینے کا بھی دورہ پڑتا ہے؟ وہ کھاتی ہے تو پھر کھاتی چلی جاتی ہے؟ یہ تو کبھی نہیں سنا کہ اس قسم کا دورہ پڑتا ہے۔ اگر ایسا ہو بھی رہا ہے تو وہ ہضم کیسے کررہی ہے؟

اس نے داسی سے پوچھا۔ ''کیا اس نے صبح کے ناشتے کے لئے کچھ کہا ہے؟''

''جی ہاں۔ چھ پراٹھے' چھ ابلے ہوئے انڈے' ایک سیر کھویا اور دس سیر دودھ طلب کیا ہے۔''

وہ مارے حیرت کے دھپ سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں۔ وہ اتنا دودھ پی ہی نہیں سکتی' ضرور دودھ سے نہاتی ہوگی۔''

داسی نے پوچھا۔ ''اگر وہ دودھ سے نہاتی ہیں تو وہ تمام روٹیاں' بکرے کی ران اور پھل میوے کدھر گئے؟''

وہ سر پکڑ کر سوچنے لگا۔ ایک ہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ بابا سائیں کا عمل کچھ عجیب

وغریب ہے۔وہ جنون میں مبتلا ہوتی ہے۔اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتی ہے۔شائد دو دنوں تک پہلوانوں کی خوراک کھاتی رہے گی اور ہضم کرتی رہے گی۔وہ ایسے عمل کے زیر اثر ہے کہ اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔تیسرے دن بالکل نارمل ہو جائے گی۔

وہ بیٹی سے پھر ایک بار ملنا چاہتا تھا اور بابا سائیں نے ملنے سے منع کیا تھا۔دماغ نے سمجھایا کہ نہ جاؤ۔وہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کے عمل کے نتیجے میں پھول وتی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟وہ جو بھی کر رہے ہیں' اس کی بہتری کے لئے کر رہے ہیں۔باپ کو وہاں نہیں جانا چاہئے۔

محل کے رسوئی گھر میں اور بھی ملازمین تھے۔وہ بھی دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ راجکماری پہلوانوں کی خوراک کیسے کھا رہی ہے اور کیسے ہضم کر رہی ہے؟

یہ بات ان کے پیٹ سے نکل کر مہمان راجہ شنکر داس اور مہاویر چوہان تک پہنچ گئی۔شنکر داس نے ناگواری سے کہا۔''یہ تو نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔معلوم ہوتا ہے' بابا سائیں کا عمل الٹا ہو گیا ہے۔آج وہ پہلے دن اتنا کھا رہی ہے۔آگے چل کر ہم انسانوں کی بوٹیاں اور ہڈیاں چبائے گی۔''

وہ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔''میں اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں اور اس کی تمام جائیداد اور دھن دولت کو بھی ہتھیانا چاہتا ہوں۔لیکن آگے چل کر وہ خونخوار بلا بن جائے گی۔پھر میرے قابو میں نہیں آئے گی۔مجھے یہاں سے جانے سے پہلے ہی کچھ کرنا چاہئے۔''

وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟راجہ مہاویر نے جب اس کی خوراک کے متعلق سنا تو ایکدم سے چونک گیا۔فوراً ہی اپنے کمرے سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا محل کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا راجہ ولبھ کے دروازے پر آ گیا۔وہاں باڈی گارڈز کھڑے ہوئے تھے۔اس نے ملاقات کی اجازت چاہی۔اندر خبر بھیجی۔مگر وہ باپ اپنی بیٹی کے لئے پریشان تھا۔اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔

مہاویر نے دروازے کے سامنے بلند آواز میں کہا۔''مہاراج!میں آپ کا داماد آپ کی پریشانی دور کرنے آیا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ پھول وتی کی خوراک کیسے بڑھ گئی ہے؟میں آپ سے صرف دو باتیں کروں گا۔''

راجہ ولبھ نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا پھر کہا۔''آ جاؤ۔''

مہاویر نے کہا۔''غازی برسوں سے میرا ملازم رہا ہے۔میں اسے صرف تنخواہ ہی نہیں دیتا تھا۔اسے تین وقت کی خوراک بھی مہیا کرتا تھا۔وہ روز صبح دس سیر اور شام کو پانچ سیر دودھ

کھویا ملا کر پیا کرتا تھا۔کبھی بارہ' کبھی پندرہ اور کبھی بیس روٹیاں کھا جاتا تھا۔میوے بھی چباتا رہتا تھا۔دوڑتا بھاگتا' اچھلتا کودتا رہتا تھا۔وہ شیر کی خوراک کھاتا ہے اور اپنے دشمنوں پر شیر کی طرح جھپٹتا ہے۔میں دعوے سے کہتا ہوں' وہ راجکماری کی خوابگاہ میں چھپا ہوا ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟وہ پہاڑ جیسا آدمی ہمارے محل میں کیسے چھپ کر رہے گا؟ہماری بیٹی کے کمرے میں پہلے بابا سائیں گئے' پھر ہم خوابگاہ کے حصے میں گئے۔ہم نے وہاں ایک چڑیا کا بچہ بھی نہیں دیکھا۔''

''میں دکھا سکتا ہوں۔وہ جہاں بھی چھپا ہے' وہاں سے نکال سکتا ہوں۔''

راجہ ولبھ نے ناگواری سے کہا۔''غازی نے ملازم ہو کر تمہاری پٹائی کی۔تمہارے دونوں بازوؤں کو زخمی کیا۔پھول وتی کے سامنے تمہاری بے عزتی کی۔اس لئے تم خوابوں میں' خیالوں میں اسے پھول وتی کے ساتھ دیکھ رہے ہو۔الزام لگا رہے ہو کہ ہماری بیٹی بند کمرے میں اس کے ساتھ ہے۔''

''آپ ایک بار صرف ایک بار میری بات مان لیں۔میرے ساتھ چلیں۔اس بند دروازے کو کھلوائیں۔پلک جھپکتے ہی سارا بھید کھل جائے گا۔''

''بابا سائیں نے تاکید کی ہے کہ ان کے واپس آنے تک ہم بھی اپنی بیٹی کے کمرے میں نہ جائیں۔کیا ہم ان کی ہدایات پر عمل نہ کریں؟تمہاری اہمیت کیا ہے کہ تمہاری بات مان لیں؟''

''مہاراج!میری بات نہ مانیں۔مگر ثبوت مل رہا ہے کہ وہاں پہلوانوں جیسی خوراک کھانے والا کوئی موجود ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہاں غازی نہ سہی' کوئی بھی پہلوان موجود ہے؟''

''جی ہاں۔ابھی معلوم ہو....''

وہ بات پوری نہ کر سکا۔راجہ ولبھ نے ایک زوردار تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔''تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہماری بیٹی بدچلن ہے؟اس کے کمرے میں کوئی بھی جا کر رہ سکتا ہے۔غازی نے نہ جا سکے تو کوئی بھی پہلوان جا سکتا ہے؟''

وہ غصے سے تلملا کر بولا۔''آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔میں آپ کا داماد ہی نہیں' اپنی جاگیر کا' اپنے راجواڑے کا راجہ بھی ہوں۔میرے دونوں بازو زخمی ہیں' کمزور ہیں۔ورنہ جواب ضرور دیتا۔میں جا رہا ہوں۔مگر یہ تھپڑ آپ کو بہت مہنگا پڑے گا۔''

وہ پلٹ کر جانے لگا۔راجہ ولبھ نے گارڈز سے کہا۔''اسے محل سے باہر نہ جانے

دو۔حراست میں رکھو۔“

وہ بولا۔”میں بھی راجہ ہوں۔ مجھے کب تک حراست میں رکھو گے؟“

”صرف دو دنوں تک...تیسرے دن دروازہ کھلے گا تو تمہیں بیٹی کے کمرے میں لے جاؤں گا۔وہاں سے تم غازی کو ڈھونڈ کر نکالو گے۔نہ نکال سکے تو تمہارے منہ پر تھوک کر تمہیں محل سے نکال دیا جائے گا۔“

پھر اس نے گارڈز سے کہا۔”لے جاؤ اسے۔ہمارا حکم ہے‘ دو دنوں تک اسے رسوئی سے کھانے کو نہ دیا جائے۔ہماری بیٹی کے کمرے سے جو جھوٹا کھانا آئے گا‘ وہ اسے کھلایا جائے۔“

مہاویر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دونوں گارڈز اسے پکڑ کر وہاں سے کھینچتے ہوئے لے گئے۔اس محل میں راجکماری کے حصول کے لئے بڑی سازشیں‘ بڑے تماشے ہو رہے تھے۔میں اور پھول وتی تمام دن کے تھکے ہوئے تھے۔آدھی رات سے پہلے ہی سو گئے۔وہ میری آغوش میں چھپی ہوئی نیند کے مزے لے رہی تھی۔میں بھی اسے پا کر جیسے ساری دنیا کو بھول گیا تھا۔ایسے ہی وقت میں نے خواب میں بابا سائیں کو دیکھا۔وہ کہہ رہے تھے۔”تم صرف ساری دنیا کو ہی نہیں‘ اپنے رب کو بھی بھول گئے ہو۔کبھی تم دل کی گہرائیوں سے اللہ کو یاد کرتے ہو‘ کبھی تمہارا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔تمہیں اپنی کمزوری کا احساس کیوں نہیں ہوتا؟“

انہوں نے میری طرف انگلی اٹھا کر کہا۔”تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد محل میں آئے تھے۔یہاں میں نے وہی کیا جو خدا کو منظور تھا۔افسوس!تمہاری دلی مرادیں پوری ہو رہی ہیں تو تم نے ایک بار بھی اللہ کو یاد نہیں کیا۔ظہر سے عشاء تک ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی۔“

پھر وہ ذرا توقف سے بولے۔”تم دشمنوں کو بھی بھول گئے جو تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔وہ اسی محل میں ہیں۔تم اپنی غیر معمولی صلاحیت سے ان کی خبر لے سکتے ہو۔ان کی طرف سے محتاط رہ سکتے ہو۔مگر عیش و طرب میں مست ہو۔تمہاری یہ غفلت تمہیں لے ڈوبے گی۔خدا تم پر رحم کرے۔“

یہ کہتے ہی وہ خواب کی اسکرین سے گم ہو گئے۔یک لخت میری آنکھ کھل گئی۔بابا سائیں نے غلطی کا احساس دلایا تو بڑی شرمندگی ہوئی۔میں بیڈ سے اتر کر ملبوسات کے کمرے میں آیا۔وہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھے تھے۔وہ پاک صاف تھے۔میں نے اسی وقت واش روم میں جا کر غسل کیا۔پاک صاف ہو کر لباس پہنا‘ وضو کیا۔پھر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔مجھے پھول وتی ملی تھی۔آئندہ بھی میری مرادیں پوری ہونے والی تھیں۔میرا فرض

تھا کہ پہلے شکرانے کی نماز ادا کرتا۔مجھ سے بھول ہوئی‘ بہت بڑی بھول ہوئی۔میں نے سجدہ کر کے سبحان ربی الاعلیٰ کہا۔پھر بڑی ندامت سے معافی مانگی‘ یہ عہد کیا کہ پھر ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

پھول وتی نیند میں مست تھی۔میں بڑی دیر تک عبادت میں مصروف رہا۔میں نے غیر معمولی سماعت کے ذریعے اپنے سسر راجہ ولبھ کی آواز سننے کی کوشش کی۔اس کے خراٹے سنائی دیئے۔میں نے مہاویر کی خبر لی۔اس کے قدموں کی دھیمی دھیمی سی دھمک سنائی دے رہی تھی۔وہ تقریباً دس قدم چل کر رکتا تھا۔اس کے بعد اور دس قدم چل کر رک جاتا تھا۔یوں اندازہ ہوا کہ وہ غصے اور جوش میں پیر پٹختا ہوا ٹہل رہا ہے۔اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اپنے سسر سے تھپڑ کھا چکا ہے۔

وہاں دو راجہ پھول وتی کو حاصل کرنے کے لئے مہمان بن کر آئے تھے۔ان میں سے ایک نے بیٹی کے اور دوسرے نے باپ کے ہاتھ سے طمانچے کھائے تھے۔دونوں ہی غصے سے تلملا رہے تھے۔کچھ کر گزرنے والے تھے۔

میں نے راجہ شنکر داس کو نہ تو دیکھا تھا‘ نہ اس کی آواز سنی تھی۔اس لئے اس کی خبر نہیں لے سکتا تھا۔نہ اس کی باتیں سن کر یہ جان سکتا تھا کہ رات کے اس حصے میں وہ کیا کر رہا ہے؟اور وہ میری لاعلمی میں انتقامی کارروائی کر رہا تھا۔اس نے محل کے اندر نائٹ ڈیوٹی کرنے والے سپاہیوں کو بھاری رقمیں دے کر خرید لیا تھا۔وہ رشوت خور سپاہی ان دو گارڈز کے پاس آئے‘ جو پھول وتی کے کمرے کے سامنے الرٹ کھڑے تھے۔سپاہیوں نے دوستانہ انداز میں قریب آ کر اچانک ہی ان پر حملہ کیا۔انہیں اپنی گن استعمال کرنے کا موقع نہیں دیا۔کسی طرح کا شور ہنگامہ پیدا کئے بغیر چھرا گھونپ کر انہیں مار ڈالا۔پھر چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔

شنکر داس کے لئے راستہ صاف ہو گیا تھا۔اس نے دروازے پر آ کر دستک دی۔پھول وتی نیند میں کروٹ لے رہی تھی۔دستک کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو میں اس کے پہلو میں نہیں تھا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ادھر ادھر سر گھما کر متلاشی نظروں سے دیکھنے لگی۔

دروازے پر دستک سنائی دی۔وہ بستر سے اترتے ہوئے سوچنے لگی۔”غازی کہاں چلے گئے؟ کیا واش روم میں ہیں؟“

اس نے دروازے کے قریب آ کر سخت لہجے میں پوچھا۔”کون ہے؟اتنی رات کو

نیند کیوں خراب کر رہے ہو؟ کیا نہیں جانتے' یہ دروازہ بابا سائیں کے آنے پر کھلے گا؟''

باہر سے آواز سنائی دی۔ ''راجکماری جی! غضب ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں' غازی کیسے محل میں گھس آیا تھا؟ اس نے مہاراج پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ وہ زخمی ہو گئے ہیں۔ غازی پکڑا گیا ہے۔ آپ جلدی آئیں۔ مہاراج ابھی زندہ ہیں' آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔''

یہ ایسی صدمہ پہنچانے والی اطلاع تھی کہ وہ تڑپ گئی۔ میں وہاں نظر نہیں آرہا تھا۔ یہی بات سمجھ میں آئی کہ میں نے اسے نیند کی حالت میں چھوڑ کر خوابگاہ سے باہر جا کر اس کے باپ پر حملہ کیا ہے اور پکڑا گیا ہوں۔

اس نے یہ نہیں سوچا کہ میں باہر جاتا تو کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہ ہوتا۔ وہ دم توڑتے ہوئے زخمی باپ کے پاس جانے کے لئے تڑپ گئی تھی۔ فوراً ہی دروازہ کھول کر جانا چاہتی تھی۔ مگر دروازہ کھلتے ہی شکاری کے ہتھے چڑھ گئی۔

شنکر داس جھپٹ پڑا تھا۔ سب سے پہلے منہ دبایا تاکہ وہ شور نہ مچائے۔ پھر اسے دوسرے بازو میں دبوچ کر پاؤں کی ٹھوکر سے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تیرے طمانچے کا جواب دینے آیا ہوں۔ ابھی تیرے بدن کی بوٹیاں نوچوں گا۔ تیری آبرو کی دھجیاں اڑاؤں گا۔ پھر تجھے ہمیشہ کی نیند سلا کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ کوئی مجھ پر کسی طرح کا شبہ نہیں کرے گا۔''

وہ راجکماری کو فتح کرنے کی دھن میں تھا۔ اس نے میری آہٹ نہیں سنی۔ میں نے پیچھے آ کر اس کے بالوں کو اتنی سختی سے مٹھی میں لے کر جھٹکا دیا کہ اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ اس نے پھول وتی کو چھوڑ کر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر میں نے اسے سر گھمانے اور دیکھنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے بال اس بری طرح جکڑے ہوئے تھے کہ تکلیف کی شدت سے دیدے پھیل گئے تھے۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے سر کے تمام بال اکھڑنے ہی والے ہوں۔

پھول وتی نے اسے ایک زور کا طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔ ''یہ دوسرا طمانچہ ہے۔ آ.... میری آبرو کی دھجیاں اڑا۔''

اس نے ایک اور طمانچہ رسید کرتے ہوئے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ عجیب مشکل میں تھا۔ خود کو میرے شکنجے سے نکال نہیں پا رہا تھا۔ اس کے منہ پر تھوکا گیا تھا۔ مگر ان لمحات میں بے عزتی سے زیادہ اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا مسلمان رقیب غازی وہاں موجود ہوگا۔

وہ اپنے دشمن کو دیکھنے کے لئے ادھر سے اُدھر ہو رہا تھا مگر اس کا سر میرے شکنجے میں تھا۔ وہ سر گھما کر دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ پھول وتی نے مجھ سے کہا۔ ''اس کی تکلیف کم کرو۔ کچھ بولنے کے قابل رہنے دو۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میرے دروازے تک کیسے آیا ہے؟''

میں نے اس کی گردن کو ایک بازو میں دبوچ لیا۔ مٹھی ڈھیلی کر دی۔ پھول وتی نے پوچھا۔ ''بولو یہاں تک تم کیسے آئے؟ کسی سپاہی نے تمہیں کیوں نہیں روکا؟ اور میرے دروازے پر پہرہ دینے والے گارڈز کہاں ہیں؟''

وہ بولا۔ ''مجھے یہ تو دیکھنے دو کہ کس دیو نے مجھے جکڑ لیا ہے؟ مجھے آزاد کراؤ۔ آرام سے بولنے دو۔''

''میری بات کا فوراً جواب دو۔ ورنہ گردن کا شکنجہ تمہاری جان لے لے گا۔''

میں نے بازو کے شکنجے کو کس دیا۔ وہ سانس لینے کے لئے پھڑ پھڑانے لگا۔ میں قد میں تقریباً سات فٹ تھا اور وہ پانچ فٹ سے کچھ اوپر تھا۔ میری گرفت میں چابی کے کھلونے کی طرح ہل رہا تھا۔ پھر میں نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ گہری گہری سانسیں لے کر کہنے لگا۔ ''پھول وتی! مجھے جانے دو۔ میں ابھی اس محل سے چلا جاؤں گا۔ کبھی دشمنی کرنے نہیں آؤں گا۔''

''میری بات کا جواب دو' یہاں تک کیسے آئے؟''

اسے مجبوراً بتانا پڑا۔ پھول وتی نے اس کی باتیں سن کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''رات کو محل کے اندر صرف چار سپاہی رہتے ہیں۔ ان چاروں نے نمک حرامی کی ہے۔''

اس نے دروازے کو ایک ذرا سا کھول کر دیکھا۔ پھر کہا۔ ''دونوں گارڈز مردہ پڑے ہیں۔ یہ کم بخت یہاں سے زندہ جائے گا تو ہمارا بھید کھل جائے گا۔ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

اس کی گردن میرے شکنجے میں تھی۔ میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں اسے زندہ سلامت جانے دوں گا تو یہ بھید نہیں کھولے گا۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''ہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں' قسم کھاتا ہوں' تم جو کوئی بھی ہو' یہاں راجکماری کے ساتھ رہو۔ میں کسی کے سامنے تمہارا ذکر نہیں کروں گا۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

میں نے پھول وتی کو آنکھ مار کر کہا۔ ''ہمیں اس راجہ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ مگر اس طرح کہ ابھی اسے محل سے باہر لے جاؤں گا۔''

وہ بولی۔ ''باہر پہرہ دینے والے گارڈز تمہیں دیکھ لیں گے۔ تمہیں چور راستے سے

جانا ہوگا۔مگر اس کے منہ ہاتھ باندھ کر لے جانا ہوگا۔ورنہ یہ یہاں سے نکلتے ہی شور مچا کر ان دونوں سپاہیوں کے قتل کا الزام تم پر لگا دے گا۔"

وہ عاجزی سے بولا۔"مجھ پر بھروسہ کرو۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ میں چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

پھول وتی نے سنی ان سنی کی۔ وہاں سے اسٹور روم میں جا کر رسیاں اور پرانے کپڑے لے آئی۔ میں نے شنکر داس کو تھپک کر کہا۔"خاموشی سے ہاتھ بندھوا لو۔ورنہ گردن پھنسی ہوئی ہے۔ ذرا بازو کو سخت کروں گا تو پھڑ پھڑانے لگو گے۔"

اس نے چپ چاپ اپنی پشت کی طرف دونوں ہاتھ بندھوا لئے۔ میں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر پٹی باندھی۔ اس کے بعد وہ آواز نہیں نکال سکتا تھا۔

میں نے پھول وتی سے پوچھا۔" کیا میں ان چار سپاہیوں سے چھپ کر کسی چور راستے سے جا سکوں گا؟"

وہ بولی۔"نہیں۔ان کی نظروں میں آ سکتے ہو۔ان سے بھی کسی طرح نمٹنا ہوگا۔"

میں دروازے کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا۔ پھر بولا۔"تم باہر جاؤ۔ وہ تمہیں دیکھتے ہی سہم جائیں گے۔ تم ان سے کہو گی کہ ان کی غلطیاں معاف کر دو گی۔ انہیں پتا مہاراج کے سامنے مجرم کہہ کر پیش نہیں کرو گی' تب وہ تمہارے سامنے سر جھکائیں گے۔ اپنی بیوی بچوں کی جان بچانے کی خاطر تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ تم ان چاروں کو یہاں لے آؤ۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ شنکر نے "اُوں اُوں" کی آواز نکال کر مجھے متوجہ کیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔"منہ سے ایک آواز بھی نہ نکالو۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

تھوڑی دیر بعد ہی وہ چار سپاہیوں کے ساتھ اندر آئی۔ وہ مجھے پہچانتے تھے۔ انہوں نے حیرانی سے دیکھا۔ پھول وتی نے کہا۔"تم چاروں کبھی کسی سے ذکر نہیں کرو گے کہ غازی کو یہاں دیکھا ہے۔"

انہوں نے ہاتھ جوڑ کر قسم کھاتے ہوئے کہا۔"یہ راز ہم کسی کو نہیں بتائیں گے۔ان دونوں گارڈز کی لاشیں بھی یہاں سے لے جائیں گے۔"

پھول وتی نے میرے بازو سے لگ کر پوچھا۔"کیا تمہارا جانا ضروری ہے؟ جو تم کرنا چاہتے ہو وہ ہمارے یہ چار سپاہی کریں گے۔ تمہیں یہاں چھپ کر رہنا چاہئے۔"

میں نے اسے ذرا دور لے جا کر کان میں کہا۔"نمک حرام غدار سپاہیوں پر بھروسہ نہ

کرو۔ یہ راجہ پھر انہیں خرید لے گا۔ مجھے جانا ہی ہوگا۔ یہ بتاؤ' چور راستے کی سرنگ کتنی دور تک گئی ہے؟"

"تقریباً دس میل لمبی سرنگ ہے۔ رات کے تین بج رہے ہیں۔ کیا صبح سے پہلے واپس آ سکو گے؟"

"ناممکن ہے۔ دس میل جانا اور پلٹ کر دس میل آنا۔ پھر سرنگ کے آخری حصے سے اور کئی میل دور جا کر شنکر داس اور ان سپاہیوں سے نمٹنا ہوگا۔ صبح ہو جائے گی۔ میں واپس نہیں آ سکوں گا۔"

وہ ایکدم سے لپٹ گئی۔ شنکر داس کو اور سپاہیوں کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا۔ تڑپ کر کہا۔"میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ تمہیں دو دنوں کے بعد جانا تھا۔ تم آدھا دن اور آدھی رات گزار کر جا رہے ہو۔ ایسی اچانک جدائی مجھے برداشت نہیں ہوگی۔"

"تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں' تم بڑے حوصلے والی ہو۔ میرا انتظار کرو گی۔ میں یہاں سے نکلتے ہی خزانہ حاصل کروں گا۔ جلد سے جلد ان راجاؤں سے بھی بلند مقام حاصل کروں گا۔ پھر تمہارے لئے جنگ لڑوں گا' تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

وہ اداس ہو گئی تھی۔ یوں اچانک مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا منایا۔ حالات ایسے تھے کہ اسے ماننا ہی پڑا۔ اس نے کہا۔"تم نے اپنی غیر معمولی سماعت کے بارے میں بتایا ہے۔ میں کبھی کبھی یہاں تنہائی میں بڑبڑاتی رہوں گی۔ اپنے حالات بیان کرتی رہوں گی تو تم سنتے رہو گے۔ کیا تمہارے پاس ایسا گن' ایسا ہنر نہیں ہے کہ اپنی آواز بھی مجھ تک پہنچا سکو؟"

"افسوس! قدرتی صلاحیتیں صرف خدا کی رضا سے ہی ملتی ہیں۔ بندہ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ اسے غنیمت سمجھو' میں وقتاً فوقتاً تمہاری باتیں سنتا رہوں گا۔ تم دن کے بارہ بجے اور رات کے بارہ بجے مجھے مخاطب کر کے بولتی رہو گی۔ میں تمہارے حالات سے باخبر ہوتا رہوں گا۔ خدانخواستہ تم پر کوئی مصیبت آئے گی تو جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں چلا آؤں گا۔"

میں نے اسے تسلیاں دیں۔ اسے یہ اعتماد حاصل ہوا کہ میں دور جانے کے باوجود اپنی غیر معمولی صلاحیت کے ذریعے اس کے پاس ہی رہوں گا اور تمام حالات سے باخبر ہوتا رہوں گا۔

ان چار سپاہیوں میں سے دو کے ہولسٹر میں ریوالور تھے اور دو کی نیام میں تلواریں تھیں۔ پھول وتی نے میری ہدایت کے مطابق ان سے کہا۔"اپنے تمام ہتھیار یہاں رکھو۔ باہر

جا کر ان لاشوں کو اٹھاؤ۔ پھر ہمارے ساتھ چور دروازے کی طرف چلو۔"

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اپنے ہتھیار راجکماری کے قدموں کے پاس لا کر رکھ دیئے۔ پھر لاشیں اٹھانے کے لئے باہر چلے گئے۔ میں نے دونوں ریوالور اور بلٹس کی پیٹیاں اٹھا لیں۔ پھر شنکر سے کہا۔ "اٹھو۔ یہاں سے چلو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ خوابگاہ کے باہر اور محل کے اندر خاموشی اور ویرانی تھی۔ پھول وتی نے آگے آگے چلتے ہوئے ہماری رہنمائی کی۔ میں شنکر داس کو نشانے پر رکھ کر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ میرے پیچھے چاروں سپاہی لاشیں اٹھائے آ رہے تھے۔ چور دروازے کا علم صرف راجکماری کو اور اس کے پتا مہاراج کو تھا۔

وہ ہمیں محل کے ایسے کمرے میں لے گئی' جہاں اس کے باپ دادا اور پردادا کی تصویریں چاروں طرف دیواروں پر آویزاں تھیں۔ اس نے اپنے دادا کی ایک تصویر کو اس کی جگہ سے ہٹایا۔ اس تصویر کے پیچھے ایک محراب میں لوہے کی کل دکھائی دی۔ جسے گھماتے ہی قریبی دیوار کا ایک حصہ دروازے کی طرح کھلنے لگا۔ مہاراجاؤں اور شہنشاؤں کے محلوں میں جیسے پراسرار کمرے' چور دروازے اور تہہ خانے ہوتے ہیں۔ ویسی ہی پراسراریت وہاں تھی۔

چور دروازہ کھلتے ہی ایک راہداری نظر آئی۔ ہم دروازے سے گزر کر وہاں آئے۔ آگے ایک زینہ نیچے کی طرف گیا تھا۔ وہ پلٹ کر پھر مجھ سے لپٹ گئی۔ رونے لگی۔ وہاں سے ہمیں جدا ہونا تھا۔

میرا بھی جی کر رہا تھا کہ اسے بازوؤں میں سمیٹ کر خوب پیار کروں۔ لیکن ایسی خواہشیں تنہائی میں پوری ہوتی ہیں۔ میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "صبر و تحمل سے کام لو۔ میں جلد سے جلد واپس آؤں گا۔ یوں سمجھو کہ آج جا رہا ہوں' کل آ جاؤں گا۔"

میں نے اسے الگ کیا۔ اس کی ہتھیلی کی پشت کو بوسہ دیا۔ پھر ان پانچوں کے ساتھ زینہ اترتا ہوا اسے پلٹ پلٹ کر دیکھتا ہوا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ زینے کے آخری سرے پر نیچے ایک وسیع و عریض سرنگ کہیں دور تک گئی تھی۔ ایک سپاہی نے وہاں رکھی ہوئی دو مشعلیں جلائیں۔ ایک مجھے دی' ایک خود اٹھائی پھر ہم وہاں سے آگے بڑھنے لگے۔

وہ زیر زمین تھکا دینے والا سفر تھا۔ ہم اس سرنگ کے آخری سرے پر پہنچ کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک چھوٹے سے مندر کے پچھلے حصے میں آ گئے ہیں۔ وہ مندر ایک جنگل سے گزرنے والے راستے پر تھا۔ سپاہیوں نے مندر سے باہر آ کر پوچھا۔ "ان لاشوں کو یہاں گاڑ دیا جائے؟"

میں نے کہا۔ "گڑھا کھودنے اور انہیں دفن کرنے میں خاصا وقت لگے گا۔ آگے چلو۔"

شنکر نے اُوں اُوں کی آواز نکالتے ہوئے اپنا سر ہلایا۔ اشارے میں سمجھایا کہ اس کا منہ کھولا جائے۔ میں نے پٹی کھول کر اس کے منہ سے کپڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "یہاں تم شور مچا سکتے ہو۔ چیخ چیخ کر کہہ سکتے ہو کہ مفرور غازی تمہیں باندھ کر لے جا رہا ہے۔"

ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ تقریباً پانچ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے اچانک ہی دونوں ریوالوروں سے گولیاں چلائیں۔ جنگل کے سائے میں دور تک فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ وہ چاروں سپاہی ان لاشوں کے ساتھ زمین بوس ہو گئے۔ شنکر سہم کر تھوک نگلنے لگا۔ سمجھ گیا کہ اب اس کی باری ہے۔ میں نے کہا۔ "آگے چلو۔"

وہ میرے آگے آگے چلتے ہوئے بولا۔ "مجھے گولی نہ مارنا۔ میں تمہیں منہ مانگی دولت دوں گا۔"

میں نے کہا۔ "اس کے بعد تم زندہ رہو گے۔ میری پھول وتی سے انتقام لو گے۔ چشم دید گواہ بن کر بیان دو گے کہ وہ میرے ساتھ بند کمرے میں منہ کالا کر رہی تھی؟ جبکہ وہ میری شریک حیات بن چکی ہے۔"

وہ قسمیں کھاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے اور پھول وتی کے راستے میں کبھی نہیں آؤں گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ تم کبھی ہمارے راستے میں نہ آؤ۔"

صبح ہو گئی تھی۔ ہم بہت دور نکل آئے تھے۔ میں نے کہا۔ "نہ تم ہمارے راستے میں آ سکو گے نہ پولیس کو اور جاسوسوں کو معلوم ہو سکے گا کہ راجہ شنکر داس' چار سپاہی اور دو گارڈز کہاں غائب ہو گئے ہیں؟"

میں نے ایک جگہ رک کر اس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ "اگر محل سے میلوں دور تمہاری لاشیں ملیں گی تو یہ کوئی نہیں جان سکے گا کہ تم سب کو چور راستے سے لایا گیا تھا۔ نہ کسی کا دھیان میری طرف جائے گا۔ نہ میری پھول وتی بدنام ہو گی۔"

یہ کہتے ہی میں نے اسے گولی مار دی۔ جب وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا پڑ گیا تو میں نے اس کے ہاتھوں کی رسی کھول کر اپنے پاس رکھ لی۔ یہ کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ اسے باندھ کر وہاں تک لایا گیا تھا۔ اس کے منہ میں ٹھسا ہوا کپڑا ابھی پھول وتی کی اترن کا ایک ٹکڑا تھا۔ اسے بھی سنبھال کر رکھ لیا تھا۔

قریب ہی ایک دریا بہہ رہا تھا۔ میں نے لباس اتار کر غسل کیا۔ لباس پہن کر وضو کیا۔ چار رکعت نماز پڑھی۔ پھر چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ پتہ نہیں' میں جنگل میں کہاں تھا؟ محل کس سمت میں تھا اور مجھے کس سمت جانا تھا؟ بہر حال کہیں تو جانا ہی تھا۔ میں نے ایک طرف دوڑ لگائی۔ کھلی فضا میں آ کر اچھا لگ رہا تھا۔ دوڑنا شکار کے پیچھے بھاگنا' اسے دبوچنے کے لئے اچھلنا کودنا' میری فطرت تھی۔ میں کئی میل تک کبھی دوڑتا رہا' کبھی چلتا رہا۔ پھر مجھے ایسا لگا جیسے نامعلوم سی کشش مجھے وہاں لے آئی ہے۔ میں اسی غار کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔

کلام پاک کی مترنم آیات سنائی دے رہی تھیں۔ میرے دل کو چھونے والی وہ تلاوت دماغ کو تروتازہ کر رہی تھی۔ ساری جسمانی تھکن دور ہوگئی تھی۔ میں مست ہو کر جھومتا ہوا غار کے اندر آیا۔ وہ اس بھاری بھرکم چٹان پر بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔ جس کے نیچے تہہ خانہ تھا۔ جہاں میرا روحانی آپریشن ہوا تھا اور میرے جسم سے گولیاں نکالی گئی تھیں۔ میں ایک جگہ رحیل پر رکھے ہوئے قرآن مجید کو اٹھا کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر دھیمی دھیمی آواز میں آخری سپارے کی تلاوت کرنے لگا۔

بابا سائیں نے صرف ایک بار مجھ پر نظر ڈالی تھی' پھر عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔ انہوں نے نہ مجھ سے کچھ پوچھا' نہ میں نے اپنے حالات بیان کئے۔ وہ جانتے تھے کہ میں کن حالات سے گزر کر آیا ہوں؟ عبادت کے دوران وقفہ ہوا تو انہوں نے کہا۔ ''تہہ خانے میں چلو۔''

ہم چٹان سے اتر گئے۔ وہ ایسی وسیع و عریض اور بھاری بھرکم تھی کہ بیس بائیس پہلوان بھی اسے ایک ذرا ہلا نہیں سکتے تھے۔ بابا سائیں نے اسے ایک طرف سرکایا یوں لگا' جیسے وہ کاغذ کی بنی ہو۔ وہ سرکتی چلی گئی۔ نیچے جانے کے لئے خلا پیدا ہوگیا۔ ہم پتھروں کے ایک شکستہ زینے سے اترتے ہوئے تہہ خانے میں آئے تو انہوں نے کہا۔ ''تمہارے لئے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ آئندہ تم کچھ دنوں تک زیر زمین رہو گے۔''

میں نے کہا۔ ''میں آپ کی ہدایات پر عمل کرتا رہوں گا۔ مجھے خزانے تک پہنچنا ہے۔ دشمنوں سے زیادہ طاقتور بننے کے لئے...''

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے بولنے سے روک دیا۔ پھر کہا۔ ''تم زیر زمین رہ کر زبردست بن جاؤ گے۔ جس خزانے تک پہنچنا چاہتے ہو' وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔''

وہ بولتے ہوئے ایک طرف جا رہے تھے۔ میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس تہہ خانے سے گزر کر ایک تنگ راہداری میں سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا جا رہا تھا۔ زمین ناہموار

تھی۔ دائیں بائیں پتھریلی دیواریں تھیں۔ پتہ نہیں وہ مجھے کدھر لے جا رہے تھے؟

وہ کہتے جا رہے تھے۔ ''کھانے کے لئے اناج' پہننے کے لئے کپاس اور دواؤں کے لئے جڑی بوٹیاں یہ سارے خزانے زمین کی کوکھ سے نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی ضرورت کی ہر چیز کو زمین سے باہر نکال دیتا ہے اور جو مال غیر ضروری ہوتا ہے' جسے انسان مٹی میں دبا کر' چھپا کر رکھتا ہے۔ وہ چھپا رہ جاتا ہے۔ ایسا مال چھپانے والے پھر اسے نکال کر استعمال نہیں کر پاتے۔''

وہ ذرا چپ ہوئے پھر بولے۔ ''راجہ ولبھ کے پردادا نے وہ خزانہ چھپا کر رکھا تھا۔ پھر باپ دادا نے اسے استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اس میں اضافہ کرتے رہے۔ راجہ ولبھ نے بھی ایک بار اس تہہ خانے میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ جا کر وہ خزانہ دیکھا تھا۔ پھر کبھی وہاں نہیں گیا۔ اس کے پاس اتنی دولت اور جائیداد ہے کہ اسے وہاں سے ایک بھی ہیرے موتی یا ایک سونے کی اینٹ کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔''

انہوں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ ''جو مال متحرک رہے' وہ انسان کو زندگی دیتا ہے۔ اسے آگے بڑھاتا ہے۔ جو ایک جگہ پڑا رہے' وہ مردہ خزانہ بن جاتا ہے۔ وہاں تک کوئی پہنچ نہیں پاتا۔ برسوں بعد' صدیوں بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے' اسے وہاں پہنچا دیتا ہے۔''

انہوں نے ایک جگہ پہنچ کر وہاں رک کر کہا۔ ''اور تم پہنچ گئے ہو۔ مدفون خزانے کسی کے نہیں ہوتے' جو مقدر سے پہنچ جائے اسی کے ہوتے ہیں۔''

آگے ایک دیوار میں بڑا سا شگاف تھا۔ میں ان کے پیچھے شگاف سے گزر کر دوسری طرف پہنچا۔ آگے ایک اور دیوار تھی۔ انہوں نے کہا۔ ''اس دیوار پر دایاں ہاتھ رکھ کر اسم اعظم پڑھو۔''

میں صبح سے دل ہی دل میں اسم اعظم پڑھتا رہا تھا۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ کا نام ادا کرنے کی مشق کرتا رہا تھا۔ میں نے دیوار کے قریب ہو کر دایاں ہاتھ رکھا۔ تمام توجہ صرف اللہ تعالیٰ پر مرکوز کی۔ چند ساعتوں کے لئے ساری دنیا کو بھلا دیا۔ پھر ایک مجذوب کی زبان سے کہا۔ ''اللہ۔! یا اللہ....! یا اللہ....!''

اسی لمحے میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ پھر اس دیوار کا ایک حصہ ایک جانب کھسکنے لگا۔ اس پار جانے کے لئے جیسے دروازہ کھل گیا۔ میں ان کے پیچھے وہاں آیا۔ وہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ اس چار دیواری میں جدھر نظر جا رہی تھی۔ ادھر ہیرے موتی اور بیش قیمت چمکتے دمکتے جواہرات کا ذخیرہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک گوشے میں دس من سونے کی وہ اینٹیں

رکھی ہوئی تھیں، جن کا ذکر پھول وتی نے کیا تھا۔

بابا سائیں نے کہا۔ ''یہ راجہ ولبھ کے دادا پردادا کا خزانہ ہے۔''

میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ پھول وتی نے اسی خزانے تک پہنچنے کا راستہ بتایا تھا۔ اوپر چھت کے دوسری طرف بھگوان کرشن کی مورتی ہوگی۔ مجھے یاد ہے کہ اسے کس طرح ترتیب وار دائیں بائیں گھمانے سے کرشن مراری کی مرلی سے ایک دھن سنائی دیتی ہے۔ اس دھن کے مطابق پھر مورتی کو گھمایا جائے تو یہاں خزانے تک آنے کا چور راستہ کھل جاتا ہے۔''

''تم نہ تو پوجا کے اس کمرے تک جاؤ گے' نہ دشمنوں کی نظروں میں آؤ گے۔''

''جی ہاں۔ آپ کی عنایت سے یہ زیرزمین راستہ مل گیا ہے۔ راجہ ولبھ کبھی یہاں آئے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ خزانہ خالی ہوتا جارہا ہے۔''

''دادا پردادا کا یہ خزانہ اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ حالات اسے کبھی ادھر آنے کا موقع نہیں دیں گے اور وہ کسی کو یہاں کا راز نہیں بتائے گا۔ اس نے صرف اپنی بیٹیوں کو ہمراز بنایا ہے۔''

میں نے کچھ ہیرے اور کچھ بیش قیمت موتی اٹھائے۔ انہیں ہاتھوں میں لے کر یقین کیا کہ اب وہ سب کچھ میرا ہے اور میں بلاشرکت غیرے اس خزانے کا تنہا مالک ہوں اور کل.... آنے والا کل میرا ہے۔

☆☆☆

دو دن گزر گئے۔ تیسرے دن وعدے کے مطابق بابا سائیں محل میں گئے۔ وہاں بڑی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ دہلی راج دھانی سے انگریز سرکار کی پولیس اور انٹیلی جنس والے آئے تھے۔ راجہ شنکر داس کی گمشدگی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کا باڈی بلڈر بھائی کہہ رہا تھا۔ ''میرا بھائی شنکر گم نہیں ہوا ہے۔ اسے اس محل میں مہمان بنا کر اس کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ اس کی ہتھیا کی گئی ہے۔ میں اس ہتھیارے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

وہاں باڈی بلڈر بھائی ہنومان کا بھگت تھا۔ اس کا نام بجرنگ بلی داس تھا۔ وہ تفتیش کے دوران انٹیلی جنس والوں کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ محل کے ملازموں اور سپاہیوں کو بھاری رقمیں رشوت کے طور پر دے رہا تھا۔

اس طرح یہ معلوم ہو رہا تھا کہ راجکماری پھول وتی نے دو دن اور دو راتوں تک اپنی خوابگاہ کے دروازے کو اندر سے بند رکھا تھا۔

یہ عجیب سی بات بھی معلوم ہوئی کہ پہلے ایک دن اور ایک رات راجکماری نے ڈھیر سارے پھل اور خشک میوے کھائے۔ شام کو پانچ سیر دودھ پیا۔ بکرے کی سالم ران ہضم کرلی۔ اٹھارہ روٹیاں کھائیں۔ پھر دوسری صبح اس کی خوراک معمول کے مطابق ہوگئی۔ اور اسی صبح معلوم ہوا کہ راجہ شنکر داس کہیں گم ہوگیا ہے۔ صرف وہی نہیں' چار سپاہی اور دو گارڈز بھی لاپتہ تھے۔ یہی شبہ کیا جارہا تھا کہ انہیں ہلاک کیا گیا ہے۔

میلوں دور تک انہیں تلاش کیا گیا۔ تب پندرہ میل کے فاصلے پر دو گارڈز اور چار سپاہیوں کی لاشیں ملیں۔ وہاں سے آگے چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد راجہ شنکر کی لاش بھی مل گئی۔ انگریز سرکار کے پولیس افسران اور جاسوس راجہ ولبھ پر دباؤ ڈالنے لگے۔ راجہ شنکر اس کا مہمان تھا۔ اس کی ہلاکت کے متعلق وہی بتا سکتا تھا کہ وہ محل سے تقریباً بیس اکیس میل دور کیوں گیا تھا؟ کیا اسے جبراً وہاں لے کر جا کر ہلاک کیا گیا تھا؟

راجہ کا بھائی بجرنگ بلی داس خم ٹھونک کر کہہ رہا تھا کہ وہ قاتل کو پکڑے گا اور اسے محل میں لاکر ہلاک کرے گا۔ میں غیر معمولی سماعت کے ذریعے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ رامائن کے ہنومان کی طرح غیر معمولی جسمانی قوت رکھتا تھا۔ بیک وقت چار پہلوانوں سے مقابلہ کرتا تھا اور انہیں پچھاڑ دیتا تھا۔ اس کی جسمانی قوت کے بارے میں اور بھی کئی قصے بیان کئے جارہے تھے۔

میں پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ جب بابا سائیں وہاں پہنچے تو ان افسران نے بڑے ادب سے سوال کیا۔ ''کیا آپ نے راجکماری کو دو دنوں تک اپنی بند خوابگاہ میں تنہا رہنے کو کہا تھا؟''

انہوں نے کہا۔ ''ہم سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ ہم نے جو کیا' وہ سب کے سامنے ہے۔ راجکماری کی یادداشت بحال ہوگئی ہے۔ کالے جادو کا اثر ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ ہم یہ کہنے کے لئے آئے ہیں کہ ہمارا عمل بھی ختم ہو چکا ہے۔ خوابگاہ کا دروازہ بھی آج کھل جائے گا۔ اس کے بعد آپ حضرات راجکماری اور اس کے پتا مہاراج کا محاسبہ کرتے رہیں۔''

یہ کہہ کر وہ خوابگاہ میں گئے۔ پھول وتی ان کے قدموں میں جھک گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ پھر کہا۔ ''غازی خیریت سے ہے۔ خزانے تک پہنچ گیا ہے۔ ابھی ایک لمبی جدوجہد جاری رہے گی۔ تم حوصلہ رکھو۔ خدا کو جو منظور ہے' وہی تمہارے اور غازی کے ساتھ ہوگا۔''

انہوں نے خوابگاہ کا دروازہ کھول دیا۔ باہر راجہ ولبھ پولیس افسران اور انٹیلی جنس والوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہاں بجرنگ بلی بھی موجود تھا۔

بابا سائیں نے کہا۔ ”ہم مطمئن ہیں۔ راجکماری ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند ہو چکی ہیں۔ ہمارا کام ہو چکا ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔“

وہ وہاں سے چلے آئے۔ سات افراد کو قتل کیا گیا تھا۔ ان میں شنکر داس انگریز سرکار کا تابعدار رہا تھا۔ اس لئے بہت اہم تھا۔ پھول وتی سے اس کے متعلق سوالات کئے گئے۔ جواب صاف اور سیدھا سا تھا۔ اس نے کہہ دیا۔ ”پہلے تو میری یادداشت گم ہو گئی تھی۔ پھر ذرا بحال ہوئی تو میں دو دنوں تک اپنے کمرے میں ایک قیدی کی طرح بند رہی۔ اپنی چوکھٹ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ محل میں کیا ہوتا رہا‘ میں نہیں جانتی۔“

پھر سوال کیا گیا۔ ”آپ نے پہلوانوں جیسی خوراک کیسے کھائی اور کیسے ہضم کی؟“

اس نے جواب دیا۔ ”پہلے دن بابا سائیں کا عمل بہت شدید تھا۔ میں ایک دیو کی طرح کھاتی پیتی اور اچھلتی کودتی رہی۔ پھر دوسرے دن نارمل ہو گئی۔“

یہ شبہ تھا کہ اس کمرے میں راجکماری کے ساتھ کوئی خوش خوراک بندہ چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے اس وسیع و عریض خوابگاہ کے ایک ایک حصے کی تلاشی لی۔ انہیں وہاں کسی کی موجودگی کا سراغ نہیں ملا۔

بجرنگ بلی نے کہا۔ ”راجکماری جی! میرا بھائی آپ کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ مگر آپ نے محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا‘ بلکہ اسے طمانچہ مارا۔ ہم راج گھرانے کے لوگ ہیں۔ ہمیں یہ توہین برداشت نہیں ہو رہی ہے۔“

ایک افسر نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے‘ اسی طمانچے کی وجہ سے بات بڑھ گئی ہو۔ راجہ شنکر نے غصے میں آ کر جوابی کارروائی کرنے کی کوشش کی ہو گی‘ جس کے نتیجے میں آپ کے پتا مہاراج نے ان کی ہتھیا کرا دی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ کہہ چکی ہوں کہ راجہ شنکر نے مجھ پر کالا جادو کرایا تھا۔ میں اپنے آپ کو اور ساری دنیا کو بھول گئی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ اس راجہ کو کب طمانچہ مارا تھا؟“

راجہ ولبھ نے کہا۔ ”راجہ شنکر داس ہمارا معزز مہمان تھا۔ ہم اسے داماد بنانا چاہتے تھے۔ پھر خواہ مخواہ اس کی ہتھیا کیوں کرائیں گے؟ آپ لوگ اپنے طور پر شبہ کر کے تفتیش کریں۔ آخر یہی سچ معلوم ہو گا کہ شنکر کی ہلاکت کے سلسلے میں ہم باپ بیٹی بے قصور ہیں۔“

اس کے خلاف کوئی ثبوت کوئی گواہ نہیں تھا۔ پھر یہ کہ وہ راجہ تھا اور وہ راجکماری

تھی۔ ان کے اوپر کمزور مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا تھا اور بجرنگ بلی داس مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔ اس نے محل سے دور ایک ریسٹ ہاؤس میں رہائش اختیار کر لی۔ انٹیلی جنس والوں کو بھی اچھی خاصی رقم دی۔ انہوں نے بھی وہاں اڈہ جما لیا۔ بڑے تحمل سے یہ معلوم کرنے لگے کہ راجہ شنکر کی زندگی میں اس محل کے اندر کیا ہوتا رہا تھا؟

انہیں بعد میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ فی الوقت میری حیثیت بھی ایک مفرور مجرم کی تھی۔ راجہ ولبھ‘ راجہ شنکر داس اور راجہ مہاویر چوہان نے مجھ پر قتل اور ڈکیتی کی الزامات عائد کئے تھے۔ عدالت کی طرف سے حکم جاری کرایا تھا کہ اگر میں اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے گرفتاری نہیں دوں گا یا عدالت میں حاضری نہیں دوں گا تو مجھے مفرور مجرم قرار دے دیا جائے گا۔

مجھے عدالت میں حاضر ہونے کے لئے سات دن کی مہلت دی تھی۔ اس سے پہلے وہ تینوں راجہ مجھے مفرور مجرم بنا کر میرے پوسٹر چھپوا کر بدنام کر رہے تھے۔ میں نے چھ دنوں کے اندر خزانہ حاصل کرتے ہی راج دھانی کے بڑے بڑے نامی گرامی وکیلوں کو خرید لیا۔ راجاؤں کے دو وکیل بھی میرے ہاتھوں بک گئے۔

دولت سے ہتھیار خریدے جاتے ہیں۔ ایک مضبوط فوج بنائی جاتی ہے۔ دولت سے قانون کے محافظوں اور منصفوں کو بھی خریدا جاتا ہے اور میں نے یہی کیا۔ قبل از گرفتاری ضمانت حاصل کی۔ ایک ہفتے بعد عدالت میں پیشی ہوئی‘ تب تک میں پانی کی طرح روپیہ بہاتا رہا۔ پہلی سماعت میں ہی عدالت نے میرے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ میرے خلاف کوئی ثبوت‘ کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔ وہ مقدمہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

پھر میں بلند پروازی کے لئے آزادی سے پر پھیلانے لگا اور پرواز کرنے لگا۔ میں نے ایسی زمینیں خریدیں‘ جہاں فصلیں لہلہاتی تھیں۔ جہاں چھوٹی بڑی صنعتیں قائم کی جا سکتی تھیں۔ میں نے لوگوں کو روزگار کے ذرائع فراہم کئے تو ایماندار کسان اور مزدور وہاں آ کر آباد ہونے لگے۔

میں راجکماری سے دور تھا مگر اس کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ میں نے راجہ ولبھ کے راجواڑے کے قریب ہی زمینیں خریدیں تھیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی ایک بہت بڑا جاگیردار کہلانے لگا تھا۔ یوں زیادہ دور نہ ہونے کے باعث غیر معمولی سماعت کے ذریعے اس کی آواز سنتا رہتا تھا۔

وہ دن کے اور رات کے بارہ بجے مجھے مخاطب کر کے بولتی تھی۔ اپنے حالات بیان

کرتی تھی۔ بڑے پیار سے جدائی کے گیت سناتی تھی اور میں سنتا رہتا تھا۔ ساجدہ اور بچے میرے ساتھ رہنے لگے تھے۔ وہ ایک انتہائی سیدھی سادی شریک حیات تھی۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میری دوسری شریک حیات بھی ہے اور ہمیں اسی کے طفیل یہ دھن دولت اور قانونی تحفظ حاصل ہو رہا ہے۔

جب بھی مجھے مال و دولت کی ضرورت پیش آتی تھی ۔ میں بابا سائیں کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا۔ تمام رات ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا' پھر صبح خزانے سے کچھ ہیرے جواہرات لے کر آ جاتا تھا۔

ایک روز وہاں گیا تو وہ موجود نہیں تھے۔ میں عبادت کرنے لگا۔ مجھے ان کا انتظار تھا۔ پوری رات گزر گئی۔ وہ نہیں آئے۔ رات کے تیسرے پہر میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا' وہ کہیں عبادت میں مصروف تھے۔ ان کے اطراف سفید نورانی سی دھند چھائی ہوئی تھی اور بھی کئی عبادت گزار وہاں سائے کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ خوبصورت نازک اندام حوریں شراب طہورہ کی صراحیاں شانوں پر رکھے ان کے درمیان سے گزر رہی تھیں اور مشروب سے بھرے ہوئے جام انہیں پیش کر رہی تھیں۔

مجھے بابا سائیں کی آواز سنائی۔ ''انا للہ وانا علیہ راجعون..... ہر ذی روح کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے.....''

بس میں نے اتنا ہی سنا پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میں فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خلا میں تکتے ہوئے سوچنے لگا۔ پھر بات سمجھ میں آ گئی۔ خواب کے ذریعے آگہی ملی تھی کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

میں تھوڑی دیر تک سر جھکائے انہیں یاد کرتا رہا۔ ان کی ہدایات یاد آئیں کہ دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھنے کے لئے مجھے اپنے ایمان کو مستحکم کرنا ہوگا۔ اپنی کمزوریاں دور کرنے اور دن رات اسم اعظم پڑھنے کی مشق جاری رکھنی ہوگی۔

میں نے فجر کی نماز ادا کی۔ پھر اس چٹان سے اتر اس کے سرے پر دونوں ہاتھ رکھے۔ آنکھیں بند کر کے اپنی تمام توجہ اللہ تعالیٰ پر مرکوز کی پھر دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھا۔ ''اللہ.....! یا اللہ.....! یا اللہ.....!''

میں نے زور لگایا۔ وہ وسیع و عریض بھاری بھرکم چٹان ایک ذرا سرک گئی۔ نیچے جانے کا راستہ کھل گیا۔ میں نے بابا سائیں کی غیر موجودگی میں پہلی بار اس چٹان کو سرکایا تھا۔ میرے اندر مطلوبہ ایمانی قوت کسی حد تک پیدا ہو رہی تھی۔ اس قوت کو مزید بڑھانے اور

قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا رہتا اور کلام مجید کی تلاوت کرتا رہتا۔

میں تہہ خانے کی سرنگ سے گزرتا ہوا ایک دیوار کے شگاف سے گزر کر دوسری دیوار کے سامنے آیا۔ اس کے پیچھے وہ خزانے سے بھرا ہوا کمرہ تھا۔ میں نے اس دیوار پر دایاں ہاتھ رکھ کر پھر اپنے رب کی یاد میں غرق ہو کر اسم اعظم پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ مجھ سے راضی تھا۔ اس دیوار کا ایک حصہ ایک دروازے کی طرح کھل گیا۔

میں اپنی ضرورت سے زیادہ خزانہ سمیٹ کر لے آیا۔ بابا سائیں کی عدم موجودگی سے یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آئندہ میرے برے وقت میں کوئی میرے کام آنے والا نہیں ہے اور جس راستے سے خزانے تک پہنچتا ہوں' کوئی دوسرا اسم اعظم پڑھے بغیر وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔

سوال پیدا ہوا۔ ''کیا میرے بچے کبھی یہاں تک پہنچ پائیں گے؟''

بابا سائیں نے کہا تھا کہ یہ سارا خزانہ تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے ہے۔ مگر یہاں سے اُتنا ہی لے جاؤ' جتنا ضروری ہو۔ خدا کا شکر ہے' میری ضرورتیں پوری ہو رہی تھیں۔ اس کے باوجود خزانہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کمرہ پہلے کی طرح ہیرے جواہرات اور سونے کی اینٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

میں گھر آ کر سوچنے لگا۔ ''وہ خزانہ بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ میں اب تک ایک ہزار سونے کی اینٹیں اور بوریاں بھر کر ہیرے موتی اور بیشمار قیمتی پتھر لے آیا ہوں۔ مگر اس تہہ خانے میں خزانہ ویسا کا ویسا ہی ہے۔ بلکہ سونے کی اینٹیں پہلے سے زیادہ لگ رہی ہیں۔ میرے بعد میرے بچوں کو اس خزانے تک پہنچنا چاہئے۔''

لیکن وہ کیسے پہنچیں گے؟ میں نے ساجدہ کو بتایا کہ کس طرح اس خزانے تک پہنچتا ہوں۔ پھر اس سے کہا۔ ''اس غار کو یاد رکھو۔ ان تمام راستوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ جب اولاد جوان ہوگی تو تم انہیں یہ راز بتاؤ گی۔''

اس نے کہا۔ ''میں یاد رکھوں گی۔ لیکن مکمل ایمان سے اور دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیا ہمارے بچے مکمل ایمانی قوت سے پڑھ پائیں گے؟''

''شائد پڑھ پائیں گے۔ یقین سے کہا نہیں جاسکتا۔ ویسے خزانے تک پہنچنے کا ایک اور راستہ بھی ہے۔''

میں نے ساجدہ کو وہ راستہ بتایا' جو پھول وتی نے مجھے بتایا تھا۔ اس نے کہا۔ ''مجھے شکار گاہ تک جانے کا راستہ یاد رہے گا۔ اس کے بعد کمرے میں کرشن مراری کی مورتی کو کتنی بار دائیں بائیں گھمانا ہے اور مرلی کی دھن کے کس حصے پر مورتی کو کس طرح گھماتے رہنا ہے' یہ ساری باتیں میں ابھی لکھ لیتی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''یہ راز سینہ بہ سینہ رہے تو اچھا ہے۔ ورنہ تمہاری تحریر کسی کے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ یہ بھید کسی کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہئے۔ میں ایک ایک راستہ' ایک ایک طریقہ یاد کرا رہا ہوں۔ تم اسے سبق کی طرح دل و دماغ میں نقش کر لو۔''

میں اپنی زندگی کا یہ اہم سبق اسے رٹانے لگا۔ وہ دن رات رٹنے لگی۔ اس خزانے تک پہنچنے کی ایک ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرنے لگی۔ یہ میں نے اچھا ہی کیا کہ یہ راز ساجدہ کے ذہن میں محفوظ کر دیا۔ ہم نہیں جانتے کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟ اس کے باوجود حفاظتی تدابیر کرتے رہتے ہیں۔

آئندہ خلاف توقع واقعات اور حالات پیش آنے والے تھے۔ راجہ ولبھ' راجہ مہاویر' اور بجرنگ بلی داس یہ دیکھ کر حیران تھے اور پریشان ہو رہے تھے کہ میں اچانک کیسے دو ماہ کے اندر ایک بہت بڑا جاگیردار بن گیا ہوں؟ یہ کھوج لگائی جا رہی تھی کہ میں نے قارون کا خزانہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟

انہوں نے ایک پٹواری کے ذریعے معلوم کیا تھا کہ میں سو مربع میل تک زمینوں کا مالک بن گیا ہوں۔ میرے تعلیم یافتہ ملازمین میری دولت سے چھوٹی چھوٹی صنعتیں قائم کر کے بے روزگاروں کو روزگار فراہم کر رہے ہیں اور لوگ خاصی تعداد میں اپنے کنبے کے ساتھ آ کر وہاں آباد ہو رہے ہیں۔

وہ تمام لوگ میرے احسان مند اور تابعدار تھے۔ میرے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے۔ میں نے انگریز سرکار سے اجازت حاصل کر کے اپنے علاقے میں تھانہ کچہری قائم کی تھی۔ یوں رفتہ رفتہ انگریز آقا کا اعتماد حاصل کر کے جلد ہی سلطان یعنی راجہ کہلانے والا تھا۔

تمام دشمن میرے خلاف انکوائری کر رہے تھے۔ وہ مجھے کہیں سے مال و دولت لوٹنے والا خطرناک ڈاکو ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اور میں یہ ثابت کر رہا تھا کہ ساجدہ کے باپ دادا نے اور میرے بزرگوں نے جو دولت چھپا کر رکھی تھی' وہ اب ہمارے کام آ رہی ہے۔ میں نے اس دولت سے انگریز سرکار کو بھی ایک بڑا حصہ دیا تھا۔ ہم سب انگلینڈ کے بادشاہ جارج پنجم کی رعایا کہلاتے تھے اور میں ہندوستان میں انگریز وائسرائے کو سرکاری مطالبات کے

مطابق رقمیں ادا کرنے لگا تھا۔

اس طرح ہر پہلو سے خود کو مستحکم کرتا ہوا دشمنوں کو مات دے رہا تھا۔ ہماری دنیا میں دولت ایسی طاقت رکھتی ہے کہ راتوں رات فقیر کو بادشاہ بنا دیتی ہے اور بادشاہوں کو فقیر سے کم تر کر دیتی ہے۔ ایسا میرے اور میرے دشمنوں کے ساتھ ہو رہا تھا۔ سیاسی شطرنج کی بازی پلٹ گئی تھی۔ میں سب ہی کو شہہ مات دینے لگا تھا۔

کامیابیوں کے دوران کبھی ناکامی کا منہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ اچانک ہی میری اور پھول وتی کی ازدواجی زندگی میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ میں نے ایک رات بارہ بجے اس کی باتیں سننے کے لئے اپنی توجہ مرکوز کی۔ وہ اپنی خوابگاہ میں ایزی چیئر پر بیٹھی بول رہی تھی۔

''غازی! میرے غازی! کیا میری آواز سن رہے ہو؟ میں تو ہر رات اسی طرح بولتی رہتی ہوں۔ یقین کرتی ہوں کہ تم جہاں بھی ہو' میرے ہو۔ تمہارا دھیان میری طرف ہے اور میری باتیں سن کر میرے حالات سے واقف ہوتے رہتے ہو۔''

وہ خلا میں تکتے ہوئے بولی۔ ''سن رہے ہو ناں؟ میں آج شام سے پریشان ہوں۔ بڑی بے چینی سے آدھی رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ تمہیں ایسی بات بتا رہی ہوں' جس کے متعلق ہمیں پہلے سوچنا سمجھنا چاہئے تھا۔ مگر ہم نے اس پہلو سے سوچا ہی نہیں تھا.... میرے غازی! میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔''

میں آرام سے تھا۔ فوراً ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ میرے دماغ نے چیخ کر کہا کہ یہ تو بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہم نے آدھا دن اور آدھی رات تک وصال کے لمحات گزارے تھے۔ یہ راز کوئی نہیں جانتا تھا۔ مگر اب ساری دنیا جاننے والی تھی۔ کیونکہ ایک کنواری راجکماری ماں بننے والی تھی۔ نہ پیٹ چھپنے والا تھا' نہ اولاد چھپنے والی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں بہت خوش ہوں' تمہارا پیار میری کوکھ میں سما گیا ہے۔ میں اسے جنم دینا چاہتی ہوں۔ اسے سینے سے لگا کر دودھ پلانا چاہتی ہوں۔ مگر یہ کیسے ہو گا؟''

میرے پیار میں پاگل ہونے والی جو چاہتی تھی۔ وہ ہونے والا نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''میں جتنی خوش ہوں اتنی ہی پریشان بھی ہوں۔ پتا مہاراج اور دنیا والوں سے کیا کہوں گی؟ وہ تو یہی کہیں گے کہ میں کنواری ہوں۔ میں نے کسی کے ساتھ وقت نہیں گزارا پھر ماں کیسے بن رہی ہوں؟''

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ ''کسی بھی تدبیر سے یہ بات چھپنے والی نہیں ہے۔ میں تمہیں خوشخبری سنانے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے بعد پتا مہاراج کو بتانا ہی ہو گا کہ دو ماہ پہلے

سہاگن بنی تھی۔اب ماں بننے والی ہوں۔"

ہاں۔اور تو کوئی چارہ نہیں تھا۔وہ میری بات سن نہیں سکتی تھی۔مگر میں بے اختیار زیر لب کہہ رہا تھا۔"میری جان! تم کیسی مسرتوں بھری مصیبت میں پھنس گئی ہو؟ مہاراج سے کیسے بولو گی؟ تم پر ایک راجہ باپ قہر و غضب نازل ہوگا۔ پتہ نہیں' تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا؟ میں یہاں آرام سے بیٹھا نہیں رہوں گا۔ ابھی یہاں سے چلتا ہوں۔دریائی راستے سے کل صبح تک تمہارے راجواڑے بھیم پارہ پہنچ جاؤں گا۔"

ساجدہ ہماری چھ ماہ کی بیٹی رابعہ کو سلانے کے لئے تھپک رہی تھی۔اسے لوری سنا رہی تھی۔میں نے کہا۔"رابعہ کو سلاؤ اور تم بھی سو جاؤ۔میں جا رہا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔"اتنی رات کو کہاں جا رہے ہیں؟"

"پھول وتی کے پاس...."

"کیا.....؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔"آپ دشمن کے راجواڑے میں جائیں گے؟"

"فکر نہ کرو۔مجھے کچھ نہیں ہوگا۔پہلے میں ایک معمولی شخص تھا۔آج راجہ ولبھ سے زیادہ زمینوں کا مالک ہوں۔اس کی طرح تاج برطانیہ کا وفادار ہوں۔وائسرائے ہند کے احکامات کے مطابق تمام راجہ مہاراجہ' سلطان اور نواب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔وہ میرا راجہ سسر مجھے دیکھ کر منہ پھیرنے کی اور انگریز سرکار کو ناراض کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔"

ساجدہ نے بحث نہیں کی۔میں نے تیس جاں نثاروں کو ساتھ لیا۔ہم سب گھوڑے دوڑاتے ہوئے راج گھاٹ پہنچ گئے۔وہاں سے کئی کشتیاں بھیم پارہ تک جاتی تھیں۔رات کے تین بجے ساحل پر سناٹا ہونا چاہئے تھا۔لیکن وہاں مشعلیں روشن تھیں۔ہم سے پہلے مقتول راجہ شنکر داس کا بھائی بجرنگ بلی داس بیس گھڑسواروں کے ساتھ وہاں پہنچا ہوا تھا۔

ہم دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔اس نے گھاٹ کے ملاحوں سے پوچھا۔"یہ اتنے سواروں کے ساتھ آنے والا کون ہے؟"

وہاں کے تمام ملاح مجھے مہاویر چوہان کے باڈی گارڈ کی حیثیت سے جانتے تھے۔انہیں میری موجودہ حیثیت معلوم نہیں تھی۔بجرنگ بلی نے ان کی باتیں سن کر مجھے حقارت سے دیکھا' پھر کہا۔"اچھا تو تم وہی غازی صلاح الدین ہو' جسے راجہ مہاویر چوہان نے اپنے محل سے اور جاگیر سے نکال دیا تھا؟ میں راجہ ولبھ کے محل میں تمہارا بہت چرچا سن رہا ہوں۔"

میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے جاں نثاروں سے کہا۔"کشتیوں

پر جاؤ۔ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔"

وہ کشتیوں کی طرف جانا چاہتے تھے۔بجرنگ بلی کے سپاہی راستہ روک کر کھڑے ہوگئے۔اس نے مجھ سے کہا۔"یہ تمام کشتیاں میں کرائے پر لے چکا ہوں۔چاہوں تو تمہارا ایک بھی آدمی اس گھاٹ سے آگے نہیں جا سکے گا۔"

میں نے تیور بدل کر اسے دیکھا۔وہ مسکرا کر بولا۔"مگر میں جھگڑا نہیں کروں گا۔یہ ملاح نہیں جانتے مگر میں جانتا ہوں' تمہیں تاج برطانیہ کی چھتر چھایا مل رہی ہے۔میں تمہارا راستہ روکنے کی حماقت نہیں کروں گا۔میں بھیم پارہ جا رہا ہوں۔شائد تم بھی وہیں جا رہے ہو؟"

میں نے کہا۔"ہاں۔ہماری منزل ایک ہے۔ہم وہاں تک اچھے ہمسفر بن سکتے ہیں۔"

"اچھے ہمسفر بھی اور دوست بھی۔میری ایک بات مانو۔تم اپنے علاقے کے سلطان بن رہے ہو۔میں بھی ایک راجہ ہوں۔ابھی یہ نہ پوچھنا کہ کہاں کا راجہ ہوں؟ کشتی میں سوار ہونے کے بعد بتاؤں گا اور ہم اپنے اونچے مرتبے کے مطابق ایک کشتی میں سفر کریں گے۔ہمارے تمہارے سپاہیوں کو دوسری کشتیوں میں آنے دو۔"

مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کہاں کا راجہ ہے؟ میں اپنی پھول وتی کے قریب پہنچنے کے لئے بے چین تھا۔یہ اچھی بات تھی کہ وہ جھگڑا نہیں بڑھا رہا تھا۔میرے اور اس کے وفادار چھ کشتیوں پر سوار ہوگئے۔میں اس کے ساتھ ایک علیحدہ کشتی میں آ گیا۔

وہاں اس کے تین گارڈز تھے۔میرے ماتحتوں نے کہا۔"ان مہاراجہ صاحب کے تین باڈی گارڈز ہیں۔ہم بھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔"

میں نے کہا۔"تم میری فکر نہ کرو۔میں اکیلا پیدا ہوا تھا۔اکیلا ہی بھیم پارہ تک پہنچوں گا۔ایک راجہ یا ایک سلطان کی شان و شوکت دکھانے کے لئے تم لوگوں کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔تم سب آگے چلو۔میں آ رہا ہوں۔"

وہ دوسری کشتیوں میں چلے گئے۔ہمارا دریائی سفر شروع ہوگیا۔تمام کشتیاں جا رہی تھیں۔ہماری کشتی سب سے پیچھے تھی۔بجرنگ بلی داس نے ملاحوں سے کہا۔"آرام سے چلاؤ۔ہمیں وہاں پہنچنے کی جلدی نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔"مجھے جلدی ہے۔"

کشتی کے درمیانی حصے میں آمنے سامنے بیٹھنے کے لئے لکڑی کے اونچے تختے بچھے ہوئے تھے۔ہم دونوں ایک دوسرے سے ایک گز کے فاصلے پر روبرو بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے پوچھا۔"تمہیں وہاں پہنچنے کی جلدی کیوں ہے؟"

میں نے پوچھا۔ ”پہلے یہ بتاؤ‘ تم کہاں کے راجہ ہو؟“

”میں راجہ ہوں۔ مجھ سے سوال نہ کرو۔“

میں نے کہا۔ ”میں بھی اپنی جاگیر کا سلطان معظم ہوں۔ میرے سوال کا جواب دو۔“

اس نے گھور کر مجھے دیکھا پھر ہنستے ہوئے کہا۔ ”میں نے سنا ہے‘ بہت ضدی اور بڑے شکتی والے ہو۔ کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ میرے بارے میں بھی لوگ یہی کہتے ہیں۔ میں بپھرے ہوئے سانڈ سے ٹکرا جاتا ہوں۔ اسے دھوبی پاٹ مار کر زمین پر گرا دیتا ہوں۔“

وہ سینہ تان کر بولا۔ ”میں ہنومان کا بھگت ہوں۔ میرے اندر بجرنگ بلی ہنومان کی شکتی ہے۔ ہنومان نے راون کی لنکا جلا ڈالی تھی۔ میں جسے چاہتا ہوں‘ اسے پلک جھپکتے ہی مٹی میں ملا دیتا ہوں۔“

وہ ذرا چپ ہوکر دیکھنے لگا کہ میں کس حد تک مرعوب ہو چکا ہوں۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ”میرا سوال اپنی جگہ ہے۔ جواب دو‘ کہاں کے راجہ ہو؟“

اسے مایوسی ہو رہی تھی۔ میں اس سے مرعوب ہونا تو کیا‘ متاثر بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”بھئی ماننا پڑتا ہے کہ تم ضدی ہو۔ اگر میں جواب نہ دوں تو....؟“

”تم نے کہا تھا کہ راجہ ہو۔ اس لئے تمہارا ہمسفر ہوں۔ اگر ہم مرتبہ نہ ہوئے تو پانی میں جاؤ گے۔“

وہ قہقہہ لگاتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں قریب ہی ملاحوں کے سامان میں لوہے کی ایک راڈ پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر اس کے دونوں سروں کو ایک ایک مٹھی میں جکڑ کر کہا۔ ”میں بھی تمہیں پانی میں پھینک سکتا ہوں۔ مگر ابھی تم سے بہت کچھ اگلوانا ہے۔ اس سے پہلے یہ دیکھ لو کہ میں ڈینگیں نہیں مارتا۔ میرے شریر میں سچ مچ بجرنگ بلی ہنومان کی شکتی ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا۔ لوہے کی اس راڈ کو دونوں ہاتھوں سے موڑتا چلا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ راڈ نصف دائرے کی شکل میں مڑ گئی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”کیوں گھبرا گئے؟“

میں نے لوہے کی راڈ اس سے چھین کر اس کے دونوں سروں کو جکڑ لیا۔ پھر کہا۔ ”ہنومان جی! میرے اندر حضرت علی کی شکتی ہے۔ وہ بگاڑتے نہیں ہیں۔ بگڑنے والوں کو سیدھا کر دیتے ہیں۔“

پھر میں نے دیکھتے ہی دیکھتے اس راڈ کو سیدھا کر دیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بھی اس راڈ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ راڈ چار ہاتھوں کی گرفت میں

تھی۔ اس نے چھیننے کے لئے جھٹکا دیا۔ میری گرفت مضبوط تھی۔

وہ بولا۔ ”راجہ مہاویر چوہان نے بتایا تھا کہ تم روز صبح پندرہ سیر دودھ پیتے ہو۔ بکرے کی پوری رانیں چبا کر ہڈیاں تھوک دیتے ہو۔ پھل اور خشک میوے چباتے رہتے ہو۔ راجکماری پھول وتی کے بیڈروم میں کسی نے اتنی ہی خوراک ہضم کی تھی اور وہ کوئی اور نہیں تھا‘ تم ہی تھے۔“

میں نے راڈ کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ ابھی میرے ہمسفر ہو تو میرے ہمراز بھی بنو اور اس راز کے ساتھ پانی میں چلے جاؤ۔ میں ہی پھول وتی کے بیڈروم میں تھا اور آج بھی وہیں جا رہا ہوں۔“

وہ راڈ کو تھامے ہوئے مجھے پیچھے دھکیلنا چاہتا تھا۔ میں بھی یہی کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں چٹان کی طرح جمے ہوئے تھے۔ کوئی پیچھے نہیں جا رہا تھا۔

اس نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنے رقیب کو میرے بھائی شنکر داس کو اس محل میں برداشت نہیں کیا۔ اسے محل سے دور لے جا کر اس کی ہتھیا کر دی؟“

میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں سپاہیوں نے اپنی اپنی گنیں سیدھی کر لی تھیں۔ مجھے نشانے پر رکھنا چاہتے تھے۔ مگر بجرنگ بلی میرے سامنے تھا۔ اسے گولی لگ سکتی تھی۔ وہ بڑے دھیان سے موقع کا انتظار کر رہے تھے اور میں موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔

وہ مجھے پیچھے رگیدنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ میں نے اچانک ہی ڈھیل دی ذرا جھک گیا۔ وہ زور لگانے کی دھن میں آگے کی طرف جھکتا ہوا مجھ پر آیا۔ میں نے اسے جکڑ کر اپنے شانے پر لاد کر پانی میں چھلانگ لگا دی۔

ایسے وقت میں نے تڑتڑا تڑ فائرنگ کی آوازیں سنیں۔ وہ مجھ پر گولیاں برساتے تو بجرنگ بلی داس بھی زخمی ہو سکتا تھا۔ مر سکتا تھا۔ انہوں نے مجھے دھمکی دینے کے لئے ہوائی فائر کئے تھے۔ ہم تو دیکھتے ہی دیکھتے پانی میں چلے گئے تھے۔

ڈوبنے والے ہاتھ پاؤں نہ ماریں تو گہرائی میں ڈوبتے ہی چلے جاتے ہیں۔ بجرنگ بلی ابھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اوپر کی جانب جانے لگا۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں کھینچ لیں۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا۔ پانی کے اندر لات اور گھونسے نہیں چلتے۔ جوڈو کراٹے کام نہیں آتے۔ وہاں ایک دوسرے کو ذرا دھکا دے کر جان چھڑا کر سطح پر آنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مجھے پانی سے ابھرنے کی جلدی نہیں تھی۔ میں تقریباً چھ منٹ تک سانس روک سکتا

تھا۔اسے جلدی تھی۔وہ اوپر کشتی تک پہنچنا چاہتا تھا۔جبکہ ہم کشتی سے دور ہو گئے تھے۔

میرے چند وفاداروں نے مجھے بجرنگ بلی کے ساتھ پانی میں گرتے دیکھا تھا۔فائرنگ کی آواز نے سمجھا دیا کہ مجھ سے دشمنی کی جارہی ہے۔پھر وہ سب کے سب بجرنگ کے سپاہیوں سے لڑ پڑے۔آسمان پر چاند کی ہیڈ لائٹ روشن تھی۔اسی روشنی میں فائرنگ ہونے لگی۔چیخ و پکار آہوں اور کراہوں کے ساتھ کچھ مرنے لگے' کچھ پانی میں گرنے لگے۔

بجرنگ میرے ہاتھوں سے نکل کر دور چلا گیا تھا۔تاریکی میں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔میں بھی ہاتھ پاؤں مارتا ہوا پانی کی سطح پر آیا۔میں نے دیکھا' کشتی مجھ سے دور ہو گئی تھی۔بجرنگ بلی اس پر سوار ہو رہا تھا۔اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا کہ مجھے گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے۔

وہ میری طرف گولیاں برسانے لگے۔میں شوٹنگ رینج سے دور تھا۔پھر پانی میں ڈوبتا ابھرتا اور تیرتا ہوا دور نکل گیا۔میرے جاں نثار چھ کشتیاں لے کر میری طرف آرہے تھے۔بجرنگ بلی کے سپاہی یا تو مارے گئے تھے یا تیرتے ہوئے فرار ہو گئے تھے۔

میں نے راجہ شیو شنکر داس کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی جگہ ایک ہنومان شکتی والا آیا ہے۔اس رات اچانک ہی اس سے ٹکراؤ ہوا تھا۔اسے پورا یقین تھا کہ اپنے بھائی کا انتقام لے گا۔مجھے آسانی سے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔مگر ناکام ہو کر دور چلا گیا تھا۔پھر پلٹ کر آسکتا تھا۔اگر دریائی راستے میں رکاوٹ نہ بنتا تو بھیم پارہ پہنچ کر راجہ ولبھ کے محل میں مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔

میں نے اپنے جاں نثاروں سے کہا۔''ہم صبح دس بجے تک بھیم پارہ پہنچیں گے۔بجرنگ بلی اپنے سپاہیوں کے ساتھ وہاں ضرور آئے گا۔تم محتاط رہو گے۔نہ کسی کا لایا ہوا کھاؤ گے' نہ کسی کا پیش کیا ہوا کوئی مشروب پیؤ گے۔راجہ ولبھ بھی دشمن ہی ہے۔ہم اس کی دعوت بھی قبول نہیں کریں گے۔''

صبح ہونے والی تھی۔نماز کا وقت ہو گیا تھا۔میں نے کشتی کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا پھر نماز پڑھی۔دعا مانگنے کے بعد بابا سائیں کو یاد کیا۔انہیں تصور میں دیکھا' وہ مسکرا رہے تھے۔میرے دل کو اطمینان ہوا۔میں ان کی ہدایت کے مطابق نمازیں ادا کر رہا تھا۔پھر میں نے ان آیات کی تلاوت کی' جو میرے دل و دماغ میں محفوظ تھیں۔اس کے بعد اسم اعظم کو ڈوب کر پڑھنے کی مشق کرنے لگا۔

صبح ہو چکی تھی۔دن کا اجالا پھیل گیا تھا۔ہماری کشتیاں دریا کی لہروں پر رواں دواں

تھیں۔دشمن پلٹ کر نہیں آئے تھے۔پھول وتی نے کہا تھا کہ وہ صبح پتا مہاراج کے پاس جائے گی۔حالات نے مجبور کر دیا تھا۔یہ بھید کھولنا لازمی ہو گیا تھا کہ وہ میری منکوحہ ہے اور میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔

میں نے اس کی آواز سننے کے لئے تصور میں دیکھا۔وہ خاموش تھی۔اس کی نارمل سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔سانسوں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ کوئی سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے؟وہ جاگ رہی تھی۔متحرک تھی۔کسی کام میں مصروف تھی۔تھوڑی دیر بعد میں نے راجہ ولبھ کی آواز سنی۔وہ کہہ رہا تھا''ارے ہماری بیٹی آئی ہے۔اتنے سویرے؟خیریت تو ہے؟آؤ بیٹھو...''

میں نے اسے خیالی آنکھوں سے بیٹھتے ہوئے دیکھا۔وہ پریشان تھی۔باپ نے اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیا۔پھر کہا۔''تم ساڑھی کا پلو مروڑ رہی ہو۔الجھ رہی ہو۔کیا بات ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔''بات ایسی ہے کہ میں کچھ بول نہیں پا رہی ہوں۔''

''میری لاڈلی بیٹی اپنے پتا سے نہیں بول پا رہی ہے۔ایسی کیا بات ہے؟''

''ایسی ہی بات ہے۔جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔مجھے اس پر فخر ہے۔میں بہت خوش ہوں۔مگر آپ کو صدمہ پہنچے گا اور غصہ بھی آئے گا۔''

اس نے بیٹی کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔''ایسی کیا بات ہے؟''

وہ بڑے حوصلے سے بولی۔''کہنا تو پڑے گا۔میں نے کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔غازی سے نکاح پڑھایا ہے۔میں اس کی شریک حیات یعنی اس کی دھرم پتنی ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟مذاق کر رہی ہو؟اس سے کب شادی کی؟تم تو اپنی دیدی کلاوتی کے دیہانت کے بعد اس محل سے باہر کبھی نہیں گئیں۔''

''میں باہر نہیں گئی۔وہ اندر آیا تھا۔میرے ساتھ بند کمرے میں تھا۔اس روز پہلوانوں جیسی خوراک اسی نے کھائی تھی۔''

راجہ ولبھ کے دیدے حیرت سے پھیل گئے۔وہ بیٹی کی زبان سے سچ سن رہا تھا مگر اسے جھوٹ لگ رہا تھا۔وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا''وہ یہاں کیسے آیا تھا؟ہم سب کو اور سیکورٹی گارڈز کو نظر کیوں نہیں آیا؟''

اس نے بات بنائی۔''میں نے اسے سرنگ والا چور راستہ بتایا تھا۔وہ اس راستے سے ہی آیا تھا۔اس نے مجھے کلمہ پڑھایا ہے۔میں مسلمان ہو چکی ہوں۔''

وہ غصے سے گرجتا ہوا آیا۔''بکواس مت کرو۔تم نے دھرم بدلنے کی بات کی تو میں

تمہاری جان لے لوں گا۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے میری پھول وتی کا گلا دبوچ لیا۔ میں اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ خود کو تسلیاں دینے لگا۔ "نہیں.... باپ ہے۔ اپنی اکلوتی بیٹی کی ہتھیا نہیں کرے گا۔"

وہ گھڑ سوار تھی۔ اسے رائفل شوٹنگ میں مہارت حاصل تھی۔ اس نے لندن میں رہ کر مردوں جیسی تربیت حاصل کی تھی۔ باپ کے ہاتھوں کو ایک جھٹکا دیا تو بڑھاپا ایک قدم پیچھے چلا گیا۔ وہ بولی۔ "اگر میں پاپ کرتی تو ابھی آپ کے ہاتھوں مرجاتی۔ مگر میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ بات اب چھپائی نہیں جاسکے گی کہ میں غازی کی شریک حیات ہوں۔"

وہ جھنجلا کر پاؤں پٹخ کر بولا۔ "چھپائی جائے گی۔ ہم پھر تمہیں محل میں قیدی بنا کر رکھیں گے۔ چور دروازہ بھی بند کردیں گے۔ پھر بھی بات باہر جائے گی۔ کیونکہ میں ماں بننے والی ہوں۔"

یہ بات ہتھوڑے کی طرح سر پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ پھر ایک مسند پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ چند لمحوں تک بیٹی کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا.....؟ تم نے کیا کہا.....؟ نہیں۔ کہہ دو کہ جو ہم نے سنا ہے' وہ جھوٹ ہے۔"

وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ "یہ سچ ہے۔"

وہ پھر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ چیخ کر بولا۔ "ہم تمہیں گولی مار دیں گے۔ مگر ایسی شرمناک بدنامی برداشت نہیں کریں گے۔"

وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔ "آپ کی آواز کے ساتھ بدنامی باہر جارہی ہے۔ گولی ماریں گے تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتائے گی کہ میں ماں بننے والی تھی۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں پیچھے جا کر دیوار سے لگ گیا۔ اس کے سامنے اکلوتی بیٹی سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے ہلاک نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مرنے کے بعد بھی ایک راجکماری کی میڈیکل رپورٹ چھپی نہیں رہے گی۔ اس کے اپنے ہی دھرم کے دشمن راجہ اس مرڈر کیس کو اور رپورٹ کو خوب اچھالیں گے۔

وہ بے بسی سے بولا۔ "یہ تم نے اپنے باپ سے کیسی دشمنی کی ہے؟ ہم شرم سے زمین میں گڑے جارہے ہیں۔"

"جو آپ کے نظریے سے گناہ اور بے شرمی ہے۔ وہ میرے دین' میرے پیار کے نظریے سے حیا اور شرافت ہے۔ پلیز آپ غازی کو داماد مان لیں۔ وہ اب کوئی معمولی شخص نہیں

ہے۔ کسی بھی راجہ مہاراجہ سے بڑھ کر ہے۔ انگریز سرکار کا آشرواد حاصل کررہا ہے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "چپ ہوجاؤ۔ اس کا نام بھی ہمارے سامنے نہ لو۔ ہم ایک مسلمان کو داماد سویکار کرنے سے پہلے مرجائیں گے۔ ہم تمہاری وجہ سے آتما ہتھیا کریں گے۔"

"میں آپ کی بات نہیں مانوں گی۔ غازی کو نہیں چھوڑوں گی۔ آپ میری بات نہیں مانیں گے۔ اسے داماد تسلیم نہیں کریں گے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ میں اپنے غازی کی خاطر آپ کے ہاتھوں ماری جاؤں گی یا آپ اسے دھرم کا مسئلہ بنا کر خودکشی کرلیں گے۔ ہمارے دھرم والوں' ہمارے رشتے داروں کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ہمارے بعد بھی یہاں عیش کرتے رہیں گے۔"

وہ سوچ رہا تھا۔ بیٹی کی باتیں دل کو لگ رہی تھیں۔ وہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے قبول کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا۔ پھر بیٹی سے بولا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔ ہم ابھی سوچ رہے ہیں۔ ایک تدبیر سمجھ میں آرہی ہے۔ اچھی طرح سوچنے کے بعد تم سے بات کریں گے۔"

وہ اپنی خوابگاہ میں آکر دروازہ بند کرنے کے بعد بولنے لگی۔ "میرے غازی! کیا تم سن رہے ہو؟ میں ابھی پتا مہاراج کو بتا کر آئی ہوں کہ تم میرے مجازی خدا بن چکے ہو اور میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ میں باپ بیٹی کی باتیں سنتا رہا تھا۔ اس لئے ان باتوں کو دہرا رہی تھی۔ آئندہ بھی ایک آدھ گھنٹے بعد دہرانے والی تھی۔ تاکہ میں کسی وقت بھی اس کے موجودہ حالات سے واقف ہوجاؤں۔

میں واقف ہورہا تھا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ سسر میرا دشمن ہے۔ مجھے داماد کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کرے گا اور کسی بھی قیمت پر میرے بچے کی پیدائش نہیں چاہے گا۔ فی الوقت اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوگا کہ وہ خود کو بدنامی سے بچائے؟ دنیا والوں کی نظروں میں بیٹی کنواری ماں بننے والی تھی۔

ماں باپ ایسی بدنامی سے بچنے کے لئے بیٹی کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ خودکشی کرلیتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی موت کے بعد بدنامی اور بڑھ جاتی ہے۔ ایسے میں ایک ہی راستہ سجھائی دیتا ہے کہ بچے کو پیدائش سے پہلے ختم کردیا جائے۔

میرا بچہ.... میں نے پریشان ہوکر آسمان کی طرف دعائیہ انداز میں دیکھا۔ "یا خدا! اسے کچھ نہ ہو۔ میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔ پھول وتی پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ اپنے بچے کی حفاظت کروں گا۔"

ہماری کشتیاں لہروں پر بہتی جا رہی تھیں۔ پتہ نہیں میں کب وہاں پہنچنے والا تھا؟ میں نے ملاح سے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ دو گھنٹے کے اندر اندر پہنچیں گے۔

دو گھنٹے زیادہ نہیں ہوتے۔ مگر انتظار کرو تو دو صدیاں گزرتی ہوئی لگتی ہیں۔ بہرحال انتظار تو کرنا ہی تھا۔ میں نے ان باپ بیٹی کی طرف دھیان دیا تو ان کی باتیں سنائی دیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''پتا مہاراج! آپ یہاں آئے ہیں۔ مجھے حکم دیتے میں آ جاتی۔''

وہ بولا۔ ''بدنامی سے ہمیں بچنا ہے۔ اس لئے ہم خود آئے ہیں۔ تم تو اس مسلمان کے پیچھے پاگل ہو رہی ہو۔ اس بدنامی کو ضرور جنم دو گی۔''

وہ بولی۔ ''یہ ایک سہاگن کی نیک نامی ہے۔ میں اپنے غازی کو پیار کا تحفہ دوں گی۔''

''تم اچھی طرح سمجھ گئی ہو' ہم تمہاری ہتھیا کرنے کے بعد بھی بدنام ہوتے رہیں گے۔ پھر یہ کہ تم ہماری ایک ہی اولاد ہو۔ ہم تمہیں جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔ تم ایک مجبور باپ کی کمزوریاں سمجھ رہی ہو۔''

''آپ بہت کچھ سمجھ رہے ہیں۔ پھر کرنا کیا چاہتے ہیں؟ آپ کوئی تدبیر سوچ کر مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔''

اس نے ایک ذرا مکاری سے بیٹی کو دیکھا۔ پھر سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم نے بہت مجبور ہو کر فیصلہ کیا ہے کہ غازی کو داماد تسلیم کر لیں۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں۔ مگر تم ہماری ایک بات مانو۔ باپ کی عزت رکھو۔ ابھی کنواری ماں بن کر رشتے داروں اور دنیا والوں کے سامنے نہ آؤ۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا میں اپنے بچے کو جنم نہ دوں؟''

''ضرور جنم دو۔ یہ پیدا ہونے والا ہمارا بھی نواسہ ہے۔ مگر اس کی پیدائش کو ابھی راز میں رکھو۔ پہلے ہم اپنی پرم پرا کے انوسار دھوم دھام سے تمہاری شادی غازی سے کریں گے۔ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کریں گے کہ ہم ایک مسلمان کو داماد بنا رہے ہیں۔''

وہ خوش ہو کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔ پھر بولی۔ ''تو ابھی اعلان کریں۔''

''ابھی نہیں۔ پہلے تم رازداری سے بچے کو جنم دو گی۔''

اس نے حیرانی سے الگ ہو کر پوچھا۔ ''رازداری سے کیسے؟''

''تم اس محل' راج گھرانوں سے اور تمام راجاؤں سے دور جا کر اسے جنم دو گی۔ بچے کو غازی کی بیوی کے پاس چھپا کر رکھا جائے گا۔ تم کنواری بن کر محل میں آؤ گی پھر ہم دنیا

والوں کے سامنے تمہاری شادی غازی سے کرائیں گے۔''

''ہاں۔ یہ تدبیر سمجھ میں آ رہی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ میں شادی سے پہلے ہی ایک بچے کی ماں بن گئی تھی۔ آپ کسی کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گے۔''

''ہاں بیٹی! تم اسی طرح باپ کو بدنامی سے اور ندامت سے بچا سکتی ہو۔''

''اب تو آپ جو کہیں گے' وہ کروں گی۔ یہ تو اور اچھی بات ہے کہ میں بچے کو جنم دینے کے لئے غازی کی بیوی کے پاس جاؤں گی۔''

''نہیں بیٹی! وہاں کیسے جاؤ گی؟ تم راجکماری ہو۔ پورے راج گھرانے کو دوستوں اور دشمنوں کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ تم کم از کم آٹھ دس ماہ کے لئے کہاں جا رہی ہو؟ تم اتنے سارے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نہیں جا سکو گی۔ سب ہی تجسس میں مبتلا ہوں گے کہ ایک لمبی مدت کے لئے کہاں چلی گئی ہو؟''

وہ قائل ہو کر بولی۔ ''ہاں۔ میں چھپ کر کہیں جا نہیں سکوں گی۔''

وہ بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''دنیا والوں کو دھوکہ دینے کا بس ایک ہی راستہ ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ تم آگے پڑھنے کے لئے انگلینڈ جا رہی ہو۔ تب کسی کو نہ کسی طرح کا شبہ ہوگا' نہ کوئی تجسس میں مبتلا ہوگا۔ تم وہاں آزاد رہ کر بچے کو جنم دے سکو گی۔''

''یہ تو آپ نے زبردست پلاننگ کی ہے۔ غازی بھی وہاں آ کر میرے ساتھ آزادی سے رہ سکیں گے۔''

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا۔ ''میری بچی! غازی کے دشمن اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ وہ تمہارے پیچھے لندن پہنچے گا تو اس کے دشمن بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ یہ بھید کھل جائے گا کہ تم سمندر پار کیوں گئی ہو؟ ہماری تمام پلاننگ چوپٹ ہو جائے گی۔''

''پتا مہاراج! میں کئی مہینوں تک اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔''

''نہیں رہ سکو گی تو بے شرمی سامنے آ جائے گی۔ اتنی عمدہ تدبیر پر عمل کرنے کے بعد بھی ہمارا سر جھک جائے گا۔ ہم کسی سے نظریں نہیں ملا سکیں گے' اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔''

وہ جذباتی ہو کر پھر باپ سے لگ گئی۔ ''نہیں۔ میں آپ کا سر نہیں جھکاؤں گی۔ چند ماہ کے لئے اپنے جیون ساتھی کی جدائی برداشت کر لوں گی۔ میرے لئے یہ سب سے خوشی کی بات ہے کہ میرے غازی کو آپ اپنا داماد بنانے والے ہیں۔''

''جانے سے پہلے تم اسے سمجھاؤ گی کہ وہ کسی بھی بہانے تمہارے پاس نہیں جائے گا۔''

"میں انہیں سمجھاؤں گی۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ میری بات مان لیں گے۔"

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ بیشک راجہ ولبھ خود کو بدنامی سے بچانے کے لئے دانشمندی سے کام لے رہا تھا۔ بیٹی لندن میں رہے گی تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ وہ ماں بن چکی ہے۔ پھول وتی اور میرے لئے واقعی خوشی کی بات تھی کہ وہ حالات سے مجبور ہو کر دشمنی بھول گیا تھا۔ مجھے اپنا داماد تسلیم کر رہا تھا۔

وہ بیٹی کی پیشانی چوم کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پھول وتی دروازہ بند کر کے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ مجھے تصور میں دیکھتے ہوئے بولنے لگی۔ "میرے غازی! اس وقت تم میری آواز نہیں سن رہے ہو۔ پتہ نہیں کہاں مصروف ہو گے؟ مگر میں بول رہی ہوں۔ تین گھنٹے بعد بارہ بجے پھر بولوں گی۔"

میں سن رہا تھا۔ باپ بیٹی نے جو سوچا سمجھا تھا اور فیصلہ کیا تھا اس کے متعلق وہ بولنے لگی۔ بعض اوقات مجھے ایسا لگتا تھا' جیسے بابا سائیں میرے اندر بولتے ہیں۔ جبکہ ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ میرا دل کہتا تھا کہ وہ میری رہنمائی فرما رہے ہیں۔

ان لمحات میں میرے اندر یہ بات پیدا ہوئی کہ مجھے اسم اعظم پڑھنا چاہیے۔ یہ میرے احساسات ہیں' میرا عقیدہ ہے کہ بابا سائیں کہہ رہے تھے' اسم اعظم پڑھو۔

میں نے سر اٹھا کر نیلے آسمان پر سفید بادلوں کو دیکھا۔ گنگناتی ہوئی لہروں کو سنا پھر سر جھکا کر ساری دنیا کو' سارے نظاروں کو بھول کر صرف ایک ہی معبود پر اپنی توجہ مرکوز کرنے لگا۔ پہلے میں نے دل ہی دل میں پڑھا۔ پھر دل کی گہرائیوں سے پکارا۔ "اللہ.....! یا اللہ.....! یا اللہ.....!"

یکبارگی میرے دل میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ راجہ ولبھ دکھائی دیا۔ وہ حقارت سے کہہ رہا تھا۔ "وہ .....وہ جو ہمارے داماد مہاویر کی چوکھٹ کا کتا تھا' کیا اسے اپنا داماد بنائیں گے؟ کیا ہم پاگل کے بچے ہیں؟"

بس میں نے اتنا سنا اتنا ہی دیکھا۔ پھر وہ سراولبھ گم ہو گیا۔ میری سمجھ میں آ گیا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہیے۔ میں نے اسی لمحے میں اس کا دھیان کیا۔ اس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "دیوان جی! ہمارے باپ دادا پردادا نے مغل بادشاہوں کے آگے سر جھکایا۔ لیکن اپنی بیٹی کسی مسلمان بادشاہ کو نہیں دی۔ رانی جودھا بائی نے اکبر بادشاہ سے شادی کی۔ راجپوتوں کی ناک نیچی کی۔ لیکن ہمارے خاندان کی کسی راجکماری نے ایسی غلطی نہیں کی اور نہ ہم پھول وتی کی ایسی غلطی کو آگے بڑھنے دیں گے۔"

دیوان جی نے کہا۔ "آپ ان کے پتا مہاراج ہیں۔ آپ ہی انہیں ایسی نادانی سے باز رکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ باز آئیں گی تب بھی غازی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ ہماری معصوم راجکماری کا دھرم نشٹ کرتا رہے گا۔"

"ہماری بیٹی نے ہم سے وعدہ کیا ہے' وہ اسے لندن آنے سے روک دے گی۔ اس کی واپسی تک وہ اپنی جاگیر میں رہے گا۔ ہم تمام راجاؤں کو یہ پیغام دیں گے کہ جو اس سر پھرے مسلمان کو قتل کرے گا' اسے ہم اپنا داماد بنائیں گے۔ ہمارے بعد وہی سورما داماد یہاں کا بھی راجہ کہلائے گا۔"

دیوان جی نے کہا۔ "یہ تو بہت بڑی پیشکش ہے۔ سب ہی اسے گھیر کر مار ڈالنے کی کوششیں کریں گے۔ اس کے نصیب میں حرام موت لکھی ہے۔ وہ دشمن راجاؤں کی بھیڑ میں کسی نہ کسی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

اس نے کہا۔ "ہم آج ہی پھول وتی کو لے کر دہلی جائیں گے۔ ہر شنی وار کو ایک جہاز لندن جاتا ہے۔ آج منگل ہے۔ ہم شنی وار تک وہیں رہیں گے۔ بیٹی کو جہاز میں بٹھا کر اسے رخصت کر کے ہی آئیں گے۔"

خدا کا شکر ہے۔ میں نے اسم اعظم پڑھا اور تصویر کا دوسرا رخ سامنے آ گیا۔ وہ پہلے بیٹی کو رخصت کرنے والا تھا۔ پھر میری موت کا سامان کرنے کے بعد میری لاش دیکھنے کے بعد لندن جانے والا تھا۔ ذہن میں یہ شیطانی منصوبہ تھا کہ وہاں میرے بچے کو پیدا ہوتے ہی ختم کرا دے گا۔ پھول وتی کو شبہ نہیں ہونے دے گا کہ پتا مہاراج نے اس کے بچے اور شوہر کے خلاف کامیاب سازشیں کی ہیں۔

تمام راجاؤں کے راجواڑوں میں انگریز سرکار کے پولیٹکل ایجنٹ رہتے تھے۔ میں نے بھیم پارہ پہنچتے ہی ریسٹ ہاؤس جا کر پولیٹکل ایجنٹ سے ملاقات کی۔ وہ جانتا تھا کہ میں برٹش سرکار کا باج گزار ہوں۔ مجھے انگریز آقا کی سرپرستی حاصل ہو چکی ہے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ادب سے کھڑا ہو گیا۔

میں نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ راجہ پرتھوی ولبھ میرے شایان شان استقبال کرے گا یا نہیں؟ میں اس سے مختصر سی ملاقات کرنے آیا ہوں اور آپ یہ ملاقات کرا سکتے ہیں۔"

راجہ ولبھ کو خبر مل چکی تھی کہ میں وہاں دریائی راستے سے آتے ہی پولیٹکل ایجنٹ کے پاس گیا ہوں۔ وہ فوراً ہی موٹر کار میں بیٹھ کر ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ اس کے دس باڈی گارڈز گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بڑی محبت اور اپنائیت سے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے

بولا۔''غازی!تم نے تو کمال کردیا۔دیکھتے ہی دیکھتے ہم راجاؤں کے برابر ہو گئے ہو۔سواگتم....ہم دل سے تمہارا سواگت کرتے ہیں۔''

وہ گلے لگنے آیا تو میں بھی لگ گیا۔اگر اس کے شیطانی ارادوں کا علم نہ ہوتا تو میں اس سے محبت اور گرمجوشی سے اس کی اپنائیت کے انداز سے دھوکا کھا جاتا۔

میں نے کہا۔''اچانک یہاں آکر آپ کو کشٹ دے رہا ہوں۔''

اس نے کہا۔''ایسا نہ کہو۔یہ تو ہماری خوش نصیبی ہے۔ہمیں مہمان نوازی کا موقع دے رہے ہو۔آؤ۔ہمارے محل میں چلو۔''

''میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔وہاں آپ کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں بھی کروں گا۔پھر واپس چلا جاؤں گا۔آپ کھانے پینے کا انتظام نہ کریں۔میں ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیوں گا۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔''پانی بھی نہیں پیؤ گے؟کیا ہم سے ناراض ہو؟''

میں نے اپنے جاں نثاروں کی طرف دیکھا پھر کہا۔''آپ نے گلے لگایا ہے' پھر ناراضگی کیسی؟دراصل ہم سب نے روزہ رکھا ہے۔شام سے پہلے ہی چلے جائیں گے۔پلیز محل میں چلیں۔پھر مجھے جلد رخصت کردیں۔''

میں اس کے ساتھ موٹر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آگیا۔اپنے جاں نثاروں سے کہہ دیا کہ وہ سب وہیں ریسٹ ہاؤس میں میرا انتظار کریں۔

محل میں دیوان جی اور کئی مشیروں نے ہاتھ جوڑ کر میرا استقبال کیا۔میں تنہائی چاہتا تھا۔راجہ ولبھ بھی نادان نہیں تھا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ میں پھول وتی سے ملنا چاہوں گا اور وہ بھی ملنا چاہے گی۔پتا مہاراج اپنی پلاننگ میں کامیاب ہونے کے لئے انکار نہیں کرے گا۔

اس نے دیوان جی سے کہا۔''جب تک غازی یہاں ہے' تم سب محل سے باہر رہو۔تمام سپاہیوں سے کہہ دو'وہ بھی یہاں سے نکل جائیں۔''

وہ حکم دے کر میرے ساتھ چلتا ہوا محل کے اندرونی حصے میں آیا۔وہاں حکم صادر کیا کہ کوئی داسی کوئی ملازم ادھر نہ آئے۔اس نے تمام دروازے بند کرادیئے۔وہ تنہائی ملتے ہی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔یہ خوشخبری سنانا چاہتا تھا کہ مجھے جلد ہی دنیا والوں کے سامنے داماد بنانے والا ہے۔

پھول وتی کو معلوم ہوگیا تھا کہ میں بھیم پارہ آیا ہوں۔پھر معلوم ہوا کہ پتا مہاراج کے ساتھ محل میں آگیا ہوں۔وہ خوشی سے بے حال ہو رہی تھی۔مجھ سے ملنے کے لئے تڑپ

رہی تھی۔راجہ ولبھ نے جیسے ہی میرے روبرو بیٹھ کر بات شروع کی تو وہ دوڑتی ہوئی وہاں آگئی۔میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔باپ سامنے بیٹھا ہوا تھا۔وہ دیوانہ وار مجھ سے لپٹ نہ سکی۔میرے بازو سے لگ کر خوشی کے مارے رونے لگی۔

باپ نے کہا۔''بیٹی!ہمیں باتیں کرنے دو۔یہ بتانے دو کہ ہم باپ بیٹی نے کیا سوچا ہے اور آئندہ تم کس طرح غازی کی شریک حیات بن کر زندگی گزارو گی؟''

وہ بولی۔''پتا مہاراج!میں آپ کی تمام باتیں مان رہی ہوں۔آپ بھی ایک بات مانئیے' یہ ہم میاں بیوی کے معاملات ہیں۔میں انہیں کمرے میں لے جا کر ساری باتیں بتاؤں گی۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔پریشان ہو کر بولا۔''یہ مناسب نہیں ہے۔یہاں کوئی آسکتا ہے۔غازی کو تمہارے کمرے میں نہیں جانا چاہئے۔''

''میں سن چکی ہوں۔آپ نے حکم دیا ہے کہ یہاں کوئی نہ آئے۔ادھر آنے کے تمام دروازے بند ہوگئے ہیں۔آپ اپنے کمرے میں آرام کریں۔میں آپ کی مرضی کے مطابق غازی کو سمجھاؤں گی' مناؤں گی کہ یہ مجھ سے ملنے کے لئے کبھی لندن نہ آئیں۔''

وہ اپنی پلاننگ کے مطابق یہی چاہتا تھا کہ میں ہندوستان میں رہوں اور اس کی سازشوں کا شکار ہوجاؤں۔اس کی بیٹی ہی مجھے اپنے پیچھے آنے سے روک سکتی تھی۔وہ کوئی بحث کئے بغیر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا وہ تڑپ کر مجھ سے لپٹ گئی۔رونے لگی۔ملن کی خوشی اسے پاگل بنا رہی تھی۔میں اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اس کے کمرے میں آگیا۔

گزرتا ہوا وقت بدلتے ہوئے مقدر کے ساتھ عجب تماشے دکھاتا ہے۔میں ایک بار چھپ کر آیا تھا۔دوسری بار سب کے سامنے آگیا۔راجہ ولبھ نے دیوان جی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ بیٹی مسلمان ہو کر غازی کی شریک حیات بن گئی ہے اور اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔

وہ کسی کے سامنے اپنا سر نیچا نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس نے دیوان جی سے اتنا ہی کہا تھا کہ راجکماری نادان ہے۔غازی کے پیار میں پاگل ہوگئی ہے۔اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے بیٹی کو لندن بھیج رہا ہے۔

محل میں میری آمد سے اسے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ میں پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں۔پھول وتی تو مقناطیس بن گئی تھی۔الگ ہونا ہی نہیں چاہتی تھی۔ملن کے لمحات میں خوشی بھی تھی اور جدائی کے خیال سے پریشان بھی ہو رہی تھی۔کہہ رہی تھی۔''میں تمہارے بغیر کیسے

رہوں گی؟ میں نے پتا مہاراج سے وعدہ کیا ہے کہ بچے کی پیدائش تک لندن میں رہوں گی۔تم سے نہیں ملوں گی۔تم وہاں نہیں آؤ گے۔''

''میں تمہاری اور پتا مہاراج کی تمام باتیں سنتا رہا ہوں۔''

''میں دن کے اور رات کے بارہ بجے بولتی رہتی تھی۔کیا تم ہمیشہ سنتے رہتے تھے؟''

''سنتا تھا۔بڑی بے چینی سے تمہارے بولنے کا انتظار کرتا تھا۔تم کئی بار بے وقت بھی مجھے مخاطب کرتی رہیں۔میں نے بے وقت بھی تمہیں سنا ہے۔''

وہ خوش ہو کر میرے چہرے کو اپنے چہرے سے سہلانے لگی۔''تم کتنے اچھے ہو۔دور رہ کر بھی میرے ایک ایک پل کی خبر رکھتے ہو۔تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ میں آج رات پتا مہاراج کے ساتھ دہلی جارہی ہوں۔وہاں سے شنی وار کو لندن چلی جاؤں گی؟''

''میں جانتا ہوں۔جتنا تم جانتی ہو' اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔پتا مہاراج تمہیں دھوکا دے رہے ہیں۔''

''کیا....؟''اس نے بے یقینی سے پوچھا۔''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''یقین کرو۔تمہاری لاعلمی میں انہوں نے میرے خلاف جو منصوبہ بنایا ہے' وہ میں نے سنا ہے۔ان کی پلاننگ کے مطابق میں یہاں رہوں گا تو میرے تمام دشمن راجہ اپنے اپنے طور پر مجھے گھیر کر ہلاک کریں گے۔تمہارے باپ نے تمہیں انعام کے طور پر رکھا ہے۔ان میں سے جو مجھے قتل کرے گا' وہ تمہاری شادی اس سے کردیں گے۔''

''میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔تم دور کی آواز اور باتیں سن لیتے ہو۔یقیناً ان کی باتیں سنی ہوں گی۔تعجب ہے' مجھ سے تو کہہ رہے تھے کہ بچے کو ساجدہ کے پاس چھپا کر رکھا جائے گا۔پھر میری تمہاری شادی دھوم دھام سے ہوگی؟''

''وہ میرے بعد بچے کو بھی لندن میں ختم کرادیں گے۔اس طرح تم خالی گود یہاں واپس آؤ گی تو سب ہی تمہیں کنواری سمجھیں گے۔''

میں نے جو سنا تھا' اسے سنا دیا۔وہ غصے سے بولی۔''میں لندن نہیں جاؤں گی۔ان کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔''

میں نے اسے سہلاتے ہوئے چومتے ہوئے کہا۔''نہیں میری جان! تم لندن جاؤ گی۔اس محل سے نکلو گی' تب ہی ہم آزادی سے مل سکیں گے۔''

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔''کیا تم وہاں آؤ گے؟''

''ہاں۔پتا سے ناراضگی ظاہر نہ کرو۔انہیں خوش فہمی میں مبتلا رکھو کہ تم ان کے ناپاک

عزائم سے بے خبر ہو اور ان کی بات مان کر لندن جارہی ہو۔''

وہ میری آغوش میں مسرتوں سے مچلنے لگی۔کہنے لگی۔''خدا مجھ پر مہربان ہے۔میں جدائی کے خیال سے نڈھال ہورہی تھی۔اب تو ملن ہی ملن ہوتا رہے گا۔یہ بتاؤ' تم لندن کیسے آؤ گے؟''

''یہ مجھ پر چھوڑ دو۔مجھے یہاں سے جلدی جانا ہے۔لندن یاترا کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔چلو اٹھو' ہم شنی وار کے بعد سمندر پار ملیں گے۔''

ایک طرف باپ بیٹی کو پھر کنواری بنا کر پیش کرنے کی سازشیں چل رہا تھا۔میں بھی اپنے طور پر چالیں چلنے والا تھا۔کبھی شطرنج کی بازی اچانک ہی پلٹ جاتی ہے۔ابھی ہم نہیں جانتے تھے کہ بازی کس کے حق میں پلٹنے والی ہے؟

میں پھول وتی کے ساتھ دو گھنٹے گزار کر محل سے باہر آیا۔جو اہم افراد باہر کردیئے گئے تھے۔وہ ناگواری سے سوچ رہے تھے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔راجہ صاحب چالیں چل رہے ہیں۔غازی سے نفرت بھی کررہے ہیں' اسے گلے بھی لگا رہے ہیں۔

سیکورٹی گارڈز' محل کے داس اور داسیاں سب ہی سرگوشیاں کررہے تھے کہ غازی نے اندر جا کر جل پان نہیں کیا۔ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیا۔پھر دو گھنٹے تک کیا کرتا رہا؟

دیوان جی اور تمام مشیر ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ محل کے اندر راجہ صاحب' راجکماری اور صرف غازی تھے۔وہ دو گھنٹے تک کیا کھچڑی پکاتے رہے؟ کیا وہ درپردہ ایک مسلمان کو داماد بنانے والے ہیں؟

ایک نے کہا۔''یہی بات ہے۔وہ اپنی اکلوتی بیٹی کی ہر ضد پوری کرتے ہیں۔یہ بھی کریں گے۔راجکماری کو لندن بھیج رہے ہیں۔غازی بھی ضرور اسی جہاز میں جائے گا۔یا پھر ایک ہفتے بعد والی فلائیٹ سے جائے گا۔''

راج محل کی ان باتوں کو پر لگ گئے۔راجہ مہاویر چوہان کے رشوت خور' زر خرید ملازم تھے۔بجرنگ بلی داس نے راجہ صاحب کے ایک مشیر کی جھولی بھر دی تھی۔ان کے ذریعے معلوم ہوا کہ راجکماری لندن جارہی ہے اور یہ کہ باپ' بیٹی اور غازی کی میٹنگ دو گھنٹے تک جاری رہی تھی۔پھر راجہ صاحب نے غازی کو بڑی محبت سے رخصت کیا تھا اور اب بیٹی کو لے کر دہلی گئے ہیں۔

یہ معلومات حاصل ہوتے ہی مہاویر اور بجرنگ بھی دہلی پہنچ گئے۔انہوں نے راجہ سے دور رہ کر بڑی رازداری سے اپنے لئے بھی اسی فلائیٹ میں سیٹیں حاصل کرلیں۔

ان دنوں فضائی سروس عام نہیں تھی۔لندن میں پہلی ایئر لائن انیس سو چودہ میں قائم ہوئی تھی۔پاکستان کا پہلا ایئر پورٹ انیس سو اٹھارہ میں قائم ہوا تھا۔ہوائی جہاز میں صرف انگریز یا ہندوستانی راجے مہاراجے سفر کرتے تھے۔بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو بھی اجازت مل جاتی تھی۔معلومات کے ذرائع محدود تھے۔شنی وار سے پہلے یہ کوئی معلوم نہ کر سکا کہ اس طیارے میں کتنے دوست اور کتنے دشمن جا رہے ہیں؟

مہاویر کے بازوؤں کے زخم بھر گئے تھے۔مگر وہ کسی سے پنجہ لڑانے کے قابل نہیں رہا تھا۔پھول وتی کو کسی بھی قیمت پر حاصل کرنے کے لئے لندن تک جا رہا تھا۔اس نے سوچ لیا تھا کہ مجھ سے سامنا ہوگا تو کھل کر دشمنی نہیں کرے گا۔موقع کی تاک میں رہے گا' جھگڑا نہیں کرے گا۔مقدر نے ساتھ دیا تو چپ چاپ ڈس لے گا۔

میں دشمنوں کی طرف دھیان دیتا رہتا تھا۔ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔بجرنگ بلی پہلی بار مجھ سے مات کھا کر گیا تھا۔پلٹ کر مجھ پر حملہ کرنے کے لئے اس کے پاس کشتیاں نہیں تھیں۔میرے جاں نثاروں نے اس کے سپاہیوں کو ہلاک کیا تھا جو بچ گئے تھے انہوں نے فرار ہو کر جان بچائی تھی۔تمام کشتیاں ہمارے قبضے میں آ گئی تھیں۔اس لئے وہ مجبور ہو کر واپس چلا گیا تھا۔

وہ اپنے بھائی شنکر داس کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لئے صرف مجھے ہی ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا' پھول وتی پر بھی نیت خراب تھی۔وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ محل میں دو گھنٹے تک غازی کے ساتھ کیا ہوتا رہا تھا؟ وہاں کس قسم کے معاملات طے ہو چکے ہیں؟ وہ اچانک ہی لندن کیوں جا رہی ہے؟ کیا غازی بھی جا رہا ہے؟

میں جاتا یا نہ جاتا' وہ پھول وتی کے پیچھے جانا چاہتا تھا۔اس نے بھی اسی جہاز میں ایک سیٹ حاصل کر لی تھی۔یوں فلائیٹ کی روانگی سے ایک گھنٹہ پہلے سب نے ایک دوسرے کو ایئر پورٹ کی چھوٹی سی عمارت میں دیکھا۔راجہ ولبھ نے حیرانی اور پریشانی سے بجرنگ بلی کو دیکھ کر پوچھا۔''تم یہاں کیسے؟ کیا کسی کو الوادع کہنے آئے ہو؟''

وہ مسکرا کر بولا۔''آپ بیٹی کے ساتھ مجھے بھی الوادع کریں۔میں بھی لندن جا رہا ہوں۔''

اس نے گھور کر پوچھا۔''تم کیوں جا رہے ہو؟''

''یہی سوال میں کرتا ہوں' راجکماری کیوں جا رہی ہیں؟ کیا آپ سچ بولیں گے؟''

وہ بیٹی کا پیٹ چھپانے کے لئے اسے وہاں بھیج رہا تھا۔اسے یوں لگا' جیسے بجرنگ کو

حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔''یہ آگے مزید تعلیم حاصل کرنے جا رہی ہے۔تم کیا سمجھ رہے ہو؟''

''میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔یہاں ایک مسلمان سے آزادی کے ساتھ ملاپ نہیں ہوگا۔سمندر پار کوئی پتھر مارنے نہیں آئے گا۔اس لئے ....''

وہ بولا۔''تم بکواس کر رہے ہو۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔''کیا یہ بھی بکواس ہے کہ غازی محل میں آیا تو سب کو باہر نکال دیا گیا تھا؟ وہ وہاں دو گھنٹے تک کیا کرتا رہا تھا؟''

راجہ ولبھ چونک گیا۔یہ صرف وہی جانتا تھا کہ میں نے وہاں دو گھنٹے کس کے ساتھ گزارے تھے؟ بجرنگ بلی کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بھید کھل گیا ہے۔وہ پریشان ہو کر بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے دور ہو گیا۔پھر بولا۔''پھول وتی! تم نے سنا' یہ کیا کہہ رہا تھا؟ ہم حیران ہیں کہ محل کے اندر کی بات باہر کیسے چلی گئی؟ یہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننے کے لئے لندن جا رہا ہے۔وہاں تمہاری ٹوہ میں رہے گا۔یہ معلوم ہو جائے گا کہ تم کنواری ماں بن رہی ہو۔''

وہ بولی۔''آپ پریشان نہ ہوں۔میں انگریز آقا کے ملک جا رہی ہوں۔وہاں یہ کسی طرح کی بدمعاشی نہیں کر سکے گا۔میں اس کے خلاف رپورٹ درج کراؤں گی تو اسے لندن سے نکال دیا جائے گا۔''

ایسے وقت راجہ مہاویر نظر آیا۔وہ قریب آ کر راجہ ولبھ سے بولا۔''آپ نے مجھے طمانچے مارے تھے۔میں پھر بھی سر جھکانے آیا ہوں۔آخر میرے بزرگ ہیں۔میں سسر سے زیادہ آپ کو اپنا پتا مانتا ہوں۔''

راجہ ولبھ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ایک ذرا مطمئن ہو کر بولا۔''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ تمہارا مزاج' تمہارا رویہ بدل گیا ہے۔مگر یہاں کیوں آئے ہو؟''

وہ مسکرا کر بولا۔''میں بھی اسی جہاز سے جا رہا ہوں۔''

باپ بیٹی نے اسے چونک کر دیکھا۔پھول وتی نے ناگواری سے پوچھا۔''تم کیوں جا رہے ہو؟''

''بادشاہ سلامت جارج پنجم کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔کچھ راج نیتی کے معاملات سلجھانے ہیں۔''

راجہ ولبھ نے پوچھا۔''کیسے معاملات....؟''

"میں شاہِ برطانیہ کو یقین دلاؤں گا کہ راجکماری پھول وتی سے میری شادی ہوگی۔ہم دونوں کی ریاستیں ایک ہوں گی۔ ہماری فوج متحد ہوگی تو ہم بڑی کامیابی سے انگریز سرکار کے خلاف ابھرنے والی بغاوتوں کو کچل سکیں گے۔"

وہ حقارت سے بولی۔"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تم شادی کروں گی؟"

وہ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔"شاہِ برطانیہ بغاوتوں کو ختم کرنے کے لئے میری تجویز مان لیں گے۔شاہی حکم کے آگے تمہیں سر جھکانا پڑے گا۔ ورنہ تم بھی باغی کہلاؤ گی۔انگلینڈ تو کیا' ہندوستان میں بھی نہیں رہ سکو گی۔"

وہ فاتحانہ انداز میں ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔راجہ ولبھ مٹھیاں بھینچ کر دانت پیس رہا تھا۔پھر پاؤں پٹخ کر بولا۔"واپس چلو۔تم لندن نہیں جاؤ گی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ان دشمنوں کے ڈر سے یہاں رہوں گی تو بچے کو کہاں جنم دوں گی؟"

"ہم بعد میں کوئی تدبیر سوچیں گے۔ابھی یہاں سے چلو۔"

اب وہ واپس جانے والی نہیں تھی۔مجھ سے یہ طے ہو چکا تھا کہ ہم سمندر پار آزاد رہ کر ازدواجی مسرتیں حاصل کرتے رہیں گے۔

اس نے کہا۔"سوری۔میں کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے بچے کو جنم دوں گی۔وہاں کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہوگا۔پھر یہ کہ میں ایک مسلمان کی منکوحہ ہوں۔وہاں مجھے حکومت برطانیہ کا قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔پھر یہ کہ میرا سب سے مضبوط' سب سے قابل اعتماد محافظ غازی میرے ساتھ ہوگا۔"

وہ چونک کر بولا۔"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا وہاں اسے بلاؤ گی؟ تم نے وعدہ کیا ہے....."

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔"آپ مجھے دھوکہ دے رہے تھے۔میں آپ سے جھوٹ بول رہی تھی۔ میرا غازی وہاں رہے گا۔آپ میرے بچے کو پیدا ہوتے ہی ہلاک نہیں کرا سکیں گے۔"

یہ راجہ ولبھ کے لئے چونکنے کی بات تھی۔اس کا بھید کھل رہا تھا۔وہ کہہ رہی تھی۔"یہ دشمن جو میرے پیچھے لگے ہیں۔ان سے زیادہ خطرناک تو آپ ہیں۔میرے شوہر'میرے بچے کو قتل کرانے کے منصوبے بنا چکے ہیں۔"

وہ ہکا بکا سا ہو کر بیٹی کا منہ تک رہا تھا۔پھر بولا۔"ہم راج گھرانے کی نیک نامی کے

لئے تمہیں اپنے دھرم میں واپس لانے کے لئے یہ سب کر رہے ہیں۔"

"اب میرا تعلق آپ کے راج گھرانے سے نہیں ہے۔غازی کے اسلامی گھرانے سے ہے۔"

"ابھی تم ہماری بیٹی ہو'راجکماری ہو۔ہمارے حکم کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکو گی۔ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے۔واپس چلو۔"

وہ بولی۔"ایک بار پھر سوری۔میں بالغ ہوں' بیاہتا ہوں۔ایک آواز دوں گی تو میرا غازی یہاں پہنچ جائے گا۔وہ مجھ سے دور نہیں ہے۔اس وقت بھی ہماری باتیں سن رہا ہے۔"

راجہ ولبھ بے بسی سے بیٹی کو تک رہا تھا۔یہ سمجھ گیا تھا کہ میں وہاں پہنچ کر پھول وتی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور وہ راضی خوشی جائے گی تو قانوناً اسے روک نہیں پائے گا۔پھر ہندوستان میں بڑی بدنامی ہوگی کہ راجہ ولبھ کی بیٹی ایک مسلمان کی بیاہتا بن چکی ہے۔

ایسا سمندر پار ہوگا تو پوری ہندو جاتی کو راجہ ولبھ سے ہمدردی ہوگی کہ بیٹی لندن جا کر آزاد ہوگئی ہے۔بالغ ہے'اس لئے باپ کی گرفت سے نکل گئی ہے۔

فلائیٹ روانہ ہونے والی تھی۔پھول وتی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔"میں جا رہی ہوں۔شائد ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی ہوں۔آپ مجھے آشرواد نہیں دیں گے اور نہ میں لینا چاہوں گی۔"

وہ اپنا دستی بیگ اٹھا کر منہ پھیر کر چلی گئی۔وہ شکست خوردہ انداز میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔شکست خوردہ اس حوالے سے بھی تھا کہ جن راجاؤں سے مجھے قتل کرانا چاہتا تھا۔وہ بھی اس کی بیٹی کے پیچھے لندن جا رہے تھے۔وہ تنہا اور بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

انگریز آقاؤں اور راجاؤں کو لے جانے والے طیارے میں صرف ساٹھ مسافروں کی گنجائش تھی۔ان میں سے آٹھ افراد جہاز کے عملے سے تعلق رکھتے تھے۔یعنی باون مسافر تھے۔کچھ اپنی بیویوں' بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ تھے۔کچھ اپنی داشتاؤں کو موج مستی کے لئے سمندر پار لے جا رہے تھے۔پھول وتی اپنا دستی بیگ اٹھائے ایک سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

بجرنگ بلی داس نے طیارے میں داخل ہو کر مسافروں پر نظر دوڑائی پھر اس نے نشستوں کے درمیان ایک راہداری سے گزرتے ہوئے پھول وتی کو دیکھا۔اس کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔وہ وہاں بیٹھنا چاہتا تھا۔ایئر ہوسٹس نے ٹکٹ پر سیٹ نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔"پلیز۔آپ کی سیٹ ادھر ہے۔"

بجرنگ بلی نے کہا۔ ''کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں یہاں بھی بیٹھ سکتا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''سوری۔ جب اس سیٹ کا مسافر آئے گا تو اس سے نمبر تبدیل کریں۔ ابھی اپنی سیٹ پر جائیں۔''

وہاں سے دو قطار آگے اس کی نشست تھی۔ وہاں جا کر وہ کھڑا رہا۔ پھول وتی کے پاس جا کر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ مسافر ایک ایک کر کے آ رہے تھے۔ اس نے راجہ مہاویر کو دیکھا۔ اس کی سیٹ پھول وتی کے برابر ہی تھی۔ لیکن بیچ میں راہداری تھی۔ ایک قطار میں ہونے کے باوجود ان کے درمیان فاصلہ تھا۔

وہ ایئر ہوسٹس کی رہنمائی میں وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ پھول وتی کو دیکھ کو مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں بڑا ہی لکی ہوں۔ تمہارے شانہ بشانہ سفر کروں گا۔''

وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''یہ سفر بہت مہنگا پڑے گا۔ ابھی سے رام نام جپنا شروع کردو۔''

''رام کا نام ابھی کام نہیں آئے گا۔ میں جارج پنجم کا نام جپ رہا ہوں۔ دیکھ لینا' تمہارے حسن کی لاٹری میرے ہی نام نکلے گی۔''

وہ جواب دینے والی تھی۔ پھر چپ ہوگئی۔ ایک بوڑھا شخص ایئر ہوسٹس کے ساتھ وہاں آیا۔ پھر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے لگا۔ بجرنگ بلی تیزی سے چلتا ہوا آ کر اس سے بولا۔ ''مسٹر! ایکسکیوز می... کیا آپ میری سیٹ پر بیٹھنا پسند کریں گے؟ وہ سیٹ بھی کھڑکی کے ساتھ ہے۔''

اس شخص نے پھول وتی کو دیکھا پھر مسکرا کر کہا۔ ''میں سمجھ گیا' آپ دونوں یہ سفر ایک ساتھ انجوائے کرنا چاہتے ہیں۔''

پھول وتی نے کہا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پلیز آپ سیٹ تبدیل نہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ بیٹھنا پسند کروں گی۔''

اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بجرنگ بلی سے کہا۔ ''سوری۔ میں یہاں بیٹھوں گا۔''

وہ مایوس کر اس سے بولا۔ ''تم ناحق مجھ سے کترا رہی ہو۔ کچھ دیر میرے ساتھ گزارو۔ مجھ سے باتیں کرو۔ مجھے سمجھو پرکھو۔ میں یقین سے کہتا ہوں...''

ایک اسٹیوارڈ بوائے وہاں سے گزر رہا تھا۔ پھول وتی نے اس سے کہا۔ ''جسٹ آ منٹ...''

وہ بولا۔ ''یس مس....؟''

''یہ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ پلیز انہیں ان کی سیٹ پر پہنچادیں۔''

وہ بجرنگ بلی سے بولا۔ ''مسٹر! یہاں کے ماحول کو اور سفر کو خوشگوار بنائیں۔ اپنی سیٹ پر جائیں۔''

اس نے گھور کر پھول وتی اور اسٹیوارڈ کو دیکھا۔ اس بوڑھے نے سیٹ تبدیل نہیں کی تھی۔ اس پر غصہ آ رہا تھا۔ اگر جہاز میں نہ ہوتا' کسی اور جگہ ہوتا تو ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر پھول وتی کو اٹھا کر لے جاتا۔ اس وقت مجبور ہو کر اپنی سیٹ پر چلا گیا۔

جہاز کے اگلے حصے میں وی آئی پی کلاس تھی۔ وہ صرف لندن کے گورے مسافروں کے لئے تھی۔ وہ ہندوستانیوں کے ساتھ بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ راجے مہاراجے اور کروڑ پتی سرمایہ داروں کو بھی غلام کہتے تھے۔ لہٰذا جہاز میں بھی آقاؤں اور غلاموں کے درمیان فاصلہ رکھا گیا تھا۔

پھول وتی کے پاس بیٹھے ہوئے بوڑھے نے کہا۔ ''میں ایک معروف ڈاکٹر ہوں۔ تم کون ہو؟''

''میں بھیم پارہ کی راجکماری ہوں۔''

وہ بار بار پلٹ کر پیچھے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر میں اسے دکھائی دیا۔ میں نے دروازے سے داخل ہو کر تمام مسافروں پر نظر دوڑائی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ ''بیٹھی رہو۔''

میری سیٹ آخری قطار میں تھی۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ دشمنوں نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں پیشے کے اعتبار سے معروف ہوں اور میرا نام بھی معروف ہے۔ یعنی معروف حسین.... ایک بات پوچھوں؟''

''ضرور پوچھیں.....''

''وہ کون ہے؟''

''آپ کس کے متعلق پوچھ رہے ہیں؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''بھئی جس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ پھر اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھل گئی ہو؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''وہ میرے جیون ساتھی' میرے مجازی خدا ہیں۔''

"بھئی تم نے خود کو راجکماری کہا ہے۔ اس طرح تو تم ہندو ہوئی ناں؟ پھر اسے مجازی خدا کیوں کہہ رہی ہو؟"

"پہلے ہندو تھی' اب مسلمان ہوگئی ہوں۔"

"سبحان اللہ... میری بیٹی! تم نے تو خوش کر دیا۔ ویسے یہ یاد رکھو' خود کو مسلمان کہنے سے پہلے الحمدللہ کہا کرو۔"

وہ بولی۔ "جی اچھا۔ میں آپ کی یہ ہدایت یاد رکھوں گی۔"

"تم دونوں ایک دوسرے سے دور کیوں ہو؟ میں ابھی اپنی سیٹ پر اسے بھیجتا ہوں۔"

وہ اٹھنا چاہتا تھا۔ "نہیں۔ آپ بیٹھیں۔ بہت بہت شکریہ۔ سفر کے دوران کسی وقت سیٹ تبدیل کریں گے۔ ابھی آپ اس بیٹی کے ساتھ رہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "بھئی معاملہ کچھ پراسرار سا ہے۔ کیا گھر سے بھاگ کر شادی کی ہے؟"

"گھر سے بھاگ کر نہیں کی ہے مگر کچھ ایسی ہی پیچیدگیاں ہیں۔"

اس نے بیٹی کہا تھا۔ وہ قابل اعتماد تھا۔ پھول وتی سرسری طور پر ہمارے حالات اسے بتانے لگی۔ جہاز کا دروازہ بند ہوگیا تھا۔ اناؤنس کیا جا رہا تھا کہ تمام مسافر اپنی اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ جہاز رن وے پر چل رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہونے لگا۔

اسپیکر سے آواز ابھر رہی تھی۔ "لیڈیز اینڈ جنٹل مینز! میں جہاز کا کیپٹن نارمن ڈیسوزا آپ سے مخاطب ہوں۔ ہم پچیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے تقریباً تین گھنٹے میں تہران پہنچیں گے۔ ہماری دوسری بریک جرنی استنبول میں ہوگی۔ اس کے بعد ہم تقریباً چھ گھنٹے میں لندن پہنچ جائیں گے۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ آپ آرام سے اور اطمینان سے سفر کرتے رہیں۔ یہاں چار ائیر ہوسٹس اور دو اسٹیوارڈ آپ کی خدمات کے لئے حاضر ہو رہے ہیں۔ شکریہ۔"

انیس سو چودہ سے مسافر بردار طیاروں کی پرواز شروع ہوئی تھی۔ جہاز چھوٹے تھے۔ پرواز نیچی اور سست رہتی تھی۔ بار بار ایندھن حاصل کرنے کے لئے کئی ملکوں کے ائیر پورٹس پر اترنا پڑتا تھا۔ جب ہمارا جہاز فضا میں بلند ہوگیا' پرواز ہموار ہوگئی' تب ائیر ہوسٹس اور اسٹیوارڈ مسافروں کی خدمات کے لئے حاضر ہوگئے۔

مہاویر نے دو ائیر ہوسٹس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ٹرالی کو دھکیلتی ہوئی مسافروں کے

درمیان سے گزر رہی تھیں اور ان کے من پسند مشروبات پیش کرتی آ رہی تھیں۔ وہ مسکرا کر پھول وتی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو وہسکی لوں گا۔ تم کیا لوگی؟"

"میں اپنی دیدی کا خون بہانے والے کا خون پیئوں گی۔"

"تم خواہ مخواہ مجھے قاتل سمجھ رہی ہو۔ تمہاری دیدی کی ہتھیا میں نے نہیں' غازی نے کی ہے۔"

"اگر غازی یہاں آجائے گا تو جھوٹ نہیں بول سکو گے۔ تمہاری بولتی بند ہو جائے گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جو پیچھے رہ گیا ہے' اسے بھول جاؤ۔ آگے میں ہوں۔"

وہ بولی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو' میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "اپنے اس بوڑھے ہم سفر سے کہو ادھر آجائے۔ میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔"

وہ بولی۔ "نہیں۔ میں آخری قطار میں تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہتی ہوں۔ وہاں جگہ بناؤ۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی وہاں جگہ بناتا ہوں۔ بس ابھی آیا۔"

وہ جانا چاہتا تھا۔ راستے میں ٹرالی آگئی۔ ائیر ہوسٹس نے پوچھا۔ وہ بولا۔ "میں تو وہسکی کی پوری بوتل لوں گا۔ مگر ابھی راستے سے ہٹو' مجھے جانے دو۔"

راہداری وسیع نہیں تھی۔ وہ کترا کر نہیں جا سکتا تھا۔ پھول وتی نے پینے کے لئے لیمن جوس لیا۔ ڈاکٹر معروف نے اورنج جوس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اسے خوب اُلو بنا رہی ہو۔ وہ تمہارے شوہر کے پاس پہنچے گا۔ کیا اسے پہچانتا ہے؟"

"ہاں۔ آپ ابھی تماشہ دیکھیں۔"

مہاویر نے ٹرالی گزرنے تک وہسکی کا ڈبل پیگ لے کر ایک سانس میں پیا۔ اس کے خیال میں پھول وتی پگھل رہی تھی۔ اس کی طرف مائل ہو رہی تھی۔ وہ اچھی طرح موڈ میں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے پھر ڈبل پیگ لیا۔ بوتل کے لیبل پر لکھا تھا کہ وہ سو برس پرانی وہسکی ہے۔ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ پرانی شراب کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔

وہ دوسرا ڈبل پیگ حلق سے اتارنے کے بعد چکرا کر بیٹھ گیا۔ جہاز کی دیواریں اور کھڑکیاں ہولے ہولے گھومتی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔ اس نے موڈ میں آ کر پھول وتی کو

دیکھا۔وہ بڑی ادا سے بولی۔''کیا میرے نام سے نہیں پیو گے؟ایک اور ڈبل پیگ لو۔''

وہ جسے حاصل کرنے کے لئے خوار ہو رہا تھا۔اس کے پیچھے بھاگا آ رہا تھا۔اس نے پہلی بار فرمائش کی تھی۔اس نے تیسری بار ڈبل پیگ لے کر جام کو فضا میں بلند کیا۔پھول وتی کو دکھایا پھر اسے حلق سے اتار لیا۔

توقع سے بڑھ کر مرادیں پوری ہونے لگتی ہیں تو آدمی ایک ہی چلّو میں اُلو ہو جاتا ہے۔وہ تین ڈبل پیگ حلق سے اتار کر یوں اپنی سیٹ پر بیٹھا رہ گیا' جیسے رام نام ست ہونے والا ہو۔ابھی مدہوش نہیں ہوا تھا۔سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔پھول وتی اس کے اندر چیخ رہی تھی۔''آؤ جانی!میرے پریتم پیارے!میرے پاس آؤ۔''

اس نے جھومتے ہوئے ایک گز کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی راجکماری کو دیکھا۔وہ بولی۔''اِدھر نہیں۔پہلے اُدھر آخری قطار کے پاس جاؤ۔جگہ بناؤ' میں آ رہی ہوں۔''

وہ سنبھلتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔نشے کے باوجود کسی حد تک ہوش میں تھا۔بس ذرا سر گھوم رہا تھا اور قدم صحیح نہیں پڑ رہے تھے۔وہ ڈگمگاتا ہوا آخری قطار کے پاس آ گیا۔پھر اس نے کنارے والی سیٹ کو تھام کر اس کے سہارے گھوم کر دیکھا تو اسی سیٹ پر میں دکھائی دیا۔

وہ سر جھٹک کر بولا۔''ہش....یہ کہاں سے آ گیا؟نہیں۔وہ کیسے آ سکتا ہے؟سالا خواب میں بھی آتا ہے اور جہاز میں بھی آ جاتا ہے۔''

اس نے میرے شانے کو تھپک کر کہا۔''اے بھائی صاحب!تم جو کوئی بھی ہو' مجھ کو ادھر بیٹھنے دو گے؟''

میں نے اس کے ایک بازو کو پکڑ کر فرش پر بٹھاتے ہوئے کہا۔''بیٹھ جاؤ۔''

وہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔پھر جلدی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔''ادھر نیچے نہیں تمہاری سیٹ پر....''

وہ اپنا توازن سنبھالتے ہوئے اٹھ رہا تھا۔میں نے اس کے سر پر ایک ہاتھ مارا تو بیٹھ گیا۔سر اٹھا کر بولا۔''کیا تم نے میرے سر پر مارا ہے؟''

میں نے اس کی ناک ایک چٹکی میں پکڑ لی۔اس نے سانس لینے کے لئے منہ کھولا۔میں نے دوسرے ہاتھ سے منہ دبا دیا۔وہ پھڑ پھڑانے لگا۔میں نے اسے چھوڑ دیا۔وہ فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے کراہنے لگا۔ایک اسٹیوارڈ دوڑتا ہوا آیا۔''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

میں نے کہا۔''اس نے بہت پی لی ہے۔آپ لوگ اتنی زیادہ کیوں پلا دیتے ہیں؟''

وہ اسے سہارا دے کر فرش سے اٹھاتے ہوئے بولا۔''ہم کیا کریں؟پینے والے ضد کرتے ہیں۔ہمیں مسافروں کو ناراض کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

مہاویرا اس پر بوجھ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔اس نے پھر دیدے پھاڑ کر پلکیں جھپکتے ہوئے مجھے دیکھا۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھے دیکھ رہا ہے۔دوسرا اسٹیوارڈ بھی آ گیا تھا۔ان دونوں نے اسے اس کی سیٹ پر لے جا کر بٹھا دیا۔سیٹ بیلٹ سے باندھ دیا۔ایک ائیر ہوسٹس اچار لا کر چٹانے لگی۔دوسری اس کے لئے لیمن جوس لے آئی۔

جہاز کے مسافر سر گھما کر یا اپنی سیٹوں سے اٹھ کر اسے دیکھ رہے تھے۔میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔پھول وتی مجھے دیکھ رہی تھی۔میں اس کے پاس آیا تو ڈاکٹر معروف اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔میں بہت پہلے ہی ان کی باتیں دور سے سنتا رہا تھا۔وہ تعارف کرانا چاہتی تھی۔میں نے کہا۔''میں جانتا ہوں۔یہ دہلی کے مشہور و معروف ڈاکٹر معروف حسین ہیں۔''

ڈاکٹر نے کہا۔''میں تمہاری سیٹ پر جا رہا ہوں۔تم یہاں بیٹھو۔''

وہ چلا گیا۔پھول وتی نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔''آؤ بیٹھو۔''

میں نے کہا۔''ذرا ٹھہرو۔ایک مرغا رہ گیا ہے۔وہ بھی کھڑا ہو کر ابھی بانگ دے گا۔''

میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔اگلی قطار کے پاس جا کر رک گیا۔بجرنگ بلی داس اس قطار کے پیچھے ایک سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔اس نے میری پشت دیکھی۔میرا قد میری جسامت دیکھ کر چونک گیا۔اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔''یہ غازی ہے....یہ غازی ہے۔نہیں۔وہ یہاں کیسے آ سکتا ہے؟کیا میرے آنے کے بعد وہ جہاز میں سوار ہوا تھا؟''

میں اس کی طرف پشت کئے کھڑا رہا۔وہ اضطراب میں مبتلا ہو گیا۔پھر اس سے رہا نہ گیا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔راہداری میں آ کر مجھ سے بولا۔''کون ہو تم؟''

میں جیسے پتھر کا بت بن گیا تھا۔اسے جواب نہیں ملا۔اس نے قریب آ کر میری پشت پر ایک انگلی سے دستک دی۔میں آہستہ آہستہ گھوم گیا۔اس کے روبرو ہو گیا۔اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔وہ سر جھٹک کر بولا۔''تم....؟''

میں نے کہا۔''اچھی طرح دیکھ لو۔میں وہی ہوں۔ہم پانی میں گرے تھے۔آسمان پر مل رہے ہیں۔ہم میں سے کسی کو اوپر جانا ہے اور کسی کو زمین پر پہنچنا ہے۔''

اس نے جیسے جھپٹ پڑنے کے لئے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو سخت کیا۔انگلیوں کی ہڈیوں اور جوڑوں سے کڑکڑانے کی آواز نکلی۔اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

میں نے کہا۔''شروع تم کرو۔ختم میں کروں گا۔''

وہ دانت پیس کر بولا۔''یہاں گورے وی آئی پی ہیں۔لڑنے والوں کو لندن پہنچ کر پولیس کے حوالے کر دیں گے۔''

میں ہنسنے لگا۔وہ تلملا کر بولا۔''تم سمجھ رہے ہو' میں ڈر گیا ہوں؟اس رات پانی میں گر کر میرے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔اگر فرار نہ ہوتے تو تمہیں ڈبو ڈبو کر مار ڈالتا۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔''تمہارے ہاتھوں سے میں نہیں نکلا تھا' تم میرے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ڈینگیں مارنے سے کیا ہوتا ہے؟ابھی آزمالو کون کتنے پانی میں ہے؟''

''میں یہاں قاتل بن کر گرفتار ہونا نہیں چاہتا۔لندن پہنچ کر تم سے نمٹ لوں گا۔تمہیں راجکماری کے قریب جانے نہیں دوں گا۔''

میں اس کے سامنے سے گزر کر آرام سے چلتا ہوا پھول وتی کے پاس آیا پھر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ابھی اس نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے قریب نہیں جانے گا۔وہ غصے اور توہین کے احساس سے لرز گیا۔پاؤں پٹختا ہوا میری طرف آنے لگا۔میں تن کر کھڑا ہو گیا۔

غصے کے باوجود اسے اتنی عقل تھی کہ لڑائی میں پہل نہیں کرنی ہے اور نہ ہی وہ سب کی موجودگی میں مجھے قتل کر سکے گا۔وہ انگریز سرکار کی قانونی گرفت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔اس نے پھول وتی سے کہا۔''تم نے میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے انکار کیا تھا۔اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم نہیں آرہی ہے؟تمہیں راج برادری اور راج گھرانے کا ذرا خیال نہیں ہے؟''

وہاں ایئر ہوسٹس اور اسٹیوارڈ آگئے تھے۔پھول وتی نے کہا۔''یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔خواہ مخواہ ہم میاں بیوی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔پلیز۔اسے سمجھاؤ۔''

ایک اسٹیوارڈ نے کہا۔''مسٹر!آپ نے پہلے بھی میڈم کو پریشان کیا تھا۔ہمیں مجبور نہ کریں۔ہم تہران پہنچ رہے ہیں۔وہاں آپ کو جہاز سے اتار دیا جائے گا۔''

وہ بلا کا شہ زور تھا۔مگر گوروں کے قانون سے لڑ نہیں سکتا تھا۔غصے سے پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی سیٹ پر چلا گیا۔پھول وتی ہنستی ہوئی میری آغوش میں آگئی۔ہمارا سفر تھوڑی دیر کے لئے بڑا ہی رومان پرور ہو گیا۔

تہران کے ہوائی اڈے پر ایک گھنٹے کے لئے ہمارا سفر رک گیا۔میں نے وہاں نماز ادا کی۔پھول وتی پوری طرح نماز پڑھنا نہیں جانتی تھی۔آئندہ میں اسے چند آیات یاد کرانا چاہتا تھا۔وہاں میری نماز کی ادائیگی کے وقت پاس ہی بیٹھی اللہ اکبر... اللہ اکبر پڑھتی رہی۔

بجرنگ بلی داس دور ہی دور سے ہمیں دیکھتا رہا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے

ہمارے درمیان دیوار بن جائے؟

ہم جہاز میں آگئے۔مہاویر کا نشہ اتر چکا تھا۔اس نے اور بجرنگ بلی نے پھول وتی کو دور سے میرے ساتھ عبادت کرتے دیکھا تھا۔انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔جب جہاز وہاں سے روانہ ہوا تو وہ دشمن ایک جگہ سیٹ حاصل کر کے پچھلی قطار میں بیٹھ گئے۔انہیں سکون نہیں تھا۔وہ بار بار سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور قسمیں کھا رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ کر ہی گزریں گے۔

ان سے پہلے تقدیر ہم سب کے خلاف بہت کچھ کرنے پر اتر آئی تھی۔اگلی منزل استنبول تھی۔وہاں پہنچنے سے کچھ دیر پہلے پائلٹ نارمن ڈیسوزا کو کنٹرول ٹاور سے ہدایت دی گئی کہ ادھر نہ آئے۔موسم کے تیور بگڑ گئے ہیں۔وہاں طوفان کی آمد کا سگنل دیا جا چکا ہے۔

پائلٹ پرواز کا رخ بدل کر رومانیہ کی طرف جانے لگا۔ایندھن حاصل کرنے کے لئے کسی بھی ایئرپورٹ میں اترنا ضروری تھا۔لیکن موسم کے بگڑے ہوئے اثرات آگے بھی تھے۔رومانیہ کے کنٹرول ٹاور سے کہا گیا کہ وہاں پہلے ہی کئی ملکی اور غیر ملکی طیارے موجود ہیں۔وہاں ایک اور جہاز کے اترنے کی گنجائش نہیں ہے۔

تقدیر کے تیور بدل رہے تھے۔پائلٹ اور کو پائلٹ پریشان تھے۔ایندھن کم ہوتا جا رہا تھا۔انہوں نے سوئٹزرلینڈ کا رخ کیا۔مسافر بے خبر تھے کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟وہ جس ہنڈولے میں جا رہے ہیں' وہ کس مصیبت سے دوچار ہو رہا ہے اور آگے بھی کیسی شامت آنے والی ہے؟

مسافر بردار طیاروں کی پروازیں ابتدائی مراحل میں تھیں۔انیس سو آٹھ میں پہلا تلخ تجربہ ہوا تھا۔جہاز گر کر تباہ ہو گیا تھا' لیکن وہ مسافر بردار طیارہ نہیں تھا۔ہمارا جہاز پہلی بار کسی ایسے سے دوچار ہونے والا تھا۔اس کے لئے استنبول اور رومانیہ کے ہوائی اڈے میں جگہ نہیں ملی تھی۔سوئٹزرلینڈ کی طرف برف کا طوفان آیا ہوا تھا۔ایسے تیز ہوائی جھکڑ چل رہے تھے' جو جہاز کی پرواز کے منافی تھے۔

مسافروں کو ہدایت دی گئی کہ اپنی اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ایسے ہی وقت جہاز ڈگمگایا۔اس کے ساتھ ہی کئی سو فٹ نیچے جا کر ایک جھٹکے سے سنبھل گیا۔پرواز پھر ہموار ہو گئی۔مرد عورتیں' جوان بوڑھے سب ہی گھبرا کر چیخنے لگے۔

اسپیکر سے آواز ابھر رہی تھی۔''مسافروں سے درخواست ہے کہ حوصلہ رکھیں۔باہر موسم ناموافق ہے۔ہم کوشش کر رہے ہیں کہ بمپنگ نہ ہو' جہاز جھٹکے نہ کھائے۔ہم جلد ہی کسی

ائیرپورٹ پراتر جائیں گے۔''

مسافروں کو جھوٹی تسلی دی جارہی تھی۔ باہر اندھا کردینے والی تاریکی تھی۔ کسی کنٹرول ٹاور سے رابطہ نہیں ہورہا تھا۔ قطب نما سمت بتارہا تھا۔ مگر کوئی ملک نہیں بتارہا تھا۔ یہ بھی نشاندہی نہیں ہورہی تھی کہ وہ یورپ کے کس حصے سے گزر رہے ہیں؟

اور اینڈھن کا کانٹا کہہ رہا تھا کہ جہاز کو کہیں اتارا نہ گیا تو گر کر تباہ ہوجائے گا۔

پھول وتی ''اللہ اکبر۔ اللہ اکبر'' کا ورد کررہی تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا پائلٹ کیبن میں ہونے والی باتیں سن کر بگڑی ہوئی صورتحال کو سمجھ رہا تھا اور کلام پاک کی آیات پڑھ رہا تھا۔ ایک بار پھر پمپنگ ہوئی تھی۔ جہاز نیچے جاتے جاتے سنبھل گیا تھا۔ مسافر چیخ رہے تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ موت کی دہشت سے دو کمزور دل کے مسافروں نے دم توڑ دیا تھا۔ ان کی موت نے دوسروں مسافروں کے اعصاب کمزور کردیئے۔ مسلمان، ہندو، عیسائی سب ہی اپنے اپنے خدا، بھگوان اور گاڈ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ وہ دونوں دشمن بھی دشمنی بھول کر ہرے رام ہرے کرشنا کی رٹ لگا رہے تھے۔

اسپیکر سے پھر آواز ابھر رہی تھی۔ مسافروں سے پھر جھوٹ بولا جارہا تھا کہ لیڈیز اینڈ جنٹل مینز! ہم استنبول کے رن وے پر اتر رہے ہیں۔ طوفان کے باعث بجلی فیل ہوچکی ہے۔ آپ حضرات کو کھڑکیوں سے باہر کچھ نظر نہیں آئے گا۔

دراصل وہ کسی بھی انجانی جگہ اترنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ جہاز کی ہیڈ لائٹس کے ذریعے صرف برف کی سفیدی دکھائی دے رہی تھی۔ طیارہ کبھی ایک طرف جھک رہا تھا۔ کبھی دوسری طرف ہورہا تھا۔ پرواز کو سنبھالا جارہا تھا۔ ایسے وقت جہاز کو ایک جھٹکا سا لگا۔ تمام مسافر چیخنے چلانے اور اپنے رب کو پکارنے لگے۔

وہ جیسے زمین کو چھو لینے کے بعد پھر پرواز کررہا تھا۔ آس دلا رہا تھا کہ زندگی مل سکتی ہے، نہ ملنا ہو تو کسی کو نہیں ملتی۔ یکبارگی جیسے طیارے کے اندر زلزلہ آگیا۔ پھول وتی مجھ سے چمٹ گئی تھی۔ مسافروں کی چیخ و پکار سے لگ رہا تھا، قیامت آگئی ہے۔

سب نے محسوس کیا کہ طیارہ زمین سے لگ کر گھسٹتا ہوا جارہا ہے۔ جہاز رن وے پر اس طرح نہیں اترتا، جیسے وہ اتر رہا تھا۔ یہی سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا ہے۔ لیکن وہ اچانک ہی ایک جھٹکے سے رک گیا۔ یک لخت خاموشی چھا گئی۔ چیخنے چلانے والے گم صم سے بیٹھے رہ گئے۔ ان کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ آوازیں بند ہوگئی تھیں۔

ایسا چند ساعتوں تک رہا، پھر سب کو یقین ہوا کہ وہ زندہ ہیں اور سانسیں لے رہے

ہیں۔ وہ اپنے آس پاس دیکھنے لگے۔ جہاز کے دو چار حصوں سے روتے ہوئے کہا گیا کہ ان کے ہم سفر مر گئے ہیں۔ وہاں کا ماحول ماتمی ہورہا تھا۔ ائیر ہوسٹس اور اسٹیوارڈز سیٹ بیلٹ کھول کر آگئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وی آئی پی کلاس میں بھی چھ مر گئے ہیں۔ انہوں نے شراب کے نشے میں سیفٹی بیلٹ نہیں باندھے تھے۔ اپنی سیٹوں سے اچھل کر ادھر ادھر ٹکرا کر مر گئے تھے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر عورتوں اور کمزور دل لوگوں کو تسلیاں دینے لگا۔ ڈاکٹر معروف فرسٹ ایڈ بکس اٹھائے زخمیوں کے پاس جارہا تھا۔ ان کی مرہم پٹی کررہا تھا۔

کسی نے کہا۔ ''دروازہ کھولو۔ ہم اتریں گے۔''

دوسرے بھی یہی کہنے لگے۔ ''ہاں ہمیں یہاں سے نکالو۔ ہم ائیرپورٹ کی عمارت میں جائیں گے۔''

وہ سب ائیر ہوسٹس اور اسٹیوارڈ سے پوچھنے لگے۔ ''پائلٹ چپ کیوں ہے؟ وہ بولتا کیوں نہیں ہے؟''

وہاں اگلے حصے میں گورے مسافر پائلٹ کیبن کے دروازے کو پیٹ رہے تھے۔ اندر سے جواب نہیں مل رہا تھا، دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ بجرنگ بلی نے آکر کہا۔ ''اسے توڑنا ہوگا۔ شائد پائلٹ اور اس کا ساتھی بیہوش ہوگئے ہیں۔''

پائلٹ ہی باہر آکر بتا سکتا تھا کہ اس نے مسافروں کو کہاں پہنچایا ہے؟ بجرنگ بلی نے دروازے کو زور کی لات ماری۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ مضبوط لکڑی کے موٹے تختے سے بنا ہوا تھا۔ اس کا لاک بھی بہت مضبوط تھا۔

ایک انگریز نے کہا۔ ''ہم سب مل کر دھکے مارتے رہیں گے تو یہ ٹوٹ جائے گا۔''

میں نے کہا۔ ''آپ حضرات زحمت نہ کریں۔ یہ بجرنگ بہت ہی شکتی والا ہے۔ ابھی اسے توڑ کر رکھ دے گا۔''

میں نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے بازوؤں کے مسلز پھلاتے ہوئے بولا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو؟ کیا میں اسے توڑ نہیں سکوں گا؟ میں تو تمہارا سر بھی توڑ سکتا ہوں۔''

ایک انگریز افسر نے کہا۔ ''یو بلڈی فول! سر توڑنے کی بات مت بولو۔ دروازہ توڑو۔''

بجرنگ نے اسے غصے سے دیکھا۔ اس نے گالی دی تھی مگر اس کا منہ نہیں توڑ سکتا تھا۔ وہ سب ہی انگریز آقا کہلاتے تھے پھر یہ کہ ابھی ان کے ملک میں جانا تھا اور جانے کے لئے پائلٹ کو کیبن سے زندہ سلامت نکالنا تھا۔ اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی پھر جے بجرنگ بلی

کی جے .... کہتا ہوا دروازے سے ٹکرا گیا۔ دروازہ چپ رہا۔ وہ پھر ذرا دور گیا' پھر پوری قوت سے آ کر ٹکرا گیا۔ سب ہی پریشان تھے۔ مسافروں کے لئے دروازہ کھولنے والی چابی کیبن کے اندر تھی۔ وہ سب جہاز سے اتر کر ائیر پورٹ کی عمارت میں جانا چاہتے تھے۔

انگریز افسر نے ہم سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈونٹ ویسٹ مور ٹائم۔ تم سب مل کے اس کو توڑ دو۔''

میں خاموشی سے دل ہی دل میں اسم اعظم پڑھ رہا تھا۔ بجرنگ بلی پھر دروازے کو دھکا مارنے آیا تو میں سامنے آ گیا۔ وہ مجھ سے ٹکرا کر رک گیا۔ اسے یوں لگا' جیسے کسی ستون سے ٹکرا کر ٹھہر گیا ہو۔ میں نے دروازے کی طرف پلٹ کر اس پر ہاتھ رکھا' اپنی تمام توجہ اللہ تعالیٰ پر مرکوز کی۔ پھر اپنے دل کی نامعلوم گہرائیوں میں ڈوب کر پکارا۔ ''اللہ....! یا اللہ....! یا اللہ....!''

یوں پکارتے ہی میں نے دروازے کے لاک والے حصے پر ایک گھونسا مارا۔ اس کے ساتھ ہی زور کا کھٹکا سا سنائی دیا۔ لاک ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ پھر وہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

انگریزوں نے تالیاں بجائیں۔ مگر کیبن کے اندر جھانکتے ہی سب کو شاک پہنچا۔ پائلٹ اور کو پائلٹ کی لاشیں فرش پر پڑی ہوئی تھیں۔ ونڈ اسکرین کے نیچے تمام مشینیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ ان کے پرزے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ پھر یہ کہ جہاز کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی عمارت' کوئی آبادی نہیں تھی۔

یہ اطمینان ختم ہو گیا کہ ہم کسی آبادی میں پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی ویران برفانی علاقہ تھا۔ باہر دیکھنے کے لئے صرف ہیڈ لائٹس کی روشنی تھی۔ ایک انگریز نے شکستہ مشینوں پر چڑھ کر ونڈ اسکرین کے پاس دیکھا۔ پھر کہا۔ ''یہ جہاز برف میں دھنسا ہوا ہے۔ فوراً باہر نکلنے کا دروازہ کھولو۔ ورنہ صبح تک برف جمتی رہے گی تو پھر دروازہ بھی نہیں کھلے گا۔''

اسٹیوارڈ کیبن کی ایک دراز سے چابی نکال کر جہاز کے درمیانی حصے میں آیا۔ ہم سب اس کے پیچھے تھے۔ اس نے دروازے کو کھولا تو باہر گہری تاریکی تھی۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سرد اور تیز ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ یوں بھی مسافر سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ اپنے بیگ اور اٹیچی سے گرم کپڑے نکال کر پہن رہے تھے۔ دروازے کو بند کر دیا گیا۔ مگر لاک نہیں کیا گیا۔

ہم سب اس طیارے میں قیدی بن گئے تھے۔ ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے کہ دن نکلتے ہی امدادی ٹیم آئے گی اور ہمیں دوسرے جہاز میں لے جائے گی۔ اس سلسلے

میں ریڈیو وائرلیس کے ذریعے کسی قریبی کنٹرول ٹاور سے رابطہ کرنا ضروری تھا۔ جبکہ رابطہ کرنے کا تمام سامان درہم برہم ہو چکا تھا۔ ان شکستہ مشینوں کو کوئی تجربہ کار مکینک درست کر کے کام کے قابل بنا سکتا تھا۔

پوچھا گیا کہ مسافروں میں کوئی مکینک ہے؟

سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ہوائی جہاز کی مشینوں کو سمجھنے والا کوئی انجینئر نہیں تھا۔ پھر ایک اور مصیبت نے للکارا۔ جہاز کی اندرونی لائٹس مدھم ہونے لگیں۔ جنریٹر کا ایندھن بھی ختم ہو رہا تھا۔ سب ہی پریشان ہو کر اپنی اپنی سیٹوں پر آ گئے۔ یہ سمجھ گئے کہ تاریکی چھانے کے بعد کوئی وہاں چل پھر نہیں سکے گا۔

رات کے گیارہ بجے تھے۔ میں نے پھول وتی کو آغوش میں سمیٹ کر کہا۔ ''سونے کی کوشش کرو۔ اندھیرے میں مجھے جاگتے رہنا ہوگا۔ دشمن کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ تاریکی میں پہچانے نہیں جائیں گے۔ میں جاگتا رہوں گا تو پہچان لوں گا۔''

اس نے میرے سینے سے لگ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسٹیوارڈ مسافروں سے کہہ رہا تھا۔ ''جس کے پاس ٹارچ اور لائٹر ہو' وہ ہمیں دیں۔ لائٹس بجھتی جا رہی ہیں۔ ہم اندھیرے میں آپ کے کام آتے رہیں گے۔''

تاریکی ہونے سے پہلے یہ معلوم ہوا تھا کہ بیس مسافر زخمی ہیں اور پندرہ مر چکے ہیں۔ کئی مسافر تاریکی میں ان لاشوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں سمجھایا جا رہا تھا کہ دن کی روشنی میں ان لاشوں کو باہر لے جا کر برف میں دبا دیا جائے گا۔ جب امدادی ٹیم آئے گی تو ان لاشوں کو ان کے ورثا لے جا سکیں گے۔''

وہاں کسی کے پاس ٹارچ نہیں تھی۔ سگریٹ پینے والوں کے پاس ماچس اور لائٹر تھے۔ ماچس بھی اس علاقے میں نم ہو گئی تھیں۔ لائٹر صرف چنگاریاں چھوڑتے تھے پھر ٹھنڈے پڑ جاتے تھے۔ ایسے ہی وقت جنریٹر خاموش ہو گیا۔ تمام لائٹس آف ہو گئیں۔

جہاز کے اندر اور باہر تاریکی ہی تاریکی تھی۔ سب ہی جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ اپنے آپ کو بھی دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ کچھ مسافروں کے رونے اور کراہنے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ جو لاشوں کے قریب تھے' وہ ڈر رہے تھے۔ کوئی ڈانٹ رہا تھا۔ ''چپ ہو جاؤ۔ لاش تمہارا گلا نہیں دبائے گی۔ ایسی بھیانک آوازیں نہ نکالو۔ ہمارا دل گھبرا رہا ہے۔''

جو مسافر نیند کی متوالے تھے' وہ بیٹھے بیٹھے غراٹے لے رہے تھے۔ پھول وتی کو میری گرم آغوش ملی تھی۔ وہ بھی سو گئی تھی۔ ایک اسٹیوارڈ نے ہمیں کمبل لا کر دیا تھا۔ میں نے

سیٹوں کے درمیانی ہتھے کو ہٹا کر اسے وہاں لٹایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پوچھا۔

''کہاں جارہے ہو؟''

''تمہارے پاس ہی ہوں۔ مجھے یہاں محتاط رہنا ہے۔ تم سوتی رہو۔''

میں اس پر جھک کر اسے تھپک رہا تھا اور اپنی غیر معمولی سماعت کے ذریعے دور قدموں کی دبی دبی سی آہٹ سن رہا تھا۔ وہ خدمت گزار ائیر ہوسٹس اور اسٹیوارڈ ہو سکتے تھے۔ مگر عقل کہہ رہی تھی کہ وہ تاریکی میں ٹھوکریں کھانے کے لئے ادھر نہیں آئیں گے۔ پھر یہ کہ وہ اندھیرے میں کسی کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

میرا شبہ درست تھا۔ بجرنگ بلی اپنی سیٹ سے اٹھ کر پچھلے کنارے والی سیٹ کو تھام کر حساب لگا رہا تھا۔ میں وہاں سے پانچویں قطار والی سیٹوں پر پھول وتی کے ساتھ تھا۔ یہ اس نے روشنی میں دیکھا تھا۔ اب اندھیرے میں اسی حساب سے ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔ وہ پانچویں قطار کی سیٹ تک پہنچ کر چھو کر مجھے پہچانتے ہی چاقو کے پے در پے وار کرنا چاہتا تھا۔ وہ جیسے جیسے قریب آرہا تھا۔ اس کی سانسیں بھی واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کتنے فاصلے پر رہ گیا ہے؟

اس نے ٹٹول کر آگے بڑھنے کے باعث چوتھی قطار کے مسافر کو چھو لیا۔ وہ سہم کر بولا۔ ''کون ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک قدم آگے میری سیٹ تھی۔ اس نے فوراً ہی وہ فاصلہ طے کیا۔ اس کی ناک سے خارج ہونے والی سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے ادھر ایک زوردار گھونسا جڑ دیا۔ وہ اچانک حملے سے بوکھلا گیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی۔ میں نے منہ پر دوسرا گھونسا جڑ دیا۔

تاریکی میں سب ہی اندھے ہو گئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جوابی حملہ کدھر کرے؟ پہلے ہی گھونسے میں چاقو ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر گھونسے چلائے پھر پریشان ہو کر گھٹنے ٹیک دیئے۔ جھک کر فرش پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ چاقو تلاش کرنے لگا۔

اب مجھے نیچے کی سمت سے اس کی سانسوں کی بھبکے سنائی دے رہے تھے۔ اندازہ ہو گیا کہ وہ گھٹنے ٹیک کر جھکا ہوا ہے اور ادھر اُدھر جا رہا ہے۔ پھر اس کی سانسوں نے بتایا کہ اس کی ناک کہاں ہے؟ میں نے ادھر زور کی لات ماری تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ کتنے ہی لوگوں نے پوچھا۔ ''یہ کس نے چیخ ماری ہے؟''

ہماری قطار کے قریب والوں نے کہا۔ ''ہم عجیب طرح کی آہٹیں اور آوازیں سن رہے

ہیں۔ ایسا لگتا ہے' یہاں ایک سے زیادہ لوگ کچھ کر رہے ہیں۔ شائد کسی پر ظلم کر رہے ہیں۔''

ایک خوف سا طاری ہو گیا کہ پتہ نہیں اندھیرے میں کیا ہو رہا ہے؟ سب اپنی اپنی سیٹ سے چپک گئے تھے۔ کوئی اپنی جگہ سے اٹھنے کی حماقت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اسٹیوارڈ نے کہیں دور سے پوچھا۔ ''یہ ابھی کون چیخ رہا تھا؟''

اسے چاقو نہیں ملا۔ وہ خالی ہاتھ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں راجہ بجرنگ بلی داس ہوں۔ یہ راجکماری کا یار اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر مجھ پر حملے کر رہا ہے۔''

اس کی آواز نے بتایا کہ وہ اب کتنے فاصلے پر ہے؟ میں اس کے منہ پر تابڑ توڑ دو چار گھونسے مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر بولا۔ ''اس سے پوچھا جائے' یہ پچھلی قطار میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں کس نیت سے راجکماری کے پاس آیا تھا؟''

میرے گھونسے دشمنوں کو ہتھوڑے کی طرح لگتے تھے۔ بجرنگ سچ مچ فولاد تھا۔ اس نے پہلے دو گھونسے برداشت کر لئے تھے۔ اس کے بعد نڈھال ہو گیا۔ میرے متواتر گھونسوں کے باعث جبڑے ڈھیلے پڑ گئے۔ ناک اور منہ سے خون رسنے لگا۔ میں نے پھر ایک ٹھوکر ماری تو حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔

اسٹیوارڈ کے علاوہ ڈاکٹر معروف نے بھی پوچھا۔ ''مسٹر بجرنگ! تم اتنی تاریکی میں راجکماری کی طرف کیوں گئے تھے؟ اب بھی تمہاری آواز وہیں سے آرہی ہے۔''

وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ خود کو سنبھالنے اور پیروں پر کھڑا ہونے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اسٹیوارڈ نے پوچھا۔ ''مسٹر غازی! کیا تم اس پر حملے کر رہے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ گم ہو گیا ہے۔ اس کی خاموشی کہہ رہی ہے' وہ اچانک ہی حملہ کرنے والا ہے۔''

ایک ائیر ہوسٹس نے کہا۔ ''تم وہ جگہ چھوڑ دو۔ ذرا دور چلے جاؤ۔''

''میں اپنی بیوی کے ساتھ اندھیرے میں کہاں جاؤں گا؟ اس دشمن کو اپنی سیٹ پر واپس جانے کے لئے کہا جائے۔''

کئی لوگوں نے میری حمایت کی۔ ''یہ ٹھیک کہتا ہے۔ جو اپنی سیٹ چھوڑ کر جھگڑا کرنے آیا ہے۔ اسے واپس جانا چاہئے۔''

میں اس کی ہلکی ہلکی کراہیں سن رہا تھا۔ میں نے کچھ سوچا پھر اس پر حملہ کرنے سے پہلے چیخ پڑا۔ ''یہ دیکھو دیکھو! یہ اچانک مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔''

یہ کہتے ہی میں نے پھر اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ پھر اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ اس

نے مجھ پر حملہ نہیں کیا تھا۔ میں ہی متواتر حملے کر رہا تھا۔ وہ اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ کر اس کے سر کو بار بار فرش پر مارنے لگا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ سٹپٹا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے میری ٹانگ پکڑ لی تھی۔ مگر گرفت کمزور تھی۔ میں خود کو چھڑا کر دور ہو گیا۔

کسی نے کہا۔ ''آوازوں سے پتہ چل رہا ہے' غازی اس پر ظلم کر رہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''کیا تم بے غیرت ہو؟ اپنی بیوی کے پاس آنے والے کو یونہی چھوڑ دو گے؟ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ ورنہ یہ پھر کسی وقت آ کر مجھ پر حملہ کرے گا۔''

ایک نے کہا۔ ''چھوڑ دو۔ ہم اسے روکیں گے۔ تمہاری طرف آنے نہیں دیں گے۔''

''اندھیرے میں کیسے دیکھو گے؟ کیسے روکو گے؟ کیا صبح ہونے تک پہرہ دیتے رہو گے؟''

بجرنگ بلی سے ہمدردی کرنے والے چپ ہو گئے۔ ڈاکٹر معروف نے کہا۔ ''یہ ان کا معاملہ ہے' آپس کی دشمنی ہے۔ یہ سب ہی سمجھ رہے ہیں کہ بجرنگ بلی نے وہاں جا کر دشمنی شروع کی ہے۔''

اسٹیوارڈ نے کہا۔ ''بجرنگ پہلے بھی راجکماری کو دو بار پریشان کر چکا ہے۔ بہتر ہے' وہ ایک دوسرے سے نمٹ ہی لیں۔''

وہ مجھ سے نمٹنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بڑی تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ آواز بتا رہی تھی کہ فرش پر رینگتا ہوا پچھلی قطار کی طرف جا رہا ہے۔ میں جھک کر اس کے کپڑے پھاڑنے لگا۔ اسے بے لباس کرنے لگا۔ اس نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں نے پھر اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔

اس پر گویا ہتھوڑے برس رہے تھے۔ وہ بے دم سا ہو گیا۔ اپنا بچاؤ کرنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

میں اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر کھینچتا ہوا پچھلی قطار سے آگے آیا۔ ایک اندھے کی طرح ٹٹولتا دروازے تک پہنچ کر اسے کھول دیا۔

برفانی ہوائیں شور مچاتی ہوئی اندر آنے لگیں۔ مسافر چیخنے لگے۔ ''بند کرو۔ دروازہ بند کرو۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دروازہ کیوں کھولا گیا ہے؟''

میں نے بجرنگ کو کھینچ کر پھر ٹھوکریں مار کر اسے باہر پھینک دیا۔ دروازے کو بند کر دیا۔ خاموشی چھا گئی۔ باہر برفانی ہواؤں کے شور میں وہ چیخ رہا تھا۔ بالکل ننگا تھا۔ سردی کی شدت سے ہاتھ پاؤں اکڑ رہے تھے۔ بڑی نقاہت سے جہاز کی باڈی پر ہاتھ مار کر گڑگڑا

رہا تھا۔ ''دروازہ کھولو۔ بھگوان کے لئے مجھے اندر آنے دو۔ میں مر جاؤں گا۔ میں۔ میں مر رہا ہوں۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ آہ''

اس کی آواز ڈوبتی چلی گئی۔ اندر کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ باہر سے اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ صرف میں سن رہا تھا۔ بس تھوڑی دیر تک سنتا رہا۔ پھر وہ بولنے کے قابل نہ رہا۔ اٹک اٹک کر سانس لے رہا تھا۔ برف کی سطح پر پڑا ہوا تھا۔ بدن اکڑتا جا رہا تھا۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی سکت نہ رہی تھی۔

میں دروازے سے لگا کھڑا تھا۔ کسی نے پوچھا۔ ''دروازہ کیوں کھولا گیا تھا؟''

دوسرے کی آواز آئی۔ ''ہاں۔ کھولا گیا تھا' پھر بند کر دیا گیا ہے۔''

''کیا وہ دونوں لڑتے ہوئے باہر گئے ہیں؟''

''نہیں۔ باہر کیا مرنے جائیں گے؟ وہ اندر ہی ہیں۔''

''وہ اچانک خاموش کیوں ہو گئے ہیں؟''

''مسٹر غازی! مسٹر بجرنگ! کہاں ہو؟ چپ کیوں ہو؟ اپنی آوازیں سناؤ۔''

میری غیر معمولی سماعت نے بتایا کہ وہ اپنی آخری سانسیں پوری کر چکا ہے۔ میں اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا پچھلی قطار کی کنارے والی سیٹ کے پاس آیا پھر بولا۔ ''یہاں مرنے والوں میں ایک لاش کا اضافہ ہو گیا ہے۔ میں نے اسے باہر پھینک دیا ہے۔''

تمام بولنے والے چپ ہو گئے۔ میں ایک کے بعد ایک قطار کی سیٹ کر چھو کر گنتا ہوا اپنی قطار میں پہنچ گیا۔ پھول وتی بیدار ہو گئی تھی۔ چپ چاپ بیٹھی میری آواز سن کر مطمئن ہوتی رہی تھی کہ میں دشمن کے مقابلے میں محفوظ ہوں۔ میرے واپس آتے ہی اس نے مجھے چھو لیا۔ یقین کیا کہ میں ہی ہوں۔ پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

بجرنگ کی ہلاکت پر لوگ تبصرہ کرنے لگے۔ کسی نے کہا' میں قاتل ہوں۔ قانون کی نظروں میں مجرم ہوں۔ کسی نے کہا' یہاں قانون اور قانون کے محافظ کہاں ہیں؟ غازی کو بجرنگ کی دشمنی سے کون بچا سکتا تھا؟ اس نے خود ہی اپنا بچاؤ کیا ہے۔

وی آئی پی کلاس سے ایک انگریز بولا۔ ''یو بلیک انڈین! بلیک ڈاگ! اتنی رات کو بولتا ہے۔ چپ ہو جاؤ۔ نہیں تو تم سب کو جہاز سے باہر کر دے گا۔''

ایک نے کہا۔ ''اے! ہم کو گالی مت دو۔ یہاں تمہارے باپ کی حکومت نہیں ہے۔ ہم سب مل کر تم گورے لوگوں کو یہاں سے باہر نکال دیں گے۔''

دوسرے ہندوستانی بھی ان کے خلاف بولنے لگے۔ وہاں بیس انگریز تھے۔ جن میں

سے آٹھ مر گئے تھے۔ جو زندہ بیٹھے ہوئے تھے وہ جانتے تھے کہ ہندوستانی ان سے نفرت کرتے ہیں۔ پورے ہندوستان میں ان کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ وہ وہاں بھی ان بارہ گورے مسافروں کو مار کر باہر پھینک سکتے تھے۔ لہٰذا وہ چپ رہے۔

تاریکی میں کوئی یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہاں کون کیا کر رہا ہے؟ ہمیں بھی کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ میری آغوش میں تھی۔ ہڈیوں میں اتر جانے والی سردی کا تقاضہ یہی تھا کہ ہم ایک دوسرے میں اتر جائیں۔ تاریکی بھی تھی' پردہ بھی تھا اور جلوت میں خلوت بھی تھی۔

میں نے سفر کے دوران مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھی تھیں۔ حالات اس قدر بگڑتے جا رہے تھے کہ مقدس آیات پڑھنے کی فرصت نہیں ملی۔ اسم اعظم پڑھتے رہنے کی بھی مشق جاری نہ رکھ سکا۔ اب وقت مل رہا تھا۔ میں صبح تک یا تو سو سکتا تھا' یا عبادت کر سکتا تھا یا پھول وتی کے ساتھ رنگین لمحات گزار سکتا تھا۔

وہاں تاریکی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے ضروری تھے۔ الگ ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ پھر کیوں پرہیز کرتے؟ ہم میاں بیوی تھے' لیکن عبادت بھی لازمی تھی۔ میں اس وقت عبادت نہ کرتا۔ مگر فجر کی نماز تو پڑھنی تھی۔ سوال یہ تھا کہ نماز کیسے پڑھوں گا؟ گھر ہوتا تو صبح سے پہلے ہی غسل کر کے پاک صاف ہو جاتا۔ جہاز میں پانی نہیں تھا۔ مٹھیوں میں برف لے لے کر بدن صاف کرنا پڑتا۔ پھر وہاں کی جان لیوا سردی میں برف سے غسل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے کہا۔ ''پھول وتی ہم نے صبح عبادت کرنی ہے۔ یہاں سیٹ پر آرام سے سو جاؤ۔''

وہ ذرا مایوس ہوئی۔ پھر بولی۔ ''ہاں۔ عبادت ضروری ہے۔ مگر میں تم سے الگ ہو کر سو نہیں سکوں گی۔ ہم اس طرح ہی لگے رہیں گے۔ ایک دوسرے کے بدن کی گرمی ملتی رہے گی۔ اس سے آگے نہیں بڑھیں گے۔''

بیشک۔ مجھے بھی حرارت مل رہی تھی۔ اس وقت سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسی حرارت کے پیچھے شرارت چھپی رہتی ہے۔ چپکے چپکے شرارے چھوڑتی رہتی ہے۔ حوا اور آدم کے ساتھ بھی یہی ہوا ہوگا۔ انہیں شجر کے پاس جانا نہیں چاہئے تھا۔ مگر وہ دھوپ سے بچنے کے لئے چھاؤں میں گئے ہوں گے۔ بعد میں پتہ چلا ہوگا کہ جذبات کی دھوپ سے بچنے کے لئے ایک دوسرے کی چھاؤں میں جل چکے ہیں۔

بس ایسا ہی ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا' کیسے ہوتا ہے؟ ہم ایک دوسرے کی حرارت سے سلگتے ہی چلے گئے۔ جب بجھے تو غلطی کا احساس ہوا۔ میں پاکیزگی کی جنت سے نکل گیا

تھا۔ طہارت کے بغیر عبادت نہیں کر سکتا تھا۔

خدا اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ میں بھی ایک چھوٹی سی آزمائش سے گزر جاتا۔ صرف ایک رات پرہیز کرتا تو عبادت سے محروم نہ ہوتا۔ بابا سائیں کہہ چکے تھے کہ میرا ایمان کمزور ہے۔ مجھ پر دنیاوی ہوس غالب آجاتی ہے۔ میں اپنی کمزوریاں دور کرنے کے لئے مستقل مزاجی اور بھرپور ایمانی جذبے سے عبادت کرتا رہوں گا' تب ہی اسم اعظم کی ادائیگی میں کامل ہو سکوں گا۔ لیکن میں آزمائش میں ناکام رہا تھا۔

وہ تھک ہار کر مست ہو کر سو گئی تھی۔ میں سر تھام کر سوچ رہا تھا کہ صبح ہونے والی ہے۔ اس ویرانے سے دور فجر کی اذانیں گونج رہی ہوں گی۔ نماز کے لئے پکار رہی ہوں گی اور میں نے خود کو نماز سے محروم کر دیا ہے۔ آہ...! کیا صرف چند گھنٹوں کے لئے جذبات کو لگام نہیں دے سکتا تھا؟

میں نادم تھا۔ پہلے بھی نماز چھوڑ کر شرمندہ ہوتا رہا تھا۔ توبہ کرتا رہا تھا اور پھر سے عبادت کی طرف مائل ہوتا رہا تھا۔ بڑے یقین سے کہتا تھا۔ ''اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔''

بار بار سرزد ہونے والی غلطیاں معاف نہیں کی جاتیں۔ پہلے بابا سائیں کی سرپرستی حاصل تھی۔ ان کی دعاؤں سے معافی ملتی رہی۔ اب سزا ملنے والی تھی۔ میرے اندر جیسے وہ کہہ رہے تھے کہ مجھ جیسے لوگ معافی سے نہیں سزاؤں سے سنبھلتے ہیں۔

فی الوقت اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ جب تک غسل نہ کرتا' طہارت حاصل نہ ہوتی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ یوں تو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ اس معبود کو یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن طہارت اور وضو کے بغیر عبادت نہیں کی جا سکتی۔ اسم اعظم کی مکمل ادائیگی ہو نہیں پاتی۔

دن نکل آیا تھا۔ برف سے ڈھکے ہوئے علاقے میں روشنی برائے نام تھی۔ دھیما دھیما سا اجالا تھا۔ میں بڑی بے چینی سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ جلد ہی کوئی امدادی ٹیم آئے اور میں جلد ہی کسی آبادی میں پہنچ کر طہارت حاصل کر لوں۔

مجھ جیسے خطاکار کی دعا قبول نہیں ہو سکتی تھی۔ امدادی ٹیم نہیں آرہی تھی۔ کیوں نہیں آرہی تھی؟ یہ نہ آنے والے ہی جان سکتے تھے۔ ان کی کوئی مجبوری ہوگی یا وہ ہمارا سراغ لگا نہیں پا رہے تھے۔

میں نے کئی بار شرمندگی سے سوچا کہ جہاز سے باہر جا کر برف اٹھا کر پورے بدن کو رگڑ رگڑ کر صاف کروں۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ ایسا کرتے ہی ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے۔ ناقابل برداشت ٹھنڈک یا تو مار دیتی یا مفلوج کر دیتی۔

وہاں مسافروں کے بھی مسائل تھے۔ ٹوائلٹ مقفل کر دیئے گئے تھے۔ یہی کہا جارہا تھا کہ جہاز برف میں دھنسا ہوا ہے۔ نکاسی کا راستہ نہیں ہے۔ اس لئے ان سب کو باہر کہیں دور جانا ہوگا۔

اس مجبوری کو سب ہی سمجھ رہے تھے۔ باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا گیا تو سامنے ہی بجرنگ کی لاش دکھائی دی۔ وہ برف میں دھنسا ہوا تھا۔ کہیں کہیں سے دکھائی دے رہا تھا۔ سب نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا۔ ”یہ اندھیرے میں مجھے قتل کرنے آیا تھا۔ ہم میں سے کسی ایک کو زندہ رہنا تھا۔ آئندہ میرے خلاف کوئی قانونی کارروائی ہوگی تو میں آپ حضرات کی حمایت چاہوں گا۔“

کچھ نے میری حمایت کرنے کا وعدہ کیا۔ کچھ خاموش رہے۔ رفع حاجت کے لئے باہر چلے گئے۔ بجرنگ کی موت نے مہاویر چوہان کو بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا‘ بجرنگ کے بعد اس کی باری ہے۔ اس وقت جہاز میں چند مسافر رہ گئے تھے۔

وہ سہما ہوا سا میرے سامنے آیا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”میں بھگوان کو گواہ بنا کر تمام دیوتاؤں اور دیویوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں‘ کبھی تم سے دشمنی نہیں کروں گا۔ راجکماری میری سالی تھی۔ اب سے اسے بہن سمجھوں گا۔ تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں‘ مجھے زندہ رہنے دو۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔“

”زندہ رہ کر لندن پہنچ کر سیاسی چالیں چلو گے۔ انگریز آقا کو یقین دلاؤ گے کہ راجہ ولبھ کی بیٹی سے شادی ہوگی تو دو ریاستوں کی فوجیں متحد ہوں گی۔ اس طرح اپنے علاقے میں بغاوت کو کچل سکو گے اور انگریز راج قائم رہے گا۔ ایسے اتحاد کے لئے برٹش سرکار کے حکم کے مطابق راجکماری کو تم سے شادی کرنی ہوگی۔ وہ نہیں کرے گی تو لندن میں نہیں رہ سکے گی۔ اس کے پتا مہاراج کا راج پاٹ بھی ختم ہو جائے گا۔“

وہ پھر ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”نہیں۔ میں کوئی سیاسی چال نہیں چلوں گا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں تم سے دشمنی کرنے کی غلطی نہیں کروں گا۔“

”اور میں تمہارے جیسے دشمن پر بھروسہ کرنے کی غلطی نہیں کروں گا۔ میرے سامنے ہاتھ جوڑنے اور سر جھکانے کا ناٹک نہ کرو۔ جاؤ اور اپنی سانسیں گنتے رہو۔“

وہ سہم کر میرے پاس آیا تھا۔ پھر اچانک ہی گھور کر دیکھنے لگا۔ کہنے لگا۔ ”مجھے مارنا ہے تو ابھی مار ڈالو۔ دہشت زدہ کر کے نہ مارو۔ انتظار کی سولی پر نہ لٹکاؤ۔“

”میں خواہ مخواہ قاتل نہیں بنوں گا۔ جبکہ ایک قتل کر چکا ہوں۔ دوسرے قتل کے لئے کوئی

معقول بہانہ پیدا کروں گا۔ پھول وتی سو رہی ہے۔ اس کی نیند خراب نہ کرو۔ جاؤ یہاں سے۔“

وہ سمجھ گیا۔ چاپلوسی سے کام نہیں بنے گا۔ میں اس پر بھروسہ نہیں کروں گا اور نہ ہی رحم کھاؤں گا۔ وہ تن کر ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر بولا۔ ”جب مرنا ہی ہے تو ڈرنا کیا؟ میں تمہیں لڑنے جھگڑنے اور حملہ کرنے کا موقع ہی نہیں دوں گا۔ انگریز بہادروں کی پناہ میں رہوں گا۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔“

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا باہر چلا گیا۔ جب آدھے گھنٹے بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ دو انگریز تھے۔ ایک نے کہا۔ ”اے سنو! کیا تم مسٹر چوہان کا مرڈر کرنا مانگتا؟ پہلے ایک مرڈر کیا ہے۔ اور کرے گا تو ہم تم کو شوٹ کر دے گا۔“

اس نے اوورکوٹ کے اندر سے پستول نکال کر دھمکی دی۔ پھر اپنے ساتھی کے ساتھ وی آئی پی کلاس میں چلا گیا۔ مہاویر بھی کتے کی دم کی طرح ان کے پیچھے تھا۔ میں گورے آقاؤں کے منہ لگنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر پستول چھین کر ان پر غالب آجاتا تو وہ لندن پہنچ کر میرے اور پھول وتی کے لئے عذاب جاں بن جاتے۔

مسافروں کو صبح کا ناشتہ دیا جارہا تھا اور کہا جارہا تھا کہ صرف دوپہر کے لئے تھوڑا سا کھانا رہ گیا ہے۔ اگر ہماری مدد کے لئے کوئی نہ آیا تو فاقے کی نوبت آجائے گی۔ پھر دوسرے دن بھی امدادی ٹیم نہ پہنچی تو حالات سنگین ہوتے چلے جائیں گے۔

وہ سب پریشان ہو کر بولنے لگے۔ ”کوئی ہماری مدد کے لئے کیوں نہیں آرہا ہے؟“

کسی نے کہا۔ ”انہوں نے ہم سے رابطہ کرنے کی کوششیں کی ہوں گی۔ ناکام ہونے کے بعد انہیں تشویش میں مبتلا ہونا چاہئے۔ فوراً ہماری تلاش میں نکلنا چاہئے۔“

کسی نے جواباً کہا۔ ”وہ ہمیں رات کی تاریکی میں ڈھونڈ کر ناکام ہو کر واپس گئے ہوں گے۔ شائد ابھی دن کی روشنی میں آئیں گے۔“

ایک اور نے کہا۔ ”اس علاقے میں روشنی تو برائے نام ہی ہے۔ اندھیرا اندھیرا سا ہے۔“

اسٹیوارڈ نے کہا۔ ”ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر کی آواز سنتے ہی ہم باہر جائیں گے۔ سفید کپڑا لہرا کر انہیں متوجہ کریں گے۔“

یہ امید تھی کہ جو رات کو نہ آئے‘ وہ دن کو آئیں گے۔ آئندہ جیسے بھی حالات پیش آئیں گے‘ ان کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔ میں دشمن کی طرف دھیان دے رہا تھا۔ مہاویر اپنی سیٹ پر ناشتہ کرنے کے بعد پھر ان انگریزوں کے پاس چلا گیا۔ وہ انہیں اپنا حامی اور محافظ بنائے

رکھنے کے لئے کوششیں کر رہا تھا۔

وہ ان سب کے سامنے میری ہسٹری بیان کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میں کبھی اس کا ملازم تھا۔ اچانک پتہ نہیں' کیسے بہت بڑا جاگیردار بن گیا ہوں؟ میرا تعلق بغاوت کرنے والی جنتا سے ہے۔ میں بظاہر تاج برطانیہ کا وفادار بن کر انگریزوں کو دھوکا دے رہا ہوں۔

وہ بتا رہا تھا کہ میں شاہ برطانیہ جارج پنجم کے وفادار راجاؤں کا دشمن ہوں۔ میں نے راجہ شنکر داس پھر اس کے بھائی بجرنگ بلی داس کو قتل کیا ہے۔ راجکماری پھول وتی کو اس کے باپ سے متنفر کر دیا ہے۔ اس کے دھرم سے الگ کر چکا ہے۔ وہ بول رہا تھا اور اس حوالے سے انہیں متاثر کر رہا تھا کہ درپردہ میں بھی ایک باغی ہوں اور انگریز سرکار کے وفادار راجاؤں کو ہلاک کر رہا ہوں اور ان کی ریاستوں میں باغیوں کی تحریک کو مستحکم کرتا جا رہا ہوں۔

ایک انگریز افسر نے کہا۔ ''وہ غازی تو بہت چالباز ہے۔ میٹھی چھری ہے۔ بظاہر وفادار بن کر ہمیں الو بنا رہا ہے۔ ہم لندن پہنچتے ہی اسے حراست میں رکھیں گے۔ اس کا محاسبہ کریں گے۔''

مہاویر نے کہا۔ ''وہ بہت چالاک ہے۔ ایسی ایسی باتیں بنائے گا کہ محاسبے سے بچ نکلے گا۔ پتہ نہیں اس کے پاس کتنی دولت آگئی ہے؟ وہ اپنے بچاؤ کے لئے سرکاری خزانے میں بہت بڑی رقم جمع کرائے گا۔ باج گزار راجاؤں اور جاگیرداروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے آگے ہے۔''

ایک انگریز نے کہا۔ ''وہ آستین کا سانپ ہے۔ یہ راجہ مہاویر ٹھیک کہتا ہے۔ وہ قانونی گرفت میں نہیں آئے گا۔ اب تک جس طرح چالاکیاں دکھاتا آرہا ہے اسی طرح پھر بچ نکلے گا۔''

ایک اور گورے نے کہا۔ ''اسے لندن جانے ہی نہ دو۔ یہیں ختم کر دو۔''

مہاویر نے کہا۔ ''آپ تو میرے منہ کی بات بول رہے ہیں۔ یہاں کتنے ہی مسافر مر چکے ہیں۔ بجرنگ کو ہلاک کیا گیا ہے۔ غازی کا بھی مرڈر ہوگا تو کوئی قانونی گرفت نہیں ہوگی۔ اس برفانی علاقے میں کوئی تفتیش کرنے نہیں آئے گا۔''

ایک گورے نے کہا۔ ''آئے گا تو اس کی بھی لاش نہیں ملے گی۔ اسے یہاں سے دور لے جا کر برف میں دبا دیا جائے گا۔''

میں نے آنکھیں بند کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس نے ایسی غیر معمولی صلاحیت دی تھی کہ جس کے ذریعے قبل از وقت مخالفین کی سازشوں سے آگاہی حاصل ہو جاتی تھی۔ مہاویر اور اس کے حمایتی مجھے تنہا اور نہتا سمجھ رہے تھے۔ جبکہ میرے لباس کے اندر بھی ایک بھرا ہوا

پستول تھا۔ میرے مقابلے پر دس ہوتے' تب بھی میں ان سے نمٹ سکتا تھا۔

بعض اوقات ہتھیار کام نہیں آتے۔ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ شہزور اچانک ہی کمزور ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت صرف خدا ہی کام آتا ہے اور میں اپنے معبود کو یاد کر رہا تھا۔ اسم اعظم پڑھنے کی مشق کر رہا تھا۔ مگر افسوس...! میں ناپاک تھا۔

انسان کی نیت پاک ہو تو زبان و دل بھی پاک ہوتے ہیں۔ ہر حال میں زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عبادت کے لئے جسمانی پاکیزگی لازمی ہے۔ غسل اور وضو کے بغیر نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ دل کی' زبان کی' ذہن کی اور جسم کی طہارت ضروری ہے۔

میری ذہنی ناپاکی یہ تھی کہ مجھ پر ہوس غالب آگئی تھی اور جسم آلودہ تھا۔ غسل نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اسم اعظم کی ادائیگی کا جو تقاضہ تھا۔ وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔

یہ میرے عمل کا نتیجہ تھا۔ مجھے سزا مل رہی تھی۔ میں شہزور تھا۔ میرے پاس ریوالور بھی تھا۔ مگر خدا مجھ سے راضی نہیں تھا۔ جو نماز کو اور دینی احکامات کو نظر انداز کر کے شجر ممنوعہ کی طرف جاتا ہے' اس سے خدا کبھی راضی نہیں رہتا۔

پھول وتی بیدار ہوگئی۔ میں نے کہا۔ ''اٹھو۔ ناشتہ کرو۔''

اس نے کہا۔ ''پہلے ٹوائلٹ جاؤں گی۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر ناشتہ کروں گی۔''

میں نے اسے بتایا کہ ٹوائلٹ کو کیوں لاک کیا گیا ہے۔ یہاں اسے ناشتہ تو ملے گا لیکن گرم پانی اور چائے نہیں ملے گی۔ وہ میرے ساتھ دروازے پر آئی۔ میں نے اسے کھولا تو حد نظر برف ہی برف دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ ''اوہ گاڈ! میں برف پر کیسے چلوں گی؟ دور تک کوئی درخت یا جھاڑی نہیں ہے۔ جہاز کی کھڑکیوں سے مجھے دیکھا جائے گا۔''

میں نے کہا۔ ''ہم جہاز کے پچھلے حصے کی طرف دور جائیں گے۔ کھڑکیوں سے ادھر دیکھا نہیں جا سکے گا۔''

ہم باہر آئے تو اسٹیوارڈ نے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ ''مجھ سے لگ کر چلو۔ میں تمہیں بازو میں اٹھا کر لے جا سکتا ہوں۔ مگر نہیں۔ تم نے مردوں جیسی تربیت حاصل کی ہے۔ حالات کے مطابق مردانہ وار چلو۔''

وہ مجھ سے لگ کر بولی۔ ''میں تمہاری طرح مضبوط اور ناقابل شکست بننے کی کوشش کرتی رہوں گی۔ تمہیں پا کر چھو کر ایسا لگتا ہے' جیسے دنیا جہاں کی دولت اور خوشیاں مل گئی ہیں۔ میں دعائیں مانگتی ہوں کہ اگلے جنم میں بھی تمہاری شریک حیات رہوں۔''

ہمارے پاؤں برف میں دھنس رہے تھے۔ نیچے برف کی سطح ٹھوس تھی۔ اوپر سے گرتی رہنے والی برف بھربھری تھی۔ میں نے کہا۔ ''ہمارے دین میں آواگون کا یعنی ایک جنم کے بعد دوسرے جنم کا تصور نہیں ہے۔ ہمارا ایمان' ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔''

''ایسا نہ کہو' ہمیں کبھی تو مرنا ہے۔ مرنے کے بعد ہم بچھڑ جائیں گے۔ میں مر کر بھی جدا ہونا نہیں چاہتی۔ پھر تمہارے لئے پیدا ہونا چاہتی ہوں اور تمہیں میرے لئے پیدا ہونا چاہئے۔''

''یہ تمہارے جذبات ہیں۔ خیالی اڑان ہے۔ حقیقتاً نہ ایسا ہوتا ہے' نہ کبھی ہوگا۔''

''کیا خدا چاہے گا' تب بھی نہیں ہوگا؟''

''خدا قادر مطلق ہے۔ وہ جو چاہتا ہے' ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا ایک اٹل نظام قدرت ہے۔ جب اس نے کہہ دیا کہ ہم مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے تو پھر یہی ہوگا۔ کیا تم نے اتنی عمر گزارتے ہوئے یہ نہیں دیکھا کہ ہماری دنیا میں آج تک مرنے والا کبھی زندہ نہیں ہوا؟''

''ہاں۔ دیکھا ہے۔ مانتی ہوں' مرنے والوں کی آنکھ پھر نہیں کھلتی۔ دوسری زندگی نہیں ملتی۔ لیکن دیکھا جائے تو ہم یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی قوت سے انکار نہیں کرتے کہ وہ مرنے والے کو پھر سے زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؟''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ پروردگار مرنے والے کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔''

''مگر کبھی نہیں کیا۔ ازل سے انسان ایک بار زندگی پا کر فنا ہوتا رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں برس گزرنے کے باوجود نہ قیامت آتی ہے' نہ وہ اربوں کھربوں مرنے والے دوبارہ زندگی پاتے ہیں۔''

ہم بہت دور نکل آئے تھے۔ میں اس سے الگ ہو گیا۔ دور ہو کر اس سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی باتیں میرے دماغ میں گھوم رہی تھیں کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی قوت سے انکار کر سکتے ہیں؟ اس نے کبھی مرنے والے کو دوسری بار پیدا نہیں کیا۔ اسے دوبارہ زندگی نہیں دی۔

یہ ایسا سچ تھا' جس سے میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ڈگمگا رہا تھا۔ میں منکر ہونے سے گھبرا گیا۔ قرآنی آیات پڑھنے لگا۔ مجھے قرآن مجید میں بیان کئے ہوئے کئی قصے یاد تھے۔ اصحاب کہف کے قصے اور سورہ بقرہ میں بیان کئے ہوئے واقعات سمجھا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ مارتا ہے' پھر جلاتا ہے' نئی زندگی دیتا ہے۔

بابا سائیں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میرا ایمان کمزور ہے۔ ان لمحات میں یہ خیال آرہا تھا کہ وہ سب کتابی قصے ہیں۔ حقیقتاً کسی نے ایسا ہوتے نہیں دیکھا۔ ہماری دنیا میں وہی سچ ہے' جو چشم دید ہو۔ باقی سب کہنے سننے کی باتیں ہوتی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ آ گئی۔ میری پشت سے لگ کر بولی۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

''سوچ رہا ہوں۔ پچھلی رات ہم سے بڑی بھول ہوئی۔ میں فجر کی نماز نہ پڑھ سکا۔ آیات پڑھتا ہوں تو ذہن بھٹکتا ہے۔ اس سے بڑی خطا اور کیا ہوگی کہ تمہاری قربت حاصل کرنے کے لئے خدا کو بھول گیا؟''

''یہ باتیں سن کر مجھے دکھ ہو رہا ہے۔ میں مجرم ہوں۔ میں نے تمہارے دل سے خدا کو بھلا دیا تھا۔''

''ہم بڑی آسانی سے دوسروں کو الزام دیتے ہیں۔ میں تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ تم نے مجھے بہکایا نہیں تھا۔ یہ میری ہی کمزوری ہے کہ بہک گیا تھا۔ یا خدا! پتہ نہیں' ہم کب کسی آبادی میں پہنچیں گے۔ کب میں پاکیزگی کے تمام تقاضے پورے کر کے نماز پڑھ سکوں گا؟''

ایسا کہتے ہوئے میں نے دیکھا بہت دور جہاز کے پاس پانچ مسافر نظر آرہے تھے۔ برف باری کی دھند میں پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہیں؟ میں نے فوراً ہی مہاویر کی طرف دھیان کیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ دیکھو۔ وہ دونوں ادھر ہیں۔''

اس کے انگریز حمایتی نے کہا۔ ''ہاں۔ اچھا ہے۔ جہاز سے بہت دور ہیں۔''

دوسرے نے کہا۔ ''ایک دوسرے سے دور ہو جاؤ۔ اسے چاروں طرف سے گھیر لو۔''

وہ ایک دوسرے سے دور ہو کر ہمارے دائیں بائیں سمت سے آنے لگے۔ پھول وتی نے کہا۔ ''ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ وہ لوگ بھی ضرورت سے باہر آئے ہیں۔''

''ہاں۔ انہیں میری ضرورت ہے۔ وہ مجھے قتل کرنے آرہے ہیں۔''

وہ سہم کر بولی۔ ''اوہ گاڈ! کیا تم نے ان کی باتیں سنی ہیں؟''

''ہاں۔ مہاویر نے انگریزوں کو میرے خلاف بھڑکایا ہے۔ ان کے پاس ہتھیار ہیں۔''

وہ میرے سامنے آکر بولی۔ ''یہاں سے بھاگو۔''

میں نے اپنا پستول نکال لیا۔ پھول وتی کو کھینچ کر اپنے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ ''بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ ہم سب کھلے میدان میں ہیں۔ ماریں گے یا مریں گے۔''

وہ پھر سامنے آ گئی۔ ڈھال بنتے ہوئے بولی۔ ''ان سے دور ہو جاؤ۔ گولی لگے گی۔''

"دور جاؤں گا تو وہ میری شوٹنگ رینج سے نکل جائیں گے۔ میں شکار کھیلنے کی حکمت عملی جانتا ہوں۔"

میں نے گھوم کر پھر اسے اپنے پیچھے کرنا چاہا۔ مہاویر نے میرا نشانہ لیا تھا۔ اسے پیچھے لاتے لاتے فائر کی آواز گونجی۔ پھول وتی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ میں نے گھوم کر فائر کیا۔ وہ ایک طرف دوڑتا ہوا مجھ پر گولیاں چلا رہا تھا۔ صحیح نشانہ لینے سے پہلے چیختا ہوا اچھل کر گر پڑا۔ پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

مجھے پھول وتی کو دیکھنے اور سنبھالنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ دوسری سمتوں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں برف کی سطح پر گر کر ایک طرف لڑھکتا ہوا فائر کرتا جا رہا تھا۔ میرا نشانہ مشکل سے چوکتا ہے دو گورے بھی چیختے ہوئے گر پڑے۔ تیسرا زخمی ہوا تھا۔ چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتا ہوا دور جا رہا تھا۔ چوتھا بزدل تھا۔ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ کر جہاز کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ وہ بہت دور نکل چکا تھا۔

تب میں نے برف پر رینگتے ہوئے پھول وتی کے پاس آ کر اسے دیکھا تو ذہن کو زبردست جھٹکا لگا۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئی تھی۔ میں ایکدم سے چیخ پڑا۔ "نہیں۔ تم نہیں مر سکتیں۔ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔"

میں نے اس کے سینے سے کان لگا کر دھڑکنوں کا پکارا۔ پوری طرح توجہ مرکوز کر کے سننے کی کوشش کرنے لگا۔ میں دور کی آواز سن لیتا ہوں۔ دل والی کی آواز سن نہیں پا رہا تھا۔ میں اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر دیوانہ وار چومنے لگا۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میری آغوش میں کھیلنے والی موت کی آغوش میں کھیل ختم کر چکی ہے۔ میں نے اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ وہ میرے بچے کو جنم دینے والی تھی۔ معصوم بھی کوکھ کی قبر میں سو گیا تھا۔ اب دنیا میں نہیں آ سکتا تھا۔

وہ بہت خوش تھی۔ فخر سے میرے بچے کو پیدا کرنا اور اسے دودھ پلانا چاہتی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے کہا تھا کہ ہم مر کر بھی نہیں مریں گے۔ دوسرا جنم لیں گے۔ ہمیں مرنے کے بعد پھر نئی زندگی ملے گی۔

میں نے تڑپ کر کہا۔ "ہاں۔ زندہ ہو جاؤ۔ خدا کے لئے زندہ ہو جاؤ۔ محبت کرنے والوں کو ایک کے بعد دوسرا جنم ملنا چاہئے۔"

میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ "یا اللہ! تو بڑی قدرت والا ہے۔ تو نے آج تک کسی مردے کو زندہ نہیں کیا۔ اسے زندگی دے دے۔"

میرے منہ سے کفر نکلا کہ اس پروردگار نے کبھی کسی مردے کو زندہ نہیں کیا۔ اس وقت میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ میری ایمانی کمزوری پھر مجھے ڈبونے والی تھی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر مٹھیاں بھینچ کر کہنے لگا۔ "ہاں۔ یہ سچ ہے' آج تک کسی نے مرنے والے کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ تو خدا ہے' تو اپنی قدرت کا تماشہ دکھا۔ اسے زندہ کر دے۔ میں تیری کتاب آخر کے قصوں کو نہیں مانتا۔"

میں پھر کفر بک رہا تھا۔ قرآن مجید کی سچائی سے انکار کر رہا تھا۔ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "ہاں۔ ہاں۔ میری پھول وتی نے آنکھیں نہ کھولیں' اسے نئی زندگی نہ ملی تو میں ساری دنیا میں چیختا پھروں گا کہ آسمانی کتاب میں دل بہلانے والی کہانیاں ہیں۔ دلچسپ قصے ہیں۔"

میری بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں کی آواز گونجی۔ ایک گولی میری پشت پر آ کر لگی۔ میں نے لڑکھڑاتے ہوئے گھوم کر دیکھا۔ مہاویر میں ابھی جان باقی تھی۔ اسی نے گولی چلائی تھی۔

گولی آر پار نہیں ہوئی تھی۔ ریڑھ کی ہڈی کے پاس انگارے کی طرح دہک رہی تھی۔ جلن اور تکلیف ناقابل برداشت تھی۔ دونوں ہاتھوں سے پستول تھام کر اس کا نشانہ لینے میں ایک ذرا دیر ہوئی تو دوسری گولی سیدھی آ کر میرے دل کی جگہ پیوست ہو گئی۔ میرے قدم زمین سے اکھڑ گئے۔ پستول ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں پھول وتی کے قریب گر پڑا۔

اب تو مرنا ہی تھا۔ مگر جان اٹکی ہوئی تھی۔ میں تڑپ رہا تھا۔ روح اٹک اٹک کر بدن کے ڈھانچے سے نکل رہی تھی۔ دو گورے پستول لئے دوڑتے ہوئے میری طرف آئے۔ ایک نے کہا۔ "بڑا ڈھیٹ ہے۔ ابھی زندہ ہے۔"

ان دونوں نے میری ٹانگیں پکڑ لیں۔ پھر وہاں سے مجھے کھینچتے ہوئے دور لے جانے لگے۔ وہ مجھے کسی گڑھے میں لے جا کر پھینکنا چاہتے تھے۔ جہاں برف ہی برف جمی رہتی ہے۔ وہاں کی زمینی سطح خطرات سے پر ہوتی ہے۔ کہیں کہیں سطح کچی اور کمزور ہوتی ہے۔ اس کے نیچے کنوئیں کی طرح گہرے گڑھے مخفی ہوتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں اسنو اسٹک زمین پر مارتے ہوئے گویا آنکھیں رکھتے ہوئے اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتے ہوئے چلتے ہیں۔ تاکہ کسی گڑھے یا کھائی میں گرنے سے محفوظ رہیں۔

وہ دونوں مجھے کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ اچانک ہی ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ کچی زمین پر پہنچ گئے تھے۔ ان کے وزن سے وہ سطح ٹوٹی تو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ وہ ایک جھٹکے سے اندر دھنستے چلے گئے۔ ان کے ساتھ میں بھی تہہ میں جا رہا تھا۔ ایسے وقت

میرا دم نکلنے ہی والا تھا۔ زندگی کا آخری منظر دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں اوپر جانے کے لئے جتنے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اتنی ہی برف ٹوٹتی جا رہی تھی۔ موت انہیں نیچے کھینچ رہی تھی۔ اوپری سطح پر آس پاس جو تودے تھے' وہ ٹوٹ کر گڑھے میں گر رہے تھے۔ اس کے خلاء کو پر کر رہے تھے۔ یعنی تین مردوں کی مشترکہ قبر میں مٹی ڈال رہے تھے۔

میں نے دیکھا' وہ دونوں سانس لینے کے لئے تڑپ تڑپ کر ڈھیلے پڑ گئے۔ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی میرے سینے سے بھی آخری سانس نکل گئی۔

کیا کنویں سے بھی زیادہ گہری قبر میں کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟

نہیں۔ میں مر چکا تھا۔

میں ایک کافر کی زبان سے بولتا رہا تھا۔ مجھے کوئی سبق ملنے والا تھا۔

میں تھا اور نہیں بھی تھا۔ نہ زمین پر تھا نہ آسمان میں.... شائد عالم برزخ میں تھا۔

زمین کی تہہ میں خزانے پوشیدہ ہیں۔ بیشمار راز مخفی ہیں۔

اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔ جسے چاہتا ہے پوشیدہ خزانوں تک پہنچا دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے' کسی مخفی راز کو زمین سے باہر لے آتا ہے۔

پتہ نہیں میں سطح زمین پر کب منکشف ہونے والا ہوں؟

ہم سو جاتے ہیں تو جیسے ساری دنیا سو جاتی ہے۔ نہ کچھ نظر آتا ہے نہ کچھ سنائی دیتا ہے۔ ہم مر جاتے ہیں تو ہمارے لئے پوری دنیا پوری کائنات مر جاتی ہے۔ اگر میں مر چکا تھا تو میری موت کی تصدیق ہونی چاہئے تھی۔ یہ لگ رہا تھا کہ ساری دنیا فنا ہو چکی ہے۔ کوئی تصدیق کرنے والا بھی نہیں ہے۔

اگر میں برزخ میں ہوں تو میری روح برف سے ڈھکے ہوئے اس گڑھے میں مجھے دیکھ رہی ہوگی۔ انتظار کر رہی ہوگی کہ ادھر کوئی آئے گا اور دو انگریزوں کے ساتھ مجھے وہاں سے نکالے گا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ جانے کتنے مہینے کتنے برس گزرتے جا رہے تھے۔ اب تو میری ہڈیاں رہ گئی ہوں گی۔ قبر میں کیڑے کھا جاتے ہیں۔ ایسا ہو رہا ہے تو عبرت حاصل ہو رہی ہے۔ زندگی میں جنہیں روندتا ہوا گزر جاتا تھا۔ اب وہ کیڑے مجھے نوچ رہے ہوں گے۔ چاٹ رہے ہوں گے اور مزے لے لے کر چبا رہے ہوں گے۔ ہماری ہستی کیا ہے؟ کچھ نہیں.... صرف وہی پروردگار رہ جاتا ہے۔

اجل سے قیامت کا چرچا سنتے آ رہے تھے کہ آئے گی اب آئے گی کہ تب آئے گی۔ آخر آ گئی۔ میں اٹھایا جانے والا ہوں۔ مجھے کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔

ایسا کیوں لگ رہا ہے؟ جبکہ میں نے کہا تھا کہ خدا کسی مردے کو زندہ کرنے کی قوت نہیں رکھتا ہے۔ اس نے میری پھول وتی کو زندہ نہیں کیا تو ازل سے مرنے والوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ کوئی قیامت نہیں آئے گی۔ یہ ساری قصے کہانیوں والی باتیں ہیں۔

ہاں۔ میں نے انکار کیا تھا۔ ان ہی لمحات میں مجھے گولیاں لگی تھیں۔ میں مر گیا تھا۔ جل جلالہٗ ہو و جل شانہٗ ہو۔ یا اللہ! میں مر چکا ہوں۔ تو پھر کیسے بول رہا ہوں؟

ہاں میں بول رہا ہوں۔ کیا کوئی سن رہا ہے؟

میں کہاں ہوں؟ ابھی نہیں جانتا۔

کس سے بول رہا ہوں؟ یہ بھی نہیں جانتا۔

کوئی دور و نزدیک بولنے والا اپنی آواز سنانے والا نہیں ہے۔ میری آنکھیں ہیں' پر نظر نہیں آ رہا ہے کہ میں کس زماں و مکاں میں ہوں؟

یہ طے ہے کہ میں مر چکا تھا۔ یہ طے ہے کہ اس قادر مطلق نے مجھے کسی حد تک زندہ رکھا ہے اور سزا کے طور پر ایک گڑھے میں پھینک دیا ہے۔

میرے اندر کوئی کہہ رہا تھا کہ پڑھ.... اپنے رب کا نام لے کر قرآنی قصے پڑھ جس سے تو منکر تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ ہر انسان کی زندگی کہانی کی طرح جاری رہ کر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً پڑھا جانے والا قصہ رہ جاتا ہے۔ پڑھ... اپنے رب کا نام لے کر پڑھ.....

مجھے کلام پاک کی آیات یاد آ رہی تھیں۔ میں پڑھ رہا تھا۔ ایک مرتبہ مخالفین قریش مکہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ایک نئے دین کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ یہ یقینی فیصلہ ہونا چاہئے کہ یہ صادق ہیں یا کاذب؟

ایک نے کہا۔ ''یہود مدینہ خود کو اہل کتاب کہتے ہیں۔ یہ لوگ دین اور رسالت کے معاملے میں صاحب بصیرت ہیں۔ یہی لوگ تصدیق کر سکتے ہیں۔''

انہوں نے ایک وفد یہود علماء کے پاس بھیجا۔ یہودی علماء نے مشورہ دیا کہ تم ان سے تین سوالات کرو۔ اگر وہ درست جواب دیں تو پھر بیشک وہ بلا شبہ خدا کے سچے رسول ہیں۔

وہ تین سوال یہ تھے کہ ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟ اصحاب کہف کون تھے اور ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ اور روح کی حقیقت کیا ہے؟

جب نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کئے گئے تو انہوں نے فرمایا۔''انتظار کرو۔ وحی آنے پر جواب دوں گا۔''

جب وحی نازل ہوائی اور صحیح جواب سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ کہف تلاوت کر کے وہ واقعہ بیان کیا جسے قصہ کہا جاتا ہے۔

میں برزخ میں تھا اور کیا کرتا؟ ندا آئی پڑھو اور میں سورہ کہف پڑھنے لگا۔

''کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم (کا معاملہ) ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب (معاملہ) ہے؟ وہ آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے اور بڑا ہی دیکھنے اور سننے والا ہے۔ اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ (ال کہف ۹۔۲۶)''

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ شہر رقیم کے چند سنجیدہ اور ذہین نوجوان بت پرستی اور شرک سے بیزار اور متنفر ہو کر دین عیسوی کو قبول کر لیتے ہیں۔ بادشاہ ان نوجوانوں کو دربار میں بلا کر اپنے طور پر ان کا محاسبہ کرتا ہے۔

وہ جوان بڑی بے باکی سے کلمہ حق بلند کرتے ہیں۔ بادشاہ کو ان کی حق باتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ وہ ان سے کہتا ہے کہ باز آجاؤ اور ہمارے مسلک پر چلو۔ تمہیں چند روز کی مہلت دیتے ہیں۔

وہ دربار سے نکل کر سوچتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں کہ مشرکوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے وہاں سے دور کسی پہاڑ کے غار میں پوشیدہ ہو جائیں گے اور وہیں گوشہ گمنامی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے۔

اپنے فیصلے کے مطابق وہ ایک غار میں چلے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کردی۔ وہ غار اندر سے بہت وسیع تھا۔ وہاں قدرتی طور پر زندگی کی بقاء کا سامان موجود تھا۔ ایک طرف غار کا دہانہ تھا تو دوسری جانب ہوا کے گزرنے کے چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔ یوں ہر وقت تازہ ہوا آتی جاتی رہتی تھی۔

آفتاب کے طلوع وغروب کے دوران گرمی اور حبس کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ دھیمی دھیمی سی روشنی رہتی تھی۔ ان کا ایک رفیق کتا اپنے اگلے دونوں ہاتھ پھیلائے غار کے دہانے پر باہر کی جانب منہ کئے بیٹھا رہتا تھا۔

وہ تمام نوجوان غار کے اندر برسوں تک تازہ ہوا اور نیم روشنی میں موت کی نیند سوتے رہے۔ باہر وقت گزرتا رہا۔ زمانے بدلتے رہے۔ مشرکوں کا دور ختم ہوگیا۔ عیسائیت

غالب آگئی۔ تب مشیت خداوندی سے وہ نوجوان بیدار ہوگئے۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ ہم کتنی مدت تک سوتے رہے؟

ایک نے کہا۔''تمام دن سوتے رہے۔''

دوسرے نے کہا۔''نہیں۔ ہم نے ایک دن سے بھی کم نیند لی ہے۔''

انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی شہر جا کر اس طرح کھانا خرید کر لائے کہ وہاں کوئی ہمیں مفرور ہونے والوں کے طور پر نہ پہچانے۔ ورنہ وہ یہاں آکر ہمیں گرفتار کرلیں گے۔ بادشاہ ظالم ہے وہ ہمیں شرک اور بے دینی پر مجبور کرے گا۔ ہم راضی نہ ہوئے تو ہمیں قتل کردے گا۔

ایک نوجوان سکہ لے کر شہر گیا۔ تو وہاں حیران رہ گیا۔ خلاف توقع انقلاب آگیا تھا۔ سب لوگ نئے تھے۔ ان کے لباس اور طور طریقے بدل گئے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہاں گرجا گھر تھے۔ وہ لوگ بے دین نہیں تھے سب کے سب عیسائی تھے۔

اس نے ایک نان بائی سے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور سکہ دیا تو نان بائی حیران ہوا۔ وہ سکہ برسوں پرانا تھا اور اب رائج نہیں تھا۔ ان کے درمیان باتیں ہوئی تو یہ بات کھل گئی کہ وہ خریدار بھی سکے کی طرح سو سال پرانا ہے۔

لوگوں کا معلوم ہوا تو سب نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس نے بتایا کہ مشرک بادشاہ کے دور میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے فرار ہوا تھا۔ اور اب واپس آیا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ اب شرک پھیلانے اور دین کی مخالفت کرنے والے خاک میں مل گئے ہیں۔ اب اس شہر میں عیسائی حکمران ہے۔ انہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ واپس آجانا چاہئے۔

اس نے غار میں واپس آکر اپنے ساتھیوں سے کہا۔''ہم ایک دن نہیں ایک سو سال تک سوتے رہے ہیں۔ خدا حافظ و ناصر ہے۔ اس نے عیسائیت کے غالب آنے تک اس غار میں ہماری حفاظت کی ہے۔ باہر اب ہمارے لئے خطرہ نہیں ہے۔''

بادشاہ کی طرف سے شہر والے انہیں لینے آئے لیکن ان گوشہ نشین راہبوں نے جانے سے انکار کردیا۔ اس غار میں عبادت کرتے ہوئے راہبانہ زندگی گزار دی۔

میں نے سورہ کہف کی تلاوت کی۔ وضاحت ہوئی کہ اگر یہ قصہ ہے اور حقیقتاً ایسا کبھی نہیں ہوا تو اب میرے ساتھ یہی کیسے ہورہا تھا؟ وہ سو برس تک سوتے رہے میں بھی شائد سو رہا ہوں۔ زمانے گزر رہے ہیں۔ اتنی طویل نیند کو موت ہی کہنا چاہئے۔

کیا یہ طویل نیند ٹوٹے گی؟ اگر یہ موت ہے تو کیا آنکھ کھلے گی؟

وہ شخص کھانا لانے جس شہر میں گیا تھا وہاں بستی والوں کے درمیان بعد الموت پر جھگڑا اور مناقشہ جاری تھا۔ایک جماعت کہتی تھی کہ موت کے بعد صرف روح زندہ اور متحرک رہتی ہے۔دوسری جماعت کہتی تھی کہ بعد الموت روح اور جسم دونوں زندہ ہو سکتے ہیں۔ایسے ہی وقت اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو غار سے وہاں بھیجا یوں چشم دید شہادت ملی کہ برسوں تک اسباب حیات سے محروم رہنے کے باوجود روح کے ساتھ جسم بھی صحیح و سالم رہا۔جس طرح اصحاب کہف بیدار کیئے گئے تھے۔اسی طرح قبر (عالم برزخ) میں سینکڑوں ہزاروں برس مردہ رہنے والے قیامت کے دن زندہ کردیئے جائیں گے۔

میں اپنے بارے میں بے تاب و مضطرب تھا کہ میرا کیا بنے گا؟ میں کن مراحل سے گزر رہا ہوں؟

تلاوت کے بعد یہ سبق مل رہا تھا کہ موت کے بعد عالم آخرت کے لئے ہی دوبارہ زندگی ملے گی۔لیکن.....یہ قانون خاص ہے کہ کبھی کبھی حکمت و مصلحت کے پیش نظر خداوند کریم اسی دنیا میں کسی مردے کو زندگی بخش دیا کرتا ہے۔

کیا میں بھی ان خاص مردوں میں سے ہوں؟

اتنا سمجھ میں آرہا تھا کہ میں عام مرنے والوں سے مختلف ہوں۔کبھی کسی نے مرنے کے بعد تلاوت نہیں کی ہوگی۔میں نے سورہ کہف پڑھی ہے۔برف کی تہہ میں اس گڑھے میں پڑا ہوا بول رہا ہوں۔یہ زندگی کے آثار ہیں۔پتہ نہیں اس برفانی قبر سے باہر کب زندگی کروٹ لے گی؟

پھول وتی یاد آرہی تھی۔کیا وہ بھی عالم برزخ میں ہوگی؟اس کے لئے بھی قانون خاص ہوگا؟ کیا وہ بھی جی اُٹھے گی؟

ہائے کتنا خوش کن خیال تھا؟ پتہ نہیں خدا کو کیا منظور ہے؟اس کی مرضی سے ایسا ہوگا تو اسے تنہا زندگی نہیں ملے گی۔اس کے وجود کے اندر میرا بچہ بھی متحرک ہوجائے گا۔

آہ....!اپنی ایک غلطی سے زندگی ہار کر سب کچھ ہار چکا ہوں۔یا خدا!میری خطاؤں کو میری ایمانی کمزوری کو آخری بار معاف کردے۔مجھے بخش دے میرے مالک!پھر زندگی دے تو پھول وتی کو بھی دے۔میرے بچے کو اس دنیا میں آنے دے میرے مالک!

اچانک سکوت ختم ہوا۔جہاں میں تھا وہاں کی زمین متزلزل ہونے لگی۔برف ٹوٹ رہی تھی۔وہ گڑھا جو پُر ہوگیا تھا وہ خالی اور کھوکھلا ہونے لگا۔اس کی گہرائی میں اندر کی سطح ابھر رہی تھی۔میں ابھر رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ خزانوں کو اور نہ سمجھ میں آنے والے رازوں کو کبھی نہ کبھی نکال ہی دیتا ہے۔مجھے زمین نے اپنی کوکھ سے نکال دیا۔

برف کی سطح پر پہنچتے ہی مجھے ایک چھینک آئی۔آ نک چھی.....چھینکتے ہی آنکھ کھل گئی۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.....میں کلمہ پڑھتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

چند ساعتوں تک یاد نہیں آیا کہ میں کون ہوں؟اور کہاں پہنچا ہوا ہوں؟میری نگاہوں کے سامنے حد نظر تک برف کی چمکتی اور جگمگاتی ہوئی سفیدی تھی۔اوپر نیلا آسمان تھا۔میں کسی برفانی علاقے میں تھا۔

میں جلدی سے دو زانو ہوگیا۔گھٹنوں کے بل گھوم کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔پھر ایکدم سے ٹھٹھک گیا۔میرے قریب ہی دو انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔

تب مجھے یاد آیا کہ میں کون ہوں؟

ہاں۔میں غازی صلاح الدین ہوں اور جیسے یہ ابھی کی بات تھی سامنے ایک جہاز برف میں دھنسا ہوا تھا۔میرے دشمن راجہ مہاویر چوہان نے میری پھول وتی کو ہلاک کیا تھا پھر ایک گولی میری پشت میں اور دوسری میرے سینے میں اتاری تھی۔میرے ریوالور سے چلنے والی گولی بھی اسے لگی تھی۔میں نے اس کے انگریز حمایتیوں کو بھی ہلاک کیا تھا۔

چشمِ زدن میں بہت کچھ یاد آیا۔جب کچھ یاد نہیں تھا' تب اللہ تعالیٰ ذہن کے کسی گوشے میں تھا۔اسی لئے زندگی کی سانسیں ملتے ہی میں نے بے اختیار کلمہ پڑھتے ہوئے آنکھیں کھولی تھیں۔میں نے اسی لمحے میں سجدہ کیا۔''اللہ اکبر۔سُبحانَ ربِّ الاعلیٰ...سُبحانَ ربِّ الاعلیٰ....''

میں نے نمازِ شکرانہ ادا کرنے کے بعد سر جھکا کر سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دیکھا پھر پشت کی طرف ہاتھ لے گیا۔کہیں گولیوں کا زخم نہیں تھا۔میں نے لباس کے اندر ہاتھ لے جا کر پھر ایک بار سینے پر ہاتھ پھیرا وہاں کہیں بھی ہلکی سی خراش نہیں آئی تھی۔

پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا۔میں گولیوں سے چھلنی ہوکر بابا سائیں کے پاس پہنچا تھا۔انہوں نے غار کے تہہ خانے میں روحانی آپریشن کیا تھا۔اسم اعظم پڑھ کر میرے جسم سے گولیاں نکالی تھیں۔اس کے بعد میرے جسم پر کہیں زخم کا نشان نہیں رہا تھا۔

میں پھر صحیح و سالم زندہ و سلامت تھا۔میں برف کی سطح پر ہاتھ مارتے ہوئے بڑبڑایا۔''کہاں ہے میری پھول وتی؟''

حد نظر تک کوئی نہیں تھا۔نہ پھول وتی 'نہ ہوائی جہاز نہ مسافر اور نہ ہی میرے

دشمن.... ان دو انسانی ڈھانچوں کو دیکھ کر یاد آیا۔ جب میں گولیاں کھا کر دم توڑ رہا تھا تب دو گورے دشمن میری ٹانگیں پکڑ کر مجھے کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ ایسے وقت برف کی کچی سطح پر پہنچتے ہی میرے ساتھ ہی گڑھے میں گر پڑے تھے۔

پھر میں نے نہیں دیکھا کہ آگے کیا ہوا تھا؟ میرا دم نکل گیا تھا۔ اب دیکھ رہا تھا کہ دور و نزدیک کوئی گڑھا نہیں تھا۔ میں زمین کی سطح پر تھا۔ وہ دو انگریز نہیں تھے۔ البتہ دو انسانی ڈھانچے تھے۔ مرنے کے بعد صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ انسان رنگ و نسل سے پہچانے نہیں جاتے۔

میں سوچنے لگا اور الجھنے لگا۔ میرے دل و دماغ سے بہت گہرائی سے صدا آئی۔ ''پڑھ.... جنہیں تو قصے کہانیاں کہتا تھا ان میں سے کوئی قصہ یاد کر....''

اب میں کلام پاک میں بیان کئے ہوئے سچے واقعات کو قصہ کہانی نہیں کہوں گا۔ میں نے سورہ بقرہ کی تلاوت کی۔

''اور کیا تم نے اس شخص کا حال نہ دیکھا جس کا ایک بستی سے گزر ہوا.... بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ (سورہ بقرہ ۲۔ ۲۰۹)

ان آیات کی تفسیر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص کون تھا؟... حضرت عزیرؑ تھے۔

وہ ایک دن اپنے گدھے پر سوار ہو کر ایک ویرانے سے گزر رہے تھے۔ سخت گرمی کے باعث وہ ایک کھنڈر میں رک گئے۔ آپ کے ساتھ زاد سفر تھا۔ کھانے کا ایک ٹوکرا تھا۔ جس میں انجیر تھے اور دوسرے ٹوکرے میں انگور تھے۔ آپ ذرا ستانے کے لئے اس ویرانے میں ٹھہر گئے۔ ایک پیالہ نکال کر اس میں انگور نچوڑے پھر خشک روٹی نکالی اور اس کو مشروب میں ڈال دیا۔ تا کہ کچھ نرم و میٹھی ہو جائے تو کھا لیں۔

آپ تھوڑی دیر کے لئے چاروں شانے چت ہو گئے۔ آرام سے لیٹ کر عمارت کی ویران چھت کو دیکھنے لگے۔ سوچنے لگے کہ یہ عمارت اپنے عرشے پر کھڑی ہے۔ اس کے رہنے والے مر کھپ گئے ہیں۔ ان کی ہڈیاں بوسیدہ بکھری پڑی ہیں۔ ان لمحات میں آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا۔ ''اللہ کیسے ان کو موت کے بعد زندہ فرمائے گا؟''

انہیں یہ شک و شبہ نہیں تھا کہ اللہ مرنے والوں کو زندگی نہیں دیتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کرتے ہوئے ایسا فرما رہے تھے۔ اللہ عزوجل نے حضرت جبریلؑ کو ان کے پاس بھیجا۔ آپ نے حضرت عزیرؑ کی روح قبض کر لی۔ پھر سو سال تک اللہ تعالیٰ نے انہیں یوں ہی موت کی نیند سلائے رکھا۔

پھر وقت گزرتا رہا۔ بنی اسرائیل میں بہت سے حادثات و واقعات رونما

ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حضرت عزیرؑ کے پاس بھیجا۔ اس نے بے جان جسم میں روح پھونک دی۔ آپ نے آنکھیں کھول کر دیکھا پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

فرشتے نے آپ سے پوچھا۔ ''یہاں کتنا عرصہ قیام کیا؟''

انہوں نے فرمایا۔ ''ایک دن یا کچھ دن کا حصہ....''

وہ دن کے ابتدائی حصے میں اس کھنڈر میں آ کر لیٹ گئے تھے۔ اور اب سورج غروب ہو رہا تھا۔ یہی خیال گزرا کہ ابھی پورا ایک دن نہیں گزرا ہے۔

فرشتے نے کہا۔ ''نہیں۔ آپ سو سال تک یہاں پڑے رہے۔ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھیں۔ جن میں ذرا برابر تبدیلی نہیں آئی ہے۔''

انہوں نے دیکھا ابھی تک خشک روٹی خشک ہی تھی اور انگور کا شیرہ اپنی حالت پر تھا۔ دونوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح انجیر اور انگور اپنی اپنی حالت میں برقرار تھے۔ پھر آپ کے دل میں اسی مدت کے انکار کا خیال پیدا ہوا فرشتے نے کہا۔ ''آپ میری بات کو بعید اور غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ ادھر اپنے گدھے کو دیکھیں۔''

انہوں نے دیکھا تو اس کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ وہاں صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ فرشتے نے ہڈیوں کو حکم دیا۔ وہ بکھری ہوئی ہڈیاں سمٹ کر ایک دوسرے سے جڑنے لگیں اور عزیرؑ دیکھتے رہے۔ پھر ان پر رگیں چڑھیں پھر گوشت چڑھا پھر ان پر کھال اور بال آئے۔

پھر فرشتے نے ان پر پھونک ماری تو گدھا آسمان کی جانب اپنا سر اور کان اٹھائے آوازیں نکالتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

میں تلاوت کرتے کرتے چونک گیا۔ دو انسانی ڈھانچے جو سامنے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں گوشت بھر رہا تھا۔ دل بن رہے تھے؛ جو دھڑکنے والے تھے۔ آنکھیں بن رہی تھیں؛ جو دیکھنے والی تھیں۔ دماغ بن رہے تھے جو شعوری طور پر بیدار ہونے والے تھے۔ تخلیق کا عمل تیزی سے جاری تھا۔

جو صدیوں پہلے ہو چکا تھا۔ میں وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں جو دوسروں کے لئے ناقابل فہم ہوتا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے گوشت بھر گیا تھا۔ کھال منڈھ رہی تھی اور کھال پر بال ابھر رہے تھے۔ وہ میری طرح ملبوس ہو رہے تھے۔ پھر ان میں روح پھونک دی گئی۔

وہ دونوں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ غافل ہو گئے تھے۔ سو رہے

تھے۔اس ویرانے میں دیکھنے کے لئے صرف میں ہی تھا۔مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئے۔ انہیں یاد آیا کہ وہ میری ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کسی کھائی میں پھینکنے جا رہے تھے۔پھر میرے ساتھ ہی ایک گڑھے میں گر پڑے تھے۔

وہ ادھر ادھر برف کی ٹھوس سطح پر ہاتھ مارتے ہوئے دیکھنے لگے۔جہاں گرے تھے۔وہ گڑھا نہیں تھا۔وہ مجھے ایک خطرناک دشمن کی حیثیت سے جانتے تھے۔فوراً ہی اپنے لباس کے اندر ہتھیار ڈھونڈنے لگے۔ان کے پاس ایک چھوٹا سا چاقو بھی نہیں تھا۔

میں نے کہا۔''مرنے مارنے کے ارادے سے باز آجاؤ۔ہم ابھی موت کے اندھیرے سے نکل کر آئے ہیں۔''

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر مجھ سے سوال کیا۔''کون موت کے اندھیرے سے نکل کر آیا ہے؟ ہم تو....ہم تو.....''

پھر ایک نے دوسرے سے پوچھا۔''ہم ابھی کہاں تھے؟''

دوسرے نے کہا۔''ہم گڑھے میں گر گئے تھے اور بیہوش ہو گئے تھے۔''

میں نے پوچھا۔''پھر گڑھے سے کیسے نکلے؟ اور وہ گڑھا کہاں ہے؟''

''وہ تو کہیں نہیں ہے۔کیا تم ہمیں نکال کر لائے ہو؟''

میں نے انکار میں سر ہلایا۔''نہیں۔تم نے دیکھا تھا مجھے دو گولیاں لگی تھیں۔میں گڑھے میں گرتے وقت مر چکا تھا۔میرے ساتھ تم دونوں بھی مر گئے تھے۔رب کریم نے ہمیں ایک نئی زندگی دی ہے۔''

انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔میں نے پوچھا۔''ہمارا وہ ہوائی جہاز جو یہاں برف میں دھنس گیا تھا نظر آرہا ہے؟ اس کا ایک بھی مسافر دکھائی نہیں دے رہا ہے؟''

وہ حیرانی سے دور تک نظر دوڑا رہے تھے۔میں نے مہاویر چوہان کے علاوہ انگریزوں کو ہلاک کیا تھا۔ان کی لاشیں بھی وہاں نہیں تھیں۔

میں نے کہا۔''تمہیں رفتہ رفتہ یقین آئے گا۔ہم پتہ نہیں کتنے عرصے تک موت کی نیند سوتے رہے؟ یہاں امدادی ٹیمیں آئی ہوں گی اور تمام لاشوں کو زندہ مسافروں سمیت لے گئی ہوں گی۔وہ لوگ جہاز کو بھی پرواز کے قابل بنا کر لے گئے ہوں گے۔''

ایک نے قائل ہو کر کہا۔''ہاں۔یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ہم گڑھے میں پڑے ہوئے تھے اور وہ اوپر سے برابر ہو گیا تھا۔اس لئے کسی نے ہمیں نہیں دیکھا۔''

دوسرے نے کہا۔''انہوں نے ہمیں تلاش کیا ہوگا پھر مایوس ہو کر چلے گئے ہوں

گے۔اس کا مطلب ہے کہ کئی دن گزر گئے ہیں۔''

اس کے ساتھی نے پوچھا۔''ہم اتنے دنوں تک کس حال میں رہے؟ ہم اتنے دنوں تک غافل کیسے رہے؟''

میں نے کہا۔''ایسی طویل غفلت کو موت کہتے ہیں۔''

وہ انکار نہ کر سکے۔سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔ایک نے کہا۔''ہم نے دیکھا تھا تمہیں دو گولیاں لگی تھیں اور تم دم توڑ رہے تھے۔مگر اب زندہ سلامت ہو؟''

''گولیوں کا زخم اور بہتا ہوا لہو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔''

ہم تینوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ایک نے کہا۔''یہاں دور تک زندگی کے آثار نظر نہیں آرہے ہیں۔زمین چپ ہے۔آسمان چپ ہے۔برف ہی برف دکھائی دے رہی ہے۔''

دوسرے نے کہا۔''پتہ نہیں انسانی آبادی یہاں سے کتنی دور ہے؟''

میں نے کہا۔''ہمیں جلد سے جلد اندھیرا ہونے سے پہلے کسی بستی میں پہنچنا ہوگا۔یہ بتاؤ وہاں پہنچنے تک ہم دوست رہیں گے یا دشمن؟''

ایک نے کہا۔''دشمنی ہم تینوں کو مہنگی پڑے گی۔''

اس نے میری طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔''میرا نام ایڈورڈ تھامپسن ہے۔مجھے ایڈی کہہ سکتے ہو۔''

میں نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔''راجہ مہاویر نے میرے خلاف زہر اگلتے ہوئے بتایا ہوگا کہ میرا نام غازی صلاح الدین ہے۔مجھے غازی کہہ سکتے ہو۔''

دوسرے نے بھی ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔''میرا نام جان برائٹ ہے۔ہمارے پاس قطب نما نہیں ہے۔ہمیں سمت کا اندازہ نہیں ہوگا کہ کس سمت جانا چاہئے؟''

میں نے کہا۔''جب تک دھندلایا ہوا سورج نظر آرہا ہے سمت معلوم ہوتی رہے گی۔آؤ ہم جنوب کی طرف چلتے ہیں۔''

ہم تینوں آگے بڑھ گئے۔ہمارے پیروں میں فل بوٹ تھے۔برف کی سطح کہیں بھربھری ہوتی تو پیر زیادہ نہ دھنستے چونکہ پہاڑی علاقوں میں جنوبی راستے ڈھلان کی طرف جاتے ہیں۔اس لئے ہمارے آگے چڑھائی کم تھی۔جب بھی ڈھلان آتی تھی ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر تن کر کھڑے ہو جاتے تھے۔پھر خاصی رفتار سے پھسلتے ہوئے دور تک چلے جاتے تھے۔

ہمارے علاوہ میلوں دور تک کہیں سانس لیتی ہوئی زندگی نہیں تھی۔جب موت آتی ہے تو زندگی کی حرارت فنا ہو جاتی ہے۔لہو سرد ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ ہی زمین سرد اور آسمان

بیدرد ہو جاتا ہے۔ ہمیں ابھی ایک طویل بے دردی سے نجات ملی تھی۔ ایک عرصے بعد زندگی کی حرارت اتنی زیادہ تھی کہ اس علاقے کی سردی قابل برداشت ہو گئی تھی۔

ہم ایک ذرا رُکے بغیر بڑھتے جا رہے تھے۔ کئی میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ کھانے کے لئے ایک دانہ اور پینے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ بھر بھری برف کو مٹھی میں لے کر ایک بار حلق تر کر چکے تھے۔ دوسری بار حوصلہ نہیں ہوا۔ کھانسی نزلہ زکام ہو سکتا تھا۔ ہم صبر کر رہے تھے۔

گہری دھند کی باعث سورج نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف دھندلا سا اجالا تھا پھر وہ اجالا بھی مدھم پڑنے لگا۔ اشارہ دینے لگا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے والا ہے۔ بڑھو' آگے بڑھو ورنہ تاریکی میں سمت کا اندازہ نہیں ہوگا تو میدانی علاقے تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔

خدا راضی ہو تو قدرت مہربان ہو جاتی ہے۔ تاریکی پھیلتے ہی بہت دور روشنی کے دھبے دکھائی دینے لگے۔ میں نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ یاہُو اللہ ہُو.....!"

ایڈی اور جان برائٹ مسرت سے ناچنے لگے۔ ہم نے ادھر دوڑ لگائی۔ وہ دونوں شاہ جارج پنجم کی محبت میں کہہ رہے تھے۔ "لانگ لیو دی کنگ جارج ففتھ....."

اس کے ساتھ ہی وہ قومی ترانہ گاتے جا رہے تھے۔ میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اور ان کے ترانے سے اونچی آواز میں کلام پاک کی ایک آیت پڑھتا جا رہا تھا۔ ہم ایک بستی کے سرے پر پہنچ گئے۔ سامنے ایک مشین کے ذریعے پختہ راستے سے برف ہٹائی جا رہی تھی۔ ہم ذرا رک گئے تھے۔

ہم نے پہلے بھی مزدوروں کو بیلچے سے برف ہٹا کر راستہ صاف کرتے دیکھا تھا۔ اب وہ جدید دور کی اسنو بلوور مشین دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

راستہ صاف ہوتے ہی ہم آگے بڑھتے ہوئے ریستوران میں پہنچے وہاں ہم نے جدید طرز کی میزیں اور کرسیاں دیکھیں۔ پھر کاؤنٹر کے پیچھے ایک بڑے سے ٹی وی کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ وہاں ایک رنگین انگریزی فلم چل رہی تھی۔ ایڈی نے ہم سے کہا۔ "کیا ہوٹل والے نے یہ چھوٹا سا سینما گھر بنایا ہے؟"

ہم اکتیس دسمبر انیس سو تیس کو ہوائی جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ اس زمانے میں صرف ریڈیو دیکھا تھا اور سنا تھا۔ ان دنوں ٹیلی ویژن کا تصور بھی نہیں تھا۔ ہم اسے چھوٹی اسکرین کا سینما گھر سمجھ رہے تھے۔ ایک میز کے اطراف بیٹھ کو بڑی دلچسپی سے اُدھر دیکھنے لگے۔

ویٹر نے آ کر مینو پیش کیا۔ ہم نے کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر وہاں کے ماحول کو ایسے

دیکھنے لگے جیسے ایک نئی دنیا کو دیکھ رہے ہوں۔ عورتوں اور مردوں کے لباس بڑی حد تک نئے طرز کے تھے۔ ہمارے لباس کے بالکل برعکس تھے۔ ہمارے سامنے کھانے کی ڈشیں لا کر رکھی گئیں۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ پکوان بھی ہمارے دور سے کچھ مختلف تھا۔ آخر میں ویٹر نے اسی پونڈ کا بل پیش کیا۔ میری جیب میں کچھ برٹش انڈین کرنسی تھی۔ ایڈی نے اپنی جیب سے برٹش پونڈز نکال کر ویٹر کی پلیٹ میں رکھے۔ تو اس نے تعجب سے ان نوٹوں کو اٹھا کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "یہ کرنسی اب یہاں نہیں چلتی ہے۔"

ایڈی نے کہا۔ "کیوں نہیں چلتی ہے؟ یہ کون سا ملک ہے؟ کیا یہاں برٹش راج نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کبھی یہاں برٹش حکمران تھے۔ اب ہمارا سوئٹزرلینڈ آزاد ہے۔ ویسے یہاں برٹش امریکن اور فرانسیسی کرنسیاں چلتی ہیں۔ مگر یہ نوٹ نہیں چلیں گے۔ بہت پرانے ہیں۔"

ہوٹل کے منیجر نے آ کر پوچھا۔ "کیا معاملہ ہے؟"

ویٹر نے اسے ہماری کرنسی دکھائی۔ اس نے اچھی طرح دیکھ کر کہا۔ "یہ تو جارج پنجم کے زمانے کے نوٹ ہیں۔ یہ کہاں سے اٹھا کر لائے ہو؟"

مجھے یکبارگی اصحاب کہف کا واقعہ یاد آیا۔ ایک شخص سو سال پرانا سکہ لے کر غار سے نکل کر ایک شہر میں گیا۔ یوں معلوم ہوا تھا کہ وہ سو سال تک موت کی نیند سوتے رہے تھے۔ میں نے جلدی سے پوچھا۔ "مسٹر! آج تاریخ کیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "اکتیس دسمبر ہے۔ بیسویں صدی کی آخری رات ہے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اب سے چھ گھنٹے بعد اکیسویں صدی کا نیا سال دو ہزار شروع ہوگا؟"

جان برائٹ نے شدید حیرانی سے تقریباً چیخ کر کہا۔ "نان سنس۔ ابھی چھ بجے ہیں۔ تو چھ گھنٹے بعد نیا سال انیس سو اکتیس شروع ہوگا۔ تم ہمیں ستر برس آگے نئی صدی میں پہنچا رہے ہو۔"

ایڈی نے کہا۔ "ہاں۔ یہ اکتیس دسمبر انیس سو تیس کی آخری رات ہے۔"

منیجر نے ہم تینوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم لوگ پاگل خانے سے آئے ہو؟ ستر برس پرانی کرنسی کہاں سے لائے ہو؟"

آس پاس کی میزوں والے بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ کچھ اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے پاس آ گئے تھے۔ وہ طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ ہم جواب دے رہے تھے۔ اور یہ ثابت ہو رہا تھا کہ ہم تینوں ستر برس پرانے ہیں۔ پھر تو وہاں سب ہی ہم سے دلچسپی لینے

لگے۔جن کے پاس کیمرے تھے وہ ہمیں عجوبہ سمجھ کر تصویریں اتارنے لگے۔پھر انہوں نے ہوم ڈیپارٹمنٹ اور پریس کلب سے رابطہ کرنے کے لئے موبائل فون نکالے تو ہم نے حیرانی سے دیکھا۔ہم نے تار سے منسلک فون دیکھے تھے۔ان فونز میں دائرہ نما چکری کو گھما کر نمبر ملاتے تھے۔اس کے برعکس ابھی یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ لوگ مختلف بٹن دبا کر رابطہ کرتے ہوئے متعلقہ افراد سے ہمارے متعلق کچھ بول رہے تھے۔

ان لمحات میں ہمارے لئے ایک نئی دنیا کے دروازے کھلنے والے تھے۔ہم انیس سو تیس کے باشندے تھے۔اب ستر برس بعد ایسی حیرت انگیز دنیا دیکھنے والے تھے۔جہاں سائنس اور ٹکنالوجی کے حوالے سے نئی نئی ایجادات ہوتی رہتی ہیں۔

ایک گھنٹے کے اندر اس ریستوران میں اخباری نمائندوں کی بھیڑ لگ گئی۔ہماری تصویریں اتارنے کے لئے ہر طرف سے فلش لائٹس کی چکا چوند ہونے لگی۔وہ ہمارے سلسلے میں دھماکہ خیز خبریں تیار کررہے تھے۔انٹرنیٹ کے ذریعے معلوم کیا جارہا تھا کہ کیا اکتیس دسمبر انیس سوتیس کی رات سوئیٹزرلینڈ کے شمالی پہاڑی علاقے میں کسی جہاز کو حادثہ پیش آیا تھا؟

جواب موصول ہورہا تھا کہ ایسا حادثہ ہو چکا ہے۔کئی مسافر زندہ سلامت واپس لائے گئے تھے۔کئی مسافروں کی لاشیں بھی تھیں۔تین مسافر لاپتہ ہوگئے تھے۔تلاش بسیار کے باوجود ان کے نقش قدم بھی نہ مل سکے۔ان گمشدہ مسافرون کے نام غازی صلاح الدین' ایڈورڈ تھامپسن اور جان برائٹ ہیں۔

پرانے ریکارڈز اور انٹرنیٹ کے ذریعے ہمارے نام مکمل کوائف کے ساتھ موصول ہورہے تھے۔تمام پریس رپورٹرز ہوم ڈیپارٹمنٹ کے افسران اور دنیا کی تمام سراغ رساں تنظیموں کے جاسوس یقین نہیں کررہے تھے کہ ہم ستر برس تک کسی گڑھے میں دبے ہوئے تھے۔ہم پر موت طاری رہی تھی اور اب دوبارہ زندگی پاکر ان کے سامنے آئے ہیں۔وہ مختلف انداز سے ہمیں کریدر ہے تھے۔طرح طرح کے سوالات کررہے تھے۔کسی طرح سے ہمیں قائل کرنا چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہوا ہے۔

سب ہی ہم سے یہ اگلوانا چاہتے تھے کہ ہم تینوں جھوٹ بول رہے ہیں اور ستر برس پہلے ہونے والے حادثے کا حوالہ دے کر حیات بعد الموت کا ڈھونگ رچارہے ہیں۔

اس سلسلے میں ہمارے رشتے داروں کے نام اور فیملی کے متعلق سوال کئے گئے۔ہمارے جواب کی روشنی میں دوسرے ہی دن معلومات حاصل کی گئیں۔ایڈورڈ اور جان کے کئی رشتے دار فوراً ہی ستر برس پرانی فوٹو البم اور دیگر تفصیلات کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

میرے متعلق انڈیا میں تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ انیس سوتیس میں غازی صلاح الدین ایک بہت بڑا جاگیردار تھا۔اس نے راجہ پرتھوی ولبھ کی بیٹی پھول وتی کے ساتھ اس جہاز میں سفر کیا تھا۔جو حادثے سے دوچار تھا۔غازی کی بیوی اپنی جاگیر غازی نگر میں تھی۔پھر اپنے بچوں کو لے کر پاکستان چلی گئی۔وہ فی الحال لاپتہ ہے۔اس کا سراغ لگایا جارہا ہے۔

یہ تمام ایسے ٹھوس ثبوت تھے کہ انکار کرنے والوں کو حیات بعد الموت کا یقین کرنا پڑا۔ہندوؤں نے اپنے آواگون کے نظریہ کے مطابق فوراً ہی مان لیا کہ ہم تینوں نے نیا جنم لیا ہے۔اہل کتاب کہلانے والے مذاہب کے پیشواؤں نے ہم سے ملاقات کی۔ہمیں عزت اور احترام ایسے دیا جیسے ہم آسمان سے اُتارے گئے ہیں۔

ہم اپنی دنیا کے تین عجوبے تھے۔تمام ممالک نے اپنے متفقہ فیصلے کے مطابق ہمیں ایسے شناختی کارڈز پیش کئے جن پر Lad یعنی لائف آفٹر ڈیتھ لکھا ہوا تھا۔اس شناختی کارڈ Lad کے ذریعے ہم پاسپورٹ اور ویزا کے بغیر کسی بھی ملک میں جاسکتے تھے۔کسی بھی مہنگے ہوٹل میں قیام کرسکتے تھے اور کسی بھی شاپنگ سینٹر میں رقم ادا کئے بغیر اپنی ضرورت کا سامان خرید سکتے تھے۔

پھول وتی کو میری طرح دوسری زندگی نہیں ملی تھی اگر چہ اس نے ہندو عقیدے آواگون کے مطابق کہا تھا کہ موت آئے گی تو وہ پھر میری شریک حیات بننے کے لئے نیا جنم لے گی۔لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔میں اس کی طرف سے مایوس ہوگیا۔اسے نئی زندگی ملتی ہوتی تو دو انگریزوں کی طرح وہ بھی میرے ساتھ جی اٹھتی۔لیکن ستر برس پہلے پتہ نہیں کس طرح اس کی تدفین کی گئی ہوگی؟ یا اسے بدستور ہندو سمجھ کر چتا میں جلا دیا گیا ہوگا؟

اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس نے دوسرا جنم نہیں لیا تھا۔میں نے اس کا خیال دل سے نکال دیا۔میرے لہو کے رشتے ابھی جو زندہ ہوں گے ان سے ملنے کے لئے بے چین ہورہا تھا۔ساجدہ میرے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کے ساتھ پاکستان کے کسی شہر میں ہوگی۔پریس اور انٹیلی جنس والے ان کا سراغ لگانے کی کوششیں کررہے تھے۔

بیشار اخبارات اور ٹی وی چینلو کے ذریعے حیات بعد الموت کے سلسلے میں طرح طرح کے پروگرام پیش کئے گئے تھے۔میں نے ٹی وی کیمرے کے سامنے آکر انٹرویو دیئے تھے۔ساجدہ اور بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ جہاں بھی ہیں' مجھ سے فوراً رابطہ کریں۔

ان کی طرف سے مسلسل خاموشی تھی۔میں پریشان ہورہا تھا' کیا وہ ٹی وی نہیں دیکھتے ہیں' اخبار نہیں پڑھتے ہیں؟ دنیا کے تمام لوگ مجھے دیکھ رہے تھے۔میں ان کے لئے عجوبہ تھا۔وہ

مجھ سے متاثر ہو رہے تھے۔ مجھ سے رابطہ کرتے رہتے تھے۔ صرف میرے اپنے مجھے نظر انداز کر رہے تھے۔

وہ جان بوجھ کر نظر انداز نہیں کر رہے ہوں گے۔ یقیناً وہ کسی بھی حوالے سے مجبور ہوں گے۔ میں نے سوچا مجبوریاں کیا ہو سکتی ہے؟

کیا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں؟ ساجدہ عمر میں مجھ پانچ برس چھوٹی تھی۔ ابھی اکیانوے برس کی ہوگی۔ ہوسکتا ہے وفات پا چکی ہو یا بڑھاپے نے اسے دماغی اور جسمانی طور پر مفلوج کر دیا ہو۔ وہ دیکھنے اور سمجھنے کے قابل نہ رہی ہو۔

میرا بیٹا عمیر بن غازی اور بیٹی رابعہ ادھیڑ عمر کے ہوں گے۔ پھر وہ مجھ سے بے خبر کیوں ہیں؟ کیا وہ اخبار نہیں پڑھتے ہیں؟ کیا انہوں نے کسی ٹی وی چینل پر مجھے نہیں دیکھا ہے؟

ساری دنیا مجھے قریب سے دیکھنے اور مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔ میرے بچے ان سے زیادہ بے چین ہوں گے۔ لیکن کسی وجہ سے مجبور ہوں گے یا پھر وہ....؟

نہیں نہیں۔ وہ زندہ ہوں گے۔ میں نئی زندگی پا کر لہو کے رشتوں کو کلیجے سے لگا کر اس دنیا میں رہنا چاہتا تھا۔ میں ان کے متعلق مختلف پہلوؤں سے سوچنے لگا۔

ایک اہم پہلو سامنے آیا۔ اب وہ بچے جوان نہیں بوڑھے ہو گئے ہوں گے۔ جب میں ان سے جدا ہوا تو عمیر بن غازی پانچ برس کا تھا اور رابعہ دودھ پیتی بچی تھی۔ اب وہ ستر برس کی ہوگی اور عمیر پچھتر برس کا بوڑھا ہو گیا ہوگا۔

اف خدایا! اتنی مدت گزر گئی کہ میرے دودھ پینے والے اور کھلونوں سے کھیلنے والے بچے میری طرح بوڑھے ہو گئے ہوں گے۔ ایک اہم پہلو سامنے آیا۔ چونکہ ہم ستر برس تک موت کی نیند سوتے رہے تھے۔ اور گڑھے میں دبے ہوئے تھے۔ اس لئے کئی ممالک میں ہمارا میڈیکل چیک اپ ہوتا رہا تھا اور یہ سب کی متفقہ میڈیکل رپورٹ تھی کہ ہم جس حالت میں مردہ ہو گئے تھے۔ اسی حالت میں جی اٹھے تھے۔ یعنی میں ہوائی جہاز کے حادثے اور موت کے وقت چھبیس برس کا تھا۔ ستر برس کے بعد مجھے چھیانوے برس کا بوڑھا ہونا چاہئے تھا۔ لیکن میڈیکل رپورٹ کے مطابق ہر پہلو سے اب بھی چھبیس برس کا ایک جوان تھا۔

کیا خدا کی قدرت ہے؟ حیات بعد الموت کے نتیجے میں عجیب و غریب باتیں سامنے آ رہی تھیں۔ میرے بچے بوڑھے ہو گئے تھے اور میں جوان تھا۔ جب کبھی سامنا ہوگا تو میرا بیٹا باپ دکھائی دے گا اور میں جوان بچہ کہلاؤں گا۔ پتہ نہیں اور کیسی کیسی حیرت زدہ کرنے

والی باتیں پیش آنے والی تھیں؟

اب میرے اندر ایک ہی تڑپ اور ایک ہی بے چینی تھی۔ ساجدہ اور بچوں سے ملنے کے لئے دل مچل رہا تھا۔ لیکن ایک ماہ تک مسلسل مصروفیات میں الجھتا رہا۔ یو کے اور یورپ کے کئی طبی مراکز میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ ایڈورڈ، جان برائٹ اور میرے لئے ایک فورسیٹر طیارہ مخصوص تھا۔ ہم صبح ایک ملک میں ہوتے تو شام کو اور رات کو دوسرے ملک میں پہنچ جاتے تھے۔ مختلف مذاہب کے پیشواؤں سے روز ہی مذاکرات ہوتے رہتے تھے۔

اسلام کے دینی مراکز کے بیشمار علما میری آمد پر ایمان افروز اجلاس منعقد کرتے تھے۔ نئی زندگی پانے کے بعد جب ہم انسانی آبادی میں پہنچے تھے۔ تب ہم نے خوب اچھی طرح گرم پانی سے غسل کیا تھا۔ ہمیں نئے ملبوسات دیئے گئے تھے۔ میں نے پاک و صاف ہوتے ہی باقاعدہ عبادت شروع کر دی تھی۔ بھول سے بھی نماز کا ناغہ نہیں کرتا تھا۔ تہجد بھی پڑھتا تھا۔ جب بھی تنہائی میسر ہوتی تھی۔ اسم اعظم پڑھنے کی مشق کرتا رہتا تھا۔

ایک رات برف میں دھنسے ہوئے جہاز کے اندر ہوس غالب آئی تھی اور میں فجر کی نماز سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ ناپاکی جو اس رات شروع ہوئی وہ ستر برس تک رہی تھی۔ ایمان والے کے لئے یہ اتنی بڑی سزا ہے کہ قیامت تک توبہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں مانگتا رہوں گا۔

حیات نو پانے سے پہلے ایمان کے حوالے سے مجھ میں کچھ کمزوریاں تھیں۔ میں ان پر غالب آ رہا تھا۔ یہ طے کر چکا تھا کہ ضرورت کے مطابق دنیاوی معاملات اور ذمہ داریاں پوری کرتا رہوں گا۔ باقی وقت عبادت میں مصروف رہا کروں گا۔ میں یورپ کے ممالک میں ایک ماہ تک وقت گزارنے کے بعد ہندوستان روانہ ہوا۔ ساجدہ اور بچوں کو تلاش کرنے کے بعد پاکستان جانے والا تھا۔

لندن ائیر پورٹ کے ویٹنگ روم میں پہنچا تو ایک کال موصول ہوئی۔ میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ”ہیلو فرمایئے....؟“

دوسری طرف سے گنگناتی ہوئی سریلی سی آواز سنائی دی۔ ”کیا تم غازی ہو؟“

”ہاں۔ میں غازی صلاح الدین بول رہا ہوں۔“

”کیا وہی غازی ہو جو کبھی راجہ مہاویر چوہان کا باڈی گارڈ تھا پھر ڈکیتی کے ذریعے دولت کما کر بہت بڑا جاگیردار بن گیا تھا؟“

اس کے لہجے میں ایک ذرا حقارت پیدا ہوگئی۔ میں نے کہا۔ ”ہاں۔ میں وہی ہوں۔“

اس نے پھر سوال کیا۔''اور تم وہی ہو جس نے راجہ شیو شنکر داس کی ہتیا کی اس کے بعد میرے دادا بجرنگ بلی داس کی ہتیا کی؟''

میں نے سنجیدگی سے کہا۔''اچھا تو تم بجرنگ کی پوتی ہو؟''

وہ سخت لہجے میں بولی۔''میں کوئی بھی ہوں۔ مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ میرے سوالوں کے جواب دو۔''

میں نے جواب دیا۔''جن کے نصیب میں حرام موت تھی۔ وہ مر گئے تم گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہی ہو؟''

''میں یقین کرنا چاہتی ہوں تم وہی ہتیارے ہو۔ میں اخبارات میں تمہاری تصویریں دیکھی ہیں۔ کتنے ہی ٹی وی چینلز پر تمہیں دیکھتی اور سنتی رہی ہوں۔ تم بکواس کرتے ہو کہ ستر برس تک گڑھے میں مردہ پڑے رہے۔''

میں نے پوچھا۔''تمہارا کیا خیال ہے میں ستر برس تک کہاں تھا؟''

''تم کہیں چھپے ہوئے تھے۔ بہت بڑے فراڈ ہو۔ بڑی مکاری سے خود کو عجوبہ بنا کر پوری دنیا میں شہرت حاصل کر رہے ہو۔''

''چلو یہی صحیح تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''دور سے کیا پوچھتے ہو؟ ہندوستان واپس آؤ۔ میں تمہیں پھر اسی گڑھے میں پہنچا دوں گی۔ پھر وہاں سے کبھی زندہ ہو کر نہیں آؤ گے۔''

''اچھی بات ہے میں کب آؤں؟''

''ماں کا دودھ پیا ہے تو ابھی آؤ۔''

''ابھی تو بہت مصروف ہوں۔ شام تک آؤں گا۔ مگر ہندوستان میں کہاں آؤں؟ تم تیر تلوار اور بندوق کے ساتھ کہاں ملو گی؟''

''تم مذاق اڑا رہے ہو۔ سمجھتے ہو کہ میں اکیلی ہوں۔ یہاں آؤ گے تو میرے بھائیوں کو دیکھ کر ہوش اڑ جائیں گے۔ پہاڑ جیسے باڈی بلڈر ہیں۔ تمہیں کتے کی موت مارنے کے لئے ان کے چیلے چپاٹے ہی کافی ہیں۔''

''تم اتنی دیر سے چیلنج کر رہی ہو۔ جبکہ تمہارے بھائیوں کو مجھ سے بولنا چاہئے۔''

''وہ زیادہ نہیں بولتے۔ موت کی طرح خاموشی سے آتے ہیں۔ اور شریر سے آتما نکال کر چلے جاتے ہیں۔''

''یعنی وہ ایسے سورما ہیں کہ بہن کے ذریعے شکار کو پھانستے ہیں پھر اسے مارتے ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔ میرے بھائی بے غیرت نہیں ہیں۔''

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے ستر برس پہلے ایک فلم میں دیکھا تھا کہ کہانی کی ہیروئن انتقام لینے کے لئے ہیرو کے پاس انگارے چباتی ہوئی آتی ہے۔ پھر ہزار جان سے اس پر عاشق ہو کر پھول برسانے لگتی ہے۔''

''تمہیں اپنے بارے میں بڑی خوش فہمی ہے۔ میں تو تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی۔''

''یہی تم سے کہہ رہا ہوں۔ مجھ پر عاشق ہونے کی حماقت نہ کرنا میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گا۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کی آواز اور لہجے پر دھیان دیا۔ ہمارے درمیان طویل فاصلہ تھا۔ لیکن آواز پلک جھپکتے ہی دنیا کے کسی بھی حصے میں پہنچ جاتی ہے۔ اس کی آواز فون کے بغیر ہی میری سماعت کو چھونے لگی۔ وہ کسی سے کہہ رہی تھی۔

''اچھا ہے وہ آج شام کو ہی آجائے۔ میرے انتقام کی آگ بجھے گی۔ میں اسے زندہ چتا میں جلاؤں گی۔''

ایک مرد کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔''وہ ابھی کہاں ہے اور شام تک یہاں کیسے پہنچے گا؟'

''میں اس سے پوچھنا بھول گئی کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟''

دوسری بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔''تم غصے میں کام کی باتیں کرنا بھول جاتی ہو۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کہاں سے آئے گا؟ اسے معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم کہاں ہیں؟''

وہ بولی۔''بھائی! میں پھر اسے کال کروں؟''

دونوں بھائیوں کی ہوں سنائی دی۔ وہ نمبر پنچ کرنے لگی۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی میرے فون کی کالنگ ٹون سنائی دینے لگی۔ میں نے اٹینڈ نہیں کیا۔ اس کا فون مجھے پکارتا رہا۔ پھر چپ ہو گیا۔ وہ بولی۔''بھیا! وہ اٹینڈ نہیں کر رہا ہے۔ میں پھر کال کرتی ہوں۔''

اس وقت وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ تھی۔ ان میں سے ایک کو بھیا اور دوسرے کو بھائی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ میں نے اپنا فون آف کر دیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد غصے سے بولی۔''اس نے اپنا فون آف کر دیا ہے۔''

ایک نے کہا۔''زیادہ دیر بند نہیں رکھے گا۔ آدھے گھنٹے بعد پھر کال کرو۔''

دوسرے نے کہا۔''شنکر دادا اور بجرنگ دادا ہمارے باپو سے کہا کرتے تھے کہ وہ

مسلمان بہت خطرناک ہے۔وہ اپنے دشمنوں کی بو سونگھ کر کہیں سے بھی آدھمکتا ہے۔''

بہن نے پوچھا۔''کیا اس نے اسی لئے فون بند کیا ہے؟ کیا وہ ہماری بو سونگھ کر یہاں آجائے گا؟''

وہ تمہارے منہ سے بجرنگ دادا کا نام سن کر سمجھ گیا ہوگا کہ تم پالن پور سے بول رہی ہو۔''

''پھر تو وہ اُدھر جائے گا اور ہم یہاں دہلی میں ہیں۔''

اس نے کہا۔'بھیا! ہمیں ابھی پالن پور جانا چاہئے۔اس نے شام کو آنے کی بات کہی ہے۔''

میں ایئر انڈیا کی فلائیٹ سے شام پانچ بجے دہلی پہنچنے والا تھا۔ایک بھائی نے کہا۔''رتنا ولی! بہتر یہ ہے کہ اس سے رابطہ کرو اور بتاؤ کہ ہم دہلی میں ہیں۔''

اس نے رابطہ کیا پھر مایوسی ہوئی۔میں نے فون بند رکھا تھا۔تھوڑی دیر بعد اسے آن کر کے نمبر پنچ کئے پھر رابطہ ہونے پر کہا۔''ہیلو رتنا ولی....!''

وہ حیرانی سے بولی۔''تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟''

میں نے کہا۔''قبر سے اٹھ کر آنے والے کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔پالن پور نہ جاؤ دہلی میں رہو۔آج رات کسی وقت تمہارے پاس آؤں گا۔''

یہ کہہ کر میں نے فون کو پھر سے آف کر دیا۔وہ ذرا سہم کر حیرانی بولی۔''بھیا! بھائی! وہ میرا نام جانتا ہے۔یہ بھی جانتا ہے کہ ابھی ہم پالن پور جانا چاہتے تھے۔''

بھائی نے کہا۔''کیا کہہ رہی ہو؟ ابھی ہم نے جانے کا ارادہ کیا تھا ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔وہ کیسے جان گیا؟''

''وہ کہہ رہا تھا کہ قبر سے اٹھ کر آنے والا مردہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے اور یہ ابھی ثابت ہو رہا ہے۔''

وہ تینوں پریشان ہو کر اپنے اپنے طور پر سوچنے لگے۔ایک نے کہا۔''ہم پچھلے ایک ماہ سے اخباروں میں پڑھ رہے ہیں۔ٹی وی چینلز پر اسے دیکھ رہے ہیں۔یقین ہو گیا ہے کہ وہ ایک بار مرنے کے بعد پھر سے دنیا میں آیا ہے۔ہمارے باپ دادا اور پردادا کے زمانے سے سب ہی کہتے چلے آئے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد زندہ ہو جائے تو بھوت بن جاتا ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں غازی سے نہیں اس کے بھوت سے لڑنا ہوگا؟''

''ہاں۔اور بھوت سے لڑنے کے لئے کالا جادو جاننا ضروری ہے۔''

رتنا ولی نے کہا۔'ہمیں کالا جادو جاننے والے کسی تانترک مہاراج کو فوراً پکڑنا

ہوگا۔''

ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے کہا۔'بلبیر بھیا! ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ یہاں کب پہنچے گا اور کس راستے سے آئے گا؟''

یہ معلوم ہوا کہ بلبیر بڑا بھائی ہے۔اس نے چھوٹے بھائی سے کہا۔''رنبیر! وہ ہمیں نہیں بتائے گا۔یہاں اچانک آکر حملہ کرے گا۔کوئی کالا جادو جاننے والا ہی اس کے بارے میں کچھ بتا سکے گا۔''

وہ تینوں کسی تانترک مہاراج کی خدمات حاصل کرنے والے تھے۔میں ویٹنگ روم سے نکل کر دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز میں آکر بیٹھ گیا۔ایڈورڈ تھامپسن' جان برائٹ کو اور مجھ کو تمام میڈیا کے ذریعے دن رات پیش کیا گیا تھا۔آدھی سے زیادہ دنیا ہمیں صورت شکل سے پہچاننے لگی تھی۔

اس جہاز میں بھی بیشار مسافروں نے مجھے پہچان کر بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔مجھ سے باتیں کرتے رہے۔میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک یہودی اور ایک ہندو ہمسفر تھا۔یہودی نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔''آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔آپ سے ہاتھ ملانا آپ کو صرف چھو لینا بھی اعزاز کی بات ہے۔''

میں نے کہا۔''اللہ تعالیٰ مجھے عزت دے رہا ہے۔آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟'

''میرا نام جوزف فرنانڈو ہے۔توریت سوسائٹی کا چیئرمین ہوں۔ہماری آسمانی کتاب توریت میں بھی کئی معجزاتی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔اس سلسلے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''جی۔فرمائیے...''

''ساری دنیا یقین کر رہی ہے کہ مرنے کے بعد آپ تینوں نے نئی زندگی حاصل کی ہے۔خدا آپ تینوں پر مہربان ہے۔لیکن....''

وہ کہتے کہتے رک گیا۔میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔اس نے کہا۔''آپ مائنڈ نہ کریں۔آپ کے اس بیان میں مبالغہ ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے ایڈورڈ اور جان برائٹ کو زندہ ہوتے دیکھا ہے۔''

میں نے پوچھا۔''مبالغہ کیا ہے؟ میرے بیان کے مطابق وہ دونوں زندہ ہیں۔''

''بیشک زندہ ہیں۔مگر آپ کے بیان میں یہ بچکانہ پن ہے کہ آپ نے دونوں کے ڈھانچوں پر گوشت چڑھتے اور کھال منڈھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

"اس میں کوئی شک نہیں ہے میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے۔"

وہ بولا۔"جبکہ ایڈورڈ اور جان نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا ہے۔انہوں نے تمہارے ڈھانچے پر گوشت اور کھال چڑھتے نہیں دیکھا تھا۔"

"وہ کیسے دیکھتے؟ میں ان سے پہلے جی اٹھا تھا۔جب انہیں زندگی ملی تو میں ان کے سامنے ثابت وسالم ہو کر سانسیں لے رہا تھا۔"

"پھر بھی یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔بچوں جیسی کہانی لگتی ہے کہ سامنے ہڈیوں کی ڈھانچے پڑے ہیں اور آپ بڑے مزے سے ڈھانچوں پر گوشت چڑھنے پھر دل دماغ آنکھیں بننے کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔"

میں نے اپنے کان پکڑے پھر توبہ کرتے ہوئے کہا۔"خدا مجھے معاف کرے۔پہلے میں بھی سورہ بقرہ کی آیت کے اس حصے کو بچکانہ کہانی سمجھتا تھا۔وہاں ایک گدھے کے ڈھانچے پر گوشت چڑھتا رہا کھال منڈھتی رہی اور وہ آوازیں نکالتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔"

پھر میں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔"اب یہی چشم دید واقعہ میں نے بیان کیا ہے تو آپ یقین نہیں کر رہے ہیں۔آپ کی طرح اور جانے کتنے لوگ ہیں جو میرے بیان کو غلط سمجھ رہے ہوں گے۔دراصل ہم سے پہلے ماضی میں پھر مستقبل میں کیا ہو چکا ہے اور کیا ہونے والا ہے یہ ہم آنکھوں سے نہ دیکھ پاتے ہیں نہ یقین کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی کے طور پر کبھی ایسے معجزاتی واقعات رونما ہوتے ہیں۔اس کے باوجود خدا رسول اور اس کی آخری کتاب پر یقین نہ کرنے والے انکار کرتے ہی رہتے ہیں۔"

وہ بہت دیر تک چپ رہا پھر بولا۔"ہم سائنس اور ٹکنالوجی کے ترقی یافتہ دور سے گزر رہے ہیں۔فی زمانہ کسی حد تک یہ یقین کر لیا جائے گا کہ مرنے والے کو نئی زندگی مل سکتی ہے۔میڈیکل سائنس کہتی ہے کہ زندگی کی جو توانائیاں عمر کے ساتھ ساتھ کم ہو کر موت کی طرف لے جاتی ہیں وہ پھر سے بحال ہو سکتی ہیں۔"

میں نے اس بات پر تبصرہ نہیں کیا۔اس نے کہا۔"لیکن میڈیکل سائنس ایسی بچکانہ بات نہیں کرتی جو مر کھپ گئے ہیں اور جن کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں ان پر کبھی گوشت نہیں چڑھ سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔"سوری۔میں کوئی عالم نہیں ہوں۔آپ ایسی باتیں علماء سے کریں۔مجھ پر جو گزری ہے اسے میں جانتا ہوں اور اب انشاءاللہ میرا ایمان متزلزل نہیں ہوگا۔"

"آپ بیشک اپنے ایمان پر قائم رہیں۔لیکن اپنا بیان ذرا بدل دیں۔ہم توریت

سوسائٹی کے زیر اہتمام ہر ملک اور ہر شہر میں اجلاس منعقد کریں گے۔آپ وہاں ایمان افروز تقریر کریں مگر یہ بیان نہ دیں کہ آپ نے اپنے دو ساتھیوں کے ڈھانچوں پر گوشت چڑھتے دیکھا ہے۔ایسی مضحکہ خیز باتوں سے گریز کریں۔بچوں جیسی کہانیاں نہ سنائیں....."

میں نے کہا۔"پلیز شٹ اپ...میں نے نہ کہانی سنائی ہے نہ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو ترمیم اور اضافے کے ساتھ پیش کیا ہے۔مجھے آپ کی توریت سوسائٹی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"دلچسپی ہو جائے گی۔ہم آپ کو ایک لیکچر کا معاوضہ پچاس ہزار ڈالر ادا کریں گے۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا۔پھر کہا۔"آپ کو آخری بار سمجھا رہا ہوں۔خاموش رہیں۔میرے معاملے میں اور دین کے موضوع پر کوئی بات نہ کریں۔"

وہ ناگواری سے منہ بنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔پیچھے ایک سیٹ خالی تھی وہاں چلا گیا۔مسلم اور غیر مسلم اس بات سے متاثر تھے کہ جو واقعہ سورہ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے وہی میرے ساتھ پیش آیا ہے۔سائنس اور ٹکنالوجی کے دور میں کلام پاک کی صداقت اور اہمیت اور مسلم ہو رہی تھی اور توریت سوسائٹی کے یہودی کو یہ بات گراں گزر رہی تھی۔

وہ پچھلی سیٹ پر جا کر آس پاس کے مسافروں سے کہہ رہا تھا۔"سب فراڈ ہے۔وہ غازی جو وہاں بیٹھا ہوا ہے۔کیا اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ قبر سے اٹھ کر آیا ہے؟نہیں۔یہ اپنے دین کو ڈرامائی انداز میں پیش کر کے اپنے اسلام کا بول بالا کرنا چاہتا ہے۔ہم ثابت کر دیں گے کہ آدمی ستر برس تک مردہ رہ کر زندہ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی ڈھانچے پر گوشت چڑھتا ہے اور نہ ہی خود بخود دل دماغ اور آنکھیں جادو سے بنتی چلی جاتی ہیں۔"

وہ بول رہا تھا۔لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے۔میرے قریب بیٹھے ہوئے مسافروں نے مجھ سے سوالات کئے۔میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔"میں کسی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دوں گا۔کئی ملکوں کے طبی مراکز میں میرا معائنہ ہو چکا ہے۔ان سب کی میڈیکل رپورٹ کو کوئی جھٹلا نہیں سکے گا۔سچ ہر حال میں سچ ہی رہے گا۔جو حاسد اور کینہ پرور ہیں وہ جلتے بھنتے اور اپنا ہی خون خشک کرتے رہیں گے۔"

تقریباً تمام مسافر مجھ سے متاثر تھے۔وہ یہودی فرنانڈو جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ہماری یہ دنیا اپنوں اور بیگانوں دوستوں اور دشمنوں کے تضاد سے ہنگامے برپا کرتی رہتی ہے۔فی الوقت میرا کوئی اپنا نہیں تھا۔میں ان کی تلاش میں جا رہا تھا اور مجھے دشمن مل رہے تھے۔

وہ تینوں بہن بھائی میرے منتظر تھے۔ان کا خیال تھا کہ میں ہندوستان میں

ہوں۔شام کو ٹرین کے ذریعے یا ہائی وے سے دہلی آنے والا ہوں یا پھر کسی بیرونی ملک سے آرہا ہوں۔وہ دونوں بھائی دوپہر سے ایئر پورٹ کی عمارت میں تھے۔اور بیرونی ممالک سے آنے والی فلائٹس کے مسافروں میں مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔

رتنا ولی اپنے بنگلے میں تنہا تھی۔باہر دو سیکورٹی گارڈز تھے۔وہ بہن بھائی مجھے مار ڈالنے کی قسمیں کھا چکے تھے۔میں نے وہاں پہنچنے سے پہلے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ستر برس کا مردہ بھوت بن کر آرہا ہے۔چونکہ میں انسانی روپ میں بھوت ہوں۔اس لئے ان کا نام جانتا ہوں اور وہ جہاں بھی ہوں گے وہاں میں آسانی سے پہنچ جاؤں گا۔

میں دہلی پہنچ کر جہاز سے اترنے کے بعد بڑی دیر تک لیکیج ہال میں رہا۔رتنا ولی فون کے ذریعے بڑے بھائی بلبیر سے پوچھ رہی تھی۔''کیا لندن کی فلائیٹ آگئی ہے؟''

بلبیر کہہ رہا تھا۔''ہاں۔آچکی ہے۔تمام مسافر وزیٹرز لابی میں آکر جاچکے ہیں۔غازی اس فلائٹ سے بھی نہیں آیا ہے۔ہم رات ایک بجے تک آئندہ تین فلائٹس کے مسافروں کو چیک کریں گے۔ابھی ہم قریب ہی شاپنگ پلازہ میں جارہے ہیں۔''

میرا دھیان ان دونوں بھائیوں پر لگا ہوا تھا۔وہ جارہے تھے۔ان کے جوتوں کی ہلکی سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔پھر ایک گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔اس کے بعد گاڑی کے اسٹارٹ ہوکر جانے کی آواز سنتا رہا جب یقین ہوگیا کہ وہ جاچکے ہیں تب مطمئن ہوکر لیکیج ہال سے باہر آگیا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ رتنا ولی کس علاقے میں ہے؟ میں نے جامع مسجد پہنچ کر عشاء کی نماز ادا کی۔اس کے بعد فون کے ذریعے رابطہ کیا۔وہ موبائل پر میرا نمبر پڑھ کر چونک گئی۔اپنے بیڈروم میں چاروں طرف گھوم کر یوں دیکھنے لگی جیسے بھوت کمرے میں آگیا ہو۔وہ بہت ہی دلیر اور مغرور تھی لیکن بھوتوں اور چڑیلوں سے ڈرتی تھی۔

اس نے ایک تانترک مہاراج کی خدمات حاصل کی تھیں۔مہاراج نے اچھی خاصی رقم لے کر اس بنگلے کے چاروں طرف کالے جادو کی بندش کی تھی۔یہ دعویٰ کیا تھا کہ کوئی بھی دشمن اس کی جادوئی ریکھا کو پار کر کے بنگلے کے اندر نہیں آسکے گا۔اس ریکھا کو پار کرتے ہی اوندھے منہ گر پڑے گا۔رتنا ولی کے سامنے مٹی کا کیڑا بن کر رہ جائے گا۔

اس وقت وہ تانترک مہاراج بنگلے کی چھت پر آسن جمائے منتر پڑھ رہا تھا۔یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اور کس سمت سے آنے والا ہوں؟

رتنا ولی دوڑتی ہوئی چھت پر آئی پھر ہانپتی ہوئی بولی۔''مہاراج! غازی آگیا ہے۔''

وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔''کہاں ہے وہ؟ ہم ابھی اسے جلا کر بھسم کردیں گے۔''

''وہ یہاں نہیں ہے مگر ہے۔فون کے اندر ہے۔مجھے کال کررہا ہے۔''

''گھبراؤ مت۔اس سے بات کرو۔اسے بلاؤ۔وہ جیسے ہی آئے گا میرے منتر کی شکتی سے تمہارے چرنوں میں گر کر تڑپنے لگے گا۔''

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔وہ فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولی۔''ہیلو میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں۔یہاں آؤ گے تو حرام موت مارے جاؤ گے۔''

''مجھے اپنا پتہ بتاؤ پھر میں بتاؤں گا کہ کب آرہا ہوں؟''

اس نے فون پر ہاتھ رکھ کر تانترک مہاراج سے کہا۔''وہ یہاں کا پتہ پوچھ رہا ہے؟''

مہاراج نے ایک انگلی انکار میں ہلاتے ہوئے کہا۔''پتہ نہ بتاؤ۔وہ بھوت ہوگا تو سیدھا یہاں چلا آئے گا۔''

وہ فون پر سے ہاتھ ہٹا کر بولی۔''تم آدمی بھی ہو اور بھوت بھی ہو۔تم نے کہا تھا کہ قبر سے اٹھ کر آنے والا مردہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے۔''

''ہاں۔میں جان لیتا ہوں۔''

''تو پھر میرا پتہ ٹھکانہ خود ہی معلوم کرو۔''

''میں معلوم کرسکتا ہوں۔مگر کوئی تمہارے سر پر یا چھت پر بیٹھا منتر پڑھ رہا ہے۔اس لئے راستہ نہیں مل رہا ہے۔وہ چپ ہوجائے گا تو میں ابھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

اسے یقین ہوگیا کہ پراسرار منتر کام دکھا رہے ہیں۔وہ جلدی سے بولی۔''مہاراج چپ نہیں رہیں گے۔منتر پڑھتے رہیں گے۔صبح تک یہ منتر تمہیں جکڑ لیں گے۔تمہیں شمشان گھاٹ پہنچا دیں گے۔''

اس نے فون بند کردیا۔مہاراج سے کہا۔''آپ منتر پڑھتے رہیں۔اسے یہاں نہ آنے دیں۔''

مہاراج نے کہا۔''فکر نہ کرو۔میرے منتر اسے یہاں آنے نہیں دیں گے۔شمشان گھاٹ پہنچا دیں گے۔''

میں یہی چاہتا تھا کہ مہاراج چپ نہ رہے۔مسلسل پڑھتا رہے اور میں اس کی آواز سنتا ہوا وہاں تک پہنچ جاؤں۔میرے پاس ایل اے ڈی نامی اسپیشل شناختی کارڈ تھا۔جس کے ذریعے میں پاسپورٹ ویزا کے بغیر کسی بھی ملک میں جاسکتا تھا۔کسی بھی مہنگے ہوٹل میں قیام

کرسکتا تھا اور نقد رقم ادا کئے بغیر اپنی ضرورت کا سامان حاصل کر سکتا تھا۔

میں نے اس کارڈ کے ذریعے ایک رینٹڈ کار حاصل کی پھر اسے ڈرائیو کرتا ہوا تانترک مہاراج کی آواز سنتا ہوا ایک سمت جانے لگا۔ کالے جادو کا توڑ لازمی تھا۔ ایسے وقت اسم اعظم پڑھتا جا رہا تھا۔

منتر پڑھنے والے کی آواز سے اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ وہ مجھ سے کتنے فاصلے پر ہے اور وہ فاصلہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ میری کار ایک رہائشی علاقے میں پہنچی تو وہ آواز بہت قریب سے سنائی دینے لگی۔

میں نے ذرا اور آگے بڑھ کر ایک بنگلے کے سامنے کار روک دی۔ وہ مہاراج اسی بنگلے کی چھت پر بیٹھا منتروں کا جاپ کر رہا تھا۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ احاطے میں نیم تاریکی تھی۔ بڑے گیٹ کے کیبن میں ایک گارڈ تھا۔ وہ مجھے کار سے اترتے دیکھ کر کیبن سے باہر آتے ہوئے بولا۔ ''کس سے ملنا چاہتے ہو؟''

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں بلبیر سے ملنے آیا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''وہ موجود نہیں ہیں۔ آپ فون پر ان سے رابطہ کریں۔''

میں نے قریب پہنچتے ہی ایک گھونسہ اس کے منہ پر رسید کیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا میں نے اس کے گن والے ہاتھ میں آرم لاک لگا دیا۔ اس کے حلق سے کراہ نکلی۔ یہ ایسا داؤ تھا کہ وہ جوابی حملہ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں نے اسے رگیدتے ہوئے کیبن کی دیوار سے ٹکرا دیا۔ اس کا منہ ٹکرایا تھا۔ آنکھوں کے سامنے قمقمے جلنے بجھنے لگے تھے۔ میں نے اسے دوسری تیسری بار ٹکرایا تو وہ بے دم سا ہو کر گر پڑا۔

میں اسے یونہی چھوڑ کر جاتا تو وہ کسی وقت بھی ہوش میں آسکتا تھا۔ لہٰذا میں نے گن کے دستے سے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ وہ پھڑ پھڑا کر ساکت ہوگیا۔ دوسرا گارڈ بنگلے کے پیچھے گیٹ پر ہوگا سامنے ہوتا تو اس سے بھی نمٹ لیتا۔ میں اپنی کار کو وہاں سے آگے بڑھا کر ذرا دور لے گیا۔ پھر واپس پیدل چلتا ہوا بنگلے کے احاطے میں پہنچ گیا۔

میں ایسی مصروفیات کے درمیان اسم اعظم پڑھتا رہا تھا۔ بنگلے کے بیرونی دروازے کی طرف جاتے وقت اچانک پیروں تلے ایسی گرمی محسوس ہوئی جیسے وہاں انگارے بچھائے گئے ہوں۔ جبکہ آگ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

بات سمجھ میں آگئی۔ تانترک مہاراج نے کالے جادو کے ذریعے بنگلے کے چاروں طرف بندش کی تھی۔ تاکہ میں وہاں قدم نہ رکھ سکوں۔ واقعی میں وہاں قدم رکھتے ہی جل

جاتا۔ آگے بڑھنے کے قابل نہ رہتا۔ لیکن میرے اندر اسم اعظم گونج رہا تھا۔ ''اللہ..... یا اللہ.....! یا اللہ.....!''

میں بڑے ہی جذب کے عالم میں پڑھتا ہوا اس نظر نہ آنے والی اگنی ریکھا سے گزر گیا۔

بنگلے کے دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند تھیں اور میں ابھی اندر نہیں جانا چاہتا تھا پہلے اس چھت والے سے نمٹنا ضروری تھا۔ میں آگے بڑھتا ہوا بنگلے کے دائیں طرف آیا۔ وہاں ایک آہنی پائپ دیوار سے لگا ہوا اوپر کی طرف گیا تھا۔ میں درختوں پہاڑوں اور چٹانوں پر چڑھتا رہا ہوں۔ وہ پندرہ سولہ فٹ کی بلندی میرے لئے کچھ نہیں تھی۔ میں اس پائپ کے ذریعے آسانی سے چھت پر پہنچ گیا۔

وہاں کالا جادو کا عمل جاری تھا۔ ایک بڑی انگیٹھی سے آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ پیتل کی بڑی سی تھال پر سندور اور گیندے کے پھول رکھے ہوئے تھے۔ تانترک مہاراج آگ کے سامنے پلتھی مارے بیٹھا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھا۔ اس نے ماش کی دال کے آٹے کو گوندھ کر میرا پتلا بنایا تھا۔ اسے تھال پر رکھ کر بڑی لگن سے منتر پڑھتا جا رہا تھا۔

جیسا کہ کالے جادو کا ایک خاص طریقہ ہے۔ اس کے مطابق وہ تمام رات منتر پڑھنے کے بعد اس پتلے میں ایک ایک کر کے سوئیاں پیوست کرنے والا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ میں ناقابل برداشت تکلیف سے مجبور ہو کر شمشان گھاٹ کی طرف دوڑا چلا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے میں دن رات اسم اعظم پڑھنے کی مشق جاری رکھتا ہوں۔ اس وقت بھی بڑے جذب کے عالم میں پڑھ رہا تھا۔ اس کے کالے عمل سے پوری طرح متاثر نہیں ہو رہا تھا۔

مگر ہاں میں ایک آدھ بار پڑھتے پڑھتے رک گیا۔ زبان میں لکنت پیدا ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسم اعظم پڑھنے کے سلسلے میں میرے اندر کما حقہٗ پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

تانترک مہاراج کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ منتر پڑھتے پڑھتے اس کی زبان بھی لڑکھڑانے لگی۔ اگرچہ میرے اندر پختگی نہیں تھی۔ لیکن خدا مہربان تھا۔ اس کے کالے منتروں کا تسلسل بھی ٹوٹ رہا تھا۔

اس نے پریشان ہو کر آسمان کی سمت دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ ان لمحات میں چھت پر اکیلا نہیں ہے۔ اس نے فوراً ہی سر گھما کر دیکھا۔ میں اس کے لئے اجنبی تھا۔ مگر یہ خوف تھا کہ وہی دشمن ہوں اور اچانک چھت پر پہنچ گیا ہوں۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھنے لگا میں نے گھوم کر ایک زور کی کک ماری۔ مضبوط چرمی جوتا اس کے منہ پر پڑا۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ سلگتی ہوئی انگیٹھی سے ٹکرا گیا۔ انگیٹھی کے اچھلتے ہوئے بکھرتے ہوئے انگارے اس پر آئے۔ وہ تڑپتے ہوئے چیخیں مارتے ہوئے اٹھنے لگا۔ میں نے جھک کر ایک بازو میں اس کی گردن دبوچ لی۔

اس کی چیخیں ایک جھٹکے سے رک گئیں۔ وہ سانسیں لینے کے لئے پھڑپھڑانے لگا۔ جسمانی طور پر دبلا پتلا اور کمزور تھا۔ میرے شکنجے سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ اگرچہ کالے جادو کے حوالے سے بہت ہی خطرناک تھا۔ لیکن مجھے زیر کرنے کے لئے منتر پڑھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ان لمحات میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

زندگی کی ساری قوتیں سانس کی ڈور سے بندھی رہتی ہیں۔ کالے جادو کی شکتی بھی سانسوں کی مرہون منت تھی۔ نہ سانس آرہی تھی نہ وہ منتر پڑھ سکتا تھا اور نہ کسی طرح کا کالا عمل کر سکتا تھا۔ اس کے اندر تڑپنے پھڑپھڑانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ آخری بار اس کے جسم نے دوچار جھٹکے کھائے۔ پھر وہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گیا۔

میں نے اس کی موت کا یقین کیا پھر چھت کی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے وسیع ڈرائینگ روم میں آیا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے معلوم ہوا کہ رات کے وقت کوئی ملازم بنگلے میں نہیں رہتا ہے۔ میں نے ایک بیڈروم کا دروازہ کھولا تو وہ تنہا تھی۔ ابھی غسل خانے سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی تھی۔ ہیئر ڈریسر سے اپنے بالوں کو خشک کر رہی تھی۔

اس نے آئینے میں اپنے پیچھے میرا عکس دیکھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ میں مرنے کے بعد بھوت بن گیا ہوں۔ آئینے میں اسے یوں لگا جیسے میرا بھوت آ گیا ہے۔ اس کے ہاتھ سے ہیئر ڈریسر چھوٹ گیا۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے ہنومان چالیسواں پڑھنے لگی۔

میں نے قریب آ کر ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی۔ وہ چیخنے لگی۔ میں نے گردن کو جھٹکا دیتے ہوئے ڈانٹا۔ ”شٹ اپ۔“

اس نے سہم کر ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ میں نے کہا۔ ”فون پر بڑی ڈینگیں مار رہی تھیں۔ مجھے جان سے مار ڈالنے کی قسم کھا رہی تھیں۔“

میں نے اسے اپنی طرف گھما کر اس کی گردن چھوڑ دی۔ پھر کہا۔ ”لو میں تمہارے سامنے ہوں۔ مجھے مار ڈالو۔ ورنہ تمہاری لاش گرا کر جاؤں گا۔“

اس نے ایک ذرا پیچھے ہٹ کر سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ”وہ تمہارا تانترک مہاراج نرک میں پہنچ گیا ہے۔ تمہارے بھائی یہاں آئیں گے تو وہ بھی تانترک

مہاراج کے پاس پہنچ جائیں گے۔ کہاں ہے تمہاری دولت' طاقت' تمہارے سیکورٹی گارڈز؟ یہ غرور کہاں ہے کہ جسے چاہو گی موت کے گھاٹ اتار دو گی؟“

وہ پیچھے ہٹ کر گرنے کے انداز میں ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ یہ سمجھ گئی تھی کہ میں بھوت نہیں ایک زندہ دشمن ہوں۔ اس نے عاجزی سے کہا۔ ”مجھے معاف کر دو۔ میرے دادا پردادا درست کہتے تھے کہ تم ان کے مقابلے میں شہزور اور ناقابل شکست تھے۔ اس لئے وہ مر گئے لیکن تم ابھی تک زندہ ہو۔ میرے پرکھوں کے ساتھ جو دشمنی رہی اسے بھول جاؤ۔ تمہیں نئی زندگی ملی ہے ہم نئے سرے سے دوستی کریں گے اور....“

اور وہ مجھے باتوں میں لگا کر اپنے پیچھے دراز کھول رہی تھی۔ اس میں سے پستول نکالنا چاہتی تھی۔ میں نے دراز پر ایک لات ماری تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کا ہاتھ دراز میں پھنس گیا تھا۔ میں وہاں سے لات نہیں ہٹا رہا تھا۔ وہ ہاتھ نکال نہیں پا رہی تھی۔ تکلیف سے بے حال ہو رہی تھی۔

میں نے کہا۔ ”ہاں۔ آگے بولو مجھ سے دوستی کرو گی؟“

وہ تکلیف کی شدت سے انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ التجا کر رہی تھی۔ ”مجھے معاف کر دو۔ میرا ہاتھ نکالنے دو۔ میری کلائی ٹوٹ جائے گی۔“

میں نے لات ہٹائی پھر دراز میں سے پستول نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب اسے اٹھاؤ اور مجھ پر گولی چلاؤ۔“

کلائی کی ہڈی تڑخ گئی تھی۔ پانچوں انگلیاں بے جان سی ہو گئی تھیں۔ وہ پستول کو چھو بھی نہیں سکتی تھی۔ میں نے کہا۔ ”مجھ سے جو دشمنی ہے وہ ستر برس پرانی ہے۔ تم اور تمہارے بھائی ہمیشہ میری جان کے دشمن بنے رہیں گے۔ میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن تمہیں....“

میں نے بات پوری نہیں کی۔ اسے یہ امید ہوئی کہ میں اس کی جان نہیں لوں گا۔ وہ فوراً ہی میرے سینے سے آ کر لگ گئی۔ ”تم مجھے نہیں مارو گے۔ اپنے لئے بچا کر رکھو گے؟“

اس کی دھڑکنیں میرے سینے پر دھماکے کر رہی تھیں۔ دھک دھک کرتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔ ”میں اس سے بھی آگے جوانی کی کل کائنات ہوں۔ مجھے دریافت تو کرو۔“

وہ بلاشبہ ایک صحت مند حسینہ تھی۔ جو بھی اسے دیکھتا ہوگا اسے چھونے کی پکڑنے کی پھر جکڑنے کی تمنا کرتا ہوگا۔ میں ستر برس کا بھوکا مردہ تھا۔ زندہ ہو کر جوانی کے دسترخوان پر پہنچا تھا۔ نیت ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں

ہلاک نہیں کروں گا۔مگر سزا دوں گا۔ایسی سزا جسے ساری زندگی یاد کرتی رہوگی اور مجھ سے دور بھاگتی رہوگی۔''

وہ تڑپ کر بولی ''نہیں۔دشمن بن کر مجھے کھونے کی نہیں پانے کی بات کرو۔ایک بار سر سے پاؤں تک دیکھو پھر بار بار میری تمنا کرو گے۔''

اس نے بولتے بولتے ململ کے بلاؤز کو ناخنوں سے پھاڑ ڈالا۔میں دم بخود رہ گیا۔اس نے اچانک ہی چھکا مارا تھا۔گریبان سے باہر جا رہی تھی۔عورت کیا ہوتی ہے؟ ہتھیار چھپا کر رکھتی ہے۔میں نے پستول چھین لیا تھا۔اس کے باوجود گھائل کر رہی تھی۔مجھے اوندھے منہ گرانے کا سامان کر رہی تھی۔

اب سے پہلے جو رات آئی تھی اس رات کی گہری تاریکی میں پھول وتی میرے ساتھ تھی۔اس وقت بھی ہوس غالب آئی تھی۔وہ میری شریک حیات تھی۔اس کے باوجود حالات کا تقاضہ تھا کہ اس سے فاصلہ رکھو تب ہی فجر کی نماز پڑھنے کے قابل رہوں گا۔

لیکن میں نے نماز کو نظر انداز کیا تھا۔بہت بڑی غلطی کی تھی۔ہوس سے مغلوب ہونے کے بعد سزا بھی پائی تھی۔پھول وتی سے اور اپنے پیدا ہونے والے بچے سے محروم ہوگیا۔وہ سزا ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔نئی زندگی پانے کے بعد اپنی بیوی ساجدہ سے اور اپنے بچوں سے محروم تھا۔پتہ نہیں کبھی ان سے مل سکوں گا یا نہیں؟ یہ خدا ہی جانتا تھا۔

پھر وہی جذباتی بھڑکاتی ہوئی رات آئی تھی۔پھول وتی کی جگہ رتنا ولی تھی۔کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔عبادت بھی چھوٹنے والی نہیں تھی۔میں صبح سے پہلے پاک وصاف ہوکر نماز پڑھ سکتا تھا۔لیکن رتنا ولی نامحرم تھی۔میرے لئے حرام تھی۔میں دینی احکامات کے خلاف عیاشی سے بچنا چاہتا تھا۔تب ہی میری توبہ قبول ہوسکتی تھی اور پچھلی غلطی معاف ہوسکتی تھی۔

میں نے ایک جھٹکے سے اسے الگ کر دیا۔وہ ایک قدم پیچھے گئی پھر آ کر لپٹ گئی۔وہ مجھے بیبا کی بے حیائی کی لپیٹ میں لانا چاہتی تھی۔اس سے پہلے ہی میں نے اس کے دوسرے ہاتھ کو تھام لیا۔

وہ خوش ہوگئی۔خوش فہمی یہ تھی کہ میں راضی ہوگیا ہوں۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔میں نے اس کے دوسرے ہاتھ کو دراز میں گھسا کر ایک جھٹکے سے بند کیا۔پھر کھولا پھر بند کیا پھر کھولا پھر بند کیا۔وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ رہی تھی۔چیخ رہی تھی۔میری گرفت سے نکلنا چاہتی تھی۔مگر نکل نہیں پا رہی تھی۔

اس کی کلائی کا کچومر نکل گیا تھا۔میں نے اسے چھوڑ دیا۔وہ چکرا کر فرش پر گر پڑی۔حسن و بے حیائی کو اہمیت نہ دی جائے۔اسے ورغلانے کی سزا دی جائے تو پھر اس میں کشش نہیں رہتی۔میں نے شرعی احکامات کے مطابق گناہ سے دامن بچایا تو بڑی آسودگی اور اطمینان حاصل ہوا۔

بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔میں تیزی سے چلتا ہوا وہاں پہنچا۔بنگلے کے اندر ہر جگہ لائٹس بجھی ہوئی تھیں۔وہ سیکورٹی گارڈ جو پچھلے گیٹ پر تھا۔اس نے رتنا ولی کی چیخیں سنی تھیں۔دروازے پر دستک دیتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔''میڈم! آپ خیریت سے ہیں؟ دروازہ کھولیں۔''

میں نے آدھے چہرے پر رومال باندھ کر دروازے کو کھولا وہ سامنے کھڑا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ مجھے توجہ سے دیکھتا' میں نے پستول کے دستے سے پیشانی پر ضرب لگائی۔وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔میں نے دوسری ضرب لگائی تو وہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔میں نے اس کے قریب جھک کر دیکھا۔وہ بیہوش ہوچکا تھا۔

رتنا کے بیڈ روم سے فون کال کی ٹون سنائی دے رہی تھی۔میں پھر پلٹ کر وہاں آیا۔سنگار میز پر رکھا ہوا فون پکار رہا تھا۔رتنا ولی کے دونوں ہاتھ بیکار ہوگئے تھے۔وہ فرش پر سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔میں نے فون کو اٹھا کر کہا۔''میں اسے آن کر رہا ہوں۔تم کسی کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی۔''

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولی۔''میرے بھیا کا فون ہوگا۔وہ میری آواز سے پہچان لیں گے کہ میں تکلیف میں ہوں۔''

''تم بھائی سے کہو گی کہ سیڑھیوں سے گر پڑی ہو۔وہ جلدی یہاں آئیں اور تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔''

وہ پریشان ہوکر بولی۔''تم انہیں مار ڈالو گے۔''

''انہیں یہاں آنے کو نہیں کہو گی تو تمہیں مار ڈالوں گا۔''

میں نے فون آن کر کے اس کے کان سے لگایا۔وہ کراہتے ہوئے بولی۔''ہیلو....آہ....! آہ....!''

بڑے بھائی بلبیر نے پریشان ہوکر پوچھا۔''رتنا! تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم تکلیف میں ہو؟''

''آہ....! میں سیڑھیوں سے گر پڑی ہوں۔جلدی آؤ فوراً ہوسپٹل لے جاؤ۔''

وہ بولا۔"میں ابھی رنبیر کے ساتھ آرہا ہوں۔فکر نہ کرو۔حوصلہ کرو۔ہم بس ابھی آرہے ہیں۔"

اس نے فون بند کردیا۔میں فون کے بغیر ہی اس کی باتیں سن چکا تھا۔رتنا کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔وہ کھڑی ہوگئی۔پھر میں نے ایک بازو کو پکڑ کھینچتے ہوئے کہا۔"باہر چلو۔"

وہ میری گرفت میں چلتی ہوئی رونے کے انداز میں بولی۔"بہت تکلیف ہورہی ہے۔میری دونوں کلائیاں پھوڑے کی طرح دکھ رہی ہیں۔مجھے کہاں لے جارہے ہو؟"

اس نے بیرونی دروازے کے باہر آکر سیکورٹی گارڈ کو دیکھا وہ بیہوش پڑا تھا۔میں اسے کھینچتا ہوا لان کی ہریالی سے گزرتا ہوا بڑے آہنی گیٹ پر آیا۔میں نے وہاں بھی ایک گارڈ کو بیہوشی کی حالت میں چھوڑا تھا۔اب وہ ہوش میں آرہا تھا۔میں نے پستول کے دستے سے اس کے سر پر ضرب لگائی تو وہ اوندھے منہ گر پڑا۔پھر اس پر بیہوشی طاری ہوگئی۔

وہ چپ تھی۔سہمی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی۔میں نے تانترک مہاراج کو جہنم میں پہنچا دیا تھا۔اس کے دونوں گارڈز کو ناکارہ بنا دیا تھا۔اب اس کے دو بھائیوں کی باری تھی۔

وہ گارڈ کیبن کے اندر پڑا ہوا تھا۔بہت دور گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھیں۔میں رتنا کو کھینچ کر کیبن کے پیچھے چلا آیا۔آدھی رات گزر چکی تھی۔دور تک نیم تاریکی تھی۔سناٹا چھایا ہوا تھا۔وہ گاڑی گیٹ کے قریب آکر رک گئی۔

انہوں نے ہارن بجا کر گارڈ کو طلب کیا۔کیبن کے اندر تاریکی تھی۔وہ بیہوش پڑا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔بلبیر بڑبڑاتا ہوا گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔"یہ کم بخت کہاں مر گیا ہے؟ کیا ڈیوٹی کے وقت سو رہا ہے؟"

رنبیر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر کیبن کی طرف آنے لگا۔میں نے ایک گولی داغ دی۔اس کے حلق سے کراہ بھی نہ نکل سکی۔وہ اچھل کر زمین پر گرا پھر دیکھتے دیکھتے ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔

بلبیر پلٹ کر کار کے پیچھے جانا چاہتا تھا۔میری ایک گولی ٹانگ پر لگی تو لڑکھڑا کر گر پڑا۔میں نے رتنا کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔"جاؤ۔اپنے بھیا کے پاس...."

وہ ایک بھائی کی موت دیکھ چکی تھی۔دوسرا بھی مرنے والا تھا۔وہ روتے ہوئے بولی۔"میرے بھیا کو نہ مارو۔ہمیں جانے دو۔میں تمام دیوی دیوتاؤں کی قسمیں کھا کر کہتی ہوں۔ہم کبھی تم سے دشمنی نہیں کریں گے۔"

میں نے کہا۔"ایک لات ماروں گا تو بھائی کے پاس پہنچ جاؤ گی۔اس سے پہلے ہی چلی جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بلبیر کے پاس جانے لگی۔اس کی ایک ٹانگ میں گولی لگی تھی۔وہ کار کا سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔اب کار کے پیچھے جا کر فائرنگ کے لئے مورچہ بنانا چاہتا تھا۔اپنے لباس کے اندر سے ریوالور نکال رہا تھا۔بہن کو دیکھ کر حیرانی سے بولا۔"تم یہاں ہو؟"

وہ قریب آتے ہوئے بولی۔"ہاں۔وہ مجھے پکڑ کر لایا ہے۔کیبن کے پیچھے ہے۔ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

بلبیر نے بہن کو کھینچ کر جکڑ لیا۔اپنے آگے ڈھال بنا کر کہا۔"غازی! گولی چلاؤ۔مجھے نہیں لگے گی۔میں ابھی پولیس کو کال کرتا ہوں۔وہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔"

وہ گھبرا کر بولی۔"بھیا! یہ کیا کر رہے ہو؟ بہن کو ڈھال بنا رہے ہو۔گولی مجھے لگے گی۔میں مرجاؤں گی۔"

وہ بولا۔"ویسے بھی مرنا ہے۔پہلے تم مرجاؤ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔میں تمہارے شریر کو ڈھال بنا کر اس پر گولیاں چلاؤں گا۔"

وہ بول رہا تھا۔میں نے متواتر تین گولیاں چلائیں۔یہ یقین تھا کہ کوئی تو اسے لگے گی۔اور یہی ہوا دو گولیاں رتنا کو لگیں۔تیسری اس کے بھیا کی پیشانی میں گھس کر پیچھے سے نکل گئی۔وہ دونوں الگ ہوکر زمین پر گرنے لگے تو میں نے ایک اور گولی بھیا کے سینے میں اتار دی۔

پھر میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔دوڑتا ہوا رینٹڈ کار میں آکر بیٹھ گیا۔آس پاس کی کوٹھیوں سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔سب چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ فائرنگ کہاں ہورہی ہے؟

جواباً کہا جارہا تھا کہ بنگلہ نمبر تیس سو تین کے سامنے گولیاں چل رہی ہیں۔فوراً پولیس کو کال کی جائے۔

میں کار اسٹارٹ کرکے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے دور نکل آیا۔کوئی مجھ پر شبہ نہیں کرسکتا تھا کہ تانترک مہاراج کو اور ان بہن بھائیوں کو میں نے قتل کیا ہے۔میرے

خلاف کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔نہ ایسا کوئی تحریری ریکارڈ موجود تھا کہ ستر برس پہلے راجہ شیو شنکر داس اور بجرنگ داس مجھ سے دشمنی کے نتیجے میں مارے گئے تھے اور اسی دشمنی کے تسلسل میں ان کی پوتی اور پوتے جہنم میں پہنچ گئے تھے۔

ازسرِ نو زندگی پانے کے بعد وہ پہلے دشمن تھے جو خود ہی مجھ سے ٹکرانے آئے تھے۔خود ہی آواز دی تھی کہ آ بیل! ہمیں مار.....اور وہ مار کھا گئے تھے۔

☆☆☆

میں ساجدہ اور بچوں سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ان کی تلاش میں ہندوستان آیا تھا۔جامع مسجد کے قریب ہی ایک گلی میں ساجدہ کا میکہ تھا۔رات کے دو بج رہے تھے۔وہاں جا کر گڑے مردے اکھاڑنا چاہتا اور دس برس پہلے کے عزیز اقارب کو ڈھونڈنا چاہتا تو نئی نسل اور نئے چہروں میں شائد ایک بھی پرانا چہرہ دکھائی نہ دیتا۔

میں نے وہ رات ایک ہوٹل میں گزاری۔مجھے ایل اے ڈی شناختی کارڈ کے ذریعے کسی بھی ملک میں جانے کی سہولت حاصل تھی۔وہ کارڈ ایک بلینک چیک تھا۔میں کسی بھی بینک سے ضرورت کے مطابق رقم حاصل کرسکتا تھا۔دیکھا جائے تو یہ ایک طرح کی خیراتی امداد تھی۔اس پر تکیہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں کنگال یا محتاج نہیں تھا۔کسی وقت بھی خفیہ خزانے تک پہنچ کر مالا مال ہوسکتا تھا اور یہی سوچ رکھا تھا کہ اپنی ساجدہ اور بچوں کا سراغ لگانے کے بعد اس خزانے تک پھر ایک بار پہنچنا ہے۔میں دوسرے دن پھر اس محلے میں گیا۔میرے سسر کا نام شیخ نظام الدین اور سالے کا نام شیخ امام الدین تھا۔میں نے دو چار بزرگوں سے ان کے متعلق پوچھا۔ایک ساٹھ برس کے بزرگ نے کہا۔"یہ میرے پیدا ہونے سے پہلے کی بات ہے۔میرے ابا ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔شیخ نظام الدین کا داماد غازی صلاح الدین بہت بڑا جاگیردار بن گیا تھا۔اس نے یہاں سے دوسو کلومیٹر دور بڑی زمینیں خریدی تھیں اور اپنی جاگیر کا نام غازی نگر رکھا تھا۔"

میں نے ان بزرگ کو یہ نہیں بتایا کہ میں وہی غازی ہوں۔انہوں نے مجھے میڈیا کے ذریعے نہیں دیکھا تھا۔یہ یقین نہ کرتے کہ میں ایک طویل مدت کے بعد نئی زندگی پاکر آیا ہوں۔بہر حال ان سے معلوم ہوا کہ میری سسرال کا کوئی فرد وہاں نہیں رہا تھا اور ساجدہ نے اپنے بچوں کے ساتھ غازی نگر میں رہائش اختیار کرلی تھی۔

میں نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے ایک متعلقہ افسر سے ملاقات کی۔اسے ایل اے ڈی

کارڈ دکھا کر کہا۔"میں غازی نگر جاکر اپنی بیوی بچوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔اس سلسلے میں میری رہنمائی کی جائے۔"

سرکاری خرچ پر مجھے وہاں پہنچایا گیا۔میری جاگیر کا ایک حصہ ایک چھوٹے سے ٹاؤن میں بدل گیا تھا۔اب وہاں ایک ہندو جاگیردار تھا۔اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔پٹواری کو بلا کر زمینوں کی خرید وفروخت کے پرانے کاغذات دکھائے۔ان کاغذات کی رو سے ساجدہ وہ تمام زمینیں فروخت کرکے بچوں کے ساتھ پاکستان چلی گئی تھی۔

وہ جاگیردار اس سے آگے نہیں جانتا تھا کہ ساجدہ پاکستان کے کس صوبے' کس شہر میں گئی ہے؟اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک نئے ملک میں جاکر گم ہوگئی تھی۔میرے حساب سے اکیانوے برس کی ہوگئی ہوگی۔پتہ نہیں جی رہی ہوگی یا اللہ کو پیاری ہوگئی ہوگی؟

یہ معلوم کرنے کے لئے دل تڑپ رہا تھا کہ میری بیٹی رابعہ اور میرا بیٹا عمیر بن غازی کہاں ہوں گے اور کس حال میں ہوں گے؟ان کے متعلق بہت کچھ معلوم کرنے کے لئے لازمی تھا کہ پاکستان جاؤں اور انہیں تلاش کروں۔

میں نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسر سے کہا۔"میں پاکستان جاؤں گا۔لیکن اس سے پہلے ریاست بھیم پارہ میں دو چار دن گزاروں گا۔"

مجھے سرکاری طور پر وہاں کے ایک ریسٹ ہاؤس میں پہنچایا گیا۔کبھی وہ ایک ریاست ہوتی تھی۔وہاں کا راجہ ولبھ راجکماری پھول وتی کا باپ اور میرا دشمن سسر تھا۔ساری دشمنی سارے رشتے ناطے اور سارا راج پاٹ فنا ہوچکا تھا۔اس محل کو لائبریری اور عجائب گھر بنا دیا گیا تھا۔

میں نے وہاں جاکر پھول وتی کی خوابگاہ کو دیکھنا چاہا۔میں نے اس کے ساتھ وہاں ناقابلِ فراموش لمحات گزارے تھے۔اس خوابگاہ کو ڈھونڈنے میں بہت وقت لگا۔وہ محل اندر سے بڑی حد تک تبدیل ہوگیا تھا۔میں ایک اندازے کے مطابق لائبریری کے ایک حصے میں جاکر بیٹھ گیا۔یہ میرا خیال تھا' میرا احساس اور جذبات تھے۔مجھے وہاں اپنی پھول وتی کی خوشبو مل رہی تھی۔آہ....! کیسے وقت گزر جاتا ہے۔لوگ چلے جاتے ہیں۔فقط یادیں رہ جاتی ہیں۔

میں بڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا اور اپنی پھول وتی کو یاد کرتا رہا۔اس نے آواگون نظریے کے مطابق کہا تھا کہ وہ اگلے جنم میں بھی میری شریک حیات بن کر رہنا چاہے گی اور مرنے کے بعد ہم پھر ایک دوسرے کے لئے جنم لیں گے۔

میں ایک نیا جنم لے چکا تھا۔ پتہ نہیں اسے پھر سے پالینے کا جذبہ تھا یا خوش کن جذبات تھے کہ ان لمحات میں اس کی سرگوشی سنائی دی۔ ''میرے غازی! تمہارے لئے صرف تمہارے لئے پھر سے جنم لوں گی۔ میں پھر آؤں گی۔ میری کوکھ میں تمہارا بچہ ہمک رہا ہے۔ مچل رہا ہے۔ میں اسے جنم دینے ضرور آؤں گی۔''

میں نے بے چین ہو کر اپنے آس پاس ایسے دیکھا جیسے وہ بولنے والی نظر آجائے گی۔ یہ میری خام خیالی اور خوش فہمی ہو سکتی تھی۔ الحمدللہ میں ایک مسلمان ہوں۔ آواگون کے اس نظریے کو نہیں مانتا کہ انسان اپنے اچھے برے اعمال کے مطابق انسان یا جانور کے روپ میں دوسرا تیسرا جنم لیتا رہتا ہے۔

میرا ایمان ہے کہ ہم قیامت کے دن ہی اٹھائیں جائیں گے اور اسی دن ہمارے اچھے برے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ جو دنیا سے گزر جاتے ہیں وہ لوٹ کر نہیں آتے۔ میری مثال بار بار نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سے صدیوں میں ایسا کوئی مثالی واقعہ رونما ہوتا ہے کہ لوگ دیکھیں غور کریں پھر تسلیم کریں کہ قرآنی قصے محض تفریح کے لئے نہیں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہیں۔

میں محل سے نکل کر ریسٹ ہاؤس میں آگیا۔ پھول وتی میرے اندر سما گئی تھی۔ یقین ہو رہا تھا کہ وہ میری زندگی میں پھر سے آئے گی اور آنے کے لئے ضروری نہیں تھا کہ وہ دوسری بار جنم لے گی۔ نہیں.... ہماری دنیا میں بیشمار ہم شکل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی کوئی ہم شکل کبھی آئے گی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ پھول وتی نے مرنے کے بعد دوسرا جنم لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہی جانتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟

میں دوسری صبح نماز ادا کرنے کے بعد ایک بڑا سا خالی چرمی بیگ لے کر ریسٹ ہاؤس سے نکل گیا۔ میں ایک شکاری کی حیثیت سے زندگی گزارتا رہا تھا اس لئے جنگل کے پیچیدہ راستے یاد رہتے تھے۔ یوں بھی چھوٹی بڑی انسانی آبادیوں کے نقشے بدلتے رہتے ہیں۔ مگر جنگلات کے نقشے کبھی نہیں بدلتے۔ ہزار ہا صدیوں تک ویسے ہی رہتے ہیں۔ میں اس جنگل میں بھٹکنے والا نہیں تھا۔ یادش بخیر اسم اعظم پڑھتا ہوا اس غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔ جہاں کبھی بابا سائیں کے ساتھ اچھے خاصے ایمان افروز دن گزار چکا تھا۔

میں اندر آکر اس وسیع و عریض چٹان پر جھک گیا۔ میں نے بڑے جذبے سے اسے چوم لیا۔ بابا سائیں بہت یاد آرہے تھے۔ جس طرح وہ قرآت سے تلاوت کرتے رہتے

تھے۔ وہی آواز' وہی لہجہ اور وہی ترنم مجھے سنائی دے رہا تھا۔ میری غیر معمولی سماعت میں مقدس آیات گونج رہی تھیں۔ میں چٹان پر دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا۔ بابا سائیں کی آواز سے آواز ملا کر تلاوت کرنے لگا۔

وہاں کوئی مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔ میرا دھیان نہیں بھٹک رہا تھا۔ میں تلاوت کے بعد دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھنے لگا۔ ظہر کی نماز تک پتہ ہی نہ چلا کہ کیسے وقت گزر گیا؟ پھر میں نماز پڑھنے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔ میں نے جھک کر دونوں ہاتھ چٹان کے سرے پر رکھے پھر اسم اعظم پڑھا۔ ''اللہ..... یا اللہ.! یا اللہ.....!''

بابا سائیں نے فرمایا تھا کہ اسم اعظم اللہ ہے بشرطیکہ صدق لجا سے ہو۔

حضرت شیخ اسماعیل نے وضاحت فرمائی ہے کہ صدق لجا کا مطلب ہے' کہنے والے کی حالت اس وقت ایسی ہو جیسے وہ دریا میں غرق ہو رہا ہو اور بچانے والا کوئی نہ ہو تو ایسے وقت جس خلوص اور دل کی گہرائیوں سے اللہ کا نام لیا جائے گا ویسی ادائیگی سے اللہ اسم اعظم ہے۔

جب تو اس پاک نام کو لے تو تیرے دل میں اس کے سوا کچھ نہ ہو۔

میں نے صدق لجا سے پکارا۔ ''یا اللہ.....!''

اور وہ چٹان ایک ہلکے کاغذ کی طرح سرک گئی۔ تہہ خانے میں جانے کا راستہ کھل گیا۔ میں سیڑھیاں اتر کر وہاں پہنچا۔ پتہ نہیں کتنے جگ بیت گئے' کتنے زمانے بدل گئے؟ وہ تہہ خانہ جوں کا توں تھا۔ میرے اور بابا سائیں کے سوا کسی نے وہاں قدم نہیں رکھا تھا۔

میں اسم اعظم کا ورد کرتا ہوا آگے بڑھتے ہوئے ایک تنگ راہداری میں پہنچا۔ وہ سرنگ نما راہداری کی زمین ناہموار تھی۔ میں دائیں بائیں کئی موڑ سے گزرتا ہوا اس دیوار کے سامنے آیا جس میں بڑا سا شگاف تھا۔ وہ سب پرانے جانے پہچانے راستے تھے۔ میں اس شگاف سے گزر کر آگے بڑھا تو ایک دیوار راستے میں حائل ہوگئی۔

یہ وہی دیوار تھی جس کے پیچھے خزانہ چھپا ہوا تھا۔ میں نے اس پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں پھر اسم اعظم پڑھا۔ صدق لجا سے پکارا۔ ''اللہ..... یا اللہ.....! یا اللہ.....!''

اسم اعظم وہ ہے کہ نام لیتے ہی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جاتے ہیں۔ اس دیوار کا ایک حصہ اپنی جگہ سے متحرک ہوگیا۔ دروازے کے ایک پٹ کی طرح کھلتا چلا گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک مدت کے بعد اس کمرے میں قدم رکھا۔ خزانہ دروازے سے ہی نظر آگیا تھا۔ لیکن اندر قدم رکھتے ہی میں ٹھٹک گیا۔

وہاں کا منظر میری توقع کے خلاف تھا۔ جہاں ہیرے جواہرات کا ذخیرہ تھا۔ وہاں دو انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے فوراً ہی سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ پھول وتی نے مجھے بتایا تھا کہ اوپر شکار گاہ کی ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ اس عمارت کا ایک کمرہ پوجا پاٹ کے لئے ہے۔ وہاں ایک چبوترے پر بھگوان کرشن مراری کی مورتی ہے۔ اس مورتی کے ذریعے ایک چور دروازہ کھلتا ہے۔ وہاں سے ایک زینہ خزانے سے بھرے ہوئے تہہ خانے میں پہنچاتا ہے۔

اس خزانے تک پہنچنے کا راز صرف راجہ ولبھ اور پھول وتی کو معلوم تھا۔ پھول وتی نے مجھے ہمراز بنایا تھا۔ میں نے بعد میں احتیاطاً ساجدہ کو وہاں تک پہنچنے کے دو راستے بتائے تھے۔

ایک تو یہی راستہ تھا جہاں سے کوئی ایمان والا ہی اسم اعظم پڑھ کر کمرے میں آ سکتا تھا۔ ساجدہ نے کہا تھا کہ پتہ نہیں ہمارا بیٹا کامل ایمان والا ہوگا یا نہیں؟ ہم اسے پوجا پاٹ والے کمرے سے خزانے تک پہنچنے کا راستہ بتائیں گے۔

ساجدہ نے ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا کہ بھگوان کرشن مراری کی مورتی کو کس طرح ہینڈل کیا جاتا ہے؟ بعد میں اس نے بیٹے کو بتایا ہوگا۔ وہ کبھی ادھر آیا ہوگا پھر یہاں آنے کے بعد کیا ہوا ہوگا؟

مجھے یکبارگی صدمہ پہنچا۔ میں نے تڑپ کر انسانی ڈھانچوں کو دیکھا۔ دماغ نے چیختا ہوا سوال کیا۔ ”کیا ان میں سے ایک میرے بیٹے کا ڈھانچہ ہے؟“

اس سوال نے جیسے باپ کی کمر توڑ ڈالی۔ میں ایک جگہ کھڑا نہ رہ سکا۔ لڑکھڑا کر پیچھے ایک دیوار سے ٹک گیا۔ ستر برس کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کر کے اور کیا حاصل کر رہا تھا؟

کچھ نہیں.... خالی دنیا سے گیا اور اب خزانے سے بھرے ہوئے کمرے میں آ کر بھی خالی ہاتھ تھا۔

پھول وتی گئی اس سے ہونے والا بچہ گیا۔ جب مجھ پر موت طاری تھی تب میرا بیٹا جوان ہو کر تہہ خانے میں آیا ہوگا اور.... اور اس نے یہاں آ کر موت کا مزہ چکھ لیا ہوگا۔

میرے پاس کیا رہ گیا تھا؟ میں رشتوں سے محبتوں سے خالی ہو کر زندگی گزارنے کے لئے دوبارہ اس دنیا میں آیا تھا۔ میں نے دوسرے انسانی ڈھانچے کو دیکھا۔ سوال پیدا ہوا کہ ان میں سے ایک میرا بیٹا ہے تو دوسرا ڈھانچہ کس کا ہے؟

کیا میرا بیٹا عمیر کسی کے ساتھ آیا تھا یا دشمن اس کا پیچھا کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا تھا؟

فی الوقت تو یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے اور وہاں لڑتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

میں نے قریب جا کر دیکھا۔ ایک ڈھانچے کی سینے کی ہڈیوں میں ایک بلٹ پھنسا ہوا تھا۔ دوسرے ڈھانچے میں کہیں گولی کا نشان نہیں تھا۔ پتہ نہیں وہ کس طرح مارا گیا تھا؟

میں نے صدمے کے باعث پورے کمرے کا جائزہ نہیں لیا تھا۔ صدمہ تو برداشت کرنا ہی تھا۔ اب یہ کسی طرح سمجھنا تھا کہ یہاں کیا ہو چکا ہے؟ کیا آئندہ بھی یہاں کوئی آ سکتا ہے؟

میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ایک گوشے میں چھوٹے سائز کا چرمی بیگ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چھ فٹ کا ایک عصا دیوار سے لگا ہوا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس بیگ کے پاس آ کر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اسے کھول کر دیکھا۔ اندر تین ڈائریاں تھیں۔ ان پر چاندی کی ایک انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔

میں نے انگوٹھی نکالی۔ اس میں ایک لاوہ اسٹون جڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے ایک ڈائری نکالی۔ اسے کھول کر پڑھا۔ پہلے صفحے پر میرے بیٹے کا نام عمیر بن غازی لکھا ہوا تھا۔

ڈائری کے اندر ایک کاغذ تہہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا۔ میرے بیٹے کی تحریر تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ یہ انگوٹھی اور عصا میری جان سے زیادہ اہم ہیں۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ انہیں دشمنوں سے چھپا کر رکھنا لازمی ہو گیا ہے۔ اور چھپانے کے لئے اس سے بہتر اور محفوظ جگہ کوئی نہیں ہے۔ یہ ڈائریاں بھی یہاں محفوظ رہیں گی۔

جب حالات سازگار ہوں گے تو انہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ فی الحال اپنی اہم چیزوں کے ساتھ یہ دو لاشیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

میں گھٹنوں کے بل زمین پر جھکا ہوا تھا۔ آخری فقرہ پڑھتے ہی خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس تحریر نے نوید دی کہ میرا بیٹا زندہ ہے اور وہ دو ڈھانچے یقیناً اس کے دشمنوں کے ہیں۔ وہ انہیں تہہ خانے میں قیامت کی نیند سلا کر گیا ہے۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ کس قدر مسرتوں سے بھر گیا تھا۔ ایک جگہ ٹھہر نہیں پا رہا تھا۔ ادھر سے ادھر چل رہا تھا۔ میرے اندر توانائی جیسے پھوٹ رہی تھی۔ میں خوشی کے مارے پنجوں کے بل جوگنگ کر رہا تھا۔

”یا خدا! تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ میرا بیٹا زندہ سلامت ہے۔ بیٹی بھی خیر خیریت سے ہوگی اور میری وفادار شریک حیات ساجدہ اکیانوے برس کی بڑھیا میرا انتظار کر رہی ہوگی۔“

کہاں ہیں...؟ میرے لہو کے بکھرے ہوئے رشتے کہاں ہیں؟

اب تو میں پر لگا کر ان کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ میں جوگنگ کرتے کرتے رک گیا۔ دور رکھے ہوئے بیگ کو دیکھنے لگا۔ اس میں رکھی ہوئی ڈائریاں مجھے بیوی بچوں تک پہنچا سکتی تھیں۔ ان ڈائریوں میں ان کا پتہ ٹھکانہ ضرور لکھا ہوگا۔

میں فوراً بیگ کے پاس فرش پر پلتھی مار کر بیٹھ گیا۔ ایک ڈائری اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔ سرسری طور پر آگے پیچھے صفحات کو دیکھنے لگا کہ کہیں تو موجودہ رہائش گاہ کا پتہ لکھا ہوگا۔ لیکن مایوسی ہو رہی تھی۔

کسی بھی ڈائری میں پتہ نہ لکھنے کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ وہ روپوش رہ کر زندگی گزار رہا ہوگا۔ وہاں ہڈیوں کے دو ڈھانچے کہہ رہے تھے' اس کے اور بھی کئی دشمن ہوں گے۔ اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ آئے دن خطرات کا سامنا کرتا ہوگا۔

میں اس کے متعلق اپنے طور پر قیاس آرائی کر رہا تھا۔ ان ڈائریوں کو ترتیب وار پڑھتے رہنے سے یہ معلوم ہوسکتا تھا کہ وہ کتنے ملکوں اور شہروں میں جاتا رہتا ہے؟ جن لوگوں سے دوستی اور دشمنی کرتا رہتا ہے ان کے ذریعے اس کے قریب پہنچنے کی کوئی صورت نکل سکتی تھی۔

میں پہلی ڈائری کھول کر پہلے صفحے کو پڑھنے لگا۔ اس نے لکھا تھا...

''میں عمیر بن غازی صلاح الدین خوش نصیب بھی ہوں اور بدنصیب بھی۔ شہزور بھی ہوں اور حالات کبھی کبھی مجھے کمزور بھی بنا دیتے ہیں۔ فی الحال بہت کمزور ہوں۔ زندگی اور موت کے درمیان سوالیہ نشان ہوں۔ کیا میرا دم نکلنے والا ہے؟

بیشک۔ ہم سب فانی ہیں۔ اس بے ثبات دنیا میں آنی جانی ہیں۔ اس حساب سے اب میرے جانے کی باری تھی۔ مجھے بستر مرگ پر ڈال کر یہ سمجھنے کی کوششیں کی جارہی تھیں کہ میں جا بھی رہا ہوں یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر واپس کیوں نہیں آرہا ہوں؟

یہ تجسس اور اضطراب تھا کہ میں ان کے درمیان ہوں بھی یا نہیں؟ انہیں میری نبض نہیں مل رہی تھی۔ اسٹھیتسکوپ سے معلوم ہو رہا تھا کہ دھڑکنیں ختم ہو چکی ہیں۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر ایک لرزش سی محسوس ہوتی تھی۔ دل کا جگنو کبھی کبھی چمک دکھا کر بجھ رہا تھا۔

میں خود نہیں جانتا تھا کہ کس حال میں کیسی بے بسی سے دوسروں کے رحم وکرم پر پڑا ہوا ہوں؟ وہ میرا ہی تعمیر کرایا ہوا ایک بہت بڑا ہسپتال تھا۔ دس ہزار گز کے رقبے پر پھیلے ہوئے اس ہسپتال میں جدید ترین آلات تھے اور دنیا کے نامور تجربہ کار ڈاکٹر ہماری ایک کال پر پہلی

فلائیٹ میں چلے آتے تھے اور وہ میرے بیٹوں اور بیٹیوں کی کال پر آئے تھے۔

انہوں نے اچھی طرح میرا معائنہ کیا تھا۔ اپنے تجربات کے مطابق دوائیں تجویز کی تھیں پھر یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ وہ فون فیکس اور ای میل وغیرہ کے ذریعے میری خیریت معلوم کرتے رہیں گے اور وہیں سے نسخہ تجویز کرتے رہیں گے۔ بائی داوے مسٹر غازی کو کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔

اب سے ستر برس پہلے میرے والد غازی صلاح الدین کروڑ پتی جاگیردار تھے۔ اس دور کے مطابق رئیس اعظم تھے اور میں خاندانی رئیس کہلاتا تھا۔ آج میرے پاس اربوں کھربوں کی گنتی میں اتنی دولت ہے کہ میں یہ دولت نہ کماتا اور کھربوں کے حساب سے سانسیں جمع کرتا رہتا تو آج مجھے یوں موت سے لڑنا نہ پڑتا۔ میں قیامت تک جی سکتا تھا۔

انسان ایک طویل اور نہ مٹنے والی زندگی چاہتا ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں۔ قیامت تک نہ جی سکوں کوئی بات نہیں کم از کم سو دو سو برس کی عمر تو مل جائے۔ یعنی ستر برس تو گزار چکا ہوں۔ اس ایک صدی کے بعد دوسری صدی بھی گزارنے کی آرزو ہے۔ بڑی بچکانہ سی' احمقانہ سی خواہش ہے۔

کسی بات کی خواہش کرنے میں جاتا کیا ہے؟ دل میں ایک امنگ سی پیدا ہوتی ہے۔ دماغ میں ایک خیال جڑ پکڑ لیتا ہے کہ خواہش کتنی ہی بے تکی کیوں نہ ہو' خلاف فطرت اور خلاف قدرت کیوں نہ ہو' وہ بس پوری ہو جائے۔

یہ عجیب سی بات ہے کہ میں موت کی دہلیز پر پہنچ کر چند سانسیں نہیں مانگ رہا تھا' ایک لمبی عمر کو دور تک پکار رہا تھا۔ میں بولنے کے قابل نہیں ہوں۔ اپنے حواس میں بھی نہیں ہوں۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ میری اپنی اولاد اور دوسرے رشتے دار میرا صحیح علاج کرا رہے ہیں اور مجھے زندگی کی طرف واپس لا رہے ہیں یا نہیں؟

ہم بڑھاپے میں اپنے ہی گھر کے اندر ایسا کچرا بن جاتے ہیں جسے جھاڑو دے کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ میں نے ساری عمر جدوجہد میں گزاری ہے۔ آگ وخون کے دریا سے گزرتا آیا ہوں۔ اپنی اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کماتا رہا ہوں۔ آج میرے بچے عیش وعشرت میں مست رہتے ہیں۔ صبح پاکستان میں ناشتہ کرتے ہیں دوپہر کو لندن میں لنچ اور رات کا کھانا کسی اور ملک میں کھاتے ہیں۔ دولت لٹاتے ہیں اور جتنی لٹاتے ہیں اتنی ہی یہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

میری موت کے بعد ان کے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دنیا کو دکھانے کے لئے دیوار پر میری تصویر لگا دی جائے گی۔ قبر کے کتبے پر میرا نام لکھ دیا جائے گا اور اپنے نام کے ساتھ میرا نام استعمال کیا جائے گا۔ ایسا ساری دنیا میں ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ہوگا مگر نہیں....میرے ساتھ کچھ مختلف رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔

میں جانتا ہوں وہ میری موت چاہتے ہیں۔ لیکن میں ان کے گلے میں ہڈی کی طرح اٹکا ہوا ہوں۔ میری قبر تیار ہے۔ لیکن وہ گلے کی ہڈی کو وہاں اگل نہیں پا رہے ہیں۔ کچھ راز ایسے ہیں جنہیں معلوم کئے بغیر وہ میری موت گوارا نہیں کریں گے۔

میرے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ پھر ان کی جوان اولادیں ہیں۔ میرے پوتے پوتیاں' نواسے اور نواسیاں ہیں۔ وہ سب آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ ہنستے بولتے ہیں۔ مگر اہم راز کے معاملے میں ایک دوسرے سے اختلافات رکھتے ہیں۔

ایسا سبھی کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی راز تک پہنچنا ہو تو سب یہی چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا وہاں تک نہ پہنچے۔ میرے اپنے بھی یہی چاہتے تھے کہ جب میری آنکھ کھلے میں بولنے کے قابل ہو جاؤں تو سب سے پہلے اسی کے کانوں میں سحر پھونکوں۔ اس راز سے پردہ اٹھا کر ابدی نیند سو جاؤں۔ کسی اور کے کانوں میں بولنے کے قابل نہ رہوں۔ اگر بولنا چاہوں تو وہ مجھے ایک کے بعد دوسری سانس لینے ہی نہ دیں۔

میری بڑی بیٹی نوشین اور بڑے بیٹے منور غازی نے اپنی پسند کے ڈاکٹروں کی ڈیوٹی وہاں لگائی تھی۔ ان ڈاکٹروں پر لاکھوں خرچ کر رہے تھے۔ آئندہ بھی انہیں منہ مانگا معاوضہ دینے والے تھے۔

نوشین نے ڈاکٹروں سے کہا۔"یاد رکھو' جب بابا جانی ہوش میں آئیں اور کچھ بولنے کے قابل ہوں تو کسی کو پتہ نہ چلے۔ ایسے وقت صرف ہم ان کے پاس رہیں گے۔"

ایک ڈاکٹر نے کہا۔"انہیں پتہ کیسے نہیں چلے گا؟ آپ کی دوسری بہنیں اور بھائی اور ان کی اولادیں دن رات ہمارے سروں پر مسلط رہتی ہیں۔ دو جاتے ہیں تو چار چلے آتے ہیں۔ سب ہی غازی صاحب کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

منور غازی نے ڈاکٹر سے کہا۔"بیہوش ہونے سے پہلے بابا جانی کی یادداشت کمزور ہوگئی تھی۔ ہم سب کو اچھی طرح پہچان نہیں پا رہے تھے۔ ہم چاہتے ہیں ہوش میں آنے کے بعد ایسا نہ ہو۔"

نوشین نے کہا۔"ایسا علاج کریں کہ ہوش میں آتے ہی انہیں پچھلی تمام باتیں یاد آ جائیں اور یہ اہم معاملات پر ہم سے گفتگو کر سکیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔"ہم تو پوری کوشش کریں گے لیکن یہاں سے آپ کے رشتے داروں کی بھیڑ چھٹے گی تب ہی آپ تنہائی میں باتیں کر پائیں گی۔"

یہی ایک مشکل تھی۔ نوشین اور منور اپنی دوسری بہنوں اور بھائیوں کو وہاں آنے سے روک نہیں سکتے تھے۔ ان سب نے وہاں جیسے بستر بچھا لیا تھا۔ گھروں سے کھانا آتا تھا۔ وہیں کھاتے اور وہیں ہوسپٹل میں دن رات گزارتے تھے۔

اس اہم راز کے سلسلے میں صرف نوشین اور منور غازی ہی الجھے ہوئے نہیں تھے۔ میری دوسری دو بیٹیاں زرمین اور شرمین بھی اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ یہی چاہتی تھیں کہ بابا جانی سب سے پہلے ان کے کانوں میں وہ راز پھونکیں۔ اس کے بعد بلا سے جئیں یا مر جائیں۔

دوسرے دو بیٹوں سلطان غازی اور مراد غازی اپنے طور پر چالیں چل رہے تھے۔ ان کی بڑی بہن اور بڑے بھائی یعنی نوشین اور منور غازی نے چار ڈاکٹروں کی ڈیوٹی وہاں لگائی تھی۔ سلطان اور مراد نے بڑی حکمت عملی اور رازداری سے ان میں ایک سینئر ڈاکٹر کو خرید لیا تھا۔ اسے پیشگی رقم کے طور پر دو لاکھ روپے ادا کئے تھے اور کام ہونے کے بعد مزید تین لاکھ کی ادائیگی کا وعدہ کیا تھا۔

سلطان نے اس سینئر ڈاکٹر سے کہا۔"نوشین آپا اور منور بھائی کے سامنے تمہارا بھید نہیں کھلے گا۔ ہم جو کہہ رہے ہیں تم وہی کرتے رہو گے۔ جب بابا جانی ہوش میں آنے لگیں تو تم ہمیں ایک فون کال کرو گے۔ کال کرنے کے بعد جب تک ہم یہاں نہ پہنچیں' تب تک تم منور بھائی اور نوشین آپا کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ بابا جانی ہوش میں آنے والے ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔"جب یہ ہوش میں آنے لگیں گے تو آپ کے سارے رشتے دار یہاں موجود رہیں گے۔ سب کو پتہ چلے گا کہ بیہوشی ختم ہو رہی ہے۔"

مراد غازی نے کہا۔"پتہ چلنے دو۔ تم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ جب تک ضروری ٹریٹمنٹ نہیں ہوگا انہیں توانائی کی دوائیں نہیں دی جائیں گی اور وہ جب تک بولنے کے قابل نہیں ہوں گے' تب تک کسی کو ان سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

ڈاکٹر نے قائل ہو کر کہا۔"ہاں۔ ہم اس طرح ایک آدھ گھنٹے تک انہیں کسی سے بھی بات کرنے سے روک سکتے ہیں۔"

کسی کو مجھ سے دلی لگاؤ نہیں تھا۔ بس وہ ایک راز اہم تھا اور جو چیز اہم ہوتی ہے صرف اسی کو حاصل کرنے کی اور اسی کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ایسے بے مروت حالات میں باپ کا لہو پانی ہو چکا تھا۔ بڈھا مرتا ہے تو مرتا رہے اسے تو آج کل میں دنیا سے جانا ہی ہے۔

مخالفتیں اور عداوتیں کبھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتیں۔ آگ کی طرح بھڑکتی اور پھیلتی جاتی ہیں۔ ابھی میں اپنے لہو کے رشتوں کا دکھڑا رو رہا ہوں۔ اِن سے فرصت ملے گی تو دوست نما دشمنوں اور فرشتہ صورت شیطانوں کی شرانگیزی فرداً فرداً بیان کروں گا۔

دیکھ رہا ہوں' اِن سے نمٹنے کے لئے زندگی بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ پھر یہ کہ بوڑھا ہوں۔ مجھ جیسا پھٹا پرانا آدمی تازہ دم رہنے والے مخالفین سے لڑ نہیں سکتا۔ لڑے گا تو مات کھائے گا۔ اسی لئے اپنے رب سے صرف صحت اور نئی زندگی ہی نہیں' جوانی کی توانائی بھی مانگتا رہتا ہوں۔

یہ میری احمقانہ خواہش ہے۔ بیماری کے بعد صحت حاصل ہو سکتی ہے' لیکن بڑھاپے کے بعد جوانی کبھی پلٹ کر نہیں ملتی۔ یہ مجھے ملے نہ ملے' میں اپنے معبود سے جوانی کی خیرات مانگتا رہوں گا۔ وہ بہتر جانتا ہے' خلافِ معمول دعا قبول کرنی ہے یا نہیں؟

میرے تمام بچے وہ راز معلوم کرنے کے لئے دن رات بے چین رہتے تھے۔ آخر وہ کیا راز تھا جو بہت اہم ہو کر مجھے غیر اہم بنا رہا تھا؟

وہ راز بتانے سے پہلے ایک قصہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک شخص کے چار جوان بیٹے کٹے بیٹے تھے۔ مگر وہ ہڈحرام تھے۔ بوڑھا باپ کماتا تھا اور وہ بیٹھ کر کھاتے تھے۔

جب اس بوڑھے کا آخری وقت آیا تو اس نے چاروں کو بلا کر کہا۔ ''میں نے تم چاروں سے ایک بہت بڑا راز چھپا کر رکھا ہے۔ وہ راز تمہیں معلوم ہوگا تو اسی زمین پر رہ کر بڑی عزت سے تین وقت کی روٹیاں کھایا کرو گے۔''

انہوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ''وہ راز کیا ہے؟''

بوڑھے کا آخری وقت آ چکا تھا۔ اس کا دم اکھڑ رہا تھا۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''میں نے اپنے کھیتوں میں ایک جگہ خزانہ دفن کر رکھا ہے۔ اسے کھود کر نکالو اور عیش کرو۔''

وہ چاروں خوشی سے اچھل پڑے۔ انہوں نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔ ''تم نے وہ خزانہ کہاں دفن کیا ہے؟ ہمیں وہ جگہ بتاؤ؟''

مگر وہ کچھ بتانے سے پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔ انہوں نے باپ کو جھنجھوڑا آوازیں دیں پھر جھنجھلا گئے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ''ہمارے کھیت پچاس مربعے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمیں کس جگہ کو کھودنا چاہئے؟ کہاں سے وہ خزانہ برآمد ہوگا؟''

مختصر یہ کہ وہ باپ کو دفن کرنے کے بعد کدال اور بیلچہ لے کر نکل پڑے۔ صبح و شام کھدائی کرنے لگے۔ چند دنوں میں ہی پورے کھیت کو اچھی طرح کھود کر رکھ دیا۔ مگر خزانہ تو دور کی بات ہے۔ انہیں ایک کھوٹا سکہ بھی نہیں ملا۔

ایک زمیندار نے کہا۔ ''تم چاروں نے زندگی میں پہلی بار اتنی مشقت کی ہے۔ پورے کھیت کی کھدائی کی ہے۔ اتنا کیا ہے تو اس میں بوائی کرو۔ پانی ڈالو۔ تمام کھیتوں کی نگرانی کرو۔ جلد ہی تمہاری محنت رنگ لائے گی۔''

انہیں مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ جب فصل اگنے لگی اور پکنے کے بعد منڈی میں اس کی قیمت ملنے لگی' تب انہیں پتہ چلا کہ باپ نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ انہیں اپنی ہی زمین سے تین وقت کی روٹیاں بھی ملنے لگیں اور وہ اچھی خاصی رقم بھی حاصل کرنے لگے۔

اس قصہ سے میری رُوداد کی مماثلت اتنی ہے کہ میں نے واقعی ایک جگہ زمین میں خزانہ چھپا کر رکھا تھا اور اپنی اولاد سے یہ بات چھپائی تھی۔ ویسے جتنی دولت اور جائیداد ظاہر ہو چکی تھی' انہیں تمام اولاد میں انصافاً تقسیم کر چکا تھا۔ ان کی ہر ضرورت پوری کر چکا تھا۔ مگر میری زندگی کے دو راز ایسے ہیں جن کی ہوا بھی انہیں لگنے نہیں دی۔ وہ اب تک میرے سینے میں دفن ہیں۔

ان میں ایک راز یہ ہے کہ میں نے زمین میں سونا دبا کر رکھا ہے۔ وہ سونا کوئی گرام تولے یا سیر کے حساب سے نہیں ہے۔ منوں کے حساب سے ہے۔ اور وہ تقریباً چالیس من سونا ایک تہہ خانے میں محفوظ ہے اور اپنے کسی مستحق کا منتظر ہے۔

میں ڈائری پڑھتے پڑھتے رک گیا۔ میرا بیٹا اِسی تہہ خانے کا ذکر کر رہا تھا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ ایک جانب سونے کی اینٹوں کا ذخیرہ تھا۔ پہلے وہ سونا دس من سے زیادہ نہیں تھا۔ اب میرے بیٹے کے حساب سے تیس من کا اضافہ ہو گیا تھا۔

یقیناً وہ سونے کا بیوپاری ہوگا یا پھر اسمگلر ہوگا۔ پچھلے ستر برسوں میں وہ کچھ ہیرے جواہرات لے گیا ہوگا۔ لیکن سنہری چمکتی ہوئی اینٹیں کہہ رہی تھیں کہ وہ یہاں سونے کا ذخیرہ کرتا رہا ہے۔ اس نے خفیہ خزانے میں کمی نہیں کی تھی۔ اضافہ ہی کرتا رہا تھا۔

اس نے ہیرے جواہرات کا ذکر نہیں کیا تھا۔اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے سونے سے دلچسپی ہے۔تب ہی اس تہہ خانے میں منوں کے حساب سے سونا بڑھتا جا رہا تھا اور ہیرے جواہرات کم ہوتے جا رہے تھے۔ وہ جب بھی یہاں آتا ہوگا' قیمتی پتھر خاصی تعداد میں لے جاتا ہوگا۔

میں پھر ڈائری کھول کر پڑھنے لگا۔اس نے لکھا تھا.....

''میرے ابو نے مجھے اس خفیہ خزانے کا مستحق سمجھا تھا۔انہوں نے میری امی کے ذریعہ مجھے یہاں پہنچایا ہے۔لیکن میرے بعد کون مستحق ہوگا...؟

میں نے اپنی تمام اولاد کو اچھی طرح آزمایا ہے۔ان میں سے کوئی اس امانت کا اہل نہیں ہے۔ میں نے اُن سب کو کس طرح آزمایا ہے' اس کا ذکر ابھی کروں گا۔اس سے پہلے دوسرے راز کی بات کرنا چاہتا ہوں۔

اس راز کا تعلق قیمتی اور سعد پتھروں سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے بے جان پتھروں میں بھی معجزاتی خصوصیات پیدا کی ہیں۔ جو حضرات اپنے زائچے اور برج کے مطابق یہ پتھر اپنے پاس رکھتے ہیں' اُن کی زندگی میں بڑی نمایاں مثبت تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

میں ایسی باتوں کو نہیں مانتا تھا۔مگر رفتہ رفتہ حالات نے منوا ہی لیا۔اب سے تقریباً پینتالیس برس پہلے میں پچیس برس کا جوان تھا۔ جکارتہ کی ایک مسجد میں عشا کی نماز سے فارغ ہوا تو ایک بزرگ نے مجھے مخاطب کیا۔'' بیٹے! یہاں آؤ...''

میں اُن کے روبرو آ کر دوزانو ہوگیا۔ انہوں نے نام پوچھا۔ میں نے کہا۔''عمیر بن غازی...''

انہوں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔''غازی... انشااللہ غازی رہو گے۔''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہے۔زیرلب کچھ پڑھتے رہے اور انگلیوں پر جیسے حساب کرتے رہے۔پھر بولے۔''تمہارا برج سنبلہ ہے۔تمہاری تاریخ پیدائش چھ ستمبر انیس سو تیس ہے۔''

میں نے متاثر ہو کر انہیں دیکھا۔پھر سر ہلا کر کہا۔'' آپ درست فرما رہے ہیں۔''

انہوں نے اپنے لباس کی ایک اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا۔ پھر مٹھی کھولی۔ ان کی ہتھیلی پر ایک زرد رنگ کا ننھا سا پتھر تھا۔ وہ بولے۔'' یہ بہت قیمتی اور نایاب ہے۔اس کا کوئی نام نہیں ہے۔یہ آتش فشاں کے لاوے سے نکلے ہوئے پتھر کا ایک ٹکڑا ہے۔ میں اسے لاوا اسٹون کہتا ہوں۔ یہ پوری دنیا میں تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔''

اس وقت یہی سمجھ میں آیا کہ وہ بزرگ روزی روٹی کے چکر میں ہیں۔ وہاں میری رہائش ایک بہت ہی مہنگے ہوٹل میں تھی۔ انہوں نے معلوم کیا ہوگا کہ میں موٹی اسامی ہوں۔ لہٰذا مجھے پھانسنے کے لئے مسجد میں چلے آئے تھے۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔'' مجھے پتھروں سے دلچسپی نہیں ہے۔''

انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا۔''ہو جائے گی۔''

میں نے صاف لفظوں میں کہا۔''سوری۔ میں خریداری کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''اور میں مسجد میں دکان لگانے نہیں آیا۔تم کسی کو دعا دیتے ہو تو کیا اس کی قیمت وصول کرتے ہو؟''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔''دعا تو کسی غرض کے بغیر دلی جذبے سے دی جاتی ہے۔''

انہوں نے میری ہتھیلی کھول کر اس لاوا اسٹون کو رکھتے ہوئے کہا۔''اور میں تمہیں دُعا دے رہا ہوں۔''

مجھے ندامت سی ہوئی۔ میں نے انہیں غلط سمجھا تھا۔اس وقت وہ میرے لئے محض ایک پتھر تھا۔تاہم انہوں نے اسے دعا کے نام سے میری ہتھیلی پر رکھا تھا۔وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے بولے۔''اس کی خصوصیات سنو گے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ بولے۔''یہ تمہارا برتھ اسٹون ہے۔آج سے پچیس برس پہلے آتش فشاں کے دہانے سے نکلا تھا۔گویا تمہارے ساتھ پیدا ہوا تھا۔''

اس بار میں نے بڑی دلچسپی اور لگن سے اس لاوا اسٹون کو یوں دیکھا' جیسے اپنے ایک ہمزاد کو دیکھ رہا ہوں۔وہ کہہ رہے تھے۔''اسے کبھی خود سے جدا نہ کرنا۔ یہ تمہیں شر سے اور شیطانی قوتوں سے محفوظ رکھے گا۔''

میں نے اسے مٹھی میں بند کر لیا۔ان کی باتیں پوری توجہ سے سننے لگا۔ وہ کہہ رہے تھے۔''تمہارے اعصاب کبھی کمزور نہیں ہوں گے۔تم ایسی قوت ارادی کے مالک رہو گے کہ اپنے اندر کی بیماریوں کے خود ہی مسیحا بنتے رہو گے۔''

وہ بول رہے تھے اور میرے اندر یہ عقیدت پختہ ہو رہی تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے مسجد کے صحن میں میری رہنمائی اور بہتری کے لئے آئے ہیں۔

انہوں نے کہا۔''اپنے زائچے کے مطابق پتھر پہننا مبارک ہوتا ہے۔ زندگی میں

بہتر مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں۔"

انہوں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "مگر اس کا گم ہونا نحوست لاتا ہے۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔ یہ گم ہوگا اور تم اسے دوبارہ پہن نہیں پاؤ گے تو نحوست تمہارا مقدر بن جائے گی۔ فکر و آلام تمہیں جینے نہیں دیں گے۔ تم رفتہ رفتہ زندگی کی سانسوں سے محروم ہوتے چلے جاؤ گے۔"

آہ! اب بیمار اور کمزور ہو کر سوچ رہا تھا' اگر وہ بزرگ اِس بڑھاپے میں ملتے تو ان کے سامنے اپنی بچکانہ خواہش بیان کرتا کہ ایک بار صرف ایک بار گزری ہوئی جوانی واپس چاہتا ہوں۔ شاید بزرگ مجھے خبطی کہتے۔ میری خواہش کو خلاف فطرت کہتے۔ جو ناممکن ہے' اسے ممکن نہ کہتے۔ مگر... ممکن بھی کہہ سکتے تھے۔ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے' کرامات دکھا سکتے تھے۔ اُلٹے پاؤں جوانی کیطرف جانے کے سلسلے میں راہنمائی فرما سکتے تھے۔

لیکن اس دن کے بعد میں نے پھر انہیں مسجد میں نہیں دیکھا۔ جکارتہ اور پورے انڈونیشیا میں انہیں تلاش کیا' وہ کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے اس لاوا اسٹون کو چاندی کی ایک انگوٹھی میں پہن لیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے مثبت اثرات دیکھتا رہا تھا۔

پچھلے پینتالیس برسوں میں ایسی کون سی خوشی ہے' جس نے مجھے سرشار نہیں کیا؟ دولت' عزت' شہرت اور نیک نامی دونوں ہاتھوں سے کماتا رہا۔ اپنی تمام اولاد کو ان کی توقعات سے زیادہ حصہ دینے کے بعد بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے پاس کتنی دولت ہے؟ اس مدفون سونے کا حساب تو الگ ہی ہے۔

اب جبکہ میں کسی بھی لمحے میں مرنے والا تھا تو اس سونے کو وہاں سے نکل آنا چاہئے تھا۔ دولت کام آنے کے لئے ہوتی ہے۔ اُسے بھی کام آنا چاہئے تھا۔ لیکن ایسے وقت جبکہ سانسیں میرا ساتھ چھوڑ دینے کی دھمکیاں دے رہی تھیں' وہ چالیس من سونا مجھے زندگی عطا نہیں کر سکتا تھا۔ میرے لئے ایک فضول سا بوجھ تھا۔

اُسے کس کے حوالے کرنا چاہئے؟ تمام اولاد کو ان کی ضرورت سے زیادہ دولت دے چکا تھا۔ لہٰذا وہ سونا صرف کسی ضرورت مند کو ملنا چاہئے تھا۔

اور میرے اندر یہ بات کہیں چھپی ہوئی تھی کہ وہ ضرورت مند میں خود ہی ہوں۔ قریب المرگ ہونے کے باوجود نہیں مروں گا۔ میں دن رات دعائیں مانگتا رہتا تھا کہ بڑھاپے سے نجات مل جائے۔ کہیں سے' کسی طرح مجھ میں جوانی کی تھوڑی سی رمق پیدا ہو جائے۔

یہ بات بھی ذہن میں تھی کہ اُس مدفن کو چھیڑا نہ جائے۔ وہ جہاں ہے' اسے وہیں رہنے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بیشمار خزانے زمین میں چھپا رکھے ہیں' جو کبھی نہ کبھی مستحقین کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ سونا بھی فی الوقت چھپا رہے گا پھر قدرتی حالات کسی مستحق کو کبھی نہ کبھی وہاں تک پہنچا دیں گے۔

میں نے ڈائری سے نظریں ہٹا کر سوچا' کیسا عجیب معاملہ تھا؟ میں نے اپنی اولاد کو' اپنے بیٹے عمیر کو اس خزانے کا مستحق سمجھا تھا۔ ساجدہ نے اسے وہاں پہنچایا تھا۔ اب وہی بیٹا یہ لکھ رہا تھا کہ قدرتی حالات کسی مستحق کو یہاں پہنچائیں گے۔

اور قدرتی حالات نے اس کے باپ کو مستحق بنا کر' موت سے چھین کر ستر برس کے بعد یہاں پہنچا دیا تھا۔

اس کے بیٹے یعنی میرے پوتے نااہل تھے۔ ایسے خودغرض تھے کہ باپ کو ہسپتال سے گھر نہیں لانا چاہتے تھے۔ اس سے اہم راز اگلوانے کے بعد اسے قبرستان پہنچانا چاہتے تھے۔

انسان کو جتنا ملے' وہ اس سے زیادہ چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ ملے تو اس سے بھی زیادہ چاہتا ہے۔ ہوس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ میری اولاد اس ٹوہ میں تھی کہ آخر میرے پاس کتنی دولت ہے؟ انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بہت کچھ دینے کے باوجود میرے پاس اب بھی بہت کچھ ہے۔ یہ تجسس تھا' آخر میں نے کتنا مال چھپا کر رکھا ہے؟

انہیں رفتہ رفتہ معلوم ہونے لگا کہ میں نے بہت سارا سونا کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ پھر تو سب ہی میرے پیچھے پڑ گئے۔ آج بھی سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ کس طرح لہو کے رشتے پانی ہو جاتے ہیں؟ اپنی اولاد کو خون سے سینچو' دودھ پلاؤ' پرورش کرو' اعلیٰ تعلیم دلاؤ' دنیا جہاں کی مسرتوں سے مالا مال کر دو۔ پھر بھی وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتے ہیں۔

میری تمام اولاد نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے۔ اس کے باوجود آج بھی یقین سے کہتا ہوں کہ ایسا سب ہی کے ساتھ نہیں ہوتا ہوگا۔ کوئی کوئی میرے جیسا بدنصیب ہوگا۔ میں وہ بدنصیب ہوں' جس نے کبھی دشمنوں سے مات نہیں کھائی۔ مگر اپنے ہی لہو کے رشتوں سے مار کھاتا آ رہا ہوں۔

جب تک تمام دولت اور جائیداد میں نے اپنی تحویل میں رکھی تھی۔ تب تک تمام بیٹیاں اور بیٹے میرا طواف کرتے رہتے تھے۔ اگر میں انہیں اجازت دیتا تو وہ میرے آگے سجدہ بھی کرنے لگتے۔

وہ ایسی والہانہ محبتوں کا اظہار کرتے تھے' جیسے اتنی بڑی دنیا میں چاہنے اور پرستش کرنے کے لئے صرف میری ہی ذات ہو۔ آخر میں نے ان سب کی توقعات سے بڑھ کر حقوق ادا کئے۔ میری تینوں بیٹیاں اور تینوں بیٹے ارب پتی بن گئے۔ اس کے بعد ہی میرے آس پاس سے بھیڑ چھٹنے لگی تھی۔

تینوں بیٹیوں نے معقول اعتراض پیش کیا کہ ان کے میاں سسرال میں نہیں رہنا چاہتے۔ جبکہ پچھلے دس برسوں سے میرے ہی ٹکڑوں پر پل رہے تھے۔ میرے بیٹوں میں سے کوئی لندن کوئی پیرس اور کوئی نیویارک میں رہائش اختیار کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کسی کو جانے سے نہیں روکا۔ ان کے ساتھ میری تمام نواسیاں اور نواسے' پوتیاں اور پوتے بھی چلے گئے۔ ان سب کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کے لئے جو وسیع و عریض محل بنایا تھا' وہ ویران ہو گیا۔

میں نے اپنے ملک کے عالم و فاضل اساتذہ کی خدمات حاصل کیں۔ پھر ان کے مشوروں اور بھرپور تعاون سے اس محل کو ایک بہت بڑی یونیورسٹی میں بدل دیا۔ میں نے دیگر فلاحی ادارے بھی قائم کئے ہیں۔ تمام دینی احکامات کی تعمیل کرتا آرہا ہوں۔ مگر...

مگر ایک انسان ہوں' اس لئے خطا کا پتلا بھی ہوں۔ یہ بے حساب دولت میں نے پوری ایمانداری سے نہیں کمائی ہے۔ چونکہ سونے کا بیوپاری ہوں۔ اس لئے غیر قانونی ہتھکنڈے بھی استعمال کرتا رہا ہوں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جن بیماریوں سے اور مصائب سے گزر رہا ہوں' یہ سب میرے اعمال کے نتیجے میں مجھ پر مسلط ہو رہی ہیں۔

میرے بچے کبھی کبھی فون پر مجھ سے رابطہ کرتے تھے اور دوسروں کے ذریعے معلومات بھی حاصل کرتے رہتے تھے۔ ابتدا میں ان کا خیال تھا کہ میرے پاس صرف وہ ایک محل اور شائد لاکھوں کروڑوں کا بینک بیلنس رہ گیا ہے۔ میرے مرنے کے بعد وہ بھی ان کے حصے میں چلا آئے گا۔

چند برسوں کے بعد پتہ چلا کہ میرے متعلق ان کا اندازہ غلط تھا۔ میں نے اپنی بیٹیوں اور بیٹوں میں تقریباً نو سو کروڑ کی دولت اور جائیداد تقسیم کی تھی۔ اس کے باوجود میں کنگال نہیں تھا۔ انہیں رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ سوئٹزرلینڈ' برطانیہ' افریقہ اور امریکہ میں میری جائیداد ہے اور سونے کا کاروبار دن بدن منافع بخش ہوتا جارہا ہے۔

پھر تو وہ ایک ایک کرکے میرے پاس آنے لگے۔ میں کسی نہ کسی مصروفیت کا بہانہ کرکے ان سے کتراتا رہا۔ ان سب نے متحد ہو کر اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر میرے گھر میں

بستر بچھا لیا۔

میں نے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں برسوں سے تنہا ہوں اور اب تنہا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ بیشک یہاں آؤ مگر مہمانوں کی طرح آؤ۔ یہاں کوئی میرے ساتھ مستقل نہیں رہے گا۔"

بڑے بیٹے منور غازی نے کہا۔ "بابا جانی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم کوئی غیر نہیں ہیں۔ آپ کا لہو ہیں۔"

میں نے اپنے چاروں طرف بیٹھے بیٹیوں' پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "پچھلے سات برسوں سے یہ لہو کہاں تھا؟ تم میں سے کوئی ایک عید کی نماز پڑھنے کبھی میرے پاس نہیں آیا۔"

دوسرے بیٹے مراد غازی نے کہا۔ "آپ نے ہمارے حقوق دے کر ہم پر بڑی ذمہ داریاں ڈال دی تھیں۔ ہمیں نیا کاروبار کرنا تھا۔ ہم آپ کی طرح ایک کامیاب بزنس مین بننے کے لئے دن رات محنت کرتے رہے۔ آپ ہمارے بچوں سے بھی پوچھ لیں۔ ہم صرف آپ سے ہی نہیں' ان بچوں سے بھی دور ہو گئے تھے۔ مصروفیات کے باعث ان کی صورت دیکھنے کو ترستے رہتے تھے۔"

چھوٹے بیٹے سلطان غازی نے کہا۔ "ہم اپنی بہت سی مصروفیات گنوا سکتے ہیں اور آپ کو قائل کرسکتے ہیں۔ لیکن آپ ہمیں قائل نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ تنہا رہتے ہیں۔ کیا آپ کبھی ایک دن کے لئے بھی ہمارے پاس نہیں آسکتے تھے؟"

میں نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں بحث نہیں کروں گا۔ مجھے جو سمجھنا تھا' وہ سمجھ چکا ہوں۔ تم لوگ صاف صاف بتاؤ' یہاں کس لالچ میں آئے ہو؟"

وہ ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ بڑی بیٹی نوشین نے کہا۔ "بابا جانی! آپ کے پاس جو کچھ ہے' وہ صرف ہمارے لئے ہے۔ ہمیں آپ کی دولت اور جائیداد کا حساب معلوم ہونا چاہئے۔"

منور نے کہا۔ "ہم آپ سے کچھ مانگنے نہیں آئے ہیں۔ آپ کی دولت اور جائیداد کا حساب رکھنا ہمارا فرض ہے۔"

مراد نے کہا۔ "اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔ مگر کسی نہ کسی دن ہم سب کو اس دنیا سے جانا ہے۔ آپ بھی چلے جائیں گے تو ہمیں حساب معلوم نہیں ہوگا۔ بعد میں آپ کے وکیل آپ کے مشیر ہمیں دھوکہ دے سکتے ہیں۔"

"پلیز۔ آپ ہماری آنکھوں پر پٹی نہ باندھیں۔ ہمیں اپنے اعتماد میں لیں۔"

میں نے کہا۔''تم لوگوں نے تمام حقوق حاصل کرتے وقت یہ لکھ کر دیا تھا کہ میں نے انصاف کا تقاضہ پورا کیا ہے۔تم لوگوں کو برابر کے حقوق دیئے ہیں اور مجھ سے کبھی کسی طرح کی شکائیت نہیں کرو گے۔''

''ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ ہمیں آدھی سے بھی آدھی جائیداد دے کر خوش کر رہے ہیں۔ہم نہیں جانتے تھے کہ ہماری سوچ سے بھی زیادہ مال و دولت چھپا کر رکھ رہے ہیں۔''

''اگر ایسا نہ کرتا تو تمہارے اصلی چہرے کیسے دیکھ پاتا؟ یہاں سے جاتے ہی باپ کو ایسے بھول گئے' جیسے یہ بڈھا اب پھٹا ہوا لباس' پھٹا ہوا جوتا ہے۔اسے پہنا نہیں جا سکتا۔''

وہ ایک ایک کر کے اپنی محبت کا یقین دلانے لگے۔''یقین کریں بابا جانی! ہم آپ کو یاد کرتے تھے۔''

دوسری بیٹی نے کہا۔''مجھے کبھی ہچکی آتی اور میں آپ کو یاد کرتی کہ میرے بابا جانی مجھے یاد کر رہے ہیں تو ہچکی بند ہو جاتی تھی۔''

چھوٹے بیٹے سلطان غازی نے کہا۔''آپ کو یاد نہیں ہے۔پچھلی عید کو میں نے فون پر سلام کیا تھا۔آپ کو عید کی مبارکباد دی تھی۔''

میں نے کہا۔''اپنے حقوق کے طور پر مجھ سے کروڑوں روپے کی جائیداد لینے کے بعد ایک عید میں مبارکباد دی ہے تو خود سوچو! میں نے کتنا مہنگا سودا کیا ہے؟''

پھر میں نے ان سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔''میری طرف سے صاف اور سیدھی بات سن لو تم لوگوں کو جو دینا تھا وہ دے چکا ہوں۔تمہارے تمام حقوق دے کر اپنے فرائض ادا کر چکا ہوں۔اب تم سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔بس اتنا ہی رشتہ رہ گیا ہے کہ کسی بھی سوسائٹی میں ضرورت کے وقت ولدیت کی بات آئے تو اپنے اس باپ کا نام استعمال کر سکتے ہو۔''

وہ سب ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔پھر منور نے کہا۔''ہم تینوں بھائی آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔''

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔''آؤ....! جو کہنا ہے کہو اور یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے چلے جاؤ۔''

وہ سب میرے پیچھے دوسرے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔پھر منور نے کہا۔''ہم آپ کی کمائی سوتیلوں کے ہاتھ نہیں لگنے دیں گے۔''

میں نے گھور کر پوچھا۔''سوتیلوں کا مطلب کیا ہوا؟''

سلطان نے کہا۔''آپ انجان نہ بنیں۔آپ کی عیش و عشرت بھری زندگی کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں۔ہم آپ کی بہوؤں اور بچوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہتے تھے۔اس لئے یہاں کہہ رہے ہیں۔''

مراد نے کہا۔''کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے سوئیٹزرلینڈ میں ایک داشتہ رکھی ہے؟''

منور نے کہا۔''داشتہ ایک نہیں دس رکھیں۔مگر ہمیں اس عورت پر اعتراض ہے' جسے آپ نے یہاں ہماری سوتیلی ماں بنایا ہے۔''

سلطان نے کہا۔''ہم نے بڑی دور تک معلومات حاصل کی ہیں۔اس منکوحہ سے آپ کے دو بچے ہیں۔''

میں ایک ایک کا منہ تک رہا تھا۔پھر میں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔''میری ایک نہیں کئی داشتائیں ہیں۔ایک منکوحہ اور دو بچے بھی ہیں اور یہ سب میرے ذاتی معاملات ہیں۔''

''جہاں دولت کا بٹوارہ ہوتا ہے' وہاں معاملات ذاتی نہیں رہتے۔وہ سوتیلے بہن بھائی ہم سے زیادہ حقوق حاصل کریں گے تو کیا ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے؟''

''میں کہہ چکا ہوں' تم لوگوں کے تمام حقوق ادا کرنے کے بعد اب تم سے میرا کوئی رشتہ نہیں رہا ہے۔اگر سب کچھ تمہیں دے دیتا' کنگال بن کر رہتا۔ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوک اور بیماری سے مرجاتا تو کیا تم میں سے کوئی مجھے پوچھنے آتا؟ یا اُس وقت بھی تم سب یہی کہتے کہ ہم نے ایک عید کی مبارکباد دے کر اولاد کے تمام حقوق ادا کر دیئے ہیں؟''

وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔میں نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔''بس آگے کچھ نہ کہنا۔میں جانتا ہوں اگر ابھی کنگال ہوتا تو تمہاری بے حسی' بے ضمیری اور کم ظرفی میرا کیا حشر کرتی؟ بہتر ہے ابھی یہاں سے بیوی بچوں کے ساتھ چلے جاؤ۔میں سیکورٹی گارڈز کو بلانا نہیں چاہتا۔''

میں پھر واپس اسی کمرے میں چلا آیا۔میری تمام بہوؤں بیٹیوں' نواسے نواسیوں' اور پوتے پوتیوں نے میرا حکم سننے کے بعد بڑی عاجزی دکھائی۔ایک نے کہا۔''ہم آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔ابھی یہاں سے جا رہے ہیں۔مگر نہ آپ کے دل سے جائیں گے' نہ آپ کو دل سے نکالیں گے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''ہم یہاں آتے جاتے رہیں گے' آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے رہیں گے۔ یہاں کی دیواروں سے سر ٹکراتے رہیں گے' جس طرح بھی ممکن ہوگا اپنی غلطیوں پر پچھتاتے رہیں گے۔''

ایک اور نے کہا۔ ''آپ جیسی بھی سزائیں دیں گے۔ ہم انہیں قبول کریں گے۔ کبھی نہ کبھی آپ کو ضرور یقین ہوگا کہ ہم واقعی پچھتا رہے ہیں۔ آپ ہمیں معاف کریں گے۔ ضرور معاف کریں گے۔''

وہ سب چلے گئے۔ انہوں نے بڑے موثر انداز میں یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ سب بری طرح پچھتا رہے ہیں۔ آئندہ اپنی غلطیوں کی تلافی کریں گے اور میرا دل جیت لیں گے۔ میں کسی حد تک ان سے متاثر ہوگیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ واقعی پچھتا رہے ہوں۔ ایسے ہی وقت میری بائیں آنکھ پھڑکنے لگی۔

یہ اکثر سنا ہے کہ بائیں آنکھ پھڑکے تو خوش قسمتی سو جاتی ہے اور برے دن چلے آتے ہیں۔ پہلے کبھی میری دائیں یا بائیں آنکھ نہیں پھڑکتی تھی۔ جب سے چاندی کی انگوٹھی میں لاوہ اسٹون پہنا تھا' تب سے کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ دائیں آنکھ پھڑکتی تو کاروبار میں توقع سے زیادہ منافع ہونے لگتا۔ سونے کا بھاؤ بڑھتا چلا جاتا۔ کبھی بائیں آنکھ پھڑکتی تو کسی حادثے سے دوچار ہوتے ہوتے رہ جاتا یا بیمار پڑ جاتا۔

جکارتا کی مسجد میں بزرگ نے کہا تھا کہ میرے اندر اتنی خود اعتمادی پیدا ہوگی کہ میں اپنے اندر کی بیماریوں کا خود ہی مسیحا بن جاؤں گا۔

اور میں نے پچھلے کئی برسوں میں بارہا آزمایا تھا کہ دکھ بیماری میں میرے اعصاب بڑے مضبوط رہتے ہیں۔ کوئی سی بھی مصیبت ہو' وہ آتے آتے ٹل جاتی ہے۔

اپنی تین بیٹیوں اور تین بیٹوں کو ان کے تمام حقوق ادا کرتے وقت میری دائیں آنکھ پھڑک رہی تھی۔ وہ سمجھا رہی تھی کہ میں جو کر رہا ہوں' اپنی بہتری کے لئے کر رہا ہوں۔ جب وہ سب مجھ سے دور ہوگئے اور تقریباً سات برسوں تک میری کوئی خبر نہ لی تو دائیں آنکھ کا پھڑکنا یاد آیا کہ واقعی میں نے کچرا اولاد کو دولت کی جھاڑو مار کر اپنی زندگی سے باہر نکال کر بہت اچھا کیا ہے۔

اب میری بائیں آنکھ پھڑک رہی تھی۔ میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے سیکورٹی افسر کو حکم دیا۔ ''میری اجازت کے بغیر میرے کسی بھی رشتے دار کو کوٹھی

کے احاطے میں قدم رکھنے نہ دیا جائے اور نہ ہی ان سے کوئی غیر ضروری بات کی جائے۔''

میرے بیٹوں کی یہ معلومات درست تھی کہ میں نے اس بڑھاپے میں شادی کی ہے۔ اس منکوحہ سے میرا ایک بیٹا چھ برس کا اور ایک بیٹی چار برس کی تھی۔ اس بیوی اور بچوں کے ساتھ میری زندگی ایک خواب جیسی تھی۔ یعنی خواب دیکھا' آنکھ کھلی اور تعبیر کچھ سے کچھ ہوگئی۔

دوسرے دن میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پکنک منانے کے لئے چھانگا مانگا کی طرف گیا۔ اچانک ہی چار موٹر سواروں نے ادھر سے گزرتے ہوئے تڑاتڑ فائرنگ شروع کردی۔ ہمیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ پھر یہ کہ نہتے ہو کر سنبھل بھی جاتے تو ان کا کیا بگاڑ لیتے؟

وہ میری ازدواجی زندگی بگاڑ کر چلے گئے۔ انہوں نے میری بے قصور بیوی اور معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر میرا بال تک بیکا نہ کیا۔ ان کی کوئی گولی میری طرف نہیں آئی اور وہ گولی کی طرح سنساتے ہوئے گزر گئے۔ پتہ نہیں کہاں سے آئے تھے اور کہاں چلے گئے تھے؟

یہ بات بالکل واضح تھی اور صاف سمجھ میں آنے والی تھی کہ سوتیلوں نے اپنے راستے کے کانٹے ہٹا دیئے ہیں۔ میں نے کھل کر انہیں الزام دیا۔ ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ واردات کے وقت وہ سب یورپ' امریکہ اور افریقہ میں تھے۔ ان پر کسی طرح کا الزام ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے ایک بار ان سب سے ملاقات کی اور کہا۔ ''یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ تم لوگوں نے جو شیطانی حرکت کی ہے۔ میں اس کے خلاف بول نہیں پاؤں گا۔ قانون کے دروازے پر دستک دوں گا تو میرے خاندان اور میرے ہی خون کے رشتے عدالت میں مجرموں کی طرح دکھائی دیں گے۔ پھر یہ کہ جرم ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے میں خواہ مخواہ اپنے خاندان کی بدنامی نہیں چاہتا۔ جتنی جلدی سے ہو سکے' اس ملک سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں بھی کرائے کے قاتلوں کو خریدنا جانتا ہوں۔''

وہ نہیں جانتے تھے کہ میں کتنا خطرناک ہوں؟ درپردہ کیسی مجرمانہ زندگی گزار رہا ہوں؟ میں ان سب کو ایک چٹکی میں مسل سکتا تھا۔ مگر دل سے مجبور تھا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی لہو کے چھینٹے نہیں اڑانا چاہتا تھا۔

وہ سب چلے گئے۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ وہ جا چکے تھے۔ اس کے باوجود

میری بائیں آنکھ پھڑک رہی تھی۔ پیش آنے والی کسی مصیبت کا سگنل دے رہی تھی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ میں بیمار کیوں رہنے لگا ہوں اور دن بہ دن کمزور کیوں ہوتا جا رہا ہوں؟

حقیقت یہ تھی کہ بیٹے بیٹیوں اور بہوؤں نے میرے ہاں مہمان کے طور پر آ کر آستین کے سانپوں کی طرح ڈس لیا تھا۔ میرے کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی ایسی مضر رساں دوا ملائی تھی' جس کے نتیجے میں' میں اندر ہی اندر گھلتا جا رہا تھا۔

میرے پاس بے انتہا دولت تھی۔ مگر کوئی محبت کرنے والا نہیں تھا۔ میں نے رشتوں کی محبت حاصل کرنے کے لئے بڑھاپے میں شادی کی تھی۔ ایک اچھی محبت کرنے والی شریک حیات ملی تھی۔ یہ توقع تھی کہ دونوں بچے بھی سعادت مند ہوں گے۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ کہیں سے کسی کی محبت تو ضرور ملتی۔ مگر اچانک بدلتے ہوئے حالات نے مجھے سمجھا دیا کہ جو نصیب میں نہیں ہوتا' وہ کبھی نہیں ملتا۔

میں نے سوچا۔ ''کیا شادی کرنے کے بعد' اولاد پیدا کرنے کے بعد ہی محبت ملتی ہے؟ اس کے بغیر کہیں سے کوئی محبت نہیں مل سکتی؟''

ملتی ہے۔ مگر ہم پہلے اپنے لہو کے رشتوں میں محبت ڈھونڈتے ہیں۔ نہ ملے تو قریبی عزیزوں میں سے کسی کو اپنی محبتوں کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ یا کسی کو گود لے لیتے ہیں۔ مگر انسان اپنے فطری تقاضوں سے مجبور ہے۔ گھوم پھر کر اپنے ہی لہو کو اہمیت دیتا ہے۔ اس سے فریب کھاتا ہے۔ زخمی ہوتا رہتا ہے۔ مگر ان کی چاہت سے باز نہیں آتا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے' ان تینوں بیٹے بیٹیوں سے میرا دل اٹھ گیا تھا۔ انہوں نے مال و زر کی ہوس میں میرے ایسے رشتوں کو خاک و خون میں ملایا تھا' جن سے بھرپور محبتیں ملنے کی توقع تھی۔ میں ان درندہ صفت اولادوں سے سخت نفرت کرنے لگا تھا۔

دن اور مہینے گزرتے جا رہے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا' میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ کبھی کبھی بائیں آنکھ پھڑکتی تھی اور کہتی تھی کہ کچھ برا ہونے والا ہے۔

ایک روز میں ہیڈ آفس کی طرف جا رہا تھا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر دو مسلح گارڈز تھے۔ راستے میں ایک گارڈ کے موبائل فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے فون اٹینڈ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''یس سر! میں غلام محمد بول رہا ہوں۔''

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ کچھ پریشانی ظاہر کرنے لگا۔ پھر بولا۔ ''آل رائٹ سر! آپ فکر نہ کریں۔ ہم راستہ بدل کر جا رہے ہیں اور اپنی پوزیشن بھی چینج کر رہے ہیں۔''

اس نے فون بند کر کے ڈرائیور سے کہا۔ ''گاڑی ایک طرف روکو۔''

پھر مجھ سے کہا۔ ''سر! آپ پچھلی سیٹ پر آ جائیں۔ ابھی ہمارے سیکورٹی افسر نے کہا ہے' آگے آپ کے لئے خطرہ ہے۔ ہم یہاں سے راستہ بدل کر جائیں گے۔''

میں اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر آ گیا۔ اور وہ گارڈ میری جگہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی آگے چل پڑی۔ میں پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ چاندی کی انگوٹھی میں جڑے ہوئے لاوہ اسٹون کو دیکھنے لگا۔ مسلح گارڈ نے کہا تھا کہ آگے خطرہ ہے اور میری بائیں پھڑکتی ہوئی آنکھ نے ایسی ہی تنبیہہ کی تھی۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ یہ بے جان پتھر کچھ نہیں ہوتے۔ ان میں کسی طرح کی غیر معمولی خاصیت نہیں ہوتی۔ یہ محض ضعیف الاعتقادی ہے۔ دقیانوسی باتیں ہیں کہ انہیں اپنی تاریخ پیدائش اور برج وغیرہ کے حساب سے پہنا جائے تو پہننے والا بہت سی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ زندگی میں زیادہ سے زیادہ کامیابی و کامرانی حاصل کرتا رہتا ہے۔

ویسے یہ حقیقت بھی میرے سامنے تھی کہ جب سے میں نے اس پتھر کو پہنا تھا' تب سے میرے کاروبار کو عروج حاصل ہوتا رہا تھا۔ میں بے انتہا دولت کماتا چلا آ رہا تھا اور کوئی برا وقت آنے سے پہلے میری بائیں آنکھ ضرور پھڑکتی تھی اور میں یقین نہ کرتے ہوئے بھی پیش آنے والے حالات سے نمٹنے کے لئے اندر ہی اندر مستعد ہو جاتا تھا۔

چھانگا مانگا میں میری بیوی اور دونوں بچوں کو قتل کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی میری بائیں آنکھ پھڑکتی رہی تھی اور یہ ضرور ہوتا تھا کہ مجھے خطرے کا سگنل ملتا تھا مگر خطرہ مجھے پیش نہیں آتا تھا۔

اب بھی میرا دل کہہ رہا تھا کہ گارڈ نے راستہ بدل دیا ہے۔ مجھے کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ میں بہ خیریت ہیڈ آفس پہنچ جاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد میں ایکدم سے چونک گیا۔ پھر ڈرائیور سے بولا۔ ''یہ تم ملتان روڈ پر کیوں آ گئے ہو؟ شہر سے باہر کیوں جا رہے ہو؟''

میرے پاس بیٹھے ہوئے مسلح گارڈ نے اپنی گن میری طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''چپ چاپ بیٹھے رہو۔ خطرہ باہر نہیں' اندر ہے۔''

آگے بیٹھے ہوئے مسلح گارڈ نے کہا۔ ''آپ ڈرائیور کو دیکھیں۔ اس کی کمر سے میری گن لگی ہوئی ہے۔ میں جدھر کہوں' گا یہ ادھر اسٹیئرنگ موڑے گا۔''

پھر ایک بار ثابت ہو گیا کہ میری بائیں آنکھ نے درست خطرے کا سگنل دیا تھا۔ میں

نے کہا۔"تم لوگ چند روپوں کی خاطر اپنا ایمان بیچ رہے ہو۔ اپنے فرائض بھول رہے ہو۔"

ان میں سے ایک مسلح گارڈ نے کہا۔"اب ہم گونگے بہرے ہیں' نہ کچھ سنیں گے' نہ کچھ بولیں گے۔"

"اتنا تو بتادو کہ کس نے تمہیں خریدا ہے؟ بہرحال جس نے بھی خریدا ہے' جتنے میں بھی خریدا ہے' میں اس سے کئی گنا زیادہ دینے کو تیار ہوں۔ جو غلطی کر رہے ہو۔ اس سے باز آجاؤ۔ میرے وفادار بن کر رہو۔"

گاڑی ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ وہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے رہے تھے۔ پتہ نہیں' مجھے کہاں لے جارہے تھے؟ میرے آگے اور پیچھے بھی دو گاڑیاں چلنے لگی تھیں۔ اتنی گرد و دھول اڑ رہی تھی کہ چاروں طرف کا منظر دھندلا گیا تھا۔ مجھے گن پوائنٹ پر رکھنے والے گارڈ نے میری جیب سے موبائل فون نکال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ سفر تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ موسم اچانک ہی بدل گیا تھا۔ گرد و غبار کی آندھی سی چل رہی تھی۔ دور تک منظر دھندلا گیا تھا۔ گاڑیوں کی رفتار سست ہوگئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' وہ لوگ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟

آخر ایک جگہ وہ گاڑیاں رک گئیں۔ مسلح گارڈ نے اگلی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے کہا۔"باہر نکلو۔"

میں نے باہر ایک قدم رکھا۔ مجھے گن پوائنٹ پر رکھنے والا بھی پیچھے پیچھے باہر آنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت میں نے ایک جھٹکے سے دروازے کو بند کیا' اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پھر میں نے سامنے کھڑے ہوئے گارڈ کے پیٹ میں سر سے ٹکر ماری۔

اگرچہ وہاں دوسری گاڑیوں سے اترنے والے کئی مسلح افراد موجود تھے مگر وہ ایک دوسرے کو واضح طور پر دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ سب دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں اندھا دھند ایک طرف بھاگتا چلا گیا۔

وہ مسلح گارڈ پیٹ پکڑ کر تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔"وہ بھاگ رہا ہے.... دوڑو اسے پکڑو......"

ہوا کے شور میں ان کی آوازیں جیسے دور سے آرہی تھیں۔"کہاں ہے وہ....؟"

وہ ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے۔"کدھر گیا ہے وہ...؟"

وہ ایک دوسرے سے چیخ چیخ کر بول رہے تھے۔"تم ادھر جاؤ اور تم اُدھر جاؤ۔ اسے

دور نہ جانے دو۔ ورنہ وہ دکھائی نہیں دے گا۔"

دھول مٹی کے باعث کوئی پوری طرح آنکھیں کھول کر دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ میری بھی یہی حالت تھی۔ میں ذرا ذرا سی آنکھیں کھول رہا تھا۔ آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر آنکھیں بند کر رہا تھا۔ نیم اندھا بن گیا تھا۔ کسی طرح ان کی پہنچ سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

ویسے میری شامت آگئی تھی۔ آگے ایک چھوٹے سے گڑھے میں پاؤں پڑا۔ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ سخت زمین تھی۔ بڑی چوٹیں آئیں۔ میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت کوئی مجھ سے ٹکرا کر گر پڑا۔ چیخ کر بولا۔"پکڑ لیا.... میں نے پکڑ لیا ہے۔ یہ ادھر ہے۔ دوڑو... جلدی آؤ۔"

میں تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوششیں کرنے لگا۔ شائد اس کے ہاتھ سے گن چھوٹ گئی تھی۔ وہ بھی نہتا تھا۔ مجھ سے پنجا لڑا رہا تھا۔ مجھے زمین سے اٹھنے نہیں دے رہا تھا۔ چیخ چیخ کر ساتھیوں کو بلا رہا تھا۔

میں نے اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اس سے پیچھا چھڑا کر بھاگنے لگا۔ ایسے ہی وقت ایک فائر کی آواز گونجی۔ گولی میری ٹانگ میں آکر لگی۔ میں اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ وہ گولی ران کے گوشت میں دھنس گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا میرے اندر انگارے سے بھر گئے ہیں۔ تکلیف بڑی ہی ناقابل برداشت تھی۔ ایسے میں کتنے ہی لوگوں نے آکر مجھے دبوچ لیا۔

پھر میں نہیں جانتا' میرے ساتھ کیا ہوتا رہا؟ میں تکلیف کی شدت سے بیہوش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ کون مجھ سے دشمنی کر رہا تھا؟ کاروباری دنیا میں سازشیں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دوسرے کے منافع کا گراف گرا کر خود آگے بڑھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب بڑے ہی مہذب طریقے سے دل میں فتور رکھ کر زبان سے جی حضور کہہ کر کیا جاتا ہے۔ یوں ایک دوسرے کی بساط الٹ دی جاتی ہے۔

میرے ساتھ ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ پہلی بار میری بیوی اور دو معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور اب مجھ سے ایسی عداوت کی جارہی تھی کہ مجھے گولی مار کر زخمی کر دیا تھا۔ ہماری کاروباری دنیا کے بزنس مین ایسی کھلم کھلا مجرمانہ واردات نہیں کرتے' جیسا کہ میرے ساتھ کیا جارہا تھا۔

اور میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ جو بیٹیاں اور بیٹے لہو سے دھل دھلا کر اس دنیا میں آئے ہیں، وہی میرا آخری غسل کرانا چاہتے ہیں۔

پتہ نہیں میں کب تک بیہوش پڑا رہا؟ جب آنکھ کھلی تو خود کو ایک وسیع و عریض کمرے کے بیڈ پر پڑا ہوا پایا۔ میری ایک ٹانگ میں گھٹنے سے اوپر ہلکی ہلکی درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ران کے گوشت میں پیوست ہونے والی گولی نکال دی گئی تھی۔ مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ میرے سامنے بیڈ کے پائنتی دو مسلح افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ایک ڈاکٹر مجھ پر جھک کر میرا معائنہ کر رہا تھا۔

اس نے کہا۔ ''تم بالکل ٹھیک ہو۔ بڑے حوصلے والے ہو۔ دوا کھاتے رہو گے، مرہم پٹی ہوتی رہے گی تو زخم جلد ہی بھر جائے گا۔ کیا ابھی اٹھ کر بیٹھ سکتے ہو؟''

میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھنے لگا۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دونوں مسلح افراد میرے قریب آ گئے۔ مجھے جوس پلانے لگے۔ پھر ڈاکٹر نے مجھے دوا کھلائی۔ میرے لیٹنے کے بعد ایک انجکشن لگایا۔ اس کی مدد کے لئے کوئی اسسٹنٹ نرس یا وارڈ بوائے قسم کا کوئی ملازم وہاں نہیں تھا۔

چونکہ میرے ساتھ مجرمانہ سلوک کیا جا رہا تھا۔ اس لئے صرف ڈاکٹر کو راز دار بنا کر وہاں لایا گیا تھا۔

اس نے کہا۔ ''تم نارمل ہو۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ کل کسی وقت آ کر مرہم پٹی کروں گا۔ یہاں تمہیں دوائیں کھلائی جائیں گی۔ انجکشن بھی لگائے جائیں گے۔ مگر صحت یابی کے لئے صرف دوا ضروری نہیں ہوتی۔ حوصلہ لازمی ہوتا ہے۔ حوصلہ کرو۔''

یہ کہہ کر وہ اس کمرے سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہ دروازہ کھلا۔ ایک قد آور باڈی بلڈر دکھائی دیا۔ وہ بڑے فاتحانہ انداز سے چلتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے دو مسلح باڈی گارڈز تھے۔

وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور میں سوالیہ نظروں سے اسے تک رہا تھا۔ اب سے پہلے میں نے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اسی نے مجھے اغواء کرایا ہے۔ وہ بڑی حقارت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جانتے ہو میں کون ہوں؟''

میں نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے اپنے دونوں باڈی گارڈز سے کہا۔ ''یہ نہیں جانتا۔ پہلے اسے بتاؤ، میں کیا ہوں؟''

اس نے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔ بازوؤں کے مسلز پھلائے۔ اس کا سینہ چٹان کی طرح پھیل گیا تھا۔ ایسے وقت ایک مسلح گارڈ نے اپنی گن کے دستے سے اس کے سینے پر زوردار ضرب لگائی۔

جس قوت سے حملہ کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اسے پیچھے کی طرف جا کر گر جانا تھا۔ تکلیف سے کراہنا تھا مگر وہ جوں کا توں کھڑا ہوا تھا۔ دوسرے گارڈ نے پیچھے سے اس کی گردن پر زوردار کراٹے کا ہاتھ مارا۔ پھر بڑک لگاتے ہوئے گھوم کر دوسرا ہاتھ اسی جگہ گردن پر مارا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

پھر اچانک ہی اس نے اچھل کر دونوں گارڈز کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ دونوں اس کے شکنجے سے نکلنے کے لئے پوری قوت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ادھر سے اُدھر تڑپنے لگے۔ میں حیرانی سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا، وہ ایسا تماشہ کیوں کر رہا ہے؟

پھر اس نے دونوں کو دائیں بائیں پھینک کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ میں ہوں۔ فولادی سلاخوں کو موڑ دیتا ہوں۔ تجھے تو ایک چٹکی میں مسل سکتا تھا۔ اتنے آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن راز داری شرط تھی۔ اس لئے اتنے جھمیلے سے گزرنا پڑ رہا ہے۔''

وہ ذرا گردن اونچی کرتے ہوئے بولا۔ ''میرا نام سنا ہوگا۔۔۔۔ سنا ہے ناں۔۔۔۔؟''

میں اس کا منہ تک رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کون تھا؟ اس نے ایک ذرا دائیں مڑ کر پھر ایک ذرا بائیں مڑ کر اپنے بدن کی ہڈیوں کو چٹکاتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام بابر بلاّ ہے۔''

میں نے سہم کر اسے دیکھا۔ وہ بہت ہی خطرناک مجرم سفاک اور بے رحم قاتل تھا۔ کئی بار قانون کی گرفت میں آ چکا تھا۔ مگر کبھی اسے سزائے موت نہیں سنائی گئی۔ اسے بڑے بڑے امیر کبیر با اختیار اور وسیع ذرائع رکھنے والے وی آئی پی کی سرپرستی حاصل رہا کرتی تھی۔

میں نے کہا۔ ''میں نے تمہارا نام سنا ہے۔ آج پہلی بار تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن مجھ سے کیوں دشمنی کر رہے ہو؟ میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''میری یہی خوبی ہے جو میرا کچھ نہیں بگاڑتا۔ میں اسے اچھی طرح بگاڑ کر رکھ دیتا ہوں۔ تمہارے جیسے لوگوں کا کچومر نکالنے کے لئے مجھے لاکھوں روپے ملتے رہتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''جو تمہیں لاکھوں روپے دے رہا ہے۔ میں اس سے کئی گنا زیادہ دے سکتا ہوں۔ مجھ سے سودا کرو۔''

وہ انکار میں ایک انگلی اِدھر سے اُدھر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہم جیسے بدمعاشوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ زبان سے نہیں پھرتے۔ جو سودا کر لیتے ہیں' اسے مرتے دم تک نبھاتے ہیں۔''

میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔ ''چپ بالکل چپ..... بولنے کو کہوں تو بولو۔''

وہ پلٹ کر دو چار قدم آگے گیا۔ پھر پلٹ کر بولا۔ ''تیرا منہ کھلا ہے۔ آواز نکلے یا نہ نکلے۔ منہ بند رکھ... ایک ذرا بولے گا تو ابھی منہ ٹوٹے گا۔ کبھی بولنے کے قابل نہیں رہے گا۔''

میں نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ اس خرد ماغ کی حرکتیں دیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنے ہی مسلح گارڈز سے مار کھائی تھی۔ پھر انہیں اچھی طرح دبوچ کر ان کا کچومر نکال کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ وہ پاگل کا بچہ میرے ساتھ بھی اسی طرح کا غیر انسانی سلوک کر سکتا تھا۔

وہ اپنے فون پر نمبر پنچ کر رہا تھا۔ پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ چند سیکنڈ کے بعد بولا۔ ''میں بابر بلاّ بول رہا ہوں۔ اِدھر سب معاملہ ٹھیک ہے۔''

اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس کتے کا آپریشن ہو گیا ہے۔ یہ ہوش میں آ گیا ہے۔ ابھی میری سن رہا ہے۔ تم کو جو بولنا ہے' اس سے بولو۔ معاملہ جلدی ختم کرو۔ میں اپنے اڈے پر اسے زیادہ دنوں تک چھپا کر نہیں رکھوں گا۔''

اس نے میرے قریب آ کر اپنا فون مجھے دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ لے! بات کر.....''

میں نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو.....!''

پھر پہلے ہی لمحے میں اپنے بڑے بیٹے منور غازی کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ ''اسلام علیکم بابا جانی! آپ آرام سے تو ہیں ناں...؟''

میری جگہ کوئی اور باپ ہوتا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔ وہ کیسی بے ضمیری' بے حسی اور سنگدلی سے زخم پہنچا کر میرے آرام کرنے کی بات کر رہا تھا؟

اس وقت وہ سب ایک فون کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ میری بڑی بیٹی نوشین' بڑا بیٹا منور غازی' دو بیٹیاں زرمین اور شرمین اپنے شوہروں کے ساتھ وہاں موجود تھیں اور وائڈ اسپیکر کے ذریعے مجھ سے ہونے والی باتیں سن رہی تھیں۔

میرے بیٹے مراد غازی اور سلطان غازی اپنی فیملی کے ساتھ وہاں نہیں تھے۔ ان سب کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ فی الحال مجھے منور اور تینوں بیٹیوں کے منصوبے کے مطابق اغوا کیا گیا تھا۔

مجھے نوشین کی آواز سنائی دی۔ ''سلام بابا جانی! کیا آپ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا ہے؟ آپ سگے ہو کر سوتیلے باپ جیسا سلوک کرتے آئے ہیں۔ ہمیں اپنی باقی دولت اور جائیداد سے محروم کرنے کے لئے آپ نے دوسری شادی کی۔ دوسرے بچے پیدا کئے۔ جس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے ہیں۔''

منور کی آواز سنائی دی۔ ''پھر بھی عقل نہیں آئی۔ آپ نے ہم سے رشتہ توڑ لیا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم آسانی سے پیچھا چھوڑ دیں گے۔ مگر دیکھ لیں... پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آپ سے بہت دور سمندر پار ہیں۔ ہم پر الزام نہیں آئے گا کہ ہم آپ سے کسی طرح کی عداوت کر رہے ہیں۔''

نوشین نے کہا۔ ''آپ کیا سمجھ رہے تھے' ہم بے انتہا دولت اور جائیداد محکمہ اوقاف اور فلاحی اداروں کے نام کرنے کے لئے آپ کو بے لگام رہنے دیں گے؟''

ایک بیٹی زرمین نے کہا۔ ''نہیں بابا جانی نہیں... آپ ایک اچھے باپ کی طرح اپنا سب کچھ ہمارے نام کریں گے۔''

شرمین نے کہا۔ ''اور ہمیں وہ جگہ بتائیں گے' جہاں آپ نے منوں کے حساب سے سونا چھپا کر رکھا ہے۔ آخر وہ کس کے لئے ہے؟ کیوں چھپا کر رکھا ہے؟''

منور نے کہا۔ ''آپ کیسے بیوقوف ہیں بابا جانی! کبھی یہ نہیں سوچا کہ ابھی آپ کا دم نکل جائے گا تو اتنا سارا سونا کس کے کام آئے گا؟''

نوشین کی آواز سنائی دی۔ ''یہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے بہت سے راز ایسے ہیں' جن سے پردہ نہیں اٹھ رہا ہے۔ یہ بھی ایک راز ہے کہ کئی من سونا اپنی اولاد سے کیوں چھپا رہے ہیں؟ ابھی کم از کم اتنا تو بتا دیں کہ وہ سونا کتنا ہے؟ کیوں اسے چھپا کر رکھا ہے؟ اپنے ساتھ قبر میں تو کبھی لے جا نہیں سکیں گے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر نوشین نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔ ''یہ چپ کیوں ہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ کیا پھر بیہوش ہو گئے ہیں؟''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''نہیں... میں پورے ہوش و حواس میں ہوں۔ آئندہ بھی پوری ہوش مندی سے تمہارے مکر و فریب کو سمجھتا رہوں گا۔ مجھ پر جیسے مظالم ڈھا رہے ہو۔ انہیں کبھی بھلا نہیں پاؤں گا۔ یہ بتاؤ مجھے یہاں کب تک قیدی بنا کر رکھو گے؟''

''جب تک آپ ہمیں پوشیدہ سونے تک نہیں پہنچائیں گے۔''

''ابھی فون پر تم لوگوں کی آواز سن کر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں قیدی بن کر ظلم

سہتا رہوں گا۔ پوری عمر گزار دوں گا۔ مگر ایک چٹکی سونا بھی تمہارے ہاتھ لگنے نہیں دوں گا۔ اسی جگہ زندگی کی آخری سانسوں کو تم سب پر تھوک کر چلا جاؤں گا۔"

منور نے کہا۔ "ہم سب جانتے ہیں' آپ کس قدر ضدی ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ ہم جیسے ضدی اولاد کے باپ ہیں۔ آپ کے حلق سے سونا اگلوانا آسان نہ ہوگا۔ کوئی بات نہیں' فون بابر بلّا کو دیں۔"

میں نے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے لے کر کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "میں اس بڈھے کی باتیں سن رہا ہوں۔ کیا اس کی گردن مروڑ دوں؟"

منور نے کہا۔ "ایسی غلطی نہ کرنا۔ اسے ہر حال میں زندہ رکھنا ہے۔ مگر کچھ اس طرح اذیتیں پہنچاؤ کہ وہ تکلیف کی شدت سے گھبرا کر سارا راز اگل دے۔"

"لو جی سمجھو کہ اس نے راز اگل دیا۔ بس ذرا انتظار کرو اور اس کی آوازیں سنتے رہو۔"

یہ کہتے ہی اس نے میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایک جھٹکا دیتے ہوئے اٹھا کر بٹھا دیا۔ ایسی تکلیف ہو رہی تھی' جیسے سارے بال میرے سر سے اکھڑنے ہی والے ہوں۔ میرے وہ وارث دوسری طرف بیٹھے میری کراہیں سن رہے ہوں گے۔

بابر نے بڑی سفاکی سے پوچھا۔ "تیری اولاد جو کہہ رہی ہے' اسے مانے گا یا نہیں؟"

میں نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے میرے جبڑے کو ایک ہاتھ کے پنجے میں جکڑ لیا۔ اُف خدایا! ایسا لگ رہا تھا' جیسے میرے جبڑے کسی فولادی شکنجے میں آگئے ہوں اور اب تب میں ٹوٹنے ہی والے ہوں۔ بلاشبہ وہ غیر معمولی جسمانی قوتوں کا حامل تھا۔

اس نے گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے ایک جھٹکا دیا۔ میں واپس تکیے پر گر پڑا۔ اس نے فون پر کہا۔ "اگر میں اسے نہ چھوڑتا تو جبڑے ٹوٹ جاتے۔ پھر یہ بولنے کے قابل نہ رہتا۔ تمہاری کسی بات کا جواب نہ دے پاتا۔ تمہارا باپ بڈھا ہے۔ مگر جیدار ہے۔"

وہ باتیں کرتا ہوا میری ٹانگوں کے پاس آیا پھر بولا۔ "مرد کبھی روتے نہیں ہیں۔ بزدلوں کی طرح چیختے نہیں ہیں۔ ذرا سنو تو کیا کوئی چیخ سنائی دے رہی ہے؟"

اس نے یہ کہتے ہی ایک انگلی میری ران کے زخم پر یوں ماری جیسے خنجر چبھو رہا ہو۔ میں بے اختیار حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے پہلے آپریشن ہوا تھا؟ زخم تازہ تھا۔ اس کی انگلی جیسے لوہے کا سریا تھی۔ یوں لگ رہا تھا' اندر گھس کر گولی کے زخم تک پہنچ گئی ہے۔ تکلیف ایسی ناقابل برداشت تھی کہ میں تڑپنے لگا۔ زخم کے ٹانکے ٹوٹ گئے تھے۔ لہو رسنے

لگا تھا۔ مسلح افراد نے مجھے ہر طرف سے دبوچ رکھا تھا۔ ورنہ میں تڑپتے تڑپتے بیڈ سے گر پڑتا۔

فوراً ہی ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے میری حالت دیکھ کر کہا۔ "بلّا بھائی! آپ مالک ہیں مختار ہیں۔ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ایک بات کہتا ہوں اگر اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے زخم کو نہ چھیڑیں۔"

فون بلّے کے کان سے لگا ہوا تھا۔ منور اس سے کہہ رہا تھا۔ "بلّے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ ایسے تو ہمارا باپ مر جائے گا۔ اسے مارنا نہیں ہے' زندہ رکھنا ہے۔ اسے زندہ رکھو گے تو باقی پانچ لاکھ روپے کی ادائیگی ہوگی۔ نقصان پہنچے گا تو ہم کس بات کی ادائیگی کریں گے؟"

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "میرا اپنا کام کرنے کا طریقہ ہے۔ پسند نہیں ہے تو میں نہیں کروں گا۔ تم کو اس کے ساتھ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے' یہ تم جانو۔ میں ادھر زیادہ سے زیادہ دس دنوں تک اسے رکھوں گا۔ اپنا کام نکالو اور اسے یہاں سے لے جاؤ یا کہیں مار کر پھینک دو۔ میری بلا سے یہ کوئی میرے باپ کا سگا نہیں ہے۔"

وہ اپنے دونوں باڈی گارڈز کے ساتھ وہاں سے باہر چلا گیا۔ اس کچے زخم سے اس قدر لہو بہہ رہا تھا کہ میرا نچلا لباس تربتر ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر لہو کو مزید رسنے سے روک رہا تھا اور میں تکلیف کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔ مگر مجھ پر کمزوری اس قدر غالب آگئی تھی کہ اب تڑپنے کے بجائے ہلکے ہلکے جھٹکے کھا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی مجھ پر غفلت طاری ہوگئی۔ میں پھر ایک بار بیہوش ہوگیا۔

یہ ہے بڑھاپا' کمزوری اور ذلّت... لعنت ہے' ایسی زندگی پر... اے جوانی میں تجھے پکار رہا ہوں۔ آجا۔ ورنہ موت تو آ ہی رہی ہے۔

☆☆☆

میں نے ڈائری بند کر کے موبائل فون میں وقت دیکھا۔ پھر اُن ڈھانچوں سے دور آ کر عصر کی نماز ادا کی۔ اپنے بیٹے کی حالت زار پر دل کڑھ رہا تھا۔ میں نے نماز کے بعد اُس کی صحت اور سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں۔ وہ بڑے ہی بے رحم حالات سے گزر رہا تھا۔

ہماری دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے' تخت و تاج کے لئے' دولت اور جائیداد کے لئے بھائی بھائی کو اور بیٹا باپ کو قتل کر دیتا ہے۔ لیکن میرے پوتے کچھ زیادہ ہی خود غرض اور بے رحم تھے۔

اُس کے ساتھ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ یہ پڑھنے کی بے چینی تھی۔ لیکن تہہ خانے میں اندھیرا چھا رہا تھا۔ جس دروازے سے داخل ہوا تھا' وہاں سے روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔

اب میں ریسٹ ہاؤس پہنچ کر ہی آگے پڑھ سکتا تھا۔

میں نے اپنے چرمی بیگ میں سونے کی اینٹیں اور ہیرے جواہرات رکھے پھر وہ تینوں ڈائریاں رکھ لیں۔ عمیر نے لاوہ انگوٹھی اور عصا کو کسی مصلحت سے وہاں چھپایا تھا۔ انہیں وہاں سے باہر لے جانا مناسب نہیں تھا۔

اُن ڈائریوں میں انگوٹھی اور عصا کے متعلق اہم باتیں ضرور لکھی گئی ہوں گی۔ آگے پڑھنے کے بعد ہی اِن کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا تھا۔

میں تہہ خانے سے اور اس غار سے نکل آیا۔ تیزی سے چلتا ہوا' کبھی دوڑتا ہوا ریسٹ ہاؤس پہنچا تو مغرب کی اذان ہورہی تھی۔ اب یہ میری عادت ہوگئی تھی' میں اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے اسم اعظم پڑھتا رہتا تھا۔ کبھی کسی آیت کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ خود کو زیادہ سے زیادہ عبادت کے لئے وقف کر چکا تھا۔ دنیا داری سے اس حد تک لگاؤ رہ گیا تھا کہ بیوی بچوں سے ملنے کے لئے دل مچل رہا تھا۔

وہ ڈائریاں دلاسہ دے رہی تھیں کہ میرے دل میں دھڑکنے والے میرے اپنے لہو کے رشتے مجھ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ میں بیٹے کی تحریر پڑھتے پڑھتے ان کے پاس پہنچنے ہی والا ہوں۔

میں ڈائری کھول کر پڑھنے لگا اس میں لکھا تھا...

''میری دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں خانہ جنگی جاری رہتی تھی۔ میری تین بیٹیاں اور تین بیٹے ایک دوسرے کے خلاف چالیں چلتے رہتے تھے۔ بڑی بیٹی نوشین اور بڑے بیٹے منور غازی نے دوسرے بھائی بہنوں کی لاعلمی میں مجھے اغوا کرایا تھا۔ ایسے وقت وہ نیویارک میں تھے۔ تاکہ ان پر کسی طرح کا الزام نہ آئے۔

میری باقی بیٹیاں اور بیٹے لندن میں تھے۔ جب اخبارات میں میرے اغوا کی خبر شائع ہوئی اور میرے وکیل اور مشیروں نے ان سب کو اطلاع دی تو وہ سب ہی پاکستان آنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

میرے دوسرے بیٹے مراد اور تیسرے بیٹے سلطان میں اتحاد تھا۔ اپنے بڑے بھائی منور غازی سے ان کی بنتی نہیں تھی۔

سلطان غازی نے مراد سے کہا۔ ''مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔''

مراد نے پوچھا۔ ''کیسی گڑبڑ....؟''

''بابا جانی کو بھلا کس نے اغوا کیا ہوگا؟ ہم اچھی طرح جانتے ہیں' پاکستان میں ان کا کوئی جانی دشمن نہیں ہے اور جس نے بھی اغوا کیا ہے' اس کی طرف سے بالکل خاموشی ہے۔ بابا جانی کی واپسی کے سلسلے میں کوئی بڑی رقم مانگی نہیں جارہی ہے۔''

مراد نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''یہ بات مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔ بار بار یہی خیال آرہا ہے کہ منور بھائی اور نوشین آپی نے کوئی چال چلی ہے۔''

''یعنی ہم سے مشورہ کئے بغیر انہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے؟''

''اُن کی نیت میں فتور ہے۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح بابا جانی سے چپ چاپ راز اگلوالیں۔ پوشیدہ سونے تک پہنچ جائیں اور ہمیں اس کی ہوا تک نہ لگنے دیں۔''

''یہ ہمارے بڑے بھائی اور تینوں بہنیں بہت ہی کم ظرف اور کمینے ہیں۔ پتہ نہیں بابا جانی نے کتنا سونا چھپا کر رکھا ہے؟ ابھی وہ ہاتھ نہیں آیا ہے' مگر اسے آپس میں بانٹنے سے پہلے ہمارے ساتھ بے ایمانی کی جارہی ہے۔''

سلطان نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کم ظرف اور کمینے تو ہم بھی ہیں۔ اپنے باپ کے ساتھ یہی کر رہے ہیں۔ چوروں اور بے ایمانوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ہم سے بڑی بھول ہوئی کہ اب تک اپنے بڑے بھائی اور بہنوں پر بھروسہ کرتے رہے۔''

''اب یہ غلطی نہیں کریں گے۔ انہوں نے بابا جانی کو اغوا کرانے کی چال چلی ہے۔ ہم ان کے آگے رکاوٹیں بنیں گے تو وہ اکیلے ہی اکیلے سارا مال ہڑپ نہیں کرسکیں گے۔''

مراد اور سلطان کی بیویاں اور جوان بچے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مراد کا بیٹا ارمان غازی بیس برس کا تھا۔ اس نے کہا۔ ''ابو! دادا جان نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے۔ ہم ساری عمر اس دولت کے ذریعے مزید دولت کماتے رہیں گے۔ پھر کیوں لالچ کریں؟ مجھے یہ سن کر شرم آرہی ہے کہ تایا ابو اور پھوپھی جان نے دادا جان کو اغوا کرایا ہے۔''

مراد نے کہا۔ ''تم خاموش رہو۔ بڑوں کے بیچ میں نہ بولو۔''

''بیشک آپ بزرگ ہیں۔ مگر میں بھی اب بچہ نہیں رہا۔ اتنا تو سمجھتا ہوں کہ جو میرے دادا جان کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ وہ میرے اپنے تایا اور پھوپھی ہونے کے باوجود میرے اپنے نہیں ہیں۔ دادا جان کے دشمن ہیں تو میرے بھی دشمن ہیں۔''

ارمان غازی کی ماں نے کہا۔ ''تمہارے ابو اور تمہارے سلطان چچا پاکستان جا کر یہی کرنے والے ہیں۔ تم بچے ہو یہ سمجھ نہیں رہے ہو کہ اس پوشیدہ سونے کو حاصل کرنا کتنا

ضروری ہے؟"

اس نے کہا۔"دل سے اور دماغ سے ہوس نکال دی جائے تو پھر دولت غیر ضروری ہوجاتی ہے۔"

مراد نے ناگواری سے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔"یہ تم نے کیسی اولاد پیدا کی ہے؟ جب دیکھو' ہمیں نقصان پہنچانے والی باتیں کرتا رہتا ہے۔"

ماں نے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔"دراصل اس نے آپ کے سائے میں پرورش پائی ہے' نہ تربیت حاصل کی ہے۔ ہمیشہ ہاسٹل میں رہتا آیا ہے۔ آئندہ آپ کے سائے میں رہے گا تو اپنے فائدے اور نقصان کو سمجھنے لگے گا۔"

ارمان نے کہا۔"سوری امی! میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ لندن میں رہ کر گزارا ہے۔ اس کے باوجود آپ کو امی اور ابو کو ابو کہتا ہوں۔ ڈیڈی یا پاپا نہیں کہتا۔ مجھے اپنا دین' اپنی تہذیب' اپنے رسم و رواج پسند ہیں۔ میں بالغ ہوں۔ اپنی زندگی آپ گزار سکتا ہوں۔ ابو سے کسی طرح کی تربیت حاصل نہیں کروں گا اور نہ ہی آپ لوگوں کے ساتھ پاکستان جاؤں گا۔"

یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ میرا ایک پوتا ارمان غازی اپنے باپ اور چچا وغیرہ سے بالکل مختلف ہے۔ ایسا نیک سیرت' ایسا سچا اور کھرا ہے کہ ماں باپ کے منہ پر بھی صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہہ دیتا ہے۔

چھ برس کی عمر سے اس کی رہائش لندن میں رہی۔ اس سے ملاقات بھی کم سے کم رہی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میرے دوسرے پوتے پوتیوں' نواسے اور نواسیوں سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اپنی بے انتہا مصروفیات کے باعث اسے کچھ زیادہ سمجھنے کا موقع نہیں ملا اور وہ بھی لندن میں اپنے خاندانی حالات سے بے خبر رہا کرتا تھا۔

بہرحال اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اپنے والدین کے ساتھ پاکستان نہیں جائے گا اور نہ ہی ان تمام رشتے داروں کی عزت کرے گا' جو اس کے دادا جان سے دشمنی کرتے چلے آرہے تھے۔

جب وہ اپنے والدین کے پاس سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا تو سلطان غازی کی بیٹی ماریہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ وہ بھی پچھلے تین برسوں سے لندن میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ وہاں کے فیملی ہاؤس میں رہنے لگی تھی۔

اس نے ارمان سے کہا۔"تم پاکستان نہیں جاؤ گے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔"

وہ بولا۔"تمہیں جانا چاہیے۔"

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔"اور تمہیں کیوں نہیں جانا چاہیے؟ جبکہ اپنے دادا جان کو چاہتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"

"تم کئی بار میرے سامنے دادا جان سے محبت کا دعویٰ کرچکی ہو۔ پھر وہاں کیوں نہیں جاؤ گی؟ میری وجہ سے یہاں کیوں رہو گی؟ ابھی فیصلہ کرو اور بولو میں اہم ہوں یا دادا جان؟"

"تم دونوں اہم ہو۔ مگر میں دادا جان کے پاس جانے کے لئے اپنا ایک بازو چھوڑ کر کیسے جاؤں؟"

ارمان نے اسے شوخ نظروں سے دیکھا۔ وہ گھور کر بولی۔"کیوں دیکھ رہے ہو؟"

اس نے پوچھا۔"تمہارے پیٹ میں کوئی بات رہے گی؟"

"آزما کر دیکھ لو۔ مجھ سے کچھ بھی بولو' میں کسی سے نہیں بولوں گی۔ تمہاری ہر بات میرے پیٹ میں نہیں میرے دل میں رہتی ہے۔"

"تو پھر سنو۔ میں بھی پاکستان جاؤں گا۔"

"سچ.....؟" وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ دونوں چند لمحوں تک مقناطیس بنے رہے۔ پھر ارمان نے کھنکارتے ہوئے پوچھا۔"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ جلدی سے الگ ہوگئی۔ دوسری طرف منہ پھیر کر اپنا سر کھجانے لگی۔ ارمان نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔"یہ ہم دونوں کا فیصلہ ہے ناں کہ گریجویشن ہونے تک فاصلہ رکھیں گے؟"

اس نے ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔"فیصلہ تو کیا تھا مگر پتہ نہیں کبھی کبھی کچھ ہوجاتا ہے۔ تم نے بھی تو ایک بار ایسی ہی حرکت کی تھی۔"

"ہاں۔ مگر سوری کہہ دیا تھا۔"

"تو چلو میں بھی سوری کہہ رہی ہوں۔ مگر یہ بات پکی ہے کہ تم پاکستان چل رہے ہو۔"

"ہاں مگر اپنے خاندانی قافلے کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ یہ آج شام کو جا رہے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ جاؤ گی۔ میں کل یا پرسوں کی فلائٹ سے وہاں پہنچوں گا مگر وہاں بھی سب سے دور دور رہوں گا۔"

وہ منہ پھلا کر بولی۔"دور رہنا ہے تو پاکستان جانے کا احسان نہ کرو۔"

"پہلے بات پوری طرح سن لیا کرو۔ میں جہاں بھی رہوں گا' تم سے رابطہ رکھوں گا۔ ہم چوری چھپے ملتے رہیں گے۔"

وہ خوشی سے تالی بجاتے ہوئے بولی۔ ''ہاں۔ چوری چھپے ملنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوگا۔ ایسی ملاقاتیں بڑی رومانٹک لگتی ہیں۔ پھر اپنے وطن کی مٹی.... مٹی سے انگڑائیاں لیتی ہوئی سوندھی سوندھی سی مہک پھر جانوروں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کا ترنم کیسا عجیب سا' سحر انگیز سا لگتا ہے۔ جیسے خیالوں میں بارات سج رہی ہو۔''

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بس کرو۔ بولتی ہو تو بولتی ہی چلی جاتی ہو۔ مجھے بھی تو کچھ بولنے دو۔ میں وہاں صرف رومانی داستان لکھنے نہیں جا رہا ہوں۔''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ ''تم وہاں بزرگوں کے درمیان رہ کر میرے لئے مخبری کرو گی۔ مجھے بتاتی رہو گی کہ دادا جان کے خلاف کون کس قسم کی کھچڑی پکا رہا ہے؟''

وہ بڑی شوخی سے بول رہی تھی۔ پھر اچانک سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''ہاں۔ ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ تایا ابو (منور) اور پھوپھی جان (نوشین) نے دادا جان کو کس طرح اغواء کرایا ہے اور انہیں کہاں چھپا کر رکھا ہے؟ بائی داوے جب معلوم ہو جائے گا تو تم کیا کرو گے؟''

''میں اپنے بزرگوں سے جھگڑا نہیں کروں گا۔ ہم ان کے سامنے ابھی بچے ہیں۔ وہ میری ایک نہیں چلنے دیں گے۔''

''یعنی ہم دادا جان کے لئے کچھ نہیں کر سکیں گے؟''

''کیوں نہیں کر سکیں گے؟ میں چپ چاپ کسی پولیس افسر سے رابطہ کروں گا۔ اس جگہ کی نشاندھی کروں گا' جہاں دادا جان کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم دور کھڑے تماشہ دیکھیں گے۔ پولیس والے خود ہی ہمارے بزرگوں سے نمٹ لیں گے۔''

وہ رقص کے انداز میں گھومتی ہوئی دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ''بڑا مزہ آئے گا۔ میں وہاں ایک ایک کی باتیں کان لگا کر سنتی رہوں گی تو دادا جان کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔''

وہ ارمان کے پاس سے چلی آئی۔ دوسرے کمرے میں اس کے اور ارمان کے والدین فون کے پاس بیٹھے ہوئے منور اور نوشین سے باتیں کر رہے تھے۔

مراد کہہ رہا تھا۔ '' بھائی جان! آپ نے ہمارے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے۔ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر وہ کام کیا ہے' جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً آپ لوگوں نے بابا جانی سے سونے کے بارے میں بہت کچھ اگلوایا ہوگا؟''

منور نے کہا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے تمہارے اور سلطان کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دیا ہے۔ یہ سوچا تھا کہ بابا جانی قابو میں آجائیں گے تو تمہیں خوشخبری سنائیں گے۔''

''پلیز بھائی جان! ہم کوئی نادان بچے نہیں ہیں۔ آپ ایسی باتیں کر کے اپنی غلطی پر پردہ نہ ڈالیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا ہے' اب صاف صاف بتائیں' بابا جانی نے وہ سونا کہاں چھپا کر رکھا ہے؟''

''مراد! تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم ان سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے ہیں۔ مگر وہ بہت ہی ڈھیٹ ہیں۔ یہ راز نہیں اگل رہے ہیں۔''

''ہم کل صبح تک وہاں پہنچیں گے۔ آپ ہمیں اُن کے پاس لے جائیں گے۔ ایک اکیلے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہم سب مل کر کوششیں کریں گے تو ضرور وہ خزانہ ہمارے ہاتھ لگے گا۔''

''بابا جانی کے پاس جانے کی بات نہ کرو۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ وہ یقیناً ہم پر بھی شبہ کر رہے ہوں گے۔ ہم میں سے کسی کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ جائیں گے۔ پھر بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ جو بات آج نہیں تو کل معلوم ہونے والی ہے وہ کبھی معلوم نہیں ہو سکے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم بحث نہیں کریں گے۔ مگر جب تک بابا جانی تک نہیں پہنچیں گے تب تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ ہم پاکستان آرہے ہیں۔ آپ کے ساتھ رہیں گے اور آپ کے پاس آنے والی ایک ایک فون کال کا حساب لیں گے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے' انہیں کن لوگوں کے ذریعے اغواء کرایا گیا ہے؟''

منور نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا پھر نوشین سے کہا۔ ''آپا! یہ بات چھپنے والی نہیں تھی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ بابا جانی کے اغواء ہوتے ہی یہ خبر بھائیوں تک پہنچ جائے گی۔ پھر وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اب وہ یہاں آرہے ہیں اور ہمارے سروں پر مسلط رہیں گے۔''

نوشین نے کہا۔ ''کیا کیا جائے؟ مجبوری ہے۔ انہیں حصہ دار بنائے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ خواہ مخواہ مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ پھر وہ خزانہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہمیں دونوں بھائیوں سے سمجھوتہ کرنا ہوگا۔ انہیں اپنے اعتماد میں لینا ہوگا۔''

مراد غازی اور سلطان غازی اپنی اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ منور' نوشین' زرمین' شرمین اور ان کے شوہروں سے صلح صفائی ہو گئی تھی۔ کیوں نہ ہوتی؟ کم از کم چالیس من سونا حاصل کرنا تھا اور اس کے لئے وہ ایک دوسرے کو سات خون معاف کر سکتے تھے۔

اُدھر اُن کے دل صاف ہو رہے تھے۔ اِدھر میرا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ بابر بلّا کی سفاکی اور سنگدلی کے باعث کچے زخم سے اس قدر خون بہہ چکا تھا کہ میں ایک مردے کی طرح بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا تھا۔ ہلنے جلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ میرے اندر جلد سے جلد خون پہنچانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔

رازداری بھی لازمی تھی۔ مجھے ہوسپٹل نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ خون پہنچانے کے انتظامات اسی خفیہ اڈے میں کیے جا رہے تھے اور اس سلسلے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ میرا ذہن جیسے تاریکیوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ آنکھوں کے سامنے کمرے کا ایک حصہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دیتا تھا۔ نہ میں سن سکتا تھا نہ ہی بول سکتا تھا۔

مجھے تو مرنا تھا۔ آج نہیں تو کل مرنے ہی والا تھا۔ مجھے اس دنیا سے جانے کا اتنا دکھ نہیں تھا' جتنا کہ میری بیٹیوں اور بیٹوں کو ہو رہا تھا۔ وہ بار بار بلّے سے پوچھ رہے تھے۔ "بابا جانی بچ پائیں گے یا نہیں؟ خدا کے لئے انہیں کسی طرح بچاؤ۔"

وہ کہتا تھا۔ "ڈاکٹر اپنی سی کوششیں کر رہا ہے۔ بس یہی کہتا ہے کہ تمہارے باپ کا بچ جانا ایک معجزہ ہوگا۔"

وہ سب بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔ ان کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ چشم تصور میں میری میت دیکھ رہے تھے۔ لیکن مجھے قبر میں اتارتے وقت انہیں میری میت کی جگہ چالیس من سونا دکھائی دے رہا تھا۔ سب ہی کے ذہن میں ایک ہی سوال چیخ رہا تھا کہ اتنا سارا سونا کہاں دفن کیا جا رہا ہے؟ کیا ہم ڈیڈی کی قبر دوبارہ کھودیں گے تو وہاں سے سونا نکلے گا؟

ایسی احمقانہ سوچ اور احمقانہ سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ بہرحال میری طبیعت سنبھلنے لگی۔ پہلے جیسی صحت نہیں رہی تھی۔ میں صرف تین دنوں میں پہلے سے آدھا ہو کر رہ گیا تھا۔ دیکھنے سننے اور بولنے کے قابل تو ہو گیا تھا۔ مگر یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ اور اس بیڈ پر بیمار کیوں پڑا ہوا ہوں؟

ڈاکٹر نے بلّے سے کہا۔ "یہ بچ تو گئے ہیں لیکن ان کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ یہ خود کو پہچان نہیں رہے ہیں۔"

بابر نے یہ بات منور کو بتائی۔ ایسے وقت تینوں بھائی فون کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ وائڈ اسپیکر آن ہوتا تھا اور وہ بابر کی آواز سنتے رہتے تھے۔ منور نے پوچھا۔ "بابا جانی کو اپنا نام تو یاد ہوگا؟"

اس نے کہا۔ "اسے کچھ یاد نہیں ہے۔ اب بولو اپنے اس باپ کا کیا کرو گے؟"

"اُن سے ہماری بات کراؤ۔"

بابر نے اپنا فون میرے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "بات کرو۔"

میں نے پوچھا۔ "کس سے کروں؟"

دوسری طرف سے مجھے منور کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو بابا جانی! میں آپ کا بیٹا منور غازی بول رہا ہوں۔"

میں نے سوچنے کے انداز میں کہا۔ "میرا بیٹا! کیا میں تمہارا باپ ہوں؟"

ادھر مراد اور سلطان نے فون کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "بابا جانی! آپ کا ایک بیٹا نہیں' تین بیٹے ہیں۔ میرا نام مراد غازی ہے۔ یاد کریں...."

سلطان نے کہا۔ "اور میرا نام سلطان غازی ہے۔ میں آپ کا چھوٹا اور بہت ہی لاڈلا بیٹا ہوں۔"

میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "جب تم سب میرے بچے ہو تو مجھ سے دور کیوں ہو؟ میرے پاس آؤ۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ' میں کون ہوں؟ مجھے اپنے بارے میں کچھ یاد کیوں نہیں آ رہا ہے؟"

"فکر نہ کریں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ اللہ نے چاہا تو آپ ہمارے لئے زندہ سلامت رہیں گے۔ ابھی ہم سوچتے ہیں' کس طرح آپ کا علاج کیا جائے اور یادداشت واپس لائی جائے؟ ہم تھوڑی دیر بعد آپ سے باتیں کریں گے۔ یہ فون اسے واپس کریں۔"

میں نے فون واپس کیا۔ وہ اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "اب بتاؤ کیا کرنا ہے؟"

منور نے کہا۔ "تھوڑی دیر انتظار کرو۔ ابھی ہم فون کریں گے۔ ہو سکتا ہے' تمہیں ان کی چوکیداری سے نجات مل جائے۔"

منور نے فون بند کرتے ہوئے دونوں بھائیوں کو دیکھا۔ مراد نے کہا۔ "ہماری قسمت اچھی ہے۔ ڈیڈی مرتے مرتے بچ گئے ہیں۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جتنی جلدی ہو سکے ان کے پیٹ سے بات نکالنی چاہئے۔"

نوشین نے کہا۔ "اس کی ایک ہی صورت ہے۔ انہیں اپنے فیملی ہوسپٹل میں لا کر رکھا جائے۔"

سلطان نے کہا۔ "آپ ہم سب کو پھنسوانے کی باتیں کر رہی ہیں۔ ان کی یادداشت

واپس آئے گی تو وہ سب سے پہلے ہمارے خلاف رپورٹ درج کرائیں گے۔"

نوشین نے کہا۔"وہ ہمارا فیملی ہوسپٹل ہے۔وہاں ہماری اجازت کے بغیر کوئی آتا جاتا نہیں ہے۔"

مراد نے کہا۔"ہوں۔ایسا ہوسکتا ہے۔ہمارے فیملی ہوسپٹل کا پورا عملہ باباجانی کا وفادار ہے۔ہم ان سب کی چھٹی کردیں گے۔پھر اپنی انگلیوں پر ناچنے والے ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کریں گے۔"

وہ سب اس بات پر متفق ہوگئے کہ مجھے ان غنڈوں کی قید سے نکال کر اپنی قید میں بڑی رازداری سے رکھا جائے گا۔ماریہ نے فون پر ارمان سے کہا۔"ہمیں دادا جان کا سراغ نہیں لگانا ہوگا۔انہیں فیملی ہوسپٹل میں لایا جارہا ہے۔اب تمہیں بھی گھر والوں سے چھپ کر رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہاں چلے آؤ۔ہم اپنے دادا جان کے قریب رہیں گے۔"

وہ بولا۔"میرے ابو اور تمہارے ابو یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں دادا جان کے خلاف کوئی سازش نہیں ہونے دوں گا۔وہ مجھے اپنی اولاد سمجھنے کے باوجود مجھ پر بھروسہ نہیں کریں گے۔اس ہوسپٹل میں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔جب دادا جان کے کام آنے کے لئے مناسب موقع ہاتھ آئے گا تو میں ضرور وہاں پہنچوں گا۔فی الحال تمہارے ذریعے ان کی خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔"

میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔اس کے باوجود دربدر ہورہا تھا۔اپنے گھر سے خود نہیں گیا تھا۔مجھے اغوا کیا گیا تھا اور اب خود واپس نہیں آرہا تھا۔مجھے لایا جارہا تھا۔

میری یادداشت گم ہوچکی تھی۔میں خود کو پہچان نہیں پارہا تھا۔اگر یادداشت بحال ہوجاتی' تب بھی یہ سمجھنے سے قاصر رہتا کہ اچانک ہی میرے برے دن کیوں آگئے ہیں؟ مجھے کن گناہوں کی سزائیں مل رہی ہیں؟

اس وقت میں اس انگوٹھی کو بھول گیا تھا۔جس میں لاوہ اسٹون جڑا ہوا تھا۔اب وہ میری انگلی میں نہیں تھا۔جکارتہ کی مسجد میں ان بزرگ نے کہا تھا۔"اپنے زائچے کے مطابق پتھر پہننا اچھا ہے۔زندگی میں بہتر مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں۔آسودگی ملتی رہتی ہے۔مگر اس کا گم ہونا نحوست لاتا ہے۔اسے سنبھال کر رکھو۔اگر یہ گم ہوجائے گا اور تم اسے دوبارہ پہن نہیں پاؤ گے تو نحوست تمہارا مقدر بن جائے گی۔فکروآلام تمہیں جینے نہیں دیں گے۔تم رفتہ رفتہ زندگی کی سانسوں سے محروم ہوتے چلے جاؤ گے۔"

اور اب میرے ساتھ یہی ہورہا تھا۔میں سمجھ نہیں پارہا تھا' ایسا کیوں ہورہا ہے؟ میں خود کو پہچان نہیں پارہا تھا کہ کون ہوں؟ زندگی کے ستر برس میں نے کہاں گزارے ہیں؟ کس طرح گزارے ہیں؟ اور وہ میری اولاد کہلانے والے مجھے کس طرح ایک خطرناک مجرم کی قید سے نکال کر اپنے فیملی ہوسپٹل میں لے آئے ہیں؟ کیوں لے آئے ہیں؟

منور اور نوشین نے اپنے اعتماد کے ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی تھیں۔تینوں بیٹیوں اور بیٹوں نے اس ہوسپٹل میں بستر بچھالئے تھے۔دن رات میرے ساتھ لگے رہتے تھے۔وہاں چار ڈاکٹر تھے۔وہ بڑی تندہی سے علاج کررہے تھے۔

پھر انہوں نے کہا۔"آپ کے ڈیڈی کو جو خون دیا گیا ہے۔وہ اب ری ایکٹ کررہا ہے۔کسی غیر ذمہ دار ڈاکٹر نے سوچے سمجھے بغیر چرسیوں موالیوں کا خون ان کے اندر پہنچادیا ہے۔"

تمام ڈاکٹر کوششیں کررہے تھے کہ مجھ میں ایک کے بعد دوسری بیماری پیدا نہ ہو۔ لیکن ایسا ہورہا تھا اور میں دن بہ دن کمزور ہوتا جارہا تھا۔اپنے آپ کو چھو کر دیکھتا تھا تو ہڈیوں کا ڈھانچہ لگتا تھا۔داڑھی اور سر کے سفید بال بڑھ گئے تھے۔میری زندگی اور سلامتی چاہنے والوں کو میرا حلیہ درست رکھنے کی فکر نہیں تھی۔کبھی کبھی کوئی وارڈ بوائے گیلے کپڑے سے بدن پونچھ دیتا تھا۔وہی میرا غسل ہوجایا کرتا تھا۔

پتہ نہیں کتنے دن اور کتنے مہینے گزرتے جارہے تھے؟ اگر یہ اُمید نہ ہوتی کہ میں صحت مندی اور توانائی حاصل کروں گا تو شاید حوصلہ ہار کر اس دنیا سے اٹھ چکا ہوتا۔امید سب سے بڑی قوت ہے۔یہی انسان کے اندر آگے جینے کی امنگ پیدا کرتی ہے اور میں صرف جینا نہیں چاہتا تھا۔اپنے بڑھاپے کو بھی مات دے دینا چاہتا تھا۔میری گزری ہوئی جوانی مجھے پکارتی رہتی تھی اور میں اس کی صدائے بازگشت میں بھٹکتا ہوا اب تک جی رہا تھا۔

ایک رات میں نے خواب میں کسی بزرگ کو دیکھا۔اس سے پہلے بھی انہیں خوابوں میں سرسری طور پر دیکھتا رہا تھا۔وہ سفید لبادے میں تھے' سر اور داڑھی کے بال بھی چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ایک ہاتھ میں عصا تھا۔وہ نیم تاریک راہوں سے گزرتے دکھائی دیتے تھے اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے تھے۔میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔اٹھنے کی کوشش کرتا تھا مگر گر پڑتا تھا۔

اُس رات میں نے خواب میں بڑے حوصلے سے کام لیا۔پوری طرح اٹھ نہ سکا۔مگر

چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ بعد میں میرا سر چکرایا تو گر پڑا۔

جب آنکھ کھلی تو سوچنے لگا۔ ''وہ کون تھے اور میں اُن کے پیچھے کہاں جا رہا تھا؟''

دیر تک سوچتے رہنے کے بعد یاد آیا کہ میں ایک کھنڈر میں تھا۔ اُن کے پیچھے چلتا ہوا ایک سرسبز وشاداب باغ میں پہنچ گیا تھا۔

امیدیں جوان رکھتی ہیں اور خواب حوصلہ دیتے ہیں۔ وہ خواب ایک اشارہ تھا کہ میں بڑھاپے کے کھنڈر سے نکل کر جوانی کی باغ و بہار میں پہنچنے والا ہوں۔

ایک رات میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ دوسرے دن دیر تک سوتا رہا۔ ایسے وقت بیداری کے باوجود میری آنکھیں بند تھیں۔ میں اپنے آس پاس کی دھیمی دھیمی سی آوازیں سن رہا تھا۔

نوشین بیزار ہو کر کہہ رہی تھی۔ ''بڑے میاں نے پریشان کر رکھا ہے۔ چھ مہینے گزر چکے ہیں۔ ڈاکٹر کوششیں کر رہے ہیں مگر ان کی یادداشت بحال نہیں ہو رہی ہے۔ میرے تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔''

سلطان نے کہا۔ ''لبریز ہو جائے' چھلک جائے' تب بھی صبر کرنا ہوگا۔ ہمارے لئے فی الحال یہی بہت ہے کہ یہ سانسیں لے رہے ہیں۔ کسی نہ کسی دن یادداشت ضرور واپس آئے گی۔''

منور نے کہا۔ ''جس دن یہ خود کو پہچانیں گے۔ اسی دن ہم سب ان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ یہ بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ پہلے کی طرح ڈھٹائی سے انکار نہیں کر سکیں گے۔ یہ اب بھی ارب پتی ہیں۔ ہمارے نام وصیت ضرور لکھیں گے اور ہمیں ضرور اس سونے تک پہنچائیں گے۔''

میں ان کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا۔ پہلے نوشین کی آواز سنائی دی تھی۔ پھر سلطان اور منور بول رہے تھے۔ یعنی میں اپنے بچوں کو پہچاننے لگا تھا۔ تب میں نے اپنے متعلق سوچا تو سب کچھ یاد آ گیا۔ جب یاد آیا تو اپنی اولاد کی کم ظرفی اور کمینگی بھی یاد آ گئی۔

اس وقت میری ایک بیٹی زرمین کہہ رہی تھی۔ ''ہم چھ ماہ سے انتظار کر رہے ہیں۔ یہ زندہ رہنے کے باوجود ہمارے لئے مردے سے بدتر ہیں۔ مجھے امید نہیں ہے کہ ان کی یادداشت واپس آئے گی یہ ہمیں مطلوبہ سونے تک پہنچائیں گے۔''

مراد نے کہا۔ ''مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ ان کی یادداشت بحال ہونے دو۔ پھر

دیکھنا! ہم کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے چھپے ہوئے خزانے تک پہنچیں گے؟''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ منور نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ جاگ رہے ہیں۔ اب آنکھیں کھولنے والے ہیں۔ ڈاکٹر کو بلاؤ۔ وہ معائنہ کرے گا۔ خدا کرے معجزہ ہو جائے۔ ان کی یادداشت واپس آ جائے۔''

میرے تمام بچے یقیناً پچھلے چھ ماہ سے یہی دعائیں مانگتے آ رہے تھے اور اب وہ دعائیں قبول ہو چکی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ جسمانی طور پر اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ ہاتھ پاؤں ہلا نہیں سکتا تھا۔ مجھے کھلاتے پلاتے وقت سہارا دے کر بٹھایا جاتا تھا۔

وہ سب مجھے پرامید نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے آنکھیں کھلتے ہی خود کو پہچان لوں گا۔ پھر ان سے محبت کا یا نفرت کا اظہار کروں گا۔ فی الوقت ان کی ایک ہی آرزو تھی کہ بلا سے نفرت ہی کروں مگر خود کو پہچان لوں۔ اس کے بعد وہ سونے تک پہنچنے کے کئی حربے مجھ پر آزما سکتے تھے۔

ڈاکٹر نے آ کر میرا معائنہ کیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو مسٹر...!''

وہ ذرا رک گیا۔ پھر بولا۔ ''میں مسٹر کے بعد نام نہیں لیتا ہوں۔ چاہتا ہوں' آپ خود اپنا نام بتائیں؟''

میں نے ایک ایک بیٹی اور ایک ایک بیٹے کو باری باری دیکھا۔ وہ مجھے ایسے تک رہے تھے' جیسے میں اب تب میں کوئی خوشخبری سنانے والا ہوں۔

میں نے کہا۔ ''ڈاکٹر! نام میں کیا رکھا ہے؟ میرا کوئی سا بھی نام رکھ لیں۔ کسی طرح یہ معلوم کریں' آخر میں کب تک خود کو پہچان سکوں گا؟''

وہ سب مایوس ہو گئے۔ ڈاکٹر نے منور سے کہا۔ ''میں آپ کو پہلے ہی مشورہ دے چکا ہوں' ان کی یادداشت واپس لانے کے لئے ضروری ہے کہ پچھلی باتیں یاد دلائی جائیں۔''

منور نے کہا۔ ''ہم انہیں یاد دلاتے رہتے ہیں۔''

''صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ انہیں ان تمام مقامات پر لے جائیں' جہاں یہ ہمیشہ جاتے رہے ہیں۔ جہاں یہ زیادہ رہنا پسند کرتے تھے۔ وہاں انہیں کچھ دنوں تک رکھا جائے۔''

نوشین نے کہا۔ ''سوری ڈاکٹر! آپ کوئی دوسرا مشورہ دیں۔ ہم انہیں ہوسپٹل سے باہر نہیں لے جائیں گے۔''

منور نے کہا۔ ''ہم رازداری کے سلسلے میں تم چاروں ڈاکٹروں کو بھاری معاوضہ

دے رہے ہیں۔ کسی بھی تدبیر سے ان کی یادداشت واپس لاؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں' تم میں سے ہر ڈاکٹر کو پچیس پچیس لاکھ روپے دیں گے۔"

ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی۔ وہ شائد مایوس ہو چکا تھا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ میری یاد داشت بحال نہیں ہو پائے گی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔"مسٹر! آپ تنہائی میں اپنے متعلق سوچتے تو ہوں گے؟ کیا پچھلی کوئی بات یاد نہیں آتی ہے؟ کیا خواب میں ایسا کوئی منظر دیکھتے ہیں' جو آپ کو اپنے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتا ہو؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔"میں بار بار ایک ہی منظر دیکھتا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ چار انچ کی اینٹیں کیوں نظر آتی ہیں؟"

میری تمام اولاد نے ناگواری سے منہ بنایا۔ وہ سونے کی تلاش میں تھے اور میں اینٹ پتھر کی باتیں کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔"ان اینٹوں کے بارے میں بتائیں' انہیں کیوں دیکھتے ہیں؟ وہ اینٹیں کیسی ہوتی ہیں؟"

میں نے کہا۔"وہ سونے کی ہوتی ہیں۔"

میری بیٹیاں اور بیٹے یوں اچھل پڑے۔ جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔"سونے کی اینٹیں.....؟"

سلطان نے پوچھا۔"وہ سونے کی اینٹیں آپ کہاں دیکھتے ہیں؟"

میں جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ منور نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر ڈاکٹر سے کہا۔"پلیز۔ تم یہاں سے جاؤ۔ ضرورت ہوگی تو ہم تمہیں بلائیں گے۔"

وہ وہاں سے جانے لگا۔ وہ سب بڑی بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کے باہر جاتے ہی ایک نے دوڑتے ہوئے جا کر دروازے کو اندر سے بند کیا پھر واپس میرے پاس آ گیا۔

منور نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے پوچھا۔"ہاں تو آپ کہہ رہے تھے' سونا دیکھا ہے۔ پلیز بتائیں' کہاں دیکھا ہے؟"

میں خلاء میں یوں تکنے لگا' جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر میں نے کہا۔"ہر دوسرے یا تیسرے دن خواب میں دیکھتا ہوں' پھر بھی پوری طرح دیکھ نہیں پا رہا ہوں۔"

مراد نے کہا۔"آپ وہ بتائیں' جو اب تک دیکھتے آئے ہیں؟"

میں نے کہا۔"میں نے چار انچ کی بہت ساری اینٹیں دیکھی ہیں۔ وہ سب خالص

سونے کی ہوتی ہیں۔ میں ہاتھ بڑھا کر انہیں چھونا چاہتا ہوں تو پتہ چلتا ہے' وہ موجود تو ہیں مگر میں انہیں چھو نہیں پا رہا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں نہیں آ رہی ہیں۔"

وہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ میں نے کہا۔"دوسری بار میں نے دیکھا' وہ تمام اینٹیں زمین پر بچھی ہوئی ہیں اور ان پر مٹی پڑتی جا رہی ہے۔ وہ چھپتی جا رہی ہیں۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو میری آنکھ کھل گئی۔"

سلطان نے پوچھا۔"جہاں وہ سونا مٹی میں چھپ رہا تھا وہ جگہ تو آپ کو یاد ہوگی؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"نہیں۔ مجھے تو صرف سونا ہی سونا دکھائی دے رہا تھا۔"

منور نے کہا۔"سلطان! تم بیچ میں نہ بولو۔ ہم میں سے کوئی نہ بولے انہیں روانی سے بولنے دو۔"

میں نے پھر خلاء میں تکتے ہوئے کہا۔"ابھی جب سو رہا تھا تو ایک قبرستان میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں وہ سونے کی اینٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔"

بیٹیاں آس پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ پہلو بدلنے لگیں۔ بیٹے میرے اور قریب آ گئے۔ میں نے کہا۔"وہاں ایک بڑی سی چار دیواری میں ایک قبر تھی۔ اس چار دیوار پر سبز رنگ کے ٹائلز لگے ہوئے تھے۔ اس کے دروازے پر جلی حروف میں مرنے والے کا نام لکھا گیا تھا۔ میں دروازے پر پہنچا تو وہ آپ ہی آپ کھل گیا۔ اندر اس قبر پر سرخ چادر پڑی ہوئی تھی۔ ان لمحات میں میری نظریں ایکسرے کی طرح پختہ قبر کے آر پار دیکھ رہی تھیں۔"

ایک نے بے چینی سے پوچھا۔"آپ کیا دیکھ رہے تھے؟"

میں نے کہا۔"اس قبر میں کوئی لاش نہیں تھی۔ دور تک سونے کی اینٹیں بچھی ہوئی تھیں۔"

نوشین نے منور کا ہاتھ تھام کر کہا۔"قبرستان۔۔۔"

منور نے کہا۔"ہاں۔ بڑی سی چار دیواری اور اس دیوار پر سبز رنگ کے ٹائلز لگے ہوئے ہیں۔"

مراد نے مجھ سے پوچھا۔"مرنے والے کا نام دروازے پر لکھا ہوا تھا۔ آپ نے پڑھا ہوگا؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ایک طرف سے منور نے اور دوسری طرف سے

مراد نے میرے بازوؤں کو تھام کر پوچھا۔ ''وہاں کس کا نام لکھا ہوا تھا؟''

میں نے کہا۔ ''وہاں بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا۔عمیر بن غازی....''

سلطان نے جھنجھلا کر کہا۔ ''آپ کیسی بکواس کر رہے ہیں؟ عمیر بن غازی تو آپ کا نام ہے؟ آپ زندہ ہیں پھر وہاں قبر اور چار دیواری کیسے بن جائے گی؟ کون وہاں بنائے گا جبکہ اولاد ہم ہیں۔ہم ہی کسی قبرستان میں لے جا کر آپ پر مٹی ڈالیں گے۔''

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا میرا نام عمیر بن غازی ہے؟''

مراد نے کہا۔ ''ہاں۔یہ آپ کا نام ہے۔آپ بے تکا خواب بیان کر رہے ہیں۔''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں۔پھر تو میں سچا خواب بیان کر رہا ہوں۔''

ان سب نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔میں نے کہا۔ ''خواب سچا ہے۔اگر میں وہاں مدفون سونے تک پہنچا ہوں تو اس کا مطلب ہے' وہ سونا میرا ہے۔اسی لئے وہاں میرا نام دکھائی دیا تھا۔مگر میں اسے بھولا ہوا ہوں اور خواب میں بھٹکتا ہوا صحیح جگہ پہنچ گیا ہوں۔''

میری یہ بات ان سب کے دلوں میں تیر کی طرح لگی۔سب ہی قائل ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور تائید میں سر ہلانے لگے۔ایک نے کہا۔ ''ہاں۔یہ ایک طرح کا اشارہ ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''وہ قبر اور چار دیواری کسی کی بھی ہو' مگر بابا جانی کی رہنمائی کے لئے انہیں وہ نام دکھائی دیا ہے۔''

نوشین نے کہا۔ ''خواب ایسے ہی بے ترتیب اور بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔مگر ان کے پیچھے بڑی گہرائی ہوتی ہے۔ہمیں اس گہرائی تک پہنچنا چاہئے۔اس خواب کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔''

''یہ بھی تو معلوم ہو' وہ کون سا قبرستان ہے؟''

شرمین نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس شہر میں کئی قبرستان ہیں۔آپ کہاں گئے تھے؟''

میں لالچی اولاد کو الجھا رہا تھا۔وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ میری یادداشت بحال نہیں ہوئی ہے۔میں شرمین کو خالی خالی نگاہوں سے تکتے ہوئے بولا۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ قبرستان کہاں ہے؟''

مراد نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں ہم ڈھونڈ لیں گے۔آپ اس سبز رنگ کی ٹائلز والی

چار دیواری کے بارے میں کچھ اور بتائیں؟''

میں نے کہا۔ ''کیا بتاؤں؟ بس اتنا یاد ہے' وہاں ہر طرف خوش رنگ پھولوں کے پودے تھے۔جن میں گلاب کے پودے بہت زیادہ تھے۔''

منور نے کہا۔ ''فی الحال اتنا کافی ہے۔ہم یہاں کے ایک ایک قبرستان میں جائیں گے اور اس چار دیواری کو تلاش کریں گے۔سبز رنگ کی ٹائلز کی دیواریں اور بیشمار گلاب کے پودے....اتنا کافی ہے۔ویسے آپ ہر روز یہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ہوسکتا ہے' ابھی نیند آ جائے اور خواب میں اس سے بھی آگے کچھ اور دیکھ سکیں۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ایسا ہوسکتا ہے لیکن جب نیند آئے گی' تب خواب دیکھوں گا۔''

سلطان نے کہا۔ ''یہ کون سی بڑی بات ہے؟ ابھی ڈاکٹر آپ کو خواب آور دوائیں کھلائے گا تو آپ فوراً سو جائیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔میں نے کئی بار آزمایا ہے۔جب نیند کی دوائیں کھلائی جاتی ہیں تو مجھے کوئی خواب دکھائی نہیں دیتا۔میں بیہوشی کی نیند سوتا رہتا ہوں۔جب سوچتے سوچتے آنکھ لگ جاتی ہے' تب ہی وہ سونے کی اینٹیں دکھائی دیتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔آرام سے پڑے رہیں۔یہ بیٹیاں آپ کے پاس رہیں گی۔آپ کا خیال رکھیں گی۔ہم تینوں بھائی جا رہے ہیں۔''

وہ تینوں کمرے سے باہر آئے تو بہنیں بھی باہر آ گئیں۔شرمین نے کہا۔ ''میرے میاں بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔''

زرمین نے بھی یہی کہا۔منور نے کہا۔ ''اپنے بھائیوں پر کچھ تو اعتماد کرو۔کیا ہمیں اس قبر اور چار دیواری کا سراغ ملے گا تو ہم تمہیں نہیں بتائیں گے؟ سارا سونا وہاں سے نکال کر کہیں لے جائیں گے؟''

نوشین نے کہا۔ ''ہمارے شوہر حضرات تم لوگوں کے کاندھوں پر بیٹھ کر نہیں جائیں گے۔لہٰذا اعتراض نہ کرو۔انہیں بھی ساتھ لے جاؤ۔''

منور نے کہا۔ ''یہ نہ سمجھو کہ ہمیں منزل مل گئی ہے۔آگے بڑی رکاوٹیں ہیں۔پتہ نہیں وہ کس کی قبر ہوگی؟''

سلطان نے کہا۔ ''جیسی چار دیواری بتائی جا رہی ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں کوئی رئیس اعظم ہی ابدی نیند سو رہا ہے۔''

مراد نے کہا۔ ”اوراس کے امیر کبیر رشتے دار ہمیں کبھی وہاں کھدائی کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہم لاکھوں کروڑوں روپے دے کر بھی اس قبر کو اور اس زمین کو خرید نہیں سکیں گے۔“

میں نے جان بوجھ کر ایسی قبر کا ذکر کیا تھا۔ جس کے کتبے پر ایک بدنام زمانہ سیاستدان کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے حکمران پارٹی میں رہ کر قومی خزانہ لوٹا تھا۔ اگر میرے بیٹے کسی ہیرا پھیری سے وہاں کھدائی کرتے' اس قبر کی بے حرمتی کرتے تو میرا ضمیر مطمئن رہتا کہ مرنے کے بعد اس سیاستدان کو کچھ تو سزا مل رہی ہے۔

میں نے ڈائری بند کردی۔ دل خوش ہوگیا۔ میرا بیٹا بیماری اور انتہائی کمزوری کی حالت میں حاضر دماغی سے کام لے رہا تھا۔ اپنے لہو کے رشتوں کو' لہو کے پیاسوں کو سونے تک پہنچانے کے بجائے الجھا رہا تھا۔

میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سوچنے لگا۔ ”عمیر کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟“

جواب سمجھ میں آیا.... سونا.... وہ سونا اور ہیرے جواہرات جنہیں ستر برس پہلے میں نے حاصل کیا تھا۔ وہ میرے بیٹے کے لئے وبال جان بن گئے تھے۔ اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاں سونے کے علاوہ بیش قیمت ہیرے جواہرات بھی ہیں۔ اس خفیہ خزانے کا علم ہوتا تو وہاں تک پہنچنے کے لئے وہ پاگل ہو جاتے۔ اب بھی باؤلے کتے تھے' اپنے باپ کو نوچ کر کھا رہے تھے۔

میں ابھی تنہا تھا۔ لیکن ڈائری پڑھتے وقت اپنے خاندان میں دور تک پھیلے ہوئے رشتہ داروں میں پہنچ جاتا تھا۔ عمیر نے اب تک اپنی ماں ساجدہ کا اور بہن رابعہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ڈائری پڑھتے وقت مجھے اپنے خاندان میں یہ دو ہستیاں نہیں مل رہی تھیں۔

امید تھی کہ ڈائری کے کسی حصے میں ان کا ذکر ہوگا۔ فی الحال یہ یقین تھا کہ میرا بیٹا خیریت سے ہے۔ تب ہی انگوٹھی' عصا اور ڈائریاں تہہ خانے میں چھوڑ کر گیا ہے۔ اب وہ بیمار اور کمزور نہیں ہے۔ اتنا شہہ زور ہے کہ اُس تہہ خانے میں دو دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔

ایک خیال ذہن میں آیا' کیا عمیر کے تین بیٹوں میں سے دو بیٹوں نے تہہ خانے تک اس کا پیچھا کیا تھا اور خزانہ حاصل کرنے کے لئے باپ کو مار ڈالنا چاہتے تھے؟ پھر خود اس کے ہاتھوں مر گئے تھے؟

ہاں۔ ایسا ہوا ہوگا۔ یا اس تہہ خانے میں اور کوئی ایسی واردات ہو چکی تھی' جو ابھی سمجھ

میں نہیں آ رہی تھی۔ آگے پڑھنے کے بعد ہی حقیقت معلوم ہو سکتی تھی۔

عجیب معاملہ تھا' اُس ڈائری کو کھولتے ہی مجھے اپنی ساجدہ اور بچوں کا پتہ ٹھکانہ معلوم ہونا چاہئے تھا۔ مگر میرا بیٹا اپنی درد بھری روداد لکھتا جا رہا تھا۔ وہ روداد مجھے متاثر کر رہی تھی۔ مجھے آگے پڑھنا تھا۔ ساجدہ اور بچوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔ لیکن یہ سوچا کہ صبح اٹھ کر پڑھوں گا۔ فی الحال اُس خزانے کے متعلق سوچنا چاہئے۔

میرا بیٹا انگوٹھی اور عصا حاصل کرنے کے لئے کسی دن بھی اُس تہہ خانے میں آ سکتا تھا۔ مجھے کچھ ایسا کرنا تھا کہ وہ تہہ خانہ' وہ شکارگاہ ہمیشہ میری نظروں میں رہے۔

اور یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

مجھے دن رات پہرہ دینے کے لئے اس شکارگاہ میں رہنا ہوگا۔ کیا میں تمام مصروفیات چھوڑ کر ایک ہی جگہ رہ سکتا تھا؟ نہیں۔ یہ ممکن نہیں تھا۔ ریاست کا خاتمہ ہونے کے بعد وہ شکارگاہ سرکاری ملکیت بن گئی تھی۔ اسے مقفل رکھا جاتا تھا۔ یوں بھی اس جنگل میں کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہاں میرا جانا آنا ضروری ہوگیا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر یہ تدبیر ذہن میں آئی کہ میں ہندوستانی شہری ہوں۔ یہاں زمین خرید کر رہائش اختیار کر سکتا ہوں۔ جنگل کا وہ حصہ خرید سکتا ہوں' جہاں وہ شکارگاہ ہے۔

میں نے اس تدبیر پر اچھی طرح غور کیا۔ پھر اسی وقت فون کے ذریعہ ایڈورڈ تھامپسن اور جان برائٹ کو مخاطب کیا۔ وہ کبھی میرے دشمن تھے۔ لیکن ایک ساتھ نئی زندگی پانے کے بعد بہترین دوست بن گئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہندوستان میں ایک ویران جنگل کا کچھ حصہ خرید کر وہاں رہائش اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یو کے اور یورپی ممالک کے طبی مراکز سے اور Lad آرگنائزیشن سے میری حمایت میں سفارش کرائیں۔ میں انڈیا کے اعلیٰ حکام سے اپیل کر رہا ہوں۔

انہوں نے کہا۔ ”یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم نے اپنی پسند کے مطابق فرانس کے ایک علاقے میں زمینیں حاصل کی ہیں۔ تم انڈیا کے باشندے ہو' تمہیں بھی سرکار کی طرف سے من پسند زمین الاٹ کی جائے گی۔ تم وہاں کاغذی کارروائی شروع کرو۔ ہم یہاں کوشش کرتے ہیں۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔“

ان کی طرف سے حوصلہ ہی نہیں' بھرپور تعاون بھی حاصل ہوا۔ میں نے دہلی جا کر ایک کرائے کے مکان میں رہائش اختیار کی۔ پھر جنگل کے اس حصے کو خریدنے کے سلسلے میں

مصروف ہوگیا اور مصروفیات کے دوران اپنے بیٹے کی ڈائری پڑھتا رہتا تھا۔

میری داستان میں میرے بیٹے کی داستان بھی شامل ہو رہی ہے۔ زندگی کے اس موڑ پر عمیر بن غازی کے حالات پیش کرنا لازمی ہوگیا ہے۔ لہٰذا اس جنگل کی خریداری مکمل ہونے تک ڈائری کے یہ اوراق پیش کر رہا ہوں۔

عمیر اپنے ہی تعمیر کردہ ہسپتال کے ایک کمرے میں بیمار اور لاچار پڑا ہوا تھا۔ جسمانی طور پر بے حد کمزور ہوگیا تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کی یادداشت واپس آ گئی تھی۔ لیکن بیٹوں' بیٹیوں اور بہوؤں کے سامنے یہی ظاہر کر رہا تھا کہ وہ تمام رشتہ داروں کو اور خود بھولا ہوا ہے۔

اب وہ اپنی خودغرض اولاد کو الو بنا رہا تھا۔ اس نے ایک جھوٹا خواب ان کے سامنے بیان کیا تھا۔ اس خواب کے مطابق چالیس من سونا ایک امیر کبیر سیاستداں کی قبر میں چھپا ہوا تھا۔

اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس قبر کی پختہ چاردیواری شہر کے کس قبرستان میں ہے؟ اس کی نشانی یہ بتائی تھی کہ اس کی دیواریں سبز ٹائلز کی ہیں۔ وہاں خوش رنگ پودے ہیں۔ جن میں گلاب کے پودے زیادہ ہیں۔

تینوں بیٹے اور داماد اس قبر کو تلاش کرنے کے لئے فوراً ہی ہسپتال سے چلے گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ شہر کے تمام قبرستانوں میں جا کر اس سبز ٹائلز والی چاردیواری اور گلاب کے پودوں کو ڈھونڈ نکالیں گے۔

اس کے بعد میں ڈائری کو کھول کر پڑھنے لگا۔ عمیر نے لکھا تھا.....

''میں آنکھیں بند کئے بستر پر پڑا تھا۔ ایسے وقت نازک سی انگلیاں میرے سر کو سہلانے لگیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سلطان کی بیٹی میری پوتی ماریہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک بڑی محبت سے میری آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر بولی۔'' دادا جان! آپ کب خود کو پہچانیں گے؟ کب اپنی حالت زار کو سمجھیں گے؟''

وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''مگر سمجھ کر بھی کیا کریں گے؟ آپ ایسے بدنصیب ہیں کہ اپنے ہی گھر میں بے یار و مددگار ہیں۔ ارمان آپ کے لئے بہت پریشان رہتا ہے۔ دن رات سوچتا رہتا ہے کہ کس طرح آپ کو یہاں سے نکال کر کہیں دور لے جائے۔ ہم اپنے بزرگوں کے خلاف آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ ہمارے یہ بزرگ قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ لہو کے رشتے کی توہین کر رہے ہیں۔ بھلا

یہ ہماری کیا چلنے دیں گے؟''

وہ بڑی محبت اور جذبے سے اور بڑے دکھ سے بول رہی تھی۔ ''ہم آپ کو کہیں دور لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ صحت مند ہو جائیں گے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے تو اپنی اولاد کو خاطر خواہ سزائیں دے سکیں گے۔ مگر ایسا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ آپ کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ہیں۔''

ایسا کہتے کہتے وہ رونے لگی۔ اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھنے لگی۔ میرا دل چاہ رہا تھا ابھی اٹھ کر اسے گلے سے لگا لوں۔ تھپک تھپک کر تسلیاں دوں۔ ایک مدت کے بعد مجھے اپنی کسی اولاد سے محبتیں مل رہی تھیں۔ میری تمام بیٹیاں اور بیٹے بھی زبان سے محبت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا' ماریہ پر بھی کس حد تک اعتماد کرنا چاہئے؟ ہوسکتا ہے' وہ اپنے والدین کی روش پر چلتی ہوئی مکاری سے میرا دل جیتنے آئی ہو؟

حقیقت جو بھی ہو۔ اس کے آنسو میری تقدیر نہیں بدل سکتے تھے۔ ایک بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ مقدر میں زندگی ہے تو میں صرف اس وقت تک جی سکتا ہوں جب تک اپنی اولاد کو یادداشت گم ہونے کا یقین دلاتا رہوں۔ ہوسکتا ہے' تب تک میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں اور اپنے لئے کچھ کر سکوں۔

موجودہ حالات میں صرف ایک امید تھی' جس کے سہارے جی رہا تھا۔ ماریہ چھپ کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔ شائد پہلے بھی آتی ہوگی اور ایسی ہی باتیں کرتی ہوگی۔ آج یادداشت بحال ہونے کے بعد پہلی بار اس کی زبان سے اپنے پوتے ارمان غازی کے متعلق بہت کچھ سن رہا تھا۔

دل کی گہرائیوں سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ میرے لہو کے رشتوں میں کوئی ایک تو ایسا ہو' جو دل میں کینہ اور کدورت نہ رکھتا ہو۔ اپنے دادا کی طرح صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہتا ہو۔ میری اس جوان نسل میں کوئی تو ہو جو یہ ثابت کر دے کہ سب ہی کا لہو پانی نہیں ہوتا۔ یا خدا! میرے ایک ہی پوتے کو سہی' میرا سچا وارث بنا دے۔

میں جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا اور بے چینی سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ ماریہ نے میرا ایک ہاتھ تھام کر پوچھا۔'' آپ اس طرح کیوں لرز رہے ہیں؟ خیریت تو ہے؟ کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟''

میں نے انکار میں سر ہلایا پھر کہا۔'' ٹھیک ہوں۔ تم بڑی محبت سے بول رہی ہو تو

اچھا لگ رہا ہے۔"

"آپ کو مجھ سے اور ارمان سے بہت ساری محبتیں ملیں گی۔بس کسی طرح خود کو پہچان لیں۔"

وہ میرے ایک ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی۔"آپ خود کو نہیں پہچانیں گے' تب بھی موقع ملتے ہی ہم آپ کو یہاں سے کہیں دور لے جائیں گے۔جیسا آپ کا علاج ہونا چاہئے' یہاں ویسا نہیں ہو رہا ہے۔"

وہ کہتے کہتے چپ ہوئی۔پھر میری ایک انگلی کو تھام کر بولی۔"آپ کی انگوٹھی کہاں ہے؟میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے' تب سے اس انگوٹھی کو دیکھتی آرہی ہوں۔آپ ہمیشہ اسے پہنے رہتے تھے۔"

اس بات نے مجھے چونکا دیا۔اچانک ہی مجھے لاوہ اسٹون والی انگوٹھی یاد آئی۔میں نے اس ہاتھ کو آنکھوں کے سامنے لاکر دیکھا تو انگوٹھی والی انگلی خالی تھی....وہ لاوہ پتھر سعد پتھر....کہاں ہے؟

میں اسے ایسے پہن کر رہتا تھا' جیسے وہ میرے جسم کا ایک اٹل حصہ ہو۔بزرگ نے سمجھایا تھا' اسے سنبھال کر رکھا جائے۔اسے گم نہیں ہونا چاہئے۔مگر وہ آپ ہی آپ میری انگلی سے نکل کر کہاں چلی گئی تھی؟

وہ خود ہی انگلی سے نکل نہیں سکتی تھی۔یقیناً نکالی گئی ہوگی۔کوئی اس انگوٹھی اور لاوہ پتھر کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔اس کے باوجود میری اولاد میں سے کسی نے اس انگوٹھی کو اتار کر کہیں پھینک دیا ہوگا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اب میں گوشت پوست والا صحت مند بوڑھا نہیں رہا تھا۔ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔انگلیاں پتلی پتلی سی ہوگئی تھیں۔شاید انگوٹھی خود ہی نکل کر کہیں گر گئی ہوگی۔

اور اسی لمحے سے نحوست شروع ہوچکی تھی۔میں پچھلے چھ سات ماہ سے بدترین مظالم برداشت کرتا اور عذاب اٹھاتا آرہا تھا۔میں نے پریشان ہوکر ماریہ کو دیکھا۔اس نے پوچھا۔"کیا بات ہے دادا جان....!"

میں نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ذہن میں یہ بات آئی کہ اپنی پوتی کے جذبات سے کھیلنا چاہئے اور اس کی محبت کو آزمانا چاہئے۔میں نے انجان بن کر پوچھا۔"وہ انگوٹھی کیسی تھی؟"

"چاندی کی انگوٹھی تھی۔اس میں زرد رنگ کا ایک چھوٹا سا پتھر جڑا ہوا تھا۔میں نے قیمتی پتھروں کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے۔یہ پتھر بہت ہی سعد اور مبارک ہوتے ہیں۔مگر انہیں پہننے کے بعد گم نہیں کرنا چاہئے۔گم کرنے والا طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔"

میں نے جلدی سے پوچھا۔"کیا میرے ساتھ بھی ایسا ہو رہا ہے؟"

"میں یہی سوچ رہی ہوں۔شاید آپ انگوٹھی سے محروم ہونے کے بعد ایسے مصائب میں مبتلا ہوتے آرہے ہیں۔یہ محرومی دور ہوجائے وہ انگوٹھی مل جائے تو آپ کے دن پھر سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔"ماریہ!اگر میری بہتری چاہتی ہو تو کسی بھی طرح اس انگوٹھی کو تلاش کرو۔یہ حساب کرو کہ مجھ پر کب سے مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟"

وہ بولی۔"اب سے تقریباً سات ماہ پہلے آپ کو اغوا کرایا گیا تھا۔تب ہی سے آپ بے دست و پا ہوکر رہ گئے ہیں۔"

"تو پھر سات ماہ پہلے وہ انگوٹھی میری انگلی سے نکل گئی ہے یا نکالی گئی ہے۔یہ معلوم کرو کہ وہ لوگ مجھے اغوا کرکے کہاں لے گئے تھے؟وہاں کسی چار دیواری کے اندر یا باہر اسے تلاش کیا جائے گا تو شائد وہ مل جائے اور میرے دن پھر جائیں۔"

"میں ابھی جاکر ارمان سے بات کرتی ہوں۔ہم معلوم کریں گے کہ آپ کو اغوا کرکے کہاں لے جایا گیا تھا؟ہم اس ہوسپٹل کے اندر اور باہر بھی تلاش کریں گے۔ہوسکتا ہے' ہمارے والدین نے یا کسی اور بزرگ نے وہ انگوٹھی آپ کی انگلی سے اتار کر اپنے پاس رکھی ہو۔ہم کسی نہ کسی طرح ضرور کھوج لگائیں گے۔"

ڈائری کو یہاں تک پڑھنے کے بعد اس لاوا انگوٹھی کی اہمیت معلوم ہوئی' جو ابھی تہہ خانے میں رکھی ہوئی تھی۔اس کی گمشدگی کے باعث میرا بیٹا نہ ختم ہونے والے مصائب سے گزر رہا تھا۔

مصیبتیں آتی ہیں' گزر جاتی ہیں۔لیکن نحوست طاری رہے تو مصیبتیں پلٹ پلٹ کر آتی رہتی ہیں۔یہ مایوس کن حقیقت سمجھ میں آرہی تھی کہ میرے بیٹے کو جب تک وہ انگوٹھی واپس نہیں ملے گی' تب تک وہ دشمن اولاد کے رحم و کرم پر رہے گا۔

میں آگے پڑھنے لگا۔"میری پوتی ماریہ سے محبت اور حوصلہ مل رہا تھا۔وہ میرے پوتے ارمان کے ساتھ اس انگوٹھی کو تلاش کرنے والی تھی۔میری پیشانی کو چوم کر میرے ہاتھ کو

تھپتھپا کر وہاں سے جانے لگی۔ میں بڑی محبت بڑی اپنائیت سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

یقین نہیں آ رہا تھا کہ میری جوان نسل سے مجھے وہ محبت مل رہی ہے' جو میرے کسی بیٹے یا بیٹی سے نہ مل سکی۔ میں دودھ کا جلا تھا۔ چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پینا چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ماریہ اور ارمان مجھ سے کس حد تک مخلص ہیں؟

میں نے ہاتھ اٹھا کر اس انگلی کو دیکھا' جو انگوٹھی سے محروم ہو گئی تھی۔ اس یقین میں پختگی آ رہی تھی کہ لاوہ پتھر کی گمشدگی اپنے برے اثرات دکھا رہی ہے۔ کیسے عجیب حالات تھے کہ میں بے انتہا دولت مند ہو کر بھی اپنی اولاد کے رحم و کرم پر پڑا ہوا تھا۔

میں نے کروڑوں روپوں کی لاگت سے وہ ہوسپٹل بنوایا تھا اور اب اپنے ہی ہوسپٹل میں میرے قابل اعتماد ڈاکٹر نہیں تھے۔ میری مرضی کے مطابق علاج نہیں ہو رہا تھا۔ میری بیٹیوں اور بیٹوں کی مرضی کے مطابق مجھے تھوڑی تھوڑی سی زندگی کی بھیک مل رہی تھی۔ انہوں نے میرا مقدر لکھ دیا تھا کہ وہ جب بھی مطلوبہ خزانے تک پہنچیں گے' اسی دن مجھے قبر میں پہنچا دیں گے۔

میری یادداشت واپس آ گئی تھی۔ میں پھر اپنی خواہش کے مطابق جوانی کے سبز باغ دیکھنے لگا۔ بستر پر پڑا ہوا ہوائی محل بنانے کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا؟

چھت کو تکتا رہتا تھا۔ وہاں سینما کی اسکرین کی طرح دل کو خوش کر دینے والے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ وہاں عمیر بن غازی صحت مند بھرپور جوان نظر آتا تھا۔ یعنی میں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا ایڑ لگا کر آگ اور خون کے دریا سے گزرتا تھا۔ مخالفین کی گردنیں دبوچ کر اپنے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

نیند ایک ایسا سینما گھر ہے' جہاں جوانی دیوانی کے خواب دیکھنے کے پیسے نہیں لگتے۔ مگر میرا دل کہتا تھا' یہ محض بہلاوا نہیں ہے۔ کبھی کبھی کسی خواب کی سچی تعبیر مل جاتی ہے۔ یہ حقیقت دیکھی گئی ہے' جو کبھی خیالوں میں بلندی کی طرف اڑتے رہتے تھے' وہ بعد میں ہوائی جہاز بنا کر اڑنے لگے تھے۔

یہ درست ہے کہ سات ماہ پہلے میں تندرست اور توانا تھا۔ یہ انگوٹھی کی کرامت تھی کہ بڑھاپے کا ایک ذرا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں جوانوں کی طرح دوڑتا پھرتا تھا۔ ذہن میں یہ بات سما رہی تھی کہ میں پھر سے جوان ہو گیا ہوں۔

ہاں۔ مگر آئینے میں بڑھاپے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی تھی اور میں ہر نماز کے بعد دعائیں مانگتا تھا کہ بڑھاپا جہاں تک ہے' اس سے آگے نہ بڑھے۔ میری گزرتی ہوئی جوانی کو نہ کھائے۔ ایسا معجزہ ہو جائے کہ میں صرف جوانی کی نہیں' نوجوانی کی عمر کو پہنچ جاؤں۔ الٹے پاؤں عمر کا سفر طے کرنے لگوں۔

میری ضدی خواہش اور میری عاجزانہ دعائیں کہتی تھیں' میرے بڑھاپے کو جوانی کے پر لگ سکتے ہیں۔ میں سچ مچ اپنوں کا اور زمانے کا ستایا ہوا ایک خبطی بوڑھا ہوں۔ کوئی مجھے خواب دیکھنے سے نہ روکے۔

فی الحال میں اپنی اولاد کو بھٹکانے کے لئے اپنے طور پر چالیں چل رہا تھا۔ انہیں خزانے کی تلاش میں اندھے راستوں پر دوڑا رہا تھا۔ میرے تینوں بیٹے اور داماد شام تک مختلف قبرستانوں میں بھٹکتے رہے۔ آخر وہ چار دیواری نظر آ گئی۔ جس کی دیواروں پر سبز رنگ کے ٹائلز لگے ہوئے تھے اور جیسا کہ میں نے انہیں بتایا تھا اس کے مطابق اس چار دیواری کے اندر اور باہر رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن میں گلاب کے پودے زیادہ تھے۔

بس ایک بات مختلف تھی۔ اس قبر کے کتبے پر میرے نام کے بجائے ایک بہت ہی بدنام سیاستداں کا نام لکھا ہوا تھا۔ جس نے اپنے دور اقتدار میں ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔

سلطان نے اپنے بہنوئیوں اور بھائیوں سے کہا۔ ''اس سیاستداں نے قومی خزانے سے اربوں روپے قرض لئے تھے۔ وہ سارے روپے اپنے ساتھ لے کر اس قبر میں نہیں گیا ہو گا اور ہمارے ڈیڈی نے خواب میں یہاں سونے کی اینٹیں دیکھی ہیں۔''

میرے ایک داماد نادر شاہ نے کہا۔ ''اگر یہاں سونے کی اینٹیں ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بابا جانی نے وہ کئی من سونا کب چھپایا ہو گا؟''

منور نے کہا۔ ''خزانے ایسی جگہ چھپائے جاتے ہیں جہاں تک کوئی پہنچ نہ پائے۔ بابا جانی نے وہ تمام سونا چھپانے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا ہے جہاں تک پہنچ کر بھی ہم اسے حاصل نہیں کر پائیں گے۔''

ایک اور داماد امیر حسن نے کہا۔ ''ہم کسی بھی بہانے سے یہاں کھدائی نہیں کر پائیں گے۔ یہاں بہت ہی امیر کبیر سیاستداں ابدی نیند سو رہا ہے۔ اس کے رشتے دار ہمیں یہاں قدم بھی نہیں رکھنے دیں گے۔''

"سوال پیدا ہوتا ہے' بابا جانی نے وہ تمام سونا یہاں تک کیسے پہنچایا؟"

"یہ بات موٹی سی عقل میں بھی آتی ہے کہ پہلے یہ زمین انہوں نے خریدی ہوگی۔ یہاں بڑی رازداری سے سونا چھپایا ہوگا۔ پھر بعد میں اس سیاستداں کو یہ زمین فروخت کردی ہوگی۔"

منور نے کہا۔ "یہ بہت ہی بے تکی سی بات ہے۔ کیا بابا جانی نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ آئندہ وہ اس خزانے کو یہاں سے کیسے نکالیں گے؟"

"ہوسکتا ہے انہوں نے اندر ہی اندر ایک سرنگ بنوائی ہو اور وہاں سے داخل ہونے کا کہیں کوئی چور راستہ بنایا ہو۔"

یہ بات ماننے والی تھی۔ سب ہی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر مراد نے کہا۔ "ڈیڈی نے ہمیں اپنے حافظے کے بل پر یہاں نہیں پہنچایا ہے۔ ہم ان کا خواب سن کر آئے ہیں۔ پہلے اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ واقعی وہ جو مسلسل خواب دیکھتے آرہے ہیں' درست ہے اور خزانہ یہیں چھپا کر رکھا گیا ہے؟"

میں نے انہیں بھٹکانے کی خاطر سوچے سمجھے بغیر اس سیاستداں کی قبر کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت فوری طور پر وہی سیاستداں مجھے یاد آیا تھا۔ اس کی قبر اور چار دیواری اس قبرستان کے پچھلے حصے میں تھی۔ یعنی قبرستان کی چار دیواری وہاں ختم ہوجاتی تھی۔ اس کے بعد جو پیچھے والی زمین تھی۔ اسے میں نے کبھی خریدا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ میرے کسی کام آنے والی نہیں ہے تو اسے فروخت کردیا تھا۔ میرے ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ انہیں کسی بھی طرح الجھائے رکھوں اور جلد سے جلد صحت یاب ہوکر اپنے وکیل اور خاص مشیروں سے رابطہ کرسکوں۔

میرے وفادار وکیل اور مشیروں سے مجھے دور کردیا گیا تھا۔ یوں بھی یادداشت گم ہوچکی تھی۔ میں خود ہی انہیں بھولنے کا ناٹک کررہا تھا۔ اب ماریہ اور ارمان کے ذریعے ان سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔

لیکن میں نے بیٹیوں اور بیٹوں سے اس قدر دھوکے کھائے تھے کہ فوراً ہی اپنے پوتے پوتی پر بھروسہ نہیں کرسکتا تھا۔ ان سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میری یادداشت بحال ہوگئی ہے اور اب انہیں میرے وکیل اور مشیر سے ملاقات کرنی چاہئے۔ مجھے مکار اور فریبی اولاد کے شکنجے سے نکالنا چاہئے۔

یہ اندیشہ تھا کہ ماریہ اور ارمان سے بھی دھوکہ کھا سکتا ہوں۔ دانش مندی یہی تھی کہ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے پہلے ان دونوں کو آزماتا رہتا۔ پھر انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتا۔ فی الحال میں نے ان سب کو خزانے کی تلاش میں الجھا دیا تھا۔

ایسے میں ایک اللہ کی ذات کا سہارا تھا۔ دعائیں مانگ رہا تھا کہ مجھے جسمانی توانائی حاصل ہوجائے۔ جب سے بڑھاپے نے حملہ کیا ہے' دکھ اور بیماریاں مسلط ہونے لگی ہیں۔ تب سے یہی بات ذہن میں سمائی رہتی ہے کہ جوانی نہیں' تو توانائی نہیں... اور توانائی کے بغیر دشمن حالات سے نمٹنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ آدمی جوانی گزار کر مرجائے۔ بوڑھا ہوکر دوسروں کے رحم و کرم پر نہ رہے۔ جیسا کہ میں ابھی اپنی اولادوں کے ہاتھوں میں تھا۔ مر مر کے جی رہا تھا۔

میری شدید خواہش ہے کہ جوانی نہیں رہی تو میں بھی نہ رہوں۔ یا تو مرجاؤں... یا یہ بڑھاپا نہ گزاروں۔ یہ سچ ہے کہ موت ایک ہی بار مارتی ہے۔ مگر بڑھاپا پل پل مارتا رہتا ہے۔

بس یہی ایک خواہش مچلتی رہتی ہے کہ آگے جینا ہے تو پھر ایک بار جوانی کی طرف لوٹ جاؤں۔ کبھی کبھی یوں لگتا تھا' جیسے میری یہ خواہش پوری ہونے ہی والی ہے۔

جب گمشدہ چیزیں واپس مل جاتی ہیں تو گئی ہوئی جوانی واپس کیوں نہیں ملے گی؟ گھڑی کے کانٹے کبھی الٹے نہیں چلتے۔ وقت آگے جاتا ہے۔ پیچھے مڑ کر نہیں آتا۔ لیکن خدا کی قدرت ناممکن کو ممکن بنادیتی ہے۔ قرآن مجید میں اصحاب کہف کا ذکر ہے۔

وہ اصحاب کہف ایک سو ستانونے برسوں تک ایک غار کے اندر گہری نیند میں رہے۔ پھر بیدار ہوگئے۔ تقریباً دو صدیاں گزر گئی تھیں۔ اس کے باوجود وہ بوڑھے' بیمار اور کمزور نہیں ہوئے تھے۔ پہلے کی طرح جوان تھے۔

میرا ایمان' میرا عقیدہ کہتا ہے' خدا مہربان ہو تو ایسے معجزے ہوجاتے ہیں۔ زلیخا کو بڑھاپے میں جوانی ملی تھی۔ پھر مجھے کیوں نہیں مل سکتی؟

اپنے ہی دین کے حوالے سے ہماری دنیا میں جو کچھ ہوچکا ہے' میں اپنے لئے وہی چاہتا ہوں۔ کوئی بے تکی یا عجیب سی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔

میں بستر پر پڑا اور کیا کرسکتا تھا؟ ایسی ہی باتیں سوچتا رہتا تھا۔ آئندہ اس بستر سے چار کاندھوں پر اٹھنے والا تھا۔ یا پھر جوانی کی طرف لوٹ آنے کی خواہش پوری ہوجاتی تو اپنے قدموں سے چلتا ہوا زندگی کی طرف لوٹ سکتا تھا۔

یہ میری آخری خواہش ہے۔ یہ میری آخری دعا ہے کہ میں صرف زندگی کی طرف ہی نہیں، جوانی کی طرف لوٹ آؤں۔

ابھی تو حالات سمجھا رہے تھے کہ یہاں سے اٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں، یہی ظاہر کرتا رہوں کہ یادداشت بحال نہیں ہوئی ہے اور میں آئندہ بھی اپنی اولاد کے رحم و کرم پر رہوں گا۔ میں انہیں اسی طرح فریب دے کر نجات کا کوئی راستہ نکال سکتا تھا۔

وہ سب قبرستان سے واپس آ گئے۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میں آنکھیں بند کیے پڑا ہوا تھا۔ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ گہری نیند سو رہا ہوں۔ سلطان نے کہا۔ ''شائد یہ پھر خواب دیکھ رہے ہیں۔''

مراد نے کہا۔ ''شائد آگے اور کچھ دیکھ رہے ہوں گے۔''

منور نے کہا۔ ''یادداشت کئی طرح سے بحال ہوتی ہے۔ بھولنے والے کو پچھلی باتیں یاد دلائی جاتی ہیں۔''

نوشین نے کہا۔ ''ہم تو یاد دلاتے دلاتے تھک گئے ہیں۔''

''مگر قدرتی طور پر خواب کے بہانے یادداشت واپس آ رہی ہے۔ یہ جاگتے وقت شعوری طور پر جو بھول رہے ہیں۔ اسے خواب میں یاد کر رہے ہیں۔''

اس کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ وہ سب مجھ سے دور بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور بڑی بے چینی سے میرے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں اتنی جلدی آنکھیں کھول کر انہیں کوئی نئی بات سنانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دور بیٹھے بڑی بے چینی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ رات کا کھانا وہیں منگوا کر کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد نیند آ رہی تھی۔ مگر وہ بار بار کافی پی کر نیند کو بھگا رہے تھے۔

رات کے دو بجے میں نے آنکھیں کھولیں۔ بستر پر ذرا کسمسایا تو سب ہی اٹھ کر میری طرف چلے آئے۔ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ ہر ایک کی نظر پوچھ رہی تھی کہ کیا خواب دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہے تو کیا دیکھا ہے؟

میں نے بڑی نقاہت سے کہا۔ ''بھوک لگ رہی ہے۔''

میرے لئے فوراً ہی کھانا منگوایا گیا۔ دو بیٹوں نے سہارا دے کر بستر پر بٹھایا۔ ایک نے پوچھا۔ ''بابا جانی! کیا آپ نے پھر ویسا ہی کوئی خواب دیکھا ہے؟''

میں نے نیم وا آنکھوں سے انہیں دیکھا پھر آگے پیچھے جھومتے ہوئے کہا۔ ''بڑی

کمزوری لگ رہی ہے۔ پہلے کچھ کھانے کو دو۔''

کھانا آ گیا تھا۔ کئی طرح کی ڈشیں تھیں اور میرے بیٹوں اور بیٹیوں کے کئی ہاتھ تھے۔ سب ہی یکے بعد دیگرے اپنے ہاتھوں سے مجھے کچھ نہ کچھ کھلانے لگے۔ مجھے جلد سے جلد توانائی پہنچانے کی کوششیں کرنے لگے۔

کھانے کے بعد میں گہری گہری سانسیں لے کر یوں ہانپنے لگا، جیسے بہت دور سے چل کر آ رہا ہوں۔ پھر ان سے کہا۔ ''مجھے اچھا کھلا پلا رہے ہو۔ مگر میری جسمانی کمزوری کیوں نہیں جا رہی ہے؟ میں بڑی مشکل سے کروٹ لیتا ہوں۔ اٹھ کر بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ اگر میں چلنے پھرنے کے قابل نہ ہوا تو ان سونے کی اینٹوں تک پہنچ نہیں پاؤں گا۔''

''بابا جانی! وہ قبر اور اس کی سبز چار دیواری ہم نے ڈھونڈ نکالی ہے۔ کیا واقعی سونے کی اینٹیں وہیں چھپائی گئی ہیں؟''

میں نے بڑے بیٹے منور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔''

اس نے پوچھا۔ ''آپ وہاں جا کر ان اینٹوں کو کس طرح نکال سکیں گے؟''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''ابھی میں نے خواب میں دیکھا ہے...''

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر ان کے اندر ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ کسی نے میرا ایک ہاتھ پکڑا۔ کسی نے میرے دوسرے ہاتھ کو تھام لیا۔ کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ کوئی میرے قدموں تک پہنچ گیا۔ یوں جیسے سب نے مجھے جکڑ لیا تھا۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ میں آگے کچھ کہنے سے پہلے نکل بھاگوں گا۔

منور نے کہا۔ ''پلیز۔ کھل کر بتائیں۔ آگے بھی کچھ بولیں۔ آپ نے خواب میں کیا دیکھا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''مجھے کسی حد تک راستہ سجھائی دے رہا ہے۔''

''کیسا راستہ...؟''

ایک داماد نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ''کیا کوئی سرنگ دکھائی دی ہے؟''

میں نے انہیں دیکھا۔ پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

سب نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''پہلے مجھے جسمانی توانائی پہنچاؤ۔ چلنے پھرنے کے قابل بناؤ۔ پھر میں جہاں کہوں، وہاں لے چلو گے تو ہم سونے کی اینٹوں تک پہنچ جائیں گے۔''

"ہم کوششیں کر رہے ہیں۔ آپ جلد سے جلد توانائی حاصل کریں گے۔ مگر خواب کے بارے میں تو بتائیں؟"

میں نے پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "مجھے لیٹنے دو۔ آرام کرنے دو۔"

ان کی مراد پوری نہیں ہو رہی تھی۔ وہ مجھ سے الگ ہو گئے۔ بڑے پیار سے التجائیں کرنے لگے کہ میں اپنا خواب بیان کروں۔ یہ بہت تھا کہ میں نے ایک سوسہ چھوڑ دیا تھا کہ سونے کی اینٹیں وہیں ہیں اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی سجھائی دے رہا ہے۔

اس بات نے سب کے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ سب کے اندر آندھیاں سی چل رہی تھیں اور وہ ایک دوسرے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہتے تھے۔

نوشین نے مجھے لٹانے کے لئے سہارا دیا۔ ایسے وقت وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ میں نے دھیمی سرگوشی میں کہا۔ "مجھ سے تنہائی میں ملو۔"

اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ دور کھڑے ہوئے منور نے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

نوشین نے جلدی سے کہا۔ "کچھ نہیں۔ یہ سونا چاہتے ہیں۔ کہہ رہے ہیں' لائٹ آف کر دیں۔ واقعی چار بجنے والے ہیں۔ ہمیں بھی جا کر سونا چاہئے۔"

نوشین بولتی ہوئی مجھ سے ذرا دور ہو گئی تھی۔ منور مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آنکھ ماری تو ایکدم سے تن گیا۔ سمجھ گیا کہ میں اس سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس نے سب ہی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ درست کہہ رہی ہیں۔ بابا جانی کو تنہا سکون سے سونے دیا جائے۔ چلیں۔ سب باہر آ جائیں۔"

مراد نے کہا۔ "انہیں بالکل ہی تنہا نہیں چھوڑنا چاہئے۔ آپ لوگ جائیں۔ میں اسی کمرے میں صوفے پر سو جاؤں گا۔"

نوشین نے کہا۔ "زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہاں تنہا رہ کر انہیں شیشے میں اتارنا چاہتے ہو۔ ہم سے پہلے وہاں تک پہنچنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "خواہ مخواہ شبہ نہ کریں۔ آپ نے اور بھائی جان نے بابا جانی کو اغوا کرتے وقت ہمیں دھوکا دیا تھا۔ مجھ کو اور سلطان کو اندھیرے میں رکھا تھا۔ اب ہم کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔"

منور نے کہا۔ "دھوکا کرو یا نہ کرو۔ مگر بابا جانی کے پاس کوئی نہیں رہے گا۔ اگر تم

یہاں رہنے کی ضد کرو گے تو ہم بھی اپنا بستر یہیں بچھا لیں گے۔"

سلطان نے مراد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "دولت بہت بری بلا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہئے۔"

وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا۔ میں نے خواب بیان نہ کر کے انہیں تجسس میں مبتلا کر دیا تھا۔ پوری رات جاگنے کے بعد بھی اب وہ سونے والے نہیں تھے۔ سب ہی کے دلوں میں یہ بات تھی کہ کوئی بھی تنہائی میں آ کر مجھ سے خواب والی بات اگلوا سکتا ہے۔

میں نے نوشین کو تنہائی میں ملنے کے لئے کہا تھا اور منور کو آنکھ ماری تھی۔ اب وہ مجھ سے تنہائی میں ملے بغیر سو نہیں سکتے تھے۔ مراد اور سلطان بھی مجھ سے باتیں کرنا اور وہ خواب سننا چاہتے تھے۔ اور بڑے بھائی اور بہن پر نظر رکھنے کے لئے جاگتے رہنے والے تھے۔

انہوں نے ہوسپٹل کے ایک ایک کمرے میں رہائش اختیار کی تھی۔ اپنے کمروں کے دروازے کھلے رکھے تھے۔ ان کی نظریں میرے دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کسی کو مجھ تک پہنچنے کا موقع دینا نہیں چاہتے تھے مگر خود اس موقع کی تاک میں تھے کہ سب سو جائیں تو وہ تنہا میرے پاس آ سکیں۔

وہ اس وقت بڑے عجیب حالات سے گزر رہے تھے۔ کبھی اونگھ رہے تھے' کبھی چونک کر آنکھیں کھول کر میرے دروازے کو دیکھنے لگتے تھے۔ صبح ہوتے ہی اپنے بچوں کو نیند سے جگایا تھا اور انہیں سمجھایا تھا کہ کوئی بھی میرے کمرے میں جانا چاہے تو فوراً انہیں جگا کر اطلاع دی جائے۔

میں ڈائری بند کر کے مسکرانے لگا۔ میرا عمیر بہت ذہین اور چالباز تھا۔ لہو کے رشتوں نے اسے مار ڈالنے کی حد تک کمزور اور بے دست و پا بنا دیا تھا۔ اب وہ ان سب کی نیندیں اڑا رہا تھا۔ نہ کسی کو نیند آ رہی تھی' نہ کسی کو کھانے پینے کا ہوش رہا تھا۔ خفیہ خزانے نے ان کے ہوش اڑا دیئے تھے۔

اس نے آگے چل کر لکھا تھا۔ "میری صرف بیٹی' بیٹے اور داماد کا ہی نہیں' ان کی اولاد کا بھی سکون برباد ہو گیا تھا۔ ان کے ماں باپ پچھلی رات کی نیندیں پوری کر رہے تھے اور جوان بچے پہریدار کی طرح جاگ رہے تھے۔

نوشین بری طرح بے چین تھی۔ منور بھی مجھ سے ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ جھنجلا کر

سوچ رہا تھا' تمام بہنوں اور بھائیوں کو قتل کردے گا' راستے کے سارے کانٹے ہٹا دے گا تو کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی اور پوشیدہ سونے کا کوئی دعویدار بھی نہیں رہے گا۔

صرف منور ہی نہیں' میری تمام اولاد اس وقت یہی سوچ رہی تھی۔ سب ہی کے دماغوں میں یہ سازشیں پک رہی تھیں کہ خفیہ خزانے کے کم سے کم دعویدار ہوں گے تو زیادہ سے زیادہ حصہ ملے گا۔ ان میں سے سب ہی کو نہ سہی' کم از کم دو چار کو تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

تین بہنیں یہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ ان کے تینوں بھائی اپنے تینوں بہنوئیوں کو غیر ضروری حصہ دار سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں چاہتے کہ میری باقی دولت و جائیداد میں سے بہنوں اور ان کے شوہروں کو ایک تنکا بھی ملے۔

اور واقعی میرے بیٹوں کے اندر یہی بات پک رہی تھی کہ کسی بھی طرح حصہ داروں کی تعداد کم سے کم کی جائے۔ پھر یہ کہ ان بھائیوں میں بھی نہ محبت تھی' نہ اتحاد تھا۔ وہ تو چاہتے تھے' بھائیوں کی تعداد بھی کم ہو جائے۔

موجودہ حالات میں یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ ان میں سے کسی کو مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ان کی عقل یہی سمجھا رہی تھی کہ راستے سے کانٹے ہٹا دیئے جائیں۔ اگر جلد سے جلد ایسا نہ کیا گیا تو میری یادداشت پہلے ہی کمزور ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنا خواب بھول جاؤں اور انہیں خفیہ خزانے تک پہنچانے سے قاصر رہوں۔

پھر وہی ہوا جو حکمران بننے' اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے اور مال و زر حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ منور نے بابر بلا کو ایک لاکھ روپے کی آفر دیتے ہوئے کہا۔ ''میرے دو بھائیوں اور تین بہنوں میں جسے قتل کرتے رہو گے' اس کی موت کے عوض ایک لاکھ روپے ملتے رہیں گے۔ اس حساب سے تم پانچ لاکھ روپے کما لو گے۔''

بلا نے کہا۔ ''میں تو کما لوں گا۔ مگر تم اچھی طرح سوچ لو! تمہارے بھائی بہن مارے جائیں گے تو شبہ تم پر کیا جائے گا۔ قانون کے محافظ تمہیں سکون سے رہنے نہیں دیں گے۔''

وہ بولا۔ ''کل میں ایک ڈرامہ پلے کرنے والا ہوں۔ یہاں کے تمام ڈاکٹر میرے زرخرید ہیں۔ وہ یہ میڈیکل رپورٹ لکھیں گے کہ کسی نے مجھے زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن انہوں نے بروقت مجھے بچا لیا۔ میں جسمانی طور پر کمزور ہوں۔ بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس سلسلے میں وہ مجھے کمزور کر دینے والی دوائیں کھلائیں گے اور میں اُن دواؤں کو مصلحتاً برداشت کروں گا۔ اس طرح ڈاکٹروں کی رپورٹ سچ ثابت ہوگی اور مجھ پر شبہ نہیں کیا جائے گا۔''

بابر نے کہا۔ ''پھر تو میں دو چار کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ وہ سب ایک ہی جگہ اس ہوسپٹل میں ہیں۔ مجھے شکار کی تلاش میں ادھر اُدھر بھٹکنا نہیں پڑے گا۔''

دوسرے ہی روز اس پلاننگ پر عمل کیا گیا۔ منور نے خطرہ مول لے کر ایک مضر رساں دوا کھائی۔ پھر اس کی حالت بگڑ گئی' سب ہی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ اس کا معائنہ کیا گیا۔

ڈاکٹر نے کہا۔ ''انہیں زہر دیا گیا ہے۔ ہم بچانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔''

میری بیٹیاں اور بیٹے ایک دوسرے پر شبہ کرنے لگے کہ ان میں سے کسی نے منور کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ واقعی اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بچنے کی امید نہیں تھی۔ اس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ ڈاکٹروں نے یقین دلایا تھا کہ وہ مضر رساں دوا اسے جان سے نہیں مارے گی۔ وہ صرف عارضی طور پر تکلیف میں مبتلا رہے گا۔ اسے ہر حال میں بچا لیا جائے گا۔

اس کے بیوی بچے رو رہے تھے اور چیلنج کر رہے تھے کہ منور کو کچھ ہوا تو وہ تمام بہنوں اور بھائیوں کے خلاف قانونی کارروائی کریں گے۔

جس رات منور زہریلے عذاب میں مبتلا تھا' اس کی دوسری صبح میری بڑی بیٹی نوشین اپنے شوہر کے ساتھ ایک کمرے میں مردہ پائی گئی۔ انہیں سائلینسر لگے ہوئے ہتھیار سے قتل کیا گیا تھا۔ مراد اور سلطان پر بھی حملے کئے گئے تھے۔ ان میں سے مراد بچ نکلا تھا۔ جبکہ سلطان زخمی ہو گیا تھا۔ ایک اور حملے میں میری دوسری بیٹی زرمین بھی زخمی ہوئی تھی اور اس کا شوہر مارا گیا تھا۔

ایک رات میں تین قتل ہوئے تھے اور دو زخمی ہوئے تھے۔ یہ ایسی ہولناک واردات تھی کہ پولیس اور انٹیلی جنس والے دن رات تفتیش کے لئے آنے جانے لگے۔

بڑی زبردست منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے منور کو بچا لیا تھا۔ کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ حملہ آوروں نے کسی کو سائلینسر لگے ہوئے ریوالوروں سے شوٹ کیا تھا اور کسی کو خنجر سے ہلاک کیا تھا۔ اسی طرح منور کو بھی زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

یقینی کامیابی حاصل کرنے کے لئے تکلیفیں اٹھانی ہی پڑتی ہیں۔ منور نے جان پر عذاب سہہ کر اپنی بڑی بہن نوشین سے اور اس کے شوہر سے چھٹکارا پا لیا تھا۔ زرمین بیوہ ہو چکی تھی اور بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس نے تفتیش کے دوران پولیس والوں سے کہہ دیا۔ ''یہ سارا خون خرابہ بابا جانی کی دولت اور جائیداد حاصل کرنے کے لئے ہو رہا ہے۔ اب تو میں یہاں

نہیں رہوں گی۔ اپنے بچوں کے ساتھ لندن واپس چلی جاؤں گی۔"

تیسری بیٹی شرمین بھی سہمی ہوئی تھی۔ مگر اس کا شوہر اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ "گھبراؤ نہیں پولیس اور انٹیلی جنس والے ہمارے درمیان چھپے ہوئے قاتل کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ اس پوشیدہ خزانے میں ہمارا برابر کا حصہ ہے۔ تمہیں اس سے دستبردار ہو کر یہاں سے جانا نہیں چاہئے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری اور بچوں کی حفاظت کروں گا۔ تم لوگوں پر ایک ذرا آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

بابر بلے کے آدمیوں نے کوئی شور مچانے والا ہتھیار استعمال نہیں کیا تھا۔ سلطان غازی چاقو کے حملے سے زخمی ہو کر بچ نکلا تھا۔ اب اس کا علاج کیا جا رہا تھا۔ صرف ایک مراد غازی ایسا تھا جس پر کوئی آنچ نہیں آئی تھی۔ وہ بالکل محفوظ تھا۔ اور سب ہی اس پر شبہ کر رہے تھے۔

سلطان نے بیان دیا۔ "حملے کے وقت مراد بھائی میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے حملے سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ اور میں انہیں بچانے کی خاطر چاقو کی زد پر آ گیا تھا۔ مراد بھائی اپنی جان دے سکتے ہیں۔ مگر میری جان نہیں لے سکتے۔"

وہ مراد کی بے گناہی کا چشم دید گواہ تھا۔ یوں یہ معاملہ الجھ کر رہ گیا تھا کہ ایک ہی رات میں اتنی ساری ہلاکتیں کس نے کرائی ہیں؟ ایک ہی خون کے رشتے میں منسلک رہنے والے ہلاک ہوئے تھے۔ اس لئے ایک ہی رائے قائم کی جا رہی تھی کہ وہ سب کچھ دولت اور جائیداد کے حصول کے لئے کیا گیا ہے اور وہ قتل کرانے والا ان ہی بہنوں اور بھائیوں کے درمیان چھپا ہوا ہے۔

یہ معاملہ آسانی سے سلجھنے والا نہیں تھا۔ ہفتے اور مہینے گزرنے لگے۔ میرے وکیل اور مشیر پولیس اور انٹیلی جنس والوں کے ذریعے مجھ تک پہنچ گئے تھے۔ ان کی موجودگی میں میرا علاج توجہ سے ہونے لگا۔ میرے مشیروں میں حیات مرزا بہت ہی ذہین، زمانہ شناس اور قابل اعتماد تھا۔ بہت سے معاملات میں میرا راز دار بھی تھا۔ میں نے ایک دن اس سے کہا۔ "میری یادداشت بحال ہو چکی ہے۔ لیکن میں کسی پر یہ ظاہر نہیں کر رہا ہوں۔ اپنی اولاد کی چالبازیوں کو پہلے بھی سمجھتا تھا، اب بھی سمجھ رہا ہوں۔ تم میرے معتمد خاص ہو اپنے جیسے اعتماد کے ڈاکٹر کو یہاں لاؤ اور میرا علاج کراؤ۔"

منور کی طبیعت جلد ہی سنبھل گئی تھی اور وہ ایک ماہ کے اندر پوری طرح صحت یاب ہو گیا تھا۔ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرے وکیل اور مشیر وہاں آیا کریں۔ لیکن وہ انہیں آنے سے

روک بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے جو چال چلی تھی اس کے نتیجے میں فائدہ تو ہوا تھا مگر نقصان بھی ہوا تھا۔ فائدہ یہ ہوا کہ خفیہ خزانے کی دعویٰ دار نوشین اپنے شوہر کے ساتھ ماری گئی تھی۔ شرمین بیوہ ہو کر اپنی اولاد کے ساتھ لندن چلی گئی تھی۔ حصہ مانگنے والوں میں سے دو کم ہو گئے تھے۔

آئندہ اور بھی کم ہو سکتے تھے۔ مگر پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی مداخلت کے باعث منور کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ میرے مشیر حیات مرزا نے سیکورٹی کے سخت انتظامات کرائے تھے۔ کسی بھی رشتے دار کو تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ میرے قابل اعتماد ڈاکٹر واپس آ گئے تھے۔

تینوں بھائیوں نے سر جوڑ کر سوچا اور اس بات پر متفق ہوئے کہ شرمین کے شوہر نادر شاہ نے ان پر حملے کرائے ہیں۔ وہ اب بھی شرمین اور بچوں کے ساتھ ہوسپٹل میں موجود ہے۔ آئندہ بھی انہیں کسی اور ہتھکنڈے سے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

سلطان غازی نے کہا۔ "نادر شاہ نے اپنے طور پر چال خوب چلی تھی مگر اب پولیس اور انٹیلی جنس والوں کے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔ آئندہ یہاں کوئی واردات نہیں کرا سکے گا۔"

منور نے کہا۔ "ہمیں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے کہ وہ آئندہ کیا کر سکتا اور کیا نہیں کر سکتا؟ آج میں یہ بات بتاتا ہوں کہ بابا جانی نے مجھے ایک بار یہ اشارہ دیا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی طرح ہم تنہائی میں ان سے مل سکیں تو وہ اپنے خواب کے متعلق ضرور فائدہ پہنچانے والی کوئی بات بتائیں گے۔"

بابا جانی کے مشیر ہم سے بدظن ہیں۔ انہیں خریدا بھی نہیں جا سکتا۔ جب بھی بابا جانی سے ملنے جاتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی مشیر وہاں ضرور موجود رہتا ہے۔"

مراد نے کہا۔ "وہ لوگ بڑی تندہی سے ان کا علاج کرا رہے ہیں۔ وہ ہوسپٹل سے جائیں گے تو پھر ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔"

منور نے کہا۔ "ہمیں بابا جانی سے یہیں راز اگلوانا ہوگا یا پھر کسی طرح انہیں اغوا کر کے یہاں سے کہیں لے جانا ہوگا۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہاں شرمین کا شوہر ان کا بہنوئی نادر شاہ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اندر آتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "خفیہ میٹنگ ہو رہی ہے۔"

اس نے قریب آ کر کہا۔ "تم میں سے کوئی مجھے بیٹھنے کو نہیں کہے گا۔ میں خود ہی بیٹھ

جانتا ہوں۔"

وہ چپ چاپ اسے تک رہے تھے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "جب تک مجھے دشمن سمجھتے رہو گے۔ مجھ پر شبہ کرتے رہو گے تو بھٹکتے رہو گے۔ اصل دشمن تک پہنچ نہیں پاؤ گے۔"

منور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم یہ کہنے آئے ہو کہ اصل دشمن کوئی اور ہے تم نہیں ہو؟"

"بیشک۔ میں جانتا ہوں اور میرا خدا جانتا ہے۔ میں نے اپنی بیوی شرمین کا حصہ حاصل کرنے کے لئے تم میں سے کسی کے خلاف کوئی سازش نہیں کی ہے۔"

سلطان نے کہا۔ "تم ایسی باتیں کر کے ہمارا اعتماد حاصل نہیں کر سکو گے۔ تمہارا ماضی داغ دار ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم بہنوئی بن کر ہمارے خاندان میں آنے سے پہلے مجرمانہ زندگی گزار رہے تھے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں انکار نہیں کروں گا۔ انکار تو مجھے اس الزام سے ہے جو خواہ مخواہ مجھ پر عائد کیا جا رہا ہے۔ میں تم تینوں سے دوستی کرنے اور تم لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے نہیں آیا ہوں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ میرے خلاف پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو جو بیان دے چکے ہو اسے واپس لے لو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر منور نے ناگواری سے کہا۔ "تم ہمیں دھمکی دینے آئے ہو؟"

"ابھی تو دھمکی ہے۔ مگر ایسا دھماکہ کروں گا کہ زمین میں گڑا ہوا سارا خزانہ دنیا والوں کے سامنے آ جائے گا۔"

وہ تینوں متجسس ہو کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نے کہا۔ "بابا جانی نے جس حد تک اپنا خواب سنایا ہے۔ اس حد تک یہ یقین ہو گیا ہے کہ اسی قبر کی چار دیواری میں سونے کی اینٹیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ ہمیں صرف وہاں تک پہنچنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ یہی بات ہے ناں...؟"

مراد نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ "کیا تمہیں راستہ مل چکا ہے؟"

"نہیں۔ میں بھی تم لوگوں کی طرح اندھیرے میں بھٹک رہا ہوں۔ یہ یقین ہے کہ بابا جانی اگر اپنا اگلا خواب سنائیں گے تو ضرور راستہ مل جائے گا۔ اور اگر نہ ملا تو...؟"

اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ ان تینوں کو گہری سنجیدگی سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "تو پھر

وہ خزانہ اس زمین سے آپ ہی ابل پڑے گا۔"

منور نے ناگواری سے کہا۔ "تم خواہ مخواہ افسانوی تجسس پیدا کر رہے ہو۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "نہیں۔ یہ مقولہ یاد رکھو کہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ جب تم لوگ اس سلسلے میں مجھے راز دار نہیں بناؤ گے۔ مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے تو تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں اسے دنیا والوں کے سامنے لے آؤں گا۔"

وہ بڑے پختہ لہجے میں چیلنج کر رہا تھا۔ تینوں بھائی اسے تک رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں ایسے انتظامات کر چکا ہوں کہ صرف آدھے گھنٹے کے اندر اس قبر کے آس پاس کئی طاقتور بم نصب کر دیئے جائیں گے۔ ان کے بلاسٹ ہوتے ہی دور تک گہرا گڑھا پڑ جائے گا۔ زمین کی تہہ میں چھپا ہوا سونا تنکوں کی طرح اڑتا ہوا دنیا والوں کے سامنے آئے گا۔ سوچو تو وہاں پولیس والوں کے علاوہ لوگوں کی کتنی بھیڑ ہو گی۔ کس طرح اس سونے کی لوٹ مار ہو گی؟"

یہ ایسی بات تھی کہ وہ تینوں سنتے ہی لرز گئے۔ ایک نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "تم ایسی کوئی حماقت نہیں کرو گے۔"

وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا۔ "مجھے کون روک سکے گا؟ یہاں چیلنج کرنے آیا ہوں۔ اگر اپنی بہن شرمین کو دھوکہ دو گے۔ مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے تو وہ تمام سونے کی اینٹیں لنگر کے پکوان کی طرح ننگوں اور بھوکوں تک بھی پہنچ جائیں گی۔"

وہ نہیں جانتے تھے کہ میں نے سچا خواب سنایا ہے یا جھوٹا؟ میں نے تو جھوٹ کہا تھا۔ ویسے جب تک تعبیر سامنے نہ آئے تب تک خواب دیکھنے والا بھی یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس نے سچا خواب دیکھا ہے۔

ان کے خیال میں خواب غلط بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن غلط نہ ہوتا اور وہ اسے غلط سمجھ لیتے تو بہت بڑے خزانے سے محروم ہو جاتے۔ لہٰذا وہ اس قبر کی تہہ تک پہنچے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتے تھے اور وہاں تک پہنچنے سے پہلے یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا وہاں تک پہنچے۔ کجا یہ کہ نادر شاہ ساری خلقت کو وہاں پہنچانے کی دھمکی دے رہا تھا۔

منور نے کہا۔ "ہمارے سامنے پہلے ہی کچھ کم رکاوٹیں نہیں ہیں۔ اب تم دھمکی دینے آ گئے ہو۔"

سلطان نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم تمہاری مخالفت نہیں چاہیں گے۔"

مراد نے کہا۔ "ہم تم سے سمجھوتہ کریں گے اور آپس میں متحد ہو کر بابا جانی کی تمام جمع پونجی تک پہنچیں گے۔"

"سمجھوتہ اس طرح ہوگا کہ مجھ سے کوئی بات چھپائی نہیں جائے گی اور مجھے اپنی ہر میٹنگ میں شریک کیا جائے گا۔"

"بے شک ہم تمہارا اعتماد حاصل کرتے رہیں گے۔ تم بھی ہمارا اعتماد حاصل کرتے رہو۔"

اس نے مراد سے کہا۔ "میں ابھی یہ پوچھنے آیا ہوں کہ اچانک یہ تمہارا یہ بیٹا ارمان لندن سے یہاں کیسے پہنچ گیا ہے؟ یہاں آتے ہی اس کو اور سلطان کی بیٹی ماریہ کو بابا جانی سے تنہائی میں ملنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔"

مراد نے حیرانی سے پوچھا۔ "میرا بیٹا لندن سے آیا ہے؟ تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟ کب دیکھا ہے؟"

میں ابھی دیکھ کر آرہا ہوں۔ وہ اپنے دادا جان کے کمرے میں ماریہ کے ساتھ گیا ہے۔ ایسے وقت ان کے وکیل اور ان کے مشیر کمرے کے باہر تھے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان دونوں بچوں کو دادا جان سے تنہائی میں ملنے کی اجازت دی گئی ہے۔"

مراد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں وہاں جاکر دیکھنا چاہئے۔ میں حیران ہوں کہ میرا بیٹا یہاں آیا ہے اور مجھے خبر نہیں ہے۔"

منور نے کہا۔ "اس سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہاں آتے ہی وہ دادا جان سے ملنے گیا ہے۔ ہمیں فوراً معلوم کرنا چاہئے وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ سب تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر آئے۔ کوریڈور میں قریب ہی میرا کمرہ تھا۔ دروازے پر دو مسلح گارڈز کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے منور، مراد اور سلطان کی بیویاں کھڑی ہوئی تھیں۔ شرمین نے اپنے شوہر نادر شاہ کو دیکھتے ہی کہا۔ "یہ ہماری بھابھی صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ ان کا بیٹا ارمان لندن سے آیا ہے اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ کیا یہ ماننے والی بات ہے؟ اور بیٹا آتے ہی دادا جان سے ملنے گیا ہے۔ یہاں پتہ نہیں اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے؟ ہمیں تو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔"

بیگم مراد یعنی ارمان کی ماں نے کہا۔ "ہم سے قسم لے لو۔ ہم کوئی کھچڑی نہیں پکا رہے ہیں۔ کوئی سازش نہیں کر رہے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارا بیٹا یہاں اچانک کیسے پہنچ گیا ہے؟"

مراد نے مسلح گارڈ نے پوچھا۔ "اندر اور کون لوگ ہیں؟"

گارڈ نے کہا۔ "صرف ارمان میاں اور ماریہ بی بی ہیں۔"

منور نے پوچھا۔ "ان کے مشیر خاص حیات مرزا تو ضرور ہوں گے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "وہاں اور کوئی نہیں ہے۔"

سلطان نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ہمارے بچوں کو تنہائی میں ملنے کی اجازت دی گئی ہے اور ہمیں اندر جانے سے روکا جارہا ہے۔"

نادر نے مسلح گارڈ سے کہا۔ "ہمارے بچے اندر ہیں اب ہم بھی وہاں جاسکتے ہیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "سوری۔ حیات مرزا کی اجازت کے بغیر ہم کسی کو جانے نہیں دیں گے۔"

مراد غازی نے اپنے بہنوئی اور بھائیوں سے کہا۔ "آپ یہاں رہیں میں جاکر دیکھتا ہوں حیات مرزا کہاں ہے؟ ہم ابھی بابا جانی سے ملنے جائیں گے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا ایک طرف جاکر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ سلطان نے کہا۔ "حیات مرزا شائد کسی ڈاکٹر کے چیمبر میں ہوں گے۔ میں ابھی انہیں پکڑ کر یہاں لاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہ ہمیں اندر جانے سے کیسے روک سکیں گے؟"

وہ بھی تیزی سے چلتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ نادر نے منور سے کہا۔ "آپ ذرا ایک طرف آئیں۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں ان مسلح گارڈز اور تمام خواتین سے ذرا دور آگئے۔ نادر شاہ نے کہا۔ "منور بھائی! آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ مراد بڑی گہری چالیں چل رہا ہے۔ یہ تو جانتے ہیں ناں کہ پولیس اور انٹیلی جنس والوں نے اس پر شبہ کیا ہے؟"

"لیکن سلطان اس بات کا چشم دید گواہ ہے کہ حملے کے وقت مراد اس کے ساتھ تھا۔"

"اس لئے ساتھ تھا کہ اس نے خود حملہ نہیں کیا تھا۔ کرائے کے قاتلوں سے کرایا تھا۔ یہ بات موٹی سی عقل سے بھی سوچی جاسکتی ہے۔ یہ تو پورا خاندان جانتا ہے کہ ماریہ اور ارمان ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد رشتہ ازدواج میں منسلک ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے مراد اور سلطان میں خوب بنتی ہے اور وہ ہر معاملے میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔"

منور سن رہا تھا اور گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "بات مجھے کھٹک رہی ہے کہ بیٹا لندن سے آیا ہے اور مراد انجان بنا ہوا ہے۔"

نادر نے کہا۔ "بڑی ہیرا پھیری سے یہ کھیل کھیلا جارہا ہے۔ ایک طرف ارمان بڑی رازداری سے حیات مرزا کے ذریعے اپنے دادا جان تک پہنچ رہا ہے۔ دوسری طرف مراد نے بڑی زبردست پلاننگ کے بعد ہم سب پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔"

قاتلانہ حملہ کرانے والا منور یہ باتیں سن رہا تھا اور تائید میں سر ہلا رہا تھا۔اس نے کہا۔''یہ ارمان بڑے ہی ڈرامائی انداز میں یہاں پہنچا ہے۔یقیناً پہلے سے پلاننگ ہو رہی ہوگی۔ابھی ہم معلوم کر کے رہیں گے کہ ہماری لاعلمی میں یہاں اور کیا ہو رہا ہے؟''

نادر نے کہا۔''میں تو کہتا ہوں ارمان ڈرامائی انداز میں یہاں اچانک نہیں آیا ہے۔بلکہ پہلے سے یہاں پہنچا ہوا ہے۔حیات مرزا نے اسے کہیں چھپا کر رکھا تھا۔تمہارے بابا جانی کا وہ مشیر خاص بہت گہری چالیں چل رہا ہے۔''

منور نے کہا۔''نادر!تمہاری یہ بات دل کو لگ رہی ہے کہ مراد کا بیٹا اور سلطان کی بیٹی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور آئندہ ان کی شادی ہونے والی ہے۔یہ دونوں بھائی بظاہر میرے ساتھ ہیں مگر اندر ہی اندر میری جڑیں کاٹ رہے ہیں۔''

''آپ بھی ان کے ساتھ یہی کریں۔وہ دونوں سگے ہیں مگر سوتیلوں سے بدتر ہیں۔آپ بھی اندر ہی اندر ان کی جڑیں کاٹیں۔میں تو ان کی چال بازیوں کا منہ توڑ جواب دوں گا۔''

''فی الحال ہمیں بابا جانی کے کمرے میں جانا ہے۔یہ معلوم کرنا ہے کہ ارمان سے کیا باتیں ہو رہی ہیں؟''

ایسے وقت حیات مرزا نظر آیا۔وہ مراد اور سلطان کے ساتھ ادھر آ رہا تھا۔وہ دونوں لپک کر اس کے قریب آئے۔منور نے کہا۔''یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمام بیٹوں کو باپ سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔صرف ایک پوتے کو اہمیت دی جا رہی ہے۔یہاں ہماری اولادیں بھی ہیں اور بھی پوتے پوتیاں ہیں۔آپ ارمان کو بہت زیادہ اہمیت دے کر ہمارے درمیان نفرت اور کشیدگی پیدا کر رہے ہیں۔''

حیات مرزا نے کہا۔''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔تم لوگوں کو بھی ملنے کی اجازت دی جائے گی۔''

منور نے پاؤں پٹخ کر کہا۔''ہم ابھی ملنا چاہتے ہیں۔''

وہ بولا۔''اچھی بات ہے۔میں ابھی غازی صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

وہ پلٹ کر مسلح گارڈز کے درمیان سے گزرتا ہوا میرے کمرے میں آیا۔میں بستر پر پڑا ہوا تھا۔ماریہ اور ارمان میرے آس پاس بستر کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے کہا۔''نادر شاہ اور تینوں بیٹے آپ سے ملنے کی ضد کر رہے ہیں۔''

میں جانتا تھا وہ سب انگاروں پر لوٹ رہے ہوں گے۔میں جان بوجھ کر ارمان کو

اس لئے اہمیت دے رہا تھا کہ ان کے درمیان تلخیاں اور فاصلے پیدا ہوتے رہیں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے بدترین دشمن بن جائیں۔

میں نے کہا۔''انہیں آنے دو۔''

حیات مرزا نے دروازے پر آ کر کہا۔''تم سب آ سکتے ہو مگر زیادہ بھیڑ نہ لگائی جائے تو بہتر ہے۔''

نادر شاہ اور تینوں بیٹوں نے تمام عورتوں اور بچوں کو باہر رہنے کے لئے کہا۔پھر وہ چاروں اندر آ گئے۔مراد نے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی کہا۔''ارمان! یہاں باپ سے چھپ کر آئے ہو۔کیا مجھ سے پہلے نہیں مل سکتے تھے؟ یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ دادا جان سے یا حیات مرزا سے تمہارا خفیہ رابطہ رہتا ہے؟''

سلطان نے اپنی بیٹی ماریہ سے کہا۔''تم بھی ارمان کی طرح اپنے ماں باپ کو دھوکہ دے رہی ہو۔ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اولاد کا خون اس طرح سفید ہو سکتا ہے۔''

میں نے بڑی بیمار مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو دیکھا۔میں زیادہ بولتے وقت کمزوری کے باعث ہانپنے لگتا تھا۔پھر بھی نقاہت سے بولا۔''کیا میرے بیٹوں کو آج معلوم ہوا ہے کہ رگوں میں دوڑنے والا باپ دادا کا خون بھی سفید ہو جاتا ہے؟''

ان سب کی نگاہیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔میں نے کہا۔''ایک عرصے سے یہ ثابت کرتے آ رہے ہو کہ تم لوگوں کا خون سفید ہو چکا ہے۔یہ بچے مجھ سے محبت کرتے ہیں۔میری بہتری چاہتے ہیں۔تم لوگ انہیں خواہ مخواہ غصہ دکھا کر کچھ حاصل نہیں کر پاؤ گے۔''

منور نے کہا۔''تعجب ہے۔آپ کی یادداشت گم چکی ہے۔آپ ایک باپ کی حیثیت سے ہمیں پہچان نہیں پاتے ہیں۔پھر اس پوتی اور پوتے کو کیسے پہچان رہے ہیں؟''

میرے ہونٹوں پر پھر بیماری مسکراہٹ پھیلی۔میں نے کہا۔''میری یادداشت عارضی طور پر گم ہوئی تھی۔اس کے بعد میں خود کو اور تم سب کو پہچاننے لگا تھا۔''

انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔پھر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔میں نے کہا۔''میں نے سونے کی اینٹیں خواب میں نہیں دیکھیں۔کیونکہ یہ خواب نہیں' حقیقت ہے۔آج میں کھل کر کہتا ہوں' میں نے چالیس من سونا چھپا کر رکھا ہے اور جہاں چھپایا ہے' وہاں ہیرے جواہرات کا بھی ذخیرہ ہے۔''

ان سب کی سانسیں اوپر کی اوپر ہی رہ گئیں۔وہ چند لمحوں تک جیسے سانس لینا بھول گئے۔میں نے کہا۔''تم لوگوں نے کمینگی اور عداوت کی حد کر دی۔تمہارے کرائے کے قاتلوں

نے مجھے اغوا کیا۔ گولی مار کر زخمی کیا اور جب میرے بدن میں خون کی کمی ہوئی تو مجھے چرسیوں‘ موالیوں کا خون دیا گیا۔ ایسے زہریلے خون کے اثرات مجھے پنپنے نہیں دے رہے ہیں۔ ڈاکٹروں کی دوائیں بے اثر ہو رہی ہیں۔ تم لوگ مجھے روز تھوڑا تھوڑا کر کے قتل کر رہے ہو۔ تم جیسی دشمن اولاد کسی باپ کے گھر میں پیدا نہیں ہوئی ہوگی۔“

ان سب نے یوں سر جھکا لئے‘ جیسے شرم سے پانی پانی ہو رہے ہوں۔ میں خوب سمجھ رہا تھا‘ شرم اور غیرت انہیں چھو کر بھی نہیں گزرتی تھی۔ ان لمحات میں وہ اداکاری دکھا رہے تھے۔

منور غازی نے بڑی ندامت سے کہا۔ ”بیشک ہم نے غلطیاں کی ہیں۔ ایسی غلطیاں جنہیں معاف نہیں کیا جا سکتا.....“

پھر وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”آپ ہمیں معاف نہ کریں۔ ہمیں ایسی سزائیں دیں‘ جنہیں دیکھ کر دوسری نافرمان اولادیں عبرت حاصل کرتی رہیں۔“

میں نے کہا۔ ”نہ میں نے پہلے کبھی سزائیں دیں‘ نہ اب دوں گا۔ تمہارے اعمال خود ہی تمہارے سامنے آ رہے ہیں۔“

میں نے ایک ایک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آئندہ تم مجھے اس ہوسپٹل میں قیدی بنا کر نہیں رکھ سکو گے۔ اب یہاں میرے قابل اعتماد اور وفادار سیکورٹی گارڈز ہیں۔ میں تم سب کو حکم دیتا ہوں‘ چوبیس گھنٹے کے اندر یہ ہوسپٹل چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔“

”ہم آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کریں گے۔ یہاں سے چلے جائیں گے۔ لیکن بابا جانی! چالیس من سونے کی اور ہیرے جواہرات کی بات ہے۔ یہ کوئی ڈھول مٹی نہیں ہے۔ ہمیں اتنا تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کثیر خزانے کا کیا بنے گا؟ آپ اسے کس کے حوالے کریں گے؟“

میں نے کہا۔ ”یہ سوال نہ کرو۔ اس کا جواب میری موت کے بعد ملے گا۔“

منور نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ ہم کوئی سوال نہیں کریں گے۔ آپ کے سامنے ہاتھ بھی نہیں پھیلائیں گے۔ مگر میری ایک جائز بات مان لیں۔“

میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا۔ ”آپ صرف مجھ سے ہی نہیں مراد اور سلطان سے بھی ناراض ہیں۔ مگر ان کے بچوں کو محبتیں دے رہے ہیں۔ ان پر اعتماد کر رہے ہیں۔ آپ میرے بچوں کو بھی آزمائیں‘ وہ بھی قابل اعتماد ہیں۔ وہ بھی آپ کی محبت کے محتاج ہیں۔“

نادر شاہ نے کہا۔ ”ہم آپ کے حکم کے مطابق یہاں سے چلے جائیں گے۔ لیکن یہ

جانتے ہیں کہ ماریہ اور ارمان یہاں آپ کے پاس ضرور رہیں گے۔ اسی طرح ہماری یہ التجاء قبول کریں۔ ہماری اولاد کو بھی یہاں رہنے دیں۔“

”میں جسے مناسب سمجھوں گا‘ اسے اپنے پاس رہنے کی اجازت دوں گا۔ فی الحال ماریہ اور ارمان یہاں رہیں گے۔ بعد میں ضروری سمجھوں گا تو تمہارے بچے بھی یہاں آسکیں گے۔“

منور نے کہا۔ ”یہ ہمارے بچوں کے ساتھ سراسر ناانصافی ہوگی۔“

”تم لوگوں نے میرے ساتھ کتنی ناانصافیاں کی ہیں۔ ان کا حساب کرو اور سر جھکا کر یہاں سے چلے جاؤ۔“

”ہم جا رہے ہیں‘ مگر خدا کے لئے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ کچھ تو لچک پیدا کریں۔ ہم زیادہ کچھ نہیں چاہتے بس ہمارے بچوں کو اپنے پاس رہنے دیں۔“

میں نے ایک ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجے میں کہا۔ ”میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں۔ بس.....اب جاؤ۔ مجھے آرام کرنے دو۔“

وہ سب وہاں سے جانے لگے۔ ماریہ اور ارمان بھی ان کے ساتھ کمرے سے چلے گئے۔ میں نے اپنے داماد اور تینوں بیٹوں کے اندر دو زبردست دھماکے کئے تھے۔ ایک تو یہ کہ میری یادداشت واپس آگئی ہے۔ دوسرا دھماکا یہ تھا کہ میں نے بہت بڑا خزانہ کہیں چھپا کر رکھا ہے اور کہاں چھپا کر رکھا ہے یہ شائد ماریہ اور ارمان کو بتانے والا ہوں یا بتا چکا ہوں۔

وہ اندر ہی اندر تلملا رہے تھے۔ کمرے سے باہر آتے ہی منور نے ارمان سے کہا۔ ”بابا جانی نے تمہیں اس خزانے کے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ بتایا ہوگا۔ وہ خزانہ ہے‘ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ وہ اُسے زمین میں دبا کر اِس دنیا سے نہیں جائیں گے۔ جانے سے پہلے یقیناً کسی کو رازدار بنائیں گے اور وہ رازدار تم اور ماریہ ہو۔“

ارمان نے کہا۔ ”ہوسکتا ہے‘ دادا جان آئندہ کبھی ہمیں رازدار بنانا چاہیں گے۔ مگر اب سے پہلے ہمیں ایسے کسی خزانے کا علم نہیں تھا۔ ابھی ہم نے آپ کی موجودگی میں یہ باتیں سنی ہیں۔“

نادر نے کہا۔ ”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ حیات مرزا کے ذریعے تمہارا رابطہ دادا جان سے رہا ہے۔ تم جس طرح اچانک ہی ڈرامائی انداز میں آکر ان سے مل رہے ہو۔ تنہائی میں باتیں کر رہے ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے‘ خزانے کے سلسلے میں گہری رازداری برتی جا رہی ہے۔“

مراد نے منور اور نادر سے کہا۔ ”تم لوگ کیوں میرے بیٹے کے پیچھے پڑ گئے

ہو؟ جب بابا جانی نے اسے خزانے کے سلسلے میں کچھ نہیں بتایا تو یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ میرا بیٹا ہمارے خلاف ڈھکی چھپی سازشیں کر رہا ہے؟"

منور نے کہا۔ "یقیناً کر رہا ہے۔ اب تو تم اور سلطان یقیناً ماریہ اور ارمان کی حمایت میں بولو گے۔ کیونکہ انہیں بابا جانی کی بھرپور حمایت حاصل ہے اور وہ ان پر اندھا اعتماد کر رہے ہیں۔ وہ ضرور انہیں پوشیدہ خزانے کا راز بتائیں گے یا شائد بتا چکے ہیں۔"

سلطان نے کہا۔ "آپ خواہ مخواہ ہم پر شبہ کرتے رہیں گے۔ ہم سے بدظن ہوتے رہیں گے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ اب آپ ہم پر بھروسہ نہیں کریں گے اور نہ ہی ہمیں اس بات کی پرواہ ہے۔ چلیں مراد بھائی! اپنے بچوں کو یہاں سے لے کر چلیں۔ ہم کسی کے ساتھ تُو تُو میں میں کرنا نہیں چاہتے۔"

نادر شاہ نے کہا۔ "ہاں۔ اب تو تم اتحاد توڑو گے۔ اب تمہیں نہ میری ضرورت رہی ہے' نہ منور بھائی کی اور نہ ہی تم کبھی بہنوں کا حق دینا چاہو گے۔ تم دونوں نے منور بھائی کو اندھیرے میں رکھ کر بڑی زبردست چال چلی ہے۔"

سلطان نے اپنی بیٹی ماریہ کا ہاتھ پکڑا اور مراد نے اپنے بیٹے ارمان کے شانے کو تھپک کر کہا۔ "چلو بیٹا! یہاں سے.....کوئی دشمن بن کر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

مراد اور سلطان اندر ہی اندر بہت خوش تھے۔ ان کے بچوں کو میری حمایت حاصل ہوگئی تھی اور یہ یقین ہوگیا تھا کہ سارا خزانہ انہی کے حصے میں آئے گا۔ یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ ان لمحات میں منور غازی' نادر شاہ اور ان کے جوان بچے کس طرح انگاروں پر لوٹ رہے ہوں گے؟

وہ جیتے جی اتنے بڑے خزانے سے محروم ہوجانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے جان دینے اور جان لینے والی دشمنی برقرار رکھنے والے تھے۔

ادھر سلطان اور مراد مسرتوں سے نہال ہو رہے تھے۔ ماریہ اور ارمان کو تنہائی میں بٹھا کر ان کی خوب تعریفیں کر رہے تھے۔ یہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے باپ سے دشمنی کر کے کچھ حاصل نہیں کیا۔ مگر بچے اپنے دادا جان سے محبت کر کے بہت کچھ حاصل کرنے والے ہیں۔

مراد نے بیٹے سے پوچھا۔ "بابا جانی نے خزانے کے متعلق کیا بتایا ہے؟"

ارمان نے کہا۔ "یقین کریں' اس کا ذکر ابھی آپ کے سامنے ہوا تھا۔ دادا جان نے ہم سے کبھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔"

سلطان نے پوچھا۔ "بابا جانی سے تم لوگوں کا رابطہ کس طرح رہا کرتا ہے؟"

ارمان نے کہا۔ "میں یہاں پچھلے کئی ماہ سے ہوں۔ ماریہ کے ذریعے دادا جان کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا۔ آج انہوں نے پہلی بار مجھے اپنے پاس بلایا ہے۔"

مراد نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ ابھی انہوں نے خزانے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ مگر رفتہ رفتہ بہت کچھ بتائیں گے۔ تم دونوں ان کا بھرپور اعتماد حاصل کرتے رہو۔"

سلطان نے کہا۔ "ہم ان کے حکم کے مطابق یہاں سے چلے جائیں گے۔ مگر تمہیں یہاں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ منور بھائی اور نادر شاہ تم دونوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

ارمان نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیں۔ ہم بچے نہیں ہیں۔ پھر یہ کہ حیات مرزا نے ہمارے لئے سیکورٹی کے سخت انتظامات کئے ہیں۔ ہم اپنے طور پر بھی بہت محتاط رہا کریں گے۔"

دیکھا جائے تو میرے حالات کچھ بہتر ہو رہے تھے۔ دشمن اولاد کی طرف سے جو خطرات تھے' وہ کم سے کم ہوگئے تھے۔ انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی تھی۔ اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ یورپ اور امریکہ کی رہائش گاہوں میں چلے گئے تھے۔ عارضی طور پر ہی سہی' مجھے ان سے نجات مل گئی تھی۔

لیکن ان کی پچھلی عداوت مجھے بہت مہنگی پڑ رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے دوسری بیماریاں مجھ پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ میں جسمانی طور پر کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

تقریباً آٹھ ماہ گزر چکے تھے اور میں اب تک اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اپنے بل پر اٹھ کر بیٹھ سکوں۔ بڑی مشکل سے پاؤں کو ایک ذرا سی حرکت دیتا تھا۔ اونچی آواز سے بول نہیں سکتا تھا۔ کسی کو ضرورت کے وقت بلا نہیں سکتا تھا۔ میرے ایک ہاتھ کے پاس کال بیل رکھی گئی تھی۔ اس کے بٹن پر پوری قوت سے ایک انگلی رکھتا تو کوئی نرس یا ملازم میری خدمت کے لئے دوڑا چلا آتا تھا۔

بے حساب سونا' بے حساب مال و زر میرے کسی کام نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ یہ دولت میرے لئے عذاب بن گئی تھی۔ میری تو بس ایک ہی آخری خواہش تھی کہ مجھے صحت اور توانائی حاصل ہو جائے۔

ہم اپنی زندگی میں بہت سی مصیبتیں جھیلتے ہیں۔ اگرچہ اچھے دن بھی دیکھتے ہیں مگر مسرتوں سے زیادہ مصیبتیں گلے پڑتی رہتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ دنیا چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میں بھی بستر پر پڑا سوچتا رہتا تھا' ایسا کچھ ہو جائے کہ کوئی آ کر مجھ سے میری ساری دولت لے لے اور اپنی بھرپور جوانی مجھے دے دے۔

دنیا میں جینے کے لئے جوانی ہی سب کچھ ہے۔ ورنہ بڑھاپا تو بیماریوں کا گھر ہوتا ہے۔ جوانی کو چبا ڈالنے کے بعد ہم پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بڑھاپا مجھ پر حاوی نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا؟ کم از کم اتنا تو ہوتا کہ میں بے دست و پا ہو کر اس بستر پر پڑا نہ رہتا۔

یہ ایک حقیقت ہے' دنیا کے بیشتر بوڑھے بچکانہ سا خواب دیکھتے ہیں۔ بچکانہ سی خواہش دل میں پالتے ہیں کہ شائد یہ بڑھاپا دائمی نہ ہو اور ہمیں موت کی طرف نہ لے جائے بلکہ واپس پھر جوانی کی طرف لے آئے۔

کیا ایسا ممکن ہے کہ وقت کا کانٹا الٹا چلنے لگے؟ ہماری عمر آگے اور بڑھاپے کی طرف جانے کے بجائے الٹے پاؤں جوانی کی طرف پلٹ آئے؟

پہلے یہ خواہش دھیمی دھیمی سی تھی۔ اب شدت اختیار کر رہی تھی۔ میرے اندر یہ بات گردش کرتی رہتی تھی کہ ایک بار مجھے صحت اور توانائی یا دوسرے لفظوں میں جوانی واپس مل جائے۔ میں اپنی اولاد کے مقابلے میں جوان اور توانا ہو کر ان سے پنجے لڑا سکوں۔ قدم قدم پر ان کی سازشوں اور عداوتوں کا منہ توڑ جواب دے سکوں۔

ابھی میں بستر پر۔ بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔ کسی حد تک اپنے لئے حفاظتی انتظامات کر رہا تھا۔ بلکہ میں نہیں' حیات مرزا یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ یعنی میں دوسروں کے سہارے پر تھا۔ اپنے طور پر اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اور میں یہی چاہتا تھا کہ کسی کا محتاج نہ رہوں۔ اتنی توانائی حاصل ہو جائے کہ اپنی حفاظت خود کر سکوں۔ مجھے زیادہ نہ سہی اپنی گزری ہوئی جوانی اور توانائی تھوڑی سی مل جائے۔

ایسی خوش کن باتیں سوچتے سوچتے جوانی کے سبز باغ دیکھتے دیکھتے وقت گزر رہا تھا۔ ایسے ہی سہانے سپنے دیکھتے دیکھتے آخری وقت آجاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ اب شائد میرے بدن پر کبھی گوشت چڑھنے والا نہیں تھا۔

ان حالات میں پھر ایک بار میری شامت آگئی۔ ایک رات میں گہری نیند میں تھا۔ اچانک ہی میرے جسم کو جھٹکا سا لگا۔ کسی نے میرے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایکدم سے اٹھا کر بٹھا دیا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میرے آس پاس جو لوگ تھے۔ ان کے منہ پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا' جیسے اب بھی نیند میں ہوں اور خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ان کی بے رحمی کے باعث جو تکلیف مجھے پہنچ رہی تھی۔ اس سے پتہ چل رہا تھا کہ شائد میرا وقت پورا ہو چکا ہے اور میرا کام تمام کیا جانے والا ہے۔

ایک شخص نے مجھے کاندھوں پر لاد لیا تھا۔ وہ سب دوڑتے ہوئے ہوسپٹل کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے باہر جا رہے تھے۔ میں نے کئی جگہ مسلح گارڈز کی لاشیں دیکھیں۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ دشمنوں نے شب خون مارا ہے اور مجھے وہاں سے کسی دوسری جگہ لے جایا جا رہا ہے۔

میں کسی شخص کے کاندھے پر نڈھال سا پڑا ہوا بے بسی سے گزرتے ہوئے مناظر دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت مجھے ارمان دکھائی دیا۔ وہ ایک دیوار کی آڑ میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلح گارڈز بھی تھے۔ اس نے نشانہ لے کر گولی چلائی۔ جو شخص مجھے اٹھا کر لے جا رہا تھا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے ساتھ چلنے والے دوسرے دشمن نے مجھے اٹھانا چاہا تو مسلح گارڈز فائر کرنے لگے۔ مجھے اٹھا کر لے جانے والے مجبوراً تتر بتر ہو گئے۔

ارمان دوڑتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ وہ مجھے اٹھا کر کسی محفوظ جگہ لے جانا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت کہیں سے ایک گولی چلی اور وہ اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ میری آنکھوں کے سامنے تڑپنے لگا۔ میں بھی اندر ہی اندر تڑپ اٹھا۔ اس کے پاس پہنچنا چاہا مگر مجھ میں ہلنے جلنے کی سکت نہیں تھی۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پوتے کو خون میں بھیگتے اور دم توڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

آہ.....! ایسا دل توڑنے والا المناک منظر دیکھنا مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ میں بوڑھا اب تب میں مرنے والا تھا۔ مگر میرے سامنے میرا جوان پوتا دم توڑ چکا تھا۔ لہو کے رشتوں میں وہی بچہ تو ایک ایسا تھا' جس سے مجھے بھرپور محبت ملتی رہی تھی اور آئندہ بھی ملنے والی تھی۔ مگر سارا قصہ ہی تمام ہو گیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری بوڑھی آنکھوں کو بجھنے سے پہلے ایسا منظر دیکھنا ہوگا۔

کاؤنٹر فائرنگ میں وہ دونوں مسلح گارڈز بھی مارے گئے تھے۔ پھر وہی منہ پر ڈھاٹا باندھے ہوئے دو افراد میرے قریب آئے۔ ان میں سے ایک نے مجھے کاندھے پر لادا۔ پھر وہ ہوسپٹل سے باہر آگئے۔ وہاں کئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک وین کے پچھلے حصے میں میرے لئے بستر بچھایا گیا تھا۔ مجھے وہاں ڈال دیا گیا۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ گاڑیاں وہاں سے چل پڑی ہیں اور مجھے اغواء کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے۔ کسی سے دشمنی نہ کرو۔ پھر بھی آپ ہی آپ دشمن پیدا ہو جاتے ہیں۔ دولت اس دنیا کی سب سے شیطانی بلا ہے۔ اس کی شیطانی کشش نے لہو کے اور دودھ

کے مقدس رشتوں کو ایک گالی بنا دیا تھا۔ میں پھر ایک بار گالیاں کھاتا ہوا پتہ نہیں کہاں اپنی آخری سانسیں پوری کرنے جا رہا تھا؟

وہ گاڑی تقریباً دو گھنٹے تک چلتی رہی پھر وہ اونچے نیچے کچے راستوں سے گزرنے لگی۔ مجھے یاد آیا تقریباً آٹھ ماہ پہلے بابر بلا کے آدمی مجھے ایسے ہی کسی راستے سے لے گئے تھے۔ میں کس قدر مجبور اور بے بس ہو گیا تھا۔ کوئی یار و مددگار نہیں تھا۔ ایسے وقت دعاؤں کا سہارا رہ جاتا ہے اور میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا۔

میری ایک ہی دعا تھی۔ ایک ہی خواہش تھی کہ یہ بڑھاپا' یہ کمزوری ختم ہو جائے۔ میں مخالفین سے اچھی طرح نمٹنا جانتا ہوں۔ مگر نمٹنے کے لئے کچھ تو توانائی حاصل ہو۔

یا خدا! مجھے توانائی دے۔ جوانی واپس نہیں آسکتی نہ آئے۔ یہ بڑھاپا ہی رہے' بال سفید رہیں' چہرے پر جھریاں پڑی رہیں' میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا رہوں' کوئی بات نہیں.... مگر اس بڑھاپے میں کچھ تو صحت مندی اور توانائی حاصل ہو۔

مگر افسوس ... یہ سب سوچنے کی باتیں تھیں۔ محض خیالی اڑان تھی۔ جو لوگ کمزور ہوتے ہیں' کچھ کر نہیں پاتے وہ اسی طرح شہزور بن جانے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

وہ گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ شائد منزل آگئی تھی۔ کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ الفاظ واضح نہیں تھے۔ پھر میں جس وین میں پڑا ہوا تھا اس کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ ایک شخص نے میری ٹانگیں پکڑ کر مجھے باہر کی طرف کھینچا۔ دوسرے نے مجھے اٹھا کر کاندھے پر لاد لیا۔ میں نے دیکھا' وہاں سے بیس پچیس گز کے فاصلے پر وسیع و عریض مکان کی چار دیواری تھی۔ وہ لوگ مجھے اسی طرف لے جا رہے تھے۔

ایسے وقت اچانک ہی چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی۔ درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے لوگ فائر کر رہے تھے۔ مجھے اغوا کرنے والے گھبرا کر ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ میں نے حیات مرزا کی آواز سنی۔ وہ چیختے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''غازی صاحب! فکر نہ کریں۔ ہم آگئے ہیں۔''

حیات مرزا کی آواز سن کر میری جان میں جان آئی۔ ایسا حوصلہ پیدا ہوا کہ میں دشمن کے کاندھے سے اچھل کر تیر کی طرح اپنے جانثار معتمد خاص تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مگر جسم میں جان نہ ہو کمزوری غالب ہو تو حوصلہ کام نہیں آتا۔

میں صرف سوچ کر رہ گیا۔ جو مجھے کاندھے پر لاد کر لے جا رہا تھا۔ اس سے الگ نہ ہو سکا۔ وہ اور اس کے ساتھی جوابی فائرنگ کرتے ہوئے اس مکان تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ایسے

ہی وقت مجھے یوں لگا' جیسے اچانک توانائی حاصل ہو گئی ہے۔ میں ایک جھٹکا کھا کر اس کے کاندھے سے الگ ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یوں الگ ہونے میں نہ میری توانائی تھی اور نہ حوصلہ تھا۔ جو شخص مجھے اٹھا کر لے جا رہا تھا۔ اسے گولی لگی تھی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا تھا۔

میں اس سے الگ ہو کر زمین پر لڑھکتا ہوا ایک چھوٹے سے گڑھے میں آگرا۔ گرنے کے باعث میری ہڈیاں چٹخنے لگی تھیں۔ میں تکلیف کی شدت سے کراہنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا' اب تب میں یا تو مر جاؤں گا یا بیہوش ہو جاؤں گا۔

ایسا اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو ہم سوچتے نہیں ہیں' وہ ہو جاتا ہے۔ آج سے آٹھ ماہ پہلے میں ٹھیک اسی گڑھے میں آگرا تھا۔ پھر میرے ایک دشمن نے مجھے آدبوچا تھا۔ ایسے وقت میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں اس کی انگلیوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ ہم گویا پنجہ لڑا رہے تھے۔ ایسے وقت اور دو چار دشمن آگئے تھے اور مجھے وہاں سے گھسیٹ کر لے گئے تھے۔

اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ پنجہ لڑانے کے باعث میرے ہاتھ کی انگلی سے وہ چاندی کی انگوٹھی نکل کر وہاں گر پڑی تھی.... اور یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ اب تک اسی گڑھے میں تھی۔ تقریباً نصف انگوٹھی مٹی میں دھنسی ہوئی تھی۔ نصف باہر کی طرف جھلک رہی تھی۔

میری ہڈیاں پھوڑے کی طرح دکھ رہی تھیں۔ لیکن اس پر نظر پڑتے ہی میں ایکدم سے ساری تکلیفیں بھول گیا۔ دیدے پھاڑ کر اس انگوٹھی کو دیکھنے لگا۔ بڑی حیرانی سے لرزنے لگا۔ میرا ایک ہاتھ بھی لرز رہا تھا۔ کمزوری ایسی تھی کہ فوراً ہی اسے چھو نہیں سکتا تھا۔

یا خدا! مجھے توانائی دے۔ میں اب تک توانائی بھی مانگتا رہا اور جوانی بھی مانگتا رہا۔ اب صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اس انگوٹھی کو چھو لوں' پکڑ لوں' پہن لوں.... ہاں.... کسی طرح پہن لوں۔

لاوا اسٹون دینے والے بزرگ نے کہا تھا کہ اسے گم نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی گمشدگی نحوست لائے گی اور میں پچھلے آٹھ ماہ سے دیکھ رہا تھا کہ اس انگوٹھی سے محروم ہونے کے بعد کیسے کیسے بدترین حالات سے گزر رہا ہوں؟

میرا ہاتھ اس کے قریب تھا۔ میں گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے' اپنی تمام تر توانائیوں کو سمیٹ کر ایک جھٹکے سے انگوٹھی کی طرف پہنچنا اور اسے اپنی گرفت میں لینا چاہتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ میرا ہاتھ چیونٹی کی چال کی طرح آہستہ آہستہ اس طرف گھسٹ رہا تھا۔

یہ فکر بھی تھی کہ کوئی دشمن آ کر مجھے وہاں سے کھینچ کر انگوٹھی سے دور نہ لے جائے۔ اس وقت فائرنگ کی شدت میں کمی ہو گئی تھی۔ ایک دوسرے پر گولیاں چلانے والے یا

تو زخمی ہوگئے تھے یا مارے گئے تھے۔ جو بچ گئے تھے' وہ محتاط رہ کر مخالفین پر غالب آنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

میں نے پھر ایک بار حیات مرزا کی آواز سنی۔ اس بار وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''غازی صاحب! میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت جہاں ہیں' وہیں پڑے رہیں۔ میرے آدمی آپ تک ضرور پہنچیں گے اور آپ کو یہاں سے بہ خیریت لے جائیں گے۔''

حیات مرزا کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ زخمی ہوگیا ہے۔ پتہ نہیں' کس حال میں تھا اور کہاں چھپا ہوا تھا؟ میرے اندر سوال پیدا ہوا... ''کیا بدنصیبی پھر میرا مقدر بن جائے گی؟ میں انگوٹھی تک پہنچ نہیں پاؤں گا؟ جبکہ یہ مجھ سے چار یا پانچ انچ کے فاصلے پر ہے۔''

کیا انسان اس قدر بے بس بھی ہوسکتا ہے کہ دو چار انچ کا فاصلہ طے نہیں کر پاتا...؟ میرے ساتھ تو یہی ہو رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا' میں اس انگوٹھی تک کبھی پہنچ نہیں پاؤں گا۔ پھر میرے حالات نے سمجھایا کہ انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اچانک ہی قدرتی حالات کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔

اور پھر یہی ہوا... اچانک ہی کوئی مجھ پر آ گرا۔ اس کے گرتے ہی میرے ہاتھ کو جھٹکا پہنچا اور میری پوری ہتھیلی اس انگوٹھی پر آ گئی۔ میں نے اسی لمحے مٹھی بند کرلی۔ پتہ نہیں کتنی مٹی میری مٹھی میں آگئی تھی؟ میں اس انگوٹھی کی سختی کو محسوس کر رہا تھا۔ یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ میری گرفت میں ہے اور میں اسے حاصل کر چکا ہوں۔

مجھ پر گرنے والے نے مجھے کھینچ کر اس گڑھے سے نکالا۔ دو مزید افراد رینگتے ہوئے اور ادھر ادھر فائر کرتے ہوئے میرے قریب آ گئے تھے۔ وہ سب نہ تو اٹھ کر بیٹھ سکتے تھے' نہ کھڑے ہوسکتے تھے۔ اگر ایسا کرتے تو کہیں سے بھی آنے والی اندھی گولی انہیں ابدی نیند سلا سکتی تھی۔ اس لئے وہ سب زمین پر اوندھے پڑے ہوئے تھے اور مجھے آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے اس مکان کی طرف لے جا رہے تھے۔

ان لمحات میں میرا پورا وجود' میری پوری زندگی اس ایک مٹھی میں تھی۔ وہ لوگ مجھے کھردری زمین پر گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ میں تکلیف کی شدت سے بے حال ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کوشش میں تھا کہ میری وہ مٹھی پاجامے کی جیب میں چلی جائے۔

بزرگ نے کہا تھا کہ جب تک وہ پتھر میرے پاس رہے گا' تب تک میرے اعصاب کبھی کمزور نہیں ہوں گے۔ مجھ میں اس قدر قوت ارادی پیدا ہوگی کہ میں بیماری کے دوران خود ہی اپنا مسیحا بن جایا کروں گا۔

تھوڑی دیر بعد ہی میری قوت ارادی نے کام دکھایا۔ میری مٹھی پاجامے کی جیب میں چلی گئی اور وہ انگوٹھی وہاں پہنچ کر محفوظ ہوگئی۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ محسوس کرنے لگا کہ زمین پر گھسیٹے جانے کے باوجود تکلیف تو بہت ہو رہی ہے مگر مجھ میں برداشت کرنے کی قوت بھی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ امید' یہ حوصلہ پیدا ہو رہا تھا کہ میں موت سے اور موت بن کر آنے والوں سے نمٹ سکوں گا۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ شائد مجھے راہ نجات ملنے والی ہے۔ رہائی کی کوئی صورت نکلنے والی ہے۔

اور وہاں بھی ایسے کچھ آثار پیدا ہو رہے تھے۔ اس وقت تین افراد مجھے اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ایسے ہی وقت ان میں سے دو افراد گولیوں کی زد میں آ کر بے جان ہوگئے۔ مجھے گھسیٹ کر لے جانے والوں کو موت گھسیٹ کر لے گئی۔

اب صرف ایک شخص رہ گیا تھا۔ میرے قریب ہی زمین پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ میرے آس پاس جو مردہ پڑے ہوئے تھے' ان کے ہتھیاروں تک میں با آسانی پہنچ سکتا تھا۔ مگر افسوس خود کو اس قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔ ایک ذرا ہاتھ پاؤں ہلا سکتا تھا۔ لیکن ان سے کوئی کام نہیں لے سکتا تھا۔ ہتھیار تو بہت بھاری ہوتے ہیں۔ میں ایک تنکا پکڑ کر اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔

ایسے وقت فائرنگ کی دو آوازیں سنائی دیں۔ سناٹے میں دور تک چیخیں گونجتی گئیں۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ایک دوسرے پر فائر کرنے والے مارے گئے ہیں یا زخمی پڑے ہیں یا پھر وہاں سے بھاگ گئے ہیں۔ ایسے وقت میں نے حیات مرزا کی آواز سنی۔ ''غا.... زی..... صا.... حب....!''

میں نے زمین پر لیٹے ہی لیٹے سر کو ایک طرف گھما کر دیکھا۔ حیات مرزا اس مکان کی ایک دیوار کے پیچھے سے لڑکھڑاتا ہوا سامنے آیا تھا۔ وہ لہو سے تر بتر تھا۔ اس کے ہاتھ سے گن چھوٹ گئی تھی۔ وہ آگے پیچھے ڈگمگاتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر تڑپ گیا۔ خدایا! میں کیا کروں؟ میں تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا اور دل تڑپ رہا تھا۔ آہ... میں اس کے پاس پہنچ کر اسے سہارا نہیں دے سکتا تھا۔

ہماری محبت سے اور ہمدردانہ جذبات سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے سنگین حالات میں توانائی اور زور جوانی لازمی ہوتی ہے۔ ہمیں بڑھاپے میں کچوکے دیتی ہے کہ جتنا بھی تڑپتے رہو۔ اپنا سر پیٹتے رہو کچھ نہیں کر پاؤ گے۔ اپنوں کو مرتے ہوئے دیکھو گے پھر خود ٹھنڈے

پڑ جاؤ گے۔

حیات مرزا زخموں سے چور تھا۔ آگے پیچھے ڈگمگا رہا تھا۔ پھر وہ دھپ کی آواز کے ساتھ اوندھے منہ گر پڑا۔ ایسا گرا کہ وہاں سے ہل نہ سکا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ شائد وہ سر اٹھا کر مجھے دیکھے گا۔ میں اشارے سے کچھ کہہ سکوں گا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ایک منٹ' دو منٹ' دس منٹ پھر بیس منٹ گزر گئے۔ اس کے ساکت جسم نے سمجھا دیا کہ وہ جاں نثار مجھ پر قربان ہو چکا ہے۔

حالات بڑے دل شکن تھے۔ ایسی بھی کیا بد نصیبی ہے؟ پہلے میرا پوتا ارمان اور اب میرا مشیر معتمد خاص حیات مرزا میری آنکھوں کے سامنے دم توڑ چکا تھا۔ مجھ سے محبت کرنے والے آئندہ میرے کام آنے والے ہمیشہ کے لئے کام آ چکے تھے۔

اتنی بڑی دنیا میں اب ایسا کوئی نہیں رہا تھا' جس پر میں اعتماد کر سکتا اور اسے فخر سے اپنا کہہ سکتا۔ کوئی نہیں تھا.....کوئی نہیں تھا۔ اب میری باری تھی۔ میں اپنی موت کا مزہ چکھنے کے لئے تن تنہا رہ گیا تھا۔

خاموشی گہری خاموشی.....دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ نہ اب گولی چلنے کی آواز آ رہی تھی اور نہ ہی کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ یقیناً موت سب ہی کو پچھاڑ کر جا چکی تھی۔ صرف میں زندہ تھا اور میرے پاس اوندھے منہ پڑا ہوا شخص سہما ہوا سا سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے دل میں یہ خوف سمایا ہوا تھا کہ وہاں سے گھسٹتا ہوا مکان کے اندر جائے گا تو اسے بھی کہیں سے گولی آ کر لگے گی۔

اس نے میری طرف جھک کر کہا۔ ''اے! میں تمہیں یہاں سے نہیں لے جا سکوں گا۔ خود ہی اس مکان کے اندر جانے کی کوشش کرو۔ نہیں تو مارے جاؤ گے۔''

میں نے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ میری حالت بتا رہی تھی کہ میں ہلنے جلنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس نے کہا۔ ''کوشش کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ اندر چلوں گا۔''

میں نے ایک بار پلک جھپکائی۔ پھر اٹک اٹک کر کہا۔ ''ہم.....دونوں کو.....یہیں مرنا ہے۔''

اس نے غصے سے کہا۔ ''بکواس مت کرو۔ یہاں سے گھسٹتے ہوئے چلو۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کوئی دشمن ہماری تاک میں چھپا ہوا ہے یا نہیں؟''

میں نے دیدے گھما کر مکان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نہ میں خود یہاں آیا ہوں اور نہ ہی آگے جاؤں گا۔ میں.....میں یہاں سے واپس جانے والا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''تمہارا تو باپ بھی واپس نہیں جا سکے گا۔ ابھی ایک ہاتھ پڑے گا تو اٹھ کر مکان کے اندر بھاگو گے۔''

اس نے مجھے مارنے کے لئے ایک ہاتھ اٹھایا۔ وہ میرے منہ پر گھونسا مارنا چاہتا تھا۔ مگر مار نہ سکا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی اس کے قریب سے سنسناتی ہوئی گزری۔ وہ چیخ پڑا۔ پھر اوندھے منہ ہو کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اسی وقت پھر ایک بار گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ دور کہیں کوئی چیخ مار کر خاموش ہو گیا تھا۔ گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

ایسی سچویشن تھی کہ نہ آگے کہیں جا سکتے تھے اور نہ جہاں تھے' وہاں خیریت سے رہ سکتے تھے۔ پھر کوئی گولی ہماری طرف آ سکتی تھی۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم کب تک وہاں مردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑے رہیں گے؟

وہ میرے قریب اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے جیب سے اسے نکال کر نمبر پڑھے۔ پھر بٹن دبا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو بلے بھائی! میں گلو بول رہا ہوں۔''

بابر بلے نے پوچھا۔ ''وہاں کیا ہو رہا ہے؟''

وہ بولا۔ ''یہاں بہت کچھ ہو چکا ہے۔ آگے کیا ہونے والا ہے کچھ پتہ نہیں؟ ہمارے سب ہی آدمی مارے گئے ہیں۔ کوئی دشمن بھی زندہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ میں اس بوڑھے غازی کے ساتھ زمین پر پڑا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے ہاتھ اٹھایا تھا تو ایک گولی چلی تھی۔ میں تو بچ گیا۔ مگر دوسری گولی چلنے کے بعد کسی کی چیخ سنائی دی تھی۔ ہمارا کوئی دشمن زندہ ہے۔ اس تاک میں ہے کہ میں یہاں سے اٹھوں اور وہ مجھے گولی مار دے۔''

''کیا وہ غازی زندہ ہے؟''

''ہاں۔ زندہ تو ہے مگر مردے سے بدتر ہے۔ اپنی جگہ سے ذرا ہلتا بھی نہیں ہے۔''

''اس سے بات کراؤ۔''

اس نے میری طرف فون بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اے! بلے بھائی سے بات کرو۔''

تھوڑی دیر پہلے میرے اندر اس قدر کمزوری تھی کہ گڑھے میں گرنے کے بعد اس انگوٹھی تک پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ اب اسے حاصل کرنے کے بعد محسوس کر رہا تھا' جیسے طبیعت بحال ہو رہی ہے۔ وہ انگوٹھی میری جیب میں تھی اور پتہ نہیں کیوں مجھے اطمینان قلب حاصل ہو رہا تھا۔

جب اس شخص نے اپنا فون میری طرف بڑھایا تو میں نے بے اختیار اسے تھام لیا۔ بڑی حیرانی سے اپنے ہاتھ کو پھر اس فون کو دیکھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے تھام لینے کی

توانائی کیسے حاصل ہوگئی ہے؟

میں نے اسے کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو....؟''

دوسری طرف سے بلے نے کہا۔ ''گلو کہہ رہا ہے' تم مردے سے بدتر ہوگئے ہو۔ مگر تم تو بول رہے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''یہ خوشخبری میرے بیٹوں کو سنا دو کہ میں بول رہا ہوں۔ ابھی زندہ ہوں۔ مگر وہ بات کبھی نہیں بولوں گا' جسے وہ سننا چاہتے ہیں۔''

''ابھی تمہارا کوئی بیٹا میرے پاس نہیں ہے۔ مگر ہاں۔ کوئی ہے جو تم سے بات کرنا چاہتا ہے... یہ لو بات کرو۔''

چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک آواز ریگ مال کی طرح جیسے کانوں کو چھیلتی ہوئی سنائی دی۔ ''ہیلو غازی...! کیا مجھے آواز سے پہچان رہے ہو؟''

وہ میری طرح سونے کا بیوپاری تھا۔ بلکہ اسمگلر تھا۔ میں نے کہا۔ ''تم بڑ بولے ہو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ میں ہوں' سری واستو بڑ بولا.... تمہارا حساب چکانے ممبئی سے یہاں آیا ہوں۔ میں نے تمہیں وارننگ دی تھی کہ اپنے دھندے کو پاکستان اور دبئی تک محدود رکھو۔ انڈیا کا رخ کبھی نہ کرنا۔ مگر تم نے مہاراشٹر میں اپنا مال پہنچا کر مجھے بہت نقصان پہنچایا تھا۔ آج وہ نقصان پورا کرنے آیا ہوں۔ تمہارے اور بھی کئی دشمن ہیں۔ جب انہیں پتہ چلے گا کہ تم ایسے بدترین حالات سے گزر رہے ہو تو وہ بھی تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔''

''میرے بیٹے کیا کم' تھے جو تم دشمنی کے لئے آگئے؟ تمہارے پیچھے اور چلے آئیں گے۔ ایسے وقت یہی کہوں گا' مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں... کیا یہ بتانا چاہو گے کہ مہاراشٹر کے رہنے والے ہو' یہاں بلے کو کیسے جانتے ہو؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''تمہارے بیٹے منور نے جان پہچان کرائی ہے۔ بڑا لائق بیٹا ہے تمہارا... تمہارے معاملے میں اس بے چارے کی دال نہیں گل رہی تھی۔ آخر گلانے کے لئے مجھ سے دوستی اور سمجھوتہ کیا ہے۔''

''تم اس کے لئے کیا کرسکو گے؟''

''ابھی تو کچھ کہہ نہیں سکتا' کیا کروں گا؟ مگر اس کے ذریعہ زبردست معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ تم نے خزانہ کہیں دبا کر رکھا ہے۔ بہت پہنچے ہوئے ہو۔ یقیناً اس سے بھی زیادہ مال کہیں چھپا کر رکھا ہوگا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''سونا ہماری تمہاری کمزوری ہے۔ اس کے بغیر ہم سونا چاہیں تو

نیند نہیں آتی۔ میری تو نیند اڑ گئی ہے۔ مجھے یقین ہے' میں تمہارے چھپے ہوئے خزانے تک ضرور پہنچوں گا اور اپنا نقصان بھاری سود سمیت پورا کروں گا۔''

''پتہ نہیں' تم کیا کرو گے اور میری تقدیر میرے ساتھ کیا کرنے والی ہے؟ کیا ابھی منور سے بات کراؤ گے؟''

اس نے کہا۔ ''منور غازی اس میدانِ جنگ میں تھا' جہاں تم ابھی بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہو۔ وہ وہاں سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔ یہ لو... بات کرو۔''

تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو بابا جانی....!''

میں نے کہا۔ ''تھو ہے تم پر... ذلیل! کمینے! تم نے مجھے ہوسپٹل سے اغوا کرانے کے لئے میرے پوتے ارمان کی زندگی چھین لی۔ میرے جاں نثار حیات مرزا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

''یہ تو میں جانتا ہوں۔ آپ نے مجھے نہ پہلے کبھی معاف کیا ہے' نہ آئندہ کبھی کریں گے۔ خواہ مخواہ اس خزانے پر سانپ بنے بیٹھے ہیں۔ اپنی جان عذاب میں ڈالتے رہتے ہیں۔ میری بات مان لیں... اپنا سب کچھ میرے حوالے کردیں۔ پھر دیکھیں! آپ کا بڑھاپا بڑے ہی آرام و سکون سے گزرے گا۔''

''مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم لوگوں کی جوانی آرام اور سکون سے نہیں گزر رہی ہے۔ ذرا سوچو اور سمجھو' اب تک مجھے مصائب میں مبتلا کرکے کیا حاصل کرتے رہے ہو؟ آج بھی اغوا کرکے کیا حاصل کیا ہے؟ مجھے یہاں پھینک کر بھاگے ہوئے ہو۔ اتنی ہمت نہیں ہے کہ یہاں آکر مجھے کسی دوسری جگہ لے جاسکو۔''

''میں آپ کو آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ وہاں سے ضرور لے جاؤں گا۔ ابھی ہم حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ مراد اور سلطان نے میرے خلاف محاذ آرائی کی ہے۔ ان کے مسلح غنڈوں نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ شاید وہ دونوں پسپا ہوکر بھاگ گئے ہیں یا مارے گئے ہیں؟ آپ کا وہ جاں نثار حیات مرزا اور اس کے آدمی بھی مارے گئے ہیں۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی زیادہ مخالفتیں اور رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''میں بہت مجبور' بے بس اور کمزور ہوں۔ اپنی حفاظت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس کے باوجود تمہاری پہنچ سے دور ہوں۔ تمہارے ہاتھوں عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد بھی محفوظ ہوں۔ خدا سے دعا مانگ رہا ہوں' تمہارے آنے سے پہلے ہی کوئی مددگار آئے اور مجھے کہیں دور لے جائے۔''

وہ حقارت سے بولا۔ ''اُونہہ.....دعا قبول نہیں ہوگی۔ ہم جلد ہی وہاں پہنچنے والے ہیں۔ آپ کو اپنی چھتر چھایہ سے نکل کر جانے نہیں دیں گے۔''

میں نے فون کو کان سے ہٹایا۔ میرے پاس لیٹے ہوئے شخص نے اسے لیا پھر کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو.....میں یہاں اکیلا ہوں۔ کب تک زمین پر پڑا اس کی نگرانی کرتا رہوں گا؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''حوصلہ رکھو۔ تم اکیلے ہو مگر وہاں کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے۔ ہم جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کریں گے۔''

وہ باتیں کر رہے تھے اور میں چاروں شانے چت پڑا کھلے آسمان کو تک رہا تھا۔ یہ سوچ کر حیرانی اور خوشی ہو رہی تھی کہ میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دینے لگا تھا۔ اتنی جان آ گئی تھی کہ میں نے انگوٹھی کو پاجامے کی جیب میں رکھا تھا اور فون کو تھام کر کان سے لگا کر دیر تک باتیں کی تھیں۔

میرے دل نے کہا۔ ''انگوٹھی ملتے ہی مجھے توانائی حاصل ہو رہی ہے۔ یہ بلاشبہ میرے لئے مبارک ہے۔ اب شاید حالات بہتر ہونے والے ہیں۔ مجھے وہ انگوٹھی پہن لینی چاہئے۔''

میں نے اپنے ایک ہاتھ کو آہستہ آہستہ حرکت دی۔ اسے پاجامے کی جیب کے قریب لایا۔ ایسے وقت کمزوری اور تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ دل ہی میں کہہ رہا تھا۔ ''یا اللہ! کیا مجھے اس بڑھاپے اور کمزوری سے نجات نہیں ملے گی؟''

میرا ہاتھ جیب کے اندر پہنچ گیا۔ انگوٹھی میری انگلیوں کی گرفت میں آ گئی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ باہر نکل کر ادھر اُدھر کہیں گر جائے۔ لہٰذا جیب کے اندر ہی اسے ایک انگلی میں پہننے کی کوشش کرنے لگا۔

اسے پہن لینا مشکل نہیں تھا۔ پہلے جیسی صحت اور جسامت نہیں رہی تھی۔ میں تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ انگلیاں اتنی پتلی پتلی تھیں کہ انگوٹھی ایک انگلی میں آنے کے بعد پھر باہر نکل سکتی تھی۔ میں نے اسے پہن کر مٹھی بند کر لی۔ آئندہ بھول سے بھی انگلی سیدھی ہوتی تو وہ کہیں گر سکتی تھی۔ میں پھر اس سے محروم ہو سکتا تھا۔

صرف ایک انگوٹھی پہننے سے ایسی تھکن' ایسی کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور میں اس بری طرح ہانپ رہا تھا' جیسے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر نکالتا رہا ہوں۔

میرے پاس لیٹے ہوئے شخص نے سر گھما کر پاجامے کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''تم جیب کے اندر کیا کر رہے ہو؟''

میں نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ جیب سے باہر نکال لیا۔ میری مٹھی بند تھی۔ اس نے

پوچھا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''کچھ نہیں ہے۔''

وہ بولا۔ ''اسے کھولو''

میں نے انکار میں سر ہلایا۔ وہ میرے ہاتھ کی طرف جھک کر دونوں ہاتھوں سے مٹھی کھولنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے اور سختی سے بند کر لیا۔ میں انگوٹھی والی انگلی سیدھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا' میں کچھ چھپا رہا ہوں۔

میں نے کہا۔ ''ہاتھ چھوڑو۔ میں مٹھی کھول رہا ہوں۔''

اس نے گرفت ڈھیلی کی۔ میں نے ہتھیلی کو پوری طرح کھول کر اس کے سامنے کیا۔ پھر فوراً ہی مٹھی بند کر لی۔ اس نے پوچھا۔ ''یہ انگوٹھی کیسی ہے؟''

میں نے کہا۔ ''جیسی بھی ہے۔ میری ہے۔ خدا کے لئے.....میرا پیچھا چھوڑو۔''

وہ میری انگلی سے اسے نکالنا چاہتا تھا۔ بند مٹھی کو کھولنے کے لئے زور لگانے لگا۔ پتہ نہیں' میرے اندر اتنی قوت کیسے آ گئی تھی کہ پانچوں انگلیاں سختی سے مڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں سیدھا نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر وہی آٹھ ماہ پہلے والا منظر تھا۔ میں اس گڑھے کے قریب ایک دشمن سے پنجہ لڑا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت وہ انگوٹھی انگلی سے نکل کر وہاں گر پڑی تھی۔

اب میری کوشش تھی' میں مٹھی نہ کھولوں۔ اس سے پنجہ نہ لڑاؤں۔ انگوٹھی کو انگلی سے نکل کر گرنے نہ دوں۔ میں ہانپ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''اے میرے پروردگار! سچ مچ مجھے توانائی مل رہی ہے۔ تُو مجھ پر مہربان ہو رہا ہے۔ دشمن میرے مقابلے میں تگڑا ہے۔ لیکن میری مٹھی کھول نہیں پا رہا ہے۔''

ایسے وقت میرا حوصلہ بڑھ رہا تھا اور وہ جھنجلا رہا تھا۔ آخر اس نے ریوالور نکال کر میری مٹھی کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ ''اسے کھولو۔ ورنہ گولی لگتے ہی یہ کھل جائے گی۔''

میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے ریوالور والے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ ہمارے چاروں ہاتھ ایک دوسرے سے زور آزمائی کرنے لگے۔ زور لگانے کے دوران ہم آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ ریوالور کی نال کبھی اس کی طرف جا رہی تھی' کبھی میری طرف آ رہی تھی۔ موت فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے کس طرف جانا چاہئے؟

وہ حیران ہو رہا تھا۔ اب تک یہ دیکھتا رہا تھا کہ میں ہلنے جلنے کے قابل بھی نہیں تھا لیکن اب ایک شہزور کی طرح اس سے مقابلہ کر رہا تھا۔ نہ اسے مٹھی کھولنے دے رہا تھا اور نہ ہی

ریوالور چلانے کا موقع دے رہا تھا۔

بہر حال اسے چلنا تو تھا۔ انگلی ٹریگر پر جمی ہوئی تھی۔ آخر وہ دب گئی۔ ٹھائیں کی آواز سناٹے میں دور تک گونجتی ہوئی گئی۔ پھر ہم دونوں ہی زمین پر گر پڑے۔

میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے آسمان گھوم رہا تھا۔ میں نے دائیں بائیں دیدے گھمائے۔ آس پاس کے مناظر بھی گھومنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ پھر شاید وہی بڑھاپا' وہی کمزوری غالب آگئی۔ میں اپنے آپ سے غافل ہو گیا۔

پتہ نہیں' میں کس عالم میں تھا؟ گہری نیند سونے والے نیم مردہ ہوتے ہیں۔ نہ آنکھیں کھول کر دیکھ پاتے ہیں' نہ کسی کی آواز سنتے ہیں' نہ کسی کو اپنی آواز سناتے ہیں۔ میں خود کو بھلا چکا تھا۔ جب تک آنکھ نہ کھلتی' تب تک نہ تو خود کو دیکھ پاتا' نہ پہچان پاتا۔

تب.... میں نے خود کو گہری تاریکی میں پایا۔ میرے سامنے کچھ فاصلے پر روشنی کی ایک ہلکی سی کرن نمودار ہو رہی تھی۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے گڑگڑاتے ہوئے دعا مانگی۔ ''یا اللہ! اگر میں مر چکا ہوں تو مجھے قیامت کی نیند سونے دے۔ اگر میرے مقدر میں جاگنا ہے تو مجھے بڑھاپے میں نہ جگا۔ اب میں آنکھ کھولوں تو جوانی میں ورنہ ابدی نیند سوتا رہ جاؤں۔''

وہ جو روشنی کی ایک کرن نمودار ہو رہی تھی' وہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی صورت اختیار کرنے لگی۔ مجھے وہی بزرگ دکھائی دیئے' جن سے ایک بار جکارتہ کی مسجد میں ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے سر اور داڑھی کے بال چاندی کی طرح چمک رہے تھے اور ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ وہ اسے زمین پر ٹیکتے ہوئے میرے قریب آ رہے تھے۔

میں ایک بیمار کی طرح چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے قریب آ کر مجھے دیکھا۔ کمزوری کے باعث میری آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں۔ وہ واضح طور پر نظر نہیں آ رہے تھے۔

انہوں نے کہا۔ ''تم نے میری امانت کو سنبھال کر رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے' دوسری بار اسے گم نہیں ہونے دو گے۔ چلو اٹھو... آؤ میرے ساتھ....!''

وہ اب تک کئی بار خوابوں میں آ چکے تھے۔ اکثر اشاروں سے مجھے اپنے پیچھے چلنے کو کہتے تھے۔ انہوں نے عصا کو زمین پر مارتے ہوئے پھر کہا۔ ''اٹھو...''

میرے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں ایکدم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مگر اب بھی کمزوری تھی۔ انہوں نے اپنا عصا میرے شانے پر رکھا۔ میں بے اختیار آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ ''یہ عصا کیا ہے؟ بڑھاپے میں جب کمر جھک جاتی ہے' انسان چلنے پھرنے کے

قابل نہیں رہتا۔ تب وہ ایک لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ لیکن میں بوڑھا اور کمزور نہیں ہوں۔ لہٰذا یہ لاٹھی نہیں ہے۔ سہارا ہے۔ نیک اعمال کا سہارا....''

انہوں نے اپنے عصا کو زمین پر ٹیک کر کہا۔ ''تمہاری مرادیں پوری ہوں گی۔ اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے۔ دراصل انسان جوانی میں ایسی خرمستیاں' ایسے گناہ اور ایسی نادانیاں کرتا ہے کہ رفتہ رفتہ ٹوٹتا پھوٹتا چلا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جسمانی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔ کمر جھکنے لگتی ہے۔ پھر سر پکڑ کر روتا ہے کہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے۔''

میں ان کی باتیں توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ''ہماری دنیا میں ایسے بوڑھے ہیں' جو سو برس گزارنے کے بعد بھی سینہ تان کر چلتے ہیں۔ بیماریاں اور کمزوریاں ان پر غالب نہیں آتیں۔ وہ بڑھاپے میں بھی جوان دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ جوانی میں بھی ان کے ہاتھ میں یہ عصا رہتا تھا۔ یہ نیک اعمال کا عصا انہیں گمراہ ہونے' لڑکھڑانے اور گرنے نہیں دیتا تھا۔''

انہوں نے ایک قدم آگے آ کر اپنے عصا کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لو... نیک اعمال کو تھام لو۔ جب تک یہ تمہارے ہاتھ میں رہے گا' جوانی کی توانائیاں تمہارے ساتھ چلیں گی۔''

میں نے ہاتھ بڑھا کر عصا کو تھام لیا۔ وہ ان کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں آ گیا۔ انہوں نے اپنے دونوں بازو یوں پھیلائے' جیسے گلے لگنے کو کہہ رہے ہوں۔ میں فرط مسرت سے آگے بڑھا تو حیران رہ گیا۔ وہ نظر آ رہے تھے۔ لیکن میں انہیں چھو نہیں پا رہا تھا۔ جب ہم نے ایک دوسرے کو اپنے بازوؤں میں لیا تو وہ جیسے میرے اندر سماتے چلے گئے۔

میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں ڈائری پڑھنا بھول گیا۔ ایکدم سے بابا سائیں یاد آ گئے۔ وہ بھی میرے اندر سما جاتے تھے۔ یا مجھے اپنے اندر چھپا لیتے تھے۔ ایک بار اسی طرح چھپا کر مجھے دشمنوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔

دوسری بار مجھے چھپا کر پھول وتی کے پاس لے گئے تھے اور اسے کلمہ پڑھایا تھا۔ اور اب میرا بیٹا ڈائری میں لکھ رہا تھا کہ وہ جکارتہ والے بزرگ گلے لگتے وقت اس کے اندر سما گئے تھے۔

یہ سب کیا تھا...؟

کیا ستر برس کے بعد جو بزرگ میری بیٹے کی دستگیری کے لئے آئے تھے' وہ بابا سائیں تھے؟

مجھے اس سوال کا جواب نہیں مل سکتا تھا۔ میں نے پھر ڈائری کھولی۔ ادھر میرا بیٹا

حیران تھا۔ اس کے ہاتھ میں عصا آ گیا تھا۔ مگر وہ بزرگ گلے لگتے ہی ایسے گم ہو گئے تھے' جیسے اس کے اندر سما گئے ہوں۔ ڈائری کے الفاظ میرے بیٹے کی زبان سے کہہ رہے تھے.....

''میں ہمیشہ خواب دیکھتا آیا ہوں۔ خیالوں سے بہلتا رہا ہوں۔ مگر ان لمحات میں یقین ہو رہا تھا کہ دل کو بہلانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرے اندر سما گئے تھے۔ میں بے پناہ قوت محسوس کر رہا تھا اور عصا ٹیکتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

میرے آگے زندگی کا نیا باب کھل چکا تھا۔ جوانی ہمیشہ بڑھاپے کی طرف جاتی ہے۔ میں بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ میرے اندر توانائی ایسے بھر گئی تھی' جیسے جوانی آ گئی ہو۔

کھنڈر کو محل بنایا جا سکتا ہے۔ تباہ و برباد ہونے والی قوم دوبارہ منظم ہو کر قوت اور اقتدار حاصل کر لیتی ہے۔ اسے نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی ماجرا ہے۔ میں ازسرنو زندگی شروع کر رہا تھا۔

اُدھر وہ تمام مخالفین وہاں پہنچ گئے تھے۔ منور غازی' نادر شاہ' بابر بلا اور سری واستو بڑبولا سب ہی مجھے تلاش کر رہے تھے۔ وہاں دور دور تک لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں زندہ تو کیا مردہ بھی نہیں مل رہا تھا۔ جس گڑھے میں مجھے انگوٹھی ملی تھی' وہاں وہ شخص مردہ پڑا ہوا تھا۔ جس نے آخری بار مجھ سے ہاتھا پائی کی تھی اور اپنے ہی ریوالور سے مارا گیا تھا۔

وہاں کوئی انہیں کچھ بتانے والا نہیں تھا کہ ایک بوڑھا اور بیمار جو ہلنے جلنے کے قابل نہیں تھا' وہ آپ ہی آپ کہاں گم ہو گیا ہے؟ میرے خلاف واردات کرانے والے مشکل میں پڑ گئے تھے۔ انہوں نے سوچا تھا' پہلے کی طرح مجھے بابر بلے کے خفیہ اڈے میں پہنچا کر اپنا مقصد حاصل کرنے تک چھپا کر رکھا جائے گا۔ لیکن حیات مرزا جیسے میرے کئی جاں نثاروں نے جان پر کھیل کر ان کے لئے مشکلات پیدا کر دی تھیں۔

وہاں زبردست کاؤنٹر فائرنگ ہوتی رہی تھی۔ جس کے نتیجے میں پندرہ افراد مارے گئے تھے۔ دو زخمی پڑے ہوئے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھنے کے قابل نہیں تھے۔ ورنہ دوسرے ساتھیوں کی طرح وہ بھی فرار ہو جاتے۔ وہ دونوں زخمی میرے دشمن نہیں تھے۔ محض زرخرید آلہ کار تھے۔ ایک دن میں ہزاروں روپے کمانے کی خاطر میری تباہی و بربادی کے لئے وہاں پہنچے تھے۔ لیکن اب خود برباد ہو رہے تھے۔

بابر کے آدمی اس خفیہ اڈے والے مکان میں جا کر فوری طبی امداد کا سامان لے آئے تھے۔ ان زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ بلے نے ان سے پوچھا۔ ''وہ بڈھا غازی

کہاں ہے؟''

وہ دونوں سر اٹھا کر دور اس مکان کی طرف دیکھنے لگے۔ جہاں میں بے بسی سے ان سب کے رحم و کرم پر پڑا ہوا تھا۔ اب انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک نے کہا۔ ''تم لوگوں کے آنے سے پہلے میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اُدھر پڑا ہوا تھا۔ شائد مکان کے اندر گیا ہو گا۔''

بلے نے کہا۔ ''ہم مکان کے اندر اور باہر دیکھ چکے ہیں۔ وہ خود کہیں جانے کے قابل نہیں تھا۔ پھر یہاں سے کیسے جا سکتا ہے؟''

منور نے کہا۔ ''یہاں ایک یا ایک سے زیادہ افراد آئے ہوں گے۔ وہ یقیناً بابا جانی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ تم دونوں نے کچھ تو دیکھا ہو گا؟''

''ہم نے اب تک ادھر کسی کو آتے نہیں دیکھا ہے۔''

انڈیا سے آنے والے اسمگلر سری واستو بڑبولے نے کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کوئی تو یہاں آیا ہو گا۔ اسے کاندھے پر اٹھا کر لے گیا ہو گا اور اس کے لئے گاڑی بھی لایا ہو گا۔''

ایک زخمی نے کہا۔ ''شاید ایسا ہوا ہو۔ مگر ہمیں نہ تو گاڑی نظر آئی اور نہ ہی کوئی بندہ دکھائی دیا۔''

میرے داماد نادر شاہ نے کہا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ انہیں لے جانے کے لئے بندے آئے' گاڑی آئی اور تمہیں کچھ نظر نہیں آیا؟ کیا تم اندھے ہو گئے تھے؟''

ایک نے کہا۔ ''زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔''

دوسرے نے کہا۔ ''میرا سر چکرا رہا تھا۔ اب بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا سمجھ رہا ہوں اور کیا بول رہا ہوں؟''

منور' نادر' بلا اور سری واستو اُن سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ لیکن انہیں خاطر خواہ جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ میرے کچھ حمایتی اور وفادار مجھے وہاں سے لے گئے ہیں۔

بلے نے جھنجھلا کر دور تک پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''میرا یہ اڈا اب خفیہ نہیں رہے گا۔ پولیس والے میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔''

منور نے کہا۔ ''پولیس سے نمٹنا اور انہیں جھاگ کی طرح بٹھا دینا تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی جانتے ہیں۔ ابھی بابا جانی کی گمشدگی کو اہمیت دو۔ ہم اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ سلامت کسی محفوظ جگہ پہنچ جائیں گے تو ہمارے گلے کا پھندہ بن جائیں گے۔''

بلے نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ''تمہارے نہیں' میرے گلے کا پھندہ بن جائے گا۔ میں اس

بڈھے کو پہلی بار اغواء کر کے یہاں لایا تھا' تب اس کی یادداشت ٹھیک تھی۔ وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ آج بھی اسے اغواء کیا گیا تھا اور اس سے پہلے اس کی یادداشت واپس آگئی تھی۔ وہ سب سے پہلے میرے خلاف قانونی کارروائی کرے گا۔''

نادر شاہ نے کہا۔ ''تم حکمران جماعت کی سرپرستی میں رہتے ہو۔ قانون کے محافظ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے۔ اگر دکھاوے کے لئے مقدمہ بازی ہوگی تو اس کے اخراجات ہم برداشت کریں گے۔''

منور نے کہا۔ ''تم ہماری پریشانیوں کو سمجھو۔ مراد کا بیٹا ارمان مارا گیا ہے۔ ہمارے دونوں بھائی ماتم کررہے ہوں گے۔ اس کی آخری رسومات ادا کرتے ہی مجھے اور نادر شاہ کو قانونی شکنجے میں لانے کی کوششیں کریں گے۔''

سری واستو نے جھنجلا کر کہا۔ ''تمہارا باپ ہم سب ہی کے لئے مصیبت بننے والا ہے۔ مجھے پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہئے۔ اگر یہ بھید کھلے گا کہ میں انڈیا سے آیا ہوں۔ سونے کا اسمگلر ہوں۔ یہاں بڈھے غازی کے خلاف تمہارا ساتھ دے رہا ہوں تو تم سب مجھے بچا نہیں پاؤ گے۔ میں تو جارہا ہوں۔ فون کے ذریعے رابطہ رکھوں گا۔''

پھر وہ اپنی گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے منور سے بولا۔ ''یہاں میرے اپنے جاسوس ہیں۔ میں ان کے ذریعے تمہارے باپ کو تلاش کروں گا۔ ہمیں جلد سے جلد معلوم ہونا چاہئے' وہ بیمار اور کمزور بڈھا کہاں گم ہوگیا ہے؟ اسے کون لے گیا ہے؟ کہاں لے گیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''اگر بابا جانی کا کوئی وفادار جانثار انہیں لے گیا ہے تو وہ بہت محتاط رہے گا۔ بڑی رازداری سے ان کا علاج بھی کرائے گا اور ہمارے خلاف قانونی کارروائیاں بھی کرتا رہے گا۔''

واستو وہاں سے چلا گیا۔ منور خوب سمجھ رہا تھا کہ مراد اپنے جوان بیٹے کی ہلاکت پر کس طرح صدمات سے دوچار ہورہا ہوگا؟ بھائی اور بہنوئی کے خلاف نہ جانے کیا کچھ کررہا ہوگا؟ اتنا تو یقین تھا کہ وہ ان کی گرفتاری کا وارنٹ ضرور جاری کرائے گا۔

اس نے پریشان ہوکر بلے اور نادر کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ہمیں مراد اور سلطان کی مخالفت بہت مہنگی پڑے گی۔ وہ ہمارے خلاف بیان دیں گے کہ ہم نے بابا جانی کو اغوا کرایا ہے۔ ایسے وقت انہوں نے ہمیں روکنے کی کوششیں کی تھیں۔ تب ہم نے اس کے بیٹے ارمان کو گولی ماردی۔''

بلے نے کہا۔ ''اس طرح وہ چشم دید گواہ کے طور پر تمہیں اپنے بیٹے کا قاتل ثابت

کریں گے۔''

نادر نے کہا۔ ''اگر بابا جانی کی طرف سے بھی کارروائی کی جائے گی تو ہمارے خلاف بہت ہی مضبوط مقدمہ قائم ہوگا۔''

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں یوں اچانک کہیں غائب ہوجاؤں گا اور ان کے لئے جان لیوا مصائب پیدا کروں گا۔

منور نے کہا۔ ''ہمارا وکیل ابھی عدالت میں ہوگا۔ ہمارے لئے قبل از گرفتاری ضمانت نامہ حاصل کررہا ہوگا۔ ہمیں ہتھکڑی تو نہیں لگے گی مگر ہمارا آرام اور سکون غارت ہوجائے گا۔ زندگی حرام ہوجائے گی۔''

بلے نے کہا۔ ''میں پہلے ہی کہتا تھا' اُس بڈھے کو چھری تلے حلال کردو۔ مگر پتہ نہیں تم لوگوں نے اسے کس لالچ میں اب تک زندہ رکھا ہے؟ اتنا تو اندازہ ہے کہ اسے زندہ رکھ کر کوئی بہت بڑا اور لمبا ہاتھ مارنا چاہتے ہو۔''

پھر بلے نے سوچتے ہوئے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''بڈھا بڑا زبردست ہے۔ اسے مارنے کے لئے انڈیا سے بھی وہ اسمگلر آیا ہوا ہے۔''

پھر وہ دور تک لاشوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''پولیس والوں کی یہ عادت اچھی ہے کہ وقت پر نہیں پہنچتے۔ ہم ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ جگہ چھوڑ دیں تو بہتر ہوگا۔ بعد میں جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔''

انہیں وہاں سے جانا ہی تھا۔ مگر جانے کے بعد وہ کہیں آرام سے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ میری گمشدگی نے ان کا آرام حرام کردیا تھا۔ انہوں نے وہاں سے واپس جانے کے لئے مختلف راستے اختیار کئے۔ جہاں بھی کوئی مکان یا انسانی آبادی نظر آرہی تھی۔ وہاں لوگوں سے میرے متعلق پوچھ رہے تھے۔ میرا حلیہ بتارہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ سب میرے بیٹے ہیں۔ ایک دشمن مجھے اغواء کرکے ان ہی راستوں سے کہیں لے گیا ہے۔ وہ لوگوں کو میری بیماری اور بے بسی کی دکھ بھری کہانی سنارہے تھے۔ مگر انہیں میرا سراغ نہیں مل رہا تھا۔

وہ مایوس ہورہے تھے۔ ان کے بدترین حالات سمجھا رہے تھے کہ وہ مایوس ہوکر بیٹھ جائیں گے تو میں کسی بھی دن' کسی بھی وقت مصیبت بن کر ان پر نازل ہوجاؤں گا۔ اس سے پہلے ہی مجھے ڈھونڈ نکالنا بہت ضروری تھا۔

آخر ایک پنڈ میں ایک دکاندار نے کہا۔ ''ہاں۔ ایسا ایک بوڑھا ادھر آیا تھا۔ اس کی

داڑھی اور سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک عصا ٹیک کر چل رہا تھا۔"

منور نے کہا۔"عصا یعنی کہ لاٹھی.... مگر بابا جانی کے پاس تو کوئی لاٹھی نہیں تھی۔"

نادر نے کہا۔"انہیں کہیں سے مل گئی ہوگی۔ اسی کے سہارے چل رہے ہوں گے۔"

"یہ تو دیکھو کہ ہم پچیس یا تیس میل کا فاصلہ طے کر چکے ہیں۔ کیا وہ ایک لاٹھی کے سہارے اتنی دور پیدل چلتے ہوئے آسکتے ہیں؟ جبکہ ان کے اندر جان نہیں رہی تھی۔ وہ ایک مردے کی طرح پڑے رہتے تھے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں جائے واردات سے نکل کر لاٹھی ٹیکتا ہوا ایک سمت چلا جا رہا تھا۔ میرے اندر ایسی تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں' جنہیں ابھی میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بس ایک عجیب بے خودی کے عالم میں چلا جا رہا تھا۔

یہ نہیں جانتا تھا کہ کہاں جانا ہے؟ اس وقت میرے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ یہ خیال بھی نہیں آ رہا تھا کہ اپنی محل نما کوٹھی میں جانا چاہیے۔ ذہن میں ایک ہی بات سمائی ہوئی تھی' کسی طرح غسل کروں اور سب سے پہلے شکرانے کی نماز ادا کروں۔

میں پچھلی رات سے بھوکا پیاسا تھا۔ پھر بھی کھانے کی طرف رغبت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بہت بڑا انعام مل رہا تھا۔ میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ دشمنوں کی گرفت سے دور نکلتا جا رہا تھا۔ آخر ایک جگہ تھک کر گرتے گرتے بیٹھ گیا۔

وہ ایک ویران سی جگہ تھی۔ کچے راستے پر ایک بائیک ڈھول اڑاتی آ رہی تھی۔ بائیک چلانے والے جوان نے میرے پاس رک کر پوچھا۔"بابے! کون ہو تم؟ ادھر اکیلے کیوں بیٹھے ہو؟"

میں نے کہا۔"بیٹے! اتنی عمر گزار کر بھی یوں لگ رہا ہے' جیسے میں اکیلا پیدا ہوا تھا اور آج تک اکیلا ہوں۔ میری کوئی منزل نہیں ہے۔ مجھے کہیں جانا نہیں ہے۔ بس ایک آرزو ہے۔ کیا تم پوری کرو گے؟"

"میرے اختیار میں ہوگا تو ضرور آپ کے کام آؤں گا۔ فرمائیے...! کیا چاہتے ہیں؟"

"مجھے کسی ایسی جگہ پہنچا دو' جہاں غسل کر کے بعد نماز پڑھ سکوں۔ میرے اندر بیشمار سجدے مچل رہے ہیں۔ میں اپنے رب کے آگے جھکنے کے لئے بہت بے تاب ہوں۔"

وہ بولا۔"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس طرح آپ کے کام آ کر میں بھی نیکی کماؤں گا۔ آئیں۔ میرے پیچھے بیٹھ جائیں۔"

میں اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھ گیا۔ وہ اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔"میرا نام بلال احمد ہے۔ میں نیاز بیگ ٹھوکر کی طرف جانے کے لئے اس شارٹ کٹ راستے پر پہلی بار آیا ہوں۔ آگے کا راستہ نہیں جانتا۔ بس یقین ہے' اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گا۔"

آگے ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اس کا نام تھے پنڈ تھا۔ بلال نے ایک دکاندار سے پوچھا۔"ادھر کوئی مسجد ہے؟"

دکاندار نے کہا۔"مسجد کیا ہے؟ بس ایک چار دیواری ہے۔ دکان کے پیچھے دس قدم کے فاصلے پر..."

وہ مجھے وہاں لے گیا۔ اس وقت ظہر کی اذان ہو رہی تھی۔ پنڈ کے بوڑھے اور جوان نماز پڑھنے آئے تھے۔ بلال نے ان سے کہا۔"یہ بابے غسل کر کے نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے کچھ کیا جائے۔"

پنڈ کے لوگ بہت غریب تھے۔ مگر دل والے تھے۔ ایک نے اپنے گھر لے جا کر مجھے غسل کرایا۔ دوسرے شخص نے اپنا ایک دھلا دھلایا صاف ستھرا لباس لا کر پہننے کو دیا۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ مسجد میں آ گیا۔ جب اپنی لاٹھی ایک طرف رکھ کر نماز پڑھنے لگا تو خوشی کے مارے میری آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ میں نے آنسو ضبط کئے۔ نماز ادا کی۔ لیکن دعا مانگتے وقت پھر رونے لگا۔

تمام نمازی مجھ سے متاثر ہو رہے تھے۔ میرے حالات پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا۔"آپ حضرات میری فکر نہ کریں۔ میں کسی دکھ یا مصیبت کے باعث نہیں رو رہا ہوں۔ یہاں سے جانے کے بعد آپ لوگوں کو یاد رکھوں گا۔"

ان غریبوں نے اپنی اوقات کے مطابق مجھے کچھ کھلایا پلایا۔ پھر میں بلال کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر وہاں سے چل پڑا۔ میرے جانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد نادر اور منور مجھے تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور اس دکاندار سے معلومات حاصل کر رہے تھے۔ انہوں نے پنڈ والوں سے بھی پوچھ گچھ کی۔ مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں اس بائیک والے جوان کے ساتھ کہاں چلا گیا ہوں؟

بلال احمد چونکہ پہلی بار اس راستے سے گزرتا ہوا گیا تھا۔ لہٰذا پنڈ والے بھی اسے نہیں پہچانتے تھے۔ صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ ان سے نیاز بیگ ٹھوکر کا راستہ پوچھ رہا تھا۔ یہ اندازہ ہو گیا کہ میں ضرور اس ٹاؤن کی طرف گیا ہوں۔ لہٰذا وہ فوراً ہی میری تلاش میں ادھر

چل پڑے۔

انہیں ایک صحیح سمت مل گئی تھی۔ میں ان کے آگے تھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ میں ان سے ایک گھنٹہ پہلے نیاز بیگ ٹھوکر پہنچ گیا تھا۔ یہ ان کی بدنصیبی تھی کہ میرا سراغ پالینے کے باوجود وہ مجھ تک پہنچ نہ سکے۔ کچے راستے پر ان کی گاڑی کا ایک پہیہ پنکچر ہو گیا تھا اور ان کے پاس کوئی فاضل پہیہ نہیں تھا۔

اس ویرانے میں نہ کوئی کاریگر مل سکتا تھا اور نہ ادھر سے کوئی گاڑی گزر رہی تھی۔ انہیں اس ٹاؤن تک پہنچنے کے لئے تقریباً پچیس کلومیٹر پیدل سفر کرنا پڑا۔

بلال کے دو بڑے بھائی تھے۔ ایک کا نام جمال احمد اور دوسرے کا نام کمال احمد تھا۔ وہ تینوں بھائی اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ ایک وسیع و عریض کوٹھی میں رہتے تھے۔ اس کی تین بہنیں بھی تھیں۔ جو بیاہنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کی ہو گئی تھیں۔

میرے اپنے فیملی ممبر بھی اتنے ہی تھے۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں... جن میں سے ایک بیٹی اور دو داماد مارے گئے تھے۔ میرے تمام بے مروت اور لالچی بچوں نے خاندان کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ میں ان کا باپ اور سرپرست ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔

اس کے برعکس بلال کے گھر میں محبت' مروت' نیکی اور شرافت دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بوڑھے باپ کو سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھا تھا۔ چونکہ تینوں بیٹے سعادت مند اور فرمانبردار تھے۔ اس لئے تینوں بہوئیں بھی بوڑھے سسر کے آگے سر جھکاتی تھیں۔ دن رات اس کی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ اس بوڑھے خوش نصیب کا نام نہال احمد تھا۔

یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے۔ کسی کو فرمانبردار اولاد نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نافرمان اولاد سے زخم پر زخم کھانے پڑتے ہیں۔

میں نے اس خوش نصیب بوڑھے نہال احمد سے ملاقات کی۔ اس سے باتیں کرنے کے دوران کہا۔ ''امیر کبیر گھرانوں میں دولت اور جائیداد کی تقسیم پر بڑے جھگڑے ہوتے ہیں۔ باپ اور بیٹوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دولت اور جائیداد سے محروم کر دینے کی سازشیں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر تمہارے خاندان میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اولاد کا خون سفید نہیں ہے۔ سب ہی تمہارے سامنے تعظیم سے سر جھکاتے ہیں۔''

نہال احمد نے کہا۔ ''ہم نہیں جانتے ' ہمارا کون سا بیٹا کھوٹا ہے اور کون سا کھرا ہے؟ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کوئی محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ کوئی اپنے اندر کینہ کپٹ رکھتا

ہے۔ اولاد کو اپنے قابو میں رکھنے کا ایک سیدھا سا راستہ یہ ہے کہ اپنی زندگی بھر کی کمائی ہوئی دولت اور جائیداد کو صرف اپنے ہی نام رکھا جائے۔ جو لوگ اپنے بیٹوں کو کاروبار سونپ دیتے ہیں۔ انہیں مختار کل بنا دیتے ہیں۔ ان کا بڑھاپا بڑا ہی عبرت ناک ہوتا ہے۔''

میں نے نہال کو یہ نہیں بتایا کہ میرا بڑھاپا کس قدر عبرت ناک ہو چکا ہے اور میں کم ظرف اولاد کی ٹھوکریں کھاتا ہوا ٹھوکر نیاز بیگ کی اس عالی شان کوٹھی میں پہنچا ہوا ہوں۔

میں نے کہا۔ ''تم نے اپنی اولاد کو اپنی کمائی کا ایک تنکا بھی نہیں دیا ہے۔ لیکن تمہاری وفات کے بعد دولت اور جائیدا کے سلسلے میں یہ سب آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔''

اس نے کہا' ''میں نے انصاف کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے وصیت لکھ دی ہے۔ جھگڑا نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے بعد بھی یہ ایک دوسرے سے زیادہ چھیننے جھپٹنے کے لئے خون کے رشتوں کو پانی کریں تو کرتے رہیں۔ میں تو اپنا بڑھاپا آرام اور سکون سے گزار کر جا چکا ہوں گا۔ باقی رہنے والے اپنے اعمال کے مطابق میٹھا پھل پائیں گے یا کڑوا...''

''کیا ہماری دنیا میں ایسی سعادت مند اولاد نہیں ہے' جس پر ہم آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکیں؟''

''یقیناً ہو گی۔ ہماری دنیا میں سب کچھ ہے تو پھر نیک اور سعادت مند اولاد بھی ضرور ہو گی۔ لیکن میرے بچے ایسے ہیں یا نہیں... انہیں آزمانے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ مجھ میں آزمانے کا حوصلہ تھا۔ اسی لئے میں نے ایسا کیا اور اب اس کے نتائج بھگت رہا ہوں۔ مجھے ان کی طرف سے ذلت مل رہی تھی۔ وہ مجھے رفتہ رفتہ موت کی طرف لے جا رہے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک نئی زندگی اور نئی توانائی دے رہا تھا۔

آئندہ یہ دیکھنا اور سمجھنا تھا کہ یہ توانائی عارضی ہے یا میری آخری سانس تک قائم رہے گی؟ مجھ میں جو تبدیلی آئی تھی' وہ یہ تھی کہ اب میں کسی طرح کی کمزوری محسوس نہیں کر رہا تھا۔ بظاہر صحت مند نہیں تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا تھا۔ دیکھنے والے اب بھی مجھے بیمار اور کمزور سمجھ رہے ہوں گے۔

میں نے خود کو آئینے میں دیکھا تھا۔ مجھ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اگر بستر پر جا کر لیٹ جاتا تو ایک قابل رحم بیمار بوڑھا دکھائی دیتا۔ آئینہ ہمارے ظاہر کو دکھاتا ہے۔ مگر عقل کے آئینے میں بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔ میں فی الحال اپنے اندر جو توانائی محسوس کر رہا تھا' وہ میرے

لئے حوصلہ افزا تھی۔

میں گمشدہ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی کو اپنی انگلی میں پھنسائے رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ بار بار میری انگلی سے نکل جاتی تھی۔ بلال احمد کے گھر آ کر میں نے اس انگوٹھی کو ایک مضبوط ڈور میں پرو دیا تھا۔ پھر اسے تعویز کی طرح گلے میں پہن لیا تھا۔ اب اس کے گم ہونے کا خدشہ نہیں رہا تھا۔

پھر وہ عصا میرے پاس تھا۔ اسے تھام کر یقین ہوتا تھا کہ مجھے قدرت کی طرف سے بہت بڑا سہارا مل رہا ہے۔ آج مجھے توانائی مل رہی ہے۔ شائد آئندہ جوانوں جیسی صحت مندی بھی ملتی رہے گی۔

نہال نے مجھ سے کہا۔ ''اگر تم بے سہارا ہو۔ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے تو میں کہیں تمہاری رہائش کا انتظام کر سکتا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''میں بالکل ہی بے سہارا نہیں ہوں۔ لاہور میں میرے ایک عزیز ہیں۔ ان سے فون پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہاں آ کر مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔''

''بیشک۔ تم ابھی فون پر ان سے بات کرو۔''

میں نے کہا۔ ''برا نہ مانو تو میں تنہائی میں ان سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''بیشک۔ جتنی دیر تک باتیں کرنا چاہو کرتے رہو۔ اس کمرے میں کوئی نہیں آئے گا۔''

وہ وہاں سے چلا گیا۔ میں نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر فون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ریسیور اٹھا کر اپنے وکیل رضا قریشی کے نمبر پنچ کئے۔ رابطہ ہونے پر اس کی آواز سنائی دی۔ ''اسلام علیکم...! میں رضا قریشی بول رہا ہوں۔ فرمایئے... آپ کون ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''میری آواز سنتے ہی حیرانی ظاہر نہ کرنا۔ یہ بتاؤ' تمہارے آس پاس کوئی ہے یا بالکل تنہا ہو؟''

وہ حیرانی سے بولا۔ ''سر! آپ...؟ میں بیان نہیں کر سکتا' آپ کی آواز سن کر کتنی خوشی ہو رہی ہے؟ میں تو بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ یقیناً آپ رازداری سے گفتگو کرنا چاہیں گے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں' ابھی میرے متعلق کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں زندہ سلامت ہوں۔ دوستوں اور دشمنوں کو اپنے اپنے طور پر یہ رائے قائم کرنے دو کہ میں اغواء

ہونے کے بعد مارا گیا ہوں یا کہیں روپوش رہ کر آخری سانسیں پوری کر رہا ہوں۔''

''تھوڑی دیر پہلے آپ کی بیٹی شرمین نے فون کیا تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ میں آپ کے متعلق کیا جانتا ہوں؟ اس کے شوہر نادر شاہ نے اسے بتایا ہے کہ آپ اچانک ہی کہیں گم ہو گئے ہیں۔''

''ہاں۔ دوست اور دشمن' اپنے اور پرائے سب ہی تجسس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ سب ہی مجھے تلاش کرتے پھریں گے۔ میں مسلسل روپوش رہ کر دیکھنا چاہتا ہوں' کون کتنے پانی میں ہے؟''

''میں آپ کا خادم ہوں۔ مجھے بتائیں' کس طرح روپوش رہیں گے؟ کہاں رہیں گے اور میں آپ کے لئے کیا کرتا رہوں گا؟''

''تم کتنی جلدی ایک ایسی رہائش گاہ کا انتظام کر سکتے ہو' جو میرے لئے خفیہ رہے؟''

''میں نے ماڈل ٹاؤن میں ایک نئی کوٹھی خریدی ہے۔ ویل فرنشڈ ہے۔ وہاں ضرورت کا ہر سامان موجود ہے۔''

میں نے کہا۔ ''وہ خفیہ نہیں رہے گی۔ تمہارے بیوی بچے اس کے متعلق جانتے ہوں گے؟''

''نو سر! میں نے آپ کے حالات سے بہت سبق سیکھا ہے۔ ابھی جو کوٹھی خریدی ہے' اس کے متعلق میری بیوی اور بچے کچھ نہیں جانتے۔ مجھ سے اور آپ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی یہ معلوم نہیں ہوگا کہ آپ نے وہاں رہائش اختیار کی ہے۔ لیکن کب تک روپوش رہیں گے اور کس طرح رہیں گے؟ کیا کبھی اس کوٹھی سے باہر نہیں نکلیں گے؟''

''جب تک جسمانی طور پر صحت مند نہیں ہو جاؤں گا' تب تک کھلی فضا میں سانسیں لینے کے لئے راتوں کو حلیہ بدل کر نکلا کروں گا۔''

''ابھی آپ کہاں ہیں اور میری کوٹھی میں کس وقت آنا چاہتے ہیں؟''

''میں نیاز بیگ ٹھوکر میں ہوں۔ تم کتنی دیر میں یہاں پہنچ سکتے ہو؟''

''میں ابھی اس کوٹھی میں جاؤں گا۔ وہاں آپ کے کھانے پینے کا سامان رکھوں گا۔ آپ کو لباس کی بھی ضرورت ہوگی۔ میں ضروری انتظامات کر کے تین گھنٹے میں وہاں پہنچ سکوں گا۔''

فون کا رابطہ ختم ہو گیا۔ میرے اور بھی ایسے جاں نثار تھے' جنہیں میں موجودہ حالات

میں رازدار بنا کر اپنے لئے سہولتیں پیدا کر سکتا تھا۔

ادھر منور اور نادر شاہ پیدل چلتے ہوئے اسی ٹاؤن میں پہنچ گئے۔انہوں نے وہاں سے ایک ٹیکسی کرائے پر حاصل کی۔پنکچر لگانے والے ایک کاریگر کو ساتھ لیا پھر اسی ویرانے میں پہنچ گئے۔ جہاں ان کی گاڑی کا ایک پہیہ بے کار ہو گیا تھا۔انہیں یقین تھا کہ میں اس بائیک والے جوان کے ساتھ اسی ٹاؤن میں پہنچا ہوا ہوں اور وہ اس چھوٹے سے ٹاؤن میں مجھے ڈھونڈ نکالیں گے۔

منور نے پریشان ہو کر کہا۔"یہ گاڑی خراب نہ ہوتی تو ہم اب تک وہاں پہنچ کر بابا جانی کو ڈھونڈ نکالتے۔ایسا نہ ہو کہ وہ اس ٹاؤن سے لاہور یا ملتان کی طرف چلے گئے ہوں۔"

نادر نے کہا۔"وہ اتنے بیمار اور کمزور تھے کہ سہارے کے بغیر اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے تھے۔یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ وہ اچانک چلنے پھرنے کے قابل کیسے ہو گئے ہیں؟"

"اُس پنڈ کے لوگ کہہ رہے تھے' انہوں نے وہاں غسل کیا تھا۔نماز پڑھی تھی۔ پھر سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی کھائی تھی۔کوئی بھی بیمار شخص مکئی کی روٹی ہضم نہیں کر سکتا۔مگر وہ کھانے پینے کے بعد چلتے پھرتے رہے ہیں اور یہاں سے پچیس تیس کلو میٹر دور ٹھوکر نیاز بیگ پہنچ گئے ہیں۔"

"کسی کھلونے میں چابی بھر دو تو وہ ایکدم سے چلنے لگتا ہے۔پتہ نہیں' ان کے اندر کیسی چابی بھر گئی ہے؟"

منور نے ناگواری سے کہا۔"وہ ولی یا پیغمبر نہیں ہیں' جو اُن کے ساتھ کوئی معجزہ ہو گا۔پھر بھی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔وہ اچانک ہی بیماری سے اٹھ کر چلنے لگے ہیں نہیں .....بلکہ دوڑنے لگے ہیں۔"

وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اس ٹاؤن کی طرف جا رہے تھے اور میرے متعلق بڑی سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔سمجھنے کی کوششیں کر رہے تھے کہ مجھے اچانک ہی توانائی کیسے حاصل ہو گئی ہے؟

پھر منور نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔"سمجھ گیا....."

نادر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔وہ بولا۔"بابا جانی بہت بڑے ڈرامے باز ہیں۔وہ اتنے بیمار نہیں تھے۔ جتنا ظاہر کرتے رہے۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ انہوں نے یاد داشت گم ہونے کا ناٹک کیا تھا۔پھر اچانک ہی یہ ظاہر کیا کہ ان کی یادداشت واپس آ گئی ہے۔"

نادر نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔"اور ہاں۔انہوں نے سونے کی اینٹوں والا خواب بھی بڑے ڈرامائی انداز میں پیش کیا تھا۔ہمیں قبرستان تک دوڑایا تھا۔بھئی وہ سونے کے اسمگلر ہیں۔کوئی معمولی بات نہیں ہے۔بستر پر پڑے پڑے ہمیں اُلو بناتے رہے اور ہم بنتے رہے۔"

"اگر انہیں جلد سے جلد قابو میں نہ کیا گیا تو وہ ہمیں سولی پر چڑھا دیں گے۔ہماری کامیابی یہ ہو گی کہ انہیں یہاں سے لاہور تک پہنچنے نہ دیا جائے۔جب تک ہم انہیں بیرسٹر رضا قریشی اور دوسرے جاں نثاروں سے دور رکھیں گے' تب تک اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کر گزرنے کے قابل رہیں گے۔"

وہ نیاز بیگ ٹھوکر پہنچ گئے۔مجھے ڈھونڈ نکالنے کے سلسلے میں انہیں ایک آسانی میسر ہوئی تھی۔عام طور پر لوگ گاڑیوں کی نمبر پلیٹ نہیں پڑھتے۔لیکن بلال احمد کی بائیک پر جو نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔اسے پنڈ کے کئی لوگوں نے پڑھا تھا۔اس کا نمبر ایل ایچ آر سات سو چھیاسی تھا۔اپنے دین سے ایسی وابستگی تھی کہ وہ بسم اللہ کہلانے والا نمبر سب ہی کو یاد رہ گیا۔

پنڈ والوں نے منور اور نادر شاہ کو وہ نمبر بتائے تھے۔انہوں نے ایک جنرل اسٹور میں آ کر دکاندار سے کہا۔"گاڑیوں کی نمبر پلیٹ بہت کم لوگ پڑھتے ہیں۔شائد آپ نے بھی سات سو چھیاسی نمبر پڑھا ہو گا؟"

وہ بولا۔"ہاں جی پڑھا ہے۔ہمارے ٹاؤن میں ایک موٹر سائیکل ہے۔اس پر یہ نمبر لکھا رہتا ہے۔"

"کیا آپ اس موٹر سائیکل والے کا پتہ بتا سکتے ہیں؟"

"میں اس کا نام پتہ نہیں جانتا۔مگر اس ٹاؤن میں جہاں بھی جائیں گے کوئی نہ کوئی آپ کو اس کے پاس پہنچا دے گا۔یہ ایسا نمبر ہے کہ سو میں ستر بندوں نے اسے یاد رکھا ہو گا۔"

ایسے وقت ایک بھرپور جوان عورت نے آ کر دکاندار سے کہا۔"مجھے دیکھو.....!"

وہ نہ کہتی' تب بھی دکان میں آنے جانے والے اسے نظر بھر کر دیکھ رہے تھے۔اس نے چست اور بھڑکیلا لباس پہنا تھا' بدن کے نشیب و فراز ادھر اُدھر سے ایسے چیخ رہے تھے' جیسے جکڑے ہوئے ہوں۔رہائی پانے کے لئے چلتی پھرتی نگاہوں کو پکار رہے ہوں۔

اس نے اپنی لانبی اور گھنی زلفوں کو دائیں سے بائیں جھٹکتے ہوئے دکاندار سے کہا۔"ہائے کیسی ریشم کی طرح ملائم اور چمکدار ہو گئی ہیں۔دریا کی لہروں کی طرح لہرا رہی ہیں۔تم نے زبردست شیمپو دیا ہے۔اب میں اسی کو استعمال کرتی رہوں گی۔"

دکاندار نے منور اور نادر سے کہا۔"یہ شرارہ ہے۔ پورے ٹاؤن کی خبر رکھتی ہے۔اسے جہاں کہو گے' وہاں پہنچا دے گی۔"

شرارہ نے بل کھاتے ہوئے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔ پھر سر اٹھا کر جیسے آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔"کہاں پہنچادوں؟"

منور کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر بولی۔"آں۔اِدھر نہیں۔اُدھر چلو... پھر جو بولنا ہے بولو...!"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی' اٹھلاتی بل کھاتی ہوئی دکان کے ایک گوشے میں آ گئی۔ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔ اس نے بڑے فخر سے کہا۔"میں ایسی ہوں کہ سب ہی کھنچے چلے آتے ہیں۔ دراصل اپنا بہت خیال رکھتی ہوں۔ باہر دھوپ میں نہیں نکلتی۔ رنگ جل جاتا ہے۔ یہ روپ' یہ نکھار دیکھ رہے ہوناں....؟ دھندہ ایسا ہے کہ شام کو ہی نکلتی ہوں۔"

نادر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔"ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ ہم تو صرف ایک بندے کا پتہ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"جس کا بھی پتہ پوچھو گے' وہ ضرور میری گلی سے گزر چکا ہوگا۔ یہ بولو... صرف پتہ بتاؤں یا وہاں پہنچا بھی دوں؟"

"وہاں تک پہنچاؤ گی تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

"میں جھوٹ موٹ کی مہربانی نہیں کرتی۔ پورے دوسو روپے لوں گی۔"

"جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں' وہ مل جائے گا تو ہم تمہیں پورے دو ہزار دیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔"دو ہزار... پھر تو وہ جب تک نہیں ملے گا' تب تک میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ جیسی مہربانی کہو گے' ویسی کرتی رہوں گی۔ اب بولو... کس بندے کو تلاش کر رہے ہو؟"

"ہم اس کا نام پتہ نہیں جانتے۔ یہاں اس کی بائیک پر سات سو چھیاسی لکھا ہوا ہے۔"

وہ بولی۔"اوہو یہ تو بلال کی گاڑی کا نمبر ہے۔ وہ بہت پیسے والا ہے۔ بڑی سی کوٹھی میں رہتے ہیں۔ اس کے باپ کے پاس یہ بڑی بڑی گاڑیاں ہیں۔ مگر بلال کو موٹر سائیکل چلانے کا بہت شوق ہے۔ بڑا ہی محبت کرنے والا جوان ہے۔ پیار سے مجھے شرو کہتا ہے۔ شرارہ کے معنی ہیں چنگاری... اور چنگاری کتنی چھوٹی ہوتی ہے؟ لیکن وہ مجھے شرو کہہ کر اور ننھی منی سی کلی بنا دیتا ہے۔"

منور نے اس کی باتوں سے بیزار ہو کر کہا۔"پلیز۔ ہمیں وہاں لے چلو۔"

وہ ان کے ساتھ دکان سے باہر آ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ نادر شاہ نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں منور سے کہا۔"یہ اچھا ہی ہے۔ یہاں آ کر زیادہ بھٹکنا نہیں پڑ رہا ہے۔ خدا کرے... بابا جانی اسی جوان کے ساتھ ہوں۔"

منور نے بھی رازدارانہ انداز میں کہا۔"میں سوچ رہا ہوں' ان سے سامنا ہوگا تو کیا ہوگا؟ وہ تو ہمیں دیکھتے ہی غصے سے بھڑک جائیں گے۔ ہمیں جانی دشمن کہیں گے تو بات پولیس والوں تک پہنچ جائے گی۔"

"ہاں۔اس طرح وہ پھر ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔ قانون کے محافظوں کے ساتھ لاہور پہنچ جائیں گے۔"

"انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ ہم ان کے قریب پہنچ چکے ہیں اور بڑی رازداری سے انہیں ٹریپ کرنے والے ہیں۔"

وہ خزانہ اب ان کے لئے بہت مہنگا پڑ رہا تھا۔ اسے حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے مجھے کچل ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نتائج کچھ سے کچھ ہو جائیں گے اور توقع کے خلاف ان کی شامت آ جائے گی۔

منور نے کہا۔"پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ بابا جانی ابھی تک اس موٹر سائیکل والے کے ساتھ ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو اس جوان نے انہیں کہاں پہنچایا تھا؟"

نادر نے کہا۔"ابھی ہمیں بلال سے نہیں ملنا چاہئے۔ دور ہی دور سے بابا جانی کے متعلق معلوم کرنا چاہئے۔ اچانک ان سے سامنا ہوگا تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

ایسے وقت وہ شرارہ سے کام لے سکتے تھے۔ میرے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے وہی مخبری کر سکتی تھی۔ انہوں نے ایک جگہ کار روک دی۔ سر گھما کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ہی پرس میں سے آئینہ نکال کر اپنے میک اپ کر جائزہ لیتے ہوئے بولی۔"میرے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ راستہ چلنے والے چلتے چلتے رک جاتے ہیں۔ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگتے ہیں۔ ہائے کتنا اچھا لگ رہا ہے... تم نے مجھے دیکھنے کی خاطر گاڑی روک دی ہے۔ ذرا آگے لے جا کر روکتے۔ اُدھر سناٹا ہے۔"

منور نے کہا۔"ذرا چپ ہو جاؤ۔ ہمیں بھی کچھ بولنے دو۔"

"بولنے کے لئے تو بہنیں اور بیٹیاں ہوتی ہیں۔ ہم تو محض تولنے کے لئے ہوا کرتی

ہیں۔ ویسے کوئی بات اٹک رہی ہے۔ کوئی اور معاملہ ہے تو بولو؟''

منور نے جیب سے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ ''ہم ابھی تمہیں پانچ ہزار دیں گے۔''

وہ خوشی سے کھل گئی۔ تالی بجانے کے انداز میں ہتھیلی پر ہتھیلی مارتے ہوئے بولی۔ ''تو یوں کہو ناں' پوری رات رہنے کا ارادہ ہے۔''

وہ دونوں سالے بہنوئی تھے۔ اس بات پر جھینپ گئے۔ منور نے کہا۔ ''کیا مشکل ہے؟ ہم کہنا کچھ چاہتے ہیں اور تم سمجھتی کچھ ہو۔ پہلے ہماری پوری بات تو سن لیا کرو۔''

نادر نے کہا۔ ''ہم ایک بوڑھے شخص کو تلاش کر رہے ہیں۔ بلال اسے اپنی بائیک پر بٹھا کر اس ٹاؤن میں لایا ہے۔ ہم بڑی رازداری سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بوڑھا' بلال کے ساتھ ہے یا یہاں پہنچنے کے بعد کسی دوسری جگہ چھپ گیا ہے؟''

منور نے پوچھا۔ ''کیا تم ہماری رازدار بن سکتی ہو؟ اگر تم صحیح معلومات حاصل کرو گی۔ اس بوڑھے کو ٹریپ کرنے کے سلسلے میں ہماری مدد کرو گی یا اسے خود پھانس کر ہمارے پاس لاؤ گی تو ہم تمہیں پچاس ہزار روپے دیں گے۔''

شرارہ نے ایک گہری لمبی سانس کھینچی۔ ''پچاس ہزار روپے.....!''

اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ نادر نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ شدید حیرانی سے بولی۔ ''اب تک جوانوں کو پھانستی آئی۔ کبھی دو چار ہزار سے زیادہ نہیں ملے۔ آج پتہ چلا کہ بوڑھوں کا بھاؤ میری اوقات سے بھی زیادہ ہے۔ کہاں ہے وہ بڈھا؟ مجھے بتاؤ۔ میں ابھی اسے پھانس کر لاؤں گی۔''

''دیکھو! جلدی میں کام بگڑ جائے گا۔ وہ بیمار ہے کمزور ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ پھر بھی آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گا۔ کچھ چالاک ہے' کچھ قسمت کا دھنی ہے۔ ہمارے ہاتھ آتے آتے نکل جاتا ہے۔''

وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر انہیں دکھاتے ہوئے بولی۔ ''یہ عورت کا ہاتھ ہے۔ یہ ہاتھ آدم کو اور اس کے بیٹوں کو صرف جنت سے نہیں نکالتا' جہنم سے بھی نکال کر لے آتا ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی' وہ بڈھا ہے کہاں.....؟''

''یہی تو تمہیں بلال سے معلوم کرنا ہے۔ لیکن اسے یہ خبر نہ ہو کہ اس بوڑھے کو

ہمارے لئے ٹریپ کرنے والی ہو۔''

نادر شاہ نے کہا۔ ''تم اس سے یہ کہہ سکتی ہو کہ آج دوپہر کسی وقت تم نے ایک بوڑھے کو اس کی بائیک کے پیچھے بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ کون ہے؟ کہاں گیا ہے؟ تم اس طرح کے سوالات کر کے بہت کچھ معلوم کر سکو گی۔''

''ٹھیک ہے۔ اس کی کوٹھی کی طرف چلو۔ میں راستہ بتا رہی ہوں۔''

انہوں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ منور نے پوچھا۔ ''اس سے تمہاری جان پہچان کس حد تک ہے؟ کیا اس کا فون نمبر جانتی ہو؟''

''اپنے چاہنے والوں کے نمبر دل پر لکھے ہوتے ہیں۔ مگر میرا موبائل فون کام نہیں کر رہا تھا۔ گھر میں چھوڑ کر آئی ہوں۔''

نادر نے اپنا فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ابھی میرے فون سے بات کرو۔ پھر باتوں ہی باتوں میں معلوم کرو' اس نے اس بوڑھے کو کہاں پہنچایا ہے؟''

وہ فون لے کر نمبر پنچ کرتے ہوئے بولی۔ ''اب ہم اس کوٹھی کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں۔ وہ اس علاقے میں مجھ سے ملنے نہیں آئے گا۔ میں اسے کہیں بلاؤں گی۔''

اس نے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف کال بیل جا رہی تھی۔ پھر اچانک ہی خاموشی چھا گئی۔ اسکرین پر لکھا تھا' نیٹ ورک پرابلم ہے۔ وہ ایک منٹ کے بعد پھر نمبر پنچ کرنے لگی۔

یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ میرے بیٹے اور داماد مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ مگر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ تلاش کرتے ہوئے اتنے قریب پہنچ جائیں گے۔ میں ان کی آمد سے بے خبر تھا اور بے خبری میں بڑے بڑے سُورما رے جاتے ہیں۔ میں موجودہ حالات میں نہ تو سُورما تھا' نہ شہزور تھا اور نہ ہی خود کو کمزور کہہ سکتا تھا۔ فی الحال نارمل سی توانائی رکھنے والا ایک عام سا انسان تھا۔

میں ان لمحات میں خوش نصیب تھا۔ کیونکہ اس وقت بلال احمد میرے سامنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے میرے متعلق چند سوالات کئے تھے۔ میں نے جواب دیتے ہوئے اپنی مختصر سی روداد بیان کی تھی۔ یہ بتا دیا تھا کہ اپنی اولاد سے بھی چھپتا پھر رہا ہوں۔ لاہور پہنچ کر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے بعد تمام مخالفین سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔

ایسے ہی وقت اس کے فون پر کالنگ ٹون سنائی دی۔ وہ اسکرین پر نمبر پڑھتے ہوئے

بولا۔ "پتہ نہیں کون ہے؟ یہ نمبر پہلی بار پڑھ رہا ہوں۔"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ پھر پوچھا۔ "ہیلو آپ کون ہیں؟"

جواب میں شرارہ کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی۔ وہ بولی۔ "مجھے آپ جناب کہہ رہے ہو۔ میں تو تمہاری وہ ہوں۔"

بلال نے ہچکچاتے ہوئے چور نظروں سے مجھے دیکھا پھر اس سے پوچھا۔ "یہ۔ اس وقت میری یاد کیسے آ گئی؟"

"ابھی پانی پیتے وقت ٹھسکا لگا تو سوچا' ضرور تم نے یاد کیا ہے۔ آج دوپہر کو میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ تب سے بات کرنے کو دل مچل رہا تھا۔"

اس نے پوچھا۔ "تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟"

"تم اپنی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر نظر آئے تھے۔ بائیک چلا رہے تھے اور تمہارے پیچھے ایک بوڑھا بابا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کون ہے؟ تم اسے کہاں لے جا رہے تھے؟"

"وہ بوڑھا ایک مظلوم بھٹکا ہوا مسافر تھا۔ میں اس کے کام آ رہا تھا۔"

اس کی یہ بات سن کر میں اسے توجہ سے دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا۔ "فون پر میری بات کون کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟"

ادھر سے شرارہ نے کہا۔ "تم اس مظلوم کے کام آ رہے ہو۔ میں بھی اس کے کام آنا چاہتی ہوں۔ اس سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔"

بلال نے حیرانی سے پوچھا۔ "تعجب ہے۔ تم ایک اجنبی بوڑھے سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟"

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے اور اس کے فون کو گھور کر دیکھنے لگا۔ اچانک ہی دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ شرارہ کہہ رہی تھی۔ "اب سے کئی برس پہلے میرے چاچا جی گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اس بوڑھے بابا کو دیکھ کر ایسا ہی لگا' جیسے وہ واپس آ گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ وہ چاچا جی ہوں یا پھر ان کے ہم شکل ہوں۔ اسی لئے ان سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔"

اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر میں جس بابا جی کو ساتھ لایا تھا۔ ان کا یہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"

"میں کہہ رہی ہوں' ان کی دماغی حالت درست نہیں ہے۔ وہ اپنے رشتے داروں کو

نہیں پہچانتے۔ یہاں آ کر بھی بھولے ہوئے ہوں گے۔ میں ایک بار مل کر اپنی تسلی کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر فون پر کہا۔ "میں حیران ہوں' تم نے دوپہر کو انہیں دیکھا تھا اور اب چار گھنٹے بعد ان سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہو۔ کیا مجھے پہلے فون نہیں کر سکتی تھیں؟"

"کیسے کرتی؟ چاچی یہاں نہیں تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آئی ہے۔ میں نے اس سے ذکر کیا تو وہ ان سے ملنے کے لئے تڑپ گئی۔ چاچا جی ہمیں نہیں پہچانیں گے۔ کوئی بات نہیں' ہم تو انہیں پہچان لیں گے۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ مجھ سے کہا۔ "آپ سن رہے ہیں؟ ایک عورت آپ کو چاچا جی کہہ رہی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔"

میں نے کہا۔ "اور تم نے اس سے کہا کہ یہاں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ ملنا چاہتی ہے۔"

"ہاں کہتی ہے' چاچا جی کی دماغی حالت درست نہیں رہتی۔ وہ کسی کو پہچانتے نہیں ہیں۔ شرارہ کی یہی بات مجھے کھٹک رہی ہے۔ کیونکہ آپ کی دماغی حالت درست ہے۔ اگر وہ سچ کہہ رہی ہے اور اس کا کوئی خبطی چاچا لاپتہ ہونے کے بعد آج اسے دکھائی دیا ہے تو اس کا مطلب ہے' آپ اس کے چاچا سے مشابہت رکھتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ شرارہ ہے کون....؟"

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "فلموں میں کام کرنے کی شوقین ہے۔ لاہور جا کر چھوٹے بڑے رول ادا کرتی رہتی ہے۔ آپ یہ بتائیں' میں اسے کیا جواب دوں؟"

ایسے ہی وقت پھر کالنگ ٹون سنائی دینے لگی۔ بلال نے نمبر پڑھتے ہوئے کہا۔ "وہی کال کر رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "اسے پندرہ بیس منٹ کے لئے کسی طرح ٹال دو۔"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ شرارہ نے پوچھا۔ "تم نے رابطہ کیوں ختم کر دیا تھا؟"

"میں نے ختم نہیں کیا تھا۔ نیٹ ورک میں خرابی کے باعث خود ہی فون بند ہو گیا تھا۔ ابھی رابطہ ہو رہا ہے۔ مگر میں بات نہیں کر سکوں گا۔ لندن سے فون کال آئی ہے۔ ڈیڈی

مجھے باتیں کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ میں کال اٹینڈ کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ تم انتظار کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد خود تمہیں فون کروں گا۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ میری وہ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی گلے میں تعویز کی طرح لٹک رہی تھی۔ میں نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا پھر مٹھی میں جکڑ کر سوچنے لگا۔ بلال نے کہا۔"آپ بہت محتاط ہیں اور رہنا بھی چاہئے۔ مجھے بھی شرارہ کچھ کھٹک رہی ہے۔"

میں نے کہا۔"ذہن پر زور ڈالو۔ یہ سمجھو کہ کیوں کھٹک رہی ہے؟"

وہ ذرا سوچتے ہوئے بولا۔"اس نے آج سے پہلے کبھی مجھے فون نہیں کیا۔ میں ہی اسے کال کیا کرتا ہوں اور ابھی جس نمبر سے بات کر رہی تھی۔ یہ اس کا نہیں ہے۔"

"یعنی وہ اپنے نہیں، کسی اور کے فون سے باتیں کر رہی تھی؟"

"ہوسکتا ہے۔ اس نے نیا کنکشن خریدا ہو۔"

بیڈ کے سرہانے میری وہ لاٹھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے جھک کر اسے اٹھایا۔ پھر فرش پر ٹیک ٹیک کر ٹہلنے کے انداز میں ادھر سے ادھر چلنے لگا۔ میرے ذہن میں جیسے تازہ ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ میں نے بلال سے کہا۔"ہمیں معلوم کرنا چاہئے، یہ فون نمبر شرارہ کا ہے یا کسی اور کا ہے؟"

اس نے جیب سے ایک سم نکالتے ہوئے کہا۔"میرے پاس ایک فاضل سم رہتی ہے۔ میں اپنی خاص ضرورت کے وقت اسے استعمال کرتا ہوں۔ ابھی اس نئے نمبر سے اجنبی بن کر شرارہ کو کال کروں گا۔"

اس نے سم بدل دی۔ میں نے کہا۔"وہی نمبر پنچ کرو۔ مگر بات میں کروں گا۔"

اس نے نمبر پنچ کئے۔ میں نے فون لے کر کان سے لگایا۔ جلد ہی شرارہ کی آواز سنائی دی۔"ہیلو بلال! مجھے یقین تھا۔ تم پلٹ کر فون کرو گے۔"

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔"تم کون ہو؟ یہ تو عبداللہ بھائی کا فون ہے۔ ان سے بات کرنے دو۔"

اس کی آواز سنائی دی۔"اچھا اچھا۔ یہ لیں بات کریں۔"

شرارہ نے فون منور کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"یہ تمہارے کسی جاننے والے کا فون ہے۔"

منور نے اسے لے کر کان سے لگایا پھر پوچھا۔"ہیلو کون....؟"

بیٹے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔"گدھے کے بچے کون ہو تم؟ فون عبداللہ بھائی کو دو۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔"تم خود ہوگے گدھے کے بچے...! کیا فون پر بات کرنے کی تمیز نہیں ہے؟"

"تم لوگوں کو تمیز نہیں ہے، کبھی کسی کسبی کی آواز سنائی دیتی ہے اور کبھی کسی دَلّے کی۔ عبداللہ بھائی کہاں ہیں؟"

وہ دھاڑتے ہوئے بولا۔"یوشٹ اپ..."

ادھر سے فون بند کردیا گیا۔ میں نے اسے بلال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"تمہاری شرارہ میری دشمن اولاد کے فون سے بات کر رہی تھی۔"

وہ بڑی ندامت سے بولا۔"او گاڈ...! مجھے اس پر شبہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہی تھی۔ مجھے دھوکہ دے رہی تھی۔ یہ بازاری عورتیں بڑی ہی مکار ہوتی ہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔"کوئی بات نہیں۔ اس کی مکاری ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ بتاؤ، ابھی اس سے فون پر کیا کہو گے؟"

وہ نفرت سے بولا۔"جی چاہتا ہے، خوب گالیاں دوں۔ کبھی وہ سامنے آئے گی تو اس پر تھوک دوں گا۔"

"غصہ کرو گے تو کام بگڑ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں، میرے دشمن ہمیشہ کی طرح اپنا کھیل کھیلتے رہیں۔ لیکن مجھ تک کبھی پہنچ نہ پائیں۔ انہیں پھر ایک بار زبردست نقصان پہنچنا چاہئے۔"

"آپ کی رُوداد سننے کے بعد یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں جوانوں جیسی بازی کھیل رہے ہیں۔ کیسی ناقابل یقین بات ہے کہ بڑھاپے، بیماریوں اور کمزوریوں میں مبتلا رہنے کے باوجود تمام مخالفین کو مات دیتے آرہے ہیں۔ آپ ہی بتائیں، مجھے شرارہ سے اس وقت کیا کہنا چاہئے؟ آپ دشمنوں کے خلاف کیا کرنا چاہتے ہیں؟ میں اس سلسلے میں بھرپور ساتھ دوں گا۔"

میں نے فون پر اپنے وکیل رضا قریشی کے نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر کہا۔"قریشی صاحب! یہاں حالات اچانک ہی بدل گئے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔"سر! خیریت تو ہے؟"

"ابھی تک تو خیریت ہے۔ میرا ایک بیٹا منور یہاں پہنچا ہوا۔ پتہ نہیں وہ تنہا ہے یا اس

کے ساتھ کچھ اور بھی ہیں۔ بہرحال آپ اِدھر نہ آئیں۔ خواہ مخواہ ان کی نظروں میں آئیں گے۔''

''ایک وکیل کی حیثیت سے میرا مشورہ ہے' آپ فوراً ہی تھانے میں ان کے خلاف رپورٹ درج کرائیں۔ دشمن اولاد کی نشاندھی کریں۔ وہ گرفتار ہوں گے۔ آپ کے لئے راستہ صاف ہوگا تو آپ ادھر چلے آئیں گے۔''

میں نے کہا۔''وہ گرفتار ہو کر آہنی سلاخوں کے پیچھے جائیں گے۔ مگر دوسرے ہی دن ضمانت پر رہا ہو جائیں گے۔ رہا نہ بھی ہو پائے تو جیل میں آرام سے رہیں گے اور میں انہیں اب کبھی آرام سے نہیں رہنے دوں گا۔ یہ طے کر چکا ہوں کہ ان کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کروں گا۔ انہیں ایسا تگنی کا ناچ نچاؤں گا کہ وہ بھاگتے پھریں گے مگر انہیں کہیں جائے پناہ نہیں ملے گی۔''

''سر! میں آپ کے لئے فکر مند رہتا ہوں۔ آپ بیمار ہیں' کمزور ہیں۔ ان مخالفین سے نمٹنے کے بجائے پہلے اپنا مکمل علاج کرائیں۔''

''میری فکر نہ کریں۔ میں کل آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے فون بند کر کے بلال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔''سم بدل دو اور شرارہ سے بات کرو۔''

اس نے سم بدلتے ہوئے کہا۔''آپ گائیڈ کریں۔ مجھے فون پر کیا کہنا چاہئے؟''

میں نے کہا۔''تمہارے گھر میں سب کے پاس موبائل فون ہے۔ کیا کسی کے پاس فاضل سم ہوگی؟ میں اسے استعمال کروں گا۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔''میں ابھی ایک منٹ میں لاتا ہوں۔''

وہ ہوا کی طرح گیا اور واپس آ گیا۔ ایک موبائل فون میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔''یہ بالکل نیا فون ہے۔ میں نے اپنے ایک دوست کو گفٹ دینے کے لئے خریدا ہے۔ آپ اسے استعمال کریں۔ اس کے لئے دوسرا گفٹ خرید لیا جائے گا۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔''اب شرارہ سے بات کرو۔ اس سے ایک ذرا باتیں بنانے کے بعد میرا یہ فون نمبر بتا دو۔''

میں نے اسے سمجھایا کہ شرارہ سے کیسی باتیں کرنی ہیں اور اس کے ذریعے کس طرح میرے دشمن خوش فہمی میں مبتلا ہوتے رہیں گے؟

اس نے میری ہدایات کے مطابق رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے شرارہ نے چہکتے

ہوئے کہا۔''میں جانتی تھی' تم مجھے یاد رکھو گے۔ ضرور پلٹ کر فون کرو گے۔ تم بہت اچھے ہو۔ پلیز۔ میرے چاچا جی سے مجھے ملا دو۔ اتنا تو بتا دو' وہ کہاں ہیں؟ میں خود ان سے ملنے چلی جاؤں گی۔''

بلال نے کہا۔''دراصل بات یہ ہے کہ وہ بوڑھے بابا پتہ نہیں کیوں دنیا والوں سے چھپ کر رہنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے مجھے قسم دی تھی کہ وہ جہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ وہاں کا پتہ کسی کو نہ بتایا جائے۔''

ایسے وقت منور پچھلی سیٹ پر شرارہ کے پاس آ گیا تھا۔ اس کے کان سے کان لگا کر بلال کی باتیں سن رہا تھا۔ شرارہ نے کہا۔''اگر میرے چاچا جی نے تمہیں قسم دی ہے تو میں بھی تمہیں اپنی قسم دیتی ہوں۔ مجھے ان کا پتہ بتاؤ؟ میں چاچی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔ پہلے چپ چاپ ان سے جا کر ملوں گی۔''

اس نے کہا۔''شرارہ! مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے اتنی بڑی قسم دی ہے کہ میں تمہیں ان کا پتہ نہیں بتاؤں گا۔ مگر ہاں۔ ان سے تمہاری بات ہو سکتی ہے۔''

منور نے شرارہ کو دیکھ کر اشارہ کیا کہ وہ راضی ہو جائے۔ وہ فون پر بولی۔''جب ان کا پتہ نہیں بتاؤ گے' میں ان سے نہیں ملوں گی تو باتیں کیسے کروں گی؟ کیا ان کے پاس فون ہے؟''

''فون ہے' تب ہی کہہ رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی تمہارے چاچا جی ہیں تو ان سے باتیں کر کے انہیں ملاقات پر راضی کر لو۔ وہ راضی ہو جائیں گے تو خود ہی پتہ بتا کر اپنے پاس بلا لیں گے۔''

''چلو یہی سہی۔ ان کا نمبر بتاؤ؟ مگر یاد رکھو۔ اگر انہوں نے اپنے پاس نہیں بلایا تو میں تمہارے پیچھے پڑ جاؤں گی۔ تم مجھے ان کے پاس ضرور لے جاؤ گے۔''

''اگر وہ تمہارے چاچا جی ہیں اور وہ تمہیں پہچان لیں گے تو یقیناً بلائیں گے۔ خواہ مخواہ میرے پیچھے نہ پڑو۔ نمبر نوٹ کرو۔''

بلال نے میرے نئے فون کے نمبر بتائے۔ پھر رابطہ ختم کر دیا۔ منور نے وہ نمبر نوٹ کئے تھے۔ نادر نے کہا۔''یہ بابا جانی کے پاس موبائل فون کہاں سے آ گیا؟ پھر انہیں کہیں چھپنے کی جگہ بھی مل گئی ہے۔ یہ بڑے میاں بہت پہنچے ہوئے ہیں۔''

منور نے شرارہ سے کہا۔''یہ بڑے میاں واقعی پہنچے ہوئے ہیں۔ اگر تم انہیں شیشے میں اتار لوگی تو سمجھو آج ہی تمہیں پچاس ہزار روپے مل جائیں گے۔''

وہ آستین چڑھاتے ہوئے بولی۔ ''فکرنہ کریں۔ میں اتنی بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی جان لڑادوں گی۔''

نادر نے کہا۔''منور بھائی!اگر بابا جانی شرارہ سے ملنے پر راضی ہوگئے تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

''ظاہر ہے یہ ان کے بتائے ہوئے پتے پر ملنے جائے گی۔ہم دور ہی دور سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''آگے بولیں کیا کرنا ہے؟وہ ہمارے گلے کا پھندہ بن گئے ہیں۔انہیں ختم نہ کیا گیا تو ہم ختم ہوجائیں گے۔''

منور نے کہا۔''اور اگر انہیں ختم کردیں گے تو وہ خزانہ پتہ نہیں کہاں زمین میں دوبارہ جائے گا؟ مرتے دم تک ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

شرارہ شدید حیرانی سے چیخ پڑی۔''خزانہ.....؟''

منور نے فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔وہ آگے کوئی پلاننگ کرنے کی دھن میں روانی سے بولتے جارہے تھے۔ایسے وقت شرارہ کی موجودگی کو بھول گئے تھے۔وہ اپنے منہ پر سے منور کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔''مجھے سن کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔اس بڈھے کے پاس خزانہ ہے؟یعنی کہ وہ بہت دولت مند ہے۔''

نادر نے کہا۔''خدا کے لئے چپ ہوجاؤ۔کوئی خزانہ وزانہ نہیں ہے۔اپنے کام سے کام رکھو۔ہمیں ان کے پاس پہنچاؤ اور پچاس ہزار روپے لے کر عیش کرو۔''

وہ بولی۔''اب تو پچاس ہزار پہاڑ کے آگے ذرّہ لگ رہے ہیں۔میں ایسی بھی نادان نہیں ہوں کہ تمہارے لئے پہاڑ کھودوں اور اپنے لئے چوہا نکالوں۔بعد میں پچھتاؤں کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا.......''

دونوں نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔''چلو ہم پچاس سے کچھ زیادہ دے دیں گے۔''

وہ خوش ہوکر بولی۔''یعنی پچاس لاکھ دوگے۔''

نادر نے کہا۔''شٹ اپ۔اتنا زیادہ پھیلے گی اور پھولے گی تو پھٹ جائے گی۔ہم تجھے چیر پھاڑ کرر کھ دیں گے۔''

اس نے دونوں کو باری باری دیکھا۔پھر اپنی سیٹ پر تن کر بیٹھتے ہوئے بولی۔''آؤ.....مجھے اچھی طرح چیر پھاڑ کرر کھ دو اور اس کے بعد خزانے پر فاتحہ پڑھنا۔''

انہوں نے ایک دوسرے کو شکست خوردہ انداز میں دیکھا۔پھر منور نے کہا۔''ٹھیک ہے۔ہم تمہیں ایک لاکھ دیں گے۔''

وہ بولی۔''نہ ایک لاکھ نہ پچاس لاکھ۔ابھی دس لاکھ دو اور مجھ سے کام لو۔''

''ابھی ہم اتنی بڑی رقم کہاں سے لائیں گے؟تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جائیں گے۔وہاں تمہاری مطلوبہ رقم ادا کریں گے۔''

''تو پھر کل لاہور جاکر پہلے رقم لے آؤ۔اس کے بعد میں تمہارا کام کروں گی۔''

نادر نے جھنجھلا کر کہا۔''تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ کل تک وہ بوڑھا ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے تم جانو۔میری عقل نے سمجھا دیا ہے' تم دونوں کوئی نیک کام کرنے نہیں جارہے ہو۔میں تم پر ایک پیسے کا بھی بھروسہ کرکے نقصان اٹھاؤں گی۔''

منور نے ایک گہری سانس لے کر نادر کو دیکھتے ہوئے کہا۔''یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہے' ہم اس کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔پھر یہ کہ ہماری رازدار بن چکی ہے۔ہم نے اس کا مطالبہ نہ مانا تو یہ بلال کے ذریعے بابا جانی کو ہمارے بارے میں بہت کچھ بتادے گی۔''

شرارہ نے چونک کر کہا۔''ہاں۔ مجھے یاد آرہا ہے۔اب سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے اس بوڑھے کو بابا جانی کہا تھا۔اب بھی کہہ رہے ہو۔اس کا مطلب ہے' وہ تمہارا کوئی سگا ہے۔ایسے بزرگوں کو بابا جانی یا دادا جانی کہا جاتا ہے۔''

وہ بچپن سے مجھے بابا جانی کہتے تھے۔اب بھی ہزار دشمنی کے باوجود بے اختیار مجھے اسی رشتے سے یاد کرتے تھے۔انہوں نے شرارہ کے سامنے بھی کچھ سوچے سمجھے بغیر بے اختیار یہی کہا تھا۔

منور نے پریشان ہوکر کہا۔''وہ ہمارے سگے ہیں یا سوتیلے' دوست ہیں یا دشمن ...تمہیں ان سے کیا لینا ہے؟ہم تمہارا مطالبہ مان رہے ہیں۔تمہیں دس لاکھ دیں گے مگر ہماری مجبوری کو سمجھو۔''

وہ پہلو بدل کر بولی۔''اگر آدھی رقم ایڈوانس کے طور پر دوگے تو تمہاری مجبوری کو سمجھوں گی۔''

''ابھی ہمارے پاس تین لاکھ روپے ہیں۔اسے قبول کرو اور ہمارا کام کرو۔دیر کروگی تو بابا جانی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔''

نادر شاہ ڈیش بورڈ کھول کر اس میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر شرارہ کی طرف بڑھانے لگا۔ وہ خوش ہو کر دوپٹے کی جھولی بنا کر نوٹوں کی گڈیاں رکھنے لگی۔ منور نے کہا۔ ''تم نے بہت وقت ضائع کیا ہے۔ اب فوراً بابا جانی سے بات کرو۔''

وہ اس سے فون لیتے ہوئے بولی۔ ''ابھی بات کرتی ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ' یہ بابا جانی تمہارا باپ ہے یا دادا...؟ میری تسلی کے لئے رشتہ بتا دو۔ نہیں تو میرے اندر کھد بد ہوتی رہے گی۔''

منور نے کہا۔ ''تم غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہو اور دماغ بھی خراب کر رہی ہو۔ وہ میرا باپ ہے۔ مجھے پیدا کرنے کے بعد خزانے پر سانپ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ بس... اب رشتہ سمجھ میں آ گیا؟''

شرارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر نادر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اور وہ تمہارا کون ہے؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''میرا سسر ہے۔ بیٹے اور داماد دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہا ہے۔ خدا کے لئے فون کرو۔ وقت ضائع نہ کرو۔''

شرارہ نے نمبر پنچ کئے پھر فون کو کان سے لگایا۔ منور اس کے قریب ہو کر فون سے لگ گیا۔ ادھر میرے فون کی کالنگ ٹون سنائی دینے لگی۔ بلال نے کہا۔ ''وہ کال کر رہی ہے۔''

میں نے فون اٹھا کر نمبر پڑھے۔ پھر بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہیلو کون ہے....؟''

اس کی آواز سنائی دی۔ ''چاچا جی! میں تمہاری شرارہ بول رہی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے' تم نے غلط نمبر ملایا ہے۔ نہ میں تمہارا چاچا ہوں اور نہ کسی شرارہ کو جانتا ہوں۔''

''میں جانتی تھی' آپ ایسی ہی دل توڑنے والی باتیں کریں گے۔ آپ کی یادداشت ابھی تک واپس نہیں آئی ہے۔ ہم سب کو بھولے ہوئے ہیں۔''

''بھول تم سے ہو رہی ہے۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہارا چاچا ہوں؟''

''آج دوپہر آپ بلال کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر جا رہے تھے۔ تب میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ فوراً ہی میرے سامنے سے گزر گئے تھے۔ مجھے یقین نہیں آیا' برسوں بعد آپ کو دیکھ رہی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے' آپ میرے چاچا جی کے ہم شکل ہوں؟''

''اتنا تو یقین سے کہتا ہوں' میں تمہارا چاچا نہیں ہوں۔ البتہ یہ مان لیتا ہوں کہ میرے اور تمہارے چاچا کی شکل ملتی جلتی ہوگی۔''

''آپ اتنا ہی مان لیں گے تو دل کو تسلی ہوگی۔ اگر ایک بار ملاقات ہو جائے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ آپ میرے چاچا نہیں ہیں۔ مگر آپ کے ذریعے ان کی صورت ہمارے سامنے آ رہی ہے۔ ہم ان سے جدائی کا صدمہ سہہ رہے ہیں۔ آپ یہ صدمہ ختم نہیں کر سکتے۔ لیکن کم کر سکتے ہیں۔ میرے اطمینان اور تسلی کے لئے ایک بار مجھ سے مل سکتے ہیں۔''

''تم بہت ضدی ہو اور بڑی اچھی باتیں کرتی ہو۔ یقیناً یہ انسانی فرض ہے کہ میں تمہارا صدمہ کم سے کم کروں۔ مجھے تم سے ضرور ملنا چاہئے۔ لیکن....''

اس نے نادر کو دیکھا۔ پھر فون پر کہا۔ ''لیکن کہہ کر کوئی اعتراض' کوئی مجبوری پیش نہ کریں۔''

''میں ملنے سے انکار نہیں کروں گا۔ لیکن واقعی میری ایک بہت بڑی مجبوری ہے۔ میں بدترین دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ میں ان سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ ابھی یہ اطمینان ہے کہ کوئی مجھے ڈھونڈتا ہوا ادھر نہیں آ سکے گا۔''

میں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ ''لیکن تم ملنے آؤ گی یا کوئی بھی میری بہتری چاہنے والا آئے گا تو دشمن اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے۔''

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں یقین دلاتی ہوں' میرے پیچھے چھپ کر کوئی نہیں آئے گا۔ میں بہت محتاط رہوں گی۔ بالکل اکیلی ملنے آؤں گی۔''

''میں ایک ایسے ویرانے میں ہوں' جہاں کوئی بھی عورت اکیلی نہیں آ سکتی۔''

''اگر آپ اجازت دیں گے تو میں اپنے ایک ایسے اعتماد والے کے ساتھ آؤں گی جو گونگا اور بہرہ ہے۔ نہ ہماری باتیں سن سکے گا اور نہ آپ کے بارے میں کسی سے کچھ بول سکے گا۔''

''تم اپنے چاچا کی محبت میں میرے لئے مشکلات پیدا کرو گی۔ میں تمہیں مایوس کرنا بھی نہیں چاہتا۔ تمہارے صدمات کو کم کرنا میرا فرض ہے۔ مجھے سوچنے دو۔ میں کوئی ایسی تدبیر کروں گا کہ تمہارے آنے سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے۔''

''آپ بہت اچھے ہیں۔ مجھے فوراً کوئی تدبیر بتائیں۔ میں اس پر عمل کروں گی۔''

''تدبیر فوراً ہی دماغ میں نہیں آتی۔ سوچنا پڑتا ہے' کچھ وقت لگتا ہے۔ تم انتظار کرو۔ میں ایک آدھ گھنٹے میں تمہیں فون کروں گا۔ ابھی یہ بتاؤ' تم کہاں ہو اور تمہارا رہائشی پتہ کیا ہے؟''

اس نے اپنا پتہ بتایا۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میری کال کا انتظار کرو۔''

میں نے فون بند کردیا۔منور نے نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''پہلے یہ شبہ تھا کہ بلال کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر آنے والے شائد بابا جانی ہوں گے۔لیکن اب یقین ہوگیا ہے۔ میں صاف طور سے ان کی آواز سن رہا تھا۔ابھی وہ یہاں سے دور کسی ویران علاقے میں ہیں۔''

شرارہ نے کہا۔''اس بوڑھے کو تم دونوں سے خطرہ ہے۔یہ اندیشہ ہے کہ میں ملنے جاؤں گی تو تم میرے پیچھے چھپ کر انہیں نقصان پہنچانے چلے آؤ گے۔''

نادر نے پوچھا۔''آخر بات کہاں تک پہنچی؟''

''وہ ملنے کے لئے راضی ہیں۔مگر کوئی ایسی تدبیر سوچ رہے ہیں کہ شرارہ سے ملاقات بھی ہوجائے اور روپوشی بھی برقرار رہے۔کوئی وہاں تک پہنچ نہ پائے۔''

وہ بولی۔''انتظار کرو۔وہ ایک آدھ گھنٹے میں مجھے ضرور اپنے پاس بلائیں گے۔تب تک میرے گھر لے چلو۔میں وہاں جاکر یہ تین لاکھ روپے چھپاؤں گی۔اتنی بڑی رقم کسی ویرانے میں نہیں لے جاؤں گی۔''

''گھر میں رقم چھپانے جاؤ گی تو خواہ مخواہ وقت ضائع ہوگا۔بات پھیلے گی۔کم از کم تمہارے گھر والے تو ضرور حیران ہوں گے۔پھر یہ کہ تم اس رقم کو کسی ویرانے میں نہیں لے جاؤ گی۔اسی گاڑی میں چھپا کر رکھو گی۔''

وہ دیدے گھما کر بولی۔''اس گاڑی میں چھپانے کا مطلب ہے' جو رقم تم نے دی ہے۔وہ تمہارے پاس ہی رہے گی۔میں دونوں ہاتھوں سے لے کر بھی خالی رہوں گی۔مجھے ایسا سبق نہ پڑھاؤ۔ابھی اچھا خاصا وقت ہے۔میں گھر سے ہوکر آجاؤں گی۔''

اس وقت وہ بہت اہم مہرہ بنی ہوئی تھی۔ان کے بہت کام آرہی تھی اور مزید کارآمد بننے والی تھی۔وہ جو کہہ رہی تھی اسے مان لینے سے کام بنتا رہتا ورنہ بگڑ جاتا۔

وہ اسے اپنی کار میں اس کے گھر تک لے آئے۔نادر نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔''اس محلے میں ہماری کار کو دیکھ کر طرح طرح کی باتیں بنائی جائیں گی۔تم سے بھی پوچھا جائے گا کہ اتنی قیمتی گاڑی میں کہاں سے آئی ہو؟''

وہ فخر سے سر اونچا کرتے ہوئے بولی۔''میرے دروازے پر اس سے بھی قیمتی گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔میں چھپ کر دھندہ نہیں کرتی۔میری فکر نہ کرو۔''

نادر نے کہا۔''منور بھائی!ہم خواہ مخواہ اس کے معاملے میں الجھ رہے ہیں۔ہم نے اب تک یہ طے نہیں کیا کہ بابا جانی تک پہنچ کر انہیں کس طرح اپنے قابو میں کریں گے؟''

منور نے کہا۔''فی الحال تو یہ ذہن میں ہے کہ وہ بیمار ہیں۔ہمارے مقابلے میں بہت کمزور ہیں۔ہم انہیں بے ہوش کرنے کے بعد کہیں بھی لے جاسکیں گے۔پھر قیدی بنا کر رکھ سکیں گے۔''

''اگر وہ وہاں اکیلے نہ ہوئے تو.....؟''

''میں نے فون پر ان کی باتیں سنی ہیں۔وہ کسی پر بھروسہ نہیں کررہے ہیں۔فی الوقت جہاں بھی ہیں' بالکل تنہا ہیں۔''

''انہوں نے شرارہ سے فون پر ایسا کہا ہے۔مگر غور کریں' وہ ایک ویرانے میں تنہا کیسے رہیں گے؟رات کو سوتے وقت یہ اندیشہ نہیں رہے گا کہ ہم نہ سہی' کوئی چور لٹیرا وہاں پہنچ سکتا ہے اور انہیں جانی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ ایک بیمار کسی سہارے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کے پاس موبائل فون ہے۔یقیناً انہوں نے اپنے وکیل اور دوسرے جاں نثاروں سے رابطہ کیا ہوگا۔کیا وہ جاں نثار ان کی حفاظت کے لئے وہاں موجود نہیں ہوں گے؟''

منور نے پریشان ہوکر کہا۔''ہاں ایسا ہوسکتا ہے۔بابا جانی ہمارے شکنجے سے نکلنے کے بعد کچھ زیادہ ہی محتاط رہیں گے۔میں مانتا ہوں' وہ اس ویرانے میں تنہا نہیں ہوں گے۔ہمیں پوری تیاری کے ساتھ وہاں جانا ہوگا۔''

''رات کے دس بجنے والے ہیں۔ہم فوری طور پر کچھ نہیں کرپائیں گے۔ابھی بلے کو کال کریں۔وہ بھی شائد رات کو ادھر نہ آئے۔''

وہ دونوں شرارہ کے مکان کے سامنے کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔منور نے فون کے ذریعے بلے کو مخاطب کیا۔اس نے پوچھا۔''تم دونوں کہاں ہو؟ مراد نے میرے اور تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے۔پولیس کے اعلیٰ حکام تک پہنچ رہے ہیں۔میری تو خیر ہے۔میں اپنے پارٹی لیڈروں کی چھتر چھایا میں ہوں۔تم دونوں اپنی خیر مناؤ۔''

منور نے کہا۔''ہماری بھی خیر ہے۔ہمارا وکیل ضمانت نامہ قبل از گرفتاری حاصل کرچکا ہے۔ابھی ایک اہم خبر ہے اور وہ یہ کہ بابا جانی کا پتہ مل گیا ہے۔وہ ایک جگہ چھپے ہوئے ہیں۔ہم تمہاری پچھلی تمام پے منٹ کر چکے ہیں۔اگلی کی بات کرو اور جتنی جلدی ممکن ہو' اپنے مسلح حواریوں کے ساتھ نیاز بیگ ٹھوکر پہنچ جاؤ۔''

وہ بولا۔''ابھی تو یہ ممکن نہیں ہے۔ایک تو میرا خفیہ اڈا پولیس والوں کی نظروں میں آگیا ہے۔دوسرا یہ کہ میرے دس آدمی وہاں مارے گئے ہیں۔ان کے گھروں میں ماتم ہو رہے

ہیں۔ باقی جو حواری ہیں' وہ پھر ایک بار میدان جنگ میں اترنے کا حوصلہ نہیں کریں گے۔ ان سب کو راضی کرنا ہوگا۔ انہیں زیادہ رقم دینی ہوگی۔"

"رقم کی پرواہ نہ کرو۔ بابا جانی کا سراغ مل چکا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ پھر ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں۔"

بلے نے کہا۔ "یہ تو نظر آرہا ہے کہ پھر ایک بار گھمسان کی جنگ ہوگی۔ پھر دونوں طرف کے بندے مارے جائیں گے۔ یہ جنگ کتنے بڑے خزانے کے لئے ہورہی ہے؟ یہ بات تم نے مجھ سے چھپائی تھی۔ مگر سری واستو بڑبولا واقعی بہت بولتا ہے۔ اس نے بتایا ہے' یہ سب کچھ خفیہ خزانے کے لئے ہورہا ہے۔ میں سیدھی سی بات کرتا ہوں۔ اب میرے مطالبے کی رقم دگنی ہوگی۔"

اس نے ایک ذرا پریشان ہوکر نادر کو دیکھا۔ پھر فون پر کہا۔ "ابھی وہ خزانہ ہاتھ نہیں آیا ہے۔ یعنی بچہ پیدا نہیں ہوا اور تم اس کے نام سے بینک اکاؤنٹ کھولنے کی باتیں کررہے ہو۔ جب وہ خزانہ حاصل ہوگا تو میں وعدہ کرتا ہوں' تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا۔ ابھی صرف کام کی بات کرو۔"

"میں کل صبح بتاؤں گا کہ میرے مسلح آدمی کب تک وہاں پہنچ سکیں گے؟ اور تم مجھے بتاؤ گے کہ تمہارے باپ کو کہاں گھیرا جائے گا؟ وہ جگہ کہاں ہے؟ وہاں ہمارے آدمی پہلے سے اپنی پوزیشن مضبوط کریں گے۔"

وہ سب اس بات پر متفق ہورہے تھے کہ مجھے دوسرے دن گھیرا جائے گا۔ اس سے پہلے وہ میرے متعلق مکمل معلومات حاصل کرلینا چاہتے تھے۔ بہرحال ان کے درمیان رابطہ ختم ہوگیا۔ شرارہ اپنے گھر سے نکل کر کار میں آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اب جہاں چلنا ہے چلو۔ مجھے تو زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ ویسے تم بھی رات کو خالی پیٹ نہیں سوتے ہوگے؟"

نادر نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہماری تو نیند اڑگئی ہے۔ بھوک مرگئی ہے۔ پھر بھی کچھ کھانا ہی پڑے گا۔"

اس نے ایک اوپن ریسٹورنٹ کے سامنے آکر کار روک دی۔ اسی کار میں بیٹھ کر کھانے کا آرڈر دیا۔ ادھر میں نے بلال سے کہا تھا کہ وہ گھر سے نکل کر شرارہ کے متعلق معلومات حاصل کرے' وہ ابھی کہاں ہے؟ جہاں بھی ہوگی اس کے ساتھ منور ضرور ہوگا۔ وہ کہیں دور جاکر مجھ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ جبکہ میں ان کے قریب ہی تھا اور قریب رہ کر ان کے متعلق

اچھی خاصی معلومات حاصل کرسکتا تھا۔

بلال میری ہدایت کے مطابق باہر گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست کو شرارہ کے گھر کی طرف روانہ کیا تھا۔ پھر دوست نے اسے اطلاع دی کہ شرارہ کے گھر کے سامنے ایک قیمتی کار کھڑی ہے۔ اس کار میں دو بندے بیٹھے ہیں۔ شرارہ اپنے گھر سے نکل کر کار میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ اب وہ تینوں ایک اوپن ریسٹورنٹ کے سامنے کار میں بیٹھے کھانے پینے میں مصروف ہیں۔

میں نے منور کے نمبر پنچ کئے۔ اس نے کالنگ ٹون سن کر اسکرین کو دیکھتے ہوئے شرارہ سے کہا۔ "بابا جانی کی کال ہے۔ اسے اٹینڈ کرو۔"

اس نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو! میں آپ کی بھتیجی شرارہ بول رہی ہوں۔ بڑی دیر سے آپ کے فون کا انتظار کررہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تم نے ملنے کی ضد کی ہے۔ میں بہت محتاط رہ کر ملنا چاہتا ہوں۔ اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ ابھی رات کو اس ویرانے میں تنہا نہیں آسکو گی۔ کسی قابل اعتماد شخص کے ساتھ آؤ گی تو یہ مجھے منظور نہ ہوگا۔ لہٰذا کل دن میں کسی وقت تمہیں بلاؤں گا۔ تم اپنی چاچی کے ساتھ بھی آسکتی ہو۔"

وہ بولی۔ "میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ ابھی رات کو گھر سے نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔ پتہ نہیں کہاں بھٹکتی رہوں گی؟ پھر آپ کے پاس پہنچوں گی۔ کیا آپ بتانا چاہیں گے کہ مجھے کتنی دور جانا ہوگا اور کہاں جانا ہوگا؟"

"سوری۔ میں ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔ جب تم وہاں سے چل پڑو گی' تب گائیڈ کروں گا کہ کن راستوں سے گزر کر آنا ہے؟ اب فون بند کرو اور آرام سے سوجاؤ۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ منور نے اپنا فون لیتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں' کل صبح بلے کے مسلح جوان یعنی ہمارے فوجی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ سکون سے رات گزاریں۔ وہ پیٹ بھر کر کھا رہے تھے۔ بھوک مٹا رہے تھے۔ مگر میں ان کی نیندیں اڑا دینا چاہتا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں نے پھر منور کے نمبر پنچ کئے۔ وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "پتہ نہیں کیا بات ہے؟ بابا جانی پھر کال کررہے ہیں۔ لو اٹینڈ کرو۔"

شرارہ نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو...! میں بول رہی ہوں۔ خیریت تو ہے؟"

میں نے کہا۔''میری دشمن اولاد خیریت سے کہاں رہنے دیتی ہے؟ وہ میری تاک میں رہتی ہے۔ میں ان کی تاک میں رہتا ہوں۔ ابھی اچانک ہی میرا پروگرام بدل گیا ہے۔''

اس نے پوچھا۔''کیا آپ کل مجھ سے ملنا نہیں چاہیں گے؟''

''ضرور ملوں گا۔ مگر جگہ بدل جائے گی۔''

نادر اور منور اسے توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے فون پر پوچھا۔''آخر بات کیا ہے....؟''

''دراصل میں تم سے جھوٹ بول رہا تھا۔ میں کسی ویرانے میں نہیں ہوں۔ ایک گھنٹہ پہلے ہی وہاں سے نکل آیا ہوں۔''

''یعنی اب مل سکتے ہیں؟''

''ابھی نہیں کل ملاقات ہوگی۔''

''یہ تو بتادیں، ابھی آپ کہاں ہیں اور کل کہاں ملاقات ہوگی؟''

''قسمت بدلتی ہے تو حالات بدلتے ہیں۔ حالات بدلتے ہیں تو جگہ بدل جاتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم سے فون پر باتیں کر رہا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ اچانک ہی اپنے منصوبے میں تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔''

میں ایک ذرا چپ ہوا پھر بولا۔''میں آدھا گھنٹہ پہلے اس ویرانے سے نکل آیا تھا۔ نیاز بیگ ٹھوکر سے گزر رہا تھا تو میں نے اپنی کار ایک اوپن ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی۔ تب ایکدم سے چونک گیا۔ جانتی ہو کیوں؟''

وہ جلدی سے بولی۔''آپ بتائیں، کیوں چونک گئے تھے؟''

''مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک ٹویوٹا کرولا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی ایک سیٹ پر میرا بڑا بیٹا منور غازی بیٹھا مرغی کی ران اُدھیڑ رہا تھا۔ اسے چبا چبا کر کھانے میں اس قدر مصروف تھا کہ اپنے آس پاس کی دنیا سے بے خبر ہوگیا تھا۔ اس لئے مجھے دیکھ نہ سکا۔''

منور فون سے کان لگائے میری باتیں سن رہا تھا۔ پریشان ہوکر گھبرا کر نادر کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر کار سے باہر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔

میں کہہ رہا تھا۔''اسٹیرنگ سیٹ پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بھی ایک عورت تھی۔ مگر وہ دونوں نیم تاریکی میں تھے۔ اس لئے میں ان کے چہرے پہچان نہ سکا۔ میرے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ میرا بیٹا میرا جانی دشمن نظروں میں آگیا ہے۔ اسے میری سن گن مل گئی

ہے۔ اسی لئے مجھے ان اطراف میں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ یہ اس کی بدبختی ہے کہ شکاری بن کر آیا ہے اور خود شکار ہو رہا ہے۔''

منور بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے فون لے کر دونوں ہتھیلیوں میں دبالیا۔ تاکہ اس کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچے پھر اس نے شرارہ سے کہا۔''اِن سے پوچھو، یہ ابھی کہاں ہیں اور اپنے بیٹے کے خلاف کیا کر رہے ہیں؟''

شرارہ نے فون لے کر کان سے لگایا۔ پھر کہا۔''ہیلو چاچا جی...!''

میں نے پوچھا۔''ہاں۔ بولو۔ تم خاموش کیوں ہوگئی تھیں؟''

''وہ۔ کچھ نہیں۔ بس یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ دشمن کہاں سے پیدا ہوگئے ہیں؟ جبکہ میں جانتی ہوں، آپ کے کسی بیٹے کا نام منور نہیں ہے۔ اگر آپ کوئی اور ہیں اور میرے چاچا کے ہم شکل ہیں تو میں آپ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگوں گی۔ یہ بتائیں، کیا وہ دشمن بیٹا ابھی آپ کی نظروں میں ہے؟ اور آپ اس کے خلاف کیا کرنے والے ہیں؟''

''میں بیمار ہوں۔ اچھی طرح آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لئے آدھے گھنٹے سے کار ڈرائیو کرتا ہوا لاہور کی طرف جا رہا ہوں۔ لیکن اپنے تین مسلح جاسوس منور کے پیچھے لگا دیئے ہیں۔ یقیناً وہ مجھے تلاش کرنے کے لئے اسی ٹاؤن میں رات گزارے گا۔ لیکن دوسری صبح اٹھنے اور اپنے پیروں سے چلنے کے قابل نہیں رہے گا۔''

منور سن رہا تھا اور بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ شرارہ نے پوچھا۔''آپ لاہور جا رہے ہیں۔ کیا مجھ سے نہیں ملیں گے؟''

''کل کسی وقت لاہور آجاؤ۔ میں اپنے حالات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد تم سے ضرور ملوں گا۔ اب رابطہ ختم کر رہا ہوں۔ کیونکہ اس فون پر میرے جاسوس لمحہ بہ لمحہ منور کے بارے میں رپورٹ دے رہے ہیں۔''

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ منور کے اندر خوف اور بے چینی کے کانٹے بھر دیئے تھے۔ وہ فوراً ہی اگلی سیٹ پر نادر کے پاس آتے ہوئے بولا۔''ہم بری طرح پھنس گئے ہیں۔ بابا جانی کی نظروں میں آچکے ہیں۔ ان کے تین مسلح جاسوس ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔''

اس نے فون پر جو کچھ مجھ سے سنا تھا، وہ نادر کو بتانے لگا۔ شرارہ ان کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔''یہ بوڑھا بہت ہی چالباز ہے۔ یہ دونوں اسے پھانسنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ مگر وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا بڈھا ابھی اِن کے قریب سے گزر کر لاہور چلا

گیا ہے اور نگرانی کرنے کے لئے تین مسلح افراد ان پر مسلط کر گیا ہے۔''

نادر شاہ نے کہا۔''ہم سوچ رہے تھے' کل تک بلے اور اس کے ساتھیوں کا انتظار کرنے کے لئے اسی ٹاؤن میں رہنا ہوگا۔ مگر وہ تو ہمارے سروں پر تلواریں لٹکا کر چلے گئے ہیں۔''

کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ شکار کرنے والے خود شکار ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے پھر ایک بار اغوا کرنے کے لئے چاروں طرف سے گھیر کر نیم مردہ کر دیا تھا۔ اب خود ہی چاروں طرف سے گھِر گئے تھے۔

وہ اپنی جگہ پہلو بدل بدل کر' سر گھما گھما کر آگے پیچھے' دائیں بائیں کار سے باہر دور دور تک نظریں دوڑا رہے تھے۔ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ دور تک ان کی نگرانی کرنے والے نظر آرہے ہیں یا نہیں؟

کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ موت نادیدہ ہوتی ہے۔ وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ ان کا خون خشک کر رہی تھی۔

☆☆☆

واپسی
2
محی الدین نواب

وہ کار کے اندر محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔اس چھوٹے سے ٹاؤن میں کہیں چھپنے کی جگہ نہیں تھی۔شرارہ نے کہا۔"ادھرادھر کیا دیکھ رہے ہو؟اس علاقے میں رات دو بجے تک رونق لگی رہتی ہے۔یہاں کسی دشمن کو پہچان نہیں سکو گے۔"

منور نے کہا۔"اور دوسرے علاقوں میں جائیں گے تو موت کہیں سے بھی جھپٹنے چلی آئے گی۔"

نادر نے کہا۔"ہم کسی ہوٹل میں رہنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔یہ بہتر ہوگا کہ شرارہ کے گھر میں رات گزاریں۔"

وہ بولی۔"ہرگز نہیں۔میرا ایک چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن ہے۔وہاں تم پر حملہ کرنے والے آئیں گے تو ہم سب مفت میں مارے جائیں گے۔"

منور نے کہا۔"ہم بالکل نہتے نہیں ہیں۔ہمارے پاس ریوالورز ہیں۔"

"تو پھر کسی ہوٹل میں جاکر رہو۔یا پھر تھانے میں جاکر تھانیدار کو رشوت دو۔وہ تمہاری حفاظت کے انتظامات کرے گا۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔پھر ایک نے کہا۔"یہ درست کہہ رہی ہے۔ابھی ہم شرافت سے قانون کی پناہ مانگیں گے تو ہمارے آگے کوئی گھاس نہیں ڈالے گا۔چاندی کا جوتا ماریں گے تو یہاں کے مسلح سپاہی ہمیں لاہور تک پہنچا کر آئیں گے۔بہتر ہے ہم اپنے شہر میں اپنے گھر میں پہنچ کر زیادہ سے زیادہ تحفظ حاصل کریں۔"

ایک گھنٹے بعد تمام ہوٹل اور کھانے پینے کی دکانیں بند ہونے والی تھیں۔پورے ٹاؤن کے لوگ نیند اور تاریکی میں ڈوبنے والے تھے۔ایسے میں وہ وہاں بھٹکنے کے لئے نہیں رہ سکتے تھے۔

نادر نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ وہ تھانے کی طرف جانے لگے۔ منور نے کہا۔ ''شرارہ! تم ہمارے ساتھ چلوگی۔ بابا جانی نے تمہیں کل آنے کو کہا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''میں کل ہی آؤں گی۔ اتنی رات کو تم دونوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ پتہ نہیں راستے میں کیا ہوگا؟''

''جب مسلح سپاہیوں کی گاڑیاں ہمارے آگے پیچھے ہوں گی تو کچھ نہیں ہوگا۔ تم بہت بھاری پیشگی رقم لے چکی ہو۔ اب ہم جو کہیں گے' وہی تمہیں کرنا ہوگا۔''

اسے کل تو جانا ہی تھا۔ لہٰذا اس نے بحث نہیں کی۔ ان کے ساتھ جانے کے لئے راضی ہوگئی۔ انہوں نے تھانے پہنچ کر وہاں کے تھانہ انچارج سے باتیں کیں۔ اپنا تعارف کرایا۔ سیکورٹی کے سلسلے میں اسے منہ مانگی رقم ادا کی۔ پھر وہاں سے لاہور کی طرف روانہ ہوگئے۔

میں بلال کی کوٹھی میں آرام سے تھا۔ وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ میرے لئے مخبری کر رہا تھا اور فون کے ذریعے مجھے انفارم کرتا جا رہا تھا کہ منور اور نادر کیا کرتے پھر رہے ہیں؟ ویسے نادر شاہ کو نہ وہ جانتا تھا' نہ مجھے معلوم تھا کہ ایک طرف منور اور نادر اور دوسری طرف مراد اور سلطان ایک دوسرے کے خلاف متحد ہوگئے ہیں اور اس وقت منور کے ساتھ نادر مجھے تلاش کرتا پھر رہا ہے۔

اب میں براہِ راست فون کے ذریعے ان کا اطمینان غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں ان میں سے کسی کا فون نمبر نہیں جانتا تھا۔ منور کے فون پر شرارہ سے باتیں ہوتی رہی تھیں۔ اگر اس فون پر منور سے بات کرتا تو یہ ظاہر ہو جاتا کہ شرارہ کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے اور وہ سب مل کر میرے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے وکیل رضا قریشی سے کہا۔ ''مجھے اپنے داماد اور تینوں بیٹوں کے حالات بتاؤ اور ان کے فون نمبر نوٹ کراؤ۔''

اس نے کہا۔ ''مراد کا بیٹا ارمان مارا گیا ہے۔''

میں نے بڑے دکھ سے کہا۔ ''جانتا ہوں۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے گولی کھا کر دم توڑتے دیکھا ہے۔ اپنے پوتے کا خون کسی کو معاف نہیں کروں گا۔''

اس نے کہا۔ ''مراد نے اپنے بڑے بھائی منور غازی اور بہنوئی نادر شاہ کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے۔ اپنے تحریری بیان میں کہا ہے کہ وہ دونوں اس کے بیٹے کے قاتل

ہیں۔ پولیس انہیں تلاش کر رہی ہے۔ پتہ چلا ہے' انہوں نے قبل از گرفتاری ضمانت نامہ حاصل کر لیا ہے۔''

یہ تو مجھے معلوم تھا کہ منور اس ٹاؤن میں پہنچا ہوا تھا اور اب وہاں سے روانہ ہوگیا ہے۔ مگر رضا قریشی کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ منور کے ساتھ نادر بھی تھا۔ میں نے نادر کا فون نمبر لے کر اس سے رابطہ کیا۔ اس وقت منور کار ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر شرارہ آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔

نادر شاہ نے اپنے فون کی اسکرین کو دیکھتے ہی چونک کر کہا۔ ''منور بھائی! یہ بابا جانی کا نمبر ہے۔ وہ مجھے کال کر رہے ہیں۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''کیا مشکل ہے؟ یہ تو ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ چلو اٹینڈ کرو۔ سننا تو پڑے گا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔ ''ہیلو... آپ کون ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''مجھے پہچاننے کے لئے میری آواز کافی ہے۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''اسلام علیکم بابا جانی...!''

''اسلام علیکم کا مطلب ہے' تم پر سلامتی ہو۔ تو پھر مجھے بتاؤ' میری سلامتی کے لئے کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''یقین کریں' ہم اپنی غلطی پر پچھتا رہے ہیں۔ آپ کی گمشدگی سے پریشان ہیں۔ اتنی رات کو بھی آپ کی تلاش میں گھر سے باہر بھٹک رہے ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''مجھے ڈھونڈ نکالو گے تو کیا کرو گے؟''

''اس بار ہم آپ کو بھرپور تحفظ دیں گے۔ حبس بے جا میں رکھ کر علاج کے سلسلے میں کوتاہی نہیں برتیں گے۔ آپ ایک بار ہم پر بھروسہ کریں۔ ہمارے پاس آجائیں۔ ہم آپ پر ایک ذرا آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

''ابھی تو تم پر آنچ آرہی ہے۔ تم خود حفاظتی انتظامات کے محتاج ہو۔ اس وقت مسلح پولیس والوں کی نگرانی میں لاہور کی طرف جا رہے ہو۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر پوچھا۔ ''یہ۔ یہ آپ کیسے جانتے ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''اتنی باتیں تمہارے ساتھ ہوئیں۔ باقی منور سے کروں گا۔ فون اسے دو۔''

اس نے منور کی طرف فون بڑھاتے ہوئے کہا۔''بابا جانی ہمارے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم تھانے والوں سے سیکورٹی حاصل کر کے لاہور جارہے ہیں۔''

منور نے فون کو کان سے لگاتے ہوئے سلام کیا پھر انجان بن کر پوچھا۔''آپ ہمارے بارے میں یہ سب کیسے جانتے ہیں؟''

میں نے کہا۔''میرے اپنے ذرائع ہیں۔میرے جاسوس تمہاری نگرانی کررہے ہیں اور یہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ میں کس طرح تم لوگوں کے بارے میں تازہ معلومات حاصل کررہا ہوں؟''

''بے شک۔آپ نے اس بڑھاپے میں بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود ہمیں تھکا مارا ہے۔یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم بہت گر گئے ہیں۔آپ سے پوچھتے ہیں' اگر توبہ کریں اور معافی مانگیں تو کیا معاف کردیں گے؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ ذرا توقف سے بولا۔''میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں' آپ کی رضا میں راضی رہوں گا۔آپ اپنی دولت اور جائیدا میں سے مزید کچھ حصہ دیں گے تو قبول کروں گا۔ورنہ جتنا دے چکے ہیں' اسی پر صبر وشکر سے گزارا کروں گا۔''

وہ بگلا بھگت بن رہا تھا۔میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بڑے ڈرامائی انداز میں بول رہا تھا۔میں نے اسے آزمانے کے لئے کہا۔''میں تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں' عورتوں سے کسی طرح کی دلچسپی نہیں لیتے۔پھر یہ کون ہے' جسے ساتھ لئے پھر رہے ہو؟''

وہ فوراً ہی کوئی جواب نہ دے سکا۔اس نے کن انکھیوں سے نادر کی طرف دیکھا پھر کہا۔''وہ بات یہ ہے بابا جانی! کہ نادر شاہ کا دل اِس عورت پر آ گیا ہے۔یہ اسے ساتھ لے جارہا ہے۔چونکہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔اس لئے میں اعتراض نہیں کررہا ہوں۔''

نادر نے چونک کر اسے گھورا۔منور ابھی بچوں کی قسمیں کھا کر مجھے یقین دلا رہا تھا کہ میرے سامنے سر جھکا کر صبر وشکر سے گزارا کرے گا۔جبکہ شرارہ کو میرے خلاف استعمال کرنے کے لئے لاہور لے جارہا تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ اس کے ذریعے میری خفیہ پناہ گاہ تک پہنچ پائے گا۔

میں نے پوچھا۔''کیا یہ کہہ سکتے ہو' آگے کیا ہونے والا ہے؟''

''ہم سب کے آگے پریشانیوں' تباہیوں اور بربادیوں کے سوا کچھ بھی نہیں

ہے۔مراد نے میرے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے۔وہ مجھے اپنے بیٹے کا قاتل کہہ رہا ہے۔''

''وہ غلط نہیں کہہ رہا ہے۔میں اچھی طرح جانتا ہوں' تم نے اور نادر نے' بابر بلے اور سری واستو بڑبولے کے ذریعہ مجھے اغوا کرایا تھا۔تمہارے ہی آدمیوں نے ارمان کو اور میرے معتمد خاص حیات مرزا کو ہلاک کیا ہے۔''

''بابا جانی! میں ایسی ہی تمام غلطیوں کی معافی مانگنے کے لئے آپ کے قدموں میں آنا چاہتا ہوں۔''

''تم کبھی نہ کبھی تو میرے روبرو آؤ گے اور ضرور آؤ گے۔مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔تم سب سے نمٹنے کے لئے میں نے فیصلہ کیا ہے' کسی بیٹے کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کروں گا۔یہ رفتہ رفتہ معلوم ہوگا کہ ایک بوڑھا' بیمار اور کمزور باپ کس طرح تمہیں کمزور اور کھوکھلا بناتے ہوئے تمہارے قدموں تلے سے زمین کھسکا رہا ہے؟''

میں بول رہا تھا' وہ چپ چاپ سن رہا تھا۔میں نے کہا۔''میرے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ایک تو یہی جو میں کہہ رہا ہوں۔یعنی تمہاری طرح میں بھی تم لوگوں سے دشمنی برقرار رکھوں۔یہ سلسلہ ہماری تمہاری آخری سانسوں تک چلتا رہے گا۔دوسری صورت یہ ہے کہ میں کسی ایک بیٹے سے سمجھوتہ کرلوں۔اسے اپنا وارث بناؤں اور باقی تمام اولاد پر لعنت بھیج دوں۔وہ سب مرہی جائیں تو اچھا ہے۔''

اس نے سیٹ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔''بابا جانی! آپ کی یہ دوسری بات دل کو لگ رہی ہے۔بے شک۔کسی ایک بیٹے پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے سمجھوتہ کرنا چاہئے۔اسی کو اپنا وارث بنانا چاہئے۔''

میں نے کہا۔''مگر وہ بیٹا ایسا ہو' جو دوسرے بیٹوں کو سر اٹھانے نہ دے۔ان کے سر کچل دے تاکہ وہ آئندہ کبھی میرے خلاف کوئی سازش نہ کرسکیں۔''

''آپ کی بات سمجھ میں آرہی ہے۔صرف ایک بیٹا رہے گا تو نہ جائیداد کا بٹوارہ ہوگا اور نہ خفیہ خزانے کا کوئی حصہ دار ہوگا۔آپ اپنے اُس ایک بیٹے کے ساتھ آئندہ آرام اور سکون سے زندگی گزار سکیں گے۔''

''یہی میں چاہتا ہوں' میرا وہ بیٹا اتنا سچا اور کھرا ہو کہ کبھی مجھ سے جھوٹ نہ بولے۔دھوکہ نہ دے اور میرے دل میں اتنی جگہ بنالے کہ میں اس پر اندھا اعتماد کرنے لگوں۔''

''باباجانی! آپ مجھے موقع تو دیں۔ جتنی جلدی ممکن ہوگا' میں آپ کا اعتماد حاصل کروں گا۔''

''میں یہ سچی اور کھری بات کہہ رہا ہوں کہ صرف تمہیں ہی نہیں' مراد اور سلطان کو بھی آزماؤں گا۔ اس لئے کسی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کروں گا۔ انہیں بھی موقع دوں گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ میرا اعتماد حاصل کریں اور میں اسی پر اعتماد کروں گا' جو مجھے نقصان پہنچانے والے کو جہنم میں پہنچا دے گا۔''

وہ سینہ ٹھونک کر بولا۔ ''میں ہوں باباجانی! یہ میں ہی ہوں۔ میں کسی کو آپ کے خلاف سازشیں کرنے نہیں دوں گا۔ جو کریں گے' اُن کا جینا حرام کردوں گا۔ ان سے نمٹنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ مگر آپ دیکھیں گے... میں ہی آپ کا اعتماد حاصل کروں گا۔ آخر میں صرف میں ہی آپ کا اکلوتا وارث رہ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا اور دیکھوں گا کہ تم کیا کرسکتے ہو؟ اب جو بات کہنے جارہا ہوں' اس کا جواب ایسے دو کہ نادر کی سمجھ میں نہ آئے۔ وہ ابھی تمہاری باتیں سن رہا ہوگا۔''

اس نے کن انکھیوں سے بہنوئی کو دیکھا۔ پھر فون پر کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ آپ بولیں؟''

میں نے کہا۔ ''میرے دو داماد مارے گئے ہیں۔ یہ تیسرا نادر شاہ کس کھاتے میں میری دولت اور جائیداد کا حصہ دار بننا چاہتا ہے؟ کیا تم مجھے نقصان پہنچانے والے صرف بیٹوں سے نمٹو گے؟ بہنوئی کو نظرانداز کردو گے؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''میں سمجھ گیا' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اس سلسلے میں پھر کسی وقت بات کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ تم نادر کی موجودگی میں کچھ بولنا نہیں چاہتے۔ اس کے باوجود میں سمجھ گیا ہوں' جب تم بھائیوں کو نہیں چھوڑو گے تو بہنوئی کو بھی ایک حصہ دار کی حیثیت سے برداشت نہیں کرو گے۔ یہی بات ہے ناں....؟ ہاں یا ناں میں جواب دو؟''

اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''ہاں....''

''ٹھیک ہے۔ میں دیکھوں گا' تم میرے راستے کے کانٹے کس طرح ہٹانے والے ہو؟ ڈیٹس آل...''

میں نے رابطہ ختم کیا۔ اس نے فون بند کرکے اسے نادر کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے لیتے ہوئے بولا۔ ''کیا کہہ رہے تھے وہ...؟''

''کیا تم نے میری باتیں سن کر اندازہ نہیں لگایا؟ وہ اپنے کسی ایک بیٹے پر اعتماد کرنا اور اس سے سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ خیال درست ہی ہے کہ زیادہ حصہ دار ہوں گے تو جھگڑے بھی بڑھتے رہیں گے۔ جیسا کہ ابھی ہو رہا ہے۔''

نادر نے کہا۔ ''یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ایک ہی وارث ہوگا اور کوئی دوسرا حصہ دار نہیں ہوگا تو جھگڑے بھی نہیں ہوں گے۔''

منور نے کہا۔ ''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ باباجانی سے دشمنی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ میں اپنی بات کہتا ہوں۔ اگر میں باباجانی کا اعتماد حاصل کرلوں گا اور اکلوتا وارث رہ جاؤں گا تو وہ اپنی تمام خزانہ میرے حوالے کردیں گے۔ اس کے بعد میں خواہ مخواہ ان سے دشمنی کیوں کروں گا؟ انہیں آخری سانس تک آرام سے بڑھاپا گزارنے دوں گا۔''

نادر ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''جب وہ صرف ایک بیٹے پر اعتماد کرنا چاہتے ہیں اور باقی بیٹوں کو اپنی زندگی سے نکال دینا چاہتے ہیں تو پھر داماد کی کیا اہمیت ہوگی؟ کیا انہوں نے میرے بارے میں کچھ نہیں کہا؟''

منور نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ''وہ۔ وہ تمہارے بارے میں کیا کہیں گے؟ یہ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہم ساتھ ہیں اور ہمارے درمیان گہری وابستگی ہے۔ اگر کبھی وہ تمہاری بات کریں گے تو میں کہہ دوں گا کہ تم ان سے حصہ نہیں مانگو گے۔ تمہارا لین دین صرف میرے ساتھ ہوا کرے گا۔''

وہ قائل ہوکر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ اس طرح وہ مطمئن رہیں گے۔ مگر ایک بات صاف کہتا ہوں میں آپ پر بھروسہ نہیں کروں گا۔ لین دین کھرا ہونا چاہئے اور پہلے ہی طے ہوجانا چاہئے۔ پھر آپ نے سری واستو بڑبولے کو انڈیا سے بلایا ہے۔ اسے بھی حصے دار بنانے کا وعدہ کیا ہے۔''

وہ بولا۔ ''ہاں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ باباجانی ایسی آفر دیں گے اور کسی ایک بیٹے کو اپنا وارث بنانا چاہیں گے۔ عقل کہتی ہے' دوسرے ملک سے آنے والے اسمگلر کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ میں اسے پارٹنر بنانے اور اس پر بھروسہ کرنے کی نادانی نہیں کروں گا۔''

''اگر آپ بڑبولے سے وعدہ کرکے مکر جائیں گے تو وہ دشمن بن جائے گا۔ آپ کو

ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میں اسے اپنے ملک کی زمین پر قدم جمانے کا موقع ہی نہیں دوں گا۔ جب بابا جانی مجھ پر بھروسہ کریں گے۔ میرا ساتھ دیں گے تو بڑبولے کے قدم یہاں سے اکھڑ جائیں گے۔"

میں نہیں جانتا تھا کہ میری حکمت عملی کیا رنگ لائے گی اور مجھے کس حد تک کامیابی ہوگی؟ یہ تو رفتہ رفتہ معلوم ہونے والا تھا۔ ویسے میری لاعلمی میں وہی ہو رہا تھا' جو میں چاہتا تھا۔ مجھے اغوا کرانے والے' گھر سے بے گھر کرنے والے خود در بدر ہو رہے تھے۔ آئندہ میرے معاملے کو ملتوی کرنے اور مجھے ایک طرف رکھ کر خود آپس میں لڑنے مرنے والے تھے۔

میں نے فی الحال ڈائری بند کردی۔ جنگل کی وہ زمین حاصل کرنے کے سلسلے میں مصروف ہوگیا۔ اس حد تک اپنے بیٹے کی روداد پڑھ کر اطمینان ہوا کہ اس کے دن پھر رہے تھے۔ لاوہ انگوٹھی ملتے ہی اسے توانائی حاصل ہو رہی تھی۔ وہ چلنے پھرنے اور دشمنوں سے نمٹنے کے قابل ہوگیا تھا۔

پھر یہ کہ اسے وہ عصا مل گیا تھا' جسے میں نے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔ اس کے سہارے وہ صرف اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ کئی کلومیٹر تک پیدل چلتا رہا تھا۔ اس سے پہلے اس میں اٹھ کر بیٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی۔

پھر جیسے پراسرار انداز میں ایک بزرگ نے وہ عصا اسے عطا کیا تھا۔ اسے پڑھتے ہی بابا سائیں یاد آگئے تھے۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ میرے بیٹے کی دستگیری فرما رہے ہیں۔ وہ عصا بھی یقیناً بڑی کرامات والا تھا۔

پھر یہ کہ میرے عمیر کی ذہانت اور حکمت عملی سے دشمن ناکام ہو رہے تھے۔ بازی پلٹ رہی تھی۔ اب وہ تمام بیٹے اور داماد عمیر کے خلاف دشمنی کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے سے لڑنے مرنے والے تھے۔

میں زمین کی خریداری کے لئے کچہری جا رہا ہوں۔ واپس آکر پھر ڈائری کھولوں گا اور اس داستان کو جاری رکھوں گا۔

☆☆☆

میں ایک طویل مدت کے بعد اس دنیا میں آکر اپنے بیوی بچوں کے اور بچوں کے بچوں کے فیملی ماحول میں رہنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے مایوسی ہو رہی تھی۔

میرے آگے جو فیملی ماحول تھا' وہاں محبت' انسانیت اور لہو کے رشتوں کا احترام نہیں

تھا۔ تمام اولاد اپنے باپ کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتی تھی۔ باپ (عمیر) نے بڑی مکاری سے کسی ایک کو خزانے کا وارث بنانے کا فیصلہ کیا تو دشمنی کا رخ بدل گیا۔ اب اس کے تینوں بیٹے اور داماد ایک دوسرے کا لہو اچھالنے والے تھے۔

میرے بیٹے عمیر بن غازی نے ڈائری میں لکھا تھا....

"منور اور نادر نے خفیہ خزانہ نکلوانے کے لئے میرے ایک بہت بڑے دشمن سری واستو بڑبولے سے دوستی کی تھی۔ ان کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ وہ آدھا سونا انہیں دے گا اور آدھا اپنے ملک میں پہنچائے گا۔ اب بازی پلٹنے والی تھی۔ منور ایک بہت ہی خطرناک اسمگلر کے ہتھے چڑھنے والا تھا۔

لوہا' لوہے کو کاٹتا ہے۔ صرف میں ہی بڑبولے سے نمٹنا جانتا تھا اور اسے تو میں چھوڑنے والا نہیں تھا۔ مگر ابھی مصلحتاً ڈھیل دے رہا تھا۔ تاکہ غیر ملکی دشمنوں کے لئے اپنے ملک کا دروازہ کھولنے والوں کو کچھ نہ کچھ عبرتناک سزا ملتی رہے۔ جب منور اور بڑبولے کے درمیان اختلافات پیدا ہوں گے' تب اس دشمن بیٹے کو معلوم ہوگا کہ پرائے دشمنوں کو اپنے گھر بلانے کا انجام کیا ہوتا ہے؟

دو بلیوں نے ایک روٹی برابر بانٹنے کے لئے ترازو بندر کے ہاتھ میں دیا تھا۔ لیکن بندر تولنے کے دوران وہ ساری روٹی کھا گیا تھا۔ کسی بھی بلی کے حصے میں کچھ نہیں آیا تھا۔ منور اور نادر نے حصے داری کا ترازو بڑبولے کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ کسی کے حصے میں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں؟

سری واستو بڑبولا بھی میری طرح چمکتے دمکتے سونے کا کالا دھندہ کرتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں سونے کے زیورات کے بڑے بڑے شوروم قائم کئے تھے۔ اس کے تیار کردہ زیورات میں نہ تو کھوٹ ہوتا تھا اور نہ ہی ان کا تول کم ہوتا تھا۔ اس کی دیانتداری کے سب ہی قائل تھے۔ یہ تو مجھ جیسے لوگ ہی جانتے تھے کہ وہ کس طرح اسمگلنگ کے ذریعے سونے کا ارب پتی تاجر بنتا جا رہا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ملک میں میرا اسمگل کیا ہوا سونا پہنچے' میں اس کے مقابلے پر قدم جماؤں اور اس کے اپنے ہی دیس کی مارکیٹ میں اس کے قدم اکھڑتے چلے جائیں۔ اس بات پر ہمارے درمیان ٹھنی رہتی تھی۔ ایک دوسرے کا مال روکنے اور جھپٹ کر لے جانے کے سلسلے میں صرف میرے ہی نہیں' اس کے بھی کارندے مارے جاتے تھے۔ کبھی

ہمیں لاکھوں کا نقصان پہنچتا تھا تو کبھی کروڑوں کا فائدہ ہوتا تھا۔

اپنی ہی اولاد گھر کی بھیدی بن جائے تو دشمن کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حوصلہ ملتا رہتا ہے۔ منور نے بڑبولے کو بتایا تھا کہ میں نے چالیس من سونا کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ وہ بھی اسمگلر تھا۔ اس نے بھی کئی من سونا چھپا کر رکھا تھا۔ مگر میرا اسٹاک اس کی توقع سے بہت زیادہ تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ میں وہ تمام سونا انڈیا منتقل کرتا رہوں گا اور اس کے مقابلے میں سونے کا بھاؤ ایک ذرا گرا دوں گا تو تمام ڈیلرز میری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔

اس سے پہلے ہی اس نے منور کے ذریعے میرے متعلق معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ پتہ چلا تھا کہ میں بہت ہی بیمار اور کمزور ہو گیا ہوں۔ اپنے بیٹوں کے رحم و کرم پر رہتا ہوں۔ لہٰذا وہ اُن بیٹوں کے ساتھ رہ کر اپنے طور پر زبردست چالیں چلے گا تو میں اس کے شکنجے میں آ جاؤں گا۔

اسے میں بیمار' کمزور اور سازشوں میں گھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے دہلی سے لاہور آ گیا تھا اور بڑی تیاریوں کے ساتھ آیا تھا۔ جہاں جاتا تھا' دنیا کے ہر ملک کی کرنسی بآسانی حاصل کر لیتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بہترین تربیت یافتہ جاسوس اور ماہر نشانہ باز گن مین کی ایک مختصر سی فوج رکھتا تھا۔

تمام حربے اور ذرائع حاصل ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں عورت کی شمولیت کے بغیر کامیابی نہیں ملتی۔ اس نے لاہور سے اسلام آباد آ کر کماری کلاونتی کی خدمات حاصل کی تھیں۔

کماری کلاونتی پچھلے تیس برسوں سے اسلام آباد میں تھی۔ پہلے پہل بھارتی سفارت خانے میں ایک اسسٹنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتی رہی تھی۔ لیکن درپردہ جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتی رہی تھی۔ اس نے ہمارے ملک کے ایک حساس ادارے کے اعلیٰ افسر کو پھانس لیا تھا۔ اس کے عشق میں مبتلا ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے شادی کی تھی اور بظاہر بھارت کے سفارت خانے سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ مگر بڑی چالاکی سے اپنے دیس کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دیتی آ رہی تھی۔

اسلام آباد میں ایسے لڑکے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے' جو زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے اور اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچنے کے لئے صرف خود کو نہیں' اپنے ملک کو بھی داؤ پر لگا دینے کے لئے راضی ہو جاتے ہیں۔ کماری ایسے کتنے ہی خوبرو نوجوانوں اور حسیناؤں کی ضرورت پوری کرتی تھی اور اپنی ضرورت کے مطابق ان سے کام لیتی رہتی تھی۔ سری واستو اور کماری

کے درمیان پرانی اور بڑی گہری شناسائی تھی۔

اس نے کماری کلاونتی سے کہا۔ ''میں ایک دل پھینک اور عیاش بوڑھے کو ٹریپ کرنے آیا ہوں۔ وہ بہت ہی عیار اور مکار ہے۔ بڑی کامیابی سے بیک وقت شریفانہ اور مجرمانہ زندگی گزار رہا ہے۔ میرے پاس اسے زیر کرنے کے تمام حربے ہیں۔ مگر ایک حسین و جمیل لڑکی کی کمی ہے۔ یہ کمی تم پوری کر سکتی ہو۔''

''میرے پاس ایسی حسین اور جمیل لڑکیاں ہیں' جو اڑیل ٹٹو بننے والے فولادی مردوں کو اپنی ایک آنچ سے پگھلا کر رکھ دیتی ہیں۔ تم اس بوڑھے کے متعلق پہلے چھوٹی بڑی ساری معلومات فراہم کرو۔ اس کی تصویریں آڈیو اور ویڈیو فلمیں لے کر آؤ۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے بعد ہی ٹریپ کیا جا سکے گا۔''

سری واستو نے کہا۔ ''یہاں آتے ہی وہ میرے شکنجے میں آنے والا تھا۔ مگر یہ میری بدنصیبی ہے کہ آتے آتے ہاتھ سے نکل گیا۔ ویسے وہ بہت ہی بیمار اور کمزور ہے۔ یہ ملک تو کیا اپنا شہر چھوڑ کر بھی نہیں جا سکے گا۔ جب بھی میری گرفت میں آئے گا تو میں اسے قیدی بنا کر رکھوں گا۔ ایسے وقت اس پر حسن و شباب کا جادو چلایا جائے گا۔ تمہاری کوئی تربیت یافتہ حسینہ اسے شیشے میں اتارنے اور اہم راز اگلوانے میں کامیاب ہو جائے گی تو تمہیں انعام کے طور پر کم از کم ایک کروڑ روپے دوں گا۔''

''پھر تو سمجھو وہ ایک کروڑ میرے ہو گئے۔ پیشگی کی بات کرو۔''

وہ میرے سلسلے میں سودا کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مجھے پہلے کی طرح قیدی بنا کر رکھا جا سکے گا۔ اس نے فون کے ذریعے منور اور نادر سے رابطہ رکھا تھا۔ پچھلی رات ان سے بات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ میرا سراغ مل گیا ہے۔ میں لاہور واپس آ گیا ہوں۔ ابھی یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ میں نے کہاں رہائش اختیار کی ہے؟

حقیقتاً میں لاہور نہیں گیا تھا۔ منور اور نادر کو یہ جتلاتا رہا تھا کہ وہ میری نظروں میں آ چکے ہیں۔ میرے مسلح جاسوس ان کی نگرانی کر رہے ہیں اور یہ کہ میں لاہور کی طرف جا رہا ہوں۔ جبکہ میں نیاز بیگ ٹھوکر میں ہی تھا اور بلال احمد کی کوٹھی میں رات گزار رہا تھا۔

دوسرے دن رضا قریشی میری ضرورت کا تمام سامان لے آیا تھا۔ ایک باربر نے آ کر میرے سر کے بال تراشے' داڑھی مونچھیں صاف کیں۔ میں نے غسل کرنے کے بعد اپنا لباس پہنا۔ میرے بدن میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ اپنا لباس پہننے کے بعد بھی آئینے کے

سامنے یوں لگ رہا تھا' جیسے بانس پر کپڑے لٹکا دیئے گئے ہیں۔

بلال کے والد نہال احمد نے کہا۔''میں حیران ہوں' تم کس طرح چل پھر رہے ہو؟ ایسا لگتا ہے' ہوا کا ایک جھونکا آئے گا تو تم سوکھے پتے کی طرح اڑ جاؤ گے۔ اگر مناسب سمجھو تو میرے پاس رہو۔ میں بڑے بڑے ڈاکٹروں سے تمہارا علاج کراؤں گا۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔''لاہور میں میرے علاج کی سہولتیں ہیں۔ میری فکر نہ کرو۔ جلد ہی صحت مند ہو کر تم سے ملاقات کرنے آؤں گا۔''

رضا قریشی میری ہدایت کے مطابق اچھی خاصی رقم لے کر آیا تھا۔ میں نے یہ طے کیا تھا کہ توانائی حاصل کرتے ہی تھے پنڈ کی جس مسجد میں پہلی بار شکرانے کی نماز ادا کی تھی۔ اُس چار دیواری کو باقاعدہ ایک خوبصورت مسجد بناؤں گا۔

میں نے بلال کو پانچ لاکھ روپے دیتے ہوئے کہا۔''تم کل سے میرے بہت کام آ رہے ہو۔ اب ایک کام اور کرو۔ میری خاطر یہ رقم تھے پنڈ لے جاؤ۔ وہاں باقاعدہ ایک مسجد کمیٹی قائم کرو اور مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں انہیں یہ پانچ لاکھ روپے پیش کرو۔ اگر تم اس نیک کام میں اپنا وقت صرف کرنا چاہو تو اپنی نگرانی میں مسجد تعمیر کراؤ اور وہاں کوئی ایسی کاٹن انڈسٹری قائم کرو' جس کے ذریعے پنڈ کے لوگوں کو روزگار ملتا رہے۔ اس مقصد کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہوگی' میں دیتا رہوں گا۔''

اس کے والد نے کہا۔''اس نیک کام میں تو میں بھی شریک رہنا چاہوں گا۔ اپنی رقم بھی لگاؤں گا اور وہاں جا کر اپنی نگرانی میں سارے کام کراؤں گا۔''

میں نے پھر ایک بار ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر رضا قریشی کے ساتھ لاہور آ کر بڑی رازداری سے اس کی دوسری کوٹھی میں رہنے لگا۔

صحت کے اعتبار سے میری جسمانی حالت عجیب سی تھی۔ اب سے چوبیس گھنٹے پہلے میں اس قدر کمزور اور بے جان سا تھا کہ اپنا ایک ہاتھ بھی ہلا نہیں سکتا تھا۔ پھر اس قدر توانائی حاصل ہوگئی کہ ایک ذرا سی تھکن کے بغیر چلنے پھرنے لگا۔

میں اپنے بیڈ روم کی ہلکی اور بھاری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ مجھ میں کس حد تک توانائی پیدا ہو رہی ہے؟ میں نے سینٹر ٹیبل کو ادھر سے ادھر کھسکایا تو وہ با آسانی کھسک گئی۔ صوفے اس کے مقابلے میں بہت وزنی تھے۔ میں نے ایک صوفے کو ایک طرف سے ذرا اٹھایا تو وہ اٹھ گیا۔ میں خوش ہو رہا تھا۔ جسمانی طور پر لاغر ہی سہی' مگر میرے

اندر ڈھکی چھپی توانائی تھی' جو مجھے نیا حوصلہ اور نئی زندگی دے رہی تھی۔

ظہر کی اذان ہو چکی تھی۔ میں وضو کر کے نماز پڑھنے لگا۔ میرا عقیدہ اور یقین کہہ رہا تھا' میری دعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ بڑھاپا ختم ہوتا جا رہا ہے۔ بظاہر بوڑھا اور کمزور دکھائی دے رہا ہوں۔ لیکن رفتہ رفتہ جسمانی طور پر صحت مند دکھائی دینے لگوں گا۔

وہ عصا میرے مصلے کے پاس رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے بڑی عقیدت سے دیکھا۔ وہ میرے لئے مقدس اور معجزہ نما تھا۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ سینے سے لگا لیا۔

یہ عصا میرے پاس کہاں سے آیا تھا؟

ایسے وقت جبکہ میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا تو ایک بزرگ نے آ کر دستگیری کی تھی۔ وہ عصا میرے ہاتھوں میں تھما دیا تھا۔ اگرچہ وہ ساری باتیں خواب سی تھیں۔ مگر وہ عصا ایک سچی تعبیر بن کر میرے پاس موجود تھا۔

اور اب میرے ساتھ وہ ہو رہا تھا' جو کبھی عام انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ لیکن خصوصی طور پر اصحاب کہف کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ایک سو ستانوے برسوں کے بعد بھی ان کی جوانی برقرار رہی تھی اور بی بی زلیخا کو بڑھاپے کے بعد از سرِ نو جوانی عطا کی گئی تھی۔

کیا میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا؟

ابھی واضح طور پر میرے اندر ہونے والی تبدیلی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ مگر دل کہہ رہا تھا' ضرور ایسا ہی کچھ ہو رہا ہے۔

☆☆☆

منور اور نادر کا وکیل عدالت سے ضمانت نامہ حاصل کر چکا تھا۔ میرے دوسرے دو بیٹے مراد اور سلطان ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگوانا اور انہیں آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیجنا چاہتے تھے۔ وہ دونوں ارمان کے قتل کے سلسلے میں چشم دید گواہ تھے۔ پھر میری گواہی بھی منور اور نادر شاہ کو پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتی تھی۔ مگر فی الحال وہ قانون کی گرفت سے نکل چکے تھے اور آئندہ اپنے بچاؤ کے لئے بہت کچھ کر سکتے تھے۔

انہوں نے پہلے سے سیکورٹی کے سخت انتظامات کئے تھے۔ مسلح گارڈز کی تعداد میں اضافہ کیا تھا اور بابر بلے کے کئی غنڈوں کو مسلح محافظوں کے طور پر رکھ لیا تھا۔

منور کے دماغ میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ میرا اکلوتا وارث بننے کے لئے اسے

دوسرے حصے داروں کو ہر قیمت پر راستے سے ہٹانا ہوگا اور ایک حصے دار تو نادر تھا' جو دن رات اس کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا تھا۔

وہ پچھلی رات شرارہ کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ نادر شاہ اپنی کوٹھی میں چلا گیا تھا۔ منور نے اپنی بیوی اور جوان بچوں سے کہا تھا۔''اس کا نام شرارہ ہے۔ یہ ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ کل ہمارا کام کرنے کے بعد چلی جائے گی۔ اس سے کسی طرح کا سوال نہ کرنا اور نہ ہی کوئی غیر ضروری بات کرنا۔ بس اس کے آرام کا اور کھانے پینے کا خیال رکھو۔''

پھر اس نے شرارہ سے کہا۔''میں سونے جا رہا ہوں۔ پتہ نہیں' کل کس وقت بابا جانی تم سے رابطہ کریں گے؟ تم بھی جا کر نیند پوری کرو۔''

وہ بولی۔''تمہارا یہ فون میرے پاس رہنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے' وہ آج رات یا کل صبح کسی وقت اچانک ہی مجھ سے رابطہ کریں۔ تم اسے اٹینڈ نہیں کرسکو گے۔''

اس نے اپنے فون کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔''ٹھیک ہے تم اسے رکھ لو۔ میرے پاس یہاں دوسرا موبائل فون ہے۔''

وہ فون لے کر رات گزارنے کے لئے ایک کمرے میں آگئی۔ دروازے کو اندر سے بند کرکے ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ گئی۔ وہ بڑی پکی پکائی تھی۔ بھانت بھانت کے مردوں کو بھگت چکی تھی۔ یہ کہاوت اس کے پیشے کے عین مطابق تھی کہ وکیل اور طوائف پہلے رقم وصول کرتے ہیں' اس کے بعد کام آتے ہیں۔ ورنہ کام نکلنے کے بعد کوئی ان کا بقایا ادا نہیں کرتا۔ سب ہی انہیں ٹال دیتے ہیں۔

منور اور نادر نے اسے دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ شرارہ نے کام کرنے سے پہلے پوری رقم کا مطالبہ کیا تھا۔ جس میں سے تین لاکھ روپے وصول کرچکی تھی۔ آگے امید نہیں تھی کہ ان سے باقی کے سات لاکھ روپے وصول کرسکے گی۔

اس کا تجربہ کہہ رہا تھا' وہ دونوں جھوٹے' بے ایمان اور دغا باز ہیں۔ جو دولت کی خاطر اپنے باپ کو بڑھاپے میں ذلیل و خوار کر رہے ہیں' وہ بھلا ایک طوائف سے کیا ہوا وعدہ کیا نبھائیں گے۔ کام ہوتے ہی اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیں گے۔

یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ اپنی باقی رقم وصول کرنے کے لئے نہ ان سے لڑ سکے گی اور نہ انہیں کسی طرح بدنام کرسکے گی۔ وہ ان دونوں کے پاس ریوالور دیکھ چکی تھی۔ عقل سمجھا رہی تھی کہ وہ ایک عورت کو رازدار بنا کر اس سے کام نکالنے کے بعد زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اپنے

راز کو راز ہی رکھیں گے۔ بس ایک گولی ضائع کریں گے اور اپنے سات لاکھ روپے بچالیں گے۔

جب سے لاکھوں روپے کے لین دین کی بات ہوئی تھی' تب سے وہ سوچ رہی تھی۔

''باقی سات لاکھ روپے مل جائیں تو اچھا ہے۔ نہ ملیں' تب بھی تین لاکھ تو وصول کرہی چکی ہوں۔ لیکن کام ہونے کے بعد کیا ہوگا؟ کیا وہ دونوں ایک رازدار بن جانے والی عورت کو زندہ سلامت واپس جانے دیں گے؟''

ہرگز نہیں۔ باپ کو دھوکے سے پکڑنے اور قیدی بنانے والے کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ ایک عورت باہر جا کر ان کی اس ذلالت کا چرچا عام کرے۔

وہ جتنا سوچ رہی تھی' اُتنے ہی یقین کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ مرنے کے لئے وہاں آئی ہے۔ اب کسی تدبیر سے خود کو بچا نہیں سکے گی۔

وہاں سے کوئی بہانہ کرکے جانا چاہے گی تو منور اسے جانے نہیں دے گا۔ فرار ہونا چاہے گی تو باہر سیکورٹی گارڈز تھے۔ منور اور نادر کو ایک ذرا سی بھی بھنک ملتی کہ وہ ارادہ بدل رہی ہے۔ ان کے خلاف سوچ رہی ہے تو وہ اسی کوٹھی میں اسے زندہ دفن کرسکتے تھے۔

وہ صبح تک بستر پر سکڑی سمٹی سی پڑی رہی۔ کبھی اس پر نیند غالب آجاتی تھی۔ کبھی چونک کر آنکھیں کھول دیتی تھی۔ تین لاکھ روپے اسے بہت مہنگے پڑ رہے تھے۔ یہ بے تکی سی بات سوچ رہی تھی کہ منور اور نادر اس سے تین لاکھ روپے واپس لے کر اس کی جان چھوڑ دیں گے۔ اسے واپس جانے دیں گے تو وہ فوراً ان کی رقم واپس کرکے اپنی جان چھڑا لے گی۔

عقل سمجھا رہی تھی۔''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ وہ ان کی رازدار بن چکی ہے۔ وہ تو اسے رازداری کے اندھیرے سے کبھی نکلنے نہیں دیں گے۔ اسی تاریکی میں اچھی طرح اس کی تکہ بوٹی کرنے کے بعد مطمئن ہوسکیں گے۔''

وہ سوچتی رہی۔ اس کی آدھی جان نکلتی رہی۔ صبح چھ بجے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایسے وقت بچاؤ کی ایک ہی تدبیر سجھائی دے رہی تھی۔ وہ موبائل فون اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔

میں نے کالنگ ٹون سن کر نمبر پڑھے پھر فون کو اٹھا کر بٹن دبانے کے بعد اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔''ہاں.... میں تمہارا چاچا بول رہا ہوں۔ تم صبح صبح فون کر رہی ہو۔ میں اتنی جلدی ملاقات کے لئے تمہیں بلا نہیں سکوں گا۔''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔''آپ کسی بھی وقت ملاقات کریں۔ مگر ابھی میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں۔''

اس کی آواز اور لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ پریشان سی ہے۔ میں نے کہا۔ ''ہاں... بولو....؟''

وہ ذرا چپ رہی۔ پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ ہولے ہولے سسکتے ہوئے بولی۔ ''میں مصیبت میں ہوں۔''

میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''تم اور مصیبت میں ...؟ مگر کل تک تو اچھی بھلی تھیں۔ خوب چہک چہک کر بول رہی تھیں۔''

''کل میں سمجھ رہی تھی' جو کر رہی ہوں' وہ غلط نہیں ہے۔ مگر لاکھوں روپے کے لالچ نے مجھے دور تک یہ سوچنے نہیں دیا کہ میرا انجام کیا ہوگا؟''

''بات کیا ہے؟ مجھے کھل کر سمجھاؤ گی تو کچھ سمجھ پاؤں گا۔''

وہ مجھے اپنی روداد سنانے لگی کہ کس طرح منور اور نادر سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ کس طرح مجھے پھر ٹریپ کر کے قیدی بنانے کے لئے شرارہ سے کام لینا چاہتے ہیں؟ میں اس کی باتیں سن رہا تھا اور اس سلسلے میں سوالات کرتا جا رہا تھا۔ وہ جواب دیتی جا رہی تھی۔

اس کا یہ اندیشہ درست تھا کہ کام نکل جانے کے بعد منور اور نادر اسے کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ باقی سات لاکھ روپے ادا کرنے کی حماقت بھی نہیں کریں گے۔

میں نے کہا۔ ''تم بری طرح پھنس گئی ہو۔ وہاں سے نکل نہیں سکو گی۔ اب کیا کرو گی؟''

''میری عقل کہتی ہے' صرف آپ ہی مجھے بچا سکیں گے۔''

''تمہاری عقل ایسا کیوں کہتی ہے؟ میں ایک بوڑھا بیمار اور کمزور شخص ہوں۔ جن لوگوں سے بچنے کے لئے میری پناہ میں آنا چاہتی ہو' میں خود ان سے چھپتا پھر رہا ہوں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے ان کے ساتھ رہ کر آپ کی باتیں سنی ہیں اور انہیں پریشان اور خوفزدہ ہوتے دیکھا ہے۔''

''عجیب سی بات ہے۔ وہ مجھ سے خوفزدہ بھی ہیں اور جہاں تم ملنے آؤ گی وہاں تمہارا تعاقب کرتے ہوئے مجھ تک پہنچنا بھی چاہتے ہیں؟''

''آپ جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں اور ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ جبکہ ان کے ارادوں کو خوب سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے طریقہ کار سے پتہ چلتا ہے' آپ بڑی قوت ارادی کے مالک ہیں۔ بڑے پر اعتماد ہیں اور یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی آپ کو کسی طرح

کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

''میں ایسا بھی نہیں ہوں' جیسی تم میرے متعلق رائے قائم کر رہی ہو۔ میں انسان ہوں۔ ہزار پر اعتماد رہنے کے باوجود کہیں نہ کہیں دھوکا کھا سکتا ہوں۔ نقصان اٹھا سکتا ہوں۔ تم میری موجودہ حالت سے واقف نہیں ہو۔ میں ابھی اپنے متعلق خود یہ نہیں جانتا کہ بوڑھا' بیمار اور کمزور ہوں یا جوانوں جیسے حوصلے اور توانائی سے اپنے مخالفین کے لئے چیلنج بن سکتا ہوں؟''

''آپ کمزور ہیں یا شہزور... جیسے بھی ہیں۔ خدا کے لئے میری مدد کریں۔ میں آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ آپ مجھے اپنے پاس نہ بلائیں۔ میری صورت نہ دیکھیں۔ مگر کسی طرح اپنے بیٹے اور داماد سے میرا پیچھا چھڑا دیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم ان کے شکنجے میں نہیں رہو گی۔ وہاں سے نکل آؤ گی۔ میری کوشش ہوگی کہ وہ بعد میں بھی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔''

''ابھی آپ کا بیٹا یہاں آئے گا اور مجھ سے کہے گا کہ آپ سے ملاقات کی جگہ اور وقت مقرر کروں۔''

''تم اس کی تسلی کے لئے مجھ سے باتیں کرو گی۔ پھر جو جواب ہوگا' اسے سن کر وہ صبر کر لے گا۔ کیونکہ ابھی میں بہت بیمار ہوں۔ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس لئے ہماری ملاقات ملتوی ہوگی۔''

وہ بولی۔ ''آج یا کل جب تک ملاقات نہیں ہوگی۔ میں منور کی کوٹھی میں مقید رہوں گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ وہاں آرام سے رہ کر کھاتی پیتی رہو۔ تمہیں وہاں سے نکالنے میں کچھ تو وقت لگے گا۔''

''بے شک۔ میں تو جیسے دلدل میں پھنسی ہوں۔ آپ ہی یہاں سے نکال سکیں گے۔ میں انتظار کروں گی۔''

شرارہ سے رابطہ ختم ہوگیا۔ ادھر منور کے دماغ میں یہ بات نقش ہوگئی تھی کہ اسے ہر حال میں میرا اعتماد حاصل کرنا ہے اور میرے راستے میں جتنے مخالفین آ رہے ہیں' ان سب کو جہنم میں پہنچا کر اسے میرا اکلوتا وارث بن کر رہنا ہے اور ایسا کرنے کے لئے وہ آئندہ میرے خلاف کوئی چال نہیں چل سکتا تھا۔ اگر اپنے پچھلے منصوبے کے مطابق شرارہ کو چارہ بنا کر مجھ تک پہنچنا چاہتا۔ دوبارہ مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتا تو پھر کبھی میرا اعتماد حاصل نہ کر پاتا۔

اب وہ دوراہے پر تھا۔ایک طرف آج ہی شرارہ کے ذریعے مجھے اپنے شکنجے میں لے کر چھپے ہوئے سونے تک پہنچ سکتا تھا اور دوسری طرف موجودہ کامیابی پر مٹی ڈال کر ذرا صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے تمام مخالفین کو راستے سے ہٹا کر زبردست کامیابی حاصل کر سکتا تھا۔
اس طرح میرا اعتماد بھی حاصل ہو جاتا اور میرا سارا خزانہ بھی اس کے حصے میں چلا آتا۔

میرے تمام بیٹے مجھے مجبور اور بے بس بنانے کے بعد بھی کچھ حاصل نہیں کر پائے تھے۔منور کی عقل یہی سمجھا رہی تھی کہ اسے میرے اعتماد کے راستے پر چلنا چاہئے۔شرارہ کے ذریعے مجھے پھانسنے کے منصوبے کو ملتوی کر دینا چاہئے۔

وہ اس معاملے میں آئندہ نادر کو اپنا رازدار بنانا نہیں چاہتا تھا۔تمام مخالفین کو تو راستے سے ہٹانا ہی تھا۔لہٰذا سب سے قریب ترین مخالف یہ نادر شاہ ہی تھا۔دوسرے بھائی مراد اور سلطان اُس سے دور تھے۔موجودہ حالات کے مطابق وہ پہلے اپنے اسی ہم راز سے نمٹ سکتا تھا۔

اور اس سے نمٹنے کے سلسلے میں کچھ زیادہ دشواری پیش نہ آتی۔وہ اس کی بہن شرمین کا شوہر تھا۔شرمین اپنے بھائی منور پر واری واری جاتی تھی۔دونوں گھروں کی عورتیں اور بچے ایک دوسرے کو جیسے دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے۔ان کے درمیان اعتماد کا ایسا رشتہ قائم تھا کہ نادر کو آسانی سے ٹھکانے لگایا جا سکتا تھا۔اس کے بعد شبہ مراد اور سلطان وغیرہ پر ہوتا۔منور پر کوئی انگلی نہ اٹھاتا۔

منور کے دماغ میں یہ ساری باتیں پچھلی رات سے پک رہی تھیں۔اس نے طے کر لیا تھا کہ میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے میرا محافظ بن کر تمام مخالفین کو ایک ایک کر کے ٹھکانے لگاتا رہے گا۔اس نے آخری فیصلہ کرنے کے بعد مجھے فون پر مخاطب کیا۔''ہیلو بابا جانی!میں آپ کا بیٹا منور غازی بول رہا ہوں۔''

میں نے ذرا ڈرامائی انداز میں سرد آہ بھر کر کہا۔''آہ...!ابھی خود کو بیٹا نہ کہو۔میں وہ بدنصیب باپ ہوں' جس کا ایک بھی قابل اعتماد بیٹا نہیں ہے۔''

''میں یہی ثابت کرنے آیا ہوں کہ قابل اعتماد صرف میں ہوں۔اپنی پچھلی تمام غلطیوں سے توبہ کر کے آئندہ صرف آپ کا باڈی گارڈ بن کر رہوں گا۔آپ کی طرف آنے والے ہر دشمن کو کتوں کی موت ماروں گا۔''

''ابھی تو صرف گفتار کے غازی ہو۔کچھ کر کے دکھاؤ گے تو تم پر ضرور بھروسہ کروں گا۔''

''میں آج یا کل بہت بڑا قدم اٹھانے والا ہوں۔اسی سلسلے میں آپ سے کچھ کہنا

چاہتا ہوں۔''

''ہاں بولو۔میں سن رہا ہوں۔''

اس نے کہا۔''شرارہ نامی ایک عورت آپ سے فون پر رابطہ کرتی ہے۔آپ کو چاچا جی کہتی ہے۔''

میں نے انجان بن کر حیرانی سے پوچھا۔''تم کیسے جانتے ہو؟''

''دراصل وہ میری اور نادر کی آلہ کار ہے۔ہم نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ آپ اُس سے ملنے کے لئے کسی جگہ پہنچیں گے تو ہم بھی وہاں پہنچ کر آپ کو اپنے شکنجے میں لے لیں گے اور پہلے سے زیادہ مجبور اور بے بس بنا کر خفیہ خزانے تک پہنچیں گے۔''

میں نے کہا۔''تم اپنا شیطانی منصوبہ بیان کر رہے ہو۔اس کا مطلب ہے' اب اس ارادے سے باز آ گئے ہو؟''

''بے شک۔میں تو باز آ گیا ہوں۔مگر نادر اس سنہری موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہے گا۔شرارہ کے ذریعے آپ تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔وہ ایسے آسان راستے کو نہیں چھوڑے گا۔''

''تو پھر تم کیا کرو گے؟''

''وہی جو آپ کا اعتماد حاصل کرنے اور اکلوتا وارث بننے کے لئے مجھے کرنا چاہئے۔میں سب سے پہلے اسی حصے دار کو راستے سے ہٹاؤں گا۔''

''پھر تو واقعی تم میری خاطر بہت بڑا قدم اٹھانے والے ہو۔یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ زندگی میں پہلی بار اپنے ایک بیٹے کو اپنی حمایت میں کچھ کرتے ہوئے دیکھوں گا۔''

''آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''آج کسی وقت نادر میرے پاس آئے گا۔شرارہ میری کوٹھی میں ہے۔وہ چاہے گا کہ شرارہ آپ سے فون پر باتیں کرے اور ملنے کی کوئی جگہ مقرر کرے۔میں چاہتا ہوں' آپ اس عورت سے آج ملاقات نہ کریں۔مجھے ذرا موقع دیں۔میں کل تک نادر سے نمٹ لوں گا۔''

میں پہلے ہی شرارہ سے یہ طے کر چکا تھا کہ آج کی ملاقات ملتوی کر دی جائے گی۔منور بھی یہی چاہتا تھا۔میں نے کہا۔''اچھی بات ہے۔جب شرارہ مجھ سے فون پر بات کرے گی تو میں فی الحال اسے ٹال دوں گا۔''

''شکریہ بابا جانی! بس میں اتنا ہی چاہتا ہوں۔''

''میں بھی تم سے کچھ چاہتا ہوں۔''

''آپ حکم کریں؟''

''میں نے شرارہ سے کئی بار فون پر باتیں کی ہیں۔اس سے متاثر ہوتا رہا ہوں۔ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ایک بار کیا...؟ سو بار ملیں۔ بلکہ اسے کنیز بنا کر رکھ لیں۔''

''میں اس سے ملنے کے بعد فیصلہ کروں گا۔تم نادر سے نمٹنے کے بعد شرارہ کو میرے حوالے کر دینا۔''

''میں یہی کروں گا۔آپ سمجھ لیں کہ یہ اسی لمحے سے آپ کی کنیز بن چکی ہے۔آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ جہاں کہیں گے' اسے وہاں پہنچا دوں گا۔''

مشاہدات اور تجربات نے ذہن کو ایسی جلا بخشی تھی کہ یہ عقل بہت ہی مضبوط اور کارآمد ہتھیار بن گئی تھی۔ میں فی الوقت نہ دولت سے کام لے رہا تھا' نہ اپنی سیکورٹی فورسز کو کام میں لا رہا تھا۔ بڑے آرام سے ایک جگہ بیٹھا اپنی ذہانت کو آزما رہا تھا۔

میرے سامنے مخالفین کے تین محاذ تھے۔ایک طرف منور' نادر شاہ اور بابر بلا تھے۔دوسری طرف سری واستو بڑبولا بڑی زبردست تیاریوں کے بعد مجھے ٹریپ کرنے والا تھا اور تیسری طرف میرے دو بیٹے مراد اور سلطان غازی تھے۔وہ منور کے مقابلے میں کمزور نہیں تھے۔مگر جوان بیٹے کی ہلاکت نے مراد کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔سلطان غازی بھی ارمان کو دل و جان سے چاہتا تھا۔اسے اپنی بیٹی ماریہ سے منسوب کر چکا تھا۔وہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح ارمان کی جدائی کا صدمہ سہہ رہی تھی۔

میں نے مراد سے فون پر رابطہ کیا۔اس نے چونک کر پوچھا۔''بابا جانی! آپ کہاں ہیں؟ آپ کو پتہ ہے' مجھ پر کتنی بڑی قیامت گزر چکی ہے؟''

میں نے کہا۔''ہاں۔معلوم ہے۔ جب مجھے اغوا کیا جا رہا تھا تو میں نے ارمان کو گولی کھا کر اپنے سامنے گرتے اور دم توڑتے دیکھا تھا۔میں اس کے قاتلوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہوں۔ بیٹے کی جدائی کا صدمہ برداشت کرو۔ مجھے بتاؤ' آئندہ کیا کرنا چاہتے ہو؟''

وہ بتانے لگا کہ اس نے منور اور نادر کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے۔مگر

انہوں نے قبل از گرفتاری ضمانت نامہ حاصل کر لیا ہے۔قانون کی گرفت سے بچ گئے ہیں۔مگر وہ انہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اس نے پوچھا۔''آپ کہاں ہیں؟ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میں نے کہا۔''سوری بیٹے! ارمان کی ہلاکت کے باعث میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔لیکن تم میں سے کسی پر مجھے اعتماد نہیں ہے۔ماضی میں تم نے اور سلطان نے بھی میرے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی ہے۔''

''ہم خدا رسول کی قسم کھا کر کہتے ہیں' بیٹے کی ہلاکت نے ہمارا من مزاج بدل دیا ہے۔آئندہ ہم تابعدار بن کر آپ کی خدمت کرتے رہیں گے۔کبھی کسی طرح کا لالچ نہیں کریں گے۔''

''جب تک میری دولت اور جائیداد کے ایک سے زیادہ حصے دار رہیں گے' تب تک تم سب پنجہ آزمائی کرنے سے باز نہیں آؤ گے۔میں فیصلہ کر چکا ہوں' جو بیٹا میرا اعتماد حاصل کرے گا' دولت اور جائیداد کے دوسرے تمام حصے داروں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دے گا' میں اسی کو اپنا اکلوتا وارث بناؤں گا۔''

مراد نے کہا۔''پھر تو ہم ہی وارث بنیں گے۔ میں اور سلطان الگ نہیں ہیں۔ہمارے درمیان مال وزر کے لئے کبھی جھگڑا ہوا ہے نہ ہوگا۔''

سلطان بھی وہاں موجود تھا۔وائڈ اسپیکر کے ذریعہ میری باتیں سن رہا تھا۔پھر فون کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔''ہم منور بھائی اور نادر کو سکون سے جینے نہیں دیں گے۔ان حصے داروں کو تڑپا تڑپا کر ماریں گے۔ سنا ہے' وہ اپنی حفاظت کے لئے بڑے سخت سیکورٹی کے انتظامات کر رہے ہیں۔مگر وہ کب تک ان انتظامات کا سہارا لیں گے؟ موت تو فولادی قلعے کے اندر بھی چلی آتی ہے۔''

میں نے اپنے تمام بیٹوں کی باتیں سن لیں۔ان کے ارادے معلوم کر لئے۔اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سری واستو بڑبولا میرے خلاف کیا کرتا پھر رہا ہے؟

میں نے منور سے فون پر رابطہ کیا۔پھر کہا۔''تم میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے نادر کے خلاف پہلا قدم اٹھا رہے ہو۔اس کے بعد بھی بہت کچھ کرتے رہو گے۔میں چاہتا ہوں' میرے لئے مخبری بھی کرتے رہو۔''

''میں حاضر ہوں۔آپ حکم کریں۔''

''میں چاہتا ہوں' میرے مخالفین کے متعلق رپورٹ دیتے رہو کہ کون کس وقت کیا کررہا ہے؟فی الوقت میں سری واستو بڑبولے کے متعلق بالکل تاریکی میں ہوں۔کیا وہ باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزے کے ذریعے یہاں آیا ہے یا غیرقانونی طور پر روپوش رہا کرے گا؟''

''اسے ہم جیسے لوگ ہی ایک اسمگلر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ورنہ وہ اپنے دیس میں سونے کا بہت ہی معزز بیوپاری سمجھا جاتا ہے۔یہاں کے بھارتی سفارت خانے میں اس کا فرسٹ کزن کسی اہم عہدے پر کام کررہا ہے۔اس کے ذریعے اسے لاہور' اسلام آباد اور کراچی میں رہنے سہنے کی سہولتیں حاصل ہوتی رہیں گی۔''

میں نے کہا۔''مجرمانہ انداز میں اس کا بھارتی انٹیلی جنس ''را'' سے ضرور تعلق ہوگا؟''

''یقیناً ہوگا۔میں اس سلسلے میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''اس نے میرے خلاف تم سے گٹھ جوڑ کیا ہے۔وہ تم سے اپنے معاملات نہیں چھپائے گا۔اس سے ملتے رہو اور معلوم کرتے رہو کہ وہ میرے خلاف کیا کررہا ہے؟''

اس نے بڑی فرمانبرداری سے کہا۔''میں ابھی فون کرکے اس سے کہیں ملنا چاہوں گا اور آج شام تک اس کے بارے میں آپ کو کچھ نہ کچھ بتا سکوں گا۔''

میں نے کہا۔''شاباش بیٹے!میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔''

ہمارے درمیان رابطہ ختم ہوگیا۔میں نے اسے شاباشی دی تھی۔اسے ذہانت اور حکمتِ عملی کہتے ہیں۔میں مخالفین سے نمٹنے کے لئے کسی طرح کی تگ و دو میں مصروف نہیں تھا۔نہ ہی اپنے مخبروں سے زیادہ کام لے رہا تھا۔اس کے برعکس دشمنوں کو اپنا مخبر بنا کر' انہیں انہی کے گھر کا بھیدی بنا کر اپنا الو سیدھا کررہا تھا۔

ایک مدت سے بڑے دکھ جھیلتا آرہا تھا۔دشمنوں کے رحم و کرم پر رہتے رہتے مایوس ہو چلا تھا۔ایسا لگتا تھا' کبھی اچھے دن دیکھ نہیں پاؤں گا۔اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں زندہ درگور ہوتا رہوں گا۔

مگر اب اچانک ہی حالات بدل گئے تھے۔مجھے زندہ درگور کرنے والوں کا آرام و سکون برباد ہورہا تھا اور میں اپنی پناہ گاہ میں سکون کی سانسیں لے رہا تھا۔ایک صحت مند شخص کو جو آسودگی ملتی ہے۔وہی مجھے مل رہی تھی۔میری دعائیں قبول ہو چکی تھیں۔میں اپنی فلاح کی طرف جارہا تھا۔

میں نے آئینے کے روبرو آکر دیکھا' اگرچہ وہی ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے

رہا تھا۔مگر یہ خوب سمجھ رہا تھا کہ ہڈیاں فولادی ہوگئی ہیں۔خدا نے چاہا تو ان پر گوشت چڑھے گا۔میں نے توجہ سے دیکھا تو میرے چہرے اور ہاتھ پاؤں کی جھریاں بہت کم ہوگئی تھیں۔گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی نہیں لگ رہی تھیں۔آنکھیں بھی پہلے کی طرح دھنسی ہوئی نہیں تھیں۔میں آنکھوں کو' چہرے کو اور ہاتھوں کو چھو رہا تھا' انہیں سہلا رہا تھا۔بڑی بڑی دھیمی دھیمی سی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں۔بدن کی جلد پر چکناہٹ اور تازگی سی آرہی تھی۔

یہ بڑی خوش کن تبدیلیاں تھیں۔دل تھا کہ باغ و بہار ہورہا تھا۔جی چاہ رہا تھا' باہر کھلی فضا میں جاکر شہر کی رونقیں دیکھوں اور زندگی کے میلے میں خوب گھومتا پھرتا رہوں۔

بڑھاپے اور بیماری کے حبس بے جا سے رہائی پانے کے بعد لائف انجوائے کرنے کے لئے دل مچل رہا تھا۔میں آئینے کے سامنے بیٹھ کر ریڈی میڈ میک اپ کے ذریعے اپنے چہرے پر تبدیلیاں کرنے لگا۔رضا قریشی اور دوسرے جاں نثاروں نے میری ضرورت کا تمام سامان مہیا کیا تھا۔آدھے گھنٹے کے اندر سیاہ بالوں کی ایک خوبصورت وگ نے سفید بالوں کو چھپا دیا۔لینسز کے ذریعے آنکھوں کا رنگ بدل گیا۔دونوں نتھنوں میں ننھے سے اسپرنگ نے ناک کو پھیلا دیا تھا۔اندرونی پیڈ کے ذریعے دونوں جبڑے ذرا بھاری ہوکر پھیل گئے تھے۔

آئینے کے سامنے اب میں نہیں تھا۔میرے سامنے ایک اجنبی ابھر آیا تھا۔کوئی مجھے عمیر بن غازی کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔میں نے وہاں سے اٹھ کر لباس تبدیل کیا۔میرے چند جاں نثاروں نے اس خفیہ پناہ گاہ کے آس پاس اپنی رہائش اختیار کی تھی۔

میں نے فون کے ذریعے ایک سے کہا۔''ٹھیک پندرہ منٹ بعد میں یہاں سے نکلنے والا ہوں۔''

اس نے کہا۔''ہم سب تیار ہیں۔آپ کا انتظار کررہے ہیں۔''

میں نے رابطہ ختم کیا۔پھر اپنے عصا کی طرف آکر اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ایک کرسی پر بیٹھ کر سر جھکا کر کلام پاک کی ایک آیت پڑھنے لگا۔اپنی سلامتی کے لئے دعائیں مانگنے لگا۔پھر پندرہ منٹ بعد کوٹھی سے باہر آگیا۔

دو سیکورٹی گارڈز گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔انہوں نے مجھے دیکھتے ہی سلیوٹ کیا۔میں نے کہا۔''میرے ساتھ کوئی نہیں آئے گا۔میں تنہا جارہا ہوں۔مجھے فی الوقت سیکورٹی کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں نے اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر لاٹھی کو اس طرح رکھا کہ اس کا رخ اگلی سیٹ سے

پچھلی سیٹ کی طرف ہوگیا۔لمبائی کے باعث اسے اسی طرح رکھا جاسکتا تھا۔میں نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی۔کوٹھی سے باہر آیا تو ایک جاں نثار نے فون پر کہا۔''ہم دو گاڑیوں میں آگے پیچھے ہیں۔آپ سے کافی فاصلے پر رہ کر نگرانی کرتے رہیں گے۔''

میں آرام سے ڈرائیو کرتا ہوا ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔دائیں بائیں کھڑکیوں سے باہر لاہور کی اس شاہراہ کو اور آس پاس کے مناظر کو یوں دیکھ رہا تھا' جیسے صدیوں بعد مجھے ماں کی گود مل رہی ہو۔

میں پیدائش کے بعد بیس برسوں تک امی کے سائے میں رہا۔ہم ہجرت کرکے پاکستان آگئے تھے۔یہاں امی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور میں اپنی بہن رابعہ کے ساتھ بھری دنیا میں تنہا رہ گیا۔

انڈیا میں زمین جائیداد فروخت کرنے کے بعد ہمیں لاکھوں روپے ملے تھے۔پھر امی نے مجھے ایک خفیہ خزانے تک پہنچنے کا راستہ بتایا تھا۔میں بیٹھے بٹھائے مالدار بن گیا تھا۔یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے پاس کتنی دولت آگئی ہے؟

میں رفتہ رفتہ سونے کا بیوپاری اور اسمگلر بن گیا۔یہ کوئی نہیں جانتا کہ میری دوہری شخصیت ہے۔میں دو ناموں سے الگ الگ زندگی گزارتا آرہا ہوں۔میرا دوسرا نام تھری ایس یعنی شہزادہ سلمان سعدی ہے۔میں اس نام سے بین الاقوامی سطح پر پراسرار مجرمانہ زندگی گزار رہا ہوں۔

فی الحال کوئی نہیں جانتا کہ عمیر بن غازی ہی وہ پراسرار تھری ایس ہے۔میں بعد میں اس دوہری زندگی کا اور دوہری شخصیت کا ذکر کروں گا۔ابھی گھر کے دشمنوں کے تماشے بیان کر رہا ہوں۔

☆☆☆

یہاں تک عمیر کی داستان پڑھ کر معلوم ہوا کہ میری شریک حیات ساجدہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔وہ اپنے تینوں بیٹوں اور بیٹیوں کا ذکر کر رہا تھا۔مگر اپنی بہن یعنی میری بیٹی رابعہ کی کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔وہ فیملی میں کہیں نہیں تھی۔یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی اللہ کو پیاری ہو چکی ہے۔

میرا بیٹا جتنا دولت مند تھا' اُتنا ہی رشتوں سے خالی ہو گیا تھا۔اتنا کنگال ہو گیا تھا کہ کسی ایک رشتے سے بھی سچی محبت نہیں مل رہی تھی۔

یہ معلوم ہوا کہ وہ پاکستان کے شہر لاہور میں ہے۔میں نے سوچا' Lad کارڈ کے

ذریعہ سہولتیں حاصل ہیں۔میں انڈیا میں آرام سے بیٹھ کر سرکاری سطح پر معلومات حاصل کر سکتا ہوں کہ سونے کا بیوپاری عمیر بن غازی لاہور میں کہاں رہتا ہے؟ اس کا فون نمبر بھی معلوم ہوسکتا ہے۔

میں نے اس سلسلے میں جلد بازی نہیں کی۔پہلے عمیر کے موجودہ حالات پر غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ سونے کا بیوپاری ہی نہیں' اسمگلر بھی ہے۔

پھر ایک نیا انکشاف ہوا تھا کہ وہ تھری ایس یعنی شہزادہ سلامن سعدی کے نام سے ایک پراسرار زندگی گزار رہا ہے۔ابھی اس کی ڈائری پڑھ کر ابتدائی حالات معلوم ہو رہے تھے۔آگے دوسری تیسری ڈائریاں پڑھنے کے بعد پتہ نہیں اس کے متعلق اور کیسے انکشافات ہونے والے تھے؟

ایسی زندگی گزارنے والے بیٹے سے سرکاری سطح پر ملاقات کرنا مناسب نہیں تھا۔دانشمندی یہی تھی کہ پہلے میں اس کی پوری رام کہانی پڑھ لوں۔پھر اس کے پاس پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔

جنگل کی شکارگاہ والی زمینیں میرے نام ہونے والی تھیں۔میں اس سلسلے میں ایک بڑی رقم ادا کر چکا تھا یوں امید تھی کہ عمیر کسی نہ کسی دن خزانہ نہ سہی' انگوٹھی اور عصا حاصل کرنے ضرور آئے گا۔تب بڑی رازداری سے ہمارا آمنا سامنا ہوگا۔دنیا والوں کو خبر نہیں ہوگی اور میں اپنے بیٹے کو کلیجے سے لگا سکوں گا۔

میں ڈائری کھول کر پڑھنے لگا۔اس نے لکھا تھا.....

''میں دس ماہ تک ہسپتال کی چار دیواری میں دکھ بیماریاں جھیلتا رہا تھا۔آسمان دیکھنے کو ترس گیا تھا۔اب نیلے آسمان کے سائے میں لاہور دیکھ رہا تھا۔کھلی شاہراہوں میں کھلی فضاؤں میں پہلی بار ایسی ترنگ ایسی مستی پیدا ہوئی کہ میں بے اختیار گنگنانے لگا۔

بڑھاپے میں پے در پے بیماریوں اور کھانسیوں کے باعث آواز بیٹھتی چلی جاتی ہے۔بندہ بولنے کے قابل نہیں رہتا۔پھر بھلا گنگنائے گا کیا...؟ لیکن ان لمحات میں میرے گنگنانے کا انداز کہہ رہا تھا۔''ابھی تو میں جوان ہوں۔ابھی تو میں جوان ہوں...''

ایسے وقت شرارہ نے فون پر مخاطب کیا اور کہا۔''چاچا جی! آپ نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔پلیز۔مجھے ابھی کہیں بلائیں۔میں آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہوں۔''

میں نے اس کی باتوں سے سمجھ لیا کہ اس وقت منور اور نادر اس کے پاس بیٹھے

ہوئے ہیں۔منور سے میری بات ہو چکی تھی کہ میں ملاقات کا وقت ٹال دوں گا۔لہٰذا میں نے کہا۔''مجھے افسوس ہے' آج تم سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔میں بہت بیمار ہوں اور اس وقت ایک ڈاکٹر کے پاس جارہا ہوں۔طبیعت بحال ہوگی تو تمہیں کال کروں گا اور شائد کل کسی وقت ملاقات کرسکوں گا۔''

ایسے وقت نادر شاہ' شرارہ کے کان سے کان لگائے میری باتیں سن رہا تھا۔وہ مایوس ہوکر منور سے بولا۔''بڑے میاں ہاتھ آتے آتے رہ جاتے ہیں۔اسی شہر میں کہیں بیمار ہیں۔ڈاکٹر کے پاس جارہے ہیں۔آج شرارہ سے نہیں ملیں گے۔''

منور نے پوچھا۔''کل تو ملیں گے؟''

نادر نے ناگواری سے کہا۔''کہہ تو یہی رہے ہیں۔مگر کل بھی بیمار رہے یا اور کوئی مجبوری آڑے آگئی تو ہم یہاں انتظار میں ہی لٹکتے رہ جائیں گے۔''

شرارہ اور منور یہ نہیں جانتے تھے کہ میں نے ان سے الگ الگ فون پر کیا باتیں کی ہیں؟ چونکہ میری وہ باتیں ان کے حق میں تھیں' اس لئے وہ مطمئن تھے۔شرارہ کو یہ اطمینان تھا کہ میں ان کے شکنجے سے اسے نکال کرلے جاؤں گا۔دوسری طرف منور کو نادر کے خلاف کچھ کر گزرنے کا وقت مل رہا تھا۔

بہرحال میں گلبرگ مارکیٹ میں آکر رک گیا۔دروازہ کھول کر عصا کو تھام کر گاڑی سے باہر آگیا۔میرا ڈھیلا ڈھالا لباس مجھے عجوبہ سا بنا رہا تھا۔میں اپنے موجودہ ڈھانچے کے مطابق کوئی مناسب سا لباس خریدنا چاہتا تھا۔وہاں سے عصا ٹیکتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔

میں نے محسوس کیا' وہاں جس کی بھی نظر مجھ پر پڑتی تھی' وہ مجھے ذرا تعجب سے یا دلچسپی سے دیکھتا تھا۔اگر میں کوئی فقیر یا ملنگ بابا ہوتا تو میرے ڈھیلے ڈھالے لباس اور عصا کو سب ہی نظر انداز کرتے۔مگر میں ایک بہت ہی قیمتی کار سے اتر کر ایک مہنگی دکان میں داخل ہو رہا تھا۔یہ کہنا چاہئے کہ میں ایک دلچسپ سوالیہ تماشہ بنا ہوا تھا۔

میں نے اس دکان سے چار ریڈی میڈ لباس خریدے۔ان میں سے ایک کو وہیں کیبن میں جاکر پہن لیا۔پھر واپس اپنی کار کے پاس آکر دروازہ کھول کر اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھنے لگا۔ایسے ہی وقت ایک حسین دوشیزہ نے دوسرے دروازے پر دستک دی۔

میں نے ادھر کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔''کیا بات ہے؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔پہلے میرے ساتھ والی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔پھر دروازہ بند

کرتے ہوئے بولی۔''پلیز کار اسٹارٹ کریں۔آگے چلیں۔میں اپنی پرابلم بتارہی ہوں۔''

میں نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''میں نے کبھی ایک کہانی پڑھی تھی' جس کا عنوان تھا رضیہ غنڈوں میں پھنس گئی۔''

وہ بولی۔''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میری گاڑی اچانک ہی خراب ہوگئی ہے۔میں نے فون کیا ہے' گیراج والے آکر اسے لے جائیں گے۔''

''یعنی تم کہیں جانے کے لئے لفٹ لے رہی ہو؟ یہاں کتنی ہی گاڑیاں ہیں۔تم بہت حسین اور دلنشین ہو۔کتنے ہی دل والے تمہیں لفٹ دے سکتے تھے پھر میرے پاس کیوں آئی ہو؟''

''وہ لفٹ دینے والے دردسر بن سکتے تھے۔آپ بیمار اور کمزور دکھائی دے رہے تھے۔لاٹھی ٹیک کر چل رہے تھے۔یہ یقین ہے کہ میرے لئے پرابلم نہیں بنو گے۔اس لئے یہاں آئی ہوں۔''

''تمہیں جانا کہاں ہے؟''

وہ بولی۔''اسلام آباد.....''

''یعنی یہاں سے ائیرپورٹ جانا چاہتی ہو؟''

''نہیں۔چھ گھنٹے سے پہلے کوئی فلائٹ نہیں ہے۔اس سے پہلے تو میں کار کے ذریعے وہاں پہنچ جاؤں گی۔''

''کار تو تمہاری خراب ہوچکی ہے؟''

''اسی لئے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔''تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں یہاں سے تمہیں اسلام آباد لے جاؤں گا؟''

''ابھی آپ نے کہا ہے' میں حسین ہوں' دلنشین ہوں؟''

''اور ابھی تم نے بھی کہا ہے کہ دل پھینک عاشق دردسر بن جاتے ہیں۔''

''ہاں۔مگر آپ بوڑھے ہیں۔سیاہ بالوں کی وگ پہننے سے جوان نہیں بن جائیں گے اور مجھے جوانوں کی طرح تنگ نہیں کریں گے۔بڑھاپا دو قدم بھی چل نہیں پاتا تھک کر گر جاتا ہے۔''

میں نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا پھر کہا۔''پکی ہوئی نہیں لگتیں مگر پکی پکائی باتیں

کرتی ہو۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔''تھینکس میڈم....!''

میں نے تعجب سے پوچھا۔''اس کا مطلب کیا ہوا؟''

''اپنی میڈم کو تھینک یو کہہ رہی ہوں۔انہوں نے ایسی تعلیم دی ہے کہ ہم لڑکیاں پہلی نظر میں ہی مردوں کو بھانپ لیتی ہیں۔''

''مجھے تم سے اور تمہاری میڈم سے کچھ لینا نہیں ہے۔آگے کسی رینٹ گاڑی والوں کے پاس پہنچا رہا ہوں۔وہاں سے کار لے کر اسلام آباد جا سکتی ہو۔''

ایسے ہی وقت اس کا فون اسے مخاطب کرنے لگا۔اس نے اسکرین پر نمبر پڑھنے کے بعد بٹن دبا کر فون کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔''ہیلو میڈم!بڑی لمبی عمر ہے آپ کی۔ابھی میں آپ ہی کا ذکر کر رہی تھی۔''

ادھر سے میڈم نے پوچھا۔''کیا تم نے اس کی تصویریں اور کوئی ویڈیو فلم دیکھی ہے؟''

''ہاں دیکھی ہے اور آڈیو کیسٹ سے اس کی آواز بھی سنی ہے۔''

یہ کہتے کہتے وہ ایکدم سے چونک گئی۔اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا پھر کہا۔''میں آپ سے ملنے آرہی ہوں۔رات آٹھ بجے تک پہنچوں گی۔''

''بے شک۔میں نے بلایا تھا۔مگر اب نہ آؤ۔مجھے انفارمیشن ملی ہے کہ وہ لاہور واپس آگیا ہے۔اسے تلاش کیا جا رہا ہے۔''

وہ بولی۔''میں نے ویڈیو کیسٹ میں اسے بیمار اور نیم مردہ حالت میں دیکھا ہے اور دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا' جیسے مرنے سے پہلے ہی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا ہے۔''

وہ ایسا کہتے کہتے پھر ایک بار چونک گئی۔پھر اس نے میری طرف دیکھا۔میں ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔مگر کان اسی کی طرف لگے ہوئے تھے۔اس بات نے میرے کان کھڑے کر دیئے تھے کہ اس نے کسی کی ویڈیو فلم دیکھی ہے اور جسے دیکھا' وہ بیمار اور نیم مردہ حالت میں تھا۔ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے رہا تھا۔

یہ ایسی سچویشن تھی کہ وہ مجھ پر شبہ کر رہی تھی۔اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے تلاش کرنے سے پہلے ہی منزل مل گئی ہو اور مجھے یوں لگ رہا تھا' جیسے بڑبولے کی کوئی آلہ کار میری طرف کھنچی چلی آئی ہو۔اس نے کسی میڈم کا ذکر کیا تھا اور ابھی اسی سے باتیں کر رہی تھی۔

شائد وہ میڈم کماری کلاونتی تھی۔جو مردوں کو پھانسنے کے لئے لڑکیوں کو تربیت دیا کرتی

تھی۔آج ہی منور نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میڈم میرے خلاف بڑبولے کے لئے کام کر رہی ہے۔

اس لڑکی نے فون پر اپنی میڈم سے کہا۔''آپ کا حکم ہے تو میں اسلام آباد نہیں آؤں گی۔یہیں رک جاؤں گی۔اگر وہ بوڑھا اور بیمار لاہور میں ہے تو کہیں بستر پر پڑا ہوگا۔آپ کے آدمی اسے کس طرح تلاش کریں گے؟''

''موجودہ انفارمیشن کے مطابق وہ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا ہے۔زیادہ دنوں تک چار دیواری میں چھپ کر نہیں رہے گا۔کسی نہ کسی ضرورت سے باہر نکلتا رہے گا۔''

اس نے پھر مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔''میں یہاں رہ کر اسے تلاش کروں گی۔دور سے یا قریب سے پہچاننے کے لئے کوئی خاص شناخت ہو تو مجھے بتائیں؟''

''ہاں۔ایک عجیب سی بات معلوم ہوئی ہے' وہ پرانے وقت کے بوڑھوں کی طرح لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے۔''

ہمارے درمیان وہ لاٹھی رکھی ہوئی تھی۔وہ ایکدم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ایک ہاتھ اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالتے ہوئے بولی۔''میڈم!میں ابھی فون بند کر رہی ہوں۔تھوڑی دیر بعد کال کروں گی۔''

اس نے فون بند کر کے اسے بیگ میں رکھ لیا۔اسی بیگ سے اس کا ہاتھ باہر نکلا اور تب ایکشن شروع ہو گیا۔اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سائز کا پستول تھا۔وہ کہہ رہی تھی۔''میں نے ایک آڈیو کیسٹ سنی تھی۔تمہاری آواز اور لب و لہجے کو سنتے ہی کچھ شبہ سا ہوا تھا۔اب بتاؤ' کب سے اس لاٹھی کے سہارے چل رہے ہو؟''

میں نے کہا۔''جب سے میڈم کلاونتی نے تمہیں بتایا ہے۔''

''اوہ تو تم میڈم کو جانتے ہو؟یعنی تم ہی عمیر بن غازی ہو؟''

''ایک جوان لڑکی کی زبان سے اپنا نام سن کر گزری ہوئی جوانی انگڑائی لے رہی ہے۔''

''ایک گولی چلے گی تو بوڑھی جوانی بولنے کے قابل نہیں رہے گی۔''

میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔''گولی نہیں چلے گی۔کیونکہ میں وہ خوش نصیب ہوں' جس کا کوئی دشمن اس کی جان لینا نہیں چاہتا۔سب مجھے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔''

''میں بھی تمہیں زندہ رکھوں گی۔مگر زخمی تو کر سکتی ہوں۔''

''ہو سکتا ہے' میں زخم کی تاب نہ لاسکوں اور مرجاؤں پھر میڈم کو کیا جواب

دوگی؟ پہلے اس شیطان کی خالہ سے اجازت تو لے لو۔"

"ہاں۔میں اتنی زبردست کامیابی حاصل کر رہی ہوں کہ میڈم سنیں گی تو خوشی سے اچھل پڑیں گی۔"

"تو پھر فوراً انہیں اُچھالو۔"

اس نے موبائل فون نکالنے کے لئے دوسرا ہاتھ بیگ میں ڈالا۔میں اچانک ہی جھپٹ پڑا۔اس کے پستول والے ہاتھ کی کلائی پکڑ لی۔پھر گاڑی کو بریک لگاتا ہوا سڑک کے کنارے روک دیا۔

میں نے کلائی پکڑی تھی۔جکڑی نہیں تھی۔مگر اس کے حلق سے کراہیں نکل رہی تھیں۔"چھوڑو...چھوڑو..آہ..."

وہ تکلیف کی شدت سے بول نہیں پا رہی تھی۔ذرا سی دیر میں پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔میرے آگے پیچھے چلنے والے جاں نثاروں نے اپنی گاڑیاں روک دی تھیں۔وہ دروازے کھول کر باہر نکل رہے تھے۔میں نے اپنی کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو وہ میری طرف آتے آتے رک گئے۔

اس وقت ہم داتا دربار کے قریب سے گزر رہے تھے۔وہ اپنی کلائی سہلا رہی تھی۔تکلیف کی شدت سے آنسو نکل آئے تھے۔میں نے کہا۔"تم کہہ رہی تھیں' بوڑھے دو قدم چل نہیں پاتے۔تھک کر گر پڑتے ہیں۔ابھی تو میں نے صرف چلنا شروع کیا ہے اور تم رونے لگی ہو؟"

اس نے اپنی کلائی کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔"بہت تکلیف ہو رہی ہے۔لگتا ہے ہڈی ٹوٹ گئی ہے یا پھر ترخ گئی ہے۔خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔"

"کیوں لے چلوں؟ کیا تم نے میرے ساتھ کوئی نیکی کی ہے؟"

"طعنے نہ دو۔اس تکلیف سے میں مر جاؤں گی۔"

"تمہارے پستول سے میں مر سکتا تھا۔"

"کبھی نہ مرتے۔میں گولی چلانے والی نہیں تھی۔چلا ہی نہیں سکتی تھی۔کیونکہ یہ خالی ہے۔"

میں نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔پھر ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے

دوسرے ہاتھ سے پستول کو چیک کیا تو وہ واقعی خالی تھا۔

وہ کہہ رہی تھی۔"مجھے ایسے ہتھیاروں سے ڈر لگتا ہے۔میڈم کے ٹریننگ دینے والوں نے بڑی کوششیں کیں کہ میں اسے چلانا سیکھ لوں۔مگر مجھے تو اس کی آواز سے ڈر لگتا ہے۔آخر میڈم نے یہ خالی پستول دیا ہے' تاکہ مجھ پر کوئی برا وقت آئے تو میں کم از کم دھمکی دینے کے لئے تو اسے استعمال کر سکوں۔"

وہ بولتے بولتے چیخ پڑی۔کلائی کو مضبوطی سے تھام کر روتے ہوئے بولی۔"تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے۔میں مر جاؤں گی۔پلیز۔کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔"

میں نے کار روک کر اس کا موبائل فون اپنے قبضے میں لیا۔پھر دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔میرے آگے پیچھے آنے والی گاڑیاں رک گئیں۔جاں نثار دروازے کھول کر باہر آنے لگے۔وہ میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ایک لڑکی کو بہت پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ایک نے آگے بڑھ کر پوچھا۔"یس سر! یہ شائد پرابلم بن گئی ہے؟"

"ہاں۔اس کی کلائی میں موچ آ گئی ہے۔پتہ نہیں کیا تکلیف ہے؟ اسے فوراً ہوسپٹل لے جاؤ۔یہ دشمنوں کی آلہ کار ہے۔مگر اس کے ساتھ عزت سے پیش آؤ اور اس کے متعلق رپورٹ دیتے رہو۔"

وہ کلائی کو ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھی۔اپنا بیگ اٹھا نہیں سکتی تھی۔"اس نے کار سے نکلتے ہوئے کہا۔"میرا بیگ...؟"

میں نے کہا۔"تمہاری ساری چیزیں میرے پاس امانت کے طور پر رہیں گی۔بعد میں واپس مل جائیں گی۔پہلے اپنا علاج کراؤ۔"

وہ ان کے ساتھ اگلی گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔میں نے پچھلی گاڑی کے جاں نثاروں سے کہا۔"ہم واپس جا رہے ہیں۔"

میں نے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اس کے موبائل فون سے میڈم کلاونتی کے نمبر معلوم کئے۔انہیں اپنے فون میں فیڈ کیا۔پھر واپسی کے لئے گاڑی موڑ کر اس کے نمبر پنچ کئے۔فون کو کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔مگر فون اٹینڈ کرنے میں دیر کی جا رہی تھی۔وہ یقیناً اپنے فون کی اسکرین پر میرا نام اور نمبر پڑھ کر چونک گئی ہوگی۔بے یقینی سے سوچ رہی ہوگی کہ جو کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔وہ فون کے ذریعے اسے کیوں مخاطب کر رہا ہے؟ اس کے ذہن

میں بہت سے سوالات چیخ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کال ریسیو کی۔ مگر خاموش رہی۔

میں نے کہا۔ ''ہیلو کماری کلاونتی! کیا سر چکرا رہا ہے؟''

وہ اپنی آواز میں سختی پیدا کرتے ہوئے بولی۔ ''کون ہو تم....؟''

میں نے کہا۔ ''واہ... کیا تجاہل عارفانہ ہے؟ پہچان کر بھی نہ پہچاننے کا بہانہ ہے۔ اگر تم نے اپنے فون پر میرا نام نہیں پڑھا ہے تو اب پڑھ لو۔''

میں نے رابطہ ختم کیا۔ پھر وہی نمبر ڈائل کئے۔ دوسری بار اس نے فون اٹینڈ کرتے ہوئے بڑی حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا تم واقعی عمیر بن غازی ہو؟ تم... تم... مجھے کیسے پہچانتے ہو؟''

''میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم مجھے کیسے پہچانتی ہو؟''

''نہ میں تمہیں جانتی ہوں' نہ پہچانتی ہوں۔ یہ تو ابھی میں نے فون پر تمہارا نام پڑھا ہے۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے میں بھی تمہیں نہیں جانتا تھا۔ مگر سری واستو بڑبولے کی ایک غلطی سے ہمارے درمیان جان پہچان ہوگئی ہے۔ میں نے اس کی وہ غلطی بتانے کے لئے تمہیں فون کیا تھا۔ جب تم جان پہچان سے انکار کر رہی ہو تو پھر جانے دو۔ فون پر بات نہیں بنے گی۔ میں اب اسلام آباد آ کر ہی بتاؤں گا کہ اس کی ایک غلطی کے باعث کس طرح تمہاری شامت آگئی ہے؟''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ بڑے اطمینان سے کار ڈرائیو کرتے اس کے فون کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا سکون غارت ہو چکا تھا۔ وہ مجھ سے رابطہ کئے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی کالنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے اسکرین پر اس کے نمبر پڑھے پھر مسکراتے ہوئے فون کو کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہاں تو مجھے پہچان گئی ہو؟''

''ہاں۔ میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم بتاؤ' یہ کیسے جانتے ہو کہ میں اسلام آباد میں ہوں؟''

''میں تمہارے بیڈروم میں پہنچ کر بتاؤں گا کہ تمہارے گھر کا پتہ بھی جانتا ہوں۔''

''بکواس کر رہے ہو۔ میں دعوے سے کہتی ہوں' تم میرا رہائشی پتہ نہیں جانتے۔''

میں نے اپنے لہجے میں بڑا اعتماد اور یقین پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''میں چھ گھنٹے کے اندر پہنچ رہا ہوں۔ اگر وہاں سیکورٹی کے انتظامات سخت ہوں گے یا کسی طور اپنے لئے خطرہ محسوس کروں گا تو کل کسی وقت کہیں بھی تمہیں دبوچنے چلا آؤں گا۔''

میں نے پھر رابطہ ختم کر دیا۔ چشم تصور سے دیکھنے لگا کہ وہ کس قدر بے چینی میں مبتلا ہوگئی

ہے؟ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کالنگ ٹون یوں سنائی دی' جیسے وہ جھنجھلا کر چیخ رہی ہو۔

میں نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔ اس نے کہا۔ ''تم مجھے الو بنا رہے ہو۔ میں نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گی۔ مگر تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ بڑبولے کی کس غلطی کے باعث تمہیں میرا نام اور پتہ معلوم ہوا ہے؟''

''یہ بڑبولے سے معلوم کرو اور اب کال نہ کرنا۔ میں فون اٹینڈ نہیں کروں گا۔''

''جسٹ آ منٹ۔ پہلے میری بات سن لو۔ اگر تم یہ ثابت کر دو کہ بڑبولے کی غلطی مجھے نقصان پہنچانے والی ہے تو میں پٹڑی بدل سکتی ہوں۔''

''یہ تب ثابت ہوگا' جب میں اچانک ہی تمہارے روبرو پہنچوں گا۔ ابھی ایک اہم معاملے سے نمٹنے والا ہوں۔ مجھے بار بار فون نہ کرو۔ میں ایک گھنٹے بعد تمہیں کال کروں گا۔''

''تمہارے سارے اہم معاملات سے یہ معاملہ زیادہ اہم ہے کہ میں پٹڑی بدل کر تمہارے کام آؤں گی۔''

''بے شک۔ تم میرے کام آؤ گی۔ مگر مجھے تم سے دوستی کرنے کی جلدی نہیں ہے۔ میں نے کہاں ناں... انتظار کرو۔ تھوڑی دیر بعد کال کروں گا۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر اسی فون کے ذریعے اپنے ایک جاں نثار کو مخاطب کیا اور اس لڑکی کے متعلق پوچھا۔ جسے ہوسپٹل پہنچایا گیا تھا۔ اس کا نام مرینہ تھا۔ وہ اپنے والدین سے ملنے یہاں آئی تھی۔ اسلام آباد میں ایک این جی او کے لئے کام کرتی تھی۔

اس کی کلائی پر پلاسٹر چڑھایا جا رہا تھا۔ ایکسرے رپورٹ کے مطابق ہڈی کو نقصان پہنچا تھا۔ وہ ذرا سی ترخ گئی تھی۔ اگر میں فوراً ہی اس کی کلائی نہ چھوڑتا تو شاید ٹوٹ ہی جاتی۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا' میں نے اسے پکڑا تھا۔ جکڑا نہیں تھا۔ صرف اتنا چاہتا تھا کہ پستول کا رخ میری طرف نہ رہے۔ میری گرفت میں بھرپور مردانگی اور دشمنوں والی سختی نہیں تھی۔ اس کے باوجود ہڈی ترخ گئی تھی۔

میں نے کار سڑک کے کنارے روک دی۔ جس ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑی تھی۔ اسے دیکھنے لگا۔ مٹھی بند کرتے ہوئے اور کھولتے ہوئے سوچنے لگا۔

اب تک بے انتہا مایوس کر دینے والی کمزوریوں میں مبتلا رہتا آیا تھا۔ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی کی کلائی پکڑوں گا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ مجھ جیسے ہڈیوں کے ڈھانچے میں میری توقع سے زیادہ توانائی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ میرا سر جھکتا ہوا اسٹیئرنگ پر آ گیا۔ گویا میں

سجدہ کرتے ہوئے کلام پاک کی ایک آیت پڑھتے ہوئے اپنے معبود کا شکر ادا کرنے لگا۔

میرے جاں نثار گاڑی کے پاس آ کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ جب میں نے سر اٹھایا تو ایک نے پوچھا۔ ''آر یو آل رائٹ سر...؟''

میں نے کہا۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس ہوسپٹل کی طرف چلو' جہاں اس لڑکی کو لے جایا گیا ہے۔''

میں مرینہ کے ذریعے کماری کلاونتی کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ اسے ہوسپٹل سے دو گھنٹے بعد فارغ کر دیا گیا۔ وہ قدرے آرام سے تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا اسلام آباد جاؤ گی؟''

اس نے نظریں اٹھا کر شکایت بھرے لہجے سے کہا۔ ''تم نے مجھے اس قابل کہاں چھوڑا ہے؟ جب تک ہڈی نہیں جڑے گی۔ اس پلاسٹر سے نجات نہیں ملے گی' تب تک نہ کسی سے مل پاؤں گی۔ نہ اپنی ڈیوٹی انجام دے سکوں گی۔ یہ ہاتھ دن رات گردن کی پٹی سے لٹکا رہے گا۔''

''یہ تم نے پہلے کیوں نہیں سوچا کہ خطرات سے کھیلو گی تو ایسے ہی نتائج سے دوچار ہوتی رہو گی؟ آج کلائی ٹوٹی ہے۔ کل گردن ٹوٹے گی۔''

وہ سر جھٹک کر بولی۔ ''اونہہ... ایک کمزور لڑکی کو کیا ڈرا رہے ہو؟ کسی مرد سے مقابلہ کرو گے تو وہ تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالے گا۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں کیوں کسی سے مقابلہ کروں؟ اگر ہم اپنے کام سے کام رکھیں۔ کسی کو چیلنج نہ کریں تو دس طرح کی مصیبتوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اب یہی دیکھو...! میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ مگر تم اپنے اور اپنی میڈم کے فائدے کے لئے مجھے نقصان پہنچانا چاہتی تھیں۔ ذرا عقل سے سوچو' مصیبت تمہارے پاس نہیں آئی تھی' تم نے خود اسے دعوت دی ہے۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ سر جھکائے سوچتی رہی۔ میں نے کہا۔ ''میرا اندازہ ہے' تم مجبوراً جرائم کی راہ پر چل رہی ہو۔ میں نے دیکھا ہے' تمہیں پستول چلانا نہیں آتا۔ مگر اسے اپنے پاس رکھتی ہو۔ وہ میڈم خوب سمجھتی ہو گی کہ تم لڑنے مرنے کے معاملے میں بزدل ہو۔ وہ چالاک عورت تمہیں اپنے زیر اثر رکھ کر صرف تمہارے حسن و شباب کو کیش کرا رہی ہو گی۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''مرد قوت بازو سے کماتا ہے۔ عورت جوانی کی

چکا چوند سے کیش ہوتی رہتی ہے۔ اگر یہی مرد آگے بڑھ کر سہارا دے تو کوئی عورت بازار میں نہ بیٹھے۔''

''اگر تمہیں سہارا مل جائے تو.....؟''

اس نے پھر نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''کیا میڈم کے گناہ آلود راستے کو چھوڑ دو گی؟''

وہ سامنے دیوار کو تکتے ہوئے بولی۔ ''اگرچہ جان کا خطرہ ہے۔ پھر بھی چھوڑ دوں گی۔ اس طرح کچھ روز تو صاف ستھری زندگی گزار سکوں گی۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا اس لئے جان کو خطرہ ہے کہ تمہاری جیسی لڑکیاں میڈم کی رازدار ہوتی ہیں؟ اس کے دھندے سے تعلق رکھنے والی بہت سی ڈھکی چھپی باتیں جانتی ہیں؟''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ہاں۔ یہی بات ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گی کہ میں اس کے اثر سے باہر نکلوں اور اس کے مخالفین کے لئے گھر کی بھیدی بن جاؤں۔''

''میں مجرمانہ ہتھکنڈوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ اس کے آدمی تمہیں بڑی رازداری سے ٹھکانے لگا دیں گے۔''

''ہاں۔ میں جان سے جاؤں گی۔ کسی کا کچھ نہیں جائے گا۔ میں بھی انسان ہوں۔ میرے دل میں بھی ارمان ہیں۔ اب جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے' اسے خوب انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ مگر یہ نہیں جانتی' آئندہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

وہ پہلو بدل کر مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تمہارے متعلق بھی بتایا گیا ہے کہ تم بہت خطرناک ہو۔ صرف کلائی پکڑ کر ہڈی توڑ سکتے ہو تو پتہ نہیں آگے کیا کر گزرو گے؟''

''میڈم کماری کلاونتی کے پیچھے جو دشمن ہیں' وہ میری جان لینا چاہتے ہیں اور تم ان کے لئے کام کر رہی ہو۔ ذرا عقل سے سوچو... میں تمہیں گن پوائنٹ پر کہیں بھی لے جا کر بڑی رازداری سے مار کر پھینک سکتا تھا۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بجائے تمہارا علاج کرایا۔ ابھی یہ نہیں جانتا کہ تم میرے کسی کام آ سکتی ہو یا نہیں؟ میں کسی غرض' کسی مقصد کے بغیر تمہیں سلامتی اور زندگی دے رہا ہوں۔''

اس نے قائل ہو کر سر ہلایا۔ پھر کہا۔ ''بے شک تم مجھے سلامتی دے رہے ہو۔ مگر میں شائد تمہارے کسی کام نہیں آ سکوں گی۔ میڈم مجھے اس قابل ہی نہیں چھوڑے گی۔''

''میں میڈم کو کسی کام کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم مجھ پر بھروسہ کرو تو تمہیں

بھرپور تحفظ حاصل ہوگا۔اس کا کوئی آلہ کار کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔میرے آدمی تمہاری حفاظت کریں گے۔"

وہ بولی۔"کوئی دن رات کسی کی حفاظت نہیں کرتا۔آج نہیں تو کل کسی نہ کسی دن کہیں سے کوئی اندھی گولی آئے گی۔پھر میں تم سے کوئی شکایت کرنے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

"ایسا وقت نہیں آئے گا۔اس سے پہلے ہی میں تمہاری میڈم اور اپنے ایک جانی دشمن کو جہنم میں پہنچا دوں گا۔نہ رہے گا بانس' نہ بجے گی بانسری...وہ نہیں رہیں گے تو ان کے آلہ کار کہاں سے آئیں گے؟"

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی۔پھر اس نے پوچھا۔"میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟ میڈم بہت چالاک ہے۔اپنے اندر کی باتیں کسی کو نہیں بتاتی۔مگر اس کے ذریعے کوئی اعلیٰ سرکاری عہدیدار ہمارے پاس آتا ہے تو ہم ان مردوں سے بہت کچھ اگلوا لیتی ہیں۔"

میں نے پوچھا۔"کیا تم نے وہاں کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے' جو اپنے پہناوے سے یا گفتگو سے ہندو لگتا ہو؟"

وہ بولی۔"کتنے ہی مسلمان' ہندو اور انگریز میڈم کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔میں نے اب تک کسی ہندو کے ساتھ وقت نہیں گزارا۔میرے ساتھ رہنے والی دوسری لڑکیاں ان کے متعلق بہت کچھ جانتی ہیں۔"

میں نے کہا۔"میڈم جیسی عورتیں اپنے خفیہ اڈے رکھتی ہیں۔ان کے متعلق تم کیا جانتی ہو؟"

"میں اسلام آباد کے تین خفیہ اڈوں میں راتیں گزار چکی ہوں۔ایک رات اچانک ہی انٹیلی جنس والوں نے چھاپہ مارا تھا۔میڈم مجھے وہاں سے نکال کر مرگلہ کی ایک کوٹھی میں لے گئی تھی۔آدھے گھنٹے بعد انٹیلی جنس والے اس کوٹھی میں بھی پہنچ گئے تھے۔مگر ہم ان کی گرفت میں نہیں آئی تھیں۔"

میں نے پوچھا۔"کیا میڈم تمہیں وہاں سے کسی دوسری جگہ لے گئی تھی؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"نہیں۔ہم اسی کوٹھی کے تہہ خانے میں تھیں۔کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہاں تہہ خانہ بھی ہے۔دوسرے دن بھارتی سفارت خانے والوں نے بڑا شور مچایا تھا کہ انٹیلی جنس والے ان کے عملے کو پریشان کر رہے ہیں۔سفارت خانے سے تعلق رکھنے والی کماری کلاونتی کو ہراساں کیا جا رہا ہے۔"

میں نے سر ہلا کر کہا۔"میں جانتا ہوں' ان حالات میں ایسے ہی سیاسی ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔بہرحال تم مجھے اس کے تمام خفیہ اڈوں کا اور خاص طور پر مرگلہ کی اس کوٹھی کو پتہ بتاؤ' جہاں وہ تہہ خانہ ہے؟"

وہ تمام خفیہ اڈوں کے پتے اور فون نمبرز بتانے لگی۔مرگلہ کی وہ کوٹھی میرے لئے اہم تھی۔یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کبھی کلاونتی پر برا وقت آتا ہے۔قانونی گرفت میں آنے یا جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ اسی تہہ خانے میں جا کر روپوش رہتی ہے۔

میں نے مرینہ سے کہا۔"آج سے تم میری سرپرستی میں رہوگی۔جب تک اس میڈم کو اور اپنے ایک جانی دشمن کو ٹھکانے نہیں لگاؤں گا' تب تک تم ادھر کا رخ نہیں کروگی۔تمہیں ماہانہ اخراجات کے لئے اچھی خاصی رقم ملتی رہے گی۔میں چاہوں گا' کسی اچھے شخص کا انتخاب کرکے شادی کرو اور عزت آبرو سے ایک گھریلو زندگی گزارو۔"

وہ بڑی حیرانی سے' بڑے جذبے سے اور بڑی عقیدت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔اس نے کبھی صاف ستھری زندگی کے جو خواب دیکھے تھے۔میں ان کی تعبیر پیش کر رہا تھا۔اس کی آنکھیں مسرتوں سے بھیگنے لگیں۔

اس نے کہا۔"میڈم کے زیر اثر رہنے والی ایک لڑکی انیلا ایک پولیس افسر کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔اس سے شادی کرنے والی تھی۔اس کی پناہ میں رہ کر یہ راز کھولنے والی تھی کہ میڈم نے ہم لڑکیوں کے ذریعے جاسوسی کا کیسا نیٹ ورک قائم کیا ہوا ہے اور وہ کس طرح ہمارے ملک کے بڑے بڑے سیاستدانوں اور غیر ملکی جاسوسوں کو ہماری زلفوں کا اسیر بنا کر یہاں کے حساس اداروں اور رازوں تک پہنچتی رہتی ہے؟"

میں مرینہ کی باتیں سن رہا تھا۔مجھے کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔میں اس کے ساتھ نیکی کرکے اپنے ملک کے دشمنوں تک پہنچنے کا راستہ ہموار کر رہا تھا۔

اس نے انیلا کے متعلق کہا۔"یہ ہر لڑکی کا خواب ہے کہ وہ عیش و عشرت سے بہترین ازدواجی زندگی گزارے۔لیکن انیلا کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔میڈم کے آدمیوں نے اسے بڑی رازداری سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔آپ میرے ساتھ نیکی کر رہے ہیں۔میرے ساتھ بھی یہی ہوسکتا ہے۔"

میں نے اسے تسلی اور حوصلہ دیا۔میں جب تک کلاونتی اور سری واستو بڑبولے کو ٹھکانے نہ لگا دیتا' تب تک مرینہ میرے جاں نثاروں کی نگرانی میں رہنے والی تھی۔آئندہ

بڑی عزت اور آسودگی سے زندگی گزارنے والی تھی۔

ادھر کماری کلاونتی کا سکون غارت ہو گیا تھا۔ وہ بڑبولے کے پاس پہنچ کر بولی۔ ''میں تم سے ڈیل کر کے بری طرح پھنسنے والی ہوں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟ تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو؟ آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔''

''آرام سے کیا بیٹھوں؟ وہ عمیر بن غازی میرا نام' پتہ ٹھکانہ سب کچھ جانتا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے متعلق یہ سب کچھ جانتا ہے؟''

''وہ میرا نمبر بھی جانتا ہے۔ اس نے مجھے فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تمہاری ایک غلطی اسے مجھ تک اور میرے خفیہ اڈوں تک پہنچا رہی ہے۔ اس نے چیلنج کیا ہے' آج رات کسی وقت میری گردن دبوچنے آئے گا۔''

''وہ بکواس کر رہا ہے۔ میں نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔''

''پھر اسے میرا فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟ تم نے تو کہا تھا' وہ بہت ہی بیمار اور کمزور ہے۔ آخری بار اسے ایک لاٹھی پکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا گیا ہے؟''

''یہ سچ ہے۔ تم نے بھی تو اس کی وڈیو فلم دیکھی ہے۔ وہ ایک مردے کی طرح بستر پر پڑا رہتا ہے۔''

''پتہ نہیں وہ فلم کتنے عرصے پہلے کی ہے؟ وہ ابھی آدھے گھنٹے پہلے فون پر مجھ سے بول رہا تھا اور اپنی گرجتی گونجتی ہوئی آواز سے صحت مند لگ رہا تھا۔''

''تعجب ہے۔ وہ کہاں سے بول رہا تھا؟''

وہ جھنجلا کر بولی۔ ''جہاں سے سب بولتے ہیں۔ ہماری تمہاری طرح منہ سے ہی بول رہا تھا۔''

''پلیز غصہ نہ دکھاؤ۔ آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں' اسے میری اور تمہاری ڈیلنگ کے متعلق کیسے معلوم ہو گیا ہے؟''

''کہہ تو رہی ہوں' تمہاری کسی غلطی کی وجہ سے معلوم ہوا ہے۔''

''مجھے معلوم تو ہو' میں نے کیا غلطی کی ہے؟''

''میں کیا جانوں؟ یہ تو تم جانتے ہو یا وہ جانتا ہے۔''

''اس نے کچھ تو بتایا ہوگا؟''

''وہ یہاں آ کر میرے سر پر سوار ہو کر بتانے والا ہے۔ میں اپنے طور پر حفاظتی انتظامات کرنا جانتی ہوں۔ ابھی یہاں سے اپنی ایک خفیہ پناہ گاہ میں چلی جاؤں گی۔ اس کے باوجود موت کہیں بھی چلی آتی ہے۔ ہماری لاعلمی میں کہیں سے بھی ایک گولی آئے گی اور میں زندگی ہار جاؤں گی۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔ بس آج کی رات روپوش رہ کر گزار لو۔ کل تم اس کے حرام موت مرنے کی خبر سنو گی۔''

''جیسا کہ تم اس کی روداد سنا چکے ہو۔ وہ بیمار اور نیم مردہ رہنے کے باوجود کبھی کسی کے قابو میں نہ آ سکا اور اب پتہ نہیں کتنے دشمن اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو' وہ اس وقت کہاں ہوگا؟''

''اتنا جانتا ہوں' وہ لاہور میں ہے اور یقیناً وہاں کے کسی مہنگے علاقے میں ہوگا۔''

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''اور تم کل تک اتنے بڑے شہر میں اسے ڈھونڈ نکالو گے؟''

''بعض اوقات ہم کسی کو ڈھونڈ نہیں پاتے۔ مگر موت سب کو ڈھونڈ نکالتی ہے۔ میں نے موت کے دو ایسے ہرکاروں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ جن سے وہ نہ تو چھپ سکے گا' نہ ہی ان کے آگے وہ دم مار سکے گا۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''وہ دو ہرکارے کون ہیں؟''

اسے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کا پورا یقین تھا۔ اس نے کہا۔ ''وہ دو بلڈ ہاؤنڈ ہیں۔ بہت ہی خطرناک کتے ہیں۔ اپنے مطلوبہ شکار کی بو پاتے ہی اسے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تکہ بوٹی کر دیتے ہیں۔''

''مگر تم تو اسے مارنا نہیں چاہتے۔ زندہ گرفتار کرنا چاہتے ہو؟''

''بلڈ ہاؤنڈ کے ٹرینرز کوشش کریں گے کہ وہ کتے اسے صرف ڈھونڈ نکالیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے' غازی جان سے نہیں جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ زخمی ہوگا۔''

''لیکن ابھی تم نے کہا تھا' وہ حرام موت مرنے والا ہے؟''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''تم تو ذرا سی بات پکڑ لیتی ہو۔ جب وہ میرے قابو میں آئے گا تو میں ایک اہم راز اگلوانے تک اسے زندہ رکھوں گا۔ اس کی زندگی میری مٹھی میں ہوگی۔ میں جب چاہوں گا' اس کا کام تمام کر دوں گا۔''

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی۔ کچھ بے چین سی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم کہہ رہے ہو تو یقین کر رہی ہوں۔ ویسے تم سے زیادہ اُن کتوں پر یقین ہے کہ وہ اسے تمہارے شکنجے میں لے آئیں گے۔ مگر.....''

''اگر مگر میں نہ الجھو۔ آج رات کہیں روپوش رہ کر گزار لو۔''

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''الجھن یہ ہے کہ آخر تم سے غلطی کیا ہوئی ہے؟ اسے یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ ہمارے درمیان اس کے خلاف ڈیلنگ ہو چکی ہے؟''

''جب وہ شکنجے میں آئے گا تو بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ابھی ذہن کو نہ الجھاؤ۔''

میں اپنے دشمن کے اس منصوبے سے بے خبر تھا۔ میری حکمت عملی ایسی تھی کہ تمام بیٹے میرا اکلوتا وارث بننے کے لالچ میں ایک دوسرے کو ٹھکانے لگانے کی فکر کر رہے تھے۔ میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے مجھ سے فون پر رابطہ کرتے تھے اور ایک دوسرے کی سازشوں سے مجھے باخبر رکھنے لگے تھے۔

میں اپنی رہائش گاہ میں واپس آگیا تھا۔ ایسے وقت منور نے مجھے فون پر مخاطب کیا۔ ''اسلام علیکم بابا جانی!''

میں نے اسے خوش کرنے کے لئے کہا۔ ''وعلیکم سلام... تمہاری آواز سن کر میرے اندر یقین پیدا ہوتا ہے کہ واقعی تم ایک فرمانبردار بیٹے بن کر ایک باڈی گارڈ بن کر تمام شر پسندوں سے مجھے نجات دلانے والے ہو۔''

''میں نے قسم کھائی ہے بابا جانی! آپ کے دشمنوں کو خاک میں ملا دوں گا اور ہر قیمت پر آپ کا اعتماد حاصل کروں گا۔ ابھی میں نے ایک بہت بڑی خبر سنانے کے لئے فون کیا ہے۔''

یہ تو میں جانتا تھا کہ منور نے ہی سری واستو سے گٹھ جوڑ کیا ہے اور اسے انڈیا سے بلایا ہے۔ مجھے پھر سے قیدی بنا کر رکھنے کے سلسلے میں وہ ایک دوسرے کے راز دار تھے۔ پھر یہ کہ بڑبولا ہمارے ملک میں رہ کر تنہا میرے خلاف کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بلڈ ہاؤنڈ کتوں کے سلسلے میں بھی منور کو راز دار بنانا ضروری تھا۔

میں نے پوچھا۔ ''وہ بڑی خبر کیا ہے؟''

منور نے کہا۔ ''بڑبولے نے شکار کی بو سونگھنے اور کھوج لگانے والے کتوں کے ٹرینرز کی خدمات حاصل کی ہیں۔ آپ کہیں بھی چھپے ہوں گے تو وہ کتے بو پا کر بڑبولے کو آپ تک پہنچا دیں گے۔''

میں نے ٹوہ لینے کے انداز میں پوچھا۔ ''میں تو روپوش رہتا ہوں۔ ان کتوں کو میری بو کیسے ملے گی؟''

اس نے کہا۔ ''آپ پرسوں رات تک ہمارے فیملی ہوسپٹل میں زیر علاج تھے۔ وہاں آپ کا لباس تبدیل کیا جاتا تھا۔ آپ کی اترن لانڈری میں دھلنے کے لئے جایا کرتی تھی۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا میری کوئی اترن وہاں دھلنے سے رہ گئی ہے؟''

''میں تھوڑی دیر پہلے یہی معلوم کرنے اپنے فیملی ہوسپٹل میں گیا تو بڑبولے نے یقین سے کہا کہ میں آپ کے لباس کا ایک ٹکڑا بھی اسے لا کر دوں گا تو وہ اس اترن کو کتوں تک پہنچا دے گا۔''

میرے اندر ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی۔ کئی طرح کے اندیشے جنم لینے لگے۔ میں نے کہا۔ ''میری بات کا جواب دو۔ کیا وہاں میری کوئی اترن رہ گئی ہے؟''

''نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں نے خود وہاں جا کر اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ آپ کی کوئی اترن نہیں ہے۔''

''یعنی بڑبولے کو مایوسی ہوگی۔ وہ کتوں سے کام نہیں لے سکے گا؟''

''میں اسے مایوس نہیں ہونے دوں گا۔ جسے آپ کے راستے سے ہٹانا چاہتا ہوں اس کی اترن وہاں پہنچا دوں گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو؟ وضاحت کرو؟''

''کل آپ کا ایک دشمن' آپ کا لالچی اور خود غرض داماد اس دنیا سے اٹھ جائے گا۔''

میں نے کہا۔ ''او آئی سی... تم نادر شاہ کی اترن وہاں پہنچاؤ گے۔ واہ کیا بات ہے؟ اس موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہو۔ کل جو میرے ساتھ ہونا تھا' وہ اس کے ساتھ ہوگا۔''

''اور کوئی مجھ پر شبہ بھی نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں اور نادر ہم نوالہ ہم پیالہ سمجھے جاتے ہیں۔ شبہ مراد یا سلطان پر کیا جائے گا۔ عین ممکن ہے' آپ پر بھی شبہ کیا جائے۔''

''میری پرواہ نہ کرو۔ تم زبردست چال چل رہے ہو۔ ہم باپ بیٹے کے درمیان اب کوئی پردہ نہیں رہا ہے۔ مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ یہ بتاؤ' نوشین اور اس کے شوہر کو اور زرمین کے شوہر کو کس نے قتل کرایا تھا؟''

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ اب میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں

گا۔ میں نے ہی ان تین حصہ داروں کو اپنے راستے سے ہٹایا ہے۔''

''تم نے اتنی بڑی واردات کیسے کرائی اور تم پر شبہ کیوں نہیں کیا گیا؟''

''بابا جانی! میں نے بہت زبردست چال چلی تھی۔ اپنے لئے بھی جان کا خطرہ مول لیا تھا۔ ایک مضر رساں دوا کھا کر اپنی موت کو دعوت دی تھی۔ میرے ایک قابل اعتماد ڈاکٹر نے یقین دلایا تھا کہ وہ میری جان بچالے گا۔ پھر اس نے یہی کیا۔ ادھر میں زندگی اور موت کی کشمش میں مبتلا رہا اور ادھر میرے کرائے کے قاتلوں نے ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

''تم تو میری طرح ہوشیار ہو۔ دشمنوں کے خلاف چالیں چلنا خوب جانتے ہو۔ بے شک۔ میرے جانشین بننے کے قابل ہو۔ ان تینوں کے بعد کل نادر شاہ کی بھی چھٹی کرنے والے ہو۔''

''سچ پوچھیں تو آپ کا لہو صرف میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ میں نے آپ کی ذہانت اور کاروباری صلاحیتیں حاصل کی ہیں۔ میں ہی آئندہ نسلوں تک آپ کا نام روشن رکھوں گا۔''

وہ میری طرح ذہین ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا اور اس کے برعکس میری چکنی چپڑی باتوں میں آرہا تھا۔ اپنے ہی خون کے رشتوں کو قتل کرا چکا تھا۔ آئندہ بھی یہی کرنے والا تھا۔ یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ باپ نے کبھی لہو کے رشتوں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ ہمیشہ محبتیں دیں۔ سب ہی سے انصاف کیا۔ مگر افسوس کیا کیا جائے؟ حق اور انصاف کی باتیں بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آتی ہیں۔

منور سے بات ہونے کے بعد میں فون بند کر کے سوچنے لگا۔ مجھے اپنے اس چالاک اور قصائی بیٹے پر کس حد تک اعتماد کرنا چاہئے؟ وہ تو میرا وارث اور جانشین بننے کے لئے کسی بھی رشتے کو سانس لینے کے لئے چھوڑنے والا نہیں تھا۔

مجھے اب تک جس طرح مصائب سے اور جان لیوا خطرات سے دوچار کرتا آرہا تھا' انہیں تو میں کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ موجودہ حالات میں عقل پوچھ رہی تھی۔ ''کیا مجھے منور پر بھروسہ کرنا چاہئے؟ کیا اس نے فیملی ہوسپٹل جا کر میری اترن حاصل نہیں کی ہوگی؟''

جب وہ سری واستو سے گٹھ جوڑ کر سکتا ہے۔ اسے انڈیا سے یہاں بلا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے خزانے تک پہنچنے کا ایک بھرپور منصوبہ بنا سکتا ہے تو کیا ایسے وقت وہ بڑبولے کا ساتھ چھوڑ دے گا' جبکہ ان کتوں کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کی بڑی سہولت حاصل ہو رہی تھی اور یہ یقین بھی ہو رہا تھا کہ میں چھپ کر رہ نہیں پاؤں گا؟ لازماً اس کے ہاتھ آؤں گا اور پہلے کی

طرح قیدی بن کر اس کے رحم و کرم پر رہوں گا۔

جن کی فطرت سانپ کی طرح ڈسنے والی ہوتی ہے۔ ان پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ یقیناً اس نے میرا دھیان نادر کی طرف بھٹکایا ہوگا اور میری اترن بڑبولے تک پہنچائی ہوگی۔

میں نے اپنے ایک جاں نثار سے فون پر کہا۔ ''کل صبح سے شام تک تم سب کو مستعد رہنا ہے۔ دشمن بلڈ ہاؤنڈ کے ذریعے میرا سراغ لگانے والے ہیں۔ میں کوٹھی سے باہر نہیں نکلوں گا۔ مگر کتے احاطے میں ضرور آئیں گے۔ یہاں سے ایک بھی کتے کو زندہ واپس نہیں جانا چاہئے۔''

اس نے کہا۔ ''آل رائٹ سر! کتے کے ساتھ آنے والے بھی زندہ واپس نہیں جائیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''جسٹ آ منٹ... اگر میں یہاں نہیں رہوں گا تو انہیں بلڈ ہاؤنڈ کے ذریعے اس خفیہ پناہ گاہ کا پتہ نہیں چلے گا۔ میں یہاں سے راوی پار اپنے فارم ہاؤس میں جا کر رہوں گا۔ ہمارے جاں نثاروں کی تعداد بڑھا کر ادھر چلے آؤ۔''

میں ایک گھنٹے کے اندر اپنا ضروری سامان سمیٹ کر روانہ ہوگیا۔ وہ فارم ہاؤس دو کلو میٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے درمیان سے ایک نہر بہتی ہوئی دور تک کھیتوں کو سیراب کرتی تھی۔ اس نہر کے باعث میرا فارم ہاؤس دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ پہلے حصے میں ایک خوبصورت سارہائشی بنگلا تھا۔ میں کبھی کبھی وہاں وقت گزارنے کے لئے جایا کرتا تھا۔

نہر کے اس پار فارم ہاؤس کے ایک گوشے میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا کاٹج بنا ہوا تھا۔ وہاں فارم ہاؤس سے تعلق رکھنے والا ضروری سامان اسٹور کیا جاتا تھا۔ اگرچہ وہاں رہائش اختیار نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن میں اسی کاٹج کے ایک کمرے میں آگیا۔

اب یہ دیکھنا تھا کہ وہ شکاری کتے ادھر آتے ہیں یا نہیں؟ کتے دو طرح کے تھے۔ ایک چار پاؤں والے جو بھنبھوڑنے اور کاٹنے والے تھے۔ دوسرے دو پاؤں والے تھے' جو میری اولاد کہلاتے تھے۔

اِدھر منور اور نادر کا کھیل کچھ اور تھا۔ اس کھیل کے مطابق مجھے نقصان پہنچنے والا نہیں تھا۔ میں تو احتیاطی تدبیر پر عمل کرتے ہوئے وہاں چلا گیا تھا۔ حقیقتاً منور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق میرا وفادار تھا۔ اس کی ساری توجہ اس بات پر تھی کہ حصے داروں کی تعداد کم سے کم کرتا

رہے اور ایسا کرنے کے لئے اس نے نادر کی اترن بڑبولے کے پاس پہنچادی تھی۔

اس نے نادر سے کہا۔"بابا جانی نے راوی پار جو فارم ہاؤس بنایا ہے۔ادھر ہم کبھی نہیں گئے۔"

نادر نے کہا۔"بابا جانی نے جوانی میں عیاشی کرنے کے لئے اس ویرانے میں فارم ہاؤس بنایا تھا۔ہمارے لئے وہاں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

منور نے کہا۔"اب وہاں نہ جاکر ہم غلطی کررہے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔"وہ کیسے....؟"

وہ بولا۔"ہم بابا جانی کو ہر جگہ تلاش کرتے پھر رہے ہیں اور فارم ہاؤس کو نظر انداز کررہے ہیں۔میرے ذہن میں بار بار یہ بات آرہی ہے کہ ہمیں ایک بار وہاں جانا چاہئے۔ہوسکتا ہے' انہوں نے وہاں روپوشی اختیار کی ہو؟"

نادر نے قائل ہوکر کہا۔"ہاں۔یہ بات دل کو لگ رہی ہے۔ہمیں وہاں کا ایک چکر لگانا چاہئے۔"

دراصل منور اسے گھیر کر فارم ہاؤس کے ویرانے میں لے جانا چاہتا تھا۔وہاں شکاری کتے اس پر حملہ کرتے تو اسے بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔وہ راضی ہوگیا تھا۔دوسرے دن وہ ہم نوالہ ہم پیالہ بن کر رہنے والے ایک کار میں بیٹھ کر فارم ہاؤس کے رہائشی بنگلے میں پہنچ گئے۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ باپ' بیٹا اور داماد شکار کرنے والے اور شکار ہونے والے سب ہی یکجا ہوگئے تھے۔ابھی ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔میں نہر کے دوسری طرف والے حصے میں تھا۔لیکن منور حقیقتاً مجھے تلاش کرنے نہیں' بلکہ اپنے بہنوئی کو لقمہء اجل بنانے آیا تھا۔

اس نے نادر سے کہا۔"ہم ایک آدھ گھنٹے اس بنگلے میں آرام کریں گے۔اس کے بعد نہر کے پار دوسرے حصے میں جائیں گے۔"

کئی برسوں سے اس فارم ہاؤس کی دیکھ بھال نہیں کی جارہی تھی۔صرف ایک چوکیدار وہاں رہتا تھا۔بنگلے کی یہ حالت تھی کہ تمام دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔دیواروں کے پلاسٹر جھڑ گئے تھے۔کرسیاں کچھ ٹوٹی ہوئی تھیں۔کچھ بیٹھنے کے قابل تھیں۔بیڈ پر گدے چادر اور تکیئے نہیں تھے۔منور خوب سوچ سمجھ کر اسے وہاں لایا تھا۔اگر وہ کتوں سے بچنے کے لئے کسی کمرے میں چھپنا چاہتا تو ٹوٹے ہوئے اور کھلے ہوئے دروازے اسے پناہ نہ دیتے۔

میری بیٹی شرمین نے صبح ناشتے کے وقت نادر سے کہا تھا۔"میری بائیں آنکھ پھڑک

رہی ہے۔آج آپ کہیں نہ جائیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔"یعنی تمہاری یہ آنکھ خطرے کا سگنل دے رہی ہے؟"

"ہاں۔میں کئی بار آزما چکی ہوں۔جب دائیں پھڑکتی ہے تو ضرور کوئی بہت بڑی خوشی دیکھنے کو ملتی ہے اور جب یہ کم بخت بائیں آنکھ پھڑکتی ہے تو کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہو جاتی ہے۔"

"شرمین!تم اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہو۔سائنس اور ٹکنالوجی کے ترقی یافتہ دور میں سانسیں لے رہی ہو۔پھر بھی ایسی دقیانوسی باتیں کررہی ہو؟"

"آپ مجھے ہمیشہ توہم پرست کہتے ہیں۔جبکہ میں کئی بار ان آنکھوں کو آزما چکی ہوں۔آج تو صرف بائیں آنکھ ہی نہیں پھڑک رہی ہے۔دل بھی بری طرح گھبرا رہا ہے۔پلیز۔بھائی جان کے ساتھ فارم ہاؤس نہ جائیں۔"

لیکن موت کیا ہے؟ کوہِ ندا کی وہ صدا ہے' جو اپنی طرف بلاتی ہے تو بندہ نہ چاہنے کے باوجود ادھر کھنچا چلا جاتا ہے اور وہ منور کے ساتھ فارم ہاؤس میں کھنچا چلا آیا تھا۔

بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے' تماشہ کرنے والے خود تماشہ بن جاتے ہیں۔منور نے یہ کھیل کھیلتے وقت ایک اہم بات پر توجہ نہیں دی تھی اور وہ اہم بات یہ تھی کہ بڑبولے نے صرف اس سے ہی نہیں....نادر سے بھی ڈیلنگ کی تھی۔

چونکہ ان دونوں نے اسے انڈیا سے بلایا تھا۔یہ یقین دلایا تھا کہ ان سالے بہنوئی کے درمیان اٹوٹ اتحاد ہے اور چالیس من سونا حاصل کرنے کے سلسلے میں وہ برابر کے حصہ دار ہیں۔اس یقین دہانی کے نتیجے میں بڑبولے نے نادر شاہ سے بھی فون پر رابطہ کیا تھا اور اس سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اپنے سسر عمیر بن غازی کی اترن کسی طرح حاصل کرے اور اس کے پاس پہنچائے۔

نادر نے بڑبولے سے کہا تھا۔"میں اپنے سسر کی اترن تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔لیکن یہ بات ابھی منور کو نہ بتائی جائے۔ہم کتوں کے ذریعے اس بوڑھے کو ٹریپ کرنے کے بعد منور کو سرپرائز دیں گے۔"

ٹھیک یہی بات منور نے بڑبولے سے کہی تھی کہ اترن کے سلسلے میں نادر شاہ سے کوئی بات نہ کی جائے۔اسے بعد میں سرپرائز دیا جائے گا۔

بڑبولے نے دونوں کی بات رکھی تھی۔یہ سوچا تھا۔"وہ ایک دوسرے کو سرپرائز

دیتے رہیں۔ میرا کیا جاتا ہے؟ مجھے تو ہر حال میں اپنی ضرورت پوری کرنی ہے۔ اگر اترن حاصل کرنے کے سلسلے میں دونوں کوششیں کریں گے تو کسی ایک کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔''

اس کی سوچ کے مطابق دونوں کو کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ دونوں نے اس کے پاس اترن پہنچائی تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ منور نے نادر شاہ کی اور نادر نے منور کی اترن پہنچائی ہے۔

آخر نادر بھی تو یہی چاہتا تھا کہ ایک حصے دار کم ہو جائے اور قریبی حصے دار منور ہی تھا۔ جسے با آسانی راستے سے ہٹانے کا موقع مل رہا تھا۔

بڑبولا تو یہی سمجھ رہا تھا کہ ان دونوں نے میری اترن اس کے پاس پہنچائی ہے۔ اس نے وہ دونوں اترنیں ٹرینر کے حوالے کر دیں اور ٹرینر نے انہیں ان دونوں کتوں کے آگے ڈال دیا۔ یوں ایک کتا نادر کی بو پا کر اور دوسرا منور کی بو پا کر غرانے لگا۔ پھر دونوں ہی ایک طرف دیکھتے ہوئے بھونکنے لگے۔

پتہ نہیں، وہ کتے اپنے ٹرینر کے ساتھ کتنا فاصلہ طے کرتے ہوئے اور بھونکتے ہوئے ادھر پہنچ رہے تھے؟ دن کے ٹھیک ایک بجے منور اور نادر نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ وہ آوازیں بہت دور سے آ رہی تھیں۔ دونوں کے اندر ایک مستی بھری انگڑائی ابھری۔ ان کی دانست میں کسی ایک حصہ دار کی شامت آ گئی تھی۔

منور نے ایک طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کتے اُدھر سے بھونکتے آ رہے ہیں۔''

نادر نے دوسری طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''نہیں۔ اِدھر سے بھونکتے آ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم اِدھر جاؤ۔ میں اُدھر جاتا ہوں۔ دیکھتے ہیں، اس ویرانے میں کتے کہاں سے آ گئے؟''

وہ دونوں دو مختلف سمتوں میں جانے لگے۔ یوں ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ منور نے سوچا۔ ''کتے جب نادر پر جھپٹیں گے تو مجھے ان سے دور رہنا چاہئے۔''

نادر بھی یہی بات سوچ کر اس سے دوری اختیار کر رہا تھا۔ میں نہر کے دوسری طرف کاٹیج کے ایک کمرے میں تھا۔ میں نے اور میرے جاں نثاروں نے بھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔

ہم نہیں جانتے تھے کہ منور اور نادر فارم ہاؤس کے دوسرے حصے میں پہنچے ہوئے ہیں۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ منور نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ میری اترن کتوں تک پہنچائی ہے

اور وہ میری بو پا کر اِدھر آ رہے ہیں۔

لیکن یہ میری غلط فہمی تھی۔ وہ میری طرف آنے والے نہیں تھے اور میں سمجھ رہا تھا کہ موت میری طرف آ رہی ہے۔ ادھر وہ دونوں غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ منور سمجھ رہا تھا، موت نادر کی طرف جا رہی ہے اور نادر کو یقین تھا کہ وہ خفیہ خزانہ حاصل کرنے کے لئے زندہ رہے گا۔

''اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ موت ایک دھاری تلوار ہے۔ ایک وقت میں ایک کے پاس آتی ہے۔ مگر بدنیتی کے راستے پر دو دھاری تلوار بن جاتی ہے۔ اِدھر بھی کاٹتی ہے، اُدھر بھی کاٹتی ہے۔''

اور وہ کتے بھونکتے ہوئے قریب سے قریب تر آتے جا رہے تھے۔ موت کبھی خلوت میں آتی ہے، کبھی جلوت میں، کبھی پراسرار خاموشی سے آتی ہے۔ کبھی چیختی چنگھاڑتی دھماکے کرتی چلی آتی ہے۔ اس وقت کتوں کی طرح بھونکتی آ رہی تھی اور یہ ثابت کر رہی تھی کہ انسان بعض اوقات کتوں کی موت مارا جاتا ہے۔

وہ دونوں مختلف سمتوں میں جا کر ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ نادر شاہ جھاڑیوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا تھا۔ جب وہ کتے منور پر حملہ کرتے تو وہ دور ہی دور سے محفوظ رہ کر اس کی موت کا تماشہ دیکھ سکتا تھا۔

منور شکستہ بنگلے کی چار دیواری کے پیچھے آ گیا تھا۔ جب کتے آ کر جھپٹ پڑتے اور نادر شاہ کی آخری چیخ سنائی دیتی تب وہ دور سے تماشہ دیکھتا ہوا اس کے قریب جاتا۔ یہ یقین تھا کہ ان کتوں کے پیچھے سری واستو بڑبولا اور بابر بلا اپنے آلہ کاروں کے ساتھ ضرور ادھر آئیں گے اور تب وہ مایوس ہو جائیں گے۔ انہیں میری جگہ نادر شاہ زخمی یا مردہ دکھائی دے گا۔

منور سوچ رہا تھا۔ ''وہ لوگ بابا جانی کو نہ پا کر مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ مجھے غصہ دکھائیں گے۔ میں انہیں یقین دلاؤں گا کہ ان کی طرح میں بھی دھوکہ کھا چکا ہوں۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ فیملی ہوسپٹل کے لانڈری والے حصے میں صرف بابا جانی کی ہی نہیں، دوسروں کی بھی اترنیں رکھی ہوئی ہیں۔

وہاں کے لانڈری مین نے یقین سے کہا تھا کہ جو اترن مجھے دے رہا ہے وہ بابا جانی کی ہے اور میں اسی یقین دہانی کے بعد اس اترن کو یہاں لے آیا تھا۔''

دوسری طرف جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا نادر شاہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔ وہ دونوں ہی بڑبولے پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے بڑی ہیرا پھیری سے اپنے ایک حصے دار

کو کم کر دیا ہے۔

میں کاٹج کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوربین کے ذریعے آوازوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔ پہلے صرف کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیتی رہی تھیں۔ پھر وہ نظر آنے لگے۔ وہ دو کتے نہر کے کنارے کنارے دوڑتے جارہے تھے۔ دو ٹرینرز نے ان کی لانبی زنجیریں تھام رکھی تھیں۔ ایسے وقت میرے کئی جاں نثار مجھ سے دور درختوں پر اور جھاڑیوں کے پیچھے گھات لگائے بیٹھے تھے۔

میں نے فون کے ذریعے کہا۔ ''کتے بیشک میری بو پا کر آرہے ہیں۔ لیکن نہر کی دوسری طرف ہیں۔''

میرے ایک جاں نثار نے کہا۔ ''آگے ایک پل ہے۔ وہ اسی پل پر سے ادھر آئیں گے۔ کیا ان کے پیچھے اور بھی لوگ ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''بہت دور دو گاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ گاڑیوں سے باہر نکلنے والے واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔''

ہمیں یقین تھا کہ بڑبولا اور بابر بلا اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں آئے ہوں گے۔ وہ یقیناً میری جان لینا نہیں چاہیں گے۔ انہوں نے کتوں کے ٹرینرز کو مجھے زندہ رکھنے کی ہدایت کی ہوگی اور وہ ٹرینرز کتوں کو اتنی ہی ڈھیل دیں گے کہ وہ صرف مجھے زخمی کر سکیں۔ چیرنے پھاڑنے کے عمل سے نہ گزریں۔

یہ میں سوچ رہا تھا مگر جن کے ساتھ ایسا ہونے والا تھا' وہ مطمئن تھے۔ ایسے لوگ آرام سے سانسیں لیتے وقت نہ تو یہ سوچ سکتے ہیں اور نہ ہی یقین کر سکتے ہیں کہ اگلے کسی بھی لمحے میں موت آ کر انہیں دبوچ سکتی ہے۔ وہ تو اپنی جگہ مطمئن رہتے ہیں کہ انہوں نے سامنے والے کے لئے موت کا سامان کیا ہے۔ بھلا وہ پلٹ کر ان کی طرف کیوں آئے گی؟

میں دوربین آنکھوں سے لگائے چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر میں نے حیرانی سے دیکھا۔ اپنے جاں نثار سے کہا۔ ''ان کتوں نے پل کراس نہیں کیا ہے۔ نہر پار کرکے ہماری طرف نہیں آرہے ہیں۔ میں اِدھر ہوں اور وہ اُدھر دوسری سمت جارہے ہیں۔''

میرے جو جاں نثار درخت پر چڑھے ہوئے تھے۔ وہ بھی دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔ ایک نے فون پر مجھ سے کہا۔ ''واقعی.... سر! وہ بھونکتے ہوئے فارم ہاؤس کے فرنٹ پورشن کی طرف جارہے ہیں۔''

یہ بات ہماری سمجھ میں آنے والی نہیں تھی کہ موت اپنا رخ بدل کر اُدھر کیوں جارہی ہے؟ جو درخت پر تھے۔ وہ نیچے اتر آئے۔ میں نے کہا۔ ''چھپتے چھپاتے نہر کے کنارے جاؤ اور دیکھو کہ وہ اُدھر کیوں جارہے ہیں؟''

مجھے اس کاٹج سے باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں چھت پر بیٹھا دوربین کے ذریعے اپنے فارم ہاؤس کے فرنٹ پورشن کو دور تک دیکھ سکتا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر میں اپنی توقع کے خلاف ایک حیرت انگیز تماشہ دیکھنے والا تھا۔

کتوں کو اپنے دونوں شکار کی بو قریب سے قریب تر ملتی جارہی تھی۔ وہ ایسی تیزی' تندہی اور جوش وخروش کا مظاہرہ کررہے تھے' جیسے اپنے ٹرینرز سے زنجیریں چھڑا کر کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے شکار پر لپکنا چاہتے ہوں۔ ایسے وقت انہوں نے اپنے اپنے کتے کی زنجیر کو ذرا ڈھیل دی۔ زنجیروں کی لمبائی کو سمیٹ کر رکھا گیا تھا۔ اب وہ انہیں طول دینے لگے۔

ایسے ہی وقت ایک کتے نے جھاڑی کی دوسری طرف چھلانگ لگائی۔ دہشت کے مارے نادر شاہ کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ اچانک ہی سمجھ میں نہیں آیا کہ کتا اس پر کیوں لپک رہا ہے؟ اس کے بعد وہاں کے سناٹے میں اس کی چیخیں گونجتی چلی گئیں۔

منور اس کی چیخیں سنتے ہی چار دیواری سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ ایک حصے دار کی موت کا تماشہ دیکھنے والا تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں ایکدم سے بوکھلا گیا۔ اس کے حلق سے بھی چیخ نکل پڑیں۔

میں چھت پر بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ میرا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ منور کی بھی شامت آگئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ بڑبولے نے انہی کے تعاون سے وہ کتے روانہ کئے تھے اور اب وہ انہی تعاون کرنے والوں کی تکہ بوٹی کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک جھاڑی کے پاس نادر شاہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ خود کو بچانے اور وہاں سے بھاگنے کی کوششیں کررہا تھا مگر کتا زبردست تھا۔ وہ اسے پیروں پر کھڑے ہونے کی مہلت نہیں دے رہا تھا۔ اسے لہولہان کرتا جارہا تھا۔

میں نے دائیں سے بائیں سر گھما کر دیکھا۔ وہ دوسرا کتا بھی منور کو بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا۔ میرے جاں نثار نے فون پر کہا۔ ''سر! آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ بازی کیسے پلٹ گئی ہے؟''

میں نے کہا۔ ''کتوں نے میری طرف رخ نہیں کیا' تب ہی یہ بات سمجھ میں آگئی تھی

کہ منور سچ مچ میرا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہے۔اس نے میری نہیں' نادر شاہ کی اترن بھیجی تھی۔''

''سر! بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایک کتے تک نادر شاہ کی بو پہنچائی گئی تھی۔وہ اس پر جھپٹ رہا ہے۔لیکن منور کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

میری سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ منور کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کتے کا ٹرینر شائد منور کو پہچانتا تھا۔یہ سمجھ رہا تھا کہ کتے تک بو پہنچانے کے سلسلے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔اس لئے وہ بار بار کتے کی زنجیر اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔اسے منور سے دور لے جانا چاہتا تھا۔مگر دور ہونے سے پہلے وہ درندہ جسم کے ایک ایسے حصے سے گوشت نوچ کر لے گیا کہ تکلیف کی شدت سے منور میں تڑپنے کی بھی سکت نہ رہی۔وہ ایکدم سے ساکت ہوگیا۔دیدے پھیل گئے۔پھر آہستہ آہستہ آنکھیں بند ہوگئیں۔وہ بیہوش ہوگیا تھا۔

دوسرا ٹرینر بھی اپنے کتے کو نادر شاہ سے دور کر دینا چاہتا تھا۔مگر وہ اپنے شکار سے ایسے چمٹ گیا تھا' جیسے اس کے اندر گھستا جا رہا ہو۔جب اسے بڑی مشکلوں سے الگ کیا گیا تو اچھی خاصی دیر ہو چکی تھی۔نادر شاہ دم توڑ چکا تھا۔

میرے جاں نثار نے فون پر پوچھا۔''سر! ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

میں نے کہا۔''ہمیں ایسے رہنا چاہئے' جیسے ہم یہاں نہیں ہیں۔''

وہ دو گاڑیاں جو بہت دور ایک جگہ رکی ہوئی تھیں۔اب جائے واردات کی طرف آرہی تھیں۔میں نے اپنے جاں نثار سے کہا۔''شائد سری واستو اپنی کامیابی کا یقین کرنے کے لئے وہاں آرہا ہے۔''

''سر! ایسے دشمن کو تو زندہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔''

میں نے کہا۔''اگر وہ آرہا ہے تو اسے میں ہی پہچانوں گا۔کیونکہ تم میں سے کسی نے اسے کبھی دیکھا نہیں ہے۔''

''آپ نشاندھی کریں گے۔اس کا حلیہ بتائیں گے تو ہم اسے یہاں سے زندہ نہیں جانے دیں گے۔''

''وہ ہمارے ٹارگٹ سے بہت دور ہیں۔سری واستو کو میں بھی زندہ سلامت جانے نہیں دوں گا۔ایسے وقت تم لوگوں کو آہٹ پیدا کئے بغیر انہیں چونکائے بغیر چاروں طرف سے گھیرنا ہوگا۔جب وہ سری واستو شوٹنگ رینج میں آئے گا' تب ہی گولیاں چلائی جائیں گی۔''

اس نے کہا۔''نہر میں پانی گھٹنوں تک ہے۔ہم بڑی آسانی سے چھپتے ہوئے نہر

پار کرلیں گے...وہ دیکھیں! گاڑیاں وہاں پہنچ کر رک گئی ہیں۔''

دوربین نے مجھے ان گاڑیوں کے بہت قریب پہنچا دیا تھا۔ان کے دروازے کھل رہے تھے۔ایک گاڑی کا دروازہ کھلتے ہی بابر بلا دکھائی دیا۔پھر دونوں گاڑیوں کے تمام دروازے کھلتے رہے اور مسلح افراد باہر آتے رہے۔ان میں سری واستو نہیں تھا۔

میں نے فون پر کہا۔''سری واستو نہیں ہے۔وہ بہت ہی چالاک اور مکار ہے۔پڑوسی ملک سے پاسپورٹ کے ذریعے آیا ہے۔یہاں کسی بھی واردات میں ملوث ہو کر اپنی گردن نہیں پھنسانا چاہتا ہوگا۔''

بابر بلا گاڑی سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا جھاڑی کے پاس آیا۔پھر نادر شاہ کی لاش دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ٹرینر کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔''اپنے کتے کو اس کے پاس کیوں لائے تھے؟ یہ ہمارا دشمن نہیں ہے۔یہ تو دشمن کا داماد ہے۔''

وہ بولا۔''میں کتے کو نہیں لایا۔یہ خود ہی اس کی بو سونگھتا ہوا یہاں آیا ہے۔''

''مگر اسے تو عمیر بن غازی کی اترن سونگھائی گئی تھی؟''

''میں نہیں جانتا' وہ کس کی اترن تھی؟ آپ سری واستو صاحب سے معلوم کریں۔''

اسی وقت ایک مسلح شخص نے اسے آواز دی۔''بلے بھائی! یہ تو منور صاحب ہیں۔کتے کو باپ پر حملہ کرنا چاہئے تھا۔اس نے تو بیٹے کو مار ڈالا ہے۔''

بلا دوڑتا ہوا ادھر آنے لگا۔وہ شخص منور کے سینے پر سر رکھ کر دھڑکنیں سن رہا تھا۔بلا منور کے پاس آکر ٹھٹک گیا۔بڑی حیرانی و پریشانی سے بولا۔''یہ کیا ہوگیا ہے؟ ہم کتوں کے ذریعے اس بڈھے تک پہنچنا چاہتے تھے۔اسے زیادہ سے زیادہ زخمی کرتے اور قیدی بنا کر لے جاتے۔مگر یہاں تو ہمارے ہی آدمی مارے گئے ہیں۔''

اس مسلح شخص نے منور کے سینے سے سر اٹھا کر کہا۔''یہ ابھی زندہ ہے۔''

بلے نے چونک کر پوچھا۔''کیا واقعی زندہ ہے؟''

وہ تیزی سے چلتا ہوا منور کے قریب آیا پھر زمین پر گھٹنے ٹیک کر اس کے سینے سے کان لگا کر سننے لگا۔پھر بولا۔''ہاں...ہاں۔یہ زندہ ہے۔اسے فوراً ہوسپٹل لے چلو۔''

وہ زمین پر سے اٹھ کر اپنا فون نکال کر سری واستو کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ایک ٹرینر نے کہا۔''کتوں نے ایک کو مار ڈالا ہے۔دوسرا پتہ نہیں بچ پائے گا یا نہیں؟ ہم نہیں چاہتے قانون کے محافظ آئیں اور کتوں کو ہم سے چھین کر لے جائیں۔''

دوسرے ٹرینرز نے کہا۔ ''ہم انہیں یہاں سے لے جا رہے ہیں۔''

بلے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''رک جاؤ۔ پہلے مجھے بات کرنے دو۔''

اس نے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے بڑبولے کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو بلے! کیا کام ہو گیا؟''

وہ بولا۔ ''نہیں۔ ہمارا کام تمام ہونے والا ہے۔ پتہ نہیں' اس بڈھے نے کس طرح بازی پلٹ دی ہے؟ کہاں چھپا ہوا ہے؟ ہمارے کتے اُدھر نہیں گئے۔ ادھر فارم ہاؤس میں آ کر انہوں نے نادر شاہ کو مار ڈالا ہے اور منور کو اس بری طرح زخمی کیا ہے کہ بچنے کی امید نہیں ہے۔''

وہ شدید حیرانی سے بولا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میرے بھیجے ہوئے کتوں نے میرے ہی دوستوں اور اتحادیوں پر حملہ کیا ہے؟ فوراً معلوم کرو' وہ عمیر بن غازی کی طرف کیوں نہیں گئے؟''

''یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے۔ تم نے اس بڈھے کی اترن حاصل کی تھی۔ تم ہی نے ان ٹرینرز کو اور کتوں کو ہمارے ساتھ یہاں بھیجا ہے۔ اس وقت منور میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ مر جائے گا تو میرے پچیس لاکھ کی پےمنٹ ڈوب جائے گی۔''

''منور میرے لئے بھی اہم ہے۔ میں اسی کے تعاون سے یہاں بہت کچھ حاصل کرنے والا ہوں۔ اسے ہر قیمت پر بچانا ہوگا۔''

اس نے منور کی طرف دیکھا۔ اس کے آدمی اسے اٹھا کر گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔ وہ کسی قدر مایوس ہو کر بولا۔ ''بچنے کی امید نہیں ہے۔ خونخوار کتے نے اس کے نچلے دھڑ کی بہت ساری بوٹیاں نوچ ڈالی ہیں۔ ایسا لگتا ہے' یہ ہوسپٹل پہنچتے تک مر جائے گا۔ پھر بھی ہم کوشش کر رہے ہیں۔''

''بلے! یہ بھی سوچو کہ یہ ہسپتال پہنچے گا تو پولیس اور انٹیلی جنس والے تمہارے آدمیوں کا محاسبہ کریں گے۔ ادھر فارم ہاؤس تک پہنچیں گے۔ کتوں اور ٹرینرز کے ذریعے مجھ تک بھی پہنچنا چاہیں گے۔ تم بڑی بڑی وارداتیں کر کے بچ نکلتے ہو مگر میں پڑوسی ملک سے آیا ہوں۔ میرے گلے میں تو پھندہ پڑ جائے گا۔''

''سری واستو صاحب! ہم دونوں کو خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ مجھے پچیس لاکھ روپے چاہئیں اور تم اس بڈھے کے پوشیدہ خزانے تک پہنچنا چاہتے ہو اور ان دونوں باتوں کے لئے منور غازی بہت ضروری ہے۔''

وہ کتوں کے ٹرینرز سے ذرا دور جاتے ہوئے بولا۔ ''میری ایک بات مانو۔ انٹیلی

جنس والے ضرور یہ معلوم کرلیں گے کہ تربیت یافتہ کتے کہاں سے حاصل کئے گئے ہیں؟ اگر ان کتوں کو اور ان کے ٹرینرز کو ابھی گولی مار دی جائے۔ تو یہ کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ ان کے ذریعے منور اور نادر شاہ پر جان لیوا حملہ کس نے کرایا تھا؟''

''تم درست کہتے ہو۔ یہ کتوں کے ٹرینرز ہی ان کے مالک ہیں۔ یہ ان کے ساتھ ہی مر جائیں گے تو انٹیلی جنس والوں کے لئے معلومات کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ میں یہی کرتا ہوں۔ منور کو ہوسپٹل پہنچانے کے بعد تم سے بات کروں گا۔''

وہ فون بند کر کے ان ٹرینرز کی طرف آتے ہوئے اپنے آدمیوں سے بولا۔ ''ان کتوں کو گولی مار دو۔''

ٹرینرز نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہمارے کتوں کو گولی کیوں مارنا چاہتے ہو؟ جن کی بو سونگھائی گئی' انہوں نے ان کے پاس آ کر اپنا کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں جنہوں نے غلطیاں کی ہیں۔ انہیں گولی مارو۔''

اس کے مسلح آدمیوں نے کتوں کو نشانے پر رکھ لیا تھا۔ بلے نے کوئی جواب دیئے بغیر ہاتھ کا اشارہ کیا۔ تڑاتڑ گولیاں چلیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کتے تڑپ تڑپ کر زمین پر ٹھنڈے پڑ گئے۔

بلے نے اپنے ایک آدمی سے گن لے کر ٹرینرز کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ ''کتوں کو نہیں بتا سکتے تھے کہ انہیں کیوں گولی ماری گئی؟ مگر تم دونوں سن لو۔ تم قانون کے شکنجے میں آؤ گے تو میرا اور سری واستو کا نام اگل دو گے۔ اگلنے سے پہلے ہی موت کی گولیاں نگل لو۔''

اس نے ایک کو گولی ماری۔ دوسرا ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ ''میں ان کتوں کا مالک نہیں ہوں۔ مالک یہ تھا جسے آپ نے گولی ماری ہے۔ میں صرف ایک ٹرینر ہوں۔ ایک ملازم ہوں۔''

وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ مگر دوسری گولی نے اس کی زبان بند کر دی۔ بلے نے گن واپس کرتے ہوئے تمام حواریوں کو حکم دیا۔ ''منور غازی کو فوراً ڈاکٹر ڈھکن کے پاس لے چلو۔ یہ لاشیں یہاں پڑی رہیں گی۔ جب تک کوئی نہیں آئے گا تب تک سڑتی اور گلتی رہیں گی۔ اچھا ہے' یہ ناقابل شناخت ہو جائیں۔''

ہم سب خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بلے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نہر کے دوسری طرف میں موجود ہوں۔ اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ فارم ہاؤس کے

دوسرے حصے میں جا کر چھپے ہوئے مخالفین کو دیکھنا چاہیے۔ اول تو وہ شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ ادھر ہم چھپے ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ منور کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ اس لئے وہ اسے لے کر اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

میری آنکھوں سے لگی ہوئی دور بین نے مجھے جیسے جائے واردات پر پہنچا دیا تھا۔ میں دو کتوں اور تین انسانی لاشوں کو بالکل قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اب وہاں دیکھنے سمجھنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ میرے دوسرے مخالفین کے لئے عبرت ناک سبق بن سکتے تھے۔ ہم انسانوں کا المیہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کے بدترین انجام سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔

نادر شاہ کی لاش سے کچھ فاصلے پر ایک موبائل فون زمین پر پڑا ہوا تھا۔ میں اسے تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا' سوچتا رہا۔ پھر میں نے اپنے جاں نثار سے فون پر کہا۔ ''نادر شاہ کے قریب ایک موبائل فون پڑا ہوا ہے۔ اسے اٹھا کر لے آؤ۔ ان ٹرینرز کی بھی جامہ تلاشی لو۔ جو کچھ برآمد ہوا اسے بھی لے آؤ۔ ان کے ذریعے دشمنوں کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہو سکیں گی۔''

اسی وقت میرے دو جاں نثار نہر پار کرتے ہوئے ان لاشوں کے پاس گئے۔ ان کی جامہ تلاشی لی۔ ایک ٹرینر کی جیب سے بھی موبائل فون برآمد ہوا۔ وہاں سے جو بھی چیزیں ملیں۔ وہ میرے پاس لائی گئیں۔ میرے لئے صرف وہ دو موبائل فون کام کے تھے۔

کتوں کے مالک اور ٹرینر کے فون میں سری واستو کے نام کے ساتھ اس کا کونٹکٹ نمبر سیو تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے فون کے ذریعے رابطہ رکھتے تھے۔ دوسرا موبائل فون نادر کا تھا۔ اس میں بھی واستو کے نام کے ساتھ ایک دوسرا کونٹکٹ نمبر درج تھا۔ یعنی وہ سری واستو بڑ بولا ان دونوں سے مختلف فون نمبرز کے ذریعے رابطہ رکھا کرتا تھا۔

ان دونوں کے فون میں بابر بلے کے کونٹکٹ نمبرز بھی سیو کئے ہوئے تھے۔ میں نے چھت پر سے اتر کر فون کے ذریعے دونوں جاں نثاروں سے کہا۔ ''نادر کی اور کتوں کے مالک کی لاشیں جہاں پڑی ہوئی ہیں۔ وہاں زمین پر ان کے فون نمبرز لکھ کر چلے آؤ۔''

انہوں نے میری ہدایت کے مطابق ایک درخت سے پتلی پتلی دو شاخیں توڑیں۔ پھر ان کے ذریعے ان دونوں کی لاشوں کے قریب مٹی پر ان کے کونٹکٹ نمبرز لکھ دیئے پھر وہاں سے چلے آئے۔

شہر میں آ کر ایک پی سی او کے ذریعے پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو اس واردات کی

اطلاع دی گئی۔ میں اپنی خفیہ رہائش گاہ میں آ کر نتائج کا انتظار کرنے لگا۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی قانون کے محافظ وہاں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے یہ معلومات حاصل کی گئیں کہ اس فارم ہاؤس کا مالک عمیر بن غازی یعنی کہ میں ہوں۔ آٹھ ماہ پہلے جب مجھے پہلی بار اغواء کیا گیا تھا' تب ہی میرے وکیل نے ایف آئی آر درج کرائی تھی اور میری بازیابی کے لئے قانونی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔

پھر دوسری بار بھی میرے اغواء ہو جانے کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔ میں قانون کی نظروں مظلوم تھا۔ مجھے تلاش کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا اس فارم ہاؤس میں جو واردات ہوئی تھی' اس سلسلے میں کسی طور بھی میرے خلاف شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہاں پہنچنے والوں نے سب سے پہلے زمین پر لکھے ہوئے کونٹکٹ نمبرز پڑھے۔ ایک پولیس افسر نے چونک کر کہا۔ ''یہ تو بابر بلے کا نمبر ہے۔''

وہ زمین پر لکھے ہوئے نمبروں کو نوٹ کرنے لگے۔ انٹیلی جنس کے ایک افسر نے سری واستو کے نمبر نوٹ کرتے ہوئے زیر لب کہا۔ ''یہ نمبر کس کا ہو سکتا ہے؟''

میں نے وہاں چارہ ڈال دیا تھا۔ رابطہ کرنے پر انہیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ بلے نے سوچا تھا کہ بڑی رازداری سے منور کا علاج کرائے گا۔ کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ فارم ہاؤس میں کتوں نے منور پر بھی جان لیوا حملہ کیا تھا۔ اس بات کو پوری طرح راز میں رکھنے کے لئے وہ منور کو ڈاکٹر ڈھکن کے پاس لے آیا تھا۔

ڈاکٹر داؤد ایک بوڑھا اور تجربہ کار ڈاکٹر تھا۔ وہ ہمارے ملک کے ایک کرپٹ سیاستدان شوکت شاہنواز کا مجرمانہ ذہن رکھنے والا ڈاکٹر تھا۔ شوکت شاہنواز کے جرائم اور شرمناک گناہوں کو بڑی کامیابی سے چھپا لیتا تھا۔ اس لئے اسے ڈاکٹر ڈھکن کہا جاتا تھا۔

وہ سیاستداں دولت' طاقت' ناجائز اختیارات اور بے لگام ذرائع سے خوب کھیلتا رہتا تھا۔ اس کھیل میں بابر بلا اس کا دست راست تھا۔ چونکہ شوکت شاہنواز کا تعلق حکمران پارٹی سے تھا۔ اس لئے پولیس والے کسی بھی واردات کے سلسلے میں بابر کے خلاف فوراً ہی کارروائی نہیں کرتے تھے۔ یوں بلے کو شوکت کی سرپرستی اور ڈاکٹر ڈھکن کے تعاون کے باعث اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کا موقع ملتا رہتا تھا۔

ڈاکٹر نے منور کو دیکھ کر پریشانی سے کہا۔ ''کتے نے تو اس کی آدھی سے زیادہ جان نکال لی ہے۔ یہ دم توڑ رہا ہے۔ میں شائد اسے بچا نہیں پاؤں گا۔''

بلے کو اپنے پچیس لاکھ روپے کی فکر تھی۔ اس نے کہا۔ ''اسے کسی طرح بچاؤ۔ یہ بہت دولت مند ہے۔ اگر تمہاری کوششوں سے زندگی کی طرف لوٹ آئے گا تو تمہیں لاکھوں روپے انعام کے طور پر دے گا۔''

''تم کہتے ہو تو یقین کر لیتا ہوں کہ مجھے لاکھوں روپے ملیں گے۔ مگر یہ بہت ہی مشکلات میں ڈالنے والا پولیس کیس ہے۔''

''پولیس والوں تک بات نہیں پہنچے گی اور پہنچ بھی گئی تو شوکت صاحب سنبھال لیں گے۔ میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔ تم اسے بچانے کی جی جان سے کوششیں کرو۔''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''کیا بتاؤں؟ تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اس خونخوار کتے نے ایسی تکہ بوٹی کی ہے کہ یہ بچ بھی گیا تو آئندہ خسرہ بن کر رہے گا۔''

بلے کو یاد آیا کتوں کے مالک اور ٹرینر کے پاس دو اترنیں بھیجی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک کاٹن کا کرتا تھا اور دوسرا انڈرویئر تھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ کرتا نادر شاہ کا تھا۔ کتے نے اس کے بدن کے اوپری حصوں کو جھنجھوڑا اور کاٹا تھا۔

بلے نے منور کی طرف دیکھا۔ وہ آپریشن بیڈ پر اپنے لہو میں ڈوبا ہوا تھا۔ واردات کے وقت جو انڈرویئر اس کے بدن پر تھا۔ اب وہ بھی نہیں رہا تھا۔ کتے نے بڑا ظلم کیا تھا۔ خود مرنے سے پہلے اسے کھوکھلا کر گیا تھا۔

ڈاکٹر اور اس کے معاون منور کو بچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ بلے نے آپریشن تھیٹر سے باہر آ کر شوکت شاہنواز سے رابطہ کیا۔ اس کی آواز سن کر بولا۔ ''جناب عالی! ایک سنگین معاملے سے دوچار ہو رہا ہوں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ پولیس والوں کو اس معاملے کی بھنک بھی نہ ملے۔ پھر بھی توقع کے خلاف بات بگڑ سکتی ہے۔''

شوکت نے پوچھا۔ ''بات کیا ہے؟''

''وہی منور غازی والا معاملہ ہے۔''

''میں نے کئی بار سمجھایا ہے' صرف میرے معاملات سے نمٹا کرو۔ باہر کے کسی معاملے نہ پڑا کرو۔''

''جناب عالی! آپ جانتے ہیں' میں صرف آپ ہی کا نمک خوار ہوں۔ آپ کے معاملات سنبھالتا ہوں۔ مگر منور میرے بچپن کا ساتھی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا اور آپ نے اجازت دی تھی کہ میں صرف اس کا کام کر سکتا ہوں۔''

''میں نے تقریباً آٹھ یا دس ماہ پہلے اجازت دی تھی۔ آخر اس کا مسئلہ کیا ہے' جس میں تم اب تک الجھے ہوئے ہو؟''

''منور نے کہا تھا' خاندانی جھگڑے ہیں۔ باپ سے اختلافات ہیں۔ بوڑھے باپ نے کہیں دولت چھپا کر رکھی ہے۔ وہ اسے نکلوانا چاہتا ہے۔''

شوکت نے بڑے فخر سے کہا۔ ''ہم اربوں روپے قومی خزانے سے نکال کر لے جاتے ہیں۔ اپنی حکومت کی مدت پوری ہونے کا انتظار نہیں کرتے۔ منور کے باپ کے پاس آخر کتنی دولت ہوگی' جسے حاصل کرنے میں اتنا وقت لگ رہا ہے؟''

''جناب عالی! آپ سنیں گے تو یقین نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بہت بڑا راز کل ہی معلوم ہوا ہے۔ اس کے باپ نے چالیس من سونا اور ہیرے جواہرات کہیں چھپا کر رکھے ہیں۔''

''کیا....؟'' شوکت شاہنواز شدید حیرانی سے تقریباً چیخ پڑا۔ ''کیا تم چالیس من کہہ رہے ہو؟ وہ بھی سونا....؟ اگر کوئی کہہ دے کہ ہمارے ملک میں کسی کے پاس چار من سونا ہے تو یہ بھی قصے کہانی والی بات ہوگی اور تم چالیس من کہہ رہے ہو؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پہلے مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ پھر منور نے اصل بات بتائی۔ اس کا باپ بظاہر سونے کا بہت بڑا بیوپاری ہے۔ مگر اس کا کاروبار درپردہ اسمگلنگ کے ذریعے پنپ رہا ہے۔''

''اس کا نام کیا ہے؟''

''وہ ستر برس کا بوڑھا ہے۔ اس کا نام عمیر بن غازی ہے۔''

شوکت نے کہا۔ ''ہوں۔ میں نے یہ نام دبئی اور طرابلس میں سنا ہے۔ وہاں سی آئی اے کے ایک اعلیٰ افسر سے اسمگلروں کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ شاید اسے بڑی بڑی خفیہ ایجنسیوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں کے خلاف ٹھوس ثبوت نہ ہونے کے باعث وہ قانونی گرفت سے بچتا رہتا ہے۔''

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ''ہوں۔ پھر تو یقین کر لینا چاہئے کہ اس نے منوں کے حساب سے کہیں سونا چھپا کر رکھا ہوگا۔ تم نے اتنی بڑی بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟''

''جناب عالی! کہہ تو رہا ہوں' مجھے بھی کل ہی یہ اندر کی بات معلوم ہوئی ہے۔''

''بلے! تم بدمعاشوں والے ہتھکنڈے خوب جانتے ہو۔ مگر تمہارے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو تم بیٹے کے بجائے باپ کا ساتھ دیتے۔ اسے تحفظ

فراہم کرتے۔اس کا اعتماد حاصل کرتے۔''

''جناب عالی! وہ بڈھا بہت ہی چالاک اور مکار ہے۔اس کے بیٹے بھی بہت مکار ہیں۔ باپ کے پیچھے چرخی کی طرح گھومتے اور دوڑتے رہتے ہیں۔مگر اس کے خلاف کوئی سازش کام نہیں آرہی ہے۔''

''سازشیں کس طرح کی جاتی ہیں اور کس طرح اپوزیشن پارٹی کو اپنے سامنے جھکایا جاتا ہے؟ یہ صرف ہم سیاستدان ہی جانتے ہیں۔میں تو اس خزانے والے کے سر پر سوار ہوجاؤں گا۔ مجھے بتاؤ' اب تک اس کے ساتھ کیا ہوتا رہا اور اب کیا ہو رہا ہے؟''

وہ اسے ہمارے بارے میں پوری تفصیل بتانے لگا۔وہ توجہ سے سنتا رہا۔پھر حیرانی سے بولا۔''تم کہتے ہو' وہ بہت بیمار اور کمزور تھا۔ ہلنے جلنے کے بھی قابل نہیں تھا۔پھر اچانک کیسے چلنے پھرنے لگا ہے؟ جس ویرانے میں تمہارے آدمیوں کی لاشیں گری ہوئی تھیں۔وہ وہاں سے زندہ سلامت نیاز بیگ ٹھوکر پہنچ گیا۔اب کہتے ہو کہ وہ لاہور میں ہے۔کیا وہ کوئی جادوئی کمال دکھا رہا ہے؟ اچانک ہی قد آور باڈی بلڈر یا پہلوان بن گیا ہے؟''

''نہیں۔سنا ہے' وہ اب بھی اسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔زمین پر لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے۔''

''اور تمہارے جیسے شہزوروں کو مات دے رہا ہے۔کیا یہ یقین کرنے والی بات ہے؟ اور اگر یقین کر بھی لیا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ جادو جانتا ہے۔اس نے کسی جادوئی حربے سے ہی اپنی طرف آنے والے کتوں کا رخ منور اور اس کے سالے کی طرف پھیر دیا تھا۔''

چلے نے کہا۔''یہ بات میرے دماغ میں بھی آئی تھی کہ وہ جادو جانتا ہوگا۔مگر نہیں جناب عالی! میں نے اس کے بارے میں معلوم کیا ہے۔اس کے بیٹے بھی کہتے ہیں' وہ نہ تو جادو جانتا ہے۔نہ کسی سے جادو کراتا ہے۔اس کی کھوپڑی میں شیطانی دماغ ہے۔ایسی چالیں چلتا ہے کہ حالات کا رخ بدل کر رکھ دیتا ہے۔''

''حالات کا رخ بدلنا ممکن ہے۔لیکن یہ ناممکن ہے کہ بیمار اور کمزور اچانک ہی شہزور بن جائے اور خونخوار کتوں کا رخ اس کی طرف سے پھر جائے۔ مجھے اس کا پتہ اور فون نمبر بتاؤ۔تم جلد ہی دیکھو گے کہ جادو ٹونا کرنے والے شیطان بھی سیاستدانوں کے آگے کس طرح گھٹنے ٹیک دیتے ہیں؟''

اس نے لاہور کی ایک رہائش گاہ کا پتہ بتاتے ہوئے کہا۔''اس کی وہ محل نما کوٹھی کئی

ماہ سے ویران پڑی ہوئی ہے۔اس کے بیٹوں کو اور بیٹوں کی اولاد کو بھی وہاں جا کر رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ہمارے ہاتھوں سے نکل کر جانے کے بعد پتہ نہیں وہ کہاں روپوش ہو گیا ہے؟ مگر لاہور میں ہی ہے۔''

شوکت نے رابطہ ختم کردیا۔فون بند کرکے خلا میں تکنے لگا۔ان لمحات میں آنکھوں کے سامنے چالیس من سونا اور ہیرے جواہرات گردش کررہے تھے۔''اوہ گاڈ....! وہ خزانہ کتنا ہوگا؟ اگر زمین کے اندر دبا کر رکھا ہے تو کتنی دور تک پھیلا ہوگا؟ کیا وہ اینٹوں کی شکل میں ہوگا یا اس کے بسکٹ بنا کر رکھے گئے ہوں گے؟''

اس نے ایک گہری سانس لے کر سوچا۔''اتنا بڑا خزانہ....! اس نے کہاں چھپایا ہوگا؟ اتنی دولت کمانے والا اناڑی نہیں ہوسکتا۔اس نے احمقانہ انداز میں زمین کھود کر تو نہیں دبایا ہوگا۔کس جدید تکنیک کے ذریعے اس سونے کے حصول کو بہت ہی پیچیدہ بنا دیا ہوگا....اُونہہ۔تو کیا ہوا؟ جدید تکنیک جیسی بھی ہوتی ہے۔سیاست سے زیادہ پیچیدہ نہیں ہوتی۔''

اس نے آنکھوں کے سامنے اپنی ہتھیلی کو پھیلایا۔خوش نصیبی کی لکیر کو دیکھتے ہوئے زیر لب کہا۔''عمیر بن غازی! دنیا کے کسی بھی بوڑھے اور بیمار کا وزن چالیس من نہیں ہوتا۔مجھ جیسا صحت مند بوڑھا ہی تجھے وزن کے پلڑے سے نیچے گرائے گا۔''

میں نے اپنی تمام اولاد کے دماغ میں یہ بات نقش کی تھی کہ میرا کوئی ایک ہی وارث ہوگا۔ایک سے زیادہ حصے دار نہیں ہوں گے۔پہلے میری بیٹی نوشین اور دو داماد گئے۔ان کے بعد چوتھا حصے دار نادر شاہ بھی رخصت ہوگیا۔ادھر حصے دار کم ہو رہے تھے۔اُدھر اضافہ ہو رہا تھا۔پڑوسی ملک سے سری واستو بڑبولا آیا تھا اور اب ایک سیاستداں حصہ دار بننے کے لئے پر تول رہا تھا۔

☆☆☆

میں اپنی خفیہ رہائش گاہ میں تھا۔فارم ہاؤس سے واپس آنے کے بعد بیڈ پر لیٹا ہوا تھکاوٹ محسوس کررہا تھا۔ایسے وقت یہ بات ذہن میں آتی تھی کہ جب میں اچھی خاصی توانائی حاصل کرچکا ہوں تو تھکن کیوں محسوس ہوتی ہے؟

کیا میرے اندر وہ توانائی نہیں ہے' جو نوجوانوں کو حاصل ہوتی ہے؟ میرے یقین کے مطابق قدرت مجھ پر مہربان ہو رہی تھی۔مجھے بڑھاپے کے کھنڈر سے نکال کر جوانی کی طرف قدم قدم چلا رہی تھی۔پچھلے دو دنوں سے اس کا عملی ثبوت بھی مل رہا تھا۔

مجھے دو روز پہلے اغواء کر کے جہاں پہنچایا گیا تھا۔ وہاں میری خاطر خون خرابہ ہوا تھا۔ میرے چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں کمزوری کے باعث اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہاں سے اٹھ کر اپنے شہر آ گیا تھا۔

اتنی توانائی آ گئی تھی کہ اپنوں اور بیگانوں سے فون پر باتیں کرتا رہا تھا اور ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔ راوی پار جا کر بیٹے کے زخمی ہونے اور داماد کے مرنے کا تماشہ دیکھ چکا تھا۔ مجھ جیسے ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آنے والے بوڑھے کے اندر اتنی توانائی کبھی پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ مگر ہو چکی تھی اور اب فارم ہاؤس سے واپس آنے کے بعد میں پھر بستر پر گر پڑا تھا۔ کچھ زیادہ ہی کمزوری اور تھکن محسوس کر رہا تھا۔

فی الحال یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ مجھے بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر قدرت مجھ پر مہربان ہو رہی ہے اور میں بڑھاپے کی کمزوریوں سے نکل رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یکبارگی جوان ہو کر سپر مین بن جاؤں گا۔ مجھے صبر و تحمل سے اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہئے۔

اس بڑی سی کوٹھی میں ایک بھی ملازم نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اس خفیہ پناہ گاہ کا راز دار بن جاتا اور میں کسی پر بھروسہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

میرے جاں نثار دور ہی دور سے میری نگرانی کرتے تھے۔ کوئی کوٹھی کے قریب نہیں آتا تھا۔ میں اس چار دیواری میں رہ کر اپنے لئے کھانا پکاتا تھا۔ دن رات خود کو آزماتا تھا کہ اپنے بل پر زندگی گزارنے کے لئے کس حد تک توانائی حاصل ہوتی جا رہی ہے؟

حیرانی کی بات تھی کہ بڑے بڑے کام کرنے کے دوران تھکتا نہیں تھا۔ مگر گھر کا کام کرتے کرتے بیٹھ جاتا تھا۔ اس وقت بڑھاپے کا احساس ہوتا تھا۔ ایک ذرا مایوسی ہوتی تھی اور خدا یاد آتا تھا۔

مگر میں شہزوری اور کمزوری کے درمیان تھا تو کوئی بات نہیں۔ اچھے اچھے صحت مند بیمار پڑ جاتے ہیں۔ کمزور ہو جاتے ہیں اور جو کمزور اور قابل علاج ہوتے ہیں۔ وہ صحت مند ہو کر اچھے خاصے طاقتور بن جاتے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ میری رہی سہی کمزوریاں بھی دور ہو جائیں گی۔

دراصل میرا مسئلہ کمزوری اور شہزوری کا نہیں۔ جوانی اور بڑھاپے کا تھا۔ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتا تھا' کیا میرے خوابوں کی تعبیر مجھے مل رہی ہے؟ کیا جوانی کی طرف واپس آنے والی دعائیں قبول ہو رہی ہیں؟

میں نے لاوہ اسٹون کو اپنے گلے سے اتار کر دیکھا۔ وہ چاندی کی انگوٹھی میں جڑا ہوا تھا۔ میرا مقدر تھا۔ مجھے حوصلہ دیتا تھا مگر میری انگلی میں نہیں آتا تھا۔ اس کی دوری کہتی تھی' منزل ابھی دور ہے۔

میں نے ہاتھوں کو اور انگلیوں کو چھو کر دیکھا۔ وہ انگوٹھی کسی بھی انگلی میں جاتی تھی پھر آسانی سے نکل آتی تھی۔ میں نے اسے ایک انگوٹھے میں پہنا تو وہاں ذرا سی پھنس گئی۔ اسے نکالا جاتا تو وہ نکلتی۔ ورنہ وہیں رہتی۔ میں خوش ہو گیا۔ پہلے وہ انگوٹھے سے بھی نکل آتی تھی۔ اب وہاں رہ کر کہہ رہی تھی۔ ''مبارک ہو۔ یہ بدن ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں رہے گا۔ رفتہ رفتہ گوشت بھرنے والا ہے۔''

میرے اندر ایک نیا حوصلہ' نئی مسرتیں پیدا ہوئیں۔ میں انگڑائی لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سرہانے رکھے ہوئے عصا کو اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسے بڑے جذبے سے دیکھتے ہوئے چوم لیا۔ وہ عصا اور وہ لاوہ اسٹون دونوں ہی میرے حواس پر چھائے ہوئے تھے۔ انہیں اپنے وجود سے لگا کر کسی شک و شبے کے بغیر کہہ سکتا تھا کہ قدرت مجھ پر مہربان ہو رہی ہے۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے فرش پر ٹیکتا ہوا قد آدم آئینے کے سامنے آ گیا۔ وہاں سینہ تان کر خود کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔ کسی کمزور کو طاقت مل رہی ہو۔ کسی کے بڑھاپے میں جوانی چھپ چھپ کر آ رہی ہو تو اس کی مسرتوں کا اندازہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

تھوڑی دیر پہلے تھکاوٹ اور کمزوری کا جو احساس تھا' وہ کافور ہو چکا تھا۔ میں نے عصا کو ایک طرف رکھ کر دونوں ہاتھ پھیلائے۔ پہلے آگے کی طرف جھکا پھر پیچھے کی طرف جس حد تک جھک سکتا تھا۔ جھکتا گیا۔ پھر دائیں بائیں کمر کی طرف خم کھانے کے بعد سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرے اندر ایک امنگ سی پیدا ہو رہی تھی۔ ایک ترنگ سی اٹھ رہی تھی۔ ان لمحات میں پر ہوتے تو پرواز کرنے لگتا۔

میں دونوں پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ جاگنگ کرتا ہوا کمرے میں ادھر سے اُدھر جانے لگا۔ اس عمل سے یہ یقین ہو رہا تھا کہ تھکاوٹ اور کمزوری ہوتی ہے۔ اگر میں پورے یقین سے اور اعتماد سے ورزش کرتا رہوں اور توانائی بخش غذائیں کھاتا رہوں تو جلد ہی ہڈیوں پر گوشت چڑھنے لگے گا۔ بدن بھرنے لگے گا۔ میں صحت مند نظر آنے لگوں گا۔ آئینے کے سامنے دیکھوں گا تو بڑھاپا منہ چھپا لے گا اور جوانی سر سے پاؤں تک اپنا آسن جما لے گی۔

میں جاگنگ کرتے کرتے رک گیا۔ میرے فون کا بزر پکار رہا تھا۔ میں نے قریب

آ کر فون کو اٹھایا۔ ننھی سی اسکرین پر مرینہ کا نام اور نمبر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ ''ہاں۔ بولو.....؟''

وہ بڑی محبت اور عقیدت سے بولی۔ ''آپ بہت ہی عظیم انسان ہیں۔ میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ مگر آپ کا ایک آدمی جو میری نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے فون کرنے سے منع کیا تھا۔ کہہ رہا تھا' آپ اپنے اہم معاملات میں مصروف ہیں۔''

''اس نے درست کہا تھا۔ اب باتیں کر سکتی ہو۔ مگر شکریہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔''

''آپ کے سلسلے میں جو حیرانی ہے' اسے دور کرنا چاہتی ہوں۔''

''کس بات کی حیرانی ہے؟''

''یہی کہ آپ مجھے جانتے نہیں ہیں' پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور پہلی ہی ملاقات میں' میں نے آپ سے دشمنی کرنی چاہی مگر آپ نے جواباً ایسا نہیں کیا۔''

''ہمارے رسولؐ اپنے راستے میں کانٹے بچھانے والوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ میں ایک گناہگار بندہ ہوں۔ پتہ نہیں' اب تک کتنی غلطیاں کرتا آیا ہوں؟ مگر جب بھی میرے اندر ایمان جاگتا ہے تو میں اپنے رسول کریمؐ کے نقش قدم پر چلنے کی کوششیں کرتا ہوں۔''

''ابھی میں اپنے ماں باپ' بھائی بہنوں کے ساتھ اپنے گھر میں ہوں۔ آپ کی طرف سے جو پچاس ہزار روپے کی گڈی بھیجی گئی ہے۔ وہ اس وقت میرے ایک ہاتھ میں ہے۔ میں اس بوجھ تلے دب گئی ہوں۔''

''اسے بوجھ نہ سمجھو۔''

''جب تک وضاحت نہیں ہوگی۔ اسے بوجھ ہی سمجھوں گی۔''

''کیسی وضاحت چاہتی ہو؟''

''معلوم کرنا چاہتی ہوں آپ اتنا احسان کیوں کر رہے ہیں؟ میری دشمنی کے باوجود آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں یہ پچاس ہزار روپے بھی دیئے۔ آپ کے آدمی نے کہا ہے' جب تک مجھے میڈم کلاونتی سے نجات نہیں ملے گی' تب تک اتنی ہی رقم ہر ماہ ملتی رہے گی۔''

اس نے درست کہا ہے۔''

''پھر تو مجھ میں ضرور کوئی ایسی بات ہے' جس کے پیش نظر آپ مجھ پر اتنے

احسانات کر رہے ہیں۔''

''تم نے میرا بہت بڑا کام کیا ہے۔ میڈم کلاونتی کے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ تمہارے ذریعے اپنے ایک دشمن سری واستو کے قریب پہنچ رہا ہوں.....کیا یہ وضاحت کافی ہے؟''

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ ''کافی نہیں ہیں۔ آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔''

''میں نے تو اپنی دانست میں سب کچھ کہہ دیا ہے۔ اگر تم کہتی ہو کہ کچھ چھپا رہا ہوں تو پھر یہ تم ہی جانتی ہوگی۔ مجھے بتاؤ' میرے متعلق کیا شبہ ہے؟ میں کیا چھپا رہا ہوں؟''

میں نے فون پر ایک گہری سانس چھوڑنے کی آواز سنی۔ اس نے کہا۔ ''میں پورے اٹھارہ برس کی ہوں۔''

یک لخت مجھے یوں لگا۔ جیسے وہ میری گمشدہ جوانی کو للکار رہی ہو یا شائد واپس آنے والی جوانی کو اشارے سے اپنی طرف بلا رہی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے مجھے دیکھا ہے۔ میں بھرپور جوان ہوں۔ کہیں سے کوئی کمی نہیں ہے۔ اگرچہ حسینائے عالم نہیں ہوں مگر کسی سے کم بھی نہیں ہوں۔''

''ٹھک ٹھک....'' وہ آنے والی دستک دے رہی تھی۔ ''دھک دھک...'' میرے دل کی دھڑکنیں بج رہی تھیں۔ ان لمحات میں پتہ نہیں عمر کے کس مرحلے سے گزر رہا تھا۔ کیا میں بوڑھا تھا؟ یا چھپے ہوئے شباب کا چور ارادہ میرے اندر دھڑک رہا تھا....؟

پچھلے روز جب میں نے اسے دیکھا تھا اور وہ جب تک میرے ساتھ رہی تھی' تب تک میرے دل میں اس کے لئے کوئی چور جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ شائد اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مجھ میں رفتہ رفتہ تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''وہی جو آپ سمجھ رہے ہیں اور انجان بن رہے ہیں۔ ویسے بھی ضروری نہیں ہے کہ گاہک اپنی زبان سے بولے۔ وہ تو جو قیمت ہوتی ہے' اسے چپ چاپ ہتھیلی پر رکھ دیتا ہے۔''

میں نے غصے سے کہا۔ ''یو شٹ اپ۔ مجھ سے بازاری زبان بولوگی تو فون بند کر دوں گا۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''پلیز ایسا نہ کریں۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ میری قیمت ادا کر رہے ہیں۔ میں صاف الفاظ میں کہتی ہوں کہ آپ ہر طرح سے تحفظ فراہم کر کے مجھے اپنے لئے رکھنا چاہتے ہیں۔''

میں نے گھوم کر آئینے کی طرف دیکھا۔ میرے سامنے ایک بوڑھا ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آرہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟ کیا تم نے دیکھا نہیں' میں کس قدر بوڑھا ہوں؟ عمر میں تم سے چار گنا زیادہ ہوں؟''

اچانک وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''آپ بوڑھے ہیں؟ میرے ایک ہاتھ میں پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔ آپ نے کلائی مروڑی نہیں تھی۔ صرف پکڑی تھی۔ اگر بوڑھے ایسے ہوتے ہیں تو دل والیاں لاکھوں نوجوانوں کو ٹھکرا کر آپ جیسے بوڑھوں کو اپنا آئیڈیل بنایا کریں گی... آپ کل سے میرے دل ودماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔''

وہ ذرا توقف سے بولی۔ ''بڑھاپا سمندر کا جھاگ ہوتا ہے۔ ایک ذرا ابھرتا ہے۔ پھر ساحلی ریت میں جذب ہو کر ہمیشہ کے لئے نابود ہو جاتا ہے۔ میں اپنی یہ کلائی فضا میں بلند کرتے ہوئے ساری دنیا سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ بوڑھے نہیں ہیں۔''

میں نے آئینے کے پاس رکھے ہوئے عصا کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ذرا ٹھہرو۔ میں ابھی بولوں گا۔''

میں نے آگے بڑھ کر عصا کو تھام لیا۔ اسے زمین پر ٹیک کر آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ عصا کا مطلب ہے' سہارا... جب کوئی کمزور گرنے لگے تو یہ سہارا دیتا ہے۔ قدم ڈگمگاتے ہوں تو یہ گرتے وقت توازن پیدا کرتا ہے۔

اُس کا ایک سرا فرش پر تھا۔ میں نے دوسرے کو اپنی پیشانی سے لگا لیا۔ آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے جوانی میں بڑی رنگ رلیاں منائی تھیں۔ مگر اب مجھے سنبھلنا تھا۔ تہذیب اور شرم وحیا کے تقاضے پورے کرنے تھے اور میں سنبھلنے کے لئے سہارا لے رہا تھا۔ وہ عصا میری پیشانی سے لگا ہوا تھا۔

فون میرے کان سے لگا ہوا تھا۔ اس کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو...! میں انتظار کر رہی ہوں۔''

میرے ہونٹ کھلے۔ زبان گویا ہوئی میں نے دانستہ کچھ سوچے سمجھے بغیر بے اختیار کہا۔ ''مرینہ! میڈم کلاونتی نے مجھ سے تعلق رکھنے والی آڈیو کیسٹ اور ویڈیو فلم تمہارے پاس بھیجی تھی۔ تاکہ تم مجھے ٹریپ کرسکو۔ تم نے ویڈیو فلم میں مجھے دیکھا تھا۔ میری باتیں سنی تھیں۔ تمہیں معلوم ہوا کہ میں بے انتہا دولت مند ہوں اور تم دولت مند بننے کے خواب دیکھتی آئی ہو۔''

وہ بولی۔ ''ہاں۔ سب ہی لوگ مال وزر کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ وہ نہ ملے تو خواب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔''

''اور تم مجھے اپنے خواب کی تعبیر بنانا چاہتی ہو؟''

''میری یہ چاہت' یہ خواہش غلط تو نہیں ہے؟''

''تمہاری سوچ غلط ہے۔ کل تم نے ایک بوڑھے ہڈیوں کے ڈھانچے کو دیکھ کر حساب لگایا ہے کہ یہ بوڑھا زیادہ دنوں تک جی نہیں پائے گا۔ تم پہلے بیوی بنوگی پھر مالدار بیوہ بن کر عیش کروگی۔''

''یہ جھوٹ ہے۔ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ ''تم مانو یا نہ مانو۔ جو سچ ہے' میں نے وہ کہہ دیا۔ میرا فیصلہ ہے' دو ماہ کے اندر کسی شریف آدمی کو اپنا لائف پارٹنر بنالو۔ میں شادی کے دن تمہیں دس لاکھ روپے دوں گا۔ اس سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کروگی تو لالچ میں ماری جاؤ گی۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ ''میں کچھ نہیں سنوں گا۔ اگلے دو مہینوں میں اپنی زندگی سنوار لو۔ اپنے فون سے میرا نمبر مٹادو۔ کبھی بھول سے بھی کال نہ کرنا۔ تمہاری شادی کے دن میں خود تمہیں مبارکباد دینے کے لئے فون کروں گا۔''

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ فون کو ایک طرف رکھ کر عصا کو دیکھا۔ میرے اعتقاد نے کہا۔ ''بیشک۔ اس نے سہارا دیا ہے۔ مجھے بہکنے اور فریب کھانے سے بچایا ہے۔ ویسے اگر اس کی کرامات سے انکار کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ میرا بڑھاپا مرینہ کی غضب ناک جوانی سے ڈر گیا تھا۔''

مجھ جیسے بوڑھے دولت مند جوان عورتوں کو خرید کر صرف چھونے اور پالینے کی ہوس پوری کرتے ہیں۔ ساون بھادوں کی طرح برس نہیں پاتے۔ رال ٹپکا کر رہ جاتے ہیں۔ میں ماضی میں ایسی ناکام عیاشیاں کرچکا تھا۔

لیکن اب تو میں بوڑھا نہیں تھا۔ نہ بیمار تھا' نہ کمزور تھا۔ اپنے اندر اچھی خاصی توانائی پا رہا تھا۔ پھر مرینہ سے کیوں کترا رہا تھا؟

ایک ہی بات سمجھ میں آرہی تھی۔ اگر جوانی مل رہی ہے تو بہکنے کے لئے نہیں' پھونک پھونک کر قدم رکھنے اور نت نئے تجربات سے گزرنے کے لئے مل رہی ہے۔

حقیقتاً یہ بے چینی تھی کہ جوانی مل رہی ہے یا نہیں...؟

ابھی یہ محض خیال تھا۔مصدقہ حقیقت نہیں تھی۔ عارضی طور پر توانائی ملنا اور بات ہے۔دوبارہ جوانی کی طرف لوٹ آنا اور بات ہے۔

میں عصا کو تھامے بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔اندر سے تڑپ رہا تھا۔ایک صحت مند جوانی کی طرف لوٹنے کے لئے بے قرار تھا۔ابھی ایک جوان عورت نے پکارا تو میرے قدم رک گئے تھے۔مجھے اس کی سمت بڑھنا تھا مگر میں تھم گیا تھا۔کیوں....؟

کیا صرف میرے ارادوں میں جوانی تھی؟ بڑھاپے میں توانائی نہیں تھی....؟ کیا اسی لئے قدم رک گئے تھے؟

میں بیڈ پر چاروں شانے چت لیٹ گیا۔عصا کو اپنے اوپر سر سے پاؤں تک رکھ لیا۔اسے پیشانی سے لگا لیا۔ ایسے وقت آہستہ آہستہ سر گھوم رہا تھا۔میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ نیند آ رہی تھی یا پہلے کی طرح بڑھاپا اور کمزوری غالب آ رہی تھی؟

پھر میں نہیں جانتا' کب اور کیسے خود سے غافل ہو گیا؟ یہ کہہ سکتا ہوں کہ غائب دماغ ہو گیا تھا۔اس دنیا میں موجود ہوں یا نہیں' یہ نہیں جان سکتا تھا۔

میرے اطراف جو گہری تاریکی تھی۔وہ رفتہ رفتہ چھٹ رہی تھی۔ایک نورانی منظر طلوع ہو رہا تھا اور میں خود کو ایک وسیع و عریض سر سبز میدان میں دیکھ رہا تھا۔پتہ نہیں وہ کون سی جگہ تھی؟ فرحت بخش ہواؤں میں رچی ہوئی خوشبو دل و دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا' جیسے جنت الفردوس میں پہنچ گیا ہوں۔

وہ ایسا ہی کوئی مقام تھا۔انتہائی حسین و جمیل حوریں جھلک دکھاتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ان کے ایک شانے پر زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔دوسرے شانے پر شراب طہورہ کی صراحی تھی۔وہ ہاتھوں میں جام لئے پیاسوں کو پلا رہی تھیں اور عابدوں کے لئے مصلے بچھا رہی تھیں۔حد نظر تک بیشمار عبادت گزار دکھائی دے رہے تھے۔کوئی نماز ادا کر رہا تھا۔کوئی تلاوت کر رہا تھا اور کوئی تسبیح خوانی میں مصروف تھا۔

میں ایک جگہ دو زانو ہو کر سر جھکائے بیٹھا تھا۔میرے آس پاس سے گزرنے والے سفید لباسوں میں تھے۔وہ میرے قریب ایک ذرا رکتے تھے۔ کچھ کہتے تھے پھر آگے نکل جاتے تھے۔ایک نے پوچھا۔''یہ کون ہے؟''

دوسرے نے کہا۔''ایک بوڑھا ہے۔''

''مگر یہ بوڑھا نہیں لگتا...''

''ہاں۔ابھی بڑھاپے اور جوانی کے سنگم پر ہے۔''

وہ بولنے والے گزرتے جا رہے تھے۔ان کے بعد دوسرے آ کر بولتے جا رہے تھے۔ایک نے کہا۔''اس گناہ گار نے جو بویا ہے' وہ کاٹے گا تو بوڑھا ہی رہے گا۔''

دوسرے نے کہا۔''بوڑھا نہیں رہے گا۔اس نے ایسی نیکیاں بھی کی ہیں' جن کا انعام اسے دنیا میں ہی ملے گا۔''

ایک اور نے کہا۔''ہاں۔دیکھو۔!دھیمی دھیمی سی جوانی جھلک رہی ہے۔شائد آگے جا کر انعام پانے والا ہے۔''

ایک گزرنے والے نے کہا۔''تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھو۔گناہوں کی سیاہی ابھی دھلی نہیں ہے۔اسے دھونا پڑے گا۔''

''کیسے دھوئے گا؟ اس کے حالات ڈانواں ڈول ہیں۔''

''یہ گویا پل صراط سے گزر رہا ہے۔جوانی کی طرف آ سکتا ہے اور بڑھاپے کی کھائی میں بھی گر سکتا ہے۔''

وہ بولتے جا رہے تھے۔''ابھی تو یہ ادھر کا ہے نہ اُدھر کا....''

ایک نے پوچھا۔''اسے کیا کرنا چاہئے؟''

دوسرے نے قریب سے گزرتے ہوئے کہا۔''اسے سنبھلنا چاہئے۔جیسے ابھی جوانی کی ایک سوغات کو ٹھکرا کر سنبھل گیا ہے۔''

ایک نے پوچھا۔''کیا سنبھلنے کا مطلب یہ ہے کہ جوانی کے چیختے ہوئے تقاضوں سے انکار کیا جائے؟''

''ہرگز نہیں....دینی احکامات کے مطابق عمل کرتے ہوئے ضروری تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں۔یہ سنبھلتا رہے گا تو رفتہ رفتہ موجودہ دلدل سے نکلتا رہے گا۔''

میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔وہ یکے بعد دیگرے آ رہے تھے اور بولتے جا رہے تھے۔ایک نے کہا۔''جوانی لوٹ کر نہیں آتی۔اگر اس پر آئے گی تو جانے کتنی صدیوں کے بعد یہ معجزہ ہو گا۔تعجب ہے...خدا اس پر مہربان کیوں ہے؟''

''ہاں۔مہربان کیوں ہے؟ اسے سنبھلنے کا موقع کیوں دیا جا رہا ہے؟''

''اس کا ایک نیک عمل رب کریم نے پسند فرمایا تھا۔''

ایک نے پوچھا۔''وہ نیک عمل کیا تھا؟''

"اب سے ایک برس پہلے یہ شخص آدھا انسان اور آدھا شیطان تھا۔جرائم کی دنیا کا بے لگام گھوڑا تھا۔کوئی سا بھی ناجائز کام کرتے وقت ایک ذرا نہیں جھجکتا تھا۔"

"تو اسے کسی پہلو سے انسان نہیں کہنا چاہئے؟"

"یہ دینی معاملات میں بالکل ہی بے لگام نہیں تھا۔ دل میں خدا کا خوف رکھتا تھا۔لہٰذا گمراہی کے باوجود کبھی کبھی سنبھل جاتا تھا۔"

"ہاں۔دل میں خوف خدا ہو تو ضمیر سوتے سوتے بھی بیدار ہوسکتا ہے۔"

"اس شخص نے پیرس میں دریائے رائن کے کنارے ایک بہت ہی خوبصورت رنگ محل بنایا ہے۔وہاں اکثر جاتا تھا اور رقص و سرود، شراب و شباب میں مست رہتا تھا۔اس رنگ محل کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک عابد علی الصبح آتا تھا۔ساحل پر وضو کرتا تھا پھر ایک گھنے درخت کے سائے میں نماز ادا کرنے کے بعد چلا جاتا تھا۔"

میں یہ باتیں سن رہا تھا اور چشم تصور سے اپنے رنگ محل اور گھنے درخت کو دیکھ رہا تھا۔وہ عابد وہاں نماز پڑھتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔مجھے وہ واقعہ یاد آرہا تھا۔ایک صبح وہ نماز پڑھنے کے بعد رنگ محل کے دروازے پر آیا تھا۔میں نے اسے سلام کیا۔

اس نے سلام کا جواب دے کر کہا۔"مجھے کل رات معلوم ہوا کہ اس رنگ محل کا مالک مسلمان ہے۔میں ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے عرض کرنے آیا ہوں۔نماز کے وقت رقص وموسیقی کی آواز بند کردو یا دھیمی کردیا کرو۔"

مجھے ندامت سی ہوئی۔میں نشے میں مست رہا کرتا تھا۔پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ نماز کا وقت کب گزر چکا ہے؟ اس روز میں بیمار تھا۔میں نے پی نہیں تھی۔اس لئے ہوش وحواس میں تھا۔بڑی شرمندگی سے بولا"میں آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔پلیز۔اندر تشریف لائیں۔میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

عابد نے کہا۔"آپ یہیں فرمائیں۔میں یہاں گھنٹوں کھڑے رہ کر باتیں کرسکتا ہوں۔"

میں سمجھ گیا۔وہ میرے عشرت کدے میں قدم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔میں نے کہا۔"اگرچہ میں کبھی کبھی عیش وعشرت میں وقت گزارتا ہوں۔تاہم اپنے دین کے لئے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ خرچ کرتا رہتا ہوں۔"

"جو کرتے ہو اسے خدا جانتا ہے۔مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔"اپنے دلی اطمینان کی خاطر آپ کی نماز کے لئے ایک مستقل جگہ بنانا چاہتا ہوں۔یہ رنگ محل والی زمین میری ہے۔میں یہاں مسجد تعمیر کراسکتا ہوں۔"

اس نے مجھے اور میرے رنگ محل کو دیکھا پھر کہا۔"ایک بے نمازی کی تعمیر کردہ مسجد اور وہ بھی خرابات کے سائے میں؟نہیں برادر!جہاں طاؤس ورباب ہو۔وہاں عبادت نہیں کی جاسکتی۔پھر یہ کہ میں یہاں دن رات نہیں رہتا۔روز صبح منہ اندھیرے یہاں سے گزرتا ہوں تو اس گھنے درخت کے سائے میں نماز پڑھ لیتا ہوں۔مجھے اُس جگہ سے دلی لگاؤ ہے۔بس اتنی مہربانی کرو کہ نماز کے وقت موسیقی بند رکھا کرو۔"

میں نے وعدہ کیا کہ عبادت کے دوران نہ موسیقی ہوگی' نہ کسی طرح کی مداخلت ہوگی۔وہ چلا گیا۔میں اب تک برطانیہ'یورپ'افریقہ اور ایشیا کے کئی شہروں میں مسجدیں اور دارالعلوم تعمیر کرانے کے سلسلے میں لاکھوں پاؤنڈز اور ڈالرز خرچ کرچکا ہوں۔مجرمانہ زندگی گزارتے ہوئے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے اور ثواب کمانے کے لئے آئندہ بھی یہی کرتے رہنے کا ارادہ تھا۔

مگر اس وقت عابد کے رویے نے میرے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔میں لاکھوں ڈالرز خرچ کرکے بھی خرابات کے سائے میں عبادت کی جگہ نہیں بنا سکتا تھا۔پہلی بار شدت سے یہ خیال آیا کہ میں حقیقتاً دین کے لئے کچھ نہیں کرتا۔صرف اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو رشوتیں دیتا رہتا ہوں۔

ان دنوں میری حالت عجیب سی تھی۔آئے دن کوئی نہ کوئی بیماری حملہ کرتی رہتی تھی۔بڑی شدت سے بڑھاپے کا خوف طاری رہتا تھا۔اس عمر میں کاروبار کو اور کالے دھندے کو قائم نہیں رکھ پارہا تھا۔شراب ہضم نہیں ہوتی تھی اور حسن و شباب کے آگے بڑھاپا شرمندہ ہوتا رہتا تھا۔

ان حالات میں تڑپ کر گزری ہوئی جوانی کو پکارتا تھا۔ایک بار پھر اسے پالینے کی دعائیں مانگتا رہتا تھا۔میں نے سوچا۔"رنگ محل کی رنگ رلیاں ختم کردوں۔وہاں مسجد اور مدرسہ قائم کردوں۔مگر میرے دھندے سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے ارب پتی یہودی' عیسائی اور مسلمان اسمگلرز وہاں آیا کرتے تھے۔میں رنگ محل کو عبادت گاہ بنانے کی بات کرتا تو سب ہی میرا مذاق اڑاتے اور میں ان کے سامنے مذاق بننا نہیں چاہتا تھا۔"

ویسے میں نے عیش وطرب والی سرگرمیاں ختم کردی تھیں۔بے تکلف دوستوں کو

ادھر آنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ بیماری اور کاروباری مصروفیات نے راتوں کو جاگنے اور تفریح کرنے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔

عابد کی باتیں دل میں چبھتی رہتی تھیں۔ وہ ایک بے نمازی کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز نہیں پڑھنا چاہتا تھا۔ جب ایک نمازی مجھ سے خوش نہیں تھا تو پھر خدا بھی خوش نہیں تھا۔ یہ سیدھی سی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ پہلے خود نماز پڑھی جاتی ہے پھر دوسروں کو پڑھائی جاتی ہے۔ یوں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد تعمیر کی جاتی ہے۔

میں رنگ محل کی بالکونی سے عابد کو دیکھتا تھا۔ وہ ہر صبح گھنے درخت کے سائے میں نماز پڑھنے کے بعد بالکونی کی طرف مجھے دیکھتا تھا پھر کچھ کہے بغیر چلا جاتا تھا۔ ایسے وقت ندامت سی ہوتی تھی۔ میں بالکل ہی بے نمازی نہیں تھا۔ کبھی کبھی جمعے کی اور عید بقرعید کی نمازیں پڑھ لیا کرتا تھا۔ اب یہ شرمندگی تھی کہ مجھ جیسا مسجدیں تعمیر کرانے والا دن میں ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھتا ہے۔

دراصل مجھے ضمیر کی مار پڑ رہی تھی۔ ایک صبح میں نے پاک وصاف ہو کر نماز ادا کی اور دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی۔ ''اے خدا! آج مدتوں بعد یہ منحرف اور گمراہ ہونے والا بندہ تیرے آگے سجدے کر رہا ہے۔ مجھے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔''

میں نے بالکونی میں آکر دیکھا۔ عابد نماز سے فارغ ہو کر بالکونی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنا فاصلہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کو واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ پھر بھی اس کے انداز سے پتہ چلا کہ وہ خوش ہے اور مسکرا رہا ہے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے سلام کیا پھر وہاں سے چلا گیا۔

میرا دل مسرتوں سے بھر گیا۔ یہ دل سے یقین ہوا کہ میں نے زندگی میں پہلی بار ایک بڑا کام کیا ہے۔ میں نے دوسری صبح نماز سے پہلے ساحلی درخت کے سائے میں آکر اس سے کہا۔ ''آپ میرے محل میں آکر نماز پڑھیں۔ اب وہ رنگ محل نہیں رہا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''پہلے مکیں کا انداز بدلتا ہے۔ پھر مکان کی حیثیت بدلتی ہے۔ پہلے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھو۔ جس طرح اپنے ہم مزاج دوستوں کے ساتھ وہاں تفریح کرتے رہے۔ اب اسی طرح ہم مزاج مسلمانوں کو نماز کے لئے بلاؤ۔ جس دن وہاں جماعت کھڑی ہوگی۔ اس دن میں ضرور آؤں گا۔ تب تک مجھے اسی درخت کے سائے میں نماز پڑھنے دو۔''

اس روز میں نے اس کے ساتھ وہاں نماز ادا کی اور یہ طے کیا کہ رفتہ رفتہ اپنے محل میں باجماعت نمازیں قائم کروں گا اور یوں اپنے ضمیر کو بھی مطمئن کروں گا۔ لیکن اسی دن ایک

ناگوار سا واقعہ ہوا۔ میں کسی کام سے بالکونی میں آیا تو دور اس ساحلی درخت کی طرف دیکھ کر چونک گیا۔

ایک کتا اس جگہ پیشاب کر رہا تھا۔ میں فوراً ہی محل سے نکل کر دوڑتا ہوا وہاں پہنچا تو کتا جا چکا تھا۔ وہ عابد نماز کے لئے جہاں کھڑا ہوتا تھا۔ وہ ناپاک ہوگئی تھی۔

دوسری صبح جب وہ نماز کے لئے آتا تو وہ جگہ خشک ہو جاتی۔ ناپاکی کا پتہ نہ چلتا۔ اب میرا فرض تھا کہ میں منہ اندھیرے اٹھ کر وہاں جاؤں اور اسے نماز پڑھنے سے منع کروں۔ پھر سوچا اگر آنکھ نہ کھلی اور میں اسے وقت سے پہلے آگاہ نہ کر سکا تو یہ میری غیر ذمہ داری ہوگی۔

میں اپنے ملازموں کو اُدھر نائٹ ڈیوٹی پر لگا سکتا تھا۔ لیکن وہ سب مسلمان نہیں تھے۔ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر سکتے تھے۔ اس وقت میں خیالات کی' ایمان کی اور روح کی پاکیزگی سے معمور تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ساری رات درخت کے سائے میں گزاروں گا۔ صبح اس کے ساتھ کسی دوسری جگہ نماز ادا کروں گا۔

ملازموں نے میرے حکم سے وہاں ایک ایزی چیئر لا کر رکھ دی۔ سردی کا موسم تھا۔ راتوں کو کبھی کبھی برف باری ہوتی تھی۔ میں نے ظالمانہ موسم سے بچنے کے لئے مناسب انتظامات کئے تھے۔ جب اندھیرا پھیلنے لگا تو خیال آیا کہ اس ناپاک جگہ کی صفائی کی جا سکتی ہے۔

عابد کو اس جگہ سے دلی لگاؤ تھا۔ میں اس کے ساتھ وہیں نماز قائم کر سکتا تھا۔ میں نے ملازموں کو ایک بیلچہ اور بالٹی لانے کا حکم دیا۔ مجھے لگ رہا تھا' جیسے میں از سر نو مسلمان ہو رہا ہوں۔ میرے اندر ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ میں نے ملازموں سے کام نہیں لیا۔ خود ہی بیلچے سے ناپاک ہونے والی مٹی اٹھا کر بالٹی میں ڈال کر اسے دریا میں پھینکنے لگا۔

پھر دوسری جگہ سے مٹی اٹھا کر خالی جگہ کو بھرنے لگا۔ ایک آدھ گھنٹے کی مشقت سے وہ جگہ پہلے کی طرح پاک صاف ہوگئی۔

اب میں سرد موسم کے عذاب سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ محل میں جا کر رات گزار سکتا تھا مگر میں ایسا نہ کر سکا۔ ایمان جب دل میں گھر کرتا ہے اور دماغ میں جڑ پکڑتا ہے تو بندہ اس فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ دینی فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی' کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی ہے؟

میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ ''کیا میں نماز کی جگہ کو پوری طرح پاک کر چکا ہوں؟ ناپاک مٹی نکال کر پھینکنے کے باوجود اس کے کچھ ذرات وہاں رہ گئے ہوں گے۔''

مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہئے تھا۔میں نے نیک نیتی سے صفائی کی تھی اور اللہ تعالیٰ نیتوں کا حال جانتا ہے۔پھر ایک خیال پیدا ہوا۔''میں تو وہاں سے چار دیواری کے اندر جا کر آرام سے سو جاؤں گا۔ادھر رات کو کسی وقت کتا آ کر پھر کتا پن دکھا جائے گا تو ہمیں خبر نہیں ہوگی اور ہم اس جگہ کو پاک وصاف سمجھتے رہیں گے۔''

میں نے فیصلہ کیا کہ وہاں سے نہیں جاؤں گا۔بس ایک ہی رات تو گزارنی تھی۔میں پوری طرح اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتا تھا۔انتہائی خراب موسم میں جبکہ برف باری ہوتی ہو۔کھلے آسمان تلے رات گزارنا سراسر نادانی تھی۔عقل سمجھا رہی تھی یا عقل کے پیچھے شیطان سمجھا رہا تھا کہ مجھے ایسی حماقت نہیں کرنی چاہئے۔

جب میں ناپاک مٹی ہٹا رہا تھا' تب بھی شیطانی خیالات کہہ رہے تھے کہ اتنی محنت نہ کروں۔صبح جلدی میری آنکھ کھل جائے گی۔میں عابد کو وہاں نماز پڑھنے سے روک سکوں گا۔لیکن میرے اندر ایمانی استحکام سمجھا رہا تھا کہ شیطان مجھے گہری نیند سلانا چاہتا ہے۔

میرے سر پر تو دین وایمان کا سودا سمایا ہوا تھا۔میں وہیں رات گزارنے لگا۔یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ میں کھلی فضا میں غضب ناک سردی اور برفباری سے کیسے لڑتا رہا اور قلفی کی طرح منجمد ہوتا رہا؟ صبح ہونے تک قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ایسا لگ رہا تھا' عابد کے آنے سے پہلے ہی دم نکل جائے گا۔

میرے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے تھے۔ذہن غفلت کی تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔مجھ پر بیہوشی طاری ہو رہی تھی۔میں گرم چرمی لبادے اور اونی کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔میرے چاروں طرف برف جم گئی تھی۔یوں لگ رہا تھا' برف کی قبر میں دفن ہو چکا ہوں۔

پھر کسی وقت عابد نے چرمی لبادے اور کمبلوں کو ہٹا کر مجھے دیکھا۔آواز دی۔اس کے بعد مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔جھٹکا لگا تو چند ساعتوں کے لئے ذرا آنکھ کھلی میں نے اسے دیکھا۔پھر اٹک اٹک کر کہا۔''نہ۔ماز۔کی۔جگہ.....کت۔تے.....''

میں آگے کچھ نہ کہہ سکا۔بیہوش ہوگیا۔پھر میں نہیں جانتا' مجھے کس طرح ہوسپٹل پہنچایا گیا اور میرے اندر زندگی کی حرارتیں پیدا کی گئیں؟ ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ میں زندگی کی طرف لوٹ کر نہیں آسکوں گا۔مگر خدا نے میری سانسیں مجھے لوٹا دیں۔

جب میں دیکھنے سمجھنے اور بولنے کے قابل ہوا تو عابد میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔مجھے بڑی اپنائیت اور عقیدت سے دیکھتے ہوئے بولا۔''تم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔میں حیران

ہوں۔یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دن رات رنگ رلیاں منانے والا شخص ایسا مومن ہوگا کہ ایک نمازی کو ناپاکی سے بچانے کے لئے جان پر کھیل جائے گا؟ تمہاری موت یقینی تھی۔بیشک خدا تم پر مہربان ہے۔''

میں نے سر جھکا کر کہا۔'میں ایک گناہگار بندہ ہوں۔میں نے اپنی امی کو دن رات عبادت کرتے دیکھا تھا۔وہ ہمیشہ دین ایمان کی باتیں کرتی رہتی تھیں۔شائد بچپن سے ان کی نمازیں' ان کی باتیں میرے دماغ میں نقش ہوگئی تھیں اور میرے لاشعور میں چھپی ہوئی تھیں۔میں ان سے بے خبر جرائم اور گناہوں سے بھرپور زندگی گزار رہا تھا۔''

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔''تمہارے اندر چھپا ہوا وہ ایمان اب اُجاگر ہو رہا ہے۔آج تم نے میری ایک نماز کی پاکیزگی کو برقرار رکھ کر خدا کی خوشنودی حاصل کی ہے۔میری نصیحت ہے' اس ایمانی جذبے کو برقرار رکھو اور گمراہی سے باز آجاؤ۔''

اچانک میری سماعت میں ایک آواز ابھری۔''باز آجاؤ...اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے۔''

اس آواز کے ساتھ ہی منظر بدل گیا۔اب میں اسی جنتی ماحول میں تھا۔جہاں حسین وجمیل حوریں شراب طہورہ کے جام پلا رہی تھیں۔سفید ملبوسات میں فرشتے جیسے لوگ عبادت میں مصروف تھے۔

کچھ لوگ میرے آس پاس سے گزرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔''اللہ تعالیٰ نے اسے پسند فرمایا ہے۔ہم اس کی صحبت میں بیٹھ سکتے ہیں۔''

وہ گزرنے والے رک گئے۔میرے قریب آ کر دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ایک نے کہا۔''اے مومن! ایک نماز کی پاکیزگی قائم رکھنے کے لئے تُو موت کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ خود نماز پڑھنے کے قابل نہ رہا۔تیری قضا ہونے والی نماز قضائے عمری ادا کرنے کے مساوی ہوگئی ہے۔تُو نے ماضی میں جتنی نمازیں چھوڑی تھیں۔وہ سب کی سب تیرے ایک ہی نیک عمل سے ادا ہو چکی ہیں۔''

دوسرے نے کہا۔''اس عمل کی اہمیت کو سمجھ۔نماز ہے تو خدا کی قربت ہے اور تُو نے اس معبود کی قربت کے لئے نماز کی جگہ کو غلاظت سے پاک کیا۔اگر تُو چاہتا ہے کہ خدا آج راضی ہے اور کل بھی راضی رہے تو نماز قائم کر۔''

میرے آگے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگ باری باری کہنے لگے۔''نماز قائم

کر....''

''نماز ایک عصا ہے۔لڑکھڑانے والے کو گرنے سے بچاتی ہے۔''

''جو خدا کے سب سے قریب ہوتا ہے' وہ نمازی کا جھکا ہوا سر ہوتا ہے۔نماز قائم کر....''

''نماز والہانہ ہو فاتحانہ ہو تو سجدے میں پیاسے کا سر لے جاتی ہے۔اُدھر از سرنو دین کو زندہ کرتی ہے۔اِدھر تجھ جیسے گمراہ کو مومن بنا دیتی ہے۔نماز قائم کر....''

وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اٹھنے لگے اور کہنے لگے۔''جو نیک عمل تُو نے کیا ہے۔اسے جاری رکھنے کے لئے نماز قائم کرنا لازمی ہے۔''

''یاد رکھ! تیرے ایمانی جذبوں کی بدولت تجھے اسی دنیا میں انعام مل رہا ہے۔تجھ پر لازم ہے کہ نماز قائم کرے....''

وہ باری باری بولتے ہوئے چلے گئے۔میں تنہا رہ گیا۔مجھے اسی دنیا میں انعام مل رہا تھا۔پچھلے دو دنوں سے صحت اور توانائی مل رہی تھی۔کمزوری نہیں رہی تھی۔مگر ایک تجسس تھا کہ یہ بڑھاپے کی عارضی توانائی ہے یا چپکے چپکے جوانی کی سوغات مل رہی ہے؟

خدا کا شکر ہے' یہ تجسس ختم ہونے والا تھا۔وہ بزرگ سفید لبادے میں نظر آئے۔سامنے کچھ فاصلے پر تھے۔عصا ٹیکتے ہوئے آ رہے تھے۔وہ عصا ان کی پہچان تھا۔میں انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔دست بستہ ہو کر سر کو جھکا لیا۔

انہوں نے قریب آ کر کہا۔''ہمارا رب جسے چاہتا ہے' عزت دیتا ہے اور تمہیں عزت مل رہی ہے۔تمہاری مرادیں پوری ہو رہی ہیں۔جاؤ...آج سے الٹی گنتی شروع کر دو۔''

''الٹی گنتی....؟''ان کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔انہوں نے کہا۔''چھ ستمبر سن انیس سو تیس جمعہ کے روز بعد نماز عشاء تم پیدا ہوئے تھے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ بولے۔''آج چھ ستمبر سن دو ہزار جمعے کی رات ہے۔تم ستر برس کے ہو۔''

میں نے پھر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔انہوں نے کہا۔''عمر آگے بڑھتی ہے۔کل تمہارے ستر برس میں ایک دن کا اضافہ ہونا چاہئے۔مگر اضافہ نہیں ہو گا کمی ہو گی۔تمہاری عمر پیچھے جائے گی۔''

ان کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔انہوں نے کہا۔''تم ہر رات عشاء کی نماز کے بعد

ایک ایک دن کے حساب سے بڑھاپے کو چھوڑ کر جوانی کی طرف واپسی کا سفر کرتے رہو گے۔''

اب وضاحت ہوئی۔وہ جو کہہ رہے تھے' اسے میں سمجھ رہا تھا۔میرے دل کی دھڑکنیں خوشی کے مارے تیز ہو رہی تھیں۔انہوں نے کہا۔''دنیا کا ہر جاندار پیدا ہونے کے بعد موت کی طرف چلتا رہتا ہے۔تم اُلٹا چلو گے۔الٹی گنتی پڑھتے رہو گے اور اپنی پیدائش کے دن کی طرف واپس جاتے رہو گے۔''

انہوں نے اپنے عصا کے اوپری حصے کو میری پیشانی سے لگایا۔میرے مقدر کے دروازے پر دستک دی۔دروازے کو تو کھلنا ہی تھا۔

میں نے ایکدم سے آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت میں اپنے بیڈ روم کے بستر پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔وہ عصاء میرے اوپر رکھا ہوا تھا۔اس کا ایک سرا میری پیشانی سے لگا ہوا تھا۔تب معلوم ہوا کہ اتنی دیر سے غفلت میں تھا اور آگہی حاصل کرنے کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

اور جو آگہی ملی تھی۔اب اسے یاد کر کے مسرتوں سے مالا مال ہو رہا تھا۔سامنے چھت کو تکتے ہوئے سوچنے لگا۔یہ یقین کرنے لگا کہ میری دعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ان لمحات سے من کی مرادیں پوری ہو رہی ہیں۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔آج رات بعد نماز عشاء میرے حالات بدلنے والے تھے۔میں موت کی طرف نہیں اپنی پیدائش کی طرف واپسی کا سفر شروع کرنے والا تھا۔ایک طرف دیوار پر سال رواں سن دو ہزار کا بڑا سا کیلنڈر آویزاں تھا۔میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔عصاء کو ٹیکتا ہوا کیلنڈر کے پاس آ گیا۔

بوڑھے اور کمزور لاٹھی ٹیک کر چلتے ہیں۔میں کمزور نہیں تھا۔مگر وہ عصاء میرا سہارا' میرا ہتھیار اور میری طاقت تھا۔یہ ہمیشہ میرے وجود کا ایک حصہ بن کر رہنے والا تھا۔میں نے ایک مارکر اٹھا کر چھ ستمبر کی تاریخ پر دائرہ بنایا۔آج عشاء کے بعد میری زندگی میں اگلا دن سات ستمبر نہیں آئے گا۔گزرا ہوا دن پانچ ستمبر آنے والا تھا اور میں آج رات پانچ ستمبر کی تاریخ پر دائرہ لگانے والا تھا۔

اسی طرح ایک ایک دن پیچھے چلتے ہوئے جوانی بچپن اور پیدائش کے پہلے دن تک یہ سفر جاری رہنے والا تھا۔

یہ سلسلہ عجوبہ ہو گا۔مگر عجوبہ نہیں ہے' انوکھا ہو گا مگر انوکھا نہیں ہے۔ایسا ہماری دنیا

میں پہلے بھی ہو چکا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ زلیخا کو بڑھاپے سے یک لخت جوانی ملی تھی اور میں کیلنڈر کے ایک ایک دن کے حساب سے ایک ایک الٹا قدم رکھتا ہوا شباب کی دہلیز پر پہنچنے والا تھا۔

آخر میں نے جنگل کی وہ زمینیں خرید لیں۔ اس شکارگاہ سے لے کر مقدس غار کے دہانے تک دو کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔ وہ ہمیشہ غیر آباد رہنے والا جنگل بھارت سرکار کے لئے غیر اہم تھا۔ میں نے سرکاری خزانے میں پچاس لاکھ روپے جمع کئے تو وہاں دو کلومیٹر کے رقبے میں زمینیں میرے نام ہو گئیں۔

میں بہت خوش تھا۔ وہاں رفتہ رفتہ بستی بسانے والا تھا۔ اس سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے عمیر سے راضی تھا۔ سورۃ فاتحہ میں ہم پڑھتے ہیں اور اپنے معبود سے کہتے ہیں' ہمیں اس راہ پر چلا جس پر تو نے انعام رکھا ہے۔

میرا عمیر اُس راہ پر چل پڑا تھا' جہاں اسے بڑھاپے میں انعام کے طور پر جوانی کا تحفہ ملنے والا تھا۔ اب میں یہ نہیں کہوں گا کہ ایسا ہماری دنیا میں نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی قصص القرآن کو محض سننے سنانے والے قصے کہوں گا۔

میرے ساتھ یہ ہوا کہ میں نے ستر برس تک موت کی گہری نیند سونے کے بعد دوبارہ زندگی حاصل کی۔

میرے عمیر کے ساتھ یہ ہو رہا تھا کہ وہ عمر کی الٹی گنتی گننے والا تھا۔ آگے بڑھاپے کی طرف نہیں' پیچھے جوانی کی سمت سفر کرنے والا تھا۔

دونوں باپ بیٹے کی واپسی ہو رہی تھی۔ میں موت کے بعد زندگی کی طرف واپس آیا تھا' وہ بڑھاپے سے جوانی کی سمت واپس ہو رہا تھا۔

میرا خیال ہے' میری زندگی کے جو ستر برس گم ہو گئے تھے' وہ مجھے ملیں گے اور میں عمر کے چھیانوے برس تک جی سکوں گا۔

میرے حساب سے عمیر پچھتر برس کا تھا۔ وہ جوانی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ تو پھر بچپن کی طرف بھی جائے گا۔ یوں اسے مزید پچھتر برس کی زندگی ملے گی۔

یہ میری قیاس آرائی تھی۔ کیا ہونے والا ہے' یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر کرتا ہے۔

میں اپنے بیٹے کی داستان کے ایسے موڑ پر پہنچا تھا' جہاں دلچسپی حد سے زیادہ بڑھ گئی

تھی۔ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گیا کہ آئندہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

میں نے پھر ڈائری کھولی۔ اس کی تحریر پڑھتے ہی میں اس کی دنیا میں' اس کے ماحول میں پہنچ گیا۔ اس نے لکھا تھا.....

''میرے اندر اتنی مسرتیں بھر گئی تھیں کہ میں ایک جگہ سکون سے بیٹھ نہیں پا رہا تھا۔ کبھی ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا' کبھی جاگنگ کر رہا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو کھلے آسمان کی بلندیوں کی طرف اڑتا چلا جاتا۔

میں نے اپنے ایک جاں نثار کو فون پر کہا۔ ''مجھے کیلنڈر کی ضرورت ہے۔ میں ایک دو برس کے نہیں پچھلے ستر برسوں کے ستر کیلنڈر چاہتا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''آل رائٹ سر! میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ انہیں کہاں کہاں سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟''

''یاد رکھو! سن انیس سو تیس سے سن انیس سو ننانوے تک ستر برس ہوں گے۔ کیلنڈر نہ ملیں تو جنتریاں مل سکتی ہیں۔ ایسے بیشمار ادارے ہیں' جو ہر گزرنے والے دن کے حالات اور واقعات کی رپورٹ شائع کرتے ہیں۔ ان سے ستر برسوں کا ایک ایک دن اور ایک ایک تاریخ معلوم ہو سکے گی۔''

''آل رائٹ سر! کیا آپ فارم ہاؤس کی رپورٹ سننا چاہیں گے؟''

''ہاں سناؤ...! وہاں کیا ہوتا رہا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''جب بلے وہاں سے منور کو لے جا رہا تھا۔ تب ہمارے دو آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ وہ اسے ڈاکٹر ڈھکن کے ہوسپٹل میں لے گیا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''یہ تو عجیب سا نام ہے؟''

اس نے ڈھکن کی وجہ تسمیہ بتائی پھر کہا۔ ''اب تک کی رپورٹ یہ ہے کہ منور کی حالت انتہائی تشویشناک تھی۔ بڑے دشوار گزار آپریشن کے بعد اسے بچا لیا گیا ہے۔ مگر آئندہ وہ خسرہ بن کر رہے گا۔''

میں نے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''اسے بداعمالیوں کی عبرتناک سزا مل رہی ہے۔''

پھر میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں ابھی نادر شاہ اور بلے کے فون کے ذریعے مزید معلومات حاصل کروں گا۔ تم مطلوبہ ستر کیلنڈر حاصل کرو۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سامنے دیوار پر لگے ہوئے

کیلنڈر کی طرف دیکھنے لگا۔ ستمبر کی چھ تاریخ تھی۔ وہاں میں نے مارکر سے ایک دائرہ بنایا تھا۔ آج رات عشاء کی نماز کے بعد پانچ تاریخ پر دائرہ بنانا تھا۔ میرا بڑھاپا پہلی بار اباؤٹ ٹرن ہوکر ایک انوکھے سفر کا آغاز کرنے والا تھا۔

☆☆☆

پولیس اور انٹیلی جنس والے فارم ہاؤس میں پہنچ گئے تھے۔ انہیں یہ معاملہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا تھا کہ وہاں دو کتوں اور تین انسانوں کو کس نے ہلاک کیا ہے اور واردات ایک اجڑے ہوئے فارم ہاؤس میں کیوں کی گئی ہے؟

میں ان کے لئے سہولتیں فراہم کر چکا تھا۔ انہوں نے دو لاشوں کے قریب مٹی پر لکھے ہوئے فون نمبرز پڑھے تھے۔ آئندہ ان نمبروں کے ذریعے وہ معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ کتوں کے ٹرینرز اسلام آباد سے آئے تھے۔ وہ لاہور میں ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں کر سکتے تھے۔

انٹیلی جنس کے ایک افسر نے نادر شاہ کے فون نمبرز پنچ کئے۔ وہ فون میری تحویل میں تھا۔ میں نے کالنگ ٹون سن کر اسے کان سے لگایا۔ اس افسر نے پوچھا۔ ”کیا میں آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟“

میں نے کہا۔ ”آپ صرف نام ہی نہیں، حرام موت مرنے والوں کے مکمل پتے بھی معلوم کرنا چاہیں گے؟“

اس نے جلدی سے کہا۔ ”بیشک ہم قانون کے محافظ ہیں۔ آپ حتی الامکان ہم سے تعاون کریں۔“

میں نے نادر شاہ کی رہائش گاہ کا پتہ بتا کر کہا۔ ”باقی دو لاشیں ان کتوں کے ٹرینرز کی ہوں گی۔ لاہور میں شائد پولیس اور انٹیلی جنس والوں کے پاس ایسے بلڈ ہاؤنڈز نہیں ہوں گے۔ میرا اندازہ ہے، انہیں اسلام آباد سے لایا گیا ہے۔“

میں نے اتنا کہہ کر رابطہ ختم کیا۔ پھر اس فون کی سم نکال لی۔ وہ افسر مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے کال کر رہا ہوگا اور رابطہ نہ ہونے پر جھنجھلا رہا ہوگا۔ میں جانتا تھا، اب وہ نادر کے گھر پہنچ کر مزید معلومات حاصل کرے گا۔

اور میرا خیال درست تھا۔ انہیں یہی کرنا تھا۔ وہ لوگ نادر شاہ کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ میری بیٹی شرمین کو ان سے معلوم ہوا کہ وہ بیوہ ہوگئی ہے اور نادر شاہ کی لاش کو پوسٹ مارٹم

کے لئے ہوسپٹل بھیجا گیا ہے۔

پہلے تو اسے یقین نہیں آیا۔ وہ اپنی جوان اولاد کے ساتھ ہوسپٹل گئی پھر خاوند کی لاش کو شناخت کرتے ہی رونے لگی۔ افسر نے پوچھا۔ ”کیا آپ اپنے شوہر کے قاتلوں کی نشاندھی کریں گی؟“

وہ جانتی تھی کہ یہ باپ بیٹے اور داماد کے درمیان جان لیوا دشمنی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بابا جانی نے یا پھر مراد اور سلطان نے اپنی بیٹی اور بہن کے سہاگ کو کتوں کے آگے ڈال دیا ہے۔

شرمین نے فوراً ہی کسی کو الزام نہیں دیا۔ اسے بڑے بھائی منور پر بھروسہ تھا۔ وہ پہلے اس سے بات کرنا چاہتی تھی اور اس کے مشورے کے مطابق کوئی بیان دینا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ ”میرے میاں آج صبح بھائی جان کے ساتھ فارم ہاؤس گئے تھے۔ میں پہلے ان سے بات کروں گی۔ پھر آپ کے سوالوں کے جواب دوں گی۔“

”آپ کے بھائی جان کون ہیں اور کہاں ہیں؟“

”ان کا نام منور غازی ہے۔ انہیں بھی فارم ہاؤس میں ہونا چاہئے تھا۔ میں ابھی گھر سے ہوسپٹل آنے تک کئی بار ان سے فون پر رابطہ کرنے کی کوششیں کر چکی ہوں۔ لیکن یہی معلوم ہو رہا ہے کہ نمبر بند ہے۔“

افسر نے کہا۔ ”جب منور غازی آپ کے شوہر کے ساتھ گیا تھا تو یقیناً وہ واردات کے وقت وہاں موجود رہا ہوگا؟ خونخوار کتوں کو دیکھ کر کہیں چھپ گیا ہوگا۔“

ایک افسر نے کہا۔ ”چھپنے والے کو اب قانون کے محافظوں کے پاس آنا چاہئے۔ قاتلوں کی نشاندھی کرنی چاہئے۔“

”شائد وہ اب بھی اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ وہ ہماری رہنمائی کے لئے وہاں زمین پر فون نمبرز لکھ کر گیا ہے۔“

دوسرے افسر نے کہا۔ ”جب وہ فون نمبر لکھ سکتا ہے تو قاتلوں کے نام اور پتے بھی بتا سکتا ہے۔ میں نے فون پر اس سے بات کی تھی۔ اس نے صرف نادر شاہ کی کوٹھی کا پتہ بتایا پھر فون بند کر دیا۔ اب وہ نمبر مسلسل بند جا رہا ہے۔“

ایک جاسوس نے کہا۔ ”وہ مقتول کا سالا ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ہم سے چھپ رہا ہے۔ مگر وہ اپنی بہن کو تو فون پر اطلاع دے سکتا تھا کہ وہ بیوہ ہو چکی ہے اور اپنے روپوش رہنے کی وجہ بھی بتا سکتا تھا۔“

ابھی وہ تمام جاسوس بھٹک رہے تھے۔منور پر شبہ کر رہے تھے کہ اسی نے شائد بہنوئی کو قتل کرایا ہے اور اگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے تو پھر کیوں چھپ رہا ہے؟

وہ لوگ منور کی کوٹھی میں آ کر ایسے ہی سوالات کر رہے تھے۔لیکن خاطر خواہ جوابات نہیں مل رہے تھے۔

منور کی بیوی اور جوان بیٹیاں بیٹے اس کے گم ہو جانے سے پریشان تھے۔فون سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔اُدھر شرمین کے دل میں یہ شبہ جڑ پکڑ رہا تھا کہ اس کے بھائی جان نے اپنے بہنوئی کو یعنی ایک حصے دار کو ہلاک کیا ہے۔

شرمین اور منور کی بیوی کے درمیان بڑی دوستی تھی۔بڑا اعتماد تھا۔اب وہ اعتماد اور دوستی ختم ہو رہی تھی۔ان کے درمیان اختلافات شروع ہونے والے تھے۔منور نے واقعی نادر کی موت کا سامان کیا تھا۔وہ بے قصور نہیں تھا۔مگر مظلوم تھا۔زخموں کے باعث نیم مردہ اور نیم مرد ہو کر ایک خفیہ علاج گاہ میں پڑا ہوا تھا۔

بلے اسے کب تک چھپا کر رکھ سکتا تھا؟وقت گزرنے کے ساتھ اسے منظر عام پر اور بیوی بچوں کے درمیان آنا تھا اور اکلوتا وارث بننے کے سلسلے میں پھر سے جدوجہد کا آغاز کرنا تھا۔بکرے کو پھر کسی وقت میری میٹھی چھری تلے آنا تھا۔

بابر بلا اپنے آقا شوکت شاہنواز کو خزانے کا راز بتا کر مطمئن ہو گیا تھا۔آئندہ اس کا آقا میرے معاملات سے نمٹنے والا تھا اور منور کو بھی خاطر خواہ سیکورٹی دینے پر راضی تھا۔اس نے بلے کو ہدایت دی تھی کہ مجھ سے رابطہ کرے اور ٹیلی فون کے ذریعے مجھے اپنے آقا سے متعارف کرائے۔فی الحال اس کے پاس میرا فون نمبر نہیں تھا۔

میں نہیں جانتا تھا' وہاں کیا ہو رہا ہے؟میں تو اپنے طور پر مخالفین کا سکون برباد کرنا چاہتا تھا۔ان سب کے فون نمبر حاصل ہو چکے تھے۔میں نے بلے کے نمبر پنچ کیے۔اس نے کالنگ ٹون سنی۔یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خطرے کی گھنٹی سن رہا ہے۔اس نے فون کو کان سے لگایا پھر پوچھا۔''ہیلو۔کون...؟''

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''فارم ہاؤس...''

ایکدم سے اس کے کان کھڑے ہو گئے۔وہ ذرا سا الجھا پھر سنبھل کر سخت لہجے میں بولا۔''میں نام پوچھ رہا ہوں۔کون ہو تم؟''

میں نے کہا۔''دو کتے...''

وہ چونک کر خلاء میں تکنے لگا۔اس کی آنکھوں کے سامنے فارم ہاؤس کا منظر تھا۔وہاں کتوں کی اور تین انسانوں کی لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔پہلے اس نے سخت لہجہ اختیار کیا۔اس بار ذرا شکست خوردہ سا ہو کر بولا۔''تم۔تم پراسرار بننے کی کوشش کر رہے ہو۔آ۔آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''آگے کچھ کہنے سے پہلے ہی تم سارا کھیل سمجھ چکے ہو۔''

''ہاں۔ٹھیک ہے۔سمجھ گیا ہوں۔کھل کر بولو۔''

میں نے کہا۔''اپنے خاص آدمی کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔باقی لاشوں کو کچرا سمجھ کر چھوڑ دیا۔یہ نہیں سوچا کہ جیسے گدڑی میں لعل ہو سکتا ہے۔ویسے ہی کچرے سے موبائل فون اور ان کی شناخت مل سکتی ہے۔''

وہ فون کو کان سے لگائے گم صم سا رہ گیا تھا۔میں نے کہا۔''تم نے اپنے فون کے ذریعے نادر شاہ سے اور کتوں کے مالک سے رابطہ رکھا تھا۔وہاں تمہارے نمبرز سیو تھے۔اس نمبر پر ابھی میں بول رہا ہوں۔اس کے بعد قانون کی گرجتی برستی آوازیں سنائی دیں گی تو بھاگتے اور چھپتے پھرو گے۔''

وہ بولا۔''نہیں۔تم۔تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔''

''موت سے ملاقات ہوتے ہی زندگی کی نبض ڈوب جاتی ہے۔مجھ سے ملنے کی احمقانہ آرزو نہ کرنا۔ڈوب جاؤ گے۔''

''تم چاہتے کیا ہو....؟''

''مجھے تماشے کرنا اور تماشے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔مجھ سے کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں ہوگا۔میں ہر روز ٹھہر ٹھہر کر مزے لے لے کر تمہارے ڈوبنے اور ابھرنے کے مناظر دیکھتا رہوں گا۔''

وہ ذرا چپ رہا۔پھر بولا۔''مجھے کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔میں تمہیں پہچان رہا ہوں۔''

''مجھے پہچانتے رہنا۔پہلے اپنی سلامتی کی فکر کرو۔تم اس زخمی کو فارم ہاؤس سے لے جاتے وقت یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تمہاری دونوں گاڑیوں کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔''

یہ ایک اور دھماکہ تھا۔اس نے گھبرا کر پوچھا۔''کیا تم نے ہسپتال تک پیچھا کیا تھا؟''

''فکر نہ کرو۔میں اس کے زخم بھرنے تک پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو وہاں نہیں پہنچاؤں گا۔میں نے کہا ناں....بڑے آرام سے ہر روز انجوائے کرتا رہوں گا۔''

وہ ذرا سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں' تم کون ہو؟ تم .... تم بہت ہی خطرناک بوڑھے ہو۔ ہماری ہتھیلی کا پھوڑا ہو۔ تمہیں پکڑنے کے لئے مٹھی بند کرتے ہیں تو پھوڑے سے ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں.... عمیر بن غازی! میں تمہیں پہچان رہا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''سنا ہے' عمیر بن غازی بیمار اور کمزور ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ ایسا شخص بستر علالت سے کیسے اٹھے گا؟ فارم ہاؤس اور پھر ہوسپٹل تک کیسے پہنچے گا؟''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا۔ ''چلو تم نے بوجھ لیا۔ میں وہی ہوں' جسے تم دو بار اغوا کر چکے ہو۔ تیسری بار مار ڈالنے کے لئے خونخوار کتوں کے ساتھ آئے تھے۔ اب کیا ارادہ ہے؟''

''میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ میں نے بھاری رقمیں لے کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہا۔ اب بھی نقصان پہنچانے والا توقع سے زیادہ تمہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ تم ایک بار مجھے آزما کر دیکھ لو۔''

''مجھے کس طرح آزمانا چاہیے؟ اور کیوں آزمانا چاہیے؟''

''میں اپنی بہتری کے لئے تمہاری بہتری چاہتا ہوں۔ میں نے عزت مآب شوکت شاہنواز سے تمہارا ذکر کیا تھا۔ وہ ایسے حفاظتی انتظامات کریں گے کہ موت بھی اجازت حاصل کئے بغیر تمہارے قریب نہیں آسکے گی۔''

''واہ کیا بات ہے؟ یعنی میں ان کی پناہ میں رہ کر کبھی نہیں مروں گا؟''

وہ ذرا سنبھل کر بولا۔ ''نن۔ نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ جب تک تقدیر میں لکھا ہے' تم جیو گے۔ بڑے سے بڑے شاطر خطرناک دشمن یوں بار بار تمہیں اغواء نہیں کریں گے۔''

''مگر میں تو بار بار اغواء ہونا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں نے مجھے اس کھیل کا عادی بنا دیا ہے۔''

''خدا کے لئے میری بات کو مذاق نہ سمجھو۔ تم نہیں جانتے' تمہیں عزت مآب شوکت شاہنواز....''

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ ''اس عزت مآب کرپٹ سیاستدان کی عزت کیا ہے؟ جب حکومت گرتی ہے تو یہ لوگ بھی اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔ یا ملک چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ مجھے سبز باغ نہ دکھاؤ۔ صرف اپنی بات کرو۔''

''اپنی بات کیا کروں؟ تم نے پہلے ہی کہہ دیا ہے' مجھ سے سمجھوتہ نہیں کرو گے۔''

''اس کے باوجود اتنی مہربانی کروں گا کہ پولیس والوں کو اس ہوسپٹل تک نہیں

پہنچاؤں گا۔''

''میں تمہاری اس مہربانی کو کبھی نہیں بھولوں گا۔''

''یہ احسان دو شرائط پر کروں گا۔ ایک تو یہ کہ منور کو اس ہوسپٹل سے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کرو گے۔ میرے آدمی اس کی اور تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ جگہ تبدیل کی جائے۔''

''ٹھیک ہے۔ اس میں ہماری بہتری ہے۔ منور کا علاج یہیں رازداری سے ہوتا رہے گا۔''

''دوسری شرط یہ ہے کہ سری واستو کے متعلق پوری معلومات فراہم کرو۔ اس کا فون نمبر اور رہائشی پتہ بتاؤ۔ وہ یہاں آکر تمہارے علاوہ اور کتنے لوگوں سے کام لے رہا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''سری واستو بہت چالاک ہے۔ اگرچہ وہ منور اور نادر سے گٹھ جوڑ کر کے ہمارے ملک میں آیا ہے۔ تاہم ان سے بھی چھپ کر اپنی رہائش گاہیں بدلتا رہتا ہے۔ ہم سب سے فون کے ذریعے رابطہ رکھتا ہے۔''

''اس نے کتوں کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کا زبردست منصوبہ بنایا تھا۔ اسے کامیابی کا سو فیصد یقین ہوگا۔ وہ مجھے اپنے قابو میں کرنے کے لئے لاہور ضرور آیا ہوگا۔''

''ہوسکتا ہے آیا ہو۔ لیکن مجھ سے قسم لے لو... میں نہیں جانتا۔ میں تو کرائے کا بندہ ہوں۔ منور ہو یا سری واستو سب ہی مجھ سے کام لیتے ہیں۔ مگر اپنے اندر کے معاملات چھپاتے ہیں۔''

''منور کے مرجانے سے تمہیں کیا نقصان پہنچے گا؟ اسے کیوں بچانا چاہتے ہو؟''

''پچیس لاکھ کی پیمنٹ رہ گئی ہے۔ وہ مرجائے گا تو اتنی بڑی رقم ڈوب جائے گی۔''

''تم پیسوں کے لئے کچھ بھی کرسکتے ہو۔ یقیناً اس کرپٹ سیاستداں شوکت شاہنواز سے بھی اچھی خاصی رقمیں ملتی ہوں گی؟ کوئی بھی واردات کرنے کے بعد وہ تمہیں تحفظ فراہم کرتا ہوگا؟''

''ہاں۔ میں بڑی سے بڑی واردات کرنے کے بعد قانونی گرفت سے نکل آتا ہوں۔ میں کہہ چکا ہوں' شوکت صاحب تمہیں بھی تحفظ فراہم کرسکتے ہیں۔''

''وہ ایسا کیوں کرے گا؟ اسے مجھ سے کیا دلچسپی ہے؟''

''وہی دلچسپی جو تمہاری اولاد کو تم سے ہے۔ اور جس کی کشش سری واستو کو انڈیا سے

یہاں کھینچ لائی ہے۔''

میں نے سوچنے کے انداز میں پوچھا۔''یعنی شوکت شاہنواز بھی خزانے میں حصے دار بنا چاہتا ہے؟''

''ہاں۔وہ بہت وسیع اختیارات اور ذرائع رکھتے ہیں۔صرف ان سے دوستی کر کے تم تمام دشمنوں کو بڑی آسانی سے ٹھکانے لگا سکو گے۔''

''وہ خزانہ اتنا وزنی ہے کہ میں دوستی نہ کروں تب بھی وہ میرے پیچھے پڑے گا۔میں انتظار کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ طلب گار کیا کرنے والا ہے؟''

''تم دوستی نہیں کرو گے تو شوکت صاحب جیسے پہاڑ کو دشمن بنا لو گے۔کیا نئی مصیبتوں کو دعوت دینا دانشمندی ہے؟''

''یہی سوال اپنے آقا شوکت شاہنواز سے کرو۔کیا مجھ سے دشمنی کر کے نئی مصیبتیں مول لینا دانشمندی ہوگی؟اب اس سلسلے میں کچھ نہ بولو۔سری واستو کو فون کرو۔اسے بتاؤ کہ میں اس کے بھیجے ہوئے کتوں کا تماشہ دیکھتا رہا ہوں اور ابھی تم سب میری نظروں میں' میری نگرانی میں ہو۔اب میرے خلاف کوئی بھی اٹھایا ہوا قدم تمہیں موت کی طرف لے جائے گا۔''

میں نے بلے سے رابطہ ختم کر کے خود ہی سری واستو کو فون پر مخاطب کیا۔''ہیلو بڑبولے!تمہارے کتے اور تمہارے اتحادی منور اور نادر شاہ کہاں ہیں؟''

وہ بولا۔''تم واقعی شیطان ہو۔میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ میری طرف سے ہونے والے حملے کا علم تمہیں کیسے ہوگیا تھا اور تم نے کس طرح نادر اور منور کی اترنیں ان ٹریزز تک پہنچادی تھیں؟بائی داوے...تم نے اپنی جان تو بچالی ہے۔مگر اپنے بیٹے کو خسرہ بنادیا ہے۔''

''تم اپنا انڈرویئر چھپا کر رکھو۔وہ میرے ہاتھ لگے گا اور میں اسے کسی کتے کے آگے ڈالوں گا تو گلے میں ڈھولک لٹکائے تالی پیٹتے ہوئے انڈیا واپس جاؤ گے۔''

وہ خاموش رہا۔کچھ سوچتا رہا۔میں نے پوچھا۔''چپ کیوں لگ گئی؟''

اس نے پوچھا۔''تم کماری کلاوتی تک کیسے پہنچ گئے؟''

''وہ کلاوتی' کتوں کے ٹریزز اور بابر بلا جیسے جتنے بھی تمہارے آلہ کار ہیں۔میں ان کی گردنیں ناپ رہا ہوں۔آج کل کسی بھی وقت تمہاری شامت آسکتی ہے۔''

''میں مرنے یا مارنے آیا ہوں۔ڈرنے نہیں آیا۔مجھے یہاں آنے سے پہلے منور اور نادر نے بتایا تھا کہ تم بہت ہی بیمار اور کمزور ہوگئے ہو۔بستر پر اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں

ہو۔میں نے تمہاری ویڈیو فلم بھی دیکھی ہے۔تم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ہو۔کیا میری ایک حیرانی دور کرو گے؟''

میں نے پوچھا۔''حیرانی کیا ہے؟''

''میری معلومات کے مطابق تم تقریباً مردہ ہو چکے ہو۔مگر زندوں اور صحت مندوں سے زیادہ ایکشن میں ہو۔ایسی حالت میں کس طرح چل پھر رہے ہو؟کس طرح میرے حملے سے بچ گئے؟کیا کوئی جادو منتر سیکھ لیا ہے؟کبھی طاقتور بن جاتے ہو اور کبھی کمزور دکھائی دیتے ہو؟''

میں نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔آنکھیں بند کر لیں۔چشم تصور میں رب کریم کے آگے سجدہ شکر ادا کیا۔پھر کہا۔''میری صحت مندی اور توانائی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔یہ ایمان کی باتیں ہیں۔تم اسے جادو ہی سمجھتے رہو گے۔''

''تمہارے جیسا بے ایمان اور مکار ایمان کی بات کر رہا ہے۔تعجب ہے کیا دین دھرم والے بن رہے ہو؟''

''الحمدللہ...میں مجرمانہ دھندے چھوڑ چکا ہوں۔''

''یہ تو میرے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔پھر تو ہمارے درمیان کوئی عداوت نہیں رہے گی؟ذرا جلدی سے بتادو!اب تو حلال کی کمائی کھاؤ گے ناں؟''

''بیشک۔آئندہ رزق حلال حاصل کرتا رہوں گا۔اسمگلنگ' چور بازاری اور غیر قانونی ہتھکنڈوں سے باز آچکا ہوں۔صرف ایک ایماندار جیولر کی حیثیت سے زندگی گزاروں گا۔''

''پھر تو کالے دھندوں سے کمائی ہوئی دولت اور وہ خزانہ بھی تمہارے لئے حرام ہو چکا ہے۔''

''درست کہہ رہے ہو۔''

''وہ تمہارے کسی مصرف کا نہیں رہا۔اسے میرے اور اپنے بیٹوں کے حوالے کردو۔''

''جو چیز میرے لئے حرام ہوگئی۔اسے میں بھول گیا ہوں۔میری جتنی دولت اور جائیداد ہے۔اس میں سے ایک حصہ میری حلال کمائی سے حاصل کیا ہوا ہے۔باقی تین حصے بیت المال میں جائیں گے۔''

اس نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔''اور وہ چالیس من سونا....؟''

''اسے میں اپنے رب کے حوالے کر چکا ہوں۔وہ جہاں بھی چھپا ہوا ہے۔جو بھی

اس خزانے کا مستحق ہے' اللہ تعالیٰ اسے وہاں پہنچا دے گا۔''

''میرا بھگوان مجھ کو اور تمہارا خدا منور کو اس خزانے تک ضرور پہنچائے گا۔تم ہٹ دھرمی سے باز آ کر ہمارے لئے یہ نیک کام کر سکتے ہو۔مگر یہ توقع فضول ہے۔تم کبھی ہمارے کام نہیں آؤ گے۔''

''درست سمجھ رہے ہو.....کام نہیں آؤں گا۔تمہارا کام تمام کروں گا۔مجرمانہ دھندے چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجرموں کو چھوڑ دوں گا۔کماری کلاونتی نے بتایا ہوگا' میں اس کی گردن دبوچنے اسلام آباد آنے والا ہوں؟ بس سمجھ لو کہ آنے ہی والا ہوں۔مجھے یقین ہے' وہاں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ڈیٹس آل.....''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔عصر کی اذان ہو رہی تھی۔میں وضو کرنے کے لئے اٹھ گیا۔عصر کے بعد مغرب کی نماز پھر عشاء کی نماز تھی اور آج عشاء کے بعد میں از سر نو ایک انوکھی زندگی شروع کرنے والا تھا۔

☆☆☆

مجھ سے عداوت کرنے والے ناکام اور نامراد ہو رہے تھے۔تنہائی میں سر پکڑ کر سوچ رہے ہوں گے کہ انہوں نے اب تک کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور یقیناً انہیں یہی حساب مل رہا ہوگا کہ پایا کچھ نہیں ہے' سراسر نقصان ہی اٹھاتے آ رہے ہیں۔

نادر شاہ کی بیوی یعنی میری بیٹی شرمین بیوہ ہو گئی تھی۔منور کی بیوی یعنی میری بہو بلقیس نہیں جانتی تھی کہ شوہر سلامت ہے یا نہیں؟ ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ شائد وہ بھی بیوہ ہو گئی ہے۔بیچاری یہ نہیں جانتی تھی کہ سہاگ سلامت تو ہے مگر آدھا تیتر آدھا بٹیر ہے۔جب بھی واپس آئے گا تو شوہر بن کر نہیں سہیلی بن کر رہے گا۔

یہ پرانی کہاوت ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسا جاتا ہے۔ان کے درمیان شرارہ خواہ مخواہ پس رہی تھی۔منور اور نادر نے اس کے ذریعے مجھے ٹریپ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔یہ قصہ اب پرانا ہو چکا تھا۔میں نے شرارہ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے منور کی کوٹھی سے نکال لاؤں گا بعد میں منور بھی راضی ہو گیا تھا۔اس نے سوچا تھا کہ نادر کو ٹھکانے لگانے کے بعد شرارہ کو وہاں سے گھر جانے کی اجازت دے دے گا۔

شرارہ ایک بار مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔میرے اور اس کے درمیان فون پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔اب اس نے موجودہ حالات سے گھبرا کر مجھے فون پر مخاطب کیا۔''آپ کہاں

ہیں؟ یہاں منور صاحب کی کوٹھی میں پولیس اور انٹیلی جنس والے آ رہے ہیں۔سنا ہے' نادر شاہ کا مرڈر ہو گیا ہے اور منور صاحب لاپتہ ہیں۔مجھے ڈر لگ رہا ہے۔میں ان کے ساتھ یہاں کوٹھی میں آئی تھی۔پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

میں نے تسلی دی۔''فکر نہ کرو۔تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

''آپ نہیں جانتے' یہاں کیا ہو رہا ہے؟ پولیس والے میرے بارے میں بھی سوالات کر رہے ہیں۔بلقیس باجی نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے کہا ہے کہ میں اُن کی بہن ہوں۔آج آئی ہوں' کل چلی جاؤں گی۔خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکالیں۔''

میں اس کی پریشانی کو سمجھ رہا تھا۔وہ پچھلے دو دنوں سے جیسے ایک قیدی کی حیثیت سے تھی۔اپنی مرضی سے کوٹھی کے باہر قدم بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔وہ بولی۔''یہ تو میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں' آپ بہت زبردست ہیں۔جو آپ سے دشمنی کرتا ہے' منہ کی کھاتا ہے۔آپ کا کچھ نہیں جاتا۔میں آپ کی پناہ میں آنا چاہتی ہوں۔مجھے ابھی اپنے پاس بلا لیں۔''

''میں کانٹوں پر چلنے والا ایک تنہا راہی ہوں اور آئندہ بھی تنہا ہی رہوں گا۔میری پناہ میں رہنے کی بات نہ کرو۔میں نے ایک بار ملنے کا وعدہ کیا ہے۔کل صبح یہ وعدہ پورا کر دوں گا۔''

اس نے پریشان ہو کر کہا۔''کل بہت دور ہے۔آپ کو خدا اور رسول کا واسطہ...! مجھے آج بلکہ ابھی یہاں سے نکالیں اور ملاقات کریں۔''

میں سوچنے لگا۔اس نے کہا۔''آج آپ سے ضرور ملوں گی۔بس میری اتنی سی خواہش پوری کریں۔خدا آپ کی مرادیں پوری کرے گا۔''

اس کی یہ بات دل کو لگی۔آج عشاء کے بعد میری بہت بڑی اور بہت ہی انوکھی مراد پوری ہونے والی تھی۔میں مسرتوں سے بھرا ہوا تھا۔ایسے میں اس کی ایک خوشی پوری کرنا میرا فرض تھا۔میں نے کہا۔''فون بلقیس کو دو۔''

اس نے پوچھا۔''آپ مجھے بلا رہے ہیں ناں؟''

میں نے کہا۔''پہلے بلقیس کو بلاؤ۔اسے فون دو۔''

وہ قدرے مایوس ہو کر بولی۔''اچھا۔ابھی بلاتی ہوں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔پھر میری بہو کی آواز سنائی دی۔''بابا جانی! آپ نے مجھے بلایا ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

میں نے کہا۔''یقین کر لو۔میں ہی بول رہا ہوں۔''

وہ میری آواز سن کر یقین کرتے ہی رونے لگی۔ روتے ہوئے سسکتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بابا جانی! ہم برباد ہو رہے ہیں۔ آپ کے سب سے لاڈلے صاحبزادے لاپتہ ہیں۔''

وہ بہت کچھ بتانے والی تھی۔ میں نے کہا۔ ''آگے کچھ نہ کہو۔ میں تم لوگوں کے تمام حالات سے باخبر رہتا ہوں۔ منور کے لئے آنسو نہ بہاؤ۔ وہ کچھ روز کے بعد واپس آجائے گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''خدا کا شکر ہے۔ میں سمجھ گئی' آپ نے بیٹے کی بہتری کے لئے اسے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔''

''تم کچھ بھی سمجھتی رہو۔ پولیس اور انٹیلی جنس والوں سے یہ نہ کہنا کہ مجھ سے فون پر باتیں کر چکی ہو۔''

''کبھی نہیں کہوں گی۔ میں نے تو یہ بیان دیا ہے کہ آپ بھی لاپتہ ہیں اور ہم آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''اس بیان پر قائم رہو۔ شرارہ کو وہاں سے جانے دو۔ ابھی ایک گھنٹے کے اندر ایک گاڑی وہاں آئے گی۔ شرارہ کو اس گاڑی میں روانہ کردو۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر .... آپ منور سے کہہ دیں کہ ہم سب خیریت سے ہیں۔ پہلے ان کے لئے رو رہے تھے۔ اب نہیں روئیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''اگر آنسو پونچھ لوگی۔ خوش نظر آؤ گی تو انٹیلی جنس والوں کو شبہ ہوگا۔ وہ سمجھ لیں گے کہ تمہیں منور کی خیریت معلوم ہو چکی ہے۔ پھر تو وہ تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''نہیں۔ میں خوش نظر نہیں آؤں گی۔ پہلے کی طرح ہائے ہائے کرتی رہوں گی۔ ابھی فون بند کرتے ہی رونا شروع کردوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''فون شرارہ کو دو۔''

وہ فون اسے دیتے ہی رونے لگی۔ شرارہ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ کسی کوشش کے بغیر چشم زدن میں آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے۔

شرارہ نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''تعجب ہے' آپ سے فون پر رونے کا وعدہ کیا۔ اور اب وہ واقعی دھاروں آنسو بہاتی ہوئی چلی گئی ہیں۔''

''میرے بیٹے' بیٹیاں اور بہوئیں سب ہی ڈرامے باز ہیں۔ انہیں چھوڑو اور وہاں سے اپنی روانگی کی تیاری کرو۔ ابھی ایک گاڑی تمہیں لینے آئے گی۔''

وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ خوشی سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ایکدم سے چہک کر بولی۔ ''میں

آپ کے پاس آرہی ہوں ناں....؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ سوچنے لگا کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد یہاں پہنچے گی۔ مختصر سی ملاقات ہوگی۔ پھر میرے آدمیوں کی نگرانی میں نیاز بیگ ٹھوکر چلی جائے گی۔ میں اپنی خفیہ رہائش گاہ کا راستہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے بھی بلانا مناسب نہیں تھا۔ لیکن میں اس سے ملنے کے لئے کسی دوسری جگہ نہیں جاسکتا تھا۔

آج عشاء کے بعد میری زندگی میں ایک انقلاب آنے والا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ وہ یہاں آئے گی۔ اس سے دو چار باتیں کروں گا۔ اس طرح ملاقات کرنے کا وعدہ پورا ہو جائے گا تو وہ عشاء سے پہلے چلی جائے گی۔

میں نے ایک جاں نثار کو ہدایت دی کہ وہ منور کی کوٹھی میں جائے اور شرارہ کو وہاں سے لے آئے۔ لیکن گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھانے کے بعد اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے۔ جب وہ میری رہائش گاہ کے اندر پہنچ جائے گی' تب پٹی کھولی جائے گی۔ پھر وہ واپس جائے گی۔ تو اسی طرح پٹی باندھ کر رخصت کیا جائے گا۔ اسے کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ کس علاقے کی کس کوٹھی میں مجھ سے ملنے آئی تھی؟

میں نے خوب سوچ سمجھ کر اسے وہاں بلایا تھا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان اتنا وقفہ ہوتا ہے کہ ایک مختصر سی ملاقات ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ مقررہ وقت پر نہ آسکی۔ راستے میں دو جگہ ٹریفک کے ہجوم نے اسے روک لیا تھا۔ وہ میری کوٹھی میں آئی تو عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔

میرا ایک جاں نثار اسے ڈرائینگ روم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اُدھر اذان پکار رہی تھی۔ اِدھر وہ آگئی تھی اور مجھے نماز کی طرف جانا تھا۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ انتظار کرے۔ اب ایک آدھ گھنٹے کے بعد ہی ملاقات ہو سکے گی۔

میں یہ کہنے کے لئے ڈرائینگ روم میں آیا تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ ایک مجسمے کی طرح کھڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے نہیں دیکھ رہی تھی۔ میں اسے یوں تک رہا تھا' جیسے ستر برس گزارنے کے بعد پہلی بار عورت کو دیکھ رہا ہوں۔

ایسی عورت کو جو مجھے نہیں دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں کا جادو نہیں جگا رہی تھی۔ مگر جادو تھا کہ یک لخت سر چڑھ کر بولنے لگا تھا۔

وہ چپ تھی۔ مگر اس کی سانسیں لیتی ہوئی خاموشیاں مجھے پکار رہی تھیں۔ میرے اندر شور مچا رہی تھیں۔ ماضی میں نہ جانے کتنی عورتیں آئیں اور گئیں۔ مگر اس کا سراپا کہہ رہا تھا۔

"میری جیسی کوئی نہیں آئی ہوگی۔ میں تمہاری زندگی کی پہلی اور آخری عورت ہوں۔ میرے بعد ساری دنیا یہاں آئے گی۔ مگر کوئی عورت کبھی نہیں آئے گی۔"

میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس میں کیسی کشش ہے؟ میں کیوں اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہوں؟ اچانک ہی میرے اندر کے نمازی نے کہا۔ "یہ آزمائش کی گھڑی ہے۔ آگے جانا ہے۔ نماز کی طرف... یا... حسنِ مجسم کی طرف...؟"

ابلیس شمع حسن روشن کر کے منتظر تھا کہ اُدھر جاتا ہے دیکھو یا اِدھر آتا ہے پروانہ۔ میں الٹے قدموں چلتا ہوا ڈرائینگ روم سے جانے لگا۔ شائد اس نے میری آہٹ سن لی تھی۔ بڑے تجسس سے بولی۔ "آپ آ گئے....؟ مجھے یہاں لانے والے نے کہا ہے' آپ خود آ کر یہ پٹی کھولیں گے۔"

میں جاتے جاتے دروازے پر رک گیا۔ پھر بولا۔ "نماز کا وقت ہو گیا ہے۔"

"ہاں میں نے اذان سنی ہے۔"

"تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔ نماز کے بعد ملاقات ہو گی۔"

اس نے پوچھا۔ "ملاقات کسے کہتے ہیں؟ اگر ملاقات میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ بولتے اور سنتے ہیں تو ہم بول رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ آدھی ملاقات ہو چکی ہے۔ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں دیکھ نہیں پا رہی ہوں۔ یہ ناانصافی ہے۔ آپ نماز سے پہلے انصاف کریں۔ آنکھوں سے پٹی ہٹا کر جائیں۔"

اگر نماز کے لئے وقت ہو' اس سے پہلے بندے کے حقوق ادا کئے جا سکتے ہوں اور انصاف کرنا ممکن ہو تو ضرور کرنا چاہئے۔

مگر میں قریب جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ آگ نہیں تھی۔ جلا نہیں سکتی تھی۔ مگر بندے کو اس کی اپنی کمزوری جلا دیتی ہے اور میرے پاس ابھی اپنی کمزوری اور قوت ارادی کو آزمانے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "اپنے ہاتھوں سے پٹی کھول سکتی ہو۔"

اجازت ملتے ہی اس نے پٹی کھول دی۔ میں ذرا فاصلے پر اس کے روبرو تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر مجھے تکنے لگی۔ میں نے کہا۔ "تم نے میری جو تصویر اپنے ذہن میں بنائی تھی۔ وہ مٹ چکی ہو گی۔ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔"

وہ بولی۔ "یقین کریں' میں نے یہی تصویر بنائی تھی۔ پچھلے دو دنوں سے آپ کے بیٹے اور داماد کی باتیں سن سن کر میرے دل و دماغ میں یہی خاکہ بنتا رہا تھا۔"

"کیا اس ملاقات سے مایوسی ہو رہی ہے؟"

"ہاں ہو رہی ہے۔ آپ کترانے کے انداز میں دور کھڑے ہیں۔"

"میں عبادت کے لئے جا رہا ہوں۔ کیا نماز پڑھتی ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ "نہیں....."

پھر کہا۔ "ہاں۔ کبھی کبھی پڑھ لیتی ہوں۔"

"آج پہلی ملاقات ہے۔ تم جو مانگو گی' وہ تحفے کے طور پر دوں گا۔ لیکن کیا ابھی تم مجھے ایک تحفہ دو گی؟"

"میری اوقات کے مطابق جو طلب کریں گے' وہ دوں گی۔"

"میں تم سے نماز کی ادائیگی چاہتا ہوں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے اپنے لباس کو دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ "تمہارے پاس وہ بیگ رکھا ہوا ہے۔ یقیناً دوسرا لباس ہوگا۔ کسی بھی کمرے میں جا کر شاور لو۔ لباس تبدیل کرو۔ نماز ادا کرو۔ پھر انتظار کرو۔ ایک آدھ گھنٹے بعد ملاقات ہو گی۔"

میں وہاں سے پلٹ کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ تا کہ وہ اندر نہ آئے۔ لاشعوری طور پر میری حالت ایسی تھی' جیسے وہ پیچھا کر رہی ہو اور میں اپنی پارسائی کا بھرم رکھنے کے لئے بھاگتا پھر رہا ہوں۔ اس نے ابھی درست کہا تھا کہ میں اس سے کترا رہا ہوں۔

آج کی رات آج کی نماز مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ میں کسی کی مداخلت نہیں چاہتا تھا۔ نہ چاہنے کے باوجود ابلیس مردود ایک فتنہ جگانے والی کو میرے گھر کی چار دیواری میں میرے اتنے قریب لے آیا تھا۔ ہمارے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ صرف ایک بند دروازہ تھا جو کسی بھی کمزوری کے باعث کھل سکتا تھا۔

میں وضو کرتے وقت آیتیں پڑھتا رہا۔ بار بار مَعُوَّذَتَین پڑھ کر شیطان مردود کو بھگاتا رہا۔ یہ یقین ہو گیا کہ سخت آزمائش سے گزر رہا ہوں۔ ہم اپنے مضبوط ارادے سے پاس آنے والی عورت کو دور بھگا سکتے ہیں۔ مگر سیلابی ریلے کی طرح ذہن میں آنے والے خیالات کو بھگانا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ مجھے ناممکن کو ممکن بنانا تھا۔ میں وہی عمیر بن غازی ہوں' جو پچھلے دس مہینوں سے اپنے اور بیگانوں کے ہاتھوں سے زخم کھاتا رہا۔ مگر مجھے توڑنے والے کسی صورت توڑ نہ سکے۔

میرے ارادے ہمیشہ فولادی رہے ہیں۔ تمام رات کھلے آسمان کے نیچے برفباری سے لڑتا رہا تھا۔ موت میرے قریب آ کر ہار گئی تھی۔ میرے ایسے ضدی ارادوں کے آگے عورت کیا چیز ہے؟

میں مصلّے پر آ گیا۔ رسول کریمؐ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ''خدایا! میں برے اخلاق' برے اعمال اور بری خواہشات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

پناہ مانگنے کے سلسلے میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ شیطان کی طرف سے تمہیں اُکساہٹ ہو تو اللہ کی پناہ مانگو اور کہو۔ ''میرے پروردگار! میں شیاطین کی اکساہٹوں سے پناہ مانگتا ہوں۔''

میں نے نماز شروع کی تو تمام ورغلانے والے خیالات دماغ سے فنا ہو گئے۔ صرف اور صرف عبادت کا اٹل جذبہ رہ گیا۔

''میرے معبود! تُو نے ایک بار مجھے جوانی دی۔ میں نے خرمستی میں اسے پانی کر دیا۔ ایک بچہ قیمتی کھلونے کو نادانی میں توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ میں نے بھی بچکانہ اور احمقانہ حرکتیں کیں اور تیری دی ہوئی جوانی کو بیماریوں کا گھر بنا ڈالا۔

جوانی منہ زور آندھی ہوتی ہے۔ ہوش و حواس بہا لے جاتی ہے۔ اس دور میں ساری رنگینیاں یاد رہتی ہیں۔ صرف خدا یاد نہیں آتا۔ میں نے بھی تجھے بھلا دیا تھا۔

میں شرمسار ہوں۔ تُو مجھ جیسے گناہگار بندے پر رحمتیں نازل کر رہا ہے۔ تیری رحمتیں اور نوازشیں ذہن سے بالا ہیں۔ آج یہ وعدہ کرتا ہوں' از سرنو ملنے والی جوانی کے ایک ایک لمحے میں شیطان پر لعنتیں بھیجتا رہوں گا اور تیرے بندوں کے کام آتا رہوں گا۔ ایسے تمام دنیاوی معاملات سے دور رہوں گا' جو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تُو نے مجھے قوت ارادی دی ہے۔ حوصلہ دیا ہے۔ مجھے اور حوصلہ دے آمین.....!''

میں عشاء کی نماز ادا کر چکا تھا۔ دعا مانگنے کے بعد بڑے جذبے سے سجدے میں گر پڑا۔ ان لمحات میں شائد جوانی کی طرف مڑ گیا تھا۔ اگر ایسا تھا تو یہ نیا سفر سجدے سے شروع کر رہا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو سجدے میں ہی رہتا۔ سر نہ اٹھاتا۔ مگر حکمِ خداوندی ہے کہ صرف دین کے ساتھ نہیں دنیا کے ساتھ بھی چلو۔

نئی زندگی شروع ہو چکی تھی۔ یہ کیسے معلوم ہو کہ شروع ہو چکی ہے؟ میں نے آنکھیں بند کر کے محسوس کرنے کی کوشش کی۔ ''کیا میرے اندر کوئی تبدیلی ہو رہی ہے....؟''

سجدے کے وقت جسم کا خون دماغ کی طرف کھنچا آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے' سر جھکاتے ہی اپنے رب کے سامنے کھنچے چلے آئے ہیں۔ کچھ پانے کا احساس ہوتا ہے۔ میں کیا پا رہا تھا؟ یہ فوراً ہی معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک نوزائیدہ بچہ نہیں جانتا کہ کس کا دودھ پی رہا ہے؟ وہ رفتہ رفتہ ممتا کی خوشبو سے آشنا ہوتا ہے اور ماں کو پہچانتا ہے۔ اس وقت میں بھی نوزائیدہ بچے کی مانند تھا۔ اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یقیناً آگے جا کر معلوم ہو سکے گا کہ میں کیا سے کیا ہو رہا ہوں؟

میرے کمرے کے باہر شرارہ ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اسے نماز پڑھنے کو کہا تھا۔ وہ شاور لے کر لباس تبدیل کر کے میری ہدایت پر عمل کر سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ دراصل میں نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا تھا بلکہ بھول گیا تھا کہ عورتوں کی ماہانہ مجبوریاں ہوا کرتی ہیں۔

وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ بار بار وال کلاک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دل کہہ رہا تھا کہ بس میں آنے ہی والا ہوں۔ اسے مجھ جیسے ہڈیوں کے ڈھانچے سے متاثر نہیں ہونا چاہئے تھا۔ شائد وہ متاثر نہ ہو۔ کوئی اور بات ہو۔ کوئی اور ضرورت اسے میری طرف کھینچ لائی ہو؟

وہ ایک گھنٹے بعد اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ عشاء کی نماز دیر تک ہوتی ہے۔ مگر اتنی دیر بھی نہیں ہوتی۔ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر دوسرے کمروں کی طرف گئی۔ دو بیڈ روم کے دروازے کھلے تھے۔ تیسرا اندر سے بند تھا۔ وہ دستک دینا چاہتی تھی۔ پھر رک گئی۔ دروازے سے کان لگا کر سننے لگی۔

اندر گہری خاموشی تھی۔ اسے وہ خاموشی پراسرار لگ رہی تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کو دیکھ کر سوچنے لگی' کیا کرے؟ دستک دے گی تو اسراریت ختم ہو جائے گی۔ دروازہ کھل جائے گا۔ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ میں بند کمرے میں اب تک کیا کرتا رہا ہوں؟

اس نے سر اٹھا کر روشن دان کو دیکھا کچھ سوچا پھر ایک اونچا اسٹول لا کر اس پر چڑھ گئی۔ یوں اس کا آدھا چہرہ اور دو آنکھیں روشن دان تک پہنچ گئیں۔ کمرے کا بیشتر حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں بھی نظر آ رہا تھا۔

اس وقت میں ہاتھ پاؤں کی ہلکی پھلکی سی ورزش کرتے ہوئے خود کو آزما رہا تھا کہ تھکن محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ خدا کا شکر ہے' ان لمحات میں بھرپور توانائی محسوس کر رہا تھا۔ وہ

بڑی حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ میں نے اسے نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی اور خود بند کمرے میں آ کر اس بڑھاپے میں ورزش کر رہا ہوں؟

وہ مجھے بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے میں کچھ تبدیل ہو گیا ہوں۔ بالکل ہی بوڑھا نہیں لگ رہا ہوں۔ اس نے تقریباً دو گھنٹے پہلے مجھے ڈرائینگ روم میں دیکھا تھا۔ اتنی سی دیر میں ایسی کیا تبدیلی ہوئی تھی؟ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں ایک مارکر لے کر کیلنڈر کے سامنے آ گیا۔ وہاں چھ ستمبر کی تاریخ پر دائرہ لگا ہوا تھا۔ تاریخ آگے بڑھتی ہے۔ مجھے سات ستمبر پر نشان لگانا چاہئے تھا۔ لیکن میں نے پانچ ستمبر پر دائرہ لگایا۔ یہ اس کے لئے حیرانی کی بات تھی۔ وہ مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ یہ کبھی سمجھ ہی نہیں سکتی تھی کہ میں الٹی گنتی کی طرف کیوں جا رہا ہوں؟

وہ اسٹول سے اتر گئی۔ ڈرائینگ روم کی طرف جاتے ہوئے ناقابل فہم باتوں پر غور کرتی رہی۔ پھر اس نے اپنے فون پر میرے نمبر پنچ کئے۔ میرا فون بیڈ کے سرہانے والی میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہاں آ کر نمبر پڑھے تو احساس ہوا کہ میں اسے بڑی دیر سے نظر انداز کر رہا ہوں۔ مجھے وعدے کے مطابق اس سے ملاقات کرنی تھی۔

میں نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''سوری۔ کچھ دیر ہو رہی ہے۔ ابھی آتا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''فون بند نہ کریں۔ میری ایک بات کا جواب دیں۔ کیا آپ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے؟''

میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''آپ نے مجھے نماز پڑھنے کو کہا اور خود بند کمرے میں رہ کر اتنی دیر سے ورزش کر رہے ہیں۔''

میں نے حیرانی سے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم دروازے کی اوٹ سے جھانک رہی تھیں؟''

''پہلے میری بات کا جواب دیں۔ میں نے آپ کے بیٹے اور داماد کی کئی باتوں سے اندازہ لگایا تھا اور جس طرح آپ دشمنوں کو زیر کر رہے ہیں۔ اس سے بھی یقین ہو رہا تھا کہ بوڑھے اور کمزور نہیں ہیں اور ابھی آپ کو دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ جناب کو جوان بننے کا بہت شوق ہے۔''

مجھے یوں لگا' جیسے وہ میری برسوں کی خواہش کر پڑھ رہی ہو۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا

تم یہاں ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرنے آئی ہو؟''

''میں نہیں آپ الٹی سیدھی حرکتیں کر رہے ہیں۔ چھ تاریخ کے بعد سات پر نشان لگانا چاہئے تھا۔ آپ نے گزری ہوئی پانچ تاریخ پر نشان لگایا ہے۔ کیا آپ اس طرح وقت کو پیچھے کی طرف لے جانا چاہتے ہیں؟''

میں نے کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ پھر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ روشن دان پر نظر گئی۔ تب میں نے کہا۔ ''اچھا تو تم روشن دان سے دیکھ رہی تھیں؟''

''ہاں دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ غلط ہے کہ آپ کو جوان بننے کا شوق ہے؟ اتنا شوق ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت بالوں میں خضاب لگاتے رہے؟''

میں نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا بکواس ہے؟ میں اپنے کمرے میں آ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ خضاب نہیں لگا رہا تھا۔''

''تعجب ہے۔ ابھی دو گھنٹے پہلے دیکھا تھا تو سر کے بال سفید تھے۔ اب خضاب لگائے بغیر سیاہ کیسے ہو گئے؟''

اس کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے فوراً ہی پلٹ کر آئینے کے سامنے آ کر دیکھا تو حیرت سے ایک خوشگوار سا جھٹکا لگا۔ میرے سر کے بال اور بھونیں سیاہ ہو گئی تھیں۔ کوئی بھی دیکھتا تو یہی کہتا کہ میں نے خضاب لگایا ہے۔ میں ایکدم سے پلٹ کر کعبے کے رخ کرتے ہوئے سجدے میں پہنچ گیا۔

میری مسرتوں کی انتہا نہیں تھی۔ بڑھاپے سے واپس جوانی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ اس سے واضح نشانی اور کیا ہو سکتی تھی کہ ابھی عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد کسی وقت میرے بال سیاہ ہو گئے تھے۔

ہمارا معبود بیشک قادر مطلق ہے۔ پل بھر میں سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنا دیتا ہے۔ وقت کا پہیہ پیچھے کی طرف گھما دیتا ہے۔ کیلنڈر کی تاریخ پیچھے لے جاتا ہے۔ وہ رب کریم مجھے بڑھاپے کے کھنڈر سے نکال کر جوانی کے گل و گلزار کی سمت لے جا رہا تھا۔

اس واضح نشانی کو دیکھ کر پختہ یقین ہو گیا کہ واپسی کا سفر شروع ہو چکا ہے۔ میرا رب مجھ سے راضی ہے اور آئندہ مجھے اس معبود کی رضا کے مطابق زندگی گزارنی چاہئے۔ میں نے سجدے میں رہ کر اپنے رب سے وعدہ کیا کہ پچھلی غلطیاں نہیں دہراؤں گا۔

دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے سر اٹھا کر فون کی طرف دیکھا۔ وہ بند

ہو چکا تھا۔شرارہ دروازے پر آ گئی تھی۔اس کی آواز سنائی دی۔''آپ فون پر نہیں بول رہے تھے۔اس لئے آئی ہوں۔''

میں نے کہا۔''ڈرائینگ میں چلو میں آرہا ہوں۔''

میں قالین پر سے اٹھ کر سوچنے لگا۔''اس نے ڈرائینگ روم میں سفید بالوں والے بوڑھے کو دیکھا تھا۔ اگرچہ اب بھی میں بوڑھا دکھائی دیتا ہوں۔ مگر بال سیاہ ہو گئے ہیں۔میرے ساتھ جو قدرتی معاملات ہیں انہیں نہ وہ سمجھ پائے گی اور نہ میں قدرت کا بھید کھولنا چاہوں گا۔''

میں پہلے سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مختصری ملاقات کے لئے آئے گی تو گھر کی بھیدی بننے کی راہ نکال لے گی۔تانک جھانک کرنے والیاں بڑی تیز طرار ہوتی ہیں۔میں نے سوچ لیا کہ اس سے کچھ باتیں کروں گا پھر اسے رخصت کر دوں گا۔

میں بیڈروم سے نکل کر ڈرائینگ روم میں آیا۔وہ ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔مجھے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔سراپا جلوہ نما ہو گئی۔پتہ نہیں اس میں کیسی کشش تھی کہ مجھے اچھی لگ رہی تھی۔

اس نے میرے سر کو دیکھتے ہوئے کہا۔''کیا میں جھوٹ کہہ رہی تھی؟آپ نے خضاب نہیں لگایا ہے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔''ہاں لگایا ہے۔مگر یہ نہ سمجھو کہ میں نے نماز نہیں پڑھی۔پہلے پڑھی ہے پھر یہ بال سیاہ ہوئے ہیں۔''

وہ بڑی اداؤں سے مسکرا کر بولی۔''یعنی مجھے دیکھتے ہی جوان بننے کا ارادہ کرلیا؟''

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں نے ملاقات کرنے کا وعدہ پورا کیا ہے۔کچھ کہنا ہے تو کہو...اس کے بعد میرے آدمی تمہیں گھر چھوڑ آئیں گے۔''

وہ بولی۔''پہلی بات تو یہ کہ میں چٹکی بجا کر بندوں کو پھانس لیتی ہوں۔مگر آپ کو پھانسنے نہیں آئی ہوں۔ احسان فراموش نہیں ہوں۔آپ میرے محسن ہیں۔میں آپ کا بڑے سے بڑا کام کروں گی۔آپ کی ہر بات مانوں گی مگر اپنے بدن کو ہاتھ لگانے نہیں دوں گی۔''

وہ شائد اپنا بھاؤ بتا رہی تھی۔میں نے ناگواری سے کہا۔''تم ضرورت سے زیادہ بولتی ہو۔میں نے تمہاری آرزو نہیں کی ہے۔تمہیں طلب نہیں کیا ہے۔تم بہت زیادہ خوش فہمی....''

وہ بات کاٹ کر بولی۔''پلیز یہاں کوئی تیسرا نہیں ہے۔جو سچ ہے اس کا اعتراف کریں۔میں بازاری عورت ہوں۔کسی بھی مرد سے نگاہیں چار کرتے ہی اس کی نیت کو بھانپ

لیتی ہوں۔''

اس نے خود کو بازاری کہا تو میں نے بحث نہیں کی۔وہ سمجھ رہی تھی۔میں اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔میں نے کہا۔''جب بازاری ہو تو یہ کیوں کہہ رہی ہو کہ بدن کو ہاتھ لگانے نہیں دو گی؟''

''میں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ میرے محسن ہیں۔آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔اپنی بیماریاں آپ کو نہیں لگاؤں گی۔''

میں نے متاثر ہو کر اسے دیکھا۔پھر کہا۔''تم بہت اچھی ہو۔یہ مانتا ہوں کہ تم پر دل آ گیا ہے۔مگر میرے ذہن میں دور تک گناہ کا تصور نہیں ہے۔میں تمہیں اچھی طرح سمجھنے کے بعد اپنے دین اور شریعت کے مطابق شریک حیات بنانا چاہوں گا۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔میری یہ بات اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کوئی اسے ایسی عزت دینا چاہے گا۔ابھی وہ بازاری انداز میں آنکھیں مٹکا رہی تھی۔اب اچانک ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔وہ آنسو بھرے لہجے میں بولی۔''یہ ممکن نہیں ہے۔یہ نہیں ہو سکتا۔آپ مجھ سے نیکی کریں اور میں آپ کو مار ڈالوں۔''

میں نے کہا۔''ہماری دنیا میں بدترین بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔میں تمہیں لندن لے جاؤں گا۔بڑے تجربہ ڈاکٹروں سے علاج کراؤں گا۔''

''آگے نہ بولیں۔آپ کی یہ محبت یہ جذبہ مجھے مار ڈالے گا۔اب تک تو یہی سن رہی ہوں کہ دنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس ایڈز کا علاج نہیں ہے۔یہ طے ہو چکا ہے کہ میں ناقابل علاج ہوں۔''

میں نے سر جھکا لیا۔اس کے لئے دل میں درد پیدا ہو رہا تھا۔جسے پالینے کا یقین ہو اور وہ ملتے ملتے بھی نہ مل پائے تو اس کے لئے اور زیادہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔اس نے کہا۔''میں آپ سے مدد حاصل کرنے آئی ہوں۔''

میں نے بڑے جذبے سے کہا۔''زبان کھولو۔تمہاری ہر ضرورت پوری کروں گا۔''

''میری چھوٹی بہن دس برس کی ہے۔اس کے لئے پریشان ہوں۔صاف نظر آتا ہے کہ اسے کوئی عزت سے بیاہ کر نہیں لے جائے گا۔وہ ایک بازاری عورت کی بہن کہلاتی رہے گی۔''

''میں تمہاری پریشانیوں کو سمجھ رہا ہوں۔فکر نہ کرو۔تم دونوں بہنوں کو عزت ملے

گی۔ ایڈز کا علاج کسی حد تک ہو رہا ہے۔ بعض مریض بحالی کی طرف آرہے ہیں۔ میں تمہارا علاج کراؤں گا۔ تم ایک ہفتے کے اندر بہن کے ساتھ لندن جاؤ گی۔ وہاں مستقل رہائش اختیار کرو گی۔ تمہاری بہن کی تعلیم تربیت وہیں ہوتی رہے گی۔ جب واپس آؤ گی تو تمہاری حیثیت بدل چکی ہوگی۔ تمہاری بہن کسی بھی عزت دار گھرانے میں بیاہی جائے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

وہ میری محبت اور ہمدردیاں پاتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ اسے رونے دیا تاکہ اندر کا سارا غبار نکل جائے۔ پھر آج کے بعد وہ کبھی آنسو نہ بہائے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔"میں نے آپ کے بیٹے اور داماد سے سنا ہے کہ پڑوسی ملک سے بھی آپ کا ایک دشمن آیا ہوا ہے۔ آپ سب ہی پر بھاری پڑ رہے ہیں۔ سب ہی کہتے ہیں کہ بظاہر بوڑھے بیمار اور کمزور دکھائی دیتے ہیں۔ مگر حقیقتاً ایسے نہیں ہیں۔"

اس نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کہا۔"آج پہلی بار آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ کسی بھی طرح بیمار اور کمزور نظر نہیں آرہے ہیں۔"

میں نے کہا۔"رب کریم کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ میں شیطان کے حربوں سے بچنے لگا ہوں۔ مجھے جو توانائی حاصل ہو رہی ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسی رحمتیں صرف نصیب والوں پر نازل ہوتی ہیں۔"

"آپ مرد ہیں۔ شیطان کے حربوں سے بچ نکلتے ہیں۔ میں عورت ہوں' ایک شیطان سے بری طرح مات کھا چکی ہوں۔ اس مردود نے مجھے دو کوڑی کا بنا دیا ہے۔"

میں نے پوچھا۔"کون ہے وہ....؟"

"وہ ایک عیاش جاگیردار اور سیاستدان بہت ہی بااختیار اور بے لگام ہے۔ آپ نے شوکت شاہنواز کا نام سنا ہوگا؟"

میں صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ میرے مخالفین کی فہرست میں اس کے نام کا اضافہ ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔"تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"اس کے بارے میں شائد مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا ہوگا۔"

"میں بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

اس نے کہا۔"اس کے باپ دادا کے زمانے سے ایک فلاحی ادارہ قائم ہے۔ اس ادارے میں غریب اور لاوارث لڑکیوں کا ہاسٹل اور اسکول ہے۔ وہاں مفت کھانا کپڑا اور تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ پانچ برس سے لے کر بیس برس کی انتہائی حسین و جمیل لڑکیوں کو اس

ادارے میں تعلیم و تربیت کے لئے داخلہ ملتا ہے۔"

وہ ذرا توقف سے بولی۔"میں بارہ برس کی تھی۔ اسکول کی ایک تقریب میں شوکت شاہنواز مہمان خصوصی کی حیثیت سے آیا تھا۔ وہاں اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنے لئے پسند کر لیا۔ میں بارہ برس کی تھی اور وہ چالیس برس کا تھا۔ کم بخت میرے پیچھے پڑ گیا۔ اس نے میرے ابا کو اپنی کوٹھی میں طلب کیا۔ اسے مشورہ دیا کہ مجھے ادارہ تعلیم و تربیت میں داخل کرا دے۔

ہم بہت غریب تھے۔ کبھی ابا کما کر لاتا تو تینوں وقت کھاتے تھے۔ ورنہ فاقے ہوتے تھے۔ اس نے ابا کو پچاس ہزار روپے دیئے تو وہ مجھے اس ادارے میں چھوڑ کر چلا گیا۔"

وہ ذرا چپ ہوئی۔ اپنی انگلیوں پر گنتی پڑھتے ہوئے بولی۔"میں آٹھ برسوں تک وہاں رہی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ کیسی شرمناک حرکتیں کرتا رہا ہوگا؟"

بیشک۔ میں اندازہ کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔"دولت مند عیاش طرح طرح کے شوق رکھتے ہیں۔ اسے کم سن لڑکیوں سے کھیلنے کا شوق تھا۔ وہ بچہ بن کر ان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا تھا۔ تاریکی میں انہیں ڈھونڈتا تھا' پکڑتا تھا انہیں اچھی طرح ٹٹولتے ہوئے کہتا تھا کہ تم انیلا ہو...فہمی ہو...ڈولی ہو....تم شرارہ ہو۔"

وہ بڑی دلچسپ معلومات پیش کر رہی تھی۔ میں توجہ سے سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔"کبھی وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کہتا تھا کہ میں تم میں سے کسی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ صرف ہونٹوں سے اور زبان سے چھو کر پہچان لوں گا۔ چلو ادھر ادھر ہو جاؤ۔ ہم سب جگہ بدل کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ وہاں مجھ سے بھی کم عمر لڑکیاں مختصر سے لباس میں ہوتی تھیں۔ وہ انہیں ڈھونڈتا ہوا قریب پہنچتا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے تھے۔ وہ اپنے ہونٹوں سے اور زبان سے بدن کے کتنے ہی حصوں کو گدگداتا تھا۔ لڑکیاں ہنستی تھیں۔ وہ ہنستے ہنساتے کھیلتے کھلاتے انہیں جوانی کی دہلیز پر پہنچا دیتا تھا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔"میں ان لڑکیوں میں سے ہوں جن پر جوانی آئی نہیں لائی گئی ہے۔ یہ عیش و عشرت میں مست رہنے والے جوانی سے پہلے بچیوں کو جوان بنا دیتے ہیں۔ جب بوڑھے ہوتے ہیں تو خود جوانی کی طرف آنے کے لئے معجون اور سلاجیت کا سہارا لیتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے کسی عارضی سہارے کی ضرورت نہیں

تھی۔ میں قدرتی طور پر ادھر جارہا تھا جدھر بچپن اور بڑھاپا کھنچے چلے جاتے ہیں۔

شرارہ نے کہا۔ ''جب میں بیس برس کی بھرپور جوان عورت بن گئی تو شوکت کی دلچسپی ختم ہوگئی۔ وہ کچی کلیاں چننے کا عادی تھا۔ اس کا بیٹا برکت شاہنواز پکے ہوئے پھل کھانے کا دلدادہ تھا۔ ہوس کے معاملے میں وہ باپ بیٹے مختلف ذوق کے حامل تھے۔ مجھے ادھر ٹرانسفر کردیا گیا۔''

وہ بڑے دکھ سے بڑے کرب سے بولی۔ ''یہ کیسے لوگ ہوتے ہیں؟ ان میں ایک ذرا سی شرم ذرا سی غیرت نہیں ہوتی۔ باپ دھیرے دھیرے فصل پکاتا تھا۔ بعد میں بیٹا آرام سے کھاتا اور جگالی کرتا رہتا تھا۔ ایسی غیر انسانی غیر اخلاقی کڑوی حقیقت سن کر آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟''

میں نے ندامت سے کہا۔ ''بڑی شرم آرہی ہے۔ ایسے لوگوں کے گناہ ظاہر نہیں ہوتے۔ ہوجائیں تو ہم انہیں زندہ نہ چھوڑیں۔ میرا وعدہ ہے' وہ باپ بیٹے حرام موت مریں گے۔''

وہ اطمینان سے گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''میں یہی چاہتی ہوں۔ برکت شاہنواز ایڈز کا مریض ہے۔ اللہ کرے وہ کل کا مرتا آج مرجائے۔ کتنی ہی لڑکیوں کو ایسے مہلک مرض سے نجات مل جائے گی۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میرے سامنے آگئی۔ دل کی دھڑکنیں کچھ بے اختیاری ہونے لگیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ایک بار اسے چھونا چاہتا تھا۔ وہ میرے دل میں اتر گئی تھی۔ کیا ہوا اگر وہ بری طرح نوچی کھسوٹی گئی تھی۔ بیماریوں کا گھر بنا دی گئی تھی۔ گھر کی تعمیر نو ہوسکتی ہے۔ جیسے نئے سرے سے میری تعمیر ہورہی تھی۔

پیار کا جذبہ کانٹوں میں بھی پھول کھلاتا ہے۔ میرے اندر یہ جذبہ تھا کہ اسے صحت مندی کی طرف لانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہوں گا۔

اس نے قالین پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''آپ مجھے سمندر پار بھیج کر میرا علاج کرانا چاہتے ہیں۔ میری بہن کو نیک نامی دینا چاہتے ہیں۔ خدا ان نیک ارادوں میں آپ کو کامیاب کرے۔ آج سے میں آپ کے نام ہوگئی۔''

میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ جیسے اسے پالیا۔ دل اس کی طرف کھنچا جارہا تھا۔ مگر فاصلہ لازمی تھا۔ اس نے کہا۔ ''آج سے میں ایک ہی دعا مانگتی رہوں گی کہ میرا مہلک مرض ایک دن ایک رات کے لئے ختم ہوجائے اور میں اپنے پیار کی تمام حسرتیں پوری

کرلوں۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلوں گی۔''

میں نے اس کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''مرنے کی باتیں نہ کرو۔ تمہارا بھرپور علاج ہوگا۔ تم میرے لئے جیوگی۔ بولو جیوگی ناں میرے لئے؟''

وہ میرے گھٹنے پر پیشانی ٹیک کر بولی۔ ''اللہ...! آپ مجھے کتنا پیار دے رہے ہیں؟ میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ میں۔ میرا دل چاہتا.....''

وہ اچانک ہی چونک گئی۔ اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر کھڑی ہوگئی۔ پیچھے ہٹ کر بولی۔ ''میں جارہی ہوں۔ مجھے جانا چاہئے۔ مجھے ڈر ہے' ٹھہر گئی تو آپ کے آگے ڈھیر ہوجاؤں گی۔''

وہ پلٹ کر اپنے بیگ کے پاس گئی۔ وہاں رک کر بولی۔ ''میری آنکھوں پر پٹی باندھ دیں۔ آپ کی اس پناہ گاہ کو خفیہ رہنا چاہئے۔''

میں نے فون کے ذریعے ایک جاں نثار کو طلب کیا۔ پھر شرارہ سے کہا۔ ''تم کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہوئی یہاں سے جاؤ گی۔ اپنی بہن کے ساتھ میری گلبرگ والی کوٹھی میں رہوگی۔ پچھلی زندگی کو بھول جاؤ۔ نئی زندگی شروع کرو۔''

ایک جاں نثار نے آکر سلام کیا۔ میں نے کہا۔ ''انہیں نیاز بیگ ٹھوکر لے جاؤ۔ یہ ابھی بہن کے ساتھ واپس آئیں گی۔ گلبرگ والی کوٹھی کی چابیاں ان کے حوالے کردو۔ دو دنوں کے اندر دونوں بہنوں کے پاسپورٹ بنواؤ۔ علاج کے سلسلے میں لندن جانے کے لئے ویزا مل جائے گا۔ باقی انتظامات میرے لندن آفس والے کریں گے۔''

اس نے اپنا بیگ اٹھا کر بڑے جذبے سے بڑی محبت سے مجھے دیکھا۔ پھر خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

پہلی ملاقات میں ہم ایک دوسرے سے یوں وابستہ ہوگئے تھے۔ جیسے ہمارے درمیان پرانی شناسائی ہو۔ ایسی بات نہیں ہے کہ میں چند گھنٹوں میں اس کا دیوانہ عاشق بن گیا تھا۔ بیشک اس پر دل آگیا تھا مگر جی جان سے اس کے کام آنے کی اور بھی وجوہات تھیں۔

سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ تھی کہ شرارہ نے ایسے وقت میرے گھر میں قدم رکھا تھا جب مجھے نئے سرے سے' نئے انداز سے ایک معجزاتی زندگی مل رہی تھی۔ ایسی مسرتوں کے ہجوم میں وہ جیسے جشن محبت منانے آگئی تھی۔ اس نے میری مسرتوں کو دوبالا کردیا تھا۔

دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ نئی زندگی کی ابتداء ہوتے ہی میں نیکی کمانے کی راہ پر چل پڑا

تھا۔ایک ایسی مصیبت زدہ کے کام آرہا تھا۔ جسے ہوس پرستوں نے مہلک بیماری لگا دی تھی۔آئندہ میری زندگی کا مقصد یہی ہوگا کہ مظلوموں کے کام آتا رہوں اور یہ میری بہت بڑی نیکی ہوگی' جب میں شرارہ کی بہن کو نیک نامی دوں گا۔

میں اپنے بیڈ روم میں آگیا۔وہاں میرا موبائل فون گنگنا رہا تھا۔میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔وہ میرے لئے اجنبی نمبر تھا۔رانگ کال ہو سکتی تھی۔میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔''جی۔فرمائیے...؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔''ہم کیا فرمائیں؟ سنا ہے' آپ ہم سے بات کرنا بھی نہیں چاہتے؟''

میں نے کہا۔''سوری رانگ نمبر....''

وہ جلدی سے بولا۔''جسٹ آمنٹ۔فون بند نہ کرنا۔میں رانگ نمبر نہیں ہوں عمیر بن غازی...!''

میری پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔میں نے پوچھا۔''کون ہو تم...؟ تمہیں یہ فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔''تم پوری دنیا سے چھپ سکتے ہو۔لیکن مجھ سے کبھی نہیں چھپ سکو گے۔میں تو روپوش رہنے والوں کو تاریکیوں میں بھی ڈھونڈ نکالتا ہوں۔''

''اچھا...یہ تو اُلو کی خاصیت ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔مجھے اُلو کہہ کر خوش ہو جاؤ۔مجھ سے دوستی کرو گے تو طرح طرح سے خوش رکھوں گا۔''

''پھر تو یہ بھی بتا دو کہ دوستی کس بنیاد پر ہوگی؟''

''مجھے چالیس من سونے کا حصہ دار بنالو۔بڑے فائدے میں رہو گے۔کوئی دشمن تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''اچھا تو آپ ہیں عزت مآب شوکت شاہنواز....آپ کہاں ہیں؟ میں تو حضور کو گلے لگانے کا فیصلہ کر رہا تھا۔''

وہ ذرا دیر چپ رہا۔پھر بولا۔''کیا یہ بات سنجیدگی سے کر رہے ہو؟ مجھے تو اطلاع ملی ہے' تم مجھے خود سے کم تر سمجھ رہے ہو۔دوستی کرنا تو کیا...مجھ سے بات کرنا بھی نہیں چاہتے؟''

''آپ بلے جیسے دو ٹکے کے بدمعاش کو ماڈل مین بنا رہے تھے۔میں کسی غنڈے کو

اپنے اور آپ کے درمیان رازدار بنانا نہیں چاہتا تھا۔میں نے اسے جھڑک دیا۔مگر یہ طے کر لیا کہ آپ سے خفیہ طور پر ملاقات کروں گا۔کیونکہ یہ جانتا ہوں کہ میرا سارا خزانہ آپ کی مدد سے محفوظ رہے گا۔''

وہ خوش ہو کر بولا۔''واہ کیا بات ہے؟ تم نے بڑی سمجھداری سے فیصلہ کیا ہے۔دل خوش کر دیا ہے۔''

''مگر میری شرط ہے۔آپ بلے کو تو کیا' اپنی اولاد کو بھی ہمارے اس معاملے میں رازدار نہیں بنائیں گے۔''

''تم اطمینان رکھو۔ہمارے درمیان کوئی تیسرا رازدار نہیں رہے گا۔''

''بس تو پھر ہماری ملاقات ہو جانی چاہئے۔آپ یہ طے کریں کہ کب اور کہاں ہوگی؟ کیونکہ میں روپوش رہنا چاہتا ہوں۔اس لئے شہر سے باہر ملاقات کرنا چاہوں گا۔''

''میں ابھی آدھے گھنٹے میں سوچ کر ملاقات کا وقت اور جگہ بتاؤں گا۔''

''ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں ہاں کہنے والی جو بھی بات ہے' بے جھجک کہو۔''

''بات یہ ہے کہ جب ہم دوست بن رہے ہیں تو ہمارے درمیان بے تکلفی ہونی چاہئے۔میں کچھ زیادہ ہی من موجی ہوں۔روپوش رہ کر زندگی کی رنگینیوں سے محروم ہو گیا ہوں۔اس لئے چاہتا ہوں کہ....''

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔وہ ہنستے ہوئے بولا۔''اس میں جھجکنے والی کیا بات ہے؟ میں بھی رنگیلا راجہ ہوں۔کل جہاں بھی ملاقات ہوگی۔وہاں شراب اور شباب کا زبردست انتظام ہوگا۔''

''مگر اس طرح ہماری ملاقات خفیہ نہیں رہے گی۔''

''رہے گی۔فکر نہ کرو۔جو حسینائیں ہمیں خوش کرنے آئیں گی' وہ میری زرخرید ہوں گی۔ان کا ہمارے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

میں نے کہا۔''ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔کہوں گا تو آپ پتہ نہیں' کیا سوچیں گے؟''

''بھئی! اب ہم بے تکلف دوست بن چکے ہیں۔جو بھی بات ہے' کھل کر کہہ ڈالو۔''

میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔''وہ دراصل میرا شوق و ذوق اور طرح کا ہے۔مجھے بھرپور جوان حسینائیں اچھی نہیں لگتیں۔مجھے تو کم سن لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔''

اس نے زوردار قہقہہ لگایا پھر کہا۔ ''بھئی! تم تو میرے ہم مزاج ہم خیال ہو۔ ہماری دوستی خوب رنگ لائے گی۔ کل ایک درجن تتلیاں اپنے پر پھیلائے تمہارے آس پاس منڈلاتی رہیں گی۔''

میں نے حیرانی ظاہر کی۔ ''ایک درجن....؟''

وہ بولا۔ ''اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہیں۔ تمہارا یہ شوق دیکھ کر ملاقات کی جگہ سمجھ میں آ گئی ہے۔ شاہدرہ سے دو کلو میٹر آگے ادارہء تعلیم و تربیت کی ایک وسیع و عریض عمارت ہے۔ کل شام چھ بجے وہاں آسکو گے؟''

''میں نے وہ عمارت دیکھی ہے۔ کل ٹھیک چھ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''غازی! پھر ایک بار کہتا ہوں۔ تم نے دل خوش کر دیا ہے۔ ہماری دوستی پکی ہوگی۔ ہم آخری سانسوں تک ساتھ رہیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ میرا وعدہ ہے۔ آخری سانسیں لیتے وقت کوئی ہو نہ ہو' میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

ہمیں پھر کسی وقت فون پر باتیں کرنی تھیں۔ اس وقت رابطہ ختم کر دیا گیا۔ میں بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ کتنی گری ہوئی شرمناک بات ہے کہ لوگ معصوم اور کم سن بچیوں کو ہوس کا نشانہ بناتے ہیں؟ ایسا ایک ہوس کا کھلاڑی میرے ہتھے چڑھنے والا تھا۔ میں نے شرارہ سے وعدہ کیا تھا کہ ان باپ بیٹے کو ان کے بدترین گناہوں کی بدترین سزائیں دوں گا۔

میں نے فون پر اپنے جاں نثار اور دست راست اعظم ثانی کو بتایا کہ دوسرے دن شوکت شاہواز سے نمٹنا ہے۔ کل صبح ہی تمام جاں نثاروں کو ادارہء تعلیم و تربیت میں پہنچا کر بڑی رازداری سے مورچے بنانے ہیں اور یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کا بیٹا برکت شاہنواز کہاں ہے اور اسے کس طرح ٹریپ کیا جا سکتا ہے؟

میں اسے ضروری ہدایات دینے کے بعد بستر پر لیٹ گیا۔ پھر جب تک نیند نہیں آئی' تب تک قرآنی آیتیں پڑھتا رہا اور خدا کا شکر ادا کرتا رہا۔ اس رات سونے کے بعد دوسری صبح نئی زندگی کا نیا سورج دیکھنے والا تھا۔

☆☆☆

انٹیلی جنس والے ان خونخوار کتوں کے متعلق معلومات حاصل کر رہے تھے۔ یہ پتہ چلا کہ ہلاک ہونے والے کتوں کو اسلام آباد سے لایا گیا تھا۔ ان کے مالک اور ٹرینر کا پتہ ٹھکانہ

معلوم ہو رہا تھا۔ مگر وہ بھی ہلاک ہو چکے تھے۔ یہ بتانے والا کوئی نہیں تھا کہ وہ سری واستو بڑبولے کے لئے کام کر رہے تھے۔

دوسری طرف پولیس والے مراد اور سلطان کی جان کو آ گئے تھے۔ منور اور نادر شاہ کی بیویوں اور جوان اولاد نے بیان دیا تھا کہ اس خاندان میں وراثت کا جھگڑا چل رہا ہے۔ اس جھگڑے کے نتیجے میں مراد اور سلطان نے نادر کو ہلاک کرایا ہے اور منور کو اغوا کر کے کہیں قیدی بنا کر رکھا ہے یا اس کی لاش چھپا دی گئی ہے۔

ایسے بیانات کے بعد مراد اور سلطان کی گرفتاری لازمی تھی۔ مگر وہ ضمانت نامہ قبل از گرفتاری حاصل کر چکے تھے۔ اگرچہ قانونی شکنجے میں نہیں آئے تھے۔ لیکن پولیس اور انٹیلی جنس والے دن رات ان کی نگرانی کر رہے تھے اور ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کر رہے تھے۔

دو کتے اور تین انسان پراسرار طریقے سے مارے گئے تھے اور منور لاپتہ تھا۔ یہ ایسا سنگین معاملہ تھا کہ پولیس والے نہ رشوت لے رہے تھے نہ ان دونوں بھائیوں کا پیچھا چھوڑ رہے تھے۔

مراد نے فون پر مجھے مخاطب کیا اور کہا۔ ''بابا جانی! آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ نادر شاہ مارا گیا ہے اور منور کہیں غائب ہو گیا ہے۔ ان کی بیویوں اور بچوں نے ہمارے خلاف بیان دیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''بیان دینے سے کیا ہوتا ہے؟ نہ تم نے وہ واردات کی ہے۔ نہ تمہارے خلاف کوئی چشم دید گواہ ہے۔ تمہیں کوئی عدالت سزا نہیں دے سکے گی۔''

''یہ سزائیں کیا کم ہوں گی کہ ہم پیشیاں بھگتتے رہیں گے؟ خواہ مخواہ اپنے بھائی اور بہنوئی کے قاتل کہلاتے رہیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''تعجب ہے باپ کو قتل کرانے کا منصوبہ بناتے وقت اور اغوا کراتے وقت نہ کسی طرح کی شرم تھی' نہ پریشانی تھی۔ اب کچھ نہ کر کے پریشان ہو رہے ہو؟''

''آپ شرمندہ نہ کریں۔ اب تو میں اور سلطان آپ کا اعتماد حاصل کرنے' آپ کی تمام پونجی کے وارث بننے کے لئے بھائی اور بہنوئی کو راستے سے ہٹا دینا چاہتے تھے۔ مگر تقدیر ہم پر مہربان ہے۔ ایک تو خود ہی جہنم میں چلا گیا۔ منور بھائی بھی شائد مر چکے ہیں۔ اگر نہیں تو ہمارے ہاتھوں مرنے کے لئے کہیں سانسیں لے رہے ہوں گے۔''

وہ اپنے باپ کے سامنے بے جھجک کہہ رہا تھا کہ میرے ایک بیٹے کو مار ڈالے گا

۔منور نے بھی اکلوتا وارث بننے کے لئے یہی کہا تھا۔جن خاندانوں میں دولت اور اقتدار کی جنگیں لڑی جاتی ہیں۔وہاں باپ بیٹے اور بھائی بھائی کھلی جان لیوا دشمنی کرتے ہیں۔یہ ہماری ہزار ہا صدیوں کی تاریخی سچائی ہے۔

میں نے کہا۔''تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میرے خیالات میرے ارادے بدل گئے ہیں۔میں اپنی کمائی کا جتنا حصہ تمام اولاد کو دے چکا ہوں۔اس کے بعد ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا۔''

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''جو سن رہے ہو'وہی کہہ رہا ہوں۔''

اس نے جیسے تڑپ کر پوچھا۔''اور وہ خزانہ....؟''

''اسے میں خدا کے سپرد کر چکا ہوں۔''

''آپ تو زبان کے سچے اور کھرے تھے۔وہ سچائی کیا ہوئی؟ کیوں وعدہ کر کے مکر رہے ہیں؟''

''جہاں خزانہ چھپایا گیا تھا'وہ زمین مکر رہی ہے۔وہ خزانہ اب وہاں نہیں ہے۔اندر ہی اندر جگہ بدل چکا ہے۔''

''آپ فضول بچکانہ باتیں کر رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔''کیا تم نے سنا نہیں'پڑھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے خزانے زمین میں چھپا رکھے ہیں؟''

''آپ اپنے خزانے کی بات کریں۔''

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔''ایک حدیث سنو...حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں'رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جلد ہی وہ زمانہ آنے والا ہے'جب دریائے فرات سونے کا خزانہ برآمد کرے گا۔یعنی اس کا پانی خشک ہوجائے گا اور اس کے نیچے سے سونے کا خزانہ برآمد ہوگا۔پس جو شخص وہاں موجود ہو۔اس کو چاہئے کہ اس خزانے میں سے کچھ نہ لے۔''

مراد نے جھنجلا کر کہا۔''یہ کیسی احمقانہ بات ہے کہ خزانہ آنکھوں کے سامنے ہو اور کوئی اس میں سے کچھ نہ لے؟''

''اس حدیث میں تم جیسوں کے لئے سبق ہے...اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں'رسول کریمؐ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی'جب تک دریائے فرات سونے کا

پہاڑ برآمد نہیں کرے گا۔لوگ اس کی وجہ سے یعنی اس دولت کو حاصل کرنے اور اسے اپنے قبضے میں لینے کے لئے جنگ وجدل اور قتال کریں گے۔پس ان میں سے ننانوے فیصد مارے جائیں گے اور ہر شخص یہی کہے گا کہ شائد میں زندہ بچ جاؤں اور مقصد میں کامیاب ہوجاؤں۔یعنی ہر شخص اس توقع پر لڑے گا کہ شائد میں ہی کامیابی حاصل کرلوں اور اس دولت پر قبضہ جمالوں۔اگرچہ ننانوے فیصد لوگ اس توقع میں اپنی جان گنوا بیٹھیں گے۔(مسلمؒ)''

میں فون پر بول رہا تھا۔وہ سن رہا تھا۔میں نے کہا۔''کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو؟ خزانہ حاصل کرنے کے لئے تم نے باپ کے نطفے کو پانی کردیا؟ مجھے ہلاک نہ کرسکے۔اب بھائی ہو کر اپنے سگے بھائی کو اس توقع پر ہلاک کروگے کہ سب مرجائیں گے۔آخر کار وہ سونا' وہ خزانہ تمہارے ہی حصے میں آئے گا۔''

''آپ فضول قصے کہانیاں سنا کر بچوں کی طرح بہلا رہے ہیں۔آپ بہت گہرے ہیں باباجانی!یقیناً وہ خزانہ کسی خاص مقصد کے لئے چھپا رکھا ہے؟ پتہ نہیں آپ نے کتنی شادیاں کی ہیں اور کتنی اولادیں ہیں؟ جن کی خاطر خزانے پر سانپ بن کر بیٹھ گئے ہیں۔''

سلطان نے اس سے فون لے کر کہا۔''آپ آخری فیصلہ سنادیں۔خزانے کے سلسلے میں کیا کرر ہے ہیں؟ اسے کس کے حوالے کریں گے؟''

میں نے کہا۔''میں دیانتداری سے ایک نئی زندگی شروع کر رہا ہوں۔خفیہ خزانے سے ضرورت کے مطابق کچھ لیتا رہوں گا۔باقی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔وہ جہاں ہے'وہیں رہے گا۔''

'آپ پاگل ہوگئے ہیں۔کیسے مان لیں کہ اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے؟''

''نہ مانو۔پہلے میری مخالفت کر کے تم لوگوں نے کیا پایا ہے جو آئندہ کچھ پالوگے؟ میری ایک بیٹی اور تین داماد مرچکے ہیں۔ایک بڑا بیٹا آدھا زندہ آدھا مردہ ہے۔تمہارا اور مراد کا بھی کچھ ایسا ہی انجام ہوگا۔''

سلطان نے ہیلو ہیلو کہا۔پھر فون کر دیکھ کر جھنجلاتے ہوئے اسے بند کردیا۔مراد نے کہا۔''قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں'بڑے میاں نے دو چار شادیاں کی ہیں۔ان عورتوں سے ہونے والی اولاد کو اپنا سب کچھ دینے کے لئے ہمیں دھتکار رہے ہیں۔''

سلطان نے کہا۔''اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں'یہ بڈھا ہمارا باپ نہیں ہے۔ماں زندہ ہوتی تو پوچھتے'ہماری اصل نسل کیا ہے؟''

''اصل نسل پر خاک ڈالو۔خزانے کی بات کرو۔یہ بڈھا ہمیں اس کی ہوا بھی لگنے

نہیں دے گا۔ پتہ نہیں، اس نے وہ اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

سلطان پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔ "اسے دوبارا اغوا کیا گیا۔ مضر رساں دوائیں کھلا کر کمزور بنایا گیا۔ امید تھی، وہ نیم مردہ ہو کر زندگی کی بھیک مانگے گا اور ہمیں مدفون خزانے تک پہنچا دے گا مگر وہ تو شیطان ہے۔ مرتے مرتے اٹھ بیٹھا ہے۔"

"جھنجلانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کوئی تدبیر سوچو۔"

"تمام تدبیریں خاک ہو چکی ہیں۔ اب تو ہماری عقل نے کام کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

مراد نے کہا۔ "آرام سے بیٹھو اور سنو! ہم بابا جانی کو جسمانی طور پر کمزور نہ بنا سکے۔ اگر ان کی ایک آدھ کمزوریاں ہمارے ہاتھ آئیں گی تو ہم انہیں مجبور کر سکیں گے۔"

سلطان اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔ مراد نے کہا۔ "ان کی کوئی ایسی زبردست کمزوری ہمیں مل جائے کہ وہ ہمارے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں۔ سوچو... بابا جانی جیسے عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے والے بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔"

وہ دونوں سوچنے لگے کہ میں کتنے ممالک میں جاتا رہا ہوں؟ اور اکثر ایسا مصروف رہا ہوں کہ برسوں گزر جاتے تھے اور انہیں میری خبر نہیں ملتی تھی۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میں ان سے دور لاپتہ رہ کر کیسی زندگی گزار رہا ہوں؟

سلطان نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میں نے بابا جانی کو ایک آدھ بار ڈائری لکھتے دیکھا ہے۔ اگر ان کی ایک ڈائری بھی مل جائے تو اسے پڑھ کر ان کے بہت سے خفیہ معاملات اور بہت سی اہم باتیں معلوم ہو سکیں گی۔"

"ان کی گلبرگ والی کوٹھی پچھلے دس ماہ سے بند پڑی ہے۔ اگر ہم اندر جا سکیں اور بیڈ روم میں پہنچ سکیں تو ان کی الماری سے ڈائری کے علاوہ اور بھی بہت کچھ حاصل کر سکیں گے۔"

"ہم نے کئی بار ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کوٹھی کے احاطے میں ایک چوکیدار اور گیٹ پر ایک سیکورٹی گارڈ دکھائی دیتا ہے۔ وہ دس مہینوں میں مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ اُدھر نہ کسی رشتے دار کو آنا ہے اور نہ اب تک کوئی چور ڈاکو آیا ہے نہ آئے گا۔ یقیناً وہ ڈیوٹی دینے والے رات کو سو جاتے ہوں گے۔"

"ان کی فکر نہیں ہے۔ جاگتے رہیں گے تو ہم انہیں ہمیشہ کی نیند سلا دیں گے۔ ہمارے ریوالور سے سائیلنسر لگا رہے گا۔ بے آواز فائر کر کے دروازوں کے لاک توڑ سکیں گے۔"

وہ میری کسی ایک کمزوری تک پہنچنے کے لئے بے چین تھے۔ اپنے باپ کے گھر میں چوری کرنے کی پلاننگ کے ایک ایک پہلو پر غور کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج رات ہی یہ نیک کام کر گزریں گے۔

وہ اسی وقت واردات کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ مراد نے کہا۔ "وہ بڈھا جہاں بھی ہے، بڑے آرام اور سکون سے ہے۔ ہمیں اس کا سکون برباد کرنا چاہئے۔"

مراد نے پوچھا۔ "اب کیا ارادہ ہے؟"

"انٹیلی جنس والے ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ ہم کیوں نہ انہیں بڑے میاں کے پیچھے لگا دیں؟"

"کس طرح پیچھے لگاؤ گے؟ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

"ان کا فون نمبر تو معلوم ہے۔ انٹیلی جنس والے اس نمبر کے ذریعے ان کی خفیہ پناہ گاہ کا پتہ لگا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، پتہ نہ بھی لگا سکے تو فون کے ذریعے ان کا سکون غارت کرتے رہیں گے۔"

سلطان نے انٹیلی جنس کے ایک افسر سے رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ "رانا صاحب! میں سلطان غازی بول رہا ہوں۔ آپ تو ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اصلی قاتل کو بالکل ہی نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"کون ہے اصلی قاتل؟"

"ایک ارب پتی سونے کا بیوپاری ہے۔"

"سونے کے بیوپاری تو تمہارے والد محترم بھی ہیں؟"

"میں اسی محترم اور معزز کہلانے والے باپ کے خلاف زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ وہ اپنے داماد نادر شاہ سے نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے اسے ہلاک کرایا ہے۔ جب آپ انہیں گرفتار کریں گے تو اندر کی بہت سی باتیں سامنے آئیں گی۔"

"اگر انہوں نے داماد کو قتل کرایا ہے تو بیٹا کہاں ہے؟ منور جائے واردات پر نادر شاہ کے ساتھ تھا۔"

"منور حقیقتاً نادر کو پھانس کر فارم ہاؤس لے گیا تھا۔ یہ ہمارے باپ کی پلاننگ تھی۔ انہوں نے ہی منور کو کہیں چھپا رکھا ہے۔"

"یہ باتیں تم کیسے جانتے ہو؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے بابا جانی نے مجھ سے اور مراد بھائی سے فون پر باتیں کی تھیں اور دھمکیاں دی تھیں کہ وہ نادر کی طرح ہمیں بھی ٹھکانے لگا دیں گے۔"

افسر نے کہا۔"یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ ایک ہوش مند باپ اپنے بیٹے کو قتل کرنا یا کرانا چاہے گا؟"

"جی ہاں۔باپ بیٹے کا رشتہ ایسا ہے کہ کوئی یقین نہیں کرے گا۔مگر حقیقت اس رشتے کے برعکس ہے۔اگر آپ ہمارے خاندانی معاملے کو راز میں رکھیں گے تو میں ایک کڑوی حقیقت آپ کو بتانا چاہوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارا خاندانی معاملہ راز میں رہے گا۔"

سلطان فون پر ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولا۔"میں اور مراد بھائی بابا جانی کی اولاد نہیں ہیں۔انہوں نے فون پر صاف صاف کہہ دیا ہے' ہم دونوں بھائی ان کے نطفے سے نہیں ہیں۔وہ ہماری ماں کی بہت بڑی غلطی کو اب تک برداشت کرتے آئے ہیں۔اب نہیں کریں گے۔انہوں نے ہمیں ایک ہفتے کی مہلت دی ہے اور کہا ہے کہ ہم لندن والی رہائش گاہ میں چلے جائیں۔کبھی اس خاندان میں واپس نہ آئیں۔اگر آ گئے تو پھر نادر کی طرح اپنی موت کا انتظار کریں۔"

افسر نے قائل ہو کر کہا۔"اب یقین ہو رہا ہے۔تم نے ایسی شرمناک حقیقت بتائی ہے' جو کوئی نہ بتاتا۔تمہاری سچائی نے مجھے متاثر کیا ہے۔میں تمہاری شرمناک سچائی کا رازدار بن کر رہوں گا۔"

سلطان نے مسکرا کر مراد کو آنکھ ماری پھر کہا۔"رانا صاحب!ان کا فون نمبر میں نے سیو کیا ہے۔آپ نوٹ کر لیں۔"

اس نے نمبر بتا کر رابطہ ختم کر دیا۔پھر مراد سے کہا۔"چلو نکلو یہاں سے۔آج ہم اس بڈھے کی کوٹھی سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کریں گے۔پتہ نہیں' وہ کس خفیہ پناہ گاہ میں سو رہا ہوگا؟ابھی رانا صاحب اس کی نیندیں اڑائیں گے۔"

میں واقعی گہری نیند میں تھا۔مختصر سی نیند سے اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے والا تھا۔ایسے وقت فون کے بزر نے جگا دیا۔خیال آیا کہ شرارہ نیاز بیگ ٹھوکر پہنچ گئی ہوگی۔وہاں سے بہن کے ساتھ واپس آ رہی ہوگی۔وہی کسی ضرورت سے کال کر رہی ہے۔

میں نے فون اٹھا کر دیکھا تو انجانے نمبر تھے۔کوئی پہلی بار مجھے کال کر رہا تھا۔میں

نے اسے کان سے لگا کر پوچھا۔"ہیلو فرمائیے....؟"

دوسری طرف سے پوچھا۔"آپ عمیر بن غازی بول رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔آپ کون ہیں؟رات کے ایک بجے مجھے کیوں یاد کر رہے ہیں؟"

"ہماری نوکری ہی ایسی ہے۔کبھی کبھی آپ جیسے معزز افراد کی نیندیں خراب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔میں انٹیلی جنس کا چیف رانا دلشاد احمد بول رہا ہوں۔"

میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔"فرمائیے میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟"

"تین دن پہلے بیرسٹر رضا قریشی نے آپ کے اغوا ہونے کی رپورٹ درج کرائی تھی۔ہم آپ کو تلاش کرتے رہے ہیں۔پچھلے دس مہینوں کی میڈیکل رپورٹ کے مطابق آپ ستر برس کے بوڑھے ہیں۔طرح طرح کی بیماریوں نے آپ کو نیم مردہ بنا دیا ہے۔آپ اٹھنے بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔"

"جی ہاں۔یہ درست ہے۔"

"پھر آپ اس جگہ سے کیسے فرار ہو گئے' جہاں آپ کو اغوا کر کے لے جایا گیا تھا؟"

"جہاں مجھے لے جایا گیا تھا۔وہاں دو پارٹیوں کے درمیان زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ایسے وقت میرے وفادار جاں نثار پہنچ گئے تھے جو مجھے وہاں سے نکال کر یہاں لے آئے ہیں۔"

"یہاں یعنی کہاں....؟ہم قانون کے محافظ ہیں۔آپ کو بھرپور سیکورٹی فراہم کریں گے۔ہمیں اپنے پاس بلائیں۔"

میں نے کہا۔"مجھے دو بار اغوا کیا گیا۔پولیس اور انٹیلی جنس والوں نے میرے لئے کیا کیا؟"

"آپ کی شکائیت بجا ہے۔مگر سارے پولیس والے اور جاسوس نااہل نہیں ہوتے۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔میری نگرانی میں آپ پر آنچ نہیں آئے گی۔"

"یعنی پھر قانون کے محافظوں پر بھروسہ کروں اور تیسری بار دشمنوں کے ہاتھ لگ کر موت کے گھاٹ اتر جاؤں؟"

"آپ دشمنوں کی نشاندھی کریں۔میں ان سے نمٹ کر آپ کا اعتماد حاصل کروں گا۔"

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔"دشمن میرے اپنے گھر میں ہیں۔ان سے میں خود نمٹ رہا ہوں۔آپ کی کارکردگی کو آزمانے کے لئے انڈیا سے آئے ہوئے ایک دشمن کے

بارے میں بتا رہا ہوں۔ اس کا نام سری واستو بڑبولا ہے۔ وہ اپنے دیس میں سونے کا ایک ارب پتی بیوپاری کہلاتا ہے۔ مگر حقیقتاً ایک اسمگلر ہے۔"

رانا دلشاد نے کہا۔ "معاف کیجیے گا' آپ کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ مگر کوئی ثبوت نہ ملنے کے باعث آپ پر ہاتھ نہیں ڈالا جا رہا ہے۔"

"آپ کتنے عرصے سے میرے خلاف مواد تلاش کر رہے ہیں؟"

اس نے کہا۔ "پچھلے پانچ برسوں سے....."

"یعنی پچھلے پانچ برسوں سے ناکام ہو رہے ہیں؟ ایک بھی ثبوت نہیں ملا۔ مان لیں کہ میں اسمگلر نہیں ہوں یا پھر آپ کی کارکردگی ناقص ہے۔ اپنی ناک کے نیچے جرم کرنے والے کو پکڑ نہیں پا رہے ہیں۔ پھر ایک بیمار اور بوڑھے کی حفاظت کیسے کریں گے؟"

"میں بحث نہیں کروں گا۔ آپ انڈیا سے آنے والے سری واستو کے متعلق بتائیں؟"

"میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ اسلام آباد میں ہے۔ مجھے تلاش کئے اور قتل کئے بغیر اس ملک سے نہیں جائے گا۔"

میں نے اس کا فون نمبر بتاتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کیا فون بند کر سکتا ہوں؟"

"نہیں۔ ابھی تفتیش جاری ہے۔ چند سوالات رہ گئے ہیں۔"

"باقی سوالات آپ دن میں کسی بھی وقت کر سکتے ہیں۔"

"پلیز۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ یہ بتائیں آپ کا بڑا بیٹا منور کہاں ہے؟"

میں ذرا چپ رہا۔ ابھی تہجد کی نماز پڑھنے والا تھا۔ اگر اپنی یا کسی بے گناہ کی جان بچانی ہو تو شیطان صفت لوگوں سے جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔ رانا دلشاد شیطان نہیں تھا۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے سچی معلومات چاہتا تھا۔

میں نے جھوٹ سے توبہ کی اور سچ کہا۔ "داؤد ہوسپٹل میں بڑی رازداری سے اس کا علاج کیا جا رہا ہے۔"

"واردات کے وقت وہ فارم ہاؤس میں نادر شاہ کے ساتھ تھا۔ پھر ہوسپٹل کیسے پہنچ گیا؟"

"آپ کو تمام سوالات کے جوابات وہاں مل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی اس ہوسپٹل میں پہنچ جاؤں گا۔ ڈاکٹر داؤد کو ڈاکٹر ڈھکن بھی کہا جاتا ہے....؟"

"جی ہاں۔ وہ اسی نام سے مشہور ہوتا جا رہا ہے۔"

"اس کے متعلق بھی کوئی اچھی رپورٹ نہیں ہے۔ وہ ہماری بلیک لسٹ میں ہے۔ بائی داوے۔ آپ نے ابھی کہا ہے کہ دشمن آپ کے گھر میں ہیں اور ان سے آپ نمٹ رہے ہیں؟"

"ہاں۔ ابھی میں نے یہی کہا ہے۔"

"اور آپ نے انہیں دھمکی دی ہے کہ وہ لندن والی رہائش گاہ میں نہیں جائیں گے تو آپ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے؟"

"آپ ایسی بے تکی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ میں نے کسی کو دھمکی نہیں دی ہے۔"

"کیا آپ نے ابھی سلطان غازی سے فون پر باتیں نہیں کی تھیں؟"

"میں نے سونے سے پہلے مراد اور سلطان دونوں سے باتیں کی تھیں۔"

"اور آپ ان دونوں کو دشمن سمجھتے ہیں؟"

"میں انہیں دشمن سمجھوں یا نہ سمجھوں مگر ایک باپ ہوں۔ اپنے بیٹوں کو مار ڈالنے کی بات کبھی نہیں کروں گا۔"

رانا نے کہا۔ "یہ آپ کی گھریلو اور ازدواجی زندگی کا راز ہے۔ میں نے سلطان سے وعدہ کیا ہے کہ اپنی تفصیلی رپورٹ میں اس تلخ حقیقت کا ذکر نہیں کروں گا۔"

"کون سی تلخ حقیقت....؟"

"یہی کہ مراد اور سلطان آپ کے اپنے بیٹے نہیں ہیں۔ آپ کی وائف کی بدچلنی کا نتیجہ....."

بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں دھاڑتے ہوئے کہا۔ "یوشٹ اپ نان سنس.... تم نے میری پاکباز مرحوم شریک حیات پر کیچڑ اچھالنے کی جرات کیسے کی؟"

"میں نے جرات نہیں کی ہے۔ آپ کے صاحبزادے سلطان نے ابھی فون پر بتایا ہے کہ وہ اور مراد آپ کے نطفے سے نہیں ہیں۔ اگر اس نے جھوٹ کہا ہے اور مجھے گمراہ کیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے دانستہ ایک ماں کے تقدس کو ٹھیس نہیں پہنچائی ہے۔ آپ کے صاحبزادے نے یہ کیچڑ اچھالی ہے۔"

میں نے ذرا نرم ہو کر کہا۔ "سوری رانا صاحب! مجھے غصے میں سخت لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں چاہوں گا' آپ میری سچائی کا یقین کرنے کے لئے ہم باپ بیٹوں کی ڈی

این اے رپورٹ حاصل کریں۔تب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔''

''غازی صاحب! مجھے یقین ہے' آپ سچ کہہ رہے ہیں۔البتہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ بیٹے آپ کے خلاف زہر کیوں اگل رہے ہیں؟''

''صرف اس لئے کہ میں اپنی دولت اور جائیداد میں سے اپنی اولاد کو جتنا دے چکا ہوں۔اس سے زیادہ ایک کوڑی بھی نہیں دینا چاہتا اور میرے اسی اٹل فیصلے نے انہیں دشمن بنا دیا ہے۔''

''ہاں۔یہ بات سمجھ میں آرہی ہے۔میں مراد اور سلطان کا محاسبہ کروں گا۔فی الحال آپ آرام کریں۔ضرورت ہوئی تو دوسرے دن رابطہ کروں گا۔''

میں نے فون بند کر دیا۔مجھے یہ سوچ کر غصہ آرہا تھا کہ انسان دولت حاصل کرنے کے لئے کیوں اتنا گر جاتا ہے کہ اپنی مرحوم ماں کی پارسائی پر کیچڑ اچھالتے ہوئے اسے شرم نہیں آتی؟ لعنت ہے' ایسی اولاد پر میں نے طے کر لیا کہ ان دونوں کو بڑی عبرتناک سزائیں دوں گا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔تہجد پڑھنے کے بعد سونے کا ارادہ تھا۔ایسے وقت پھر فون کا بزر بولنے لگا۔میں نے نمبر پڑھے تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔خوشبو کا ایک جھونکا سا آیا۔شرارہ کال کر رہی تھی۔میں نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔''ہاں بولو کیا گھر پہنچ گئیں؟''

''جی ہاں۔اب بہن کے ساتھ واپس آرہی ہوں۔گلبرگ والی کوٹھی تو بہت بڑی ہوگی؟ کیا میں چھوٹی بہن کے ساتھ وہاں تنہا رہ سکوں گی؟''

''تنہا نہیں رہو گی۔کوٹھی کے باہر ایک چوکیدار اور ایک سیکورٹی گارڈ ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔اندر میرا ایک جاں نثار رہے گا۔دوسرے دن دو چار نوکر اور نوکرانیوں کا بندوبست ہو جائے گا۔''

''آپ بہت اچھے ہیں۔آپ کی شان میں کچھ کہنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔مجھے یہ سب کچھ جو مل رہا ہے' خواب سا خواب سا لگ رہا ہے۔''

''رفتہ رفتہ یقین ہو جائے گا کہ یہ خواب نہیں' تعبیر ہے۔''

''آپ شائد سو رہے تھے؟''

''نہیں۔تہجد پڑھنے جا رہا تھا۔''

''پھر تو فون بند کرنا چاہئے۔''

''ایسی جلدی بھی نہیں ہے۔تم نے اپنی بہن کا نہ تعارف کرایا ہے' نہ نام بتایا ہے۔''

''میں ابھی بتانے والی تھی۔''

''نہ بتاؤ۔فون اسے دو۔''

چند ساعتوں تک خاموشی رہی۔پھر ایک بچی کی مترنم آواز سنائی دی۔''ہیلو اسلام علیکم.....!''

میں نے کہا۔''وعلیکم اسلام۔میں اس وقت کس سے بات کر رہا ہوں؟''

''آپ ندا سے باتیں کر رہے ہیں۔''

''صرف ندا؟ یہ تو بہت ننھا سا چھوٹا سا نام ہے؟''

''میرا بڑا نام ہے۔ندا رانی بنت خیر دین ولد مہر دین ولد دین محمد ولد.....''

میں نے کہا۔''بس بس بس۔اگر بریک نہ لگائی جائے تو یہ نام پھلتا پھولتا چلا جائے گا۔''

شرارہ نے اس کا کان پکڑ لیا۔اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی۔''شریر کہیں کی۔کیا بزرگوں سے اس طرح مذاق کرتے ہیں؟''

میں نے کہا۔''ندا! اپنی باجی سے کہو! مجھے زندہ دلی پسند ہے۔''

اس نے کہا۔''یہ کہہ رہے ہیں انہیں پسند ہے۔''

شرارہ نے پوچھا۔''کیا پسند ہے؟''

وہ بولی۔''پتہ نہیں؟ شائد آپ کو کہہ رہے ہیں۔''

وہ شرمانے لگی۔میں نے ہنستے ہوئے کہا۔''تم اتنی سی عمر میں ایسی چکر باز ہو۔ابھی ادھر سے ادھر جاتے جاتے بات گھما دی۔''

وہ بولی۔''میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے۔باجی جب سے آئی ہیں' آپ ہی کے گن گا رہی ہیں۔آپ مسیحا ہیں' عظیم انسان ہیں' فرشتہ ہیں۔یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ انسان ہیں تو فرشتہ کیسے ہو گئے؟ اگر فرشتہ ہیں تو انسان تو ناں ہوئے ناں؟''

شرارہ نے اس سے فون چھین کر کہا۔''چڑیل! میں تیری پٹائی کروں گی۔ان کے آگے میرا سر جھکتا ہے۔ان سے کہتی ہے کہ انسان تو نہ ہوئے۔چلو...معافی مانگو۔''

ندا فون واپس لے کر کچھ بولنا چاہتی تھی۔میں نے کہا۔''خبردار! معافی نہ مانگنا۔تم نے اعتراض کرنے والی کوئی بات نہیں کی ہے۔میں تم سے خوش ہوں۔تمہاری باتیں سن رہا ہوں۔بہت انجوائے کر رہا ہوں۔تمہاری باجی مجھ سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی ہیں۔مجھے فرشتہ بنا کر آسمان پر پہنچا رہی ہیں۔ان سے کہو مجھے زمین پر ہی رہنے دیں۔میری یہ باتیں

انہیں سنا دو۔"

شرارہ کی آواز سنائی دی۔"میں سن رہی ہوں۔فون اس سے لے لیا ہے۔یہ کم بخت شوخی میں آکر بڑوں کا لحاظ کرنا بھول جاتی ہے۔"

"پلیز۔اس کی بچکانہ شوخی کو سمجھو۔اس نے کوئی گستاخی نہیں کی ہے۔آئندہ اسے شوخی اور شرارت سے کبھی نہ روکنا۔کہیں تم نے اسے رُلا تو نہیں دیا؟"

"یہ بڑی ڈھیٹ ہے۔خود کبھی نہیں روئے گی دوسروں کو رُلا دے گی۔"

میں ہنسنے لگا۔شرارہ بھی ہنسنے لگی۔میں نے کہا۔"رانی بہت پیارا نام ہے۔تمہارا بھی ایسا ہی کوئی نام ہونا چاہئے۔کیا شرارہ پیدائشی نام ہے؟"

"نہیں..."وہ ذرا دکھ سے بولی۔"میں بارہ برس کی بچی تھی۔جب مجھے چنگاری سے شعلہ بنا دیا۔تب میں نے اصل نام پر پردہ ڈال دیا اور یہ بازاری نام شرارہ رکھ لیا۔"

"اصلی نام کیا ہے؟"

"اصلی نام میرے حالات میرے کردار کے بالکل برعکس ہے۔"

"اب وہ موجودہ حالات کے مطابق درست ہوگا۔تم میری پناہ میں آکر عزت اور نیک نامی حاصل کرتی رہو گی۔"

وہ بولی۔"خدا کا شکر ہے' میرا پیدائشی نام مجھے واپس مل رہا ہے۔آج سے پھر میرا نام حجاب ہے...حجاب آراء۔"

"بہت پیارا نام ہے۔آئندہ تم اپنے عمل سے کردار سے ثابت کرو گی کہ حجاب مرتا نہیں ہے۔ذرا دھندلا جاتا ہے۔ذرا کمزور پڑ جاتا ہے۔سہارا ملے تو پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے۔"

"آپ کی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے۔"

"اپنی بیماریوں سے بھی لڑتے رہنے کا حوصلہ کرتی رہو۔انشاءاللہ صحت کاملہ نصیب ہوگی۔اچھا خدا حافظ میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔"

اب تک میں فون کو کان سے لگائے جیسے حجاب کے پاس پہنچ گیا تھا۔رابطہ ختم ہوتے ہی اپنے کمرے میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔میری زبان نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔"ہوں...حجاب...."

اُدھر وہ میری کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ اِدھر مراد اور سلطان وہاں پہنچ گئے

تھے۔احاطے کے بڑے آہنی گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔سیکورٹی گارڈ کیبن کے باہر کرسی پر بیٹھا آنکھیں بند کیے خراٹے لے رہا تھا۔اس کی گن قدموں کے پاس زمین پر پڑی ہوئی تھی۔وہ دونوں دبے قدموں چلتے ہوئے اس کے پاس آگئے۔

اچانک ہی اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا۔مراد نے زمین پر پڑی ہوئی گن کو اٹھا لیا۔سلطان نے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔وہ پرانا ملازم تھا۔دونوں کو برسوں سے پہچانتا تھا۔اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔"آ۔آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

مراد نے کہا۔"ہم تو کچھ نہ کرتے۔تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوٹھی کے اندر چلے جاتے۔مگر تم ہمیں پہچانتے ہو۔ہم جیسے ہی یہاں سے جائیں گے۔تم پولیس والوں کے ساتھ ہماری شامت بن کر چلے آؤ گے۔"

سلطان نے پوچھا۔"ہمیں کوٹھی کے اندر جانے دو گے؟"

وہ عاجزی سے بولا۔"صاحب جی! میں کسی کو احاطے کے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔حکم کا بندہ ہوں۔برسوں سے یہاں کا نمک کھا رہا ہوں۔"

سلطان نے ناگواری سے کہا۔"یہاں تمہارے حساب کا نمک ختم ہو چکا ہے۔اب گولی کھاؤ۔"

اس نے ٹریگر دبایا۔سائیلنسر نے گولی چلنے کی آواز دبا دی۔موت بے آواز آکر اس نمک حلال کو اپنے ساتھ لے گئی۔

وہ دونوں احاطے میں لان سے گزرتے ہوئے کوٹھی کے چاروں طرف گھوم کر جائزہ لینے لگے۔چوکیدار پچھلے دروازے کے پاس نیم تاریکی میں سو رہا تھا۔مراد نے گن کے دستے سے اس کے سر پر ایک ضرب لگائی۔نیند کی حالت میں سر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے گرا۔پھر بیہوش ہوگیا۔

انہوں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے وہیں چھوڑ دیا۔وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہاں کوئی تیسرا ملازم نہیں ہے۔پچھلے دروازے کی چٹخنی باہر سے لگی تھی۔وہ اسے کھول کر اندر آگئے۔

انہیں معلوم تھا کہ کوٹھی کے اندر میرا بیڈروم کہاں ہے؟ وہ دروازہ مقفل تھا۔ایک فائر کرتے ہی لاک ٹوٹ گیا۔دروازہ کھل گیا۔وہ سیدھے الماری کے پاس آئے۔دوسرے فائر

سے الماری کے پٹ بھی کھل گئے۔کوئی مشکل پیش نہیں آرہی تھی۔کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اگرچہ حجاب اور ندا رانی میرے جاں نثار کے ساتھ اُدھر چلی جارہی تھیں۔مگر پتہ نہیں کب تک پہنچنے والی تھیں؟ فی الحال ان بھائیوں کو کوئی للکارنے والا نہیں تھا۔

انہوں نے الماری کے اندرونی سیف کو کھول کر دیکھا۔وہاں نوٹوں کی گڈیاں اور جائیداد سے تعلق رکھنے والی دستاویزات رکھی ہوئی تھیں۔ایک ڈائری بھی دکھائی دے رہی تھی۔مراد نے فوراً ہی لپک کر اسے اٹھالیا۔پھر مایوس ہوکر کہا۔''یہ انیس سواسی کی ہے۔بیس برس پرانی ہے۔''

سلطان نے اسے لے کر کہا۔''خزانہ برسوں سے جمع کیا جارہا ہوگا۔اس کا ذکر اس میں ضرور ہوگا۔ہم گھر جاکر اسے پڑھیں گے۔ضرور کوئی کام کی بات معلوم ہوگی۔''

مراد فائلیں اٹھا کر جائیداد کی دستاویزات پر سرسری سی نظریں ڈال رہا تھا۔سلطان نے کہا۔''جائیداد کے ان کاغذات سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔یہاں زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔چلو۔''

وہ بولا۔''بابا جانی نے بینکوں کے لاکرز میں بہت کچھ چھپا کر رکھا ہوگا۔''

وہ کہتے کہتے چونک گیا۔کھلی ہوئی فائل کو دیکھتے ہوئے بولا۔''یہ نقشہ کیسا ہے؟''

سلطان بھی توجہ سے دیکھنے لگا۔پھر بولا۔''یہ کسی عمارت کا یا شہر کا نقشہ نہیں ہے۔یہ درمیان میں سرخ دائرہ دیکھیں۔پیچیدہ لکیروں کے ذریعے اس دائرے تک پہنچنے کی رہنمائی کی گئی ہے۔''

مراد نے بڑے جوش اور جذبے سے کہا۔''ایسا لگتا ہے' کسی خزانے تک رہنمائی کی گئی ہے۔''

سلطان نے فائل کو اس کے ہاتھ سے چھین کر کہا۔''مجھے بھی یہ خزانے کا نقشہ لگ رہا ہے۔ان لکیروں کے ذریعے جن مقامات سے گزرنا ہے۔وہاں کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔''

''اور یہ افریقی طرز کے نام ہیں۔''

وہ بڑی بیتابی سے نقشے پر نظریں دوڑا رہے تھے۔مراد نے ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔''یہ دیکھو!یہاں لکھا ہے الجاف.....یہ لیبیا کے جنوب میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔تمہیں یاد ہے' ہم یہاں جاچکے ہیں؟''

سلطان نے ہاں کے انداز میں سر ہلاکر فائل کو بند کرتے ہوئے کہا۔''ہاں۔ہم نے

ایک کی لاش گرائی ہے۔دوسرے کو زخمی کیا ہے۔ہمیں فوراً یہاں سے جانا چاہئے۔گھر پہنچ کر آرام سے نقشے کو بھی سمجھیں گے اور ڈائری بھی پڑھیں گے۔''

سلطان کے ہاتھ میں نقشے والی فائل تھی۔مراد نے ڈائری اپنے پاس رکھ لی تھی۔وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے پچھلے دروازے سے باہر آئے۔نائٹ چوکیدار وہاں رسیوں سے بندھا پڑا تھا۔اس وقت ہوش میں آتے ہوئے کراہ رہا تھا۔مراد نے گن کے دستے سے پھر اس کے سر پر ضرب لگائی وہ شور مچانا چاہتا تھا۔مگر منہ سے آواز نہ نکل سکی۔پھر ایک بار بیہوش ہوگیا۔

وہ دونوں کوٹھی کے پچھلے حصے سے دوڑتے ہوئے اگلے حصے کی طرف جانا چاہتے تھے۔پھر ایکدم سے ٹھٹک گئے۔ایک کار احاطے کے آہنی گیٹ کے سامنے آکر رک گئی تھی۔ہارن بجاکر نائٹ چوکیدار اور سیکورٹی گارڈ کو بلایا جارہا تھا۔

سلطان نے پریشان ہوکر کہا۔''اتنی رات کو یہاں کون آیا ہے؟''

مراد نے کہا۔''کوئی بھی آیا ہو۔پچھلے گیٹ سے نکل چلو۔''

وہ دونوں وہاں سے بھاگتے چلے گئے۔اگلے گیٹ کے سامنے کار رکی ہوئی تھی۔حجاب اور ندا کار کی پچھلی سیٹ پر تھیں۔میرے جاں نثار نے پہلے ہارن بجا کر چوکیدار کو بلانا چاہا تاکہ وہ آکر گیٹ کھولے۔جب کوئی نہ آیا تو وہ کار سے اتر گیٹ کے ساتھ والے کیبن میں پہنچا۔پھر سیکورٹی گارڈ کی لاش دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

ایکدم سے دماغ نے سمجھایا کہ آس پاس خطرہ ہے۔اس نے کوٹھی کی طرف دیکھا۔ادھر خاموشی تھی اور خاموشی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔وہ دوڑتا ہوا کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر آگیا۔اسے اسٹارٹ کرکے آگے بڑھانے لگا۔حجاب نے پوچھا۔''کیا ہوا ہم کوٹھی میں نہیں جائیں گے؟''

اس نے کہا۔''جسٹ آمنٹ۔ابھی بتاتا ہوں۔''

اس نے ڈیش بورڈ سے فون اٹھا کر نمبر پنچ کئے۔میں نماز پڑھنے کے بعد سونے جارہا تھا۔کالنگ ٹون سن کر رک گیا۔فون کو کان سے لگا کر پوچھا۔''ہیلو عاقب!کیا گلبرگ پہنچ گئے؟''

عاقب نے کہا۔''پہنچ تو گئے ہیں۔لیکن یہاں گڑبڑ ہوگئی ہے۔کسی نے سیکورٹی گارڈ کو گولی مار کر ہلاک کیا ہے۔''

میں نے پریشان ہوکر کہا۔''یا خدا...!یہ کیا ہوگیا؟کس نے اسے قتل کیا ہوگا؟دونوں

بہنوں کو فوراً وہاں سے دور لے جاؤ۔"

"میں یہی کر رہا ہوں۔ انہیں وہاں سے دور لے آیا ہوں۔ آپ حکم دیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"حجاب اور ندا کو میرے پاس لے آؤ۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میری کوٹھی میں کیا ہو رہا ہے؟ میں دوسرے جاں نثاروں کو وہاں روانہ کر رہا ہوں۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کیا۔ پھر دوسرے جاں نثار اعظم ثانی کو فون پر مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "گلبرگ والی کوٹھی کے سیکورٹی گارڈ کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فوراً وہاں پہنچو اور معلوم کرو' یہ واردات ڈاکوؤں نے کی ہے یا میرے دشمن وہاں گھسے ہوئے ہیں؟ پولیس والوں کے پہنچنے سے پہلے صحیح صورتحال معلوم کرو۔"

اعظم ثانی اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ ادھر روانہ ہوا۔ ادھر حجاب اور ندا میرے پاس آ گئیں۔ میں چاہتا تھا' حجاب میری زندگی میں ہونے والے ہنگاموں سے دور اسی کوٹھی میں رہے۔ مگر حالات پھر اسے میرے قریب لے آئے تھے۔

میں نے ندا کو پہلی بار دیکھا۔ وہ اپنی بہن سے مشابہت رکھتی تھی۔ میں نے اس کی پیشانی چوم کر حجاب سے کہا۔ "یہ بڑی ہو گی تو بالکل تمہاری جیسی ہو گی۔"

وہ کسی خیال میں گم تھی۔ چونک کر بولی۔ "جی۔ آپ نے کیا کہا؟"

میں نے پوچھا۔ "تم کس سوچ میں گم ہو؟"

"وہ۔ میں سوچ رہی ہوں۔ آپ گلبرگ والی کوٹھی میں ہوتے تو کیا ہوتا؟ دشمن آپ کی جان لینے آئے ہوں گے۔ آپ ان کے ہاتھ نہیں آئے تو بیچارے ملازم کی جان لے لی۔"

"میرے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ میں کسی سے لڑنے نہیں جاتا۔ دشمن خود ہی لڑنے مرنے چلے آتے ہیں۔ کوٹھی میں جو بھی آیا ہو گا' میں اسے چھوڑوں گا نہیں... اس نے اپنی شامت کو پکارا ہے۔"

ندا نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "باجی! بھوک لگ رہی ہے اور نیند بھی آ رہی ہے۔"

میں نے چونک کر کہا۔ "میں نے خیال ہی نہیں کیا کہ تم دونوں نے اب تک کچھ کھایا نہیں ہو گا۔ آؤ کچن میں چلو۔"

ہم تینوں کچن میں آ گئے۔ حجاب نے کہا۔ "آپ آرام کریں۔ میں کھانا تیار کر لوں گی۔"

میں نے کہا۔ "میں اتنا پکاتا ہوں کہ دوسرے دن کے لئے بھی بچ جاتا ہے۔ تمہیں

پکانا نہیں پڑے گا۔ فریج میں بہت کچھ ہے۔"

اس نے فریج سے کھانا نکال کر گرم کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟"

"میں کھا چکا ہوں۔ مزید کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔"

پھر تو آپ کو سونا چاہیے۔ تین بج رہے ہیں۔ تین گھنٹے بعد پھر نماز کے لئے اٹھنا ہے۔"

"دشمن سونے کہاں دیتے ہیں؟ یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ میری کوٹھی میں کیا ہو چکا ہے؟ اعظم ثانی میرا دست راست ہے۔ بہت ہی ذہین اور حاضر دماغ ہے۔ وہ واردات کرنے والوں کا سراغ ضرور لگائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد ہی اس نے فون پر کہا۔ "سر! کوٹھی کے سامنے سیکورٹی گارڈ کی لاش پڑی ہے اور پچھلے حصے میں چوکیدار بیہوش پڑا تھا۔ اسے ہوش میں لایا گیا ہے۔ اس کی مرہم پٹی کی گئی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس پر کس نے حملہ کیا تھا؟ کیونکہ وہاں نیم تاریکی تھی۔ کچھ دیکھنے سمجھنے سے پہلے ہی اس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ حملہ کرنے والے کوٹھی کے اندر گئے ہوں گے؟"

"جی ہاں۔ واردات کرنے والے پیشہ ور چور ڈاکو نہیں ہیں۔ انہوں نے کوٹھی کے قیمتی سامان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ صرف آپ کے بیڈ روم میں گئے تھے۔ انہوں نے کمرے کے مقفل دروازے' الماری کے پٹ اور سیف کے لاک کو فائرنگ کے ذریعے توڑا ہے۔"

وہ بول رہا تھا کہ الماری کی کسی چیز کو چھیڑا نہیں گیا ہے۔ صرف سیف کا سامان باہر بکھرا پڑا ہے۔ نوٹوں کی چار گڈیاں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ یعنی وہ مال و دولت چرانے نہیں آئے تھے۔

اعظم ثانی نے کہا۔ "آپ بتائیں' سیف میں کیا کچھ تھا؟ پھر معلوم ہو سکے گا کہ یہاں سے کیا چرایا گیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "فائلوں کے نام اور نمبر پڑھو۔"

وہ پڑھنے لگا۔ میں نے سننے کے بعد کہا۔ "وہ ایک فائل نمبر جی ون لے گئے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "یقیناً وہ آپ کے لئے اہم ہو گی۔"

"ہاں۔ اہم تھی۔ کیا وہاں انیس سو اسی کی ایک ڈائری ہے؟"

"جی نہیں۔ یہاں کوئی ڈائری نہیں ہے۔ اگر اسے بھی چرایا گیا ہے تو یقیناً وہ بھی اہم ہو گی؟ جناب! میری عقل کہتی ہے کہ چرانے والے اپنے ہی گھر کے لوگ ہیں۔"

''ہاں۔ یہ واردات مراد اور سلطان نے کی ہے۔ فائل جی ون میں ایک خاص مقام تک پہنچنے کا نقشہ ہے۔ مگر وہ بیچارے اس سے کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ تم پہلے رضا قریشی کو اطلاع دو۔ تاکہ وہ تمہیں قانونی تحفظ فراہم کرے۔ پھر پولیس والوں کو اطلاع دو۔ اپنے مسلح ساتھیوں کو وہاں سے ہٹا دو۔ میں صبح کی نماز کے بعد رابطہ کروں گا۔''

حجاب نے کہا۔ ''پلیز۔ آپ سو جائیں۔ ایک آدھ گھنٹے کی نیند تو ہو جائے گی۔''

میں نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ کل باتیں ہوں گی۔''

میں نے اپنے کمرے میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر عصا کو بیڈ پر رکھ کر اس کے ساتھ لیٹ گیا۔ وہ میرے دن رات کا ساتھی تھا۔ میں اس کے ساتھ بے خوف و خطر گہری نیند سے گزرتا رہتا تھا۔

مردا اور سلطان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ خفیہ خزانے تک پہنچنے کا نقشہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہے۔

مراد نے کہا۔ ''کل تک بابا جانی کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی فائل جی ون چرائی گئی ہے۔ وہ ہم پر شبہ کریں گے۔ کوٹھی کے گیٹ پر ہونے والے مرڈر کیس میں ہمیں الجھائیں گے تاکہ ہم خزانہ حاصل کرنے کے لئے لیبیا نہ جا سکیں۔''

سلطان نے کہا۔ ''کسی طرح کی بھی رکاوٹ پیدا ہونے سے پہلے ہی ہم یہاں سے ملائی کریں گے۔ ابھی اپنے ٹریولنگ ایجنٹ کو فون کریں۔ کل ہم کسی بھی پہلی فلائیٹ سے نکل چلیں گے۔''

سلطان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ مراد فون پر ٹریولنگ ایجنٹ سے باتیں کرنے لگا۔ وہ ہر دو چار مہینوں میں یورپ امریکہ جاتے آتے رہتے تھے۔ ایئر ویز ایجنسی والوں سے پرانے مراسم تھے۔ دوسری رات آٹھ بجے کی فلائیٹ میں ان کے لئے دو سیٹیں او کے ہو گئیں۔

پھر ایک اندیشہ پیدا ہوا کہ میں ایئر پورٹ پر انہیں روک سکتا ہوں۔ مراد نے ایجنٹ سے کہا۔ ''ہم آج صبح کسی بھی فلائیٹ سے کراچی جائیں گے۔ وہاں سے لیبیا کے لئے روانہ ہوں گے۔ اسی حساب سے ہمارے ٹکٹ بنائے جائیں۔''

ان کے گھر پہنچنے تک حسب منشا ٹکٹ تیار ہو گئے۔ دو گھنٹے بعد انہیں کراچی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ وہ خزانہ حاصل کرنے کے لئے جوش' جذبوں اور مسرتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بیویوں اور بچوں سے خزانے کا ذکر

نہیں کیا۔ یہ کہہ دیا کہ اچانک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ ان سے فون پر رابطہ رکھیں گے۔

جب میں فجر کی نماز کے بعد گہری نیند سو رہا تھا تب وہ ایک فلائیٹ کے ذریعے لاہور سے کراچی روانہ ہو گئے۔ جہاز میں آرام سے بیٹھ کر انہیں جی ون فائل کو پڑھنے اور نقشے کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع ملا۔

وہ اسے بڑی توجہ سے پڑھنے لگے۔ پوری فائل میں خزانے کا ذکر نہیں تھا۔ ایک کیمیکل آئٹم کی بلیک مارکیٹنگ ڈیلنگ اور اسمگلنگ کا ذکر تھا۔ اس نقشے کا تعلق بھی اس کیمیکل آئٹم سے تھا۔

مراد نے کہا۔ ''بابا جانی بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے کھل کر خزانے کی بات نہیں کی۔ در پردہ علامتی انداز میں کیمیکل آئٹم کی بات کی ہے۔''

سلطان نے کہا۔ ''بے شک۔ یہ آئٹم دوسروں کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مگر ہم سمجھ رہے ہیں۔ یہ بڑی مقدار میں ہے۔ اسی لئے اسے بڑی کاریگری سے چھپایا گیا ہے۔ اپنی یادداشت میں محفوظ رکھنے کے لئے یہ نقشہ بنایا گیا ہے۔''

وہ کراچی پہنچ گئے۔ وہاں سے تین گھنٹے بعد ایک فلائیٹ سے قاہرہ جانے والے تھے۔ پھر وہاں سے دوسری فلائیٹ کے ذریعے لیبیا کے شہر طرابلس پہنچ کر بائی روڈ الجاف شہر کی طرف جانا تھا۔ اس کے بعد فائل جی ون کے نقشے کے مطابق سفر شروع ہونے والا تھا۔

وہ دونوں میری طرف سے اندیشوں میں مبتلا تھے۔ مراد نے فون کے ذریعے اپنی بیوی صفیہ کو مخاطب کیا۔ ''ہیلو میں بول رہا ہوں۔ وہاں سب خیریت ہے ناں؟''

صفیہ نے کہا۔ ''خیریت نہیں ہے۔ وہ انٹیلی جنس والا رانا دلشاد احمد آپ کو اور سلطان بھائی کو گرفتار کرنے آیا تھا۔ میں نے کہہ دیا' آپ دونوں بھائی پنڈی گئے ہیں۔ میں آپ کو بار بار فون کرتی رہی۔ اس افسر نے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر آپ کا وہ فون نمبر بند پڑا ہے۔ یہ نئے نمبر سے ابھی بات کر رہے ہیں۔''

''ہاں۔ یہ نمبر کسی کو نہ بتانا۔ ابھی بات کرتے ہی اسے مٹا دینا۔ کیا اس افسر نے بتایا ہے کہ کس جرم میں ہمیں گرفتار کرنا چاہتا تھا؟''

صفیہ نے کہا۔ ''بابا جانی کی کوٹھی کا سیکورٹی گارڈ مارا گیا ہے۔ انہوں نے ایک باپ ہو کر بیٹوں کا لحاظ نہیں کیا۔ آپ دونوں کے خلاف بیان دیا ہے۔ یہ کہا ہے کہ گارڈ کو ہلاک کرنے کے بعد آپ ان کے سیف سے اہم دستاویزات چرا کر لے گئے ہیں۔''

مراد نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ہم سانپ نہیں ہیں۔ مگر بابا جانی کے لئے یہ کہاوت درست ہے کہ سانپ نکل گئے ہیں۔ وہ لکیر پیٹتے رہیں گے۔ مگر ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے سے روک نہیں پائیں گے۔ تم فکر نہ کرو ہم خیریت سے ہیں اور خیریت سے ہی رہیں گے۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ سلطان بھی کان لگائے سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''بابا جانی اب ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہمیں سونے تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ پتہ نہیں' رکاوٹ پیدا کرنے کے لئے کیسے کیسے حربے استعمال کریں گے؟''

''ہم نادان نہیں ہیں۔ لیبیا پہنچ کر تنہا نہیں رہیں گے۔ ہماری حفاظت کے لئے کرائے کے جنگجو قاتل ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ہم بابا جانی کو دھمکی دیں گے کہ انہوں نے ہمارا راستہ روکا تو ہم خزانے کا بھید کھول دیں گے۔ خزانے کا نقشہ لیبیا کے اعلیٰ حکام تک پہنچا دیں گے۔''

سلطان نے کہا۔ ''یہ زبردست دھمکی ہوگی۔ بابا جانی کو ہم سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ واقعی وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ یہ فائل' یہ نقشہ اور خزانے کا راز لیبیا کے حکمرانوں کے لئے ترنوالا بن جائے۔''

وہ کراچی سے لیبیا کے لئے روانہ ہوگئے۔ پاکستان سے نکلتے ہی سلطان نے کہا۔ ''شکر ہے' بابا جانی اور رانا دلشاد رکاوٹ نہ بن سکے۔ ہم باآسانی نکل آئے ہیں۔''

مراد نے کہا۔ ''ہم قاہرہ پہنچ کر بابا جانی سے بات کریں گے۔ پھر معلوم ہوگا کہ وہ ہماری کامیابی پر کس طرح جھنجلا رہے ہیں؟ ہمارے خلاف کیا بولنے والے ہیں اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں؟''

''یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ آپ وہ ڈائری نکالیں۔ اسے پڑھ کر دیکھیں کہ اس پنڈورا بکس سے کیا نکلتا ہے؟''

مراد نے بریف کیس سے وہ ڈائری نکالی۔ اس ڈائری پر ایک کور چڑھا ہوا تھا۔ اس کی زپ کھول کر اسے اندر سے نکالا گیا تو کئی تصویریں بھی نکل آئیں۔ وہ ایک ایک تصویر کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگے۔ سلطان کے ہاتھ میں میری تصویر تھی۔ اس نے کہا۔ ''بابا جانی کس قدر جوان لگ رہے ہیں۔ یقیناً یہ بیس برس پہلے اتاری گئی ہے۔''

مراد نے اپنے ہاتھ کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہماری رابعہ پھوپھی ہیں۔ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں؟''

سلطان نے ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''رابعہ پھوپھی ایک سیدھی سادی سی مشرقی خاتون تھیں۔ مگر تصویر میں تراشیدہ زلفیں ہیں۔ آئی بروز بنائی گئی ہیں۔ وہ کبھی ایسا میک اپ نہیں کرتی تھیں۔''

انہوں نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے لکھا ہوا تھا۔ رائنا مائی سسٹر....

مراد نے کہا۔ ''یہاں لکھا ہے' میری بہن رائنا جبکہ رابعہ لکھنا چاہئے تھا۔''

مراد نے کہا۔ ''رابعہ پھوپھی ایسی ماڈرن نہیں تھیں۔ یہ کوئی غیر مسلم لڑکی رائنا ہے۔ بابا جانی نے اُسے میری بہن رائنا لکھا ہے۔ شائد اس لئے کہ یہ پھوپھی کی ہم شکل ہے۔''

تیسری تصویر دلہن رائنا کی تھی۔ چرچ میں ایک شخص اسے عیسائی رسومات کے مطابق انگوٹھی پہنا رہا تھا اور میں ایک سیکورٹی افسر کی وردی میں وہاں کھڑا ہوا تھا۔ ان کی شادی کرانے والا پادری اور دوسرے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔

مراد نے کہا۔ ''یہ تصویر سمجھا رہی ہے کہ یہ ہماری رابعہ پھوپھی نہیں ہیں۔''

''ہم کہاں تصویروں میں الجھ گئے ہیں؟ ڈائری پڑھیں۔''

''بس یہ دو تصویریں رہ گئی ہیں۔''

چوتھی تصویر ایک حسین لڑکی کی تھی۔ اسے پلٹ کر دیکھا گیا۔ وہاں اس کا نام لکھا ہوا تھا نینسی موس...

مراد نے کہا۔ ''نام سے یہودی لگتی ہے۔ ہمارے بڑے میاں پتہ نہیں' کیسی کیسی حسین لڑکیوں کو پھانستے رہے ہیں؟''

انہوں نے آخری تصویر اٹھا کر دیکھی تو چونک گئے۔ نینسی ایک بچے کو گود میں لئے پیار کر رہی تھی۔ میں اس کے پاس بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی تصویر کو پلٹ کر تحریر پڑھی۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ ''میں' میری ڈارلنگ نینسی اور ہمارا ہینڈسم بیٹا نامان....''

مراد اور سلطان نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سلطان نے ناگواری سے کہا۔ ''یہ ہے ہمارا باپ.... پتہ نہیں کہاں کہاں اولادیں پیدا کرتا رہا ہے؟''

مراد نے کہا۔ ''ان کا ایک بیٹا نامان جوان ہو چکا ہوگا اور نہ جانے کتنی اولادیں جوان ہو کر خزانے کی حصے دار اور دعوے دار بننے کے لئے پر تول رہی ہوں گی؟''

''ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم ان سب سے پہلے اس مدفون خزانے تک پہنچیں گے۔''

یہ کہتے ہی وہ ہنسنے لگا۔ مراد نے کہا۔ ''ہم نے ابھی کچھ حاصل نہیں کیا ہے۔ ابھی سے اتنا خوش نہیں ہونا چاہئے۔''

وہ بولا۔ ''میں اس بات پر ہنس رہا ہوں کہ بابا جانی نے بچوں کی کہانی سنائی تھی۔ کہا تھا کہ زمین سے نکلنے والے خزانے کے بیشمار طلبگار ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں۔ مرنے سے پہلے سب ہی سوچتے ہیں کہ میں ہی آخر میں خزانہ حاصل کرنے کے لئے زندہ رہ جاؤں گا۔''

مراد نے کہا۔ ''ایسا ہوتا ہے اور ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ دعا کرو' بابا جانی کی جن اولادوں سے ہم بے خبر ہیں' وہ اس خزانے کی طرف نہ آرہے ہوں۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔ صرف ہم وہاں پہنچیں گے۔''

''یہی تو قصے میں کہا گیا ہے۔ سب یہی سوچتے ہیں کہ ہم پہنچیں گے۔ ہم حاصل کریں گے۔ مگر وہ خزانہ کسی کو نہیں ملتا۔''

''مراد بھائی! آپ مایوس کرنے والی باتیں نہ کریں۔ ڈائری پڑھیں۔''

وہ ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگے۔ پہلے صفحے پر جہاں ڈائری درج کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ شہزادہ سلمان سعدی...

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جہاں میرا نام ہونا چاہئے تھا۔ وہاں کسی اور کا نام لکھا ہوا تھا۔ سلطان نے کہا۔ ''کیا یہ بابا جانی کی ڈائری نہیں ہے؟''

مراد نے کہا۔ ''اگر ان کی نہیں ہے تو ان کے سیف میں کیوں رکھی ہوئی تھی؟ اس ڈائری کی کوئی اہمیت ہے' تب ہی بابا جانی نے اسے سنبھال کر رکھا تھا۔ ہم پڑھیں گے تو اس کی اہمیت معلوم ہوگی۔''

وہ ایک ایک صفحے کو سرسری طور پر دیکھتے ہوئے گزرنے لگے۔ ایک صفحے پر لکھا تھا۔ ''رائنا میری مرحوم بہن رابعہ کی ہم شکل ہے۔ اسے دیکھ کر یوں لگا' جیسے وہ پھر سے جی اٹھی ہے۔ میں نے اسے جی جان سے اپنی بہن بنالیا ہے۔''

یہ تحریر پڑھتے ہی وہ دونوں الجھ گئے۔ رائنہ کی تصویر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ وہ چرچ میں دلہن بنی ہوئی تھی۔ ایک شخص اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا اور میں ان کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ یہ نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ ڈائری کسی سلمان سعدی نے لکھی تھی کہ رائنا اس کی بہن رابعہ کی ہم شکل ہے۔ جبکہ رابعہ میری بہن تھی اور میرے بیٹے بھی یہی کہہ رہے تھے کہ رائنا ان کی پھوپھی

کی ہم شکل ہے۔

میں رائنا کی شادی کی تصویر میں دکھائی دے رہا تھا۔ جبکہ کسی سلمان سعدی کو وہاں ہونا چاہئے تھا۔

یہ تو بچکانہ سی بات ہوگی۔ اگر کہا جائے کہ میں تصویر میں نہیں تھا۔ میرا ایک ہم شکل سلمان سعدی وہاں تھا۔ یعنی بہن کی بھی ایک ہم شکل اور میرا بھی ایک ہم شکل... یوں میری روداد بڑی مضحکہ خیز ہوجائے گی۔

کیوں نہ اس داستان کو الجھنے سے پہلے ہی سلجھا دوں کہ وہ ڈائری میں نے ہی لکھی تھی۔ میں نے ہی رائنا کو بہن بنایا تھا اور میں ہی تصویر میں نظر آرہا تھا۔ کسی شہزادہ سلمان سعدی کا الگ سے کوئی وجود نہیں تھا۔ میں ماضی میں دو مختلف ناموں سے زندگی گزارتا رہا ہوں۔ آگے چل کر اپنی دوہری زندگی کی وضاحت کروں گا۔ فی الحال مراد اور سلطان کو الجھنے دیا جائے اور وہ الجھ رہے تھے۔

تصویر میں نظر آنے والے کو سلمان سعدی تسلیم نہیں کررہے تھے۔ آخر مراد نے کہا۔ ''سیدھی سی بات سمجھ میں آرہی ہے کہ رائنا کے ساتھ تصویر میں بابا جانی ہی ہیں۔ ڈائری لکھنے والا سلمان وہاں موجود نہیں ہے۔''

''مگر ڈائری لکھنے والے نے یہ کیوں لکھا ہے کہ رائنا اس کی مرحوم بہن رابعہ کی ہم شکل تھی؟ جبکہ رابعہ پھوپھی بابا جانی کی بہن تھیں؟''

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''میرے سر میں درد ہورہا ہے۔ چلو تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلو کہ بابا جانی فرضی نام سے یہ ڈائری لکھتے رہیں ہیں۔ فی الحال آگے تو پڑھو... کیا لکھا ہے؟''

انہوں نے آگے پڑھنا شروع کیا۔ ایک صفحے پر نینسی کا ذکر آیا کہ وہ کس طرح میری زندگی میں آئی تھی پھر میرے ایک بیٹے کی ماں بن گئی تھی اور یہ بات میرے بیٹوں کی سوچ اور ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ وہ میرے خلاف تبصرے کرنے لگے۔ انہیں میری خفیہ شادیوں کے علاوہ یہ بھی معلوم ہورہا تھا کہ میں خطرناک حد تک مجرمانہ زندگی گزارتے ہوئے بڑی بڑی خفیہ تنظیموں سے ٹکراتا رہا ہوں۔

وہ پڑھتے پڑھتے رک گئے۔ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مراد نے کہا۔ ''بابا جانی ہم سے دور جاتے تھے۔ پھر مہینوں اور برسوں تک ہم ان کی صورت نہیں دیکھتے تھے۔ کبھی کبھی فون

کے ذریعے خیر خیریت معلوم ہوجاتی تھی۔"

"ہاں وہ برسوں میں کبھی چند دنوں کے لئے فیملی لائف گزارنے آتے تھے پھر چلے جاتے تھے۔کیا بار بار طویل عرصے تک لاپتہ رہ کر ایسی خطرناک مجرمانہ زندگی گزارتے رہے ہیں جیسا کہ اس ڈائری میں لکھا ہے؟"

"نہیں سلطان! یقین نہیں آتا۔یہ سچ مچ کسی سلمان سعدی کی ڈائری ہے۔"

سلطان نے کہا۔"پھر وہی سوال پیدا ہوگا کہ کسی سلمان نے ہماری پھوپھی کو اپنی بہن رابعہ کیوں لکھا ہے؟ پھر الجھنیں پیدا ہوں گی۔پھر آپ کے سر میں درد ہوگا۔"

وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔"ہم نے ایک فلم دیکھی تھی۔ڈاکٹر جیکل اینڈ مسٹر ہائیڈ۔اس فلم میں ایک شخص دن کے وقت فرشتہ خصلت انسان بن کر رہتا ہے اور رات کو شیطان بن جاتا ہے۔کیا بابا جانی کبھی عمیر بن غازی اور کبھی سلمان سعدی بن جاتے ہیں؟"

"ہم یہی مان لیں تو بہتر ہے۔ورنہ آپ کی طرح میرا سر بھی چکرانے لگے گا۔"

"شائد آگے پڑھتے رہنے کے بعد ہم دوہری شخصیت کا معمہ حل کرسکیں۔"

وہ پھر سے پڑھنے لگے۔پھر سے الجھنے لگے۔جب میرے دست راست اعظم ثانی نے بتایا تھا کہ وہ دونوں بیٹے فائل جی ون اور ڈائری لے گئے ہیں' تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میرے ماضی کے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھے گا۔اس سے پہلے ہی مجھے ان سے وہ ڈائری اور فائل چھین لینی چاہئے۔

اس وقت فجر کی اذان ہوچکی تھی۔میں نے سوچا' پہلے نماز پڑھ لوں۔پھر ان سے نمٹ لوں گا۔یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی پھرتی دکھائیں گے۔صبح کی فلائیٹ سے کراچی چلے جائیں گے۔

میرا جاں نثار عاقب ان کی کوٹھی میں پہنچا تو میری بہو نے کہا' وہ دونوں پنڈی گئے ہیں۔اس نے عاقب سے اور انٹیلی جنس کے چیف رانا دلشاد سے جھوٹ بول کر انہیں بھٹکا دیا تھا۔میں ان کے لاپتہ ہوتے ہی سمجھ گیا کہ وہ نقشے کو اپنے طور پر سمجھنے کے بعد لیبیا کی طرف گئے ہیں۔

ان سے فون پر رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔انہوں نے فون یا تو بند کر دیا تھا یا پھر سم بدل دی تھی۔اگر وہ ملک سے باہر جاچکے ہوں گے تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں کس طرح ان کا اطمینان غارت کرسکتا ہوں؟

لیبیا کے دارالسلطنت طرابلس اور دوسرے شہروں میں میرے جاں نثار موجود تھے۔میں نے ای میل کے ذریعے مراد اور سلطان کی تصویریں ان سب کے پاس پہنچا دیں اور سمجھا دیا کہ انہیں ٹریپ کرنے کے بعد سب سے پہلے فائل جی ون اور ڈائری حاصل کرنی ہے۔اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہے؟

دن کے دس بجے تھے۔میں اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گیا۔پچھلی رات سونے کا موقع نہیں ملا تھا۔اس لئے لیٹنے کے بعد ہی گہری نیند میں ڈوب گیا۔ایسی گہری نیند آئی کہ شائد میں شام تک یا رات تک سوتا رہ جاتا۔مگر میرے ذہن میں نماز نقش ہوگئی تھی۔میں ظہر کی اذان ہوتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

ایسے ہی وقت فون کا بزر سنائی دیا۔میں نے ننھی سی اسکرین کو دیکھا۔حجاب کال کررہی تھی۔میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔"تم نے مجھے گہری نیند سونے کے لئے چھوڑ دیا۔اب نماز کے لئے جگا رہی ہو۔"

وہ بولی۔"آپ پچھلی رات سے بہت تھکے ہوئے ہیں۔وعدہ کریں' نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھائیں گے پھر آرام سے سوجائیں گے۔"

"بس بہت آرام کرلیا۔کچھ ایسی مصروفیات ہیں کہ ان سے نمٹنے کے لئے تازہ دم رہوں گا۔ایک گھنٹے بعد گرما گرم روٹی پکاؤ۔میں نماز پڑھ کر آؤں گا۔"

میں فون بند کرکے باتھ روم مین چلا گیا۔غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر نماز ادا کی۔آج شام چھ بجے شوکت شاہنواز سے نمٹنا تھا۔میں نے اپنے دست راست اعظم ثانی اور عاقب سے فون پر باتیں کیں۔یہ معلوم کیا کہ وہ ادارہ تعلیم و تربیت کی عمارت میں پہنچ کر کس طرح مورچے بنا رہے ہیں؟

انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس عمارت کے غریب ملازمین کو بھاری رقم دے کر خرید رہے ہیں۔میرے وہ تمام جاں نثار شام چھ بجے سے پہلے ان ملازمین کی جگہ ڈیوٹی پر رہیں گے اور کوئی ان پر شبہ نہیں کرسکے گا۔

ہاسٹل کی انچارج ایک بوڑھی خاتون تھی۔وہ نئے ملازمین کو دیکھ کر کچھ گڑبڑ کرسکتی تھی۔یہ طے کیا گیا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے کہیں قیدی بنا کر رکھا جائے گا۔اس ہاسٹل کے پچھلے حصے میں ایک بڑا سا خوبصورت سا عیش کدہ بنایا گیا تھا۔جہاں کبھی باپ جاتا تھا اور کبھی بیٹا جا کر رنگ رلیاں مناتا تھا۔

میں نے سہ پہر تین بجے کے بعد حجاب اور ندارانی کے ساتھ کھانا کھایا۔ ان کے ساتھ خوب ہنستا بولتا رہا۔ کھانے کے بعد ایک جاں نثار نے آکر ان دونوں بہنوں کی تصویریں اتاریں۔ تاکہ ان کے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تیار کئے جاسکیں۔

ایسے وقت میرا فون گنگنانے لگا۔ میں نے اسکرین پر شوکت شاہنواز کے نمبر پڑھے۔ پھر حجاب سے کہا۔ ''اب میں مصروف رہوں گا۔ تھوڑی دیر بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ واپسی میں کچھ دیر ہوگی۔ مگر رات کا کھانا تم دونوں کے ساتھ کھاؤں گا۔''

میں نے اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے فون کا بٹن دبایا۔ اسے کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ ''جناب! ابھی میں آپ ہی کو فون کرنے والا تھا۔''

شوکت نے کہا۔ ''میں صبح سے انتظار کر رہا تھا اب تک فون نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیا دوستی کر کے بھول رہے ہو؟''

''ایسی بات نہیں ہے۔ میں زبان کا دھنی ہوں۔ دراصل میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ بلے نے آپ کو بتایا ہوگا' میں ایک بیمار بوڑھا ہوں۔ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔ ایک لاٹھی کے سہارے دو چار قدم چلتا ہوں۔ پھر تھک کر بیٹھ جاتا ہوں۔''

''ہاں۔ بلے نے مجھے بتایا تھا اور میں حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ اس قدر بیمار اور کمزور ہونے کے باوجود آج شام کس طرح حسیناؤں سے دل بہلاؤ گے؟''

میں نے کہا۔ ''آپ نے وہ شعر تو سنا ہوگا...؟

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے.......

بیشک میں بوڑھا اور بیمار ہوں۔ جوانی کو پکڑ نہیں سکتا مگر اسے چھو تو سکتا ہوں۔ اس عمر میں دیکھنے اور چھونے کی ہوس ہی پوری ہوجائے تو بہت ہے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''فکر نہ کرو۔ تمہاری ہوس ضرور پوری ہوگی۔ ویسے بلے نے یہ بھی بتایا ہے کہ تمہیں بوڑھا اور بیمار سمجھنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ پچھلے کئی مہینوں سے تم بیڈ پر پڑے رہنے کے باوجود کسی کی گرفت میں نہ آسکے۔ بار بار رسیاں توڑ کر نکل گئے۔''

''میں نہ تو کوئی جادوگر ہوں اور نہ ہی سپر مین۔ ہاں خوش قسمت ضرور ہوں۔ کسی نہ کسی طرح دشمنوں کے شکنجے سے نکل ہی جاتا ہوں۔ صرف آپ سے ملنے کی خاطر آج پہلی بار اپنی خفیہ پناہ گاہ سے نکلوں گا۔''

''مجھے بہت خوشی ہوگی۔ آج اپنے وعدے کے مطابق مجھ سے ملاقات کرو گے تو تم پر پوری طرح بھروسہ کرنے لگوں گا۔''

''میں نے بھی سوچ لیا ہے آج آپ کا اعتماد حاصل کر کے ہی رہوں گا۔ ٹھیک چھ بجے وہاں ضرور پہنچوں گا۔''

اس نے مطمئن ہوکر رابطہ ختم کردیا۔ ہمارے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ ہم بالکل تنہا ملاقات کریں گے۔ کوئی تیسرا ہمارے درمیان یا ہمارے آس پاس کہیں نہیں ہوگا۔ میں ایسا بھی نادان نہیں تھا کہ اس کی بات پر یقین کرلیتا۔

بلے نے اچھی طرح اس کے کان بھرے تھے۔ یہ بات ذہن میں نقش کردی تھی کہ میں بظاہر بوڑھا' بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا ہوں۔ مگر بہت خطرناک ہوں۔ شاہنواز بھی نادان نہیں تھا۔ چھٹا ہوا سیاستدان تھا۔ وہ اس پہلو سے سوچ سکتا تھا کہ بلے کے بیان کے مطابق جب میں بہت ہی خطرناک ہوں اور اپنی حفاظت آپ کرسکتا ہوں تو پھر ایک سیاستدان سے دوستی کیوں کر رہا ہوں اور پھر دوستی کرنے کی خاطر اپنی خفیہ پناہ گاہ سے کیوں نکل رہا ہوں؟

شوکت نے یہ سوچ رکھا تھا کہ ایک بار مجھ سے ملاقات ہوجائے۔ پھر خزانے کا راز معلوم کئے بغیر میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ بیشک یہی بات تھی۔ اس نے یہی طے کیا تھا کہ مجھے ایک خفیہ پناہ گاہ میں لے جائے گا اور اس وقت تک چھپ کر رہنے کے لئے راضی کرے گا' جب تک اسے خزانہ نظر نہیں آئے گا۔

اگر میں اس کی بات نہیں مانوں گا اور اس کی خفیہ پناہ گاہ میں چھپ کر رہنے سے انکار کروں گا تو وہ مجھے جبراً وہاں قیدی بنا کر رکھے گا۔ جس طرح میرے جاں نثار بڑی رازداری سے ادارہء تعلیم و تربیت کی عمارت میں پہنچے ہوئے تھے۔ اسی طرح بلے اور اس کے حواری بھی شام چھ بجے سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔

اعظم ثانی نے مجھ سے فون پر کہا۔ ''سر! یہاں بلا اپنے حواریوں کے ساتھ پہنچا ہوا ہے۔ وہ سب سیکورٹی گارڈ کی وردی میں ہیں۔ ان میں سے کچھ عمارت کے اندر ہیں اور کچھ باہر چھپے ہوئے ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم لوگوں کا ان سے سامنا ہوا ہے؟''

''جی ہاں۔ وہ عمارت کے اندر آتے جاتے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ معمولی ملازم سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے بھی شبہ نہیں کریں گے کہ ہم انہیں نہتے دکھائی دے رہے ہیں۔ پھر یہ کہ

ہمارے صرف تین آدمیوں سے ان کا سامنا ہوا ہے۔ باقی ہم سب ان سے کترا رہے ہیں اور چھپ رہے ہیں۔"

ایسے وقت شوکت کا بیٹا برکت شاہنواز آ گیا۔ وہاں شام کو آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ ہاسٹل کی جوان لڑکیوں کے ساتھ رات کالی کرنا چاہتا تھا۔ بلے نے فوراً ہی شوکت کو اطلاع دی۔ "جناب عالی! آپ کے صاحبزادے اچانک ہی یہاں آ گئے ہیں۔ میں آپ کا غلام ہوں انہیں یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہہ سکوں گا۔ آپ ابھی فون پر انہیں سمجھائیں۔ ان کی موجودگی سے بات بگڑ سکتی ہے۔"

شوکت نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں ابھی اسے فون پر سمجھاتا ہوں۔ وہ چلا جائے گا۔"

اسی وقت اعظم ثانی نے مجھ سے فون پر کہا۔ "سر! آپ نے حکم دیا تھا کہ شوکت کے بیٹے برکت کو بھی ٹریپ کیا جائے گا۔ اتفاق سے وہ یہاں پہنچ گیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف آتا ہے۔ جب وہ آ ہی گیا ہے تو واپس نہیں جائے گا۔ اسے وہاں سے اٹھاؤ اور ایسی جگہ پہنچاؤ کہ باپ اپنے بیٹے کو تلاش ہی کرتا رہ جائے۔"

ادھر باپ نے بیٹے کو فون پر سمجھایا تھا کہ وہ ایک بہت ضروری کام سے وہاں آ رہا ہے۔ لہٰذا بیٹے کو نہیں رہنا چاہئے۔ اسے فوراً واپس جانا چاہئے۔

وہ اکلوتا بیٹا شہزادوں کی طرح زندگی گزارتا تھا۔ باپ کا فرمانبردار تھا۔ لہٰذا وہاں سے واپس جانے لگا۔ بلے نے عمارت کی چھت پر کھڑے ہو کر اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے شوکت سے فون پر کہا۔ "آپ کے صاحبزادے جا چکے ہیں۔ کیا غازی کا فون آیا تھا؟"

"ہاں۔ ابھی اس نے بتایا ہے' کہیں راستے میں ہے۔ وقت پر پہنچ جائے گا۔ ابھی میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔"

بیٹا جا چکا تھا۔ اب باپ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ عاقب نے اپنے دو مسلح ساتھیوں کے ساتھ بہت آگے جا کر اس کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ تنہا تھا۔ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا آسانی سے ان کی گرفت میں آ گیا۔

میں جس گاڑی میں وہاں آیا۔ اس کے پچھلے حصے میں وہیل چیئر رکھی ہوئی تھی اور

اس چیئر پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں لانے والے ملازموں نے مجھے وہیل چیئر سمیت باہر نکالا۔ بلے چھپ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ فون پر شوکت سے کہہ رہا تھا۔ "میں نے تین دن پہلے غازی کو جیسا دیکھا تھا' ویسا ہی بوڑھا' بیمار اور کمزور دکھائی دے رہا ہے۔"

پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بوڑھے عاشق جوان محبوبہ سے ملنے اور اسے متاثر کرنے کے لئے بالوں میں خضاب لگاتے ہیں۔ یہ بڑے میاں بھی جیسے محبوبہ سے ملنے آئے ہیں۔"

شوکت نے کہا۔ "موت ایک محبوبہ ہے۔ گلے پڑ جاتی ہے تو چھوڑتی نہیں' ساتھ لے جاتی ہے۔ اسے آنے تو دو۔"

"ہاں۔ وہ آ رہا ہے۔ مگر پیروں سے چل کر نہیں' بوڑھا آخر بوڑھا ہی ہوتا ہے۔ بے چارہ وہیل چیئر پر آ رہا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے' ہم اسے آسانی سے قیدی بنا کر رکھ سکیں گے؟"

"پہلے بھی ہم نے دوبار آسانی سے اغواء کیا تھا۔ اس بار بھی وہ ہمارے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر رہا ہے۔ بالکل تنہا آیا ہے۔ مجھے تو کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ جبکہ وہ اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ نہیں ہے۔ بالکل تنہا ہے۔"

"یہی بات مجھے کھٹک رہی ہے۔ جو گاڑی اسے یہاں لائی تھی۔ اس میں دو افراد تھے۔ وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔ یعنی غازی نے یہاں سے جانے کے لئے گاڑی بھی نہیں رکھی ہے۔"

شوکت نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اسے آنے دو۔ میں جلد ہی معلوم کروں گا کہ وہ سچ مچ مجھ پر اعتماد کر کے دوستی کرنے آیا ہے یا کوئی چال چل رہا ہے؟ ویسے یقین نہیں آتا کہ ایک تنہا شخص یہاں آ کر ہمارے خلاف کیسے کوئی چال چلے گا اور کامیاب ہو گا؟"

وہ اپنے خوبصورت سے عیش کدے کے دروازے پر کھڑا میرا منتظر تھا۔ فون پر بلے سے باتیں کر رہا تھا۔ پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی بولا۔ "وہ آ گیا ہے۔ میں بعد میں بات کروں گا۔"

پھر آگے بڑھ کر بڑی فراخدلی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "خوش آمدید مسٹر عمیر بن غازی!"

اس نے ہاتھ بڑھا کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ پھر کہا۔ "تم تو بالکل ہی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔ ایسی بیماری اور کمزوری کی حالت میں مجھ سے تنہا ملنے آئے ہو۔ واقعی زبان کے دھنی ہو۔"

میں مصافحہ کرنے کے بعد عصا کو زمین پر ٹیک کر وہیل چیئر سے اٹھتے ہوئے بولے

ہولے ایسے کانپنے لگا' جیسے واقعی ناتواں ہوں۔ بڑی مشکل سے اٹھ رہا ہوں۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے ایک بازو کو تھام کر پوچھا۔ ''کیا یہاں سے اندر کمرے تک چل سکو گے؟''

میں آگے بڑھ کر رک رک کر چلتے ہوئے بولا۔ ہاں۔ یہ عصا میرا بہت بڑا سہارا ہے۔ میں اس کے سہارے ضرورت کے مطابق چلتا پھرتا رہتا ہوں۔''

میں اس کے ساتھ آہستہ آہستہ ایک ایک قدم چلتا ہوا ایک وسیع و عریض کمرے میں آ گیا۔ وہاں کی سجاوٹ اور دیواروں پر لگی ہوئی نیم عریاں تصویریں دیکھ کر سمجھ میں آ گیا کہ وہاں کس طرح رنگ رلیاں منائی جاتی ہوں گی؟ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر تھکے ہوئے انداز میں ہانپنے لگا۔

وہ مجھے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا اور بڑے یقین سے سوچ رہا تھا۔ ''یہ تو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ اتنا کمزور ہے کہ ایک چٹکی میں ناک دباتے ہی دم نکل جائے گا۔''

پھر اس نے کہا۔ ''مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ کسی دم کے مہمان لگتے ہو۔ یہ اچھا کیا کہ میرے پاس آ گئے۔ تمہارے بعد میں ہی اس خزانے کو حفاظت سے رکھ سکتا ہوں اور تمہاری وصیت کے مطابق تمہاری اولاد کو بھی اس میں سے حصہ دے سکتا ہوں۔''

ہم دونوں کرسیوں پر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر صوفوں کے درمیان شراب اور خالی پیمانے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ ''یہاں جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں بھی ہیں۔ شراب بھی ہے۔ مگر شباب کہاں ہے؟''

وہ بولا۔ ''ہم شباب کے نہیں' کم سن چھوکریوں کے رسیا ہیں۔ وہ ابھی آ جائیں گی۔ پہلے کام کی باتیں کی جائیں۔''

''پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم عقل و شعور رکھنے والے انسان ہیں۔ آپ بتائیں' ہم ایسے ہیں یا نہیں؟''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بیشک ہم عقل و شعور رکھتے ہیں۔''

''ہم بہکتے ہیں تو ہمارا ضمیر ہمیں سمجھاتا اور راہِ راست پر لاتا ہے۔ آپ بتائیں لاتا ہے یا نہیں؟''

''ہاں بھئی لاتا ہے۔ یہ۔ ایسی باتیں کرنے کا مطلب کیا ہے؟''

''میں معلوم کرنے آیا ہوں کہ تمہارے اندر ضمیر جاگتا ہے یا نہیں؟ تمہارے گھر میں آٹھ برس' دس برس' بارہ برس کی معصوم بہنیں اور بیٹیاں ہوں گی۔ کیا بچیوں کی معصومیت کو زخمی کرتے وقت تمہیں اپنی بہنوں بیٹیوں کا خیال نہیں آتا؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ ہم حکومت کرنے اور دوسروں کی ذات سے فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ تم بھی تو کم سن چھوکریوں کے شیدائی اور شوقین ہو؟''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے شوق پر اور تھوکتا ہوں تم جیسے لوگوں پر.....''

وہ ایکدم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے گرجتے ہوئے بولا۔ ''کتے کمینے! تو مجھ پر تھوکے گا؟ میں ابھی تجھے جہنم میں پہنچا دوں گا۔''

وہ ایسے تلملا رہا تھا' جیسے میں نے سچ مچ اس پر تھوک دیا ہو۔ وہ فوراً ہی میرے سامنے آ کر مجھے ایک الٹا ہاتھ رسید کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ پہلے اس نے بڑی آسانی اور آہستگی سے چھڑانا چاہا۔ پھر زور لگانے لگا۔ پتہ چلا کلائی شکنجے میں آ گئی ہے۔ ہڈیاں بری طرح دکھ رہی تھیں۔ بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے جھٹکے دے کر خود کو چھڑانا چاہا تو تکلیف اور بڑھ گئی۔

اس نے دوسرے ہاتھ سے مجھے مارنا چاہا تو میں نے اسے بھی پکڑ لیا۔ اس بار میری گرفت کچھ سخت ہو گئی تھی۔ وہ تکلیف سے کراہنے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہڈیوں کے ڈھانچے میں اتنی جان ہے۔ لیکن دونوں کلائیوں کی تکلیف اسے تڑپا رہی تھی۔ یقین دلا رہی تھی کہ اس میں اتنی جان ہے کہ وہ جان بھی لے سکتا ہے۔

وہ بڑی عاجزی سے بولا۔ ''چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔''

میں نے کہا۔ ''ابھی تم نے گالیاں دی تھیں۔''

وہ بدستور کراہتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''جو تم نے میرے لئے کہا' وہ اپنے لئے کہو۔''

وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ تکلیف کی شدت سے دوہرا ہو رہا تھا۔ تڑپتے ہوئے بولا۔ ''میں کتا ہوں۔ میں کمینہ ہوں۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔''

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر گر پڑا۔ فرش پر بیٹھ کر کبھی اس کلائی کو' کبھی اس کلائی کو سہلانے لگا۔ وہ ہاتھ ٹیک کر وہاں سے اٹھنا چاہتا تھا۔ پھر تکلیف کی شدت سے کراہنے لگا۔ ''اوہ گاڈ! کیا تم نے میری ہڈیاں توڑ دی ہیں؟''

میں نے اپنے عصا کو اپنی کرسی پر رکھا۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اسے ایک جھٹکے سے اٹھاتے ہوئے کھڑا کر دیا۔

اس کمرے میں دو دروازے تھے۔ میں اسے کھینچتا ہوا دروازوں کے پاس آیا پھر انہیں اندر سے بند کر دیا۔ کھڑکیاں پہلے سے بند تھیں۔ اسے صوفے پر دھکا دے کر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ''اب بولو...! تمہارے کیا ارادے تھے اور اب کیا کرو گے؟''

وہ اپنی ایک کلائی کو سہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک ضروری کال کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا تو اپنے کسی باپ کو مدد کے لئے بلانا چاہتے ہو؟ کوئی بات نہیں' میں اجازت دے رہا ہوں۔ جسے کال کرنا چاہتے ہو۔ کرو۔''

وہ تکلیف برداشت کر رہا تھا۔ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل فون نکالا۔ پھر نمبر پنچ کرنے لگا۔ میں سامنے والے صوفے پر آرام سے بیٹھ گیا۔

اس نے فون کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو بلے! میں مصیبت میں ہوں۔ فوراً آجاؤ۔ ورنہ یہ مجھے مار ڈالے گا۔''

ادھر میں نے فون نکال کر نمبر پنچ کئے۔ پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ ''ایک باپ کو اس کے بیٹے کی آواز سناؤ۔''

یہ کہہ کر میں نے اپنا فون بند کر دیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی شوکت نے اپنے فون پر کالنگ ٹون سنی۔ پھر اسکرین پر نمبر پڑھے۔ میں نے کہا۔ ''نمبر نہ پڑھو۔ بات کرو۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا تو دوسری طرف سے بیٹے کی آواز سنتے ہی چونک گیا۔ وہ بری طرح سہما ہوا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''ڈیڈی! مجھے بچائیں۔ ورنہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''برکت...! میرے بیٹے! یہ تم بول رہے ہو؟ تم کہاں ہو؟''

اس نے کہا۔ ''پتہ نہیں۔ یہ لوگ میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر کہاں لے آئے ہیں؟ مجھ سے کہہ رہے ہیں' صرف آپ ہی مجھے بچا سکتے ہیں۔ جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ میری خاطر اس کے قدموں میں گر پڑیں۔''

فون بند ہو گیا۔ اکلوتے بیٹے کی محبت نے تڑپا دیا تھا۔ وہ ''ہیلو ہیلو....'' کہہ کر چیخنے لگا۔ ادھر دروازے پر دستک سنائی دی۔ پھر بلے نے دروازہ پیٹتے ہوئے کہا۔ ''غازی! دروازہ کھولو۔ اگر شوکت صاحب کی شان میں گستاخی کرو گے' انہیں کوئی نقصان پہنچاؤ گے تو اس کمرے سے باہر نکل نہیں پاؤ گے۔ یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی مجھے اور کبھی دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اُدھر بیٹے کی لاش اور اِدھر تمہاری لاش اور تمہارا وہ بھونکنے والا غنڈہ یہ نہیں جانتا کہ اس کی لاش اٹھانے والا بھی یہاں کوئی نہیں آئے گا۔''

وہ بری طرح پھنس گیا تھا۔ اسے اپنی جان ہی نہیں' بند کمرے کے باہر بیٹے کی بھی جان بچانی تھی۔

میں نے کہا۔ ''ابھی تم نے تاش کا ایک پتا کھیلا۔ اپنے ایک غنڈے کو بلایا۔ میں نے بھی ایک پتا کھیلا۔ تمہیں بیٹے کی آواز سنا دی۔ یہ نہ سمجھو کہ کھیل اتنی جلدی ختم ہو جائے گا۔ تاش کے باون پتے ہوتے ہیں۔ ابھی دیکھو گے کہ میں کیسے کیسے پتے کھیلنے اور ترپ چالیں چلنے والا ہوں....؟''

وہ بڑا ہی شاطر سیاستداں تھا۔ اسے سیاسی ہیرا پھیری میں مہارت حاصل تھی۔ وہ کالے دھن کو سفید کرنے اور سیاہ اعمال کو سفید بنانے کا ہنر جانتا تھا۔ مگر اس وقت ساری چوکڑیاں بھول گیا تھا۔

خوبصورت اور معصوم بچیوں کی زندگیوں سے کھیلتا آ رہا تھا۔ آج موت اس سے کھیلنے آ گئی تھی اور اسے بچاؤ کا راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بلے باہر سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اپنے مسلح حواریوں کے ساتھ اندر آنے کے لئے بیتاب تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''جناب عالی! آپ خیریت سے ہیں ناں....؟ آپ غازی کو بتا دیں کہ وہ حرام موت مرنے آیا ہے۔ اگر آپ کو ہاتھ بھی لگائے گا تو زندہ واپس نہیں جائے گا۔''

میں مسکرا رہا تھا۔ شوکت پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے جھنجلا کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''خاموش ہو جاؤ۔ شور نہ مچاؤ۔''

''جناب عالی! ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کی پوزیشن کیا ہے؟ آپ اجازت دیں ہم دروازہ توڑ کر آ جائیں گے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تم اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بڑے احکامات صادر کرتے ہو۔ چلو دروازہ توڑنے کا بھی حکم دے دو۔''

اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے اپنی کلائیوں کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''مجھ سے یہ ہاتھ اٹھایا نہیں جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں یا ترخ گئی ہیں۔ میرے لئے فوری طبی امداد ضروری ہے۔''

”موت آنے والی ہو تو زندگی کی طرف لے جانے والا کوئی نسخہ ضروری نہیں ہوتا۔ دوائیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ ہوسپٹل کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے میں یہاں سے جانے کی بات نہیں کروں گا۔ مگر ہمارے درمیان سمجھوتہ ہونے تک میرا فیملی ڈاکٹر تو یہاں آسکتا ہے؟“

”آئے گا تو وہ بھی واپس نہیں جا سکے گا۔ بڑے ڈھیٹ سیاستدان ہو۔ میں موت کو لازمی قرار دے رہا ہوں اور تم بڑے یقین سے سمجھوتہ کرنے کی بات کر رہے ہو۔“

وہ بولا۔ ”ہم آج سے پہلے اجنبی تھے۔ ہمارے درمیان نہ دوستی تھی نہ دشمنی۔ اس لئے جانی دشمن بن کر نہ بولو۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں مجھ سے بھاری سے بھاری شرائط پر سمجھوتہ کرو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ ایک بار مجھے آزماؤ۔“

”آزما تو رہا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو یہاں تنہا ہوں؟ نہیں۔ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جب موت کی تاریکیوں سے اندھی گولیاں تمہارے غنڈوں کی طرف آئیں گی۔“

میں عصاء کو تھام کر صوفے پر سے اُٹھ گیا۔ ذرا ٹہلنے کے انداز میں ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔ ”اگر تم پر اندھا اعتماد کر کے یہاں تنہا آتا تو تم مجھے کسی چوہے دان میں ڈال دیتے۔ خزانہ حاصل کرنے تک مجھے زندہ رکھتے پھر مار ڈالتے۔“

میں نے پلٹ کر پوچھا۔ ”کیوں یہی کرنے والے تھے ناں.....؟“

وہ قالین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی دونوں کلائیاں صوفے پر رکھی ہوئی تھیں۔ چہرے سے تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ وہ بولا۔ ”خدا کے لئے مجھے طبی امداد پہنچاؤ۔ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے۔“

”جب ننھی بچیوں پر ظلم کرتے تھے تو ان سے بھی تکلیف برداشت نہیں ہوتی تھی۔ تم ان کی طرح رفتہ رفتہ برداشت کرنا اور جینا سیکھ جاؤ گے۔ بشرطیکہ میں تمہیں جینے دوں۔“

”ایسی باتیں نہ کرو۔ بڑے سے بڑا مطالبہ کرو۔ میں ابھی کروڑوں روپے تمہارے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرا سکتا ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”اونٹ کے منہ میں زیرہ دینے کی بات کر رہے ہو۔ جو سونے کا بیوپاری ہے اور خزانہ چھپا کر رکھتا ہے۔ اس کے لئے کروڑوں روپے کیا اہمیت رکھتے ہیں؟“

”میں اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہوں۔“

”جانتا ہوں تم نے کھل کھلا کر قومی خزانہ لوٹا ہے۔ ٹھیک ہے میں سمجھوتہ کروں

گا۔ باپ بیٹے میں سے کسی ایک کو زندگی ملے گی۔“

وہ گڑگڑانے کے انداز میں بولا۔ ”وہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔“

”تو پھر مر جاؤ۔ اسے زندگی دو۔“

”زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔ پلیز غازی! سنگدل نہ بنو۔“

میں ٹہلتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے بولا۔ ”پریس اور انٹیلی جنس کے ریکارڈز میں کرپٹ سیاستداں ہو۔ قاتل بھی ہو۔ مگر شاطرانہ چالیں چل کر قانون سے کھیل کر تحفظ حاصل کر رہے ہو۔ میں بھی تمہیں ڈھیل دے سکتا ہوں۔“

وہ ذرا مطمئن ہو کر میرا منہ تکنے لگا۔ میں نے کہا۔ ”تمہارے ملکی اور غیر ملکی لاکرز میں جتنے اہم دستاویزات ہیں۔ انہیں میرے حوالے کرو گے' کورٹ پیپرز پر اپنے جرائم کی تفصیلات لکھ کر دستخط کرو گے اور انگوٹھے کے نشانات لگاؤ گے۔“

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”اس طرح تم مجھے زندہ چھوڑ کر ہر پل مارتے رہو گے؟“

”ہاں۔ ایسی زندگی جیو گے کہ اپنی ذات سے جب بھی کسی کو نقصان پہنچانا چاہو گے تو میں پلک جھپکتے ہی تمہاری موت بن جاؤں گا۔“

باہر سے بلّے کی آواز سنائی دی۔ ”جناب عالی! بہت دیر سے خاموشی ہے۔ میرا فرض مجھے بولنے اور کچھ کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔“

وہ تکلیف سے بے حال ہو رہا تھا اور میں اسے موت کا چہرہ دکھا رہا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔ ”شٹ اپ۔ جہاں ہو وہاں خاموشی سے انتظار کرو۔“

پھر وہ مجھے دیکھتے ہوئے گڑگڑانے کے اندازہ میں بولا۔ ”جس طرح بھی سمجھوتہ ہوتا ہے کرو اور فوراً ہی مجھے ہوسپٹل پہنچاؤ۔“

میں نے اس کے سامنے آکر عصاء کو قالین پر مارتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ ناٹک نہ کرو۔ میں ایکٹنگ کرنے والوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ بے شک تکلیف کچھ ناقابل برداشت ہوگی۔ مگر کہا ناں رفتہ رفتہ برداشت کرنے لگو گے۔ تم کم سن بچیوں کو یاد کرتے رہو۔“

”میں تمہاری بات مان رہا ہوں۔ مگر تمام دستاویزات تمہارے حوالے کرنے کے لئے مجھے یہاں سے سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جانا ہوگا۔ تمہاری مطلوبہ چیزیں میں ہی لاکرز سے نکال سکتا ہوں۔“

”مجھے نہ سمجھاؤ۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ تمہیں یہاں سے لے جایا جائے گا۔ تمہاری

دکھتی ہوئی کلائیوں کو آرام پہنچایا جائے گا۔کل میرے آدمیوں کے نگرانی میں یہاں کے لاکرز سے میری تمام مطلوبہ چیزیں نکال کر لاؤ گے۔اس کے بعد میرا بیرسٹر چکے کاغذات پر تمہارے جرائم کی تفصیل لکھوائے گا۔تم مزید مطالبات پورے کرنے کے لئے سوئیٹزرلینڈ بھی جاؤ گے۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا۔اسے یہاں سے بینک جانے پھر ملک سے باہر جانے کی چھوٹ ملنے والی تھی۔وہ مجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے شاطرانہ چالیں چل کر یا تو مجھے قانون کی گرفت میں لے سکتا تھا یا ہلاک کرا سکتا تھا یا ایک بار پھر قیدی بنانے کی کوشش کر سکتا تھا۔اس کے سامنے راستے کھل رہے تھے۔

اس نے کہا۔''تم جو کہو گے وہ کرتا رہوں گا۔یہ میرے تمہارے معاملات ہیں۔میرے بیٹے کو رہا کر دو۔'

''سوری۔میں اسے ضمانت کے طور پر اپنا مہمان بنا کر رکھوں گا۔اس کی سلامتی کی خاطر کل تم بینک جا کر کوئی کمینہ پن نہیں دکھا سکو گے۔''

وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا۔پھر بولا۔''میں بیٹے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے عاقب سے فون پر پوچھا۔''برکت کا کیا حال ہے؟''

وہ بولا۔''سر! ہم نے اسے ٹارچر نہیں کیا ہے۔اس کے باوجود وہ بری طرح سہا ہوا ہے۔بہت ہی بزدل ہے۔''

''اسے بہت احتیاط سے قیدی بنا کر رکھنا ہے۔ابھی باپ بیٹے کی بات کراؤ۔'

میں نے فون بند کر کے شوکت سے کہا۔''تمہارے بیٹے پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا گیا ہے۔پھر بھی وہ سہا ہوا ہے۔اسے سمجھاؤ جب تک تم سوئیٹزرلینڈ سے واپس نہیں آؤ گے وہ ہمارا قیدی بن کر رہے گا۔''

''پلیز۔میرے بیٹے پر ایسا ظلم نہ کرو۔میں تمہارے اشارے پر چلتا رہوں گا۔اسے رہا کر دو۔'

''مجھ سے نادانی کی توقع نہ کرو۔جو کہہ رہا ہوں۔وہی کرتے رہو۔''

اس نے اپنے فون کو دیکھا۔کال آ رہی تھی۔میں نے کہا۔''تمہارا بیٹا پکار رہا ہے۔''

اس نے فوراً ہی فون اٹینڈ کرتے ہوئے پوچھا۔''بیٹے! تم خیریت سے ہو؟''

وہ بولا۔'آپ کیا پوچھ رہے ہیں ڈیڈی!....؟ کیا دشمنوں کی قید میں کوئی خیریت سے رہ سکتا ہے؟''

''کیا تم سے قیدیوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے؟''

''ایسی بات نہیں ہے۔مگر ایسا کیا جا سکتا ہے۔''

''فکر نہ کرو۔میں یہاں معاملات طے کر چکا ہوں۔وہاں تمہیں کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچے گا۔'

''آپ معاملات طے کر چکے ہیں تو پھر مجھے رہائی کیوں نہیں مل رہی ہے؟''

''کچھ مجبوریاں ہیں۔تمہیں وہاں دو چار دنوں تک قیدی بن کر رہنا ہوگا۔''

''میں آپ جیسے مشہور و معروف سیاستداں کا بیٹا ہوں۔توہین کے احساس سے مر جاؤں گا۔آپ اپنے ذرائع اور اختیارات کیوں استعمال نہیں کر رہے ہیں؟''

''ہم دونوں بری طرح شکنجے میں آ گئے ہیں۔میں اثر رسوخ استعمال نہیں کر سکوں گا۔'

''آپ مجھے صحیح بتائیں یہ ہم سے کون دشمنی کر رہا ہے اور مجھے یہاں کب تک رہنا ہوگا؟''

'تم میرے معاملات کو سمجھ نہیں پاؤ گے۔بس یہ سمجھ لو کہ تمہیں نہ چاہنے کے باوجود وہاں قیدی بن کر رہنا ہوگا۔میں جلد ہی تمہیں رہائی دلاؤں گا۔''

میں نے [illegible] سے فون لے کر برکت سے کہا۔''تم نے باپ کی باتیں سن لیں۔اب وہاں آرام سے رہو۔تمہیں تین وقت کی روٹیاں ملتی رہیں گی۔''

میں فون بند کر کے اسے شوکت کے سامنے صوفے پر پھینک کر ہنسنے لگا۔وہ میرا منہ تکنے لگا۔میں نے پوچھا۔''جانتے ہو کیوں ہنس رہا ہوں؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔میں نے کہا۔''بیٹے کی کال آتے ہی تم نے لپک کر فون اُٹھا لیا...کلائی کا درد کہاں گیا؟''

وہ چونک کر اپنی کلائیوں کو دیکھنے لگا۔میں نے کہا۔''بڑے ڈرامہ باز ہو۔اسی لئے تو سیاست میں ہو۔''

وہ تکلیف سے منہ بناتے ہوئے بولا۔''میں سچ کہتا ہوں۔بہت تکلیف ہو رہی ہے مگر میں برداشت کر رہا ہوں۔''

اگر میں کہہ دوں کہ آزاد ہو مگر پیروں سے چل کر جانے کی اجازت نہیں دوں گا' تب ضرور ہاتھوں کے بل رینگتے ہوئے جاؤ گے۔'

''میرا مذاق نہ اُڑاؤ۔مجھ پر مہربانی کرو۔ڈاکٹر کو بلاؤ یا ہسپتال لے چلو۔''

''میرے آدمی تمہیں گن پوائنٹ پر یہاں سے لے جائیں گے۔اس سے پہلے بلے کوحکم دو کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمام ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر باہر چلا جائے۔''

وہ جلد سے جلد طبی امداد چاہتا تھا۔پھر وہاں سے باہر جانے کا موقع ملنے والا تھا۔اس نے فوراً ہی بلے کوفون پر حکم دیا کہ وہ ہتھیار پھینک کر اپنے حواریوں کے ساتھ وہاں سے دور چلا جائے۔بعد میں اس سے فون پر رابطہ رہے گا۔

وہ حکم کا بندہ تھا۔اس نے تھوڑی دیر بعد فون پر کہا۔''میں اپنے آدمیوں کے ساتھ عمارت سے باہر آ گیا ہوں۔کیا آپ کو رہائی مل رہی ہے؟''

شوکت نے کہا۔''میری فکر نہ کرو۔میں غازی کے ساتھ یہاں سے جاؤں گا۔تم کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہ کرنا۔''

میں نے کہا۔''بلے سے کہو وہ ابھی اس کمرے میں تنہا اور نہتا آ سکتا ہے۔''

شوکت نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔پھر فون پر کہا۔''غازی تمہیں میرے پاس تنہا آنے کی اجازت دے رہا ہے۔کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھو خالی ہاتھ آجاؤ۔''

وہ بولا۔''میرے من کی مراد پوری ہو رہی ہے۔میں ابھی آ رہا ہوں۔''

میں نے آدم ثانی سے فون پر کہا۔''یہ دیکھو کہ بلے کے تمام ساتھی ہتھیار چھوڑ کر جا چکے ہیں یا نہیں؟صرف یہاں بلے کو رہنے دو۔باقی لوگوں پر لوز فائر کرو۔وہ بھاگ جائیں گے۔''

ایسے وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔بلے نے کہا۔''جناب عالی!میں آپ کے حکم کے مطابق خالی ہاتھ آیا ہوں۔''

میں نے کہا۔''انتظار کرو۔ابھی دروزاہ کھلے گا۔''

تھوڑی دیر بعد آدم ثانی نے فون پر کہا۔''سر!وہ سب ہتھیار پھینک کر عمارت کے احاطے کے باہر چلے گئے ہیں۔بلے ایک بند کمرے کے دروازے کے پاس کھڑا ہوا ہے۔''

میں نے کہا۔''اسے چیک کرو۔وہ نہتا ہے یا نہیں؟''

اس نے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد کہا۔''یہ بالکل نہتا ہے۔''

میں نے فون بند کیا پھر آگے بڑھ کر دروازے کو کھول دیا۔آدم ثانی سے کہا۔''انتظار کرو۔میں تھوڑی دیر بعد رابطہ کروں گا۔''

وہ چلا گیا۔بلے کمرے میں آیا پھر تیزی سے چلتا ہوا شوکت شاہنواز کے پاس پہنچ کر اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر بولا۔''آپ خیریت سے ہیں ناں....؟''

میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔وہ بلے کو بتا رہا تھا کہ اس کی کلائیوں کی ہڈیاں ترخ گئی ہیں۔اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔

بلے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔غرانے کے انداز میں میرے سامنے آ کر بولا۔''تم نے میرے آقا کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

شوکت نے کہا۔''بلے!غصہ نہ دکھاؤ۔غازی سے دور رہو۔ابھی ہم ہوسپٹل جائیں گے۔''

میں نے کہا۔''ہوسپٹل نہیں میری ایک خفیہ پناہ گاہ میں جاؤ گے۔وہاں تمہارا علاج ہوگا۔''

بلے نے کہا۔''میرے آقا جہاں جانا چاہتے ہیں وہاں لے چلو۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''تمہاری خر دماغی دیکھنے کے لئے یہاں بلایا ہے۔یہ بولو میں تمہاری بات نہ مانوں تو کیا کرو گے؟''

شوکت نے کہا۔''بلے!تم کچھ نہیں کرو گے۔''

میں نے کہا۔''سوچ لو بلے!تم بھی نہتے ہو میں بھی خالی ہاتھ ہوں۔یہ عصاء یہاں رکھ دیتا ہوں۔اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔''

وہ دونوں سوچ میں پڑ گئے۔شوکت نے سوچا۔''میں بوڑھا ہوں۔عیاشی کے باعث کھوکھلا ہو گیا ہوں۔اس لئے غازی سے مات کھا گیا ہوں۔بلے تو باڈی بلڈر ہے۔آہنی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے موڑ دیتا ہے۔جانے اب تک کتنے بندے مار چکا ہے۔یہ تو غازی کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دے گا۔''

بلے نے کہا۔''جناب عالی!اس نے آپ کو ہاتھ لگانے کی جرات کی ہے۔دونوں ہاتھ توڑنے کی کوشش کی ہے۔میں اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دوں گا۔''

وہ بولا۔''عقل سے سوچو یہاں تم اسے مار ڈالو گے تو باہر اس کے آدمی ہمیں جانے نہیں دیں گے۔''

میں نے کہا۔''تم عقل سے پیدل ہو گئے ہو۔مجھے مار ڈالنے کے بعد باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟کمرے میں رہ قانون کے محافظوں کو بلاؤ گے تو وہ تمہاری ایک کال پر چلے آئیں گے۔میرے آدمی بھی انہیں دیکھتے ہی بھاگ جائیں گے۔''

دونوں نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔شوکت نے کہا۔''تعجب ہے تم ہمیں

یہاں سے رہائی پانے کی تدبیر بتا رہے ہو؟ تم پاگل نہیں ہو پھر اپنی موت کو دعوت کیوں دے رہے ہو؟ کیا نہیں جانتے کہ یہ کتنا خطرناک شہزور ہے؟''

میں نے بلے کو دیکھتے ہوئے کہا۔'' جانتا ہوں۔ جب پہلی بار مجھے اغواء کر کے اس کے ایک خفیہ اڈے میں پہنچایا گیا تھا تب اس نے مجھ بیمار اور کمزور کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اپنے دو باڈی گارڈز کو اپنے دونوں بغلوں میں دبوچ کر انہیں بے بس اور ادھ موا کر دیا تھا۔''

بلے اپنے دونوں بازوؤں کے مسلس پھلاتے ہوئے بولا۔'' تمہیں دس ماہ پہلے کی بات یاد ہے۔ پھر بھی تم نے مجھے یہاں بلایا ہے؟''

''ہاں۔ اس روز میری ایک ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ آپریشن کے ذریعے گولی نکالی گئی تھی۔ تم نے آہنی سلاخوں جیسی انگلی میرے کچے زخم میں چبھو دی تھی۔ میں تکلیف کی شدت سے تڑپ تڑپ کر بیہوش ہو گیا تھا۔'

وہ ہنستے ہوئے بولا۔'' تمہیں تو بہت کچھ یاد ہے۔''

'تم نے میرے ساتھ جیسا سلوک کیا ایسا کمزور اور بزدل کرتے ہیں۔ میں نے یہی ثابت کرنے کے لئے بند کمرے میں بلایا ہے کہ تم چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ہو۔ میں تمہیں مسل کر رکھ دوں گا۔''

میری بات ختم ہوتے ہی اس نے میرے منہ پر کراٹے کا ایک ہاتھ مارنا چاہا۔ میں نے اس ہاتھ کو پکڑتے ہی ایک طرف جھٹکا دیا۔ وہ آگے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا گیا۔ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قالین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ پھر بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا بھی ہو گیا۔

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ صرف ایک جھٹکا کھا کر اتنی دور جا کر کیسے گر پڑا تھا؟ ابھی وہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ اسے اتنی دور پھینک سکتا ہے۔ پھر وہ آگے بڑھا۔ اس نے پنجہ لڑانے کے انداز میں ایک ہاتھ بڑھایا۔ میں نے پوچھا۔'' کیا حملہ نہیں کرو گے؟''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے ہار ماننے کے انداز میں پیچھے ہٹ رہا ہو۔ مگر اس نے بڑی مکاری دکھائی۔ بڑی پھرتی سے گھوم کر ایک کک مارنی چاہی۔ میں نے کک مارنے والی ٹانگ پکڑ لی۔ اسے زور کا جھٹکا دیا۔ وہ جیسے ہوا میں اڑتا ہوا ایک دیوار سے جا کر ٹکراتا ہوا نیچے فرش پر گر پڑا۔

اس بار ایسی چوٹیں آئی تھیں کہ وہ فوراً ہی اٹھ نہ سکا۔ شوکت شاہواز کے چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی۔ بلے دو بار ناکام حملے کر کے پھرتی اور شہزوری بھول گیا تھا۔ آہستہ آہستہ قالین پر سے اٹھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔'' اٹھو... آؤ ابھی اور آزماؤ۔ پہلے دو بار اغواء کر کے آزما چکے تھے۔ میں کسی کے قابو میں نہیں آیا تھا۔ اس بار تو قدرت کا کرشمہ ہے جسے تم دونوں سمجھ نہیں پاؤ گے۔''

شوکت نے کہا۔'' میں حیران ہوں تم یہاں وہیل چیئر پر آئے تھے۔ اب ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے گوشت سے خالی بدن میں ہڈیاں نہیں فولادی سلاخیں ہیں۔''

میں نے کہا۔'' خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں اس بڑھاپے میں فولاد سمجھا رہا ہوں۔ جبکہ جوانی آئی نہیں ہے۔ آنے سے پہلے میں ایک ذرا انگڑائی لے رہا ہوں۔''

بلے نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔'' تم اس لئے پیروں پر کھڑے ہو کہ میرے حملے ناکام ہو رہے ہیں۔ تم مار کھانے سے پہلے ہی خود کو بچا لیتے ہو۔ مگر اب نہیں بچو گے۔ آؤ! پنجہ لڑاؤ۔''

اس نے اپنا سخت اور کھردرا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال دیں۔ اس نے اپنے طور پر سختی سے گرفت میں لے لیا۔ یقیناً وہ آہنی گرفت ہو گی مگر میں چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کی طرح زور نہیں لگا رہا تھا۔ وہ پنجہ لڑانے کا ماہر تھا۔ مگر اسے لگ رہا تھا جیسے اُنگلیوں میں اُنگلیاں نہیں ڈالی ہیں' آہنی سلاخوں میں پھنسالی ہیں۔

وہ صرف قوت سے ہی نہیں' مہارت سے بھی کام لے رہا تھا۔ کوئی ہنر تو کام آنا چاہئے تھا۔ مگر ناکامی اور توہین کا احساس اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ اپنے پورے جسم کا بوجھ ڈال کر میری اُنگلیوں کو جھٹکے دینے میں بھی ناکام ہو رہا تھا۔

میں نے کہا۔'' صرف تم ہی پنجہ لڑا رہے ہو۔ میں تو سکون سے کھڑا ہوا ہوں۔ اب یہ دیکھو کہ اپنی انگلیاں میری انگلیوں کی گرفت سے نکال سکو گے یا نہیں؟''

اس اپنے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ پوری قوت سے انگلیوں کو نکالنا چاہا۔ میری اُنگلیاں کیا تھیں ہڈیاں ہی تھیں۔ گوشت برائے نام تھا۔ ان پر کھال منڈھی ہوئی تھی۔ وہ ایک ہڈیوں کے ڈھانچے کو ہلانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ آہنی شکنجے میں پھنس گیا ہے پھر یہ کہ انگلیوں کی ہڈیاں بری طرح دکھنے لگی تھیں۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔'' ہڈیوں کے ڈھانچے میں نہ جوانی

ہوتی ہے نہ توانائی...تم کیا بلا ہو؟ چھوڑو میرا ہاتھ۔'

میں نے کہا۔''ایسا عورتیں کہتی ہیں۔ہائے اللہ! چھوڑو میرا ہاتھ.....کیا تمہاری جنس بدل گئی ہے؟''

میں نے اپنی گرفت مضبوط کی۔اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔میں نے ایک ہلکا سا جھٹکا دیا تو کڑکڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیں۔شوکت شاہنواز کے دیدے پھیل گئے۔صاف سمجھ میں آگیا کہ اُنگلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

وہ چیخ رہا تھا۔تلملا رہا تھا۔شکنجے سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑ کر تڑپ رہا تھا۔فرش پر دونوں پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے ادھر جا رہا تھا۔

شوکت نے کہا۔''اسے معاف کردو۔جانے دو۔''

میں نے کہا۔''میں اب تک اسے موقع دے رہا تھا کہ حملے کرے اور اپنی حسرتیں پوری کرے...اب میری باری ہے۔''

میں نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔وہ الٹ کر قالین پر گرا پھر ذبح ہونے والے بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔ایک ہی ہاتھ پڑنے پر منہ اور ناک سے لہو بہہ رہا تھا۔یقیناً چہرے کی ہڈیوں پر کاری ضرب پڑی ہوگی۔شوکت حیرت زدہ اور خوفزدہ ہوکر مجھے دیکھ رہا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ میں ایسی قوت کا مظاہرہ کرتے وقت خود حیران ہورہا تھا۔میں نے ماضی میں ہتھیاروں کے ذریعے بڑے بڑے شہزوروں کو مات دی تھی۔اب خالی ہاتھ لڑتے وقت سمجھ رہا تھا کہ خدا مجھ پر مہربان ہے۔

وہ ایک ہی الٹا ہاتھ پڑنے پر تڑپ تڑپ کر ساکت ہوگیا تھا۔بیہوش ہوگیا تھا۔میں نے شوکت شاہنواز سے کہا۔''دیکھو میں جس سے سمجھوتہ نہیں کرتا اس کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ عبرت حاصل کرو۔''

میں نے بلے کی تھوڑی کے نیچے حلق پر ایک پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔''یہ تمہارا پالتو غنڈہ نہ جانے کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا رہا تھا۔تمہاری چھتر چھایہ میں عدالتی سزاؤں سے بچتا رہا تھا۔مگر جو غلط ہے وہ غلط ہے اور ایسے لوگ اپنی سزا کو ضرور پہنچتے ہیں۔سوچو سمجھو کیا تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوگا؟''

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے حلق پر ایک پاؤں کا دباؤ ڈالا وہ نیم بیہوشی کی حالت میں ذرا دیر پھڑ پھڑایا پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہوگیا۔دنیا کا ہر طاقت ور ایک معینہ مدت تک

موت کو پچھاڑتا رہتا ہے۔پھر وقت پورا ہوتے ہی خود پچھاڑیں کھا کر مرجاتا ہے۔

اس کا قصہ تمام ہوتے ہی میں نے اچانک کمزوری محسوس کی۔اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔وہاں سے پلٹ کر ڈگمگاتا ہوا ایک صوفے پر آکر گر پڑا۔یوں ہانپنے لگا جیسے اب تک اپنی توانائی سے اپنی قوت برداشت سے زیادہ محنت اور مشقت کرتا رہا ہوں۔

یہ عجیب سی بات تھی۔مگر مجھے اپنی اوقات معلوم ہورہی تھی کہ میں جوان نہیں ہوں۔ابھی بوڑھا ہی ہوں۔

جیسا کہ مجھے آگاہی ملی تھی اس کے مطابق میں ایک ایک دن کے حساب سے جوانی کی طرف جاتا رہوں گا تب بڑھاپا رخصت ہوگا۔اور مستقل توانائی حاصل ہوتی رہے گی اور تب اس طرح ہانپتے ہوئے کمزوری محسوس نہیں کروں گا۔

ابھی ایسے تجربات سے گزر رہا تھا جو نئے اور انوکھے تھے۔جوانی جھلکیاں دکھا کر جا رہی تھی۔یہ یقین ہورہا تھا کہ دھیرے دھیرے ہی سہی خوشگوار تبدیلیوں کی طرف رینگتا جا رہا ہوں۔

شوکت کو بلے کی موت کا صدمہ تھا۔وہ مجھ سے بری طرح سہم گیا تھا۔مجھے توجہ سے دیکھ رہا تھا۔میں ان لمحات میں بہت ہی بوڑھا اور کمزور دکھائی دے رہا تھا۔وہ خود کو سمجھا رہا تھا۔''نہیں یہ نظروں کا دھوکہ ہے۔ابھی اس نے غیر معمولی قوت کا مظاہرہ کیا ہے۔بلے جیسے باڈی بلڈر کو بڑی آسانی سے موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ابھی خواہ مخواہ ہانپ رہا ہے۔کمزوری ظاہر کر رہا ہے۔یہ یونہی ہم سب کو دھوکہ دیتا ہے۔یہاں وہیل چیئر پر آیا تھا۔بہت ہی ڈرامہ باز ہے۔

تھوڑی دیر بعد میری تھکن دور ہوئی' کمزوری کا احساس ذرا کم ہوا۔تو میں نے فون پر پوچھا۔''آدم! کیا یہاں موجود ہو؟''

''یس سر! میں دروازے کے پاس ہوں۔بلے کے تمام آدمیوں کو یہاں سے بھگا دیا گیا ہے۔''

میں وہاں سے اٹھ گیا۔عصا کو تھام کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔اسے کھول کر دیکھا۔وہ دو ساتھیوں کے ساتھ وہاں تھا۔میں نے کہا۔''شوکت شاہنواز کو اس کے بیٹے سے دور قیدی بنا کر رکھا جائے گا۔وہاں میرا فیملی ڈاکٹر اس کا علاج کرے گا۔''

آدم ثانی اور دوسرے جانثاروں نے اندر آکر بلے کی لاش دیکھی پھر بڑی حیرانی

سے مجھے دیکھا۔ایک نے اسے چھوکر ٹٹول کر یقین کیا کہ وہ مر چکا ہے۔اس نے یقین کرنے کے باوجود بے یقینی سے پوچھا۔"سر! اسے آپ نے...؟"

میں نے کہا۔"ہاں۔ایک چیونٹی بھی ہاتھی کی موت کا سبب بن سکتی ہے۔جب موت آتی ہے تو بڑے سے بڑا شہزور' کمزور کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔"

ہماری دنیا میں بڑی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔ہم انہیں سنتے ہیں' دیکھتے ہیں پھر اپنے کام سے لگ کر بھول جاتے ہیں۔کوئی کہاں تک دیکھے اور یاد رکھے۔دنیا عجائب خانہ ہے۔لوگ دیکھتے ہیں اور یہ سوچ کر گزر جاتے ہیں کہ ہماری زمین پر جو ہو جائے' وہ کم ہے۔

وہ شوکت کو وہاں سے لے جانے لگے۔میں نے آدم ثانی سے کہا۔"تم بیرسٹر رضا قریشی کے ساتھ کل شوکت کو بینک لے جاؤ گے۔وہاں سے اس کے اہم دستاویزات حاصل کئے جائیں گے۔پھر کورٹ پیپر پر اس سے اقبال جرم کرایا جائے گا۔اب اسے لے جاؤ۔"

شوکت مجرم کی طرح سر جھکا کر وہاں سے جانے لگا۔میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو ناکارہ بنایا تھا اور بلے کی موت نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔اس کے باوجود وہاں سے جاتے وقت وہ کسی قدر مطمئن تھا۔اس چار دیواری سے باہر جا کر امید تھی کہ وہ مجھ سے نجات پانے کے لئے کچھ کر سکے گا۔

میں وہاں سے رضا قریشی کے گھر آیا۔وہ میری اچانک آمد پر حیران ہوا۔خوش ہو کر بولا۔"آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت کی ہے۔میرے ساتھ رات کا کھانا ضرور کھائیں گے۔"

رات کے آٹھ بجے تھے۔میں نے اس کے ساتھ کھانے کے دوران اپنے تمام حالات بتائے پھر کہا۔"آپ ابھی وہاں جائیں گے جہاں شوکت شاہواز کو قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔اس سے پکے کاغذات پر تمام جرائم کا اعتراف کرائیں گے۔کل بینک سے جو اہم دستاویزات حاصل ہوں گی ان کے مطابق بھی اس سے کاغذات لکھوا کر اسے پوری طرح قانونی شکنجے میں جکڑ لیں گے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔وہ قانونی شکنجے سے کبھی نکل نہیں پائے گا۔ہمیشہ آپ کے اشاروں پر ناچتا رہے گا۔"

کھانے کے بعد رضا قریشی اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے شوکت کے پاس چلا گیا۔ان باپ بیٹے کی گمشدگی سے گھر والے پریشان ہو سکتے تھے۔لہذا انہوں نے ہمارے حکم کے مطابق فون کے ذریعے اپنے گھر والوں سے رابطہ کیا۔بیوی بچوں سے کہہ دیا کہ وہ

ضروری کام سے پنڈی گئے ہیں۔دو چار دنوں میں واپس آ جائیں گے۔گھر والے ان کی عدم موجودگی سے پریشان نہ ہوں۔

میں اپنی رہائش گاہ میں آ گیا۔حجاب اور ندا رانی میرے انتظار میں بھوکی بیٹھی تھیں۔میں نے ندا کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"سوری۔قریشی صاحب نے اپنے ساتھ کھانے کو کہا تو میں انکار نہ کر سکا۔کھانے میں ان کا ساتھ دینا ہی پڑا۔تمہیں آدھی رات تک انتظار نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

میں نے حجاب کو دیکھا۔وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔نظریں ملتے ہی جلدی سے ندا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔"یہ کبھی بھوکی نہیں رہتی۔چلتے پھرتے کھاتی پیتی رہتی ہے۔اب ایسا منہ بنائے بیٹھی ہے جیسے بیچاری کو بھوکا پیاسا رکھا گیا ہے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔"چلتے پھرتے کھانا اور بات ہے۔رات کی روٹی تو نہیں کھائی ہے۔"

پھر اس نے میری طرف گھوم کر کہا۔"یہ دراصل آپ پر یہ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کے انتظار میں صرف یہی بھوکی رہ سکتی ہیں۔میں نہیں رہ سکتی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"بھئی میں مانتا ہوں تم میری خاطر بھوکی رہ سکتی ہو۔"

پھر میں نے حجاب سے کہا۔"تم سے کہہ کر گیا تھا کہ مجھے دیر ہو جائے گی۔پھر بھی تم انتظار کرتی رہیں۔"

اس کا ہاتھ ندا کے سر پر تھا۔میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔وہ سر جھکا کر مسکراتے ہوئے بولی۔میں بار بار دروازے اور کھڑکی کی طرف جا رہی تھی۔باہر دور تک دیکھ رہی تھی۔آپ کی آہٹ پر کان لگے ہوئے تھے۔میں کیا بتاؤں' مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔"

جو دل میں اتر جاتے ہیں۔روح میں سما جاتے ہیں۔ان کے پیار کے انداز میں ایسی بے چینی ہوتی ہے جیسا کہ حجاب کی اداؤں سے ظاہر ہو رہا تھا۔اس نے اب تک کی زندگی میں [illegible]ستوں کو دیکھا تھا۔پہلی بار بے لوث محبوب کا چہرہ مجھ میں دیکھ رہی تھی۔

میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔میری زندگی میں جانے کتنی حسینائیں آئی تھیں۔کسی نے مجھے متاثر نہیں کیا تھا۔پہلی بار وہ اپنا اثر دکھا رہی تھی۔شاید میں اس لئے بھی متاثر ہو رہا تھا کہ ایک نئی اور انوکھی زندگی کا پہلا قدم اٹھاتے ہی وہ میرے اندر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

میرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر تھا۔ہم ایک دوسرے کو اپنے اندر گہرائیوں تک محسوس

کر رہے تھے۔ندا نے آنکھیں مٹکا کر دیدوں کو اوپر کی طرف گھما کر کہا۔''یہ میرا سر ہے۔پرندوں کا گھونسلا نہیں ہے۔یہ دو ہنسوں کا جوڑا کب تک بیٹھا رہے گا؟''

ہم نے ایکدم سے جھینپ کر اس کے سر پر سے ہاتھ ہٹا لئے۔حجاب نے فوراً ہی پلٹ کر آنچل سر پر رکھ لیا۔ وہاں سے جاتے ہوئے بولی۔''میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔''

وہ چلی گئی۔میں نے مسکراتے ہوئے ندا سے کہا۔''تم بہت شریر ہو۔وہ بیچاری شرماتی ہوئی گئی ہے۔''

اس نے بڑی محبت سے کہا۔''باجی شرماتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں ناں....؟''

میں نے بڑے جذبے سے کہا۔''بہت اچھی.....دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔''

جب آپ نہیں ہوتے تو آپ کے بارے میں اتنا بولتی ہیں اتنا بولتی ہیں کہ میں سنتے سنتے تھک جاتی ہوں۔''

میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔''کیا بولتی ہیں؟''

''اب آپ مجھے تھکائیں گے۔یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بولتے رہیں اور سنتے رہیں؟''

میں نے خلاء میں تکتے ہوئے کہا۔''جی تو چاہتا ہے وہ ہر پل میرے ساتھ رہے۔میں اس کے ساتھ نگر نگر کی سیر کرتا رہوں۔مگر میں مصروفیات کا قیدی ہوں۔دنیا والوں نے مجھے اپنے اپنے طور پر جکڑ رکھا ہے۔'

واقعی مجھے شدت سے احساس ہونے لگا کہ زندگی میں بہت کچھ پانے کے باوجود اب تک پیار کی سچی مسرتوں سے محروم ہوں۔میرا خاندان دور تک پھیلا ہوا تھا۔بیٹے بہو' بیٹی داماد' پوتے پوتیاں' نواسے نواسیاں سب ہی رشتے تھے مگر رشتوں کی سچی محبتیں نہیں تھیں۔

یہ میں بیان کرتا آ رہا ہوں کہ وہ سب کس طرح میری زندگی میں زہر گھولتے رہے تھے۔میں حوصلے اور پامردی سے زہریلی عداوتوں کا توڑ کر رہا تھا اور حجاب مجھے بڑے پیار سے جوڑ رہی تھی۔دل کی دنیا کو سرسبز و شاداب بنا رہی تھی۔

میں خوش نصیب ہوں کہ خدا مجھ سے خوش ہے۔آئندہ ایک نئی ازدواجی اور مسرتوں بھری گھریلو زندگی گزارنے کے لئے حجاب اور ندا آ گئی تھیں۔ندا نے کہا۔''باجی کہتی ہیں میں آپ کو بھائیجان کہا کروں مگر میں نے انکار کر دیا ہے۔''

میں نے پوچھا۔''کیوں انکار کیا ہے؟''

''مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''پھر کیا اچھا لگتا ہے؟''

اس نے کہا۔''میں آپ کو جی جُو کہنا چاہتی ہوں۔''

''جی جُو کیوں کہنا چاہتی ہو؟''

''اس لئے کہ آپ ابھی بھائی ہیں نہ بہنوئی ہیں۔نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔اس لئے جی جا جی بھی نہیں کہہ سکتی۔جی جُو کہنا چاہتی ہوں۔''

''میری طرف سے اجازت ہے۔''

''باجی کھل کر اجازت نہیں دیں گی۔اوپر سے آنکھیں دکھائیں گی مگر دل میں لڈو پھوٹتے رہیں گے۔''

میں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے کہا۔''چھوٹی ہو مگر عقل کی کسوٹی ہو۔باجی کو اندر سے خوب پرکھتی ہو۔''

حجاب دروازے سے کھانے کی ٹرالی لاتے ہوئے بولی۔''میری طرف سے ایک ہاتھ اور ماریں۔اس نے ضرور ایسی ویسی بات کی ہوگی۔''

میں نے کہا۔''ایسی ویسی نہیں بڑی خاص بات کہی ہے۔یہ آج سے مجھے جی جُو کہے گی۔''

وہ ایکدم سے شرما گئی۔اس نے سر پر آنچل رکھتے ہوئے بہن کو گھور کر دیکھا۔ندا نے کہا۔''دیکھیں جی جُو! یہ آنکھیں دکھائیں گی۔اب ذرا ان کے دل کا حال پوچھیں؟ میں کھانے سے پہلے ہاتھ ضرور دھوتی ہوں۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر دوڑتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔حجاب نے میز پر ڈشیں رکھتے ہوئے کہا۔''یہ بہت بولنے لگی ہے۔''

''اور جو بات بولتی ہے وہ دل کو لگتی ہے۔ہے ناں؟''

وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ڈشیں رکھنے کے لئے قریب آئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔اس کے ہاتھ کی لکیریں کہتی تھیں کہ وہ بھی میری طرح بدترین حالات سے گزرتی آئی ہے۔وہ حالات کی ماری تھی۔میں رشتوں کے لہو کا مارا تھا۔خدا نے ہمیں پیار کی گھنی چھاؤں میں پہنچا دیا تھا۔

وہ واش روم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔''ہاتھ چھوڑیں۔''

"ہاتھ چھوڑوں گا تو تنہا رہ جاؤں گا۔"

"اطمینان رکھیں میں آپ کو تنہا چھوڑنے نہیں آئی ہوں۔"

"تو پھر تنہائی میں ملو۔"

اس نے آنکھیں دکھائیں پھر مسکرا کر کہا۔"بس اتنی سی تنہائی غنیمت ہے۔ ہاتھ چھوڑیں' وہ آنے والی ہے۔"

"وہ ہماری دادی اماں نہیں ہے۔ ڈرتی کیوں ہو؟"

"آپ اسے نہیں جانتے۔ دیکھ لے گی تو ہمارا ریکارڈ لگائے گی۔ جب آپ نہیں رہیں گے تو ایک سے ایک فلمی گانا گنگناتے ہوئے مجھے چھیڑتی رہے گی۔"

مجھے آہٹ سی سنائی دی۔ میں نے فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ واش روم کا دروازہ کھول کر گنگناتی ہوئی آ رہی تھی۔

"ساتھی میرے من کے"

"میرے تن آنگن کے"

"چاہے سانس یہ چھوٹے"

"ہاتھ سے ہاتھ نہ چھوٹے"

پھر اس نے مجھ سے کہا۔"ہائے جی جو! آپ نے تو ہاتھ چھوڑ دیا ہے۔"

حجاب نے جھینپتے ہوئے کہا۔"میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی یہ چڑیل چھپ کر دیکھ رہی ہوگی۔"

میں نے ہنستے ہوئے ندا کو کھینچ کر چوم لیا۔ پھر کہا۔"میں ایسی ہی ہنستی گنگناتی ہوئی پیار بھری زندگی چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے۔ انشاءاللہ ہم بہت ہی خوبصورت زندگی گزارتے رہیں گے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی موبائل فون چیخ چیخ کر کہنے لگا۔"خوابوں کی جنت سے واپس آ جاؤ۔"

ننھی سی اسکرین پر انجانے نمبر تھے۔ میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ پھر بولا۔"ہیلو۔ فرمائیے...؟"

مراد کی آواز سنائی دی۔"ہائے بابا جانی! ہم یقین سے کہتے ہیں۔ آپ انگاروں پر لوٹ رہے ہوں گے۔"

میرا موڈ ایکدم سے خراب ہو گیا۔ حجاب اور ندا کے ساتھ ہنستے بولتے وقت جیسے پتھر آ کر لگا تھا۔ میں نے ناگواری سے کہا۔"پانچ منٹ کے بعد کال کرو۔"

میں نے جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ پھر دونوں بہنوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔"جب تک حالات سازگار نہیں ہوں گے۔ مسرتیں یونہی خوابوں کی طرح آتی جاتی رہیں گی۔ سوری۔ میں ابھی مصروف رہوں گا۔ تم دونوں آرام سے کھاؤ پھر سو جاؤ۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

کون چاہتا ہے کہ مسرتوں کو چھوڑ کر ماتمی ماحول میں جائے؟ کیا کیا جائے جانا ہی پڑتا ہے۔

میں بھی ایک انسان ہوں۔ حالات دوڑاتے ہیں تو دوڑتا ہوں۔ تھکا مارتے ہیں تو تھک جاتا ہوں۔ ایسے وقت تمنا ہوتی ہے' پیار کی ٹھنڈی چھاؤں ملے۔ میں یہی تمنا کر رہا تھا۔ حجاب اور ندا کے ساتھ ہنستے' گنگناتے ہوئے لمحات گزارتے وقت سوچ رہا تھا' یہ پیار بھرے لمحات ٹھہر جائیں اور میں مصائب کو' مخالفتوں کو اور دشمنوں کو بھول جاؤں۔ مگر افسوس.....!

ہم کمبل کو چھوڑ دیتے ہیں' کمبل ہمیں نہیں چھوڑتا۔ ہم دشمنوں کو عارضی طور پر بھول جاتے ہیں' دشمن ہمیں نہیں بھولتے۔ ہمارے ہنستے بولتے وقت میرے بیٹوں نے مصائب کی گھنٹی بجا دی۔

میں دل پر پتھر رکھ کر حجاب اور ندا کو چھوڑ کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ مراد اور سلطان کچھ زیادہ ہی بے چین تھے۔ انہوں نے پانچ منٹ سے پہلے ہی پکارا میں نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔"ہاں بولو۔ میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ تم وہ فائل اور ڈائری لے جا کر اپنے باپ کو دشمن بنا رہے ہو۔"

مراد نے کہا۔"آپ دشمن کب نہیں تھے؟ ڈائری پڑھ کر انکشاف ہوا کہ بڑی پراسرار زندگی گزارتے ہوئے جانے کتنی شادیاں کرتے اور اولادیں پیدا کرتے رہے ہیں؟ آپ نے خزانہ اُن اولادوں کے لئے چھپا کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔"تم دونوں بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ ڈائری میں کہیں خزانے کا ذکر نہیں ہے۔ تم لوگ دھوکہ کھا رہے ہو۔"

"آپ نے مصلحتاً خزانے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر فائل جی ون کا نقشہ ہمیں وہاں تک پہنچائے گا۔"

میں نے غصے سے کہا۔''بیوقوف...! وہاں خزانہ نہیں ہے۔ موت ہے صرف موت...وہ نقشہ ایسی جگہ پہنچاتا ہے' جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ یقین کرو وہاں سے زندہ واپس نہیں آسکو گے۔''

''آپ خزانہ چھپانے کے بعد وہاں سے کیسے واپس آگئے؟''

''میں نے وہاں کچھ نہیں چھپایا ہے۔ یقین کیوں نہیں کرتے؟''

''چلیں یقین کر لیتے ہیں مگر آپ وہاں تک گئے تھے۔ تب ہی نقشہ تیار کیا ہے نا؟ یہ بتادیں وہاں کیسے گئے تھے؟''

''یہ ایک راز ہے' بتایا نہیں جا سکتا۔''

''ہم راز نہیں پوچھیں گے مگر کچھ بھی چھپانے گئے تھے۔ وہاں سے واپسی ناممکن ہے تو واپس کیسے آگئے؟''

''ایسے آگیا کہ وہاں موت میرے لئے نہیں ہے۔ میں نے وہاں جانے والوں کے لئے موت کا سامان کیا ہے۔''

''آپ باتیں بنا رہے ہیں۔''

''یقین کرو یا نہ کرو۔ میں نے وہاں داخل ہونے کی جگہ بارودی سرنگیں بچھائی ہیں۔ جگہ جگہ ایسے آلات لگائے ہیں' جن پر ہاتھ پڑتے ہی بارودی دھماکے ہوتے ہیں۔''

''آپ ہمیں نہ ڈرائیں۔ ہم بچے نہیں ہیں۔ خطرات سے کھیلنا جانتے ہیں۔''

''خطرات سے کھیلنے کا دعویٰ کر رہے ہو۔ وہاں یہ نہیں جان سکو گے کہ بارودی سرنگوں سے بچنے کے لئے کس حساب سے کہاں کہاں قدم رکھ کر آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ آگے بڑھ بھی گئے تو کہاں ہاتھ پڑنے سے کیسے موت اچانک چنگھاڑتی ہوئی آئے گی۔ یہ سمجھنے کے لئے زندہ نہیں رہو گے۔''

''زندہ نہیں رہیں گے' کوئی بات نہیں' یہ اچھا ہی ہے کہ ہم مر جائیں گے۔ ہم سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ بچ گئے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ آپ اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے۔''

یقیناً سلطان فون سے کان لگائے سن رہا ہوگا۔ میں نے کہا۔''میں تم دونوں کو بڑے پیار سے سمجھا رہا ہوں۔ واپس آجاؤ۔ وہ فائل اور وہ ڈائری میرے حوالے کر دو۔ وہ صرف میرے لئے اہم ہیں۔ وہ تمہاری نالائقی سے دشمنوں کے ہاتھ لگیں گی تو میرے مسائل اور

مصائب میں اضافہ ہوگا۔ انہیں واپس لاؤ۔ انہیں کسی کے ہاتھ نہ لگنے دو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔''آپ کی بے چینی اور شدت سے مطالبہ کرنے کا انداز سمجھا رہا ہے کہ آپ کی دکھتی رگ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔ وہ چیزیں حفاظت سے واپس لے آؤ۔ اپنے باپ کو آرام اور سکون پہنچاؤ۔''

''آپ کو ابدی سکون پہنچانے کی ہم نے پہلے بھی کوششیں کی ہیں۔ اس بار ہم ناکام نہیں رہیں گے۔ ایسی آرام گاہ بنائیں گے کہ قیامت تک سکون سے آرام فرماتے رہیں گے۔''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر سلطان کی آواز سنائی دی۔''اگر کہتے ہیں کہ فائل کے نقشے کے مطابق ہمیں خزانہ نہیں ملے گا تو چلیں ہم یہ فائل اور ڈائری آپ کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے عوض وہ خزانہ ہمارے حوالے کر دیں۔''

''وہ خزانہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مستحق کو ہی وہاں تک پہنچائے گا۔''

''باتیں نہ بنائیں۔ اچھی طرح سوچ لیں۔ یہ فائل اور ڈائری آپ کے دشمنوں تک پہنچ سکتی ہیں۔''

میں نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ کچھ سوچا پھر ایک بار سمجھایا۔''میرے بچو! بہت پچھتاؤ گے۔ میری اولاد ہو۔ اس لئے بار بار سمجھا رہا ہوں۔ وہاں جو چیزیں ہیں' انہیں دشمن حاصل کرنے کے لئے تمہاری جان کے بھی دشمن بن جائیں گے۔''

ان کی احمقانہ ڈھٹائی کے باعث میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ڈائری میری اہم شناخت کا باعث بننے والی تھی۔ میں سلمان سعدی کی حیثیت سے ظاہر ہو جاتا تو مجھ سے ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے ممالک میرے لئے زمین تنگ کر دیتے میرا جینا حرام کر دیتے۔ دشمن اولاد پر تو میں قابو پا رہا تھا۔ لیکن تمام سپر طاقتوں کو میرا سراغ مل جاتا تو مجھے جائے پناہ صرف قبر میں ہی ملتی۔

وہ دونوں سمجھنے والے نہیں تھے۔ تھوڑی دیر تک آپس میں کچھ بولتے رہے۔ پھر سلطان نے کہا۔''ڈائری اور فائل کی باتیں رہنے دیں۔ ہمیں یہ بتا دیں کہ شہزادہ سلمان سعدی کون ہے؟''

میں نے کہا۔''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس کی لکھی ہوئی ڈائری میرے پاس امانت کے طور پر ہے۔''

مراد نے کہا۔''ہم نے رائنا کی تصویریں دیکھی ہیں۔وہ ہماری پھوپھی رابعہ کی ہم شکل ہے۔''

''ہاں۔وہ سر سے پاؤں تک ہو بہو رابعہ ہے۔''

''وہ آپ کی ہمشیرہ تھی۔سعدی نے اسے ڈائری میں اپنی بہن کیوں لکھا ہے؟''

''اس نے میری بہن کو اپنی بہن بنایا ہے۔اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟''

''آپ سراسر باتیں بنا رہے ہیں اور کوئی بہت بڑا راز ہم سے چھپا رہے ہیں۔آپ نے رائنا کو بہن بنایا ہے۔تصویر میں اس کی شادی کے وقت ایک سیکورٹی افسر کی وردی میں نظر آ رہے ہیں۔''

سلطان نے پوچھا۔''کیا رائنا کو بہن بنانے والا سلمان سعدی آپ کا ہم شکل ہے؟یہ کیسی بچکانہ سی بات ہے۔ایک طرف تو رائنا ہماری پھوپھی کی ہم شکل ہے اور دوسری طرف سعدی ہو بہو آپ کی صورت لئے تصویر میں دکھائی دے رہا ہے؟''

میں حقیقت چھپا نہیں سکتا تھا۔وہ ڈائری اور تصویریں جس کے بھی ہاتھ لگتیں وہ یہی کہتا کہ میں ہی سلمان سعدی ہوں۔سلطان نے پوچھا۔''آپ خاموش کیوں ہیں جواب دیں؟''

مراد نے کہا۔''ہم صبح سے مغز ماری کر رہے ہیں۔آخر یہی بات سمجھ میں آ رہی ہیں کہ آپ ڈاکٹر جیکل اینڈ مسٹر ہائیڈ ہیں۔آپ کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے یا پھر بلا کے شاطر ہیں۔سلمان سعدی اور عمیر بن غازی کے ناموں سے دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔''

میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔''درست سمجھ رہے ہو۔میں بہت مجبور ہو کر دوہری زندگی گزار رہا ہوں۔سی آئی اے انٹر پول اور کئی خطرناک تنظیموں کے کارندے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔وہ ڈائری اور وہ تصویریں ان کے ہاتھ لگیں گی تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ میں ہی شہزادہ سلمان سعدی ہوں۔''

''وہ آپ سے کیوں دشمنی کر رہے ہیں؟ کیوں آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں؟''

''کچھ ایسے پیچیدہ معاملات ہیں جنہیں میں بیان نہیں کر سکتا۔تم لوگوں کو اس سلسلے میں دلچسپی نہیں لینا چاہئے۔''

''آپ نے سی آئی اے اور انٹر پول جیسے اداروں کو نجانے کیسے الجھایا ہے؟آپ پاکستان میں آزادی سے زندگی گزار رہے ہیں۔کسی بہروپ میں بھی نہیں ہیں۔سعدی کے ہم شکل ہیں۔اسکے باوجود وہ آپ کو ڈھونڈ نہیں پا رہے ہیں۔یہ معاملہ تجسس سے بھرپور

ہے۔انتہائی دلچسپ ہے۔اور آپ کہتے ہیں کہ ہمیں اس سلسلے میں دلچسپی نہیں لینا چاہئے؟''

''میں اب تک ان کی نظروں میں رہنے کے باوجود نظروں سے اوجھل ہوں۔میں کوئی جادو نہیں جانتا۔میری حکمت عملی نے مجھے ان کی دسترس سے دور رکھا ہے۔مگر تم دونوں کی نادانی میرا کھیل بگاڑنے والی ہے۔اس ڈائری کو اور تصاویر کو کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہئے۔یہ بتاؤ تم اس وقت کس ملک میں ہو؟''

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''میرے آدمی وہاں آ کر تم سے ڈائری تصاویر اور فائل لیں گے۔''

''اور ہم نہیں دیں گے۔''

''میں تمہیں سمجھا رہا ہوں اپنی زندگی سے پیار کرو۔اپنی طبعی عمر گزارنے تک حرام موت کے راستے پر نہ چلو۔''

''آپ نصیحت نہ کریں۔ڈائری میں ایک کیمیکل مادہ ریڈ مرکری کا ذکر ہے۔یہ ہے کیا چیز؟اسے آپ نے کسی چور دروازے سے حاصل کیا ہے اور اس کی بلیک مارکیٹنگ کرتے رہے ہیں۔''

سلطان نے کہا۔''دنیا کی بیشمار جاسوس اور خطرناک تنظیموں کے شاطر ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔آخر یہ معاملات کیا ہیں؟''

''اگر آپ نہیں بتائیں گے تو ہم ڈائری تصاویر اور جی ون فائل سی آئی اے والوں تک پہنچا دیں گے۔''

میں نے تھک ہار کر کہا۔''لعنت ہے ایسی اولاد پر...منور کی طرح تم بھی اپنے برے انجام کو پہنچنے والے ہو۔ہوشیار رہو اور دیکھتے رہو کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔انہوں نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔پچھلے دس ماہ سے دکھ بیماریوں نے اور اولاد کی عداوتوں نے مجھے نیم مردہ کر کے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا تھا۔اب ان سے نجات ملنے والی تھی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے گزری ہوئی جوانی کا تحفہ ملنے والا تھا۔میں حجاب کے ساتھ مسرتوں سے بھرپور زندگی گزارنے والا تھا۔ایسے وقت وہ دونوں بیٹے مجھے خطرناک دشمنوں کے آگے بے نقاب کر دینا چاہتے تھے۔

انسانی زندگی میں کبھی خوشی کبھی غم والی حقیقت قائم رہتی ہے۔مجھے قدرتی طور پر تحفظ حاصل ہو رہا تھا تو شیطانوں کی طرف سے تباہی بھی لائی جا رہی تھی۔دیکھا جائے تو زندگی کا

زیادہ حصّہ مخالف حالات سے لڑتے ہوئے ہی گزرتا ہے۔

اور میرا معاملہ تو عجیب تھا۔ میرے اپنے گھر کو اپنے ہی چراغوں سے آگ لگتی رہتی تھی جسے میں بجھاتے بجھاتے نڈھال ہو رہا تھا۔ اب مجھ میں قوتِ برداشت نہیں رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ جس طرح منور ناکارہ ہو چکا ہے اسی طرح باقی دونوں بیٹوں کا بھی اپاہج بنا دوں تاکہ وہ میرے خلاف تو کیا اپنے حق میں بھی کچھ کرنے کے قابل نہ رہیں۔

میں جانتا تھا کہ وہ فائل جی ون کے نقشے کے مطابق لیبیا جائیں گے۔ میں نے وہاں طرابلس میں اپنے جاں نثاروں کو الرٹ کردیا تھا۔ انہیں حکم دیا تھا کہ ان دونوں کم بختوں کو شہر سے آگے نہ جانے دیا جائے اور وہ فائل ڈائری اور تصاویر چھین لی جائیں۔

لیبیا میں میرا ایک دست راست تھا۔ جو وہاں کے معاملات سنبھالتا تھا۔ میں نے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ ”ہیلو قیس بن ابوبی! کیا رپورٹ ہے؟“

اس نے کہا۔ ”سر! وہ دونوں یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے ایئرپورٹ کے لاؤنج میں بیٹھے فون پر کسی سے لمبی باتیں کررہے تھے۔“

”ہاں۔ مجھ سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے انہیں حتی الامکان سمجھانے کی اور راہ راست پر لانے کی کوششیں کیں لیکن وہ لاتوں کے بھوت ہیں باتوں سے نہیں مانیں گے۔“

”نو پرابلم ہم ان سے فائل اور ڈائری کسی طرح حاصل کرلیں گے تو ان پھولے ہوئے غباروں سے ہوا نکل جائے گی۔“

”ابھی وہ کہاں ہیں؟“

”ایئرپورٹ کے قریب ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں گئے ہیں۔ ہم مناسب موقع پا کر ان سے نمٹ لیں گے۔“

”ٹھیک ہے میں تمہاری دوسری کال کا انتظار کرتا رہوں گا۔“

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ اس وقت وہ دونوں فائیو اسٹار ہوٹل میں پہنچ کر اپنے لئے دو کمرے حاصل کر رہے تھے۔ جبکہ وہ ایک ہی کمرے میں گزارہ کرسکتے تھے۔ ہوٹل والے یہ نہیں جانتے تھے کہ دونوں بھائی ہیں۔ وہ اپنی حکمت عملی کے مطابق وہاں ایک دوسرے سے الگ رہنا چاہتے تھے۔

ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ سلطان وہاں رہائش اختیار کرے گا لیکن مراد اپنا کمرہ خالی رکھے گا۔ اس خالی کمرے میں میری ڈائری اور تصاویر چھپا کر رکھے گا۔ اور وہاں کی چابی اپنے

پاس رکھا کرے گا۔

وہ مجھ سے خوفزدہ تھے۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ مجھ جیسا خطرناک دوہری زندگی گزارنے والا اپنے وسیع ذرائع استعمال کرے گا۔ ان سے فائل اور ڈائری چھین لے گا۔ لہٰذا وہ ایسی تدابیر پر عمل کررہے تھے۔ وہ دونوں اس فائیو اسٹار سے نکل کر دوسرے ہوٹل میں آئے۔ وہاں بھی انہوں نے کمرے حاصل کئے۔ ایک کمرے میں مراد رہنے والا تھا لیکن سلطان کا کمرہ خالی رہتا۔ وہ وہاں فائل جی ون چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔

ایسی ہیرا پھیری اس لئے کی گئی تھی کہ میرے آدمی فائیو اسٹار ہوٹل میں ان پر حملہ کرتے تو سلطان سے انہیں کچھ حاصل نہ ہوتا کیونکہ اس نے فائل کو دوسرے ہوٹل کے کمرے میں چھپایا تھا۔ دوسرا کمرہ مراد کا تھا جو حملہ کرنے والوں کو مقفل ملتا۔

اسی طرح دوسرے ہوٹل میں ان پر حملہ کیا جاتا تو انہیں مراد سے کچھ حاصل نہ ہوتا کیونکہ اس نے ڈائری اور تصاویر کو فائیو اسٹار ہوٹل کے لاکڈ کمرے میں چھپایا تھا۔

یوں ان کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ انہیں لوٹنے والے آتے اور مایوس ہوکر چلے جاتے۔ جی ون فائل میں جو نقشہ تھا انہوں نے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کرا کے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ وہ اپنے طور پر بڑی ذہانت سے کام لے رہے تھے۔ جبکہ ایسی ذہانت مجھے نقصان پہنچانے والی تھی اور وہ بھی ناکام اور نامراد رہنے والے تھے۔

☆☆☆

یہ ریڈ مرکری کیا ہے؟

یہ ایک انتہائی خطرناک کیمیائی مادہ ہے۔ انیس سو اڑسٹھ ڈوبنا کی ایک لیبارٹری میں تجرباتی عمل کے دوران اس مادے کو دریافت کیا گیا تھا۔ یہ مادہ ہلاکت خیزی میں یورینیم اور پلاٹینیم سے زیادہ خطرناک ہے۔ سائنسدانوں کا بیان ہے کہ صرف ایک گرام مرکری کے ذریعے پورے اسرائیل کا تباہ کیا جاسکتا ہے۔

چند ماہ پہلے یہودیوں نے یہ دھماکہ خیز خبر سنی کہ شہزادہ سلمان سعدی روس کی ایک لیبارٹری سے بیس گرام ریڈ مرکری چرا کر لے گیا ہے۔ اس خبر کے نشر ہوتے ہی تمام پراسرار خفیہ تنظیموں کی نیندیں اڑ چکی تھیں۔ یہ ایسی بات تھی جیسے تمام خطرناک تنظیموں اور بڑے ملکوں کی کمزوریاں ایک مسلمان کے ہاتھ میں آگئی ہوں۔

ان کی مجبوری یہ تھی کہ ریڈ مرکری حاصل کئے بغیر وہ مجھے کہیں بھی دھوکے سے ہلاک

نہیں کرسکتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ میں بے انتہا دولت کمانے کے لئے اس مادے کا سودا جمہوریہ چین سے کرسکتا ہوں۔یا پھر محب وطن ہوں۔اپنے وطن عزیز کو کیمیائی ہتھیاروں کے ذریعے طاقتور بنانے کے لئے پاکستانی سائنسدانوں کے ساتھ پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہوں۔

اس ریڈ مرکری کے حصول کی خاطر تمام دشمن مجھے آگ اور خون کے دریا سے گزرنے پر مجبور کررہے تھے اور میں ان سے چھپتا پھر رہا تھا۔امریکی سی آئی اے کی جڑیں دنیا کے ہر ملک ہر علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔وہ سیٹلائیٹ کے ذریعے مفرور اور مطلوب افراد کی خفیہ رہائش گاہوں تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔یہ میری خوش قسمتی تھی۔حکمت عملی تھی کہ اب تک ان کی پہنچ سے دور تھا۔

میرے متعلق کہا جاتا ہے کہ میں ایک باکمال بہروپیا ہوں۔اپنا چہرہ اور حلیہ ایسی مہارت سے بدلتا ہوں کہ مجھے دن رات دیکھنے والے بھی نئے بہروپ میں پہچان نہیں پاتے۔

ایسے کیمرے جو میک اپ کے پیچھے چھپے ہوئے اصل چہروں کی تصویریں اتار لیتے ہیں۔وہ بھی میرا اصل چہرہ ڈھونڈ نہیں پاتے۔یہ یقین کرنے کی بات نہیں ہے۔مگر میں چال ایسی چلتا ہوں کہ ان کیمروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتا۔

دراصل میرے بارہ جانثار ایسے ہیں جو میرے ہم شکل تو نہیں ہیں لیکن میری طرح قد اور جسامت رکھتے ہیں۔انہوں نے میری آواز اور لب و لہجے میں بولنا سیکھ لیا ہے اور پلاسٹک سرجری کے ذریعے مجھ سے مشابہت رکھنے والا چہرہ بنالیا ہے۔

وہ میرے ہم شکل بن کر رہنے والے مختلف ممالک میں بہت بڑے بزنس مین اور اعلیٰ سرکاری عہدیدار بن کر رہتے ہیں۔اپنی اپنی سوسائٹی میں عزت اور نیک نامی حاصل کرچکے ہیں۔جیسا کہ میں پاکستان میں ایک انتہائی دولت مند اور معزز سونے کا بیوپاری سمجھا جاتا ہوں۔

ریڈ مرکری حاصل کرنے کے سلسلے میں ہم تمام ہم شکل جاں نثاروں کا محاسبہ کیا گیا تھا۔ہمیں سخت نگرانی میں رکھا جاتا تھا۔ایسے وقت میرا ایک جاں نثار اپنی جان پر کھیل گیا۔اس نے سی آئی اے انٹرپول اور دوسری خفیہ تنظیموں کو چیلنج کیا کہ وہ ایک ملک سے ریڈ مرکری کا سودا کررہا ہے۔اس کے بعد وہ اپنا چہرہ بدل کر اپنی شناخت ختم کردے گا۔پھر کوئی اسے سلمان سعدی کی حیثیت سے پہچان نہیں سکے گا۔

یوں چیلنج کرنے کے بعد اس نے تمام مخالفین کو اپنے پیچھے لگالیا۔پھر ایک جگہ ان سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔اگر وہ جانثار مجھ سے مشورہ کرتا اور اس طرح جان سے گزر جانا چاہتا تو میں کبھی اجازت نہ دیتا۔

بہر حال اس نے اپنی من مانی کی۔تمام مخالفین کو یقین دلادیا کہ سلمان سعدی مارا گیا ہے۔اس کی موت کے بعد سب ہی تشویش میں مبتلا ہوگئے کہ پتہ نہیں' اس نے ریڈ مرکری کہاں چھپائی ہے؟ آئندہ وہ اس مدفون کیمیکل مادے تک پہنچ نہیں پائیں گے۔

میرے جاں نثار نے اپنی جان دے کر سلمان سعدی کے نام کو مردہ کردیا ہے اور عمیر بن غازی کو یعنی مجھ کو زندہ رکھا ہے۔اب وہ لوگ ایک مردے کا مال ڈھونڈ نکال لینے کی فکر میں ہیں...میرے جاں نثار! تجھے سلام' میں زندہ ہوں اور وہ مال میرے پاس محفوظ ہے۔

اب مجھ پر اور میرے کسی بھی ہم شکل پر شبہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ہمیں اپنا دشمن سلمان سعدی نہیں سمجھنا چاہئے تھا۔مگر ہماری نگرانی ہوتی رہتی تھی۔سی آئی اے' انٹرپول اور خفیہ تنظیموں کے کارندے ہم پر نظر رکھتے تھے کہ شائد کبھی وہ ریڈ مرکری ہمارے پاس سے نکل آئے۔

مجھے اب تک یہ اطمینان رہا تھا کہ وہ لوگ پریشان نہیں کرتے تھے۔ان کے جاسوس چپ چاپ ہماری ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔انہیں ابھی تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ میری یعنی عمیر بن غازی کی ایک بہن رابعہ تھی اور رائنا کی ہم شکل تھی۔میں نے باپ دادا کے شجرے کو ضائع کردیا تھا۔ایک نیا شجرہ ترتیب دیا تھا جس کے مطابق ہمارے خاندان میں رابعہ نامی کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

یہ شجرہ سی آئی اے والوں کے پاس تھا۔میری اولاد کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔نہ کسی نے ان سے خاندان کے بزرگ مرد اور عورتوں کے متعلق کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی خاندانی شجرے پر فخر کیا تھا۔میری بیٹیاں اور بیٹے اپنی کھال میں مست رہتے تھے۔

لیکن اس ڈائری اور تصاویر کے ذریعے میرا بھید کھلنے والا تھا۔پچھلے دس ماہ میں مجھے دو بار اغواء کیا گیا تھا۔میری اولاد مجھ سے دشمنوں جیسا سلوک کرتی رہی تھی۔میرے تین داماد مارے گئے تھے۔ایک بیٹا بڑی رازداری سے ڈاکٹر ڈھکن کے زیر علاج تھا۔یہ تمام ایسے سنگین معاملات تھے جو سی آئی اے والوں کی توجہ حاصل کررہے تھے۔دوسری خفیہ تنظیمیں بھی متجسس تھیں کہ ایک سلمان سعدی کے ہم شکل کے ساتھ کیا ہورہا ہے اور جو ہو رہا ہے' وہ کیوں

ہو رہا ہے؟

وہ لوگ جو سطحی طور پر میری نگرانی کر رہے تھے۔اب موجودہ حالات کے پیش نظر مجھ پر زیادہ توجہ دینے لگے۔وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ میرے لہو کے رشتے کیوں مجھ سے عداوت کر رہے ہیں؟ آخر مجھ سے چاہتے کیا ہیں؟

وہ میرے بیٹوں کی نگرانی کر کے معلومات حاصل کر سکتے تھے۔منور ایک طرح سے لاپتہ تھا۔دشمن نگرانی کرنے والوں کی نظروں میں مراد اور سلطان آگئے تھے۔وہ دونوں ایسے وقت اپنا گھر اپنا ملک چھوڑ کر لیبیا گئے تھے جبکہ میرا ایک بیٹا لاپتہ تھا۔ایک بیٹی اور تین داماد مارے گئے تھے۔یہ تجسس بھڑکا رہا تھا' کیا ان تمام ہلاکتوں میں مراد اور سلطان کا ہاتھ ہے؟اگر نہیں ہے تو وہ پاکستان چھوڑ کر لیبیا کیوں آئے ہیں؟

بہر حال وہ دونوں طرابلس پہنچنے کے بعد میرے تمام دشمنوں کی نظروں میں تھے۔دونوں بھائیوں نے یہ طے کیا تھا کہ ایک دوسرے سے دور رہیں گے اور فون کے ذریعے رابطہ رکھیں گے۔

ایک گھنٹے بعد ہی سی آئی اے والے ان کا محاسبہ کرنے پہنچ گئے۔سلطان فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا اور مراد فور اسٹار ہوٹل کے کمرے سے نکل کر ریسٹورنٹ میں جانا چاہتا تھا۔دو شخص نے دروازے پر ہی اسے روک کر اپنی آئی ڈی دکھاتے ہوئے کہا۔''وی آر فرام سی آئی اے۔ پلیز ہم سے تعاون کریں۔''

مراد نے پوچھا۔''میں کس طرح تعاون کر سکتا ہوں؟''

''کمرے میں چلیں۔ہم آپ کا سامان چیک کرنا چاہتے ہیں۔''

وہ سب کمرے میں آگئے۔اس کا بیگ اور اٹیچی کھول کر ایک ایک سامان نکال کر دیکھنے لگے۔ایک نے اس کا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات چیک کیے۔مراد نے کہا۔''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میرا سامان کیوں چیک کیا جا رہا ہے؟ مجھ پر کیوں شبہ کیا جا رہا ہے؟''

سی آئی اے کے افسر نے کہا۔''تمہاری حرکتیں مشکوک ہیں۔تم نے فائیو اسٹار ہوٹل میں بھی ایک کمرہ لیا ہے۔اس کمرے کو وہاں لاک کر کے یہاں رہنے آئے ہو۔''

اس افسر کے ماتحت نے کہا۔''ایک اور پاکستانی اس فائیو اسٹار ہوٹل میں ہے۔اس نے یہاں ایک کمرہ لے کر اسے مقفل کر رکھا ہے۔''

افسر نے فون پر کسی کو مخاطب کیا۔''ہیلو یہاں جو شخص ہے۔اس کا نام مراد غازی باپ کا نام عمیر بن غازی ہے۔''

دوسری طرف سے کہا گیا۔''یہاں جو پاکستانی ہے اس کا نام سلطان غازی اور باپ کا نام عمیر بن غازی ہے۔یہ ولدیت ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں بھائی ہیں۔''

افسر نے مراد سے پوچھا۔''تم دونوں بھائی ہو تو ایک دوسرے سے دور کیوں ہو؟اور تم دونوں نے ایک ایک خالی کمرہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟معلوم ہوتا ہے ان خالی کمروں میں تم لوگوں نے کچھ چھپایا ہے؟''

مراد نے کہا۔''ہم نے کچھ نہیں چھپایا ہے۔اپنے ایک دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے ایک فاضل کمرہ لے رکھا ہے۔اگر وہ ادھر آئے گا تو میں چھپنے کے لئے ادھر چلا جاؤں گا۔''

افسر نے کہا۔''بچوں کی طرح باتیں بنا رہے ہو۔تم خالی کمرے کی چابی ہمیں دو۔''

''آپ خواہ مخواہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔اس کمرے سے کچھ نہیں ملے گا۔''

افسر نے سخت لہجے میں کہا۔''نو آرگومنٹس۔خالی کمرے کی چابی نکالو۔''

''پہلے آپ مجھے بھائی سے فون پر بات کرنے دیں۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔''تم کسی سے بات نہیں کرو گے۔جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔''

اس نے مجبور ہو کر جیب سے چابی نکال کر اس کے حوالے کر دی۔دوسری طرف سلطان کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔اس سے بھی جو چابی لی گئی' اسے فور اسٹار ہوٹل میں پہنچا دیا گیا۔ایسے وقت دونوں کے دل ڈوب رہے تھے۔میرے سیف سے چرا کر لائی ہوئی وہ اہم چیزیں سی آئی اے والوں کے ہاتھ لگنے والی تھیں۔

مراد کے خالی کمرے میں میری ڈائری اور تصاویر چھپائی گئی تھیں۔تصاویر دیکھتے ہی ڈائری کو پڑھتے ہی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ میں شہزادہ سلمان سعدی ہوں۔اس کے بعد مجھ پر جو مصیبتیں آنے والی تھیں۔میرے بیٹوں کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ان کے لئے فائل جی ون اہم تھی۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ سی آئی اے والے اس کے ذریعے خزانے تک پہنچ جائیں اور وہ منہ دیکھتے رہ جائیں۔

سلطان ان افسران کے ساتھ مراد کے مقفل کمرے کے پاس آیا۔افسر نے چابی

سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔''بہتر ہے پہلے ہی بتادو یہاں کیا چھپا کر رکھا گیا ہے؟''

سلطان نے کہا۔''جب تم نے چابی لے لی ہے اور یہاں آگئے ہو تو خود ہی چھپا ہوا خزانہ نکال لو۔''

وہ اندر آکر کمرے کی ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔الماری میں میز کی درازوں میں وہ ڈائری نہیں تھی۔سلطان خوش ہو رہا تھا۔حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ آخر مراد بھائی نے ڈائری کہاں چھپائی ہے؟ کہیں نظر نہیں آرہی ہے۔

دوسری طرف فو اسٹار ہوٹل کے خالی کمرے کی تلاشی لی جارہی تھی۔وہاں سلطان نے فائل جی ون چھپائی تھی۔وہ بھی کمرے کے کسی حصے سے برآمد نہیں ہو رہی تھی۔یہ بات ناقابل فہم تھی کہ چھپائی ہوئی چیزیں اور کہاں جاکر چھپ گئی ہیں؟ کیا کسی نے جادو سے غائب کردی ہیں؟

تلاشی کے بعد دونوں بھائیوں کو فائیو اسٹار ہوٹل میں یکجا کیا گیا۔افسر نے کہا۔''دونوں ہوٹلوں میں ایک ایک کمرہ لے کر اسے خالی کیوں رکھا گیا ہے؟ تم دونوں پاگل نہیں ہو۔آخر کچھ سوچ سمجھ کر خالی کمروں کا کرایہ دے رہے ہو۔''

مراد نے سلطان سے اردو زبان میں کہا۔''عقل کام نہیں کر رہی ہے۔وہ ڈائری اور فائل بند کمروں سے کہاں جاسکتی ہے؟''

افسر نے ڈانٹ کر کہا۔''یو شٹ اپ۔ہماری زبان میں یا انگریزی میں بولو۔ابھی تم نے اس سے کیا کہا ہے؟''

مراد نے کہا۔''میں کہہ رہا ہوں کہ ایک کمرہ کرائے پر لے کر اسے خالی رکھنا کوئی جرم نہیں ہے اور جب ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے تو پھر ہمیں پریشان کیوں کر رہے ہو؟''

''ہم پریشان نہیں کریں گے۔ابھی چلے جائیں گے۔پہلے ہماری حیرانی دور کردو۔تم دونوں نے ایک ایک فاضل کمرہ کیوں لے رکھا ہے؟''

سلطان نے کہا۔''ہم چوبیس گھنٹے کے اندر شادیاں کرکے اپنی اپنی دلہن لانا چاہتے ہیں۔وہاں سہاگ رات منانا چاہتے ہیں۔ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہیں گے۔پلیز۔ہمارا پیچھا چھوڑ دیں۔''

انہوں نے پیچھا چھوڑ دیا۔وہاں سے چلے گئے۔ان کے جاتے ہی وہ خالی کمروں

میں آئے۔مراد نے کہا۔''کمرے کی چابی میرے پاس تھی۔کوئی اندر نہیں آسکتا تھا۔چوری کا اندیشہ نہیں تھا۔اس لئے میں نے ڈائری کو میز کی اوپری دراز میں رکھا تھا۔''

انہوں نے دراز کو پھر ایک بار کھول کر دیکھا۔وہاں ایک تنکا بھی نہیں تھا۔سلطان نے کہا۔''بند کمرے سے ڈائری کیسے غائب ہوجائے گی؟''

مراد نے کہا۔''ہوٹل والوں کے پاس ماسٹر کی ہوتی ہے۔اس کے ذریعے کوئی بھی دروازہ کھول کر آسکتا ہے۔ہوٹل کا منیجر یا کوئی ملازم ایسا کرسکتا ہے۔''

''ہم منیجر سے شکائت نہیں کرسکتے۔وہ پوچھے گا کہ یہاں سے ہمارا کون سا سامان چرایا گیا ہے؟ سی آئی اے والے پھر جان کو آجائیں گے'پوچھیں گے۔''کوئی سامان چرایا گیا تھا تو یہ بات ان سے کیوں چھپائی گئی تھی؟''

مراد نے جھنجلا کر کہا۔''جہنم میں گئی ڈائری..تم نے وہ فائل کہاں چھپائی تھی؟''

''میں نے اسے بیڈ کے گدے کے نیچے دبا کر رکھا تھا۔سیدھی سی بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ڈائری اور فائل کسی چور کے کام نہیں آسکتی تھی۔یہ چیزیں صرف بابا جانی کے لئے اہم تھیں۔یہ سب کچھ ان کے آلہ کار یہاں سے چرا کر لے گئے ہیں۔''

مراد نے فوراً ہی فون نکال کر میرے نمبر پنچ کئے۔پھر اسے کان سے لگایا۔میں نے رابطہ ہوتے ہی کہا۔''تم اولاد نہیں ہو۔آستین کے سانپ ہو۔میں تم لوگوں سے بات نہیں کرنا چاہتا۔آئندہ مجھے کال نہ کرنا۔''

اس نے کہا۔''جسٹ آمنٹ۔فون بند نہ کریں۔آپ ہماری سوچ سے زیادہ تیز رفتار ہیں۔آخر اپنی ڈائری اور فائل چرا کر لے گئے۔''

میں نے پوچھا۔''کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں بھلا کہاں سے چرا کر لے جاؤں گا؟''

''آپ معصوم اور انجان نہ بنیں۔جو چیزیں آپ کے لئے اہم تھیں۔انہیں آپ کے آلہ کار بڑی صفائی سے چرا کر لے گئے ہیں۔''

یہ میرے لئے بڑی پریشان کن اطلاع تھی۔میں نے پوچھا۔''کیا سچ کہہ رہے ہو؟ میری ڈائری اور فائل تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی ہیں یا دشمنوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہیں؟''

''آپ دشمن ہیں۔وہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہیں۔''

''لعنت ہے تم لوگوں پر۔میں تھوکتا ہوں تم جیسے شیطانوں پر....مجھے بتاؤ وہ چیزیں

کہاں تھیں اور کیسے چوری ہوگئیں؟"

"جیسے بھی چوری ہوگئیں۔ ہم آپ کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ مجھے اور زیادہ جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ وہ دونوں میرے سامنے ہوتے تو میں انہیں تڑپا تڑپا کر مارتا۔ وہ فائل اور ڈائری ان کے پاس بھی نہ رہیں۔ وہ میرے لئے بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ اگر وہ ایک یا ایک سے زیادہ دشمنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھیں تو پھر میری شامت آنے والی تھی۔ اسی لمحے سے جان لیوا مصائب کے دروازے کھلنے والے تھے۔

میں نے قیس بن ایوبی کو فون پر مخاطب کیا۔ "ہیلو تم کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟"

"میں اسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوں۔ آپ کے دونوں صاحبزادوں نے کچھ عجیب حرکتیں کی تھیں۔ مراد نے اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے کر اسے لاک رکھا تھا اور دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی تھی۔ سلطان نے اس دوسرے ہوٹل میں کمرہ لے کر اسے لاک رکھا تھا۔ سی آئی اے والوں کو شبہ ہوا کہ انہوں نے ان خالی کمروں میں کچھ چھپا کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "یا خدا! میں سمجھ گیا... انہوں نے میری مطلوبہ فائل اور ڈائری ان خالی کمروں میں چھپائی ہوگی۔ سی آئی اے والے وہ چیزیں لے گئے ہوں گے۔"

"نہیں۔ اس ہوٹل کا ایک ویٹر میرا آلہ کار ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ ان لاکڈ کمروں میں کچھ نہیں تھا۔ سی آئی اے والے مایوس ہو کر گئے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میری فائل اور ڈائری چرائی گئی ہے۔ معلوم کرو انہوں نے دو کمرے کرائے پر لے کر انہیں لاک کیوں رکھا تھا؟ اگر ان چیزوں کو وہاں چھپایا گیا تھا تو وہ سی آئی اے والوں کے ہاتھ کیوں نہیں لگیں؟ آخر کون انہیں چرا کر لے گیا ہے؟"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

وہ فون بند کر کے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ہوٹل کی تیسری منزل پر آیا۔ سلطان اپنے کمرے میں مراد سے کہہ رہا تھا۔ "ہمارے پاس نقشے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔ ہمیں آج ہی کرائے کے محافظوں کی خدمات حاصل کر کے خزانے کی طرف جانا چاہئے۔"

"ہاں بابا جانی یہ نہیں جانتے ہیں کہ ہمارے پاس نقشے کی ایک نقل ہے۔ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم نقشے سے بھی محروم ہو گئے ہیں اور مایوس ہو کر یہاں سے خالی ہاتھ جانے

والے ہیں۔"

"یہی سمجھتے رہیں تو اچھا ہے۔ ورنہ ہماری راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے رہیں گے۔"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ سلطان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "آئی ایم آفیسر فرام سی آئی اے..."

وہ ناگواری سے دروازے کی طرف آتے ہوئے بولا۔ "ابھی تو گئے تھے۔ پھر کیوں آئے ہو؟"

اس نے دروازہ کھولا تو قیس بن لوبی اسے دھکا دیتا ہوا اندر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح جوان تھے۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ وہ دونوں بھائی مسلح اجنبیوں کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ اب خیریت نہیں ہے۔

اور واقعی خیریت نہیں تھی۔ انہوں نے آتے ہی انہیں نشانے پر رکھ لیا۔ قیس نے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "فائل اور ڈائری کہاں ہے؟"

یہ دو چیزیں پہلے میرے سیف سے چرائی گئی تھیں پھر کوئی ان چرانے والوں سے چرا کر لے گیا تھا۔ اس سلسلے میں پہلے سی آئی اے والے آئے۔ اب تین اجنبی گھس آئے تھے اور اس بار آنے والے فائل اور ڈائری کے بارے میں شائد بہت کچھ جانتے تھے۔ دونوں کے دماغوں میں یہی بات آئی کہ میرے آدمی انہیں سزا دینے آئے ہیں۔

سلطان نے پوچھا۔ "کون ہو تم لوگ.....؟"

قیس نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا پھر کہا۔ "کوئی سوال نہ کرو۔ جو پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دو۔"

مراد نے کہا۔ "اگر تمہاری کوئی فائل یا ڈائری گم ہوئی ہے یا چرائی گئی ہے تو ہم سے کیوں پوچھنے آئے ہو؟"

وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قیس نے گھوم کر اس کے منہ پر ایک کک ماری۔ اسے یوں لگا جیسے ڈنڈا پڑا ہو۔ ناک سے ایک ذرا لہو رسنے لگا۔

سلطان نے کہا۔ "معلوم تو ہو کہ تم کون ہو؟"

اس نے گھوم کر اسے بھی ایک لات ماری۔ اس کے آنکھوں کے سامنے تارے

ناچنے لگے۔ قیس نے کہا۔ ''میں آخری بار کہہ رہا ہوں کوئی سوال نہ کرو۔ جواب دو۔''

وہ مزید مار کھانا نہیں چاہتے تھے۔ مراد نے کہا۔ ''اس ہوٹل میں آنے تک وہ دونوں چیزیں ہمارے پاس تھیں۔ سی آئی اے والے یہاں تلاشی لینے آئے تھے۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ ہم فائل اور ڈائری سے محروم ہو گئے ہیں۔''

سلطان نے کہا۔ ''ہم خود حیران ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کون ہماری لاعلمی میں انہیں چرا کر لے گیا ہے؟''

''تم دونوں نے دو ہوٹلوں میں ایک ایک کمرہ کرائے پر لے کر اسے مقفل رکھا تھا۔ ایسا کیوں کیا تھا؟''

سلطان نے کہا۔ ''ہمیں اندیشہ تھا کہ ہم پر حملہ کیا جائے گا۔ وہ چیزیں جبراً ہم سے چھین لی جائیں گی۔ ہم نے سوچا کہ یہ ہم سے دور مقفل کمروں میں رہیں گی تو حملہ کرنے والے وہاں تک پہنچ نہیں پائیں گے۔''

''تم دونوں گدھے ہو۔ تم نے ایک کمرہ لے کر انہیں مقفل کر کے چوروں کو سمجھا دیا کہ مال ان ہی کمروں میں ملے گا۔''

مراد نے کہا۔ ''ہاں۔ ہم گدھے ہیں۔ یہ بار بار دیکھ چکے ہیں کہ بابا جانی کو الو نہیں بنا سکتے۔ پھر بھی ہم نے کوششیں کیں اور خود الو بن گئے۔''

سلطان نے کہا۔ ''فائل اور ڈائری ہمارے پاپا چرا کر لے گئے ہیں۔''

وہ پاکستان میں ہیں۔ یہاں آ کر کیسے چرا سکتے ہیں؟''

''ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان کے آدمیوں نے یہاں آ کر چوری کی ہے۔''

قیس نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم ہی ان کے آدمی ہیں۔''

مراد اور سلطان نے چونک کر اسے اور اس کے مسلح ساتھیوں کو دیکھا۔ قیس نے کہا۔ ''وہ چیزیں تمہارے بابا جانی کو مل جاتیں تو ہم یہاں مطالبہ کرنے نہ آتے۔ وہ چرائی نہیں گئی ہیں۔ تم دونوں نے چالاکی دکھائی ہے۔ انہیں کہیں دبا کر رکھا ہے۔''

''ہم سے قسمیں لے لو۔ وہ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ہم سچ مچ گدھے ہیں۔ ان چیزوں کو خالی کمروں میں رکھنا نہیں چاہئے تھا۔''

وہ ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے فون پر مجھے مخاطب

کیا۔ ''سر! مراد اور سلطان گن پوائنٹ پر ہیں۔ میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ ان کی حماقتوں سے چور چرائے ہوئے مال تک پہنچ گئے اور آپ کی اہم چیزیں لے گئے۔ آپ حکم دیں میں انہیں گولی مار کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

مراد نے فون کی طرف رخ کر کے چیختے ہوئے کہا۔ ''نہیں بابا جانی! آپ ظالم نہیں ہیں۔ بیشک ہم دشمنی کرتے رہے ہیں مگر آپ نہیں کریں گے۔ آپ ہماری موت نہیں چاہیں گے۔''

میں نے قیس سے کہا۔ ''فون اسے دو۔''

مراد اس سے فون لیتے ہی گڑگڑانے لگا۔ لہو کا واسطہ دے کر رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ میں نے کہا۔ ''تم دونوں نے اپنی کمینگی سے مجھے مار ڈالا ہے۔ وہ ڈائری یقیناً دشمنوں تک پہنچ گئی ہے۔ یہ بھید کھل چکا ہوگا کہ میں ہی سلمان سعدی کے نام سے دوہری زندگی گزار رہا ہوں۔ اب میں سکون سے اپنے وطن میں نہیں رہ پاؤں گا۔''

وہ ذلیل کم بخت بیٹے یہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ انہوں نے میرے آگے دور تک کانٹے بچھا دیئے ہیں۔ میں جدھر جاؤں گا کانٹے چبھتے رہیں گے۔ میں لہولہان ہوتا رہوں گا۔ میں اس وقت جھنجلا رہا تھا اور غصے سے سوچ رہا تھا کہ انہیں مار ڈالوں تو کم بخت مر جائیں گے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ ان کے بچے عبرت حاصل کریں۔ وہ اپنے باپ کی طرح میرے خلاف کچھ کرنے سے پہلے ہی توبہ توبہ کرتے رہیں۔

میں نے کہا۔ ''تم سب کتے کی دم ہو۔ کتے بھی مالک کے وفادار ہوتے ہیں۔ تم لوگ ان سے بھی گئے گزرے ہو۔ تم نے کبھی باپ سے وفا نہیں کی۔''

سلطان نے کہا۔ ''بابا جانی! ہمیں ایک آخری موقع دیں۔ آئندہ ہم جان دینے والے جانثار بیٹے بن کر رہیں گے۔''

''یہی میں چاہتا ہوں۔ تم دونوں جانثار بن جاؤ۔ ابھی اسی ہوٹل میں گولی کھا کر مر جاؤ۔''

وہ دونوں ہی فون پر گڑگڑانے لگے۔ خدا رسول ﷺ کا اور اپنی مرحومہ والدہ کا واسطہ دینے لگے۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ''خاموش ہو جاؤ۔ ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔ اور یہ لوگ تمہیں گولی مار کر چلے جائیں گے۔''

وہ چپ ہو گئے۔ میں نے کہا۔ ''تم دونوں زندہ رہو گے۔''

وہ خوش ہو کر مجھے دعائیں دینے لگے۔ میرے ڈانٹنے پر پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا۔ ''تم دونوں نے منور کا انجام دیکھا ہے۔ اب وہ آدھا مرد ہے۔ آئندہ میرے خلاف مردانگی دکھانے کی جرات نہیں کرے گا۔ جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

مراد نے رونے کے انداز میں کہا۔ ''کیا آپ ہمیں بھی.....؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔ جو سوچ رہے ہو وہ نہیں ہوگا۔ باقی دو بیٹے بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بن جائیں گے تو میری سبکی ہوگی۔ دنیا کہے گی کہ میرے خاندان میں سب ہی خسرے پیدا ہوئے ہیں۔''

وہ چپ تھے۔ آگے میں کیا کہنے والا ہوں؟ یہ سننے کے لئے بے چین تھے۔ میں نے کہا۔ ''تم دونوں منور کی طرح نہ سہی مگر کچھ ایسے ہو جاؤ گے کہ باقی کی زندگی اپاہج بن کر گزارو گے۔''

میں ذرا چپ ہوا۔ وہ رحم کی بھیک مانگنے لگے۔ میں نے کہا۔ ''آپ ہمیں جان سے مار ڈالیں۔ مگر مرنے والوں کی آخری خواہش پوری کر دیں۔''

بیشک۔ آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''فائل اور ڈائری آپ کے لئے جان سے زیادہ اہم ہیں۔ آپ ہمیں کچھ دنوں کی مہلت دیں۔ ہم آپ کی یہ چیزیں واپس لے آئیں گے۔''

''کہاں سے لاؤ گے؟ یہ ملک اور یہاں کے لوگ تمہارے لئے انجانے ہیں۔ تم چوروں کو نہیں جانتے۔ چوری کیسے ہوئی یہ بھی نہیں جانتے؟ پھر کہاں مرنے جاؤ گے؟ کہاں سے فائل اور ڈائری لاؤ گے؟''

''یہ آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ ہماری آخری خواہش پوری کر دیں۔''

میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ یہ سمجھ رہا ہوں کہ کچھ روز جینے کی مہلت حاصل کر کے وہاں سے فرار ہونا اور کہیں روپوش ہونا چاہتے ہو۔''

''ہم آپ کو دھوکہ نہیں دیں گے۔''

''چلو دھوکہ ہی دو۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ ناکام رہے تو کل ٹھیک اسی وقت تم دونوں کو سزائیں ملیں گی۔''

وہ التجائیں کرنے لگے کہ مہلت زیادہ دی جائے۔ میں نے کہا۔ ''یوں سمجھو میں آخری بار تم سے دھوکہ کھانے کے لئے چوبیس گھنٹے دے رہا ہوں۔ جاؤ... بھاگتے رہو۔ مجھ سے

چھپتے رہو۔ اس کے بعد کیا ہوگا....؟؟''

میں نے ایک ذرا تجسس پیدا کیا۔ پھر کہا۔ ''تم دونوں اپاہج بنو گے۔ جانتے ہو کیسے....؟''

میں نے کہا۔ ''ابھی بتاتا ہوں۔ فون میرے آدمی کو دو۔''

انہوں نے فون کو قیس کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر پوچھا۔ ''یس سر!....؟''

میں انہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ تم لوگ وہاں سے چلے آؤ۔ کل اسی وقت انہیں پھانس کر اپنے اڈے میں لے جاؤ۔ اعضاء فروخت کرنے والے ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کرو۔ پھر دونوں کی ایک ایک آنکھ اور ایک ایک گردہ نکلوا کر انہیں جینے کے لئے چھوڑ دو۔''

قیس نے میرا فیصلہ انہیں سنایا۔ وہ دونوں سنتے ہی تھرا گئے۔ خوف سے لرزتے ہوئے فون کی طرف منہ کر کے گڑگڑانے لگے۔ قیس نے فون بند کر کے دونوں کی اچھی طرح پٹائی کی۔ پھر کہا۔ ''تمہاری آوازیں بابا جانی تک نہیں پہنچیں گی۔ ہم کل اسی وقت آئیں گے۔ اپنی سلامتی کے لئے جو کر سکتے ہو کرو۔''

ان دونوں کو چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ سکتے کی حالت میں بیٹھے رہ گئے۔ قیس اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

میں دوسری صبح حجاب اور ندا کے ساتھ ناشتے کی میز پر تھا۔ وہ دونوں بہت خوش تھیں۔ انہیں ان کی سوچ سے زیادہ نئی مسرتوں سے بھرپور زندگی مل رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے میرے لندن کے ایک ایجنٹ نے کہا تھا کہ وہاں دونوں بہنوں کی مستقل رہائش کے سلسلے میں ضروری کاغذات تیار ہو چکے ہیں اور حجاب کے علاج کے سلسلے میں بھی انتہائی تجربہ کار ڈاکٹروں سے رابطہ ہو رہا ہے۔

میں پچھلے دس ماہ سے اپنوں کے بچھائے ہوئے انگاروں پر کروٹ کروٹ جیتا مرتا پھر جیتا آ رہا تھا۔ اب پھر نئے مصائب اور نئے مسائل چیلنج کر رہے تھے۔ جلد از جلد لاہور سے نکل جانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں ملک سے باہر جا کر ہی کسی حد تک کامیابی سے

روپوش رہ سکتا تھا۔

وہ دونوں ہنس بول رہی تھیں۔ جب کوئی مجھے مخاطب کرتی تھی تو میں جبراً مسکرانے لگتا تھا۔ بڑے دکھ سے سوچ رہا تھا کہ ان کا ساتھ چھوٹنے والا ہے۔ وہ لندن میں رہیں گی اور میں پتہ نہیں کہاں کہاں بھٹکتا رہوں گا؟ پتہ نہیں کتنے عرصے تک ان کی سلامتی کی خاطر دور ہی دور سے رابطہ رکھوں گا؟ ان سے باتیں ہوں گی مگر ایسا مسرتوں بھرا فیملی ماحول نصیب نہیں ہوگا۔

حجاب مجھے دیکھ رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی کہ میں کسی الجھن میں ہوں اور ان کی باتوں پر رسماً مسکرا رہا ہوں۔ اس نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”سکھ میں سب ہی شریک ہوتے ہیں۔ دکھ میں شریک ہونے سے اپنائیت اور اعتماد بڑھتا ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ اعتماد کا رشتہ قائم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا مجھے اپنی پریشانیوں میں شریک نہیں کریں گے؟“

میں نے چائے کی پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یہ چمچ چینی گھول کر پیالی سے الگ ہوجائے گا۔ مگر اپنی مٹھاس چھوڑ جائے گا۔ میری مثال کچھ ایسی ہی ہے۔ میں تمہاری زندگی میں مٹھاس گھول کر جدا ہونے والا ہوں۔“

ندا نے میرا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”جی جو! آپ ہم سے جدا ہونے کی بات نہ کریں۔ آپ ہی کے دم سے ہمیں یہ نئی زندگی مل رہی ہے۔“

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میرے دم سے نہیں مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خوشحالی کے لئے مجھے وسیلہ بنایا ہے۔ جب تک وہ معبود تم بہنوں سے راضی رہے گا میں وسیلہ بن کر رہوں گا۔“

حجاب نے پوچھا۔ ”کیا ایسی مجبوری ہے کہ ہمیں اس خفیہ پناہ گاہ سے نکل کر آپ سے دور رہنا پڑے گا؟“

”نہیں۔ تم دونوں لندن جانے تک یہیں رہوگی۔ میں ابھی چلا جاؤں گا۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”ابھی...؟ اتنی جلدی؟“

”ہاں۔ میرے دشمن شکاری کتوں کے ذریعے میری بو سونگھ لیں گے۔ یہ میری بد نصیبی ہے کہ انہیں میرا سراغ ملنے والا ہے۔ اس سے پہلے ہی مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔“

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ”یعنی دشمن آپ کو ڈھونڈتے ہوئے کسی وقت بھی یہاں آ

سکتے ہیں؟“

”ہاں۔ کسی وقت بھی شامت آسکتی ہے۔“

وہ ایکدم سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میرے پاس آ کر میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ ”آپ اطمینان سے بیٹھے یہاں چائے پی رہے ہیں اور ہم سے باتیں کئے جارہے ہیں۔ چلیں یہاں سے اٹھیں کمرے میں چل کر اپنا سامان پیک کریں۔“

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے روبرو ہو کر بولا۔ ”میرا سامان تو صرف تم ہی ہو۔ مجبوراً چھوڑ کر جاؤں گا۔“

”آپ باتیں نہ بنائیں۔ کمرے میں چلیں۔“

میں اس کے ساتھ بیڈروم میں آگیا۔ ندا باہر رہی۔ حجاب دروازے کو اندر سے بند کرتے ہی دوڑتی ہوئی آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے اس والہانہ انداز نے مجھے مسحور کردیا۔ میں نے اسے بازوؤں کی گرفت میں لے کر کہا۔ ”اتنا پیار کروگی تو یہاں سے جا نہیں پاؤں گا۔“

وہ رو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ ”میں کیسے جیوں گی؟ یہ خدا ہی جانتا ہے۔ مگر آپ ابھی یہاں سے جائیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ندا نے سچ کہا ہے‘ آپ ہی کے دم سے ہماری زندگی ہے۔ میں نہیں چاہتی دشمن یہاں آجائیں۔“

وہ میری بہتری کے لئے دور جانے کو کہہ رہی تھی۔ جب سے اس گھر میں آئی تھی مجھ سے دور دور رہتی تھی۔ ان لمحات میں جیسے سر سے پاؤں تک میرے اندر آ کر سما گئی تھی۔ پہلی بار مجھ سے لگ کر اپنے بدن کا تعارف پیش کررہی تھی۔ جانے والے کی رسی اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

آہ...! وہ انتہائی زہریلے‘ انتہائی شیریں لمحات تھے۔ ہر سمت سے تیر برسائے جا رہے تھے۔ ایسے میں حجاب نے آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔ تپتی ہوئی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں مل رہی تھی۔

ایسے لمحات جا کر نہ آئیں تو کتنا اچھا ہو؟ میں مدہوش ہوگیا تھا۔ وہ میرے حصار میں تھی۔ میں نے اسے اور جکڑ لیا۔ جنون کا عالم یہ تھا کہ ہوش سے بیگانہ ہوگیا تھا۔ کبھی اس کی گردن کو کبھی چہرے کو دیوانہ وار چوم رہا تھا۔

اچانک ہی اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا۔ میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر

آگے بڑھنے لگا۔ وہ پیچھے جاتے ہوئے بولی۔ ''خدا کے لئے رک جائیں۔ یہ نہ بھولیں کہ میں بیمار ہوں۔ آپ کو مسرتیں نہیں بیماریاں ہی دے سکوں گی۔''

وہ میری بھلائی کے لئے دور ہوگئی تھی۔ مجھ بھٹکنے والے کو سنبھال رہی تھی۔ میں پیچھے آکر شکست خوردہ انداز میں بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ تقدیر دو چاہنے والوں پر کیسا ظلم کر رہی تھی۔ ہم بند کمرے میں پاس پاس تھے اور اپنی اپنی جگہ تنہا ہوگئے تھے۔

وہ میرے لئے بہت فکر مند تھی۔ اس نے کہا۔ ''دروازہ بند رہے گا تو آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکیں گے۔''

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر سامنے ہی ندا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ روتے سسکتے ہوئے بولی۔ ''جی جو! میں کچھ کچھ سمجھ رہی ہوں۔ آپ کو یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ باجی کہہ رہی ہیں تو فوراً چلے جائیں۔''

میں نے اسے بازوؤں میں لے کر چوما۔ پھر اسے بیڈ کے سرے پر بٹھاتے ہوئے حجاب سے کہا۔ ''جانے سے پہلے کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ دو چار دنوں میں ہی تم دونوں یہاں سے لندن کے لئے روانہ ہوجاؤ گی۔ آدم ثانی اور عاقب ہر لمحہ تمہاری ہر ضرورت پوری کریں گے۔ لندن میں بھی میرے جانثار تم دونوں کو...''

وہ آگے بڑھ کر بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ''یہ باتیں فون پر بھی ہوسکتی ہیں۔ پلیز۔ آپ یہاں سے چلیں۔''

''تم بہت زیادہ فکر مند ہوگئی ہو۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔''

''مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے ایسے انتظامات کئے ہیں کہ یہاں آنے والے مجھ تک پہنچ نہیں پائیں گے۔''

وہ بولی۔ ''آپ کو اس کوٹھی اور اس شہر سے ہی نہیں اس ملک سے بھی نکلنا ہے۔ آپ کے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں جارہا ہوں۔ ایک اہم بات یاد رکھو۔ جب بھی میرا فون اٹینڈ کرو یا مجھے کال کرو تو رابطہ ختم ہوتے ہی میرا نمبر مٹا دیا کرو۔ دشمنوں کو فون نمبر کے ذریعے ہمارے تعلقات کا علم نہیں ہونا چاہئے۔''

''نہیں ہوگا۔ جیسا آپ کہہ رہے ہیں ویسا ہی کروں گی۔''

میں نے کہا۔ ''لندن میں بھی تمہیں ایک عمیر بن غازی ملے گا۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''وہ چھپ کر تمہارے کام آتا رہے گا۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''ایک اور عمیر بن غازی... یعنی وہ آپ نہیں ہوں گے؟''

''نہیں۔ امریکہ، یورپ اور افریقہ میں بارہ جاں نثار ایسے ہیں جو میرے ہم شکل ہیں۔ تمہیں میرے متعلق رفتہ رفتہ بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔''

وہ پریشان ہوکر بولی۔ ''میں آپ کے کسی ہم شکل سے دھوکہ کھا سکتی ہوں۔ ہمارے درمیان کوئی خاص پہچان ہونی چاہئے۔''

میں لاوا اسٹون والی انگوٹھی اپنے دائیں انگوٹھے میں پہنتا تھا۔ کیونکہ وہ میری استخوانی انگلیوں میں ٹھہرتی نہیں تھیں۔ میں نے کہا۔ ''میری پہچان یہ لاوا اسٹون ہے۔''

پھر میں نے ایک طرف رکھے ہوئے عصاء کو تھام کر کہا۔ ''یہ میرا سہارا ہے۔ طاقت ہے، حوصلہ ہے۔ ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں میرے کسی ہم شکل کے پاس نہیں ہوں گی۔''

حجاب نے کہا۔ ''ایسی چیزیں کبھی چھوٹ جاتی ہیں۔ کسی وجہ سے ساتھ نہیں رہتیں۔ زبان ہمیشہ ساتھ رہتی ہے۔ آپ اپنا کوڈ ورڈ مقرر کرلیں۔''

میں اسے بڑے پیار سے دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد بولا۔ ''میری دعا ہے کہ تمہاری بیماری ختم ہوجائے اور صحت یاب ہوکر مجھ سے ملو۔''

بیڈ کے سرہانے والی میز پر کاغذ قلم رکھا ہوا تھا۔ میں نے کاغذ پر لکھا۔ ''میرا پیار تم پر ادھار ہے۔ تمہیں صحت یاب ہوکر میرے پاس آکر پیار کا قرض چکانا ہے۔''

میں نے وہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے سینے سے لگا کر بولی۔ ''آپ کے یہ کوڈ ورڈز میرے دل پر لکھے رہیں گے۔ میں آپ کی خاطر پوری توجہ سے علاج کراؤں گی۔''

میں نے فون پر آدم ثانی اور عاقب سے کہا۔ ''میں یہاں سے نکل رہا ہوں۔ میرے ساتھ صرف ایک جانثار جائے گا۔ تم دونوں شوکت شاہنواز اور اس کے بیٹے برکت کے معاملات سے نمٹ رہے ہو۔ لہٰذا حجاب اور ندا سے دور رہنا۔ ورنہ پولیس والے تمہارے ذریعے یہاں تک چلے آئیں گے۔''

''سر! ہم دونوں بہنوں پر کسی طرح کی آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

میں نے کہا۔''میرے لئے اگلے دو چار دن بہت اہم ہیں۔ یہ دونوں بہنیں لندن پہنچ جائیں گی تب مجھے اطمینان حاصل ہوگا۔''

میں نے اس سے رابطہ ختم کردیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی کالنگ ٹون سنائی دی۔ دوسری طرف سے ایک جانثار نے کہا۔''سر! گاڑی تیار ہے۔ آپ باہر آجائیں۔''

میں نے کہا۔''ابھی آرہا ہوں۔''

میں نے عصاء کو تھام کر ایک بیگ شانے سے لٹکایا۔ پھر ندا رانی کا ہاتھ تھام کر حجاب سے کہا۔''آؤ! دروازے تک چلو۔''

ہم تینوں کمرے سے نکل کر جانے لگے۔ ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ندا نے کہا۔''باجی! تم کہتی ہوناں جی جو نہیں رہتے ہیں تو میں فلمی گانے گا کر تمہیں چھیڑتی رہتی ہوں۔''

میں نے کہا۔''ہاں، تم چھیڑتی رہنا۔ ان کا دل بہلاتی رہنا۔''

وہ ہمارے ساتھ چلتے چلتے گنگنانے لگی۔

''تمہیں کیسی ملی ہے یہ زندگی
ذرا جی کر تو دیکھو
آنسو بھی ہیں۔ خوشیاں بھی ہیں۔
کانٹے بھی ہیں کلیاں بھی ہیں۔
دکھ سکھ سے بھری ہے یہ زندگی
ذرا جی کر تو دیکھو''

ہم کوٹھی کے بیرونی دروازے پر آگئے۔ باہر پورچ میں گاڑی کے پاس مسلح جاں نثار کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ندا کو چوم کر حجاب کو الوادعی نظروں سے دیکھا۔ پھر گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ ندا ہمارے حسب حال گیت کے بول پورے کرنا چاہتی تھی۔ مگر آنسو جیسے گلے میں پھنس رہے تھے۔ وہ گنگنا نہ سکی۔ تحت اللفظ میں کہنے لگی۔

''یہ مت سوچو کہ کتنا ملا؟
سوچو بہت ملا۔ ہمیں جتنا ملا
کہ رونا بھی ہے' ہنسنا بھی ہے۔

پانا بھی ہے' ترسنا بھی ہے
نہیں۔ اتنی بری ہے یہ زندگی
ذرا جی کر تو دیکھو''

گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں ان سے دور ہوتا ہوا ایک موڑ پر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ دونوں بہنیں ایکدم سے لپٹ کر رونے لگیں۔ گیت کے بول ان کے اندر بھٹک رہے تھے۔

''کہ ہلکی بھی ہے یہ بھاری بھی ہے
یہ میٹھی بھی ہے کھاری بھی ہے
تمہیں کیسی ملی ہے یہ زندگی؟
ذرا جی کر دیکھو''

وہ دونوں اپنے اپنے آنچل سے ایک دوسرے کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

☆☆☆

ہر سانس لینے والے کی زندگی کا ایک دن کم ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر آنے والے دن ہر آنے والے مہینے اور ہر آنے والے برس کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ یوں زندگی کے آخری مرحلے سے یعنی بڑھاپے سے گزرتے ہوئے موت کو گلے لگا لیتا ہے۔

اس حقیقت کے برعکس میری زندگی کم نہیں ہو رہی تھی۔ عمر بڑھتی جا رہی تھی۔ کیونکہ میں ہر گزرنے والے دن ہر گزرنے والے مہینے اور ہر گزرنے والے برس کی طرف الٹی گنتی کے حساب سے بڑھتا جا رہا تھا۔ یوں بڑھاپے سے موت دور ہوتی رہے گی اور جوانی واپس آتی رہے گی۔

میں نے اپنے بیگ میں سال رواں کی چھوٹی سی ڈائری رکھی تھی۔ اس ڈائری میں چھ ستمبر سے نشان لگا رہا تھا۔ اب میرے کیلنڈر میں چھ ستمبر سے آگے گنتی بڑھنے والی نہیں تھی۔ تاریخ پیچھے جا رہی تھی۔ چھ کے بعد پانچ پھر چار پھر تین پھر دو پھر ایک اس کے بعد اکتیس اگست پھر انتیس اگست یوں پیچھے کی طرف جاتے ہوئے پہلی جنوری دو ہزار کو سال ختم ہوگا۔

یہ عجیب اور انوکھا سلسلہ تھا۔ اکتیس دسمبر انیس سو ننانوے نیا سال طلوع ہو کر انیس سو اٹھانوے پھر انیس سو ستانوے پھر انیس سو چھیانوے کی طرف میری عمر چلتی رہے گی۔ بڑھاپا

ختم ہوتا رہے گا۔ جوانی پھر سے انگڑائی لینے چلی آئے گی۔

ہوسکتا ہے یہ ایک طویل انتظار کرنے والا سلسلہ ہو۔ مگر میرے لئے خوش آئند تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ہر گزرنے والا دن میری رگوں میں نیا خون دوڑا رہا ہے اور میں بدترین حالات سے دوڑتا ہوا گزر رہا تھا۔ بڑھاپے میں تھکنا بھول گیا تھا۔

میرے موجودہ حالات کیا تھے؟ مسلسل چیلنج تھے کہ مجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے' جوانی کی طرف بڑھنے والے بڑھاپے کو تھکا ماریں گے۔ میری اولاد نے مجھے بیمار اور کمزور بنا دیا تھا۔ میرے بدن سے گوشت نوچ لیا تھا۔ ہڈیاں رہنے دی تھیں۔

میں بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ طرابلس میں مراد اور سلطان سے نمٹ رہا تھا۔ یقین نہیں تھا کہ نئے مصائب میں گرفتار کرنے والی فائل اور ڈائری حاصل کر کے اپنا بچاؤ کرسکوں گا۔ حجاب اور ندا میرے آسرے پر نئی زندگی شروع کر چکی تھیں۔ ایسے وقت میں ان سے دور ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ دو چار روز میں لندن کے لئے روانہ ہو جائیں گی۔ پتہ نہیں ان کے ساتھ کیسے حالات پیش آنے والے تھے؟ مجھے اپنے مسائل سے گزرتے ہوئے ان کی زندگی سنوارنی تھی۔ انہیں تحفظ فراہم کرنا تھا۔

میں سرحد پار کر کے ہندوستان پہنچ گیا۔ سری واستو بڑبولا پچھلی عداوتوں کے سلسلے میں انتقام لینے اور خزانے تک پہنچنے کے لئے میرے ملک میں آیا تھا اب میں اس کے ملک میں آ کر جوابی کارروائی کرنے والا تھا۔

انڈیا میں میرے کارندے سرحد پار موجود تھے۔ میرے لئے ایک لگژری کار لائے تھے۔ وہاں سے دہلی پھر ممبئی تک کا سفر کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق رہائش اختیار کرنے کے انتظامات تھے۔ میں دہلی پہنچ کر اپنی صورت شکل اور حلیہ بدلنے والا تھا۔ اس سے پہلے اجمیر شریف آ گیا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دربار میں حاضری دینے کے لئے پہنچ گیا۔

یہ وہ مقدس دربار ہے جہاں عقیدت مندوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ ہندو مسلم سکھ عیسائی ہر مذہب کے لوگ یہاں آ کر بڑی عقیدت سے سر جھکاتے ہیں۔ مزار کے احاطے کے اندر اور باہر دن رات زائرین کا میلہ لگا رہتا ہے۔ زندگی کی بڑی سے بڑی بازی ہارنے والے بدنیتی سے باز آنے کی توبہ کریں اور نیک نیتی کا عہد کر لیں تو یہاں سے ہاری ہوئی بازی جیتنے کا حوصلہ لے کر جاتے ہیں۔

میں بھی مجرمانہ زندگی سے توبہ کر چکا تھا۔ لیکن فوراً ہی جرائم کی دنیا سے نکل نہیں سکتا تھا۔ بیشمار مجرمانہ زندگی گزارنے والے دشمن آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔ ابھی یہ نہیں جانتا تھا کہ صوم و صلوٰۃ کا پابند رہ کر راہ مستقیم پر چلتے ہوئے ان دشمنوں سے کب تک مقابلہ کرتا رہوں گا؟

اکثر ایسا ہوتا ہے شر کے خلاف لڑتے لڑتے ساری زندگی گزر جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے' ہم صرف لڑتے ہی رہے ہیں اور یہی دینی فریضہ ہے۔ شر کے خلاف لڑنا عین عبادت ہے۔ میں نے وہاں مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر عشاء کا وقت ہونے تک ٹھنڈے فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ زیر لب قرآن مجید کی آیتیں پڑھنے لگا۔

وہاں کتنے ہی مصیبت کے مارے مرد عورتیں بچے اور بوڑھے آئے ہوئے تھے اور مزار کے آس پاس اپنا دکھڑا رو رہے تھے۔ جن کی مرادیں پوری ہو جاتی تھیں۔ وہ پھولوں کی چادریں چڑھانے آتے تھے۔ میں نے بھی منت مانی کہ سی آئی اے' انٹر پول اور دشمن خطرناک تنظیموں کو مات دوں گا اور ان سے پیچھا چھڑا لوں گا' بڑھاپے سے جوانی تک سلامتی سے سفر کرتا رہوں گا تو یہاں پھولوں کی چادر چڑھانے آؤں گا۔ اور ہزاروں افراد کے لئے لنگر کھول دوں گا۔

آیتیں پڑھنے اور دعائیں مانگنے کے دوران میری آنکھیں بند تھیں۔ ایسے وقت ذرا سی دیر کے لئے گہری نیند آ گئی۔ میں پھر اسی خواب کے جنتی ماحول میں پہنچ گیا۔ جہاں صاف اور اجلے ملبوسات میں عبادت گزار نمازیں پڑھ رہے تھے۔ کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ اور تسبیح خوانی میں ملبوس تھے۔ اجلے چمکتے ہوئے ملبوسات میں حوریں نظریں جھکائے آ رہی تھیں جا رہی تھیں اور پیاسوں کو شراب طہورہ کے جام پلا رہی تھیں۔

پھر میں نے ان بزرگ کو دیکھا جنہوں نے مجھے بشارت دی تھی کہ میں الٹی گنتی کے مطابق بڑھاپے سے جوانی کی طرف جانے والا ہوں۔ وہ کچھ فاصلے پر تھے آہستہ آہستہ تسبیح پڑھتے ہوئے میری طرف آ رہے تھے۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا۔ ''خدا بہتر جانتا ہے کہ کون عزت کے لائق ہے اور کس کی گردن میں ذلت کا طوق ہونا چاہئے۔ تم خوش نصیب ہو خدا تم سے راضی ہے۔ تمہارے دل کی مرادیں پوری ہو رہی ہیں۔ بڑھاپے سے جوانی کی سمت تمہارا سفر شروع ہو چکا ہے۔''

میں نے دست بستہ عرض کیا۔ ''میں بہت پریشان ہوں۔ ہر سمت سے دشمنوں کی یلغار ہے۔ اور میں اکیلا ہوں۔ کیا بڑھاپے سے واپسی کا سفر جاری رکھ سکوں گا؟ کیا میں جوانی کے دہلیز تک پہنچ پاؤں گا؟''

انہوں نے کہا۔ ''تم نے ستر برس کی عمر سے واپسی کا سفر شروع کیا ہے۔ اپنے بچپن اور پیدائش کے دن تک واپس جاؤ گے تو گویا ستر برس تک اور جیو گے۔ مگر راستے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ حادثے پیش آئیں گے۔ دشمنوں کے جان لیوا حملے ہوں گے۔ ان سے بچ کر سفر جاری رکھ سکو گے تو صرف جوانی تک ہی نہیں پیدائش کی پہلی گھڑی تک بھی پہنچ سکو گے۔''

''میں کس طرح حادثات سے اور دشمنوں سے بچ پاؤں گا؟''

''آنکھیں کھلی رکھو۔ ذہن حاضر رکھا کرو۔ دوست زیادہ سے زیادہ بناؤ۔ دشمنوں کی تعداد کم سے کم کرتے رہو۔ موت کا خطرہ بھی کم سے کم ہوتا رہے گا۔''

وہ آگے بڑھ گئے۔ بولتے بولتے میرے قریب سے گزر گئے۔ بعض اوقات تیرنے والے کنارے تک پہنچتے پہنچتے ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ذرا سی کوتاہی لے ڈوبتی ہے۔ حاضر دماغ رہو اور خدا کو یاد کرتے رہو۔

اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ میں نے زیر لب کہا۔ ''جل جلاالله ہو جل شان ہو۔ الله اکبر الله اکبر.....''

مجھے پھر آگاہی ملی تھی۔ کہ ستر برس تک جی لینے کے بعد مزید ستر برس تک یعنی بڑھاپے سے واپس چلتے ہوئے پیدائش کے پہلے لمحے تک جی سکوں گا۔ مگر رکاوٹیں حائل ہوتی رہیں گی۔

زندگی اسی لئے ملتی ہے کہ حادثوں اور بیماریوں سے لڑتے رہو۔ دشمنوں کو زیر کرتے رہو۔ جان لیوا رکاوٹوں سے گزرتے ہوئے کامیاب رہو گے تو طبعی عمر تک آخری سانسوں تک جی پاؤ گے۔

اس آگاہی نے مجھے سمجھایا' خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے۔ واپسی کا سفر آسان نہیں ہے۔ آئندہ طرح طرح کے چیلنج کا سامنا کرنا ہے۔ میری لاپرواہی گمراہی یا ایک ذرا سی کوتاہی مجھے لے ڈوبے گی اور میں واپس جوانی کی دہلیز تک پہنچنے سے پہلے ہی زندگی ہار جاؤں

گا اور مزید ستر برس تک ملنے والی زندگی ایک خواب بن کر رہ جائے گی۔

میں نماز کے بعد مسجد کے احاطے سے باہر آیا تو ایک بوڑھی خاتون اچانک ہی میرے سامنے آگئیں۔ وہ گیروے رنگ کی ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ ماتھے پر بندیا چمک رہی تھی۔ اس نے سامنے آتے ہی میرے عصاء کو پھر انگوٹھی کو دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''نمستے.....''

میں نے بھی دونوں ہاتھ جوڑ کر پوچھا۔ ''کچھ کہنا چاہتی ہو۔''

وہ بولی۔ ''جانے کب سے تمہاری راہ تک رہی تھی۔ آج تمہیں پا رہی ہوں۔''

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا مجھے جانتی ہو؟''

''اس لاوا اسٹون کو اور اس لاٹھی کو جانتی ہوں۔''

یہ میرے لئے بڑی حیرانی اور چونکا دینے والی بات تھی۔ میں نے اپنی انگوٹھی اور عصا پر ایک نظر ڈالی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ دو چیزیں جو میری زندگی کا رُخ بدل رہی ہیں' کبھی میری پہچان کا باعث بن جائیں گی۔

میں نے پوچھا۔ ''انگوٹھی اور لاٹھی کے متعلق کیا جانتی ہو؟''

''بس اتنا ہی جانتی ہوں کہ یہ دو چیزیں جس پردیسی کے پاس ہوں گی' وہ مہان ہوگا۔ میں اسے مان دوں گی اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر سر جھکاؤں گی۔''

اس نے پھر ایک بار سر جھکا کر دونوں ہاتھ جوڑے۔ میں نے پوچھا۔ ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ آج یہ پردیسی یہاں آئے گا اور تمہیں ان دو چیزوں کے ذریعہ اسے پہچاننا چاہئے؟''

''میرے باپو جیوتشی ہیں۔ مہا گیانی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا میرے جیون میں ستر برس کا ایک بوڑھا آئے گا۔ وہ ایک انگوٹھی کسی انگلی میں نہیں انگوٹھے میں پہنے گا۔ اس انگوٹھی میں لاوا پتھر جڑا ہوگا۔ وہ سینہ تان کر چلنے والا بوڑھا ہوگا۔ مگر ہاتھ میں ایک لاٹھی ہوگی۔''

وہ بول رہی تھی میں اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ساڑی کا آنچل اس طرح سر پر رکھا تھا کہ وہ نصف گھونگھٹ بن گیا تھا۔ اس کا سیاہی مائل چہرہ پوری طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چہرے پر ہاتھوں پر بڑھاپے کی شکنیں نہیں تھیں۔ بدن پر کچھ عجیب سے ہلکے گہرے داغ دھبے تھے' جیسے اُسے کوئی بیماری ہو۔

مجھے اس کی باتوں سے دلچسپی پیدا ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''تمہارے باپو نے

ایسی پیشگوئی کی ہے۔ کیا وہ مجھے جانتے ہیں؟ کیا انہوں نے میری جنم پتری دیکھی ہے؟''

''میں نہیں جانتی کہ وہ تمہیں کیسے جانتے ہیں؟ آج کا دن میرے لئے شبھ ہے۔ باپو کی جانکاری نے مجھے تمہارے پاس پہنچا دیا ہے۔''

''تمہارے باپو کہاں ہیں؟''

''گھر میں ہیں۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔''

میں اسے دیکھنے اور سوچنے لگا۔ اس نے جو کہا تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے باپو بہت پہنچے ہوئے جوتشی ہیں۔ ان سے مل کر اپنے مستقبل کے متعلق کچھ اہم معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

میں نے فون نکال کر نمبر پنچ کئے۔ وہاں میرا ایک دست راز وجے کھنہ اپنے کارندوں کے ساتھ کہیں آس پاس تھا۔ وہ سب میری نگرانی کر رہے تھے۔ میں نے رابطہ ہونے پر کہا۔ ''ہیلو کھنہ! کیا تم مجھے دیکھ رہے ہو؟''

''یس سر! آپ کے سامنے پنڈت دینا ناتھ کے گھر میں رہنے والی ایک بڑھیا کھڑی ہے۔ آپ سے کچھ کہہ رہی ہے۔''

''یہ کہتی ہے' اس کے باپو گھر میں ہیں۔ یہ مجھے لینے آئی ہے۔ کیا مجھے اس کے گھر جانا چاہئے؟''

''اوشے جانا چاہئے۔ وہ مہا گیانی ہیں۔ ادھر کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

میں نے فون بند کر کے اس سے کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھو اور اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔''

میں نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا وہ بیٹھ گئی۔ میں دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہاں بہت دیر سے انتظار کر رہی تھیں؟''

''نہیں۔ باپو نے کہا تھا' دوپہر کو یہاں ایک گاڑی کے پاس کھڑی رہوں گی تو تم خود ہی ادھر آؤ گے۔''

یہ حیران کرنے اور متاثر کرنے والی بات تھی کہ وہ مہا گیانی پنڈت اپنے علوم کے ذریعے مجھے جانتے تھے اور میری اتنی اہمیت تھی کہ انہوں نے اس بوڑھی کے ذریعے مجھے اپنے گھر بلایا تھا۔

میں نے کہا۔ ''تم انہیں باپو کہتی ہو۔ کیا ان کی بیٹی ہو؟''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''ہاں۔ ان کی بدنصیب بیٹی ہوں۔''

''ایک مہان پنڈت کی بیٹی ہو کر خود کو بدنصیب کیوں کہہ رہی ہو؟''

''میں ساری زندگی باپو پر بوجھ بنی رہی۔ کبھی سہاگن نہ بن سکی۔ میرے دروازے پر کبھی برات نہیں آئی۔ مجھے دیکھ رہے ہو' میں بابل کے آنگن میں بیٹھی بیٹھی پچاس برس کی کنواری بڑھیا ہو گئی ہوں۔''

میں اس کے باپ پنڈت دینا ناتھ کے بارے میں بہت سی باتیں جاننا چاہتا تھا۔ یہ تجسس تھا کہ وہ اپنے علوم کے ذریعے میرے متعلق نہ جانے کتنی باتیں جانتے ہوں گے؟ جو راز میں اپنی اولاد سے اور ساری دنیا سے چھپاتا آ رہا ہوں' اس کے متعلق بھی شائد انہیں بہت کچھ معلوم ہو گا۔

میں اس سلسلے میں اس بوڑھی سے کچھ نہ پوچھ سکا۔ میرا دھیان اس کے بڑھاپے اور کنوارے پن کی طرف چلا گیا۔ اس نے خود کو پچاس برس کی کنواری بڑھیا کہا تو چند الفاظ میں اس کی پوری ہسٹری سامنے آ گئی۔ یقیناً اس نے بچپن سے جوانی تک' پھر جوانی سے بڑھاپے تک بڑی مایوسیوں اور محرومیوں کے ساتھ آدھی صدی گزاری ہو گی۔

وہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی میری رہنمائی کر رہی تھی۔ ونڈ اسکرین کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''یہاں سے آگے جا کر سیدھے ہاتھ مڑ جائیں۔ انسان کی زندگی میں بھی الٹے سیدھے موڑ آتے رہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے' میں انسان نہیں ہوں۔ میری زندگی میں کبھی سیدھا موڑ نہیں آیا۔ قسمت ہمیشہ مجھے الٹے موڑ پر لے جاتی رہی ہے۔''

میں نے گاڑی کو سیدھے ہاتھ کی طرف موڑنے کے بعد کن انکھیوں سے اسے دیکھا' اب وہ گھونگھٹ میں نہیں تھی۔ کنوارے پن کی بات سننے کے بعد وہ بوڑھی نہیں لگ رہی تھی۔ یہ کہا جا سکتا تھا کہ جو جوانی پھولوں' خوشبوؤں اور رنگا رنگ لمحوں میں گزاری نہیں گئی تھی' وہ اس کے اندر چھپی چھپی سی جھلک رہی تھی۔

وہ اپنے اندر ابھی باقی تھی۔ اس کی باقیات کہہ رہی تھی کہ میں فنا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کسی نے مجھے پکڑا نہیں ہے' جکڑا نہیں ہے۔ کوئی مجھے کبھی چھو بھی نہ سکا۔ اس لئے میری قدرتی تازگی برقرار ہے۔ اس تازگی کو خزاں ڈھانپ تو سکتی ہے' مٹا نہیں سکتی۔

میں نے پوچھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

اس نے کہا۔ ”نین کنول.....“

”واہ...! بہت ہی خوبصورت نام ہے۔ واقعی تمہاری آنکھیں شاداب کنول کی طرح ہیں۔“

وہ بولی۔ ”تعریفیں سننے اور خوش ہونے کی عمر گزر گئی ہے۔ ویسے سب مجھے نینی کہتے ہیں۔“

میں نے ایک وسیع وعریض مکان کے سامنے گاڑی روک دی۔ پنڈت دینا ناتھ نے دروازے پر آکر میرا استقبال کیا۔ میں نے دایاں ہاتھ اپنی پیشانی تک اٹھا کر کہا۔ ”آداب...!“

انہوں نے مسکرا کر آداب کہا۔ مجھے دعائیں دیں۔ پھر میرے ساتھ مکان کے اندر آکر کہا۔ ”پہلے اشنان کرو' پھر بھوجن کرو۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔“

میں نے کہا۔ ”میں ہوٹل سے اشنان کر کے نکلا تھا۔ البتہ بھوک لگ رہی ہے۔ آپ کے ساتھ کچھ کھالوں گا۔“

وہ اپنے دستور کے مطابق فرش پر بیٹھ کر پیتل کی تھال میں کھایا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ نینی ہمارے لئے تھالی پروسنے لگی۔

پنڈت جی کہا۔ ”یہ بالکل درست ہے کہ دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے۔ تمہارے نام کا دانہ میرے گھر میں تھا۔ اس لئے کھنچے چلے آئے۔“

میں نے کہا۔ ”خود کھنچا ہوا نہیں آیا' آپ نے بلایا ہے۔“

”بلانے کا تو ایک بہانہ ہے۔ بھگوان نے مجھے وسیلہ بنایا کہ تمہیں اپنے علم سے متاثر کروں۔ تم بہت کچھ معلوم کرنے کی لگن میں آج اس کھانے کی تھال تک چلے آئے۔“

میں نے پوچھا۔ ”کیا آپ نے میری جنم پتری (زائچہ) دیکھی ہے؟“

انہوں نے ایک لقمہ چباتے ہوئے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ ”ہم نے پہلے کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ پھر آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟ اور صرف جانتے ہی نہیں ہیں' مجھ سے اتنا لگاؤ رکھتے ہیں کہ میری جنم پتری تیار کر کے جیسے میرے اندر گھس آئے ہیں۔ میں نے آج صبح اجمیر کی زمین پر قدم رکھا اور آپ جیسے جادوئی انداز میں مجھ تک پہنچ گئے۔“

انہوں نے کہا۔ ”صرف باتیں نہ کرو۔ کھاتے بھی رہو۔“

میں نے ایک لقمہ اٹھا کر کہا۔ ”میں اپنے متعلق آپ کی معلومات پر حیران ہوں۔ براہ کرم میری حیرانی دور کریں۔“

”تمہاری حیرانی دور نہیں ہوگی۔ میں بولتا جاؤں گا۔ حیرانی بڑھتی جائے گی۔ لقمہ تمہارے ہاتھ میں ہی رہ جائے گا۔“

میں فوراً ہی اسے منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ انہوں نے کہا۔ ”جب کوئی اجنبی ہماری ضرورت بن جاتا ہے' تب ہی ہم اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں اور اس سے ملاقات کرتے ہیں۔ تم میرے لئے اجنبی تھے۔ مگر اچانک ہی ضرورت بن گئے۔ تب میں نے تمہارا نام اور تاریخ پیدائش معلوم کی۔ تمہاری جنم کنڈلی بنائی۔ آج میں تمہارے بارے میں جتنا جانتا ہوں۔ اتنا تم خود اپنے بارے میں نہیں جانتے ہو۔“

”ہاں۔ آپ میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔ میں آپ سے بہت کچھ سننا چاہوں گا۔“

وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولے۔ ”تم بولتے وقت کھانا بھول جاتے ہو۔ بہتر ہے' ابھی باتیں نہ کرو پہلے کھاؤ۔ آگے رکھا ہوا کھانا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ منہ میں رہنے والی باتیں دن رات گرم رہتی ہیں۔“

”اب آپ کو شکائیت نہیں ہوگی۔ میں کھانا کھانے سے ہاتھ نہیں روکوں گا۔ آپ یہ بتائیں' میں آپ کی ضرورت کیسے بن گیا ہوں؟ اور اتنا ضروری بن گیا ہوں کہ آپ اب تک میرے انتظار میں تھے' یہاں پہنچتے ہی مجھے متاثر کر کے اپنے پاس بلا لیا؟“

”میں کھانے کے بعد آرام سے اپنی ضرورت پیش کروں گا۔ ابھی اپنے بارے میں سنو۔“

وہ اپنے منہ میں رکھا ہوا لقمہ چبانے لگے۔ میں انتظار کرنے لگا۔ انہوں نے ایک گھونٹ پانی پی کر کہا۔ ”تمہارا نام عمیر بن غازی ہے۔ مگر تم ایک طویل مدت تک فرضی نام سے مجرمانہ زندگی گزارتے رہے۔ ان دنوں تمہارا نام کیا تھا؟“

میں نے کہا۔ ”شہزادہ سلمان سعدی...“

”ہوں۔ تم نے بڑی کامیاب مجرمانہ زندگی گزاری ہے۔ پھر اچانک ہی تمہارا من

مزاج بدل گیا۔تم نے سلمان سعدی کا نام اور کام ختم کردیا اور دین ایمان کی راہ پر آ گئے۔تمہارا خداتم سے راضی ہے۔وہ جگت کا پالنہار تمہیں ایسا انعام دے رہا ہے جیسا آج تک کسی کو نہیں ملا۔تمہیں بیتے ہوئے دن مل رہے ہیں اور تم بڑھاپے سے جوانی کی طرف جارہے ہو۔''

نین کنول عرف نینی کچھ فاصلے پر بیٹھی اپنے باپ کی باتیں سن رہی تھی۔ بڑی حیرانی اور بے یقینی سے بولی۔''باپو!یہ تو یقین کرنے والی بات نہیں ہے۔وقت پیچھے کی طرف کبھی نہیں جاتا۔اس سنسار میں آج تک کسی بوڑھے کو جوانی نہیں ملی۔آپ نہ تو بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں نہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں۔اوشے آپ سچ بول رہے ہیں' مگر یقین نہیں آرہا ہے۔دل و دماغ نہیں مان رہا ہے۔''

''تمہارے نہ ماننے سے وہ ہونی انہونی نہیں ہوگی۔جسے ہونا ہے' بھگوان کی لیلا اپرم پار ہے۔جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے' وہ اس کے ایک اشارے سے ہوجاتا ہے۔اب تم ہمارے بیچ میں نہ بولنا۔''

پھر وہ مجھ سے بولے۔''اگرچہ خداتم سے راضی ہے اور تم ایک حیرت انگیز انعام حاصل کرنے والے ہو۔اس کے باوجود تمہارے راستے میں کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔خندقیں ہیں' دلدلیں ہیں۔موت کا ایسا سامان ہے کہ اپنی ذراسی غفلت کے باعث جوانی کی دہلیز تک پہنچ نہیں پاؤ گے۔اسی بڑھاپے میں دیکھتے دیکھتے دم توڑ دو گے۔''

وہ درست کہہ رہے تھے۔میں جن حالات سے گزرتا آرہا تھا۔وہ حالات دھمکیاں دے رہے تھے کہ کسی وقت بھی میرے مخالفین مجھ پر حاوی ہوکر میرے خواب کی ملنے والی تعبیر مجھ سے چھین سکتے ہیں۔

ابھی جب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ میں تھا اور وہاں تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی تھی۔تب میں نے خواب میں انہی بزرگ کو دیکھا۔جنہیں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔انہوں نے وہی فرمایا تھا' جو پنڈت دینا ناتھ کہہ رہے تھے'یعنی مخالفین کی طرف سے پیدا کردہ دشمن حالات مجھے جینے نہیں دیں گے۔

ان بزرگ نے فرمایا تھا۔'' بعض اوقات تیرنے والے کنارے تک پہنچتے پہنچتے ڈوب جاتے ہیں۔کبھی کبھی ایک ذراسی کوتاہی لے ڈوبتی ہے۔''

پھر انہوں نے ایک ایمان پرور نصیحت میرے ذہن میں نقش کی اور کہا۔''حاضر دماغ

رہو اور خدا کو یاد کرتے رہو۔''

میں نے پنڈت جی سے پوچھا۔''کیا آپ اپنے علم کے ذریعے یہ جان سکتے ہیں۔ مجھے بتاسکتے ہیں' میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

''مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔تم خود ہی سمجھ رہے ہو۔تمہاری اولاد کی مخالفت نے جو خطرات پیدا کئے ہیں۔ان سے نمٹنے کے لئے ہی تم پاکستان سے یہاں آئے ہو۔یہ اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ زیادہ دیر چھپ کر نہیں رہ سکو گے۔شہزادہ سلمان سعدی کا بھید کھلنے والا ہے۔''

''مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟''

''وہی جو تمہارا طریقہ کار ہے۔جتنی جلدی ممکن ہو اپنا چہرہ اور حلیہ تبدیل کرو۔''

''میں یہاں سے جاکر پہلا کام یہی کروں گا۔''

''تمہیں بارہ گھنٹوں تک یہاں سے باہر نہیں جانا چاہئے۔اپنے آدمیوں کو فون کرو۔میک اپ کا سامان اور ضروری چیزیں یہاں منگوالو۔''

میں فون نکال کر وجے کھنہ کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ پنڈت جی نے کہا۔''میرے علم کے مطابق تم صبح پانچ بجے یہاں سے نکلو گے تو اپنی کسی اگلی منزل تک صحیح سلامت پہنچ سکو گے۔اگرچہ میں نے اپنی ایک ضرورت پوری کرنے اور تم سے ایک ضروری کام لینے کے لئے یہاں بلایا ہے۔مگر بھگوان میری نیک نیتی کو سمجھ رہا ہے۔میں اپنی چار دیواری میں تمہاری رکھشا (حفاظت) بھی کررہا ہوں۔جب تک میرے گھر میں اور اجمیر شریف میں رہو گے' تم پر ایک ذرا آنچ نہیں آنے دوں گا۔''

ہم کھانا کھاچکے تھے۔میں نے پانی پینے کے بعد پوچھا۔''آپ مجھ سے کون سا ضروری کام لینا چاہتے ہیں؟''

نینی کھانے کی تھالیاں اٹھا کر رسوئی کی طرف جارہی تھی۔پنڈت جی نے کہا۔''بیٹی!رسوئی کا کام بعد میں کرلینا۔پہلے شاور کے نیچے جاؤ۔ہم وہاں آرہے ہیں۔''

نینی نے چونک کر باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔باپ نے کہا۔''ہاں بیٹی!جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔بھید کھلنے دو۔''

اس نے چور نظروں سے میری طرف دیکھا۔پھر سر جھکا کر وہاں سے چلی گئی۔میں سوچ میں پڑ گیا۔ایک نئی بات سامنے آرہی تھی۔کوئی بھید کھلنے والا تھا۔میں نے پنڈت جی سے

پوچھا تھا کہ میں ان کے لئے ضروری کیوں ہوں؟ انہوں نے زبان سے جواب نہیں دیا۔ مجھے اپنے ساتھ ایک غسل خانے میں لے آئے۔

بھید کھلنے کے لئے غسل خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نینی نے ہم دونوں کو دیکھا۔ پھر دوسری طرف گھوم کر شاور کا ہینڈل گھما دیا۔ اس کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ وہ پورے لباس میں بھیگ رہی تھی۔ مجھے اس کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں صابن تھا۔ وہ اپنے چہرے کو دھو رہی تھی۔ بس چند لمحوں کا تجسس تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو دھوتے ہوئے ہماری طرف گھوم گئی۔ میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔

وہ تبدیل ہو رہی تھی۔ اس کا سیاہی مائل چہرہ دھل کر روشن ہو رہا تھا۔ کالی گھٹا سے جیسے چاند نکل رہا تھا۔ چہرے اور ہاتھوں کے داغ دھبے دھل کر مٹ رہے تھے۔ وہ شفاف آئینہ ہوتی جا رہی تھی اور میں سراپا سوالیہ نشان بنا اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا۔

پتہ نہیں کیا بھید تھا؟ ابھی پوری طرح کھلا نہیں تھا۔ میں نے پنڈت جی کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ ''آؤ کمرے میں چلیں۔''

میں نے وہاں سے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی صرف صورت اور رنگت ہی نہیں بدلی تھی۔ عمر بھی کم ہو گئی تھی۔ بڑھاپا یک لخت کم ہو گیا تھا۔ کیسی عجیب سی بات تھی۔ میں بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا تھا اور اسے جوانی سے بڑھاپے کی طرف لایا گیا تھا۔ فی الحال مجھے دکھانے کے لئے پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔ ورنہ وہ داغ دھبوں اور سیاہ رنگت والی بوڑھی بن کر رہتی تھی۔

میں نے کمرے میں آ کر پوچھا۔ ''آپ کی بیٹی جوان ہے؟''

انہوں نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھو....''

میں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ نے اسے بوڑھی اور بدصورت کیوں بنا رکھا ہے؟''

باپ کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی۔ ''جو بدنصیب ہوتے ہیں، ان کی خوبصورتی کسی کام نہیں آتی۔ بس وہ اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ ان پر بری نظر ڈالی جائے۔ میں ایک مہا گیانی پنڈت کہلاتا ہوں۔ سارے دیش میں میری شہرت ہے، عزت ہے۔ میری بیٹی کی بھی عزت کی جاتی ہے اور جو اس پر بری نظر ڈالتے ہیں، وہ میرے آگے اسے کسی طرح کا نقصان پہنچانے کی

جرات نہیں کرتے۔ اس کے باوجود میں اسے دنیا والوں سے چھپاتا ہوں۔''

''یقیناً آپ کی علمی مہارت کے آگے کوئی دم نہیں مارتا ہوگا۔ پھر نینی کو کیوں چھپا کر رکھتے ہیں؟''

''میں اپنی علمی قوت سے دنیا والوں پر غالب آسکتا ہوں۔ مگر تقدیر سے نہیں لڑسکتا۔ میری بچی کے نصیب میں سہاگن بننا نہیں لکھا۔ اس کے درجنوں رشتے آتے ہیں۔ مگر برات نہیں آتی۔''

''تعجب ہے جب رشتے آتے ہیں تو برات کیوں نہیں آتی؟''

''جب وہ اٹھارہ برس کی تھی تو بڑی دھوم دھام سے شادی کے انتظامات کئے گئے تھے۔ وہ برات لگن منڈپ کے دروازے تک آئی تھی۔ ایسے وقت آتش بازی اور دھماکوں کے باعث گھوڑا بدک گیا۔ قابو سے باہر ہو گیا۔ ایکدم سے اچھل کر بھاگنے لگا۔ ایسے میں دولہا اس کی پیٹھ سے ایسے گرا کہ پھر کبھی اٹھ نہ سکا۔ تب سے یہ چھاپ پڑ گئی کہ میری بیٹی نین کنول منحوس ہے۔''

''آپ نے نین کنول کی جنم کنڈلی تو بنائی ہوگی۔ کیا قسمت کی ریکھا اسے منحوس کہتی ہے؟''

''میں باپ ہوں۔ اپنی بیٹی کو جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اسے منحوس نہیں، بدنصیب کہتا ہوں۔ ہم سب کی زندگی میں نہ دکھ ہمیشہ رہتے ہیں نہ سکھ.... خوش نصیبی اور بدنصیبی باری باری آتی جاتی رہتی ہیں۔ لیکن سہاگن بننے کے معاملے میں بدنصیبی میری نینی کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ یہی اس کی جنم کنڈلی کہتی ہے۔''

وہ بتانے لگے کہ نینی کو کتنے ہی خوبرو جوان دل و جان سے چاہنے کے لئے آئے۔ ان میں سے وہ جسے بھی چاہتی تھی وہ کسی حادثے میں، بیماری میں یا کسی کی عداوت کے نتیجے میں مارا جاتا تھا اور جسے وہ نہیں چاہتی تھی، وہ مایوس ہو کر جاتا تھا اور زندہ سلامت رہتا تھا۔ وہ شائد دنیا کی پہلی لڑکی تھی، جس کی محبت مارتی تھی اور نفرت زندہ رکھتی تھی۔

باپ نے سمجھایا۔ ''میری بچی! تیرے نصیب میں کسی سے سنجوگ نہیں ہے۔ دنیا کی تمام خواہشات کو دل سے نوچ کر پھینک دے۔ جوگن بن کر رام کے نام کی مالا جپتی رہا کر۔''

بیٹی نے پوچھا۔ ''کیا میرے بھاگ (نصیب) میں جوگن بننا لکھا ہے؟''

باپ نے مایوس ہو کر کہا۔ ''نہیں... تیرا دل اور دماغ ازدواجی مسرتیں حاصل کرنا

چاہتا ہے۔تُو ایسی مسرتوں کے حصول سے باز نہیں آئے گی۔تیرا دھیان پوجا پاٹ میں نہیں لگے گا۔پھر بھی میں سمجھا رہا ہوں۔تجھے من چاہی خوشیوں سے محروم ہوتے اور مایوس ہوتے دیکھ نہیں سکتا۔''

یہ بات سب ہی جان چکے تھے کہ وہ ابھاگن ہے۔اسے چاہنے والے اس کی زندگی میں آنے والے اسے چھو بھی نہیں پاتے کہ موت آ کر انہیں اٹھا لے جاتی ہے۔اس لئے کہیں سے کوئی رشتہ کوئی برات نہیں آتی تھی۔تب نینی نے کہا۔''یہ ضروری نہیں کہ پہلے رشتہ طے ہو اور کوئی دولہا بن کر بینڈ باجے کے ساتھ آئے۔یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ پہلے کوئی مجھے پسند کرے پھر محبت کے نتیجے میں مارا جائے۔''

باپ نے پوچھا۔''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

اس نے کہا۔''جس سے میں نفرت کرتی ہوں وہ زندہ رہتا ہے۔کیا میری نفرت کے جواب میں وہ انتقاماً مجھے اٹھا کر نہیں لے جا سکتا؟ میں اس سے نفرت کرتی رہوں گی مگر اس کی سہاگن بن کر تو رہ سکوں گی۔''

یہ بڑا عجیب سا سوال تھا۔مگر دل کو لگنے والی اور کئی بار آزمائی ہوئی بات تھی کہ اس کی نفرت اس کے کسی بھی دیوانے کو زندہ رکھتی تھی۔پھر ایک دن ایسا ہی ہوا ایک دیوانہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا اور وہ اس سے راضی نہیں ہو رہی تھی۔لہٰذا وہ ایک روز اسے اٹھا کر لے گیا۔

اس نے واردات ایسے کی کہ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ہاتھ پاؤں باندھ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔پھر کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔اگر اس کے منہ میں کپڑا نہ ٹھونستا' تب بھی وہ چیخنے چلانے والی نہیں تھی۔اس کے تو من کی مراد پوری ہونے والی تھی۔

لیکن آگے جا کر گاڑی رک گئی۔پولیس انسپکٹر رات کے وقت راہگیروں کو لوٹنے اور مال کمانے کے لئے دو سپاہیوں کے ساتھ وہاں کھڑا ہوا تھا۔وہ ریوالور دکھا کر کار کو روکنا چاہتا تھا اور وہ دیوانہ رکنے والا نہیں تھا۔اس نے رفتار بڑھا کر وہاں سے نکل جانا چاہا' لیکن گولی چلتے ہی ایک پہیہ بے کار ہو گیا۔

اس دیوانے کی شامت آ گئی تھی۔اس نے کار سے نکلتے ہی جوابی فائر کئے۔ایک سپاہی مارا گیا۔دوسرا بھاگ گیا۔اس کے باوجود اس کی موت آ گئی تھی۔انسپکٹر کی ایک گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس نے ہلاک ہونے والے کی تلاشی لی۔اس کی جیب سے چار ہزار روپے نکلے۔پھر کار کی تلاشی لینے آیا تو پچھلی سیٹ پر نین کنول کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو گئیں۔نقدی کے ساتھ جوانی کا خزانہ بھی ہاتھ آ رہا تھا۔

اس نے پیچھے آ کر اس کے منہ سے کپڑا ہٹایا۔پاؤں کی رسیاں کھولیں۔پھر پوچھا۔''تم کون ہو؟ وہ بدمعاش تمہیں کہاں لے جا رہا تھا؟''

نینی نے کہا۔''میں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔میرے ساتھ جو سلوک کرنا ہے' کرو۔جہاں لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔''

اگر وہ ایسا نہ کہتی' تب بھی وہ اسے چھوڑنے والا نہیں تھا۔اسے کار سے نکال کر ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا سڑک سے دور جھاڑیوں کی طرف جانے لگا۔وہ بظاہر اسے غصہ دکھا رہی تھی۔گالیاں دے رہی تھی تاکہ اس کی نفرت اس ظالم کو زندہ رکھے۔

لیکن جنم کنڈلی نے جو کہہ دیا تھا' وہ بات تو پتھر کی لکیر تھی۔اچانک ہی انسپکٹر کے حلق سے چیخ نکلی۔وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ذرا فاصلے پر ایک سانپ رینگتا ہوا جھاڑیوں کے اندر گھس رہا تھا.... بدنصیبی منہ سے نہیں بولتی۔چپ چاپ تماشہ دکھا دیتی ہے۔

نینی نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔وہاں سے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی اپنے گھر کی طرف جانے لگی۔گھر بہت دور تھا۔راستے میں کتنے ہی لفٹ دینے والے مل سکتے تھے۔وہ ایسی کنواری حسینہ تھی' جسے کہیں بھی لٹ جانے کا ڈر نہیں تھا۔وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ شرابیوں اور ہوس کے پجاریوں کے درمیان جا کر بے لباس ہو جائے گی' تب بھی کوئی اسے برباد نہیں کر سکے گا۔برباد کرنے والوں کا ہی رام نام ست ہو جائے گا۔

بہرحال ایسی محرومیوں کے باعث اس پر ہسٹیریا کے دورے پڑنے لگے۔دورے ایسے شدید پڑتے تھے کہ وہ اپنے کپڑے پھاڑنے لگتی تھی۔پنڈت جی شرم سے منہ پھیر لیتے تھے۔انہوں نے بیٹی کا یہ المیہ سناتے ہوئے کہا۔''میں اس کا علاج جانتا ہوں۔اپنی مظلوم بیٹی کو ایسے شرمناک مرض سے نجات دلا سکتا ہوں۔''

وہ مجھے پرامید نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔''میرے پراسرار علم نے بتایا ہے کہ اس بدنصیب کا علاج صرف تم ہی کر سکتے ہو۔''

میں نے چونک کر پوچھا۔ ''میں....؟ میں کیسے علاج کرسکتا ہوں؟ کیا آپ کے علم نے میرا نام بتایا ہے؟ میری نشاندھی کی ہے کہ اس کا مسیحا میں ہی ہوں؟''

انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں... پراسرار علوم سے کسی کا نام پتہ ٹھکانہ معلوم نہیں ہوتا۔ بس اشارے ملتے ہیں۔ تمہارے بارے میں اشارے ملے کہ مسیحا وہی ہوگا جس کے ہاتھ میں لاٹھی اور جس کے ایک انگوٹھے میں لاوہ اسٹون والی انگوٹھی ہوگی۔''

یہ ماننے والی بات تھی کہ دونوں چیزیں میری پہچان بن گئی تھیں۔ میں نے کہا۔ ''اتنی بڑی دنیا میں نہ جانے وہ کون ہوگا جس کے پاس یہ لاٹھی اور انگوٹھی ہوگی۔ آپ نے کیسے معلوم کیا کہ وہ میں ہی ہوں؟ اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں اجمیر شریف آؤں گا تو یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہوں گی؟''

پنڈت جی نے کہا۔ ''ممبئی میں سونے کا ایک بہت بڑا بیوپاری اور اسمگلر سری واستو بڑبولا ہے۔ وہ میرے پراسرار علوم سے فائدہ اٹھانے کے لئے کبھی کبھی یہاں آتا ہے۔ اس نے پرسوں فون پر کہا کہ وہ پاکستان کے ایک شہر میں ہے۔ اپنے ایک بدترین مخالف عمیر بن غازی سے نمٹنے آیا ہے۔ غازی نے چالیس من سونا اور بے شمار خزانہ کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ کیا میں اپنے علم کے ذریعے اسے مطلوبہ خزانے تک پہنچا سکتا ہوں؟''

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ چھپے ہوئے خزانے تک کسی کو پہنچا سکتے ہیں؟''

''نہیں۔ میں نے بڑبولے سے کہا کہ میں کسی بھی چھپے ہوئے مال کا سراغ اس وقت لگا سکتا ہوں' جب اس چھپانے والے کی جنم کنڈلی پڑھنے کو ملے یا مجھے اس کا نام پتہ اور تاریخ پیدائش معلوم ہو۔ تب واستو نے تمہارا نام مجھے بتایا اور مکمل کوائف پیش کئے۔ اس طرح میں نے تمہاری جنم کنڈلی تیار کی۔ تمہاری ہنگاموں سے بھرپور زندگی کے بہت سے واقعات معلوم کئے۔''

''آپ یہ بتائیں' اس دشمن کو میرے متعلق کیا بتایا ہے؟''

''مجھ سے جتنا پوچھا جاتا ہے' اتنا ہی بتاتا ہوں۔ اس نے خزانے کے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا عمیر بن غازی مجرمانہ زندگی سے باز آگیا ہے۔ اس نے تمام خزانہ خدا کے سپرد کردیا ہے۔ میرا علم اب اس خفیہ خزانے تک نہیں پہنچ سکے گا۔''

میں نے مطمئن ہوکر پوچھا۔ ''آپ نے میرے متعلق کیسی کیسی اہم معلومات حاصل

کی ہیں؟''

''تم ماضی میں دوہری زندگی گزارتے رہے ہو۔ تم نے مجرمانہ زندگی گزارنے کے دوران بہت ہی خطرناک کیمیکل مادہ چرایا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے ممالک اور سی آئی اے والے تمہارے جانی دشمن ہوگئے ہیں۔ سلمان سعدی کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود انہیں شبہ ہے کہ تم کسی دوسرے بہروپ میں زندہ ہو۔''

''تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا ہے' اپنی اولاد کی نالائقی اور مخالفانہ مخالفتوں کے باعث میں سلمان سعدی کی حیثیت سے ظاہر ہونے والا ہوں۔ کیا کوئی ایسی تدبیر ہوسکتی ہے کہ بھید نہ کھلے؟''

انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''تمہارے لئے جان لیوا مسائل پیدا ہوں گے۔ اللہ والے اور بھگوان کی بھگتی کرنے والے یہی نصیحت کریں گے کہ حاضر دماغ رہا کرو اور اپنے خدا کو یاد کرتے رہا کرو۔''

''میں حاضر دماغ رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں' ذرا سی غفلت مجھے ہمیشہ کی نیند سلا دے گی۔ میرا خدا مجھ سے راضی ہے۔ مجھے بہت بڑا انعام بھی دے رہا ہے اور آزمائشوں سے بھی گزار رہا ہے۔ میں اُسے دن رات یاد کرتا ہوں۔ دشمن میرا پیچھا چھوڑیں گے تو اپنے معبود کو ہر سانس میں یاد کرتا رہوں گا۔''

''دوسروں کے کام آتے رہنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔ میری نینی کے کام آؤ۔ اسے ہسٹیریا کے پاگل کردینے والے مرض سے شفا دوگے تو یہ صرف نیکی ہی نہیں' بہت بڑی عبادت بھی ہوگی۔''

میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''آپ علاج بتائیں' میں دوا کروں گا۔''

وہ ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولے۔ ''علاج آسان ہے۔ دوا تم ہو۔ میری نینی سے شادی کرلو۔ اسے اپنی دلہن بنالو۔''

میں نے ایکدم سے چونک کر انہیں دیکھا۔ یہ اچانک ہی حیران کردینے والی بات تھی۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک باپ اپنی جوان بیٹی کو ستر سالہ بوڑھے کی دلہن بنانے کی بات کرے گا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ نینی کا سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دروازے کی آڑ میں سر جھکائے کھڑی تھی۔

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''آہ! کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میری عمر دیکھیں' وہ میرے سامنے ایک بچی ہے۔''

انہوں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ''تم بوڑھے نہیں ہو۔ بظاہر ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو' لاٹھی ٹیک کر چلتے ہو۔ لیکن اپنی سلامتی کے لئے جب دشمنوں سے لڑتے ہو اور جب کسی کو محبت دیتے ہو تو جوانوں سے زیادہ جوان اور شہ زور بن جاتے ہو۔''

وہ درست کہہ رہے تھے۔ بابر بلے جیسے باڈی بلڈر سے لڑتے وقت میں جیسے سپر مین بن گیا تھا۔ میں نے اسے چیونٹی کی طرح مسل دیا تھا۔ پھر اسے ختم کرنے کے بعد اچانک ہی بڑھاپا اور کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔

میری نگاہوں کے سامنے حجاب آ گئی۔ مجھے یاد آیا کہ اس سے رخصت ہوتے وقت میں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔ ان لمحات میں ایسے جذبات' ایسی توانائیاں محسوس کی تھیں کہ میرے اندر سے بڑھاپا یکسر فنا ہو گیا تھا۔

پنڈت جی نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟ جب قدرتی طور پر بڑھاپا جا رہا ہے اور تم جوانی کی طرف پلٹ کر آ رہے ہو تو پھر میری بیٹی کے معاملے میں عمر کا حساب نہ کرو۔''

''آپ نہیں جانتے' میری اس ہنگامہ خیز زندگی میں ایک پیار کرنے والی بھی ہے۔ وہ جلتی دھوپ میں میرے لئے ٹھنڈی چھاؤں ہے۔ وہ میری دلہن بننے والی ہے۔''

ایسا کہتے وقت حجاب نگاہوں کے سامنے مسکرا رہی تھی۔ پنڈت جی نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ اس پیار کرنے والی کو پیار دو' محبتیں دو' اسے دلہن بناؤ۔ مگر تمہارے دھرم میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت ہے' پھر یہ کہ میری بیٹی سے شادی گویا انسانی ہمدردی ہو گی۔ تم اس کی زندگی میں ڈاکٹر بن کر آؤ گے۔''

''ہمارے دین میں عیش و عشرت کے لئے دوسری شادی کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ جب پہلی بیوی ازدواجی وظیفہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو یا وہ دائمی مریضہ بن چکی ہو' تب دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے۔''

میں ایسا کہتے کہتے رک گیا۔ ایکدم سے یاد آیا کہ حجاب ایڈز کی مریضہ ہے۔ اسے میں علاج کے لئے لندن بھیج رہا ہوں۔ ایسے موذی مرض سے اسے نجات مل بھی سکتی تھی اور نہیں بھی مل سکتی تھی۔ یوں شادی سے پہلے ہی حالات کہہ رہے تھے کہ وہ ازدواجی وظیفہ ادا کرنے

کے قابل نہیں ہے۔ جب قابل ہو گی تو شادی ہو گی۔ ابھی تو میں ایک حالات کی ماری مظلوم نینی کو ہسٹیریا کے مرض سے نجات دلا سکتا تھا۔

کھلی حقیقت یہ تھی کہ میں ڈاکٹر تو نہیں تھا۔ حجاب کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن نینی ایسی مریضہ تھی' جس کا علاج میرے ذریعے ممکن تھا۔ ایسا سوچتے وقت حجاب کی اہمیت کم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تو میری سانسوں کے ساتھ دھڑکتی رہتی تھی۔ ابھی سوال نینی کا تھا... کیا میں اس کی بدنصیبی اور دلدّر دور کر سکتا تھا؟ اسے کوئی سہاگن نہیں بنا سکتا تھا' کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا تھا۔ کیا میں پکڑ سکتا تھا؟

پھر میں نے ایکدم سے چونک کر پنڈت جی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نینی کی زندگی میں کوئی محبت سے جائے یا نفرت سے.... زندہ نہیں رہتا۔ موت دلہن بن کر اسے لے جاتی ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں' میں دولہا بن کر اس کے پاس جاؤں اور بے موت مر جاؤں؟''

''میں نے اپنے پراسرار علم سے معلوم کیا ہے۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ تم اسے قبول کرنے کے بعد بھی زندہ رہو گے۔''

''دوسرے زندہ نہیں رہتے پھر میں سلامت کیسے رہ جاؤں گا؟''

''اس لئے کہ وہ لاٹھی اور وہ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی صرف تمہارے پاس ہے۔''

میں نے اپنے عصاء کو اور انگوٹھی کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ ''یہ دونوں چیزیں اب تک تمہیں دشمنوں سے اور ناگہانی آفتوں سے بچاتی آ رہی ہیں۔ یہ نینی کے منفی اثرات کا بھی توڑ کریں گی۔ اس کے طلبگار بننے والوں کے ساتھ جو ہو چکا ہے' وہ تمہارے ساتھ نہیں ہو گا۔''

میں نے انگوٹھی کو چوم لیا۔ عصاء کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ پھر کہا۔ ''بیشک۔ مجھے نینی کے کام آنا چاہئے۔ مگر شادی خانہ آبادی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بیوی بچوں کا اضافہ ہو گا۔ ہندوستان میں ایک فیملی ہو گی۔ میری ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی۔''

''کچھ ذمہ داریاں بڑھیں گی۔ لیکن میں تمہیں پریشان ہونے نہیں دوں گا۔ یہاں نینی کے پاس اتنا دھن' اتنی جائیداد ہے کہ وہ یہاں تمہاری توجہ کی محتاج نہیں رہے گی۔ ویسے میں جو بات کہنے جا رہا ہوں' اسے سن کر تم شادی کے لئے راضی ہو جاؤ گے۔''

میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ بولے۔ ''سیدھی سی بات ہے' میں اپنے دھرم کے انوسار چلنے والا ہندو پنڈت ہوں۔ اپنی بیٹی ایک مسلمان کو دوں گا تو ذات برادری

سے جاؤں گا۔ پھر کوئی مجھے کٹر برہمن پنڈت تسلیم نہیں کرے گا۔"

"تعجب ہے پھر آپ شادی کے لئے کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"نینی کے لئے سہاگن بننے کے سلسلے میں جو نحوست ہے' اس کا توڑ یہی ہے کہ پہلے تم اسے سہاگن بناؤ۔ اس کی جنم کنڈلی کہتی ہے' اس کے بعد نحوست ختم ہوجائے گی۔ تم اسے طلاق دے دوگے تو پھر وہ کسی کے ساتھ بھی شادی کر کے ازدواجی زندگی گزار سکے گی۔"

میں نے مطمئن ہوکر عصاء کو فرش پر مارتے ہوئے کہا۔"پھر تو میں راضی ہوں۔ آج شادی کروں گا کل طلاق دے دوں گا۔ آپ فرمائیں کیا یہ منظور ہے؟"

پنڈت جی نے سر ہلا کر کہا۔"میرے علم کے مطابق یہی ہونا ہے۔ کبھی کبھی تقدیر کا لکھا بدل جاتا ہے۔ جو ہونا ہے' وہ نہیں ہوتا کچھ اور ہوجاتا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ کیا ہونے والا ہے؟"

میرا دست راست وجے کھنہ میک اپ کا سامان اور دوسری چیزیں لے آیا تھا۔ میں اپنا چہرہ اور حلیہ بدلنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

میرے دونوں بیٹے مراد اور سلطان کی آدھی جان نکل چکی تھی۔ میں نے فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر ڈائری اور فائل میرے حوالے نہیں کریں گے تو دونوں کی ایک ایک آنکھ اور ایک ایک گردہ نکلوا دیا جائے گا۔ یوں وہ ساری زندگی اپاہج بن کر رہیں گے۔ میرا یہ فیصلہ ان کی ہر سانس میں گولی کی طرح لگ رہا تھا۔

ایسی سزا پانے کے بعد وہ مرنے والے نہیں تھے۔ مگر ہیبت سے مر رہے تھے۔ یہ یقین تھا کہ ان کی ایک ایک آنکھ اور ایک ایک گردہ ضرور نکالا جائے گا۔ کیونکہ وہ ڈائری اور فائل واپس نہیں کر سکتے تھے اور میں اپنا فیصلہ واپس لینے والا نہیں تھا۔

وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ کبھی بیٹھ رہے تھے' کبھی اٹھ کر ٹہل رہے تھے۔ ایک جگہ سکون سے رہ نہیں پا رہے تھے۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ وہاں سے بھاگ کر میری پہنچ سے بہت دور چلے جاتے۔

سلطان نے جھنجھلا کر کہا۔"یہ بابا جانی شیطان سے بھی زیادہ شیطان ہیں۔ پہلے بھی ہم سے مات کھاتے کھاتے' ہماری مٹھی میں آتے آتے ہم پر غالب آگئے تھے۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے۔"

مراد نے کہا۔"ابھی اس لئے غالب آگئے ہیں کہ وہ ڈائری اور فائل ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے' یہ کیا جادوئی تماشہ ہوگیا؟ بند کمروں سے ہماری اتنی اہم چیزیں کیسے چوری ہوگئیں؟"

سلطان نے کہا۔"کچھ تو عقل کام کرے' کچھ تو سمجھ میں آئے کہ چور کون ہے؟ کس طرح بند کمروں سے چیزیں چرا کر لے گیا ہے؟ اس نے ہم سے دشمنی کیوں کی ہے؟ وہ فائل اور ڈائری کہاں لے گیا ہوگا؟ اس سے کیا فائدہ اٹھا رہا ہوگا؟"

ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات گونج رہے تھے اور جواب ایک کا بھی نہیں مل رہا تھا۔ مراد نے ایک جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔"نہ چور ملے گا' نہ چوری کا مال ملے گا۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ وہ غیب سے یہاں آجائے گا۔ سونے کی تھال میں ہمارا مال ہمیں واپس کردے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو' ہمیں تو صرف بابا جانی کے شکنجے سے نکلنے کی فکر کرنی چاہئے۔ وہ چوبیس گھنٹوں لے بعد ہماری آدھی موت بن جائیں گے۔"

"اب تو چوبیس گھنٹے بھی نہیں رہے۔ گھڑی دیکھو چار گھنٹے کم ہوچکے ہیں۔ بیس گھنٹوں کے اندر اندر ہمیں کسی بھی طرح اس بڈھے سے نجات حاصل کرنی ہوگی۔"

سلطان نے کہا۔"ہمارے لئے نجات کا ایک ہی راستہ ہے۔ ہم سی آئی اے والوں کی پناہ میں چلے جائیں۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ انہیں بتانا ہوگا کہ ہمارا باپ' ہمیں مار ڈالنا چاہتا ہے۔"

"یہ بھی بتانا ہوگا کہ باپ اپنے بیٹوں کا دشمن کیوں بنا ہوا ہے؟ ڈائری' فائل اور تصویروں کا ذکر بھی کرنا ہوگا۔"

"ہم کریں گے' اپنی جان بچانے کے لئے انہیں بتائیں گے کہ بڈھا بہروپیا ہے۔ پہلے سلمان سعدی کی حیثیت سے زندگی گزارتا رہا ہے۔"

اس نے سلطان کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔"یہ ہوئی ناں بات.... سی آئی اے والے اور نہ جانے کتنے دشمن اس بڈھے کے پیچھے پڑجائیں گے۔ اسے بھاگنے کا راستہ اور چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔"

"ہم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن جائیں گے۔ ہمیں قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔"

مراد سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اپنی انگلی کا ایک ناخن چبانے لگا۔ سلطان نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''ہمیں تحفظ تو حاصل ہوگا۔ مگر جب تک سلمان سعدی یعنی ہمارا باپ گرفتار نہیں ہوگا' تب تک سی آئی اے والے ہمیں زیرِ حراست رکھیں گے اور وہ آسانی سے ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ مہینوں اور برسوں انہیں دوڑاتا رہے گا۔ تب تک ہم قیدی بنے رہیں گے' سی آئی اے والوں کی کڑی نگرانی میں رہیں گے۔ ہماری آزادی ختم ہوجائے گی۔''

''آزادی گئی جہنم میں' ہماری آنکھیں اور گردے تو ہمارے پاس رہیں گے۔''

''ہاں۔ ہم اپاہج اور عیبی بن کر زندگی نہیں گزاریں گے...اور ایک آدھ گھنٹہ اچھی طرح سوچ لو۔ پھر ہم قانون کے محافظوں سے رابطہ کریں گے۔''

وہ بڑی حد تک مطمئن ہوگئے۔ انہیں بچاؤ کا ایک راستہ مل رہا تھا۔ مراد نے کہا۔ ''فکر اور پریشانی میں ہم کھانا پینا بھول گئے ہیں۔ بھائی کچھ کھانے کا آرڈر دو۔''

سلطان اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ہوٹل کی سروس سے رابطہ کرنے کے لئے ریسیور اٹھانا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ اس نے مراد کو دیکھا پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہیلو...!''

ایک بڑی ہی کھنکتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔ ''ہائے۔ کیا دونوں بھائی سر پکڑے بیٹھے ہو؟''

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ ''ہم کیوں سر پکڑے بیٹھیں گے؟ کون ہو تم؟''

وہ بولی۔ ''میں نے شائد رانگ نمبر ڈائل کیا ہے۔ مجھے تو ان سے بات کرنی ہے۔ جن کے خالی مقفل کمروں سے مال چرایا گیا ہے۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''جسٹ آ منٹ...فون بند نہ کرنا۔ میں ابھی بات کرتا ہوں۔''

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مراد سے کہا۔ ''کوئی عورت ہے، یہ جانتی ہے کہ ہمارے مقفل کمروں سے چیزیں چرائی گئی ہیں۔''

مراد نے قریب آ کر کہا۔ ''وائڈ اسپیکر آن کرو۔''

اس نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر وائڈ اسپیکر آن کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ رانگ نمبر نہیں ہے۔ تم کون ہو؟ یہ کیسے جانتی ہو کہ ہمارے مقفل کمروں سے چیزیں چرائی گئی ہیں؟''

''یہ صرف میں ہی جان سکتی ہوں۔ کیونکہ وہ واردات میں نے ہی کی ہے۔''

''کیا...؟'' دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

مراد نے پوچھا۔ ''تم نے واردات کی ہے؟ کون ہو تم؟ ایسی چیزیں کیوں چرائی ہیں جو صرف ہمارے کام کی ہیں؟''

سلطان نے کہا۔ ''وہ ڈائری اور فائل تمہارے کسی کام نہیں آئیں گی۔ انہیں واپس کردو۔ ہم تمہیں پچاس ہزار امریکی ڈالرز دیں گے۔''

وہ بولی۔ ''تم کہتے ہو' یہ چرائی ہوئی چیزیں میرے کسی کام کی نہیں ہیں اور خود ہی پچاس ہزار ڈالرز کا فائدہ بھی پہنچا رہے ہو۔''

مراد نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں اس سے بھی زیادہ رقم کہیں سے ملنے والی ہے؟''

''میری نظروں میں رقم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اپنی اپنی بولی لگاؤ۔ میں خرید لوں گی۔''

دونوں بھائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے پوچھا۔ ''تم آخر کون ہو؟ اپنے متعلق کچھ تو بتاؤ؟''

''میرے بارے میں بھی رفتہ رفتہ جان لوگے۔ یہ بتاؤ' تمہارا باپ ڈائری اور فائل کا مطالبہ کر رہا ہے؟''

سلطان نے جلدی سے کہا۔ ''کر رہا ہے' ہماری جان کا دشمن ہوگیا ہے۔ بیس گھنٹوں کی مہلت دی ہے۔ اگر ہم نے وہ چیزیں واپس نہ کیں تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''میں جانتی ہوں' وہ انگاروں پر لوٹ رہا ہوگا۔ ڈائری اور فائل حاصل کرنے کی خاطر اپنے بچوں کو بھی مار ڈالے گا۔''

''تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ مقررہ وقت گزرنے کے بعد وہ ہمارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہے؟''

سلطان نے کہا۔ ''وہ ہماری ایک ایک آنکھ اور ایک ایک گردہ نکلوا دے گا۔''

''بیشک۔ تمہارا باپ قصائی ہے۔''

''تم اسے کیسے جانتی ہو؟ کیا اس بڈھے سے ہماری جان چھڑا سکتی ہو؟''

''میں بہت کچھ کرسکتی ہوں۔ اس کی بہت بڑی کمزوری ہاتھ آ گئی ہے۔ تم دونوں انجانے میں ہی سہی' اسے پھانسنے کے سلسلے میں میرے بہت کام آئے ہو۔ لہٰذا میں بھی تمہارے

کام آؤں گی۔"

انہوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے پوچھا۔"فار گاڈ سیک۔ ہمیں بتاؤ' تم کون ہو؟ ہمارے باپ کے معاملے میں کتنی پاورفل ہو؟ کیا واقعی ہمیں اس کے عتاب سے بچا سکو گی؟"

"یہ نہ پوچھو کہ تمہارے باپ کے مقابلے میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں بولتی نہیں ہوں بولنے والی بات کر کے دکھاتی ہوں۔ اپنا سامان پیک کرو۔ مسلح گارڈز تمہیں لینے آئیں گے۔ جب فون کروں تو ان کے ساتھ چلے آنا۔"

وہ پوچھنا چاہتے تھے کہ انہیں وہاں سے کہاں لے جایا جائے گا؟ لیکن اس نے کہا۔"آگے کوئی سوال نہ کرنا۔ اپنے باپ کا موجودہ فون نمبر بتاؤ؟"

انہوں نے میرے نمبر بتائے۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہے پھر سلطان نے کہا۔"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسی غیبی مدد حاصل ہو گی۔"

مراد نے کہا۔"یقین نہیں آ رہا ہے کہ ایک قصائی باپ سے نجات ملنے والی ہے۔"

"مگر یہ عورت ہے کون؟"

"ہمارے باپ سلمان سعدی کی مجرمانہ زندگی سے تعلق رکھنے والی کوئی تیز طرار عورت لگتی ہے۔ صاف پتہ چل رہا ہے' وہ بابا جانی کے خلاف انتقامی کارروائی کر رہی ہے اور ان کا سراغ لگا رہی ہے۔"

"اگر اس نے ہمیں بھرپور تحفظ دیا تو ہم یہ بھی بتا دیں گے کہ وہ پاکستان کے شہر لاہور میں ہیں۔"

"ہمیں منفی پہلو پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو' ہم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جائیں۔ وہ عورت' ہمیں قیدی بنا کر بابا جانی کے خلاف استعمال کر سکتی ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کیا کر سکتی ہے؟ فی الحال تو اپنی آنکھیں اور گردے بچاؤ۔ سامان پیک کرو۔"

وہ اپنی اپنی اٹیچی اٹھا کر سامان سمیٹتے ہوئے بڑبڑانے لگے۔"جل تُو جلال تُو.... آئی بلا کو ٹال تُو...."

☆☆☆

میں اپنا چہرہ اور حلیہ بدلنے کے لئے دوسرے کمرے میں آیا۔ پنڈت دینا ناتھ نے کہا۔"جب تک میرے گھر میں ہو' تب تک چہرہ تبدیل نہ کرو۔ یہاں کوئی تمہارا دشمن نہیں آئے گا۔ اگر آئے گا تو تمہیں یہاں سے بہ حفاظت نکالنے کے لئے چور راستہ ہے۔"

اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ میں نے کہا۔"مجھے آج کی رات یہاں گزار کر صبح جانا چاہئے۔"

"صبح سے پہلے اپنی اہم ذمہ داری پوری کرو گے۔ میری بیٹی کو دلہن بناؤ گے۔"

"ہاں۔ مگر میرے دین اور شریعت کے مطابق وہ اسلام قبول کرے گی۔ کلمہ پڑھے گی' تب اس سے نکاح قبول کروں گا۔"

"تمہارا ایمان جو کہتا ہے' وہی ہو گا۔ میں اپنی بیٹی کو نحوست اور ہسٹیریا کے مرض سے نجات دلانے کے لئے تمہاری ہر بات مانتا رہوں گا۔ اصولاً تم بھی میری جائز باتیں مانتے رہو گے۔"

"فرمائیں.... مجھ سے اور کیا چاہتے ہیں؟"

"تمہاری بہتری کے لئے چاہتا ہوں' کل یہاں سے نہ جاؤ۔ اپنا چہرہ اور حلیہ بدلنے کے باوجود تم پہچانے جاؤ گے۔"

"میں کل نہ جاؤں۔ دو چار دنوں کے بعد جاؤں تو کیا فرق پڑے گا؟"

"پہلی بات تو یہ کہ یہ انگوٹھی اور لاٹھی تمہاری پہچان بن گئی ہے۔ تم کل تک سلمان سعدی کی حیثیت سے ظاہر ہو جاؤ گے۔ جو ذرائع تمہارا بھید کھولیں گے' ان سے یہ معلوم ہو گا کہ تم اپنے ساتھ ایک لاٹھی رکھتے ہو اور لاوہ اسٹون والی انگوٹھی پہنتے ہو۔"

میں نے قائل ہو کر کہا۔"ہاں۔ تمام دشمن ماں کے دودھ کی طرح میری یہ پہچان یاد رکھیں گے۔"

"سوچو پھر کیا کرو گے؟ یہ دونوں تمہارے لئے اہم ہیں۔"

وہ دونوں چیزیں میری آتی جاتی سانسوں کی طرح اہم تھیں۔ میں ان سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ کیا کروں؟ انہیں کس طرح اپنے ساتھ رکھوں؟

پنڈت جی نے کہا۔"انگوٹھی تو تم کسی بھی طرح چھپا کر رکھ سکتے ہو۔ گھر کی چار

دیواری میں تنہائی میں اسے پہن سکتے ہو۔لیکن لاٹھی کو کہیں چھپا نہیں سکو گے۔''

میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔سوچنے لگا۔انہوں نے کہا۔''کچھ ایسا ہو کہ باہر نکلو تو لاٹھی تمہارے ہاتھوں میں نہ ہو۔مگر تمہارے ساتھ ہو۔تم سے کچھ فاصلے پر ہی سہی تم سے قریب رہا کرے۔''

میں نے کہا۔''ایسا ہو سکتا ہے۔آئندہ میں جب بھی باہر نکلوں گا تو میرا ایک جانثار مجھ سے کچھ فاصلے پر رہا کرے گا۔میرا یہ عصاء وہ سنبھالے گا۔جب حالات مجبور کریں گے اور یہ میرے لئے انتہائی ضروری ہو جائے گا تو وہ اسے میرے پاس پہنچا دے گا۔''

فی الحال یہی تدبیر میرے لئے قابل عمل تھی۔پنڈت جی نے کہا۔''ابھی تو یہ مشکل کسی حد تک آسان ہوگئی ہے۔آئندہ یہ طریقہ بھی اختیار کر کے دیکھو کہ لاٹھی تمہارے گھر میں رہے گی تو تم باہر اچھے برے حالات سے بخیریت گزر سکو گے یا نہیں؟''

''ہاں۔میں عصاء کی دوری اور قربت کو طرح طرح سے آزماؤں گا اور یوں آزمانے کے لئے مجھے کل ہی سے باہر نکلنا ہوگا۔''

پنڈت جی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔''کل سے تمہارے حالات انتہائی سنگین ہونے والے ہیں۔لاٹھی اور انگوٹھی کے علاوہ ایک اور تمہاری شناخت ایسی ہے کہ دشمن تمہیں دور سے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔تم بھیس بدلنے کے باوجود ان سے بچ نہیں سکو گے۔''

میں نے انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔انہوں نے کہا۔''وہ ادھر بڑا سا آئینہ ہے۔اس کے سامنے جاؤ اور خود کو دیکھو۔''

میں نے سر گھما کر آئینے کی طرف دیکھا۔پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے روبرو آ گیا۔وہاں خود کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہی معلوم ہوا کہ یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ مجھے دشمنوں سے چھپنے نہیں دے گا۔میں ہزار بھیس بدلنے کے باوجود پہچانا جاؤں گا۔

انہوں نے مسکرا کر کہا۔''تم انگوٹھی کو لباس میں چھپا سکتے ہو' لاٹھی کو گھر کی چار دیواری میں چھوڑ سکتے ہو۔اس ڈھانچے کو کیسے چھوڑو گے؟ اسے کہاں چھپاؤ گے؟ کیسے چھپاؤ گے؟''

میں نے آئینے سے منہ پھیر لیا۔واپس آ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔''بڑی مشکل ہے۔جب اس ڈائری سے اور اس سے ملنے والی تصویروں سے ثابت ہو جائے گا کہ میں ہی سلمان سعدی ہوں تو لاہور میں انکوائری کرنے والوں کو میرے رشتے داروں سے' دیگر احباب

سے اور خاص طور پر میرے ان دو کم بخت بیٹوں سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔''

یہ ایسی قدرتی شناخت تھی' جس پر میں چادر نہیں ڈال سکتا تھا۔کسی بھی تدبیر سے اپنے بدن میں گوشت نہیں بھر سکتا تھا۔عارضی دوائیں مل جاتی ہیں۔ان کے استعمال سے بدن پھول جاتا ہے۔مگر اندر سے کھوکھلا رہتا ہے۔ایسی دوائیں جسمانی طور پر کمزور کر دیتی ہیں۔

وہ میری پریشانی پر مسکرا رہے تھے۔نظریں ملیں تو ہنستے ہوئے کہنے لگے۔''ہماری دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔یہاں ایک آیورویدک علاج کرنے والے وید مہاراج ہیں۔ان کی دوائیں استعمال کرو گے اور مگرمچھ کے تیل سے پورے جسم کی مالش کراتے رہو گے تو چند ہی دنوں میں اچھے خاصے صحت مند نظر آنے لگو گے۔اتنا تو ہوگا کہ تمہیں ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں کہا جائے گا۔''

میں نے خوش ہو کر کہا۔''آپ اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں۔میرا خون بڑھ رہا ہے۔میں آج ہی وہ دوائیں اور مالش کا تیل استعمال کروں گا۔''

''آج سے نہیں' کل سے...آج تم میرے داماد بنو گے۔قاضی عبدالقدوس میرے بچپن کے دوست ہیں۔وہ یہاں آ کر رازداری سے نین کنول کو کلمہ پڑھائیں گے۔تم دونوں کا نکاح پڑھائیں گے۔آئندہ حالات سازگار ہوں گے تو میں مسلمان سے اپنی بیٹی کی شادی کا اعلان کروں گا۔ورنہ مجبوراً میری بیٹی کی شادی اور ازدواجی زندگی ہمیشہ چھپائی جائے گی۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے بولے۔''میں قاضی عبدالقدوس کو ساتھ لیتا آؤں گا اور وید مہاراج سے بھی ملوں گا۔میں کسی دشمن کو اپنے داماد کی پرچھائیں تک بھی نہیں پہنچنے دوں گا۔''

وہ کمرے سے جا رہے تھے۔میں بڑی محبت اور عقیدت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔اگرچہ ان کی یہ پیشگوئی فکر اور پریشانی بڑھا رہی تھی کہ میں سلمان سعدی کی حیثیت سے ظاہر ہونے والا ہوں۔تاہم ان کی حفاظتی تدابیر سے' بھرپور تعاون سے اور گہری اپنائیت سے میرا حوصلہ بڑھ رہا تھا۔یہ اطمینان حاصل ہو رہا تھا کہ دشمنوں سے بچ کر رہ سکوں گا اور ان کے خلاف جوابی کارروائی کر سکوں گا۔

انہوں نے نین کنول کے پاس جا کر کہا۔''میں جانتا ہوں' تم ہماری باتیں سن رہی

تھیں۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ ہمارے مہمان کا دین قبول کر کے ہی نہ ٹلنے والی نحوست اور بیماری سے نجات حاصل کرسکتی ہو۔"

اس نے کہا۔ "آپ مہا گیانی ہیں۔ آپ کا علم یہ کہتا ہے کہ مجھے مسلمان ہوجانا چاہئے تو میں راضی ہوں۔"

انہوں نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خوش رہو۔ سدا سہاگن رہو۔ یہاں شادی کی دھوم دھام نہیں ہوگی۔ کوئی جوان یا بوڑھی عورت تمہیں دلہن کی طرح سنوارنے نہیں آئے گی۔ جاؤ اشنان کرو۔ خود ہی بن سنور کر دلہن کا جوڑا پہن لو۔ میں قاضی عبدالقدوس کو بلانے جا رہا ہوں۔"

وہ اسے دعائیں دیتے ہوئے باہر چلے گئے۔ ہندوؤں کے محلے میں بڑی رازداری سے شادی ہونے والی تھی۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے دلہن بننے کے لئے ایک کمرے میں چلی گئی۔ میں سر جھکائے سوچ رہا تھا۔ حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ اس رات میری زندگی میں ایک دلہن آرہی تھی اور اسی رات یا اس کی صبح تک بیشمار دشمن میری طرف لپکنے والے تھے۔

ایسا سوچتے ہی دشمن جیسے شور مچاتے ہوئے آگئے۔ میں خیالات سے چونک گیا۔ فون کی کالنگ ٹون شور مچا رہی تھی۔ میں نے وہاں سے اٹھ کر فون نکالا۔ اس کی ننھی سی اسکرین پر کسی اجنبی کے نمبر تھے۔

میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو...فرمائیے...!"

دوسری طرف سے ایک نسوانی کھنکتی ہوئی سی ہنسی سنائی دی۔ پھر اس ہنسنے والی نے پوچھا۔ "ہائے میرے دلدار! تُو کون ہے سلمان یا عمیر....؟ سعدی یا غازی...؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "بولو حریکا! میں کوئی بھی ہوں۔ تم تو وہی بولو گی، جو بولنے آئی ہو۔"

اس نے چہکتے ہوئے کہا۔ "ہائے میں خوشی سے مرجاؤں گی۔ اتنی مدت کے بعد بھی تم نے مجھے یاد رکھا ہے۔ میری آواز سن کر پہچان گئے۔"

"میری ایک بری عادت ہے، میں دشمنوں کو کبھی نہیں بھولتا۔ آخری بار تم نے کہا تھا کہ زہریلی ناگن ہو، کسی دن مجھے ڈس لوگی۔"

"تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے اور میں زبان کی پکی ہوں۔ وہ ڈسنے والا دن

آ گیا ہے۔ مگر قسم لے لو ڈسنے نہیں آئی ہوں۔"

"پتہ نہیں، تم کس نیت سے آئی ہو؟ مگر میں انتظار کر رہا تھا۔ میری شامت آنے والی ہے۔ وہ شامت کوئی بھی ہوسکتی تھی۔ کہیں سے بھی آسکتی تھی۔ لہٰذا تم آگئیں۔"

"میں آگئی۔ تم بھی آجاؤ یا مجھے بلالو۔ بولو کہاں ہو؟"

"کیا میں بتادوں گا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "نہیں بتاؤ گے۔ تمہارے دو بیٹے پاکستان سے بھاگ کر طرابلس آئے ہیں۔ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ تم پاکستان میں یا مڈل ایسٹ میں کہیں ہو۔"

"اچھا تو تم میرے ان خبیث بیٹوں تک پہنچ گئی ہو۔ میرا یہ فون نمبر انہی سے حاصل کیا ہے؟"

"ہاں۔ بڑے کام کے بچے ہیں۔ تم ان کی آنکھیں اور گردے نہیں نکال سکو گے۔ وہ میری پناہ میں آگئے ہیں۔"

"تم نے موقع ملتے ہی چھینا جھپٹی شروع کردی۔ میرے مجرموں کو چھین کر لے گئی ہو۔"

"تم کہو گے تو واپس کردوں گی۔"

"میں تمہارا احسان نہیں لوں گا۔"

"وہ تو لے رہے ہو۔ کیا یہ احسان نہیں ہے کہ میں نے تمہاری ڈائری اور تصویریں میسونی تنظیم اور سی آئی اے والوں تک نہیں پہنچائی ہیں؟"

"میں جانتا ہوں، ابھی مجھ سے مایوس ہونے کے بعد پہنچا دوگی۔ تم یقیناً سودے بازی کے لئے آئی ہو؟"

"یقین کرو، سب سے پہلے تو میں دل کا سودا کرنے آئی ہوں۔ مجھے اپنی آغوش میں بلالو۔"

"میں اپنی آغوش میں موت کو بلاسکتا ہوں، مگر ایسی عورت پر تھوکنا بھی نہیں چاہوں گا، جو مسلمان سے یہودی بن گئی ہو۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جب سے تمہارا سراغ ملنے لگا تھا، تب سے میں یہ خوشخبری سنانے کے لئے بے چین تھی کہ پھر مسلمان ہوگئی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "کتنے دنوں کے لئے ہوئی ہو؟ تم نے ایک بار کہا تھا کہ عورت پانی

کی طرح ہوتی ہے۔ جس ساخت کے برتن میں جاتی ہے۔ اسی ساخت میں ڈھل جاتی ہے۔ مسلم، ہندو، یہودی، عیسائی... جس مرد کے پاس جاتی ہو۔ اسی کا مذہب قبول کر لیتی ہو۔''

''اب بھی یہی کہتی ہوں، اپنی دھڑکنوں سے لگا کر رکھو۔ میں مسلمان بن کر رہوں گی۔''

''یعنی میری اہمیت ہے، دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ میں قبول کروں گا تو مسلم رہو گی۔ ورنہ کسی اور رنگ میں رنگ جاؤ گی؟ سوری... گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والوں کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

وہ چپ تھی۔ میری باتوں سے مایوس ہو رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''یہ باتیں رہنے دو۔ آگے اپنے مطلب کی بات کرو۔''

''کیا تمہیں اندازہ ہے، مجھ سے دوستی نہ کر کے کس طرح پچھتاؤ گے؟''

''مجھے اندازہ ہی نہیں، یقین ہے کہ میسونی تنظیم والے میری ڈائری اور تصویریں لاکھوں ڈالرز میں تم سے خرید لیں گے۔ میرے خلاف سی آئی اے والوں کے لئے بھی مخبر بن کر لاکھوں کماؤ گی۔''

''تمہارے حساب سے بھی زیادہ میری کمائی ہو گی۔ تم میرا فائدہ نہیں، اپنا نقصان سوچو۔ بڑے بڑے ممالک کے آرمی اور انٹیلی جنس والے ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے تمہیں الٹا لٹکا دیں گے۔ تمہاری کھال کھینچ لیں گے۔''

''میرے ساتھ ایسا ہو سکے گا یا نہیں؟ یہ دیکھنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گی۔ تم میری نہیں، اپنی فکر کرو۔ اگر وہ ڈائری کسی کے حوالے کرو گی اور شہزادہ سلمان سعدی دوبارہ زندہ ہو جائے گا تو سمجھ لو کہ وہ درندہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ تم لاکھوں ڈالرز اپنی قبر میں نہیں لے جا سکو گی اور میں تو ایسے ماروں گا کہ کہیں تمہاری قبر بھی نہیں بنے گی۔''

''ہائے... تمہاری یہی درندگی میری جان لیتی رہتی ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ جتنے دن گزارے تھے، انہیں کبھی بھول نہیں پاتی۔ وعدہ کرتی ہوں، یہ ڈائری کسی کے حوالے نہیں کروں گی۔ اپنی یہ امانت لینے کے لئے آ جاؤ یا مجھے اپنے پاس بلاؤ۔''

میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ ''کیا یہ بھول جاؤں کہ تم نے ایک بار مجھے ڈسنے کی کوشش کی تھی؟''

وہ بڑے پیار سے بولی۔ ''بھول جاؤ۔ محبت اور جنگ میں ایسا ہوتا ہے۔ بھول جاؤ

اور مجھ پر ایک بار بھروسہ کرو۔ ہم دونوں مل کر سلمان سعدی کو زندہ نہیں ہونے دیں گے۔ میں تمام دشمنوں کو اندھا بنا کر عمیر بن غازی کے ساتھ زندگی گزاروں گی۔''

''میں ایک بار اس شرط پر بھروسہ کروں گا کہ پہلے تم میری طرف نہیں آؤ گی۔ جہاں کہوں گا، وہاں ڈائری فائل اور تصویریں پہنچاؤ گی۔''

''سوری سلمان! تم مجھ سے بھی زیادہ جھوٹے اور دغا باز ہو۔ یہ میں ہی نہیں، تمہارے تمام مخالفین کہتے ہیں کہ مکاری اور چالبازی میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔''

''ابھی تم اُس چالباز سے نہیں، عمیر بن غازی سے باتیں کر رہی ہو۔''

''ہاں۔ تمہارے دونوں بیٹوں نے بتایا ہے، تم پکے مسلمان ہو گئے ہو۔ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہو۔ اسمگلنگ کا دھندہ چھوڑ دیا ہے۔ کسی سے خزانہ مل گیا تھا، اسے بھی کہیں دفن کر کے بھول گئے ہو۔ مگر اس مدفن کا نقشہ مجھے مل گیا ہے۔''

''میرے وہ نالائق بیٹے غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہاں خزانہ نہیں ہے۔''

''میں درست سمجھ رہی ہوں۔ وہاں ریڈ مرکری ہے۔ ذرا سوچو! اس وقت میرے ہاتھوں میں کروڑوں ڈالرز ہیں۔ وہ نقشہ جس ملک کے حوالے کروں گی، وہاں مجھے سونے میں تولا جائے گا۔''

''بیشک۔ تم نے ڈائری اور فائل حاصل کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اگر تم سونے میں تلنے کی احمقانہ خواہش سے باز آ کر میری چیزیں مجھے واپس کرو گی تو یہ تمہاری دانشمندی ہو گی۔ موت تم سے دور ہو جائے گی اور تم میرے ساتھ ایک ہنستی کھیلتی زندگی گزار سکو گی۔''

''میں تو یہی چاہتی ہوں۔ پلیز۔ میری بات مان لو۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ پہلے ڈائری اور فائل کا مطالبہ نہ کرو۔ ان کے ساتھ مجھے بھی مانگو۔ میں یہ چیزیں لے کر تمہارے پاس آؤں گی۔''

''دیکھا جائے تو ہم ایک دوسرے سے راضی ہیں۔ لیکن بات یہیں پر آ کر اٹک رہی ہے۔ میں پہلے اپنے مال کی واپسی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد دل و جان سے تمہیں اپنے پاس بلاؤں گا۔''

اس نے کہا۔ ''بڑے انتظار کے بعد تقدیر نے میرا ساتھ دیا ہے۔ تمہاری طاقت، تمہاری زندگی کے اہم راز میرے ہاتھ لگے ہیں۔ یہ تمہیں واپس ملیں گے تو میں صفر ہو جاؤں

گی۔اس کے بعد تم مجھے گھاس بھی نہیں ڈالو گے۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔"میں یہاں دوسرے معاملات میں بھی مصروف ہوں۔ہم بڑی دیر سے ایک ہی بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔بہتر ہے' فون بند کرو اور سوچو۔ فیصلہ کرو کہ پہلے میرا مطالبہ پورا کرو گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دوبارہ فون نہ کرنا۔سونے کے ترازو میں تلنے کے لئے بیٹھ جانا۔اس یقین کے ساتھ کہ جو سونا تمہیں ملے گا' وہ دائمی ہوگا۔اس سونے کے بعد پھر تمہاری آنکھ کبھی نہیں کھلے گی۔"

یہ کہہ کر میں نے رابطہ ختم کر دیا۔حریکا ترکی نژاد تھی۔ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔مگر ایسی مطلب پرست تھی کہ اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے بت پرست بھی بن جاتی تھی۔

وہ میسونی تنظیم کی ایک اہم فعال جاسوسہ تھی۔ایک بار مجھے پھانسنے کے سلسلے میں اس نے کچھ روز میرے ساتھ گزارے تھے۔اس کے بعد میں نے اسے دھکا دے دیا تھا۔اس نے غصے سے تلملا کر چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا۔"میں زہریلی ناگن ہوں۔کسی دن تمہیں ڈس لوں گی۔"

اب بھی وہ میٹھا زہر بن کر آئی تھی۔پیار محبت جتا رہی تھی۔یہ یقین دلا رہی تھی کہ میرے عشق میں پاگل ہے۔

(وہ مجھے پاگل کا بچہ سمجھ رہی تھی۔)

میرے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے لاکھوں کروڑوں ڈالرز کو ٹھکرانے کی بات کر رہی تھی۔

(تاکہ میں ٹھوکروں میں آجاؤں۔)

کہہ رہی تھی' میری خاطر سونے میں نہیں تلے گی۔

(جبکہ عورت سونا پہننے کے لئے ہی سونے پر راضی ہوتی ہے۔)

یہ یقین دلا رہی تھی کہ ہمیشہ میرے قدموں میں رہے گی۔

(قدموں تلے سے زمین کھسکانے کے لئے...)

میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس نے میری تمام اہم چیزیں میسونی تنظیم اور سی آئی اے والوں تک پہنچا دی ہیں۔وہاں سب نے سر جوڑ کر سوچا ہے کہ آسانی سے میرا سراغ نہیں لگایا جاسکے گا۔میں پھر ہاتھ سے نکل جاؤں گا۔مجھے گرفتار کرنا مشکل ہو جائے گا۔لہٰذا مجھے فریب

میں مبتلا کیا جائے۔ابھی سلمان سعدی کا بھید نہیں کھلا ہے۔

اور میں یقین کر لوں کہ میری اہم چیزیں صرف حریکا کے پاس ہیں۔وہ میری امانت کسی کے حوالے نہیں کرے گی۔انہیں یقین تھا کہ میں اس کی قدر کروں گا اور اسے اپنے پاس بلا کر کلیجے سے لگاؤں گا۔

ایک متفقہ منصوبہ بندی کے تحت یہی کوشش کی گئی تھی کہ میں حریکا سے متاثر ہو کر اسے اپنے پاس بلالوں۔تب آسانی سے محاصرہ کر کے مجھے گرفتار کیا جاسکے گا۔یہ اطلاع بڑی رازداری سے تمام بڑے ممالک کے حکمرانوں تک پہنچ گئی ہوگی کہ ریڈ مرکری چرانے والا سلمان سعدی زندہ ہے۔

ان کے دماغوں میں سب سے اہم سوال یہی چبھ رہا ہوگا کہ میں زندہ ہوں تو کہاں ہوں؟ کس طرح جلد از جلد مجھ سے ریڈ مرکری حاصل کی جاسکتی ہے؟

دیر کی جائے گی تو میں پھر اپنی موت کا ڈرامہ پلے کر کے کہیں گم ہو جاؤں گا یا سچ مچ مرجاؤں گا تو وہ خطرناک کیمیکل مادہ کبھی ان کے ہاتھ نہیں لگے گا۔

میں تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔پھر میں نے لاہور میں اپنے دست راست سے فون پر پوچھا۔"وہاں کے حالات کیا ہیں؟"

اس نے کہا۔"یہاں اچانک ہی آپ کے بارے میں انکوائری ہو رہی ہے۔انکوائری کرنے والے یہ جانتے ہیں کہ آپ پچھلی رات لاہور میں تھے۔آپ کے رشتے داروں سے پوچھا جا رہا ہے کہ اب اچانک ہی کہاں چلے گئے ہیں؟"

میں نے پوچھا۔"انکوائری کرنے والوں کو مایوسی ہو رہی ہوگی؟"

"جی ہاں۔انہوں نے سرچ وارنٹ حاصل کر کے آپ کی پوری کوٹھی کی تلاشی لی ہے۔آئرن سیف سے تمام دستاویزات اور نہ جانے کتنی اہم چیزیں نکال کر لے گئے ہیں۔"

وہ بتا رہا تھا کہ وہاں میرے معاملات بگڑتے جا رہے ہیں۔میرا دست راست آدم ثانی اور وکیل رضا قریشی میری ہدایت کے مطابق شوکت شاہنواز کو صبح بینک لے گئے تھے۔وہ اپنے لاکرز سے خفیہ دستاویزات نکال کر ہمارے حوالے کرنے والا تھا۔اس طرح اس کی ایک سیاسی کمزوری ہمیشہ ہمارے ہاتھوں میں رہتی۔میں بعد میں سوئٹزرلینڈ کے بینک سے بھی اس کے خلاف بہت سے مواد حاصل کرنے والا تھا۔لیکن اچانک ہی بازی پلٹ گئی تھی۔شوکت

شاہنواز ہم سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ رضا قریشی اور آدم ثانی کے ساتھ صبح بینک گیا تھا۔ اسے دھمکی دی گئی تھی' وہ ذرا سی بھی چالاکی دکھائے گا تو اسے گولی ماردی جائے گی۔ آدم نے اپنے لباس میں ایک ریوالور چھپا کر رکھا تھا۔ لیکن شوکت شاہنواز بینک منیجر کے کمرے میں پہنچتے ہی ٹوائلٹ میں جا کر اندر سے بند ہوگیا۔ شور مچانے لگا کہ عمیر بن غازی کا باڈی گارڈ اور وکیل اسے زبردستی گن پوائنٹ پر وہاں لے آئے ہیں۔ ان دونوں کو فوراً گرفتار کیا جائے اور اس سیاست داں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

میرا وکیل رضا قریشی قانون کا کھلاڑی تھا۔ اس نے فون پر مجھ سے کہا۔ ''آپ ہماری فکر نہ کریں۔ شوکت اگرچہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ لیکن ہمیں قانونی گرفت میں نہیں لے سکے گا۔ آپ واپس آئیں گے تو اس مکار سیاستدان سے نمٹ لیں گے۔''

پتہ نہیں' میں کب واپس جا سکتا تھا؟ آگے جو مسائل اور خطرات پیدا ہو رہے تھے' پہلے ان سے نمٹنا تھا۔ مجھے حجاب اور ندا کی فکر تھی۔

آدم نے کہا۔ ''ان پر ایک ذرا آنچ نہیں آئے گی۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان دونوں کا تعلق آپ سے ہے۔ وہ دوسرے دن کی فلائٹ سے لندن جانے والی ہیں۔''

میرے چاروں طرف ہنگامے اور پریشانیاں تھیں۔ ایسے میں دل حجاب کے لئے تڑپ رہا تھا۔ میں اس سے باتیں کر کے تھوڑی دیر تک پیار کی ٹھنڈی چھاؤں میں رہ سکتا تھا۔ لیکن عقل سمجھا رہی تھی کہ پیار ایک نشہ ہے اور نشہ تلخ حالات اور دشمنوں کی طرف سے غافل کر دیتا ہے۔ مجھے پورے ہوش وحواس کے ساتھ چوکنا رہنا چاہئے۔

میں نے پیار اور محبت کے معاملے میں صبر کیا۔ یہ طے کیا کہ وہ لندن پہنچے گی تو اس کی خیریت دریافت کروں گا اور ڈھیر ساری باتیں کروں گا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ میرے متعلق لاہور میں جو انکوائری ہو رہی تھی ۔ اس سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ سی آئی اے والے پورے یقین کے ساتھ مجھے سلمان سعدی تسلیم کر چکے ہیں اور مجھے ڈھونڈ نکالنے کے لئے رشتے داروں اور سونے کے بیوپاریوں سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔

پنڈت دینا ناتھ کی پیشگوئی درست تھی۔ انہوں نے کہا تھا' آج رات یا کل صبح تک میرے لئے جان لیوا مسائل پیدا ہوں گے ۔ مجھے اس گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ یقیناً سی

آئی اے والے افغانستان' ایران اور ہندوستان کے ایسے شہروں میں پھیل گئے ہوں گے جو پاکستانی سرحدوں کے قریب ہیں۔ وہ اجمیر شریف کے گلی' محلوں اور گھروں میں بھی جھانکتے پھر رہے ہوں گے۔

میں نے واش روم میں جا کر وضو کیا۔ پھر کمرے میں آ کر مغرب کی نماز ادا کی۔ التحیات پڑھ کر سلام پھیرتے ہوئے دائیں طرف سر گھمایا تو نئی سرخ جوڑے میں دکھائی دی۔ وہ بڑی محویت سے مجھے نماز پڑھتے دیکھ رہی تھی۔

مجھ سے نظریں ملتے ہی دروازے کی آڑ میں ہوگئی۔ آخر دلہن تھی' شرما رہی تھی۔ کچھ چھپی چھپی سی تھی۔ کہیں کہیں سے جھلک رہی تھی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ ''آپ بہت دکھ مصیبت میں ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''تم کیسے جانتی ہو؟''

''میں نے آپ کی اور باپو کی باتیں سنی ہیں۔ پھر فون پر کوئی عورت آپ سے بول رہی تھی۔ یہ معلوم ہوا کہ وہ کوئی دشمن ہے اور اس کے پیچھے اور بھی دشمن ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''اس جان کے دشمن کہاں نہیں ہیں؟ انہیں پاکستان میں اپنے پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہاں ہندوستان میں بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ آگے جہاں بھی جاؤں گا۔ وہاں سانپ بچھوؤں کی طرح پیدا ہوتے رہے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''باپو کہہ رہے تھے' آپ کو باہر نہیں جانا چاہئے۔ آخر آپ کون ہیں۔ ساری دنیا آپ کی دشمن کیوں ہوگئی ہے؟''

''جب دو آدمیوں کے درمیان بات نہیں بنتی' بگڑ جاتی ہے۔ جب کوئی اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جب کوئی خود کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے تو اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''یہ دشمنی بھی کیا ہوتی ہے؟ مجھ سے پوچھا جائے تو کہوں گا کہ وہ دشمن ہیں۔ ان سے پوچھا جائے تو وہ مجھے دشمن کہیں گے۔ کبھی کبھی تو بے وجہ ہی دشمنی چلتی رہتی ہے۔''

''باپو کہہ رہے تھے' آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ نے برائی کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ اچھائی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ اس لئے برے لوگ آپ کے دشمن ہوگئے ہیں۔''

''ہاں۔ جو شیطان ہوتے ہیں' وہ انسان کو انسان بنتے دیکھنا نہیں چاہتے۔''

''ایسی مصیبتوں میں آپ کے لئے میں بھی مصیبت بن جاؤں گی۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ آپ پر بوجھ بننے والی ہوں؟''

میں ذرا چپ رہا پھر بولا۔''اگر تم سے صرف شادی خانہ آبادی کا معاملہ ہوتا تو میں ایسے بدترین حالات میں شادی کے لئے کبھی راضی نہ ہوتا۔ مگر یہ تمہارا علاج ہے۔ کسی کا علاج کرنا' اس کی بیماری دور کرنا نیک عمل ہے اور نیک اعمال کو مشکل حالات سے گزرتے ہوئے بھی جاری رکھا جاتا ہے۔''

''میں دلہن بن کر آؤں گی۔ آپ مریضہ سمجھ کر قبول کریں گے۔ ابھی میں نے یہ لال جوڑا پہنا ہے۔ مگر یہ جوڑا' یہ سنگار کھوکھلا ہے۔ مجھے ارمانوں سے کوئی چاہنے والا نہیں آئے گا۔ بس ایک علاج کرنے والا آ کر احسان کرے گا۔''

میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی چھپی چھپی سی دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے کہا۔''بعض اوقات ہم جیسے چاہتے ہیں' زندگی ویسے نہیں گزرتی۔ حالات جس طرح کہتے ہیں' ویسے گزارنی پڑتی ہے۔''

''میرا دل نہیں مان رہا ہے۔ میں اپنا دھرم بدلنا نہیں چاہتی۔ باپو کے آگے کچھ بول نہیں پاتی۔ یہ سوچ کر چپ ہوں کہ وہ آگے کی باتیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن منہ بند رکھنے سے کیا ہوگا؟ میں اپنے مزاج اور دھرم کے خلاف کب تک آپ کے ساتھ رہوں گی؟''

میں نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ پھر کہا۔''اوہ خدایا! میں سمجھ رہا تھا' تم اپنی مرضی سے دھرم چھوڑ کر میرے دین کی طرف آ رہی ہو۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم مجبور ہو کر مجھے قبول کرو۔ اچھا ہوا جو تم نے اندر کی بات صاف صاف کہہ دی۔ یہ شادی نہیں ہوگی۔''

''باپو میری فکر میں آدھے ہو گئے ہیں۔ شادی نہ ہوئی' علاج نہ ہوا تو وہ جی نہیں پائیں گے۔''

وہ ایسا کہتے کہتے رونے لگی۔ میں نے سر جھکا لیا۔ ایک باپ برسوں سے بیٹی کے آنسو پونچھ نہیں پا رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ میں پونچھ سکوں گا۔ اب یہ امید بھی نہیں رہی تھی۔

دل کے معاملات جذباتی ہوتے ہیں۔ مگر ساری زندگی کے معاملات جذباتی انداز میں طے نہیں کئے جاتے۔

نینی نے کہا۔''ونود شرما میرا ایک کزن ہے۔ وہ مجھے دل و جان سے چاہتا ہے۔ میں بھی اسے چاہتی ہوں۔ مگر اوپری دل سے انکار کرتی ہوں۔ دل ڈرتا ہے' اسے قبول کروں گی تو وہ مر جائے گا۔''

واقعی بدنصیبی اور نحوست جونک کی طرح اس سے چمٹ گئی تھیں۔ وہ جیسے جھنجھلا کر کہہ رہی تھی۔''آخر ایسی کیا بات ہے کہ میرے چاہنے والے' میری زندگی میں آنے والے مر جاتے ہیں؟ مگر باپو کہتے ہیں' آپ زندہ رہیں گے۔ آپ کی طرح ونود میرے پاس آ کر زندہ سلامت کیوں نہیں رہے گا؟''

''تمہارے اس سوال کا جواب شائد پنڈت جی کے علوم سے بھی نہیں مل سکے گا۔''

''باپو کہتے ہیں' آپ کا خدا آپ سے خوش ہے۔ میں چاہتی ہوں' آپ اپنے خدا سے میری بھلائی کے لئے دعا کریں اور کوئی ایسی تدبیر کریں کہ آپ کی جگہ ونود آئے اور وہ سلامت رہے۔''

''میں دل و جان سے چاہوں گا کہ ایسا ہو جائے۔ مگر ہم سب تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا ہیں۔''

''ہاں۔ مگر تدبیر سے کبھی کبھی تقدیر بدل جاتی ہے۔ نہیں بدلے گی تو میں نحوست اور بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجبوراً آپ کی دلہن بن جاؤں گی۔''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔''اب مجھے معلوم ہو گیا ہے' تم میرا مذہب دل سے نہیں' حالات سے مجبور ہو کر قبول کرو گی اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی حجاب کو اتنا چاہتا ہوں کہ اسے خوابوں میں دیکھتا رہتا ہوں۔ دل کی لگی کو سمجھتا ہوں۔ تمہارا دل ونود کو چاہتا ہے۔ میں چاہوں گا' تمہارے دل کی مراد پوری ہو جائے۔ آخر کب تک اپنی بدنصیبی سے لڑتی رہو گی؟ مجھے سوچنے دو کہ اس سلسلے میں کیا ہو سکتا ہے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ کنڈی کھولنے چلی گئی۔ اسے دلہن بنانے کا فیصلہ نہ کرتے ہی میرے سر سے جیسے ایک انجانا بوجھ اتر گیا تھا۔

پنڈت جی نے آ کر کہا۔''عبدالقدوس عشاء کی نماز کے بعد آئیں گے۔ باہر تمہارے لئے حالات ناموافق ہو گئے ہیں۔ پاکستان سے آنے والوں کو سختی سے چیک کیا جا رہا ہے۔ یہاں بڑے بڑے سرکاری افسران میری عزت کرتے ہیں۔ تھانے کا انچارج مجھ

سے کہہ رہا تھا کہ کوئی مشتبہ شخص دکھائی دے تو میں فوراً اسے فون پر اطلاع دوں۔"

میں چٹائی سے اٹھ کر کرسی پر آ گیا۔ وہ دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولے۔ "جانتے ہو' تھانے کا انچارج مشتبہ شخص کی پہچان کیا بتا رہا تھا؟"

میں نے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔ سمجھ گیا۔ تمام پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو میری خاص انگوٹھی اور عصاء کی اہمیت بتائی گئی ہے۔"

"اور خاص طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو بھی بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے' اسے گرفتار کر لیا جائے۔ میں باہر جانے سے منع کر رہا تھا۔ اب تو تمہیں کھڑکی اور روشندان سے بھی باہر نہیں دیکھنا چاہئے۔"

"میرا یہ خیال درست نکلا' حریکا میری ڈائری' فائل اور تصویریں میسونی تنظیم کو اور سی آئی اے والوں کو دے چکی تھی۔ میرے دونوں بیٹوں کے ذریعے اور لاہور میں رشتے داروں کے ذریعے انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ انگوٹھی اور عصاء کے علاوہ سب سے اہم پہچان میری جسمانی حالت ہے۔ میرے بدن میں ہڈیاں ہی ہڈیاں ہیں۔ گوشت برائے نام رہ گیا ہے۔

آج ہم اپنی دنیا کو گلوبل ولیج اس لئے کہتے ہیں کہ سائنسی ترقی اور جدید ٹکنالوجی کے باعث یہ سکڑ کر ایک چھوٹا سا گاؤں بن گئی ہے۔ چشم زدن میں ایک سرے کی بات دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ میری شناخت کے سلسلے میں بھی انگوٹھی' عصاء اور میرا جسمانی ڈھانچہ پلک جھپکتے ہی دنیا کے تمام انٹیلی جنس والوں کے ریکارڈ روم میں پہنچ گیا تھا۔

پنڈت جی نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ کوئی سرکاری افسر' کوئی جاسوس پوچھ گچھ کے لئے میرے دروازے پر نہیں آئے گا۔ یہ بتاؤ' تم کس سوچ میں ہو؟"

میں جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون سے کالنگ ٹون ابھرنے لگی۔ میں نے ننھی سی اسکرین کو دیکھا۔ مراد اور سلطان کال کر رہے تھے۔ میں نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

انہوں نے پوچھا۔ "فون کیوں بند کر دیا؟"

میں نے کہا۔ "مجھے بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ دشمن بڑی تیزی سے میری طرف چلے آ رہے ہیں۔ وہ اس فون کے ذریعے مجھے ٹریپ کر سکتے ہیں۔"

وہ سر ہلا کر بولے۔ "میں نئی ٹکنالوجی کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ ہاں مگر میگزین میں' پڑھا تھا کہ موبائل فون پر ہونے والی باتوں کو ٹیپ کیا جاتا ہے۔ بات کرنے والے

کے مقام کا بھی پتہ چلا لیا جاتا ہے۔ تمہیں سچ مچ محتاط رہنا چاہئے۔"

میں نے اس فون کی سم نکال دی۔ اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "جب تک ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا رہوں گا۔ تب تک فون پر کسی سے بات نہیں کروں گا اور نہ ہی بھیس بدل کر باہر نکل پاؤں گا۔"

انہوں نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ میں وید مہاراج سے دوائیں اور مالش کا تیل لے آیا ہوں۔ کل صبح سے دوائیں استعمال کرو۔ میں تمہارے بدن کی مالش کیا کروں گا۔"

اب یہ چیزیں میرے لئے سب سے زیادہ اہم تھیں۔ میں نے کہا۔ "میں ابھی اسی وقت دوائیں کھاؤں گا۔ پلیز۔ آپ ابھی اس تیل کی مالش کریں۔"

"ابھی ایک گھنٹے کے بعد قاضی عبدالقدوس آنے والے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "یہ شادی نہیں ہونی چاہئے۔"

انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک برہمن پنڈت کی بیٹی اپنا دھرم چھوڑ دے۔ ہم دونوں ہی نینی کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کا علم یہ نہیں کہتا کہ اب اس کا علاج ہو جائے گا؟"

"ہاں۔ میرا علم یہی کہتا ہے۔ مگر علاج تمہارے ذریعے ہو سکے گا۔"

"یہ سوچیں کہ میرے ذریعے کیسے ہوگا؟ مجھ میں ایسی کیا بات ہے کہ وہ میری دلہن بنے گی تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟"

انہوں نے کہا۔ "تمہارے ساتھ قدرت کی کچھ مہربانیاں ہیں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں' جو ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔"

"ہم سمجھنا چاہیں گے تو آ جائیں گی۔ میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہو رہا ہے۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "جب سے لاوہ اسٹون والی انگوٹھی اور عصاء مجھے ملا ہے۔ تب سے میں دشمنوں سے محفوظ رہتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی طرح کی بیماری اور کمزوری محسوس نہیں کی۔"

وہ میری باتیں توجہ سے سن رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "میں آپ کی بیٹی کو قبول کر کے اس لئے زندہ رہوں گا کہ یہ انگوٹھی اور عصاء میرے ساتھ رہے گا۔ نینی سے چمٹ کر رہنے والی نحوست مجھ پر اثر انداز نہیں ہوگی۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولے۔ "عقل سے سوچو تو یہی سمجھ میں آرہا ہے۔ تمہاری یہی باتیں دل کو لگ رہی ہیں۔ میرا علم کہتا ہے' بیٹی کے دلدر دور ہو جائیں گے۔ نحوست ختم ہو جائے گی۔ چاہے وہ تم سے ہو یا تمہاری لاٹھی اور انگوٹھی کے ذریعے...."

"تو پھر سمجھ لیں کہ نینی کا علاج ہو گیا ہے۔ آپ اپنے دھرم کے کسی برہمن زادے سے اس کی شادی کریں۔ میری انگوٹھی اور لاٹھی کچھ دنوں تک نینی کے ساتھ رہے گی۔ جب نحوست ختم ہو جائے گی۔ آپ کا داماد زندہ سلامت رہے گا تو میں نینی کو دی ہوئی امانت واپس لے لوں گا۔"

وہ میری باتیں سن رہے تھے۔ بڑی محبت اور اپنائیت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ "تعجب ہے۔ یہ بات پہلے ہمارے دماغ میں کیوں نہیں آئی؟ میں پورے یقین سے کہتا ہوں' اس طرح نینی کی نحوست اور بدنصیبی دور ہو جائے گی۔"

"تو پھر دیر نہ کریں۔ مجھے نینی نے بتایا ہے' ایک نوجوان ونود شرما اسے اپنی دلہن بنانا چاہتا ہے۔ آپ آج یا کل تک بیٹی کو سہاگن بنا دیں۔"

"ونود میری ایک بہن کا بیٹا ہے۔ میں ابھی فون پر بات کرتا ہوں۔ مجھے بہن کے پاس جانا چاہئے۔ لیکن میں پہلے تمہیں دوا کھلاؤں گا۔ تمہارے بدن کی مالش کروں گا۔ پھر کوئی دوسرا کام کروں گا۔"

نینی نے ہمارا فیصلہ سنا تو خوشی سے کھل گئی۔ پنڈت جی نے فون پر بات کرنے کے بعد کہا۔ "میری بہن سمیتا پہلے ہی راضی تھی۔ وہ کہہ رہی ہے' کل شام کو ہی بارات لے کر آجائے گی۔ میں نے بھی ہاں کر دی ہے۔"

انہوں نے بہن کی باتیں سناتے ہوئے میرے سامنے دوائیں لا کر رکھیں۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر انہیں حلق سے اتارا۔ پھر ایک چٹائی پر لیٹ گیا۔ وہ میرے بدن پر تیل لگا کر مالش کرتے ہوئے بولے۔ "کل سے یہاں رشتے دار آئیں گے۔ میں تمہیں ایک دن کے لئے اپنے دوسرے مکان میں پہنچا دوں گا۔ نینی دلہن بن کر رخصت ہو جائے گی تو تم واپس آجاؤ گے۔"

وہ بہت خوش تھے۔ خوب ترنگ میں آکر مالش کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ "میں اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوں۔ تم اپنے خدا سے دعا مانگو کہ انگوٹھی اور لاٹھی جیسے تمہارے کام آرہی ہیں' ویسے ہی میری بیٹی کو بھی اپنا چمتکار دکھائیں۔"

"میں دعا کرتا رہوں گا۔ انشاءاللہ یہ دونوں چیزیں کرامات دکھائیں گی۔ آپ کی فکر اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔"

ہم دونوں ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے۔ مگر ایک دھڑکا سا لگا تھا کہ ہمارا طریقہ کار غلط بھی ہو سکتا ہے۔ نینی کی زندگی میں پریمی اور پتی دیو بن کر آنے والا پچھلے عاشقوں کی طرح اپنی زندگی ہار سکتا ہے۔

ایک طرح سے ہم ونود شرما پر تجربہ کر رہے تھے۔ وہ تجربہ ناکام بھی ہو سکتا تھا۔ ناکامی ہوتی تو اس کا الزام ہم پر نہ آتا۔ کیونکہ ونود خود ہی پیار کی راہ میں قربان ہونے کے لئے پیش پیش تھا۔ پنڈت جی نے اس رات کی صبح ہونے سے پہلے ہی مجھے دوسرے مکان میں پہنچا دیا۔

پھر انہوں نے ونود کو گھر بلا کر تنہائی میں پوچھا۔ "کیا تم میرے رازدار بن کر رہ سکتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "آپ کا جو بھی راز ہو گا' وہ میرے سینے میں رہے گا۔ زبان پر کبھی نہیں آئے گا۔"

"میں تمہیں دو ایسی چیزیں دوں گا' جنہیں دنیا والوں سے چھپاؤ گے۔ ان میں سے ایک انگوٹھی ہے۔ اسے تم دھاگے سے باندھ کر گلے میں پہن کر رہو گے۔ وہ لباس میں چھپی رہے گی۔"

"میں یہی کروں گا۔"

"ایک لاٹھی ہے۔ اسے کہیں چھپایا نہیں جا سکتا۔ میں یہ کہہ کر اسے بیٹی کے جہیز میں دوں گا کہ وہ لاٹھی ہمارے پرکھوں سے چلی آرہی ہے۔ وہ گھر میں رہے گی تو تم اور نینی ہنستی بستی زندگی گزارتے رہو گے۔"

'آپ مہا گیانی ہیں۔ یہ جانتے ہوں گے کہ انگوٹھی اور لاٹھی کو کیوں چھپا کر رکھنا چاہئے؟"

"ہاں۔ تمہیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ انہیں دوسروں سے چھپا کر رکھنا کیوں ضروری ہے؟ کیا تمہیں معلوم ہے' ہمارے شہر میں ایک ایسے پاکستانی کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ جس کے پاس لاوہ اسٹون والی انگوٹھی ہے اور وہ لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ کیا آپ وہی انگوٹھی اور لاٹھی مجھے دینے والے ہیں؟"

"ہاں۔ یہ دونوں چیزیں تمہیں زندہ سلامت رکھیں گی۔ لیکن پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو معلوم ہوگا کہ یہ چیزیں تمہارے پاس ہیں تو پھر ہم سب کی شامت آجائے گی۔ ہم سے اس پاکستانی کا پتہ ٹھکانہ پوچھا جائے گا۔ ہم اسے گرفتار نہیں کرائیں گے تو ہمیں ٹارچر سیل میں پہنچا دیا جائے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ پاکستانی کہاں ہے؟"

"یہ نہ پوچھو۔ آم کھاؤ پیڑ نہ گنو۔ اپنا فائدہ دیکھو۔ اس کی انگوٹھی اور لاٹھی تمہیں اس وقت تک سلامتی دے گی' جب تک تم انہیں چھپا کر رکھو گے۔"

"آپ جو کہیں گے' میں وہی کروں گا۔ وہ پاکستانی جو بھی ہے' میری سلامتی کا باعث بن رہا ہے۔ میں اسے سلام کرتا ہوں۔ مجھے میری نینی بھی مل رہی ہے اور نئی زندگی بھی....."

پنڈت جی ہر پہلو سے میری سلامتی کی کوششیں کر رہے تھے اور ہر طرح کا تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ ونود شرما نے انگوٹھی کو گلے میں پہن کر لباس کے اندر چھپا لیا تھا۔

دوسرے دن جب وہ بیاہ رچانے کے لئے لگن منڈپ میں آیا تو اس کے ہاتھ میں سسرال سے ملنے والی لاٹھی تھی۔ کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ عصاء اس عمیر بن غازی کا ہے' جسے ہر ملک' ہر شہر' ہر علاقے تلاش کیا جا رہا ہے۔

اب سے پہلے جو بھی نینی کی آرزو کرتا تھا۔ کسی نہ کسی بہانے مارا جاتا تھا۔ ایک دولہا لگن منڈپ میں آنے سے پہلے ہی گھوڑے سے گر کر مر گیا تھا۔ اس روز نینی کی زندگی میں آنے والے کو سلامتی ملی۔ اس نے ونود کے ساتھ اگنی کے ساتھ پھیرے لئے اور اس کی دلہن بن کر بابل کے آنگن سے رخصت ہوگئی۔

دوسری صبح خوشخبری ملی کہ ونود شرما زندہ سلامت ہے۔ پنڈت جی' نینی اور ونود سب ہی مجھے دعائیں دے رہے تھے۔ بدنصیبی ہمیشہ ساتھ نہیں رہتی۔ خوش نصیبی لوٹ کر ضرور آتی ہے۔ اب یہی دکھائی دے رہا تھا کہ اس کی زندگی سے چمٹ کر رہنے والی نحوست ہمیشہ کے لئے دور ہوگئی ہے۔ آگے خدا بہتر جانتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ منہ سے نکلی ہوئی بات پرائی ہو جاتی ہے۔ اپنے سینے سے نکل کر دوسرے تک پہنچنے والا راز پھر راز نہیں رہتا۔ میرے معاملے میں رازدار اب صرف پنڈت جی نہیں رہے تھے۔ ان کی بیٹی اور داماد بھی ہم راز ہوگئے تھے۔ بیٹی کے میکے سے سسرال تک اس راز

کے امین تھے۔ کسی سے بھی کسی طرح کی کوتاہی یا بھول چوک ہو سکتی تھی۔ دشمن بو سونگھنے والے کتے اور تاریکی میں دیکھنے والے اُلو تھے۔ وہ پنڈت جی کو نہ سہی نینی اور ونود شرما کو تاڑ سکتے تھے۔ آئندہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

میں ان تینوں کی دعائیں کما رہا تھا۔ مجھے بددعا بھی لگ سکتی تھی۔ کیونکہ میں عارضی طور پر انگوٹھی اور عصاء سے جدا ہو گیا تھا۔ کسی وقت بھی یہ عارضی جدائی رنگ لا سکتی تھی۔

☆☆☆

میں حجاب اور ندا کے سلسلے میں بہت فکر مند تھا۔ عارضی طور پر فون استعمال نہیں کر رہا تھا۔ اس لئے ان سے بات نہیں ہو سکتی تھی۔ خیریت معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ صرف ایک فون کا رابطہ نہ ہونے سے میرے داست راست اور تمام جاں نثار مجھ سے ایسے دور ہو گئے تھے' جیسے ہم سب ایک دوسرے کے لئے مر گئے ہوں۔

میں چاہتا تھا' ان دونوں بہنوں کو میری خیریت معلوم ہو جائے۔ تاکہ وہ مطمئن رہیں۔ میں دوسری سم استعمال کر کے آواز اور لب و لہجہ بدل کر ان سے بولتا تو وہ یقین نہ کرتیں کہ میں ہی بول رہا ہوں۔ اگر کوڈ ورڈز استعمال کرتا تو ہمیں ٹریس کرنے والے چوکنے ہو کر ہمارے ایک ایک فقرے' ایک ایک لفظ کو گرفت میں لے کر ان دونوں بہنوں کے پیچھے پڑ جاتے۔

میں جذباتی انداز میں رابطہ کر کے انہیں کسی مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ سوچ کر خود کو تسلیاں دینے لگا کہ میرے جو جاں نثار ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ انہیں خبر پہنچاتے ہوں گے کہ میں دشمنوں کی دسترس سے دور ہوں اور خیریت سے ہوں۔

میں باقاعدہ دوائیں استعمال کر رہا تھا۔ میرے بدن کی مالش ہو رہی تھی۔ پنڈت جی مجھ سے محبت اور اپنائیت کی انتہا کر رہے تھے۔ صبح و شام دونوں وقت میرے بدن کی مالش کر رہے تھے۔

وہ دوائیں واقعی زود اثر کرشمہ دکھانے والی تھیں۔ اگرچہ گوشت نہیں بڑھا تھا۔ تاہم میں خوشگوار تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ آئندہ چند دنوں میں ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں کہلاؤں گا۔

نینی کے من کی مرادیں پوری ہو رہی تھیں۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی وہ سہاگن

تھی اور یہ یقین ہو رہا تھا کہ آئندہ بھی اس کا سہاگ ونود شرما زندہ سلامت رہے گا۔

میں نے پنڈت جی سے کہا۔ ''خطرہ ٹل گیا ہے۔ نینی کو نحوست سے نجات مل چکی ہے۔ آپ میری انگوٹھی اور عصاء وہاں سے لے آئیں۔''

''میں نے کل ہی نینی سے کہا تھا کہ تمہاری امانت واپس کر دی جائے۔ مگر وہ ابھی تک مطمئن نہیں ہے۔ اس وسوسے میں رہتی ہے کہ نحوست اُلٹے پاؤں واپس نہ آ جائے۔''

''آپ اسے حوصلہ دیں۔ اپنے علم کے حوالے سے سمجھائیں کہ ازدواجی زندگی کے سلسلے میں وہ بدنصیب نہیں رہے گی۔''

''میں نے سمجھایا ہے۔ وہ کہتی ہے' امانت ضرور واپس کرے گی۔ جب تم اس چار دیواری سے باہر نکلو گے۔ یہ گھر یہ شہر چھوڑ کر جاؤ گے۔ تب تمہیں انگوٹھی اور لاٹھی کی ضرورت ہو گی۔ ابھی تو تم یہاں پوری طرح محفوظ ہو۔''

ایک طرح سے وہ درست کہہ رہی تھی۔ میں نے اس کے دلی اطمینان کے لئے وہ چیزیں اس کے پاس رہنے دیں۔ وہ میری ایسی قوتیں تھیں۔ جو قدرتی طور پر حاصل ہوئی تھیں۔ مجھے عارضی طور پر بھی ان سے الگ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ لیکن میں نے پنڈت جی کی محبت' خدمت گزاری اور احسانات کے پیش نظر خود کو سمجھایا کہ میری امانت باپ کے پاس نہ سہی' بیٹی کے پاس ہے۔ اپنے ہی گھر میں ہے۔

بڑے ممالک کے آرمی اور انٹیلی جنس والے مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ پچھلے بارہ دنوں سے فل ایکشن میں تھے۔ اس کے باوجود انہیں میرا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے بیشمار کثیر الاشاعت اخبارات اور رسالوں میں عمیر بن غازی اور شہزادہ سلمان سعدی کی تصاویر شائع کرائی تھیں۔ اب عام لوگوں کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

ان تصاویروں کے ساتھ یہ لکھا گیا تھا کہ ایسی ہی صورت شکل اور قد و قامت رکھنے والے بارہ افراد انٹیلی جنس والوں کی نظروں میں ہیں۔ ان میں سے عمیر بن غازی کے متعلق تصدیق ہو چکی ہے کہ وہی شہزادہ سلمان سعدی ہے۔ یہ شخص جسے نظر آئے' وہ فوراً قریبی پولیس اسٹیشن میں یا مندرجہ فون نمبرز پر اطلاع دیں۔ اطلاع دینے والے کو دس لاکھ ڈالرز انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔

میری خاص پہچان بھی اخبارات میں لکھی گئی تھی۔ تمام بڑے ممالک یہ معلوم کرنے

کے لئے انگاروں پر لوٹ رہے تھے کہ میں نے ریڈ مرکری کہیں چھپا رکھی ہے یا جمہوریہ چین سے اس کا سودا کر چکا ہوں؟ وہ اس خطرناک کیمیکل مادے کو حاصل کرنے کے لئے میرا قیمہ کر دینا چاہتے تھے۔

تصاویر اور خبروں کی اشاعت سے مجھے ایک ذرا اطمینان ہوا کہ حجاب اور ندا کی نظروں سے کوئی اخبار ضرور گزرا ہو گا۔ انہوں نے میرے متعلق پڑھا ہو گا۔ پھر انہیں یہ اطمینان حاصل ہوا ہو گا کہ دشمن میرا سراغ لگانے میں ناکام ہو رہے ہیں اور میں جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔

تقریباً بیس دنوں کے بعد پنڈت جی نے کہا۔ ''آئینہ دیکھو! کیسا چمتکار ہو رہا ہے؟ کچھ دبلے پتلے ضرور ہو مگر ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں لگ رہے ہو۔''

واقعی دوائیں اثر دکھا رہی تھیں۔ میرے بدن میں گوشت آ گیا تھا۔ میں صبح و شام ورزش کرتا تھا۔ بلاناغہ مالش ہو رہی تھی۔ اچھا خاصا صحت مند دکھائی دینے والا تھا۔

اگلے ایک ہفتے بعد اور نمایاں تبدیلی ہوئی تو نینی اور ونود مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے۔ نینی نے پوچھا۔ ''کیا آپ اس گھر سے چلے جائیں گے؟''

میں نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے۔ میں اگلے ایک دو ہفتے میں خاصا صحت مند ہو جاؤں گا۔ دشمن ہڈیوں کے ڈھانچے کو ڈھونڈتے رہیں گے اور میں ان کی ناک کے نیچے سے نکل جاؤں گا۔''

ونود نے پوچھا۔ ''کیا آپ انگوٹھی اور لاٹھی لے جائیں گے؟''

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ ''کیا میری امانت واپس کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟''

ان دونوں پتی پتنی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر نینی نے کہا۔ ''آپ یہ چیزیں ہم سے نہ لیں۔ ان کی بدولت میرا سہاگ سلامت ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اللہ نے چاہا تو تم بوڑھی ہونے تک آخری سانسوں تک سہاگن رہو گی۔ ونود سلامت رہے گا۔ تمہیں میری ان چیزوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

وہ بولی۔ ''یہ چیزیں نہیں تھیں۔ تب میں نے بڑی بدنصیبی جھیلی ہے۔ بڑے زخم کھائے ہیں۔ میری عقل کہتی ہے' میرے بدترین تجربات کہتے ہیں کہ ان کے بغیر نحوست پھر پلٹ کر آئے گی۔ میں اپنے ونود کو کھونا نہیں چاہتی۔''

پنڈت جی نے کہا۔ ''بیٹی! میرا علم کہتا ہے' تمہاری زندگی سے نحوست ختم ہو چکی ہے۔ موت تو سب ہی کو آتی ہے اور کسی وقت بھی آجاتی ہے۔ دکھ بیماری یا حادثات کے بہانے یا کسی غلطی سے موت آجائے تو یہ الگ بات ہے۔ مگر یقین کرو' نحوست اب نہیں رہی ہے۔''

ونود نے کہا۔ ''غازی بھائی کا یہاں سے جانا کیا ضروری ہے؟ اب یہ تندرست ہو گئے ہیں۔ نہ ان کے پاس انگوٹھی ہے' نہ لاٹھی ہے' نہ یہ پہلے کی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے رہے ہیں۔ دشمن انہیں پہچان نہیں پائیں گے۔ یہ یہاں آزادی سے رہ سکیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''آگے میرے بہت سے کام پڑے ہیں۔ بہت سی ذمہ داریاں نبھانی ہیں۔ میں بہتا ہوا دریا ہوں۔ تالاب کا پانی بن کر ایک جگہ نہیں رہ سکوں گا۔''

وہ مایوس ہو گئے۔ یہ سمجھ گئے کہ میں زندگی دینے والی اور ان کے سہاگ کو سلامت رکھنے والی چیزیں لے جاؤں گا۔ پنڈت جی امانت واپس کرنے کے لئے میری حمایت میں بولتے رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ نینی اور ونود کے تیور کچھ اور بولنے لگے۔ وہ مجھ سے تو بدظن ہو ہی رہے تھے۔ اپنے پنڈت باپ اور سسر سے بھی کترانے لگے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ میری امانت ہمیشہ اپنے پاس نہیں رکھ سکیں گے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میں گوشت پوست کا ایک صحت مند بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ اب سے دو دنوں کے بعد اپنی امانت لے کر وہاں سے چلا جاؤں گا۔ ایسے وقت نینی نے کہا۔ ''آپ کی امانت ونود کے پاس ہے اور وہ اپنی ننھیال کلکتہ گئے ہیں۔''

پنڈت جی نے پوچھا۔ ''اچانک کیوں گیا ہے؟ پھر یہ کہ غازی کی انگوٹھی اور لاٹھی کیوں لے گیا ہے؟''

''میں نہیں جانتی' کیوں لے گئے ہیں؟ آپ فون پر ان سے بات کر لیں۔''

اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ وہ صبح سے شام تک کتراتا رہا۔ آخر اس نے بات کی اور صاف کہہ دیا۔ ''میں انگوٹھی اور لاٹھی واپس نہیں کروں گا۔ غازی سے کہو' وہ انڈیا سے چلا جائے۔ اگر اپنی چیزوں کے لئے میرے پیچھے آئے گا تو میں سی آئی اے والوں کو اس کے پیچھے لگا دوں گا۔''

یہ بہت زبردست دھمکی تھی۔ وہ کسی وقت بھی سی آئی اے میں خبر دیتا کہ سلمان سعدی پنڈت دینا ناتھ کے گھر میں ہے تو مجھے فرار کا راستہ بھی نہ ملتا۔ میرے ساتھ بیچارے

پنڈت جی بھی مارے جاتے۔ یہ اگرچہ نینی اور ونود کی ملی بھگت تھی۔ لیکن بیٹی اپنے باپ کو کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے مجھ سے کہا جا رہا تھا کہ چپ چاپ ہندوستان سے چلا جاؤں۔

بہر حال یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ مجھے انگوٹھی اور عصاء نہیں ملے گا۔ پتہ نہیں' وہ کلکتہ گیا تھا یا خدا جانے کہاں جا کر چھپ گیا تھا؟ میں اسے ڈھونڈ نہیں سکتا تھا۔

پنڈت جی نے کہا۔ ''بیٹی! تم نے اپنے سہاگ کی سلامتی کے لئے ونود کو یہاں سے دور بھیج دیا ہے۔ یہ جانتی ہو کہ غازی زیادہ دنوں تک نہیں رہے گا۔ اسے اپنی چیزیں حاصل کئے بغیر یہاں سے جانا ہی ہو گا۔ اس کے جانے کے بعد ونود واپس آئے گا۔ تم نے غازی کو ہی نہیں' اپنے باپ کو بھی دھوکا دیا ہے۔''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''اپنی اور ونود کی بہتری کے لئے میرے سامنے یہی ایک راستہ تھا۔ میرا ونود انگوٹھی اور لاٹھی کے بغیر جی نہیں پائے گا۔ آپ اپنے مہمان کو یہاں سے رخصت کر دیں۔ ورنہ یہ اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔''

جو چیزیں قدرتی طور پر مجھے ملی تھیں۔ ان سے محروم ہو کر ایسا لگ رہا تھا' جیسے میرے اندر سے جان نکل گئی ہو۔ اب شائد میں بوڑھا اور کمزور ہی رہوں گا' شائد جوانی کی طرف واپس نہیں جا پاؤں گا۔ پتہ نہیں' میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟

میں پنڈت جی کے سامنے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ بیٹی اور داماد کی حرکتوں پر نادم ہو رہے تھے۔ انہوں نے نینی سے کہا۔ ''میرے گھر سے جاؤ۔ جب تک زندہ رہوں' میری چوکھٹ پر قدم نہ رکھنا۔''

وہ بولی۔ ''ہم باپ بیٹی کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ پانی میں لاٹھی مارنے سے لاٹھی ٹوٹ جاتی ہے۔ پانی الگ نہیں ہوتا۔ یہ غازی ڈوبے گا' آپ اسے بچانے کی کوشش کریں۔ جتنی جلدی ہو سکے' اسے یہاں سے بھگا دیں۔''

باپ نے غصے سے کہا۔ ''تم زیادہ نہ بولو۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔''

وہ وہاں سے چلی گئی۔ ہم تھوڑی دیر تک سر جھکائے ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''تمہاری انگوٹھی اور عصاء نیک نیتی سے انہیں دیئے گئے تھے۔ وہ بدنیتی سے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کی نیک نیتی ختم ہو گئی۔ اس کا میٹھا پھل بھی بدنیتی کی طرح

کڑواہٹ میں بدل گیا ہے۔ان کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔''

وہ سر اٹھا کر مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔''برا کرنے والوں کے ساتھ برا ہوتا ہے۔مگر بعض اوقات اچھا کرنے والے بھی مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔تم نے ان کے ساتھ نیکی کی۔مگر ونود کی کم بختی اور گمراہی تمہارے لئے مصیبتیں لانے والی ہے اور...اور میرے لئے بھی...''

انہوں نے پھر سر جھکا لیا۔میں نے پوچھا۔''کیا میری وجہ سے آپ بھی پھنسنے والے ہیں؟''

''تمہاری وجہ سے نہیں...ایک سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ونود پھنسے گا تو ہمیں بھی پھنسائے گا۔''

میں نے قائل ہو کر سر ہلایا۔انہوں نے کہا۔''جتنی جلدی ہو سکے اپنا چہرہ اور حلیہ تبدیل کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔''

''اور آپ....؟ آپ پر بھی تو مصیبتیں نازل ہوں گی۔''

''میری فکر نہ کرو۔میں ہندو ہوں۔پورا محلہ پورا شہر مجھ سے ہمدردی کرے گا۔میری مصیبت میں کام آئے گا۔مگر تم مسلمان ہو'پاکستان سے آئے ہو۔یہاں کوئی تمہاری حمایت میں نہیں بولے گا۔سب ہی تماشہ دیکھیں گے۔''

وہ درست کہہ رہے تھے۔جب پولیس والے کسی مسلمان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کرتے تھے تو تمام قانون کے محافظ اور متعصب ہندو اس مسلمان کو پاکستانی جاسوس کہہ کر اس کے لئے زمین تنگ کر دیتے تھے۔میرے لئے بہت زیادہ خطرات پیدا ہو گئے تھے۔میں وہاں سے نکلنے کے لئے اپنا چہرہ اور حلیہ بدلنے لگا۔

☆☆☆

نینی اور ونود نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب تک میں اجمیر سے بلکہ ہندوستان سے نہیں جاؤں گا'وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ادھر نینی دھمکی دیتی رہے گی کہ میں ونود کا انتظار کروں گا'اس سے اپنی چیزیں چھین لینا چاہوں گا تو ایسے میں میرے خلاف مخبری کی جائے گی۔پھر مجھے جان بچانے کا راستہ نہیں ملے گا۔

میں انگوٹھی اور عصاء سے محروم نہیں رہنا چاہتا تھا۔انہوں نے مجھے وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نئے بہروپ میں کچھ عرصے تک وہاں چھپ کر

رہوں گا۔نینی اور ونود کو یقین دلاؤں گا کہ انڈیا سے جا چکا ہوں۔تب وہ واپس آئے گا تو اس سے نمٹ لوں گا اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت چھین لوں گا۔

نینی نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ کلکتہ گیا ہوا ہے۔وہ مجھ سے اور پنڈت جی سے چھپنے کے لئے دہلی جا کر وہیں کچھ عرصے تک رہنا چاہتا تھا۔نینی اسے الوداع کہنے کے لئے ٹیکسی اسٹینڈ تک آئی تھی۔وہ چھ فٹ کا عصاء لے کر ٹرین میں سفر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ٹیکسی کے ذریعے دہلی جا رہا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا سامان ڈکی میں رکھنے کے بعد کہا۔''یہ لاٹھی خوبصورت ہے۔مگر ایسی تو دہلی میں بھی مل جاتی ہے۔اسے ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟ آپ تو تگڑے جوان ہیں؟''

ونود نے کہا۔''میں جوانی میں لاٹھی ٹیک کر چلتا ہوں۔تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

وہ عصاء کو اوپر کیریئر سے باندھتے ہوئے بولا۔''نہیں جی! آپ پورا کرایہ دے رہے ہیں اور دو چار لاٹھیاں بھی لے جا سکتے ہیں۔''

نینی نے ونود سے کہا۔''مجھ سے برابر فون پر رابطہ رکھنا۔تمہارے پاس پچاس ہزار ہیں۔کیا یہ کافی ہوں گے؟''

''فی الحال بہت ہیں۔ضرورت ہوگی تو اور منگوا لوں گا۔''

ڈرائیور نے کہا۔''او جی! کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔دہلی تک ہم کھلاتے پلاتے لے جائیں گے۔آپ کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوگا۔ہاں۔اگر گھر پہنچ کر بخشش دیں گے تو مہربانی ہوگی۔''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔اس نے فون نکال کر نمبر پنچ کرتے ہوئے کہا۔''آپ ٹیکسی میں بیٹھیں۔میں اپنی گھر والی کو بتا دوں کہ ادھر سے جا رہا ہوں۔''

وہ فون کو کان سے لگا کر ان سے دور جاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔''ہاں۔میں بول رہا ہوں۔تگڑی اسامی لا رہا ہوں۔''

اس نے دور سے نینی اور ونود کو دیکھا۔وہ دونوں رخصت ہوتے وقت بڑے پیار کے موڈ میں تھے۔اس نے فون پر کہا۔''ویسے زیادہ جھمیلا نہیں ہوگا۔اکیلی سواری ہے۔''

اس نے دوسری طرف کی باتیں سنیں۔پھر کہا۔''بس ابھی ٹیکسی اسٹارٹ

کررہا ہوں۔ٹھیک ایک گھنٹے میں اُدھر سے گزروں گا۔''

وہ فون بند کر کے گاڑی کے پاس آ گیا۔ونود پچھلی سیٹ پر تھا۔نینی باہر کھڑکی پر جھکی ہوئی تھی۔دونوں پریم پجاریوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔وعدے کئے جا رہے تھے' قسمیں کھائی جارہی تھیں کہ جنم جنم تک ساتھ رہیں۔اگلے سات جنموں میں بھی پتی پتنی بن کر رہیں گے۔

ہاتھوں میں ہاتھ تھے۔صدیوں تک عاشقی کے منصوبے بن رہے تھے۔عزائم سینکڑوں برس کے تھے اور پل کی خبر نہیں تھی۔ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو ہاتھ چھوٹ گئے...ساتھ چھوٹ گیا۔

سفر شروع ہوا تو شام کے سائے پھیل رہے تھے۔وہ شہر سے نکل کر گاڑی کی رفتار بڑھانے لگا۔ونود نے کہا۔''مجھے تیز رفتاری سے ڈر لگتا ہے۔آرام سے چلاؤ۔''

وہ بولا۔''لو جی!اسپیڈ کم کر دی۔میں تو آپ کو جلدی گھر پہنچانا چاہتا تھا۔''

''گھر پہنچنے کی جلدی میں حادثے ہوتے ہیں۔مسافر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔''

وہ بولا۔''بیس برسوں سے ٹیکسی چلا رہا ہوں۔قسم لے لو۔سواری کو کبھی راستے میں نہیں چھوڑا۔حادثے ہوئے' تب بھی گھر پہنچا دیا یا ہسپتال پہنچا دیا۔کہیں نہ کہیں پہنچا ہی دیتا ہوں۔''

ونود نے اسے گھور کر دیکھا۔اس نے کہا۔''آپ دیکھنے میں بہت بڑے آدمی لگتے ہیں۔کوئی جاگیردار' کوئی بہت بڑے بیوپاری ہوں گے۔''

''ہاں۔کلکتہ میں ہمارا گھی کا کاروبار ہے۔''

''گھی کا کاروبار...ارے واہ۔پھر تو آپ کی پانچوں انگلیاں گھی میں رہتی ہوں گی؟''

یوں اس نے معلوم کر لیا کہ تگڑی سواری ہے۔اپنے قد سے اونچی لاٹھی لے کر چلنے والا وہ آدمی لکھ پتی یا کروڑ پتی ہے۔اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ضرور ہوگا۔

رات کی تاریکی میں چاند طلوع ہو رہا تھا۔ونود اس چاند میں نینی کی صورت دیکھنا اور خیالوں میں اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔مگر گاڑی اچانک ہی رک گئی۔

اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔''کیا ہوا؟''

وہ بولا۔''وہی ہو رہا ہے' جو ایسے وقت ہوتا ہے۔دائیں بائیں گاڑی کے دروازے

کھل جاتے ہیں اور بندوق والے دکھائی دیتے ہیں۔''

ونود نے دیکھا۔اس کے دائیں بائیں دروازے کھل گئے تھے۔دو آدمیوں نے اسے نشانے پر رکھ لیا تھا۔ڈرائیور نے کہا۔''میں بھی نشانے پر ہوں۔ہم دونوں کو مرنا نہیں' زندہ رہنا چاہئے۔اس لئے بتا دو' پچاس ہزار روپے اٹیچی میں ہیں یا تمہارے بیگ میں ہیں؟''

ونود نے بے اختیار اپنا ہاتھ سینے پر رکھا۔وہاں قمیص کے اندر لاوہ اسٹون والی انگوٹھی تھی۔ایک دھاگے میں بندھی گلے سے لٹک رہی تھی۔اس کے سر پر ٹیکسی کی چھت پر کرامات دکھانے والا عصاء کیریئر سے بندھا ہوا تھا۔وہ نینی کی زندگی میں آنے کے بعد اب تک زندہ سلامت تھا۔لیکن بھری ہوئی بندوقیں کہہ رہی تھیں کہ وہاں میری نیکی اور شرافت کام نہیں آئے گی۔بدنیتی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے پچاس ہزار کا جرمانہ ادا کرنا ہی پڑے گا۔

اس نے بیگ کھول کر پچاس ہزار کی گڈی ان کے حوالے کر دی۔ایک گن مین نے اس کے منہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔''یہ تو اونٹ کے منہ میں زیرہ ہے اور مال نکالو۔''

وہ اپنا منہ سہلاتے ہوئے بولا۔''میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔یہ ایک سونے کی انگوٹھی ہے۔''

''یہ تو ہم انگلی کاٹ کر نکال لیں گے۔''

اس نے فوراً ہی انگوٹھی اتار کر پیش کر دی۔ایک نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔''باہر آؤ....''

باہر دور تک جنگل بیابان دکھائی دے رہا تھا۔اسے پتہ ہی نہ چلا کہ ڈرائیور راستہ بدل کر کہاں لے آیا ہے؟ وہ سب مٹی گارے سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے تھے۔ڈکی سے اس کا سامان نکال کر تلاشی لی جارہی تھی۔

اس نے کہا۔''یہ سارا سامان لے لو۔بھگوان کے لئے مجھے جانے دو۔''

ڈرائیور نے کہا۔''گھی کے کاروبار میں کروڑوں روپے کماتے ہو گے۔کیا ہمارا حصہ نہیں دو گے؟''

''جو کہو گے' دوں گا۔مگر ابھی میرے پاس نہیں ہے۔''

''نہیں ہے تو منگوالو گے۔زیادہ نہیں' بس پچاس لاکھ میں تمہاری چھٹی کر دیں گے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''یہ میری اوقات سے باہر ہیں۔ میں گھی تیار کرنے والے کسی کارخانے کا مالک نہیں ہوں۔ ایک چھوٹا سا تھوک بیوپاری ہوں۔ میں ایک لاکھ سے زیادہ نہیں.....''

بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک نے بندوق کا دستہ اس کی پیٹھ پر مارا۔ وہ مار کھا کر آگے کی طرف جھکا تو سامنے سے ایک لات پڑی۔ ''سالا! ایک لاکھ دینے کی بات کرتا ہے۔ ہم کو بھکاری سمجھ رہا ہے؟''

وہ زمین پر گر پڑا تھا۔ ڈرائیور اور دو گن مین اسے ٹھوکریں مار رہے تھے۔ وہ گڑگڑا رہا تھا کہ دو چار لاکھ سے زیادہ نہیں دے سکے گا۔ اس کی پٹائی ہو رہی تھی۔ وہ لگاتار مار کھاتے ہوئے اپنی مجبوری ظاہر کر رہا تھا۔ مارنے والے مطلوبہ رقم کم سے کم کر رہے تھے۔ پچاس سے تیس لاکھ پھر بیس لاکھ لے کر اسے چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

وہ مار کھاتے کھاتے لہولہان ہو گیا تھا۔ زندگی میں کبھی اتنی مار نہیں کھائی تھی۔ بیہوش ہو گیا تھا۔ ایک نے کہا۔ ''یہ مر جائے گا تو ہم دو چار لاکھ سے بھی جائیں گے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''جو اسے رہائی دلانے کے لئے یہاں رقم لائے گا۔ اس سے فون پر پوچھا جائے کہ وہ ہمیں کیا دے سکتا ہے؟''

ڈرائیور باتوں کے دوران اس کے لباس کی تلاشی لے رہا تھا۔ قمیص کے نیچے اس کا ہاتھ ایک جگہ رک گیا۔ وہ بولا۔ ''یہاں کچھ ہے۔''

اس نے گریبان پھاڑ کر دیکھا۔ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی نظر آرہی تھی۔ ایک نے تعجب سے کہا۔ ''یہ تو انگوٹھی ہے۔ یہ اسے گلے میں کیوں پہنتا ہے؟''

اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے۔ اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ وہ انگوٹھی ایک ڈوری سے بندھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے اسے اس کے گلے سے اتارا پھر دکھاتے ہوئے بولا۔ ''اسے تم انگلی میں کیوں نہیں پہنتے؟''

ونود کے سینے سے ایک آہ نکلی۔ اس انگوٹھی سے زندگی ملتی رہی تھی۔ نیت بدلتے ہی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ وہ ان سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ جو تاج سر پر پہننے کو ملا تھا۔ اسے جوتی بنانے کی سزا پا رہا ہے۔

اس نے بڑی مار کھائی تھی۔ بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے

بولا۔ ''اس انگوٹھی کی بات نہ کرو۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔ میں سچ کہتا ہوں' میری پتنی بہت کوشش کرے گی۔ کسی سے ادھار لے گی تو شائد پانچ لاکھ کا بندوبست کر سکے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ اپنی پتنی سے فون پر بات کرو۔ ہم بھی اس سے بولیں گے۔ اگر وہ تمہاری جان بچانے کے لئے پولیس کو ادھر لائے گی تو ہم تمہیں گولی مار کر بھاگ جائیں گے۔''

''نہیں۔ میری پتنی ایسی غلطی نہیں کرے گی۔ مجھے اس سے بات کرنے دو۔''

اس کے بیگ سے فون نکال کر دیا گیا۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بیٹھ گیا۔ نمبر پنچ کرنے کے بعد اسے کان سے لگایا۔ نینی کی آواز سنائی دی۔ ''اوہ۔ میں تمہارے ہی دھیان میں تھی۔ سمجھ رہی تھی' میری کمی محسوس کرتے ہی فون کرو گے۔ ابھی کہاں ہو؟''

وہ کراہتے ہوئے بولا۔ ''بڑی مصیبت میں ہوں۔ مجھے بچاؤ نینی! نہیں تو میں مر جاؤں گا۔''

وہ گھبرا کر بولی۔ ''تم کراہ رہے ہو۔ آواز سے بیمار لگ رہے ہو۔ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تم کہاں ہو؟''

وہ بتانے لگا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے؟ اور کیا ہونے والا ہے؟ یہ بھی کہا کہ اغواء کرنے والوں کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔

وہ تڑپ کر بولی۔ ''نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ یہ بتاؤ' ان کا مطالبہ کیا ہے؟''

ڈرائیور نے اس سے فون لے کر کہا۔ ''سب سے پہلے یہ سن لو کہ پولیس کو اس معاملے میں لاؤ گی تو دوسری بار فون پر اپنے پتی کی آواز نہیں سن سکو گی۔ ہم اسے مار کر پھینک دیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''میں ایسی غلطی نہیں کروں گی۔ اپنے سہاگ کے لئے جان دے دوں گی۔ تم لوگ چاہتے کیا ہو؟''

اس نے کہا۔ ''تمہاری حیثیت معلوم ہو گئی ہے۔ اس لئے زیادہ نہیں مانگیں گے۔ دس لاکھ روپے لاؤ اور اپنا پتی لے جاؤ۔''

''ابھی میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔ میں کل تک بندوبست کر لوں گی۔ مگر رقم ادا کرنے ایسی جگہ نہیں جاؤں گی' جہاں سے واپس نہ آ سکوں۔''

''اپنے پتی کو زندہ لے جانے کے لئے تمہیں یہاں آنا ہی ہو گا۔''

"میں ایسی نادان نہیں ہوں۔ وہاں آنے کا مطلب یہ ہے کہ پتی کے ساتھ میری جان بھی جائے گی۔ دس لاکھ بھی جائیں گے۔ تم لوگ گرفتاری سے بچنے کے لئے ہمیں مٹی میں ملا دو گے۔"

"ہم ایسا نہیں کریں گے۔ کیا تم اپنے پتی کی زندگی نہیں چاہتیں؟"

"میں ان کی زندگی بچانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگاؤں گی۔ کیا تم ہاتھ آنے والے دس لاکھ چھوڑ دو گے؟"

وہ ذرا چپ رہا۔ پھر بولا۔ "تم بہت چالاک ہو۔ ہم اتنی بڑی رقم نہیں چھوڑیں گے۔ کل تمہارے آدمی کو لے کر ایسی جگہ آئیں گے' جہاں تم اکیلی رقم لے کر آؤ گی۔"

"میں بالکل اکیلی آؤں گی۔ تم لوگوں سے سو گز کے فاصلے پر رہوں گی۔ تمہارا ایک آدمی مجھ سے رقم لے کر تمہاری طرف جائے گا اور میرا ونود میری طرف آئے گا۔"

وہ لین دین کا طریقہ کار طے کر رہے تھے اور ایک دوسرے متفق ہو رہے تھے۔ انہوں نے پھر دھمکی دی کہ وہ اکیلی نہیں آئے گی' کوئی چالاکی دکھائے گی تو ونود اسے مردہ ملے گا۔

ونود نے فون پر کہا۔ "نینی! بھگوان کے لئے کسی کو ساتھ نہ لانا۔ ورنہ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ بولی۔ "میں ایسی کوئی غلطی نہیں کروں گی۔ تم انگوٹھی اور لاٹھی اپنے ساتھ رکھو۔ جب تک وہ تمہارے ساتھ رہیں گی' تب تک تم زندہ سلامت رہو گے۔"

اس نے کہا۔ "لاٹھی ادھر ٹیکسی کی چھت پر ہے اور انگوٹھی ان لوگوں نے لے لی ہے۔ میں ان سے کچھ بولتا ہوں تو یہ میری پٹائی کرنے لگتے ہیں۔ میں لہولہان ہو چکا ہوں۔ تم میری حالت دیکھ کر رونے لگو گی۔"

وہ بولی۔ "مجھے اندازہ ہے' تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہو گا؟ انہیں فون دو میں بات کرتی ہوں۔"

ایک گن مین نے فون لے کر کہا۔ "ہاں۔ بولو...؟"

اس نے کہا۔ "جب میں مطالبہ پورا کرنے والی ہوں' تو میرے پتی پر ظلم کیوں کر رہے ہو؟"

"اب نہیں کریں گے۔ اسے کھلاتے پلاتے رہیں گے۔"

"وہ انگوٹھی اور لاٹھی میرے پتی کے پاس رہنے دو۔ وہ ہماری خاندانی چیزیں ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "لاٹھی کا خاندان سے کیا تعلق ہے؟"

"ہمارے ذاتی معاملات میں نہ بولو۔ تمہیں دس لاکھ ملنے والے ہیں۔ میری بات مانو' وہ دونوں چیزیں میرے پتی کے پاس رہنے دو۔"

انہوں نے ڈوری سے بندھی ہوئی انگوٹھی ونود کے گلے میں ڈال دی۔ ٹیکسی کی چھت سے لاٹھی لا کر اس کے ہاتھوں میں تھما دی۔ اس نے فون پر کہا۔ "یہ مجھے مل گئی ہیں میرا دل کہہ رہا ہے' اب مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ کل تم رقم ادا کرو گی تو میں تمہارے پاس خیریت سے آ جاؤں گا۔"

اگرچہ وہ ایک بڑی رقم ادا کر کے اپنی جان چھڑانے والا تھا۔ مگر انگوٹھی اور عصاء پر عقیدہ تھا۔ ان کے طفیل اسے نینی کے ساتھ ازدواجی زندگی مل رہی تھی۔ میری امانت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مجھے اور پنڈت جی کو دھوکہ دیا تھا۔ نینی کو یقین تھا' آئندہ بھی جھوٹ اور فریب کے ذریعے ان کی مرادیں پوری ہوں گی۔ اس کے پتی کو انگوٹھی اور عصاء کی کرامات حاصل ہوں گی اور وہ ایک لمبی عمر گزارے گا۔

یہ قدرتی معاملات ہیں۔ ایک کے حصے میں آنے والی خوش نصیبی کو نہ کوئی مانگ کر لے سکتا ہے' نہ چھین کر لے جا سکتا ہے۔ انگوٹھی اور عصاء سے حاصل ہونے والی خوش نصیبی صرف میرے لئے تھی۔ وہ میری امانت لے جا کر مجھے مصیبتوں میں مبتلا کر سکتے تھے۔ لیکن میرے حصے کی خوش نصیبی اپنے نام نہیں کر سکتے تھے۔

نینی کی بدنصیبی کو لوٹ کر آنا تھا۔ آج نہیں تو کل آنا تھا۔ لہٰذا آج ہی آ گئی۔ رات کے پچھلے پہر گشت کرنے والے سپاہیوں کی گاڑی ادھر سے گزر رہی تھی۔ انہوں نے ویرانے میں ایک کچے مکان کے اندر لالٹین کی روشنی دیکھی۔ باہر ایک ٹیکسی دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے ہتھیار سنبھالتے ہوئے دور سے للکارا۔ "ادھر کون ہے؟ کتنے لوگ ہیں؟ ہاتھ اٹھا کر باہر آ جاؤ۔"

وہ تینوں شرافت سے باہر آ کر گرفتار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ فوراً ہی مکان سے نکل کر فائر کرتے ہوئے وہاں سے بھاگنے لگے۔ ایک نے ونود کی گردن دبوچ لی تھی۔ وہ دس لاکھ کی اسامی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ دونوں طرف سے گولیاں چل رہی تھیں۔ ونود کسی بھی طرح بھاگ کر قانون کے محافظوں کی پناہ میں نہیں جا سکتا تھا۔ وہ دشمن اسے جانے نہ دیتے۔ اسے

گولی مار دیتے۔یا سپاہیوں کی طرف سے آنے والی گولی اسے لگ سکتی تھی۔وہ دو طرفہ فائرنگ کے درمیان سینڈوچ بنا ہوا تھا۔

ایسے وقت اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔لاوہ اسٹون والی انگوٹھی دھڑکتے ہوئے دل پر رکھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں لاٹھی تھی۔اُسے سلامتی ملنی چاہئے تھی۔لیکن.....امانت میں خیانت تو پھر نہیں سلامتی کی ضمانت...

ایک گولی چیختی ہوئی آکر اس کے سینے میں پیوست ہوگئی۔قصہ تمام ہوگیا۔دوسرے تمام عاشقوں کی طرح اسے نینی کے لگن منڈپ میں آنے اور سات پھیرے لینے سے پہلے نحوست کا شکار ہوجانا چاہئے تھا۔مگر اس کے مقدر میں تھوڑی سی زندگی تھی۔میری نیکی اور انسانی ہمدردی کی بدولت اسے ازدواجی زندگی نصیب ہوتی رہی تھی۔لیکن بدنیتی کے باعث وہ میرے حصے کی خوش نصیبی حاصل نہ کرسکا۔

وہ تینوں اغواء کرنے والے بھی مارے گئے۔پولیس والوں کی تفتیش کا رخ میری طرف ہونے والا تھا۔ونود کے بیگ میں جو کاغذات تھے'ان سے پتہ چلا'وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ پھر یہ کہ اس کی لاش کے ساتھ انگوٹھی اور لاٹھی بھی ملی تھی۔

ان دنوں پولیس اور انٹیلی جنس والے خاص طور پر سی آئی اے کے سراغ رساں ان دو چیزوں کو اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ڈھانچہ تو اب انہیں دکھائی دینے والا نہیں تھا۔لیکن انگوٹھی اور عصاء ملتے ہی جیسے تمام مخالفین کی زندگی میں زلزلہ آگیا۔

تمام جاسوس'تمام سپر پاورز'اور تمام بڑے ممالک کے حکمران اجمیر شریف کی طرف دوڑنے لگے۔پوچھنے لگے'وہ چیزیں کہاں سے ملیں؟ کس سے ملیں؟ کیا ان کے ساتھ سلمان سعدی پکڑا گیا ہے؟ کیا اس کا سراغ مل رہا ہے؟

ان تمام سوالات کے جوابات انہیں نینی سے ہی مل سکتے تھے۔ونود کے حوالے سے وہی منظر عام پر آئی تھی۔مگر وہ ہوش وحواس میں نہیں تھی۔ونود کی ہلاکت نے اسے نیم پاگل بنا دیا تھا۔اس یقین نے ایک زبردست جھٹکا پہنچا کر دماغ کو الٹ دیا تھا کہ نحوست واپس آگئی ہے۔آئندہ کوئی اسے پتی کا پیار دینے والا نہیں آئے گا۔

اسے آرمی کے ایک ہسپتال میں سب سے الگ رکھا گیا۔ذہنی صدمے سے نجات دلانے اور ہوش وحواس میں لانے کے لئے بوڑھے تجربہ کار ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی

جارہی تھیں۔اس کی دماغی حالت ایسی تھی کہ وہ بوڑھے ڈاکٹروں کو بھی پکڑ کر پوچھتی تھی۔"مجھ سے شادی کرو گے؟ میرے ساتھ سات پھیرے لوگے؟"

نحوست طاری ہونے کا دکھ ایسا تھا کہ دوائیں اثر نہیں کررہی تھیں۔ڈاکٹر کہہ رہے تھے'وہ نارمل ہوجائے گی۔لیکن اس میں اچھا خاصا وقت لگے گا۔

میرے دشمنوں نے اتنا تو سمجھ لیا کہ میں اجمیر شہر میں کہیں چھپا ہوا ہوں۔میری انگوٹھی اور لاٹھی ونود کے پاس تھی۔اس سے اندازہ ہوا کہ ونود کا تعلق مجھ سے تھا۔پھر یہ رائے قائم کی گئی کہ اس تعلق کو اس کی پتنی نینی جانتی ہوگی اور جب وہ جانتی ہوگی تو اس کا باپ بھی بہت کچھ جانتا ہوگا۔لہٰذا سب ہی پنڈت جی کی طرف دوڑ پڑے۔

انڈین آرمی کے افسران چند انگریزوں کے ساتھ ان کے دروازے پر آئے۔دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔انہیں اندر بلا رہا تھا۔وہ سب مکان میں گھستے چلے آئے۔ایک کمرے میں فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔پنڈت جی اشنان کرکے اپنا کریا کرم کرکے کفن لپیٹ کر چاروں شانے چت لیٹ گئے تھے۔اب انہیں چار کاندھے ہی وہاں سے اٹھا سکتے تھے۔

جب مجھے ان کی موت کا علم ہوا تو میرے دل کو دھچکا لگا۔وہ اچھے صحت مند تھے۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک ہی اس دنیا سے اٹھ جائیں گے۔انہوں نے خود کشی نہیں کی تھی۔وہ حالات سے گھبرا کر جان دینے والے بزدل نہیں تھے۔پنڈت جی بہت ہی حوصلہ مند تھے۔بیشک مہا گیانی تھے۔انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ کس وقت کس لمحے میں دنیا سے رخصت ہونا ہے۔اسی لئے مقررہ وقت پر اپنی مرن سیج پر جا کر لیٹ گئے تھے۔

میں ان کے دیہانت سے ایک دن پہلے ہی بھیس بدل کر وہاں سے نکل گیا تھا۔میرے پاس انگوٹھی اور عصاء نہیں تھا۔ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی نہیں رہا تھا۔مجھے پہچان لینا تو دور کی بات ہے۔کوئی مجھ پر شبہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے تقریباً دو ماہ بعد اپنے دست راست وجے کھنہ سے رابطہ کیا۔خاص کوڈ ورڈز کے ذریعے اس کا اعتماد حاصل کیا کہ نئے بھیس میں ہی ہوں۔وہ فوراً ہی میرے قریب چلا آیا۔فی الحال رہائش کا مسئلہ تھا۔اس نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی۔میں اب سے پہلے سونے کے بیوپاری کی حیثیت سے ممبئی جاتا آتا رہتا تھا۔وہاں میری ایک کوٹھی تھی۔میں کیلاش کپور

عرف کے کے‘ کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

وجے کھنہ نے کہا۔’’یہاں شہر کے چپے چپے میں آپ کو تلاش کیا جارہا ہے۔آپ نے کیا سوچا ہے؟ یہاں رہیں گے یا کہیں اور جائیں گے؟‘‘

میں نے کہا۔’’لندن جانا ہے۔وہاں میری محبت ہے۔مگر راستہ کٹھن ہے۔پتہ نہیں اپنی منزل تک کب پہنچوں گا؟‘‘

’’یہاں آپ کے لئے قدم قدم پر خطرہ ہے۔اگر ممبئی چلے جائیں تو بہتر ہوگا۔‘‘

’’ممبئی تو جانا ہے۔سری واستو بڑبولا سے نمٹنا ہے۔مگر اپنی انگوٹھی اور عصاء حاصل کئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔‘‘

’’اب انہیں حاصل کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔میرا خیال ہے ان چیزوں کو آرمی ہیڈ کوارٹر میں رکھا گیا ہے یا پھر بڑے ممالک کی یونین انہیں لے گئی ہے۔سی آئی اے کے چالباز سراغ رساں ان کے ذریعے آپ تک پہنچنے کی کوششیں کرتے رہیں گے۔‘‘

’’جانتا ہوں۔دشمن مجھ تک پہنچنے کے لئے جان لڑا دیں گے۔انگوٹھی اور عصاء کو چارہ بنا کر پیش کریں گے۔مجھے پھانسنے کی تمام تدابیر آزماتے رہیں گے۔میری بھی اپنی مجبوری ہے۔دونوں چیزیں میرے لئے ضروری ہیں۔جو مجھے قدرت کی طرف عطا کی گئی ہیں۔میں انہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ان سے محروم نہیں رہوں گا۔‘‘

’’کیا آپ کو یقین ہے‘وہ چیزیں اسی شہر سے حاصل کرسکیں گے؟‘‘

’’میں پنڈت جی کے علم اور گیان کو مانتا ہوں۔انہوں نے مجھے رخصت کرتے وقت کہا تھا‘میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔تم انگوٹھی اور لاٹھی یہاں سے لے کر جاؤ گے۔‘‘

کھنہ نے کہا۔’’میں بھی پنڈت جی کو مانتا ہوں۔پھر بھی یقین نہیں ہورہا ہے۔ٹھیک ہے۔دیکھوں گا‘یہ چمتکار کیسے ہوگا؟‘‘

میں نے کہا۔’’میں یہ عارضی میک اپ اتارنا چاہتا ہوں۔مستقل میک اپ کا سامان لاؤ۔مجھے یہاں سونے کا بیوپاری کیلاش کپور عرف کے کے بن کر رہنا ہے۔‘‘

وہ ضرورت کا تمام سامان لانے کے لئے چلا گیا۔میں سوچنے لگا۔’’میری انگوٹھی اور لاٹھی کہاں ہوگی؟ دشمن اسے حاصل کرنے کے بعد کیا سوچ رہے ہوں گے؟ اور کیا کررہے ہوں گے؟‘‘

میسونی تنظیم کے عہدیداروں‘بڑے ممالک کے نمائندوں اور سی آئی اے کے اعلیٰ

افسروں کا ہنگامی اجلاس کبھی صبح کبھی شام ہورہا تھا۔ان کے درمیان کھلبلی مچی ہوئی تھی۔اس اجلاس میں یہ سوال اٹھایا جارہا تھا کہ وہ انگوٹھی اور عصاء سلمان سعدی کے لئے اہم کیوں ہے؟ وہ ہمہ وقت ان چیزوں کو اپنے ساتھ کیوں رکھتا ہے؟ سب ہی کا یہ خیال تھا کہ وہ دو چیزیں میرے لئے ناسمجھ میں آنے والی قوت اور کشش رکھتی ہیں۔ان کے جادوئی اثر سے میں بڑی کامیابی کے ساتھ سلمان سعدی کی حیثیت کو چھپاتا رہا ہوں اور عمیر بن غازی بن کر آزادی سے زندگی گزارتا رہا ہوں۔

ایک نے کہا۔’’ان کے جادوئی اثرات یقینی ہیں۔اسی لئے ان چیزوں کے ہاتھ سے نکلتے ہی اس کا بھید کھل گیا ہے۔وہ سلمان سعدی کی حیثیت سے ظاہر ہورہا ہے۔‘‘

دوسرے نے کہا۔’’آئندہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ انگوٹھی اور عصاء سے محروم ہونے کے بعد کمزور اور بے سہارا ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو جلد ہی ہماری گرفت میں آئے گا۔‘‘

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔’’قانون کے دائرے میں اور زندگی کے ٹھوس عملی معاملات میں روحانی یا جادوئی اثرات کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ہمیں عقلی دلائل کے مطابق یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی جادوئی کرشمہ اور کرامات نہیں ہیں۔وہ قانون کے محافظوں کو اندھا بنا رہا ہے۔ہوسکتا ہے‘اس نے عصاء کے اندر کچھ جگہ کھوکھلی کرکے وہاں ریڈ مرکری چھپائی ہو۔‘‘

اس بات نے سب ہی کو چونکا دیا۔وہ قائل ہوکر ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔’’میری عقل کہتی ہے‘اس لاوہ اسٹون میں بھی کوئی راز ہوسکتا ہے اور راز یہ کہ اس نے انگوٹھی میں کسی طرح کا جاسوسی آلہ چھپا رکھا ہو۔جس کے ذریعے وہ اپنے مخالفین کو بہروپ میں بھی پہچان لیتا ہو۔‘‘

اور دو چار عہدیدار اور سی آئی اے کے افسران اپنی اپنی عقل کے مطابق دور کی کوڑیاں لانے لگے۔یہ فیصلہ سنایا گیا کہ انگوٹھی اور عصاء کو توڑ پھوڑ کر ان کے اندر چھپے ہوئے رازوں تک پہنچا جائے۔

ایک بوڑھے سراغ رساں نے کہا۔’’ہم ان چیزوں کے ذریعے اسے ٹریپ کرنا چاہتے ہیں۔لہٰذا انہیں ضائع کرنے سے پہلے ان کی نقل تیار کی جائے۔تاکہ سلمان سعدی کو دھوکہ دینے کے لئے ہمارے پاس یہ دونوں چیزیں موجود رہیں۔‘‘

ایک نے پوچھا۔’’ان کے ذریعے کس طرح اسے دھوکہ دے کر پھانسا جائے گا؟‘‘

سراغ رساں نے کہا۔ ''ہم نے اپنے طریقے کار کو ابھی خفیہ رکھا ہے۔ جب کامیابی ہوگی' تب ساری دنیا دیکھے گی کہ کس طرح وہ خطرناک مجرم ہمارے شکنجے میں آ گیا ہے؟''

ان سب کے متفقہ فیصلے کے مطابق اس انگوٹھی اور عصاء کی نقلیں تیار کرائی گئیں۔ لاٹھی کے دو ٹکڑے کئے گئے۔ پھر چار ٹکڑے کئے گئے۔ وہ بالکل ٹھوس تھی۔ ریڈ مرکری چھپانے کے لئے اسے اندر سے کھوکھلا نہیں کیا گیا تھا۔ انہیں یہ دیکھ کر مایوسی ہو رہی تھی۔ پھر انگوٹھی کو بھی اچھی طرح جانچا اور پرکھا گیا۔ پتہ چلا' وہ اصلی لاوہ اسٹون نہیں ہے۔

وہ سوچ میں پڑ گئے۔ یہ حیرانی کی بات تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب وہ اصلی سعد مبارک پتھر نہیں ہے تو سلمان سعدی اسے انگوٹھے میں پہن کر کیوں رہتا تھا؟

چند روحانی عاملوں اور جادوگروں کو بلا کر ٹکڑے ہو جانے والے عصاء اور انگوٹھی کو ان کے سامنے رکھا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ ان چیزوں کی پراسرار خاصیتیں بتائی جائیں؟

انہوں نے اپنے اپنے طور پر معلومات حاصل کیں۔ پھر کہا۔ ''ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ نہ یہ کرامات دکھا سکتی ہیں' نہ کمالات..... یہ عام استعمال کی چیزیں ہیں۔''

انہیں بڑی مہارت سے جانچا اور پرکھا گیا تھا۔ وہ سب حیرانی سے سوچنے لگے' جب ان میں کوئی خوبی نہیں ہے' کمالات دکھانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ تو سلمان سعدی انہیں اپنی جان سے لگا کر کیوں رکھتا تھا؟

بات سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ اس لئے حیرانی دور نہیں ہو سکتی تھی۔ اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ میری انگوٹھی اور عصاء کا کیا حشر کیا گیا ہے؟ اور اس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ ایک عام سی لاٹھی ہے اور انگوٹھی میں جڑا ہوا لاوہ اسٹون نقلی ہے۔

اور میں یہ کبھی مان نہیں سکتا تھا۔ جکارتہ کی مسجد میں ایک بزرگ نے مجھے اصلی لاوہ اسٹون دیا تھا۔ وہ نقلی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ عصاء بھی ایک بزرگ نے ایسے وقت مجھے سہارے کے لئے دیا تھا' جب میں درجنوں لاشوں کے درمیان بے دست و پا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس عصاء نے مجھے توانائی دی تھی اور چلنے پھرنے کے قابل بنایا تھا۔

میری وہ دونوں چیزیں بھرپور کرامات کی حامل تھیں۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ مہربان تھا۔ میں ان سے حسب حال استفادہ کرتا رہا تھا۔ اب یہ کیسے مان لیتا کہ وہ دونوں قدرتی اثرات اور کمالات سے مالا مال نہیں ہیں؟ ہرگز نہیں..... میں کبھی مان نہیں سکتا تھا۔

موجودہ حالات میں کئی طرح کے سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ ''کیا قدرت سے جو انعام مجھے ملا تھا' اسے ضائع کر دیا گیا ہے؟

کیا میری چیزیں مجھے واپس نہیں ملیں گی؟ اگر ملیں گی تو دشمنوں کی پیش کردہ دونوں ہی چیزیں نقلی ہوں گی.....؟''

ابھی میں پریشان نہیں تھا۔ کیونکہ فی الحال اس بات سے بے خبر تھا۔ میری انگوٹھی اور عصاء کے ساتھ کیا کیا گیا ہے اور آئندہ کس طرح نقلی چیزوں کے ذریعہ مجھے دھوکا دیا جائے گا؟ میں بری طرح دھوکا کھا سکتا تھا۔

میرا تو یہ ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعام مجھے ملتا رہا ہے' وہ بالکل کھرا ہے۔ پنڈت جی کے علم اور گیان پر بھی بھروسہ تھا کہ ان کی پیش گوئی کے مطابق میری اصلی اور کھری امانت واپس مل جائے گی۔

زندگی کے اس موڑ پر ایک الجھن' ایک تجسس اور عجیب سی بے چینی پیدا ہونے لگی کہ جب دشمنوں نے میری چیزوں کو جانچنے اور پرکھنے کی حماقت کرتے ہوئے انہیں ضائع کر دیا ہے' ان کی جگہ نقلی چیزیں تیار کی ہیں تو مجھے اصلی کیسے ملیں گی...؟

کیا پنڈت جی کی پیش گوئی غلط ثابت ہوگی؟

میرے بیٹے عمیر کی ڈائری کہہ رہی تھی کہ اس کی لاوا انگوٹھی اور عصا کو انٹیلی جنس والوں نے توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا تھا۔ اب وہ اہم چیزیں اسے ملنے والی نہیں تھیں۔

ابھی جبکہ میں ڈائری پڑھ رہا ہوں تو وہ دونوں چیزیں وہاں تہہ خانے میں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ انٹیلی جنس والوں نے دھوکا کھایا تھا۔ نقلی انگوٹھی اور نقلی عصا کو ضائع کیا تھا۔

اور وہ کیسے دھوکا کھا گئے تھے یہ بات اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ عمیر نے آگے چل کر لکھا تھا.....

ہم مقدر کی ہیرا پھیری کو سمجھ نہیں پاتے۔ میں نہیں جانتا' میری لاعلمی میں انگوٹھی اور عصا کس طرح بدل گئے اور کس طرح نقلی چیزیں انٹیلی جنس والوں کے پاس پہنچ گئیں؟ جو باتیں بعد میں معلوم ہوئیں' انہیں ابھی لکھ رہا ہوں

یہ اس وقت کی بات ہے' جب ونو زندہ تھا اور مرنے سے ڈرتا تھا۔ نینی ہمیشہ اس فکر

میں مبتلا رہتی تھی کہ میں اپنی انگوٹھی اور عصا ان سے لے کر چلا جاؤں گا تو اس کا سہاگ کیسے سلامت رہے گا؟

ایک رات وہ دونوں آرام دہ بستر پر گہری نیند میں تھے۔ اچانک ہی ونود کی آنکھ کھلی تو اس نے مارے خوف کے دم سادھ لیا۔ منہ سے آواز نکالنا بھول گیا۔ ایک سانپ رینگتا ہوا آ کر اس کے سرہانے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ موت اُسے لے جانے کے لئے بالکل تیار ہو کر آئی تھی۔

وہ مارے دہشت کے بول نہیں پا رہا تھا۔ اس نے نینی کو ٹہوکا دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے سانپ کو دیکھتے ہی چیخ ماری۔ بیڈ سے اتر کر دور چلی گئی۔ وہ سانپ پھن کاڑھے یوں ونود کو تک رہا تھا' جیسے اب تب میں اسے ڈسنے ہی والا ہو۔

نینی دور ہی سے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگی۔ ''ہے ناگ دیوتا! میرے سوامی کی جان نہ لو۔ یہ مجھے بڑی مشکلوں سے ملا ہے۔ اس کے سوا میں اور کسی کو نہیں چاہتی۔ یہ مرے گا تو نحوست واپس آجائے گی۔ ہم سے جو بھی بھول ہوئی ہے' اسے شما کرو۔ میں پتیلا بھر کے دودھ پلاؤں گی۔''

وہ وہاں سے دوڑتی ہوئی کچن میں آئی۔ پھر ایک پتیلی اٹھا کر گہرے برتن میں دودھ ڈالنے لگی۔ ہندو ناگ سانپ کو دیوتا مانتے ہیں۔ اس کی پوجا کرتے ہیں اور اسے خوش کرنے کے لئے دوسرے تمام سانپوں کو دودھ پلاتے ہیں۔

وہ دودھ سے بھرا ہوا برتن لے کر کمرے میں آئی۔ بستر کی طرف دیکھا' وہ سانپ وہاں نہیں تھا۔ ونود گہری گہری سانسیں لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ رہا تھا۔ نینی نے پوچھا۔ ''ناگ دیوتا کہاں ہیں؟''

''وہ تو تمہارے جاتے ہی منہ پھیر کر چلے گئے۔ تمہارا احسان نہیں لیا۔ دودھ پلانے سے پہلے ہی میری جان بخش دی۔''

ونود کے دھڑکتے ہوئے سینے پر لاوہ اسٹون رکھا ہوا تھا۔ وہ اس پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ اس انگوٹھی کا چمتکار ہے۔ لوگ سانپوں کو لاٹھی سے مارتے ہیں۔ ہماری لاٹھی سرہانے رکھی ہے۔ ناگ دیوتا کو اس سے نہ مارا گیا' نہ بھگایا گیا۔ وہ بڑی شانتی اور سکون سے چلے گئے۔''

نینی نے دودھ کے برتن کو ایک طرف رکھ دیا۔ وہ تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔

سرہانے آ کر لاٹھی کو تھام کر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولی۔ ''ابھی یہ ہے تو موت ہمارے پاس آ کر پلٹ جاتی ہے۔ جب یہ چیزیں نہیں رہیں گی' تب کیا ہوگا؟''

وہ تڑپ کر بولا۔ ''نہیں... ہم یہ چیزیں واپس نہیں کریں گے۔ اپنی آخری سانسوں تک انہیں کلیجے سے لگا کر رکھیں گے۔''

''مگر یہ غازی کی امانت ہیں۔ وہ کہہ چکا ہے' جاتے وقت لے جائے گا۔ باپو بھی اس کی طرفداری کر رہے ہیں۔''

وہ بولا۔ ''کچھ بھی ہو جائے۔ ہم باپو کی مخالفت بھی مول لیں گے۔ مگر یہ جان بچانے والی اور زندہ رکھنے والی چیزیں واپس نہیں کریں گے۔''

نینی نے کہا۔ ''یا تو ہم ان سے جھگڑا کریں یا کسی تدبیر سے انہیں چھپا کر رکھیں۔''

وہ دونوں کوئی تدبیر سوچنے لگے۔ دوسرے دن نینی نے کہا۔ ''بازار میں ایسا نقلی مال تیار ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر اصلی کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ تم ایسے کاریگروں کو پکڑو جو ایسی ہی لاٹھی اور لاوہ اسٹون والی انگوٹھی بنا کر ہمیں دیں۔''

ونود اس کے ارادے کو سمجھتے ہوئے سر ہلا رہا تھا۔ وہ بولی۔ ''یہ چیزیں ایسی مہارت سے تیار کراؤ کہ بالکل اصلی دکھائی دیں۔ غازی بھی دیکھے تو دھوکا کھا جائے اور انہیں اپنی امانت سمجھ کر قبول کر لے۔''

اس نے کہا۔ ''لاٹھی بنوانا تو آسان ہے۔ کوئی بڑھئی ایسی دوسری بنا دے گا۔ میں اصلی اور نقلی پتھر بیچنے والے دو نمبری جیولر کو جانتا ہوں۔ سمجھو! کل تک ایسا ہی دوسرا لاوہ اسٹون اور ایک عصاء تیار ہو جائے گا۔''

قدرت کے تماشے نظر تو آتے ہیں' مگر دیر سے سمجھ میں آتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب تک وہ میری امانت استعمال کرتے رہے' مجھے دھوکا دینے کا ارادہ نہیں کیا' تب تک موت ان کے پاس آ کر بھی ٹلتی رہی۔

ایک بار ایک پولیس افسر نینی کو برے ارادے سے پکڑ کر جنگل میں لے جا رہا تھا۔ تب ایک سانپ نے جھاڑیوں سے نکل کر اسے ڈس لیا تھا۔ آج ویسا ہی ایک زہریلا سانپ ونود کے پاس آ کر اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر واپس چلا گیا تھا۔

نینی اس سانپ سے مرنے والے کو بھول گئی تھی اور اس سانپ سے بچنے والے

اپنے پتی دیو کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ رہی تھی کہ میری نیکی اس کے کام آ رہی ہے۔

نینی اور ونود سے پوچھا جاتا' ان سے کہا جاتا۔ ''سوچو اور سمجھو' آئندہ بے ایمانی کا انجام کیا ہوگا؟''

تو وہ یہی کہتے۔ ''بھئی کچھ نہیں ہوگا۔ اسے عقلمندی اور ہوشیاری کہتے ہیں۔ جان بچانے کے لئے سب جائز ہے۔''

انہوں نے ہزاروں روپے خرچ کئے اور دوسرے دن بالکل ویسی ہی لاوہ اسٹون سے جڑی انگوٹھی اور لاٹھی بنوالی۔ انہیں گھر لا کر بڑی سی میز پر ایک طرف رکھ دیا۔ دوسری طرف کچھ فاصلے پر میری انگوٹھی اور عصاء کو رکھا۔ پھر ان کے چاروں طرف گھوم کر انہیں ہر زاویے سے دیکھنے لگے۔

نقلی مال بڑی مہارت سے تیار کیا گیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ میں بھی دھوکا کھا جاؤں گا۔ نقل کو اصل سمجھ کر قبول کرلوں گا۔ وہ دونوں خوشی سے لپٹ گئے۔ نینی نے اپنی پیشانی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''اسے کہتے ہیں' بدھی (عقل)..... یہ چالاکی میں نے دکھائی ہے۔''

وہ بولا۔ ''میری جان! تمہارا جواب نہیں ہے۔ بوتل کھولو! آج پینے کا مزہ آجائے گا۔''

بوتل کھل گئی۔ نینی نے پہلا پیگ بنا کر پیش کیا۔ ونود نے اس کے ہاتھ سے ایک گھونٹ پی کر کہا۔ ''بیسن کے پکوڑے اور گرما گرم آلو کے چپس لے آؤ۔ تمہارے ہاتھوں میں بڑا چٹخارہ ہے۔ پینے کے ساتھ کھانے کا بھی مزہ آئے گا۔''

وہ مسکرا کر کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ''زیادہ نہ پینا۔ مجھے ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''بھئی پینا شروع کیا ہے۔ ابھی سے ٹوکنے لگی ہو۔ جو ضروری بات ہے' ابھی کہہ دو۔''

اس نے کہا۔ ''کل میں باپو کی طرف جاؤں گی۔ ان کے سامنے یہ نقلی مال غازی کو دوں گی۔''

''ہاں۔ کل ہی اس کا احسان اتار دو۔ وہ خوش ہوجائے گا کہ اس کی امانت اسے واپس مل گئی ہے۔''

''مگر یہ بھی سوچو' اسے شبہ ہوگیا تو کیا ہوگا؟''

وہ غٹاغٹ پینے کے بعد جام خالی کرتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ بھید کھلے گا تو تمہیں

باپو کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ وہ فوراً ہی یہاں آ کر انگوٹھی اور لاٹھی لے جائیں گے۔ پھر ہمارا کیا بنے گا؟''

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ ''کل تم اصلی امانت لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نقلی مال لے کر باپو کے پاس جاؤں گی۔ کہوں گی' تم کسی ضروری کام سے کہیں گئے ہو۔''

وہ ایک ذرا سوچ کر بولی۔ ''ایسے وقت وہ کہیں گے کہ مال نقلی ہے تو میں ان سے نمٹ لوں گی۔ باپو اور غازی تمہارے پیچھے نہیں آسکیں گے۔ انہیں پتہ ہی نہیں چلے گا' تم کہاں گئے ہو؟''

''یہ اچھی تدبیر ہے۔ مگر غازی میری واپسی کے انتظار میں یہاں سے نہیں جائے گا تو میں واپس نہیں آسکوں گا۔''

''ہم اسے جانے پر مجبور کردیں گے۔ دھمکی دیں گے کہ وہ نہیں جائے گا اور اپنی امانت واپس لینے کی ضد کرے گا تو ہم انٹیلی جنس والوں کو اس کے پیچھے لگا دیں گے۔''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''واہ۔ کیا زبردست دھمکی ہے؟ پھر تو اس کا باپ بھی یہاں سے بھاگے گا۔''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے اسے آغوش میں لے کر جھومنے لگا۔ ''میری جان! تمہاری جیسی پتنی کا ساتھ تو جنم جنم رہے گا۔ نہ کوئی غازی' نہ کوئی پاجی ہمارے درمیان آسکے گا۔''

وہ ہنستے ہوئے اس کی آغوش سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی۔ اس نے موڈ میں آ کر بوتل اٹھائی۔ پھر اسے منہ سے لگا لیا۔ ایک ہی سانس میں غٹاغٹ کئی گھونٹ پی گیا۔ مستی اور سرشاری میں یہی ہوتا ہے۔ پاؤں زمین پر نہیں پڑتے۔ وہ بھی آدھی بوتل پینے کے بعد ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اگرچہ قدم زمین پر پڑ رہے تھے۔ مگر ڈگمگا رہے تھے۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا میز پر آ کر جھک گیا۔ وہاں اس کے دائیں بائیں دو لاوہ اسٹون اور دو لاٹھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے جھومتے ہوئے دونوں طرف دیکھا۔ پھر ایک لاوہ اسٹون والی انگوٹھی اٹھا کر اسے گلے میں پہنتے ہوئے کہا۔ ''میری نینی اسی طرح گلے کا ہار بن جاتی ہے۔ کیا مزے کی عورت ہے؟''

اس نے ہچکی لی۔ پھر کہا۔ ''کیا نشہ ٹوٹ رہا ہے؟ ہچکی تو موت کے سمے آتی ہے۔ آج میں نشے کو مرنے نہیں دوں گا۔''

وہ پھر بوتل منہ سے لگا کر پینے لگا اور بہکنے لگا۔ قدم بھی بہک رہے تھے۔ دونوں ہاتھ بھی بڑی سی میز پر بھٹک رہے تھے۔ وہ انگوٹھی اور عصا کو اٹھا کر سینے سے لگا رہا تھا۔ انہیں چوم کر اِدھر اُدھر رکھتا جا رہا تھا۔ ایک انگوٹھی گلے سے لٹکی ہوئی تھی۔ دوسری انگوٹھی اور دو لاٹھیاں گڈمڈ ہو گئی تھیں۔ یہ پہچان مشکل ہو رہی تھی کہ کون اصلی ہے اور کون نقلی....؟

نینی گرما گرم پکوڑے اور آلو کے چپس لے کر آئی تو وہ ایک عصا کو اپنے سینے سے لگائے کرسی پر بیٹھا تھا۔ نشے کی زیادتی سے جھوم رہا تھا۔ اس نے پلیٹیں میز پر رکھیں پھر ایک انگوٹھی اور عصا کو بے ترتیب دیکھ کر پوچھا۔ ''انہیں ایسے کیوں پھینک دیا ہے؟''

وہ اپنے سینے سے لگی ہوئی انگوٹھی اور عصا کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''جو اپنی چیزیں ہیں' انہیں کلیجے سے لگا لیا ہے۔ جو پھینک دیا ہے' وہ کچرا ہے۔ اس کچرے کو غازی کے سر پر ڈالو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''چلو کھاؤ اور آرام سے لیٹ جاؤ۔ تم نے منع کرنے کے باوجود بہت پی لی ہے۔''

وہ خوش تھی۔ دوسرے دن میرے سر پر کچرا ڈالنے کی بات پر ہنس رہی تھی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کیا گڑبڑ ہو چکی ہے؟ اسے یقین تھا' ونود ہوش و حواس کے وقت اپنی انگوٹھی کو گلے میں پہن چکا تھا اور عصاء کو اپنے بدن سے لگا کر پیتا اور مست ہوتا رہا تھا۔ وہ مطمئن تھی کہ اس کے پتی سے کوئی بھول نہیں ہوئی ہے۔

یہ شبہ نہیں تھا کہ ونود نے مستی اور سرشاری میں اُدھر کا مال اِدھر اور اِدھر کا مال اُدھر کیا ہوگا۔ جو سچا' کھرا اور اصلی مال تھا' وہ میز پر پڑا ہوا تھا۔

نیکی کماتی ہے۔ بہت کماتی ہے۔ اتنا کہ صرف دنیا ہی نہیں' عاقبت بھی کما لیتی ہے۔ مگر ذرا دیر لگتی ہے۔

مصائب سے' آزمائشوں سے گزرنے میں کبھی کبھی اتنا وقت لگتا ہے کہ قوت برداشت جواب دے جاتی ہے اور ہم برداشت کریں' نہ کریں' آزمائشوں سے تو گزرنا ہی پڑتا ہے۔

کوئی ایمانداری سے گزرتا ہے اور کوئی بے ایمانی سے گزر جاتا ہے۔

بے ایمانی سے گزرنے والا ونود اوپر پہنچ گیا تھا اور نینی دماغی امراض کے ڈاکٹروں کے رحم و کرم پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے نیکی کی تھی' صلہ اپنے رب سے چاہتا تھا۔

یہ نہیں جانتا تھا کہ انگوٹھی اور عصا کہاں ہیں؟

وہ کبھی میرے ہاتھوں میں آئیں گے یا نہیں؟

پیش آنے والے حالات سے سب ہی بے خبر رہتے ہیں۔ میں بھی نہیں جانتا تھا' کیا ہونے والا ہے؟

میری دونوں چیزیں نینی کے گھر کے کسی حصے میں پڑی تھیں۔ جیسے ان کا کوئی وارث' کوئی حق دار نہ ہو۔

اس کی دماغی حالت ایسی تھی کہ اسے اپنی نامرادی اور نحوست کے سوا کوئی بات یاد نہیں رہتی تھی۔ پتہ نہیں' وہ کب ذہنی طور پر نارمل ہوگی اور کب یاد کرے گی کہ اس نے ایک لاٹھی اور انگوٹھی کہاں رکھ چھوڑی ہے؟

مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ میری جان سے زیادہ عزیز چیزیں اس دشمن عورت کے گھر میں ہیں؟

کون مجھے وہاں لے جائے گا؟

پیشگوئی کرنے والے پنڈت جی نہیں رہے تھے۔ میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد خواجہ غریب نواز کے دربار میں جایا کرتا تھا۔ دعائیں مانگتا رہتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے فرش پر سو جاتا تھا۔ خوابوں میں آ کر بشارت دینے والے بزرگ جیسے مجھے بھول گئے تھے۔ نظر نہیں آتے تھے۔ کوئی آگہی نہیں مل رہی تھی۔

ان حالات میں میری ضد' میرا حوصلہ تھا کہ بڑھاپے سے جوانی تک لے جانے والے وسائل سے محروم نہیں رہوں گا۔ انہیں وہاں سے لے کر ہی جاؤں گا۔

مگر کیسے....؟

ہم لاعلمی میں کبھی جانی و مالی نقصان اٹھاتے ہیں۔ کبھی خوش قسمتی سے بچ نکلتے ہیں۔ اور قسمت اس وقت ساتھ دیتی ہے' جب ہم ذہانت کو کام میں لاتے ہیں' تدبیر سوچتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

اس انگوٹھی اور عصا سے محروم ہونے کے بعد اگر میں یہ جانتا کہ وہ چیزیں نینی کے گھر میں کہیں پڑی ہیں تو اب تک کسی تدبیر سے انہیں حاصل کر لیتا۔ فی الوقت تو میں مایوس ہو چکا تھا۔ بہت بڑا نقصان برداشت کر رہا تھا۔

ایسے حالات میں ہماری شرافت اور دیانتداری کام آتی ہے۔ نیک عمل کے نتیجے میں

نیکی ضرور ملتی ہے۔ اگرچہ نینی نے میری نیکی کے صلے میں دشمنی کی تھی۔ تاہم میں اس کی موجودہ حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ ہمدردی سے سوچ رہا تھا' اس دماغی مریضہ کی خبر رکھنی چاہئے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ اس کا معقول علاج ہو رہا ہے یا نہیں؟

آخر وہ میرے محسن کی بیٹی تھی۔ اس کا علاج کرانا' اسے ذہنی صدمات سے نکال کر ہوش مندی کی طرف لانا میرا فرض تھا۔ اگر میں ہمدردی کے لئے ہی اس کے قریب جاتا تو شائد مجھے اپنی گمشدہ چیزوں کا سراغ مل جاتا۔ لیکن یہ مشکل تھی کہ وہ مقامی اور غیر مقامی سراغ رسانوں کی نگرانی میں تھی۔ یہ بھی یقین تھا کہ اسے جہاں رکھا گیا ہے' وہاں ضرور خفیہ جاسوسی آلات نصب کئے گئے ہوں گے۔

اور یہ سب کچھ مجھے گرفتار کرنے کے لئے کیا گیا ہوگا۔ انہیں یقین ہوگا کہ میں کسی بھی ضرورت سے' کسی بھی بھیس میں اس کے پاس جاسکتا ہوں۔ قسمت کی کیا ستم ظریفی تھی کہ جہاں سے اپنا کھویا ہوا سرمایہ حاصل کرنے کی امید تھی' وہاں نہیں جاسکتا تھا۔

نینی کے سلسلے میں حقیقت یہ تھی کہ وہ بالکل ہی پاگل نہیں ہوئی تھی۔ بڑے بڑے تجربہ کار ڈاکٹروں نے کہا تھا' وہ رفتہ رفتہ نارمل ہو جائے گی۔ مگر کچھ وقت لگے گا۔ میرے دشمنوں کا خیال تھا' وہ میرے بارے میں بڑی معلومات رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے مجھ تک پہنچا جاسکتا ہے۔

وہ ہم سب کے لئے اہم تھی۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب تک نارمل ہو کر سوچنے' سمجھنے اور بولنے کے قابل ہوگی؟ دیکھا جائے تو اپنی اہم چیزوں سے محروم ہونے کے بعد مجھے وہاں سے ممبئی پھر یورپ کی طرف جانا چاہئے تھا۔ مگر جانے کیوں اسی شہر میں رہ گیا تھا؟ دل کہتا تھا' مجھے کچھ روز وہاں رہنا چاہئے۔ حقیقت یہ تھی کہ میں وہیں رہ کر دشمنوں کو فریب دے سکتا تھا۔ وہ یہی سمجھتے کہ سلمان سعدی گرفتاری کے خوف سے کہیں دور نکل گیا ہے۔

ایک روز ظہر کی نماز کے بعد میں مسجد کے ٹھنڈے فرش پر لیٹ گیا۔ حسب معمول میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے بہت دنوں کے بعد اُن بزرگ کو دیکھا' جو کئی بار خوابوں میں آچکے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ ''جو چیزیں قدرت نے عطا کی ہیں' انہیں کوئی نہیں چھین سکتا۔ جو تمہارے نام ہیں' وہ تمہاری ہی رہیں گی۔''

وہ بزرگ آتے تھے' ٹھہرتے نہیں تھے۔ بولتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ ان کے

جاتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ اگرچہ میں خالی ہاتھ تھا۔ مگر ان لمحات میں ایسا لگ رہا تھا' جیسے گمشدہ خزانہ مل گیا ہو۔ یہ بشارت ملی کہ انگوٹھی اور عصاء کو ضائع نہیں کیا گیا ہے۔ نینی کے مکر وفریب کے باوجود میری چیزیں مجھے ضرور ملیں گی۔

یہ بات ذہن میں گردش کرنے لگی کہ نینی پھر مکاری کر رہی ہے۔ اس نے انگوٹھی اور عصاء کو کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ ان چیزوں نے اسے سہاگن بنایا تھا' ازدواجی مسرتیں دی تھیں۔ اگرچہ بعد میں سہاگ چھین لیا تھا' وہ بیوہ ہوگئی تھی۔ مگر انگوٹھی اور عصاء کی کرامات سے دوبارہ کبھی سہاگن بن سکتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ یہی سوچ کر میری امانت کو مجھ سے چھپا رہی ہے۔ میں نے اپنے دست راست وجے کھنہ سے کہا۔ ''نینی کی خبر لو۔ میڈیکل رپورٹ کے ذریعہ معلوم کرو' اُس کی دماغی حالت کیسی ہے؟''

بعض حالات میں بھرپور طبی معائنے اور علاج کے باوجود ڈاکٹر اندر کے پیچیدہ معاملات کو سمجھ نہیں پاتے۔ یہ کہہ دیتے ہیں کہ مرض تشویشناک نہیں ہے۔ مریض جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔

نینی کے بارے میں بھی ڈاکٹروں کی ایسی ہی رپورٹ تھی۔ سب ہی کہتے تھے کہ وہ جلد ہی نارمل ہو جائے گی۔ اور سچ یہی تھا۔ وہ رفتہ رفتہ نارمل ہو رہی تھی۔ جب کئی دنوں کے علاج کے بعد اس نے ذرا ہوش مندی سے خود کو پہچانا تو اس وقت وہ کمرے میں تنہا تھی۔ کوئی اسے یہ بتانے والا نہیں تھا کہ وہ ایسے کمرے میں کیوں پڑی ہے' جہاں دماغی حالت معلوم کرنے کی مشین رکھی ہوئی ہے؟

وہاں دوائیں اور ایسے آلات تھے' جنہیں دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ کسی مریضہ کے کمرے میں ہے۔ پھر اسے پچھلی باتیں یاد آنے لگیں۔ یاد کرتے ہی ونود کی ہلاکت کا صدمہ پہنچا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ تھوڑی دیر روتی رہی۔ آنسو پونچھتی رہی اور دل ہی دل میں کہتی رہی۔ ''غازی! مجھے معاف کر دو۔ میں نے جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کی بہت بڑی سزا پائی ہے۔''

اس نے بڑے دکھ سے زیر لب کہا۔ ''پتہ نہیں وہ انگوٹھی اور لاٹھی کہاں ہوگی؟ میں آج ہی معلوم کروں گی اور غازی سے معافی مانگ کر اس کی امانت اسے واپس کروں گی۔''

اس کے نارمل ہوتے ہی حالات میرے موافق ہو رہے تھے۔ وہ پچھتا رہی تھی۔ مجھ سے مل کر میری امانت واپس کرنے والی تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک قباحت تھی۔ میں اس سے مل نہیں سکتا تھا۔ گرفتاری کا اندیشہ تھا۔ اگر میں رازداری سے رابطہ کرتا تو بات بن سکتی تھی۔ مگر اس وقت حالات کیا ہوں گے؟ میری تاک میں رہنے والے دشمن اندھے تو نہیں ہوں گے۔ بات بنتے بنتے بھی بگڑ سکتی تھی۔

وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی میرے متعلق سوچ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے جھانک کر اسے دیکھا۔ پھر اندر آ کر رازدارانہ انداز سے باہر دیکھ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی وہ پلٹ کر دھیمی آواز میں بولا۔ ''بائی گاڈ! کیا سندرتا ہے؟ کیا جوبن ہے؟''

وہ حیرانی سے اس کا منہ تکنے لگی۔ گردن سے لٹکا ہوا اسٹیتھسکوپ بتا رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہے۔ مگر اس وقت شاعر اور عاشق بن کر آیا تھا۔ وہ اس کی طرف آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''ہائے ہائے! دیوانہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھے؟ کچھ نہ دیکھے۔ بس تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے۔''

''ہی ہی....'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''کل رات لندن سے آیا ہوں۔ آج صبح تمہیں دیکھا۔ بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ معائنے کے لئے ہاتھ لگایا تو بس ٹٹولتا ہی رہ گیا۔ پتہ نہیں اوپر والے نے کیا چیز بنا کر بھیجی ہے؟''

وہ بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''تم تو بس ایسے ہی تکتی رہتی ہو۔ خود کو نہیں پہچانتیں۔ پھر میری باتیں کیا سنو گی؟ کیا سمجھو گی؟ ہی ہی.... حسینہ کچھ نہ بولے۔ انکار نہ کرے تو مزہ آتا ہے۔ کوئی جھمیلہ' کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔''

وہ بڑی خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ ''بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیٹنے کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ ساری دنیا لیٹے ہی لیٹے پیدا ہوئی ہے۔''

اس نے اسٹھیتسکوپ کو ایک طرف رکھ دیا۔ پھر ایک ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پہلے تمہارے دل کی دھڑکنیں چیک کروں گا۔''

بات ختم ہوتے ہی زوردار آواز کے ساتھ ایک طمانچہ پڑا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ حیرانی سے بولا۔ ''تم.... تم ری ایکٹ کر رہی ہو۔ یعنی سمجھ گئی ہو۔ یعنی.... تمہارا دماغ ٹھیک

ہو گیا ہے؟''

وہ بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ ''کتے! کمینے! صبح تُو نے میرے بدن کو ہاتھ لگایا تھا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ آخ تھو....''

اس نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس نے فوراً ہی پیچھے ہٹ کر اپنا منہ پونچھتے ہوئے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ بہت معروف اور معزز ڈاکٹر تھا۔ فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر اپنی عزت کا واسطہ دے کر معافی مانگنے لگا۔

نینی نے کہا۔ ''دروازہ کھول اور باہر چل۔ میں تجھے جوبن کا تماشہ دکھاؤں گی۔''

وہ قدموں میں گر پڑا۔ گڑگڑانے لگا۔ ''یہاں سے یورپ امریکہ تک میری شہرت ہے۔ میری عزت خاک میں مل جائے گی۔ مجھ سے بڑی سے بڑی رقم لے لو۔ بڑی سے بڑی شرط منوا لو۔ مگر یہ بات کمرے سے باہر نہ جانے دو۔''

''مجھے مفت کا مال سمجھ کر آئے تھے۔ اب پاؤں چھو رہے ہو۔ کتنی جلدی رنگ بدل رہے ہو۔''

''تم اتنی حسین' اتنی پرکشش ہو کہ تمہیں دیکھتے ہی پاگل ہو گیا تھا۔ اب بھی تمہارے لئے پاگل ہوں۔ تم سے شادی کر سکتا ہوں۔''

نینی نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ تو ہمیشہ ہی ایک جیون ساتھی کا خواب دیکھتی آئی تھی۔ مگر نصیب میں ایسی نحوست تھی کہ اس کی زندگی میں آنے والے بارات لانے سے پہلے ہی مر جاتے تھے۔

وہ ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ''ونود ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ کر مارا گیا۔ اس کا تعلق نحوست سے نہیں ہے۔ وہ لاٹھی اور انگوٹھی اب بھی میرے گھر میں ہے۔ میرے پاس ہی ہے۔ اسی لئے ونود کے مرتے ہی یہ دوسرا جیون ساتھی آ رہا ہے۔''

ڈاکٹر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''اس طرح نہ دیکھو۔ یقین کرو۔ میں شادی کی بات صرف اپنی عزت بچانے کے لئے نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے سچ مچ پاگل ہو گیا ہوں۔ پلیز۔ شادی کے لئے راضی ہو جاؤ۔ میں نے معلوم کیا ہے' تم ایک مشہور مہا گیانی پنڈت دینا ناتھ کی بیٹی ہو۔''

''تم عزت لوٹنے آئے تھے۔ اب عزت دینے کی بات کر رہے ہو۔ میں کیسے یقین

کروں کہ کمرے سے باہر جانے کے بعد بدل نہیں جاؤ گے؟"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ ڈاکٹر نے کہا۔" باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں یہیں شادی کا اعلان کروں گا۔"

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک ڈاکٹر اور سی آئی اے کے دو جاسوس کھڑے ہوئے تھے۔ آنے والے ڈاکٹر نے کہا۔" ڈاکٹر داس! آپ کی ڈیوٹی نہیں تھی۔ پھر یہاں کیسے؟"

ڈاکٹر دھرم داس نے نینی کے قریب ہو کر کہا۔" میں کسی مریضہ سے نہیں' اپنی ہونے والی وائف سے ملنے آیا ہوں۔"

سب نے حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے نینی کو دیکھا۔ دھرم داس نے کہا۔" یہ خوشخبری ہے کہ نینی اب نارمل ہوگئی ہے۔ میں ابھی صحت یابی کا سرٹیفکیٹ لکھ کر دوں گا۔"

ایک جاسوس نے کہا۔" شری متی نین کنول ہمارے سوالوں کے جواب دے سکیں گی۔"

دو اور ڈاکٹر آگئے۔ انہوں نے اس کا معائنہ کیا۔ پھر سراغ رسانوں نے اس سے سوالات کئے۔ تمام سوالات میرے متعلق تھے کہ میں کس طرح پنڈت دینا ناتھ کے گھر آیا تھا اور کس طرح وہاں چھپ کر رہتا تھا؟

سی آئی اے اور میسونی تنظیم کے لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ میری انگلی میں انگوٹھی اور ہاتھ میں ایک لاٹھی رہتی ہے۔ میری تیسری نشانی یہ ہے کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا ہوں۔ بدن پر برائے نام گوشت ہے۔ لیکن نینی نے ایک سوال کے جواب میں یہ بتا دیا کہ اب میرے جسم پر گوشت آگیا ہے۔ اب میں ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی نہیں دیتا۔

وہ مجھے تلاش کرنے کے سلسلے میں دھوکہ کھا سکتے تھے۔ انہیں جتنے بھی ڈھانچے نظر آتے' وہ انہیں گرفتار کرتے رہتے اور مجھ تک پہنچ نہ پاتے۔ نینی کے بیان کے بعد میرے لئے خطرات پیدا ہوگئے تھے۔ مجھے پہچان لینے کی آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔

اس نے کہا۔" پلیز۔ میرے باپو کو اطلاع دیں کہ میں نارمل ہوگئی ہوں۔"

ایک جاسوس نے کہا۔" ہم بہت افسوس کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ ان کا دیہانت ہوچکا ہے۔"

اس نے سر جھکا کر آنچل میں منہ چھپا لیا۔ روتے ہوئے کہنے لگی۔" میں اتنی بڑی دنیا

میں تنہا رہ گئی ہوں۔ پہلے پتی گیا۔ پھر پتا جی کا بھی دیہانت ہوگیا۔ میں بہت ہی بدنصیب ہوں۔"

ڈاکٹر دھرم داس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔" پربھو کی لیلا اپرم پار ہے۔ ایک سہارا چھن جائے تو دوسرا سہارا پیدا کر دیتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

ایک جاسوس نے پوچھا۔" لاوہ انگوٹھی اور لاٹھی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا سلمان سعدی یعنی کہ غازی ان چیزوں کے ذریعے کرامات دکھاتا تھا؟"

نینی نے کہا۔" ان دو چیزوں نے میری زندگی میں بھی چمتکار دکھایا ہے۔ میں ابھی گھر جانا چاہتی ہوں۔ جلد از جلد انہیں ہاتھوں میں رکھنا چاہتی ہوں۔"

ایک سراغ رساں نے کہا۔" سوری۔ ہماری سی آئی اے اس انگوٹھی اور لاٹھی کو اپنی تحویل میں لے چکی ہے۔ انہیں ماہرین کے ذریعے جانچا اور پرکھا گیا۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ مگر کسی بھی طرح کا چمتکار دکھائی نہ دیا۔"

دوسرے جاسوس نے کہا۔" یوں بھی ہم انگوٹھی اور لاٹھی کو ضائع کر دینا چاہتے تھے۔ تاکہ وہ کبھی سلمان سعدی کے ہاتھ نہ لگے۔"

نینی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا۔" یہ آپ لوگوں نے کیا کیا؟ جو چیز تمہارے کام نہ آئے' وہ دوسروں کے کام آجاتی ہے۔ وہ میرے بہت کام آرہی تھی۔"

وہ بول رہی تھی اور کن انکھیوں سے ڈاکٹر دھرم داس کو دیکھ رہی تھی' سوچ رہی تھی" میری نحوست دور کرنے والی چیزیں نابود ہوچکی ہیں۔ کیا یہ ڈاکٹر میرا جیون ساتھی بن پائے گا؟"

بہر حال وہاں نینی کی باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی اصل انگوٹھی اور عصاء کی موجودگی سے بے خبر ہے۔ یہی سمجھ رہی تھی کہ جو چیزیں گھر میں کہیں پڑی ہوں گی' وہ جعلی ہوں گی۔ اس نے اور ونود نے مجھے دھوکہ دینے کے لئے نقلی انگوٹھی اور نقلی لاٹھی تیار کرائی تھی۔ اب خود اصلی کو نقلی سمجھ رہی تھی اور نقلی کو اصلی سمجھ کر ان کے رائیگاں ہوجانے پر افسوس کر رہی تھی۔

اب یہ فکر لاحق ہوگئی کہ نحوست واپس آسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے' وہ سہاگن نہ بن سکے۔ یہ ڈاکٹر جو ابھی شادی کا اعلان کر چکا ہے۔ تقدیر کی ہیرا پھیری سے دور ہوسکتا ہے۔ کسی بہانے مر سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے چاہنے والے اس کے عاشق بن کر مرتے رہے تھے۔

وہ یقین کرنا چاہتی تھی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ وہ ڈاکٹر دھرم داس کو آزمانا چاہتی تھی۔ حالات کی مار ایسی پڑتی رہی تھی کہ انتظار کئے بغیر جلد سے جلد آج یا کل میں اس کی پتنی

بن جانا چاہتی تھی۔ انگوٹھی اور لاٹھی کے ضائع ہو جانے سے اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔

ادھر سراغ رساں میرے متعلق سوالات کر رہے تھے۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''آپ لوگ کب تک غازی کے بارے میں بولتے رہیں گے؟ میں جتنا جانتی تھی' وہ ساری باتیں بتا چکی ہوں۔ اب مجھے آرام کرنے دیں۔''

ڈاکٹروں نے کہا۔ ''بیشک تمہیں آرام کرنا چاہئے۔ غازی کے متعلق جو انکوائری رہ گئی ہے' وہ بعد میں ہوتی رہے گی۔''

نیئی نے کہا۔ ''میں یہاں آرام سے نہیں رہ سکوں گی۔ مجھے ڈاکٹر دھرم داس سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ میں ان کے ساتھ اپنے گھر جاؤں گی۔''

اسے دھرم داس کے ساتھ جانے کے لئے ہوسپٹل سے چھٹی مل گئی۔ اس نے راستے میں کہا۔ ''میں بالکل اکیلی ہوں۔ میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ایک بڑے سے گھر میں تنہا رہوں گی تو ڈر لگے گا۔''

وہ ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''میری جان! میں ہوں نا.... تمہارے ساتھ دن رات رہوں گا۔''

''کس رشتے سے رہو گے؟ دنیا والے کیا کہیں گے؟''

''تم چاہو تو کل صبح ہی کورٹ میرج ہو سکتی ہے۔ آہ...! مگر تمہارے بغیر آج رات کیسے گزاروں گا؟ اگر تم چاہو تو...''

اس نے کہا۔ ''آگے مت بولو۔ میں شادی کے بغیر رات نہیں گزاروں گی۔''

''میں کہہ رہا ہوں کہ شادی کے لئے اگنی کے سات پھیرے لینا یا کورٹ میرج کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہماری انڈین فلموں نے آسان راستہ دکھا دیا ہے۔ ہیرو ایک چٹکی سندور ہیروئن کی مانگ میں بھرتا ہے اور وہ فوراً ہی پتی پتنی بن کر پھولوں کی سیج پر پہنچ جاتے ہیں۔''

وہ یہی چاہتی تھی۔ اپنے مقدر کو جلد سے جلد آزمانے کے لئے بولی۔ ''میں اپنی بد نصیبی سے گھبرا گئی ہوں۔ آج ہی' بلکہ ابھی تمہیں اپنا سہارا' اپنا جیون ساتھی بنا لینا چاہتی ہوں۔''

دھرم داس نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر پوچھا۔ ''گھر میں سندور ہو گا یا بازار سے لے آؤں؟''

''سندور ہے۔ میں غسل کرنا اور فریش ہونا چاہتی ہوں۔ تم دو گھنٹے کے بعد آؤ۔ پھر

میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی۔''

وہ اسے چھوڑ کر جانے لگا تو وہ پھر اندیشوں میں گھر گئی' کیا جانے والا واپس آئے گا؟

پھر یہ خیال آیا کہ انگوٹھی اور لاٹھی ونود کی زندگی میں بھی کام نہیں آئی تھیں۔ ان کی موجودگی میں وہ مارا گیا تھا تو پھر چمتکار کیا ہوا؟

وہ سوچتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔ وہ گھر ایک پرانی ملازمہ رادھا بائی کی نگرانی میں تھا۔ اس نے نیئی کو خوش آمدید کہا۔ اسے صحت یابی کی مبارکباد دی۔ پھر اس کے بیوہ ہو جانے پر بڑے دکھ کا اظہار کیا۔ ''ہائے ہائے نیئی بیٹی! اتنی سندر ہو۔ بھرپور جوان ہو۔ یہ بھری جوانی کیسے گزارو گی؟''

وہ بولی۔ ''دو گھنٹے بعد گزارنے والا آ جائے گا۔ میری چنتا نہ کرو۔ یہ بتاؤ' کیا غازی ادھر آیا تھا؟''

''وہ تو نہیں آیا۔ مگر دیسی بدیسی جاسوس آتے رہے۔ وہ بھی غازی کے بارے میں پوچھتے رہے۔ ویسے نیئی! میں حیران ہوں' ہسپتال سے نکلتے ہی دوسرا پتی ڈھونڈ لیا۔ کیا دو گھنٹے بعد بیاہ رچانے والی ہو؟''

وہ الماری سے لباس نکالتے ہوئے بولی۔ ''کوئی دھوم دھام نہیں ہو گی۔ ابھی وہ مانگ میں سندور بھرے گا' بعد میں کورٹ میرج ہو گی۔''

پھر وہ ایک خوبصورت رنگین لباس نکالتے ہوئے بولی۔ ''اس لباس کے اندر جو چولی پہنتی ہوں' وہ کہاں ہے؟''

''یہیں الماری میں ہو گی۔''

''اتنی دیر سے ڈھونڈ رہی ہوں۔ یہاں ہوتی تو مل جاتی۔ کیا تم نکال کر لے گئی ہو؟''

وہ اپنے کان پکڑتے ہوئے بولی۔ ''پندرہ برسوں سے اس گھر کا نمک کھا رہی ہوں۔ کبھی ادھر کی چیز اُدھر نہیں کی۔ تم اپنی چیزیں اسٹور روم میں ڈال دیا کرتی ہو۔ وہاں چل کر دیکھو۔ گھر کی چیز گھر میں ہی ہو گی۔ کہیں نہیں جائے گی۔''

وہ الماری بند کر کے اسٹور روم میں آ گئی۔ لباس کے اندر کوئی سی بھی چولی پہنی جا سکتی تھی۔ مگر وہ چھپا کر پہننے والی چیز اس کے خیال میں بہت لکی تھی۔ پہلی بار ونود نے بڑے پیار سے اتاری تھی۔ ورنہ اس سے پہلے آنے والے مرجاتے تھے۔ بھاگ جاتے تھے۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ ڈاکٹر دھرم داس آنے سے پہلے بھاگ جائے یا کسی بہانے مرجائے۔قسمت بنانے والی انگوٹھی اور لاٹھی نہیں رہی تھی۔اب وہ ٹوٹکا ہی رہ گیا تھا۔اس لباس اور چولی سے کھیلنے والا ونود چھ ماہ تک زندہ رہا تھا۔یہی چیزیں دھرم داس کو بھی زندہ رکھ سکتی تھیں۔

اسٹور میں آتے ہی اسے لاٹھی دکھائی دی۔وہ ایک طرف بے مصرف پڑی ہوئی تھی۔نینی اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔اسے یوں لگا' جیسے چمتکار دکھانے والی لاٹھی واپس آگئی ہے۔اب وہ اس کے ذریعہ اپنے نئے پتی کو ہانکتی رہے گی۔

اس نے آگے بڑھ کر اس لاٹھی کو سامان کے ذخیرے سے اٹھایا۔ایسے ہی وقت دماغ میں بات آئی۔''یہ تو اصلی نہیں ہے۔اسے تو غازی کو دھوکہ دینے کے لئے بنوایا گیا تھا۔اب کیا میں دھوکہ کھانے کی نادانی کررہی ہوں؟یہ تو کوئی کمال نہیں دکھائے گی۔''

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔پھر لاٹھی کو وہیں پھینک دیا۔کمرے سے رادھا کی آواز سنائی دی۔''نینی یہ چولی ادھر میلے کپڑوں میں پڑی ہے۔''

اس نے باہر آکر دیکھا۔لاٹھی کو پاکر بھی مایوسی ہوئی تھی۔مگر چولی ہاتھ آکر ڈوبنے والی کو تنکے کا سہارا دے رہی تھی۔رادھا نے کہا' تم اشنان کرو۔تب تک میں اسے دھوکر سکھاتی ہوں۔ماں جگدمبے کی کرپا سے تمہاری منوکامنا ضرور پوری ہوگی۔تم پھر سہاگن بنوگی۔''

وہ باتھ روم میں آگئی۔وہاں غسل کرنے کے دوران اس نے لاٹھی کے متعلق سوچا۔یک نئی بات دماغ میں آئی کہ اصلی لاٹھی ونود کے پاس تھی تو اس نے چمتکار کیوں نہیں دکھایا؟اسے ہلاکت سے کیوں نہ بچایا؟

یہ بہت اہم نکتہ تھا۔اس کا دماغ کہہ رہا تھا' وہ لاٹھی چھ ماہ تک ونود کے ساتھ رہی اور وہ چھ ماہ تک زندہ سلامت رہا۔جب اس کی نقل تیار کی گئی' تب ہی گھپلا ہوا...لیکن یہ گھپلا کیسے ہوا؟''

وہ سوچنے لگی۔پوری توجہ سے پچھلی باتیں یاد کرنے لگی۔تب یہ یاد آنے لگا کہ جس رات ونود خوب پی رہا تھا اور نشے میں تھا۔تب اس کے پاس بڑی سے میز پر اصلی اور نقلی انگوٹھیاں اور لاٹھیاں رکھی ہوئی تھیں۔اس نے نشے کی حالت میں ادھر کی چیز اُدھر کردی ہوگی۔

یہ دل کو لگنے والی بات تھی۔اس بات سے اور کئی باتیں نکل رہی تھیں۔ذہن میں یہ خیال پیدا ہورہا تھا کہ چھ ماہ تک ونود کی حفاظت کرنے والی لاٹھی اور انگوٹھی نے اسے ہلاکت

سے کیوں نہیں بچایا؟

جواب یہ سمجھ میں آیا کہ ونود اصلی کی جگہ نقلی لاٹھی اور انگوٹھی ساتھ لے گیا تھا۔مجھے دھوکہ دینے کے لئے جو نقلی مال تیار کرایا گیا تھا۔دوسرے لفظوں میں میرے لئے جو گڑھا کھودا گیا تھا۔اس میں وہ خود گرکر فنا ہوگیا تھا۔

وہ آئینے کے سامنے تولیے سے بدن خشک کررہی تھی۔جب یہ بات دماغ میں آئی کہ غلطی سے چیزیں بدل گئی تھیں تو ایکدم سے ساکت ہوکر آئینے میں خود کو تکنے لگی۔اس کے اندر یہ خیال چیخ رہا تھا کہ اصلی لاٹھی اور انگوٹھی اسٹور میں ہے۔اب تک وہ اور صرف ونود ہی نہیں' سی آئی اے والے بھی دھوکہ کھاتے رہے ہیں۔

وہ فوراً ہی کپڑے پہن کر باتھ روم سے نکلی۔پھر تیزی سے چلتی ہوئی اسٹور میں آگئی۔وہاں جس لاٹھی کو پھینکا تھا۔اسے اٹھا کر سینے سے لگالیا۔دل ہی دل میں کہنے لگی۔''ہے بھگوان!یہی اصلی ہو اور اسے اصلی ہونا چاہئے۔کیونکہ یہ میرے پاس' میرے گھر میں ہے۔اس لئے میں محفوظ ہوں۔ونود اس سے دور چلا گیا تھا' اس لئے مارا گیا۔''

پھر اسے انگوٹھی کا خیال آیا۔اس نے دیکھا تھا کہ وہ چیزیں ہمیشہ میرے ساتھ رہا کرتی تھیں۔پنڈت جی نے بھی اسے بتایا تھا کہ لاٹھی کی طرح انگوٹھی بھی میری زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔وہ اسٹور میں ہر طرف نظریں دوڑانے لگی۔

ایک طرف اوپر سے نیچے تک لکڑی کے ریک بنے ہوئے تھے۔وہاں چھوٹی بڑی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔وہ قریب آکر ایک ایک چیز اٹھا کر انگوٹھی ڈھونڈنے لگی۔اس نے آواز دی۔''بائی....!''

رادھا بائی نے جواب دیا۔''ہاں بولو کیا بات ہے؟''

اس نے پوچھا۔''یہاں ایک انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔تم نے دیکھی ہے؟''

دوسری طرف رادھا بائی ٹھٹک گئی۔وہ چولی کو دھونے کے بعد ہیئر ڈرائیر سے خشک کررہی تھی۔اس نے پریشان ہوکر اسٹور کی طرف دیکھا۔پھر انجان بن کر پوچھا۔''کیسی انگوٹھی....؟میں نے ادھر سامان کے ڈھیر میں کوئی انگوٹھی نہیں دیکھی۔''

نینی نے کہا۔''تم نے نہیں دیکھی ہوگی۔مگر یہاں کہیں ہے۔ڈھونڈنے سے ملے گی۔یہاں آؤ' اسے تلاش کرو۔''

''میں تمہاری چولی سکھا رہی ہوں۔''

''چولی جائے چولہے میں..... یہاں آؤ۔ وہ انگوٹھی میرے لئے بہت ضروری ہے۔''

وہ اسٹور میں آگئی۔ وہاں جیسے دنیا جہان کا کاٹھ کباڑ رکھا ہوا تھا۔ پہاڑ جیسے ذخیرے سے ایک تنکا ڈھونڈ نکالنے والی بات تھی۔ وہ بے دلی سے نینی کے ساتھ اسے تلاش کرنے لگی۔ یہ اچھی طرح جانتی تھی' انگوٹھی وہاں نہیں ہے۔

☆☆☆

مجھے بشارت ملی تھی کہ میری انگوٹھی اور عصا قدرت کا عطیہ ہیں۔ وہ میرے لئے ہیں۔ میرے لئے ہی رہیں گی۔ انہیں کوئی چھین نہیں سکے گا۔ یہ حوصلہ افزا خواب دیکھنے کے بعد میں نے وجے کھنہ سے کہا تھا کہ وہ نینی کی نگرانی کرتا رہے۔ کیونکہ میری امانت اسی کے پاس تھی۔ اس لئے اس پر نظر رکھنے سے بات بن سکتی تھی۔

وجے کھنہ نے ہوسپٹل میں اس کی نگرانی کروائی اور اس کے گھر پر بھی نظر رکھی۔ گھر کے اندر پہنچنے کے لئے رادھا بائی سے راہ و رسم بڑھائے۔ اس سے کہا۔ ''مجھے ایک گھریلو ملازمہ کی ضرورت ہے۔ کیا تم روز ایک آدھ گھنٹے کے لئے آکر میرے لئے کھانا پکا سکتی ہو؟ میں برہمن ہوں۔ اس لئے ہوٹل کا کھانا نہیں کھاتا۔''

اس نے توقع سے زیادہ تنخواہ دی تو رادھا بائی روز دو گھنٹے کے لئے اس کے گھر آنے لگی۔ وہ کچن میں کام کرنے کے دوران باتیں کرتی تھی۔ وجے کھنہ کو یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ پولیس اور سی آئی اے والے وہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ موجودہ حالات میں وہ اس گھر کے اندر پہنچ نہیں پائے گا۔

مایوسی ہوتی ہے' مگر قسمت ساتھ دے تو کسی طرح بات بن ہی جاتی ہے۔ ایک روز رادھا کچھ بیمار تھی۔ کام کرنے کے لئے جوان بیٹی کو اپنے ساتھ لائی۔ وجے کھنہ اسے دیکھتے ہی چونک گیا۔ اس کی ایک انگلی میں لاوہ اسٹون والی انگوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ جوان لڑکی بہت ہی موٹی اور بھدی تھی۔ میرے سائز کی انگوٹھی اس کی انگلی میں آگئی تھی۔ وجے کھنہ نے انجان بن کر پوچھا۔ ''تم نے یہ انگوٹھی کہاں سے خریدی ہے؟''

لڑکی نے کہا۔ ''خریدی نہیں ہے۔ ایک روز مالکن کے گھر صفائی کر رہی تھی۔ وہاں سے ملی تھی۔''

اس نے کہا۔ ''مگر یہ تو مردانہ انگوٹھی ہے۔ تمہیں عورتوں والی پہننی چاہئے۔ یہ مجھے دے دو۔''

رادھا بائی نے کہا۔ ''میں نے بھی کہا تھا' اسے نہیں پہننا چاہئے۔ پھر ایک جیوتشی نے کہا کہ انگوٹھی کا پتھر بہت قیمتی ہے۔ اسے پہنے رہو۔ بہت فائدہ پہنچائے گی۔''

وجے کھنہ نے کہا۔ ''تو سمجھ لو فائدہ پہنچنے کا وقت آگیا۔ میں اس انگوٹھی کے بیس ہزار روپے دوں گا۔''

رادھا بائی نے چونک کر پوچھا۔ ''بیس ہزار.....؟''

اس نے پوچھا۔ ''کیا کم ہیں؟ چلو تیس ہزار دوں گا۔''

وہ بولی۔ ''معلوم ہوتا ہے' آپ اس کی صحیح قیمت جانتے ہیں۔ ہمیں کم دے رہے ہیں؟''

''میں جتنی بھی قیمت دوں گا' تم اسے کم سمجھو گی۔ چلو تم ہی بولو کیا لو گی؟''

اس نے بیٹی کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا' سوچا پھر کہا۔ ''میں پورے پچاس ہزار لوں گی۔''

وجے کھنہ ایک کمرے میں گیا۔ پھر وہاں سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی لا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ ''لو گن لو۔ پورے پچاس ہزار ہیں۔''

وہ رقم لے کر خوش ہو گئی۔ یوں وجے کھنہ نے وہ انگوٹھی میرے پاس پہنچا دی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے کر چوما سینے سے لگا کر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ ''وجے! اس گھر میں میرا عصا بھی ہوگا۔''

اس نے کہا۔ ''میں نے رادھا بائی سے یہ انگوٹھی حاصل کرنے کے بعد کہا کہ مجھے ایک لاٹھی کی تلاش ہے۔ یہ نہ پوچھو کہ وہ میرے لئے کیوں ضروری ہے؟ اگر وہ لے آؤ گی تو میں اور پچاس ہزار روپے دوں گا۔''

''ہوں..... تو اس نے کیا کہا؟''

''اس نے ساری زندگی میں پچاس ہزار روپے ایک ساتھ اپنی مٹھی میں نہیں دیکھے تھے۔ ایک ہی دن میں اسے ایک لاکھ مل رہے تھے۔ وہ فوراً ہی بولی کہ ایک لاٹھی اسٹور میں رکھی ہے۔ آج شام کو ہی لا کر دے گی۔''

''تو پھر جاؤ۔ اس گھر کے قریب رہو۔ وہاں سے وہ عصاء لے کر ہی آؤ۔''

وہ بولا۔''سر! آپ کا عصاء ضرور ملے گا۔لیکن پریشانی یہ ہے کہ اسے کہاں چھپا کر رکھا جائے گا؟''

خدا کا شکر ہے' میری اہم چیزیں مجھے مل رہی تھیں۔لیکن یہ تشویش پیدا ہوگئی تھی کہ سوا چھ فٹ کی لاٹھی کو کیسے چھپا کر رکھا جائے گا؟ دشمن اسے دور سے دیکھتے ہی میری طرف دوڑے چلے آئیں گے۔یہ ایسی پہچان تھی کہ عام آدمی بھی میری صورت نہ پہچانتے ہوئے' میرا نام نہ جانتے ہوئے بھی مخبری کرسکتا تھا کہ وہ لاٹھی والا غازی فلاں جگہ چھپا ہوا ہے۔

وجے کھنہ نے کہا۔''ہمارا کوئی بھی آلہ کار اسے اپنے پاس رکھے گا تو وہ دن رات دشمنوں کی نظروں میں رہے گا۔اس لاٹھی کو ضرورت کے وقت آپ تک پہنچانا چاہے گا تو دشمن بھی اس کے پیچھے چلے آئیں گے۔''

''ہوں....فی الحال یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اسے ہمیشہ کس طرح چھپا کر رکھا جائے گا؟ لیکن ابھی وہ عصا ہمارے ہاتھ آئے گا تو عارضی طور پر اسے کسی ایسی جگہ رکھنا ہوگا' جہاں میں ضرورت کے وقت آسانی سے پہنچ سکوں۔''

وہ بولا۔''میں کچھ دنوں تک اسے اپنے گھر میں رکھ سکتا ہوں۔یہ راز صرف رادھا بائی کو معلوم ہوگا۔''

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔''ہاں۔اسے مجبوراً رازدار بنانا ہوگا۔''

فی الوقت یہی کیا جاسکتا تھا۔اس طرح عارضی طور پر یہ مسئلہ حل ہوگیا۔کسی بھی کام میں چھوٹی بڑی رکاوٹیں پیش آتی رہتی ہیں۔شام چھ بجے رادھا بائی نے فون پر وجے کھنہ سے کہا۔''ذرا گڑبڑ ہورہی ہے۔ادھر نہ آنا۔نینی ہسپتال سے اچانک واپس آگئی ہے۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔''کیا وہ نارمل ہوگئی ہے؟''

''پورے ہوش وحواس میں ہے۔ابھی کہہ رہی تھی کہ دو گھنٹے بعد بیوہ نہیں رہے گی۔پھر سے سہاگن بن جائے گی۔''

''یعنی اس گھر میں شادی کی چہل پہل ہوگی؟ یہ تو اچھی بات ہے۔ایسے وقت وہ دلہن بن کر رہے گی۔تم پچھلے دروازے سے وہ لاٹھی لاکر مجھے دے دینا۔''

''کوئی چہل پہل نہیں ہوگی۔اس گھر میں وہ ہوگی اور اس کا مرد ہوگا۔میں وہ لاٹھی وہاں سے نکال نہیں پاؤں گی۔''

''تم خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔اسے مسئلہ بنا رہی ہو۔جبکہ نینی لاٹھی کو بھول چکی ہوگی۔''

''ہاں۔شائد میں گھبرا رہی ہوں۔اب ہمت کروں گی۔تمہارا کام ہوجائے گا۔''

اس نے تھوڑی دیر بعد فون پر کہا۔''تمہارا کام نہیں ہوسکے گا۔نینی اس لاٹھی کو بھولی نہیں ہے۔اسے سینے سے لگا رہی ہے اور اس انگوٹھی کو پورے گھر میں ڈھونڈ رہی ہے' جسے تم لے چکے ہو۔''

اس نے کہا۔''وہ لاٹھی ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔میں ابھی اس مکان کے پچھواڑے آرہا ہوں۔تم موقع پا کر اسے دروازے یا کھڑکی سے باہر پھینک دو۔میں اٹھا کر لے جاؤں گا۔''

''اگر میں پکڑی گئی تو جوتے الگ پڑیں گے اور یہ بھید الگ کھلے گا کہ وہ انگوٹھی بھی میں نے ہی چرائی ہے۔''

''زیادہ نہ بولو۔میں ہر قیمت پر وہ لاٹھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔تمہیں پچاس ہزار کی جگہ ابھی ایک لاکھ دوں گا۔تم نے اتنی بڑی رقم کبھی اپنے ہاتھوں میں نہیں دیکھی ہوگی۔ابھی لاٹھی لے کر پچھلے دروازے سے باہر آؤ اور ایک لاکھ لے جاؤ۔''

رادھا بائی کے اندر کھلبلی سی مچ گئی۔''ہے بھگوان! میں ایک لاکھ روپے کیسے چھوڑ دوں؟ اسے اسٹور روم سے کیسے نکال کر لے جاؤں؟''

فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔وجے کھنہ جیسے اس کے کان سے اس کے دماغ میں گھس کر بولا۔''دیر نہ کرو۔میں تمہیں دو لاکھ دوں گا۔ابھی دوں گا۔ایک پل بھی گنوائے بغیر آجاؤ۔میں پندرہ منٹ میں پچھلے دروازے پر آرہا ہوں....بولو آرہی ہو؟''

دو لاکھ میں تو جیسے اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔وہ اور رقم بڑھاتا تو مر ہی جاتی۔جلدی سے ہانپتے ہوئے بولی۔''آرہی ہوں۔جان لڑا کر بھی آؤں....میں آرہی ہوں۔''

وہ فون بند کرکے اسٹور روم میں آئی۔نینی تھک ہار کر بیٹھی ہوئی تھی۔انگوٹھی نہیں مل رہی تھی۔رادھا بائی کو دیکھ کر بولی۔''بار بار کہاں چلی جاتی ہو؟ یہاں میں نے تنہا اسٹور روم چھان مارا ہے۔آخر وہ کہاں جائے گی؟''

''یہ نصیب کی بات ہوتی ہے۔جو چیز اپنے بھاگ میں نہیں ہوتی' وہ کیسے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔یہ ہم سمجھ نہیں پاتے۔''

"سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جب تک میں ہسپتال میں رہی' تب تک یہاں کوئی نہیں آیا۔ صرف تم صفائی ستھرائی کے لئے آتی ہو۔"

"نینی! میں نے وہ انگوٹھی دیکھی تھی۔ وہ تو چاندی کی بھی نہیں تھی۔ اس کے دس روپے بھی نہیں ملیں گے۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی ہوں کہ تم نے چرائی ہے۔ تم برسوں کی بھروسے والی نوکرانی ہو۔ وہ تم نے نہیں لی۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کمرے سے آپ ہی آپ کہاں جائے گی؟"

"تم مانو یا نہ مانو' آپ ہی آپ تقدیر لے جاتی ہے۔ اگر تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ انگوٹھی کو تمہارے پاس نہیں رہنا چاہئے تو پھر وہ جا چکی ہے۔"

نینی نے کالنگ ٹون سن کر فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے دھرم داس کی آواز سنائی دی۔ "ہائے مائی لو! دو گھنٹے ہونے والے ہیں۔ مگر مجھے آنے میں کچھ وقت لگے گا۔ میں تمہارے لئے سرپرائز گفٹ لانے والا ہوں۔ بس اگلے ایک گھنٹے میں آ رہا ہوں۔"

وہ بولی۔ "کوئی بات نہیں۔ میں بھی اب تک تیار نہ ہو سکی۔ میری ایک قیمتی چیز گم ہو گئی ہے۔ اسے تلاش کر رہی ہوں۔"

"ایسی کون سی قیمتی چیز گم ہو گئی ہے؟ مجھے بتاؤ؟"

"فون پر کیا بتاؤں؟ اس چیز کا تعلق میری ازدواجی زندگی سے ہے۔ وہ ہو گی تو میں سہاگن بن سکوں گی۔ ورنہ رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تم ذہین اور پڑھی لکھی ہو۔ مگر وہمی ہو۔ جاہل اور گنوار عورتوں والی باتیں کر رہی ہو۔ میں دھرم داس ہوں۔ میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ جب زبان سے کہہ دیا کہ ہم لائف پارٹنر بن رہے ہیں تو ایک گھنٹے بعد ضرور بن رہے ہیں۔ کسی کا باپ بھی ہماری شادی نہیں روک سکے گا۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔ تیار ہونے جا رہی ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ رادھا بائی نے کہا۔ "تم اپنے کمرے میں جا کر انگوٹھی بھی تلاش کرو اور تیار بھی ہوتی رہو۔ میں یہاں اچھی طرح ڈھونڈ رہی ہوں۔"

نینی وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی۔ رادھا بائی نے جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر چکی تھی۔ رادھا نے اطمینان کی سانس لی۔ مگر وہ دروازہ

پھر کھل سکتا تھا۔ اس سے پہلے ہی وہ لاٹھی اٹھا کر اسٹور روم سے نکل کر تیزی سے چلتی ہوئی مکان کے مختلف حصوں سے گزر کر پچھلے دروازے کے پاس آ گئی۔ اسے کھول کر باہر قدم رکھا تو وجے کھنہ کہیں چھپا ہوا تھا۔ اچانک ہی سامنے آ گیا۔

اس کے منہ سے اچانک ہی چیخ نکل گئی۔ اندر خوف سمایا ہوا تھا۔ مگر وجے کھنہ کے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈی دیکھ کر حوصلہ اور توانائی ملی۔ اس نے لاٹھی اس کے حوالے کی اور دو لاکھ روپے لے کر اندر آ گئی۔ دروازے کو بند کر کے اس گڈی کو اپنے میلے کپڑوں کی گٹھڑی کے اندر چھپا لیا۔ پھر نینی کے دروازے پر آ کر دستک دیتے ہوئے کہا۔ "میری بیٹی کا فون آیا ہے۔ وہ چھاتی پیٹ کر رو رہی ہے۔ داماد جی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ مجھے ابھی جانا ہو گا۔"

نینی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ پھر بولی۔ "یہ تو بہت بری خبر ہے۔ تم ابھی جاؤ۔ اسے کسی اچھے ہسپتال میں لے جاؤ۔"

رادھا بائی کے ہاتھوں میں اس کے میلوں کپڑوں کی گٹھڑی تھی۔ کہتے ہیں' پیسہ ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ وہ میل اس وقت میلی گٹھری میں تھا۔ نینی اسے باہر دروازے تک چھوڑنے آئی اور وہ اس کے سامنے دو لاکھ روپے لے کر چلی گئی۔

☆☆☆

مجھے خواب کی تعبیر مل گئی۔ بزرگ نے فرمایا تھا' جو چیزیں میری ہیں' وہ مجھے ملیں گی۔ انگوٹھی کے بعد وہ عصاء بھی میرے ہاتھوں میں آ گیا۔

ان دونوں کی جدائی نے میرے آگے بڑھنے کا راستہ روک دیا تھا۔ میں وہاں سے لندن جانا چاہتا تھا۔ جب سے حجاب میری زندگی میں آئی تھی۔ تب سے دن رات خوابوں اور خیالوں میں آتی رہتی تھی اور پوچھتی رہتی تھی۔ "کب آ رہے ہو؟ شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی...."

یہاں بھی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ میں سیدھا اس کی خلوت میں پہنچ سکتا تھا۔ بظاہر کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ مگر وہی عصاء کا مسئلہ تھا کہ اسے ساتھ کیسے لے جاؤں؟

میں حیات کے راستے میں پیچھے کی سمت جا رہا تھا۔ بڑھاپے سے جوانی کی سمت گھوم گیا تھا اور ادھر سفر جاری رکھنے کے لئے زادِ سفر میں انگوٹھی اور عصاء لازمی تھے۔ وہ گم ہونے کے بعد ہاتھ آ گئے تھے۔ مگر محبوبہ سے دور ہونے کے بعد قربت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔

اس کی محبت پا کر جوانی کی سوچ میں پختگی آ رہی تھی۔ یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ ہاں مگر گوشت پوست کا ایک صحت مند بوڑھا دکھائی دیتا ہوں۔ سوچ رہا تھا' حالات سازگار ہوں گے تو باڈی بلڈنگ کروں گا۔ یوں ڈھیلے بدن میں سختی اور پھرتی آئے گی۔

ابھی تو میرے ساتھ وہی سلسلہ تھا۔ جب کوئی دشمن حملہ کرتا تو میں یکبارگی جیسے سپر مین بن جاتا تھا۔ بابر بلا جیسے خطرناک فائٹر کی گردن توڑنے کے بعد مجھے یاد ہے' میں اچانک ہی بوڑھا ہو گیا تھا۔ تھکن اور کمزوری سے ہانپنے لگا تھا۔ یعنی ابھی مستقل جوان نہیں ہوا تھا۔ مجھے دن' تاریخ مہینے اور سال کے حساب سے تھوڑی تھوڑی سی جوانی کی سوغات ملتی رہنے والی تھی۔

یہ خیال ذہن میں گردش کرتا رہتا تھا کہ مجھے اپنی جوانی کے سفر کو آزماتے رہنا چاہئے۔ کسی طور یہ معلوم کرتے رہنا چاہئے کہ نئی جوانی ابھی پالنے میں ہے یا گھٹنوں کے بل چلنے لگی ہے؟ اس بالی عمریا کا وزن کیا ہے؟ یہ کب بجلی بن کر گرے گی؟

یہ ایسا عجیب و غریب معاملہ تھا' جو آج تک کسی کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ کسی کو گزری ہوئی جوانی نہیں ملی تھی۔ مجھے مل رہی تھی' اس لئے تجسس پیدا ہوتا رہتا تھا کہ مل بھی رہی ہے یا نہیں؟

جوانی کو کیسے ناپا' تولا اور آزمایا جا سکتا ہے؟

جوانی بھرپور توانائی کا نام ہے۔ اگر توانائی کم ہے تو پھر بڑھاپا ابھی حاوی ہے۔

بیماریوں سے' کمزوریوں سے اور دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے اس حد تک آزما رہا تھا کہ جوانی مل رہی ہے۔ مگر بڑھاپے کی چھاؤں میں مل رہی ہے۔

میں میدان مارتا ہوں مگر ہانپتا کانپتا بھی ہوں۔ توانائی کے باوجود لاٹھی ٹیکتا ہوا واپسی کے سفر میں ہوں۔

پھر وہی سوال کہ جوانی کو کیسے ناپا تولا اور آزمایا جا سکتا ہے؟

جوانی جام جم' حسن محکم' شباب پیہم کا نام ہے۔ یہ پیہم نہ ہو تو بڑھاپے کا دائمی زکام ہے۔

اگر پرکھنے کے لئے کوئی حسن و شباب ضروری ہوتا ہے تو میرے پاس حجاب تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک قباحت تھی۔ عید کا چاند دور سے دیکھا جاتا ہے۔ حسن کے چاند کو کلیجے سے لگا کر دیکھو' تب بھی دل نہیں بھرتا۔ جبکہ میرا چاند سات سمندر پار تھا۔

یہ دستور شباب نہیں ہے۔ اس عمر میں ہر خلاء نورد چاند پر اترتا ہے اور میں خلاء میں ہی بھٹکتا رہتا تھا۔

اس پہلو سے میں جوانی کو نہ ناپ رہا تھا' نہ تول رہا تھا۔ بس اس کی آمد آمد سے مطمئن اور آسودہ ہو رہا تھا۔ ایک بار ایک فلمی گانا سنا تھا۔ ندیا سے جاگی بہار.... ایسا موسم دیکھا پہلی بار.....

میں نے اپنے متعلق سوچا کہ بڑھاپے کی نیند سے جاگ رہا ہوں اور جوانی کا نیا موسم دیکھ رہا ہوں۔ آگے اس گیت کے بول تھے۔ ''میں ہوں ابھی کم سن.... جانوں نہ اس بن راتیں جوانی کی....''

جبکہ میں کم سن نہیں تھا۔ جوانی کی کئی راتیں' کئی الف لیلیٰ گزار چکا تھا۔ لیکن موجودہ حالات میں جو جوانی مل رہی تھی' اس کے حساب سے کم سن تھا۔ مجھے جوانی کی ایک آدھ رات گزار کر دیکھنا تو چاہئے کہ یہ پہلے کیا تھی اور اب کیا ہے؟

میں اپنے اندر یہ تبدیلی دیکھ رہا تھا کہ عشقیہ غزلوں سے اور فلمی گیتوں سے دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ کبھی وقت ملتا تو کسی چینل سے کسی ہیرو اور ہیروئین کے جذباتی سین دیکھ لیا کرتا تھا۔ جبکہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا تھا۔ دل میں خدا کا خوف تھا۔ کبھی گناہ کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر حسن کی سوغات اور پیار کی خوشبو بھی چاہتا تھا۔

کبھی کبھی یہ سوالات پیدا ہوتے تھے کہ کب تک حجاب کا علاج ہوتا رہے گا؟ کب ایڈز کا مرض ختم ہوگا اور وہ میری شریک حیات بننے کے قابل ہوگی؟

وہ لندن میں تھی۔ بدترین حالات کے باعث اس سے رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ یہ رپورٹ نہیں مل رہی تھی کہ وہاں کے ڈاکٹروں نے کیا کہا ہے؟ اس کا مرض قابل علاج ہے بھی یا نہیں؟

ایسے کتنے ہی سوالات پریشان کرتے تھے۔ میں اس سے مایوس نہیں تھا۔ اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ اس کا آخری دم تک انتظار کر سکتا تھا۔ مگر اس کی آمد تک جو خلاء تھا' اسے انسانی فطرت پُر کرنا چاہتی تھی۔

پیار کا موسم جانے کب آئے گا؟
تب تک اپنے آپ کو کیوں نہ بہلائیں؟

بچہ خود کو کھلونے سے بہلاتا ہے۔ بوڑھا تسبیح کے دانوں سے بہلاتا ہے۔ مگر جوانی اپنی نادانی اور حسن کی منہ زوری سے ہی بہلتی ہے۔

میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ پھول' رنگ اور خوشبو بکھیرنے والیاں اب مجھے اپنی

طرف کھینچنے لگی تھیں۔ خدا معاف کرے' ماضی میں حسن وشباب کے بڑے دھکے اور بڑے دماغی جھٹکے کھائے تھے۔ یہ من مورکھ' یہ دل دیوانہ پھر اسی مے خانے کی آب وہوا چاہتا تھا۔ جہاں آب کی جگہ شراب لڑھکا دیتی ہے اور ہوا کے نام پر آنچل لہرا کر ہوش اڑا دیتا ہے۔

میں اپنے اندر کے یہ سارے معاملات بیان نہیں کروں گا تو میری داستان میں سچ بیانی کم اور لن ترانی زیادہ ہوگی۔ میں چاہتا ہوں' آگے چل کر میرے کردار پر حرف آئے تو آئے۔ لیکن داستان گوئی کی صداقت مجروح نہ ہو۔ اگر چھپانے والی باتوں کو سلیقے سے بیان کیا جائے تو وہ دل پر اثر کرتی ہیں۔ میری کوشش یہی رہے گی کہ یہ داستان اثر بھی کرے اور حشر بھی کرے۔

وجے کھنہ نے فون پر مخاطب کیا۔ ''ہیلو سر! ایک افسوسناک خبر ہے۔ نینی پھر کچھ ابنارمل ہوگئی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ تو ہونا ہی تھا۔ اسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ انگوٹھی کے بعد لاٹھی سے بھی محروم ہوگئی ہے۔''

اس نے کہا۔ ''جب رادھا بائی مجھے لاٹھی دے کر اپنی رقم لے کر وہاں سے چلی گئی' تب نینی کو معلوم ہوا کہ وہ کتنا بڑا نقصان اٹھا چکی ہے؟''

''وہ رادھا کے پیچھے پڑ گئی ہوگی؟''

''نو سر! رادھا بائی اس کے سامنے صرف ایک گٹھڑی اٹھا کر مکان سے باہر گئی تھی۔ نینی اس پر شبہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔''

وہ مجھے وہاں کے حالات بتانے لگا۔ رادھا بائی یہ جھوٹ کہہ کر گئی تھی کہ اس کا داماد کسی حادثے سے دوچار ہوا ہے۔ پھر وہ تین گھنٹوں کے بعد واپس آگئی تھی۔ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ لاٹھی کے گم ہونے پر نینی کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

ادھر نینی ڈاکٹر دھرم داس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دو گھنٹے بعد آ کر اس کی مانگ میں سندور بھرنے والا تھا۔ پھر اس نے کہا تھا کہ اس کے لئے ایک سرپرائز گفٹ لا رہا ہے۔ اس لئے ذرا دیر سے آئے گا۔

دراصل تقدیر کی تختی پر یہ لکھا ہوا تھا کہ انگوٹھی کے بعد لاٹھی بھی جائے گی تو نینی کی نحوست واپس آجائے گی۔ ایسی باتیں ہم سمجھ نہیں پاتے۔ جب رادھا بائی نے وہاں سے جانے کے لئے نینی سے جھوٹ کہا کہ اس کے داماد کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے تو حقیقتاً تقدیر نینی کو یہ خبر

سنا رہی تھی کہ اس کا ہونے والا پتی دھرم داس کار کے حادثے میں مارا جاچکا ہے۔

نینی نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔ تقدیر نے اسے دھوکہ دے کر چھٹکارا دکھانے والا آخری سہارا بھی چھین لیا تھا۔ نحوست پھر سے لوٹ آئی تھی۔ پھر اس کا ایک عاشق دولہا بن کر آنے سے پہلے اوپر پہنچ گیا تھا۔

وہ پورے اسٹور' پورے گھر میں تلاش کرنے کے بعد حیران ہو رہی تھی کہ جو چیز تھوڑی دیر پہلے وہاں موجود تھی۔ وہ اچانک ہی نابود کیسے ہوگئی؟ دروازے کھڑکیاں بند تھے۔ کوئی چور نہیں آسکتا تھا۔ جب وہ اسٹور روم میں پڑی ہوئی تھی' تب رادھا بائی اس کے سامنے مکان سے باہر گئی تھی۔ پھر وہ لاٹھی آپ ہی آپ کہاں چلی گئی؟

اس نے تھک ہار کر تسلیم کرلیا کہ مقدر میں نحوست لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے انگوٹھی کے بعد لاٹھی بھی چار دیواری میں رکھے رکھے غائب ہوگئی ہے۔ ایسے ہی وقت ہسپتال کے ایک ڈاکٹر نے فون پر اطلاع دی کہ ڈاکٹر دھرم داس کی کار ایک ہیوی ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ اسے بہت بری حالت میں ہوسپٹل لایا گیا تھا۔ بچانے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ لیکن اس کا وقت پورا ہوچکا تھا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر صوفے پر گر پڑی۔ اپنی بدنصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے ہسپتال میں نارمل ہونے کے بعد سوچا تھا کہ مجھے دھوکہ دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ مجھ سے معافی مانگے گی اور میری امانت واپس کرے گی۔

اس کے اندر یہ نیک خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن دھرم داس نے اس سے شادی کرنے کا اعلان کیا تو انگوٹھی اور لاٹھی کے سلسلے میں پھر سے اس کی نیت بدل گئی۔ دماغ میں یہ بات آئی کہ ان دونوں کے چھٹکارے سے ہی وہ ڈاکٹر اس کی زندگی میں آکر نحوست دور کرنے والا ہے۔

اب وہ ماتم کر رہی تھی اور حساب کر رہی تھی کہ ایک بار ونود کو اپنا پتی بنائے رکھنے کے لئے مجھ سے بے ایمانی کی' نتیجے میں بیوہ ہوگئی۔ دوسری بار پھر میری امانت کو اپنے ہی پاس رکھ کر دھرم داس کی سہاگن بننا چاہا۔ اس کا نتیجہ بھی اب سامنے آگیا۔

وہ جو بو رہی تھی' وہی کاٹ رہی تھی۔ مجھے اس سے ہمدردی تھی۔ آخر وہ میرے محسن کی بیٹی تھی۔ اس بے ایمان بیٹی کے باپ نے مجھ سے بڑی نیکیاں کی تھیں۔ میرا فرض کہہ رہا تھا کہ

اس کے احسانوں کے بدلے نینی کے دکھ درد دور کروں۔ کسی بھی طرح اس کے کام آؤں۔

ویسے بھی میں فوراً اس شہر سے نہیں جا سکتا تھا۔ عصا کو چھپا کر لے جانے کا مسئلہ تھا۔ کوئی معقول تدبیر ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ خیال آہستہ آہستہ پک رہا تھا کہ اسے ساتھ رکھنے کے لئے کسی طرح نینی کو اپنے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

خیال یہ تھا کہ نینی جھوٹ اور فریب سے توبہ کرے اور وہ ایسا کر سکتی تھی۔ کیونکہ دو زبردست دماغی جھٹکے کھا چکی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوگی کہ میری امانت جبراً اپنے پاس نہیں رکھ سکے گی۔ میرا اعتماد حاصل کرنے کے بعد شائد کسی کی سہاگن بن سکے گی۔

طریقہ کار یہ ہو سکتا تھا کہ میرا اور اس کا سامنا ہو۔ وہ میری رازدار بن کر رہے اور میرے خلاف مخبری کرنے کی نادانی نہ کرے.... کیا میں اس پر بھروسہ کر سکتا تھا؟

یہ سوال اہم تھا کہ کیسے اس پر اعتماد کیا جائے؟ ایک ہی طریقہ تھا کہ پہلے ایک بار پھر عصا اور انگوٹھی کے سلسلے میں اسے آزمایا جائے۔

میں نے وجے کھنہ سے کہا۔ ''ایسی ہی ایک انگوٹھی اور عصاء تیار کراؤ۔ نینی نے جو میرے ساتھ کیا تھا' وہی میں اس کے ساتھ کروں گا۔''

تدبیر یہ تھی کہ میری چیزیں میرے ہی پاس رہتیں اور وہ انجانے میں نقلی امانت اپنے پاس رکھتی۔ کسی سے شادی کرتی۔ ایسے وقت میں اسے اصل انگوٹھی اور عصا کے سائے میں رکھتا۔ یوں اس کی زندگی سنور جاتی۔ میں پنڈت جی کے احسانات کے بدلے اس کے کام آتا رہتا۔ اگر وہ پھر بہکتی' میری امانت کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کے لئے میرے خلاف مخبری کرتی تو ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جاتی۔

میں نے وجے کھنہ سے کہا۔ ''پہلے اسے یہ نہ بتایا جائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور اس کے کام آنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں ناٹک رچایا جائے۔ ایک سادھو سنت کے بھیس میں اسے یقین دلایا جائے کہ وہ پچھلی غلطیوں سے توبہ کرے گی۔ آئندہ اپنے کسی محسن کو دھوکہ نہیں دے گی تو اسے وہ چیزیں پھر سے مل جائیں گی' جن کے سائے میں رہ کر وہ کسی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکے گی۔''

وجے کھنہ نے کہا۔ ''اگر وہ راہ راست پر آ جائے گی تو یقیناً ہمارے بہت کام آتی

رہے گی۔''

میں نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر ایک سادھو کا بہروپ بھرا اور اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ ایک چمٹا بجاتے ہوئے صدا لگائی۔ ''الکھ نرنجن... مانگنے والا مانگے دینے والا آیا ہے۔''

دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ کسی چمٹا بجانے والے کی خاطر باہر نہیں آ سکتی تھی۔ میں نے زوردار آواز سے دستک دیتے ہوئے کہا۔ ''آ..... اپنے سوئے ہوئے بھاگ جگانے آ..... تیری منو کامنا پوری ہوگی۔''

میں نے چند لمحوں تک انتظار کیا۔ پھر دروازہ پیٹتے ہوئے کہا۔ ''من مورکھ جس کے لئے دیوانہ ہے۔ اس کے لئے آ.... اگر سمے بیت گیا تو پچھتائے گی۔''

وہ صدمات برداشت کرنے کے لئے تنہائی چاہتی تھی۔ غصے سے اٹھ کر آئی۔ دروازہ کھول کر چیختے ہوئے بولی۔ ''یہ مانگنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا دروازہ توڑنا چاہتے ہو؟''

وہ بولتے بولتے ایکدم سے رک گئی۔ میرے ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی جیسے چند ساعتوں تک سانس لینا بھول گئی۔ میں نے کہا۔ ''تُو غصہ دکھانے آئی ہے۔ میں تیرے دروازے سے بھکشا نہیں لوں گا۔''

میں پلٹ کر جانے لگا۔ وہ دوڑتی ہوئی سامنے آ کر راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔ ''مہاراج! شما چاہتی ہوں۔ مجھ سے بھول ہوگئی۔ کیا یہ... یہ لاٹھی اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھ سکتی ہوں؟''

میں عصاء اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ بڑی چمتکار دکھانے والی لاٹھی ہے۔ ابھی زمین پر ماروں تو لاکھوں روپے نکل آئیں گے۔''

اس نے کہا۔ ''اگر یہ وہی ہوگی... میرا مطلب ہے' میرے کام کی ہوگی تو میں بھی تمہیں لاکھوں روپے دوں گی۔ آؤ... اندر چلو۔''

''ابھی اس نے کوئی کمال نہیں دکھایا ہے اور تم لاکھوں روپے دینے کے لئے تیار ہوگئیں؟ یہی اس کا کمال ہے۔''

میں اس کے ساتھ گھر کے اندر آ گیا۔ اس نے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ میں فرش پر پالتھی مار کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''پہلے کچھ بھوجن کراؤ۔ بھوک لگی ہے۔''

وہ لاٹھی کو اچھی طرح دیکھ رہی تھی۔اس نے کہا۔''پیٹ بھر کر بھوجن کراؤں گی۔بالکل ایسی ہی ایک لاٹھی میرے گھر میں تھی۔''

میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے آگے کچھ کہنے سے روکتے ہوئے کہا۔''یہ وہی ہے۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔پھر فوراً ہی میرے سامنے دوزانو ہو کر پوچھا۔''آپ کیسے جانتے ہیں' یہ وہی ہے؟''

میں نے کہا۔''شنیوار کی شام میں تپسیا میں ڈوبا ہوا تھا۔اسی سمے یہ میری گود میں آگئی....اٹھو اور بھوجن کراؤ۔''

اس کے اندر ہلچل مچی ہوئی تھی اور میں کھانا مانگ رہا تھا۔سچ تو یہ ہے کہ اسے دیکھ کر بھوک جاگ رہی تھی۔حالانکہ اسے پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا تھا۔چونکہ پنڈت جی کا احترام کرتا تھا۔اس لئے دیکھ کر بھی نظر انداز کرتا تھا۔

پنڈت جی چاہتے تھے کہ میں اسے شریک حیات بنالوں۔لیکن میں کتنے ہی دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ایک بیوی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔اس لئے اسے دلہن بنانے سے انکار کر دیا تھا۔

پچھلے چھ ماہ میں وہ کلی سے پھول اور چنگاری سے شعلہ ہو گئی تھی۔پنڈت جی نے مجھے پتہ نہیں کیسی دوائیں کھلائی تھیں کہ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں رہا تھا۔جسم میں گوشت بھر گیا تھا۔دل میں انگڑائیاں بھر گئی تھیں اور بھرے بھرے بدن والیاں میری توجہ کو پکارنے لگی تھیں۔اُدھر نہ دیکھنا چاہتا' تب بھی چور نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔

اتنے عرصے کے بعد وہ نئی نئی اور اچھوتی سی لگ رہی تھی۔فوراً ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔''مہاراج! یہ لاٹھی میری ہے۔آپ کہتے ہیں' یہ شنیوار کی شام کو آپ کے پاس آئی تھی۔ٹھیک اسی شام یہ میرے گھر سے غائب ہو گئی تھی۔''

میں نے پوچھا۔''یہ تمہاری ہے تو تمہیں چھوڑ کر کیوں چلی گئی؟''

''کیا بتاؤں؟ یہ اچانک کیسے غائب ہو گئی تھی؟''

''تمہیں جاننا چاہئے' سمجھنا چاہئے۔اس کے پاؤں نہیں ہیں کہ چل کر جائے گی۔تم نے کوئی پاپ کیا ہے۔کسی کا دل دکھایا ہے۔تب ہی یہ تم سے دور ہو گئی ہے۔''

وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس نے کسی کی امانت میں خیانت کی ہے۔

اس نے کہا۔''ہاں۔ہو سکتا ہے' مجھ سے کوئی بھول ہوئی ہو۔''

''ہو سکتا ہے نہیں' ہوئی ہے۔جب تک بھول نہیں مانو گی' کان نہیں پکڑو گی' ناک نہیں رگڑو گی' تب تک تمہیں کھوئی ہوئی چیزیں واپس نہیں ملیں گی۔''

وہ پھر ہاتھ جوڑ کر بولی۔''میں مانتی ہوں' مجھ سے بہت بڑی بھول ہوئی ہے۔جس نے مجھ پر احسان کیا' میں نے اسے دھوکہ دیا۔تب سے میں پنپ نہیں رہی ہوں۔پہلے میرا پتی گیا پھر باپو سدھار گئے۔شنیوار کی شام دوسرا ہونے والا پتی بھی ایکسیڈنٹ میں مارا گیا۔چمتکار دکھانے والی لاٹھی کے ساتھ ایک انگوٹھی بھی تھی' وہ بھی گم ہو گئی ہے۔''

''تم اسی طرح خالی ہاتھ رہو گی۔جھوٹ اور فریب سے باز نہیں آؤ گی تو ٹھوکریں کھاتی رہو گی۔تمہیں کسی بھی چاہنے والے سے کبھی ایک رات کی بھی خوشی نہیں ملے گی۔''

وہ جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔''میں کان پکڑتی ہوں۔کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دوں گی۔''

میں نے پوچھا۔''اور جسے فریب دے چکی ہو'اس کا کیا بنے گا؟''

''میں شرمندہ ہوں۔پتہ نہیں وہ کہاں ہوگا۔اگر کبھی ملے گا تو اس کے قدموں میں سر رکھ کر معافی مانگوں گی۔''

''کیا وہ کہیں ملے گا تو اس کی لاٹھی واپس کرو گی؟''

اس نے لاٹھی کو دیکھا۔پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔''میں اس سے یہ لاٹھی مانگ لوں گی۔یوں بھی وہ اسے اپنے ساتھ نہیں رکھے گا۔اسے گرفتاری کا خوف رہے گا۔سی آئی اے والے ان چیزوں کے ذریعے اسے پہچان سکتے ہیں۔گولی مار سکتے ہیں۔''

''یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔اگر وہ نظر آجائے تو اسے گرفتار کراؤ۔وہ مارا جائے گا تو لاٹھی ہمیشہ کے لئے تمہاری ہو جائے گی۔''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔''نہیں۔اتنی ٹھوکروں کے بعد سمجھ گئی ہوں' غازی کو راضی رکھے بغیر میں ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکوں گی۔وہ یہاں نہیں ہے۔پھر بھی مجھے نقصان پہنچ رہا ہے۔یہ چیزیں مجھ سے دور ہو رہی ہیں۔''

''میں یہ لاٹھی تمہیں دوں گا تو پھر تم سے دور ہو جائے گی۔اچانک غائب ہو جائے

گی۔تب کیا کرو گی؟''

وہ بولی۔''ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔غازی کو ڈھونڈنا ہوگا۔میں انہیں راضی کروں گی تو تقدیر مجھ سے راضی رہے گی۔مگر.....''

اس نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا۔پھر کہا۔''وہ تو کہیں چھپ گئے ہیں۔پولیس اور سی آئی اے والے انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔کہتے ہیں' یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔انڈیا میں ہیں بھی یا نہیں؟ یہ کوئی نہیں جانتا..... پتہ نہیں وہ کہاں ہوں گے؟''

وہ میرے سامنے عاجزی سے بیٹھی ہوئی تھی۔مگر اپنے نظاروں سے مجھے عاجز کر رہی تھی۔کم بخت نے ململ کا کرتا پہنا ہوا تھا..... پہناوا پوچھ رہا تھا' بولو پہنا بھی ہے یا نہیں.....؟ گریبان ایسے کھلا ہوا تھا' جیسے میخانہ کھل گیا ہو۔پیالے چھلکتے ہوئے سے لگ رہے تھے۔

اس نے پوچھا۔''مہاراج! کیا آپ بتا سکتے ہیں' غازی کہاں ہوں گے؟''

میں نے انکار میں سر ہلایا۔وہ مایوس ہو گئی۔میں نے کہا۔''اگر تمہارے دل میں بے ایمانی نہیں ہوگی' تم پھر اسے دھوکہ نہیں دو گی تو یہ لاٹھی تمہیں کسی بھی دن اس کے پاس لے جائے گی۔''

اس نے خوش ہو کر عصا کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔سینے سے لگا کر کہا۔''میں نحوست سے ڈر گئی ہوں۔اس سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ غازی کو راضی رکھوں گی۔اس کی وفادار بن کر رہوں گی' تب ہی من چاہی ازدواجی زندگی گزار سکوں گی۔''

''اگر تم سچی ہو اور جو کہہ رہی ہو' وہی کرو گی تو وہ ضرور ملے گا۔لیکن ابھی ایک کمی ہے۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔میں نے اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا۔پھر اپنی بند مٹھی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔''غازی تک پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے۔''

اس نے بڑے تجسس سے پوچھا۔''اس میں کیا ہے؟''

''اس میں تمہاری خوش نصیبی ہے۔''

میں نے اسے ایک ذرا بے چینی میں مبتلا کیا۔پھر مٹھی کھول دی۔کھلی ہوئی ہتھیلی پر وہ لاوہ انگوٹھی دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑی۔آگے کو جھک کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔پہلی بار مجھے چھو

لیا۔انجانے میں اپنے وجود کی حرارت سے مجھے متعارف کرانے لگی۔میں پچھلے چھ ماہ سے پنڈت جی کے گھر میں دن رات اس کے ساتھ رہتا آیا تھا۔لیکن کبھی اسے چھونے کی خواہش نہیں کی تھی۔ان دنوں خواہشات کو کسی کی آنچ نہیں لگتی تھی۔

اب کیا ہوا تھا؟

اب پنڈت جی نے ہی گڑبڑ کی تھی۔میرے جسم میں گوشت بھرنے کے لئے ایسی دوائیں کھلائی تھیں اور صبح و شام ایسے تیل کی مالش کرتے رہے تھے کہ میرا بدن پھلتا اور پنپتا رہا تھا اور چپکے چپکے خواہشات کی چور حرارت انجانے میں جاگتی رہی تھیں۔

یوں میرا من مزاج بدل گیا۔باپ نے جیسے آتش دان تیار کیا تھا۔بیٹی پاؤں چھو کر تیلی دکھا رہی تھی۔میں نے پیچھے ہٹ کر اس کے سامنے انگوٹھی رکھتے ہوئے کہا۔''آج سے تم جہاں بھی جاؤ' یہ دونوں چیزیں اپنے ساتھ رکھا کرو۔''

وہ انگوٹھی کو دونوں ہاتھوں میں لے کر سینے سے لگاتے ہوئے بولی۔''مجھے یقین ہو گیا ہے' غازی ضرور ملے گا۔میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔''

''اور یاد رکھو! غازی کے دشمن اس انگوٹھی اور لاٹھی کو بھی تم سے چھین لینا چاہیں گے۔ایسے وقت ان سے کہنا کہ تم نے ساری زندگی ان دو چیزوں کو ساتھ رکھنے کی منت مانی ہے۔لہٰذا تمہیں کوئی سی بھی دوسری لاوہ انگوٹھی اور لاٹھی خرید کر ساتھ رکھنے کی اجازت دی جائے۔''

اس نے پوچھا۔''وہ خریدی ہوئی چیزیں تو اصل نہیں ہوں گی؟''

''یہی تو چمتکار ہوگا۔یہ اصلی انگوٹھی اور لاٹھی ان خریدی ہوئی چیزوں کی جگہ اس طرح غیب سے پہنچ جائیں گی' جس طرح تمہارے گھر سے غائب ہوئی تھیں اور اب پھر سے واپس آ گئی ہیں۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔''سادھو مہاراج! آپ میرے لئے بھگوان کا اوتار ہیں۔میں آپ کی جتنی بھی سیوا کروں کم ہے۔آپ بیٹھیں' میں گرما گرم بھوجن لے کر آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔میں بڑی لگن سے اس کی چال دیکھنے لگا۔چال ایسی تھی' جیسے دو دھاری تلوار چل رہی ہو اور دیکھنے والے کے صبر و تحمل کو کاٹتی جا رہی ہو۔جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں وہاں سے اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا مکان سے باہر آ گیا۔

وہاں مزید رکنا مناسب نہیں تھا۔ ابھی جذبات کی رَو میں بہہ کر عشق لڑانے کا موقع نہیں تھا۔ یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ سی آئی اے والے اس مکان کے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس وقت مجھے ایک سادھو سمجھ کر ضرور دیکھا ہوگا۔ وہ میرا تعاقب بھی کرنے والے ہوں گے۔

وجے کھنہ نے بعد میں بتایا کہ ایک شخص بڑی رازداری سے میرا پیچھا کر رہا تھا۔ جب میں ایک بازار میں لوگوں کی بھیڑ سے گزرنے لگا تو میرے آلہ کاروں نے اس شخص کو بھٹکا دیا۔ ایک آلہ کار کے پاس دودھ سے بھرا ہوا مٹکا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس شخص سے ٹکرا گیا۔ مٹکا زمین پر گرتے ہی ٹوٹ گیا۔ تمام دودھ ضائع ہوگیا۔ اس بات پر اس سے لڑنے کا اور اس کا راستہ روکنے کا موقع مل گیا۔ پھر جب تک لوگ صلح صفائی کراتے اسے آگے جانے دیتے، تب تک میں اس کی پہنچ سے دور نکل گیا۔

نینی نے بھوجن تیار کرنے کے دوران ڈرائنگ روم میں آ کر دیکھا تو مجھے نہ پا کر حیران ہوئی۔ مکان سے باہر آ کر دور تک دیکھنے لگی۔ پھر خود کو سمجھایا کہ سادھو مہاراج اس کی گمشدہ چیزیں پہنچانے آئے تھے۔

اس نے سوچا۔ ''یہ چیزیں غازی کے پاس بھی پہنچا سکتے تھے۔ مگر وہ مجھے اس کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔ شائد میرے بھاگ میں لکھا ہے کہ مجھے اس مسلمان کی دھرم پتنی بن کر رہنا ہے۔ اسی لئے تقدیر کبھی مجھے الجھا رہی ہے اور کبھی معاملات کو سلجھا رہی ہے۔''

وہ ایک سرد آہ بھر کر زیر لب بڑبڑائی۔ ''جب یہ شریر (جسم) اس کے نام لکھا ہے تو وہی اس کا مالک ہوگا۔ اب میں کبھی اس سے دھوکہ نہیں کروں گی۔''

وہ دوسرے دن شاپنگ کے لئے باہر نکلی تو انگوٹھی اس کے ایک نیکلس سے منسلک تھی اور ہاتھ میں سوا چھ فٹ کی لاٹھی تھی۔ سب اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جہاں سے گزرتی تھی۔ مرد، بوڑھے، بچے اور عورتیں اسے دیکھ کر حیرانی سے مسکرانے لگتے تھے۔ کتنے ہی لوگ آوازیں کستے رہے۔ یہ نیا فیشن ہے، سولہ سنگھار کے سامان میں ایک لاٹھی کا اضافہ ہوگیا ہے۔

کسی نے کہا۔ ''اگنی کے سات پھیرے لینے کے بعد اب پتی صرف پتنی کو ہی نہیں، اس کی لاٹھی کو بھی سندور لگائے گا۔''

کسی نے کہا۔ ''اب عورتیں چولی گھاگرا دھو کر لاٹھی پر سکھاتی ہوئی کہیں بھی جا سکتی ہیں۔''

لوگ بول رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ نینی کبھی جھینپ جاتی تھی۔ مگر ڈھٹائی سے کام لے رہی تھی۔ وہ ہر حال میں مجھ تک پہنچنا چاہتی تھی۔ کبھی کسی نے کسی عورت کو لاٹھی پکڑ کر چلتے نہیں دیکھا تھا۔

نینی نے سوچا۔ ''ابھی یہ بات مضحکہ خیز لگ رہی ہے۔ بعد میں لوگ اس کی عادی آجائیں گے۔ روز ایک ہی نظارہ دکھائی دے تو اس سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔''

ویسے سی آئی اے والوں کی دلچسپی بڑھ گئی۔ وہ اسے گاڑی میں بٹھا کر اپنے آفس میں لے آئے۔ ایک نے پوچھا۔ ''کیا یہ لاٹھی سلمان سعدی کی نہیں ہے؟''

وہ بولی۔ ''میں کسی سلمان سعدی کو نہیں جانتی۔''

''تمہارے گھر میں جو عمیر بن غازی رہتا تھا۔ اسی کا نام سلمان سعدی ہے۔ اب بولو.... کیا یہ اس کی لاٹھی نہیں ہے؟''

وہ بولی۔ ''میں ہوسپٹل میں زیر علاج تھی۔ بعد میں سنا کہ آپ لوگوں نے غازی کی لاٹھی اور انگوٹھی کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ وہ تو آپ کے سامنے ہی ضائع ہو چکی ہیں۔''

ایک نے پوچھا۔ ''تو پھر یہ کہاں سے لائی ہو؟ اور کیوں اسے ساتھ لئے گھوم رہی ہو؟''

''میرے باپو مہا گیانی اور مانے ہوئے جیوتشی تھے۔ انہوں نے کہا تھا' غازی ہمارے ساتھ رہے نہ رہے۔ اس کی جیسی انگوٹھی اور لاٹھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا۔ اس طرح میں دکھ مصیبت سے محفوظ رہوں گی۔''

ایک جاسوس نے پوچھا۔ ''اور تم انہیں اپنے ساتھ رکھتی ہو؟ اس کا مطلب ہے' یہ دونوں اصلی ہیں اور غازی کی ہیں؟''

''غازی کی دونوں چیزیں آپ لوگوں نے مٹی میں ملا دی ہیں۔ یہ میں نے بازار سے بنوائی ہیں۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ وہ تمہارے پاس آتا ہے۔ اس نے یہ اصلی انگوٹھی اور لاٹھی تمہیں دی ہے۔''

سی آئی اے کے ایک افسر نے کہا۔ ''یہ دونوں چیزیں ہماری کسٹڈی میں رہیں گی۔تم یہاں سے خالی ہاتھ جاؤ گی۔''

وہ بولی۔ ''آپ خواہ مخواہ مجھے پریشان کررہے ہیں۔ میں نے ہوسپٹل سے آنے کے بعد غازی کی صورت تک نہیں دیکھی ہے۔''

''وہ تم سے فون پر باتیں کرتا ہوگا؟''

نینی نے ان کے سامنے اپنا موبائل فون رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ تمام آؤٹ گوئنگ اوران کمنگ کالز چیک کرسکتے ہیں۔''

وہ فون اٹھا کران تمام نمبروں پر باری باری کال کرنے لگے۔ان سے بات کرکے ان کے نام اور پتے نوٹ کرنے لگے۔انہیں تسلی نہیں ہورہی تھی۔وہ فون پر جس سے بھی بات کرتے تھے' یہی شبہ ہوتا تھا کہ اس کے پیچھے میں چھپا ہوا ہوں۔

وہ نینی کو گرفتار نہیں کرسکتے تھے۔لہٰذا اس سے انگوٹھی اور لاٹھی لے کر اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ نینی نے ونود کے ذریعے دو دکانداروں سے نقلی انگوٹھی اور لاٹھی تیار کرائی تھی۔اس نے وہیں سی آئی اے کے دفتر میں بیٹھ کر دوبارہ آرڈر دیا کہ ویسی ہی دونوں چیزیں تیار کرکے آج شام یا کل صبح تک اس کے پاس پہنچائی جائیں۔

ایک افسر نے پوچھا۔ ''یہ کیا حماقت ہے؟ تم لاٹھی لے کر چلتی ہو تو عجوبہ اور مضحکہ خیز لگتی ہو۔''

''میں عجوبہ نظر آتی ہوں تو کوئی بات نہیں۔مگر ان چیزوں سے تحفظ' سلامتی اور خوشحالی حاصل کرتی رہوں گی۔''

''ہم تمہیں منع کرتے ہیں' حکم دیتے ہیں کہ یہ چیزیں اپنے ساتھ نہ رکھو۔رکھو گی تو ہم انہیں چھین لیں گے۔''

''مجھے قانوناً کوئی روک نہیں سکے گا۔میں کورٹ سے اجازت حاصل کروں گی۔''

اس بات پر بحث چھڑ گئی۔سی اے والے کہہ رہے تھے کہ نینی اپنے پاس جو بھی انگوٹھی اور لاٹھی رکھے گی' ان کے پیچھے میری کوئی چال چھپی ہوگی۔میں انہیں کسی طرح دھوکہ دیتا رہوں گا۔

نینی نے اگلے دو دنوں میں کورٹ سے اجازت حاصل کرلی۔ایک اور انگوٹھی اور لاٹھی بازار سے بنوالی۔مگر میری بات نہیں بن رہی تھی۔ملکی اور غیر ملکی جاسوس نینی کے پیچھے پڑ گئے تھے۔سختی سے اس کی نگرانی کی جارہی تھی۔مگر وہ پریشان تھی۔دن گزررہے تھے اور وہ مجھ تک پہنچ نہیں پارہی تھی۔

میں اپنے منصوبے کے مطابق اس سے کام نہیں لے سکتا تھا۔یہ سمجھ رہا تھا کہ اس شہر میں زیادہ عرصے تک رہنا مناسب نہیں ہے۔پہلے اپنے عصاء کو کسی طرح ممبئی پہنچانے کی تدبیر کی جائے۔پھر اس شہر سے نکلا جائے۔

ایک روز نینی کا ایک کزن کندن ورما کول کتہ سے آیا۔وہ ایک صحت منداور باڈی بلڈر جوان تھا۔ایک برس پہلے اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔مگر اس کے ماں باپ نینی کی نحوست سے خوفزدہ تھے۔انہوں نے نینی سے شادی کی اجازت نہیں دی تھی۔

نینی نے اسے دیکھ کر طعنہ دیا۔ ''تم تو بھگوڑے عاشق ہو۔اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''تمہیں پتہ ہے' میرے ماتا پتا کا دیہانت ہوچکا ہے۔اب مجھے من مانی کرنے اور تم سے شادی کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔''

اس نے کہا۔ ''جوارادے کے پکے ہوتے ہیں' وہ کسی کے روکے نہیں رُکتے۔آئندہ بدترین حالات تمہیں پھر سے روک سکتے ہیں۔''

''میں قسم کھا کر آیا ہوں۔تم سے شادی ضرور کروں گا اور جب تک نہیں کروں گا' یہاں سے نہیں جاؤں گا۔اسی گھر میں رہوں گا۔''

وہ اس کا ماموں زاد تھا۔نینی اسے وہاں رہنے سے روک نہیں سکتی تھی۔پھر یہ کہ بچپن سے اسے پسند کرتی تھی۔وہ گبرو جوان اب بھی اس کے دل میں دھڑک رہا تھا۔لیکن اب اسے میرا انتظار تھا۔یہ یقین تھا کہ انگوٹھی اور لاٹھی اسے کسی دن مجھ تک ضرور پہنچائیں گی۔

وہ مجھ سے متاثر تھی۔اپنے حالات کے مطابق سوچتی تھی کہ غازی لائف پارٹنر بن جائے گا' وہ انگوٹھی اور لاٹھی ہمیشہ ساتھ رہے گی تو پھر نحوست اس سے دور رہا کرے گی۔

یوں تو میرا دل بھی اس پر آگیا تھا۔ارادہ تھا کہ رازداری سے اسے بیوی بنا کر چھپ چھپ کر ملتا رہوں گا۔پھر وہ میری انگوٹھی اور عصا لے کر ممبئی آئے گی تو سی آئی اے والے اس

پر شبہ نہیں کریں گے۔

ان دنوں وہ عصا کے بغیر گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ پورے شہر میں لاٹھی والی جھانسی کی رانی کہلانے لگی تھی۔ کندن ورما نے اس کے ساتھ باہر جاتے وقت اعتراض کیا۔ ''اسے گھر میں رکھ کر میرے ساتھ چلو۔''

اس نے کہا۔ ''میرے ساتھ ہمیشہ رہنے کے لئے اسے برداشت کرنا ہوگا۔ یہ دن رات میرے ساتھ رہتی ہے اور رہے گی۔ تم ایک عاشق کی حیثیت سے میرے قریب ہو اور اس لاٹھی کی موجودگی کے باعث ہی زندہ سلامت ہو۔''

''میں یہ فضول بات نہیں مانتا۔ یہ لاٹھی تمہیں غازی نے دی ہے؟''

''ہاں۔ اس کی یہ دو امانتیں میرے پاس ہیں اور صدا رہیں گی۔''

اس نے پوچھا۔ ''غازی کہاں ہے؟''

''وہ میرا محسن ہے۔ میرے دل و دماغ میں رہتا ہے۔''

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ وہ ضرور تم سے چھپ کر ملتا ہے؟ پلیز سچ بولو! میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تمہارا راز دار بن کر رہوں گا۔''

''میں جانتی ہوں' سی آئی اے والوں نے تمہارا بھی محاسبہ کیا تھا۔ انہوں نے غازی کے متعلق تم سے بہت کچھ کہا ہوگا۔ تم ان ہی کی زبان سے کہہ رہے ہو کہ غازی مجھ سے چھپ کر ملتا ہے۔ جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

اس نے پوچھا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو...؟''

''تو میں تم سے اور سی آئی اے والوں سے ڈرتی نہیں ہوں۔ اپنے محسن کو دل میں چھپا کر رکھوں گی۔''

''نینی! بات ڈرنے کی نہیں ہے۔ میں تمہارا جیون ساتھی بننے والا ہوں۔ مجھے اپنا راز دار بناؤ۔''

''ابھی میں نے شادی کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ اگر ہوگی' تب بھی غازی کی انگوٹھی اور لاٹھی تمہاری رقیب بن کر میرے ساتھ رہا کرے گی۔''

''میں انہیں چولہے میں جھونک دوں گا۔ کسی رقیب کو برداشت نہیں کروں گا۔''

''اس کی امانت کو نقصان پہنچانا چاہو گے تو ونود کی طرح مارے جاؤ گے۔ یہ رقابت تمہیں لے ڈوبے گی۔''

''جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔ تم شادی تو کرو۔''

''میں جلد ہی شادی کا فیصلہ کروں گی۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ انگوٹھی اور لاٹھی پر کبھی اعتراض کرو گے تو طلاق لے کر تمہاری زندگی سے نکل جاؤں گی۔''

''تم آئندہ جو چاہے کرو' بھگوان کے لئے شادی تو کرو۔ کیوں مجھے تڑپا رہی ہو؟''

گھر کی چار دیواری میں ان کی باتیں رادھا بائی سنتی تھی اور وجے کھنہ کو بتایا کرتی تھی۔ یوں مجھے اس کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے۔

میں نے وجے کھنہ اور رادھا بائی کے ذریعے فون کی سم نینی کے پاس پہنچائی۔ یوں ایک طویل مدت کے بعد اس سے بات کی۔

اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''غازی جی! میں بیان نہیں کر سکتی' اس وقت کتنی خوشی ہو رہی ہے؟ مجھے جیسے دنیا جہان کی دولت مل رہی ہے۔ بھگوان کے لئے میرے پاس آجائیں یا مجھے بلا لیں۔ میں اب آپ کے بغیر نہیں رہوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''ہم اپنی تقدیر سے لڑ نہیں سکتے۔ تمہارے باپو نے چاہا تھا' ہماری شادی ہو جائے۔ مگر تم میری نہیں' ونود کی دلہن بن گئیں۔ اب تو حالات ایسے ہیں کہ نہ میں منظر عام پر آسکتا ہوں' نہ تم سے بیاہ رچا سکتا ہوں۔''

''میں بڑی راز داری سے پتنی بن کر ساری زندگی آپ کی سیوا کرتی رہوں گی۔''

''ہم راز داری سے ایک دن' ایک پل کے لئے بھی مل نہیں پائیں گے۔ تمہاری اتنی سخت نگرانی ہو رہی ہے کہ میرے ساتھ چھپ کر رہ نہیں پاؤ گی۔''

وہ مایوس ہو کر بولی۔ ''آپ مجھے مایوس کر رہے ہیں۔''

''میں اپنے معاملات میں تمہیں تباہ و برباد ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ تمہاری بہتری چاہتا ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ میری پتنی بن کر میرے ساتھ رہو۔ میری لاٹھی تمہارے ساتھ رہا کرے گی۔''

''کیا آپ مجھ سے دور رہیں گے اور لاٹھی ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی؟ یہ مجھے ہمیشہ

کے لئے دے دیں گے؟"

"ہاں۔مگر ایک شرط ہے۔کچھ عرصے تک میری مرضی کے مطابق جگہ بدلتی رہوگی۔یعنی یہاں سے ممبئی جاؤ گی۔پھر لندن جاؤ گی۔بحری جہاز میں لاٹھی کو ساتھ رکھ سکوگی۔ اس لئے سمندری راستے سے سفر کروگی۔"

"آپ جو کہیں گے' وہ کروں گی۔آئندہ آپ کی مرضی سے اوراجازت سے یہ دونوں چیزیں اپنے پاس رکھوں گی۔"

"تو پھر آج یا کل میں شادی کرواورہنی مون کے لئے لندن جاؤ۔"

"میں کل ہی کندن ورما سے کورٹ میرج کروں گی۔لندن میں ورما کا ایک چھوٹا سا بزنس ہے۔ہم دو چار روز میں ہی بحری سفر پر جاسکتے ہیں...ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں۔پوچھو....؟"

"یہ انگوٹھی اور لاٹھی جو میرے پاس ہیں' کیا یہ اصلی ہیں؟"

"ہاں۔تمہارا عاشق دو دن سے تمہاری چھت کے نیچے زندہ سلامت ہے۔یہ میری امانت کے اصل ہونے کا ثبوت ہے۔"

اس نے کہا۔"راستے میں سی آئی اے والے انہیں مجھ سے چھین سکتے ہیں۔"

"پرواہ نہ کرو۔تم دیکھ چکی ہو' چھن جانے کے بعد یہ پھر کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ جاتی ہیں۔"

وہ مطمئن ہوگئی۔جبکہ وہ چیزیں نقلی تھیں۔کیونکہ میں اس سے راضی تھا۔اس کی شادی خانہ آبادی چاہتا تھا اور یہاں سے لندن تک کچھ فاصلہ رکھ کر ہی سہی اس کے ساتھ رہنے والا تھا۔اس لئے نحوست دور ہوگئی تھی۔

میں نے طے کیا تھا کہ اس وقت تک اپنے محسن کی بیٹی کا ساتھ دیتا رہوں گا' جب تک وہ دیانتداری سے میرے کام آتی رہے گی۔انگوٹھی اور عصا میرے پاس ہی تھے۔مگر یہاں سے ممبئی اور پھر وہاں سے لندن جاتے وقت عصاء کو نینی کے پاس پہنچانا لازمی تھا۔

یعنی یہاں سے لندن تک اصلی عصاء اس کے پاس رہنے والا تھا۔اس طرح میرے مخالفین گڑبڑ کرسکتے تھے۔راستے میں کہیں عصا کو اس سے چھین سکتے تھے۔تب انہیں واپس

حاصل کرنا دشوار ہوجاتا۔یہ دونوں چیزیں میرے لئے زندگی کی سانسوں کی طرح اہم تھیں۔ایک بار ان سے محروم ہوچکا تھا۔آئندہ ایسا نقصان نہ اٹھانے کے لئے مجھے بہت محتاط رہنا تھا۔

نینی نے ورما سے کہا۔"ہم کل ہی کورٹ میرج کریں گے۔"

وہ حیرانی سے بولا۔ آج شام تک تم شادی کی بات ٹال رہی تھیں۔ابھی اچانک کیسے راضی ہوگئیں؟"

"اس لئے کہ تم یہاں آکر رہنے لگے ہو۔دنیا والے باتیں بنائیں گے۔بدنام ہونے سے بہتر ہے' شادی کرہی لیں۔"

"نہیں نینی!بات کچھ اور ہے۔تم غازی سے ملتی ہو۔وہ تمہیں جس طرح گائیڈ کرتا ہے۔اسی کے مطابق اپنی زندگی کے اہم فیصلے کرتی ہو۔"

"تم سی آئی اے والوں کی طرح میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔کیا غازی کبھی مجھ سے ملنے آئے گا تو تم اسے گرفتار کرادوگے؟"

"ہرگز نہیں...میں تمہاری خوشی اور بہتری چاہتا ہوں۔تم اسے اپنا محسن کہتی ہو۔میں ہمیشہ اس کی عزت کرتا رہوں گا۔"

"شکریہ ورما!اس طرح رازدار بن کر رہوگے تو ہم بہترین ازدواجی زندگی گزارتے رہیں گے۔"

"میں تمہارا ہم مزاج ہوں۔اب تو مجھے اپنا رازدار بنالو۔چلو یہی بتادو' غازی ہماری شادی کی خوشیوں میں شریک ہوسکے گا یا نہیں؟"

نینی نے بے اختیار کہا۔"نہیں۔"

وہ بولا۔"اس سے کہو' میں اسے دعوت دے رہا ہوں۔ہم بڑی رازداری سے خوشیاں منائیں گے۔"

وہ بولی۔"میں نہیں جانتی' وہ کہاں ہے؟تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ میں اس سے ملتی رہتی ہوں؟"

"چلو میں بحث نہیں کروں گا۔شادی کے بعد ہم فوراً ہی سوئٹزرلینڈ جائیں گے۔"

"نہیں۔ہم لندن جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔لندن جائیں گے۔"

"اور ہوائی جہاز سے نہیں' بحری جہاز سے جائیں گے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔"ہم آٹھ گھنٹے میں وہاں پہنچ سکتے ہیں۔تم آٹھ دنوں میں کیوں پہنچنا چاہتی ہو؟"

"اس لئے کہ ہوائی جہاز میں اس لاٹھی کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکوں گی۔وہ لگیج کے ساتھ جائے گی۔مگر بحری جہاز میں دن رات میرے ساتھ رہے گی۔"

"مائی گاڈ!تم ہنی مون میں لاٹھی اپنے ساتھ رکھو گی؟"

"پریشان کیوں ہوتے ہو؟وہ تمہارے سر پر نہیں پڑے گی۔شادی سے پہلے اچھی طرح سوچ لو کہ لاٹھی ہمارے بیڈروم میں اور لندن کی شاہراہوں میں بھی ساتھ رہا کرے گی۔"

"شادی کے لئے سوچنا کیا ہے؟وہ تو کرنی ہی ہے۔ابھی اس بات کا دکھ ہے کہ غازی کے معاملے میں مجھ پر بھروسہ نہیں کر رہی ہو۔میں یقین سے کہتا ہوں' وہ اس لاٹھی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔اس وقت بھی تم سے دور نہیں ہے۔"

"تمہاری یہ بات سن کر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔بھگوان کرے' وہ میرے قریب ہی ہو۔اسے تصور میں دیکھتی ہوں تو لگتا ہے' بہت طاقتور ہوگئی ہوں۔"

دوسرے دن کورٹ میرج ہوگئی۔نینی نے کہا۔"ہم آج ہی رات ٹرین سے ممبئی جائیں گے اور بحری جہاز میں اپنے لئے کیبن ریزرو کرائیں گے۔"

وہ بولا۔"ایسی جلدی بھی کیا ہے؟تم تو ایک پتی کے ساتھ سہاگ رات منا چکی ہو۔لیکن آج میں پہلی بار یہ مسرتوں بھری رات مناؤں گا۔ہم کل جائیں گے۔"

"ٹریولنگ ایجنٹ کے ذریعے بحری جہاز میں ریزرویشن ہو جائے گی۔"

میں نے اس سے کہا تھا کہ جلد از جلد وہاں سے روانہ ہو جائے۔لیکن اب اپنے پتی کے جذبات کا بھی خیال رکھنا تھا۔اس لئے وہ ایک رات وہاں اور رہ گئی۔اس نے ورما کی خواہش کے مطابق ایک دلہن کی طرح سولہ سنگھار کئے۔پھر پھولوں کی سیج پر آکر بیٹھ گئی۔یہ رسم دنیا بھی تھی اور دستور بھی تھا۔

ورما پہلی بار ایک دلہن کی سیج پر آکر بولا۔"تم بہت سندر ہو۔تمہارے اندر پتہ نہیں' کیسی کشش ہے کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر تمہارا خوبصورت شریر حاصل کرنے آیا ہوں۔یہ دیکھ چکا ہوں کہ مجھ سے پہلے تمہاری زندگی میں آنے والے کتنے ہی عاشق مر گئے یا بھاگ گئے اور ایک پتی کو بھی اغوا کرنے والوں نے مار ڈالا۔"

وہ نینی کا گھونگھٹ اٹھا کر اس کے حسن و روپ کی تعریفیں کرنے لگا۔بلاشبہ وہ بہت ہی حسین تھی۔تقدیر میں لکھا ہوتا تو وہ سب سے پہلے میری ہی آغوش میں آتی۔اب وہ ان کی تنہائیاں آباد کر رہی تھی' جن کے نام لکھ دی گئی تھی۔جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔پتہ نہیں وہ کتنے جوڑے بنوا کر آئی تھی؟ابھی تو دوسرے کو بھگتا رہی تھی۔

ایسے وقت اس کی نقلی انگوٹھی تکیے کے نیچے تھی اور لاٹھی بیڈ کے سرہانے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ورما نے اس کے بھرے بھرے بدن کو آغوش میں لیا مگر اچانک ہی ٹھٹک گیا۔

نینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔وہ بولا۔"غازی ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔لباس اٹھا کر خود کو چھپاتے ہوئے بولی۔"کہاں ہے وہ؟"

وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔اس نے لاٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"وہ ہمارے سرہانے کھڑا ہے۔"

وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔"ہائے رام!تم نے تو مجھے چونکا ہی دیا۔"

"تم نہیں مانو گی۔یہاں لاٹھی نہیں ہے۔وہ کھڑا ہوا ہے۔میرا رقیب' میری پتنی کا بدن دیکھ رہا ہے۔جبکہ میرے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہئے۔"

"نہ وہ ہے' نہ دیکھ رہا ہے۔غازی کو اپنا رقیب نہیں سمجھو گے تو وہ دکھائی نہیں دے گا۔یہ لاٹھی ہے' لاٹھی ہی رہے گی۔"

"پتی پتنی کی تنہائی میں کسی تیسرے کی آہٹ بھی نہیں ہوتی۔اس کی لاٹھی کیوں ہے؟اسے صبح تک اسٹور میں رکھ سکتی ہو۔"

"سوری۔میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں' یہ میرے بیڈروم میں بھی رہا کرے گی۔تم نے دیکھا ہے' یہ میرے ساتھ ٹوائلٹ میں بھی رہتی ہے۔"

"مجھے یقین ہوگیا ہے' تم دونوں کی آتمائیں ایک دوسرے سے جڑی رہتی ہیں۔اس

وقت بھی غازی کی آتما اس لاٹھی کے اندر ہے۔''

''میں اسے ساتھ لے کر سینے سے لگا کر سوتی تھی۔ آج سے تمہارے پاس سونا ہے۔ فیصلہ کرو سونا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں...تو پھر جا سکتے ہو۔ یہ لاٹھی یہاں بیڈ پر آجائے گی۔''

''میں تمہارا دیوانہ ہوں۔ تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور ایسے رنگین لمحات میں تو تم مجھے پاگل بنا رہی ہو۔ چھوڑنے اور دل توڑنے والی باتیں نہ کرو۔ تم جو چاہو گی وہی ہوگا۔''

اس نے سمجھوتہ کر لیا۔ دل سے مجبور تھا' جب تک سہاگ رات مناتا رہا' تب تک ایسا ہی لگتا رہا' جیسے میں لاٹھی کی صورت میں سرہانے کھڑا ہوا ہوں۔ اگرچہ ناگواری تھی' مگر رات خوب گزاری تھی۔

وہ دوسرے دن وہاں سے روانہ ہو کر ممبئی پہنچے۔ میں بھی وجے کھنہ کے ساتھ اسی ٹرین میں تھا۔ اس بات کی خوشی تھی کہ اگلے چند دنوں میں لندن پہنچ کر حجاب سے مل سکوں گا۔ تقریباً چھ ماہ سے اس کی خیر خیریت معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ میرے وفادار جو پاکستان اور لندن میں تھے' وہ ضرور حجاب اور ندا کو تحفظ فراہم کر رہے ہوں گے اور توجہ سے حجاب کا علاج کرا رہے ہوں گے۔

میرے مخالفین مجھے ڈھونڈ نکالنے کی ہر ممکن کوششیں کر رہے تھے۔ ایسی سخت نگرانی ہو رہی تھی کہ میرے جانثار مجھ سے فون پر بات کرنے سے بھی پرہیز کر رہے تھے۔ میں لندن پہنچ کر ان مخالفین سے نمٹنے والا تھا۔

میں نے ممبئی میں دو دن گزارے۔ نینی اور ورما نے جس بحری جہاز میں کیبن ریزرو کرایا۔ اسی میں وجے کھنہ نے میرے لئے عام مسافروں کے درجے میں ایک برتھ حاصل کی۔

یو کے اور انڈیا کے سی آئی اے والے دور ہی دور سے نینی کی نگرانی کر رہے تھے۔ ایک اعلیٰ عہدیدار نے خفیہ میٹنگ میں کہا۔ ''وہ اپنے ساتھ لاٹھی لے جا رہی ہے۔ گویا غازی کو کسی طرح چھپا کر لندن پہنچا رہی ہے۔ اگر ہم بحری جہاز میں لاٹھی کو لے جانے کی اجازت نہ دیں تو غازی انڈیا سے نکل نہیں پائے گا۔''

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ہاں۔ وہ ابھی ممبئی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ ہم اسے ڈھونڈ کر گرفتار کر سکتے ہیں۔''

ایک نے اعتراض کیا۔ ''ممبئی کے مقابلے میں اجمیر چھوٹا شہر ہے۔ ہم وہاں اسے پکڑ نہ سکے۔ اس بڑے شہر میں تو ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے۔ وہ یہاں ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ''ہمیں یہ دیکھنا اور سمجھنا چاہئے کہ لاٹھی یہاں سے لندن کیوں جا رہی ہے اور وہ کس طرح اس کے پیچھے چھپ کر انڈیا سے نکل رہا ہے؟''

''جب لاٹھی لندن جا رہی ہے تو وہ بھی یقیناً وہیں جائے گا۔ یا تو اسی بحری جہاز میں سفر کرے گا یا ہوائی جہاز سے وہاں پہنچے گا۔''

ایک نے کہا۔ ''میں دعویٰ سے کہتا ہوں' وہ لاٹھی کے قریب رہے گا اور اسی بحری جہاز میں سفر کرے گا۔ ہم گہرے سمندر میں اس جہاز کے اندر اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''دانشمندی یہی ہوگی کہ نینی کو نہ روکا جائے۔ اسے لاٹھی کے ساتھ جانے دو۔ غازی اس سے دور نہیں رہے گا۔ مجھے یقین ہے' وہ بحری جہاز میں کہیں چھپ کر رہے گا۔''

آخر اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوگیا کہ لاٹھی پر اعتراض نہ کیا جائے۔ اسے نینی کے ساتھ بحری جہاز میں جانے دیا جائے۔ ادھر وجے کھنہ نے بڑی رازداری سے نینی اور ورما کو غافل رکھ کر میرا عصا نینی کے پاس پہنچا دیا اور اس کی لاٹھی وہاں سے لے آیا۔ بہرحال ایک شام میں وجے کھنہ سے رخصت ہو کر حالات کے گہرے سمندر میں اتر گیا۔

اس بحری جہاز میں ایک چھوٹی سی دنیا آباد تھی۔ کتنے ہی ملکوں کے مرد' عورتیں' بوڑھے اور بچے سمندری سفر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ زیادہ تر رومانس کرنے اور ہنی مون منانے والے امیر کبیر لوگ بڑی فرصت سے وہاں زندگی اور جوانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔

وہ جہاز گہرے سمندر میں جیسے ایک جزیرہ تھا۔ اس جزیرے میں زندگی کی تمام آسائشیں میسر تھیں۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے اور انواع و اقسام کی حسینائیں تھیں۔ وہاں سب ہی مال و زر والے تھے۔ مہنگی سے مہنگی مسرتیں خرید رہے تھے۔ وہ حسینائیں میری توجہ کو بھی پکار رہی تھیں۔ مجھے ان سے دلچسپی لینی چاہئے تھی۔ مگر اچانک ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

تمام مسافروں کو جہاز کے ایک آفس نما کمرے میں باری باری طلب کیا

جارہا تھا۔ان کے پاسپورٹ اوراہم کاغذات چیک کئے جارہے تھے۔پھر اینٹی میک اپ لینس کے ذریعے دیکھا جارہا تھا کہ وہ اصلی چہرے کے ساتھ ہیں یا میک اپ میں چھپے ہوئے ہیں؟

اس جہاز میں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوتا تھا۔پہلی بارسی آئی اے والے نینی کی نگرانی کرتے ہوئے بڑے بڑے ٹھوس اقدامات کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے۔جب جہاز گہرے پانی میں آگیا۔تب وہ خود کو ظاہر کرکے تمام مسافروں کا محاسبہ کرنے لگے۔یہ یقین ہوگیا کہ میں وہاں موجود ہوں اور فرار ہونے کے لئے سمندر میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا۔

بیشک۔انہوں نے بڑی کامیاب پلاننگ کی تھی۔میرے چاروں طرف سمندر تھا۔انہوں نے جہاز کی موٹر بوٹس اور کشتیوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔میں فرار ہونے کے لئے نہ فضا میں پرواز کرسکتا تھا' نہ ہی جادو سے غائب ہوسکتا تھا۔میری گرفتاری یقینی ہوگئی تھی۔

انہوں نے ایسا جال پھینکا تھا کہ میں بے بسی سے اندر ہی اندر پھڑ پھڑا رہا تھا۔اس طرح پھنسنے کے بعد بھی ان کے ہر حربے سے خود کو بچا سکتا تھا۔مگر وہ ایسے لینس کے ذریعے معائنہ کررہے تھے' جن سے میک اپ کے پیچھے چھپے ہوئے اصلی چہرے ظاہر ہوجاتے ہیں اور میں اپنے میک کے پیچھے اپنا اصلی چہرہ ان سے چھپا نہیں سکتا تھا۔

نہ جانے کتنے جاسوس تھے؟ وہ بحری جہاز کی مسلح پولیس کے ساتھ ایک ایک مسافر کے پاس آتے تھے اور انہیں اپنے ساتھ اس کمرے میں لے جاتے تھے' جہاں اینٹی میک اپ مشین تھی۔میں نے حیرانی سے دیکھا۔نینی کا پتی کندن ورما بھی سی آئی اے والوں کے ساتھ تھا۔وہ بھی دوسرے مسافروں کے پاسپورٹ اور دیگر کاغذات چیک کررہا تھا۔

نینی نے اس آفس نما کمرے میں آکر اپنے پتی سے کہا۔"ورما! یہ تم کیا کررہے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔"وہی کررہا ہوں جو میری ڈیوٹی ہے۔اب تمہیں معلوم ہوجانا چاہئے کہ میں کوئی بزنس مین نہیں ہوں۔کول کتہ سی آئی اے برانچ کا ایک سب انسپکٹر ہوں۔تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔تمہارا کزن ہوں۔تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔تم سے شادی کی ہے۔تمہارا پتی بن کررہوں گا۔"

وہ بولی۔"تم مجھے شاک پہنچارہے ہو۔یادرکھو اگر غازی یہاں موجود ہے اور تم اسے گرفتار کراؤ گے تو میں تمہیں اپنا پتی سوئیکار نہیں کروں گی۔"

"تمہاری مرضی ہے۔مجھے پتی مانو۔اگر نہ مانو تو طلاق لے لو۔میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں۔یہ ڈیوٹی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"یہ میری توہین ہے۔تم نے مجھ سے محبت نہیں کی۔مجھے ایک مہرہ بنا کر استعمال کیا ہے۔"

"ہم جاسوس ہیں۔ایسے ہی ہتھکنڈوں سے مجرموں تک پہنچتے ہیں۔"

"غازی مجرم نہیں ہے۔"

"ہاں۔تمہارا یار ہے' جس کی خاطر اس پتی کو چھوڑنے پر تیار ہو۔"

"ہم نے کبھی ایک دوسرے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔اس کے باوجود کہتی ہوں' ہاں وہ میرا یار ہے۔وہ ابھی آئے گا' میرا ہاتھ پکڑے گا تو میں اس کی ہوجاؤں گی۔میں نے پتنی بن کر اپنا صرف شریر تمہیں دیا ہے۔غازی کو شریر کے ساتھ آتما بھی دوں گی۔"

"جب وہ گرفتار ہو تو اس کے سامنے یہ مکالمے بولنے کا موقع دوں گا۔ابھی تو یہ لاٹھی ہمارے حوالے کردو۔تم نہیں جانتیں کہ یہ اصلی ہے اور غازی کی ہے۔اس سے پہلے تم نقلی لاٹھی لئے پھرتی تھیں۔"

نینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔اس نے کہا۔"ممبئی میں ہم جس ہوٹل کے کمرے میں تھے۔وہاں کسی نے ہمیں نشہ آور مشروب پلایا تھا۔یاد کرو مجھے نزلہ تھا اس لئے میں نے وہ ٹھنڈا مشروب نہیں پیا تھا۔"

وہ بتانے لگا کہ اسے پینے کے بعد نینی گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔ورما کو شبہ ہوا تھا۔اس نے اپنا مشروب واش روم میں بہا دیا۔پھر نینی کے پاس آکر آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا۔تھوڑی دیر بعد ایک ویٹر وہاں آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی۔دراصل وہی میرا عصاء تھا۔وجے کھنہ ویٹر کو بڑی رقم کا لالچ دے کر اس سے کام لے رہا تھا۔

جب وہ میرا عصا وہاں رکھ کر نینی کی لاٹھی اٹھا کر کمرے سے چلا گیا تو ورما نے فون کے ذریعے دوسرے سراغ رساں ساتھیوں کو اطلاع دی۔انہیں بتایا کہ ایک ویٹر اس کے کمرے سے ایک لاٹھی لے گیا ہے۔اس پر نظر رکھی جائے۔وہ لاٹھی جس کے پاس پہنچائی جائے اسے خوب سوچ سمجھ کر گرفتار کیا جائے۔

ویٹر نے اس لاٹھی کو وجے کھنہ کے پاس پہنچایا تھا۔ کھنہ میری طرح قد آور اور صحت مند نہیں تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ میں نہیں ہوں۔ میرا کوئی کارندہ ہے۔ لہٰذا وہ دور ہی دور سے اس کی نگرانی کرتے رہے۔

انہوں نے جہاز کی روانگی کے بعد وجے کھنہ کو گرفتار کیا۔ اسے ٹارچر سیل میں لے گئے۔ اس کے گھر کا پتہ معلوم کیا۔ پھر اس کے جوان بیٹے اور بیٹی کو بھی پکڑ کر لے آئے۔ جب انہیں اذیت دینے لگے تو وہ اپنے معصوم بچوں کو ظلم سہتے نہ دیکھ سکا۔ اس نے بتا دیا کہ میں اس بحری جہاز میں سفر کر رہا ہوں۔

اس سے پوچھا گیا کہ میں اس جہاز میں کس نام اور کس صورت سے ہوں؟

وجے کھنہ نے اپنے بچوں کو ظلم سے بچایا۔ پھر مجھے بچانے کے لئے جھوٹ کہہ دیا کہ غازی اپنے کسی کارندے کو اپنے بدلتے ہوئے روپ کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتاتا۔

ان کے لئے اتنی ہی معلومات بہت تھیں کہ میں اس جہاز میں موجود ہوں۔ مجھے گرفتار کیا جاسکتا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میں کس بھیس میں ہوں؟ لہٰذا مجھے تھیلے سے باہر نکالنے کے لئے اینٹی میک اپ لینس لے کر آئے تھے۔

میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کس طرح ان لینسز سے دور رہ سکتا ہوں؟ مجھے بھی دوسرے مسافروں کی طرح اس کمرے میں جانا ہی تھا۔

میرے لئے اور زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ نینی سے میرا عصاء چھین لیا گیا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کیا جارہا تھا۔ مجھے مخاطب کر کے کہا جارہا تھا۔ ''ہیلو ہیلو... ہم سلمان سعدی کو مخاطب کر رہے ہیں۔ تمہارا نام عمیر بن غازی بھی ہے اور تم اس جہاز میں موجود ہو۔''

پورے جہاز میں خاموشی چھا گئی تھی۔ کہا جارہا تھا۔ ''تم ایک خطرناک مجرم ہو۔ ہمیشہ قانون کی گرفت سے پھسل جاتے ہو۔ لیکن اس جہاز سے پھسلنا چاہو گے تو سمندر میں ڈوب جاؤ گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دو۔''

مجھے لڑنا تھا اور مرنا تھا۔ ویسے یہ جانتا تھا کہ وہ میری جان نہیں لیں گے۔ ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھیں گے۔ مگر طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے۔ میری زندگی کو موت سے بدتر بناتے رہیں گے۔

موجودہ حالات میں صرف خدا ہی بچا سکتا تھا۔ میں نے یاد کیا' اللہ تعالیٰ نے اس عصاء کو وسیلہ بنا کر مجھے ایسے وقت زندگی دی تھی۔ جب میرے تمام بیٹے اور لہو کے تمام رشتے مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔ صحیح طور سے بیان نہیں کر سکتا کہ بدترین حالات میں جب دم توڑنے والا تھا' تب وہ عصاء کس طرح میرے ہاتھوں میں آگیا تھا؟

بہرحال میں تب سے اب تک توانائی حاصل کرتا اور دشمنوں پر غالب آتا رہا تھا۔ میں نے جہاز کے کپتان کو فون پر مخاطب کیا اور کہا۔ ''میں سلمان سعدی عرف عمیر بن غازی بول رہا ہوں۔''

کپتان نے پوچھا۔ ''فون پر نہ بولو۔ سامنے آکر خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرو۔''

''میں سامنے آؤں گا۔ مگر ان لوگوں سے کہو' پہلے میری لاٹھی میرے حوالے کی جائے۔''

کپتان نے میرا پیغام پہنچایا۔ لاؤڈ اسپیکر سے جواب نشر کیا گیا۔ ''ہم تمہیں گرفتار کرتے ہی لاٹھی تمہارے حوالے کر دیں گے۔ ہمارے سامنے آجاؤ۔''

ایسے وقت ورما نے کہا۔ ''وہ لاٹھی چمتکار دکھاتی ہے۔ اسے غازی کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے۔''

سی آئی اے کے افسر نے کہا۔ ''یہ فضول سی باتیں ہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے دور میں چمتکار اور معجزے والی بات مضحکہ خیز لگتی ہے۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''پھر یہ لاٹھی کیا معجزہ دکھائے گی؟ کیا گرفتاری سے بچانے کے لئے اسے ہوا میں اڑا کر لے جائے گی؟''

ایک اور افسر نے کہا۔ ''بات نہ بڑھائی جائے۔ وہ لاٹھی لے کر گرفتاری پیش کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مطالبہ پورا کرو۔ اسے ہمارے سامنے آنے تو دو۔''

سب کے متفقہ فیصلے کے مطابق لاؤڈ اسپیکر سے آواز آئی۔ ''سلمان عرف غازی! تھیٹر ہال میں آؤ۔ اسٹیج پر تمہاری لاٹھی رکھی جارہی ہے۔ وہاں آؤ اور اسے لے لو۔''

میں نے کپتان کے ذریعے کہا۔ ''وہاں پندرہ منٹ کے بعد پہنچوں گا۔''

لیکن فوراً ہی وہاں پہنچ گیا۔ بڑے سے ہال میں مسلح پولیس اور سراغ رسانوں کے علاوہ بیشمار مسافر تھے۔ انہیں وہاں سے جانے اور ہال خالی کرنے کو کہا جارہا تھا۔

وہ کہہ رہے تھے کہ مجھ جیسا خطرناک مجرم آسانی سے گرفتار نہیں ہوگا۔ وہاں ہنگامہ

برپا کرے گا اور بے گناہ مسافروں کو نقصان بھی پہنچائے گا۔ اس لئے وہ لوگوں کو وہاں سے ہٹا رہے تھے۔ مجھ سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔

میں تھیٹر ہال کے ایک ٹوائلٹ میں تھا۔ اپنے چہرے سے میک اپ اتار رہا تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ پھر میں نے ٹوائلٹ سے نکل کر اسٹیج پر آ کر دیکھا۔ وہاں چار گن مین اور درجنوں سی آئی اے کے کارندے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہاں فساد اور فائرنگ ہو۔ بے گناہ مسافر فائرنگ کی زد میں آسکتے تھے۔ مگر جو مسافر جیدار تھے۔ تماشہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہاں سے نہیں گئے تھے۔ اسٹیج سے ذرا دور ہو گئے تھے۔

ایسے وقت ننی کی آواز سنائی دی۔ ''غازی جی! آپ اکیلے نہیں ہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بھگوان ہماری رکھشا کرے گا۔''

وہ بولتی ہوئی اسٹیج پر آ گئی۔ میں نے کہا۔ ''میرا معاملہ اپنے بھگوان پر چھوڑو اور دور چلی جاؤ۔''

''کیسے چلی جاؤں؟ آپ کے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ یہ آپ کو لاٹھی نہیں دیں گے۔''

میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ چار گن مین کے علاوہ درجنوں دشمن میرے اطراف کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ ''تم ذرا دور ہو جاؤ۔ ان کا باپ بھی میری لاٹھی مجھے دے گا۔''

ایک افسر نے کہا۔ ''غازی! کوئی ہنگامہ نہ کرو۔ چپ چاپ خود کو ہمارے حوالے کردو۔ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اسے پھینک دو۔ ہمیں قریب آنے دو۔''

میں نے ایک ریموٹ کنٹرولر کو لباس میں چھپایا تھا۔ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو یہ کیا ہے؟ اور یہ کیوں میرے ہاتھ میں ہے؟''

ایسا کہتے وقت میں نے کوٹ کے بٹن کھولے تو سب ہی سہم کر پیچھے ہٹنے لگے۔ میرے جسم سے چھوٹے چھوٹے بم بندھے ہوئے تھے۔

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اپنے ہتھیار میرے قدموں کے پاس پھینکو۔ مجھے گولی مارنے سے پہلے یہ سمجھ لینا کہ ریموٹ کنٹرول کا بٹن دب جائے گا۔''

یوں بھی وہ مجھے ہلاک کرنے والے نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ گولی چلا کر زخمی کرسکتے تھے۔ مگر ابھی ان کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ اگر وہ بم بلاسٹ ہوتے تو جہاز کو تباہ

ہونے اور ڈوبنے سے بچایا نہیں جاسکتا تھا۔

انہوں نے ہتھیار میرے قدموں کے پاس پھینک دیئے۔ میں نے کہا۔ ''ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر میری لاٹھی یہاں لے آؤ۔ دوسری کوئی بات نہ کرو۔''

میرے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ایک سپاہی نے قریب آ کر دونوں ہاتھ بڑھا کر لاٹھی پیش کی۔ میں نے اسے ہاتھوں میں لیا۔ پھر فرش پر پڑے ہتھیاروں کو اٹھایا۔ میرے شانے سے ایک بیگ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے صرف ایک ریوالور ہاتھ میں رکھ کر کہا۔ ''کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں ہے' یہاں بچوں کے کھلونوں کی دکان ہے۔ میں نے یہ پلاسٹک کے بم وہیں سے خریدے ہیں۔ ریموٹ کنٹرول سے کاریں دوڑائی جاتی ہیں۔''

مجھے پچھلے ایک گھنٹے سے تلاش کیا جا رہا تھا۔ میں نے اتنی دیر میں بچوں کے کھلونوں سے بڑوں کو دہشت زدہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور کامیاب رہا تھا۔ وہ میری اس چالاکی پر جھنجھلا رہے تھے۔

ایک افسر نے کہا۔ ''ہم تمہیں گرفتار نہیں کرسکیں گے۔ مگر اگلے سی پورٹ میں مسلح فوجی اس جہاز کو گھیر لیں گے۔ تم کب تک اپنی بقاء کی جنگ لڑسکو گے؟''

میں نے کہا۔ ''تم اپنے اعلیٰ افسران کو فون کرو۔ میرے لئے ایک ہیلی کاپٹر طلب کرو۔ اگر انکار کیا جائے گا تو میں ہر آدھے گھنٹے کے بعد تم میں سے کسی ایک کو گولی ماروں گا۔ اپنی سلامتی چاہو۔ مجھے ہیلی کاپٹر میں یہاں سے جانے دو۔''

میری بات ختم ہوتے ہی کہیں سے گولی چلی۔ ریوالور میرے ہاتھ سے نکل کر دور چلا گیا۔ مجھے یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ دوسرے سپاہیوں اور سراغ رسانوں کے پاس بھی ہتھیار ہوں گے۔ ان میں سے کسی نے دور سے گولی چلائی تھی۔ میں ہلاک یا زخمی ہوسکتا تھا مگر بال بال بچ گیا۔

میرا عقیدہ تھا کہ انگوٹھی اور عصاء کی موجودگی سے محفوظ رہوں گا۔ میرے ہاتھ سے ریوالور نکلتے ہی درجنوں سپاہی اور سراغ رساں مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ مجھے بیگ سے دوسرا ریوالور نکالنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ میں نے لاٹھی گھمانا شروع کی تو اچھی طرح ان کی پٹائی ہونے لگی۔ ان میں کچھ زخمی ہوئے' کچھ دور چلے گئے۔

میں بیگ سے ریوالور نکال کر ان کے قدموں کی طرف فائر کرتے ہوئے وہاں سے جانے لگا۔ کہیں دور سے کبھی کبھی فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں بچتا بچاتا ہوا تھیٹر ہال سے باہر آ گیا۔

لگاتار فائرنگ کے باعث پورے جہاز میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔عورتیں چیخ رہی تھیں۔بچے رو رہے تھے۔جسے جہاں جگہ مل رہی تھی' وہ وہاں چھپنے کے بعد باہر نہیں نکل رہا تھا۔بیشمار مسافر فون کے ذریعے کپتان اور جہاز کے عملے سے شکائتیں کررہے تھے۔

کپتان لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے مجھ سے اور سی آئی اے کے افسران سے التجا کررہا تھا کہ فائرنگ نہ کی جائے۔مسافروں کو کسی بھی طور دہشت زدہ نہ کیا جائے۔

یوں فائرنگ تھم گئی۔میں سوئمنگ پول کے پاس آگیا۔وہ آس پاس چھپے ہوئے تھے۔گولیاں نہیں چلا رہے تھے۔میں بھی کسی کو ہلاک یا زخمی کرنا نہیں چاہتا تھا۔میں نے فون کے ذریعے کپتان سے کہا۔"ان افسران سے کہو' میرا مطالبہ پورا کریں۔ابھی ہیلی کاپٹر آئے گا' ابھی میں چلا جاؤں گا۔جہاز میں امن امان قائم ہو جائے گا۔تمام مسافر محفوظ رہیں گے۔"

کپتان میرا پیغام پہنچا رہا تھا۔سی آئی اے والوں کو سختی سے کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے جہاز پر گرفتار کرنے کی غلطی کررہے ہیں۔انہیں آگے کسی ساحل پر پہنچ کر میرے خلاف کارروائی کرنی تھی۔مگر ان سراغ رسانوں کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ مجھے وہاں گہرے پانی میں ہی مچھلی کی طرح پکڑ سکتے ہیں۔

اچانک ہی ایک شخص نے پیچھے سے مجھ پر چھلانگ لگائی۔وہ مجھے پکڑنا چاہتا تھا۔میں نے ایک جھٹکا دیا تو وہ پیچھے سے آگے آگیا۔وہ میری طرح صحت مند تھا۔اس کے باوجود میں نے اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر سر سے بلند کیا۔تین شخص حملہ کرنے آرہے تھے۔میں نے اسے ان پر پھینک دیا۔وہ اسے لئے ہوئے سوئمنگ پول میں گر کر ڈوبنے ابھرنے لگے۔

وہ چھپنے والے دو دو چار چار کی تعداد میں آرہے تھے۔میں وہاں سے جاتا ہوا' جگہ بدلتا ہوا ان سے نمٹ رہا تھا۔میرا ہاتھ جسے پڑتا تھا' وہ تکلیف سے چیختا ضرور تھا۔میرے اندر وہی غیر معمولی توانائی بھر گئی تھی' جو بار بلا سے مقابلہ کرتے وقت حاصل ہوئی تھی۔وہ باڈی بلڈر صرف دو ہاتھ کھانے کے بعد ہی زمین سے اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

میں پھر جہاز میں اپنی غیر معمولی قوت کا تماشہ دکھا رہا تھا۔جیسے سپر مین بن گیا تھا۔مجھ پر حملہ کرنے والے میرا ہاتھ یا میری ٹھوکر کھانے کے بعد اٹھنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔میں جان بوجھ کر ایسی جگہ پہنچتا تھا' جہاں مسافر زیادہ تعداد میں ہوتے۔ادھر یہ اندیشہ نہ

رہتا کہ کہیں سے گولی چلائی جائے گی۔کپتان اور سی آئی اے کے اعلیٰ افسران کے حکم سے فائرنگ بند ہو چکی تھی۔

میں لاٹھی استعمال نہیں کررہا تھا۔صرف ہاتھوں اور لاتوں سے انہیں لہو لہان کررہا تھا۔جو بھی ایک ہاتھ یا ایک لات کھالیتا تھا۔وہ یا تو ناکارہ ہو جاتا تھا یا پھر مقابلہ کرنے سے کتراتا تھا۔زخمی اور اپاہج ہو جانے والے دشمنوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔وہ سمجھ گئے تھے' مجھے گولی مار کر زخمی کئے بغیر ہتھکڑی نہیں پہنا سکیں گے۔اس بار ایک جاسوس نے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی چلائی۔تاکہ فائر کی آواز سے مسافروں میں پھر دہشت طاری نہ ہو۔

ٹیلی اسکوپ کے ذریعے میرا نشانہ لیا گیا تھا۔وہ گولی سیدھی میرے سینے میں پیوست ہونے آئی۔ان لمحات میں میرا ہاتھ سینے پر آگیا تھا۔میں نے واضح طور پر معجزہ دیکھا۔گولی انگوٹھی کے لاوہ اسٹون سے ٹکرا کر آگے نہ بڑھ سکی۔فرش پر گر گئی۔

فائر کی آواز نہیں ہوئی تھی' لیکن گولی چلانے والا نظروں میں آگیا تھا۔میں نے فوراً ہی عصا گھما کر ایک چکر دے کر اس کی طرف پھینکا۔وہ فضا میں جیسے اڑتا ہوا گھومتا ہوا اس کے منہ پر جا کر لگا۔فائر کرنے والے کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔وہ اچھل کر فرش پر گر پڑا۔میرے حملے ایسے عجیب اور خلاف توقع تھے کہ دشمن حیران ہو رہے تھے۔

میرا عصا بہت دور اس زخمی کے پاس پڑا ہوا تھا۔میں اسے اٹھانے کے لئے ادھر دوڑتا ہوا گیا۔اس سے پہلے ہی ورما نے اسے اٹھا لیا۔وہاں سے بھاگتے ہوئے چیختے ہوئے کہا۔"میں نے کہا تھا' یہ لاٹھی چمتکار دکھاتی ہے۔اسے غازی کے ہاتھوں میں نہ جانے دو۔"

نینی اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے چیخ رہی تھی۔"ورما! رک جاؤ۔لاٹھی غازی جی کو دے دو۔میں کہتی ہوں' رک جاؤ۔"

ورما بہت دیر سے مجھ اکیلے کو درجنوں افراد سے لڑتے اور غالب آتے دیکھ رہا تھا۔یہ سمجھ گیا تھا کہ مجھ سے لاٹھی چھین کر سی آئی اے والوں کی کسٹڈی میں نہیں رکھ سکے گا۔اس نے ریلنگ کے قریب جاتے ہوئے پوری قوت سے اسے گھما کر سمندر کی طرف پھینکا۔وہ پھر ایک بار فضا میں اڑتی ہوئی گئی۔پھر جہاز کے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

نینی چیخ چیخ کر ورما کو گالیاں دیتی ہوئی ریلنگ کے پاس آئی۔اس نے گالیوں کے جواب میں اسے پکڑ لیا۔جکڑ لیا۔پھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اسے بھی سمندر میں پھینک دیا۔

میں نے اس کی مختصر سی چیخ سنی۔اس بیچاری کے انجام پر دماغ کو جھٹکا پہنچا۔میں غصے سے گرجتا ہوا' ورما کے قریب آ گیا۔وہ بھاگنا چاہتا تھا۔میں نے ایک فلائنگ کک ماری۔وہ لڑکھڑا کر پیچھے ریلنگ سے ٹکرا گیا۔تکلیف سے پیٹ پکڑ کر بیٹھنے لگا۔اسے بیٹھنا نہیں' ہمیشہ کے لئے لیٹ جانا تھا۔

میں نے اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر سر سے بلند کیا۔وہ تڑپنے اور مچلنے لگا۔خود کو میری گرفت سے چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا۔میں نے اسے سمندر کی طرف اچھال دیا۔وہ چیخیں مارتا ہوا گہرے پانی میں گیا۔پھر ہمیشہ کے لئے گم ہو گیا۔

مجھے نینی کا غم تھا۔وہ میری خاطر ماری گئی تھی۔میں ریلنگ پر جھک کر سمندر کی بے رحم لہروں کو دیکھنے لگا۔یکبارگی میرا دل مسرتوں سے بھر گیا۔خلاف توقع پھر معجزہ ہوا تھا۔

وہ میرے عصا کے ساتھ محفوظ تھی۔ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لئے موٹر بوٹس اور حفاظتی کشتیاں جہاز کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ایسی ہی ایک موٹر بوٹ میں جانوروں کا چارہ اور گھاس رکھی ہوئی تھی۔نینی ان پر جا کر گری تھی۔اس سے پہلے میرا عصا وہاں پہنچا ہوا تھا۔مگر وہ بیہوش پڑی ہوئی تھی۔

میں اتنا ہی دیکھ پایا۔آگے کچھ دیکھنے سمجھنے سے پہلے ہی میرے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ایک گولی میرے شانے کی ہڈی توڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔میں نے ان لمحات میں ویسی ہی کمزوری محسوس کی جیسے بابر بلا پر غالب آنے کے بعد کی تھی۔

میں ستر برس کا بوڑھا تھا۔جوانوں کی طرح جنگ لڑنے کے بعد ہانپ رہا تھا۔کانپ رہا تھا۔ابھی ایک سپر مین تھا اور اب ایک گولی کا زخم برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

میں نے گرنے کے انداز میں گھٹنے ٹیک دیئے۔دشمن مجھ سے بری طرح سہمے ہوئے تھے۔یہ خوف تھا کہ میں پھر ان پر جھپٹ پڑوں گا۔انہوں نے دوسری گولی میرے ایک بازو پر ماری۔تیسری گولی پسلی میں آ کر لگی۔میں اچھل کر فرش پر گر پڑا!۔

اگر تڑپتا رہتا تو وہ پھر گولی مارتے۔میں گرتے ہی ساکت ہو گیا تھا۔اس دنیا سے غافل ہو گیا تھا۔پھر میں نہیں جانتا کہ وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے رہے؟

☆☆☆

میں نہیں جانتا' مجھے اس بحری جہاز سے نکال کر ہیلی کاپٹر کے ذریعہ کہاں پہنچایا گیا

تھا؟ ایسے وقت میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔پہلے تو بے ہوشی طویل مدت تک رہی۔میں آپریشن کے مراحل سے گزرتا رہا۔میرے جسم سے گولیاں نکالی گئیں۔بدن کا تمام لہو جیسے بہہ گیا تھا۔باہر سے خون پہنچایا جا رہا تھا۔

پتہ نہیں کتنے دن کتنی راتیں گزرتی جا رہی تھیں۔میں کبھی ہوش میں آ کر آنکھیں کھولتا تھا' دھندلائی ہوئی آنکھوں سے پتہ نہیں' کیا دیکھتا تھا؟ کچھ سمجھنے سے پہلے ہی مجھ پر غفلت طاری ہو جاتی تھی اور میں گہری نیند میں ڈوب جاتا تھا۔

مجھ میں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ڈاکٹر دن رات محنت کرتے رہے تھے۔وہ مجھے زندگی کی طرف واپس لے آئے تھے۔لیکن میں جیسے مر چکا تھا۔کیونکہ اس دنیا کو' اپنے موجودہ ماحول کو حتیٰ کہ اپنے آپ کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔

میں کسی چاردیواری میں سانسیں لے رہا تھا۔زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے اور دشمنوں کے لئے ایک مردے کے برابر تھا۔پہلے مجھے زندہ رکھنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔اب وہ میری یادداشت واپس لانے کے لئے ہمہ وقت میرے بیڈ سے لگے رہتے تھے۔

ایک بہت ہی تجربہ کار بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ڈاکٹر نے کہا تھا' یہ بہت ہی پیچیدہ کیس ہے۔بڑی توجہ سے علاج جاری رہے گا تو رفتہ رفتہ میری یادداشت بحال ہو جائے گی۔

بڑے ممالک کی خفیہ ایجنسیوں نے اور سی آئی اے والوں نے ایک طویل مدت سے میرے پیچھے بھاگتے رہنے کے بعد مجھے گرفتار کیا تھا۔لیکن گرفتار کرنے کے بعد بھی مجھے پوری طرح حاصل نہیں کر رہے تھے۔میں بولنے' سننے' سمجھنے اور ریڈ مرکری کا راز بتانے کے قابل نہیں تھا۔

میں موجودہ حالات میں نصف مردہ تھا اور وہ جھنجھلا رہے تھے کہ اس مردے سے کچھ حاصل نہیں کر پا رہے تھے۔میری حالت ایسی تھی' شاید آئندہ بھی وہ مجھے زندگی کی طرف لانے میں ناکام رہتے۔اگرچہ بڑی تندہی سے علاج کرایا جا رہا تھا۔مگر وہ اندر ہی اندر مایوس ہو رہے تھے۔

میرے جسم میں تین گولیاں لگی تھیں۔ایک شانے کی ہڈی توڑ کر گزر گئی تھی۔باقی دو گولیاں بازو اور پسلیوں سے نکالی گئی تھیں۔میری حالت ایسی نازک تھی کہ دنیا سے اب گیا کہ تب گیا اور وہ میری حالت پر تپ رہے تھے۔جھنجھلا کر سوچ رہے تھے کہ میری گرفتاری سے فائدہ اٹھا سکیں گے یا نہیں؟ اپنے مقاصد حاصل کر بھی سکیں گے یا نہیں؟

مجھے بڑی رازداری سے کسی چار دیواری میں رکھا گیا تھا۔ دن رات بھرپور توجہ سے مجھے موت کی طرف جانے سے روکا جا رہا تھا۔

ایک بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ "پہلی بار ایسا انسانی حوصلہ دیکھ رہا ہوں۔ یہ بے دست و پا ہے۔ توانائیوں سے خالی ہو چکا ہے۔ بالکل مردہ ہے۔ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود رات سے صبح کر چکا ہے۔ نہ جا رہا ہے' نہ پلٹ کر آ رہا ہے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا۔ "یہ بات محض ایک رات کی نہیں ہے۔ یہ پچھلے کئی دنوں سے پرابلم بنا ہوا ہے۔"

بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ "پلیز۔ جو مریض ہمارے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اسے ناگواری سے پرابلم نہیں سمجھنا چاہئے۔"

وہ تڑخ کر بولی۔ "یہ صرف مریض نہیں ہے۔ انتہائی خطرناک قیدی بھی ہے۔ سنا ہے' لوگوں کی نیندیں حرام کرتا رہا ہے۔ یہاں آ کر ہماری نیندیں اڑا رہا ہے۔ پتہ نہیں کب مرے گا؟ کب جان چھوٹے گی؟"

ایک پولیس افسر نے کہا۔ "تم اپنی بات کر رہی ہو۔ یہاں تو ہم پولیس والے اس سے اپنی جان نہ چھڑا سکے۔"

ایک جیلر نے کہا۔ "یہ میری جیل کا قیدی ہے۔ اگر اچانک اٹھ کر فرار ہو گا تو میں اسے اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکوں گا۔ میں نے اس کی رپورٹ پڑھی ہے۔ کہا جاتا ہے' مقابلہ کرنے والے درجنوں فائٹرز ہوں' تب بھی یہ انہیں مار پیٹ کر نکل جاتا ہے۔"

میں ان سب سے بے خبر بیڈ پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔

"اس کی آنکھ نہ کھلے تو اچھا ہی ہے۔ ایسے ہی چٹ پٹ ہو جائے تو نجات ملے گی۔"

ایک نے کہا۔ "یہ ستر برس کا ہے۔ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ اب اس میں اتنی سکت نہیں ہے کہ اپنی زندگی کے لئے فائٹ کر سکے۔ تعجب ہے' پھر بھی خطرناک لگتا ہے۔"

بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ "شاید آئندہ خطرناک نہ رہے۔ اگر زندہ رہا تو ایک اپاہج کی طرح زندگی گزارے گا۔"

پولیس افسر نے کہا۔ "یہ اپاہج رہے گا' تب بھی ہمارا اطمینان غارت کرتا رہے گا۔ ہمیں اس کے لئے سیکورٹی فراہم کرنی ہو گی۔ باہر نہ جانے کتنے دشمن اس کی گھات میں بیٹھے ہیں؟"

"یہی تو کہہ رہی ہوں۔ یہ زندہ رہے گا تو سب کے لئے پرابلم بنا رہے گا۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ باہر کتنی ہی امیدیں آنکھیں کھولے اس کی منتظر ہیں۔ کتنے ہی دل اس کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہوں گے۔"

ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔ "میں نے سنا ہے' یہ کسی کے لئے موت کا ہرکارہ ہے۔ کسی کے لئے مسیحا ہے۔"

جیلر نے کہا۔ "یہ ایسا قیدی ہے۔ جس کی فائل میں نام نہیں' صرف نمبر لکھا ہوا ہے۔ نمبر بھی انوکھا ہے۔ سیون زیرو سیون' سیون زیرو سیون...."

پولیس افسر نے کہا۔ "سات نمبر کو لکی کہا جاتا ہے۔ اسے جو نمبر دیئے گئے ہیں۔ ان میں چار بار سیون کی تکرار ہے۔ اسے چار بار خوش قسمت کہا گیا ہے۔"

ایک نے پوچھا۔ "کیا یہ واقعی خوش نصیب ہے؟"

دوسرے نے کہا۔ "سانسیں اکھڑ رہی ہیں۔ بھلا مرنے والا خوش نصیب کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہ سب میرے متعلق بہت کچھ بول رہے تھے اور میں ان کے درمیان ایک لاش کی طرح پڑا ہوا تھا۔ میری خوش نصیبی کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ ابھی میں ان کا ہی نہیں' مقدر کا بھی قیدی تھا۔ زندگی کی قید سے رہائی نہیں مل رہی تھی۔ موت میرے اندر گھسی ہوئی مجھے مانگ رہی تھی اور میں اسے نہیں مل رہا تھا۔

آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

میں کون ہوں؟

یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

یہ اتنے اہم سوالات ہیں۔ جن کے جوابات خود مجھے بھی نہیں مل رہے تھے۔ کیونکہ میں قبر میں پاؤں لٹکائے سکرات کے عالم میں بے خبر پڑا ہوا تھا۔ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ سانسیں لے رہا ہوں یا نہیں؟

یااللہ! کچھ تو سانسیں بحال ہوں۔ ذرا تو طبیعت سنبھلے۔ میرا ذہن حاضر ہو اور میں خود کو پہچانوں۔ یہ کہہ سکوں کہ پیدائشی نمبری نہیں ہوں۔ صرف نمبروں سے پکارا جانے والا قیدی نہیں ہوں۔ میرا بھی ایک نام ہے' مقام ہے' میری بھی کوئی حیثیت ہے۔

میں اپنی ذات سے غافل تھا۔ میرے ساتھ جو ہو رہا تھا' اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ میرے آس پاس جو لوگ تھے' انہیں پہچانتا نہیں تھا۔ کتنے ہی لوگ آخری سانسوں میں حافظے کی کمزوری کے باعث خود کو پہچانے بغیر دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ کیا میں بھی اسی طرح گزرنے والا تھا؟

نہیں۔ میرے معاملے میں ایسا نہیں ہوگا۔ میں مرجاؤں گا۔ اس کے باوجود میری یہ روداد دنیا والوں کو معلوم ہوگی۔ یہ ضرور معلوم ہوگا کہ ایک جیلر' ایک پولیس افسر اور دو ڈاکٹر کسی خفیہ پناہ گاہ میں میری جان بچانے کی کوششیں کیوں کر رہے ہیں؟

یہ اس طرح معلوم ہوگا کہ ان چاروں کی لاعلمی میں وہاں خفیہ طور پر جاسوسی آلات نصب کئے گئے تھے۔ مزید یہ کہ سٹیلائٹ کے ذریعے بھی میری زندگی کے آخری لمحات ریکارڈ کئے جا رہے تھے۔ یقیناً میری اتنی اہمیت تھی کہ نامعلوم طاقتور لوگ جدید ٹکنالوجی اور غیر معمولی ذرائع سے میری نگرانی کر رہے تھے۔ میرے ہر پل کی رپورٹ محفوظ کر رہے تھے۔ ہر حال میں مجھے بچانا چاہتے تھے۔

رازداری صرف اللہ تعالیٰ سے مشروط ہے۔ وہی معبود اسرار کے پردے میں ہے اور رہے گا۔ باقی بھید نہ چاہنے کے باوجود کھلتے رہتے ہیں۔ میرے متعلق بھی جو الجھنیں ہیں' وہ رفتہ رفتہ سلجھنے کو ہیں۔

ان لمحات میں نہ جانے کتنے ہی لوگ فون کالز کے ذریعے ایک دوسرے کو مخاطب کر رہے تھے۔ فیکس اور ای میل کے ذریعے میرے متعلق خبریں پہنچا رہے تھے۔ مجھ پر لاکھوں ڈالرز کا سٹہ کھیلا جا رہا تھا کہ میں لب دم ہوں۔ میری موت یقینی ہے۔ کیا میں قسمت کا دھنی ثابت ہوتا رہوں گا؟ کیا زندگی کی طرف لوٹ آؤں گا؟

یہ اتنی بڑی بات تھی' جسے سمجھتے ہی دوست اور دشمن اندازہ کر لیتے تھے کہ میں نے عالمی سطح پر بہت بڑی گڑبڑ کی ہے۔ بڑی طاقتوں کو مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں کہ مجھے زندہ رہنا چاہئے یا مرجانا چاہئے؟ انہیں میری زندگی اور موت دونوں ہی مہنگی پڑ رہی ہوں گی۔

فرانس میں روز ایئر کمپنی کے اعلیٰ عہدیدار ایک عمارت کی چار دیواری میں متفکر اور مضطرب تھے۔ میرے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ تنظیم کے سربراہ کولی گارسن نے کہا۔ ''میں اب سے

بیس برس پہلے سی آئی اے کی ایک برانچ کا ڈپٹی چیف تھا۔ ان دنوں ریکارڈ روم میں ایک فائل پر تھری ایس لکھا ہوا تھا۔ یہ شہزادہ سلمان سعدی کا کوڈ نیم ہے۔ فائل کے پہلے صفحے پر درج تھا۔

یہ شخص چلتا پھرتا عذاب ہے۔

رک جاتا ہے تو مخالفین کی سانسیں رک جاتی ہیں۔

چلتا ہے تو اس کے قدموں تلے خطرناک ارادوں کی بارود بچھی رہتی ہے۔

دنیا کے تمام بڑے ممالک کے ریکارڈ روم میں اور تمام خطرناک تنظیموں کے حواس پر تھری ایس کی مہر لگی ہوئی ہے۔ جسے شائد کبھی بھلایا نہیں جاسکے گا۔

کولی گارسن نے تمام عہدیداروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ ستر برس کا بوڑھا ہے۔ اب تک ہمیں تین بار اطلاع مل چکی ہے کہ وہ مرچکا ہے۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ نہیں ابھی زندہ ہے۔''

ایک اعلیٰ عہدیدار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اُس پناہ گاہ کو خفیہ رکھنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ وہ ہماری نظروں میں ہے۔ آپ کو مسلسل رپورٹ مل رہی ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ ہماری آلہ کار لیڈی ڈاکٹر مورینا اُس بوڑھے مریض کے قریب رہتی ہے۔ کیا اس کا کام تمام نہیں کرسکتی؟''

گارسن نے کہا۔ ''وہ اس قدر کمزور ہے کہ مورینا اسے ایک چٹکی میں مسل دے گی۔ مگر ہم حتمی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں کہ اسے مار ڈالنا مناسب رہے گا یا نہیں؟''

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ''نہیں۔ وہ زندہ رہے گا تو کسی طرح ہمارے ہتھے چڑھ جائے گا اور ہم اس سے ریڈ مرکری حاصل کرسکیں گے۔''

ایک نے کہا۔ ''یہ خواب کتنی ہی تنظیمیں دیکھ رہی ہیں۔ وہ تھری ایس آنکھ کھولے گا' ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہوگا تو گرفت میں رہنے کے باوجود کیسے نکل بھاگے گا' نہ یہ پہلے کوئی سمجھ پایا ہے نہ اب سمجھ پائے گا۔ ہم بارہا اس کی چالبازیاں اور مکاریاں دیکھ چکے ہیں۔''

کئی عہدیدار کہنے لگے۔ ''اگر ایسا ہوا تو وہ دوسری تنظیموں کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ ریڈ مرکری دوسروں کے ہاتھ لگے گی اور ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اسے ابھی اسی لمحے میں ختم ہوجانا چاہئے۔''

تمام عہدیدار اتفاق رائے سے یہ فیصلہ سنا رہے تھے۔ گارسن نے نمبر پنچ کئے پھر

رابطہ ہونے پر کہا۔ ''ہیلو مورینا! اُسے ختم کر دو۔''

وہ بولی۔ ''آپ نے آسانی سے کہہ دیا۔ ٹھیک ہے کہ یہ کام آسان ہے۔ مگر اُتنا ہی مشکل بھی ہے۔ اس کے آس پاس ڈاکٹر ڈیوڈ' جیلر جبار ظہوری اور پولیس افسر جان ریڈی بڑے چوکنے رہتے ہیں۔''

گارسن نے سخت لہجے میں کہا۔ ''باتیں نہ بناؤ۔ تم پچاس ہزار ڈالر لے چکی ہو۔ باقی پچاس بعد میں دیئے جائیں گے۔ ہمیں ابھی چند منٹوں میں اس کی موت کی خبر سناؤ۔''

''ضرور سناؤں گی۔ مگر میری سلامتی کے لئے کیا کرو گے؟''

''پکڑی گئیں تو بے موت ماری جاؤ گی اور اگر تھری ایس زندہ بچے گا۔ دوسروں کے ہتھے چڑھے گا تو ہم تمہیں گولی مار دیں گے۔ زندگی یا موت کے کھیل میں کسی ایک کو زندگی ملتی ہے اور دوسرے کو موت۔ بائی داوے۔ ہماری کوشش یہی ہوگی کہ کام ہونے کے بعد تمہیں وہاں سے زندہ سلامت نکال لائیں۔ پہلے ہمیں رزلٹ دو۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ مورینا واش روم میں دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد رازداری سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے فون کو وایبریشن پر رکھا تھا۔ اس لئے کسی نے کالنگ ٹون نہیں سنی تھی۔

اس نے واش روم سے باہر آ کر دیکھا۔ میں بستر مرگ پر ایک مردے کی طرح آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ میرے سرہانے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے سلسلے میں جو احکامات صادر کئے گئے تھے' ان کے مطابق صرف ڈاکٹر ڈیوڈ ہی میرے معائنے اور ٹریٹمنٹ لئے قریب آ سکتا تھا۔ کسی اور کو بیڈ کے پاس آنے کی اجازت نہیں تھی۔

پولیس افسر جان ریڈی مجھ سے پندرہ فٹ کی دوری پر رہ کر میری نگرانی کر رہا تھا۔ جیلر جبار اس ہال کے ایک دور اُفتادہ گوشے میں تھا۔ اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ میری طبیعت سنبھلتے ہی ڈاکٹر سے تصدیقی رپورٹ حاصل کرتا۔ رہائی کے کاغذات جان ریڈی کے حوالے کرتا اور وہاں سے چلا جاتا۔

اس کے بعد وہ پولیس افسر جان ریڈی مجھے وہاں سے کس محفوظ پناہ گاہ میں پہنچانے والا تھا' یہ بعد میں معلوم ہو سکتا تھا۔

مورینا ان تین مردوں کے درمیان ایک لیڈی ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے اپنے

فرائض انجام دے رہی تھی۔ خوبصورت اور بھرپور جوان تھی۔ میرا معاملہ اس قدر سنگین تھا کہ اس ماحول میں حسن و شباب متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے میں وہ کسی کے آگے جوانی کا چارہ ڈال کر اپنا کام نہیں نکال سکتی تھی۔

پھر بھی وہ مؤثر حربوں کو آزمانا چاہتی تھی۔ ماہ دسمبر کی سردی غضب ناک تھی۔ سب ہی اونی لباس میں چھپے ہوئے تھے اور اسے چھپنا نہیں' جلوہ نما رہنا تھا۔ وہ اپنے کیبن میں آ کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ جب تک ہتھیاروں کی نمائش نہ کی جائے' تب تک کوئی جھکنے نہیں آتا۔

وہ تینوں پچاس یا پچپن برس کے ہوں گے۔ اس عمر میں جوانی ڈھلتے ڈھلتے بھی قلابازیاں کھاتی ہے۔ بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ کسی کو مانگتی ہے۔

جب وہ کیبن سے باہر آئی تو ان تینوں نے بڑی حیرانی سے یوں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا' جیسے اب جا کر آنکھیں روشن ہو رہی ہوں۔

اس نے منی اسکرٹ پہنی ہوئی تھی۔ ٹخنوں سے لے کر گھٹنوں کے اوپر تک گوری رنگت درجہ حرارت بتا رہی تھی۔ بلاؤز کے گریبان سے سورج طلوع ہو رہے تھے۔ جاڑے میں دھوپ نکل آئے تو سب ہی خوشگوار تبدیلیاں محسوس کرتے ہیں اور ان تینوں نے محسوس کیا کہ ماحول بدل گیا ہے۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے اسے ڈانٹنے کے بہانے سر سے پاؤں تک اچھی طرح گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا حماقت ہے؟ کیا تمہیں اس کڑاکے کی سردی میں گرمی لگ رہی ہے؟''

وہ ایک ذرا بل کھا کر بولی۔ ''ہم یہاں پورے چالیس گھنٹوں سے ڈیوٹی پر ہیں۔ گھنٹے دو گھنٹے کی نیند لیتے ہیں۔ پھر....''

وہ میری طرف آتے ہوئے بولی۔ ''پھر اس کی موت کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔''

ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''اسٹاپ... بیڈ کے قریب نہ آؤ۔''

وہ رُک گئی۔ جان ریڈی نے کہا۔ ''جانے دو ڈاکٹر! ہو سکتا ہے' یہ مرنے والا قیامت کی گرمی پاتے ہی اٹھ بیٹھے۔''

جبار ظہوری نے کمرے کے دور اُفتادہ گوشے سے کہا۔ ''مجھے یہاں تک آنچ آ رہی ہے۔''

وہ بولی۔ ''مسلسل ڈیوٹی کے باعث میرے اندر عجیب سا غبار بھر گیا تھا۔ میں حبس محسوس کر رہی تھی۔ چینج کے بعد ہلکی پھلکی سی ہوگئی ہوں۔ جی چاہتا ہے' کوئی مجھے بازوؤں میں اٹھا

کر باہر کھلی فضا میں لے جائے۔''

ڈاکٹر نے کہا۔''ابھی کال آنے والی ہے۔ شائد ہمیں چھٹی مل جائے۔ ہماری جگہ دوسرے ڈیوٹی پر آجائیں گے۔''

وہ ڈاکٹر کو آنکھ مارتے ہوئے بولی۔''چھٹی ملتے ہی تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

ڈاکٹر نے جھینپ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ جان ریڈی اور جبار ظہوری نے ایسی گہری سانس لی' جیسے اژدہے کی طرح اسے اپنے اندر کھینچ لینا چاہتے ہوں۔ ایک تھکا دینے والی ڈیوٹی کے بعد وہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھی۔

اس نے کہا۔''ڈاکٹر! تم نے کہا تھا' ایک گھنٹے کے بعد اسے توانائی کا انجکشن لگاؤ گے؟''

وہ سر ہلا کر بولا۔''ہوں۔ انجکشن تیار کرو۔ کچھ فرق پڑ سکتا ہے۔''

وہ شاخِ گل کی طرح لچکتی ہوئی دواؤں کی طرف جانے لگی۔ جان ریڈی اسے دیکھ رہا تھا اور نگاہوں سے چبا رہا تھا۔ جبار کی نگاہیں کہہ رہی تھیں۔''چبانے میں وقت لگے گا' میں تو نگل ہی جاؤں گا۔ بعد میں جگالی کرتا رہوں گا۔''

اس نے تینوں کو اچھی طرح بہلا دیا تھا۔ اب اپنا کام کر سکتی تھی۔ اس کے سامنے میز پر کئی طرح کی دوائیں اور انجکشن رکھے ہوئے تھے' جو مجھے رفتہ رفتہ زندگی کی طرف لا سکتے تھے۔ لیکن وہ مجھے موت کی طرف لے جانا چاہتی تھی۔ اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک ننھی سی شیشی نکالی جو انجکشن تیار کر رہی تھی۔ اس میں شیشی کے چند قطرے شامل کرنے لگی۔

وہ ان تینوں کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔ یوں بھی کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وہی میرے لئے دوائیں تیار کرتی تھی۔ وہ ایک چھوٹی سی ٹرے میں دوا سے بھری ہوئی سرنج لے کر آگئی۔

میری موت کا سامان کرنے والی بیڈ سے کچھ دور رک گئی۔ قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ڈاکٹر سرنج لے کر میری طرف آتے ہوئے بولا۔''ڈراپر سے حلق میں دوا ٹپکائی جائے گی۔ وہ دوا لے آؤ۔''

''یس ڈاکٹر! ابھی لاتی ہوں۔''

''لاتی ہوں' نہیں ابھی لے آؤ۔''

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی دواؤں کی طرف گئی۔ پھر مطلوبہ ڈراپر اٹھا کر واپس

آ گئی۔ وہ اپنی آنکھوں سے موت کو میرے اندر سرایت کرتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر واپسی تک کام تمام ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے سرنج واپس کی۔ وہ ذرا گھبرا کر بولی۔''کیا بات ہے ڈاکٹر....؟''

اس نے کہا۔''اس کے مردہ جسم میں ذرا سی لرزش پیدا ہوئی تھی۔ شائد اس نے زندگی کی طرف لوٹنے کے لئے جھٹکا کھایا ہے۔''

وہ بیڈ کی طرف پلٹ گیا۔ پھر اسٹھیٹسکوپ کے ذریعے میری سانسوں کا سراغ لگانے لگا۔ مورینا نے تیزی سے واش بیسن کے پاس آ کر سرنج کو دھویا پھر اسے ڈسٹبن میں پھینک دیا۔

دور بیٹھے ہوئے جان ریڈی اور جبار نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ سوال یہ تھا کہ جس چیز کو ڈسٹبن میں پھینکنا تھا' اسے اچھی طرح دھونے کی کیا ضرورت تھی؟

اس سوال پر مزید غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ڈاکٹر نے میری طرف سے پلٹ کر ایک گہری سانس لی پھر ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔''دی گیم از اوور... یہ مر چکا ہے۔''

وہ سب تیزی سے بیڈ کے قریب آگئے۔ ڈاکٹر نے اسٹھیٹسکوپ ان کی طرف بڑھایا۔ وہ تینوں باری باری میرے سینے کے اندر دل کو ٹٹولنے لگے۔ پھر وہ چاروں متفق ہو گئے کہ میں مر چکا ہوں۔

کیسا بچکانہ تماشہ تھا؟ میری زندگی اور موت کو بچوں کا کھیل بنایا جا رہا تھا۔ وہاں دو ڈاکٹر تھے۔ ایک خرانٹ پولیس افسر اور ایک مکار جیلر تھا۔ سب نادان نہیں تھے۔ انہیں دھوکا نہیں کھانا چاہئے تھا۔ میں زندہ تھا مگر وہ ڈاکٹر کا تصدیقی بیان سن کر اس پر یقین کر رہے تھے اور طبی آلے کو استعمال کرنے کے باوجود دھوکا کھا رہے تھے۔ میری موت کا یقین کر چکے تھے۔

کسی مصلحت سے میری زندگی اور موت کو کھیل تماشہ بنایا جا رہا تھا۔

میری نیم بیہوشی اور غفلت کے دوران ڈاکٹر ڈیوڈ بہت اہم رول ادا کر رہا تھا۔ اس کی گردن سے جو اسٹھیٹسکوپ لٹکا رہتا تھا۔ وہ محض ایک شو پیس تھا۔ اسے بچوں کا کھلونا کہہ سکتے تھے۔ اس کے ذریعے دھیمی سی بھی دھڑکنیں تو کیا دھما کا بھی سنائی نہ دیتا۔

ڈاکٹر نے میری موت کی تصدیق کرنے کے بعد وہ آلہ ایک ہی بار انہیں کان سے لگانے کو دیا تھا۔ پھر فوراً ہی واپس لے لیا تھا۔ میرے سینے پر کان رکھ کر سننے والوں کو نہ دھڑکنیں

سنائی دیتی تھیں اور نہ ہی کلائی تھامنے سے نبض ملتی تھی۔

میرے ایک بازو کے پاس چھوٹا سا کشن رکھا ہوا تھا۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے مورینا کی تیار کردہ ساری دوائیں اس کشن میں انجکیٹ کی تھیں۔وہ بڑی خاموشی سے اپنا گیم کھیل رہا تھا اور سب دھوکا کھا رہے تھے۔

میرے مخالفین نے مجھے ڈاکٹر ڈیوڈ کے حوالے کیا تھا۔جیسا کہ بیان کر چکا ہوں' اس کی اجازت کے بغیر کوئی میرے قریب نہیں آ سکتا تھا۔اسے یہ معلومات فراہم کی گئی تھیں کہ لیڈی ڈاکٹر مورینا' جان ریڈی اور جبار ظہوری مختلف خفیہ تنظیموں کے آلہ کار ہیں۔۔ایک خاص منصوبے کے تحت ان دشمن آلہ کاروں کو اس چار دیواری میں آنے کی اجازت دی گئی تھی۔یوں بڑی رازداری سے ان تینوں کی فون کالز بھی سنی جا رہی تھیں۔اس طرح خفیہ تنظیموں کے عزائم کا پتہ چل رہا تھا کہ آئندہ وہ میرے خلاف کیا کرنے والے ہیں؟

مورینا تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کیبن میں آئی پھر فون پر کولی گارسن سے رابطہ کرتے ہی بولی۔''میں اپنا کام دکھا چکی ہوں۔تھری ایس مر چکا ہے۔''

گارسن کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔''تم بہت بڑی خوش خبری سنا رہی ہو۔مگر میں اس کی موت کی تصدیق چاہتا ہوں۔''

''ڈاکٹر ڈیوڈ تصدیقی رپورٹ لکھ رہا ہے۔ہم سب نے تھری ایس کا اچھی طرح معائنہ کیا ہے۔سب ہی کو اس کی موت کا یقین ہو چکا ہے۔''

''اس کی لاش وہاں سے کون لے جائے گا اور کہاں لے جائے گا؟''

''یہ پولیس افسر جان ریڈی کی ذمہ داری ہے۔میں ابھی معلوم کرتی ہوں کہ لاش کہاں پہنچائی جائے گی؟''

وہ فون بند کر کے کیبن سے باہر جانا چاہتی تھی۔جان ریڈی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔پتہ نہیں وہ کب سے اس کے پیچھے کھڑا اس کی باتیں سن رہا تھا؟مسکرا کر بولا۔''میں بتا سکتا ہوں کہ تھری ایس کی لاش کہاں پہنچائی جائے گی؟یہ بتاؤ اس کے عوض مجھے انعام کیا ملے گا؟''

وہ ایک ادائے ناز سے آگے بڑھتی ہوئی اس سے آ کر لگ گئی۔پھر بولی۔''ہم کسی سی سائیڈ پر اچھا وقت گزاریں گے۔ابھی تم لاش کے ساتھ کتنا وقت ضائع کرو گے؟اسے کہاں تک لے جاؤ گے؟''

''میں منزل کا پتہ نہیں جانتا۔یہاں سے نکلوں گا تو بتایا جائے گا۔آگے جا کر راستے بدل جائیں گے۔''

''لاش کو ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں اتنی احتیاط اور رازداری کیوں برتی جا رہی ہے؟''

''ہاتھی مرے بھی تو سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔میں مردہ تھری ایس کو جہاں پہنچاؤں گا' وہاں مجھے پچاس ہزار ڈالرز ملیں گے۔میرے لئے یہ معلوم کرنا ضروری نہیں ہے کہ لاش کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے؟''

''مجھے بھی پچاس ہزار ملنے والے ہیں۔مگر اس سے پہلے وہ پوچھ رہے ہیں کہ تم اسے کہاں لے جاؤ گے؟''

''اُن سے کہہ دو کہ تم نے مجھ سے دوستی کی ہے۔ابھی میرے ساتھ جانے والی ہو۔آگے جا کر انہیں صحیح انفارمیشن دیتی رہو گی۔''

وہ فون اٹھا کر گارسن سے رابطہ کرنے لگی۔جان ریڈی نے کیبن کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

عجیب معاملہ تھا۔وہ جانتے تھے کہ میں مر چکا ہوں پھر بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔میری لاش کو ایسی اہمیت دی جا رہی تھی' جیسے وہ اسے کہیں لے جا کر چیر پھاڑ کر اندر سے ریڈ مرکری کا راز معلوم کرنے والے ہوں؟

حقیقتاً کتنی ہی خفیہ تنظیمیں یہ معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ میں نے ریڈ مرکری کو کہاں چھپا رکھا ہے؟وہ البیلی فتنہ گر میرے دل میں گھسی ہوئی تھی۔میرے دماغ میں چھپی ہوئی تھی۔میرے ساتھ جی رہی تھی۔میری موت کے ساتھ ہی مرنے والی تھی۔اسے میرے اندر سے نکالنے کی آخری کوششیں کی جا رہی تھیں۔

اگرچہ میری موت کی اطلاع دور دور تک پہنچ رہی تھی۔مگر سننے والوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔میری پردہ نشین مرکری کے طلب گار ہر حال میں میری موت کی تصدیق کرنا چاہتے تھے۔اس مقصد کے لئے میری لاش تک پہنچنا چاہتے تھے اور یہ طے ہو چکا تھا کہ جو پہنچ نہیں پائے گا۔وہ دوسروں کے پہنچنے سے پہلے لاش کو تباہ کر دے گا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ میری سلامتی کی بھرپور کوششیں کر رہا تھا۔مگر حالات چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ آگے موت اور صرف موت ہے۔۔۔

میں جو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج ہو چکا ہوں' ایک ذرا سی جنبش کے قابل نہیں ہوں۔ میں اپنے بچاؤ کے لئے کیا کر پاؤں گا؟ صاف ظاہر تھا' بڑی بے بسی سے مارا جاؤں گا۔

جیلر جبار ظہوری واش روم میں آ کر فون پر بول رہا تھا۔ ''ابھی کچھ لوگ ایک تابوت لے کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر کی نگرانی میں لاش وہاں رکھی جا رہی ہے۔''

دوسری طرف سیکریٹ برٹش نیٹ ورک کا سربراہ رکی گولڈ مین تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا وہ تابوت تمہاری کسٹڈی میں رہے گا؟''

وہ بولا۔ ''آف کورس۔ جیسا کہ تم جانتے ہو' میں نے بہت پہلے ہی ڈاکٹر ڈیوڈ کو شیشے میں اتار لیا ہے۔ تم اسے ایک لاکھ ڈالر ادا کرو گے۔ میری رکاوٹ مورینا ہے۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے پولیس افسر جان ریڈی کو الو بنا رہی ہے۔ میں ابھی ان سے نمٹ لوں گا۔''

''مسٹر ظہوری! تم میرے قابل اعتماد کارندے ہو۔ مگر تمہاری زبان سے سن کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ مر چکا ہے۔ وہ شیطان کی عمر لے کر آیا ہے۔ اب سے پہلے کئی بار اپنی موت کا ڈرامہ پلے کر چکا ہے۔''

''ہم سب جانتے ہیں۔ اس بار وہ کسی طرح کا ڈرامہ پلے کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ایک طاعون زدہ چوہے کی طرح سسک سسک کر دم توڑ چکا ہے۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر تابوت لے کر یہاں سے نکلنے والا ہوں۔ اسی وقت فون کروں گا۔''

وہ واش روم میں تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ بڑے ہال میں مجھے تابوت کے اندر پہنچا چکا تھا۔ اپنے فرائض سے نمٹنے کے بعد اس نے ایک بیگ میں اپنا ضروری سامان رکھ کر کیبن اور واش روم پر ایک ایک نظر ڈالی۔ پھر تابوت کے پاس آ کر اسے اپنی ہتھیلیوں سے سہلاتے ہوئے بولا۔ ''ویل مسٹر تھری ایس! تمہارا تو خدا ہی حافظ ہے۔''

اس نے تابوت کو مقفل کیا۔ پھر اس کے اوپری پٹ پر چابی رکھ دی۔ اس کے بعد بڑے اطمینان سے چلتا ہوا باہر آ گیا۔ باہر پولیس اور آرمی کے مسلح جوان تھے۔ ڈاکٹر نے ایک اعلیٰ افسر کو تحریری رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ کے مطابق شہزادہ سلمان سعدی عرف تھری ایس کی موت واقع ہو چکی تھی۔

اس نے کہا۔ ''جان ریڈی اور جبار ظہوری کو تابوت لے جانے سے نہ روکا جائے۔ کسی ایک کو بھی روکا جائے گا تو مختلف تنظیمیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی۔ خون خرابہ

ہو گا۔ لہٰذا امن و امان قائم رکھنے کی خاطر کسی کو بھی تابوت لے جانے سے نہ روکا جائے۔''

ڈاکٹر تمام اہم فرائض سے نمٹ کر اس عمارت کے بیسمنٹ میں آیا۔ وہاں بڑی سی لینڈ کروزر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی ایک سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

اس نے فون کے ذریعے جبار سے پوچھا۔ ''کیا ابھی تک واش روم میں ہو؟''

''ہاں۔ ابھی آ رہا ہوں۔''

''مجھ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ میں وہاں سے نکل آیا ہوں۔ ویسے تابوت تیار ہے۔ اس کی چھت پر چابی رکھی ہوئی ہے۔ لاش کو دیکھ کر اطمینان حاصل کرو اور میرے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ ڈالر جمع کرا دو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھر اس فون پر جان ریڈی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''عورت جونک کی طرح چمٹ جاتی ہے۔ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ جلدی کیبن سے نہ نکلے تو جبار ظہوری تھری ایس کی لاش لے جائے گا۔''

وہ بولا۔ ''ڈاکٹر! وہ کیسے لے جائے گا؟ تم نے ہم سے اچھی خاصی رقم لی ہے۔''

''جبار سے بھی لی ہے.....''

''یہ..... یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم مجھ سے دھوکہ کر رہے ہو؟''

''جبار سے بھی دھوکہ کر رہا ہوں۔ تم دونوں سے مخلص بھی ہوں۔ مال کی ڈلیوری دے رہا ہوں۔ تم دونوں کا مطلوب تابوت میں ہے اور تابوت اس ہال میں موجود ہے۔ چابی وہاں رکھی ہوئی ہے۔ تم میں سے جو چابی حاصل کرے گا۔ وہی اس تابوت کو لے جا سکے گا۔ وش اے گڈ لک ٹو بوتھ آف یو.....''

اس نے فون بند کر دیا۔ ادھر جبار فوراً ہی واش روم سے باہر آ گیا۔ ہال میں رکھا ہوا تابوت اسے پکار رہا تھا۔ ''آؤ مجھے لے جاؤ۔''

اسے لے جانا آسان نہیں تھا۔ مورینا اور جان ریڈی سے ٹکراؤ لازمی تھا۔ اس نے چاروں طرف گھومتے ہوئے ہال کو دیکھا۔ پھر کیبن کے سامنے آ کر رک گیا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ دونوں اندر ہی ہوں گے۔ وہ دروازے سے کان لگا کر سننے لگا۔

گہری خاموشی تھی۔ ذرا سی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے دستک دی اور کہا۔ ''ہائے مورینا! کہاں ہو تم؟ کہاں ہے جان ریڈی؟''

دروازے پر کھٹکا سا ہوا پھر وہ کھل گیا۔ مورینا پورے اونی لباس میں چھپی ہوئی تھی۔ جبار نے اس کے پیچھے کیبن میں دیکھا پھر پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

وہ کیبن سے باہر آتے ہوئے بولی۔ ''میرا جان جہاں بھی ہے۔ کہہ رہا ہے' خالی ہاتھ چلے جاؤ۔ ایک لمبی زندگی گزار سکو گے۔''

یہ سنتے ہی اس نے ریوالور نکال لیا۔ بڑی سفاکی سے بولا۔ ''کہاں ہے وہ....؟''

وہ ذرا سہم گئی پھر بولی۔ ''جب وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے تو کیا ہوا میں گولی چلاؤ گے؟''

وہ اس کے سینے پر ریوالور کی نال رکھتے ہوئے بولا۔ ''اس سے کہو' فوراً سامنے آئے۔ ورنہ تم ماری جاؤ گی۔''

وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ ''مم.....مجھے مار کر کیا حاصل کرو گے؟ میرا اس تابوت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔''

وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جان ریڈی! میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ فوراً ہاتھ اٹھا کر چلے آؤ۔ ورنہ یہ ماری جائے گی۔''

بات ختم ہوتے ہی جبار کے منہ سے ایک کراہ نکلی۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دیدے پھیل گئے۔ سر کے ایک حصے سے لہو ابل پڑا تھا۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ کر فرش پر گر پڑا۔

مورینا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جان ریڈی کیبن کی چھت پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سائلنسر لگا ہوا ریوالور تھا۔ وہ چھت سے اتر کر آیا تو مورینا اس سے لپٹ کر اسے دیوانہ وار چومنے لگی۔ میں ان کی دانست میں مر چکا تھا۔ وہ مجھے کہیں بھی لے جا کر پھینک سکتے تھے۔ مگر ایسا کھیل شاید کبھی کسی نے کھیلا نہ ہو۔ میری لاش حاصل کر کے وہاں سے لے جانے کے لئے ایک جیلر کی لاش گرائی گئی تھی۔

ابھی اور تماشے باقی تھے۔ جان ریڈی نے مورینا کو ایک بازو کی گرفت میں لے کر کہا۔ ''وقت بہت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں کولی گارسن کے لئے کام کر رہا ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''یعنی ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں؟ پھر تو ہم....''

وہ بات کاٹ کر بولا۔ ''خاموش رہو اور میری بات سنو۔ گارسن ہم دونوں میں سے کسی ایک کو معاوضہ دے گا۔''

''وہ ایسا کیوں کرے گا؟''

''اُسے یہ لاش مہنگی پڑ رہی ہے۔ وہ ہم دونوں کو الگ الگ پے منٹ نہیں کرے گا۔ لہٰذا ہم میں سے کسی ایک کو مر جانا چاہئے۔''

اچانک ہی ریوالور کی نال مورینا کی پسلیوں میں چبھنے لگی۔ وہ شدید حیرانی اور بے یقینی سے دہشت زدہ ہو کر بولی۔ ''نہیں جان! تم مجھے چاہتے ہو۔ ہم کسی سی سائیڈ پر جا کر.....''

''سی سائیڈ پر بڑی عورتیں ملتی ہیں۔ مگر محبت کرنے والی کوئی نہیں ملتی۔''

''میں محبت کرتی ہوں۔ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ تم مجھے کسی طرح بھی آزما سکتے ہو۔''

اس نے پوچھا۔ ''کبھی محبت میں جان دینے کی گھڑی آئے تو کیا کرو گی؟''

وہ بڑے جذبے سے بولی۔ ''جان پر کھیل جاؤں گی۔''

''تو پھر کھیل جاؤ.....''

اس نے ٹریگر دبا دیا۔ چھاخ کی آواز کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ زمین بوس ہو گئی۔ میری ایک لاش لے جانے کے لئے دوسری لاش گرائی گئی تھی۔

عمارت کے باہر خفیہ تنظیموں کے کارندے انتظار میں تھے کہ ان میں سے کس تنظیم کا آلہ کار میری لاش وہاں سے لے جانے والا ہے؟ سب ہی نے اپنے اپنے منصوبے کے مطابق مخالفین سے نمٹنے کے لئے ٹھوس اقدامات کئے تھے۔ جان ریڈی وہاں سے مجھے لے کر نکلا تو کولی گارسن کے مسلح گارڈز اسے بھرپور سیکورٹی دینے لگے۔

دوسری طرف سیکریٹ برٹش نیٹ ورک کے سربراہ رکی گولڈ مین کو اطلاع ملی کی جبار اسی عمارت کے اندر رہ گیا ہے۔ فون پر رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ جان ریڈی کی کامیابی سے جبار کی ناکامی سمجھ میں آ گئی تھی۔

رکی گولڈ مین نے حکم دیا۔ ''اس لاش کو کولی گارسن تک نہ پہنچنے دو۔ ہمیں دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ تھری ایس زندہ ہے۔ اس کے پیٹ سے ضرور ریڈ مرکری اگلوائی جائے گی اور ہم ایسا ہونے نہیں دیں گے۔ اس خطرناک قیمتی مادے کا راز تھری ایس کے ساتھ فنا ہو جائے گا۔''

پھر تو وہی ہوتا ہے' جو ایسے متنازعہ حالات میں ہونا چاہئے۔ جان ریڈی اس عمارت سے تابوت لے کر نکلا تو کسی بھی راستے' کسی بھی موڑ سے گزرنا دشوار ہو گیا۔ آس پاس سے

گزرنے والی گاڑیوں سے فائرنگ ہوتی رہی۔ سیکورٹی گارڈز تابوت اور جان کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ آخر ایک راکٹ لانچر کے حملے سے وہ گاڑی ایک دھماکے سے اڑ گئی۔

دور دور تک چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ بھگدڑ سی مچی رہی۔ اس کے بعد شہر کے اس حصے میں ایسی خاموشی چھا گئی' جیسے سب کے کلیجے ٹھنڈے ہو چکے ہوں۔ خصوصاً ناکام ہونے والوں کو یہ اطمینان ہوگیا کہ میں ریڈ مرکری کے راز سمیت فنا ہو چکا ہوں۔

مرنے کے بعد کسی ایک جگہ جاسکتے ہیں۔ جنت میں یا جہنم میں... پتہ نہیں مجھے کہاں پہنچایا جانے والا تھا؟ میں جن لوگوں کے لئے مر چکا تھا۔ اُن کی بلا سے مجھے کہیں بھی پہنچایا جاتا۔ جن کے لئے زندہ تھا' وہ مجھے کہیں لے جا رہے تھے۔

موجودہ حالات کے مطابق میری زندگی جیسے فنا اور بقا کے درمیان اٹک گئی تھی۔ میں اس لینڈ کروزر کی پچھلی سیٹ پر آرام سے پڑا ہوا تھا' جس میں ڈاکٹر ڈیوڈ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میری موت کی تصدیق کر کے میری ایک ڈمی لاش دشمنوں کے حوالے کرنے کے بعد مطمئن ہوگیا تھا۔ اب کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ سب کو الو بنا کر مجھے کہیں لے جا رہا ہے۔

ایک نرس میرے پاس تھی۔ میری ناک اور منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر میرے سانس لینے کے عمل میں توانائی پیدا کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ زندگی ابھی تک روٹھی ہوئی تھی۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ نہ دیکھ سکتا تھا' نہ سن سکتا تھا اور نہ ہی آس پاس کی دنیا کو محسوس کرسکتا تھا۔

فی الحال راہ فنا کا مسافر تھا۔ پتہ نہیں' یہ سفر کب تک جاری رہنے والا تھا؟

☆☆☆

میں نے ڈائری بند کر دی۔ میرے بیٹے عمیر کے ساتھ ایسا دوسری بار ہو رہا تھا۔ وہ پہلی بار بڑھاپے' بیماری اور اپنی اولاد کی جان لیوا دشمنی کے باعث بے دست و پا ہوگیا تھا۔ دس ماہ تک اپنے ہی تعمیر کردہ ہسپتال میں پڑا رہا تھا۔

اب دوسری بار بین الاقوامی خطرناک تنظیموں نے اور سی آئی اے والوں نے اسے پھر موت کے بالکل قریب پہنچا دیا تھا۔ کوئی زبردست دشمن اسے تمام تنظیموں سے چھین کر اسے اپنی کسی خفیہ پناہ گاہ میں لے جا رہا تھا۔

آگے پڑھنے کی بے چینی تھی کہ وہ کہاں پہنچے گا؟ اپنی یادداشت کھونے اور نیم مردہ

ہونے کے باوجود برے حالات سے کیسے نمٹے گا؟ یہ معلوم کرنے کی بے چینی تھی مگر میں نے مجبوراً ڈائری بند کر دی۔

مجبوری یہ تھی کہ اب میرے لئے بھی مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ اس شکار گاہ سمیت آس پاس والی زمینیں بھی میرے نام ہوگئی تھیں۔ میں وہاں کا مالک و مختار ہوگیا تھا۔ لیکن اچانک ہی ہندو دھرم آڑے آگیا تھا۔

بھیم پارہ کے ایک بڑے مندر کے پجاری نے یہ اعتراض اٹھایا کہ ایک مسلمان نے جنگل کے اس حصے کو شکار گاہ سمیت خریدا ہے۔ جبکہ وہاں ایک کمرے میں بھگوان سری کرشن جی کی مورتی ہے۔ راجہ پرتھوی ولبھ کے زمانے سے وہاں پوجا ہوتی رہی ہے۔ یہ کوئی ہندو برداشت نہیں کرے گا کہ کوئی مسلمان بھگوان کی مورتی کو توڑ دے اور پوجا گھر کو ختم کر دے۔

میں نے ابھی ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ لیکن ان کا کہنا تھا کہ مسلمان ابتدا سے بتوں کو توڑتے آئے ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں انسان ہوں یا جانور کسی کا مجسمہ نہیں رکھتے۔ غازی شکار گاہ میں بھگوان کی مورتی کو رہنے نہیں دے گا۔ یہ سرکاری حکم جاری کیا جائے کہ وہ مورتی وہاں سلامت رہے گی۔ پہلے کی طرح پوجا گھر بھی رہے گا۔ جب بھی کوئی ہندو اس جنگل سے گزرے گا تو وہاں جا کر پوجا کیا کرے گا۔

میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ وہاں کا مالک بن جاؤں گا تو ہندو دھرم آڑے آئے گا۔ میں نے اس شکار گاہ کے مالکانہ حقوق حاصل کرنے کے لئے ہی آس پاس کی زمینیں خریدی تھیں۔ اہمیت تو صرف اسی پوجا گھر کی اور مورتی کی تھی۔ اسی راستے سے میرا بیٹا کسی روک ٹوک کے بغیر خزانے تک پہنچ سکتا تھا اور میں وہاں عارضی رہائش اختیار کر کے اپنے بیٹے کا انتظار کرنے والا تھا۔

اگر میں پوجا گھر کو وہاں قائم رکھوں گا تو اس جنگل سے گزرنے والے صبح و شام اور رات کو کسی بھی وقت وہاں جاتے آتے رہتے۔ میں اعتراض کرتا تو دین دھرم کے جھگڑے شروع ہو جاتے۔

اب وہ شکار گاہ میری رہائش گاہ بن گئی تھی۔ الحمدُ اللہ میں مسلمان ہوں۔ اپنے گھر میں نہ مورتی رکھوں گا' نہ ہی پوجا گھر رہنے دوں گا۔ دوسرے پہلو سے بھی یہ بات ناقابل قبول تھی۔ وہ پوجا گھر قائم رہتا تو میرا بیٹا وہاں بے دھڑک چھپ کر نہیں آسکتا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے انہوں نے بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنایا تھا۔ میں اپنے گھر میں
پوجا کے کمرے کو اپنی عبادت گاہ بنانا چاہتا تو تمام ہندو مشتعل ہو جاتے۔ وہاں میرا رہنا اور جینا
حرام کر دیتے۔

فی الحال میرے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ میں آئندہ کبھی اپنے بیٹے
سے ملنے کے لئے حالات سے سمجھوتہ کروں اور اس پوجا گھر کو قائم رہنے دوں۔ لیکن دینی
احکامات پر عمل کرنے کا سودا سر میں سمایا ہوا تھا۔ میں اس پوجا گھر کو وہاں قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ میں قانونی کارروائی کروں۔ عدالت سے یہ حکم جاری کراؤں
کہ اعتراض کرنے والے ہندو اپنے بھگوان کی مورتی اور پوجا گھر ایک مسلمان کی رہائش گاہ
سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں۔ اور یہی قانوناً صلح جوئی کا راستہ تھا۔

میں نے اپنے وکیل وکرم پانڈے سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔ ”قانون یہی ہے۔
اگر کسی ہندو کے گھر میں ایک کمرے کو نماز اور دینی معاملات کے لئے وقف کیا جائے گا تو کوئی
ہندو اسے گوارا نہیں کرے گا۔ اسی طرح آپ کی رہائش گاہ میں پوجا کا وہ کمرہ غیر قانونی ہے۔“

میں نے پوچھا۔ ”تو پھر آپ یہ کیس عدالت میں لے جائیں گے؟“

”بے شک۔ میں کل ہی آپ کی طرف سے اپیل کروں گا۔ اور پورے یقین سے
کہتا ہوں‘ عدالت آپ کے حق میں فیصلہ سنائے گی۔“

میں نے اطمینان کی سانس لی۔ دوسرے دن وکرم پانڈے کے ساتھ عدالت میں
مصروف رہا۔ میں نے دہلی میں بھی ایک چھوٹا سا بنگلا خرید لیا تھا۔ شام کو وہاں آ کر پھر ڈائری
کھول کر بیٹھ گیا۔

اب یہ تیسری اور آخری ڈائری ہے۔ اس کے بعد میرے بیٹے کی آپ بیتی ختم ہو جائے
گی۔ مجھے معلوم ہوگا کہ آپ بیتی کے اختتام پر عمیر کہاں ہے اور کن حالات سے گزر رہا ہے؟

تہہ خانے میں رکھی ہوئی انگوٹھی اور عصا کی موجودگی آس دلا رہی تھی کہ وہ آجکل میں
وہاں آنے ہی والا ہے۔ میں دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔ خدا کرے وہ آ ہی جائے۔

بہر حال میں ڈائری پڑھنے لگا۔ اس نے لکھا تھا.....

”میں عمیر بن غازی ہوں۔ لیکن ماضی میں شہزادہ سلمان سعدی کے نام سے ایک
خطرناک زندگی گزارتا رہا تھا۔ جو بوتے ہیں‘ وہی کاٹتے ہیں۔ میں نے ماضی میں جو بویا تھا‘

اسے اب کاٹ رہا تھا۔

میں قلم تھام کر شعر و ادب کا شیخ سعدی تو نہ بن سکا۔ البتہ ہتھیار اٹھا کر وہی کام
کر رہا ہوں‘ جو کتاب اور قلم کے ذریعے کئے جاتے ہیں۔ جو لوگ باتوں سے نہیں مانتے‘ اُنہیں
لاتوں سے سمجھانے کے لئے ہتھیار اٹھانا اور طاقتور بننا لازمی ہو جاتا ہے۔ ہمیں لوگوں کے ساتھ
جینے کے لئے ماں کے دودھ کی طرح نرم اور باپ کے لہو کی طرح گرم رہنا پڑتا ہے۔

حالات نے مجھے بری طرح پچھاڑ دیا تھا۔ چاروں شانے چت پڑا رہتا تھا۔ اتنی بھی
سکت نہیں تھی کہ کروٹ بدل سکوں اور ہاتھ اٹھا کر ایک قطرہ پانی اپنے حلق میں ٹپکا سکوں۔

فی الوقت یہ غنیمت تھا کہ ہوش و حواس میں تھا۔ ابھی بول نہیں سکتا۔ مگر سن سکتا تھا
اور سوچ سکتا تھا۔ سوچ یہ تھی کہ مجھے کہاں پہنچایا گیا ہے؟ بہت ہی آرام دہ کمرہ اور بستر تھا۔ یہ
بستر ضرور کسی مہربان نے بچھایا ہوگا۔ نامہربان تو کانٹے بچھاتے ہیں۔

وہاں کوئی آئے تو معلوم ہو کہ کون مجھے بارود کے ڈھیر سے نکال کر لایا ہے؟ کیوں
لایا ہے؟ اور وہ مجھ سے کیا چاہے گا؟

اس آخری سوال کا جواب سمجھ میں آ گیا ہے۔ کوئی نقصان اٹھا کر کسی کے کام نہیں
آتا۔ یقیناً میری ذات سے فائدہ اٹھانے کے لئے تحفظ اور اتنی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔

یہ ہمدردی‘ یہ مسیحائی اور مہربانیاں محض ریڈ مرکری کے حصول کی خاطر ہیں۔ اسے
حاصل کرتے ہی میں اُن کے لئے دو کوڑی کا ہو جاؤں گا۔ مجھے کچرے کی طرح جلا کر خاک
کر دیا جائے گا۔

شاید میں پہلے بھی ریڈ مرکری کا ذکر کر چکا ہوں۔ چونکہ میری داستان میں یہ بہت
اہم ہے‘ اس لئے پھر وضاحت سے بتا رہا ہوں کہ یہ خطرناک مادہ کیا ہے؟

یہ ایک کیمیائی مادہ ہے۔ ۱۹۶۸ میں ڈوبنا کی ایک لیبارٹری میں تجرباتی عمل کے
دوران اس مادے کو دریافت کیا گیا تھا۔ یہ مادہ ہلاکت خیزی میں یورینیم اور پلاٹینیم سے زیادہ
خطرناک ہے۔ سائنسدانوں کا بیان ہے کہ صرف ایک گرام ریڈ مرکری کے ذریعے پورے
اسرائیل کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔

چند ماہ پہلے یہودیوں نے یہ دھماکہ خیز خبر سنی کہ شہزادہ سلمان سعدی روس کی ایک
لیبارٹری سے دس گرام ریڈ مرکری چرا کر لے گیا ہے۔ اس خبر کے بعد تمام خفیہ تنظیموں کی نیندیں

اڑ چکی تھیں۔ یہ ایسی بات تھی' جیسے تمام خطرناک تنظیموں اور بڑے ملکوں کی کمزوریاں ایک مسلمان کے ہاتھوں میں آ گئی ہوں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میں نے عالمی سطح پر کس طرح بڑی طاقتوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں مجھے قبر کے کنارے پہنچا دیا گیا تھا۔ میں زندگی کے اس آخری گڑھے میں گر بھی سکتا تھا اور وہاں سے پلٹ کر دور بھی نکل سکتا تھا۔

میرے مخالفین بہت مجبور تھے۔ ریڈ مرکری حاصل کئے بغیر مجھے کہیں دھوکے سے بھی ہلاک نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا' میں بے انتہا دولت کمانے کے لئے اس خطرناک مادے کا سودا جمہوریہ چین سے کر سکتا ہوں۔ یا پھر محب وطن ہوں۔ اپنے وطن عزیز کو کیمیائی ہتھیاروں کے ذریعے طاقتور بنانے کے لئے پاکستانی سائنسدانوں کے ساتھ پراسرار سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہوں۔

وہ مخالفین اس ریڈ مرکری کے حصول کے لئے مجھے آگ اور خون کے دریا سے گزرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اب تک میرے ساتھ کیا ہوتا رہا؟ اس کا ذکر آگے جا کر کروں گا۔ ابھی یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کہاں ہوں اور میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

اس وقت میں نے آہٹ سنی۔ میرے بائیں طرف دروازہ تھا۔ مجھ میں سکت نہیں تھی کہ سر گھما کر دیکھتا۔ جب وہ قریب آئے تو پہلے ڈاکٹر ڈیوڈ نظر آیا۔ میں اسے پہچانتا نہیں تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد پہلی بار دیکھ رہا تھا' مگر اس کے پیچھے جو شخص نظر آیا۔ اسے لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ وہ یہودیوں کی میسونی تنظیم کا سربراہ راڈ مین تھا۔ ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں اس تنظیم کا سب سے پہلا اجلاس ۱۹۰۹ میں ہوا تھا۔ تب سے اس تنظیم کی جڑیں ترکی میں مضبوط ہوتی آ رہی ہیں۔

راڈ مین پچھلے کئی برسوں سے سربراہ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ترکی کی سیاست میں اس کا اتنا عمل دخل تھا کہ وہاں کے تمام سیاستدانوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر اپنی مرضی کے لیڈروں کو حکمران بنا دیا کرتا تھا۔

میں اس ملک میں تھا۔ اس نے اپنے تمام اختیارات اور ذرائع کو کام میں لا کر دوسری خفیہ تنظیموں کو دھوکا دیا تھا اور مجھے ان سے چھین کر اپنی کسی خفیہ پناہ گاہ میں لے آیا تھا۔

وہ مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نے میرا معائنہ کرنے

کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔ ''او کے اولڈ مین! تم آنکھیں کھولنے کے قابل تو ہوئے۔ گرینڈ ماسٹر کو پہچان رہے ہو ناں؟''

اس نے راڈ مین کی طرف اشارہ کیا۔ اس گرینڈ ماسٹر نے آگے بڑھتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''ویل تھری ایس! میں یہ سن کر آیا ہوں کہ تم آنکھیں کھول کر دیکھ رہے ہو اور ہماری باتیں سن سکتے ہو۔ میں چاہتا ہوں' کچھ بولنے کی کوشش کرو۔ شائد کچھ بول پاؤ گے۔''

میں چپ چاپ پڑا رہا۔ میں نے بولنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ تاثر دے رہا تھا کہ مجھے سنائی نہیں دے رہا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے تشویش سے دیکھا پھر میرے ایک کان کو چھو کر کہا۔ ''کیا تم سن رہے ہو؟''

میں گم صم رہا۔ دیدے گھما کر کبھی ڈاکٹر کو اور کبھی گرینڈ ماسٹر کو دیکھتا رہا۔ اس نے پوچھا۔ ''ڈاکٹر! کیا یہ بہرہ ہو گیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''ابھی ایک نرس نے رپورٹ دی تھی کہ اس کی باتیں سن کر تھری ایس نے ری ایکٹ کیا تھا۔ یعنی حرکت تو نہیں کر پاتا ہے۔ مگر چہرے کے تاثرات سے نرس نے اندازہ کیا تھا۔''

راڈ مین نے کہا۔ ''اس کا اندازہ غلط تھا۔ یا پھر یہ جان بوجھ کر بہرہ بن رہا ہے۔''

''یہ خواہ مخواہ بہرہ کیوں بننا چاہے گا؟''

''تم نہیں جانتے ڈاکٹر! یہ بہت ہی مکار اور چالباز ہے۔ ہماری سنے گا۔ ہم سے باخبر رہے گا۔ اپنی نہیں کہے گا اور پراسرار بن کر رہے گا۔''

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اس کا سیدھا سا علاج ہے۔ ہم اسے ناقابل برداشت گالیاں دیں گے تو بے اختیار اس کے چہرے سے ردعمل ظاہر ہو گا۔ ہو سکتا ہے' ذہن کو جھٹکا پہنچے تو جسم بھی جھٹکا کھائے۔ شائد یہ ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل ہو جائے۔''

راڈ مین نے کہا۔ ''نو ڈاکٹر! گالیاں تو دور کی بات ہے۔ خلاف تہذیب اسے کوئی بات نہ کہنا۔ میں اسے عزت اور محبت دینے پر مجبور ہوں۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''آپ اور مجبور...؟''

راڈ مین نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ میری وائف اور بچوں نے مجھے مجبور بنایا ہے۔ ادھر ٹی وی اسکرین پر دیکھو...!''

میرے پائینتی کچھ فاصلے پر ایک ٹی وی آن تھا۔ وہاں اسکرین پر راڈ مین کی بیوی رائنا اور اس کا بیٹا نامان دکھائی دے رہے تھے۔ نامان نے ایک ہاتھ اٹھا کر بڑی تشویش سے پوچھا۔ ''ہائے انکل! آپ کیسے ہیں؟ میں بڑی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ ہمیں دیکھ رہے ہیں مگر پہچان نہیں رہے۔ کیا میری آواز بھی نہیں سن رہے ہیں؟''

رائنا مجھے دیکھ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میرے بھائی! تمہیں ایسی حالت میں دیکھ کر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ میں خاص طور پر تمہارے لئے عبادت کرتی ہوں اور دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔ ڈاکٹر نے امید دلائی ہے' تم بہت جلد بولنے لگو گے۔ میرا دل بھی کہتا ہے کہ تم بولتے ہی اپنے خدا اور رسول ﷺ کے بعد اپنی اس بہن سے بولو گے۔ میں اُس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں۔''

ایک بہن کو تڑپتے دیکھ کر دل دکھ رہا تھا۔ مگر میں نے دل کو سخت کر لیا۔ تا کہ چہرے سے کوئی تاثر ظاہر نہ ہو۔ ڈاکٹر اور راڈ مین بڑی توجہ سے مجھے دیکھ رہے تھے اور یقین کر رہے تھے کہ میری سماعت ناکارہ ہے۔ میں سن نہیں پا رہا ہوں۔

ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ ''گرینڈ ماسٹر! آپ کی وائف اس مسلمان کو بھائی کہہ رہی ہے اور ایک سگی بہن کی طرح رو رہی ہے؟ آنسو کہہ رہے ہیں کہ دل کی گہرائیوں سے قائم ہونے والا رشتہ ہے۔''

اس نے اسکرین پر اپنی وائف کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں.... آگ اور پانی۔ یہودی اور مسلمان کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میرے گھر میں ایسا ہو رہا ہے۔ میرا اکلوتا بیٹا بھی دشمن کا دیوانہ ہے۔''

رائنا نے کہا۔ ''تم نے وعدہ کیا ہے' کبھی میرے سامنے میرے بھائی کو دشمن نہیں کہو گے۔''

وہ بولا۔ ''سوری... آئندہ کبھی نہیں کہوں گا۔''

وہ بولی۔ ''اور ڈاکٹر! گالیاں دینے کا شوق ہو تو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ساری غلاظتیں منہ سے نکالتے رہو۔ آئندہ میرے بھائی کے لئے ایسے مشورے نہ دینا۔''

وہ بولا۔ ''میں نادم ہوں میڈم! پھر کبھی ایسی باتیں زبان پر نہیں لاؤں گا۔''

رائنا نے کہا۔ ''تم میرے بھائی کے معالج ہو۔ میری بات کا برا نہ ماننا۔ میں تمہیں پانچ

لاکھ ڈالر دوں گی۔ میرے شہزادے بھائی کو پہلے کی طرح ہنستی کھیلتی زندگی کی طرف لے آؤ۔''

ڈاکٹر نے حیرانی سے راڈ مین کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''میری وائف تھری ایس کے لئے خزانے لٹا سکتی ہے۔ سمجھ لو کہ پانچ لاکھ ڈالر تمہارے ہو چکے ہیں۔ میں بھی اسے پہلے کی طرح چلتا' پھرتا اور بولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ جتنی جلدی ممکن ہو' میری بے چینی دور کرو۔''

وہ بھی میری زندگی چاہتا تھا۔ مگر اس کی چاہت میں فریب اور خود غرضی تھی۔ رائنا جیسی بے لوث محبت کرنے والی بہن کو آنکھوں کے سامنے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا' جیسے جہنم سے نکل کر پیار بھری جنت میں آ گیا ہوں۔

ڈاکٹر مجھے انجکشن لگا رہا تھا۔ پھر اس نے حلق میں ایک دوا ٹپکانے کے بعد کہا۔ ''کمرے کی لائٹس آف رکھنی چاہئیں۔ آنکھوں کے سامنے ٹی وی اسکرین کو زیادہ دیر آن نہیں رہنا چاہئے۔ اسے زیادہ سے زیادہ تنہا اور پر سکون رکھا جائے۔ اب ہم بھی یہاں سے جائیں گے۔''

راڈ مین نے اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''رائنا! ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرو۔ یہ ٹی وی آف ہو گا تو تمہارے بھائی کی آنکھوں اور ذہن پر بوجھ نہیں پڑے گا۔ اس کے آرام کا خیال کرو۔''

وہ بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ ٹی وی آف کرو۔ مگر جب' کبھی ڈاکٹر یا نرس وہاں آئے تو اسے ضرور آن کرے تا کہ میں اپنے بھائی کی خیریت معلوم کرتی رہوں۔''

اس نے اپنا ٹی وی آف کیا۔ اسکرین سے اوجھل ہو گئی۔ راڈ مین نے میرے سامنے والے ٹی وی کو بند کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے رائنا کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بیچاری کچھ عرصے کی مہمان ہے۔''

اس بات نے مجھے چونکا دیا۔ سوال پیدا ہوا۔ ''آخر کیا ہوا ہے میری بہن کو....؟''

یہی سوال ڈاکٹر نے کیا۔ راڈ مین نے کہا۔ ''اسے بلڈ کینسر ہے۔ اگرچہ بلڈ چینج ہوتا رہتا ہے۔ نیا خون دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود زندگی مختصر ہوتی جا رہی ہے۔''

میں یہ باتیں سن رہا تھا۔ مجھے دکھ ہو رہا تھا۔ مگر میں نے چہرے کو سپاٹ بنا رکھا تھا۔ ایسی باتیں کرتے وقت وہ مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''اگر یہ چلنے پھرنے اور بولنے کے قابل ہو جائے تو رائنا کو موت کے چنگل سے نکال لائے گا۔''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''یہ کوئی آسمانی مسیحا نہیں ہے کہ کینسر جیسے موذی مرض سے بچالے گا؟''

وہ میرے قریب آکر بولا۔ ''یہ بچا سکتا ہے۔ یہ ایسا ہی بازی گر ہے۔ ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔''

''یہ افسانوی باتیں ہیں۔''

''یقین کرو ڈاکٹر! اس نے ایک بار کہا تھا کہ پاکستان میں ایک ایسا سپیرا ہے' جو زہریلے سانپوں کے درمیان رہتا ہے۔ قرآنی آیتیں پڑھتا ہے۔ سانپ اسے ڈستے ہیں مگر ان کا زہر بے اثر ہو جاتا ہے۔ وہ مقدس آیات پڑھ کر سانپوں کے زہر سے کئی کینسر کے مریضوں کا علاج کر چکا ہے۔''

وہ بے دلی سے بولا۔ ''ہاں۔ اکثر روحانی عمل کے ذریعے ناقابل علاج مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی نے آسمانی کتاب کی آیتیں پڑھ کر انوکھے انداز میں کسی کینسر کے مریض کو نئی زندگی دی ہو؟''

راڈ مین نے مجھ پر جھک کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کب سنو گے؟ جب یہ سنو گے کہ رائنا موت کے منہ میں جارہی ہے تو تڑپ جاؤ گے۔ یہ ایسی یہودی عورت ہے جو مجھ جیسے سفاک اور سنگدل گرینڈ ماسٹر کی بیوی ہو کر تمہارے دین کے مطابق نماز پڑھتی ہے۔ ہمارے مذہب کے مطابق بھی عبادت کرتی ہے۔ مگر تمہارے لئے دعا مانگنے کے لئے وہ عارضی طور پر اپنا مسلک بدل دیتی ہے۔ میں اسے کلمہ اور قرآن مجید کی آیات پڑھتے سنتا ہوں اور ایسے وقت خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں۔ یہ سوچ کر صبر کرتا ہوں کہ وہ اس دنیا سے جانے والی ہے۔''

وہ مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ''کیا تم اسے بچا سکو گے؟''

میں بڑی مشکلوں سے اپنے جذبات پر قابو پا رہا تھا۔ ایک بہن میری طرح راہ فنا سے گزر رہی تھی۔ میں یقیناً اسے بچا سکتا تھا۔ یہ کوئی افسانوی بات نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت ہے۔ پاکستان میں ایک ایسا ایمان والا بندہ ہے' جو قرآنی آیات پڑھ کر سانپوں کے زہر سے موذی امراض کو ختم کر دیتا ہے۔

میں رائنا کو وہاں لے جا سکتا تھا۔ اسے زندگی کی طرف واپس لا سکتا تھا' مگر افسوس! خود بستر پر پڑا جیسے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ''یا خدا! مجھے توانائی دے۔ عارضی طور پر' سہی

اتنی صحت' اتنا حوصلہ مل جائے کہ میں اپنی اس بہن کو علاج کے لئے پاکستان لے جاسکوں۔''

وہ ایسی ایمان والی بہن تھی' جس کے پیار میں ایک ذرا کھوٹ نہیں تھا۔ میری خاطر تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی وہ ہمارے دین کی طرف آجاتی تھی۔ میری محبت میں ہی سہی' دل کی گہرائیوں سے کلمہ اور کلام پاک کی آیتیں پڑھتی تھی۔ میری ہزار جانیں اس پر قربان ہوں۔ فی الحال یہ ایک جان بھی اس کے کام نہیں آرہی تھی۔

ڈاکٹر نے کہا۔ ''بڑی حیرانی کی بات ہے کہ کوئی زہر کے ذریعے علاج کرتا ہے۔ وہ شخص پاکستان میں اچھی خاصی شہرت رکھتا ہوگا۔ آپ اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرسکتے ہیں۔ اپنی مسز کو علاج کے لئے وہاں لے جاسکتے ہیں۔''

''بے شک میں ایسا کرسکتا ہوں۔ اس جادوگر معالج کو لاکھوں ڈالر ادا کرسکتا ہوں۔ وہ مسلمان ہے۔ ایک یہودی عورت کا علاج نہیں کرنا چاہے گا تو اسے اغوا کروا کے اپنے قدموں میں لاسکتا ہوں۔''

مجھے اس کی باتیں سن کر اطمینان ہوا کہ وہ اس معالج سے رائنا کا علاج کرائے گا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں اس پاکستانی معالج کی کرامات دیکھنا چاہوں گا۔ آپ میڈم کے علاج میں دیر نہ کریں۔''

وہ میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''پہلے غازی کا علاج ضروری ہے۔ یہ ہمارے دماغ کا پھوڑا بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر! اسے کسی بھی طرح اٹھا کر بٹھاؤ۔ میں چاہتا ہوں' یہ چلنے پھرنے کے قابل ہو کر رائنا کو خود پاکستان لے جائے۔''

''یہ آدھا مر چکا ہے۔ اس قدر کھوکھلا ہو چکا ہے کہ اٹھ کر بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں ہفتے اور مہینے لگ سکتے ہیں۔ آپ تب تک اپنی مسز کا علاج کرا سکتے ہیں۔''

راڈ مین نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سن رہے ہو یا نہیں؟''

''ڈاکٹر یہ معجزہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ایک کینسر کی مریضہ کیسے صحت یاب ہو سکتی ہے؟''

''میں رائنا کو بہت چاہتا ہوں اور تمہاری چاہت بھی اس سے کم نہیں ہے۔ تم ذرا سی توانائی حاصل کرتے ہی بہن کو ہوا کی طرح لے اڑو گے۔ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس کا علاج کراؤ گے اور تب...''

وہ ہنستے ہوئے مجھ پر جھکتے ہوئے بولا۔ ''اور تب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

وہ پھر ہنسنے لگا۔ کہنے لگا۔ ''تم میری مرضی کے بغیر رائنا کا علاج نہیں کرا سکو گے۔ اس باؤلی بہن کو اس وقت پاکستان لے جا سکو گے' جب ریڈ مرکری میرے حوالے کرو گے۔''

وہ سیدھی طرح کھڑا ہو کر بولا۔ ''اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے....تم بہت ضدی اور سرکش ہو۔ اپنے ملک کو طاقتور اور ناقابلِ شکست بنانے کے لئے جان پر کھیل جاؤ گے۔ یہی دیکھنا ہے' بہن کی جان بچانے کے لئے کیا کرو گے؟''

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''رائنا میری بیوی نہ ہوتی۔ میرے زیر اثر نہ ہوتی تو تمہارے اثر میں رہ کر اب تک اسلام قبول کر چکی ہوتی۔ ایسی بہن کو بلڈ کینسر سے نجات دلانے اور اسے ایک نئی زندگی دینے کے لئے کیا کرو گے؟''

☆☆☆

(Iqbal Hussain
(Bakwas)

واپسی 3
محی الدین نواب
Scanned By Waqar Azeem Paksitanipoint

میسونی تنظیم کے سربراہ راڈ مین نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا۔ پھر ٹہلتا ہوا ذرا دور گیا۔ وہاں سے پلٹ کر بولا۔ ''تمہاری دو کمزوریاں میرے ہاتھوں میں ہیں۔ پہلی یہ کہ میرے رحم و کرم پر ہو۔ یہ زندگی دینے والا ڈاکٹر میرے ایک اشارے پر تمہیں موت دے سکتا ہے۔ دوسری کمزوری رائنا ہے۔ تم اسے مرنے نہیں دو گے۔ کوئی ایسا سمجھوتہ ضرور کرو گے جو ہم دونوں کے حق میں ہو۔''

وہ میری طرف آتے ہوئے بولا۔ ''ایک طرف ریڈ مرکری ہے۔ دوسری طرف تم بھائی بہن کی جانیں ہیں۔ میں تم سے یہی کہنے آیا ہوں' جب تک توانائی حاصل نہ ہو' تب تک یہاں پڑے رہو اور فیصلہ کرتے رہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟''

پھر وہ ایکدم سے دھاڑتے ہوئے بولا۔ ''سن رہے ہو؟ سن رہے ہو یا نہیں.....؟ کیا میں دیواروں سے بول رہا ہوں؟ یو چیٹر! تم لاش کی طرح پڑے ہو۔ مگر مردہ نہیں ہو۔''

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ''دیکھ رہے ہو اور سن بھی رہے ہو۔ اپنے اندر چپ چاپ مکارانہ ہتھیار تیز کر رہے ہو۔ لیکن یہاں تمہاری تیزی طراری نہیں چلے گی۔''

وہ ڈاکٹر کی طرف گھوم کر بولا۔ ''اس نے ماضی میں ایسی ایسی مکاریاں دکھائی ہیں جو پہلے ہماری سمجھ میں نہیں آئیں۔ بعد میں سر گھوم کر رہ گیا۔ ڈاکٹر! یہ شیطان ہے۔ یہ سماعت سے محروم نہیں ہے۔ اس کے بدن کا رواں رواں سن رہا ہوگا۔ پلیز..... کسی بھی طرح معلوم کرو کہ یہ سن رہا ہے یا نہیں..؟''

ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ایزی گرینڈ ماسٹر! ایزی...ڈاکٹر کی ٹیم نے اسے اچھی طرح چیک کیا ہے۔ ان کی متفقہ رپورٹ یہی ہے کہ اس کے دیکھنے' سننے' سونگھنے' چکھنے اور چھونے کے پانچوں حواس عارضی طور پر ناکارہ ہو گئے ہیں۔ یہ جس طرح اب آنکھیں

کھول کر دیکھنے کے قابل ہوا ہے۔اسی طرح رفتہ رفتہ باقی چاروں حواس بھی فعال ہو جائیں گے۔"

"ہو سکتا ہے' ابھی سننے کی حس کام کر رہی ہو۔"

"یہ ہو سکتا ہے۔مگر جب تک یہ سن کر جواب نہیں دے گا یا چہرے اور آنکھوں سے رد عمل ظاہر نہیں کرے گا' تب تک ہم یہی سمجھتے رہیں گے کہ یہ سننے کی قوت سے محروم ہے۔"

"ہم یہی سمجھ رہے ہیں۔لیکن میں یقین سے کہتا ہوں' یہ سن رہا ہے۔یہ بہت ڈھیٹ ہے۔رد عمل ظاہر نہیں کر رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے میرے قریب آ کر کہا۔"اس کا باپ بھی رد عمل ظاہر کرے گا۔بس ایک ہی طریقہ ہے' اسے غصہ دلائے جائے۔مگر آپ کی مسز نے سخت لہجے میں مجھ سے کہا ہے کہ میں تھری ایس کی شان کے خلاف آپ کو کوئی ایسا مشورہ نہ دوں۔آپ بھی کہتے ہیں کہ اسے گالیاں نہ دی جائیں۔اس کی بے عزتی نہ کی جائے۔"

"وہ تو میں نے رائنا کے سامنے کہا تھا۔اس وقت اسکرین آن تھی۔وہ ہمیں دیکھ رہی تھی اور سن رہی تھی۔اب تو اسے ٹال دیا گیا ہے۔"

پھر اس نے مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔"یہی کارآمد نسخہ ہے۔اسے گالیاں دی جائیں گی تو یہ بے اختیار گولی کی طرح چل پڑے گا۔"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ وہ دونوں مجھے گھور کر دیکھنے لگے۔ڈاکٹر نے کہا۔"تھری ایس! ہم آخری بار سمجھا رہے ہیں۔سن رہے ہو تو دو بار پلکیں جھپکاؤ۔اقرار کرو کہ سن رہے ہو پھر یہاں عزت سے رہ سکو گے...ہاں تو بولو....سن رہے ہو؟ کیا تم سن رہے ہو؟"

میں نے پلکیں نہیں جھپکائیں۔سر گھما کر راڈ مین کو دیکھا۔وہ گہری گہری سانسیں لیتا ہوا ایسے گھور رہا تھا' جیسے کتا بھونکنے سے پہلے غرا رہا ہو اور واقعی دوسرے ہی لمحے میں وہ بھونکنے لگا۔"کتے! کمینے! اگر تو نے ری ایکٹ نہ کیا تو میں پھٹ پڑوں گا۔پتہ نہیں' کیا کر گزروں گا؟"

میں نے دیدے گھما کر دونوں کو باری باری دیکھا' جیسے سمجھنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ یعنی میں سماعت سے عاری ہوں۔راڈ مین جیسے پھٹ پڑا۔انتہائی نا قابل برداشت خرافات بکنے لگا۔یقیناً ماں بہن کی گالیاں سننے والا غصے سے پاگل ہو کر جواباً گالیاں ضرور دیتا ہے۔مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔کمزور اور بے بس ہو تو کسی اور طرح سے رد عمل پیش کرتا ہے۔

میں انسان ہوں۔میں بھی برداشت نہ کرتا۔مگر گالیاں سننے سے پہلے ہی میں اپنے

طریقہ کار پر عمل کر رہا تھا۔ایسے وقت میں ایک ہی دینی سبق یاد رکھتا ہوں کہ شیطان شور مچا رہا ہو تو نہایت سکون سے کلام پاک کی کوئی آیت پڑھتے رہو۔اپنی ساری توجہ اس آیت پر مرکوز کر دو۔

اور میں یہی کر رہا تھا۔میرے اندر ایک مقدس آیت ایسے گونج رہی تھی کہ باہر سے پتھراؤ کرنے والی مغلظات مجھے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔میں نے بارہا آزمایا ہے' جب بھی دینی تعلیمات پر پوری توجہ سے اپنے اندر ڈوب کر عمل کرتا ہوں تو کتنے ہی شیطانی حملوں سے محفوظ رہتا ہوں۔

وہ بڑی دیر تک اپنے منہ سے غلاظتیں اُگلتا رہا اور میری خاموشی پر شعلوں کی طرح بھڑکتا رہا۔بادل کی طرح گرجتا رہا۔پھر آپے سے باہر ہو گیا۔گرجنے کے بعد برس پڑا۔ایکدم سے پاگل ہو کر اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔یہ تو میں نے کبھی برداشت ہی نہیں کیا کہ کوئی مجھ پر ہاتھ اٹھا کر صحیح سلامت نکل جائے۔غیض و غضب کی شدت سے میرا پورا جسم لرز گیا۔

پتہ نہیں' کتنے دنوں کے بعد میرے جسم نے یوں جھٹکا کھایا تھا۔ڈاکٹر نے فوراً ہی گرینڈ ماسٹر کو روکتے ہوئے کہا۔"جسٹ آمنٹ...یہ ری ایکٹ کر رہا ہے۔مجھے چیک کرنے دیں۔"

وہ پیچھے ہٹ گیا۔ڈاکٹر اسٹیتھسکوپ سے میرا معائنہ کرنے لگا پھر کہنے لگا۔"دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی ہیں۔"

گرینڈ ماسٹر نے کہا۔"اس کی آنکھیں دیکھو....! یہ مجھے غصے سے دیکھ رہا ہے۔"

"پلیز۔آپ اور گالیاں نہ دیں' ہاتھ نہ اٹھائیں۔اب کوئی بات اس کی قوت برداشت سے باہر ہو گی تو کمزوری کے باعث رد عمل ظاہر کرتے ہی بیہوش ہو جائے گا۔ہو سکتا ہے' اس کا دم نکل جائے۔"

وہ میری موت نہیں چاہتا تھا۔مجھ سے دور ہو گیا۔میں غصے پر قابو پانا جانتا ہوں۔ان لمحات میں خود کو سمجھا رہا تھا۔"میں ابھی کمزور اور بے بس ہوں۔ایک ہاتھ تو کیا ایک انگلی بھی نہیں ہلا سکتا۔مجھے توانائی حاصل کرنے تک صبر کرنا چاہئے۔"

ڈاکٹر میری کلائی تھام کر کہہ رہا تھا۔"نبض کی رفتار بھی قدرے تیز ہو گئی ہے۔ہم اس کی قوت سماعت کے بارے میں معلوم نہ کر سکے۔لیکن یہ معلوم ہو رہا ہے کہ چھونے کی حس بیدار ہو گئی ہے۔یہ دیکھیں....!"

اس نے میرے پیٹ پر ہلکا سا ہاتھ مارا۔میرے جسم میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی۔پھر

میں پہلے کی طرح ساکت ہو گیا۔ وہ بولا۔ ''میرا ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر یہاں آیا کرے گا۔ ایک نرس اس کے بدن کا مساج کرے گی۔ ڈاکٹر اس کے ہاتھوں اور پیروں کی ہلکی سی ورزش کراتا رہے گا۔ مجھے امید ہے' یہ جلد ہی اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو جائے گا۔''

میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اب تک غصے سے گرینڈ ماسٹر راڈ مین کو دیکھ رہا تھا۔ دل ہی دل کہہ رہا تھا۔ ''خدا کرے مجھے جلد ہی توانائی حاصل ہو جائے۔ یو گرینڈ ماسٹر! اپنے برے دن کا انتظار کرو۔ جب میں بولنے لگوں گا تو تمہیں پہلا مشورہ یہی دوں گا کہ جو ہاتھ مجھ پر اٹھایا ہے اس کا بیمہ کرالو۔''

وہ میرے قریب آ کر بولا۔ ''کب تک مجھے غصے سے دیکھتے رہو گے؟ میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ تم اس وقت گالیاں دے رہے ہو گے۔ مجھے مار ڈالنے کی خواہش کر رہے ہو گے۔ مگر فضول ہے۔ فی الحال کچھ نہیں کر سکو گے۔''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''گرینڈ ماسٹر نے تم پر ہاتھ اٹھا کر بڑا احسان کیا ہے۔ تم اب تک بے جس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ پڑتے ہی جسم میں جان پڑ گئی ہے۔ تم جلد ہی اٹھنے بیٹھنے لگو گے' بہتر ہے' غصہ برداشت کرو۔ آنکھیں بند کر کے سو جاؤ۔''

میں ان کی صورتیں دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تاکہ وہ چلے جائیں۔ راڈ مین نے کہا۔ ''ڈاکٹر! اس نے تمہارا مشورہ سنتے ہی آنکھیں بند کی ہیں۔ میں پھر یقین سے کہہ رہا ہوں۔ یہ مکار ہماری تمام باتیں سن رہا ہے۔''

''سن رہا ہے تو سننے دیں۔ آخر کب تک بہرہ بن کر رہے گا؟ آج نہیں تو کل ضرور بولے گا' ضرور بولے گا۔''

وہ بولا۔ ''میں بہن اور بھائی کے جذبات سے کھیل کر بڑی محبت سے ریڈ مرکری حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیا کروں؟ غصے میں ہاتھ اٹھ گیا۔ یہ غلطی مہنگی پڑے گی۔ یہ کم بخت بہت ضدی ہے۔ ریڈ مرکری میرے حوالے نہیں کرے گا۔ مگر....''

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ''میں ہار ماننے والا نہیں ہوں۔ جب تک یہ میرا مطالبہ پورا نہیں کرے گا۔ میں رائنا کو علاج کے لئے پاکستان لے جانے نہیں دوں گا۔ یہ بہن کو بے بسی سے دم توڑتے نہیں دیکھ سکے گا۔ میرا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک دھیمی آواز میں بولتے رہے پھر خاموشی چھا گئی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا وہ جا چکے تھے۔

☆☆☆

رائنا اٹلی کے گاڈ فادر برناڈ بنجامن کی بیٹی تھی۔ بیس برس پہلے کئی خطرناک تنظیموں کے سربراہ اور بڑے ممالک کے کامیاب سیاستدان اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی گاڈ فادر کا داماد بننے کے بعد پورے جنوبی علاقے میں جرائم کے تمام اڈوں کا مالک و مختار بن سکتا تھا۔

گویا رائنا ایک ایسا ہتھیار تھی' جسے کوئی بھی اپنی گرفت میں لے کر جنوبی یورپ کا بے تاج بادشاہ بن سکتا تھا۔ اس کا دل جیتنے اور گاڈ فادر کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بدنام زمانہ مجرموں اور سیاستدانوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس جنگ میں یہودی اور عیسائی تنظیموں کے سربراہ پیش پیش تھے۔

ایسے وقت راڈ مین خوش نصیب نکلا۔ رائنا کا دل اس پر آ گیا تھا۔ اگرچہ وہ مجرمانہ زندگی گزارنے والا عاشق مزاج نہیں تھا۔ مگر سونے کی چڑیا کو پنجرے میں لانے کے لئے اس کا دیوانہ عاشق بن گیا تھا۔ ان دنوں میسونی تنظیم میں اسے نمایاں مقام حاصل نہیں تھا۔ وہ گاڈ فادر کی بیٹی کو جیت کر اپنی تنظیم میں ایک اعلیٰ عہدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

قسمت مہربان تھی۔ گاڈ فادر نے بیٹی کی پسند کے مطابق اعلان کر دیا کہ راڈ مین اس کا ہونے والا داماد ہے۔

وہ اعلان جتنا خوش آئند تھا' اتنا ہی اسے مہنگا پڑنے لگا۔ اس کے ایک نہیں کئی رقیب تھے۔ سب ہی جانتے تھے کہ اس کانٹے کو نکال کر پھینک دیا جائے گا تو گاڈ فادر بیٹی کو تمام عمر کنواری بٹھا کر نہیں رکھے گا۔ باقی طلبگاروں میں سے کسی ایک کو داماد ضرور بنائے گا۔ یوں انہوں نے راڈ مین کے لئے راہ فنا کا در کھول دیا۔

راڈ مین پر ایک بار جان لیوا حملہ ہوا تو وہ کسی طرح بچ نکلا۔ گاڈ فادر نے اس کے لئے سخت سیکورٹی کے انتظامات کئے۔ وہ جہاں جاتا تھا۔ دو درجن مسلح گارڈز آگے پیچھے رہتے تھے اور دور دور سے بھی اس کی نگرانی کی جاتی تھی۔ رائنا اکثر اس کے ساتھ تفریحی مقامات پر وقت گزارنے جاتی تھی۔

ایک بار وہ ساحل سمندر کے ایک لگژری ہوٹل میں آئے تو انجانے دشمنوں نے اس ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ رائنا کے سیکورٹی گارڈز نے ان کا مقابلہ کیا تو دونوں طرف سے جوابی فائرنگ ہوتی رہی۔

فون کے ذریعے کہا گیا۔ ''راڈ مین! ہم رائنا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ تم ہاتھ

اٹھا کر باہر آ جاؤ۔"

سیکورٹی افسر نے رائنا کے پاس آ کر کہا۔" ہمارے دس گارڈز مارے گئے ہیں۔ چار زخمی پڑے ہیں۔ ہماری پوزیشن بہت کمزور ہے۔ اس ہوٹل سے باہر جانے کے تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔"

دشمن کہہ رہے تھے۔" مس رائنا! اپنے باپ سے فون پر بات کرو اور کہہ دو کہ ہم تمہیں صحیح سلامت یہاں سے جانے دیں گے۔ لیکن گاڈ فادر اپنی مسلح فوج بھیجے گا تو تم سلامت نہیں رہو گی۔ ہم اس ہوٹل کو بم دھماکے سے اڑا دیں گے۔"

رائنا سہمی ہوئی تھی۔ اپنے باپ کو صورتحال سے آگاہ کر رہی تھی۔ باپ نے کہا۔" میں ابھی اُن حملہ آوروں سے سمجھوتہ کرتا ہوں۔ تم راڈ مین سے کہو وہ تمہیں ہوٹل میں تنہا چھوڑ کر باہر جانے کے لئے تیار رہے۔"

وہ بولی۔" نو ڈیڈ! میں اپنے راڈی کو دشمنوں کے پاس جانے نہیں دوں گی۔ وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

فادر نے کہا۔" احمق لڑکی! اپنی سلامتی کی فکر کرو۔"

" سوری ڈیڈ! میں نے قسم کھائی ہے۔ راڈی کے ساتھ جیوں گی اور اسی کے ساتھ مروں گی۔"

" تم پاگل ہو۔ فون راڈ مین کو دو۔"

چند لمحوں کے بعد راڈ مین نے کہا۔" یس فادر! میں رائنا کی سلامتی کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں مگر یہ مجھے یہاں سے تنہا نکلنے نہیں دے رہی ہے۔"

" زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ کیا تم ایک لڑکی کو ڈاج دے کر باہر نہیں جا سکتے؟"

" آپ میری مجبوریوں کو سمجھیں۔ یہ میرے قدموں سے لپٹ جاتی ہے۔ پیار کی قسمیں دینے لگتی ہے۔"

وہ جھنجھلا کر بولا۔" لعنت ہے ایسے پیار پر۔ تم تو جرائم کی دنیا کے کھلاڑی ہو۔ کیا پیار، عشق اور محبت کے احمقانہ جذبات رکھتے ہو؟"

" میں آپ کی بیٹی سے سچا پیار کرتا ہوں۔"

" وہاں بم دھماکے ہوں گے۔ وہ تمہارے سچے پیار کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گی۔ اگر تم سچے ہو تو اس کی سلامتی چاہو۔ وہ نہ مانے تو اسے رسیوں سے باندھ کر وہاں سے باہر

نکلو۔ دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔"

" اچھی بات ہے۔ آپ جو کہہ رہے ہیں، وہی کرنے جا رہا ہوں۔"

اس نے فون بند کر کے سوچتی ہوئی نظروں سے رائنا کو دیکھا۔ وہ خواہ مخواہ جان پر کھیل جانے والا عاشق نہیں تھا۔ جب تک وہ سلامت رہتی، تب تک اسے یقین تھا کہ فادر اپنی بیٹی کو مرنے نہیں دے گا اور حملہ کرنے والے بھی رائنا کو ہلاک نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان انجانے دشمنوں کے پیچھے اس لڑکی کے کئی طلبگار چھپے ہوئے تھے۔

رائنا نے پوچھا۔" ڈیڈ کیا کہہ رہے ہیں؟"

" ان کا خیال ہے، میری وجہ سے تم پر مصیبت آ رہی ہے۔ میں کسی بھی طرح تم سے پیچھا چھڑا کر باہر چلا جاؤں اور دشمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاؤں۔"

" میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ کیا تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے؟"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔" محبت قربانی مانگ رہی ہے۔"

" تو پھر میں بھی محبت کی قربانی دوں گی۔ تمہارے ساتھ باہر جاؤں گی۔"

" تمہارے ڈیڈ نے مشورہ دیا ہے کہ تمہیں یہاں رسیوں سے باندھ کر چلا جاؤں۔ کیا مجھے ہونے والے سسر کی بات نہیں ماننی چاہئے؟"

" ہرگز نہیں۔ تم ایسا کرو گے اور باہر جا کر اپنی جان دو گے تو میں رسیوں سے آزاد ہوتے ہی اپنی جان پر کھیل جاؤں گی۔"

" یہی بات اپنے ڈیڈی سے کہو۔ انہیں ہماری سچی محبت کا یقین ہونا چاہئے۔"

وہ فون پر باپ سے رابطہ کرنے لگی۔ میں اس ہوٹل کے ایک کمرے میں تھا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے فائرنگ ہوتے، کچھ لوگوں کو مرتے اور زخمی ہوتے دیکھ رہا تھا۔ فون کے ذریعے اپنے لوگوں سے معلوم کر رہا تھا کہ باہر فائر کرنے والے کون ہیں؟ اور وہ جو بھی ہیں انہیں بڑی رازداری سے نشانے پر رکھا جائے۔

ادھر سے فائر کرنے والے کئی سیکورٹی گارڈز بھی مارے گئے تھے اور کتنے ہی زخمی پڑے تھے۔ ہوٹل کے اندر تمام لوگ فائرنگ کی وجہ سے سہمے ہوئے تھے۔ منیجر نے کہا۔" باہر سے دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ روم نمبر چار سو چار سے راڈ مین نامی شخص کو باہر نہ نکالا گیا تو دھماکے سے پورے ہوٹل کو تباہ کر دیا جائے گا۔"

ان دنوں راڈ مین کسی نمایاں حیثیت کا حامل نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔" یہ شخص اتنا اہم

کیوں ہے کہ اس کی وجہ سے ہوٹل کو تباہ کرنے کی دھمکی دی جارہی ہے؟''

منیجر نے کہا۔'' وہ گاڈ فادر برناڈ بنجامن کا ہونے والا داماد ہے۔ وہ اس کی بیٹی رائنا کے ساتھ یہاں پھنسا ہوا ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ وہاں انڈر ورلڈ کے خطرناک لوگوں کا دلچسپ کھیل ہورہا تھا۔ میں اپنا کھیل شروع کر کے ان میں سے کسی ایک کا پلڑا بھاری کرسکتا تھا۔ ان دنوں موبائل فون عام نہیں ہوا تھا۔ صرف وی آئی پی اور ہم جیسے خطرات سے کھیلنے والے لوگ یہ فون رکھتے تھے۔

میں نے اپنے ایک دست راست ٹیپو سے رابطہ کیا۔ اس کا نام حیدر علی تھا۔ وہ اس نام کی مناسبت سے خود کو ٹیپو سلطان کہا کرتا تھا اور اب اسی سے نام جانا پہچانا جاتا تھا۔ میں نے پوچھا۔'' ہیلو ٹیپو! کچھ معلوم ہوا یہ کون لوگ ہیں؟''

اس نے کہا۔'' یہاں سے فائر کرنے والے تین الگ گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے مختلف آقاؤں کے آلہ کار معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان کا مقصد یہی ہے۔ وہ کمرہ نمبر چار سو چار سے راڈ مین نامی ایک شخص کو باہر نکال کر ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔''

میں نے کہا۔'' یہ راڈ مین یہاں کے گاڈ فادر کی بیٹی کے ساتھ ہے۔ اس کا ہونے والا داماد ہے۔''

ٹیپو نے کہا۔'' اور یہ ہونے والا داماد میسونی تنظیم کا ایک اہم کارندہ ہے۔ میں نے ایک دشمن کو یہاں دبوچ رکھا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ راڈ مین گاڈ فادر کی بیٹی کو جیت لے گا تو اسے میسونی تنظیم کا اعلیٰ عہدیدار بنایا جائے گا۔''

'' پھر تو واقعی یہاں بہت بڑا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ میں اپنی چال شروع کررہا ہوں۔ تم باہر الرٹ رہو۔ میرا سگنل ملتے ہی اپنے جانثاروں کے ساتھ فائر کھول دینا۔ ان میں سے کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ انہیں صرف زخمی ہونا چاہئے۔ پھر یہ معلوم کیا جائے گا کہ ان کے پیچھے کیسے کیسے چہرے چھپے ہوئے ہیں؟''

'' نو پرابلم۔ جو کہہ رہے ہو وہی ہوگا۔''

میں نے منیجر سے اس حملہ آور کا فون نمبر حاصل کیا جو ہوٹل کے باہر تھا اور رہ رہ کر فون کے ذریعے دھمکیاں دے رہا تھا۔

میں نے اس سے رابطہ کرنے کے بعد کہا۔'' ہیلو.... میرا موبائل فون نمبر تمہارے فون

پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اپنے باس کو یہ نمبر بتاؤ' اس سے کہو کہ تمہارے سروں پر وہ بلا نازل ہوگئی ہے' جسے تھری ایس کہتے ہیں۔ میں کسی خون خرابے کے بغیر راڈ مین کو ہوٹل سے باہر لاسکتا ہوں۔ اگر تمہارا باس مجھ سے سودا نہیں کرے گا تو میں راڈ مین اور گاڈ فادر کی بیٹی کو صحیح سلامت اس ہوٹل سے نکال کرلے جاؤں گا۔''

وہ حملہ کرنے والے جانتے تھے کہ ہوٹل میں بم دھماکے نہیں کئے جائیں گے۔ کیونکہ ان کے آقا رائنا کی سلامتی چاہتے تھے۔ اس حملہ آور نے مجھ سے بحث نہیں کی۔ میرا پیغام اپنے باس تک پہنچادیا۔ پانچ منٹ بعد ہی میرے فون کا بزر سنائی دیا۔ ننھی سی اسکرین پر ایک نمبر دکھائی دینے لگا۔ میسونی تنظیم کا ایک زونل انچارج مجھے کال کررہا تھا۔

میں نے کہا۔'' ہیلو ڈیسوزا! میں تمہارے معاملے میں کود پڑا ہوں۔ اس ہوٹل سے دور بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے' میں صرف تماشہ دیکھتا رہوں گا؟''

وہ جھنجھلا کر بولا۔'' کیا مصیبت ہے؟ تم کہاں سے مرنے آگئے؟ سودا تو کرنا ہی ہوگا۔ کیا ابھی میرے شکار کو ہوٹل سے باہر لاسکو گے؟''

'' وہ آدھے گھنٹے کے بعد ہوٹل کے باہر تمہارے آدمیوں کے نشانے پر ہوگا۔''

'' اچھی بات ہے۔ ریٹ بتاؤ؟''

'' دو لاکھ ڈالرز....''

'' یہ کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ دو لاکھ دیئے جائیں۔''

'' دو لاکھ سے بھی بڑا گیم ہے۔ اب تین لاکھ کہہ رہا ہوں۔ بات بڑھاؤ گے تو ریٹ بڑھتا رہے گا۔ ٹھیک دو منٹ کے بعد فون بند ہوجائے گا۔''

'' ٹھیک ہے۔ دو لاکھ میں ڈن کرو۔''

'' میں کہہ چکا ہوں۔ بات بڑھاؤ گے تو ریٹ بڑھے گا۔ اب چار لاکھ لوں گا.... سوچ لو! راڈ مین سے مجھے زیادہ آفر ملے گی۔ وہ زندہ رہے گا تو اسے تمہاری تنظیم میں اعلیٰ عہدہ ملے گا اور تم یہ نہیں چاہتے۔''

'' مائی گاڈ! تم پکے شیطان ہو۔ ہمارے اندر کی باتیں جانتے ہو۔ نہ دو لاکھ نہ چار لاکھ پلیز۔ تین لاکھ پر بات ختم کرو۔''

'' سوری.... دو منٹ پورے ہوچکے ہیں۔''

میں نے فون بند کرکے روم نمبر چار سو چار کے فون پر رابطہ کیا۔ راڈ مین کی آواز سنائی

دی۔ میں نے کہا۔ ”تھری ایس بول رہا ہوں۔ کیا تم نے کبھی یہ کوڈ نیم سنا ہے؟“

”ہاں۔ تمہارا بہت چرچا سنا ہے۔ کیا تم گاڈ فادر کے حکم سے آئے ہو؟“

”اس زمین پر مجھے کوئی حکم دینے والا پیدا نہیں ہوا ہے۔ میرے لئے احکاماتِ خداوندی بہت ہیں۔ اپنی بات کرو۔ کیا اپنی ہونے والی بیوی کے ساتھ زندہ سلامت یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟ اگر چاہتے ہو تو دو لاکھ ڈالرز ڈھیلے کرو۔“

”ابھی میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ اگر منظور ہے تو صرف ہاں کہہ دو۔ بعد میں وصول کرنا میرا کام ہے۔“

وہ جلدی سے بولا۔ ”مجھے منظور ہے۔“

میں نے کہا۔ ”انتظار کرو۔ ابھی رہائی ملے گی۔“

میں نے اس سے رابطہ ختم کر کے گاڈ فادر کے نمبر پنچ کئے۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر پڑھے۔ پھر ریسیور کو کان سے لگا کر کہا۔ ”شیطان کو یاد کرو تو وہ فوراً ہی حاضر ہو جاتا ہے۔ میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔“

”اس لئے کہ تمہاری بیٹی جہاں پھنسی ہوئی ہے۔ وہ تمہارا علاقہ نہیں ہے۔ وہاں تمہارے اختیارات اور ذرائع کمزور پڑ جاتے ہیں۔“

”یہی بات ہے۔ آگے کچھ نہ کہو۔ وہاں سے میری بیٹی کو نکال لاؤ۔ تمہارا جو بھی ریٹ ہوگا‘ مجھے منظور ہوگا۔“

”آل رائٹ۔ تمہاری بیٹی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ وہ پندرہ بیس منٹ کے اندر تمہیں خوشخبری سنائے گی۔“

میں نے رابطہ ختم کر کے ٹیپو سے فون پر کہا۔ ”شروع ہو جاؤ.....“

اس نے کہا۔ ”نو پرابلم۔ ابھی شب برات کے پٹاخے سنو گے۔“

میں فون بند کر کے کمرہ نمبر چار سو چار میں آیا۔ ان دنوں میں پورے پچاس برس کا تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے اس دنیا میں آدھی صدی گزار چکا تھا۔ میں نے کمرے میں آ کر رائنا کو دیکھا تو ٹھٹک سا گیا۔ وہ میری چھوٹی بہن رابعہ سے اس قدر مشابہت رکھتی تھی کہ اسے دیکھتے ہی دل نے کہا کہ وہ اس جہانِ فانی میں واپس آ گئی ہے۔

رائنا مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے رابعہ جھانک کر کہہ رہی تھی۔ ”اچھا ہوا بھائی جان! آپ آ گئے۔ دیر کرتے تو پہلے کی طرح راہ فنا سے گزر جاتی۔ اب تو میں سلامت

رہوں گی ناں؟“

زخم تازہ ہو گئے۔ ہاں۔ مجھ سے دیر ہو گئی تھی۔ میں اپنی لاڈلی بہن کو بچا نہیں پایا تھا۔ اس ہم شکل کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ ”کوئی بات نہیں جو غلطی کی تھی۔ اس کی تلافی آج کرو۔ مجھے یہاں سے صحیح سلامت لے چلو۔“

میں نے اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ اگر رابعہ کی ہم شکل سے کہتا کہ تم میری بہن ہو تو یہ محض ایک پاکیزہ جذباتیت ہوتی۔ وہ بھی جان بچا کر وہاں سے نکلنے کے لئے خوش ہو جاتی۔ اس کے بعد وہ کہاں پھر میں کہاں؟

راڈ مین نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ منیجر نے کہا۔ ”یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔ اس ہوٹل میں ان کا قیام ہے۔“

میں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ”میں ہوں تھری ایس.....“

اس نے جلدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم سے مل کر اطمینان ہو رہا ہے۔ ہم یہاں سے بخیریت نکل جائیں گے ناں؟“

میں نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔ ”باہر فائرنگ کی آوازیں سن رہے ہو؟“

”ہاں۔ ہمارے سیکورٹی گارڈز دشمنوں کو ادھر آنے سے روک رہے ہیں۔“

”تمہارے تمام گارڈز مارے گئے ہیں۔ کچھ زخمی پڑے ہیں۔ یہ گولیاں میں چلا رہا ہوں۔ تمہارے دشمن سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ گولیاں کہاں سے چل رہی ہیں؟ کیونکہ میں یہاں ہوں۔ تم بھی سمجھ نہیں پاؤ گے کہ یہاں ہوں تو ادھر گولیاں کیسے چل رہی ہیں؟“

رائنا چپ چاپ مجھے تک رہی تھی۔ راڈ مین نے کہا ”تم سیدھی سی بات کو الجھا کر بول رہے ہو۔ میں سمجھ رہا ہوں‘ وہاں تمہارے آدمیوں سے کاؤنٹر فائرنگ ہو رہی ہے۔“

”وہ جو ادھر میرے آدمی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر میں ہوں۔ وہ زخمی ہوتے ہیں تو میں بھی زخم کھاتا ہوں۔ وہ مرتے ہیں تو میں بھی مر جاتا ہوں۔ کتنی بار راہِ فناء سے گزر کر واپس آیا ہوں۔ میرے تمام جانثار میری محبت اور میرے دلی جذبات کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک تھری ایس بن کر لڑتا ہے۔“

میں نے ذرا توقف سے کہا۔ ”دشمنوں سے پوچھ لو... انہیں بیک وقت مختلف ملکوں میں تھری ایس نظر آتے ہیں۔ وہ بھی الجھتے ہیں کہ یہ کیا معمہ ہے؟ اصل تھری ایس کہاں ہے؟“

اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا ”اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم

بھی تھری ایس نہیں ہو۔اس کے ایک جانثار ہو؟''

میں نے مسکراتے ہوئے اسے خواہ مخواہ الجھاتے ہوئے کہا۔''ہو سکتا ہے' میں وہ نہیں ہوں جو ہونا چاہئے' مگر وہ ضرور ہوں' جو نہیں ہوں۔''

میں ایسی زندگی گزار رہا تھا کہ میرے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے والے الجھ جاتے تھے۔داستان کے اس مرحلے پر میرے قارئین بھی شاید الجھ رہے ہوں گے کہ میں کہاں سے کہاں چھلانگ لگا رہا ہوں؟

میں نے اپنی روداد عمیر بن غازی کی حیثیت سے شروع کی ہے۔اب شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے عالمی سطح پر ایک خطرناک مجرم کی صورت میں ابھر رہا ہوں۔بری طرح زخمی ہو کر جسمانی طور پر لاغر اور بے دست و پا ہو کر بستر پر پڑا ہوں۔یہ نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

جب تک ایک اپاہج کی طرح دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوں' تب تک چاہتا ہوں کہ اپنے قارئین کو شہزادہ سلمان سعدی عرف تھری ایس کی مکمل ہسٹری سنا دوں۔یہ ہسٹری آگے جا کر عمیر بن غازی سے منسلک ہو جائے گی۔

بہرحال فائرنگ کی آوازیں تھم گئی تھیں۔میرے فون کا بزر سنائی دیا۔میں نے اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔''ہاں بولو.....؟''

ٹیپو نے کہا۔''سب کی بولتی بند ہو چکی ہے۔جب ہم چاہیں گے' تب ہی یہ بولیں گے۔ان میں سے دو چار کی حالت بہت خراب ہے۔آنا ہے تو جلدی چلے آؤ۔ورنہ یہ روٹھ کر میکے چلے جائیں گے۔''

''میں ابھی آ رہا ہوں۔''

میں نے فون پر فادر سے کہا۔''بلائیں ٹل گئی ہیں۔اپنی صاحبزادی سے کہو' بے خوف و خطر یہاں سے جا سکتی ہے۔''

وہ بولا۔''تھینکس گاڈ! مجھے یقین تھا' تم انہیں چٹکیوں میں اڑا دو گے۔''

میں نے فون رائنا کی طرف بڑھایا۔وہ اسے لے کر کان سے لگاتے ہوئے بولی۔''ہیلو ڈیڈ! کیا واقعی موت ٹل گئی ہے؟''

''ہاں۔اس پر بھروسہ کرو۔فوراً یہاں چلی آؤ۔''

''او کے ڈیڈ! آ رہی ہوں۔''

اس نے فون مجھے دیتے ہوئے بڑے اعتماد سے بڑی عقیدت سے دیکھا۔وہ فون میرے کان سے لگا ہوا تھا۔گاڈ فادر میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''بولو ہیرو! بڑی سے بڑی رقم بولو۔تمہارے اکاؤنٹ میں وہ رقم جمع ہو جائے گی۔''

میں نے رائنا کو دیکھا۔رابعہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔''اچھا ہوا بھائی جان! آپ آ گئے۔دیر کر دیتے تو پہلے کی طرح راہ فنا سے گزر جاتی۔اب تو میں سلامت رہوں گی ناں؟''

میں نے بڑے پیار سے رائنا کو دیکھا ایک گہری سانس لی۔پھر فون پر کہا۔''ابھی میں نے ایک قرض ادا کیا ہے۔میری یہ پے منٹ تم پر قرض رہے گی اور میں کبھی رقم کی صورت میں اسے وصول نہیں کروں گا۔''

''تمہاری باتیں الجھا رہی ہیں۔''

''کبھی وقت ملا تو سلجھا دوں گا۔بہرحال رابعہ یہاں سے نکل رہی ہے۔''

''رابعہ....؟''

رائنا نے چونک کر مجھے دیکھا۔ادھر گاڈ فادر نے حیرانی پوچھا۔''رابعہ....؟''

اپنے آپ پر قابو پانے کے باوجود جذبات اتھل پتھل ہو کر رہ گئے۔میں نے جلدی سے کہا۔''را...رابعہ نہیں۔میں رائنا کہہ رہا ہوں۔شائد میرے بولنے یا تمہارے سننے میں غلطی ہو گئی۔بہرحال بیٹی کی نئی زندگی مبارک ہو۔''

میں نے فون بند کر کے ان سے کہا۔''آؤ۔میرے ساتھ چلو۔''

وہ دونوں اپنا سامان اٹھا کر میرے ساتھ ہوٹل سے باہر آ گئے۔ان کا ایک سیکورٹی افسر اور چار گارڈز زندہ سلامت تھے۔رائنا میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنی کار میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔

ٹیپو میرے پاس کھڑا شدید حیرانی سے کہہ رہا تھا۔''یار! یہ تو ہماری رابعہ ہے۔''

میں نے سر گھما کر ٹیپو کو دیکھا۔اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔میں نے ایک گہری سانس لی۔اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔''جذباتی نہ بنو۔میں نے اسے چھپا لیا ہے۔یہ میرے اندر رہے گی۔تم بھی چھپا کر رکھو۔''

اس کی گاڑی دور ہوتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔میں ان لمحات میں بہت خوش تھا۔مجھے جیسے گمشدہ خزانہ مل گیا تھا۔ٹیپو کی بھی یہی حالت تھی۔رابعہ اس کی منکوحہ' اس کی محبوبہ' اس کی شریک حیات تھی۔وہ اسے اس قدر چاہتا تھا کہ پھر کبھی اس نے دوسری شادی نہیں کی۔کسی کو رابعہ کی جگہ نہیں دی۔اس کا غم غلط کرنے کے لئے پینے کا عادی ہو گیا تھا۔

اس نے پچھلی جیب سے کوارٹر سائز کی بوتل نکالی اسے کھول کر منہ سے لگایا پھر غٹا غٹ چند گھونٹ پینے کے بعد بولا۔ ''چلو یار! وہ زخمی ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ کہیں مر نہ جائیں۔''

حملہ آوروں نے پولیس والوں سے معاملات طے کئے تھے۔ اسی لئے وہاں زبردست فائرنگ کے باوجود قانون کا کوئی محافظ نہیں آیا تھا۔ اب وہ آ رہے تھے اور مجرموں کو پکڑنے کے لئے بڑی سرگرمیاں دکھا رہے تھے۔ ہمارے جانثار زخمیوں کو ایک وین میں ڈال کر وہاں سے دور ویران ساحلی علاقے میں لے گئے تھے۔ ہم نے وہاں پہنچ کر ان سے سوالات کئے۔ وہ سب کرائے کے قاتل تھے۔ اپنے آقاؤں کے لئے کام کرتے تھے۔

ان سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق راڈ مین پر حملہ کرنے والوں میں ایک وہی میسونی تنظیم کا زونل انچارج ڈیسوزا تھا۔ اس کے بعد حملہ کرنے والا دوسرا شخص سسلی کے انڈر ورلڈ کا سربراہ جان لیوی تھا۔ وہ رانا کو اپنے بیٹے رابرٹ کے لئے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ زخمی کرائے کے قاتل ایک پراسرار تیسرے شخص کو نہیں جانتے تھے۔ وہ حملہ کرنے والا تیسرا شخص صرف فون کے ذریعے ان سے رابطہ رکھتا تھا۔ میں نے ان سے فون نمبر معلوم کیا۔ مجھ کو اور ٹیپو کو بیشمار بدنام زمانہ مجرموں اور بڑے ممالک کے اعلیٰ عہدیداروں کے فون نمبرز یاد رہتے تھے۔ وہ نمبر ہمارے لئے نیا تھا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ پراسرار شخص کون ہے؟

میں نے ٹیپو سے کہا۔ ''جن کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ ان کے آلہ کاروں کا قصہ تمام کرو۔''

ٹیپو اور میرے جانثاروں نے دو زخمیوں کو گاڑی سے نکالا پھر انہیں گھسیٹتے ہوئے ذرا دور لے گئے۔ تیسرا زخمی گاڑی میں تھا۔ میں نے کہا۔ ''دیکھو! یہ کیسے حرام موت مر رہے ہیں؟ تمہارا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے۔''

وہ بری طرح سہما ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ان کرائے کے قاتلوں کو گولیوں کا نشانہ بنتے دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ ''میری جان چھوڑ دو۔ میں تمہارے کام آؤں گا۔ جو بولو گے وہ کروں گا۔''

میرے ایک جانثار نے اس کے زخم کی مرہم پٹی کی۔ پھر میں نے اسے ایک کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ ڈریگن نائٹ کلب کا کارڈ ہے۔ تم فائرنگ کے دوران زخمی ہو کر وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ ایسے وقت تمہیں یہ کارڈ زمین پر پڑا ہوا ملا۔ تم اس پر میرا نام پڑھ کر چونک گئے اور اسے اٹھا لائے۔''

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اپنے پراسرار باس کو فون کرو۔ اپنی موجودہ حالت بتاؤ۔ تم نے فرار ہو کر اپنی جان بچائی ہے۔ مگر یہ بڑے کام کی چیز ہاتھ لگی ہے۔''

میں نے اسے اچھی طرح سمجھایا۔ اس نے فون پر باس سے رابطہ کیا۔ میں اس کے قریب آ گیا۔ اس کے فون سے کان لگا کر سننے لگا۔ دوسری طرف سے ایک کرخت آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ تھری ایس نے ہماری پلاننگ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ تم سب مارے گئے ہو۔ میں تو تمہیں مردہ سمجھ رہا تھا۔''

وہ بولا۔ ''مرتے مرتے بچا ہوں اور ناکام ہوتے ہوتے ایک طرح سے کامیاب رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو آسانی سے تھری ایس کی شہہ رگ تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''یہ تم بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔ کیا یہ ممکن ہے؟''

''جی ہاں۔ میں زخمی ہونے کے بعد وہاں سے فرار ہو رہا تھا۔ تب ایک جگہ زمین پر پڑا ایک کارڈ ملا۔ اس پر شہزادہ سلمان سعدی لکھا ہوا تھا۔ یہ ڈریگن نائٹ کلب کا کارڈ ہے۔ وہ یقیناً وہاں موج مستی کے لئے جاتا ہوگا۔''

''ضرور جاتا ہوگا۔ میں ابھی اس سلسلے میں معلومات حاصل کروں گا۔ وہ کم بخت ایک بار نظر آ جائے تو دور ہی سے گولی مار کر اس سے نجات حاصل کر لوں گا۔''

''کیا میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں؟''

''تم زخمی ہو آرام کرو۔ اگر ڈریگن نائٹ کلب والی اطلاع درست ہوگی اور میں اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب رہوں گا تو تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے اس زخمی کو جانثاروں کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ انعام کے لالچ میں یہاں سے جا کر پٹری بدل سکتا ہے۔''

وہ گڑگڑا کر بولا۔ ''میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے نہ مارو۔''

''تم مر جاؤ گے اور وہ کسی وقت رابطہ کرے گا تو اسے شبہ ہوگا۔ ڈرو مت۔ تم ہماری نگرانی میں زندہ رہو گے۔''

میرے جانثار اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ میں نے ٹیپو کے ساتھ کار میں جاتے ہوئے گاڈ فادر سے بات کی۔ اسے بتایا کہ کون لوگ اس کے ہونے والے داماد کو مار ڈالنا چاہتے ہیں؟

اس نے کہا۔ ''میں سسلی کے انڈر ورلڈ والوں سے نمٹ لوں گا۔ یہ میرے پڑوسی

ہیں۔لیکن میسونی تنظیم کا انچارج ترکی میں ہے۔میری پہنچ سے بہت دور ہے۔''

میں نے کہا۔''ایسے لوگوں کی گردن تک میرا ہاتھ پہنچتا ہے۔''

''تو پھر اسے عبرتناک تماشہ بنادو۔میں تمہارے بینک اکاؤنٹ میں....''

وہ کہتے کہتے رک گیا۔پھر بولا۔''ارے ہاں۔تم نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا۔میری بیٹی کی جان بچائی اور معاوضہ نہیں لیا۔کیوں....؟''

''احسان کا مول کوئی دے نہیں سکتا۔اب جبکہ تم احسان مان رہے ہو تو یہ قرض تم پر رہے گا۔تم کبھی مجھ پر کوئی احسان کر کے قرض اتار دینا۔''

''ٹھیک ہے۔میں تم پر احسان کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ نکالوں گا۔راڈ مین سے دشمنی کرنے والوں کو سبق سکھاؤ۔تمہارے اکاؤنٹ میں منہ مانگی رقم پہنچ جائے گی۔''

''شائد آج رات اس پراسرار شخص سے نمٹنے کا موقع ملے گا۔اس کے بعد زونل انچارج ڈیسوزا سے نمٹا جائے گا۔''

میں نے فون بند کیا۔ٹیپو نے کہا۔''وہ پراسرار شخص کون ہو سکتا ہے؟تم نے فون پر اس کی آواز سنی۔اسے پہچان نہ سکے۔یعنی وہ ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے۔''

''اجنبی ہے تو مجھے دشمن کیوں سمجھ رہا ہے؟فون پر اپنے آلہ کار سے کہہ رہا تھا کہ میں نظر آجاؤں تو وہ دور ہی سے گولی مار کر مجھ سے نجات حاصل کر لے گا۔اس کا مطلب ہے' میں اس کے لئے مصیبت بنا ہوا ہوں۔جب کہ اسے جانتا نہیں ہوں۔''

''سامنا ہو گا تو شائد اسے پہچان لو گے۔''

میرے فون نے مخاطب کیا۔میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ادھر سے آواز آئی۔''میں راڈ مین بول رہا ہوں۔ابھی فادر نے بتایا ہے' ہماری میسونی تنظیم کے زونل انچارج نے مجھ پر حملہ کرایا ہے۔کیا تمہاری یہ انفارمیشن درست ہے؟''

''میں نے براہ راست اس سے فون پر بات کی تھی۔وہ تمہیں ٹھکانے لگانے کے لئے مجھے لاکھوں ڈالرز کی آفر دے رہا تھا۔یہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تمہارا دشمن کیوں بن گیا ہے؟''

''کیونکہ میں گاڈ فادر کا داماد بن کر میسونی تنظیم کی طاقت میں اضافہ کر سکوں گا اور یہ طے ہے کہ مجھے ڈیسوزا کی جگہ زونل انچارج بنایا جائے گا۔اسے تنظیم کی خدمات سے فارغ کر دیا جائے گا۔ایسا ہونے سے پہلے ہی وہ مجھے ختم کر دینا چاہتا ہے۔''

''یعنی تم یہودی صرف مسلمانوں کا ہی' نہیں اپنے یہودیوں کا بھی گلا کاٹتے ہو؟''

وہ غصے سے بولا۔''طعنے نہ دو۔دنیا کی ہر قوم میں ایک دوسرے کو کاٹنے والے کتے ہوتے ہیں۔''

''ناراض کیوں ہو رہے ہو؟پیمنٹ کی بات کرو۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔''کیسی پیمنٹ....؟''

''تم نے وعدہ کیا تھا' ہوٹل سے زندہ سلامت نکل آنے کے بعد مجھے دو لاکھ ڈالرز ادا کرو گے۔''

''تم فادر سے بہت بڑی رقم لو گے۔مجھ سے کیوں مانگ رہے ہو؟میں دونوں ہاتھوں سے لٹ جانے والا احمق نہیں ہوں۔''

میں نے کہا۔''میرے اور تمہارے درمیان جو معاملہ طے ہوا تھا' صرف اسے دھیان میں رکھو۔ہمارے درمیان گاڈ فادر کو نہ لاؤ۔صرف میری اور اپنی بات کرو۔میں اکاؤنٹ نمبر بتا رہا ہوں۔رقم جمع کرا دو۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔تم نے بہت بڑی رقم لے کر رائنا کو وہاں سے رہائی دلائی ہے۔اس کے ساتھ میں بھی نکل آیا ہوں۔تم نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔''

''یعنی زبان سے پھر رہے ہو؟ادائیگی سے انکار کر رہے ہو؟''

اس نے جواب دینے کے بجائے فون بند کر دیا۔میں نے اپنے خاموش فون کو دیکھ کر کہا۔''ٹیپو!یہ تو خدا بہتر جانتا ہے کہ رائنا سے ہمیں کس قدر دلی لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔''

وہ بولا۔''ہاں۔ابھی میں تصور میں رائنا اور رابعہ کو شانہ بشانہ دیکھ رہا تھا۔دونوں پوچھ رہی تھیں کہ بتاؤ ہم میں سے رابعہ کون ہے؟''

''وہ کم بخت ہماری رائنا کے قابل نہیں ہے۔''

ٹیپو نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔''لڑکی معصوم ہے۔اسے شادی سے پہلے راڈ مین کی اصلیت معلوم ہونی چاہئے۔''

میں نے کہا۔''اس کم بخت کو زبردست جھٹکا پہنچاؤ۔اسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کس طرح دن میں تارے دکھاتے ہیں؟''

''میں تو اس کے ہوش اڑا دوں گا۔مگر رائنا کو کیسے معلوم ہو گا کہ وہ جھوٹا اور فریبی ہے؟''

''رفتہ رفتہ معلوم ہو جائے گا۔ہم اپنی زبان سے اس کی برائی نہیں کریں گے۔''

ٹیپو ڈرائیو کر رہا تھا۔میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ایک بھائی کے دل و دماغ سے سوچ

رہا تھا۔ اپنی رابعہ کو دیکھنا چاہتا تھا تو رائنا نگاہوں کے سامنے آجاتی تھی۔ اس کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ راڈ مین کو دل و جان سے چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ جینے اور مرنے والی محبت کر رہی ہے۔

محبت جب دیوانگی میں بدلتی ہے تو عقل چلی جاتی ہے۔ دیوانوں کو لاکھ سمجھاؤ' ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ انہیں محبت میں فریب کھانا بھی اچھا لگتا ہے۔ ہم رائنا کو سمجھا نہیں سکتے تھے۔ مگر راڈ مین کے اچھے برے پہلوؤں کو پیش کر کے اسے کسی حد تک سوچنے سمجھنے پر مائل کر سکتے تھے۔

موبائل فون نے مخاطب کیا۔ میں نے نمبر پڑھ کر کہا۔ ''ڈریگن نائٹ کلب کا منیجر کال کر رہا ہے۔''

ٹیپو نے کہا۔ ''یقیناً وہ پراسرار شخص وہاں تک پہنچ رہا ہوگا۔''

میں نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''تھری ایس بول رہا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''سر! ایک شخص آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کیا آپ ہمارے کلب میں ہر رات آتے ہیں؟ کس وقت آتے ہیں؟ کیا تنہا رہتے ہیں؟ کلب میں کتنا وقت گزارتے ہیں؟''

میں نے پوچھا۔ ''تم نے کیا جوابات دیئے؟''

''مجھے جو کہنا چاہئے وہی کہہ دیا کہ یہاں آپ کے لئے ایک خاص کیبن ہے۔ اس کیبن میں ویٹر کے سوا کسی کو جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ آپ کیبن کے پچھلے دروازے سے کب آتے ہیں' کب جاتے ہیں؟ یہ صرف راجر نامی ویٹر جانتا ہے۔''

''ٹھیک ہے اور تم نے کیا کہا ہے؟''

''یہ کہ آپ اس شہر میں جب تک رہتے ہیں۔ ہفتے کی رات کلب ضرور آتے ہیں اور آج ہفتے کی رات ہے۔''

''تم نے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا؟ وہ کون ہے؟''

''پوچھا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کا ایک بزنس پارٹنر ہے۔ آج رات اچانک کلب میں آ کر آپ کو سرپرائز دے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ مچھلی خود ہی کانٹے پر منہ مارنے آ رہی تھی۔ میرے متعلق کہا جاتا ہے کہ میں ایک باکمال بہروپیا ہوں۔ اپنا چہرہ اور حلیہ ایسی مہارت سے بدلتا ہوں کہ

مجھے دن رات دیکھنے والے بھی نئے بہروپ میں پہچان نہیں پاتے۔ ایسے کیمرے جو میک اپ کے پیچھے چھپے ہوئے اصلی چہروں کی تصویریں اتار لیتے ہیں۔ وہ کیمرے بھی میرا اصل چہرہ ڈھونڈ نہیں پاتے۔ یہ یقین کرنے کی بات نہیں ہے۔ مگر میں ایسی چال چلتا ہوں کہ ان کیمروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتا۔

دراصل بیس جانثار ایسے ہیں جو میری طرح قد آور ہیں اور میرے جیسی جسامت رکھتے ہیں۔ میری ہی آواز اور لہجے میں بولتے ہیں۔ ہم سب نے دو چار مخصوص عادتیں اپنا لی ہیں۔ جب ہم میں سے کوئی عادتاً ویسی ہی حرکت کرتا ہے تو دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہی شہزادہ سلمان سعدی ہے۔ میرے یہ جانثار جس ملک' جس علاقے میں رہتے ہیں۔ وہاں خود کو تھری ایس کی حیثیت سے ایکٹ کرتے ہیں۔

یوں دشمن حیران ہوتے ہیں۔ میرا بہروپ بھرنے والے عادتاً بھی اور لب و لہجے سے بھی تھری ایس لگتے ہیں۔ لیکن کیمرہ ان کی اصل تصویر کیوں نہیں اتار پاتا؟

مخالفین کے لئے دوسری حیرانی کی بات یہ تھی کہ ایک ملک میں تھری ایس کو دیکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی وقت کہیں سے اطلاع ملتی ہے کہ وہی تھری ایس دوسرے ملک میں بھی موجود ہے۔ یوں میرے متعلق طرح طرح کی رائے قائم کی جاتی ہیں۔ مگر میرے بہروپ کے متعلق کوئی یقین سے سمجھ نہیں پاتا کہ میں کیسی ہیرا پھیری کیا کرتا ہوں؟

ڈریگن نائٹ کلب کا ویٹر راجر میرا خاص خدمتگار تھا۔ میں نے اسے فون پر سمجھا دیا تھا کہ وہاں اسے کرنا کیا ہے؟ کلب کا تمام عملہ مستقل ممبران کو اور عارضی ممبران کو اچھی طرح پہچانتا تھا' اس رات انہوں نے نئے آنے والوں پر نظر رکھی تھی۔

ہم بھی وہیں تھے۔ ہمیں فون کے ذریعے بتایا جا رہا تھا کہ وہاں چار افراد مختلف میزوں پر مختلف عورتوں کے ساتھ ہیں۔ وہ سب عورتوں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ لیکن ان کی نظریں اس کیبن پر ہیں۔ جو میرے لئے ریزرو رہتا ہے۔

کیبن میں ابھی تاریکی تھی۔ باقی دوسرے روشن اور آباد تھے۔ وہ چاروں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ تقریباً دس بجے وہ کیبن روشن ہو گیا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ تن کر بیٹھ گئے۔ دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اشارے کرنے لگے۔

ان چاروں میں ایک شخص خوش پوش عمر رسیدہ اور بہت ہی اسمارٹ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک اندازہ تھا کہ وہی ہمارا مطلوبہ پراسرار شخص ہوگا۔

میں اس شخص کے پیچھے ایک حسینہ کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا تھا۔وہ چاروں دیکھ رہے تھے۔راجر ایک ٹرے میں سافٹ ڈرنک لے کر کیبن کے اندر گیا تھا۔پھر خالی ٹرے لے کر باہر آ گیا تھا۔یہ یقین ہو گیا کہ میں اس کیبن کے اندر بیٹھ کر کولڈ ڈرنک سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔

میں نے اپنے فون کو وائبریشن پر رکھا تھا۔ہلکی سی سرسراہٹ محسوس ہوتے ہی میں نے فوراً وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے فون نکال کر نمبر پڑھے۔وہ اسی پراسرار شخص کے نمبر تھے۔میں نے اسے بار کاؤنٹر کے پاس آ کر کان سے لگا کر پوچھا۔"ہیلو.....کون.....؟"

وہی کرخت سی آواز سنائی دی۔"تم مجھے جانتے ہو مگر آواز سے پہچان نہیں سکو گے۔تمہارے بچپن کا ساتھی ہوں۔دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

میں نے کہا۔"ایسی بات ہے تو میں تم سے ملنا اور تمہیں دیکھنا چاہوں گا۔"

"میں ابھی آ سکتا ہوں۔تم کہاں ہو؟"

میں نے دور اس عمر رسیدہ اسمارٹ شخص کو دیکھا۔وہ اپنا فون کان سے لگائے بول رہا تھا۔میں نے کہا۔"ابھی میں ڈریگن نائٹ کلب کے ایک کیبن میں ہوں۔ایک حسین دوشیزہ آنے والی ہے۔اس سے پہلے آ جاؤ۔تم سے مل کر خوشی ہو گی۔"

"او کے...ابھی آ رہا ہوں۔"

اس نے فون بند کیا۔میں کاؤنٹر کے پاس سے چلتا ہوا واپس آ کر اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔وہ کسی کو اشارے سے کچھ کہہ رہا تھا۔میں نے اور میرے جانثاروں نے دیکھا' دور ایک میز سے ایک شخص اٹھ کر کیبن کی طرف جا رہا تھا۔

وہ دروازے کے پاس پہنچ کر رک گیا۔اس کا ایک ہاتھ اوور کوٹ کی جیب میں تھا۔اس نے دوسرے ہاتھ سے ہینڈل کو تھام کر ذرا سا دباؤ ڈالا دروازہ تھوڑا سا کھل گیا۔کسی کی جھلک نظر نہیں آئی۔اس نے پوری طرح اسے کھول کر دیکھا۔کیبن میرے وجود سے خالی تھا۔

وہ خطرہ محسوس کرتے ہی پلٹ کر جانا چاہتا تھا۔اسی وقت ٹیپو کی ایک لات پڑی۔وہ لڑکھڑاتا ہوا کیبن میں چلا گیا۔ٹیپو نے اندر سے دروازے کو بند کر لیا۔میرے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے سمجھ لیا کہ دھوکہ ہو رہا ہے۔وہ فوراً ہی اٹھ کر جانا چاہتا تھا۔میں نے سخت لہجے میں کہا۔"بیٹھے رہو۔ورنہ گولی چل جائے گی۔"

اس نے چونک کر سر گھماتے ہوئے مجھے دیکھا۔میرے ریوالور نے سمجھا دیا کہ شکاری بن کر آنے والا خود شکار ہو رہا ہے۔اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔"کون ہو تم...؟"

"کوئی سوال نہ کرو۔صرف میرے سوالوں کے جواب دو۔بتاؤ تھری ایس سے کیا دشمنی ہے؟"

وہ بڑی مایوسی سے دیکھ رہا تھا۔اس کے دوسرے ساتھی میرے جانثاروں کی گرفت میں تھے۔وہاں سے باہر جا رہے تھے۔اس نے کہا۔"تھری ایس سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔میں نے آج تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے۔"

"صورت نہیں دیکھی' کوئی دشمنی نہیں ہے۔پھر بھی موت کا کھیل کھیلنے چلے آئے؟ یہاں دیکھ رہے ہو' سب ہی ناچنے گانے' ہنسنے بولنے میں مصروف ہیں۔کوئی نہیں جانتا کہ یہاں تمہاری موت بھی رقص کرنے والی ہے۔کیا میں ان لوگوں کو رقص دکھاؤں؟"

اس نے سہم کر میرے ریوالور کو دیکھا۔میں نے کہا"میں فوراً ہی جان سے نہیں مارتا۔ادھر ادھر سے زخمی کرتا ہوں۔یوں میرے دشمن تڑپ تڑپ کر موت کا ذائقہ چکھتے رہتے ہیں۔"

وہ بولا۔"میں سچ کہہ رہا ہوں' تھری ایس سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔البتہ اس کے جو دشمن ہیں۔ان کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"ان دشمنوں کے بارے میں بتاؤ؟"

"یقین کرو' میں نے آج تک ان کو نہیں دیکھا۔ان کے نام کیا ہیں؟ وہ کہاں رہتے ہیں؟ مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا۔"

"پھر وہ تم سے کس طرح کام لیا کرتے ہیں؟"

"کسی بھی بڑی شخصیت کو قتل کرانا ہو تو مجھے ضرور کال کرتے ہیں۔"

ٹیپو آ گیا تھا۔اس کی باتیں سن رہا تھا۔اس نے کہا۔"اس کے ساتھی بھی یہی کہہ رہے ہیں۔یہ لوگ ایسی پراسرار تنظیم کے لئے کام کر رہے ہیں' جن کے آلہ کار معاوضے کے لالچ میں اندھوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ان کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری نہیں ہے کہ اسرار کے پردے میں رہ کر کام کرانے والے کون لوگ ہیں؟"

یعنی کھودا پہاڑ نکلا چوہا.....اصل دشمن نظروں میں آنے والے نہیں تھے۔میں نے ٹیپو سے کہا۔"اسے یہاں سے لے جاؤ۔ایک ٹانگ سے اپاہج بنا کر چھوڑ دو۔اگر یہ ایک ہفتے کے اندر اپنے پراسرار آقاؤں کے نام پتے اور ٹھکانے معلوم نہیں کر سکے گا تو اسے دوسری ٹانگ سے بھی اپاہج بنا دیا جائے گا۔جب ایک ماہ کے اندر اُن کے متعلق درست اور ٹھوس انفارمیشن نہیں دے گا تو سیدھا جہنم میں پہنچا دیا جائے گا۔"

میرے جاںنثار اسے پکڑ کر وہاں سے باہر لے گئے۔ ٹیپو نے اس کے ایک گھٹنے پر گولی ماری وہ اچھلتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ اس نے مزید اسی جگہ دو چار گولیاں چلائیں۔ گھٹنے کی ہڈیوں کا برادہ بنا کر میرے پاس آگیا۔

میں نے کہا۔ ''ابھی میں کچھ عرصے تک یہاں رہوں گا۔ تم استنبول چلے جاؤ۔ وہاں زونل انچارج ڈیسوزا کو ہلاک نہیں کرنا ہے۔ فی الحال اسے اپنے دباؤ میں رکھا جائے گا۔ تاکہ وہ راڈ مین کے لئے اور راڈ مین اُس کے لئے مصیبت بنا رہے۔''

اس نے کہا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم اس ملک میں کیوں رہنا چاہتے ہو؟ ہماری رابعہ کی فکر ہے تمہیں...''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''وہ نادان ہے۔ راڈ مین سے شادی ضرور کرے گی۔ میں اس کی خوشی میں خوش رہوں گا۔ لیکن راڈ مین کا قبلہ درست کروں گا۔ اگر وہ کبھی اس کا دل دکھائے گا تو اسے الٹا لٹکا دوں گا۔''

یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ جھوٹا ہے۔ وعدہ کر کے مکر جاتا ہے۔ میرے جاں نثاروں نے مختلف ممالک میں ایسا سیٹ اپ قائم کیا تھا۔ جہاں سے تمام بدنام زمانہ سیاستدانوں اور مجرموں کے متعلق تازہ ترین اہم انفارمیشن ملتی رہتی تھی۔

معلوم ہوا کہ میسونی تنظیم کی ایک اسائنمنٹ کے مطابق راڈ مین لاکھوں ڈالرز کا اسلحہ کردستان پہنچانے والا تھا۔ یہ بھی خبر ملی کہ وہ خود وہاں نہیں جائے گا۔ اس کے تربیت یافتہ کارندے تمام مال وہاں پہنچائیں گے۔

ٹیپو ہمارے جاں نثاروں کے ساتھ انقرہ پہنچ گیا۔ اُدھر شمال مشرقی سرحد سے اسلحہ اسمگل کیا جا رہا تھا۔ انہوں نے راڈ مین کے آدمیوں کو کردستان کی سرحد کے قریب گھیر لیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ منزل کے قریب پہنچ کر یوں ہر طرف سے فائرنگ کی زد میں آجائیں گے۔

اُن کی مجبوری یہ تھی کہ اسلحہ سے لدی ہوئی گاڑیوں میں بارودی سامان تھا۔ کاؤنٹر فائرنگ کے نتیجے میں تمام گاڑیاں دھماکوں سے اڑ جاتیں۔ انہیں مقابلے کے لئے وہاں سے دور بھاگنا پڑا۔ اس طرح وہ تتر بتر ہو گئے۔ منظم رہ کر مقابلہ نہ کر سکے۔ ایک ایک کر کے مارے گئے۔ کچھ جان بچا کر فرار ہو گئے۔

ٹیپو نے کرد لیڈر سے رابطہ کیا پھر کہا۔ ''پارٹی بدل گئی ہے۔ مال ہمارے قبضے میں ہے۔ بولو! سودا کرو گے یا گاڑیاں واپس لے جائیں؟''

کرد باغیوں کو اسلحے کی سخت ضرورت تھی۔ لیڈر نے کہا۔ ''اُن سے اسی لاکھ ڈالرز میں معاملہ طے ہوا تھا۔ تمہیں منظور ہے تو بنک کا نام اور اکاؤنٹ نمبر بتاؤ؟''

ٹیپو نے کہا۔ ''ہمارا کوئی بنک اکاؤنٹ نہیں ہے۔ کیش پے منٹ کرو اور مال لے جاؤ۔''

دوسرے روز ٹیپو نے مجھے فون پر بتایا کہ کام ہو گیا ہے۔ دو لاکھ کی ادائیگی نہ کرنے والے کو اسی لاکھ کا دھچکا پہنچا دیا گیا ہے۔

میں نے فون پر راڈ مین سے کہا۔ ''اگر ایک دماغی جھٹکا کھانا چاہتے ہو تو معلوم کرو کہ تمہارا اسمگل کیا ہوا اسلحہ کرد باغیوں تک کس نے پہنچایا ہے؟''

اُس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''تم ہمارے اتنے اہم خفیہ معاملے کو کیسے جانتے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''سوال نہ کرو۔ جواب تمہیں خود ہی ملنے والا ہے۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ جب اس نے معلومات حاصل کیں تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ غصے سے فون پر دھاڑتے ہوئے بولا۔ ''میرے مال کا سودا ضرور تم نے کیا ہے۔ تم ان سے اسی لاکھ ڈالرز لے گئے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''حلق پھاڑ کر چیختے رہو گے اور کچھ نہیں کر سکو گے۔ تم لوگ طاقت کے نشے میں دوسروں کو کمزور کیوں سمجھتے ہو؟ میں کمزور ہوتا تو میرے دو لاکھ مارے جاتے۔ میں نے شہزوری دکھائی، تمہارے دو لاکھ کی جگہ اسی لاکھ مارے گئے۔''

''تم اتنی بڑی رقم نہیں لو گے۔ میں دو لاکھ دینے کو تیار ہوں۔''

''لین دین کا وقت گزر چکا ہے۔ چھیننے جھپٹنے کی واردات بھی ہو چکی ہے۔ میں نے ادائیگی کا مطالبہ کیا تھا تو تم نے فون بند کر دیا تھا۔ یہی میں کر رہا ہوں۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے کئی بار مجھے کال کی اور ناکام ہوتا رہا، پھر اس نے گاڈ فادر کے پاس آ کر کہا۔ ''تھری ایس نے مجھے زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ میرے اسی لاکھ ڈالرز لے گیا ہے۔''

فادر نے پوچھا۔ ''وہ خواہ مخواہ تمہیں نقصان کیوں پہنچائے گا؟ معاملہ کیا ہے؟''

''وہ مجھ سے دو لاکھ ڈالرز کا مطالبہ کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ اس نے ہوٹل سے مجھے صحیح سلامت نکالا ہے۔ اس کے عوض رقم ادا کرنی ہوگی۔''

فادر نے کہا۔ ''وہ معاملات طے کئے بغیر کبھی رقم کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا اس سلسلے میں تم سے معاملات طے ہوئے تھے؟''

"نہیں۔آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ ہم یہودیوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔"

گاڈ فادر نے کہا۔"میں تم سے زیادہ اسے جانتا ہوں۔ وہ زبان کا دھنی ہے اور اصولوں کا پابند ہے۔وہ ایک چنگاری کی طرح دھیما دھیما سا رہتا ہے۔جب بھڑکایا جاتا ہے تو شعلہ بن کر بھڑکانے والوں کو راکھ کر دیتا ہے۔"

رائنا نے اس سے کہا۔"جب ہم ہوٹل کے کمرے میں تھے تو تم نے تھری ایس سے فون پر باتیں کی تھیں۔اس سے کہا تھا کہ ابھی اتنی بڑی رقم تمہارے پاس نہیں ہے۔تم نے بعد میں ادائیگی کا وعدہ کیا تھا۔"

گاڈ فادر نے اسے گھور کر کہا۔"کیا میری بیٹی جھوٹ کہہ رہی ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔"ہاں۔مگر۔میں بعد میں ادائیگی کرنے والا تھا۔"

"ابھی تم نے کہا ہے'اس سے کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تھا؟"

وہ اٹکتے ہوئے بولا۔"ہاں....وہ بات یہ ہے کہ میں نے سوچا' جب وہ میری اور رائنا کی رہائی کے سلسلے میں آپ سے ایک بڑی رقم لے چکا ہے تو........"

گاڈ فادر نے ڈپٹ کر کہا۔"یو شٹ اپ...اس نے ایک تنکا بھی مجھ سے نہیں لیا ہے۔میں حیران ہوں۔میرا دل اور میرا تجربہ کہتا ہے'وہ میری بیٹی سے متاثر ہے۔"

رائنا نے اور راڈ مین نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ بولا۔"تھری ایس میرا ہم عمر ہے۔مجھے یقین ہے'وہ میری بیٹی کو ایک باپ کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔لین دین کے وقت کبھی کسی سے رعایت نہیں برتتا۔میں پہلی بار اسے رائنا کے معاملے اپنا اصول بدلتے دیکھ رہا ہوں۔"

رائنا نے راڈ مین سے کہا۔"مجھے تمہارے رویے سے تکلیف پہنچ رہی ہے۔جس نے مجھ پر احسان کیا ہے۔تم نے اسی سے وعدہ خلافی کی۔مجھے شرم آ رہی ہے۔"

"سوری رائنا!مجھ سے غلطی ہوگئی۔میں تھری ایس کو بھی سوری کہنا چاہتا ہوں۔مگر وہ میرا نمبر پڑھتے ہی رابطہ ختم کر دیتا ہے۔"

فادر نے کہا۔"میں کہہ چکا ہوں' وہ اصولوں کے معاملے میں چٹان ہے۔تم نے ادائیگی سے انکار کیا اور اس نے بھاری جرمانے کے ساتھ رقم وصول کر لی۔"

وہ بولا۔"تھری ایس سے آپ کے بہت اچھے تعلقات ہیں۔آپ صلح صفائی کے ذریعے میرے اسی لاکھ واپس دلوا سکتے ہیں۔"

"میں اس کے ساتھ لین دین میں کھرا رہتا ہوں۔اسی لئے اچھے تعلقات ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میری سفارش کرنے سے وہ اتنی بڑی رقم واپس کر دے گا۔پھر میں کس منہ سے سفارش کروں؟اس نے مجھ سے معاوضہ نہیں لیا ہے۔مجھ پر احسان کیا ہے۔میں اس سے کچھ نہیں کہہ پاؤں گا۔"

"آپ سفارش نہ کریں۔کیا اس سے لین دین میں سمجھوتہ کرنے اور رقم واپس لینے کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی؟"

"اس کے پاس جو رقم جاتی ہے تو وہ اندھے کنوئیں میں پہنچ جاتی ہے۔کوئی اسے وہاں سے نکال کر نہیں لا سکتا۔مجھے افسوس ہے'میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

وہ شکست خوردہ سا ہو کر بیٹھ گیا۔سر پکڑ کر بولا۔"میں اتنا بڑا نقصان برداشت نہیں کر سکوں گا۔مجھے شاک پہنچ رہا ہے۔میں کیا کروں؟"

رائنا نے اسے بڑی محبت اور ہمدردی سے دیکھا۔پھر اس کے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔"تمہیں جھوٹ بولنے اور زبان سے پھرنے کی بہت بڑی سزا مل رہی ہے۔میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتی۔میرا دل دکھ رہا ہے۔میں کوشش کرتی ہوں۔شائد کسی طرح بات بن جائے۔مجھے تھری ایس کا فون نمبر بتاؤ؟"

راڈ مین نے نمبر بتائے۔وہ انہیں سیو کر کے وہاں سے اٹھ گئی۔ان دونوں سے دور اپنے کمرے میں آ گئی۔پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر اس نے رابطہ کیا۔میں نے اپنے فون کو دیکھا۔وہ میرے لئے نیا نمبر تھا۔میں نے اسے کان سے لگا کر پوچھا۔"ہیلو...کون....؟"

اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔"میں بول رہی ہوں۔"

اس نے نام نہیں بتایا۔مگر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔میں نے بے اختیار کہا۔"را...را..."

پھر فوراً ہی سنبھل کر کہا۔"رائنا...!یہ تم ہو....؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔"آپ نے ایک ہی بار میری آواز سنی ہے۔آپ فون پر سینکڑوں آوازیں سنتے ہوں گے۔اس کے باوجود میری آواز اور لہجے کو یاد رکھا ہے؟"

"ہاں۔تم ایک ننھی منی سی سوئیٹ بے بی ہو۔میرے دل میں بس گئی ہو۔"

"ایک بات بتائیں گے؟"

"ہاں پوچھو....؟"

"یہ رابعہ کون ہے....؟"

میں نے تعجب سے پوچھا۔"تم یہ نام کیسے جانتی ہو؟"

"آپ بھول رہے ہیں۔آپ نے ہوٹل میں مجھے۔بے اختیار رابعہ کہا تھا۔"

اس کی میٹھی گنگناتی ہوئی آواز مجھے مسحور کر رہی تھی۔لیکن وہ میری رابعہ نہیں تھی۔میں نے کہا۔"رابعہ میری بہن تھی۔اب سے پچیس برس پہلے وہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔وہ بالکل تمہاری ہم شکل تھی۔اسی لئے میں نے بے اختیار تمہیں رابعہ کہا تھا۔"

وہ بولی۔"ایسے وقت افسوس کرتے ہیں۔مرنے والوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔مگر میں خوشی کا اظہار کروں گی۔کیونکہ موت ایک بہن کو نہ مار سکی۔وہ واپس آگئی ہے....آگئی ہے ناں؟"

میں نے خوش ہو کر کہا۔"ہاں۔ایسا لگ رہا ہے' میری گمشدہ بہن مجھے مل رہی ہے۔"

"یہ تب ملے گی' جب آپ یہاں آئیں گے اور آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ڈیڈی بھی بہت خوش ہوں گے۔"

میں بھی اس سے ملنا چاہتا تھا۔پھر ایک بار اسے سر سے پاؤں تک دیکھنا چاہتا تھا۔پھر ایک بار نگاہوں کے ذریعے اسے دل میں اتار لینا چاہتا تھا۔میں نے کہا۔"میں ضرور آؤں گا۔"

"او آئی ایم سو ہیپی۔میں انتظار کروں گی۔او کے سو فار....."

وہ اپنے فون کو دیکھنے لگی۔سوچنے لگی۔"اوہ گاڈ! یہ کیا ہو گیا؟"

وہ فون کو انگلیوں سے سہلانے لگی۔سوچنے لگی۔"میں اس حد تک سمجھ رہی تھی کہ تھری ایس مجھ سے متاثر ہے اور میرے لئے پاکیزہ جذبات رکھتا ہے۔یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ فولاد کہلانے والا اندر سے دکھی ہوگا اور مجھ میں اپنی مرحوم بہن کو پا رہا ہوگا۔"

اس نے فون کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ کر سوچا۔"میں نے تو کسی اور ہی ارادے سے فون کیا تھا۔مجھے امید تھی کہ اسے راڈ مین کے حق میں راضی کرلوں گی۔شائد وہ اسی لاکھ ڈالرز واپس کر دے گا۔میرے راوڈی کو شاک نہیں پہنچے گا۔"

وہ اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگی۔"اور اب تو اسی لاکھ کیا ہیں؟ میں ایک بہن کی زبان سے جان مانگوں گی تو وہ جان پر کھیل جائے گا۔مگر....."

وہ صوفے کی طرف پلٹ گئی۔دل ہی دل میں کہنے لگی۔"مگر یہ تھری ایس....اس کا پورا نام کیا ہے؟"

اسے یاد آیا۔"ہاں۔شہزادہ سلمان سعدی...."

وہ خلا میں تکنے لگی۔تصور میں مجھے دیکھنے لگی۔اس کا دل کہہ رہا تھا۔"پتہ نہیں کیوں یہ اچھے لگتے ہیں؟ میں بے اختیار ایک قدرتی کشش محسوس کر رہی ہوں اور یہ قدرت کا کیا تماشہ ہے کہ میں ان کی رابعہ جیسی ہوں اور یہ عجیب بات ہے کہ اب تک میرا کوئی بھائی نہیں تھا۔آج پیدا ہو گیا ہے۔آج میری بھی ایک بہت بڑی کمی پوری ہو رہی ہے۔"

میں جیسے اس کی نگاہوں کے سامنے آگیا تھا اور وہ اپنے اندر کہہ رہی تھی۔"یہ میرے برادر ہیں...اوہ گاڈ! میں انہیں برادر کہوں گی۔جبکہ آج تک کسی کو نہیں کہا..."

وہ مقدس جذبوں سے نہال ہو رہی تھی۔فون کو سینے سے لگا کر اسے دھڑکتے ہوئے دل پر رکھ کر سوچ رہی تھی۔"میں بھائی سے ایسی کوئی بات نہیں کہوں گی' جس سے خود غرضی اور مطلب پرستی ظاہر ہو۔میری زندگی میں جو کمی ہے' ان سے صرف وہی مانگوں گی۔مجھے صرف اور صرف بھائی چاہئے...بھائی کے سوا کچھ نہیں مانگوں گی۔"

وہ اس کمرے سے نکل کر باپ اور محبوب کے درمیان آگئی۔راڈ مین نے بے چینی سے پوچھا۔"کیا اس سے بات ہوگئی؟"

رائنا نے اسے ہمدردی سے دیکھا پھر باپ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔"ڈیڈ! آپ لوگ اسے فولاد کہتے ہیں؟"

"یس مائی چائلڈ! وہ ایک گوشت پوست کا انسان ہے۔مگر ناقابل شکست ہے۔"

"مگر میں نے اسے شکستہ پایا ہے۔"

فادر نے حیرانی سے پوچھا۔"کیا کہہ رہی ہو؟"

"اس کی بہن کا نام رابعہ تھا اور میرا نام رائنا ہے۔کیسا ملتا جلتا نام ہے؟"

وہ پہلو بدل کر باپ کی طرف گھوم کر بولی۔"صرف اتنا ہی نہیں' وہ میری ہم شکل تھی۔بالکل میرے جیسی....انہوں نے جب سے مجھے دیکھا ہے' تب سے بہن کا زخم تازہ ہو گیا ہے۔"

وہ باپ کا ہاتھ تھام کر بولی۔"ڈیڈ! وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔وہ بہت دکھی ہیں۔ان کے دکھوں کی دوا میں ہی کر سکتی ہوں۔"

باپ نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔"میری بیٹی کے سینے میں ایک دردمند دل ہے۔کیا تم نے ایسی کوئی بات اس سے کی ہے؟"

"ہاں کی ہے۔آپ نے مجھے کوئی بھائی نہیں دیا۔وہ مجھے قدرت کی طرف سے مل

رہے ہیں۔ میں نے انہیں برادر کہا ہے۔ انہیں آج رات کھانے پر بلایا ہے۔"

فادر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور اس نے انکار کیا ہوگا؟ وہ بہت محتاط رہتا ہے۔ آستین کے سانپوں سے اور خاص طور پر دوستوں سے بہت زیادہ ہوشیار رہتا ہے۔ اس نے آج تک کبھی کسی کے گھر کا کھانا نہیں کھایا۔"

"آج آئیں گے اور ہمارے ساتھ کھائیں گے۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا واقعی....؟"

"آئی ایم شیور ڈیڈ...! وہ بھائی کی زبان سے جھوٹا وعدہ نہیں کریں گے۔"

راڈ مین نے خوش ہو کر اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم نے تو کمال کر دیا رائنا! یوں سمجھو شیر مارا ہے۔ فولاد کو موڑ کر رکھ دیا ہے۔ تم نے یقیناً میرے سلسلے میں بات کی ہوگی؟"

وہ باپ کے پاس سے اٹھ کر بولی۔ "سوری۔ میں نے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں کی ہے۔ ایک بہن اور بھائی کے درمیان جو باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ باتیں وہ جذبے کبھی ختم ہونے والے نہیں تھے۔ ایسے وقت کوئی اور بات کہنے کی گنجائش نکل ہی نہیں سکتی تھی۔"

وہ ذرا مایوس ہوا پھر بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ رات کو کھانے پر اس سے سمجھوتہ کرا دینا۔ وہ تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔"

"سوری راؤڈی! اگر میں سفارش کروں گی تو وہ فوراً مان جائیں گے۔ مگر دل میں ایک ذرا سا میل آ سکتا ہے کہ میں نے تمہاری تمام رقم حاصل کرنے کے لئے انہیں بھائی بنایا ہے۔"

"وہ ایسا سوچے گا تو سوچنے دو۔ یہ دیکھو کہ تم مجھے کتنے بڑے نقصان سے اور صدمے سے بچا لوگی۔"

وہ بولی۔ "پھر ایک بار سوری۔ ہوس کے بازار میں کسی جوان لڑکی کو کوئی بہن نہیں بناتا۔ میرے ایک بھائی نے رشتے کی پاکیزگی مجھے دی ہے۔ میں اس بھائی کے سامنے رائنا بن کر نہیں، ہمیشہ رابعہ بن کر رہوں گی اور رابعہ اپنے بھائی سے کبھی اس کے اصولوں کے خلاف نہیں بولے گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گاڈ فادر سے بولا۔ "آپ اسے سمجھائیں۔ یہ کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہے؟"

فادر نے کہا۔ "یہ سیدھی اور سچی باتیں کہہ رہی ہے۔ ہماری جرائم کی دنیا میں جھوٹ

اور فریب کا بازار گرم رہتا ہے۔ میری بیٹی کو اس بازار سے دور رہنے دو۔ پاکیزہ رشتے کو سچائی سے نباہنے دو۔ تھری ایس سے میرے ہمیشہ اچھے تعلقات رہے ہیں۔ آئندہ رائنا کے ذریعے ہمارے درمیان سگے رشتے داروں جیسا اعتماد قائم رہے گا۔"

وہ بولا۔ "رائنا میرے لئے بھی اس کے دل میں اعتماد پیدا کر سکتی ہے۔"

"غلط کہہ رہے ہو۔ اعتماد اپنے بہترین عمل سے پیدا کیا جاتا ہے۔ تم عارضی طور پر اپنا نقصان برداشت کرو اور اس سے دوستی کرو۔ اگر وہ دوست بن جائے گا تو آج کے نقصان سے زیادہ کل تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔"

راڈ مین نے ایسے سر جھکا لیا' جیسے ان کی باتوں سے قائل ہو رہا ہو۔ مگر اندر ہی اندر جھنجھلا رہا تھا۔ ہونے والے سسر سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے خود کو سمجھایا۔ "رائنا وقتی طور پر ایک جذباتی بہن بن گئی ہے۔ میں رفتہ رفتہ اسے سمجھاؤں گا۔ محبت سے قائل کروں گا تو یہ تھری ایس سے میرے حق میں ضرور بولے گی۔ میری ڈوبی ہوئی رقم ضرور مجھے واپس دلوائے گی۔"

رات کے آٹھ بجے میں گاڈ فادر کے عالیشان محل میں پہنچا۔ برنارڈ بنجامن نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ اس کے مسلح گارڈز دو قطاروں میں کھڑے ہوئے تھے۔ میری کار ان کے درمیان سے گزرنے لگی تو انہوں نے نوے ڈگری پر فائرنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے سلامی پیش کی۔ تقریباً پچاس فائر کئے۔ آس پاس کی فضا گولیوں کی تڑاتڑ سے گونجتی رہی۔

اس کا محل اندر اور باہر رنگا رنگ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ میں خوبصورت فواروں کے قریب کار سے باہر آیا تو فادر نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں دل کی گہرائیوں سے تمہیں خوش آمدید کہہ رہا ہوں۔ اس وقت سیاست اور جرائم کی پوری دنیا میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ تم پہلی بار یوں کھلم کھلا کسی کے گھر آئے ہو۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور کسی کو یقین نہیں ہو رہا ہوگا؟"

"سچ پوچھو تو مجھے بھی یقین نہیں ہو رہا ہے۔ ہم سب کی عقل اور سابقہ تجربات کہہ رہے ہیں کہ اس وقت تھری ایس کی ڈمی میرے گھر آئی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے' میں یہ شبہ دور نہیں کر سکوں گا۔ ہو سکتا ہے' مہمان نوازی کے دوران میری گفتگو سے' میرے دوستانہ رویے سے تمہیں یقین ہو جائے۔"

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا محل میں داخل ہوا۔ بڑا ہی شاہانہ انداز تھا۔ دھیمے سروں میں موسیقی ابھر رہی تھی۔ خوبصورت ملبوسات میں کتنی ہی کنیزیں رقص کر رہی تھیں۔ جگہ جگہ مسلح

گارڈز الرٹ کھڑے ہوئے تھے۔ ہم محل کے اس حصے سے نکل کر ایک وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

فادر کے پرسنل سیکرٹری اور کئی معتمد خاص متواتر فون کالیں موصول کر رہے تھے۔ بڑے بڑے ممالک کے اکابرین اور خفیہ تنظیموں کے سربراہ فون اور فیکس وغیرہ کے ذریعے پوچھ رہے تھے۔ ''کیا گاڈ فادر برنارڈ بنجامن واقعی اصل تھری ایس کی میزبانی کر رہا ہے؟''

یہ بھی کہا جا رہا تھا۔ ''یقیناً خفیہ طور سے اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے تھری ایس کی تصویریں اتاری جا رہی ہوں گی۔ کیا وہ ڈمی تھری ایس ثابت ہو رہا ہے؟''

میں تو صرف ایک بہن سے ملنے آیا تھا اور یوں لگ رہا تھا' جیسے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک زلزلہ آ گیا ہے۔

میں ان سب سے بے نیاز تھا۔ اپنی رابعہ سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس ڈرائنگ روم کی لائٹس ایک ایک کر کے بجھنے لگیں۔ برنارڈ نے مسکرا کر کہا۔ ''میری بیٹی تمہیں ایک زبردست سرپرائز دے رہی ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ابھی تمہارے سامنے کیسا چونکا دینے والا نظارہ ہو گا؟''

بے شک... آنے والے لمحات میں کیا ہونے والا تھا؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ ہو سکتا ہے' مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے بڑا ہی ڈرامائی انداز اختیار کیا جا رہا ہو۔ میں ایک بہن کے پیار میں پاگل ہو کر زندگی میں پہلی بار یوں کھل کر خطرات سے کھیلنے چلا آیا تھا۔

ویسے اطمینان تھا کہ خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ فادر میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ میرے سر سے پانی گزرے گا تو میں اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبوں گا۔ وہ ایسی کوئی حماقت کرنے والا نہیں تھا۔ پھر راڈ مین نے بھی وہاں آ کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔ یوں یقین ہو گیا کہ وہاں ہم تینوں کے لئے سلامتی ہے۔

اس وقت ڈرائنگ روم میں بہت دھیمی سی روشنی تھی۔ اس نیم تاریکی میں سب ہی سایہ سایہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ تب میں نے رائنا کو دیکھا۔ پہلے اسے پہچان نہ پایا کیونکہ اس کا وجود ایک سائے کی طرح تھا۔

اور وہ چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ اس کی آواز سنائی دی۔ ''بھائی..... یہ میں ہوں۔''

پھر ایک قدم آگے بڑھ کر بولی۔ ''بھائی...! رابعہ آپ کو کیا کہتی تھی؟''

میں نے مسکراتے ہوئے سایہ سایہ سی رائنا کو دیکھا پھر کہا۔ ''بھائی جان.....''

''آپ میرے بھائی جان ہیں.... بھائی جان...! بھائی جان....!''

اس کے دھیمے سے انداز تخاطب میں ایسی رس بھری محبت اور ایسا ترنم تھا کہ میں پچیس برس پیچھے اپنی رابعہ کے پاس پہنچ گیا۔ اسے چشم تصور سے دیکھنے لگا۔

ایسے وقت ایک لائٹ آن ہوئی۔ روشنی میں کچھ اضافہ ہوا۔ وہ ایک ریشمی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''اپنے بھائی جان سے کیوں چھپ رہی ہو؟''

اس نے کہا۔ ''میرے دل میں ایک آرزو تھی کہ میرا کوئی بھائی ہوتا۔ میں اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی اور آج یہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''ہاں۔ میں بارہ برس کا تھا اور رابعہ پانچ برس کی تھی۔ تب وہ مجھ سے آنکھ مچولی کھیلتی تھی۔ جب میں اسے پکڑ لیتا تھا تو حیران رہ جاتی تھی۔''

''بھائی جان! آج آپ حیران رہ جائیں گے۔''

ایک لائٹ اور آن ہو گئی۔ روشنی کچھ اور بڑھ گئی۔ چادر میں چھپی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''میں آپ کو زندگی کا سب سے چونکا دینے والا تحفہ پیش کر رہی ہوں۔''

یہ کہتے ہی اس نے چادر کو ایک جھٹکے سے نوچ کر اپنے وجود سے دور کر دیا۔ میرے دماغ کو ایسا خوشگوار جھٹکا لگا کہ میں بے اختیار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یا حیرت! وہاں رائنا نہیں تھی۔ دور دور تک رائنا کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہاں تو..... رابعہ شلوار کرتے اور دوپٹے میں دکھائی دے رہی تھی۔ کانوں میں جھمکے گلے میں ہار اور ناک پر لونگ لشکارے مار رہی تھی۔

میں قدم قدم رک رک کر اس کی طرف یوں جانے لگا' جیسے خواب میں چل رہا ہوں۔ وہ سر سے پاؤں تک اٹلی کے گاڈ فادر کی' نہیں پنجاب کی بیٹی تھی۔

''اری او بہنا...! یہ تو نے کس غضب کا سوانگ رچایا ہے؟ میرا پورا وجود ہوا میں تحلیل ہو رہا ہے۔ میں ہوتے ہوئے بھی نابود ہو رہا ہوں۔ تیرے وجود میں گم ہو رہا ہوں.....''

میں حیرت سے مسرت سے رک رک کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کی من موہنی سی صورت کو ہتھیلیوں کے گلدان میں سجا لیا۔ میرے اندر سے بڑے جذبے سے کراہتی ہوئی سی آواز نکلی۔ ''رابعہ.....!''

وہ بولی۔ ''بھائی جان! میں سر سے پاؤں تک آپ کی رابعہ لگ رہی ہوں ناں....؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ برنارڈ نے ہماری طرف آتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہاری سرپھری بہن ہے۔ تمہیں فون کرنے کے بعد اس نے کئی

ٹیلر ماسٹرز کو بلا کر حکم دیا کہ دو گھنٹے کے اندر پاکستانی ملبوسات تیار کئے جائیں۔ یہاں مشرقی تہذیب و ثقافت کے مطابق میک اپ اور گٹ اپ کرنے والے ماہرین ہیں۔ انہوں نے اسے چوٹی پراندے کے ساتھ ایک پنجابی کڑی بنانے کی کوششیں کی ہیں۔ تمہاری حیرت سے اور مسرتوں سے لگ رہا ہے کہ ہمارے ماہرین کامیاب رہے ہیں؟''

میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ میری نظریں رائنا سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ میں اسے ایک بازو کے حصار میں لے کر صوفے کے پاس آگیا۔ پھر اس کے ساتھ وہاں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''واقعی تم نے سرپرائز دیا ہے۔ آج کا دن میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ ایک چھوٹی بہن مجھے دنیا جہان کی مسرتیں دے رہی ہے۔ یہ بڑا بھائی بھی بہت کچھ دینا چاہتا ہے۔ مانگو.... اپنی زبان سے صرف ایک آرزو کرو۔ ایک جہان تمہارے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔''

راڈ مین فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے قریب ایک صوفے پر آگیا۔ رائنا سے بولا۔ ''ہاں رائنا! اپنے بھائی کی مسرتوں کا اندازہ کرو۔ ابھی تم جو خواہش کرو گی۔ جس کے لئے بھی سفارش کرو گی' تھری ایس قبول کرے گا۔ یہ زبان کا دھنی ہے۔''

میں نے زیر لب مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ ذرا جھینپ گیا۔ رائنا نے کہا۔ ''میرے ڈیڈی سمیت آپ سب ہی جرائم کی دنیا میں رہتے ہیں۔ لیکن پاکیزہ رشتے جرائم اور آلودگی کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ میں آپ لوگوں کے معاملات میں بھائی اور بہن کے رشتے کو نہیں لاؤں گی اور نہ ہی آپ ہمارے درمیان کسی بھی حوالے سے مداخلت کریں گے۔''

وہ بولا۔ ''تم میری شریک حیات بننے والی ہو۔ اس طرح تھری ایس بھی میرا رشتہ دار ہوگا۔ ہمارے درمیان جو بھی کشیدگی ہے' اسے دور ہونا چاہئے۔''

وہ جیسے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ ''میں کھانا لگوانے جا رہی ہوں۔ آپ دونوں اپنے معاملات پر باتیں کریں۔ میں یہ باتیں نہ سنوں گی' نہ ہی کچھ بولوں گی۔''

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم بہت بھولی ہے۔ یہ نہیں سمجھ رہی ہو کہ راڈ مین تم سے کیا چاہتا ہے؟''

''میں بھولی نہیں ہوں۔ راڈی کی حمایت میں بولوں گی تو آپ ابھی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میری بات مان لیں گے۔ ایسے وقت میرا دل ملامت کرے گا کہ میں محبوب کی ڈوبی ہوئی رقم واپس دلوانے کے لئے بہن کے رشتے کو کیش کر رہی ہوں۔''

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''سوری راڈی! میں صرف تمہاری رائنا ہوتی تو

ایک بھائی کی بہن بن کر تمہیں ضرور فائدہ پہنچاتی۔ مگر میں رابعہ ہوں اور رابعہ اپنے بھائی کے مزاج اور اس کے اصولوں کے خلاف کبھی کچھ نہیں بولے گی۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ میرا دل خوش ہوگیا۔ بلاشبہ وہ سچی اور کھری تھی۔ جو اس کے دل میں تھا وہی زبان پر تھا۔ اور وہ جو کہہ رہی تھی' وہی کر رہی تھی۔

وہاں ہم جرائم کی دنیا کے تین کھلاڑی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر گاڈ فادر نے راڈ مین سے کہا۔ ''مجھ سے کوئی توقع نہ کرو۔ میں تم دونوں کے معاملے میں کچھ نہیں بولوں گا۔ بس یہ کہ تم میرے ہونے والے داماد ہو۔ اس لئے میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔''

راڈ مین نے مجھے دیکھا پھر کہا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں' تم رائنا کو جان دینے کی حد تک چاہتے ہو۔ میں اس کی زندگی کا سب سے اہم حصہ بننے والا ہوں۔ کیا اس کی محبت کا کچھ حصہ مجھے دے سکو گے؟''

میں نے کہا۔ ''میری بہن ایک پتھر اٹھا کر دے گی تو اسے بھی چوم کر رکھ لوں گا۔ تم تو واقعی اس کی زندگی کے نصف بہتر ہو گے۔ لیکن شادی سے پہلے میں فادر کے سامنے ایک بات اچھی طرح سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا تھا' میں نے انتقام لے لیا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔''

پھر میں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''لیکن کبھی بھول سے بھی میری بہن کا دل دکھاؤ گے تو تمہیں زندگی میں یہ ناقابل برداشت تجربہ ہوگا۔

کہ موت سے پہلے موت کیسے آتی ہے؟
ہر لمحہ کچوکے دیتی ہے' پھر مارتے ہوئے بھی نہیں مارتی۔
اگلے کسی لمحے مرنے کے لئے چھوڑ دیتی ہے۔''

میں نے اُدھر اشارہ کیا جدھر رائنا گئی تھی۔ پھر کہا۔ ''میں اُدھر بھائی ہوں اور اِدھر قصائی....''

میں اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اسے جتنی محبتیں دو گے' اتنے ہی پھول ملیں گے۔ آج پہلا پھول دے رہا ہوں۔ کل تمہارے اسی لاکھ ڈالرز تمہیں واپس مل جائیں گے۔''

وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔ پھر میرے ہاتھ کو تھام کر

کہا۔ ''یو آر گریٹ... بلاشبہ تم بہت عظیم ہو۔ یہ میرے لئے فخر کی بات ہے کہ تم میرے بہترین دوست ہی نہیں' ایک رشتے دار بھی بن کر رہو گے۔''

میں نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''آرام سے بیٹھو اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کرلو کہ بہن تو ایک پھول ہے۔ مگر اس کے بھائی کو تم نے کانٹوں کا ہار بنا کر پہن لیا ہے۔ جسے تم کبھی اتار کر پھینک نہیں سکو گے۔''

اس نے کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں' رائنا کو میرے کسی بھی رویے سے کبھی دکھ نہیں پہنچے گا اور میں بہن بھائی کے معاملے میں کبھی کچھ نہیں بولوں گا۔''

میں وہاں صرف اپنی رابعہ سے ملنے ہی نہیں' راڈ مین کے دماغ میں یہ بات بھی ٹھونسنے آیا تھا کہ رائنا پھولوں کا گلدستہ ہے۔ مگر وہ اسے بارود کے گلدان میں میکے سے لے جائے گا۔

گاڈ فادر بہت خوش تھا۔ مجھے بڑی محبت اور عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

فی الحال میں ایک بہن کے حوالے سے اپنی روداد بیان کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کا قصہ کچھ یوں ہے کہ چند ماہ کے بعد ہی رائنا کی شادی راڈ مین سے ہوگئی۔ میں کبھی کسی بھی چھوٹی بڑی تقریب میں شریک نہیں ہوتا۔ جانے انجانے بیشمار جانی دشمن میری تاک میں رہتے ہیں۔ ایسے وقت قاتلانہ حملوں سے باز نہیں آتے۔ ایسا کئی بار ہو چکا تھا۔ انہوں نے حملے کئے تھے' بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ میرے دھوکے میں میری ڈمی کو یا کسی اور کو نشانہ بنالیا ہے۔

میری کوشش ہوتی ہے کہ میرا کوئی جانثار میری ڈمی بن کر میرے بھیس میں مارا نہ جائے۔ ویسے دشمنوں کی شامت آجاتی ہے۔ میں حملہ کرنے والوں کے ذریعے ان کے آقاؤں کی شہہ رگ تک پہنچ جاتا ہوں۔

رائنا نے کہا۔ ''بھائی جان! میری شادی میں آپ موجود نہیں رہیں گے تو میں اپنے آپ کو خالی خالی سا محسوس کروں گی۔''

میں نے کہا۔ ''میری دلی تمنا ہے کہ تمہیں دلہن بنتے اور رخصت ہوتے دیکھوں۔ تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ میں تمام رسومات کی ادائیگی کے وقت تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''نہیں... میں آپ کو خطرات سے کھیلنے نہیں دوں گی۔ ڈیڈ آپ کے لئے سخت سیکورٹی کے انتظامات رکھیں گے۔ اس کے باوجود کچھ بھی ہو سکتا ہے اور میں خوشی کے موقع پر کوئی صدمہ برداشت نہیں کرسکوں گی۔''

''فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔ میں موجود رہوں گا۔ مگر تمہارے سوا کوئی مجھے دیکھ نہیں پائے گا۔ تم راڈ مین کو بھی نہیں بتاؤ گی کہ میں تمہارے آس پاس ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''میں اپنے سائے کو بھی آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

میں نے اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ وہ پیار و محبت کے معاملے میں اپنے راڈ ڈی پر اندھا اعتماد ضرور کرے۔ لیکن بھائی کی سلامتی چاہتی ہے تو میرے معاملے میں کبھی اس پر بھروسہ نہ کیا کرے۔

وہ گاڈ فادر کی بیٹی تھی۔ جرائم کی دنیا میں رہنے والوں کے بدلتے ہوئے مفادات اور تیوروں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ یوں بھی اس نے پہلے ہی دن سے راڈ مین کو ہم بھائی بہن کے معاملے سے الگ رکھا تھا۔

فادر نے یہ اعلان کیا تھا کہ بیٹی کی شادی میں تھری ایس نہیں آئے گا۔ اس کے باوجود مخالفین اس کی تاک میں رہیں گے۔ اس لئے سیکورٹی کے انتظامات انتہائی سخت کئے گئے ہیں۔

اس نے کہا۔ ''چونکہ غلط فہمی کے باعث میری بیٹی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے اس کے آس پاس چھ مسلح گارڈز رہا کریں گے اور ان گارڈز کی اجازت کے بغیر کوئی رائنا کے قریب نہیں جاسکے گا۔''

اور ان چھ مسلح گارڈز کا ایک سیکورٹی افسر میں تھا۔ جب شادی کے سلسلے میں رسومات کی ادائیگی شروع ہوئی' تب میں رائنا کے ساتھ رہا۔ راڈ مین بھی میرے اور رائنا کے قریب رہنے کے باوجود مجھ پر شبہ نہ کرسکا۔

شادی سے پہلے ایک ہفتے تک طرح طرح کی تقریبات ہوتی رہیں۔ میرا چہرہ آواز اور لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔ لینسز کے ذریعے آنکھوں کی رنگت بدل گئی تھی۔ شادی سے ایک دن پہلے راڈ مین نے ناگواری سے کہا۔ ''رائنا! یہ سیکورٹی افسر تم سے کچھ زیادہ ہی کلوز ہوجاتا ہے۔ بڑی بے تکلفی سے ہاتھ تھام کر مہمانوں کے درمیان سے گزر جاتا ہے۔ لوگ کیا سوچیں گے؟''

وہ بولی۔ ''کوئی کچھ نہیں سوچ رہا ہے۔ تم رقابت محسوس کر رہے ہو۔ جبکہ وہ افسر

میرے باپ کے برابر ہے۔ وہ تمہارے اور ڈیڈ کی موجودگی میں میرا ہاتھ پکڑتا ہے۔ تم پہلے تو ایسے شکی نہیں تھے؟''

''مجھے رقابت کی وجہ سے نہیں' کسی اور وجہ سے شک ہو رہا ہے۔ ایک آدھ بار مجھے یوں لگا' جیسے تھری ایس تمہارے پاس چلا آیا ہے۔''

''میرے بھائی جان آئیں گے تو کیا مجھے معلوم نہیں ہوگا؟ کیا میں ان کے سینے سے لگ کر دعائیں نہیں لوں گی؟''

پھر اس نے گھور کر پوچھا۔ ''تمہارے دل میں کیا ہے؟ کیوں میرے بھائی کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''میں اس کی ٹوہ میں کیوں رہوں گا؟ پلیز۔ غلط نہ سوچو اس نے میرے اسی لاکھ ڈالرز واپس کئے ہیں۔ میں احسان مند ہوں' اس کا دشمن نہیں ہوں۔''

حقیقتاً اس کے دل سے دشمنی نہیں گئی تھی۔ وہ جانتا تھا' میں آئندہ رائنا کا بھائی بن کر اس کے سر پر مسلط رہوں گا۔ گاڈ فادر بننے کے سلسلے میں اس کی سازشوں کو ناکام بناتا رہوں گا۔

اس کے دل میں بہت پہلے سے یہ سازش پک رہی تھی کہ گاڈ فادر کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ وہ داماد بن کر ایسی چالیں چلے گا کہ فادر رفتہ رفتہ ناکارہ ہوتا رہے گا اور اپنے تمام اہم معاملات اپنے داماد کو سونپتا رہے گا۔ یوں ایک دن وہ اس علاقے کا گاڈ فادر بن جائے گا۔

اتنی زبردست پلاننگ کے پیش نظر اسے میری موجودگی بری طرح کھٹک رہی تھی۔ کامیابی کی امید کم اور ناکامی زیادہ نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھے راستے سے ہٹانے کے سلسلے میں سوچتا اور منصوبے بناتا رہتا تھا۔

رائنا کی ماں یہودی تھی۔ کئی برس پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ باپ یعنی گاڈ فادر عیسائی تھا۔ باپ کے مذہب کے مطابق دوسرے دن اس کی شادی چرچ میں ہونے والی تھی۔ رات کو رسومات کے دوران رائنا نے میری طرف جھک کر کہا۔ ''راوڈی کچھ فکر مند سا ہے۔ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ پلیز۔ معلوم کریں' وہ کہاں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ وہ آ جائے گا۔''

میرے جاں نثار اس کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ وہ بظاہر بہت خوش تھا۔ دوسرے دن رائنا کو دلہن بنانے والا تھا۔ میرے لوگ اندر کا بھید معلوم نہ کر سکے کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے؟ اس نے بڑی کوششوں کے بعد رائنا کی ایک کنیز کو اپنی رازدار بنا لیا تھا۔ وہ اس کے لئے

مخبری کرتی تھی۔ اس نے راڈ مین کو بتایا تھا کہ رائنا اور سیکورٹی افسر بڑی بے تکلفی سے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ وہ پہلا مرد ہے جو رائنا کے بیڈروم میں جاتا ہے اور کچھ دیر بعد واپس آتا ہے۔

یوں اسے یقین ہونے لگا کہ وہ میں ہی ہوں۔ ایک تنخواہ دار سیکورٹی افسر بیڈروم کے دروازے سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ بڑی بے تکلفی اور اعتماد سے وہ صرف بھائی کو ہی اندر لے جا سکتی تھی۔

مجھے پہچان لینا بہت بڑی بات تھی۔ جبکہ تمام دشمن میری طرف سے اندھے بنے ہوئے تھے۔ اگر وہ بڑی رازداری سے کسی بھی طرح میرا کام تمام کر دیتا تو کوئی اس پر شبہ نہ کرتا۔ پھر وہ آئندہ تمام منصوبوں میں بلا روک ٹوک کامیابیاں حاصل کرتا چلا جاتا۔

اس کے اندر بے چینی بھر گئی۔ وہ شادی کی رسومات میں ہنس بول رہا تھا۔ مگر چور نظروں سے مجھے ٹٹولنے لگا تھا۔ میں جانے انجانے میں بڑی محبت اور جذبوں سے بہن کی خوشیوں میں خوش ہو رہا تھا۔ یہ مسرتیں چھپائے نہیں چھپ رہی تھیں اور اس کے یقین میں پختگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایسا سنہری موقع پھر نہیں ملے گا۔ یہ سیکورٹی افسر کے بہروپ میں مرے گا تو کوئی مجھ پر شبہ نہیں کرے گا۔ سب یہی سمجھیں گے کہ دوسرے مخالفین کی طرح میں بھی اندھا ہوں۔ میری ہونے والی شریک حیات اور سسر نے بھی میری آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ کوئی مجھے الزام نہیں دے سکے گا۔

وہ بہت سوچ سمجھ کر پلاننگ کرنے لگا۔ یہ ایک بات رکاوٹ بن رہی تھی کہ میں مارا جاؤں گا تو شادی رک جائے گی۔ شادی بہت اہم تھی۔ وہ ایک طرف سے کامیاب ہو کر دوسری طرف سے ناکام نہیں ہونا چاہتا تھا۔ عقل سمجھا رہی تھی کہ شادی کے بعد ہی میرے خلاف واردات کی جا سکے گی۔

قباحت یہ تھی کہ شادی کے بعد رائنا رخصت ہو جاتی پھر میں سیکورٹی افسر کے بھیس میں نہ رہتا۔ پہلے کی طرح روپوش رہنے لگتا۔ یوں اس کی نظر میں رہنے والا شکار ہاتھ سے نکل جاتا۔ اسے جو کرنا تھا رائنا کی رخصتی سے پہلے ہی کر گزرنا تھا۔

وہ میسونی تنظیم کا ایک بہت ہی شاطر کارندہ تھا اور اب گاڈ فادر کی سلطنت پر قبضہ جمانے والا تھا۔ اس کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے یہودی تنظیم کے اعلیٰ عہدیدار آئے ہوئے تھے۔ اس نے ایک عہدیدار سے تنہائی میں کہا۔ ''میں ایک بہت ہی راز کی بات کہہ

رہا ہوں وعدہ کریں' یہ بات کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچے گی۔''

عہدیدار نے وعدہ کیا۔اس نے کہا۔''دنیا کی کتنی ہی خفیہ تنظیمیں تھری ایس کو کتے کی موت مار ڈالنا چاہتی ہیں۔ہم بھی یہی چاہتے ہیں مگر وہ بہروپیا کسی کے ہتھے نہیں چڑھ رہا ہے۔یہ صرف میں ہی جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے اور اسے کب ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے؟''

اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔''اگر وہ تمہاری نشاندھی پر مارا جائے گا تو یہ تمہارا ایک اور ناقابل فراموش کارنامہ ہوگا۔ہماری تنظیم میں تمہیں ڈبل پروموشن ملے گا۔''

راڈ مین نے کہا۔''کل وہ بہن کی شادی کے وقت چرچ میں آئے گا۔''

اس نے پوچھا۔''کیا یہ پکی خبر ہے؟''

''آف کورس....میں جو کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔کل چرچ میں وہ ایسے آئے گا کہ میرے سوا اسے کوئی پہچان نہیں پائے گا۔''

اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔''تھری ایس ہماری ہٹ لسٹ میں پہلے نمبر پر ہے۔اگر وہ ہمارے نشانے پر نہ آیا تو سمجھو وہ پہلے سے زیادہ عذاب بن کر نازل ہوتا رہے گا۔''

''آپ کے گن مین سے چوک ہوگی تب وہ بچ پائے گا۔یہ تو آپ کی پلاننگ پر ہے۔''

''میں تو جان لڑا دوں گا۔اسے جان بچا کر نکلنے نہیں دوں گا۔کیا تم چرچ میں پہنچتے ہی اس کی نشاندھی کرو گے؟''

''نہیں۔شادی سے پہلے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونے دوں گا۔پہلے رائنا کو شریک حیات بناؤں گا۔اپنی زندگی کی پہلی بڑی بازی جیتنے کے بعد جب چرچ سے نکلنے لگوں گا' تب تم مجھے کال کرو گے۔تمہارا فون اٹینڈ کرتے ہی میں وہاں جس شخص کو مخاطب کروں گا۔وہی تھری ایس ہوگا۔''

''بس اتنا ہی کافی ہے۔وہ ایک بار ہماری نظروں میں آ جائے پھر اسے موت کی نظر لگے گی۔کل کے بعد وہ دکھائی نہیں دے گا۔''

ہم نہیں جانتے کہ ہمارے پیچھے ہماری لاعلمی میں کیا ہوتا رہتا ہے؟ میں بھی بے خبر تھا۔اپنے طور پر جو حفاظتی انتظامات کر چکا تھا۔ان سے مطمئن تھا۔اپنی بہن کو سہاگن بنا کر رخصت کرنے کی مسرتوں میں کچھ زیادہ ہی مگن ہو گیا تھا۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں' سب ہی آنے والے پل سے بے خبر رہتے ہیں۔اپنے حساب سے سوچتے کچھ ہیں اور ہو کچھ جاتا ہے۔راڈ مین بھی آنے والے وقت سے بے

خبر تھا۔مقدر جیسا شاطر کھلاڑی کوئی نہیں ہے۔کیا میں اور کیا راڈ مین....؟ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ مقدر کی بازیگری کیا گل کھلانے والی ہے؟

شادی کے دن چرچ کے اندر اور باہر حد نظر تک لوگوں کا ہجوم تھا۔گاڈ فادر کی بیٹی دلہن بنی تھی۔جیسے پورا شہر امڈ آیا تھا۔مختلف ممالک سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ان سب کے لئے سیکورٹی کے انتظامات کئے گئے تھے۔چرچ کے اندر صرف رشتے داروں اور غیر ملکی مہمانوں کو آنے کی اجازت دی گئی تھی۔ان غیر ملکیوں میں کتنے ہی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے بھی تھے۔

صبح دس بجے رائنا اور راڈ مین رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔سب ہی انہیں مبارکباد دینے لگے۔میں نے راڈ مین سے مصافحہ کیا۔رائنا کی پیشانی کو چوم کر اسے دعائیں دیں۔اس کے بعد دستور کے مطابق وہ رائنا کو بازوؤں میں اٹھا کر چرچ سے باہر گاڑی تک لے جانے والا تھا۔

ایسا کرنے سے پہلے اس نے ادھر ادھر دور تک نظریں دوڑائیں۔اسے بازو میں اٹھانے کے لئے آگے بڑھا ایسے ہی وقت فون کی کالنگ ٹون سنائی دی۔وہ رائنا کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔جیب سے فون نکال کر اس پر نمبر پڑھے۔پھر فون کو میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔''انہیں سوری کہہ دو۔یہ بعد میں مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔''

میں نے اس سے فون لے کر کچھ کہنا چاہا' اس سے پہلے ہی وہ بند ہو گیا۔دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔جو مجھے پہچاننا چاہتے تھے' انہوں نے پہچان لیا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ ان لمحات میں کتنے ہتھیاروں کے رخ میری طرف آ کر تھم گئے ہوں گے؟

بس اگلا لمحہ....

اور فائرنگ...

اور میری موت.....

مگر نہیں۔کاتب تقدیر لکھ دے کہ ابھی میں راہ فنا کا مسافر نہیں ہوں تو پھر نہیں ہوں۔

صلیب کے سائے میں ایک چھوٹی سی بالکونی تھی۔وہاں فادر کھڑے ہو کر واعظ کرتے تھے۔وہیں سے ایک فائر کی آواز گونجی۔ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی پھر راڈ مین کے حلق سے چیخ نکلی۔اس کے بازو میں انگارے بھر گئے تھے۔وہ اچھل کر گر پڑا۔

ادھر میں رائنا کو دونوں بازوؤں میں چھپا کر فرش پر گرتا ہوا اسے ساتھ لے کر لڑھکتا ہوا کنفیسن بکس کی آڑ میں چلا گیا۔میرے جاں نثاروں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی

تھی۔مگر یہ خیال رکھا کہ کسی کو جانی نقصان نہ پہنچے۔وہ صرف حملہ آوروں کو رگید کر چرچ سے باہر لے جانا چاہتے تھے۔

پھر گاڈ فادر کے بیشمار مسلح گارڈز تھے۔ان کی موجودگی میں کوئی ہماری طرف نہ آسکا۔اس وقت یہی سمجھ میں آیا کہ میری طرف آنے والی گولی راڈ مین کو جا لگی ہے۔جبکہ ایسا نہیں تھا۔

بے شک ہم سب اپنی زندگی کے اگلے لمحے سے بے خبر رہتے ہیں۔راڈ مین بھی بے خبر اور مطمئن تھا کہ اتنی سخت سیکورٹی میں کوئی اسے رائنا سے دور کرنے نہیں آئے گا۔وہ میری موت کا سامان کرتے وقت اپنی موت کو بھول گیا تھا۔

اس کی میسونی تنظیم کے زونل انچارج ڈیسوزا نے موت کا ایک ہرکارہ اس کی طرف بھیجا تھا۔جوابی فائرنگ میں وہ ہرکارہ مارا گیا۔دوسری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے بھی ہوں گے۔وہ فائرنگ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہو رہے تھے۔اس ساری ہنگامہ آرائی کی حقیقت یہ تھی کہ وہاں میرے نہیں، راڈ مین کے جانی دشمن آئے ہوئے تھے۔ان میں سے کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ سونے کی چڑیا کو اپنے پنجرے میں لے جائے۔

میرے لئے موت کا سامان کرنے والا میسونی تنظیم کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا۔اس نے دو بہت ہی مشاق گن مین کی خدمات حاصل کی تھیں۔ان کا نشانہ چوکنے والا نہیں تھا۔مگر میں اس وقت نشانے پر آتا، جب میرے نام سے کوئی گولی چلتی۔

بس ایک لمحے کی دیر ہوگئی۔اس سے پہلے کہ مجھے مارنے والے ٹریگر دباتے۔ادھر زونل انچارج ڈیسوزا کے ہرکارے نے راڈ مین پر گولی چلا کر افراتفری پھیلا دی۔پھر میرے جانی دشمنوں کو موقع نہ مل سکا۔انہیں اپنی سلامتی کے لئے وہاں سے بھاگنا پڑا۔

میں نے رائنا کو آغوش میں چھپا رکھا تھا۔اس نے اپنے راوڈی کو گولی لگتے دیکھا تھی۔اس کے پاس جانے کے لئے مچل رہی تھی۔میں نے کہا۔"ذرا صبر کرو۔وہ دیکھو تمہارے ڈیڈی اور سیکورٹی گارڈز اسے طبی امداد کے لئے لے جا رہے ہیں۔اسے کچھ نہیں ہوگا۔میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا۔پلیز۔صبر کرو۔"

فادر نے گھوم کر اپنی بیٹی کو میری پناہ میں دیکھا۔پھر کہا۔"تھینکس گاڈ! تم نے بڑی پھرتی دکھائی۔رائنا کو ادھر نہ لے جاتے تو اسے گولی لگ سکتی تھی۔"

وہ بولی۔"ڈیڈ! میرا راوڈی کیسا ہے؟ اسے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"اسے ہوسپٹل لے جانا ضروری ہے۔تم فکر نہ کرو۔میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں۔جب تک میں نہ آؤں تم اپنے بھائی کی پناہ سے نہیں نکلو گی۔"

وہ لوگ اسے ہوسپٹل لے گئے۔راڈ مین کی خواہش کے مطابق شادی تو ہوگئی۔مگر پوری تقریب ہنگامے کی نظر ہوگئی۔وہ شادی کے بعد خانہ آبادی کرنے والا ہوسپٹل پہنچ گیا۔اس کے ایک بازو میں گولی پیوست ہوگئی تھی۔آپریشن کے ذریعے ہی اسے نکالا جا سکتا تھا۔وہ تین دنوں تک ہوسپٹل میں پڑا رہا۔خون بہت بہہ گیا تھا۔چوتھے دن گاڈ فادر بیٹی کی ضد پر اسے محل میں لے آیا۔

وہ اس جذبے سے اس پر قربان ہو رہی تھی کہ اسے شریک حیات بنانے کے باعث اس پر جان لیوا حملے ہو رہے تھے۔اگرچہ یہ بات درست تھی۔مگر اس کی یہ کمینگی کسی کو معلوم نہیں تھی کہ جس گڑھے میں خود گرا ہوا ہے۔وہ گڑھا اس نے میرے لئے کھودا تھا۔

زونل انچارج ڈیسوزا نے اب سے پہلے اسے گھیر کر ہوٹل میں مارنے کی کوشش کی تھی۔میں نے گاڈ فادر سے کہا تھا کہ ڈیسوزا سے انتقام لوں گا۔لیکن اسے جانی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔صرف سزا دوں گا۔

میں نے یہی کیا تھا۔ٹیپو نے اسے الٹا لٹکا دیا تھا۔اچھی طرح ٹارچر کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا تھا کہ اب ہمارا راڈ مین سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔وہ چاہے تو اس سے دشمنی جاری رکھ سکتا ہے۔

میں چاہتا تھا کہ راڈ مین دشمنوں میں گھرا رہے اور مجھ سے دشمنی کرنا بھول جائے۔مگر وہ بھول نہیں سکتا تھا۔مسلمانوں کو سانپ سمجھتا تھا۔آئندہ گاڈ فادر کا مقام حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کے لئے میں بہت بڑی رکاوٹ بننے والا تھا۔بہرحال اس نے میرے خلاف جو کیا، اس پر وقتی طور پر پردہ پڑ گیا۔مگر یہ بات ہمیشہ چھپنے والی نہیں تھی۔

اس نے رائنا کی جس کنیز کو اپنی رازدار داشتہ بنایا تھا وہ ذرا سر چڑھ کر بولنے لگی تھی۔اس نے کہا۔"میں آپ کی خاطر اپنی مالکن سے غداری کر رہی ہوں۔اپنا تن من بھی دے رہی ہوں۔مجھے ہر ہفتے یا ہر مہینے ایک معقول رقم ملنی چاہئے۔"

ایک کنیز سے ہمیشہ لین دین رہتا تو راز ضرور کھل جاتا اور وہ ایسی غلطی کرنا نہیں چاہتا تھا۔اس نے کہا۔"میں نے تمہاری اوقات سے زیادہ تمہیں دیا ہے۔مزید بیس پچیس ہزار ڈالرز دے دوں گا۔آج کے بعد پھر کبھی میری طرف نہ آنا۔"

وہ بولی۔ ''اگر آپ مجھے ایک کنیز ہی رہنے دیتے تو میں مالکن اور ان کے بھائی کے خلاف مخبری کرتی رہتی اور رقم لے کر چلی جاتی۔ مگر آپ نے مجھے ہمیشہ ایک داشتہ بنا کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کے سوا کسی اور کے قابل نہیں رہی ہوں۔''

''بکواس مت کرو۔ زیادہ رقم لو اور کسی سے شادی کر کے میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

''میں ایسا نہیں کر سکتی۔ آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔''

راڈ مین کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اسے گولی لگنے کے ایک ماہ بعد یہ دوسری گولی لگ رہی تھی۔ وہ ایزی چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بازو کا زخم بھر گیا تھا مگر دوسرا زخم ایسا ہرا تھا کہ دور تک دکھائی دینے والا تھا۔

کیسی عجیب سی بات ہے، میں دشمن پر کسی طرح کا شبہ نہیں کر رہا تھا۔ اس کے جان لیوا حملے سے بے خبر تھا۔ خدا نے مجھے بچایا تھا۔ میں اسے بے نقاب نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ایک کنیز اپنا پیٹ دکھا کر اسے ننگا کرنے والی تھی۔

وہ تلملا کر بولا۔ ''بکواس نہ کرو۔ پتہ نہیں کتنوں کے ساتھ منہ کالا کرتی رہی ہو۔ خبردار! بچے کو مجھ سے منسوب نہ کرنا۔ یہ بات کبھی منہ سے نہ نکالنا کہ تنہائی میں میرے پاس آتی رہی ہو۔ میں تمہیں منہ بند رکھنے اور بچے کو ضائع کرانے کے لئے پچاس ہزار ڈالرز دوں گا۔ اتنی رقم تمہارے باپ نے بھی نہیں دیکھی ہوگی۔''

وہ بولی۔ ''اتنی بڑی رقم میرے بچے کا باپ دے رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ دے گا۔ میرا کوئی دوسرا ٹھکانہ بن جائے گا تو آپ کا نام نہیں لوں گی۔ اپنے بچے کے ساتھ کہیں جی لوں گی۔''

وہ اسے دیکھنے اور سوچنے لگا۔ ''یہ میرا بچہ پیدا کرے گی تو فخر کرنے لگے گی۔ بات اس کے پیٹ میں نہیں رہے گی۔ کم از کم اس کے گھر والوں سے یہ بات چھپی نہیں رہے گی اور ہوا کی طرح رائنا تک پہنچ جائے گی اور تھری ایس کے خلاف سازش بھی معلوم جائے گی۔''

اس نے بڑی تیزی سے سوچا اور تیزی سے فیصلہ کیا کہ اس ماں بننے والی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینا چاہئے۔

وہ بولی۔ ''مجھے یہاں نہیں تو کسی دوسرے ملک میں رہنے کے لئے ایک گھر کی چار دیواری دے دیں۔ وہاں آپ کبھی کبھی آسکیں گے اور اپنے بچے کو بھی پیار دے سکیں گے۔''

وہ سر ہلا کر بولا۔ ''ہاں۔ مجھے یہی کرنا چاہئے۔ آج شکارگاہ میں تمہارے ساتھ رات

گزاروں گا۔ آئندہ کسی ملک میں تمہاری رہائش کے انتظامات کروں گا۔ ابھی یہ بات اپنے ماں باپ سے تو کیا اپنی پرچھائیں سے بھی نہ کہنا۔ میں تمہیں عزت دے رہا ہوں۔ میری عزت اور نیک نامی کا خیال رکھنا۔ کسی کو معلوم نہ ہو کہ آج رات مجھ سے ملنے آرہی ہو۔''

وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔ وہ محل سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اگرچہ زخم بھر گیا تھا۔ وہ اچھی طرح چلتا پھرتا اور رائنا کے ساتھ ٹینس کھیلتا تھا۔ میں نے اور گاڈ فادر نے اس سے کہہ دیا تھا کہ جب تک اس کے تمام دشمنوں کو عبرت ناک انجام تک نہیں پہنچایا جائے گا، تب تک وہ محل کی چار دیواری میں ہی رہے گا۔

اس بار ٹیپو نے زونل انچارج ڈیسوزا کو اپاہج بنا دیا تھا اور وہ دوسرے مخالفین سے بھی نمٹ رہا تھا۔ اس رات وہ کنیز شکارگاہ میں پہنچی تو وہاں راڈ مین نہیں تھا۔ اس کے حواریوں نے اس کے بدن کی دھجیاں اڑا دیں۔ اس کی لاش ایسے غائب کر دی، جیسے وہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔

راڈ مین نے اچھی طرح یقین کیا تھا کہ کنیز نے اپنے معاملے میں کسی کو راز دار نہیں بنایا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ رات کو شکارگاہ کی طرف گئی تھی۔ یہی اس سے غلطی ہوگئی۔ وہ اپنی ماں سے کہہ کر گئی تھی کہ مستقبل میں کسی دوسرے ملک میں رہنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ آج رات راڈ مین سے اہم باتیں ہوں گی۔ پھر وہ صبح چلی آئے گی۔

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوگئی۔ ماں باپ پریشان ہوگئے۔ باپ نے شکارگاہ تک جا کر معلوم کیا وہاں کہا گیا کہ اس کی بیٹی پچھلی رات وہاں نہیں آئی تھی اور بھلا کیوں آئے گی؟ وہاں اسے دھمکی دی گئی کہ وہ اس سلسلے میں ادھر ادھر باتیں کرتا پھرے گا تو اس کی شامت آجائے گی۔

اس کی ماں نے راڈ مین کے پاس آکر پوچھا۔ وہ غصے سے بولا۔ ''ایک کنیز سے میرا کیا لینا دینا ہے؟ میں کیا جانوں، وہ کس کے ساتھ منہ کالا کرتی رہی ہے اور کس کے ساتھ بھاگ گئی ہے؟''

وہ اپنے آقاؤں سے بحث نہیں کر سکتی تھی اور اپنی بیٹی کی گمشدگی کا صدمہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے یہ باتیں رائنا تک پہنچا دیں۔

وہ اپنے راڈی کے خلاف ایسی کوئی بات سننے والی نہیں تھی۔ لیکن اس عورت نے میرا ذکر کیا کہ راڈ مین نے مجھے سیکورٹی افسر کے بہروپ میں پہچان لیا تھا اور اس سلسلے میں وہ اس کی بیٹی سے مخبری کرایا کرتا تھا۔ تب رائنا صدمے سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جس بھائی نے راڈ مین پر احسان کیا تھا۔ اس کے اسی لاکھ

روپے واپس کئے تھے۔ وہ اس کی جان لینے کے لئے شادی کا دن مقرر کرے گا۔ اب وہ اس کا مجازی خدا تھا۔ اس نے اس کے پاس آ کر اسے باتیں سنائیں۔ وہ قسمیں کھا کر کہنے لگا۔ ایک کنیز کے سلسلے میں اسے خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔

اس نے کہا۔ ''رائنا! میری اور اپنی خاندانی برتری' ہماری عظمت اور شان و شوکت کا کچھ تو خیال کرو۔ مجھے ایک کنیز سے منسوب کر کے میری توہین نہ کرو۔ جو دشمن میری جان نہ لے سکے۔ اب وہ مجھے بدنام کرنے کے لئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ تاکہ تم مجھ سے بدظن ہو جاؤ اور میں دیکھ رہا ہوں' تم ان کے جھانسے میں آ رہی ہو۔''

اسے اپنا محبوب شوہر سچا اور بے گناہ لگ رہا تھا۔ مگر اندر ایک پھانس سی چبھنے لگی کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ ایک معمولی کنیز کی ماں خواہ مخواہ اپنی آقازادی کے شوہر پر اتنا بڑا الزام نہیں لگائے گی۔

وہ اس رات راوڈی سے دور رہی۔ صبح تک بڑے جذبے سے میرے متعلق سوچتی رہی۔ اس کی لاعلمی میں مجھے راوڈ مین سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ہم سب مجرمانہ زندگی گزارنے والے کسی بھی وقت اپنے رویے بدل سکتے ہیں۔

اس نے دل میں کہا۔ ''راوڈی ایک بار بھائی جان سے جھوٹ بول کر دھوکہ دے چکا ہے۔ کئی بار انہیں مسلمان کہہ کر نفرت ظاہر کر چکا ہے۔ یہ بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے کہ اس نے بھائی جان کو سیکورٹی افسر کے بہروپ میں پہچان لیا ہوگا۔''

وہ کبھی کروٹیں بدلتی رہی۔ کبھی اٹھ کر ٹہلتی رہی۔ یہی ایک جذبہ مچلتا رہا کہ ایسے سنگین معاملے سے بھائی کو بے خبر نہیں رکھنا چاہئے۔ اس نے فون کے ذریعے مجھے مخاطب کیا اور کہا۔ ''بھائی جان! ایک بہت ہی سنگین معاملہ ہے۔ آپ وعدہ کریں اگر اس معاملے میں راوڈی خطاوار ہوگا تو آپ اپنے طور پر جو بھی کریں گے۔ مگر اسے جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''میں بھائی ہوں۔ خواہ میری جان پر بن آئے مگر اپنی بہن کا سہاگ نہیں اجاڑوں گا۔ مجھے بتاؤ' تم اتنی پریشان کیوں ہو؟''

وہ مجھے بتانے لگی۔ یہ معلوم ہونے لگا کہ شادی کی تقریب کے دوران میری لاعلمی میں میرے خلاف کیا ہوتا رہا ہے؟ میں نے تمام باتیں سننے کے بعد اسے تسلی دی اور کہا۔ ''تم اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ رکھو۔ ہو سکتا ہے' راوڈ مین کے دشمن اسے بدنام کرنے اور تم سے دور کرنے کے لئے اسے ایک کنیز سے منسوب کر رہے ہوں۔''

وہ ذرا مطمئن ہو کر بولی۔ ''آپ بہت اچھے ہیں۔ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔ میرا راوڈی اتنا نہیں گرے گا۔ ایک کنیز کو منہ نہیں لگائے گا۔ خدا کرے' اس نے آپ سے کسی طرح کی عداوت نہ کی ہو۔''

میں نے بہن کے دل سے بوجھ اتار دیا۔ مگر میرا ذہن بوجھل ہو گیا۔ یہ یقین ہو گیا کہ راوڈ مین نے مجھے سیکورٹی افسر کے بھیس میں پہچان لیا تھا۔ اس نے چرچ میں میری موت کا سامان کیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے خود نشانہ بن گیا تھا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ موت بہت قریب سے اپنی آہٹ سنائے بغیر گزر گئی تھی۔ یہ میری کم بختی اور غفلت تھی کہ شادی کی تقریب میں مگن رہا اور اپنی بدقسمتی کی ہلکی سی آہٹ بھی نہ سن پایا۔ یہ سبق ملا کہ آئندہ بہن سے اندھا پیار کروں گا۔ مگر راوڈ مین کے معاملے میں ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھوں گا اور جو اس نے میری لاعلمی سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا' اس کی سزا اس طرح دوں گا کہ رائنا کو خبر نہ ہو اور وہ اذیتوں میں مبتلا ہوتا رہے۔

گاڈ فادر نے ایک ماہ کے بعد سیکورٹی کے سخت انتظامات کے ساتھ بیٹی اور داماد کو ہنی مون کے لئے سوئٹزر لینڈ جانے کی اجازت دے دی۔

میرے جانثار وہاں اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ مجھے انفارم کرتے رہتے تھے کہ وہ ہنی مون کے علاوہ اور کن معاملات میں مصروف ہے۔ وہ میسونی کا تنظیم کا ایک اعلیٰ عہدیدار بن چکا تھا اور ان کے ایک خفیہ اجلاس میں شریک ہونے والا تھا۔

معلوم ہوا کہ جینوا کے ایک ہوٹل میں اجلاس ہے اور راوڈ مین اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے پہلی بار وہاں جاتے والا ہے۔ میں نے آواز اور لہجہ بدل کر اسے فون پر مخاطب کیا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم کون ہو....؟''

میں نے کہا۔ ''میں لوسی کا دیوانہ ہوں۔''

اس کنیز کا نام لوسی تھا۔ راوڈ مین یہ نام سنتے ہی چونک گیا۔ انجان بن کر بولا۔ ''کون لوسی....؟''

''وہ میری محبوبہ تھی۔ مال و زر کی ہوس میں تمہاری مخبر اور داشتہ بن گئی۔''

''بکواس مت کرو۔ بتاؤ کس مقصد کے لئے تم نے فون کیا ہے؟ فضول باتیں کرو گے تو فون بند کر دوں گا۔''

''میں نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ تم ایک اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے کوئی

میٹنگ اٹینڈ نہیں کرو گے۔ آج وہاں جاؤ گے تو تباہی آئے گی۔ اجلاس نہیں ہو پائے گا۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "آخر تم ہو کون...؟ اتنی بڑی بات کس بل بوتے پر کر رہے ہو؟"

"میں جو کہہ رہا ہوں' وہی ہوگا۔ میٹنگ اٹینڈ کرنے نہ جاؤ۔"

میں نے رابطہ ختم کر کے تنظیم کے سربراہ کو فون پر یہی کہا کہ راڈ مین اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے ان کے اجلاس میں آئے گا تو وہ بہت نقصان اٹھائیں گے اور نامراد اس ہوٹل سے واپس جائیں گے۔

سربراہ نے پوچھا۔ "تمہیں راڈ مین سے کیا دشمنی ہے؟"

"اس نے میری محبوبہ کو اغوا کیا ہے۔ جب تک اسے واپس نہیں لائے گا۔ اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے کوئی میٹنگ اٹینڈ نہیں کر سکے گا۔"

میں نے اس سے بھی رابطہ ختم کر دیا۔ وہ عام لوگ نہیں تھے۔ تمام دنیا میں اس تنظیم کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ تمام مطلوبہ ممالک میں مالی اور سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لئے بڑے وسیع ذرائع اور اختیارات استعمال کرتے رہتے تھے۔ کسی ایک شخص کی دھمکی آمیز فون کال سے مرعوب نہیں ہو سکتے تھے۔

میرے ایک جاں نثار نے ہوٹل کے ایک ویٹر کو بھاری رشوت دی تھی۔ اس کے ذریعے کانفرنس ہال میں ایک معمولی قوت کا بم اس طرح نصب کرایا تھا کہ کسی کو جانی نقصان نہ پہنچے۔ اجلاس کے آغاز میں راڈ مین کے کارناموں کی تفصیل پیش کرنے کے بعد کہا گیا کہ اسے استنبول کا زونل انچارج بنایا جا رہا ہے۔ آئندہ وہ ایک اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے تمام اہم اجلاس میں شریک ہوا کرے گا۔

ایسے ہی وقت کانفرنس ہال کے ایک گوشے سے زوردار دھماکہ ہوا۔ ایکدم سے بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگ زخمی ہوئے باقی وہاں سے بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے۔ راڈ مین زخمی نہیں ہوا مگر اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اب میری دھمکی اس کے اندر شور مچا رہی تھی۔

وہ کانفرنس ہال سے باہر آ کر گر پڑا تھا۔ اسے دوسرے زخمیوں کے ساتھ ہوسپٹل پہنچایا گیا تھا۔ میٹنگ کے سربراہ نے پوچھا۔ "وہ فون پر دھمکی دینے والا کون تھا؟ تم سے اس کی کیا دشمنی ہے؟"

اس نے کہا۔ "یہ انہی جانی دشمنوں میں سے کوئی ہے۔ جنہوں نے پہلے مجھے ہوٹل میں گھیرا تھا۔ پھر شادی کے دن مجھ پر گولی چلائی تھی۔"

سربراہ نے کہا۔ "نہیں۔ یہ کوئی اور معاملہ ہے۔ وہ مجھ سے فون پر کہہ رہا تھا کہ تم نے

اس کی محبوبہ کو اغواء کیا ہے۔ جب تک تم اسے واپس نہیں لاؤ گے' تب تک تمہارا اعلیٰ عہدہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔ تم ہماری کوئی میٹنگ اٹینڈ نہیں کر سکو گے۔"

"وہ بکواس کرتا ہے۔ ہم جیسے خطرات سے کھیلنے والے کھلاڑی عورتوں کو کبھی اہمیت نہیں دیتے۔ انہیں اپنے معاملات میں نہ تو مداخلت کرنے دیتے ہیں' نہ ان کی وجہ سے کوئی معصیبت مول لیتے ہیں۔"

"جھوٹ نہ بولو... تم نے ایک کنیز کو اپنی مخبر اور داشتہ بنایا تھا۔"

"ہاں۔ مگر وہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔"

"تم نے کیسے ختم کیا ہے؟ وہ کنیز کہاں ہے؟ آج جس نے ہمارے اجلاس میں دھماکہ کیا ہے۔ کیا وہ کنیز اسی کی محبوبہ ہے؟ کیا وہ اسی کا مطالبہ کر رہا ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ سراسر گڑے مردے اکھاڑنے والی بات ہے۔ میں بدنامی سے بچنے کے لئے اس عورت کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"اس کنیز کا مطالبہ کرنے والا ابھی یہ ثابت کر چکا ہے کہ وہ کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ معلوم کرو وہ کون ہے؟ کیا آئندہ بھی تمہارے راستے کا پتھر بنتا رہے گا۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "پتہ نہیں' وہ کون تھا؟ بلائے ناگہانی کی طرح آ کر گزر گیا ہے۔ کیا واقعی کنیز لوسی کا کوئی ایسا چاہنے والا تھا؟ یا میرا کوئی جانا پہچانا دشمن ہے جو نئے بھیس میں آ رہا ہے؟"

میں نے اسے فون پر پھر مخاطب کیا۔ "ہاں۔ تو بولو اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے یہ پہلا اجلاس کیسا رہا؟"

اس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "کون ہو تم...؟"

"اپنی لوسی کا طلبگار ہوں۔ اسے واپس کر دو۔ اس کے بعد کبھی میری آواز نہیں سنو گے۔"

"پلیز۔ مجھے بتاؤ' تم کیسے جانتے ہو کہ وہ میری مخبر تھی؟"

میں نے کہا۔ "پوری بات کرو۔ وہ صرف مخبر نہیں' داشتہ بھی تھی۔ بولو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں درست کہہ رہے ہو۔"

"میں کیا درست کہہ رہا ہوں؟"

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "کہہ تو رہا ہوں' وہ میری داشتہ بھی تھی۔ کیوں اتنی تفصیل سے پوچھ

رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تمہارا یہ بیان یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے۔"

اس نے ایکدم سے گھبرا کر فون بند کر دیا۔ ریسیور رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر سوچنے لگا۔ "یہ کون مجھے ٹریپ کر رہا ہے؟ میری یہ باتیں گاڈ فادر اور رائنا تک پہنچیں گی تو کیا ہوگا؟ رائنا کبھی برداشت نہیں کرے گی کہ ایک کنیز کے بستر پر سونے والا آئندہ اس کے قریب بھی آئے۔"

وہ فون کا رابطہ ختم کر کے مجھ سے فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بھید کھلنے کا یقین ہو گیا تھا کہ میں ایک کنیز کے معاملے کے علاوہ اس سازش کا بھی انکشاف کر سکتا ہوں کہ اس نے رائنا کے بھائی جان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے کیسے انتظامات کئے تھے۔

وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا کہ مجھے یہ بات معلوم ہو گی تو میں اس کا جانی دشمن بن جاؤں گا۔ اسے یہ منظور نہیں تھا کہ وہ بات مجھ تک پہنچے۔

اس نے سی ایل آئی میں نمبر پڑھے پھر انہیں پنچ کیا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا۔ "فار گاڈ سیک۔ مجھے بتاؤ' تم کون ہو اور میری باتیں کیوں ریکارڈ کر رہے ہو؟"

"صرف اپنی لوسی کو حاصل کرنے کے لئے تمہاری کمزوری ہاتھوں میں لے رہا ہوں۔ اسے واپس کر دو۔ عداوت ختم ہو جائے گی۔ ورنہ یہ ریکارڈنگ تمہاری بیوی اور سسر کے پاس پہنچ جائے گی۔"

"نہیں پلیز۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"اس سے بھی زیادہ کروں گا۔ ذرا سوچو یہ بات تھری ایس تک پہنچے گی تو تمہارا کیا ہوگا؟"

وہ تقریباً چیخ پڑا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ یہ تم زبردستی ہیرا پھیری سے ایسی باتیں اگلوا رہے ہو اور میں تم سے جان چھڑانے کے لئے ایسی گری ہوئی باتیں قبول کر رہا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "قسم کھاؤ کہ تم یہ سب جبراً قبول کر رہے تھے اور اب انکار کر رہے ہو۔"

اس نے کہا۔ "ہاں ہاں۔ میں اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں' لوسی نہ میری مخبر تھی' نہ داشتہ تھی۔"

"تم اپنی جھوٹی قسم اور جھوٹے سچ پر قائم نہیں رہ سکو گے۔ آگے آگے دیکھو... کیا ہونے والا ہے؟"

میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔ طے کر لیا کہ آئندہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اس نے لوسی کے ماں باپ اور رشتے داروں کے پیچھے جاسوس لگا دیئے۔ وہ جاسوس لوسی کے کسی دیوانے کے متعلق معلومات حاصل کرتے پھر رہے تھے اور ناکام ہو رہے تھے۔

میسونی تنظیم کا جو اجلاس بم دھماکے کی نظر ہو گیا تھا۔ اسے دو روز بعد منعقد کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ وہ اپنے تمام اہم اجلاس کو حتی الامکان خفیہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن راڈ مین ہماری نظروں میں رہتا تھا۔ وہ جہاں بھی میٹنگ اٹینڈ کرنے جاتا' وہاں میرے جاں نثار پہنچ جاتے۔

وہ ایک دن سیکورٹی گارڈز کے سائے میں ایک عمارت کے اندر پہنچ گیا۔ پتہ چلا' وہاں اجلاس کی کارروائی شروع ہونے والی ہے۔ میں نے تنظیم کے سربراہ سے فون پر کہا۔ "میں وہی ہوں' جس نے بم دھماکہ کیا تھا۔ اگر آج نقصان سے بچنا چاہتے ہو تو راڈ مین کو اجلاس سے باہر کرو۔ ورنہ دس منٹ کے اندر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تم کیسے جانتے ہو کہ ہمارا اجلاس یہاں ہونے والا ہے؟"

"یہ احمقانہ سوال ہے۔ راڈ مین ہماری نظروں میں رہتا ہے۔ ہم اس کے پیچھے پہنچ جاتے ہیں۔ اگر وہ مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو میری لوسی کو واپس کرے ورنہ اعلیٰ عہدیدار بن کر رہنے کا خیال دماغ سے نکال دے۔ میں اس لمحے سے گھڑی دیکھ رہا ہوں۔ ٹھیک دس منٹ کے اندر اسے باہر آ جانا چاہئے۔"

وہ بولا۔ "اتنا تو ہمیں معلوم ہے کہ یہاں بم نصب نہیں کیا گیا ہے۔"

"یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے دو اعلیٰ عہدیدار اس اجلاس میں نہیں ہیں۔ وہ جہاں بھی ہیں' وہاں سے ان کی لاشیں آئیں گی۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں... ہم ابھی راڈ مین کو یہاں سے نکال رہے ہیں۔"

میرے ایک جاں نثار نے موبائل فون کے ذریعے مجھے بتایا کہ مقررہ وقت سے پہلے ہی راڈ مین عمارت سے باہر آ گیا ہے اور اس ہوٹل کی طرف جا رہا ہے' جہاں رائنا کے ساتھ قیام ہے۔

میں نے اسے فون پر مخاطب کیا پھر کہا۔ "بڑے بے آبرو ہو کر اپنی ہی تنظیم کے اجلاس سے نکلے۔ آئندہ بھی اسی طرح دھکے کھاتے رہو گے۔"

اسے اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے جہاں عزت ملنے والی تھی۔ وہاں سے نکالا گیا تھا۔ وہ اپنی توہین کے احساس سے تلملا رہا تھا۔ غصہ دکھا کر اپنی بگڑی نہیں بنا سکتا تھا۔ ایسا مجبور اور بے بس ہو گیا تھا کہ اس کے آگے صلح صفائی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔

اس نے بڑی بے بسی سے کہا۔" پلیز۔ مجھ سے عداوت نہ کرو۔ کسی بھی قیمت پر سمجھوتہ کرلو۔"

"سمجھوتے کی ایک ہی صورت ہے۔ یہ تحریر لکھ دو اور اپنی آواز میں بھی ریکارڈ کرو کہ تم نے لوسی کو داشتہ بنا کر رکھا اور اس سے مخبری کرائی اور یہ معلوم کیا کہ تھری ایس ایک [illegible] فسر کے بھیس میں رائنا کا محافظ بنا ہوا ہے۔ تم نے شادی کے دن تھری ایس کو قتل کرانے [illegible] انتظامات کئے تھے۔ مگر اس کی طرف جانے والی گولی تمہیں آ لگی تھی۔"

"یہ تو تم میری گردن پھنسانے والی بات کہہ رہے ہو؟ رائنا کے سامنے میری تحریر اور آڈیو ریکارڈنگ پہنچے گی تو وہ مجھ سے طلاق لے لے گی اور تھری ایس میرا جانی دشمن بن جائے گا۔"

میں نے کہا۔" تمہارا وہ اقرار نامہ اور آڈیو ریکارڈنگ میرے پاس امانت رہے گی۔ رائنا اور تھری ایس کے ہاتھ نہیں لگے گی۔"

"تم میری کمزوری اپنے ہاتھ میں کیوں رکھنا چاہتے ہو؟"

"جرائم کی دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ کیا تم دوسروں کی کمزوریوں سے نہیں کھیلتے ؟"

میں نے ذرا توقف سے کہا۔" اس دنیا میں طاقت ہے تو سب کچھ ہے اور طاقت کا پھیلاؤ اسی طرح ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی کمزوریاں اپنے ہاتھوں میں رکھی جائیں۔"

اس نے کہا۔" ابھی موبائل فون پر بات ہو رہی ہے۔ میری کسی بات کو ریکارڈ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کھل کر کہہ رہا ہوں کہ تھری ایس کی موت میری زندگی ہے۔ وہ رہے گا تو آئندہ میں کبھی گاڈ فادر کی جگہ حاصل نہیں کرسکوں گا۔ وہ میسونی تنظیم میں بھی میرے لئے رکاوٹیں پیدا کرتا رہے گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارا تحریری اور آڈیو بیان تھری ایس تک کبھی نہیں پہنچنے دوں گا۔"

"سوری میں اپنے گلے میں پھندا ڈال کر اس کی رسی کسی دوسرے کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔ تم مجھے اعلیٰ عہدیدار بننے سے روک رہے ہو۔ میں دیکھوں گا کہ کتنے پانی میں ہو؟ جلد ہی تمہاری اصلیت معلوم کر کے یہی کروں گا جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ تمہارا جینا حرام کر دوں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ اپنے بدترین حالات سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اسے مزید مشکلات میں ڈال سکتا تھا۔ ابھی دیکھنا یہ تھا کہ وہ میرے خلاف کیا کر سکتا ہے اور اس تنظیم میں اپنے اعلیٰ عہدے کو کس طرح برقرار رکھ سکے گا؟

میسونی تنظیم کے جاسوس بھی مجھے تلاش کر رہے تھے۔ دنیا کے کئی ممالک میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے والی تنظیم یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ مجھ جیسا ایک اجنبی دشمن اس راڈ مین کے سامنے رکاوٹ بنتا رہے جو آئندہ گاڈ فادر بننے والا تھا اور پورے اٹلی میں میسونی تنظیم کی جڑیں مضبوط کرنے والا تھا۔

اگر میں ان پر ظاہر ہو جاتا تو وہ کسی بھی قیمت پر مجھ سے سمجھوتہ کرنے کی کوششیں بھی کرتے اور در پردہ دشمنی سے بھی باز نہ آتے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ رائنا کو اپنے محبوب شوہر کی کم ظرفی اور کمینگی کا پتہ چلے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اسے شوہر کی کمینگی معلوم ہو۔ اس کمینے سے میں نمٹ رہا تھا۔ اس کے ہوش اڑا رہا تھا۔ اسے رفتہ رفتہ قسطوں میں مار رہا تھا۔

ہم سب ہی اپنی بدنصیبی سے بے خبر اپنے حال میں مست رہتے ہیں۔ بعد میں دھوکہ کھاتے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ میری حکمت عملی کے باعث رائنا ایک شریک حیات کی حیثیت سے کبھی دھوکہ نہیں کھائے گی۔ میں اس خود غرض اور مطلب پرست کو اس کے خلاف کبھی کوئی قدم اٹھانے کا موقع نہیں دوں گا۔

یوں دن گزرنے لگے۔ اس تنظیم کے جاسوس یہ معلوم نہ کر سکے کہ یہ میں ہی ہوں' جو راڈ مین کے لئے ایک نہ ٹلنے والی مصیبت بن چکا ہوں۔ ایک برس کے بعد رائنا ماں بن گئی۔ اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔

برنارڈ بنجامن نے خوش ہو کر کہا۔" میرے نواسے کو بھرپور تربیت دی جائے گی۔ یہ میری جگہ لے گا اور یہاں کا گاڈ فادر کہلائے گا۔"

راڈمین اتنی مدت تک انتظار کرنے والا نہیں تھا۔ بیٹا جوان ہو کر بیس برس کے بعد نانا کی جگہ سنبھال سکتا تھا۔ جبکہ وہ اپنے سسر کو ابھی سے ناکارہ بنا کر یا کسی طرح ٹھکانے لگا کر گاڈ فادر بننے کی پلاننگ کر چکا تھا اور اسی پلاننگ پر عمل کرنے کے سلسلے میں مجھے سب سے بڑی رکاوٹ سمجھ رہا تھا۔ کسی ایسے موقع کے انتظار میں تھا کہ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر یا مجھے ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا کر اپنا مقصد حاصل کر لے۔

وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ اس نے اگلے بیس برسوں میں کئی بار مجھ سے جان لیوا دشمنی کی اور ناکام رہا۔ اس طویل عرصے کے دوران میں نے ڈھیل دی تھی۔ اسے اپنی تنظیم میں اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے کارکردگی دکھانے کی چھوٹ دے دی تھی۔

جب فادر طبعی عمر گزار کر موت کی نیند سو گیا۔ تب نامان راڈ اٹھارہ برس کا ہو چکا

تھا۔یعنی دو برس کے بعد بیس برس کا ہونے والا تھا اور اسی وقت اسے دستور کے مطابق گاڈ فادر بنایا جاسکتا تھا۔

یعنی اگلے دو برسوں تک کسی کو قائم مقام گاڈ فادر کی ذمہ داریاں سونپی تھیں۔راڈ مین کا خیال تھا کہ عارضی طور پر اسے یہ موقع دیا جائے گا۔لیکن برنارڈ بنجامن نے مرنے سے پہلے وصیت لکھی تھی۔اس کے مطابق مجھے یہ ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔

برنارڈ نادان نہیں تھا۔یہ سمجھتا تھا کہ اپنے یہودی داماد پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔اس نے اپنے مزاج کے مطابق اپنے نواسے کو تربیت دی تھی۔نامان راڈ اپنے نانا اور مجھ سے متاثر تھا۔باپ سے اتنا ہی لگاؤ تھا کہ بیٹے کی حیثیت سے اس کا احترام کرتا تھا۔

میں جب سے رائنا کی زندگی میں بھائی بن کر آیا تھا تب سے راڈ مین کامیابیاں کم اور ناکامیاں زیادہ دیکھتا آرہا تھا۔وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا ہوا میسونی تنظیم کا سربراہ بن گیا تھا۔مگر میری وجہ سے نہ کبھی رائنا پر حاوی ہوسکا اور نہ گاڈ فادر بن پایا۔

ان حالات کے پیش نظر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ میرے خلاف کس طرح سلگتا رہتا ہوگا؟ میں نے اس سے کہا۔"تم دیکھ رہے ہو۔ہم نے تمہارے بیٹے کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھالا ہے۔وہ تمہارے حوالے سے یہودی ہے۔مگر دو برس بعد ایک گاڈ فادر کی حیثیت سے یہودی تنظیم کا حصہ نہیں بنے گا اور نہ میں بننے دوں گا۔اس کے نانا نے بھی اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ صرف اپنے علاقے میں' اپنے مفادات کے لئے کام کرنا ہے۔یہاں یہودی پاؤں پھیلائیں گے تو ایک گاڈ فادر کی شخصیت سکڑ کر رہ جائے گی۔"

راڈ مین اور میسونی تنظیم کے سامنے یہی ایک راستہ تھا کہ کسی بھی طرح نامان راڈ کو اپنے رنگ میں رنگ کر نظریات اور مفادات کے مطابق اسے اپنا حامی بنالیں۔اس مقصد کے لئے وہ ایک محبت کرنے والے باپ کی طرح اچانک ہی اپنے بیٹے سے بہت قریب ہوگیا۔اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے ہوئے اسے دادا پردادا کے کارنامے سنانے لگا اور یہودیت کی فتح و کامرانی کے تاریخی حقائق سے قائل کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔

وہ نامان کے ساتھ کئی ماہ تک سر کھپاتا رہا۔بیٹا انیس برس کا ہوگیا۔آئندہ ایک برس کے بعد میں اسے گاڈ فادر کی ذمہ داریاں سونپی جانے والی تھیں۔راڈ مین کے لئے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔اسے بیٹے کی حمایت حاصل کرکے اس سے متحد ہوکر بڑے اہم معاملات سے نمٹنا تھا۔مگر نامان اس سے محبت کرنے' اس کی عزت کرنے کے باوجود ہتھے نہیں چڑھ رہا تھا۔

وہ رائنا کو مما اور مجھے انکل کہا کرتا تھا۔اس نے باپ سے کہا۔"ڈیڈ! مما میری نانی کی طرف سے یہودی اور نانا کی طرف سے عیسائی ہیں۔اور انکل کی محبت میں اسلام کی طرف مائل ہیں۔میری مما اور انکل تین مذاہب کے درمیان بڑی محبت اور اعتماد سے ایسی زندگی گزار رہے ہیں' جو ہم سب کو انسان دوستی کا سبق دیتی ہے۔"

راڈ مین نے کہا۔"دو انسان دو مذاہب کے لوگ کبھی برابر نہیں ہو پاتے۔ایک دوسرے سے برتری کئے بغیر نمایاں مقام حاصل نہیں کر پاتے۔"

"مجھے گاڈ فادر کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل ہونے والا ہے۔میرے انکل تھری ایس ناقابل شکست ہیں اور کس طرح نمایاں ہیں' یہ آپ جانتے ہیں۔آپ ترکی میں میسونی تنظیم کے سربراہ ہیں۔ہم سب کو اپنی اپنی جگہ کارکردگی دکھانی چاہئے۔پلیز۔آپ اپنی تنظیم کا ایجنڈہ مجھے نہ سمجھائیں۔میرے علاقے میں اس پر عمل نہیں کیا جاسکے گا۔"

نامان کی دوٹوک باتوں نے سمجھا دیا کہ میں نے اور گاڈ فادر نے اسے جو تربیت دی ہے۔وہ اٹل ہے اس کے دل و دماغ پر نقش ہوچکی ہے۔اسے میسونی تنظیم کا کٹھ پتلی گاڈ فادر نہیں بنایا جاسکے گا۔تب وہ لوگ ایک انتہائی قدم اٹھانے کے لئے ایک خفیہ اجلاس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

برنارڈ تو مرچکا تھا۔صرف میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔"کسی بھی طرح تھری ایس کو خاک میں ملایا جائے۔پھر شائد نامان اپنے باپ کے زیر اثر آسکے گا۔"

راڈ مین نے کہا۔"میں نے بیٹے کے ساتھ دن رات رہ کر دیکھ لیا ہے۔وہ میرا لہو ہے مگر اس کی رگوں میں اس کا نانا اور تھری ایس لہو کی طرح دوڑتے رہتے ہیں۔اگر ہم تھری ایس کو کسی طرح ختم کریں گے' تب بھی نامان میرے زیر اثر نہیں آئے گا۔تھری ایس کی موت اسے اور رائنا کو مشتعل کردے گی۔وہ ماں بیٹا مجھ سے بدظن ہوجائیں گے۔"

ایک عہدیدار نے کہا۔"طریقہ کار یہ ہے کہ تم عارضی طور پر میسونی تنظیم سے نکل جاؤ۔وہاں بیوی اور بیٹے کے ساتھ رہو۔یہ یقین دلاؤ کہ بیٹے کو ایک گاڈ فادر کی حیثیت سے مستحکم کرتے رہنے کے لئے اس کے ساتھ رہو گے اور کبھی ہماری تنظیم کے مفادات کی بات نہیں کرو گے۔"

اس نے پوچھا۔"اس طرح کیا حاصل ہوگا؟"

اس نے جواب دیا۔"ایک ماہ بعد تمہارے بیٹے کی انیسویں سالگرہ منائی جائے

گی۔اتنی بڑی تقریب میں تھری ایس ضرور آئے گا۔تم معلوم کرسکو گے کہ وہ کس بھیس میں رائنا اور نامان کے پاس آتا جاتا ہے؟ ہم دھوکہ کھائے بغیر پوری طرح یقین کرنے کے بعد اسے ٹھکانے لگائیں گے۔ایسے وقت کوئی تم پر شبہ نہیں کرے گا۔''

وہ قائل ہو کر بولا۔''اچھی تدبیر ہے۔میں کل ہی تنظیم سے الگ ہو کر بیوی اور بیٹے کے پاس چلا جاؤں گا۔''

ایک عہدیدار نے کہا۔''تھری ایس کے ختم ہونے کے بعد بھی ہم پوری طرح اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکیں گے۔مکمل کامیابی کے لئے تمہیں ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی۔''

''میں اپنے مذہب اور اپنی قوم کی خاطر جان بھی دے سکتا ہوں۔''

''تمہیں اپنی نہیں بیٹے کی جان سے کھیلنا ہوگا۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر تمام اعلیٰ عہدیداروں کو دیکھا۔ایک نے کہا۔''تھری ایس کی موت کے بعد بھی تمہارا بیٹا ہمارا کٹھ پتلی گاڈ فادر بن کر نہیں رہے گا۔اچھی طرح غور کرو اور سمجھو رائنا اپنے بھائی اور بیٹے سے محروم ہونے کے بعد صرف تم پر ہی تکیہ کرے گی۔تمہیں ہی اپنے باپ کی جگہ گاڈ فادر بنانے کی حمایت کرے گی۔ایسے وقت کوئی بڑی مخالفت تمہارا راستہ روکنے نہیں آئے گی۔''

اسے ابتدا ہی سے بیٹے کی نافرمانی مایوس کرتی رہی تھی۔نامان سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ایک امید تھی کہ اپنا لہو ہے' کبھی تو باپ کی طرف لوٹ کر آئے گا۔ناامیدی کہہ رہی تھی کہ صرف نام کا بیٹا رہ گیا ہے۔آئندہ کسی کام نہ آنے والے رشتوں میں کوئی کشش نہیں رہ جاتی۔وہ محض مٹی دھول رہ جاتے ہیں۔جنہیں صرف روندتے ہوئے گزرنا چاہئے۔

یہ انسانی تاریخ کی سچائی ہے کہ برتری' اقتدار اور حکمرانی کے لئے بھائی بھائی کو' بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو موت کے گھاٹ اتارتا چلا آیا ہے۔راڈ مین بھی ایسی ہی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ایک مستحکم پلاننگ پر عمل کرنے کے لئے میسونی تنظیم سے علیحدگی اختیار کر کے بیوی اور بیٹے کے ساتھ رہنے چلا آیا۔

اس نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ میسونی تنظیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔میرے جاسوسوں نے معلومات حاصل کیں تو یہی معلوم ہوا کہ وہ رائنا اور نامان کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے پچھلے تمام تعلقات توڑ آیا ہے۔

وہ ترکی کی میسونی تنظیم کا سربراہ تھا۔کوئی معمولی عہدیدار نہیں تھا۔یہ بات میرے حلق

سے نہیں اتر رہی تھی کہ وہ اتنے بڑے عہدے کو ٹھکرا کر چلا آئے گا۔وہ بظاہر بیوی اور بیٹے کو متاثر کرنے کے لئے خود کو ایک سچے شوہر اور اچھے باپ کے طور پر پیش کر رہا تھا۔

میں نے اس کی تعریف کی اور کہا۔''اگر تم میری بہن اور بھانجے سے اسی طرح مخلص رہو گے تو میں کبھی کسی معاملے میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔''

اس نے کہا۔''آنے والا وقت بتائے گا کہ میں تمہاری بہن سے کس قدر سچی محبت کرتا ہوں؟ اپنے بیٹے کو ایک کامیاب گاڈ فادر بنانے کے سلسلے میں دن رات محنت کرتا رہوں گا تو تم میرے خلوص کو اور نیک نیتی کو تسلیم کر لو گے۔''

''میں تم سے یہی امید رکھوں گا۔آخر باپ ہو' بیٹے کو اپنی ذات سے بھی اونچا اور نمایاں رکھنا چاہو گے۔''

نامان کی سالگرہ کا جشن ایک بہت ہی وسیع وعریض بوٹانیکل گارڈن میں منانے کا اہتمام کیا گیا۔وہ انیس برس کا ہو چکا تھا۔اگلے ایک برس کے بعد اسے گاڈ فادر بنانے کے سلسلے میں تاج پوشی ہونے والی تھی۔

گارڈن میں حدِ نظر تک ہریالی' گھنے درخت اور رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔دنیا کے مختلف ممالک سے وی آئی پی سطح کے مہمان آئے ہوئے تھے۔سیکورٹی کے انتظامات کو مستحکم بنانے کے لئے جگہ جگہ جدید آلات نصب کئے گئے تھے۔اس کے باوجود دشمنوں نے اپنی پلاننگ مستحکم رکھی تھی۔وہ حد سے گزر جانے کے لئے مختلف بھیس میں وہاں موجود تھے۔

وہ ایک ہی وقت میں دو شکار کھیلنے آئے تھے۔میرا اور نامان کا قصہ تمام کر دینا چاہتے تھے۔یہ طے پایا تھا کہ مناسب موقع پر جو ہتھے چڑھے گا' اسے گولیوں سے اڑا دیا جائے گا۔یہ بھی طے تھا کہ مجھ پر زیادہ توجہ دی جائے۔ان کے لئے اصل رکاوٹ میں تھا۔نامان سے تو میرے بعد بھی نمٹا جا سکتا تھا۔

وہاں نامان نظروں میں تھا۔لیکن میں کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ویسے دیر تک آنکھ مچولی جاری نہیں رہ سکتی تھی۔جب کیک کاٹنے کا وقت آیا تو میں رائنا اور نامان کے قریب آ گیا۔وہاں کوئی مجھے تھری ایس کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔راڈ مین نے میرے قاتلوں سے کہہ دیا تھا کہ میں کیک کاٹنے کی گھڑی میں ان ماں بیٹے کے ساتھ ضرور رہوں گا۔

ایسے وقت باپ کو بھی بیٹے کے پاس رہنا چاہئے تھا۔لیکن وہ عین وقت پر وہاں سے کہیں چلا گیا۔یہ اندیشہ تھا کہ کسی طرح میری طرف آنے والی گولی اسے لگ سکتی ہے۔

میں بھی کوئی نادان بچہ نہیں تھا۔ رائنا کی شادی میں مگن رہ کر دھوکا کھاتے کھاتے بچا تھا۔ پھر کسی تقریب میں شریک ہو کر مرنے کا شوق نہیں تھا۔ وہاں رائنا اور نامان کے قریب آنے والا میرا ایک جاں نثار تھا۔

میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری جگہ کوئی ڈمی نشانہ بنے۔ مگر ٹیپو اور دوسرے جاں نثاروں نے یقین دلایا تھا کہ وہ خطرے سے کھیلنے والا میری ڈمی بلٹ پروف میں رہے گا۔ یوں دشمنوں کے آگے چارہ ڈالنا ضروری تھا۔

بہرحال وہی ہوا' جس کی توقع تھی۔ ہم نے چارہ ڈالا اور شکار کرنے والے آگئے۔

نامان نے کیک کاٹنے سے پہلے پوچھا۔ ''ڈیڈی کہاں چلے گئے؟''

ماں بیٹے نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ رائنا نے کہا۔ ''پتہ نہیں' کہاں چلے گئے ہیں؟ تم کیک کاٹو۔''

نامان نے ایک چاقو اٹھایا۔ تمام مہمان ہمنوا ہو کر ہیپی برتھ ڈے ٹو کا گیت گانے لگے۔ اس نے کیک کاٹ کر پہلا پیس ماں کو کھلانا چاہا۔ رائنا نے وہ پیس لے کر میری طرف بڑھایا۔ وہ میری ڈمی کو اپنا بھائی سمجھ رہی تھی۔ دشمنوں نے بھی یہی سمجھا۔

ایسے ہی وقت سائلنسر لگے ہوئے ہتھیار سے گولی چل پڑی۔ وہ سیدھی میری ڈمی کے سینے پر آ کر لگی۔ اس کے بعد نامان کے حلق سے بھی چیخ نکلی۔ دوسری گولی اس کی پسلیوں کو توڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ میرا ڈمی جاں نثار محفوظ تھا۔ وہ فوراً ہی نامان کو گرفت میں لے کر ڈھال بن کر زمین پر آگیا۔

پتہ نہیں' کہاں کہاں سے فائرنگ ہو رہی تھی؟ مہمان مرد' عورتیں اور بچے سب ہی چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ رائنا اپنے بیٹے کے قریب پہنچنے کے لئے رو رہی تھی۔ میں نامان کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر وہاں سے بھاگتا جارہا تھا۔ وہ پیچھے دوڑتی آرہی تھی۔ ایسے وقت تمام جاں نثار ہمارے چاروں طرف ڈھال بنے ہوئے تھے۔ اس طرح ہم سب نامان کو گاڑی میں لے کر ہوسپٹل کی طرف چلے گئے۔

ادھر ٹیپو نے دو حملہ آوروں کو زخمی کیا تھا۔ وہ رحم کی بھیک مانگنے لگے۔ اس نے کہا۔ ''پہلے سچ بتاؤ' یہ حملہ کس کی طرف سے ہو رہا ہے تو تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے اپنے دوسرے ساتھی کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''ہم کرائے کے قاتل ہیں۔ کام لینے والے بہت ہی پراسرار ہیں۔ ہم نے ان کی صورت نہیں دیکھی ہے۔''

صاف اندازہ ہو گیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ ٹیپو نے اسے گولی مار کر دوسرے سے کہا۔ ''میں صرف کام آنے والے کے کام آؤں گا۔ بولو... کیا تم بھی مرنا چاہتے ہو؟''

وہ جلدی سے بولا۔ ''مجھے نہ مارو۔ ہم میسونی تنظیم کے کارندے ہیں۔ راڈ مین کی پلاننگ کے مطابق یہاں آئے ہیں۔''

اس نے حکم دیا۔ ''چلو اٹھو اور راڈ مین کو تلاش کرو۔ اس کے پاس جا کر خوشخبری سناؤ کہ تھری ایس مر چکا ہے۔''

وہ بولا۔ ''مجھے تھری ایس کو نہیں' نامان کو نشانہ بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔''

ٹیپو نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا باپ نے بیٹے کو گولی مارنے کا حکم دیا تھا؟''

''ہاں۔ وہ میسونی تنظیم سے الگ نہیں ہے۔ اب بھی ہمارا سربراہ ہے۔''

وہ زخمی تکلیف سے کراہتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ ٹیپو دور رہ کر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ راڈ مین بوٹانیکل گارڈن کے دفتری کمرے میں تھا۔ اس زخمی کو دیکھتے ہی بولا۔ ''وہاں کیا ہو رہا ہے؟ میرا فون کام نہیں کر رہا ہے۔ کسی کو یہاں آ کر رپورٹ تو دینی چاہئے۔''

وہ بولا۔ ''تھری ایس مر چکا ہے۔ نامان کو بھی گولی لگی ہے۔ اس کے گارڈز اسے ہوسپٹل لے گئے ہیں۔''

وہ غصے سے بولا۔ ''اسے ہوسپٹل لے جانے کا موقع نہیں دینا چاہئے تھا۔ کیا وہ بچ جائے گا؟''

''پتہ نہیں میں خود گولی کھا کر گر پڑا تھا؟ بڑی مشکلوں سے یہاں تک آیا ہوں۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''یہاں سے بھاگو پکڑے جاؤ گے تو بھید کھل جائے گا۔''

''پلیز ایک گاڑی کا انتظام کر دیں۔ میں آگے کہیں جانے کے قابل نہیں ہوں۔''

اس نے ریوالور نکال کر کہا۔ ''میں کسی گاڑی کا انتظام نہیں کر سکتا اور تم ایسی حالت میں فرار نہیں ہو سکتے۔ تمہیں گرفتار بھی نہیں ہونا چاہئے۔ بہتر ہے اس دنیا سے ہی چلے جاؤ۔''

اس نے گولی چلانے کے لئے نشانہ لیا۔ اس سے پہلے ہی ٹیپو نے گولی چلائی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں میرا قد اور میری جسامت رکھنے والا ٹیپو کھڑا ہوا تھا۔

اس نے میری آواز اور لہجے میں کہا۔ ''تم نے یہ دوسری بار میری موت کا سامان کیا تھا۔ اس بار بھی تمہاری شامت آرہی ہے۔''

ٹیپو نے آگے آ کر فرش پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا لیا۔ راڈ مین نے کہا۔ "تم میری جان نہیں لو گے۔ میں تمہاری بہن کا سہاگ ہوں۔ وہ میرے بغیر صدمے سے مر جائے گی۔ تم اسے کبھی صدمہ نہیں پہنچاؤ گے۔"

وہ بڑی سفاکی سے بولا۔ "ایک شیطان کو مارنے کے لئے بہن کو صدمہ پہنچاؤں گا۔"

اس نے نشانہ لے کر یوں گولی چلائی کہ وہ اس کے کان کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ موت بہت ہی قریب سے گزری تھی۔ وہ بوکھلا گیا۔ اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ٹیپو نے کہا۔ "دوسری گولی پیشانی پر لگے گی۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو کاغذ قلم سنبھالو اور یہ تفصیل سے لکھو کہ تم نے مجھے اور نامان کو ہلاک کرانے کے لئے کیسی سازشیں کی ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا اس کے بعد مجھے زندہ رہنے دو گے؟"

"ہاں۔ میں اپنی بہن کو صدمہ پہنچنے نہیں دوں گا۔ یہ تحریر تمہاری کمزوری بن کر میرے پاس رہے گی۔"

وہ آسانی سے لکھنے والا نہیں تھا۔ ٹیپو نے ریوالور کی نال اس کے منہ میں ٹھونس دی۔ پھر کہا۔ "ٹریگر پر انگلی ہے۔ تمہارا قلم نہ چلا تو انگلی چل پڑے گی۔"

وہ لکھنے لگا۔ ادھر ہوسپٹل میں نامان کی حالت تشویشناک تھی۔ رائنا نے اس شہر کے بڑے بڑے تجربے کار ڈاکٹروں کو بلایا تھا۔ وہ اسے بچانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ٹیپو نے مجھے فون پر بتایا کہ راڈ مین نے وہ تمام واردات کروائی ہے۔ وہ اس سلسلے میں اس کا تفصیلی بیان لے چکا ہے۔

اس نے کہا۔ "میں نے اس کے تحریری بیان کے ساتھ صرف دستخط ہی نہیں اس کے انگوٹھے کا نشان بھی لے لیا ہے۔ یہ ابھی میرے گن پوائنٹ پر ہے۔ بتاؤ اس کے ساتھ کیا جائے؟"

میں نے کہا۔ "اسے فون دو۔"

پھر اس کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا۔ "تمہارے سامنے تھری ایس ہے۔ یہاں بھی فون پر تھری ایس بول رہا ہے۔ تم کتنے حملے کرو گے؟ کتنے تھری ایس کو نشانہ بناؤ گے؟ میری موت پلٹ کر تمہاری طرف چلی آتی ہے۔ ان لمحات میں تم فنا ہونے والے ہو۔"

وہ بولا۔ "ہم آئے دن موت کا کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنی سلامتی کے لئے تحریری طور پر اقبال جرم کیا ہے۔ مجھے رائنا کی عدالت میں پہنچا دو۔ پھر اس کے فیصلے کے مطابق مجھے سزا دو۔"

ٹیپو میری ہدایت کے مطابق اسے ایک خفیہ اڈے میں لے گیا۔ نامان کے صحت یاب ہونے تک اسے قیدی بنا کر رکھا گیا۔ میسونی تنظیم کے جاسوس اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اسے کسی بھی طرح ہمارے شکنجے سے نکال کر لے جانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس بار اس کا کام تمام کر دوں گا۔

رائنا اس کی گمشدگی سے پریشان تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ "وہ جہاں بھی ہے محفوظ ہے۔ خطرہ ٹلتے ہی آ جائے گا۔"

اب میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس کی عداوت اور کمینگی کو رائنا سے نہیں چھپاؤں گا۔ وہ ایک ہرجائی شوہر ہی نہیں ایک قصائی باپ بن چکا تھا۔ آئندہ کبھی بیٹے کو پھر جانی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

جب نامان صحت یاب ہو کر اپنے محل میں آیا تو میں نے اسے اور رائنا کو سامنے بٹھا کر راڈ مین کو کچا چٹھا سنایا۔ انہیں یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قتل کرانے کی کوشش کی ہو گی۔

میں نے اس کا تحریری بیان پیش کیا۔ جس پر اس کے دستخط کے علاوہ انگوٹھے کا نشان بھی تھا۔ اس تحریر کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

پھر میں نے راڈ مین کو ماں بیٹے کے سامنے پیش کیا۔ اس نے وہاں آتے ہی کہا۔ "تھینکس گاڈ! مجھے اپنی بیوی اور بیٹے کے آخری دیدار کا موقع مل رہا ہے۔ ابھی میں سچ بولوں گا تو یہ تمہارا بھائی بن کر رہنے والا مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

رائنا نے پوچھا۔ "کیا یہ تحریر تمہاری نہیں ہے؟"

"ہاں۔ میری ہے۔ مجھ سے گن پوائنٹ پر جبراً لکھوائی گئی ہے۔ زبردستی انگوٹھے کا نشان لگوایا گیا ہے۔ رائنا! میری جان! کیا تمہاری عقل یہ کہتی ہے کہ میں بیٹے سے جان لیوا دشمنی کروں گا؟"

رائنا نے مجھے دیکھا پھر کہا۔ "میں ابھی مشکل میں ہوں۔ اپنے بھائی کو جھوٹا فریبی نہیں کہہ سکتی اور نہ یہ ایسے ہیں اور تمہیں بیٹے کا دشمن تسلیم نہیں کر سکتی۔"

نامان نے کہا۔ "مما! جرائم کی دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ڈیڈ نے پچھلے کئی مہینے میرے ساتھ گزارے ہیں۔ میرے دماغ میں یہ باتیں ٹھونسنے کی کوششیں کیں کہ میری منزل گاڈ فادر بننے تک نہیں ہے۔ مجھے یہودی تنظیم کا سربراہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ یہ نانا جان اور انکل کے خلاف دبی زبان سے بولتے رہتے تھے۔ مجھے سبز باغ دکھاتے رہتے تھے۔"

راڈ مین نے کہا۔" بیٹے! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ تمہارے منہ میں تھری ایس کی زبان بول رہی ہے۔"

وہ بولا۔" میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ انکل کی انگلی پکڑ کر چلتا رہوں۔ آپ کیسے باپ ہیں ٹھیک کیک کاٹنے سے پہلے وہاں سے چلے گئے تھے.... کہاں گئے تھے؟ کیوں گئے تھے؟"

" میں گیا نہیں تھا۔ تھری ایس کے آدمی مجھے گن پوائنٹ پر وہاں سے لے گئے تھے۔"

" نو ڈیڈ! آپ واش روم جانے کی بات کہہ کر گئے تھے۔ یہ جانتے تھے کہ اس وقت فائرنگ ہونے والی ہے اور آپ فائرنگ کی زد میں نہیں آنا چاہتے تھے۔"

وہ رانا کو دیکھ کر بولا۔" میں تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں' فائرنگ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ تم میری بات کا یقین نہیں کرو گی۔ مجھ پر بھروسہ نہیں کرو گی تو یہ تھری ایس مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

رانا نے مجھے دیکھا پھر عاجزی سے کہا۔" بھائی جان! میں نہیں جانتی سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے؟ لیکن راڈی کی زندگی چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا۔" ایک شرط پر تمہاری خواہش پوری کروں گا۔ وہ یہ کہ نامان پر ایک قصائی باپ کا سایہ پڑنے نہیں دوں گا۔ تم اس کے ساتھ جہاں چاہو زندگی گزارو۔ جب بیٹے سے ملنے آؤ تو تمہارے ساتھ راڈ مین کبھی نہیں آئے گا۔ میں اس ملک میں اسے قدم نہیں رکھنے دوں گا۔"

نامان نے ماں سے کہا۔" یہ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں اپنی پرسنل لائف گزاریں۔ میں اپنی لائف سے ڈیڈی کو خارج کر رہا ہوں۔ ہم ماں بیٹا جب چاہیں گے کہیں بھی مل لیا کریں گے۔"

بیٹے کے اس فیصلے کے بعد یہ مہر لگ گئی کہ راڈ مین آئندہ نہ کبھی اٹلی آئے گا اور نہ کبھی گاڈ فادر بننے کے خواب دیکھ سکے گا۔ یہ بہت بڑی ناکامی تھی۔

اب اس کی جائے پناہ صرف میسونی تنظیم تھی۔ وہ پھر وہاں کا سربراہ بن گیا تھا۔ اسے بہت وسیع ذرائع اور اختیارات حاصل تھے۔ اس کی پہلی اور آخری خواہش یہی تھی کہ کسی بھی طرح مجھے موت کے گھاٹ اتار دے۔

اور وہ اپنی تمام ذہانت اور تمام توانائیاں استعمال کرنے کے باوجود ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

کیا وہ میرے خلاف کبھی کامیاب نہیں ہوگا؟ کیا میں اس کے شکنجے میں کبھی نہیں آؤں گا؟

آ گیا..... ہاں آ گیا..... کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں..... میرے مقدر پر رات کی سیاہی چھا گئی..... آخر میں اس کے شکنجے میں آ ہی گیا۔

☆☆☆

یکبارگی میرے دماغ کو جھٹکا لگا۔ میں حلق پھاڑ کر چیختا ہوا اٹھ بیٹھا۔ پتہ نہیں کیسی غفلت کے عالم میں تھا؟ جھٹکا کھاتے ہی آنکھیں کھل گئی تھیں اور میں کسی کوشش کے بغیر اٹھ بیٹھا تھا۔ میں نے پھیلے ہوئے دیدوں سے ڈاکٹر ڈیوڈ اور راڈ مین کو دیکھا۔

وہ ایک لمحاتی دیدار تھا۔ میں دوسرے ہی لمحے میں تکیے پر گر پڑا۔ میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ میں یوں لرز رہا تھا جیسے ابھی مجھے ذبح کیا گیا ہو۔ جب کہ انہوں نے مجھے الیکٹرک شاک پہنچایا تھا۔

جھٹکا لگا تو یاد آیا کہ میں کبھی جرائم کی دنیا کا سکندر اعظم تھا۔ ناقابل شکست سورما تھا اور اب راڈ مین میرا سرمہ بنا رہا تھا۔

پھر ایک جھٹکا لگا پھر ایک چیخ نکلی۔ میں تکلیف کی شدت سے تڑپ کر بیٹھا..... دیدے پھیلے..... پھر میں تکیے پر گر پڑا۔

کہاں ہیں میرے جان نثار.....؟

کہاں ہے میرا یار میرا دست راست ٹیپو سلطان جو میری موت کو اور میری مصیبتوں کو اپنی طرف بلا لیا کرتا تھا۔

کہاں ہیں میری توانائیاں اور شہزوریاں.....؟ جس طرح میں راڈ مین کو بے بس اور ناکام بناتا رہا تھا آج وہ مجھے بے بس اور اپاہج بنا رہا تھا۔

یا خدا! یہ مجھے بجلی کے جھٹکے کیوں پہنچا رہا ہے؟ کیا مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے؟ نہیں نہیں..... اس کی بہت سی کمزوریاں میری مٹھی میں ہیں۔ بہت سی اہم ضرورتیں مجھ سے وابستہ ہیں۔ یہ میری جان نہیں لے گا۔

مگر جھٹکے ایسے جان لیوا تھے جیسے اب تب میں دم نکلنے والا ہو۔

پھر وہی قیامت ٹوٹ پڑی۔ تیسرا جھٹکا ایسا تھا کہ حلق سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔ ایسا بے دم سا ہو گیا تھا کہ اٹھ کر بیٹھ نہ سکا۔ بستر پر تڑپتے تڑپتے ٹھنڈا ہونے لگا۔ اب میری آنکھوں سے دنیا بجھ رہی تھی۔

آہ....! میں بڑھاپے سے موت کی سمت جانے والا مسافر نہیں تھا۔ میں تو جوانی کی

طرف واپس جا رہا تھا۔

پھر یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

کہاں ہے' میری لاوہ اسٹون والی انگوٹھی؟ اور وہ کرامات دکھانے والا عصا....؟

کیا وہ بڑھاپے سے جوانی کی طرف جانے والی بات محض بچکانہ تھی؟ اگر نہیں ....تو میں بسترِ مرگ پر کیسے پہنچا ہوا ہوں؟

کیا پھر کوئی معجزہ ہوگا؟ کیا وہ عصا پھر میرے ہاتھوں میں آئے گا؟ یا خدا....! کیا ایسا ہوگا؟

دنیا امید پر قائم ہے۔ شاید کوئی امید بر آئے۔ شاید کوئی صورت نکل آئے۔ یہ امید ہی ہے جو بے دم ہونے کے بعد بھی دم دلاسے دیتی رہتی ہے' زندگی کی کوئی سی بھی بازی ہارتے رہو' اپنے اندر سے ایک دھیما دھیما سا' بجھا بجھا سا حوصلہ ملتا ہے کہ اگلے لمحے حالات سنبھل جائیں گے اور شاید ہم ہاری ہوئی بازی جیت لیں گے۔

مجھے بھی یہی امید تھی کہ وہ لاوہ انگوٹھی اور عصا میری ملکیت ہیں' میرے لئے ہیں۔ وہ دونوں چیزیں مجھے پھر ملیں گی۔

آہ....! نہ جانے کب ملیں گی؟

اس بار تو مجھے ایسا الیکٹرک شاک پہنچایا گیا تھا کہ میں چیخنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ پہلے تو ایسا ہی لگا' جیسے قیامت آگئی ہے اور زمین آسمان ایک دوسرے سے ٹکرا گئے ہیں۔ مجھ پر جیسے کوئی پہاڑ آگرا تھا۔ میں تڑپنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ ماہی بے آب کی طرح ایک ذرا سا پھڑ پھڑا کر بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

میں جیسے مر چکا تھا۔ بجلی کا جھٹکا لگتے ہی میرے دیدے پھیل گئے تھے۔ پھر آنکھیں رفتہ رفتہ بند ہو گئی تھیں۔ راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی سمجھ میں بھی یہی آیا کہ میں ختم ہو چکا ہوں۔ وہ اسٹیتھسکوپ کے ذریعے میرے دل کی دھڑکنوں کو سننے کی کوششیں کر رہا تھا۔ نبض ٹٹول رہا تھا۔

راڈ مین نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''ڈاکٹر! کہیں یہ مر تو نہیں گیا؟''

اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ میں اسے شاک دینا نہیں چاہتا تھا۔ تمہارے اصرار پر ایسا کیا ہے۔''

''تم نے کہا تھا' ہلکا سا جھٹکا پہنچایا جائے گا تو اسے بھولی ہوئی باتیں یاد آسکیں گی۔ یہ

سننے یا کچھ بولنے کے قابل ہو سکے گا۔''

''میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ دماغی طور پر مفلوج بھی ہو سکتا ہے۔ یا پھر اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ ہمیں خطرہ مول لینا ہوگا۔''

راڈ مین نے کہا۔ ''بیشک۔ میں نے خطرہ مول لینے کو کہا تھا۔ اور میں کر بھی کیا سکتا ہوں؟ اتنے دنوں سے انتظار کر رہا ہوں۔ یہ کم بخت نہ سنتا ہے' نہ بولتا ہے۔ آخر اس کی زبان کھلوانے کے لئے کچھ تو کرنا ہی تھا۔''

وہ ڈاکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''پلیز کچھ کرو۔ اسے مرنے نہ دو۔''

ڈاکٹر ڈیوڈ نے جواب نہیں دیا۔ بڑی توجہ سے میرا معائنہ کرنے لگا۔ راڈ مین نے پوچھا۔ ''یہ زندہ تو ہے ناں...؟''

وہ بولا۔ ''بدن تو گرم ہے۔ میں سننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دھڑکنیں کبھی کبھی ملتی ہیں۔ پھر گم ہو جاتی ہیں۔''

وہ وہاں سے پلٹ کر دواؤں کے پاس آیا۔ پھر ایک انجکشن تیار کرنے لگا۔ میرے ساتھ عجیب مذاق ہو رہا تھا۔ وہ میری جان کے دشمن تھے اور میری جان بچانے کی کوششیں بھی کر رہے تھے۔

پچھلی بار میں نے دیکھا تھا' جب دشمنوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور وہ آپس میں لڑ رہے تھے' مر رہے تھے۔ ایسے میں مجھے میری کھوئی ہوئی لاوہ انگوٹھی ایک گڑھے میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ تب مجھے یقین ہوا تھا کہ میری بیماری اور کمزوری دور ہو گی اور مجھے زندہ رہنے کے لئے توانائی ملے گی۔

پھر ایسے ہی وقت ایک بزرگ نے آکر وہ عصا میرے ہاتھوں میں تھما دیا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن' جب تک یہ چیزیں میرے پاس رہتی ہیں' تب تک مجھے بھرپور توانائیوں کے ساتھ زندہ رہنے کی ضمانت ملتی رہتی ہے۔

وہ ڈاکٹر مجھے زندگی کی طرف واپس لانے کے لئے ایک انجکشن تیار کر رہا تھا۔ ایسے وقت نہ میرے پاس لاوہ انگوٹھی تھی' نہ ہی عصا تھا۔ کیا ان کے بغیر وہ ڈاکٹر مجھے زندگی کی طرف واپس لا سکے گا؟

میرا عقیدہ ہے' جب تک یہ دونوں چیزیں مجھ سے دور رہیں گی' تب تک میری شامت آتی رہے گی۔ اگر یہ ضائع نہیں ہوں گی' دنیا کے کسی بھی حصے میں موجود رہیں گی' تو تقدیر

پھر انہیں میرے پاس لائے گی اور جب تک نہیں لا پائے گی' تب تک میں مر مر کر جیتا رہوں گا۔

میں زندگی کی آخری سانسوں تک پہنچ گیا ہوں۔ موت کی دہلیز پر آ چکا ہوں۔ اس کے باوجود میری زندگی اور موت کا فیصلہ نہیں ہو پا رہا ہے۔ وہ ڈاکٹر اور دشمن مجھے مارنا چاہیں گے' نہیں مار سکیں گے۔ زندگی کی طرف واپس لانا چاہیں گے تو اپنی مرضی سے نہیں لا سکیں گے۔ میں اسی طرح اپنے بدترین حالات سے گزرتا رہوں گا اور تڑپ تڑپ کر زندگی کی طرف واپس آتا رہوں گا۔

اور یہ تب تک ہوتا رہے گا' جب تک وہ لاوہ انگوٹھی اور عصا میرے ہاتھوں میں نہیں آئیں گے۔ وہ اس دنیا کے کسی حصے میں کہیں ہیں۔ انہیں کسی نے ضائع نہیں کیا۔ اسی لئے میں جیسے بھی جی رہا ہوں' آخر جی رہا ہوں۔

اب میں ان دو اہم چیزوں کی طرف آ رہا ہوں۔ آخر وہ کہاں ہیں؟

میں نے بحری جہاز میں لاوا انگوٹھی کو نینی کے پاس رہنے دیا تھا۔ یہ خیال تھا کہ ہم دونوں ہی بحری جہاز میں ہم سفر ہیں۔ اگرچہ ایک دوسرے سے دور ہیں۔ مگر لندن تک ساتھ رہے گا۔ اس طرح نینی کے ذریعے وہ انگوٹھی میرے قریب ہی رہے گی۔

بحری جہاز میں جو ہنگامے ہوئے' ان کے نتیجے میں نینی کو سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔ میں یہی سمجھا کہ وہ ڈوب کر مر چکی ہے۔ پھر میں نے ریلنگ کے پاس آ کر دیکھا تو وہ ڈوبنے سے بچ گئی تھی۔ جہاز کے عرشے سے نیچے سیفٹی بوٹ پر آ کر گری تھی۔ میرا عصا بھی اسی کے پاس اسی بوٹ پر پڑا ہوا تھا۔

بس وہیں آخری بار میں نے عصا کو اس کے پاس دیکھا تھا۔ اس کے بعد ہی گولیوں کی زد میں آ گیا تھا۔ میرے پیچھے سے اور دائیں بائیں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ گولیاں میرے جسم میں پیوست ہو رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ ان تاریکیوں میں نینی میری انگوٹھی اور عصا کے ساتھ کہیں گم ہو چکی تھی۔

کہاں ہو نینی....؟

وہ اور کہاں ہوگی؟ میں نے آخری بار اسے بحری جہاز کے پاس ہی دیکھا تھا۔ یقیناً جہاز کے عملے نے اسے بچا لیا ہوگا' تحفظ فراہم کیا ہوگا۔

اس کے ساتھ کیا ہو چکا تھا اور اب کیا ہو رہا تھا؟ اس کا ذکر لازمی ہے۔

☆☆☆

نینی نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ فوراً ہی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال

میں ہے؟

پھر رفتہ رفتہ یاد آنے لگا کہ وہ اپنے پتی کندن ورما کے ساتھ بحری جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ میں بھی اس جہاز میں موجود تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے تمام جنگ و جدل کے مناظر گزرنے لگے۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ میں تنہا کس طرح دشمنوں سے مقابلہ کر رہا تھا؟

میں ایک تھا اور مقابلے میں جیسے پوری فوج تھی۔ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوا تھا' وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔ کندن ورما نے اس سے بیوفائی کی تھی۔ اسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ یہ دشمنی اس لئے کی تھی کہ وہ میری حمایت کر رہی تھی۔ بہرحال وہ سیفٹی بوٹ میں آ کر گرتے ہی بیہوش ہو گئی تھی اور اب اس کی آنکھ کھلی تھی۔

آنکھ بند ہونے اور کھلنے کے درمیان کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بے اختیار زیر لب بڑبڑانے لگی۔ ''غازی تم کہاں ہو...؟ تم بالکل تنہا تھے' سارا جہاز جیسے تمہارا دشمن ہو گیا تھا۔ ہے بھگوان! تمہارے ساتھ کیا ہوتا رہا؟ میں دیکھ نہیں پائی۔''

وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت ایک وسیع و عریض کمرے میں تھی۔ وہاں مزید ویسے ہی پانچ بیڈ دکھائی دیئے۔ ان پر مریض عورتیں اور مرد یا تو لیٹے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے۔

پاس والے بیڈ پر لیٹی ہوئی ایک عورت نے کہا۔ ''تمہیں اٹھنا نہیں چاہئے۔ آرام سے لیٹی رہو۔ سرہانے کال بیل کا بٹن ہے۔ اس کے ذریعے ڈاکٹر یا نرس کو کال کر سکتی ہو۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا غازی صاحب یہاں آئے تھے؟''

اس عورت نے پوچھا۔ ''کیا اس آدمی کی بات کر رہی ہو' جس کی وجہ سے جہاز پر گولیاں چل رہی تھیں؟''

نینی نے تڑپ کر کہا۔ ''گولیاں ان کی وجہ سے نہیں چل رہی تھیں۔ ان پر ظلم کیا جا رہا تھا۔ ان پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ میں ابھی معلوم کرتی ہوں' وہ کہاں ہیں؟''

ایسا کہتے وقت نینی کی نظریں اپنے بیڈ پر گئیں۔ وہاں وہ لاٹھی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی بیڈ پر جھکتے ہوئے اسے اٹھا لیا۔ سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''وہ زندہ ہیں اور اسی جہاز میں ہیں۔''

پھر اس نے اس عورت سے پوچھا۔ ''کتنی دیر ہو چکی ہے؟ فائرنگ کب بند ہوئی تھی؟ مجھے یہاں کب لایا گیا تھا؟''

اس نے کہا۔"تین گھنٹے سے سکون ہے۔ایک بھی گولی نہیں چلی۔کوئی کہتا ہے غازی کو گرفتار کیا گیا ہے۔کوئی کہتا ہے' اسے مار ڈالا گیا ہے۔"

"نہیں....!" وہ یکبارگی چیخ پڑی۔لاٹھی کو سینے سے لگا کر بھینچتے ہوئے بولی۔"یہ میرے پاس ہے۔صحیح سلامت ہے تو وہ بھی صحیح سلامت ہوں گے۔"

وہ میری خاطر جذبات میں بھری ہوئی تھی۔بولتے وقت ہانپ رہی تھی۔ [illegible] تھکن محسوس کرتے ہوئے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔یہ سن کر اندر سے ٹوٹ رہی تھی کہ [illegible] مجھے مار ڈالا گیا ہے۔اس ٹوٹنے اور بکھرنے والی کو سینے سے لگی ہوئی لاٹھی تسلیاں دے رہی تھی۔

اس کے اندر یہ سوال چیخ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں تو اس کی خبر لینے کیوں نہیں آ رہا ہوں؟

اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے زیر لب کہا۔"شائد انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے؟ اسی لئے وہ میرے پاس نہیں آ رہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر وہاں سے جانا چاہتی تھی۔میرے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔مگر تھکن اور کمزوری کے باعث اٹھ نہیں پا رہی تھی۔سوچ رہی تھی' ذرا دم لے گی پھر وہاں سے اٹھ کر جائے گی۔

وہ سوچنے لگی' اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے اور اب میرے ساتھ کیا ہو رہا ہو گا؟ اسے تو اس کے پتی نے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ اب مرنے جا رہی ہے۔لیکن کہیں جا کر گر پڑی تھی۔فوراً ہی بیہوش ہو گئی تھی۔یہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا کہ کہاں پہنچی ہوئی ہے؟ پچھلے تین گھنٹوں سے جیسے مر چکی تھی۔اپنے آپ سے بے خبر تھی۔اب خود کو زندہ سلامت پا کر میری فکر میں مبتلا ہو گئی تھی۔

وہ عصا کو دونوں ہاتھوں سے سہلا رہی تھی۔سوچ رہی تھی۔اس پر کبھی اپنا چہرہ رکھتی تھی' کبھی چوم لیتی تھی۔اس طرح جیسے مجھے اپنی آغوش میں پا رہی تھی۔

ایسے وقت اس نے اپنے سینے پر کوئی چیز محسوس کی۔گلے میں سونے کی چین تھی۔اس کا لاکٹ سینے سے لگ رہا ہو گا۔پھر وہ سوچتے ہی ایکدم سے چونک گئی۔یہ یاد آیا کہ اس نے لاوہ اسٹون والی انگوٹھی کو اس چین میں پرو دیا تھا اور اسے لاکٹ کے ساتھ بڑی حفاظت سے اپنے گریبان میں چھپا لیا تھا۔

یہی دو چیزیں میرے لئے سب سے اہم تھیں اور یہ دونوں اس کے پاس تھیں۔ادھر

ان کی موجودگی سے نینی کو ایک نئی زندگی مل رہی تھی' جس طرح اسے جہاز کے عرشے سے پھینکا گیا تھا' اس طرح سے تو اسے سمندر میں ڈوب جانا چاہئے تھے۔لیکن اس انگوٹھی نے اسے لاٹھی کے پاس سیفٹی بوٹ پر پہنچا دیا تھا۔

ادھر میں اپنی جان سے زیادہ عزیز چیزوں سے محروم ہو کر جاں کنی کی حالت میں تھا۔دم آ رہا تھا' دم جا رہا تھا۔جب تک وہ دونوں چیزیں ادھر محفوظ رہتیں' اُدھر میں ایسے ہی حالات سے گزرتا رہتا۔اگر کاتب تقدیر کی تحریر کے مطابق مجھے جوانی کی طرف واپس سفر کرنا تھا تو اس کا مطلب ہے' مجھے زندہ بھی رہنا تھا اور زندہ رہنے کے لئے لاوہ اسٹون والی انگوٹھی اور عصا لازمی تھے۔

میرا دل' میرا تجربہ اور میرا یقین کہہ رہا تھا کہ وہ دونوں چیزیں پھر میرے پاس آئیں گی اور مجھے دشمنوں کے شکنجے سے نکال کر لے جائیں گی۔

بحری جہاز کا ڈاکٹر ایک نرس اور وارڈ بوائے کے ساتھ وہاں آیا۔نینی کو دیکھتے ہی اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔"تم اس طرح کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟ آرام سے لیٹنا چاہئے۔پتہ ہے' تم کیسے بچ گئیں؟"

نینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔وہ بولا۔"مجھے بتایا گیا ہے' تمہارے پتی نے تمہیں جہاز کے عرشے سے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔تمہیں تو سمندر میں ڈوب جانا چاہئے تھا۔لیکن واہ ری قسمت! اسے کہتے ہیں' مقدر کا کھیل....جس سیفٹی بوٹ میں جانوروں کا چارہ اور گھاس کا ذخیرہ تھا' تم اسی پر جا گری تھیں۔دیکھو! تمہارے بدن پر کہیں چوٹ بھی نہیں آئی ہے۔تم بیہوش ہو گئی تھیں۔اب بھی تم پر غیر شعوری طور پر دہشت طاری ہے۔اب سے پہلے دو بار ہوش میں آ چکی ہو۔لیکن غائب دماغ رہی ہو اور جانے کیا بڑبڑاتی رہی ہو؟"

وہ لاٹھی کو اپنے ساتھ لئے بستر پر لیٹ گئی۔ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔"لاٹھی کو یہاں سے ہٹاؤ۔کسی دوسری جگہ رکھو۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔"نہیں ڈاکٹر! یہ میری جان ہے۔میرا سہارا ہے۔چپ چاپ میرے ساتھ پڑی ہے۔آپ کو ڈسٹرب نہیں کر رہی ہے۔"

نرس نے کہا۔"بڑی عجیب سی بات ہے۔تمہارے پتی نے صرف تمہیں ہی نہیں' اس لاٹھی کو بھی سمندر میں پھینکا تھا۔سوچو اور سمجھو تو قدرت کے کھیل عجیب سے لگتے ہیں۔وہ پھینکنے والا خود سمندر میں ڈوب گیا۔تم تو یہاں بیڈ پر محفوظ ہو۔"

نینی نے پوچھا۔ ''سسٹر! غازی جی کہاں ہیں؟''

سسٹر نے جواب دینے کے بجائے ڈاکٹر کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''وہ یہاں نہیں ہے۔ آرمی کے دو ہیلی کاپٹر آئے تھے۔ اسے بڑی سخت نگرانی میں یہاں سے لے گئے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے' وہ جہاں بھی ہیں۔ زندہ سلامت ہیں؟''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے جسم میں کئی گولیاں لگی تھیں۔ فوری آپریشن کی ضرورت تھی۔ پتہ نہیں آپریشن کب ہوا ہوگا؟ کب گولیاں نکالی گئی ہوں گی؟''

نینی نے پوچھا۔ ''گولیاں نکالنے کے بعد تو وہ بچ گئے ہوں گے ناں؟''

''میں نے اسے یہاں سے جاتے وقت دیکھا تھا۔ وہ زخموں سے چور تھا۔ مجھے تو اس کے بچنے کی امید نہیں تھی۔ اگر بچ جائے گا تو ایک معجزہ ہوگا۔''

وہ بے خیالی میں لاٹھی کو سہلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ بچ جائیں گے۔ مجھے ان کے پاس پہنچا دو۔ میں یقین دلاتی ہوں' یہ لاٹھی لے کر ان کے پاس جاؤں گی تو موت ان کا پیچھا چھوڑ دے گی۔ منہ پھیر کر چلی جائے گی۔''

اصل بنیادی بات یہی تھی۔ عصا اور انگوٹھی کو میرے پاس جلد سے جلد پہنچنا چاہئے تھا۔ وہ محبت سے سوچ رہی تھی۔ یہ بات قدرتی طور پر اس کے ذہن میں آ رہی تھی۔ وہ بڑے جذبوں سے ان چیزوں کو کسی بھی طرح میرے پاس لانا چاہتی تھی۔

پھر اچانک ہی مایوس ہو کر بولی۔ ''لیکن وہ انہیں کیوں بچانا چاہیں گے؟ انہیں تو جانی دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی ان کا آپریشن نہیں کریں گے' کبھی گولیاں نہیں نکالیں گے' انہیں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اب تک ان کی موت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اب تو وہ ان کی مٹھی میں آ گئے ہیں۔''

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''ڈاکٹر! کسی بھی طرح معلوم کرو' غازی جی کو کہاں لے جایا گیا ہے؟ کیا انہیں مار ڈالا ہے یا ابھی زندہ رکھا گیا ہے؟''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''تم بہت زیادہ بول رہی ہو۔ اتنا تو سمجھنا چاہئے اگر غازی کو مار ڈالنا ہوتا تو وہ یہیں ختم کر دیتے۔ اسے ہیلی کاپٹر میں کہیں لے کر کیوں جاتے؟'

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''اس کا مطلب ہے' انہیں زندہ رکھا گیا ہے؟ ابھی وہ جہاں بھی ہیں' زندہ سلامت ہیں۔ پلیز۔ مجھے جہاز کے کپتان سے ملنے دو' معلوم کرنے دو کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے؟ میں ابھی [illegible] جانا چاہوں گی۔''

وہ بیڈ سے اترنا چاہتی تھی۔ نرس نے اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ ''تم سے لیٹنے کو کہا ہے۔ ابھی آرام کرو۔''

وہ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولی۔ ''میں آرام نہیں کروں گی۔ پتہ نہیں' وہ کس حال میں ہیں؟ ان پر کیا گزر رہی ہے؟''

ڈاکٹر نے اس کے شانے کر تھپک کہا۔ ''تم اطمینان رکھو۔ یہاں آرام سے لیٹی رہو۔ ہم ابھی جا کر کپتان سے معلوم کریں گے۔ ویسے امید نہیں ہے کہ اس کے متعلق کوئی خاص بات معلوم ہو سکے گی۔ مجھے تو وہ کوئی سیاسی قیدی معلوم ہوتا ہے۔ اسے بڑی رازداری سے آرمی والے لے گئے ہیں۔ وہ اس قیدی کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتائیں گے۔''

''میں معلوم کروں گی۔ مجھے کپتان کے پاس جانے دو۔''

''تم بہت کمزور ہو۔ آرام کرو گی' دوائیں کھاؤ گی تو توانائی بحال ہوگی۔ ایسا کرو' یہاں لیٹی رہو۔ ہم تھوڑی دیر بعد فون کے ذریعے کپتان سے تمہاری بات کرائیں گے۔''

نرس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ہم نہیں جانتے' تمہارے پتی نے کیوں تمہیں سمندر میں پھینکا تھا؟ تم دونوں کے تعلقات درپردہ کتنے ہی خراب رہے ہوں مگر تمہارے لئے یہ خوشخبری ہے کہ تم ماں بننے والی ہو۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر نرس کو دیکھا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے پیٹ پر چلا گیا۔ ''ماں...؟''

وہ عمر کے ایسے دور سے گزر رہی تھی' جہاں عورت اپنے دیوانے محبوب یا محبت کرنے والے پتی کے متعلق ہی سوچتی ہے اور اسی کے ساتھ جوانی کے تمام خوبصورت لمحات گزارنا چاہتی ہے۔ اس نے ماں بننے کے متعلق کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اگرچہ یہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ لیکن وہ ایک ذرا متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اندر ممتا کو کوئی جذبہ نہیں ابھر رہا تھا۔

ان لمحات میں صرف میں ہی اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔ وہ اس فکر میں تھی کہ کس طرح جلد سے جلد انگوٹھی اور عصا کے ساتھ میرے پاس پہنچ سکتی ہے؟

ڈاکٹر نے اپنا موبائل فون نکال کر اس سے ذرا دور ہو کر جہاز کے کپتان کو مخاطب کیا۔ اس سے کہا۔ ''میں ڈاکٹر فضل دوسانی بول رہا ہوں۔ نین کنول عرف نینی ہوش میں آ گئی ہے۔ ہم سے صرف غازی کے متعلق سوالات کر رہی ہے۔ اسے اپنے پتی کے ڈوب مرنے کا کوئی دکھ نہیں ہے۔ نہ یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ ماں بننے والی ہے۔ وہ پاگلوں کی طرح صرف غازی

کے متعلق پوچھ رہی ہے۔ کسی بھی طرح اس کے پاس پہنچنا چاہتی ہے۔ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اسے کہاں لے جایا گیا ہے؟''

کپتان نے کہا۔ ''یہ تو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی ہمیں بتایا گیا ہے کہ غازی کو کہاں لے جایا گیا ہے؟''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''مگر نین کنول کی تسلی کے لئے اس سے کچھ جھوٹ سچ کہنا ہوگا۔ کوئی تسلی دینے والی بات کہہ دو تا کہ ہم اس کا علاج سہولت سے کر سکیں۔''

''ٹھیک ہے۔ اس سے بات کراؤ۔''

ڈاکٹر نے فون نینی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو.... کپتان سے بات کرو۔''

اس نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو کیپٹن! میں نین کنول بول رہی ہوں۔ اس مرنے والے خبیث پتی کی بدنصیب پتنی ہوں۔''

کپتان نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں۔ تمہیں زیادہ نہیں بولنا چاہئے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تم غازی کے پاس جانا چاہتی ہو۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''ہاں۔ ابھی جانا چاہتی ہوں۔ پلیز۔ مجھے بتائیں' وہ کہاں ہیں؟ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے؟''

''وہ لوگ اسے لندن لے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے' آپریشن کے ذریعے گولیاں نکالی جائیں گی۔ اسے کسی بھی طرح بچایا جائے گا۔ وہ ان کے لئے بہت اہم ہے۔ اسی لئے اس کی خاطر آرمی والے آئے تھے اور ہیلی کاپٹر میں اسے لے گئے ہیں۔''

اس نے پوچھا۔ ''ہم لندن کب پہنچیں گے؟''

''تقریباً چار دنوں کے بعد....''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''چار دنوں کے بعد.... ہے بھگوان! کیا میں اپنے لئے بھی ایک ہیلی کاپٹر منگوا سکتی ہوں؟ مجھے آج ہی غازی جی کے پاس پہنچنا ہے اور ان کے پاس پہنچنے کے لئے چاہے جتنی رقم بھی خرچ ہو' میں کروں گی۔''

''سوری نینی! ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہ ہمارے بحری جہاز کے اصولوں کے خلاف ہے۔ چار دنوں سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکو گی۔ ہاں اتنی سہولتیں فراہم کی جائیں گی کہ ہم اس کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہیں گے۔ اس طرح تمہیں اس کی خیریت سے آگاہ کرتے رہیں گے۔''

وہ بولی۔ ''آپ نہیں جانتے' غازی جی کا علاج میرے پاس ہے۔ مجھے جلد سے جلد

ان کے پاس پہنچنا ہوگا۔ میں اگلی کسی بندرگاہ میں جہاز سے اتر جاؤں گی۔ وہاں سے دو چار گھنٹوں میں بائی ایئر لندن پہنچ جاؤں گی۔''

''تمہاری مرضی ہے۔ تم غازی کے پاس جلد از جلد پہنچنے کے لئے کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہو۔''

''پلیز۔ میرے ساتھ ایک مہربانی کریں۔ مجھے معلوم کر کے بتائیں کہ انہیں لندن میں کہاں لے جایا گیا ہے؟ کس ادارے میں رکھا گیا ہے؟ انہیں کون لوگ یہاں سے لے گئے ہیں؟''

''انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں؟ وہ سب کے سب مسلح تھے اور میں اپنے جہاز کے تمام مسافروں کی سلامتی چاہتا تھا۔ بائی دا وے... ان کی وردیوں سے پتہ چلا کہ کچھ سی آئی اے والے تھے اور کچھ اسکاٹ لینڈ یارڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ باقی جو سادہ لباس میں تھے' ان کا تعلق یقیناً انٹرپول سے ہوگا۔ یہ لوگ اپنا راز اپنے باپ کو بھی نہیں بتاتے۔ پھر ہمیں کیسے بتائیں گے؟ ویسے کوشش کروں گا۔ تم لندن پہنچنے کے بعد بہت کچھ معلوم کر سکو گی۔''

وہ ذرا توقف سے بولا۔ ''اور بہت کچھ معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تم صحت مند رہو۔ جب تک یہاں ہو' ڈاکٹر سے تعاون کرو اور اپنا بھرپور علاج کراؤ۔ میں ہر طرح سے تمہارے کام آنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ ایسے وقت ایک ملازم ناشتے کی ٹرالی میں ناشتہ اور پھلوں کا جوس لے کر آیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''تمہیں غازی تک پہنچنے کے لئے ناشتہ کرنا اور توانائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ پلیز۔ اچھی طرح کھاؤ پیؤ اور ہم سے تعاون کرو۔''

وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کہاں ہوں؟ لیکن کسی حد تک منزل کی سمت معلوم ہو گئی تھی۔ عقل سمجھا رہی کہ اسے اچھی طرح کھانا پینا اور دوائیں استعمال کرنی چاہئیں تا کہ چاق و چوبند رہ کر مجھ تک پہنچ سکے۔

اس نے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور پھلوں کا جوس پیا۔ کھانے کے بعد ڈاکٹر نے اس کے بازو میں ایک انجکشن لگایا۔ پھر کہا۔ ''آرام سے لیٹی رہو۔ اب تمہیں غازی کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو رہا ہے۔ بائی دا وے... تم بہت ضدی ہو۔ اس کے پاس پہنچ کر ہی رہو گی۔''

وہ آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ڈاکٹر اور کپتان نے اسے جھانسہ دیا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ مجھے دنیا کے کس علاقے میں لے جایا گیا ہے؟ وہ لندن تک جانے والی مسافر تھی۔ ڈاکٹر اور کپتان چاہتے تھے' اسے خیر خیریت سے وہاں تک پہنچا دیں۔

پیٹ بھر کر کھانے اور پھلوں کا جوس پینے کے بعد اس پر جیسے نشہ چھا گیا تھا۔ پھر انجکشن کی تاثیر بھی کچھ ایسی تھی کہ وہ تھوڑی دیر بعد ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔ کوئی ضروری نہیں کہ مسافر صحیح راستے پر چلتا ہوا منزل تک پہنچ جائے۔ حالات نینی کو بھٹکا رہے تھے۔ ڈاکٹر اور کپتان اسے جھوٹی تسلیاں دے کر لندن تک پہنچانے والے تھے۔ موجودہ حالات میں یہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ مجھ تک پہنچنے والی نہیں تھی۔

وہ سو رہی تھی۔ میرے پاس پہنچنے کا فریب کھا کر گہری نیند کے مزے لے رہی تھی۔ ایسا اکثر ہوتا ہے' منزل تک پہنچنے والوں کو بھٹکایا جاتا ہے اور وہ بیچارے بھٹک جاتے ہیں۔ لیکن تقدیر جسے بھٹکانا نہیں چاہتی۔ اسے بڑی ہیرا پھیری سے پھر اسی منزل کی طرف لے جاتی ہے۔

میں اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔ اس نے خواب میں مجھے دیکھا۔ بڑا عجیب سا خواب تھا۔ اس نے دیکھا' میں گردن تک زمین میں دھنسا ہوا ہوں۔ گردن سے اوپر زمین کی سطح پر سر باہر ہے اور میں سانسیں لے رہا ہوں۔

وہ مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر تڑپ گئی۔ دوڑتی ہوئی آ کر میرے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑی۔ ''ہائے غازی جی! یہ آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کس نے آپ کو زندہ گاڑ دیا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''تم نہیں جانتیں' میں قبر میں ہوں اور اس دنیا میں سانسیں بھی لے رہا ہوں۔''

وہ مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر تڑپ رہی تھی' کہہ رہی تھی۔ ''بھگوان کے لئے مجھے بتائیں' میں آپ کو کس طرح نجات دلا سکتی ہوں؟ کیسے یہاں سے نکال سکتی ہوں؟''

میں نے کہا۔ ''جب تک وہ انگوٹھی اور عصا مجھے نہیں ملے گا' تب تک ایسے عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''آپ کی دونوں امانتیں میرے پاس ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''کہاں ہیں؟''

اس نے چونک کر اپنے دونوں خالی ہاتھوں کو دیکھا۔ پھر آس پاس متلاشی نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ ''کہاں ہے میری امانت؟''

وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میرے پاس ہیں۔ وہ محفوظ ہیں۔ میں ابھی لاتی ہوں۔''

وہ دوڑتی ہوئی جانے لگی۔ خواب کے مناظر بدل رہے تھے۔ وہ دوڑتی جا رہی

تھی۔ دوڑنے کے دوران کبھی ایسے گر پڑتی تھی' جیسے کسی نے گرا دیا ہو۔ وہ اوندھے منہ گرنے کے بعد لہولہان ہو جاتی تھی۔ پھر اٹھ کر دوڑنے لگتی تھی۔ چیخ چیخ کر کہتی جاتی تھی۔ ''غازی جی! آپ کی امانتیں میرے پاس ہیں۔ میں ابھی لاتی ہوں۔ میں ابھی لا رہی ہوں۔''

خواب کے مناظر بتا رہے تھے کہ انگوٹھی اور عصا مجھ سے دور نہیں ہیں۔ لیکن یہ چیزیں میرے پاس پہنچنے تک طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

اس نے ایک جگہ ٹھوکر کھائی۔ پھر ایک ڈھلان میں لڑکھڑاتی ہوئی جانے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے موت کی پستیوں میں جا رہی ہے۔ وہ رو رہی تھی اور کراہ رہی تھی۔ ''ہائے غازی جی! میں کیا کروں؟''

لڑکھڑانے کے دوران ایسی جگہ رک گئی' جہاں وہ انگوٹھی اور عصا پڑا ہوا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ خوشی سے کھل گئی۔ اپنی ساری تکالیف بھول گئی۔ اس نے انگوٹھی اور عصا کو اٹھا کر دونوں ہاتھوں کو سر سے بلند کرتے ہوئے' چیختے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔ ''غازی جی! آپ کی امانتیں مجھے مل گئی ہیں۔ یہ دیکھیں' میں آپ کے پاس لا رہی ہوں۔''

خواب کا منظر بدل گیا۔ اس نے دیکھا' اب میں گردن تک نہیں' کمر تک زمین میں دھنسا ہوا ہوں۔ نصف باہر نکل آیا ہوں۔ یعنی مجھے نصف مصائب سے نجات مل چکی ہے۔

وہ انگوٹھی اور عصا کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے دوڑتی چلی آ رہی تھی اور میں دھیرے دھیرے زمین سے اوپر آتا جا رہا تھا۔

ایسے ہی وقت خواب ٹوٹ گیا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ میری چیزیں مجھ تک پہنچتے ہی والی تھیں۔ انہی لمحات میں خواب ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے ڈوبتے ہوئے دل سے سوچا۔ ''کیا میں غازی جی کی امانتیں ان تک پہنچا نہیں پاؤں گی؟''

یہ سوچتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ نادان سوچ تھی کہ شائد خواب پھر دکھائی دے گا اور وہ میری امانتیں لے کر مجھ تک پہنچ جائے گی۔

لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔ سارے مناظر گم ہو چکے تھے۔ بند آنکھوں کے پیچھے گہری تاریکی تھی۔ پھر اس نے آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ نگاہوں کے سامنے ایک ادھیڑ عمر کا قد آور صحت مند شخص کھڑا ہوا تھا۔

وہ بھاری بھرکم سی آواز میں بولا۔ ''پورے جہاز میں تمہارا چرچا ہو رہا ہے۔ لوگوں کو یہ تجسس ہے کہ تم عمیر بن غازی کی کیا لگتی ہو؟ تمہارے شوہر نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے

تمہیں سمندر میں پھینک دیا تھا۔''

وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے اور غازی کے متعلق بڑے رومانٹک قصے گھڑے جارہے ہیں۔ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں' وہ عالمی سطح کا بڑا ہی خطرناک مجرم ہے اور تم اس کی دست راست ہو؟''

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں' اس کی مجرمانہ زندگی سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

نیّی نے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟ یہ بیکار کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟''

وہ بولا۔ ''تم مجھے نہیں جانتیں۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم پنڈت دینا ناتھ کی بیٹی ہو۔ غازی کئی ماہ تک تمہارے گھر میں چھپ کر رہا تھا۔''

''جب یہ جانتے تھے تو اسے گرفتار کیوں نہیں کیا؟''

''ہمیں بہت بعد میں یہ باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ پھر یہ کہ میں غازی کا دشمن نہیں ہوں۔ بلکہ اس کے دشمنوں کا دشمن ہوں۔ میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کبھی دشمنوں کے ہاتھ نہ لگے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''لیکن اس بار وہ ان کے شکنجے میں آگیا ہے اور یہ میرے منصوبے کے خلاف ہے۔''

''یہ تمہارے منصوبے کے خلاف ہے' مگر تم کیا کر سکو گے؟ کیا غازی جی کو وہاں سے نکال کر لا سکو گے؟''

وہ بڑے ہی مضبوط لہجے میں بولا۔ ''ہاں۔ اسے وہاں سے نکال کر لا سکتا ہوں۔''

وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ ''اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم بھی یہی چاہتی ہو۔''

''میرے پاس کیوں آئے ہو؟''

''ہم دونوں کی منزل ایک ہے۔ راستے الگ الگ ہیں۔ میں تمہارے بغیر غازی تک پہنچ تو جاؤں گا مگر اسے اپنا دوست نہیں بنا پاؤں گا۔ اگر تمہارے کام آؤں' تمہیں غازی تک پہنچا دوں تو تم میرے اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے اسے میرا دوست بنا سکتی ہو۔''

اس نے پوچھا۔ ''غازی جی تم سے دوستی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟''

وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ''میرا نام رافیل شمری ہے۔ نام سے اندازہ

ہو گیا ہو گا کہ میں یہودی ہوں اور عمیر بن غازی کسی یہودی پر بھروسہ نہیں کرتا۔''

''بھروسے کے بغیر کوئی رشتہ' کوئی دوستی قائم نہیں رہتی۔ جب غازی جی تمہیں قابل اعتماد نہیں سمجھتے تو میرے کہنے سے تمہیں دوست کیسے مان لیں گے؟''

''جب تم اسے بتاؤ گی کہ میں نے کس طرح جان جوکھم میں ڈال کر تمہیں اس کے پاس پہنچایا ہے' تب وہ احسان بھی مانے گا اور مجھ پر بھروسہ بھی کرے گا۔''

''کیا تم جانتے ہو' دشمن انہیں ہیلی کاپٹر میں کہاں لے گئے ہیں؟''

''میں اس کے اصل دشمن کو جانتا ہوں۔ اس کا نام راڈ مین ہے۔ وہ جہاں ہو گا' وہیں آس پاس کسی خفیہ اڈے میں غازی کو چھپا کر رکھا گیا ہو گا۔''

''جہاز کا کپتان کہہ رہا تھا' انہیں لندن لے جایا گیا ہے؟''

''کپتان کا باپ بھی نہیں جانتا کہ غازی کے کتنے دشمن ہیں؟ اسے زندہ سلامت رکھنے کے لئے کیسی کیسی سازشیں کی جارہی ہیں؟ ان میں سے میں بھی ایک ہوں۔ میں بھی اسے زندہ سلامت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن دشمن بن کر نہیں' دوست بن کر...اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''میرا جی چاہتا ہے' ابھی ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ تم مجھے کتنی جلدی وہاں تک پہنچا سکو گے؟''

''ابھی مجبوری ہے۔ یہ جہاز گہرے پانیوں میں ہے۔ ہم اگلی بندرگاہ پر یہ جہاز چھوڑ دیں گے۔ وہاں سے بائی ایئر اُس ملک کے اُس شہر میں جائیں گے' جہاں راڈ مین موجود ہو گا۔''

''یہ کیسے معلوم ہو گا کہ وہ کس ملک میں ہے؟''

''میں بہت وسیع ذرائع کا مالک ہوں۔ مجھے اطلاعات ملتی رہتی ہیں۔ یہ ابھی ایک آدھ گھنٹے میں معلوم ہو جائے گا کہ راڈ مین کہاں ہے؟''

وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے بیڈ کی طرف جھک گیا۔ لاٹھی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سنا ہے' یہ بڑی کرامات والی ہے؟ اس کے علاوہ ایک انگوٹھی ہے۔ اس کا بھی بہت چرچا ہے۔''

نیّی نے کہا۔ ''جب تک کوئی عجیب و غریب بات نگاہوں کے سامنے پیش نہ آئے' تب تک کوئی یقین نہیں کرتا کہ ایسی انہونی بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے کئی بار اپنی آنکھوں سے اس لاٹھی اور انگوٹھی کے ذریعے ہونے والی کرامات دیکھی ہیں۔''

''میں نے نہیں دیکھیں۔ پھر بھی یقین کرتا ہوں۔ کیونکہ اپنی زندگی میں کئی بار انہونی

کو ہونی اور ہونی کو انہونی ہوتے دیکھا ہے۔"

وہ بولی۔" کیا یہ چمتکار نہیں ہے کہ مجھے سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن میں اس لاٹھی کے پاس آ کر گری تھی؟ ایک انگوٹھی اور ایک لاٹھی کی وجہ سے ابھی زندہ سلامت دکھائی دے رہی ہوں؟"

"بیشک۔ یہ یقین نہ کرنے والی بات ہے۔ مگر تمہارے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ میں نے سنا ہے' انگوٹھی اور لاٹھی کی بدولت غازی بھی بڑی بڑی مشکلات سے نکل آتا ہے۔ کیا تمہارے پاس انگوٹھی بھی ہے؟"

"ہاں۔ میں یہ دونوں چیزیں اپنی جان کی طرح سنبھال کر رکھتی ہوں۔"

"میں سائنس اور ٹکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں ان دونوں کی اہمیت کو مان رہا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ آیا ہوں کہ ان دونوں کی موجودگی سے ہمیں یقیناً کامیابی حاصل ہوگی۔ ہم غازی تک ضرور پہنچیں گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔" ہم اگلے چھ گھنٹوں کے اندر کسی بندرگاہ تک پہنچیں گے۔ پھر وہاں سے غازی کی طرف سفر شروع ہوگا۔ میں تھوڑی دیر بعد پھر آؤں گا۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ نینی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو وہ بیڈ سے اتر گئی۔ اسے اپنے کیبن میں جا کر ضروری سامان پیک کرنا تھا۔ وہ لاٹھی ٹیکتی ہوئے ادھر جانے لگی۔ ایسے وقت محسوس کر رہی تھی' جیسے بیمار اور کمزور نہیں ہے۔ اس کے اندر اچانک ہی توانائی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ بڑی حیرانی اور عقیدت سے اس لاٹھی کو دیکھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ مجھے بجلی کا جھٹکا پہنچا کر پچھتا رہے تھے۔ میں بستر پر ایک مردے کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کبھی کبھی میرے اندر زندگی کے آثار پاتا تھا' پھر وہ آثار گم ہو جاتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' میں جی رہا ہوں یا مر چکا ہوں؟

راڈ مین نے کہا۔" یہ جسمانی طور پر مردہ پڑا رہے تو اچھا ہے۔ میں اسے اذیتیں پہنچا کر دل کا غبار نکالتا رہوں گا۔ لیکن اسے دماغی طور پر مفلوج نہیں رہنا چاہئے۔ اس کم بخت کی کھوپڑی میں کتنے ہی اہم راز پوشیدہ ہیں۔ میں اس کمرے میں' اسی بیڈ پر اس سے تمام راز اگلوا کر رہوں گا۔"

ڈاکٹر ڈیوڈ نے کہا۔" اور یہ اسی وقت ممکن ہے' جب یہ دماغی توانائی حاصل کرے اور

اس کا حافظہ بحال رہے۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔" ایسا کب ہوگا؟"

ڈاکٹر نے بڑے ادب سے کہا۔" سر! آپ مائنڈ نہ کریں۔ آپ طبی اصولوں کے اور ہمارے تجربات کے خلاف چاہتے ہیں کہ یہ فوراً ہی بولنے لگیں۔ جبکہ ایسا ہو نہیں سکتا۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا۔" آپ نے ضد کی' میں نے آپ کے حکم سے مجبور ہو کر ایک معمولی سا جھٹکا پہنچایا اور یہ اسے برداشت نہیں کر پایا۔ اس پر بیہوشی طاری ہے۔"

راڈ مین ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔" میں کیا کروں؟ کب تک اس کے بولنے کا انتظار کروں؟ بہرحال آئندہ علاج کے معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں ذرا دور گیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر مجھے ناگواری سے دیکھنے لگا۔ ایک ایک قدم میرے بیڈ کی طرف آتے ہوئے کہنے لگا۔" تُو نے مجھے بہت دوڑایا ہے.... بیس برس پہلے رانا میری زندگی میں آئی تو تُو اس کا بھائی بن کر چلا آیا۔ مجھے ہر معاملے میں' ہر قدم پر نقصان پہنچاتا رہا۔"

وہ قریب آکر بولا۔" تُو نے بیس برسوں تک مجھے عذاب میں مبتلا رکھا۔ اب تُو عذاب اٹھاتا رہے گا۔ میں تجھے بستر سے اٹھنے نہیں دوں گا۔ تُو یہیں تڑپ تڑپ کر موت مانگتا رہے گا اور میں تجھے مرنے نہیں دوں گا۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ موبائل فون اسے پکار رہا تھا۔ اس نے ننھی سی اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔" یہ دیکھ....! مگر کیسے دیکھے گا؟ تُو تو جیسے مر چکا ہے۔ یہ فون پر تیری بہن پکار رہی ہے۔ آہ....! بیچاری کینسر کی مریضہ...."

وہ ہنسنے لگا۔ اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ رانا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔" تم نے کہا تھا' آج دس بجے بھائی جان کا ٹی وی آن رہے گا۔ میں انہیں دیکھ سکوں گی؟"

اس نے کہا۔" میں ابھی تھری ایس کے پاس آیا ہوں۔ یہ گہری نیند میں ہے۔"

وہ بولی۔" جب بھائی جان جاگتے رہتے ہیں' تب بھی مجھ سے بول نہیں پاتے۔ میں ہی بولتی ہوں اور اپنی تسلی کرتی رہتی ہوں۔ پلیز ٹی وی آن کرو۔"

رانا اپنے بیٹے نامان کے ساتھ اٹلی کے شہر ٹورنٹو میں تھی۔ راڈ مین نے مجھے وہاں سے ہزاروں میل دور استنبول میں کہیں قیدی بنا کر رکھا تھا۔ رانا سے جھوٹ بول رہا تھا کہ اس نے مجھے جانی دشمنوں سے بچانے کے لئے ایک خفیہ پناہ گاہ میں چھپا رکھا ہے۔

میرے سامنے دیوار پر ایک بڑی اسکرین کا ٹی وی تھا۔ اسے آن کیا گیا تو رائنا اور نامان دکھائی دینے لگے۔ اس وقت وہ دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے سے دور مختلف ممالک میں اپنے اپنے ٹی وی پر مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں بیہوش پڑا تھا۔

رائنا نے پوچھا۔ ''کیا یہ سو رہے ہیں؟''

راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ وہ اس سے کہہ نہیں سکتے تھے کہ مجھے بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''ہاں۔ ابھی آنکھ لگی ہے۔ اس کے لئے بہتر ہے کہ اسی طرح گہری نیند سوتا رہے۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا یہ سننے اور سمجھنے لگے ہیں؟''

وہ سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں.. ابھی تک اس کے پانچوں حواس ناکارہ ہیں۔''

وہ بولی۔ ''مجھ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے۔ آخر ان کے ساتھ ایسا کیا کیا گیا ہے کہ پانچ میں سے ایک بھی حس کام نہیں کر رہی ہے؟''

راڈ مین نے کہا۔ ''رائنا! تم جانتی ہو' میں تمہاری خاطر اپنے اس دشمن کو برداشت کر رہا ہوں۔ اس کا علاج کرا رہا ہوں۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔''

نامان نے کہا۔ ''ڈیڈ! آپ صرف مما کی خاطر انکل کو برداشت نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے صحت یاب ہونے اور بولنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب تک ان سے ریڈ مرکری حاصل نہیں کریں گے' تب تک ان کے پیچھے لگے رہیں گے۔''

راڈ مین نے اسکرین کی طرف گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔ ''بکواس مت کرو۔ تم بیٹے نہیں' دشمن بن کر پیدا ہوئے ہو۔ ہمیشہ میرے خلاف سوچتے اور بولتے رہتے ہو۔''

رائنا نے کہا۔ ''پلیز۔ خاموش ہو جائیں۔ تم باپ بیٹے پھر لڑنے جھگڑنے لگو گے۔ کتنی بار سمجھایا ہے' ایک دوسرے سے نہ بولا کرو۔''

''تم بیٹے کو سمجھاؤ کہ میں تمہیں کس طرح دل و جان سے چاہتا ہوں؟ یہ سب تمہاری خاطر کر رہا ہوں۔''

نامان نے کہا۔ ''مما کی خاطر کر رہے ہیں تو انکل کو میری تحویل میں' میری پناہ میں پہنچائیں۔ یا پھر انہیں جہاں رکھا ہے' وہ جگہ ہمیں بتائیں۔''

وہ بولا۔ ''یہ جو بیڈ روم دیکھ رہے ہو' یہاں تک کوئی پہنچ نہیں پائے گا۔ اگر میں نے اس جگہ کی نشاندہی کی تو دشمن تمہاری یا رائنا کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یہاں چلے آئیں گے۔''

رائنا نے کہا۔ ''نامان! بحث نہ کرو۔ اپنے ڈیڈی پر بھروسہ کرو۔ دیکھو کہ یہ دن رات بھائی جان کا علاج کرا رہے ہیں۔ یہ صحت یاب ہوں گے تو انہیں میرے پاس پہنچا دیں گے۔''

نامان بڑی محبت اور اپنائیت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''ڈیڈ! جو میں سمجھ رہا ہوں' وہ مما سمجھ نہیں پائیں گی۔ میں زیادہ نہیں بولوں گا۔ بس یہ بات گراہ میں باندھ لیں کہ انہیں زندہ سلامت واپس نہیں کریں گے تو میں اپنے علاقے میں صیہونی تنظیم کے ایک بھی کارندے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے تمہاری تنظیم کو جو سہولتیں دی ہیں' سب ختم ہو جائیں گی۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''ٹھیک ہے میرے بچے! میں نے تمہاری باتیں گراہ میں باندھ لی ہیں۔ ویسے زیادہ نہ بولا کرو۔ آگے جو ہونے والا ہے' وہ تمہارے سامنے ہی آئے گا۔''

پھر اس نے رائنا سے کہا۔ ''کیا بیٹے کے پاس ہی رہو گی۔ میرے پاس نہیں آؤ گی؟''

وہ بولی۔ ''میں بیٹے کے پاس نہیں ہوں۔ اس وقت لندن میں ہوں۔ ویسے تمہارے پاس آنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے کہاں آنا چاہئے؟ کیا تم استنبول میں ہو؟''

وہ اسی شہر میں تھا۔ مگر اس نے جھوٹ کہا۔ ''نہیں میں جنوبی یورپ کے ایک ملک میں ہوں۔ جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوں گے' تمہیں اپنے پاس بلاؤں گا۔ تم بڑی رازداری سے یہاں آ کر بھائی سے مل سکو گی۔''

وہ خوشی سے بولی۔ ''آئی لو یو راڈی! پتہ نہیں یہ بلڈ کینسر مجھے کب مار ڈالے گا؟ مگر تم بھائی سے ملا کر مجھے نئی زندگی دینے والے ہو۔''

''میں تمہیں نئی زندگی دینے کے لئے ہی اس دشمن کو زندہ سلامت رکھوں گا۔ اب یہاں کی لائٹس آف کر کے جانا چاہتا ہوں۔ اسے آرام سے گہری نیند سونے دو۔''

''اچھی بات ہے۔ میں بارہ گھنٹوں کے بعد پھر بھائی جان کو دیکھنا چاہوں گی۔''

''آل رائٹ۔ بارہ گھنٹے بعد یہ ٹی وی پھر آن ہو جائے گا۔''

رائنا نے ادھر سے اور راڈ مین نے ادھر سے اپنے اپنے ٹی وی کو آف کر دیا۔ وہ ماں بیٹا نظروں سے اوجھل ہوئے تو راڈ مین نے کہا۔ ''ڈاکٹر! اس کی بیہوشی تشویش میں مبتلا کر رہی ہے۔ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔''

ڈاکٹر میرا معائنہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ اس قدر کمزور ہے کہ زندگی کی طرف لوٹ کر آتے آتے رہ جاتا ہے۔ میں توانائی کے لئے ایک انجکشن لگا رہا ہوں۔ یقین ہے کہ خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔ اس کی سانسیں بحال ہو جائیں گی اور یہ آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے گا۔''

ڈاکٹر مجھے الیکٹرک شاک پہنچانے کے بعد فکر مند ہوگیا تھا۔فی الوقت یہ کوشش کررہا تھا کہ میں ہوش میں آجاؤں۔یہ اندیشہ تھا کہ ابھی مجھ پر جو ظلم کیا گیا تھا' اس کے باعث میرے اندر کوئی بڑی خرابی پیدا نہ ہوجائے۔ایسا نہ ہو کہ میں آئندہ بولنے کے قابل ہی نہ رہوں۔

راڈ مین نے کہا۔"بس یہ ایک بار سننے اور بولنے کے قابل ہوجائے۔تمام اہم راز میرے سامنے اگل دے۔اس کے بعد مرجائے۔ویسے بھی اسے یہاں سے مار کر ہی نکالا جائے گا۔"

وہ ایسا فیصلہ کرکے ہی مجھے عارضی طور پر زندگی کی طرف لارہا تھا۔یہ طے تھا کہ مجھے وہاں سے زندہ نہیں جانے دے گا اور ایسے آثار نہیں تھے کہ میں وہاں سے اٹھ کر جانے کی کوئی راہ نکالتا۔میرے حالات چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ میں بڑی بے بسی سے مارا جاؤں گا۔

ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر نے کہا۔"اسے ہوش آرہا ہے۔"

راڈ مین بیٹھا ہوا تھا۔اچھل کر کھڑا ہوگیا۔تیزی سے چلتا ہوا آکر مجھے دیکھنے لگا۔ڈاکٹر معائنہ کررہا تھا اور کہہ رہا تھا۔"بہت ہی کمزور ہے۔سمجھ میں نہیں آتا' کب تک سنبھل پائے گا؟"

راڈ مین نے کہا۔"یہ مردہ ہوکر مجھے اپنے پیچھے دوڑا رہا ہے۔دن رات اسی کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ دشمن اس خفیہ اڈے تک نہ پہنچ جائیں۔صبح' دوپہر' شام یہاں حاضری دیتا ہوں۔اس کمینے کتے نے میرا سکون برباد کردیا ہے۔"

شائد وہ میرا آخری وقت تھا۔میں زندگی کے انتہائی اذیت ناک لمحات سے گزر رہا تھا۔کوئی میری تکلیف کا اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔مگر عجیب بات تھی کہ وہ دشمن مجھ سے زیادہ تکلیف میں مبتلا ہورہا تھا۔جب تک مجھے سننے سمجھنے اور بولنے کی توانائی حاصل نہ ہوتی' تب تک اس کی راتوں کی نیندیں اڑتی رہتیں۔دن کا سکون غارت ہوتا رہتا۔

میں بیمار تھا اور وہ دونوں صحت مند تھے۔مگر یکساں طور پر اذیتوں سے گزر رہے تھے۔جب تک مجھے مقدر سے سزائیں ملتی رہتیں' تب تک وہ بھی سزائیں پاتے رہتے۔وہاں ایک ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر کا اضافہ ہوگیا تھا۔وہ دونوں ڈاکٹر ڈیوڈ کی غیر موجودگی میں میرا خیال رکھتے تھے۔

اس کمرے میں ایسے خفیہ آلات نصب کئے گئے تھے' جن کے ذریعے راڈ مین اور ڈاکٹر وہاں سے بہت دور اپنی اپنی رہائش گاہوں میں بیٹھ کر بڑی سی ٹی وی اسکرین پر مجھے دیکھتے رہتے تھے۔ڈاکٹر ڈیوڈ اپنے معاون ڈاکٹروں کو گھر بیٹھے ہدایات دیتا رہتا تھا۔اس طرح وہ سب گھڑی کے کانٹوں کی طرح ہر پل میرے ساتھ گزار رہے تھے۔

☆☆☆

جیسا کہ پچھلے ایک باب میں بیان کرچکا ہوں کہ ایک پولیس آفیسر جان ریڈی ایک تابوت میں میری لاش لے کر نکلا تھا۔مگر راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کی گئی تھیں۔جگہ جگہ گولیاں چلتی رہی تھیں اور دھماکے ہوتے رہے تھے۔یوں میری لاش کے ساتھ جان ریڈی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

تمام خفیہ تنظیموں کو یقین ہوگیا تھا کہ آئندہ میری لاش کسی کے ہاتھ نہیں لگے گی۔کوئی مجھے دوبارہ زندہ کرکے ریڈ مرکری تک پہنچ نہیں پائے گا۔صیہونی تنظیم کے سربراہ راڈ مین نے بڑی ہی حکمت عملی سے تمام مخالفین کو مطمئن کردیا تھا۔مگر جلد ہی راڈ مین کی چالبازی کھل گئی۔نامعلوم خفیہ کال کے ذریعے تمام تنظیموں سے کہا گیا۔"تھری ایس زندہ ہے۔"

یہ یقین کرنے والی بات نہیں تھی۔لیکن چونکا دینے والی اور غور کرنے والی بات ضرور تھی۔نامعلوم کال کے ذریعے کہا گیا۔"ڈاکٹر ڈیوڈ نے تھری ایس کی موت کی جھوٹی رپورٹ لکھی تھی۔سوچی سمجھی پلاننگ کے مطابق ایک ڈمی لاش جان ریڈی کے حوالے کی گئی تھی۔وہ بوڑھا ڈاکٹر ڈیوڈ بڑی رازداری سے تھری ایس کو زندہ سلامت کہیں لے گیا ہے۔"

نامعلوم کال کرنے والے سے پوچھا گیا۔"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تھری ایس زندہ ہے اور اسے زندہ سلامت کہیں پہنچایا گیا ہے؟"

اس انفارمر نے کہا۔"مجھ سے سوال نہ کرو۔خود جواب تلاش کرو۔ڈاکٹر ڈیوڈ کہاں ہے؟ اس کی مصروفیات کیا ہیں؟ اس کی اور راڈ مین کی نگرانی کی جائے گی تو یہ انکشاف ہوگا کہ کہیں بڑی رازداری سے تھری ایس کا علاج کیا جارہا ہے۔"

انفارمر یہ معقول بات کہہ رہا تھا کہ راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ کی نگرانی کی جائے گی تو ڈھکی چھپی بازی گری کا انکشاف ہوسکے گا۔تمام بڑے ممالک اور خفیہ تنظیمیں مجھے زندہ یا مردہ حاصل کرنا چاہتی تھیں۔لیکن راڈ مین کی حکمت عملی سے میری ڈمی لاش کے اتنے ٹکڑے ہوگئے تھے کہ میری لاش بھی کسی کو نہیں ملی تھی۔

اس نامعلوم انفارمر نے تمام ممالک اور خفیہ تنظیموں کے اندر یہ تحریک پیدا کردی کہ میں مردہ نہیں ہوں' زندہ ہوں۔مجھے تلاش کیا جاسکتا ہے اور ایک دوسرے سے چھین کر مجھ سے ریڈ مرکری حاصل کی جاسکتی ہے۔

پھر تو کتنے ہی ممالک کے اور کتنی ہی خفیہ تنظیموں کے جاسوس راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ کے پیچھے پڑ گئے۔پراسرار اجنبی بن کر انہیں کال کرنے لگے۔کسی نے راڈ مین سے کسی نے ڈاکٹر

سے کہا کہ ان کی مکاریوں کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تھری ایس زندہ ہے اور بڑی رازداری سے اس کا علاج کرایا جا رہا ہے۔

راڈ مین کو پہلے ہی یہ اندیشہ تھا کہ دشمن چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ جو فراڈ کیا جا رہا ہے' وہ دیر تک چھپا نہیں رہے گا۔ پھر بھی اس نے اور ڈاکٹر نے انکار کیا۔ جو بھی کال آتی رہی' اس کے جواب میں یہی کہا کہ تھری ایس مر چکا ہے۔ اس کی لاش جان ریڈی کے حوالے کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے۔

راڈ مین نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''یہ نامعلوم فون کال کرنے والے یقیناً ہماری مخالف تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب یہ ہماری نگرانی کرتے رہیں گے۔ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے تھری ایس تک پہنچنے کی کوششیں کریں گے۔''

ڈیوڈ نے کہا۔ ''ہم ابھی فی الحال اُس خفیہ اڈے میں نہیں جائیں گے۔ وہاں میرے معاون اور قابل اعتماد دو ڈاکٹرز ہیں۔ میں یہاں سے تھری ایس کو ٹی وی اسکرین پر دیکھتا رہوں گا۔ انہیں گائیڈ کروں گا۔ وہ خاطر خواہ علاج کرتے رہیں گے۔''

''بیشک۔ ہم مخالفین کو اپنے پیچھے نہیں لگنے دیں گے۔ مگر اس طرح کب تک علاج ہوتا رہے گا؟ جب وہ سننے اور بولنے کے قابل ہوگا' تب میں اس کے روبرو رہ کر بہت سے راز اگلواؤں گا۔ سب سے پہلے ریڈ مرکری حاصل کروں گا۔''

''حالات اچانک ہی بدل گئے ہیں۔ اگر آپ مخالفین کی نظروں میں آئے بغیر تھری ایس تک پہنچ سکیں گے تو ایسا ایک ہی بار ہوگا۔ بار بار ادھر جائیں گے تو ضرور مخالفین کی نظروں میں آ جائیں گے۔''

یہ بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ نامعلوم مدت کے لئے مجھ سے دور ہو گئے تھے۔ صرف ٹی وی اسکرین پر مجھے دیکھ سکتے تھے۔

اس نے رائنا سے کہا۔ ''تمہارے نامان نے گاڈ فادر کی حیثیت سے اپنے قابل اعتماد عہدیداروں سے تھری ایس کے متعلق ضرور کچھ کہا ہوگا۔ یہ بات ایک کان سے دوسرے کان ہوتی ہوئی میرے تمام مخالفین تک پہنچ گئی ہے۔''

نامان نے کہا۔ ''آپ خواہ مخواہ الزام دے رہے ہیں۔ مجھے اپنے انکل کی سلامتی عزیز ہے۔ میں خود چاہتا ہوں کہ اسی طرح رازداری سے ان کا علاج ہوتا رہے۔''

رائنا نے راڈ مین سے کہا۔ ''آپ فی الحال میرے بھائی جان سے دور رہیں۔ میں انہیں

اسکرین پر دیکھتی ہوں۔ آپ بھی اسی طرح انہیں دیکھتے رہیں اور ان کا علاج کراتے رہیں۔''

رائنا نہ کہتی' تب بھی انہیں یہی کرنا تھا۔ ان حالات میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ تقدیر مہربان ہو رہی تھی۔ میں ابھی اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر قدرت کی کیا خوب کارسازی تھی کہ وہ دشمن عارضی طور پر مجھ سے دور ہو گئے تھے۔ ایسے وقت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بکرا کب تک اپنی خیر منائے گا؟ میں تو جیسے ذبح کئے جانے کے لئے بستر پر پڑا ہوا تھا۔

بہر حال میں جہاں تھا' وہاں سے عارضی طور پر ہی سہی' راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ ہٹ گئے تھے۔ اب میرے دو معالج تھے۔ ایک لیڈی ڈاکٹر محالا تھی اور دوسرا ڈاکٹر جیکوب تھا۔

میرے ماضی سے ان دونوں کا بہت ہی گہرا تعلق تھا۔ محالا اب بھی میری زندگی میں بہت اہم رول ادا کر رہی تھی۔

یہ کون تھی؟ میری زندگی میں کیسے آئی تھی؟ اس کا ذکر لازمی ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اپنے موجودہ حالات سے ہٹ کر محالا کا ذکر کر رہا ہوں۔

وہ تل ابیب میں میڈیکل اسٹوڈنٹ تھی۔ اس کی ماں خاندانی رئیس تھی۔ باپ سوتیلا تھا۔ وہ اس سوتیلے سے نفرت کرتی تھی۔ بیوہ ماں نے ایک عیاش شرابی سے شادی کر کے مصیبت مول لی تھی۔ ایک رات وہ شراب کے نشے میں ڈگمگاتا ہوا گھر میں آیا۔ محالا کو دیکھ کر بولا۔ ''کیا بات ہے روزی! تم تو بالکل محالا کی طرح جوان چھوکری دکھائی دے رہی ہو۔''

اس کی ماں روزی نے غصے سے کہا۔ ''میں ادھر ہوں۔ تم میری بیٹی کو دیکھ کر بکواس کر رہے ہو۔ کم آن اپنے کمرے میں چلو۔''

روزی اسے پکڑ کر بیٹی کے کمرے سے لے گئی۔ مگر وہ ہر دوسری تیسری رات نشے میں دھت ہو کر محالا کے کمرے میں آ جاتا تھا۔ روزی اسے باتیں سناتی تھی۔ دھمکیاں دیتی تھی کہ وہ محالا پر نیت خراب کرے گا تو وہ اس سے طلاق لے کر گھر سے نکال دے گی۔

محالا اپنی ماں کی کمزوری کو سمجھتی تھی۔ وہ اس شرابی پر مرمٹی تھی۔ اس کے بغیر رہتی نہیں تھی۔ ایک بار وہ دو روز کے لئے یروشلم گیا۔ دوسری رات محالا نے ماں کے کمرے میں کچھ چیزوں کے گرنے پڑنے کی آوازیں سنیں۔ ماں کی آواز بھی سنائی دی۔ مگر وہ غصے سے کیا کہہ رہی تھی؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ الفاظ واضح نہیں تھے۔

اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہاں جانا چاہا تو پتہ چلا' دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا ہے۔ ایسے ہی وقت ماں کی ایک چیخ سنائی دی۔ اس نے دروازے کو دونوں ہاتھوں

سے پیٹتے ہوئے پوچھا۔ ''ممی! یہ کیا ہو رہا ہے؟ میرے دروازے کو باہر سے کس نے بند کیا ہے؟ آپ کیوں چیخ رہی ہیں؟''

وہ دروازے پر ہاتھ مار رہی تھی۔ سوالات کر رہی تھی۔ مگر کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ ایسے وقت ماں کے کمرے سے آنے والی آوازیں تھم گئیں۔ موت کا سناٹا چھا گیا۔

پھر اسے خیال آیا کہ ٹیلی فون اس کے کمرے میں ہے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر پولیس اسٹیشن سے رابطہ ہوتے ہی انہیں اپنے گھر کا پتہ بتایا۔ فوری امداد کی التجا کی۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہی پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ باہر سے بند ہونے والا دروازہ کھل گیا۔ لیکن دوسرے کمرے میں ماں کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں۔

کسی نے اسے قتل کیا تھا۔ کمرے میں بکھرا ہوا سامان کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے بچاؤ کے لئے قاتل سے خوب مقابلہ کیا ہوگا۔ آخر زندگی ہار کر چلی گئی۔ پولیس نے تفتیش کی' مگر قاتل تک پہنچنے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ایک شرابی شوہر پر شبہ کیا گیا۔ لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ واردات کی رات وہ وہاں سے سینکڑوں میل دور یروشلم میں تھا۔

وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گئی۔ پہلے باپ مرا' پھر ماں ماری گئی۔ سوتیلا باپ اگلے دو دنوں تک گھر نہیں آیا۔ ویسے بھی اس شرابی باپ کے ساتھ وہ زندگی گزارنے والی نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا' وہ خود ہی پیچھا چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔ مگر مصیبت کب پیچھا چھوڑتی ہے؟ جاتی ہے اور حسب دستور واپس ضرور آتی ہے۔

ایک رات وہ اچانک ہی اس کے کمرے میں گھس آیا۔ خوب نشے کی ترنگ میں تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔ ''ہائے روزی! تم تو مرنے کے بعد محالا کی طرح جوان چھوکری دکھائی دے رہی ہو۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''بکواس مت کرو۔ میرے کمرے سے جاؤ۔ آئندہ اس گھر میں نہ آنا۔ ممی کے بعد تم سے کوئی رشتہ نہیں رہا ہے۔''

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ ''رشتہ کرنے کے لئے ہی تو تمہاری ممی سے نجات ملی ہے۔ ذرا آئینہ دیکھو! تمہاری نوخیز جوانی کے آگے وہ آثار قدیمہ کی طرح ٹوٹی پھوٹی لگتی تھی۔''

اس نے آگے بڑھ کر اسے پکڑنا چاہا' وہ اس سے کترا کر جانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے دروازے تک پہنچنے نہیں دیا۔ کچھ اس طرح گھیرتا رہا کہ اسے باہر جانے کا راستہ نہ ملا۔

وہ اپنے بچاؤ کے لئے اسے کوئی نہ کوئی چیز پھینک کر مارتی رہی۔ وہ ہنستے ہوئے بول

رہا تھا۔ ''تیری ماں نے بھی یہی کیا تھا۔ سالی قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ مگر فائدہ کیا ہوا؟ الو کی پٹھی جان سے گئی۔''

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا تم نے میری ممی کو؟''

وہ آگے بول نہ سکی۔ اس نے چھلانگ مار کر اسے دبوچ لیا۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اسے ہاتھ سے مارتے ہوئے چیخنے لگی۔ یہ مقدر کا کھیل ہے۔ وہ چیخیں میرے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

میں اس مکان کے احاطے میں پہنچا ہوا تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس والوں کو شبہ تھا کہ میں ان دنوں تل ابیب میں ہوں۔ وہ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ میں پچھلی پناہ گاہ چھوڑ کر نئی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹکتا ہوا محالا کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

میں نے اندر آ کر دیکھا۔ اس وقت وہ محالا پر حاوی ہو رہا تھا۔ اس کا لباس تار تار ہو رہا تھا۔ میں نے پیچھے سے آ کر اس کی گردن دبوچ لی۔ وہ پلٹ کر دیکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ گرفت ایسی مضبوط تھی کہ نہ وہ سر گھما سکتا تھا اور نہ اپنی گردن چھڑا سکتا تھا۔

محالا کے پھٹے ہوئے لباس سے بدن جھانک رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟ پہلے بدن چھپاؤ' پھر بولو....''

اس نے بیڈ کی چادر کھینچ کر اپنے اوپر ڈالتے ہوئے اپنے مرحوم ماں کے اور سوتیلے باپ کے متعلق بتایا۔ میں نے اس کی اچھی طرح پٹائی کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی ایک تحریری بیان دو کہ تم نے راتوں رات یروشلم سے آ کر اپنی بیوی کا مرڈر کیا تھا۔ پھر واپس چلے گئے تھے۔''

اس نے لکھنے سے انکار کیا۔ میں نے اس کے ایک ہاتھ کی ایک انگلی توڑ دی۔ وہ تکلیف سے بلبلانے لگا۔ میں نے دوسری انگلی کو گرفت میں لیا تو وہ ایکدم سے چیخ کر بولا۔ ''میں لکھوں گا۔ اقبال جرم کروں گا۔ پلیز مجھے چھوڑ دو۔''

محالا نے اس کے سامنے کاغذ قلم رکھتے ہوئے کہا۔ ''لکھوانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں فون کرتی ہوں۔ ابھی پولیس والے آ کر اقبال جرم کرائیں گے۔ پھر اسے آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں گے۔''

میں اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ پولیس اور انٹیلی جنس والے مجھے بھی تلاش کر رہے ہیں اور میں اس گھر کو خالی سمجھ کر چھپنے آیا ہوں۔

میں نے کہا۔ ''میں پولیس اور عدالت کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا۔ تم اس کا تحریری بیان رکھو گی۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد پولیس کو کال کرو گی اور اس کے خلاف

کارروائی کرتی رہوگی۔"

وہ مجھے ایسے دیکھنے لگی' جیسے ایک مضبوط سہارا چھوٹ رہا ہو۔ میں نے اس قاتل سے بیان لے کر اسے دیا۔ پھر اس شخص کو اسٹور روم میں بند کردیا۔ دروازے کو باہر سے لاک کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میرے جاتے ہی پولیس کو فون کرو۔"

میں جانا چاہتا تھا۔ وہ بولی۔ "پلیز۔ رک جاؤ۔ ادھورا ساتھ نہ دو۔ میں اکیلی کچھ نہیں کرپاؤں گی۔"

میں نے کہا۔ "اپنے رشتے داروں کو مدد کے لئے بلاؤ۔"

"میرا کوئی قریبی رشتے دار نہیں ہے اور جو کہیں ہیں' ان سے میں دور رہتی ہوں۔ پلیز۔ میری پرابلم کو سمجھو' پتہ نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے' تم میری مشکلیں آسان کرنے آئے ہو۔"

میں نے کہا۔ "میں خود مشکل میں ہوں۔ کسی اچھی محفوظ رہائش گاہ کی تلاش میں ادھر آیا تھا۔ یہاں مرڈر اور پولیس کے معاملات میں الجھنا نہیں چاہتا۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "ٹھیک ہے نہ الجھو۔ وہ میری ممی کا قاتل ہے۔ اسے بھاگ جانے دو۔ جہنم میں جانے دو۔ مجھے اپنی فکر ہے۔ مجھے تحفظ دو۔ تم یہاں رہوگے تو وہ پھر ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گی۔"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں ساری عمر تمہارا باڈی گارڈ بن کر رہوں گا؟"

اس نے پوچھا۔ "کیا میں جوان اور خوبصورت نہیں ہوں؟ مجھ پر دل آئے تو ساری عمر ساتھ دو۔ ورنہ جب چاہو' چلے جاؤ۔ تب تک یہ بدمعاش ادھر کا راستہ بھول جائے گا۔"

میں سوچنے لگا۔ وہ ایک اچھی جائے پناہ تھی۔ محالا اپنے حالات سے مجبور ہوکر میرا ساتھ دے سکتی تھی۔ میں ایک تنہا بے یارو مددگار لڑکی سے دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا۔ وہ خود ہی حالات کی ٹھوکروں میں پڑی ہوئی تھی۔

میں سوچ رہا تھا۔ وہ میرے پیچھے آکر لگ گئی۔ اپنے بدن کا تعارف پیش کرتے ہوئے بولی۔ "میں ایک محافظ کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ تم بہت تگڑے ہو۔ اس کم بخت کو چیونٹی کی طرح مسل رہے تھے۔ میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ ہم اسے جانے دیں گے۔ اس کا تحریری اقبال جرم تمہارے پاس رہے گا۔ وہ اپنی گردن پھنسانے کے لئے کبھی ادھر نہیں آئے گا۔"

میں نے وہاں سے اٹھ کر اسٹور روم کے دروازے کو کھولا۔ پھر اسے باہر نکال کر کہا۔ "یہ لڑکی اکیلی ہے۔ تھانے کچہری کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتی۔ اس لئے تمہیں فرار ہونے کا موقع دے رہا ہوں۔ تمہارا بیان ہمارے پاس رہے گا۔ اگر پھانسی کے پھندے سے بچنا چاہتے ہو تو یہ شہر اور یہ ملک چھوڑ دو۔"

اس کی ایک انگلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنے کان کو چھوکر بولا۔ "میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔ اس شہر سے چلا جاؤں گا۔ محالا جانتی ہے' میں کنگال ہوں۔ اگر مجھے رقم مل جائے تو صبح ہوتے ہی لبنان چلا جاؤں گا۔"

محالا نے اپنی الماری سے پانچ ہزار ڈالرز نکال کر اسے دیئے۔ یوں اس سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کی اور میرے ساتھ ساری عمر رہنے کا ارادہ کرلیا۔

میں نے اس کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ مگر صاف کہہ دیا کہ میرے حالات سازگار ہوں گے تو میں چلا جاؤں گا۔

اس نے کہا۔ "جہاں تم جاؤ گے' وہاں میں بھی جاسکتی ہوں۔"

"تم میرے ساتھ کانٹوں پر نہیں چل سکو گی۔"

"کیوں نہیں چل سکوں گی؟ کیا تم جہنم کے راستوں سے گزرتے رہتے ہو؟"

"میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ جنت کی راہوں پر چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مخالفین قدموں تلے جہنم کے راستے بچھاتے رہتے ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ ہمیشہ موت چلتی ہے۔ کیا تمہیں مرنے کا شوق ہے؟"

سب ہی بھرپور زندگی جینا چاہتے ہیں۔ وہ بھی آخری عمر تک لائف انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ اسے رفتہ رفتہ معلوم ہوتا گیا کہ میں بے انتہا دولتمند ہوں مگر میرا کوئی گھر' کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ سنگین حالات سے نمٹنے کے لئے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھٹکتا رہتا ہوں۔

اس نے جواباً یہ تو نہیں کہا کہ اسے مرنے کا شوق ہے۔ لیکن میرے ساتھ لائف انجوائے کرتی رہی۔ ہمیں کبھی نہ کبھی ایک دوسرے سے الگ ہونا تھا۔ وہ ڈاکٹر بنتے ہی میسونی تنظیم میں پہنچ گئی تھی۔ مجھے بھی اپنے نظریات اور مفادات کے مطابق استعمال کرنا چاہتی تھی۔

میں نے کہا۔ "تم مجھے شیشے میں نہیں اتار سکوگی۔ قدرت نے عورتوں کو پانی کا مزاج دیا ہے۔ انہیں جس برتن میں ڈالو' اسی برتن میں ویسی ہی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ اگر تم میرا

دین قبول کرو گی تو میں تمہیں شریکِ حیات بناؤں گا۔"

وہ بولی۔"کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کا دین قبول کریں۔ہم شادی کے بعد بھی اپنے اپنے مسلک پر قائم رہیں گے۔"

"جب تک دین ایک نہ ہو۔نکاح جائز نہیں ہوتا۔ میں کل صبح یہاں سے جارہا ہوں۔"

"تم نہیں جاسکو گے۔"

"کیا مجھے جبراً روکو گی؟"

"میں نہیں' حالات روکیں گے۔میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

میں نے اسے چونک کر دیکھا۔پھر کہا۔"کیا بکواس کر رہی ہو؟تم تو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کر رہی تھیں۔دوا بھی کھاتی رہتی تھیں۔"

"ہاں۔مگر کیا کروں؟احتیاطی تدابیر کے باوجود ہم قدرتی معاملات میں بے بس ہوجاتے ہیں۔"

"تم نے کوئی گڑبڑ کی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔"سچ تو یہ ہے کہ میں تمہارے پیار کی نشانی اپنے سینے سے لگا کر رکھنا چاہتی تھی۔میری یہ آرزو پوری ہورہی ہے۔ڈاکٹر نے کہا ہے' بیٹا ہوگا۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔"تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔تم کسی حد تک جان چکی ہو کہ میں خطرات سے کھیلتا رہتا ہوں۔بیوی بچوں کو اپنی کمزوری بنانا نہیں چاہتا۔"

وہ مسرتوں سے سرشار ہو کر بولی۔"میں اور میرا بچہ ہمیشہ تمہاری کمزوری بن کر رہیں گے۔تم جانا چاہو گے تو میری اولاد کی ذمہ داریاں تمہیں ادھر کھینچ لیا کریں گی۔"

"بیشک۔میں اولاد کی محبت میں آتا رہوں گا۔مگر تم بھول رہی ہو یا پھر جان بوجھ کر بھولی بن رہی ہو۔کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ دشمن اس بچے کو میری کمزوری بنائیں گے۔اس کے ذریعے مجھے بلیک میل کریں گے۔تم پیار کے نام پر دشمنوں سے زیادہ دشمنی کر رہی ہو۔"

اگرچہ میں نے اس سے نکاح نہیں پڑھوایا تھا۔تاہم اس سے ہونے والا بیٹا میرا ہی تھا۔یہ صاف سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ اسے یہودی بنائے گی اور میں دور رہ کر ایک مسلمان بیٹے کو ہار جاؤں گا۔

عورت بڑی کمزور ہوتی ہے۔مگر بعض اوقات ایسے حربے استعمال کرتی ہے کہ بڑے بڑے شہزور چاروں شانے چت ہوجاتے ہیں۔اس نے تو مجھے بری طرح پچھاڑ دیا تھا۔

وہ ایک یہودی چالباز محبوبہ تھی۔مجھے دل و جان سے چاہتی تھی۔مگر اپنے مفادات اچھی طرح حاصل کر رہی تھی۔اس نے مجھے پیار بھرے رشتے کی زنجیر میں جکڑ لیا تھا۔اب میرا فرض تھا کہ میں بیٹے کو اپنا نام دیتا۔میں نے دوسرے دن اس سے کورٹ میرج کر لی۔

اس نے بڑی محبت سے مجھے ٹریپ کیا تھا۔میں نے دل میں عہد کیا کہ آئندہ بیٹے پر توجہ دوں گا۔اسے ایک یہودی ماں کے رنگ میں رنگنے نہیں دوں گا۔ہم اپنے دین کو اولاد کے ذریعے آگے بڑھاتے ہیں۔مجھ پر یہ بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوگئی تھی۔میں نے اسی وقت یہ طے کر لیا کہ بیٹے سے غافل نہیں رہوں گا۔

ہر حال میں محالا جیت رہی تھی۔وہ یہی چاہتی تھی کہ بیٹے کے لئے ہی سہی' میں وقتاً فوقتاً آتا جاتا رہوں۔یوں ایک میسونی تنظیم کی رکن کی حیثیت سے وہ کسی حد تک میری مصروفیات کے متعلق کچھ نہ کچھ معلوم کرتی رہتی تھی۔میں بار بار فریب کھانے والا نہیں تھا۔اپنے تمام اہم راز اس سے چھپاتا رہتا تھا۔اسے خوش فہمی میں مبتلا رکھتا تھا اور اس کی نادانستگی میں اسے ایک آلہ کار بنا کر اپنا کام نکال لیا کرتا تھا۔

جب بیٹا پیدا ہوا تو اس نے کہا۔"تمہارا نام سلمان ہے۔اس کا نام جیکوب سلمان ہوگا۔"

میں نے کہا۔"جیکوب نہیں' یعقوب...وہ یعقوب سلمان کہلائے گا۔"

وہ بولی۔"ایک ہی بات ہے۔ہم یعقوب کو جیکوب کہتے ہیں۔"

"باپ جو کہہ رہا ہے' وہی نام ہوگا۔یہ اپنے پورے نام سے یعقوب سلمان سعدی کہلائے گا۔"

اس وقت وہ مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس نے بات مان لی۔مگر آئندہ ایسے ہی چھوٹے بڑے اختلافات پیدا ہونے لگے۔بچے کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ اہم تھا۔اسے ماں کی قربت زیادہ حاصل تھی۔وہ اسی کے زیرِ اثر اور زیرِ تربیت رہ کر اپنے دین سے پھر سکتا تھا۔

میں نے فیصلہ سنایا کہ محالا اب تل ابیب میں نہیں رہے گی۔میرے بیٹے کے ساتھ لندن میں رہائش اختیار کرے گی۔میں وہاں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کروں گا اور میرے بیٹے کو ابتدا ہی سے دینی تعلیم دی جائے گی۔

میرا یہ فیصلہ محالا اور یہودی تنظیم کے ارادوں کے خلاف تھا۔ وہ یعقوب سلمان سعدی کو میری بہت بڑی کمزوری بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا محالا اچانک ہی بیٹے کے ساتھ کہیں چلی گئی۔ اسے روپوش رہنے کے لئے تنظیم کی طرف سے کہیں محفوظ پناہ گاہ مل گئی تھی۔

میں اور میرے جاں نثار اسے تلاش کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنی تنظیم کے بہت ہی خفیہ معاملات میں مصروف رہتی ہے۔ منظر عام پر شاید بھیس بدل کر آتی ہوگی۔ میرے جاسوس اسے پہچان نہیں پاتے تھے۔

یوں دن گزرتے گئے۔ میں اپنے بیٹے کی ایک جھلک نہ دیکھ سکا۔ ان دنوں رائنا بہن بن کر میری زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ ہم بھائی بہن کے درمیان راڈ مین سانپ بن کر زہر اگلتا رہا اور مجھے ڈسنے کی کوششیں کرتا رہا۔

راڈ مین کو میسونی تنظیم میں اعلیٰ عہدیدار بنایا گیا تھا۔ مگر میں اسے اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے کوئی میٹنگ اٹینڈ کرنے نہیں دیتا تھا۔ اس کے لئے ایسی مصیبت بن گیا تھا' جس سے نجات حاصل کرنا ناممکن سا لگتا تھا۔ لیکن انہوں نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔

راڈ مین نے فون کے ذریعے کہا۔ ''اگر تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے تو میں تمہاری ایک بہت بڑی کمزوری سے کھیلنا شروع کردوں گا۔''

میں نے کہا۔ ''اچھا... ذرا معلوم تو ہو' میری وہ کمزوری کیا ہے؟ کیا میں تمہارے آدمیوں کے گن پوائنٹ پر آگیا ہوں؟''

اس نے کہا۔ ''تم کبھی نشانے پر نہیں آتے۔ مگر تمہاری اولاد آگئی ہے۔ تمہارا بیٹا یعقوب سلمان سعدی ہمارے پاس ہے۔ تم اسے یعقوب بنانا چاہتے تھے۔ ہم نے اسے جیکوب بنا دیا ہے۔''

وہ فاتحانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔ ''ہوں۔ آگے بولو۔''

''آگے تم سمجھدار ہو۔ اگرچہ وہ ہمارے زیر اثر ہے۔ پھر بھی مسلمان کا بیٹا ہے۔ ہم نے اسے صرف ایک آلہ کار بنا کر رکھا ہے۔ اسے کہیں بھی کسی خطرے میں جھونک کر اس کا کام تمام کرسکتے ہیں۔''

میں ذرا دیر چپ رہا۔ پھر بولا۔ ''کوئی معقول جواب دینے سے پہلے اپنے بیٹے اور بیوی سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''یہ دونوں تمہارے روبرو کبھی نہیں آئیں گے۔ فون پر بات کرسکتے ہو۔''

تھوڑی دیر بعد فون پر محالا کی آواز سنائی دی۔ ''ہائے سلمان! کیسے ہو؟ میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں۔''

''کمی محسوس کررہی ہو تو آجاؤ' میرے گھر کا دروازہ کھلا ہے۔''

''کہاں ہے تمہارا گھر اور تمہارا دروازہ؟ کس دنیا میں رہتے ہو تم؟ تمہیں ڈھونڈنے والے جس ملک میں جاتے ہیں۔ وہاں ایک تھری ایس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ میں تم سے ملنے آؤں گی تو کیا مجھے دھوکہ دینے تمہاری ڈمی آئے گی؟''

میں نے کہا۔ ''ذرا عقل سے سوچو! کیا میں کسی ڈمی کو اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کی ماں کے قریب جانے دوں گا؟ کیا میں ایسا بے غیرت ہوں کہ تم میری ڈمی کے سینے سے لگو گی تو میں ایسی شرمناک قربت کو برداشت کرلوں گا؟''

''یہ مانتی ہوں کہ تم بے غیرت نہیں ہو۔ مجھے بھی خود پر ناز ہے کہ میں نے آج تک تمہارے سوا کسی کو اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی۔''

''مجھے یقین ہے' تم صرف میرے لئے ہو۔ تم بھی مجھ پر یقین کرو۔ مجھ پر اعتماد کرو اور ایک بار بیٹے کے ساتھ ملنے آجاؤ۔''

''میں تو آجاؤں گی۔ لیکن بیٹے سے تم مل نہیں سکو گے۔ یہ ہماری تنظیم کی پالیسی ہے۔ اسے تم سے دور رکھا جائے گا۔ کبھی تمہارا سایہ بھی اس پر نہیں پڑے گا۔''

''اور میں بیٹے کو دیکھے بغیر' اس سے بات کئے بغیر تمہاری تنظیم کے سربراہ سے کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گا۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر سربراہ کی آواز سنائی دی۔ ''میں وائڈ اسپیکر کے ذریعے تمہاری باتیں سن رہا ہوں۔ تم فون کے ذریعے ابھی بیٹے سے بات کرسکو گے۔''

''میں ایک باپ ہوں۔ اسے دیکھنا بھی چاہتا ہوں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد راڈ مین نے کہا۔ ''تم اسے ویڈیو کیسٹ کے ذریعے چلتے پھرتے اور بولتے ہوئے دیکھ سکو گے۔ یہ بات ذہن سے نکال دو کہ کبھی روبرو آکر اسے چھو بھی سکو گے۔''

میں کسی بھی قیمت پر سمجھوتہ کرکے بیٹے تک پہنچنے کے لئے سرنگ بنا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ابھی میرے بیٹے سے بات کراؤ۔ تم سے بعد میں بات ہوگی۔''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''ویٹ آمنٹ...''

میں نے انتظار کیا۔ پھر میرے بارہ برس کے بیٹے کی میٹھی اور ملائم سی آواز سنائی
ی۔ ''ہیلو پاپا! میں آپ کا بیٹا جیکوب سلمان بول رہا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''جیکوب نہیں۔ میں نے تمہارا نام یعقوب سلمان سعدی رکھا تھا۔''

''میں نہیں جانتا پاپا! مجھے جس نام سے پکارا جاتا ہے' میں وہی آپ کو بتا رہا ہوں۔''

''بیشک۔ یہ تمہاری مجبوری ہے۔ میرے دین کے مطابق پرورش پاتے تو خود کو
یکوب نہیں' یعقوب سلمان کہتے اور فون پر مجھے مخاطب کرتے ہی اسلام علیکم کہتے۔ کوئی بات نہیں'
بں تمہارے لئے بہتر اور ایمان افروز وقت کا انتظار کروں گا۔''

''پاپا! میں آپ کا بہت ذکر سنتا ہوں۔ آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا اپنی ویڈیو کیسٹ
ھیجنا چاہیں گے؟''

''میں اپنے بیٹے کی خواہش ضرور پوری کروں گا اور بھی بڑی سے بڑی خواہش بیان
کرو۔ ایسی چیز مانگو جو تمہیں کوئی نہ دے سکتا ہو۔ یہ باپ تمہیں ضرور دے گا۔ مگر اس وقت دے گا'
جب میرے سینے سے آ کر لگو گے اور انشا اللہ ایسا وقت ضرور آئے گا۔''

وہ ذرا دیر چپ رہا۔ شاید اسے کچھ سکھایا جا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''پاپا! یہاں آپ
کے اور اسلام کے خلاف بہت کچھ بولا جاتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں مجھے کچھ سمجھائیں گے؟''

میں نے کہا۔ ''کسی بھی دین دھرم کے خلاف نہیں بولنا چاہئے۔ تم کسی کی برائی کر کے
ل نہیں جیت سکو گے۔ ہمیں دین کے اچھے اور سچے اصولوں کو اور مہذب طور طریقوں کو دوسروں
تک پہنچانا چاہئے۔''

''مما کہتی ہیں' میں یہودی ہوں۔ انہوں نے مجھے پیدا کیا ہے۔ دودھ پلایا ہے۔ آپ
مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وہ میری پرورش کرتی رہی ہیں۔''

''اگر میں تمہیں چھوڑ کر جاتا تو تم سے ملنے کے لئے نہ تڑپتا۔ عمر کے ساتھ جیسے جیسے
شعور حاصل ہوگا۔ تم خود سمجھتے رہو گے کہ ماں نے تمہیں مجھ سے چھین کر ایسے لوگوں میں پہنچایا ہے'
جہاں تمہاری حیثیت قیدی کی ہے۔ تم آزادی سے باپ کے پاس نہیں آ سکتے' نہ ہی کبھی وہ تمہیں
یہاں آنے دیں گے۔''

دوسری طرف سے راڈ مین کی آواز سنائی دی۔ ''یو شٹ اپ... جیکوب سعدی یہودی
ہے۔ ہم میں سے ہے۔ تمہارے بہکانے سے نہیں بہکے گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''جب یقین ہے تو کیوں تلملا رہے ہو؟''

''بیٹے سے بہت باتیں کر لیں۔ اب کام کی بات کرو۔''

''کام کی بات یہ ہے کہ میرے بیٹے کی ویڈیو کیسٹ مجھے ملے گی۔ میں اسے دیکھوں
گا اور تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ ورنہ یاد رکھو! تم آزادی سے ایک سربراہ کے فرائض انجام نہیں دے
سکو گے۔ میں ہمیشہ رکاوٹ بنتا رہوں گا۔ تمہیں نقصان پہنچاتا رہوں گا۔''

وہ ذرا چپ رہا۔ پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ تمہیں اس کی ویڈیو کیسٹ ملے گی۔ کیا تم محالا
سے ملنا نہیں چاہو گے؟''

''وہ مجھ سے ملنے آئے گی۔ ایسے وقت تم سب مجھ سے دور رہو گے۔ مجھے ٹریپ
کرنے کی حماقت نہیں کرو گے۔''

''ہم جانتے ہیں' تم گرفت میں نہیں آؤ گے۔ اس لئے ہم اپنا وقت ضائع نہیں کریں
گے۔ یہ بتاؤ' کس پتے پر ویڈیو کیسٹ رکھی جائے اور محالا سے کہاں ملو گے؟''

میں نے کیسٹ روانہ کرنے کے لئے ایک ایڈریس بتایا۔ پھر کہا۔ ''جب اس کیسٹ
کے ذریعے اپنے بیٹے کو دیکھ لوں گا' تب بیٹے کی ماں سے ملنے کی کوئی جگہ اور وقت مقرر کروں گا۔''

ہمارا رابطہ ختم ہو گیا۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ اس ویڈیو کیسٹ کے پیچھے
یہودی جاسوس مجھ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے جو پتہ بتایا تھا' اس جگہ کو انہوں نے
بڑی رازداری سے گھیر لیا۔ یہ معلوم کیا کہ اس مکان میں ایک میاں بیوی رہتے ہیں۔ وہاں تیسرا
کوئی نہیں ہے۔

ایک صبح کوریئر سروس کے ذریعے مطلوبہ کیسٹ کا ایک پیکٹ اس مکان میں پہنچا۔ یہ
شبہ ہوا کہ وہاں رہنے والا شخص تھری ایس ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص آدھے گھنٹے بعد گھر سے نکل کر
کوریئر سروس کے آفس پہنچا۔ پھر اس کیسٹ کو اس نے دوسرے پتہ پر روانہ کر دیا۔ نگرانی کرنے
والوں نے اسے پکڑ کر پوچھا۔ ''تم کون ہو؟ اس کیسٹ کو کہاں روانہ کر رہے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''کسی نامعلوم شخص نے فون پر مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ میرے
پتے پر جو کیسٹ آئے گی' اسے میں دوسرے پتہ پر روانہ کر دوں گا۔ اس نے مجھے اس کام کے
پورے دس ہزار ڈالر دیئے ہیں۔''

وہ دوسرا پتہ پیرس کے ایک علاقے کا تھا۔ اس پر شہزادہ سلمان سعدی لکھا ہوا تھا۔ تنظیم
کے اہلکاروں نے فوراً ہی پیرس کے جاسوسوں کو اطلاع دی۔ وہاں کے کارندوں نے بھی وہی
تماشہ دیکھا۔ وہ کیسٹ پیرس پہنچی۔ جس شخص کے پاس پہنچی۔ اس نے اسے کسی تیسرے پتے پر

ارسال کر دیا۔

یہ سلسلہ آگے بھی اسی طرح جاری رہا۔ میری حکمت عملی ان کی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ میں انہیں اپنے پیچھے دوڑا رہا ہوں۔ کیسٹ جس پتے پر پہنچتی تھی۔ اس مکان کا مکین ایک سادہ آڈیو کیسٹ کسی دوسرے پتہ پر روانہ کر دیتا تھا۔ جو اصل کیسٹ چھپا کر رکھی گئی تھی' اسے بعد میں میرے پاس پہنچا دیا گیا۔

میرا سراغ لگانے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیسٹ چار مختلف پتوں پر پہنچنے کے دوران کہاں تبدیل ہو گئی ہے؟ سادی کیسٹ گردش کرتی رہی اور اصل کیسٹ میرے ویڈیو پلیئر میں پہنچ گئی۔

میں نے آرام سے بیٹھ کر پہلی بار ٹی وی اسکرین پر بیٹے کو دیکھا۔ ایسا لگا' جیسے اپنا بچپن دیکھ رہا ہوں۔ کچھ کچھ یاد آیا کہ میں دس بارہ برس کی عمر میں ایسا ہی تھا۔ اس نے اپنی پیشانی تک دایاں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''پاپا! اسلام علیکم....''

میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''وعلیکم سلام....!'' اس کے ساتھ ہی میرے دل سے ڈھیر ساری دعائیں نکلیں۔

اس نے کہا۔ ''آپ نے فون پر سمجھایا تھا' مجھے اسلام علیکم کہنا چاہئے۔ یہ ویڈیو تیار کرتے وقت مجھے سلام کرنے سے منع کیا جا رہا تھا۔ مگر میں بہت ضدی ہوں۔ میں نے مما اور تنظیم کے بزرگوں سے یہ بات منوائی ہے کہ ابھی میری مرضی کے مطابق بولنے کی آزادی ہوگی تو یہ ویڈیو تیار ہوگی' ورنہ میں کیمرے کے سامنے نہیں رہوں گا۔''

وہ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''ویل پاپا! کیا میں آپ کی طرح ضدی ہوں؟ مما تو یہی کہتی ہیں۔ غصہ کرتی ہیں مگر پیار بہت کرتی ہیں۔ تنظیم کے بزرگ کہتے ہیں' میں اپنی عمر سے زیادہ ذہین ہوں۔ جو باتیں مجھ سے چھپائی جاتی ہیں۔ انہیں تجسس میں بتلا رہ کر سمجھ لیتا ہوں۔ آپ کے بارے میں بھی مجھ سے بہت کچھ چھپایا جاتا ہے۔ مگر میں عقل لڑاتا ہوں' آپ سے متاثر ہو کر بہت کچھ سوچتا اور سمجھتا چلا جاتا ہوں۔ اکثر ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ مما کے پاس نہ ہوتا۔ آپ کے پاس ہوتا تو کیا ہوتا...؟''

یہ بات ایسی تھی کہ میں سن کر تڑپ گیا۔ بیشک ایسے ذہین بیٹے کو میرے سائے میں رہنا چاہئے تھا۔ پہلی بار یہ احساس شدت سے ہوا کہ اپنی زندگی کی بہت بڑی بازی ہار رہا ہوں۔
اور یہ احساس اس لئے بھی ہوا کہ میرے دوسرے تمام بیٹے منور مرزا' سلطان وغیرہ سب

ہی نااہل' خود غرض اور مکار تھے۔ مجھ سے ایسی دشمنی کرتے آ رہے تھے' جیسے وہ میری اولاد نہ ہوں۔

اس وقت پہلی بار میرے دل نے کہا کہ اولاد ایسی ہوتی ہے۔ بالکل باپ کی طرح.... وہ صورت شکل کے حوالے سے مشابہت رکھتا تھا۔ بھرپور جوان ہونے کے بعد بالکل میری طرح دکھائی دیتا۔ اس کی باتوں سے ذہانت عیاں تھی۔ واقعی وہ میری طرح ضدی تھا اور اپنی باتیں منوانا جانتا تھا۔

اس وقت نگاہوں کے سامنے اسے اسکرین پر دیکھ کر' اس کی باتیں سن کر دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ اس وقت اس کی گفتگو یکطرفہ تھی۔ وہ بول رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔ جواباً بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر وہ سن نہ پاتا۔ ایک باپ کے جذبات دل کی گہرائیوں سے نکل کر کمرے کی چار دیواری میں گھومتے ہوئے تحلیل ہو جاتے۔

میں آرام سے بیٹھ نہ سکا۔ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹی وی کے پاس آ کر اسے دونوں بازوؤں میں بھر لیا۔ اس کی اوپری سطح پر سر رکھ دیا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں اسے آغوش میں لینا چاہتا تھا اور میری تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ بات مجھے ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ باپ بیٹے ندی کے دو کنارے ہیں۔ کبھی مل نہیں پائیں گے۔''

اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر کہا۔ ''مگر پاپا! بیچ میں دریا خشک ہو جائے' یہاں سے وہاں تک خشکی ہو تو پھر کنارے دو نہیں رہتے ایک ہو جاتے ہیں... کیوں میں درست کہہ رہا ہوں ناں؟''

میں نے بے اختیار کہا۔ ''ہاں میری جان! میرے بیٹے! تم میرا دوسرا روپ ہو۔ بہت ذہین ہو۔ میرا دل کہتا ہے' کچھ میری حکمت عملی سے اور کچھ اپنی ذہانت سے کام لے کر مجھ تک ضرور پہنچو گے۔ ہم باپ بیٹے ضرور ملیں گے۔''

میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ دل اس کی طرف یوں کھنچا جا رہا تھا' جیسے ابھی دوڑتا ہوا اس کے پاس چلا جاؤں گا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد پہلی بار مجھے ایک ہونہار اور ذہین بیٹا مل رہا تھا۔

میں نے زیر لب کہا۔ ''میرے بیٹے! میری جان! تم باپ سے ملو گے۔ میں تمہیں اس دلدل سے نکال کر لاؤں گا۔ خدا مجھے توفیق دے' حوصلہ دے' میں تمہیں ہر قیمت پر حاصل کروں گا۔''
میں نے ذرا پیچھے ہٹ کر اسکرین پر اسے دیکھا۔ وہ بڑے جذبے سے' بڑے اعتماد

سے مسکرا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت وہ اچانک گم ہوگیا۔ منظر بدل گیا۔ اب نیم تاریکی میں ایک شخص ایزی چیئر پر دکھائی دے رہا تھا۔

اگرچہ وہ واضح نہیں تھا۔ مگر میں نے پہچان لیا۔ وہ راڈ مین تھا۔ اس نے کہا۔ ''ہائے تھری ایس! بہت اونچے اڑتے ہو۔ ایسے وقت کہتے ہیں' آکر گرے زمین پر اونچی اڑان والے....''

میں واپس اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تمہارے بیٹے نے ضد کی۔ ہم نے اسے آزادی سے بولنے کی اجازت دے دی اور یہ اچھا ہی کیا۔ یقیناً بیٹے کی جذباتی باتوں نے ایک خوابیدہ باپ کو جھنجھوڑ کر جگایا ہوگا۔ اب اس سے ملنے کے لئے' اسے پالینے کے لئے ہلچل سی پیدا ہورہی ہوگی...؟ اگر ایسا ہے تو ریسیور اٹھاؤ اور مجھ سے بات کرو۔''

میں جذبات میں آکر فون سے رابطہ کرتا تو اسے میری موجودہ رہائش گاہ کا پتہ معلوم ہوجاتا۔ وہ اسکرین پر نظر آرہا تھا۔ پوچھ رہا تھا۔ ''رابطہ کررہے ہو؟ میں انتظار کررہا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی ویڈیو ریکارڈنگ ختم ہوگئی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس ویڈیو کیسٹ کی ریکارڈنگ دو روز پہلے ہوئی تھی۔ وہ اب میرے پاس پہنچی تھی۔ جسے دیکھنے کے بعد میں چشم تصور سے بیٹے کو چلتے پھرتے اور بولتے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کیسٹ کو بار بار ریوائنڈ کرکے دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس وقت بڑے جذبے اور سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ عقل کے گھوڑے دوڑا رہا تھا کہ کس طرح بیٹے کو وہاں سے نکال کر لاسکتا ہوں؟

میں سوچتا ہوا لانگ ڈرائیو پر نکل گیا۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جاکر فون کے ذریعے میسونی تنظیم کے سربراہ سے رابطہ کیا۔ اس نے کہا۔ ''دو دن کے بعد رابطہ کررہے ہو' یقیناً جگہ بدل چکے ہو۔ جہاں تھے' اب وہاں نہیں ہو۔''

میں نے کہا۔ ''اور ابھی جہاں ہوں' تھوڑی دیر بعد وہاں نہیں رہوں گا۔''

''کیا ساری زندگی اسی طرح بھاگتے رہوگے؟''

''یہی سوال تمہارے لئے ہے۔ کب تک میرے آگے پیچھے بھاگتے رہوگے؟''

''ہاں۔ ہم سب ہی دوڑتے اور ہارتے رہتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے' بیٹے کی خاطر یہ سلسلہ ختم کرو' مخالفتیں بھول جاؤ' دوست بن کر ہماری تنظیم کا ایک مضبوط حصہ بنو گے تو باقی تمام عمر بڑی بڑی تنظیمیں اور بڑے بڑے ممالک کے سربراہ تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دیں گے۔''

''انہیں اپنے اپنے خدا کے سامنے گھٹنے ٹیکنے دو۔ مجھے صرف گھٹنوں کے بل گرانا اچھا

لگتا ہے اور یہی میں کرتا آرہا ہوں۔ تم لوگوں سے ہمیشہ ذہنی اختلافات رہیں گے۔ اس لئے دوستی اور اتحاد کی بچکانہ باتیں نہ کرو۔''

''کیا تم نے بیٹے کی ویڈیو فلم نہیں دیکھی؟ کیا اس کی جذباتی باتوں نے متاثر نہیں کیا ہے؟''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''ہاں۔ کیا ہے۔ اسی لئے ابھی بات کررہا ہوں۔ کوئی ایسا سمجھوتہ کرو کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے۔''

''تم اسے حاصل کرنے کے لئے کیا کرسکتے ہو؟''

''صرف دین ایمان نہیں چھوڑوں گا' باقی اس کے لئے جان دے دوں گا۔ آئندہ یہ ڈیل کرسکتا ہوں کہ تمہاری تنظیم کے سنگین معاملات میں مداخلت نہیں کیا کروں گا۔ نہ کسی طرح کی رکاوٹیں پیدا کیا کروں گا۔''

''ہوں۔ فی الحال ایسا سمجھوتہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر بیٹے کو تمہارے پاس بھیجا نہیں جائے گا۔ تم جب چاہو گے' یہاں آکر مل سکو گے۔''

''کیوں بچوں جیسی باتیں کرتے ہو؟ کیا میں اپنی گردن پھنسانے کے لئے تمہاری نگرانی میں اس سے ملنے آؤں گا؟''

''پھر تو صرف فون پر ہی اس سے بات کرسکو گے۔''

''وہ میرا بیٹا ہے۔ اسے میرے حوالے کرنے کی بات کرو۔''

''یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلو' اسے کبھی تمہارے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ ہماری سخت سیکورٹی میں اس سے عارضی ملاقاتیں کرسکو گے۔''

''راڈ مین! کیا تم نہیں چاہتے کہ آزادی سے اپنی تنظیم کے سربراہ بن کر رہو اور میری دشمنی تمہیں نقصان نہ پہنچائے....؟''

اس نے کہا۔ ''کیا تم نہیں چاہتے کہ بیٹا ہفتے میں ایک بار تم سے فون پر بات کرے؟''

''میں اس سے باتیں کرنے کے لئے آئندہ تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ تم میری طرف سے کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے فرائض ادا کرتے رہوگے۔''

''تھینک یو... فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''بیٹا نہ سہی' میری بیوی محالا تو مجھ سے ملنے آسکتی ہے؟''

''سوری... وہ ملنے آئے گی تو تم اسے یرغمال بنا کر اپنے بیٹے کا مطالبہ کروگے۔ محالا

یہاں اپنے بیٹے کے لئے اور ہمارے لئے بہت اہم ہے۔اس معاملے میں تم سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔بات ابھی بہت آگے بڑھنے والی تھی۔میں اپنے بیٹے کو حاصل کئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔اس کے لئے دل مچل رہا تھا۔ایک طویل مدت کے بعد جیسے پہلی بار مجھے ایک ذہین اولاد رحمت خداوندی کی طرح ملنے والی تھی۔میں کسی بھی قیمت پر اس رحمت سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے اکثر یہ آزمایا ہے کہ بھرپور طاقت' وسیع اختیارات اور ذرائع رکھتے ہوئے اپنے تمام مخالفین پر غالب آتے ہوئے بھی کبھی کبھی تقدیر سے مغلوب ہوجاتا ہوں۔مقدر کے آگے میری ایک نہیں چلتی۔میں اپنے بیٹے یعقوب سلمان کو حاصل کرنے کے سلسلے میں کچھ نہ کرسکا۔ اچانک ہی میرے کئی خفیہ اڈوں پر مخالفین نے حملے کئے۔ مجھے بڑا نقصان پہنچایا۔انہیں یقین تھا کہ ان اڈوں میں وہ شہزادہ سلمان سعدی کو گرفتار کرسکیں گے اور ریڈ مرکری حاصل کرسکیں گے۔

ان لمحات میں طویل روپوشی اختیار کرنا لازمی ہوگیا تھا۔حالات کا تقاضہ تھا' میں عمیر بن غازی کی حیثیت سے پاکستان میں جاکر رہوں۔وہاں بھی سری واستو بڑبولا اور دوسرے سونے کے اسمگلر میرے کاروبار کو نقصان پہنچا رہے تھے۔میرے نااہل بیٹے' ان اسمگلروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئے تھے۔وہاں جاکر آئندہ ان مخالفین سے نمٹنا لازمی ہوگیا تھا۔

ایسے وقت میں نے اپنی موت کا ڈرامہ پلے کیا تھا۔میری ایک ڈمی کی لاش کو یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ شہزادہ سلمان سعدی مرچکا ہے۔وہ آسانی سے میری موت کا یقین نہیں کرسکتے تھے۔ان سب کے حواسوں پر ریڈ مرکری چھائی ہوئی تھی۔وہ بڑی خاموشی سے یہ معلوم کررہے تھے کہ واقعی میں مرچکا ہوں یا ابھی زندہ ہوں؟

ان حالات میں شہزادہ سلمان سعدی بن کر راڈ مین سے رابطہ نہیں کرسکتا تھا۔اپنے بیٹے سے باتیں نہیں کرسکتا تھا۔میں نے مجبوراً کچھ عرصے کے لئے خاموشی اختیار کرلی تھی۔یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے بیٹوں کی دشمنی' میرا بڑھاپا' بیماری اور کمزوری مجھے اس طرح بے بس کردے گی کہ میں شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے منظر عام پر نہیں آسکوں گا۔اگر آؤں گا تو تقدیر ہی مجھے لے کر آئے گی۔

تقدیر تو پھر تقدیر ہوتی ہے۔جب چاہتی ہے' سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کردیتی ہے۔آٹھ برسوں بعد میں پھر شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے منظر عام پر آگیا تھا۔جس بیٹے

کو ویڈیو کیسٹ کے ذریعے بارہ برس کا دیکھا تھا' اب وہ بیس برس کا ہوچکا تھا۔

اور وہ دشمن راڈ مین جو میری یہودی بیوی محالا کو مجھ سے ملانا نہیں چاہتا تھا۔میرے بیٹے یعقوب سلمان کو بھی میرے روبرو لانا نہیں چاہتا تھا۔اس وقت تقدیر سے ہار گیا تھا۔میری بیوی اور بیٹا دونوں ہی میری آنکھوں کے سامنے تھے۔

تقدیر نے ڈاکٹر اور راڈ مین کو مجھ سے دور پھینک دیا تھا اور میری بیوی ڈاکٹر محالا اور میرے بیٹے نوجوان ڈاکٹر یعقوب کو میرے قریب لے آئی تھی۔یہودیوں کی تمام تر سازشوں کے باوجود میں اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ایک چھت کے نیچے سانسیں لے رہا تھا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ کی عدم موجودگی میں میرا علاج کرنے' میری دیکھ بھال کرنے جو ڈاکٹرز آئے تھے' وہ غیر نہیں تھے۔ان کا لہو میرے لہو سے جڑا ہوا تھا۔

ویسے وہ تینوں بیٹے منور غازی' مراد غازی' سلطان غازی بھی میرے لہو سے جڑے ہوئے تھے۔مگر وہ لہو گٹر کا پانی ثابت ہوا تھا۔ادھر محالا نے میرے لہو کو سمیٹ کو ایک بیٹا پیدا کیا تھا۔مگر وہ یہودی تھی۔مجھے دل و جان سے چاہنے کے باجود اپنے یہودی نظریات کے مطابق مجھ سے دشمنی کررہی تھی۔

اپنے بیٹے یعقوب سلمان سے بہت مختصری ملاقات ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ہوئی تھی۔اس کی باتیں سن کر میرے دل و دماغ نے اور میرے بھرپور اعتماد نے کہا تھا کہ وہی خالص لہو ہے' میں آئندہ اس پر فخر کرسکوں گا۔

اب وہاں سچویشن یہ تھی کہ مجھے قیدی بنا کر رکھنے والا بہت دور ہوگیا تھا۔اس آرام دہ قید خانے میں میری یہودی بیوی اور میرا مسلمان بیٹا تھا۔ایک میرا حمایتی تھا' دوسری میری مخالفت کرتی رہتی تھی۔کیا ان حالات میں میرا کچھ بھلا ہوسکے گا؟ میں اس قید خانے سے رہائی حاصل کرسکوں گا؟

ابھی وہاں بہت سے جذباتی معاملات الجھنے والے تھے۔ایسا کچھ ہونے والا تھا کہ جس کے متعلق پہلے سے سوچا نہیں جاسکتا۔ذہن وہاں تک پہنچ نہیں پاتا' جہاں تقدیر پہلے ہی پہنچ جاتی ہے۔

بہرحال وہاں جو کچھ بھی ہونے والا تھا۔اس سے پہلے میں انگوٹھی اور عصا کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ان دو اہم چیزوں کے بغیر مجھے موجودہ مصائب سے نجات نہیں ملے گی اور نہ ہی میں جوانی کی طرف واپسی کا سفر جاری رکھ سکوں گا۔

☆☆☆

بحری جہاز نے عدن کے ساحل پر لنگر ڈال دیا۔ نینی مجھ تک پہنچنے کے لئے بے چین تھی۔ کسی حد تک مطمئن بھی تھی۔ رافیل شمری اسے یقین دلا رہا تھا کہ وہ میرے قریب پہنچتی جا رہی ہے۔

وہ بولی۔ ''کہیں تم مجھے جھوٹے دلاسے تو نہیں دے رہے ہو؟ ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ وہ دشمن غازی جی کو کہاں لے گئے ہیں؟''

اس نے کہا۔ ''میں اس دشمن کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کا نام راڈ مین ہے۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے میرے مخبر نے اطلاع دی ہے کہ راڈ مین تل ابیب میں دیکھا جا رہا تھا۔ مگر کل سے دمشق میں دیکھا جا رہا ہے۔ اس نے یقیناً غازی کو تل ابیب سے دمشق ٹرانسفر کیا ہے۔ وہاں بڑی رازداری سے اسے قیدی بنا کر رکھا ہوگا۔''

''پھر تو ہمیں یہاں سے دمشق جانا چاہئے۔''

''صبح دس بجے کی فلائیٹ میں ہم دونوں کی سیٹیں اوکے ہو چکی ہیں۔ رات یہاں گزارنی ہوگی۔''

''مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئے گی۔ کیا یہاں پرائیویٹ فلائنگ کمپنی نہیں ہے؟ ہم کسی پرائیویٹ جہاز یا ہیلی کاپٹر میں نہیں جا سکیں گے؟''

وہ بولا۔ ''مجھے بھی غازی تک پہنچنے کی بے چینی ہے۔ میرے آدمی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ آدھی رات سے پہلے ٹوسیٹر یا فورسیٹر جہاز لے آئیں گے۔ پھر ہم دو گھنٹے کے اندر دمشق پہنچ جائیں گے۔''

وہ ایک ٹیکسی میں تھے۔ نینی نے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''آدھی رات یہاں گزارنی ہوگی۔ اتنا وقت ہم ایک قہوہ خانے میں گزاریں گے۔''

''میں ایسی جگہ نہیں جاؤں گی۔ جہاں کیبرے ڈانس ہوتا ہے۔''

''تم وہاں نہ جانا۔ ایک کمرے میں آرام کرتی رہنا۔''

''تم قہوہ خانے میں جاؤ گے' شراب پیو گے اور مدہوش ہو کر اپنے آپ سے غافل ہو جاؤ گے تو میں صبح تک تمہارے انتظار میں سوکھتی رہوں گی۔''

''میں اپنی تنظیم کا ایک اہم عہدیدار ہوں۔ مجھ سے ایسی غیر ذمہ داری کی توقع نہ کرو۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ ہم آدھی رات سے پہلے ہی دمشق کے لئے روانہ ہو جائیں۔''

''وہاں جاتے ہی غازی جی کا سراغ مل جائے گا؟''

''میں نے کہا ناں' میرے تمام آدمی دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اسے تلاش کر رہے ہیں۔ راڈ مین میسونی تنظیم کا سربراہ ہے۔ بہت ہی چالاک اور مکار ہے۔ پتہ نہیں اس نے غازی کو کہاں چھپا کر رکھا ہوگا؟ مگر ہم جلد ہی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

وہ قہوہ خانے پہنچ گئے۔ نینی کرائے پر ایک کمرہ حاصل کر کے آرام کرنے چلی گئی۔ اس نے مے خانے اور قہوہ خانے کو دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہاں کی شامیں بڑی رنگین ہوتی ہیں۔ یوں بھی وہ الف لیلوی داستان کا ایک معروف ملک تھا۔

قصہ حاتم طائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ یمن کا شہزادہ تھا۔ شہزادی حسن بانو نے اس کے سامنے سات سوالات پیش کئے تھے۔ جن کے جوابات لانے کے لئے وہ خطرات سے بھرپور بڑی ہی مہماتی زندگی گزارتا رہا تھا۔

شہزادی حسن بانو کا ایک بوڑھا اتالیق تھا۔ وہ بھی زمین پر پاؤں نہیں رکھتا تھا۔ اس کے آگے سونے کی اینٹیں بچھائی جاتی تھیں۔ وہ ان پر چلتا ہوا حسن بانو کے دربار میں پہنچا کرتا تھا۔

الف لیلیٰ بڑا ہی دلچسپ ہزار داستانوں کا مجموعہ ہے' جو اسے پڑھتا ہے' وہ اس کے طلسماتی سحر میں جکڑ جاتا ہے۔ نینی ایسی ہی ایک طلسماتی داستان کے ملک یمن پہنچی ہوئی تھی۔ اس بات سے بے خبر تھی کہ میری چاہت میں' میری دھن میں بحری جہاز کا سفر ملتوی کر کے دھوکہ کھا رہی ہے۔

رافیل شمری قہوہ خانے کے وسیع و عریض ہال میں آ گیا تھا۔ وہاں رنگ برنگی اسپاٹ لائٹس ادھر سے ادھر متحرک تھیں اور شباب سے بھرپور حسیناؤں کو اجاگر کر رہی تھیں۔ وہ حسینائیں ادھر سے ادھر شوقین تماش بین کے درمیان سے گزر رہی تھیں اور ایک ایک دو دو کی تعداد میں اسٹیج پر آ کر رقاصہ کی حیثیت سے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

وہ رقص کیا تھا؟ بپھری ہوئی جوانیوں کی دھما چوکڑی تھی۔ وہ زرق برق مختصر سے لباس میں تھیں۔ بالشت بھر کے لباس میں کچھ زیادہ دکھانے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر ایسی جذباتی ادائیں اور بھڑکانے والے زاویے پیش کر رہی تھیں کہ ملبوس ہونے کے باوجود کھلی کتاب کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی بوٹی بوٹی تھرکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''دستک دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ صنم! آ جاؤ صنم....! یہ گھر تمہارا ہے۔''

رافیل شمری اس ہال میں ایسی میز کے پاس آیا' جہاں پہلے ہی دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ادب سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ اس کی تنظیم کے اہم کارکن تھے۔ وہ

ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے نینی کو جھانسہ دیا ہے۔ اس سے کہا ہے کہ غازی دمشق میں ملے گا۔ بائی داوے... کیا یہ اطلاع پکی اور سچی ہے کہ وہ استنبول میں ہے؟''

ایک نے کہا۔ ''یس سر! جب سے غازی کی موت کا ڈرامہ پلے کیا گیا ہے' تب سے راڈ مین استنبول میں دیکھا جارہا ہے۔''

دوسرے کارندے نے کہا۔ ''کسی نا معلوم انفارمر نے یہ بتایا کہ غازی کی موت کا ڈرامہ پلے کیا گیا ہے اور ابھی وہ زندہ ہے پھر اس نے اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے کہا تھا کہ ہم سب کو راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ پر نظر رکھنی چاہئے۔ وہ کسی خفیہ اڈے میں جاتے ہیں۔ وہیں غازی کو قیدی بنا کر اس کا علاج کیا جارہا ہے۔''

ایک نے کہا۔ ''تب سے ہمارے آدمی ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اُدھر وہ محتاط ہو گئے ہیں۔ اب اپنے گھروں سے نہیں نکلتے ہیں۔''

دوسرے نے کہا۔ ''وہ دونوں ایسے گوشہ نشین ہو گئے ہیں کہ اپنے دیگر فرائض بھی جیسے بھول گئے ہیں۔''

رافیل نے کہا۔ ''بیشک۔ انہیں غازی کی فکر ہے کہ اسے کس طرح چھپا کر رکھا جائے اور کس طرح اس کا علاج کرایا جائے؟ یقیناً انہوں نے اس کا کوئی متبادل انتظام کیا ہوگا۔''

وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ ''میں اپنی تنظیم کے اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے استنبول پہنچ کر راڈ مین سے ملاقات کروں گا۔ ایسے وقت تم سب الرٹ رہو گے۔ وہ انگوٹھی اور لاٹھی میرے پاس ہوگی۔ شائد اس کے جادوئی اثر سے راڈ مین کے خفیہ اڈے کا پتہ چل جائے گا۔''

''سر! کیا وہ انگوٹھی اور لاٹھی واقعی جادو کرتی ہیں؟''

رافیل نے کہا۔ ''اب تک کی رپورٹ یہی ہے۔ سی آئی اے والوں نے اس لاٹھی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی کو پیس کر رکھ دیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان کے اندر خوبیاں کیا ہیں؟''

''کیا انہیں کچھ معلوم ہوا؟''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''انہوں نے دھوکہ کھایا تھا۔ اصلی کے دھوکے میں نقلی انگوٹھی اور لاٹھی کو ضائع کر دیا تھا۔ نینی کہتی ہے' وہ غازی کی امانت ہیں۔ اسی کے پاس جائیں گی۔ وہ امانت واپس کرے گی تو اس کی زندگی میں پیدا ہونے والی تمام نحوستیں دور ہو جائیں گی۔''

ایک نے پوچھا۔ ''کیا نینی کو غازی کے پاس لے جانا ضروری ہے؟''

رافیل شمری نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''کوئی ضروری نہیں ہے۔ سکس سیٹر جہاز آنے والا ہے۔ ہم دمشق نہیں' استنبول جائیں گے۔ نینی کو ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے پھینک دیں گے پھر وہ انگوٹھی اور لاٹھی کامیابی کی ضمانت بن کر ہمارے پاس رہیں گی۔''

اسٹیج پر آرکسٹرا جذباتی انداز میں چیخنے لگا تھا۔ رقاصہ کے تھرکنے کا انداز بدل گیا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ پوچھ رہا تھا۔ ''چولی کے پیچھے کیا ہے؟ ہاں ہاں۔ بولو! چولی کے پیچھے کیا ہے؟''

اس نے ایک چٹکی سے چولی کو پکڑ کر اچانک ہی ایک طرف کھینچ کر پھینک دیا۔ تماشائیوں کے سینے سے ''ہائے...!'' نکلی۔ چولی کے پیچھے کیا تھا؟ بہت کچھ ہوگا۔ مگر ابھی راز میں تھا۔ کیونکہ چولی کے پیچھے ایک اور چولی تھی۔ پردہ اٹھنے کے باوجود قائم تھا۔

وہ آرکسٹرا کی دھن پر تھرکتے ہوئے جیسے کہہ رہی تھی۔ ''انتظار اور ابھی... اور ابھی...''

ایک عہدیدار نے کہا۔ ''سر! آپ تو شباب کے رسیا ہیں اور نینی تو بڑی ہی غضبناک ہے۔ جدھر سے دیکھو! چڑھتا ہوا سورج لگتی ہے۔ کیا اسے یونہی جہاز سے پھینک دیں گے؟''

رافیل نے کہا۔ ''اسے جب سے جہاز میں دیکھا تھا' تب سے دل مچل رہا تھا۔ یہ قسم کھائی تھی کہ اسے نہیں چھوڑوں گا۔ مگر افسوس...''

ایک نے پوچھا۔ ''افسوس کس بات کا ہے؟''

''ڈاکٹر کی رپورٹ نے بتایا ہے' وہ ماں بننے والی ہے۔''

''اوہ۔ دودھ میں مکھی پڑ گئی ہے۔ پھر تو واقعی افسوس کی بات ہے۔''

ایک نے کہا۔ ''کیا فرق پڑتا ہے سر! بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا ہے۔ پھر گنگا کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دینا ہے۔''

وہ اسٹیج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جب ایسی نو خیز تھرکتی ہوئی حسینائیں ہوں تو ماں بننے والی حسینہ کا بھاؤ گر جاتا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''وہ جو مختصر سے سرخ موتیوں والے لباس میں ہے' اسے منہ مانگی قیمت دو اور میرے کمرے میں بھیج دو۔''

وہ حکم دے کر وہاں سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ نینی اپنے کمرے میں تھی۔ اسے تھوڑی دیر تک آرام کرنا چاہئے تھا۔ مگر وہ بے چین تھی۔ ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ اسے وہ خواب یاد آرہا تھا۔ وہ انگوٹھی اور لاٹھی کو میرے پاس پہنچانا چاہتی تھی۔ انہیں لانے کے لئے میری طرف دوڑتی جارہی تھی اور حالات کی ٹھوکریں کھا کر گرتی جارہی تھی۔ لہولہان ہورہی تھی۔

اس وقت وہ خواب اسے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ کیا وہ ٹھوکریں کھانے والی ہے؟ کیا آسانی سے میرے پاس پہنچ نہیں پائے گی؟

اس نے رافیل شمری کے متعلق سوچا۔ ''کیا یہ شخص مجھے دھوکہ دے گا؟''

وہ ٹہلنے کے دوران ایک جگہ رک گئی۔ سوچنے لگی۔ ''ہاں۔ دھوکہ دے سکتا ہے۔ یہودیوں پر کوئی بھروسہ نہیں کرتا۔ لیکن جو ضرورت مند ہوتے ہیں' وہ دھوکہ نہیں دیتے۔ صرف اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ شائد رافیل بھی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے مجھے غازی جی تک پہنچائے گا۔''

اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہاں وہ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی گلے کی چین سے منسلک تھی۔ سامنے بیڈ پر عصا رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کی جگہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اسے حوصلہ مل رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ ہوں۔

اس حوصلے کے ساتھ ہی اس نے رافیل شمری کو اہمیت نہیں دی۔ اس کے دل و دماغ میں میرے لئے جو اعتماد تھا' وہ کہہ رہا تھا۔ ''کوئی مصیبت آئے گی تو غازی جی مجھے بچائیں گے۔''

وہ بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ عصا کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر سینے سے لگا لیا۔ آنکھیں بند کر کے مجھے دیکھنے لگی۔ میں ان لمحات میں اس کے سینے سے لگا ہوا تھا اور وہ میرے بازوؤں میں سمٹی ہوئی تھی۔ شکائیت کر رہی تھی۔ ''تم جب چاہتے' مجھے بازوؤں میں بھر کر کہیں بھی لے جاتے۔ میں کبھی انکار نہ کرتی۔ مگر تم پتھر ہو' تقریباً چار مہینوں تک میرے گھر میں رہے اور مجھے ہاتھ تک نہ لگایا۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے۔ میں اپنے حالات سے مجبور تھا۔ ان دنوں مجھے حسن و شباب متاثر نہیں کرتا تھا۔ میں بہت بوڑھا اور کمزور تھا۔ تم نے دیکھا تھا' میں بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا تھا۔''

میں نے اسے اچھی طرح بازوؤں میں سمیٹ کر کہا۔ ''اگر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تمہیں اس طرح سمیٹ لیتا تو تم اس پر چھا جاتیں۔ وہ تمہارے اس چیختے ہوئے شباب سے مغلوب ہو جاتا۔ مگر اب دیکھو! میں تم پر چھا گیا ہوں۔ کیا بوجھ لگتا ہوں؟''

''ہائے....! کچھ نہ پوچھو۔ بوجھ تو پھر بوجھ ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ ایسا ہوتا ہے' جس کے تلے عورت بڑے پیار سے مرجانا چاہتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ایسی رنگین اور سنگین قربت سے موسم بدل جاتا ہے۔ جب میں

تمہارے پاس نہیں تھا اور تم میرے پاس نہیں تھیں تو موسم سرد تھا' اب گرمی ہے۔''

''ہاں۔ آگ لگی ہے۔ جذبات کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔''

''کیا تمہیں جلنا اچھا لگ رہا ہے؟''

''ہاں۔ ایسی آگ میں جل کر ہی عورت کندن بنتی ہے۔ پہلے ایک بیٹی ہوتی ہے' پھر بہن ہوتی ہے پھر بیوی بن کر اس آگ میں جلتے ہی ماں بن جاتی ہے۔''

ایسا کہتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ کندن ہو گئی ہے۔ ماں بننے والی ہے۔ اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا' میرا وجود اس پر حاوی نہیں تھا۔ میری لاٹھی اس کے وجود پر رکھی ہوئی تھی۔

اس کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی۔ محرومیاں پتھر مار رہی تھیں۔ ''آہ....! آپ کہاں ہیں غازی جی...؟ میں صرف امانتیں واپس کرنے کے لئے آپ کو نہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ میرے چور جذبے بھی آپ کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کہاں ہیں آپ....؟''

رافیل شمری اس قہوہ خانے کے دوسرے کمرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ بلیک لیبل کے پہلے ہی گھونٹ نے اس کے اندر حرارت اور تحریک پیدا کر دی۔ نینی کے چیختے ہوئے حسن و شباب نے پہلے ہی اس کے اندر گرمی پیدا کر دی تھی۔ وہ خود کو سمجھاتا آ رہا تھا کہ نینی کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ صرف اس کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرے گا۔ انگوٹھی اور لاٹھی اس سے حاصل کرنے کے بعد خود آزمائے گا کہ وہ دونوں چیزیں کیسی کیسی کرامات دکھاتی ہیں؟

اگرچہ اس نے قہوہ خانے کی ایک مہنگی رقاصہ کو منہ مانگی قیمت دے کر اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ تاہم نینی کے لئے خواہشات شور مچا رہی تھیں اور وہ پہلا پیگ خالی کرتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا کہ نینی کیا چیز ہے؟ ایسی ہزاروں عورتیں مل جاتی ہیں۔

بیشک۔ مل جاتی ہیں۔ لیکن جس کی آرزو کرو۔ وہ نہ ملے تو کلیجے میں پھانس کی طرح اٹک جاتی ہے۔

وہ ایک حسین رقاصہ کو بھاری قیمت دے کر حاصل کر رہا تھا۔ مگر دھیان نینی کی طرف لگا ہوا تھا۔ عقل سمجھا رہی تھی کہ ریڈ مرکری تک پہنچنے میں بڑا وقت لگے گا۔ عورت ساتھ رہے تو جانے انجانے میں ضرور کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ مجھ سے اور راڈ مین سے نمٹنے کے دوران نینی اس کے لئے قطعی غیر ضروری تھی۔ عقل سیدھی سی بات سمجھا رہی تھی کہ انگوٹھی اور لاٹھی حاصل کرتے ہی اس حسینہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

وہ انڈیا سے اس پر نظر رکھتا آیا تھا۔ جب وہ دماغی مریضہ بن گئی تھی۔ تب سے اس پر توجہ دے رہا تھا۔ انگوٹھی اور لاٹھی کے سلسلے میں بھی معلومات حاصل کر رہا تھا۔ جو سرسری طور پر معلومات حاصل ہوئی تھیں' وہ یہ تھیں کہ انگوٹھی اور لاٹھی نینی کے پاس رہتی ہیں تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔

جب وہ دماغی طور پر نارمل ہو گئی تھی تو اس نے مینٹل ہوسپٹل میں سی آئی اے والوں کو بیان دیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ وہ انگوٹھی اور لاٹھی کے سلسلے میں مجھے دھوکہ دینا چاہتی تھی۔ اس نے نقلی لاٹھی اور انگوٹھی تیار کرائی تھی۔ لیکن مجھے دھوکہ نہ دے سکی۔ اس نے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ جھوٹ اور فریب کے نتیجے میں اس کا پہلا پتی مارا گیا تھا۔

سی آئی اے والے بھی اصلی انگوٹھی اور لاٹھی کو ضائع نہیں کر پائے تھے۔ رافیل شمری نہیں جانتا تھا کہ وہ دونوں چیزیں کس طرح گھوم پھر کر نینی کے پاس پہنچ گئی تھیں؟ اس نے بحری جہاز میں دیکھا تھا کہ نینی کے دوسرے پتی کندن ورما نے اسے مار ڈالنے کے لئے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ لیکن وہ ڈوبنے کے بجائے اس لاٹھی کے ساتھ ایک سیفٹی بوٹ میں پہنچ گئی تھی۔

ان تمام معلومات کے پیش نظر رافیل شمری کو یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ نینی جب تک میری امانتیں میرے پاس نہیں پہنچائے گی' تب تک کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ شروع سے اب تک کے تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ مقدر نینی کے ساتھ ہے۔ لیکن بے انتہا مجرمانہ قوت' اختیارات اور وسیع ذرائع رکھنے والا نینی کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ صرف انگوٹھی اور لاٹھی کی اہمیت تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ ایک بے یارومددگار عورت کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دے گا۔

دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر وہ حسین رقاصہ ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اصول کے مطابق بڑے ناز و انداز سے مسکرانا چاہئے تھا۔ مگر وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اس نے کہا۔ ''آؤ میری جان! اندر آ جاؤ۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسٹیج پر تھرکنے والی چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی۔ رافیل نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو تھام کر پوچھا۔ ''تم خاموش کیوں ہو؟''

بازو کو تھامتے ہی وہ ایکدم سے اس پر آ گری۔ اپنے وجود کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ اس نے ایسے بوجھل حسن سے کھیلتے رہنے کی منہ مانگی قیمت ادا کی تھی۔ اب تو شائد اور زیادہ

قیمت ادا کرنے والا تھا۔

سائلینسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی چلائی گئی تھی۔ کس نے چلائی؟ کہاں سے چلائی؟ کچھ پتہ نہ چلا۔ اسے خود سنبھلنے میں دیر لگی۔ ادھر سے گزرنے والے ٹھٹک گئے تھے۔ تیزی سے ان کے قریب آ رہے تھے۔ رافیل نے سمجھ لیا کہ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ اب وہ جلد ہی مجھ تک پہنچنے کے لئے استنبول نہیں جا سکے گا۔

وہ ایک بہت بڑی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ آسانی سے قانونی گرفت میں نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت دیارِ غیر میں تھا۔ وہاں اس کے ذرائع محدود تھے۔ اب وہ اپنے پروگرام کے مطابق اسی رات وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ اور اس کے دونوں ماتحت مرڈر کیس کی سنگینی کو سمجھ رہے تھے۔ اس شکنجے سے نکلنے کے لئے اپنے تمام ذرائع اور اختیارات استعمال کر رہے تھے۔

رافیل نے جھنجھلا کر اپنے دونوں ماتحتوں سے کہا۔ ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ نینی کے ساتھ کوئی غیبی قوت ہے۔ وہ کئی بار تباہی و بربادی سے بچتی رہی ہے۔ پچھلی بار سمندر میں ڈوبنے سے بچ گئی۔ اس بار میں انگوٹھی اور لاٹھی چھین کر اسے جہاز سے نیچے پھینک دینا چاہتا تھا۔ مگر ہم آج رات اپنے جہاز میں استنبول نہیں جا سکیں گے۔''

ماتحت نے کہا۔ ''ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آپ کو اس مرڈر کیس سے نجات مل جائے اور آپ کم از کم کل صبح دس بجے کی فلائیٹ سے استنبول جا سکیں۔''

وہ جھنجھلا رہا تھا۔ مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ فطرتاً کچھ زیادہ ہی ہوس پرست تھا۔ حسین عورتوں کا بدن اسے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ نینی تو غضبناک بدن لئے پھرتی تھی۔ اس سے کترانے کے لئے اس نے ایک مہنگی رقاصہ کو خریدا تھا۔ تاکہ اس سے بہل جائے اور نینی کو کھٹے انگور سمجھ کر جہاز سے نیچے پھینک دے۔

جو سوچا تھا' وہ نہیں ہو رہا تھا اور جو نہیں سوچا تھا' وہ ہو رہا تھا۔ ایسے وقت اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا' یقیناً وہ انگوٹھی اور لاٹھی کرامات دکھا رہی ہیں۔ نینی کو تحفظ دے رہی ہیں۔ اگر وہ اس کی مخالفت کرے گا تو بہت نقصان اٹھائے گا۔

اس نے سوچا۔ ''اس حسینہ کے پاس دو عجیب و غریب طاقت پہنچانے والی چیزیں ہیں۔ یہ ایسی ہیں کہ مجھ جیسے طاقتور اور وسیع اختیارات رکھنے والے کو بھی مفلوج کر دیتی ہیں۔''

اس نے دوسرے پہلو سے سوچا۔ ''اگر اس کی دشمنی مہنگی پڑ رہی ہے تو مجھے اسے دوست بنانا چاہئے۔ اگر میں اسے لائف پارٹنر بنا لوں۔ ساری زندگی اپنے ساتھ رکھوں تو وہ

انگوٹھی اور لاٹھی مجھے ہمیشہ فائدہ پہنچاتی رہیں گی۔"

آدھی رات ہونے کو تھی۔ نینی نے فون پر اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر رافیل! تم کہاں ہو؟ تم نے تو کہا تھا' آدھی رات سے پہلے ایک جہاز آئے گا اور ہم اس کے ذریعے غازی جی کے پاس جاسکیں گے؟"

اس نے کہا۔ "جہاز آچکا ہے۔ لیکن میں ایک مرڈر کیس میں پھنس گیا ہوں۔ پتہ نہیں قاتل کون ہے؟ مگر الزام مجھ پر آرہا ہے۔"

"یہ بیٹھے بٹھائے کیسی مصیبت آگئی ہے؟ تمہیں اس مصیبت سے کب نجات ملے گی؟"

"تم انگوٹھی اور عصا لے کر میرے ماتحت کے ساتھ پولیس اسٹیشن آجاؤ۔ یہاں باتیں ہوں گی۔"

"ابھی آرہی ہوں۔ اپنے ماتحت کو یہاں بھیج دو۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ آدھے گھنٹے میں ہی لاٹھی ٹیکتی ہوئی پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔ پولیس افسر نے بڑی حیرانی سے ایک جوان عورت کو لاٹھی کے سہارے آتے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تم بیمار ہو؟"

نینی نے لاٹھی کو اس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "اسے ہاتھ لگا کر بولو! کیا مسٹر رافیل شمری قاتل ہیں؟"

پولیس افسر لاٹھی کو تھام کر بولا۔ "اسے ہاتھ لگانے سے کیا ہوتا؟"

پھر وہ بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ اس نے رافیل کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "مسٹر شمری پر قتل کا الزام ثابت نہیں ہوسکے گا۔ کیونکہ جس ریوالور سے گولی چلائی گئی ہے۔ وہ ہمیں نہیں مل رہا ہے۔ ہم آلہ قتل کے بغیر انہیں قاتل ثابت نہیں کرسکیں گے۔"

رافیل نے ایک گہری سانس لے کر لاٹھی کو پھر نینی کو دیکھا۔ اس کے بعد پولیس افسر سے کہا۔ "میں کتنی دیر سے یہی بات سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔ مگر آپ سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔ اب یہی بات اپنی زبان سے تسلیم کررہے ہیں۔"

"تسلیم کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو رہائی مل جائے گی۔ ہمیں قتل کی وجہ معلوم ہونی چاہئے۔ اگر آپ نے اسے قتل نہیں کیا ہے تو پھر کس نے کیا ہے؟ کسی دوسرے قاتل کا کوئی تو سراغ ملنا چاہئے۔"

ایک جاسوس نے کہا۔ "کسی حد تک سراغ مل رہا ہے' عبدالرشید خیری اس رقاصہ کا

دیوانہ ہے۔ جب بھی یہاں آتا ہے' اس پر لاکھوں ڈالرز لٹاتا ہے۔ آج بھی بغداد سے یہاں آیا تھا۔ مگر اب نظر نہیں آرہا ہے۔ ہمارے آدمی اسے تلاش کررہے ہیں۔"

نینی نے عصا کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اسے اپنی پیشانی سے لگالیا۔ پھر آنکھیں بند کرکے زیر لب کہنے لگی۔ "ہے بھگوان! مجھ پر دیا کرو۔ میں ایک اچھے جیون ساتھی کی تلاش میں جیسے صدیوں سے بھٹک رہی ہوں۔ جو بھی محبوب بن کر یا پتی بن کر آتا ہے' اسے میری نحوست کھا جاتی ہے۔ اس لاٹھی کا سہارا ملتے ہی میرا دل کہہ رہا ہے' مجھے غازی جی کا مستقل سہارا ملے گا۔

ہے بھگوان! مجھے غازی جی تک پہنچادے' میرے راستے کی رکاوٹیں دور کردے۔ تو چاہے تو ابھی اس انگوٹھی اور لاٹھی کے ذریعے کوئی چمتکار دکھا سکتا ہے۔ مجھے غازی جی تک پہنچا سکتا ہے۔"

چیز ایک ہی ہوتی ہے' کوئی اسے لاٹھی کہتا ہے' کوئی عصا... کسی غیبی طاقت پر عقیدہ ایک ہی ہوتا ہے۔ کوئی اس طاقت کو خدا کہتا ہے اور کوئی بھگوان... ایسے وقت جب کسی مسلمان کی زندگی میں کوئی کرامت ثابت ہوتی ہے۔ اسی وقت اسی دن ہزاروں میل دور کسی ہندو کی دھارمک زندگی میں کوئی چمتکار دکھائی دیتا ہے۔ یہودی اور عیسائی بھی دل کی گہرائیوں سے اپنے اپنے خدا کو پکارتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں نہ ہونے والی باتیں بھی ممکن ہوجاتی ہیں۔

وہ انگوٹھی اور لاٹھی مجھ جیسے ایک مسلمان کے لئے تھی۔ لیکن فی الوقت ایک ہندو عورت کی تحویل میں تھی۔ چونکہ اس کے ارادے نیک تھے' وہ میری بہتری کے لئے ان چیزوں کو مجھ تک پہنچانا چاہتی تھی۔ اسی لئے خدا اس کی بھی سن رہا تھا۔ وہی خدا... جسے وہ بھگوان کہہ رہی تھی۔

اچانک ہی فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ پولیس افسر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو...؟"

دوسری طرف سے کوئی کچھ بول رہا تھا اور وہ سن رہا تھا۔ پھر اس نے چونک کر پوچھا۔ "کہاں ہے وہ...؟"

چاندنی رات ہو تو سمندر کے ساحل پر دولتمند عیاش اپنی داشتاؤں کے ساتھ راتیں گزارتے ہیں۔ سمندر کی لہروں کی طرح شباب بھی موجیں مارتا ہے اور شراب ہوش اڑاتی رہتی ہے۔ عبدالرشید خیری بھی ایک حسینہ کے ساتھ پی رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اور پاؤں پھیلائے پڑا ہوا تھا۔ سمندر کی طرف منہ کرکے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "سالی بیوفا تھی۔ میں الو کا پٹھا نہیں ہوں۔ لاکھوں ڈالرز اس لئے خرچ نہیں کرتا تھا کہ وہ ایک رات کسی اور کے ساتھ کالی کرے۔"

حسینہ نے کہا۔ "خیری! میرے پاس آؤ۔ اسے بھول جاؤ۔"

وہ غٹا غٹ پینے کے بعد بولا۔ ''کیسے بھول جاؤں؟ میں نے اس حسین رقاصہ سے کہا تھا کہ کوئی قیمت زیادہ دے تو اسے ٹھکرا دیا کرے اور وہ قیمت مجھ سے لے لیا کرے۔''

اس نے پھر غٹا غٹ پینے کے بعد کہا۔ ''مگر وہ سمجھ رہی تھی' میں آج بغداد سے نہیں آؤں گا۔ آج وہ کسی اور کے ساتھ ہزاروں ڈالرز کمالے گی۔''

وہ ایک طرف تھوکتے ہوئے بولا۔ ''تھو ہے اس کے لالچ پر... سالی لالچ میں ماری گئی۔ میرا کیا بگڑا؟ کچھ نہیں....''

اس نے ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا۔ ''میں تو جی رہا ہوں۔ عیش کر رہا ہوں۔ زندہ سلامت ہوں۔ میرے پہلو میں دوسری حسینہ آگئی ہے۔ وہ سالی.... جہنم کے دروازے پر ہوگی' فرشتے اس پر لعنت بھیج رہے ہوں گے کہ اس نے عبدالرشید خیری سے بیوفائی کی ہے۔ ایک تو وہ یہاں سے حرام موت مرگئی۔ وہاں جہنم کی آگ میں جھونکی جارہی ہوگی۔ ہاہاہا....''

وہ فاتحانہ انداز میں قہقہے لگانے لگا۔ ایسے ہی وقت چار افراد نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں۔ ایک نے کہا۔ ''ہمیں نائٹ کلب کے منیجر نے بتایا ہے' تم عبدالرشید خیری ہو اور بغداد سے آئے ہو۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا عبدالرشید خیری ہونا اور بغداد سے آنا جرم ہے؟''

''ابھی تمہاری آئی ڈی اور دوسرے کاغذات سے معلوم ہو جائے گا۔ اگر تم واقعی عبدالرشید خیری ہو اور بغداد سے آئے ہو تو قہوہ خانے کی رقاصہ حسن بانو کے قاتل ہو۔''

اس کا ایک سفری بیگ وہاں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کی تلاشی لی تو ایک سائلینسر لگا ہوا ریوالور بیگ سے برآمد ہوا۔ ایک نے اس کے سینے پر گن کی نال رکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ وہی ریوالور ہے' جس سے تم نے حسن بانو کو قتل کیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے۔ یہ ریوالور میں نے اپنی حفاظت کے لئے رکھا ہے۔''

''اپنی حفاظت کے لئے رکھے جانے والے ریوالور سے سائلینسر نہیں لگایا جاتا۔''

دوسرے شخص نے اس کی داشتہ کو گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو بتاؤ' اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولی۔ ''گن کو یہاں سے ہٹاؤ۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ جو جانتی ہوں' وہ کہہ رہی ہوں۔ یہ ابھی پی رہا تھا اور بڑبڑا رہا تھا کہ رقاصہ حسن بانو بیوفا ہے۔ اس کی

بیوفائی سے مشتعل ہو کر اس نے اسے ہلاک کیا ہے۔''

اسی وقت عبدالرشید خیری کو ہتھکڑیاں پہنادی گئیں۔ دوسری طرف پولیس افسر ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے نینی اور رافیل شمری کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ ''یہ تو کمال ہو گیا۔ قاتل آلہ قتل کے ساتھ پکڑا گیا ہے۔ اسے یہاں لایا جارہا ہے۔''

رافیل نے بڑی حیرانی اور عقیدت سے لاٹھی کی طرف دیکھا۔ وہ ناگہانی آفت سے نکلنے اور رہائی پانے کے لئے کئی گھنٹوں سے اپنے وسیع ذرائع اور اختیارات استعمال کر رہا تھا اور ناکام رہا تھا۔ لیکن نینی جیسے ہی لاٹھی لے کر وہاں آئی تو اچانک ہی کایا پلٹ گئی۔ قتل کے الزام سے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ مگر وہ بچ نکلا تھا۔

نینی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ رافیل شمری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے آگے آکر گھٹنے ٹیکتے ہوئے اس لاٹھی کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسے چوم کر دونوں آنکھوں سے لگانے لگا۔

پولیس افسر نے کہا۔ ''تم تو لاٹھی کو ایسے چوم رہے ہو' ایسے آنکھوں سے لگا رہے ہو' جیسے اسی نے تمہیں بے گناہ ثابت کیا ہے؟''

رافیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آفیسر! جو ہم سمجھ رہے ہیں' وہ تم کبھی سمجھ نہیں سکو گے۔''

ایسے وقت رافیل شمری کے ملک کا سفیر اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ وہاں آگیا۔ شمری کو دیکھتے ہی ادب سے جھکتے ہوئے بولا۔ ''سر! مجھے بہت افسوس ہے۔ میں یہاں موجود نہیں تھا۔ ورنہ کوئی آپ کو گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن میں نہ لاتا۔ میں آپ کی ضمانت لینے آگیا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''اب کسی ضمانت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے گناہ ثابت ہو رہا ہوں۔ آپ اس کیس کے باقی کے معاملات سنبھال لیں۔ مجھے اپنے ذاتی جہاز میں ابھی یہاں سے جانا ہے.... آؤ نینی! ہم ابھی یہ ملک چھوڑ کر جارہے ہیں۔''

پھر اس نے پولیس افسر سے کہا۔ ''ظاہری طور پر تو یہی نظر آرہا ہے کہ اُدھر قاتل آلہء قتل کے ساتھ پکڑا گیا ہے اور ادھر ہمارا سفیر ضمانت لینے کے آگیا ہے۔ میری پھنسی ہوئی گردن نکل گئی ہے۔ مگر یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا؟ کیسے اچانک قاتل پکڑا گیا؟ کیسے سفیر صاحب کہیں باہر تھے اور یہاں چلے آئے؟ یہ سمجھنے کے لئے روحانیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ سمجھنے سے ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ سامنے ہوتا کچھ ہے اور پس پردہ کچھ اور ہوتا رہتا ہے۔''

وہ ایک گھنٹے بعد ایک سکس سیٹر جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ سب سے پچھلی سیٹ پر نینی اور رافیل شمری بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے اگلی دو سیٹوں پر رافیل کے دو ماتحت عہدیدار بیٹھے

ہوئے تھے اور پانچواں مسافر جہاز کا پائلٹ تھا۔

نینی نے پوچھا۔ ''ہم دمشق جا رہے ہیں ناں؟''

رائیل نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ دشمنوں نے مجھے دمشق میں کہیں قیدی بنا کر رکھا ہے۔ جبکہ اسے استنبول جانا تھا۔ اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ راستے میں انگوٹھی اور لاٹھی چھین کر نینی کو جہاز سے نیچے پھینک دے گا۔

اب وہ کشمکش میں تھا کہ انگوٹھی اور لاٹھی کے ساتھ نینی اہم ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو ابھی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اہم ہے تو انگوٹھی اور لاٹھی کے ساتھ اس کا رہنا بھی لازمی ہے۔ اس صورت میں اس سے سمجھوتہ کرنا تھا۔ اس کے وجود کو برداشت کرنا تھا۔

اس نے کہا۔ ''پہلے ہم دمشق جانے والے تھے۔ مگر ابھی اطلاع ملی ہے کہ جس دشمن نے غازی کو قیدی بنا کر رکھا ہے' وہ استنبول میں ہے۔ اس نے اسی شہر میں غازی کو کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔''

پھر اس نے کہا۔ ''مجھے اس انگوٹھی اور لاٹھی کے متعلق بتاؤ۔''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''کیا یہ جس کے پاس ہوتی ہیں' اسی کا بھلا ہوتا ہے اور جس کے پاس نہیں ہوتیں' وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے؟''

وہ کچھ سوچ کر بولی۔ ''ہاں۔ ایسی ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ یہ چیزیں میرے پاس غازی جی کی امانت ہیں۔ ابھی یہ ان کے پاس نہیں ہیں تو وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ پتہ نہیں' قیدی بنا کر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہوگا؟''

''اور یہ ابھی تمہارے پاس ہیں تو تم پر مصیبتیں نہیں آ رہی ہیں؟ آتی بھی ہیں تو ٹل جاتی ہیں۔''

''ہاں۔ ایسا ہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ میں سمندر میں ڈوبنے سے بچ گئی۔ اسے میں ان دونوں چیزوں کا چمتکار کہوں گی۔''

اس نے پوچھا۔ ''اگر یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہوں تو کیا میرا بھلا ہوتا رہے گا؟ تم ان سے محروم ہو جاؤ گی تو مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گی؟ کیا ایسی بات ہو سکتی ہے؟''

''یہ غازی جی کی امانتیں ہیں۔ جب تک ان کے پاس نہیں ہیں تو وہ مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ پھر میں بھی ان کے نہ ہونے سے مصیبت میں مبتلا ہو سکتی ہوں۔''

اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ''لاؤ یہ چیزیں میرے حوالے کر دو۔ پھر یہ دیکھو کہ ان سے محروم ہونے کے بعد تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

وہ ذرا دور ہٹ کر کھڑکی سے لگ کر بولی۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا یہ سب کچھ مجھ سے لے کر مجھے مصیبت میں مبتلا دیکھنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں' یہ دونوں چیزیں میرے پاس آ کر کیسی کرامات دکھانے والی ہیں؟''

''نہیں۔ یہ غازی جی کی امانتیں ہیں۔ میرے پاس رہیں گی۔ میں انہیں لے جا رہی ہوں۔ اپنے ہاتھوں سے ان کے حوالے کروں گی۔''

''میں تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ کر پھینک دوں گا تو پھر یہ دونوں چیزیں میرے ہی ہاتھوں میں رہیں گی۔ کسی حیل وحجت کے بغیر لاٹھی میرے حوالے کر دو۔''

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔ ''وہ انگوٹھی جو تم نے چولی کے پیچھے چھپا رکھی ہے....''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہائے! تمہاری چولی کو چھونے کی تو حسرت ہی رہ گئی۔ تمہیں دماغ سے نکالنے اور اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے میں نے ایک رقاصہ کو خریدا مگر وہ بدبخت ماری گئی۔ میری ہوس پوری نہ ہو سکی۔ اب پوری ہو سکتی ہے۔ تمہیں استنبول لے جا کر خوب مزے لوٹ سکتا ہوں۔ مگر میں عیاشی کی خاطر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم میرے لئے مصیبت بن جاؤ گی۔''

وہ پریشان ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''تم کتنے احسان فراموش ہو؟ پولیس اسٹیشن میں یہ تسلیم کر رہے تھے کہ میرے آنے سے اس انگوٹھی اور لاٹھی کی موجودگی سے تمہاری جان بچ گئی۔ اصلی قاتل پکڑا گیا۔ میں یہ چیزیں وہاں نہ لاتی تو تم ابھی کہاں ہوتے؟ نہ جانے کیسی کیسی قانونی پیچیدگیوں اور مصیبتوں سے گزرتے رہتے؟''

اس نے لاٹھی کو ایک مٹھی میں جکڑ لیا۔ پھر کہا۔ ''کوئی قیمتی اور غیر معمولی چیز مانگنے سے نہیں ملتی' چھیننے سے ملتی ہے۔''

اس نے چھیننے کے لئے لاٹھی کو ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا۔ ایسے ہی وقت سب کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ جہاز کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ وہ جتنی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ وہاں سے کئی فٹ نیچے آ کر پھر پرواز کرنے لگا تھا۔ وہ سب اپنی سیٹوں پر ادھر ادھر لڑھک گئے تھے۔

رائیل نے چیخ کر پائلٹ سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

پائلٹ نے کہا۔ ''ادھر ہوا کا دباؤ کم ہے۔ اس لئے بمپنگ ہو رہی ہے۔ آپ لوگ سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔''

وہ سب فوراً ہی اپنی اپنی سیٹ پر جم کر بیٹھ گئے اور سیٹ بیلٹ باندھنے لگے۔ نینی اس سے ذرا دور ایک سیٹ پر بیٹھ کر بیلٹ باندھنے لگی۔ وہ بولا۔ ''اے! ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ ادھر آؤ۔ لاٹھی اور انگوٹھی میرے حوالے کرو۔''

وہ بولی۔ ''بھگوان نے تم سے دور رہنے کا موقع دیا ہے' میں دور ہی رہوں گی۔ تم سے التجا کرتی ہوں' مجھ سے یہ چیزیں زبردستی نہ لو۔''

رافیل نے ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ نینی کے ہاتھ تک پہنچ رہا تھا۔ نینی نے لاٹھی دوسرے ہاتھ میں لے لی۔ اس طرح وہ رافیل کی پہنچ سے دور ہوگئی۔ وہ ان لمحات میں مجبور تھا۔ سیٹ بیلٹ سے بندھا ہوا تھا۔ چیخ کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں' لاٹھی میرے حوالے کرو۔ ورنہ....''

''ورنہ وہی ہوگا' جو مقدر کو منظور ہوگا۔ یہ سمجھو کہ اس وقت مجھ سے دور کیوں بندھے ہوئے ہو؟ قدرت کو کیا منظور ہے؟''

وہ جھنجھلا کر سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنا مقدر بدلنا جانتا ہوں۔''

وہ بیلٹ کھول کر کھڑا ہوگیا۔ وہاں سے پلٹ کر لاٹھی کو جھپٹ لینے کے لئے آنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت بمپنگ ہوئی۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ جہاز کی چھت سے ٹکرایا۔ پھر نیچے آ کر سیٹوں کے درمیان گر کر تڑپنے لگا۔

جہاز کی پرواز پھر معمول پر آگئی۔ اس کے دونوں ماتحت عہدیدار سیٹ بیلٹ سے آزاد ہوگئے۔ اسے سہارا دے کر ایک سیٹ پر بٹھانے لگے۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ فرسٹ ایڈ بکس نکال کر بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اس کا سر جہاز کی چھت سے ٹکرایا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے سر کی ہڈیاں تڑخ گئی ہوں۔ وہ بڑے حوصلے سے تکلیف برداشت کر رہا تھا۔

ایک ماتحت تکلیف کم کرنے کے لئے ایک انجکشن لگا رہا تھا۔ اس کے بازو میں سوئی پیوست کر رہا تھا۔ ایسے وقت رافیل نے کہا۔ ''انگوٹھی اور لاٹھی اس سے چھین کر لاؤ۔ میری تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔''

جہاز کی پرواز ابھی معمول کے مطابق نہیں تھی۔ وہ کبھی کبھی ذرا سا ڈگمگا جاتا تھا۔ ایسے

ہی وقت انجکشن لگانے والا ماتحت ذرا سا ڈگمگا گیا۔ رافیل کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ اس کے ڈگمگانے کے باعث ایک جھٹکا لگا تھا۔ انجکشن کی سوئی جو بازو میں پیوست تھی۔ آدھی ٹوٹ کر اندر ہی رہ گئی۔ باقی آدھی سوئی سرنج سے لگی ہوئی تھی۔

پہلے ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اب بازو سے بہنے لگا تھا۔ وہ تکلیف سے تڑپنے لگا۔ ایک ننھی سی پھانس بھی جسم کے اندر رہ جائے تو اسے نکالے بغیر آرام نہیں آتا۔ کجا یہ کہ آدھ انچ کے برابر سوئی گوشت کے اندر دھنس گئی تھی۔ آپریشن کے بغیر نکالی نہیں جا سکتی تھی۔

وہ تکلیف سے تڑپتے ہوئے بولا۔ ''مجھے فوراً ہوسپٹل لے چلو۔ یہ سوئی نہیں نکلے گی تو میں مر جاؤں گا۔ استنبول کتنی دور ہے؟''

پائلٹ نے کہا۔ ''ہم تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ سکیں گے۔''

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ ''اوہ گاڈ! میرے بازو میں جیسے انگارے دہک رہے ہیں۔ مجھ سے تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے۔''

وہ سر گھما کر نینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے معاف کر دو۔ میں وہ انگوٹھی اور لاٹھی تم سے زبردستی نہیں لوں گا۔ ان سے کہو' یہ کرامات دکھائیں۔ میرے بازو سے سوئی نکال دیں۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا۔''

وہ بولی۔ ''میں نے کبھی انگوٹھی اور لاٹھی سے یہ نہیں کہا کہ یہ کرامات دکھائیں۔ میں نے ابھی تمہارے خلاف بھی کچھ نہیں کیا ہے۔ جو ہو رہا ہے' تمہارے مقدر سے ہو رہا ہے۔ تم نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ اپنا مقدر بدلنا جانتے ہو۔''

وہ پھر تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ ''میں مغرور ہو گیا تھا۔ اس کی سزا پا رہا ہوں۔ فار گاڈ سیک۔ انگوٹھی اور لاٹھی کو میرے قریب لاؤ۔ میرے لئے کچھ کرو۔''

وہ بولی۔ ''تم شروع ہی سے غلط ارادہ لے کر میرے پاس آئے تھے۔ پتہ نہیں' تم نے میرے خلاف کیسے منصوبے بنائے تھے؟ میں تو بالکل انجان تھی۔ انجان بن کر اس جہاز میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔ نہ زمین پر ہوں' نہ آسمان پر ہوں۔ میرا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ اوپر بھگوان ہے اور یہاں میرے ساتھ یہ انگوٹھی اور لاٹھی ہیں۔ اگر یہ تم پر مہربان ہوں گی' کرامات دکھائیں گی تو تمہیں تکلیف سے نجات ملے گی۔ ورنہ میں نہیں جانتی کہ مجھے تمہارے لئے کرنا چاہئے؟''

وہ تکلیف سے جھنجھلا کر بولا۔ ''تمہیں کچھ نہیں کرنا ہے۔ انگوٹھی اور لاٹھی میرے پاس

لے آؤ۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''یہ غازی جی کی امانتیں ہیں۔انہی کے حوالے کروں گی۔یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ ان پر تمہارا سایہ بھی پڑے۔''

وہ غصے اور تکلیف کی شدت سے اپنے ماتحتوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔''کوئی کرامات نہیں ہیں۔ہوا کے دباؤ کے باعث بمپنگ ہو رہی تھی۔میں نے سیٹ بیلٹ نہیں باندھی تھی۔اس لئے مجھ پر یہ مصیبت آئی ہے۔اس عورت سے نہ ڈرو۔اس سے دونوں چیزیں چھین لو۔''

وہ چیختے چیختے یک لخت خاموش ہو گیا۔اس کے پاؤں تھرتھرانے لگے۔وہ بیٹھے بیٹھے ایک طرف ڈھلکنے لگا۔دونوں ماتحتوں نے اسے سہارا دے کر ایک لانبی سیٹ پر لٹا دیا۔اس وقت تک وہ بیہوش ہو چکا تھا۔

انہوں نے پائلٹ سے کہا۔''مسٹر رافیل کی حالت بہت ہی نازک ہے۔ہم کتنی دیر میں وہاں پہنچ رہے ہیں؟''

پائلٹ نے کہا۔''آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ جائیں گے۔اپنے آدمیوں کو فون کرو۔وہ ایمبولینس لے کر آئیں گے۔''

ایک ماتحت نے نینی سے کہا۔''جب یہ لاٹھی مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہے۔ہمارے باس کو سزا دے سکتی ہے تو سزا سے بچا بھی سکتی ہے۔تم اس لاٹھی کی کرامت دکھاؤ اور سوئی اس کے بازو سے نکال دو۔''

وہ بولی۔''میرے ہاتھ میں کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے۔میرے محسن کی ایک امانت ہے۔میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی جادوئی تماشہ دکھا سکتی ہوں۔''

ایک ماتحت نے دوسرے سے کہا۔''یہ عورت بہت ہی ٹیڑھی ہے۔جب ہمارے باس کی بات نہیں مان رہی تھی تو ہماری کیا مانے گی؟ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔اس سے لاٹھی چھین لو۔''

وہ لاٹھی چھیننے کے لئے آگے بڑھا۔نینی عصا کو اپنے بدن سے لگائے سیٹ بیلٹ باندھے بیٹھی تھی۔بیلٹ کھول کر اٹھنا نہیں چاہتی تھی۔اس نے اپنی طرف آنے والے کو روکنے کے لئے لاٹھی کے ایک سرے کا رخ اس کی طرف کیا تو وہ لاٹھی جیسے جارحانہ انداز میں اس کی طرف جا کر دونوں ٹانگوں کے بیچ میں لگی۔ایسی لگی کہ وہ چیخ مار کر اچھل کر فرش پر گر پڑا۔تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔

اس کے ساتھی نے اسے سنبھالتے ہوئے' سہارا دیتے ہوئے نینی کی طرف دیکھا۔وہ عصا کو اپنے بدن سے لگائے یوں آرام سے بیٹھی ہوئی تھی' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ایک بیہوش پڑا تھا۔دوسرا زخمی ہو گیا تھا۔تیسرے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ اب نینی کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔وہ فون کے ذریعے عبرانی زبان میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔تنظیم کے سربراہ رافیل شمری پر جو بیت چکی تھی۔اس کی تفصیلات بتا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔''یہ عورت بہت خطرناک ہے۔باس کسی بھی قیمت پر اس سے انگوٹھی اور لاٹھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔لہٰذا جب تک یہ دونوں چیزیں حاصل نہ ہوں۔ہم اسے کہیں جانے نہیں دیں گے۔وہاں ایسے انتظامات کئے جائیں کہ جب یہ جہاز سے اترے تو اسے قیدی بنا کر کہیں لے جا کر رازداری سے رکھا جائے۔آپریشن کے بعد سوئی نکل جائے گی' باس ہوش میں رہیں گے تو فیصلہ کریں گے کہ اس عورت کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے اور اس سے وہ دونوں چیزیں کس طرح حاصل کی جائیں؟''

آدھے گھنٹے کے بعد یہی ہوا۔وہ استنبول پہنچ گئے۔جہاز سے اترتے ہی رافیل شمری کو ایک ایمبولنس میں قریبی ہوسپٹل لے جایا گیا۔نینی کو دوسری گاڑی کے پچھلے حصے میں بٹھایا گیا' وہاں دو گن مین تھے۔پچھلے دروازے کو لاک کر دیا گیا۔وہ گاڑی دوسری سمت روانہ ہو گئی۔

نینی نہیں جانتی تھی کہ اسے قیدی بنا کر کہاں پہنچایا جائے گا اور وہ آئندہ رکاوٹیں توڑ کر کس طرح میری طرف آئے گی؟

فی الحال اتنا ہی کافی تھا کہ وہ استنبول پہنچ گئی تھی اور میرے بہت قریب چلی آئی تھی۔

☆☆☆

میں اسی آرام دہ ائرکنڈیشنڈ کمرے کے بیڈ پر تنہا پڑا ہوا تھا۔ایسے وقت محالا اور جیکوب میرے کمرے میں آئے۔وہ دونوں میرے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے۔

محالا نے کہا۔''ہائے سلمان! مجھے تو پہچانتے ہی ہو۔میں تمہاری شریک حیات ہوں۔بھلا مجھے کیسے بھلاؤ گے؟''

اس نے جیکوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ہاں۔اسے پہچانو.....یہ کون ہے؟''

میں نے اس کی طرف نظریں گھما کر نہیں دیکھا۔ابتدا سے یہ ظاہر کرتا آ رہا تھا کہ نہ مجھے سنائی دیتا ہے اور نہ ہی میں بولنے کے قابل ہوں۔وہ بولی۔''میری طرف نہ دیکھو۔ذرا ادھر دیکھو...!''

میں نے ادھر نہیں دیکھا۔محالا کو ایسے دیکھتا رہا' جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ

کون ہے؟

وہ ذرا قریب آ گئی۔ مجھ پر جھک کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ ''کیا مجھے نہیں پہچان رہے ہو؟''

میں پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ میرے دیکھنے کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اسے پہچان نہیں رہا ہوں۔ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس نے جیکوب کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ادھر دیکھو۔ اسے تو پہچانو۔ وہ تمہارا لہو ہے۔''

ہاتھ کا اشارہ کرنے پر میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اسے مدتوں بعد دیکھ رہا تھا۔ دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ اگر محالا یہ نہ کہتی کہ وہ میرا لہو ہے تو میں اسے پہچان نہ پاتا۔

اب سے تقریباً دس برس پہلے اسے ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ٹی وی اسکرین پر چلتے پھرتے اور بولتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ بارہ برس کا تھا۔ اب بائیس برس کا قد آور جوان ہو گیا تھا۔

میرے سامنے دیوار پر بڑی سی ٹی وی اسکرین تھی۔ وہاں راڈ مین دکھائی دے رہا تھا۔ وہ وہاں سے دور اپنی رہائش گاہ میں بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔

اس نے کہا۔ ''سلمان سعدی! تم ایکٹنگ کر رہے ہو۔ بیٹے کے لئے جو جذبات تمہارے دل میں مچل رہے ہیں۔ انہیں چھپا رہے ہو۔''

پھر اس نے محالا سے کہا۔ ''اس کی دھڑکنیں چیک کرو۔ اس کے اندر کی حالت معلوم کرو۔ مجھے یقین ہے' یہ صرف دیکھتا اور سمجھتا ہی نہیں ہے۔ سنتا اور بولتا بھی ہے۔''

محالا نے اسٹیتھسکوپ کو کان سے لگایا۔ پھر اسے میرے سینے پر رکھ کر دھڑکنیں سننے لگی۔ ایک تو مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا آتا تھا۔ پھر یہ کہ بے حد کمزور تھا۔ بجلی کے جھٹکے نے اور بھی نڈھال کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں دھڑکنیں بہت ہی کمزور پڑ گئی تھیں۔

وہ دیر تک چیک کرتی رہی۔ یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ مدتوں بعد اپنے بیٹے کو دیکھ کر جذباتی ہو رہی ہیں اور دھڑکنیں کچھ تیز ہو گئی ہیں۔

ایسا کچھ نہیں تھا۔ اس نے مایوس ہو کر اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے راڈ مین سے کہا۔ ''یہ بہت کمزور ہے۔ دھڑکنیں بہت ہی دھیمی سی ہیں۔ اسے فوراً ہی دوائیں دینی ہوں گی۔''

وہ دواؤں کے ریک کی طرف چلی گئی۔ جیکوب نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''پاپا! ادھر اسکرین کی طرف نہ دیکھو۔ مجھے دیکھو۔ میں تمہارا بیٹا ہوں۔ تمہارے لہو کا ایک قطرہ ہوں۔ مجھے

پہچانو۔ مجھے پیار سے دیکھو! بیٹے کو دیکھ کر ایک بار مسکرا دو۔ میں تمہارے گلے لگنا چاہتا ہوں۔''

راڈ مین نے کہا۔ ''شاباش! ایسی ہی جذباتی باتیں کرو۔ اسے پیار کرو۔ اس کے گلے لگو۔ اس کے جذبات کو بھڑکاؤ۔ میں کبھی مان ہی نہیں سکتا کہ یہ گونگا اور بہرہ ہو گیا ہے۔''

محالا واپس آ کر میرے بازو میں انجکشن لگانے لگی۔ راڈ مین نے کہا۔ ''یہ ڈھونگ کر رہا ہے۔ ہمیں الو بنانا چاہتا ہے۔ اس کی یادداشت گم نہیں ہوئی ہے۔ یہ تمہیں پہچان رہا ہے۔ بیٹے کو دس برس پہلے دیکھا تھا۔ اب یہ بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ لیکن تم تو اس کے ساتھ برسوں رہ چکی ہو۔ یہ تمہیں کبھی بھول نہیں سکتا۔''

وہ بولی۔ ''آپ کے ساتھ بھی برسوں تک اس کا جھگڑا چلتا رہا ہے۔ کتنے ہی سنگین معاملات میں آپ سے سامنا ہوتا رہا ہے۔ مگر یہ آپ کو بھی نہیں پہچان رہا ہے۔''

وہ چپ رہا۔ مجھے گھور کر دیکھتا رہا۔ محالا نے کہا۔ ''یہ آپ کی وائف رائنا کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ اسے اپنی بہن مانتا ہے۔ یہ ابھی یہاں سے اٹھ کر رائنا کو پاکستان لے جا کر کینسر کا علاج کرا سکتا ہے۔ لیکن ہمارے بولنے کے باوجود یہ نہیں سن رہا ہے کہ اس کی بہن کو کینسر ہو گیا ہے۔ اگر سننے کے قابل ہوتا تو میں دعوے سے کہتی ہوں' یہ ابھی اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ ہماری رکاوٹیں توڑ کر اپنی بہن کو پاکستان لے جاتا۔''

جیکوب نے اسکرین کی طرف راڈ مین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک طرف بہن کے لئے جذبات ہیں۔ دوسری طرف میرے لئے ہونے چاہئیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ میں ان کے لہو کا قطرہ ہوں۔ ان کا بیٹا ہوں۔ بیٹا بن کر ان کے جذبات کو بھڑکا رہا ہوں۔ مگر یہ واقعی گونگے بہرے ہو گئے ہیں' ان کی یادداشت گم ہو گئی ہے۔''

راڈ مین نے ڈانٹ کر کہا۔ ''یو شٹ اپ... اس کے سامنے کہہ رہے ہو کہ بیٹا بن کر اس کے جذبات کو بھڑکا رہے ہو۔ یو نان سنس! یہ بھید کھول رہے ہو کہ اس کے بیٹے نہیں ہو؟''

وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔ راڈ مین سے معافی مانگ رہا تھا۔ میرے دل کو ٹھیس پہنچی۔ اگرچہ میں خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اسے بیٹا سمجھ کر بہت مطمئن تھا۔ اسے کبھی کبھی چور نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اندر ہی اندر خوش ہو رہا تھا۔

اب میری ساری خوشیاں خاک میں مل گئی تھیں۔ راڈ مین نے محالا کے ساتھ میرے بیٹے کی ایک ڈمی بھیجی تھی۔ اس وقت وہ تینوں میرے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ میری آنکھوں کو پڑھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ حقیقت کھلتے ہی میں جیکوب سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ نہ وہ میرا بیٹا

تھا' نہ اس کے لئے کوئی جذبات تھے۔ وہ میرے دماغ کو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ صرف دل کی دھڑکنوں کو محسوس کر سکتے تھے۔ چہرے سے اور آنکھوں سے کسی حد تک اندازہ لگا سکتے تھے۔ مگر انہیں کسی طرح کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ناکام ہو رہے تھے اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا تھا۔

میں ان لمحات میں اپنے بیٹے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ''وہ کہاں ہوگا؟ کیا اسے معلوم ہے کہ مجھے دھوکہ دینے کے لئے اس کی ایک ڈمی یہاں بھیجی گئی ہے؟ اگر میرے بیٹے کو معلوم ہوگا' تب بھی وہ کیا کر پائے گا؟ راڈ مین اور میسونی تنظیم کے زیر اثر ہوگا۔ ان کی سخت نگرانی میں رہتا ہو گا۔ محالا بھی ایک ماں کی حیثیت سے یہی چاہتی تھی کہ وہ یہودیوں کے زیر اثر رہا کرے۔''

ایسے وقت راڈ مین کے فون کی کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے نمبر پڑھتے ہوئے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری بہن کال کر رہی ہے۔ ادھر تم پریشان کر رہے ہو۔ ادھر وہ تمہیں بار بار دیکھنے کے لئے مجھے کال کرتی رہتی ہے۔ اگر تم سننے اور بولنے کے قابل نہ ہوئے۔ تمہاری یادداشت واپس نہ آئی تو میں تمہاری آنکھوں کے سامنے اسی اسکرین پر رائنا کو تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔''

ایسا کہتے وقت وہ میرے چہرے کو اور میری آنکھوں کو بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہر لمحہ میرا ردعمل معلوم کرنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا۔ پھر اس نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''ہائے رائنا! میری جان! میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ تم اپنے بھائی کو دیکھنے کے لئے فون کرو گی۔ بھئی کبھی اپنے شوہر کو بھی اتنی محبت سے یاد کر لیا کرو۔ ہم ابھی بوڑھے تو نہیں ہوئے ہیں۔ کیا میرے لئے تمہارے جذبات بوڑھے ہو رہے ہیں؟''

اس نے دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر مسکرا کر کہا۔ ''ہاں۔ میں جانتا ہوں میری جان مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ میں تو یونہی مذاقاً کہہ رہا تھا۔ ذرا انتظار کرو۔ ایک منٹ میں اپنے بھائی کو دیکھ سکو گی۔''

اس نے رابطہ ختم کر کے محالا سے کہا۔ ''رائنا کا کیس آن کرو اور یاد رکھو' اسے یہی تاثر دینا کہ یہ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ ابھی تم اس کے علاج میں مصروف ہو۔ رائنا زیادہ دیر بات کرے گی تو تم ڈسٹرب ہو جاؤ گی۔ اسے دس یا پندرہ منٹ سے زیادہ باتیں نہ کرنے دینا۔''

وہ بولی۔ ''میں سمجھ گئی۔ آپ اطمینان رکھیں۔''

اس نے دیوار کی طرف جا کر چینل تبدیل کیا تو اسکرین پر رائنا دکھائی دینے لگی۔ وہ بڑے دکھ سے بڑے پیار سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک نظر اس پر ڈال کر نظریں جھکا

لیں۔ تا کہ میرا پیار بھرا ردعمل ظاہر نہ ہو۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ''بھائی! کب تک اس طرح بستر پر پڑے رہیں گے؟ آپ کو کمزور' مجبور اور بے بس دیکھ کر دل کڑھتا ہے کہ پہاڑ جیسا بھائی ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔''

پھر اس نے محالا سے کہا۔ ''میرا راڈی اور ڈاکٹر ڈیوڈ دونوں ہی مجبور ہو گئے ہیں۔ ادھر نہیں آ سکتے۔ دشمن ان کے ذریعے میرے بھائی تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر نے اپنی جگہ تمہیں بھیجا ہے۔ یقیناً انہیں تمہاری قابلیت پر بھروسہ ہوگا۔''

محالا نے کہا۔ ''جی ہاں۔ میں پچھلے پندرہ برسوں سے ڈاکٹر ڈیوڈ کے ساتھ کام کرتی رہی ہوں۔ انہیں میری قابلیت پر بھروسہ ہے۔ پھر یہ کہ تمہارے بھائی سلمان سعدی کی شریک حیات ہوں۔''

''ہاں۔ میں نے سنا تھا کہ میرے بھائی کی ایک یہودی بیوی ہے۔ کیا وہ تم ہی ہو؟''

محالا نے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ یہ ہمارے پیار کی نشانی ہے۔ تمہارے بھائی کا بیٹا جیکب....''

اس نے اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے رائنا کو وش کیا۔ رائنا نے کہا۔ ''تم میرے بھائی کے بیٹے ہو' میرے لئے بہت عزیز ہو۔ آئی لو یو....''

اس نے کہا۔ ''آئی لو یو ٹو....''

محالا نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا پھر رائنا سے کہا۔ ''میں نے سنا ہے' تمہیں بلڈ کینسر ہے؟''

''ہاں۔ یہ بیماری مجھے اس دنیا سے لے جانے والی ہے۔''

وہ بولی۔ ''اگرچہ کینسر کا علاج ممکن نہیں ہے۔ لیکن روحانی علاج سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ تمہارا بھائی ایک روحانی معالج کو جانتا ہے۔ وہ معالج پاکستان میں ہے۔ اپنے مقدس قرآن کی آیتوں سے اور سانپوں کے زہر سے علاج کرتا ہے۔ سنا ہے' کئی کینسر کے مریض اس موذی مرض سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔''

رائنا نے کہا۔ ''یہ میرے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔ میں اپنے بیٹے کی شادی دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کی اولاد کو گود میں کھلانا چاہتی ہوں۔ بس یہ حسرت پوری ہو جائے۔ اس وقت تک جینا چاہتی ہوں۔''

''تو پھر کسی طرح اسے سننے' سمجھنے اور بولنے کے قابل بناؤ۔ اس کے جذبات کو

بھڑکاؤ۔ میں ایک بیوی ہو کر علاج کرنے آئی ہوں۔ دواؤں کے علاوہ اپنے طور پر اس کے جذبات کو بھڑکاتی رہوں گی' تم بھی یہی کرو۔ ہو سکتا ہے' ہمیں کامیابی ہو اور یہ پورے ہوش و حواس میں آکر تمہیں علاج کے لئے پاکستان لے جائے۔"

"میں بھائی کے قریب نہیں آسکتی۔ اب تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے قریب نہیں آسکے گا۔ ورنہ دشمن ہمارے پیچھے یہاں تک چلے آئیں گے۔ اگر تمہاری طرح میں بھی ان کے قریب ہوتی تو ہم دونوں اپنی محبتوں سے' دواؤں سے اور دعاؤں سے ان کی بیماریاں اور کمزوریاں دور کر دیتیں۔"

پھر رائنا نے کچھ سوچ کر کہا۔"جب وہ ایسے معالج ہیں کہ روحانی علاج کے ذریعے کینسر کا مرض دور کر دیتے ہیں تو پھر وہ بہت مشہور ہوں گے۔ ان کا پتہ ٹھکانہ کتنے ہی لوگ جانتے ہوں گے۔ میں اپنے راڈی کے ساتھ پاکستان جا کر جلد سے جلد اپنا علاج کرا سکتی ہوں۔"

محالا نے کہا۔"میں نے سنا ہے' وہ روحانی معالج گوشہ نشین رہتے ہیں۔ ان کے متعلق بہت کم لوگوں کو معلومات حاصل ہیں۔ تم اپنے راڈ مین کے ساتھ وہاں تک پہنچ نہیں پاؤ گی۔ اس کے لئے سلمان کا ہوش و حواس میں آنا بہت ضروری ہے۔"

میرے ساتھ اور میری بہن رائنا کے ساتھ فراڈ کیا جا رہا تھا۔ اس کا علاج جلد سے جلد ہو سکتا تھا۔ لیکن اسے روحانی معالج سے دور رکھا جا رہا تھا اور ادھر میرے اپنے بیٹے کو مجھ سے دور کر کے دھوکہ دینے کے لئے اس کی ڈمی بھیجی گئی تھی۔ اس وقت میرے دل سے ایک ہی دعا نکل رہی تھی کہ میری بہن کسی طرح اس روحانی معالج تک پہنچ جائے۔ ایسا سوچتے وقت میں بے اختیار کسمسانے لگا۔ بے چینی میں مبتلا ہو گیا۔

رائنا نے خوش ہو کر کہا۔"بھائی حرکت کر رہے ہیں۔ فوراً دیکھو! معلوم کرو۔ شائد یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

محالا نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔"بولو محالا کی جان! کچھ تو بولو۔ ہم سب تمہارے لئے پریشان ہیں۔ بولو گے' اپنے اندر کی تکلیف بیان کرو گے تو ہم تمہارا خاطر خواہ علاج کر سکیں گے۔"

جیکوب نے کہا۔"پاپا! کیا آپ ہماری باتیں سن لیتے ہیں؟ سمجھ لیتے ہیں؟ آپ کا یہ بیٹا بھی ڈاکٹر ہے۔ اپنے بیٹے کو بھی علاج کا موقع دیں۔ پلیز کچھ بولیں...."

میں کچھ بولنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بولنے کا مطلب یہی ہوتا کہ راڈ مین تمام

خطرات مول لے کر یہاں آدھمکتا اور مجھ سے ریڈ مرکری کا راز اگلوانے کی ہر ممکن کوششیں کرتا۔

میں نے اسکرین پر رائنا کو دیکھا۔ پھر نقلی جیکوب اور محالا کو دیکھا۔ اس کے بعد اپنا ایک لرزتا ہوا ہاتھ اٹھا کر گلے کی طرف لا کر اشارے سے یہ سمجھایا کہ حلق خشک ہو رہا ہے یا وہاں کوئی تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔

محالا نے پوچھا۔"کیا حلق خشک ہو رہا ہے؟ پیاس لگ رہی ہے؟ رپورٹ کے مطابق تمہارے حلق اور سینے میں کوئی نقص نہیں ہے۔ آؤ... اٹھ کر بیٹھو۔ میں تمہیں جوس پلاتی ہوں۔"

اس نے اور جیکوب نے مجھے سہارا دے کر بٹھایا۔ پھر فریج کے پاس جا کر جوس لے آئی۔ میں نے ایسٹرا کے ذریعے دو گھونٹ پی کر ایک گہری سانس لی۔ پھر بستر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر سر جھکا کر ہانپنے لگا۔

رائنا نے کہا۔"بھائی! خدا کے لئے کچھ بولیں۔ آپ کی بہن کو نئی زندگی ملے گی۔"

یہ ایک بہن کے دلی جذبات تھے۔ میرے کانوں تک پہنچ رہے تھے اور دل میں اتر رہے تھے۔ اگر میں چلنے پھرنے کے قابل ہوتا اور وہاں سے فرار ہو سکتا تو سب سے پہلے اپنی بہن کے پاس پہنچتا' اسے روحانی معالج کے پاس پاکستان لے جاتا۔

وہ روتے ہوئے بولی۔"میں ابھی راڈی کے پاس جاتی ہوں۔ اس سے کہوں گی کہ دشمنوں سے نہ ڈرا جائے۔ آپ کے لئے سخت حفاظتی انتظامات کئے جائیں۔ دنیا کے مشہور اور تجربہ کار ڈاکٹروں سے آپ کا علاج کرایا جائے۔ میں جا رہی ہوں بھائی! پھر کسی وقت آؤں گی۔"

اس نے سوئچ آف کیا تو ٹی وی اسکرین بجھ گئی۔ محالا نے دیوار کے پاس جا کر دوسرا چینل آن کیا۔ راڈ مین دکھائی دینے لگا۔ اس نے کہا۔"میں اگرچہ دیکھ نہیں رہا تھا مگر آڈیو سسٹم کے ذریعے یہاں کی تمام باتیں سن رہا تھا۔ تمہیں پاکستان کے اس روحانی معالج کا ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میں نے تو اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنے علاج کے لئے بے چین ہو جائے گی اور بہن کی حیثیت سے سلمان کے جذبات کو بھڑکائے گی۔ طرح طرح سے اسے سننے اور بولنے کے قابل بنائے گی۔"

وہ سخت لہجے میں بولا۔"تمہیں وہاں رہ کر نہ اپنی عقل سے سوچنا ہے' نہ بولنا ہے۔ تم نہیں جانتیں' رائنا اب پاکستان جانے کے لئے میرے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ آئندہ میں اپنی عقل سے نہ سوچوں گی' نہ اپنے طور پر کچھ بولوں

گی۔لیکن ابھی جو سوچا ہے'اسے آپ سن لیں۔میری عقل کہتی ہے'جب روحانی علاج کے ذریعے کینسر کے مرض سے نجات مل سکتی ہے تو سلمان کی بیماریاں اور کمزوریاں بھی دور ہو سکتی ہیں۔وہ روحانی معالج اسے سننے اور بولنے کے قابل بنا سکتا ہے۔اس کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس لا سکتا ہے۔آپ ذرا میری باتوں پر غور کریں۔"

راڈ مین نے چونک کر محالا کو دیکھا۔پھر کہا۔"میں نے تو اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا۔واقعی اگر وہ روحانی معالج باکمال ہے تو اسے بولنے کے قابل بنا سکتا ہے۔میں اس سے ریڈ مرکری کا راز اگلوا سکتا ہوں۔مگر....."

محالا نے پوچھا۔"مگر کیا....؟"

"میں اسے اس خفیہ اڈے سے نکال نہیں سکتا۔اسے کہیں بھی لے کر جاؤں گا تو دشمن پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"اسے دشمنوں سے بچائے رکھنے کی کوششیں کرتے رہیں گے تو بیماری اور کمزوری بڑھتی جائے گی۔پھر یہ ہمیشہ کے لئے بولنے کے قابل نہیں رہے گا۔دوسری دنیا میں پہنچ جائے گا۔پھر آپ وہ راز کس سے اگلوائیں گے؟"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے محالا کو دیکھ رہا تھا۔وہ بول رہی تھی۔"آپ بہت ہی وسیع ذرائع اور اختیارات کے مالک ہیں۔سلمان کو یہاں سے پاکستان لے جانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر سکتے ہیں۔ذرا سوچیں'کوئی تدبیر کریں۔آپ کی مرادیں بر آئیں گی۔"

وہ قائل ہو کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔"تم ذہین ہو۔اسی لئے میسونی تنظیم میں تمہیں اعلیٰ عہدہ دیا گیا ہے اور اہم اجلاس میں مشوروں کے لئے طلب کیا جاتا ہے۔میں ابھی تمہاری باتوں پر غور کروں گا'سوچوں گا کہ اس کی زبان کھلوانے کے لئے مجھے اب کس نئے راستے پر چلنا ہے؟"

اسی وقت اس کے فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔اس نے ننھی سی اسکرین کو پڑھتے ہوئے کہا۔"رائنا کال کر رہی ہے۔یقیناً اسی سلسلے میں مجھ سے بحث کرے گی۔تم ٹی وی آف کر دو۔"

محالا نے دیوار کے پاس جا کر اسے آف کیا۔راڈ مین نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔"ہائے میری جان! اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر آرہی ہو۔میں سمجھ

رہا ہوں'اس وقت تم بہت پریشان ہو گی۔"

"میں تم سے کہنے آئی ہوں کہ بھائی جان کا روحانی علاج کراؤ۔وہ جلد ہی صحت یاب ہوں گے۔یادداشت بھی واپس آجائے گی۔"

"ہاں۔میں یہاں اسپیکر کے ذریعے تمہاری اور محالا کی باتیں سن رہا تھا۔یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ پاکستان میں کوئی شخص ہے جو قرآنی آیات سے اور سانپوں کے زہر سے کینسر کا علاج کرتا ہے۔میں اس سلسلے میں معلومات حاصل کروں گا اور اس شخص سے تمہارا علاج کراؤں گا۔"

"میرا علاج تو ہو ہی جائے گا۔آپ پہلے بھائی جان کی فکر کریں۔انہیں پاکستان لے جائیں۔میرا دل کہتا ہے'وہ جلد ہی سننے اور بولنے کے قابل ہو جائیں گے۔ہم سب کو پہچاننے لگیں گے۔"

"ہم نے سلمان کو جہاں چھپا کر رکھا ہے۔وہاں سے اسے نکال کر پاکستان نہیں لے جا سکیں گے۔کتنے ہی جانے انجانے دشمن ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔تم دیکھ رہی ہو کہ میں اور ڈاکٹر ڈیوڈ بھی تمہارے بھائی سے دور ہو گئے ہیں؟"

"میں آپ کی مجبوریاں اور دشمنوں کے ارادوں کو سمجھ رہی ہوں۔لیکن آپ کب تک ان سے ڈرتے رہیں گے اور میرے بھائی کا علاج دنیا کے مشہور اور معروف ڈاکٹروں سے نہیں کرائیں گے؟"

وہ بولا۔"ہاں۔دن گزرتے جا رہے ہیں اور سلمان کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔میں اسے مرنے نہیں دوں گا۔نئی زندگی دینے کی ہر ممکن کوشش کروں گا'اگر اسے پاکستان نہ لے جا سکا تو پاکستان سے اس روحانی معالج کو اغوا کر کے یہاں لے آؤں گا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ ایک محترم مسیحا ہیں۔ہمیں ان کی عزت کرنی چاہئے۔ان کے آگے سر جھکانا چاہئے۔ان کی شان میں گستاخی نہیں کرنی چاہئے۔"

"پہلے ہماری ضرورت اہم ہے۔تمہیں بلڈ کینسر سے نجات دلانے کے لئے اور اسے سننے اور بولنے کے قابل بنانے کے لئے میں اس روحانی معالج کو سمجھا منا کر یہاں لانے کی کوشش کروں گا۔اگر وہ نہیں آئیں گے تو مجبور ہو کر انہیں زبردستی یہاں لے آؤں گا۔"

"نہیں۔آپ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔پہلے مجھے وہاں لے چلیں۔میں ان کے قدموں میں گر کر سمجھا منا کر یہاں لے آؤں گی۔"

پہلے رائنا کو پاکستان لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اسے بلڈ کینسر سے نجات حاصل

ہوجاتی۔ اس کے بعد پھر میری کوئی کمزوری راڈ مین کے ہاتھ میں نہ رہتی۔ اس کے دماغ میں یہ بات پک رہی تھی کہ پہلے میرا علاج کرائے گا۔ مجھے ہوش و حواس میں لاکر ریڈ مرکری حاصل کرے گا۔

اگر میں انکار کروں گا تو وہ رائنا کا علاج نہیں ہونے دے گا۔ اسے اس روحانی معالج سے دور رکھے گا۔ اس طرح مجھ جیسے محبت کرنے والے بھائی کے جذبات سے کھیلتا رہے گا' مجھے مجبور کرتا رہے گا۔ اسے یقین تھا کہ بالآخر میں اس کے سامنے جھک جاؤں گا اور اپنے تمام راز اگل کر اس کے ہاتھوں مارا جاؤں گا۔

رائنا نے پوچھا۔ ''ہیلو۔ آپ چپ کیوں ہیں؟ کیا سوچ رہے ہیں؟''

''روحانی علاج کے متعلق ہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی اس روحانی معالج کے متعلق پوری معلومات حاصل کروں گا پھر فیصلہ کروں گا کہ آئندہ کیا کرنا چاہئے؟''

''لوگوں سے پوچھ کر معلومات حاصل کرنا اور بات ہے اور خود جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور بات ہے۔ سیدھا سا راستہ یہ ہے کہ مجھے فوراً ہی پاکستان لے چلیں۔ وہاں ہم آسانی سے اس مسیحا تک پہنچ جائیں گے۔ وہ میرا علاج کریں گے۔ میں انہیں بھائی کی دکھ بیماریاں بتاؤں گی۔ مجبوریاں بھی بتاؤں گی کہ انہیں پاکستان نہیں لایا جاسکتا۔ تب وہ خود ہی ان کے علاج کے لئے راستہ نکال لیں گے۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''تم اپنی عقل سے نہ سوچو۔ میں تمہیں پاکستان نہیں لے جاؤں گا۔''

''کیوں نہیں لے جائیں گے؟''

وہ ذرا سنبھل کر بولا۔ ''اس لئے کہ یہاں سلمان کو محالا اور ڈاکٹر ڈیوڈ وغیرہ کی ذمہ داری پر چھوڑنا دانشمندی نہیں ہوگی۔ تم اس معاملے میں بحث نہ کرو۔ میں جلد سے جلد اس معالج سے رابطہ کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ایک گھنٹے بعد پوچھوں گی کہ اس سلسلے میں آپ کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ وہ فون کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ ''یہ ٹھیک نہیں ہورہا ہے۔ رائنا سکون سے نہیں بیٹھے گی۔ اپنے طور پر بھی معلوم کرے گی۔ ہوسکتا ہے' میں اسے پاکستان نہ لے جاؤں' اسے ٹالنا چاہوں تو وہ خود ہی وہاں چلی جائے۔ وہ بلڈ کینسر کی مریضہ ہے۔ امید تو نہیں ہے کہ یہ مرض ٹھیک ہوجائے گا اور وہ پہلے کی طرح بھلی چنگی ہوجائے گی۔ مگر کیا کہا جاسکتا ہے؟ روحانی علاج سے معجزہ بھی ہوسکتا ہے۔''

اس کا بیٹا نامان اٹلی کی کتنی ہی تنظیموں کا ڈان تھا۔ جرائم کی دنیا میں وہ بھی طاقتور تھا۔ اپنے ملک سے باہر وسیع ذرائع کا مالک تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ پاکستان جاسکتی تھی۔

وہ بے چین ہوگیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اس نے رائنا کو محبت کے جال میں پھانس کر اس لئے شادی کی تھی کہ وہ اٹلی کے ڈان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ کوئی بیٹا نہیں تھا۔ وہ داماد بن کر آئندہ وہاں کا ڈان بن سکتا تھا۔

وہ ڈان بننے کے خواب دیکھتا رہا تھا۔ لیکن میں بھائی بن کر رائنا کی زندگی میں آگیا تھا اور اس کے منصوبوں کو خاک میں ملاتا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کبھی وہاں کا ڈان نہ بن سکا۔ اس کا اپنا بیٹا نامان بھی اس سے بدظن ہوگیا تھا۔ وہ میرا حمایتی تھا اور باپ کا دشمن۔ وہ باپ بیٹے کبھی ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھتے تھے۔

بیٹا اپنی ماں کو سمجھاتا تھا۔ ''میرا وہ باپ یہودی ہے۔ آپ کو محبت کا فریب دیتا آرہا ہے اور آپ فریب کھاتی آرہی ہیں۔ آپ کو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اس باپ نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے مجھ جیسے اکلوتے بیٹے کو بھی مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔''

رائنا حقیقتاً راڈ مین کے عشق میں مبتلا تھی اور عشق وہ ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کی خوبیوں سے نہیں' خرابیوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ وہ کبھی تسلیم ہی نہیں کرتی تھی کہ راڈ مین انسان کی صورت میں شیطان ہوگا۔ اپنے بیٹے کو مار ڈالنے کی کوشش کرے گا اور اب مجھ جیسے بھائی کو مار ڈالنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ رائنا کبھی کبھی اس پر شبہ کرتی تھی پھر محبت میں اندھی ہوکر اسی شوہر کی عقل اور زبان سے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہہ دیتی تھی۔

اس وقت وہ پیرس میں تھی۔ راڈ مین نے سوچا۔ ''میں یہاں استنبول میں ہوں۔ اس پر نظر نہیں رکھ سکوں گا۔ اسے پاکستان کی طرف جانے سے روک نہیں پاؤں گا۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی روحانی معالج کے پاس جائے۔ مجھے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال دینی چاہئے۔''

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے فون کے ذریعے رائنا کو مخاطب کیا۔ اس نے پوچھا۔ ''ہیلو! کیا کوئی خاص بات معلوم ہورہی ہے؟''

اس نے کہا۔ ''میں تمہاری باتوں پر غور کر رہا تھا۔ تم درست کہہ رہی ہو۔ معلومات حاصل کرنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں فوراً پاکستان جانا چاہئے۔ تم کسی بھی پہلی فلائیٹ سے استنبول آجاؤ۔ پھر ہم یہاں سے کل ہی اس معالج کے پاس جائیں گے۔''

وہ خوشی سے چیخ پڑی۔ ''ہائے میری جان! میرے راڈی! اسی لئے تو میں تم پر جان

دیتی ہوں۔تم سے اندھی محبت کرتی ہوں۔ بیٹا تمہاری مخالفت کرتا ہے۔میرے بھائی کے ساتھ جاری رہنے والی دشمنی کے کتنے ہی واقعات مجھے سنائے جاتے ہیں۔لیکن میں آنکھیں بند کر کے تم سے' صرف تم سے پیار کرتی ہوں۔بس یہ سمجھو کہ آج شام تک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔اگر کسی فلائیٹ میں جگہ نہ ملی تو نامان کے ذاتی طیارے میں آجاؤں گی۔''

پھر اس نے فون کے ذریعے ایک ائیرویز کمپنی کے ایجنٹ سے کہا۔''میں رائنا بول رہی ہوں۔مجھے آج ہی بلکہ ابھی کسی بھی فلائیٹ سے استنبول پہنچنا ہے۔ابھی بتاؤ' ابھی کنفرم کرو' کسی فلائیٹ میں میرے لئے سیٹ او کے کرا سکو گے؟''

اس نے کہا۔''یو آر لکی میڈم! ابھی ایک مسافر نے اپنی سیٹ کینسل کرائی ہے۔میں اسے آپ کے نام کر رہا ہوں۔فلائیٹ ٹھیک تین گھنٹے بعد ہے۔آپ آجائیں۔''

''بس ابھی آرہی ہوں۔''

اس نے رابطہ ختم کیا۔ایسے وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔سامنے میرا دست راست ٹیپو کھڑا ہوا تھا۔

اس نے کہا۔''اوہ۔ٹیپو! تم بہت غلط وقت پر آئے ہو۔تین گھنٹے بعد میری فلائیٹ ہے۔میں استنبول جا رہی ہوں۔اپنے راڈی کے پاس۔''

وہ اپنے راڈی کا نام بڑے فخر سے لیتی تھی۔یہاں میں ٹیپو کے جذبات کی عکاسی کرنا چاہتا ہوں۔جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ رابعہ میری بہن ٹیپو کی شریک حیات تھی۔انہوں نے ایک دوسرے سے محبت کی تھی۔پھر شادی کی تھی۔لیکن ازدواجی زندگی کے ہنستے بولتے دن جلد ہی گزر گئے۔دو برس کے بعد رابعہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

ٹیپو نے اس کے بعد پھر شادی نہیں کی۔کوئی اس کے دل میں آکر رابعہ کی جگہ نہ لے سکی۔پھر اچانک ہی رائنا ہمارے سامنے آئی تو ہم اسے دیکھ کر چونک گئے۔وہ ہو بہو سر سے پاؤں تک رابعہ ہی رابعہ تھی۔میں نے تو اسے بہن بنا لیا تھا' ہر مشکل وقت میں اس کے کام آتا رہا تھا۔

لیکن ٹیپو یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی گمشدہ محبوبہ اور بیوی ہے۔قدرت کا عجیب تماشہ ہے کہ وہ پھر اس دنیا میں آئی تھی مگر ہمارے جانی دشمن راڈ مین کی بیوی اور اس کے بچے کی ماں بن گئی تھی۔جس طرح رابعہ دل کی گہرائیوں سے ٹیپو کو چاہتی تھی۔اسی طرح رائنا اپنے راڈی کی دیوانی تھی۔

ٹیپو پہلی بار اسے دیکھ کر یہ نہ کہہ سکا۔''رابعہ! میں نے تمہارے بعد پھر کسی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔مگر افسوس! تم رائنا کے روپ میں ایک یہودی کو دل و جان سے چاہنے لگی ہو۔''

مزید دس برس گزر چکے تھے۔میں اس دوران ٹیپو جیسے جاں نثار ساتھیوں سے دور ہو گیا تھا۔عمیر بن غازی کی حیثیت سے زندگی گزار رہا تھا۔ادھر ٹیپو رائنا کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔اس کا بیٹا نامان اسے بہت چاہتا تھا۔کیونکہ ٹیپو نے کئی بار جان لیوا حالات میں اس کی مدد کی تھی۔اس کی جان بچائی تھی اور اسے مفید مشورے دیتا رہا تھا۔

یوں اس نے میری طرح رائنا اور اس کے بیٹے نامان کا بھرپور اعتماد حاصل کر لیا تھا۔وہ دونوں اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

رائنا نے اسے دروازے پر دیکھ کر کہا۔''اگرچہ تم غلط وقت پر آئے ہو۔پھر بھی یہاں سامان پیک کرنے کے دوران تم سے باتیں کر سکتی ہوں۔اگر میرے ساتھ ائیرپورٹ تک چلو گے تو اور بھی لمبی باتیں ہو سکیں گی۔''

پھر وہ تنبیہ کے انداز میں اسے انگلی دکھاتے ہوئے بولی۔''مگر خبردار! میرے راڈی کے خلاف کوئی بات نہ کہنا۔میں کچھ نہیں سنوں گی۔''

ٹیپو نے ہنستے ہوئے کہا۔''میں جب بھی تم سے ملنے آتا ہوں' تم یہی دھمکی دیتی ہو کہ راڈی کے خلاف کچھ بولوں گا تو تم مجھ سے نہیں بولو گی۔''

اس نے کانوں کو چھو کر کہا۔''وعدہ کرتا ہوں۔دل توڑنے والی کوئی بات نہیں کروں گا اور تمہارے ساتھ صرف ائیرپورٹ تک نہیں' استنبول تک جاؤں گا۔میری سیٹ او کے ہے۔میں بہت ضروری کام سے وہاں جا رہا ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔''پھر اس طرح باہر کیوں کھڑے ہو؟ اندر آؤ۔''

''تم اندر آنے کا راستہ دو گی تو آؤں گا۔''

وہ ہنستی ہوئی ایک طرف ہٹ گئی۔اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔''تم بھی وعدہ کرو' استنبول پہنچ کر یہ نہیں بتاؤ گی کہ میں وہاں پہنچا ہوا ہوں۔''

''میں تم لوگوں کے اختلافات کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔نہ تمہاری باتیں راڈی سے کہتی ہوں' نہ راڈی کے خلاف تم لوگوں سے کچھ سننا چاہتی ہوں۔''

''میں نے کل تمہیں فون پر اطلاع دی تھی کہ ہمارا سلمان مرا نہیں ہے' زندہ ہے۔مختلف تنظیموں کے لوگ کہتے ہیں' راڈ مین نے اسے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔''

"اور میں نے کہا تھا' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ خدا میرے بھائی جان کو زندہ سلامت رکھے۔ مگر وہ میرے راڈی کے پاس نہیں ہیں۔ تم اس بہانے میرے راڈی کے خلاف کچھ نہ بولنا۔"

"میں ایک لفظ نہیں بولوں گا۔ دوسری بات کرو۔"

"دوسری بات یہ ہے کہ میں سامان پیک کرنے جا رہی ہوں۔ تم نامان کو کال کرو۔ اسے بتاؤ کہ میں اچانک ہی استنبول جا رہی ہوں۔ پھر وہاں سے پاکستان جاؤں گی۔"

ٹیپو نے حیرانی سے پوچھا۔ "تم پاکستان کیوں جاؤ گی؟"

"تم کال لگاؤ۔ نامان سے بات کرو۔ میں بھی اس سے بات کروں گی۔ تم سن لینا کہ وہاں کیوں جا رہی ہوں؟"

وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ ٹیپو نے فون کے ذریعے نامان سے رابطہ کیا۔ اس نے کہا۔ "ہائے انکل! کیا آپ ایئر پورٹ پہنچ گئے؟"

اس نے کہا۔ "تین گھنٹے بعد کی فلائیٹ ہے۔ میں نے سوچا' تمہاری ممی سے ملتا ہوا جاؤں۔ یہاں ابھی تمہاری ممی کے گھر میں ہوں۔ اتفاق سے یہ بھی استنبول جا رہی ہیں۔ اچانک ہی کیوں جا رہی ہیں' یہ ابھی تمہیں بتائیں گی تو مجھے بھی معلوم ہوگا۔"

"کیا ممی نے پوچھا ہے' آپ استنبول کیوں جا رہے ہیں؟"

"اگر وہ پوچھتیں' تب بھی نہ بتاتا۔ کیونکہ وہ مجھ سے میرے سلمان کی بات چھپا رہی ہیں۔ یہ نہیں بتا رہی ہیں کہ تمہارے ڈیڈی نے اسے کہیں چھپا کر رکھا ہے اور اس کا علاج کرا رہے ہیں..... بیٹے نامان! تم بہت اچھے ہو۔ مجھ پر اعتماد کرتے ہو۔ تم نے بتایا ہے تو مجھے معلوم ہوا ہے۔ سلمان کو یقیناً استنبول کے کسی علاقے میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ میں وہاں شام تک پہنچ جاؤں گا۔ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ جلد سے جلد ڈھونڈ نکالوں گا۔"

پھر اس نے بیڈ روم کی طرف منہ کرتے ہوئے کہا۔ "رائنا! یہاں آؤ۔ اپنے بیٹے سے بات کرو۔"

اس نے بیڈ روم سے کہا۔ "ابھی آ رہی ہوں۔ تم اس سے باتیں کرتے رہو۔ بس آ رہی ہوں۔"

نامان نے کہا۔ "اگر ڈیڈی کو معلوم ہو گیا کہ تم استنبول آئے ہو تو وہ بہت محتاط ہو جائیں گے۔ اپنے آدمیوں کو تمہارے پیچھے لگا دیں گے۔"

"میں نے ابھی تمہاری ممی کو سمجھا دیا ہے' وہ وہاں پہنچ کر تمہارے ڈیڈی سے میرا ذکر

نہیں کریں گی۔"

"میں سلمان انکل کے لئے بہت پریشان ہوں۔ مجھے اپنے باپ پر ذرہ برابر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ صرف اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے ان کا علاج کرا رہے ہیں۔ اگر وہ ہوش و حواس میں آ کر ریڈ مرکری ان کے حوالے کر دیں گے تو ڈیڈی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

نامان مجھے اپنے باپ سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس وقت جیسے اندر سے تڑپ کر کہہ رہا تھا۔ "میں چاہتا ہوں' سلمان انکل کے صحت یاب ہونے اور ہوش و حواس میں آنے سے پہلے ہی ہم انہیں ڈیڈی کے شکنجے سے نکال کر لے آئیں۔"

"ہمیں اتنا تو معلوم ہو گیا ہے کہ میرے یار کو استنبول میں بڑی رازداری سے کہیں رکھا گیا ہے۔ انشاء اللہ ہم وہاں تک ضرور پہنچیں گے۔"

رائنا ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ لو..! تمہاری ممی آ گئی ہیں۔ ان سے بات کرو۔"

رائنا نے قریب آ کر اس سے فون لیا۔ پھر کہا۔ "ہیلو ممی کی جان! کیسے ہو؟"

"آئی ایم آل رائٹ ممی! ٹیپو انکل کہہ رہے ہیں' آپ بھی استنبول جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔ تمہارے ڈیڈی سے ملنے جا رہی ہوں۔"

"ڈیڈی نے تو کہا تھا' وہ لندن میں ہیں۔ وہاں رازداری سے سلمان انکل کا علاج کرا رہے ہیں۔ پھر اچانک استنبول کیسے پہنچ گئے؟"

"بیٹے! انہوں نے تمہارے سلمان انکل کی بہتری کے لئے ہی جھوٹ کہا تھا۔"

"جھوٹ دوسروں سے کہا جاتا ہے۔ وہ آپ جیسی وفادار شریک حیات سے بھی جھوٹ بول رہے تھے۔ پتہ نہیں' آج سچ کیوں کہا ہے اور کیوں آپ کو بلایا ہے؟"

"نامان! ایک بہت خوشخبری ہے۔ میرے بلڈ کینسر کا علاج ہو جائے گا۔ میں پھر سے صحت یاب ہو جاؤں گی۔ اس لئے انہوں نے ابھی مجھے وہاں بلایا ہے۔"

"ممی! یہ بالکل ناممکن سی بات ہے۔ بلڈ کینسر کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا ہے۔ آپ ہر مریض کی طرح اس موذی مرض سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس سلسلے میں جو جیسا مشورہ دیتا ہے' اسے مان لیتی ہیں۔"

"بیٹے! یہ ایسا ویسا مشورہ نہیں ہے۔ پاکستان میں ایک بہت ہی معتبر معالج ہیں۔ ان کے علاج سے کتنے ہی کینسر کے مریض صحت یاب ہو چکے ہیں۔"

نامان نے فون کے ذریعے ٹیپو سے پوچھا۔ ''کیا پاکستان میں ایسا کوئی روحانی معالج ہے' جو بلڈ کینسر کے مریضوں کو نئی زندگی دیتا ہے؟''

ٹیپو نے ذرا سوچا' ذرا یاد کیا۔ پھر کہا۔ ''ہاں۔ مجھے یاد آرہا ہے۔ میں نے ایک روحانی معالج کا ذکر سنا ہے۔ لیکن میں روحانی معاملات کو بہت زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس لئے یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ معالج یا مسیحا کیسے کمالات دکھاتے ہیں؟''

رائنا نے فون لے کر کہا۔ ''میں راڈی کے ساتھ پاکستان جارہی ہوں۔ وہاں میرا علاج ہوگا۔ تب تم دونوں کو یقین آئے گا۔''

''ٹھیک ہے ممی! ہم تو آپ کی لمبی عمر چاہتے ہیں۔ خدا ہمارے بعد بھی آپ کو صحت منداور سلامت رکھے۔ مجھ سے ایک وعدہ کریں۔''

''میں وعدہ کئے بغیر' قسمیں کھائے بغیر تمہاری ہر بات مانتی ہوں۔ اب کیا منوانا چاہتے ہو؟''

وہ بولا۔ ''وہاں جاکر ڈیڈی سے یہ نہیں کہیں گی کہ ٹیپو انکل آپ کے ساتھ استنبول آئے ہیں۔''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارے ڈیڈی اور ٹیپو انکل آگ اور پانی ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہئے۔ میں تمہارے ڈیڈی کے سامنے ٹیپو کا نام بھی نہیں لوں گی۔''

''تھینک یو ممی! میں آپ کی صحت یابی کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ استنبول پہنچ کر مجھے فون کریں اور بتائیں' پاکستان کب جارہی ہیں؟''

رابطہ ختم ہوگیا۔ رائنا اپنا سفری بیگ لے کر ٹیپو کے ساتھ کار میں آکر بیٹھ گئی۔ پھر ائیرپورٹ جانے لگی۔ میں بھی رائنا کے سامنے کبھی راڈی کی برائی نہیں کرتا تھا۔ جب کوئی غلط کام کرتا تھا تو کسی ثبوت کے بغیر اس کا ذکر رائنا سے نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے ہی بیٹے نامان کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ میں نے اور ٹیپو نے اس کی سازشوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ رائنا یہ ماننے والی نہیں تھی۔ لیکن نامان پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ اس نے ہوسپٹل پہنچ کر یہ تسلیم کیا تھا کہ باپ اس کا جانی دشمن ہے۔

میں نے اندھی محبت کا ذکر سنا تھا۔ اب اپنی اس بہن کو ایسی محبت کرتے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی معصومیت پر پیار آتا تھا۔ میں نے ٹیپو سے بھی کہا تھا کہ اگر راڈ مین جھوٹا اور فریبی ہے تو ہونے دو۔ ہماری بہن سچی ہے۔ اپنے حصے کی سچی محبتیں دے رہی ہے۔ اسے بے لوث

محبت کرنے دو۔ ہم راڈ مین کا محاسبہ کرتے رہیں گے۔ اپنی بہن کو کبھی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔

نامان نے بھی کہا۔ ''میرے ڈیڈی قابل نفرت ہیں۔ مگر افسوس! میں نفرت کرنے کے باوجود لہو کے رشتے کو نہیں توڑ سکوں گا۔ اسی طرح ممی بھی اپنے دل سے مجبور ہیں۔ وہ ڈیڈی سے دور نہیں رہ سکیں گی۔ یہی بہتر ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔''

اس وقت بھی نامان نے اپنی ماں کو یہ نہیں بتایا کہ ٹیپو مجھے تلاش کرنے کے لئے استنبول جارہا ہے۔ اس نے اپنے خاص آدمیوں کو اور ٹیپو کے جاں نثاروں کو فون کے ذریعے اطلاعات دے دیں کہ اس کی ممی وہاں پہنچ رہی ہیں۔ اس کے ڈیڈی راڈ مین کی کڑی نگرانی کی جائے۔ دیکھا جائے کہ وہ اس کی ممی کو کہاں لے جارہا ہے؟ یوں نگرانی کرنے سے شائد وہ سب مجھ تک پہنچ سکیں گے۔

وہ استنبول پہنچ گئی۔ ٹیپو نے کہا۔ ''پہلے تم امیگریشن کاؤنٹر سے گزر کر باہر جاؤ۔ راڈ مین سے ملو۔ جب اس کے ساتھ چلی جاؤ گی' تب میں عمارت سے باہر آؤں گا۔''

ٹیپو کو جلدی نہیں تھی۔ اس کے جاں نثار عمارت کے اندر اور باہر راڈ مین پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

رائنا وزیٹرز لابی میں آکر راڈ مین سے لپٹ گئی۔ وہ اسے بازوؤں میں بھر اس کے لبوں کو چوم رہا تھا۔ ٹیپو دور سے چھپا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس نے دوسری طرف نظریں پھیر لیں۔

بیچارہ کس دل سے یہ منظر دیکھتا؟ اس کی رابعہ پرائی آغوش میں تھی۔ اس کا دل تڑپ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا' ابھی جاکر اسے راڈ مین سے چھین لے۔ لیکن افسوس.....وہ اس کی رابعہ تھی بھی اور نہیں بھی۔ پھر سے دنیا میں آکر اس کے جذبات سے کھیل رہی تھی۔ اسے تڑپا رہی تھی۔

جب میں نے اور ٹیپو نے پہلی بار رائنا کو دیکھا تو ان دنوں وہ بیس برس کی تھی۔ ٹیپو نے پھر شادی نہیں کی تھی۔ اس کی جگہ کسی کو نہیں دی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔ ادھر اس کی رابعہ یا رائنا ایک یہودی کے عشق میں گرفتار تھی۔ پھر رائنا کی شادی ہوئی۔ نامان پیدا ہوا۔ اب وہ بائیس برس کا گبرو جوان ہوگیا تھا۔ ٹیپو کی محبوبہ ایک بیوی تھی' ایک جوان بیٹے کی ماں تھی۔ تقریباً بیالیس برس گزر چکے تھے۔ مگر عشق کی آگ ٹھنڈی نہیں ہورہی تھی اور بھڑک رہی تھی۔

عشق اور ہوس میں فرق ہوتا ہے۔ ہوس ہوتی تو ایک بوڑھے یہودی کی بیوی اور ایک جوان بیٹے کی ماں کی نہ ہوس ہوتی' نہ طلب ہوتی۔ وہ دوسری حسیناؤں سے بہلتا رہتا اور رابعہ کو بھلا چکا ہوتا۔ وہ دل وجان سے اور روح کی گہرائیوں سے اپنی رابعہ کو چاہتا تھا۔ رائنا کے روپ

میں اسے دیکھتا رہتا تھا۔ کسی مرنے والے کی تصویر دیکھو تو بہت سی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ رائنا تو جیتی جاگتی رابعہ کی تصویر تھی۔

اس کا جی چاہتا تھا' رائنا کو اس سے چھین لے۔ اس رقیب کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ مگر اس کی موت سے اندھی محبت کرنے والی کا دل ٹوٹ جاتا۔ وہ چاہتا تھا' اس کی آنکھیں کھل جائیں۔ وہ راڈ مین کا اصلی چہرہ دیکھ لے۔ خود اس سے نفرت کرنے لگے۔ پھر ٹیپو کی طرف محبت کے راستے کھلنے لگیں گے۔

اور ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا اپنا جوان بیٹا بھی اسے راڈ مین سے متنفر نہیں کر پا رہا تھا۔ ٹیپو اس کے بدن کا بھوکا نہیں تھا۔ اس کی خوشی میں خوش رہنا چاہتا تھا۔ کبھی کایا پلٹے گی' کبھی حالات بدلیں گے اور وہ راڈ مین کے جھوٹ اور فریب کو سمجھنے کے بعد اس سے نفرت کرنے لگے گی تو اس عاشق کو دلی و ذہنی آسودگی حاصل ہوگی۔

رائنا نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ابھی نہ پوچھو۔ میرے آدمیوں نے اطلاع دی ہے' مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والے دور ہی دور سے ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔''

''تم مخالفین سے نمٹنا خوب جانتے ہو۔ یہ بتاؤ' ہم پاکستان کب جا رہے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''کل صبح کی فلائیٹ سے ہماری سیٹیں او کے ہو چکی ہیں۔''

وہ خوش ہو کر ایکدم سے لپٹ کر بولی۔ ''اوہ راڈی! آئی لو یو...''

وہ بولا۔ ''کیا کر رہی ہو؟ اسٹیئرنگ بہک جائے گا۔ آرام سے بیٹھو۔''

وہ الگ ہو کر بولی۔ ''سوری۔ تم نے اتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے کہ میں جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکی۔''

''ہم گھر چل کر یہ باتیں کریں گے۔ میں اور خوشخبری سناؤں گا تو تم اور زیادہ اچھلتی رہو گی۔ میں دشمنوں سے غافل ہوتا رہوں گا۔ حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم اپنے بیٹے کی باتیں کریں گے۔''

''وہ بیٹا نہیں' دشمن ہے۔ تم اسے کلیجے سے لگا کر رکھو۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ چپ چاپ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی رہی۔ راڈ مین ایک گھنٹے تک ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر ایک وسیع و عریض بنگلے کے احاطے میں داخل ہوا۔

رائنا نے پوچھا۔ ''کیا آج کل اس نئے بنگلے میں رہتے ہو؟ ویسے بہت خوبصورت

ہے۔ ایک چھوٹا سا محل لگ رہا ہے۔''

وہ کار کو اس چھوٹے سے محل کے بیسمنٹ میں لے آیا۔ اس زیر زمین پارکنگ میں پہنچتے ہی باہر کی دنیا نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ان کا تعاقب کرنے والے بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اس نے کار ایک جگہ روک دی۔ سامنے ہی ایک دوسری کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے شیشے کلرڈ تھے۔ اس کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ جب رائنا راڈ مین کے ساتھ باہر نکلی تو دوسری کار کے اگلے دو دروازے بھی کھل گئے۔ وہاں سے جو ہستیاں باہر نکلیں۔ انہیں دیکھ کر رائنا ایکدم سے چونک گئی۔

اس کے سامنے ایک دوسری رائنا کھڑی ہوئی تھی اور اس دوسری کے ساتھ دوسرا راڈ مین بھی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا یہ ہمارے ہم شکل بنائے گئے ہیں؟''

راڈ مین نے کہا۔ ''ہاں۔ اب یہ دونوں یہاں سے نکل کر بنگلے میں جائیں گے۔ پھر بنگلے سے نکل کر لان میں جا کر بیٹھیں گے' چائے پئیں گے۔ تاکہ ہمارا تعاقب کرنے والے تمام دشمن انہیں دیکھتے رہیں اور یہ سمجھتے رہیں کہ ہم دونوں اس بنگلے میں موجود ہیں۔''

رائنا نے پوچھا۔ ''یعنی ہم اس بنگلے میں نہیں رہیں گے؟ یہاں سے کہیں اور جائیں گے؟''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ''ہاں۔ آؤ اس کار میں بیٹھو۔ ہم ابھی یہاں سے جا رہے ہیں۔''

وہ دونوں اس کلرڈ شیشے والی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ ان کی دونوں ڈمیاں اوپر بنگلے میں چلی گئیں۔ وہاں سے نکل کر لان میں آ گئیں۔ وہاں انہوں نے ملازم کو چائے لانے کا آرڈر دیا۔ پھر خوبصورت باغیچے میں آ کر ایک میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ اس وقت تمام مخالفین انہیں دیکھ رہے تھے۔ ٹیپو اور نامان کے جاں نثار بھی وہاں سے دور اپنی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی رائنا اور راڈ مین کی ڈمی سے دھوکہ کھا رہے تھے۔

ان سب نے تھوڑی دیر بعد ایک کلرڈ شیشے والی کار کو اس بنگلے سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے فون کے ذریعے اپنی اپنی تنظیم کے سربراہوں کو اطلاع دی۔ یہ بتایا کہ ایک کلرڈ شیشے والی کار اس بنگلے سے باہر جا رہی ہے۔ انہیں فوراً حکم دیا گیا کہ اس کار کا تعاقب کرو۔ دیکھو... اس میں کون جا رہا ہے؟ راڈ مین ضرور کوئی چال چل رہا ہوگا۔

انہوں نے کہا۔ ''ہم اس کار کا بھی تعاقب کر رہے ہیں۔ ویسے راڈ مین اپنی وائف رائنا کے ساتھ وہاں باہر لان میں بیٹھا ہوا ہے۔''

راڈ مین نادان نہیں تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس دوسری کار کا بھی تعاقب کیا جائے گا۔ اس وقت وہ رائنا کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اگلی سیٹ پر دو ماتحت بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ڈرائیو کر رہا تھا۔ عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''سر! ہماری گاڑی کا تعاقب کیا جارہا ہے۔''

وہ بولا۔ ''ہاں۔ دشمن نادان نہیں ہیں۔ وہ آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے جو تدبیر بتائی ہے۔ اس پر عمل کرو۔''

رائنا نے کہا۔ ''تم اتنی احتیاطی تدابیر کے ساتھ مجھے لے جا رہے ہو۔ میرا دل کہتا ہے' آج میں اپنے بھائی جان کے پاس پہنچنے والی ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تمہارا دل درست کہہ رہا ہے۔''

وہ خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا تھا' تم یہی کرو گی۔ لیکن ابھی میں کِس نہیں کروں گا۔ مجھے دشمنوں پر نظر رکھنے دو۔ حالات کسی وقت بھی بدل سکتے ہیں۔''

آگے جا کر گاڑی کی رفتار سست ہو گئی۔ وہ ہلکے ہلکے جھٹکے کھانے لگی۔ پھر رک گئی۔ رائنا نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو گیا؟''

راڈ مین نے کہا۔ ''میں نے ابھی کہا تھا کہ حالات کسی وقت بھی بدل سکتے ہیں۔ ویسے آرام سے بیٹھو۔ یہ ہماری پلاننگ کا ایک حصہ ہے۔''

اس کے دونوں ماتحت اگلی سیٹ سے باہر نکل کر بونٹ کھول کر گاڑی کو چیک کرنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک موبائل فون پر کسی کے نمبر پنچ کر کے انتظار کرنے لگا۔ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر کتنے ہی لوگ آجا رہے تھے۔ ان میں دشمن بھی تھے۔ وہ آہستہ آہستہ وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ گاڑی کیوں رک گئی ہے؟

ایسے وقت اس ماتحت نے فون پر کہا۔ ''ہاں۔ میں آرنلڈ بول رہا ہوں۔ ہم تنظیم کے ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ گاڑی اچانک ہی خراب ہو گئی ہے۔ تم فوراً دوسری کار لے آؤ اور اس گاڑی کو مرمت کے لئے گیرج میں پہنچا دو۔''

پندرہ منٹ کے اندر ہی دوسری گاڑی آگئی۔ اس کے ڈرائیور نے باہر آ کر ان دونوں ماتحتوں کو سلام کیا۔ اس نے ڈرائیور کو اس کلرڈ شیشے والی گاڑی کی چابی دی۔ پھر وہ دونوں اس دوسری گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔ اسے ڈرائیو کر کے وہاں سے جانے لگے۔

ان کے جاتے ہی ایک اور گاڑی آگئی۔ اس ڈرائیور کا اور اس دوسری آنے والی کار کا تعلق میسونی تنظیم سے تھا۔ یہ سب کچھ راڈ مین کی پلاننگ سے ہو رہا تھا۔

وہ دوسری گاڑی کلرڈ شیشے والی کار کو کھینچتی ہوئی ایک موٹر گیرج میں لے گئی۔ تعاقب کرنے والے مایوس ہو گئے تھے۔ فون کے ذریعے اپنے اپنے سربراہوں سے کہہ رہے تھے کہ رائنا اور راڈ مین اسی بنگلے کے لان میں ہیں۔ ہم نے خواہ مخواہ یہاں وقت ضائع کیا ہے۔

وہ کار ایک موٹر گیرج میں پہنچ گئی تھی۔ وہاں ان کے لئے دوسری کار تیار تھی۔ وہ دوسری کلرڈ شیشے والی کار میں بیٹھ کر وہاں سے نکلے تو آگے پیچھے' دائیں بائیں کوئی بھی ان کے تعاقب میں نہیں تھا۔ راڈ مین نے بڑی کامیابی سے ان سب کو ڈاج دیا تھا۔

رائنا نے قریب ہو کر اس سے لگ کر کہا۔ ''آئی لو یو... تم بہت ہی ذہین اور تیز طرار ہو۔ تم نے دشمنوں کو بڑے مزے سے الو بنایا ہے۔''

''میں بہت محتاط رہ کر تمہیں سلمان کے پاس لے جا رہا ہوں۔ اب تم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لو۔''

اس نے پوچھا۔ ''وہ کیوں.....؟''

''تمہیں ان راستوں کو علم نہیں ہونا چاہئے' جہاں سے گزر کر اپنے بھائی تک پہنچو گی۔''

''مجھے راستوں کا علم کیوں نہیں ہونا چاہئے؟''

''سمجھا کرو رائنا! اگر کبھی تم فریب کھا کر دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی تو وہ تم سے جبراً سلمان تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر لیں گے۔ اپنے بھائی کی سلامتی اور بہتری کے لئے آنکھوں پر پٹی باندھ لو۔''

رائنا نے قائل ہو کر اپنا اسکارف کھولا۔ راڈ مین نے اچھی طرح سے اسے اس کی آنکھوں پر باندھ دیا۔ عارضی طور پر اسے اندھا بنا دیا۔ اب وہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ اسے کن راستوں سے گزار کر کہاں لے جایا جا رہا ہے؟

☆☆☆

مجھے جس وسیع و عریض کمرے میں رکھا گیا تھا' وہ یقیناً کسی عمارت کے یا کسی مکان کے تہہ خانے میں ہو گا۔ وہاں گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ ائرکنڈیشنڈ تھا اور دن رات روشن رہتا تھا۔

میں بدستور بستر پر پڑا ہوا تھا۔ ایسے وقت محالا خوب بن سنور کر میرے سامنے آئی۔ اس نے کچھ فاصلے پر رہ کر خود کو ایک زاویے سے دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیسی لگ رہی ہوں؟''

پھر اس نے لچکتے ہوئے بل کھاتے ہوئے خود کو دوسرے زاویے سے پیش کیا۔ پھر پوچھا۔ ''اب کیسی لگ رہی ہوں؟ مجھے دیکھو! یاد کرو' جب بھی تمہارے پاس تنہائی میں آتی تھی تو تم مجھے الٹ پلٹ کر رکھ دیتے تھے۔ میرے بدن کے ہر زاویے کو کھنگال دیتے تھے۔ تمہیں گزری ہوئی جوانی اور گزری ہوئی یادوں کا واسطہ ہے' کچھ تو یاد کرو۔''

اس کا انداز خوب تھا۔ ادائیں ایسی تھیں کہ اس کے ساتھ گزارے ہوئے دن یاد آرہے تھے۔ مگر وہ بہت ہی غلط موقع پر ایسی باتیں یاد دلا رہی تھی۔ ابھی میں یہ سمجھنے کے قابل نہیں تھا کہ جوانی کی طرف واپس جا رہا ہوں یا نہیں؟ میں اس قدر بیمار اور کمزور تھا کہ ایسی جذباتی حرکتیں میرے اندر تحریک پیدا نہیں کرسکتی تھیں۔

جیکوب دروازہ کھول کر کمرے میں آیا۔ محالا نے کہا۔ ''واپس جاؤ۔ یہاں ابھی تمہارا کوئی کام نہیں ہے۔ ضرورت ہوگی تو بلالوں گی۔''

وہ فوراً ہی واپس چلا گیا۔ دروازہ پھر سے بند ہوگیا۔ اس نے قریب آکر میرے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں لے کر کہا۔ ''تم کہا کرتے تھے' میری ہتھیلیاں بہت گرم ہیں۔ تمہارے بدن پر بھٹکنے آتی ہیں تو گرما دیتی ہیں۔''

وہ میرے چہرے کو' گردن کو اور پھر بدن کے مختلف حصوں کو اپنی ہتھیلیوں سے سہلانے لگی۔ ایک ایک کر کے میرا لباس ہٹانے لگی۔ ایسے وقت کہہ رہی تھی۔ ''ڈاکٹر ڈیوڈ بوڑھا ہے۔ اپنی جوانی کو بھول گیا ہے یا پھر اس کی جوانی میں ایسے دھماکے نہیں ہوئے ہوں گے۔ جیسے میں کرتی ہوں۔''

اس نے میرے بدن کے ایک حصے پر اپنا چہرہ رکھ کر رخسار سے سہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس بوڑھے ڈاکٹر نے تمہیں بجلی کے جھٹکے پہنچائے' بڑی غلطی کی۔ میرے جھٹکے کھانے کے بعد تڑپنے اور مچلنے لگو گے۔ بولنے اور بپھرنے لگو گے تو ڈاکٹر اپنا طریقہ علاج بدل دے گا۔''

عورت کبھی یہ تسلیم نہیں کرتی کہ جوانی کی شام ہوچکی ہے۔ وہ ڈھل چکی ہے۔ اب وہ گیلی لکڑی کی طرح جلتے جلتے بجھ جاتی ہے' ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔ اس کے پورے وجود میں تو کیا ہتھیلیوں میں بھی پہلے جیسی حرارت نہیں رہتی۔

وہ ذرا مایوس ہونے لگی۔ پھر بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ پہلے جیسی کشش اور حرارت

نہیں رہی ہے۔ اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔ اپنا لباس اتارنے لگی۔ کہنے لگی۔ ''میں قسم کھا کر کہتی ہوں' تمہارے سوا کسی نے مجھے تنہائی میں اس طرح نہیں دیکھا ہے۔ جب میں بیس برس کی تھی' تب پہلی بار تمہاری آغوش میں آئی تھی۔ پھر ہم بچھڑ گئے تھے۔ آج ہمارا بیٹا جیکوب بائیس برس کا ہوچکا ہے۔ یعنی میں بائیس برس کے بعد پھر تمہاری تنہائی میں آئی ہوں۔''

میں چپ چاپ بستر پر پڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ بیشک وہ اجلی اور صحت مند تھی۔ مگر پوری طرح اپنی عمر کا حساب نہیں کر رہی تھی۔ وہ بیالیس برس کی ہوچکی تھی۔ زندگی کے نشیب و فراز نے' بدلتے ہوئے سنگین حالات نے اور موسم کی گرمیوں اور سردیوں نے اس پر چھاپے مارے تھے۔

اگرچہ وہ بالکل بوڑھی نہیں ہوئی تھی۔ اسے کھنڈر نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مگر جوانی کی کشش نہیں رہی تھی۔ اگرچہ صحت مند بھری بھری تھی۔ مگر رس بھری نہیں تھی۔

عورت کو حسین نہ کہو یا اسے قابل قبول نہ سمجھو تو وہ اپنی توہین محسوس کرتی ہے۔ وہ شباب کے اور شیطانیت کے تمام ہتھکنڈے استعمال کرنے کے بعد جھنجھلا گئی۔ مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ ''سلمان! تم میری انسلٹ کر رہے ہو۔ کیا یہ سمجھا رہے ہو کہ اب مجھ میں کوئی کشش نہیں رہی ہے؟''

اس نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''تم زندہ ہو۔ سانس لے رہے ہو۔ میں نہیں مانتی کہ احساسات اور جذبات سے بالکل ہی محروم ہوگئے ہو۔ کیا ان ہاتھوں میں اتنی بھی سکت نہیں ہے کہ مجھے چھو سکو؟''

اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ہاتھ ایک بے جان سوکھے پتے کی طرح بستر پر آگرا۔ اس نے اچانک ہی سنجیدگی سے سوچتے ہوئے میرے بے جان سے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر قریب آکر میرے پاس بیٹھ کر بولی۔ ''سوری... میں جذبات میں اندھی ہوگئی تھی۔ یہ چاہتی تھی کہ برسوں بعد مجھے پھر اپنی آغوش میں لے کر میرے حسن و شباب کی تعریفیں کرو۔''

وہ پھر سرد آہ بھر کر بولی۔ ''آج تمہاری آغوش میں خود کو دیکھنا اور پہلے کی طرح خود پر ناز کرنا چاہتی تھی۔ واقعی تم پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا ہے۔ تمہیں توڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ تم سننے سمجھنے اور بولنے کے قابل نہیں رہے ہو۔''

وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''اوہ.... یہ لوگ کیسے کیسے مظالم ڈھا رہے ہیں؟ میں نے بہت پہلے ہی کہا تھا' میسونی تنظیم میں آجاؤ۔ دنیا کے سارے یہودی تمہیں سر پر بٹھائیں گے۔ مگر تم بہت ضدی ہو۔ اپنی طرح میرے بیٹے جیکوب کو بھی مسلمان بنا

کر رکھنا چاہتے تھے۔ میں تمہیں دوست بنانا چاہتی تھی۔ تم یہودیوں کو دشمن بناتے رہے۔ اب تمہیں کیا مل رہا ہے؟ کچھ بھی نہیں....تم اپنا بدترین انجام دیکھ رہے ہو۔"

اس کا دعویٰ تھا کہ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ جس طرح میرے بیٹے کو اس کی بہتری کے لئے میسونی تنظیم میں لے گئی ہے۔ اسی طرح مجھے بھی وہاں پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ سب اپنے دل اور اپنی محبت سے مجبور ہو کر کر رہی ہے۔ جبکہ میں اس کی محبت کے پیچھے چھپی ہوئی خود غرضی کو روزِ اول سے سمجھتا آ رہا تھا۔

مجھے دل و جان سے چاہنے والی نے میرے بیٹے کو بچپن ہی سے جدا کر دیا تھا۔ اس بیٹے کو اتنے طویل عرصے میں یقیناً اپنے مذہب اور اپنے مزاج کے مطابق ڈھال چکی ہو گی۔ اب سے دس برس پہلے میں نے ویڈیو فلم کے ذریعے اسے دیکھا تھا۔ اس کی باتیں سنی تھیں۔ اس وقت وہ میرا حمایتی تھا۔ میرے دین اور میرے مزاج کے مطابق بول رہا تھا۔

دس برسوں کے بعد بھی وہ ایسا ہی ہو گا یا اس کا برین واش کر دیا گیا ہو گا۔ پتہ نہیں وہ اپنی ماں کے ساتھ میرا علاج کرنے' میری تیمارداری کرنے کے لئے یہاں کیوں نہیں آیا تھا؟ اس کی ڈمی کیوں بھیجی گئی تھی؟ کیسی چال چلی جا رہی تھی؟ یہ باتیں ابھی میں سمجھ نہیں سکتا تھا۔

محالا کے فون پر کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے اسکرین پر راڈ مین کے نمبر پڑھے۔ وہ ایک بٹن دبا کر فون کو کان سے لگاتے ہوئے مجھ سے ذرا دور چلی گئی۔ پھر بولی۔ "یس سر....!"

راڈ مین نے پوچھا۔ "وہ کس حال میں ہے؟"

"اسی پرانی چال میں ہے۔ ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے۔ نہ سنتا ہے' نہ بولتا ہے' نہ کچھ محسوس کرتا ہے۔"

"اس سلسلے میں تمہاری میڈیکل رپورٹ کیا ہے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے کئی طرح سے سیکسی حربے آزمائے تھے۔ اس کے جذبات کو طرح طرح سے بھڑکانے کی کوششیں کی تھیں۔ میرا دعویٰ ہے' میں آگ ہوں' جب بھڑکتی ہوں تو جلا کر رکھ دیتی ہوں۔ مگر اس پر آنچ تک نہیں آئی۔ وہ ٹھنڈا پڑا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' وہ ڈھونگ نہیں کر رہا ہے۔ واقعی گونگا بہرہ ہو گیا ہے اور اس کی یادداشت گم ہو گئی ہے۔"

"جی ہاں۔ میری میڈیکل رپورٹ یہی ہو گی۔"

راڈ مین اس وقت اسی کلرڈ شیشے والی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے رائنا کی

طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں پر اسکارف بندھا ہوا تھا۔

اس نے فون پر محالا سے کہا۔ "ہم آخری کوشش کریں گے۔ میں ابھی اپنی وائف رائنا کے ساتھ آ رہا ہوں۔ سلمان کے سامنے یہ نہ کہو کہ اس کی بہن آ رہی ہے۔ ہم دیکھنا چاہیں گے کہ وہ اپنی بہن کو اتنے قریب دیکھ کر کس طرح ری ایکٹ کرے گا؟ اس کی طرف سے کچھ ردِعمل ہونا چاہئے۔"

پھر اس نے رائنا کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "بہن اور بھائی میں بے مثال اور بے لوث محبت ہے۔ مجھے یقین ہے' میری رائنا ایک بہن کی حیثیت سے اپنے بھائی کے جذبات کو بیدار کرے گی۔ اپنے لئے پیار کی تحریک پیدا کرے گی اور وہ تھوڑا بہت ردِعمل ضرور ظاہر کرے گا۔ ابھی سلمان کے سامنے اس کا ذکر نہ کرو۔ یہ بہن اچانک ہی اپنے بھائی کے سامنے آئے گی۔"

رائنا نے کہا۔ "میں دس برسوں کے بعد بھائی جان سے ملنے والی ہوں۔ میرے اندر عجیب سی بے چینی ہے۔ جی چاہتا ہے' اُڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔ اگر وہ مجھے اپنے قریب دیکھ کر نہیں پہچانیں گے' تب بھی کوئی بات نہیں۔ ہم تو انہیں پاکستان لے جا رہے ہیں۔ وہ روحانی علاج سے ضرور صحت یاب ہوں گے اور ان کی یادداشت بھی واپس آ جائے گی۔"

وہ آنکھوں پر اسکارف باندھے عارضی طور پر اندھی بن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اب تک یہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ راڈ مین جب سے اس کی زندگی میں آیا ہے' تب سے اسے اندھی بنا رہا ہے اور اندھی محبت میں مبتلا کرتا آ رہا ہے۔

☆☆☆

پتہ نہیں میں کس خفیہ اڈے میں' کس خفیہ تہہ خانے میں بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا؟ کتنے ہی دشمن اس خفیہ اڈے تک پہنچ کر مجھے وہاں سے نکال کر لے جانا چاہتے تھے۔ ٹیپو اپنے جاں نثاروں کے ساتھ استنبول پہنچا ہوا تھا۔ دوستوں اور دشمنوں کو یقین تھا کہ وہ راڈ مین کا تعاقب کرتے ہوئے مجھ تک پہنچ جائیں گے۔ مگر سب ہی دھوکہ کھا چکے تھے۔

دوسری طرف نینی میری انگوٹھی اور عصا مجھ تک پہنچانے کے لئے بڑی دشواریوں سے گزر رہی تھی۔ رافیل شمری نے اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر زخمی ہو کر ہوسپٹل پہنچ گیا تھا۔ نینی اس کے ساتھ استنبول آ گئی تھی۔ اسے کسی حد تک میرے قریب پہنچنا نصیب ہوا تھا۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ....

قسمت کی خوبی دیکھئے' ٹوٹی کہاں کمند....
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا....

وہ قریب آتے آتے دور ہوگئی تھی۔اسے کسی جگہ قید کردیا گیا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ جب تک رافیل کا آپریشن نہیں ہوگا۔اس کے بازو سے سوئی نہیں نکلے گی' اس وقت تک اسے حبس بے جا میں رکھا جائے گا۔

اور واقعی اسے ایسی چار دیواری میں رکھا گیا تھا' جہاں سے باہر کی تازہ ہوا نہیں آتی تھی۔وہاں صرف ایک دروازہ تھا اور اوپر چھت کے قریب ایک چھوٹا سا روشندان تھا۔یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ ہوا کب اندر آتی ہے' کب باہر جاتی ہے اور وہ ایسی جگہ کس طرح سانسیں لے رہی ہے؟ وہ گھٹن کے باعث بری طرح گھبرا گئی تھی۔جب اسے لا کر بند کیا گیا تو تھوڑی دیر بعد ہی وہ پریشان ہوکر دروازہ پیٹنے لگی۔آوازیں دینے لگی۔جواباً نہ کوئی قریب آرہا تھا نہ دور سے بول رہا تھا۔

اسے قید کرنے والے وہاں سے جا چکے تھے۔پتہ نہیں' کس ویرانے میں لاکر ڈالا گیا تھا؟ کوئی اس کی فریاد سننے والا بھی نہیں تھا۔تقریباً دو گھنٹے بعد گہری تاریکی چھٹنے لگی۔روشندان سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آنے لگی۔گھٹن کا احساس کچھ کم ہوا تو اندازہ ہوا' صبح ہو چکی ہے۔

رافیل کی دشمنی سمجھ میں آرہی تھی۔وہ انگوٹھی اور عصا حاصل کرنے کے لئے اسے مار ڈالنا چاہتا تھا۔فی الحال ایسا کرنے میں ناکام رہا تھا۔اسی لئے اسے قیدی بنا کر رکھا تھا۔آئندہ کسی بھی طرح مجبور کر کے وہ کرامات دکھانے والی دونوں چیزیں حاصل کرنا چاہتا تھا اور جب تک کامیاب نہ ہوتا' تب تک اسی طرح اسے حبس بے جا میں رکھتا۔شائد اسے بھوکی پیاسی رکھ کر مجبور کرنا چاہتا تھا۔

صبح سے دوپہر ہوگئی۔کوئی اس کی خبر لینے نہیں آیا۔وہ پچھلی رات سے بھوکی تھی۔پیاس کی شدت سے حلق خشک ہورہا تھا۔وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔امید کررہی تھی کہ کسی وقت بھی کوئی چھٹکارا ہوگا۔وہ ظلم کرنے والا پھر کسی وجہ سے مجبور ہوکر اس سے دوستی کرنے آئے گا۔

سونے کی چین سے لگی ہوئی انگوٹھی اس کے دل کے پاس دھڑک رہی تھی اور لاٹھی سینے سے لگی ہوئی تھی۔وہ دونوں ہی بے جان تھیں۔کوئی کرامت' کوئی جادو یا کوئی غیر معمولی کمال نہیں دکھا رہی تھیں۔

ہم جیسے جاندار ہوں یا انگوٹھی اور عصا جیسی بے جان چیزیں ہوں۔ہم میں سے کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ کوئی کمال دکھا سکیں۔انہونی کو ہونی اور ہونی کو انہونی بنا سکیں۔جب

کا جب تقدیر کو منظور ہوتا ہے' تب ہی ایسا ہوتا ہے۔

رات ہوگئی۔وہ بھوک پیاس سے نڈھال ہورہی تھی۔تب ہی وہ دروازہ کھلا۔دو گن مین ٹارچ روشن کرتے ہوئے اندر آئے۔ایک نے اسے گن پوائنٹ پر رکھا۔دوسرے نے ایک کین اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"تم بھوکی پیاسی ہو۔یہ پھلوں کا جوس ہے۔اسے پیئو اور ہمارے ساتھ چلو۔باس نے تمہیں بلایا ہے۔"

نینی نے اس کین کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔پھر کہا۔"کیا مجھے زہر پلا کر مارنے آئے ہو؟ میں مر جاؤں گی تو میری انگوٹھی اور لاٹھی باس کے پاس لے جاؤ گے؟"

گن مین نے کہا۔"تمہیں زہر پلانے میں کچھ وقت لگے گا۔ہم پلک جھپکتے ہی گولی مار کر باس کی مطلوبہ چیزیں یہاں سے لے جا سکتے ہیں۔"

دوسرے گن مین نے کہا۔"لیکن باس نے حکم دیا ہے' تمہارے مزاج اور مرضی کے خلاف کچھ نہ کریں۔ہم تمہیں کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔باس کے پاس زندہ سلامت لے جائیں گے۔"

وہ اس چار دیواری سے رہائی چاہتی تھی۔ان کے ساتھ باہر آگئی۔باہر ایک بڑی سے وین کھڑی ہوئی تھی۔وہ اس میں آکر بیٹھ گئی۔

گاڑی اسٹارٹ ہوکر ایک سمت جانے لگی۔وہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہورہی تھی۔بار بار کین کو دیکھ رہی تھی۔پھر اسے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔انگوٹھی اور عصا سے لگاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔"ہے بھگوان! تُو میری نیت جانتا ہے۔میں غازی جی کی امانتیں ان کے پاس پہنچانا چاہتی ہوں۔جب تک نہ پہنچاؤں' مجھے سلامتی دے۔مجھے میرا فرض پورا کرنے دے۔"

یہ کہہ کر وہ کین کا ڈھکن کھول کر جوس پینے لگی۔وہ بہت ہی عمدہ اور لذیذ تھا۔زہریلا نہیں تھا۔اسے غٹاغٹ پیتی چلی گئی۔

رافیل شمری ہوسپٹل سے گھر آگیا تھا۔بازو کے گوشت میں دھنسی ہوئی سوئی نکال دی گئی تھی۔زخم گہرا نہیں تھا۔ڈاکٹر نے کہا تھا۔"دوائیں کھاتے رہیں۔زخم دو چار روز میں بھر جائے گا۔آپ شام کو گھر جا سکیں گے۔"

وہ آپریشن کے بعد دواؤں کے اثر سے سو گیا تھا۔دوپہر کو آنکھ کھلی تو بہت آرام محسوس کررہا تھا۔اس نے اپنے ماتحت عہدیداروں سے پوچھا۔"نینی کہاں ہے؟"

ایک نے کہا۔ ''اسے ایک ویرانے میں لاک کر دیا گیا ہے۔ آپ ہوائی جہاز میں بیہوش ہو گئے تھے۔ پھر ہم نے اس سے انگوٹھی اور لاٹھی چھیننے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ لاٹھی مجھے ایسی جگہ لگی تھی کہ جان ہی نکل گئی تھی۔ میں تو اس عورت کے قریب جانے سے ڈرنے لگا ہوں۔''

رافیل نے کہا۔ ''اس کے قریب نہ جاؤ۔ اسے دور ہی دور سے مجبور کرتے رہو۔ کھانے کے لئے ایک دانہ اور پینے کے لئے ایک قطرہ پانی بھی نہ دو۔ وہ بھوکی پیاسی مرنا نہیں چاہے گی۔ مجبور ہو کر ان چیزوں کو ہمارے حوالے کر دے گی۔''

وہ شام تک بڑے آرام سے تھا۔ اسے دوائیں دی جا رہی تھیں۔ انجکشن لگائے جا رہے تھے۔ امید تھی کہ جلد ہی اس ہاتھ سے کام کرنے لگے گا۔

جب اس نے دور ہی دور سے ننی پر ظلم کرنے کا حکم دیا تو اچانک ہی زخم سے ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ ہوسپٹل سے گھر آ گیا تھا۔ پریشان ہو کر ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ اپنی تکلیف بتائی ڈاکٹر کیا کر سکتا تھا....؟ زیادہ سے زیادہ دوا دے سکتا تھا۔ تکلیف دور کرنے کے لئے اس کے پاس نیک نیتی کا مرہم نہیں تھا۔

دن گزر گیا۔ رات آ گئی۔ مگر تکلیف دور نہیں ہوئی۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے ماتحتوں سے کہا۔ ''جاؤ۔ اس عورت کو کچھ کھانے پینے کے لئے دو اور یہاں لے آؤ۔''

اس کے ماتحت حکم کی تعمیل کے لئے گئے تھے۔ اسے آرام نہیں آ رہا تھا۔ رہ رہ کر زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور اس جگہ ایسی جلن ہو رہی تھی' جیسے چنگاریاں جل رہی ہوں' کبھی بجھ رہی ہوں۔ پھر اچانک ہی آرام آنے لگا۔ اس نے فون کے ذریعے اپنے ایک ماتحت سے پوچھا۔ ''کیا اسے کچھ کھانے کے لئے دیا گیا ہے؟''

اس ماتحت نے سر گھما کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ننی کو دیکھا۔ وہ جوس پی رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''جی ہاں۔ پچھلی رات سے بھوکی پیاسی تھی۔ ہم نے فی الحال توانائی پہنچانے کے لئے جوس دیا ہے۔ وہ ابھی پی رہی ہے۔''

رافیل نے فون بند کرتے ہوئے حیرانی سے اپنے زخمی بازو کو دیکھا' وہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ بازو زخمی نہ ہو۔ نہ جلن ہو رہی تھی' نہ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے سر تھام کر سوچا۔ ''ننی ناقابل تسخیر ہے۔ میں زور زبردستی سے وہ کرامات دکھانے والی چیزیں حاصل نہیں کر سکوں گا۔''

وہ سوچنے لگا کہ اب دوستی' پیار اور محبت کے حربے استعمال کرے گا۔ دور ہی دور رہ کر

اسے اپنی طرف مائل کرے گا۔ اس کا دل جیتے گا۔ یوں جبر سے نہیں' صبر سے اپنا کام نکالے گا۔

ننی کو اس کی رہائش گاہ میں لایا گیا۔ رافیل شمری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے' جب تک ہوسپٹل میں رہا۔ تم سے غافل رہا۔ میرے آدمیوں نے تمہیں کہیں حبس بے جا میں رکھا تھا۔ اب ایسی غلطی کوئی نہیں کرے گا۔''

اس نے کہا۔ ''تمہارے آدمیوں نے وہ عداوتیں دیکھی ہیں' جو تم مجھ سے کرتے آ رہے ہو۔ اس لئے وہ بھی یہی کر رہے ہیں۔''

''درست کہتی ہو۔ اب میں دوست بن کر رہوں گا۔ تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا تو میرے ماتحت' میرے سیکورٹی گارڈز اور تمام ملازمین بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ میں عزت کروں گا تو وہ بھی تمہاری عزت کریں گے۔''

وہ باتیں کرتے ہوئے ڈائننگ روم میں آ گئے۔ وہاں ننی کے لئے کھانا لگایا جا رہا تھا۔ رافیل نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے' تمہیں بھوکا رکھا گیا' اب اسے اپنا ہی گھر سمجھو' جو چاہو کھاتی پیتی' پہنتی اوڑھتی رہو۔ میرے ملازم تمہارے تمام احکامات کی تعمیل کرتے رہیں گے۔ کوئی تمہارے سامنے سر اٹھا کر بولنے کی جرات نہیں کرے گا۔''

وہ بھوکی تھی۔ فوراً ہی کھانے پر ٹوٹ پڑی۔ ایک لقمہ چباتے ہوئے بولی۔ ''میں اس گھر کی مالکہ بننے اور تمہارے آدمیوں پر حکم چلانے نہیں آئی ہوں۔ تم نے غازی جی کے پاس پہنچانے کا جو وعدہ کیا تھا' وہ پورا کرو۔''

''ضرور پورا کروں گا۔ میں خود غازی سے ملنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ذریعے اس سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔''

''ہاں۔ کہہ چکے ہو۔ تم بھی ضرورت مند ہو۔ میری طرح غازی جی سے ملنا چاہتے ہو۔ ان سے دوستی کرنا اور ان کا اعتماد حاصل کرنا چاہتے ہو۔''

اس نے ایک گھونٹ پانی پی کر کہا۔ ''تم نے کہا تھا' ہم استنبول پہنچیں گے تو غازی جی کے پاس پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی؟''

''ہاں۔ مگر یہ دیکھ رہی ہو کہ میں زخمی ہو گیا ہوں۔ خود اسے تلاش نہیں کر سکتا۔ میرے آدمی اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔''

پھر اس نے ایک لقمہ چبانے کے بعد کہا۔ ''میں تمہاری پرسنل لائف کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"کیا تم سلمان سعدی یعنی عمیر بن غازی سے محبت کرتی ہو؟ کیا آئندہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو؟"

وہ کھاتے کھاتے رک گئی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "پتہ نہیں میرے نصیب میں کیا ہے؟ جب وہ پہلی بار ہمارے گھر آئے تو باپو نے چاہا تھا' میری شادی ان سے ہو جائے۔ میں بھی یہی چاہتی تھی۔ مگر ان سے ملنے والی مسرتیں میرے نصیب میں نہیں تھیں۔ میری زندگی میں کتنے ہی عاشق آئے اور گئے۔ دو بار میری شادی ہوئی۔ دو بار بیوہ ہوئی۔ پتہ نہیں' میرے مقدر میں کیا ہے؟ سہاگن بن کر زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ مگر رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔"

رافیل نے کہا۔ "میں پیشگوئی کرتا ہوں۔ یہ لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ غازی تم سے شادی نہیں کرے گا۔ کسی وجہ سے کرے گا تو تمہارے ساتھ رہ نہیں پائے گا۔ اس کے بیشار دشمن ہیں۔ وہ کبھی سکون سے ایک جگہ رہ نہیں پاتا۔ بھاگتا پھرتا ہے اور مخالفین کو اپنے پیچھے دوڑاتا رہتا ہے۔ تم اس کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکو گی۔"

"میں غازی جی کو دل و جان سے چاہتی ہوں۔ چاہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی دھرم پتنی بن جاؤں۔ اگر وہ مجھ سے شادی کرنا چاہیں گے تو کبھی انکار نہیں کروں گی۔ ان کے قدموں میں رہنا چاہوں گی۔ اگر انہوں نے قبول نہ کیا تو کوئی بات نہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری ایک اچھی پرسکون ازدواجی زندگی ہو۔"

رافیل نے کہا۔ "میں ایسی پرسکون اور من چاہی زندگی تمہیں دے سکتا ہوں۔ تم مجھے دیکھتی آرہی ہو۔ میں ایک صحت مند خوبرو مرد ہوں۔ میرے پاس آنے جانے والی دولت کا کوئی حساب نہیں ہے۔ تمام عمر تمہیں خوش رکھوں گا۔"

نینی نے لقمہ چباتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بے شک تم ایسے ہو کہ کوئی بھی تم سے شادی کرنے کے لئے راضی ہو جائے گی۔ مگر میں سوری کہوں گی۔"

"انکار نہ کرو۔ دل نہ توڑو۔ آخر مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟"

"میں نے کہا ناں تم بہت اچھے ہو۔ کوئی بھی تم سے شادی کے لئے راضی ہو جائے گی۔ مگر میں نہیں کروں گی۔ میرے باپو ستاروں کا علم جانتے تھے۔ بڑے مہا گیانی تھے۔ انہوں نے کہا تھا' مجھے اپنے ہندو دھرم میں ہی کسی سے شادی کرنی چاہئے۔ مسلمان' یہودی' عیسائی یا کسی

اور مذہب کے جیون ساتھی کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہوگا۔"

"تو پھر غازی تو مسلمان ہے۔ اس کے ساتھ بھی تمہارا گزارا نہیں ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ جانتی ہوں پھر بھی ان کی آرزو کر رہی ہوں۔ یہ دیکھ چکی ہوں کہ اپنے دھرم میں دو بار شادی کرنے کے بعد نا کام ہو چکی ہوں۔ پتہ نہیں' میرے نصیب میں کیا لکھا ہے؟"

"تمہارے نصیب میں مجھے لکھا گیا ہے۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ مجھ سے محبت کرو۔ میں تمہیں اتنی دولت' اتنی خوشیاں دوں گا کہ تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی۔ ساری عمر میرے ہی گن گاتی رہو گی۔"

"میں ابھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ میں سب سے پہلے انگوٹھی اور لاٹھی کو غازی جی تک پہنچانا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد اچھے برے حالات سے تو گزرنا ہی ہے۔"

اس رات رافیل نے اس سے گفتگو کر کے یہ اندازہ لگایا کہ اسے رفتہ رفتہ اپنی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے دن راڈ مین کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ استنبول آیا تھا۔ پھر لندن چلا گیا ہے۔ میرے متعلق یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ سی آئی اے والوں نے مجھے بحری جہاز سے نکالنے کے بعد کہاں پہنچایا ہے؟

پھر تیسرے دن یہ خبر پھیل گئی کہ میں مارا گیا ہوں۔ کسی کو یقین نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن یہ کہانی پورے یقین کے ساتھ سنائی جا رہی تھی کہ کسی خفیہ اڈے میں میرا علاج کرایا جا رہا تھا۔ وہاں ڈاکٹر ڈیوڈ نے میری موت کی تصدیق کر دی تھی اور میری لاش کو سی آئی اے کے ایک سراغ رساں پولیس افسر کے حوالے کر دیا تھا۔

وہ میری میت لے کر سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں مخالفین رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔ انہوں نے میری میت لے جانے والی گاڑی پر فائرنگ کی۔ دھماکے کئے' جس کے نتیجے میں اس گاڑی کے پرخچے اڑ گئے۔ یوں میری لاش کی بوٹی بوٹی ہو گئی۔

نینی نے یہ خبر سنی تو چند لمحوں کے لئے اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ رافیل مختلف تنظیموں کے سربراہوں سے فون کے ذریعے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ مقامی ریڈیو اور ٹی وی چینلو کے ذریعے میری موت کی یہی کہانی سنائی جا رہی تھی۔ اسے یقین کرنا پڑا کہ میں مر چکا ہوں۔ وہ ایکدم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مختلف تنظیموں کے سربراہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے تھے۔ میرے متعلق گرما

گرم بحث ہونے لگی۔ کوئی یقین نہیں کر رہا تھا۔ سب یہی کہہ رہے تھے کہ سلمان سعدی زندہ ہے۔

ایک تنظیم کے سربراہ نے کہا۔ ''ہمیں ریڈ مرکری کے حصول سے باز رکھنے کے لئے تھری ایس کی موت کا ڈرامہ پلے کیا گیا ہے۔''

رافیل نے کہا۔ ''یہ سی آئی اے والے بہت ہی مکار ہیں۔ تھری ایس کو بڑی مکاری سے واشنگٹن لے جائیں گے۔ اس کے بعد ہمیں پتہ نہیں چلے گا کہ اصل کہانی کیا تھی؟ تھری ایس سے ریڈ مرکری کا راز اگلوانے کے بعد اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ سی آئی اے والے کیسی شاطرانہ چالیں چلتے رہے ہیں؟''

دوسری طرف سی آئی اے والے جھنجلائے ہوئے تھے۔ انہیں یقین کی حد تک یہ شبہ تھا کہ میسونی تنظیم کے سربراہ راڈ مین نے زبردست چال چلی ہے اور مجھے ان کے خفیہ اڈے سے نکال کر کہیں لے گیا ہے۔

انہوں نے مختلف تنظیموں کے سربراہوں سے فون کے ذریعے کہا۔ ''تھری ایس مرا نہیں ہے' زندہ ہے۔ تم سب کو ریڈ مرکری کے حصول سے باز رکھنے کے لئے یہ جھوٹی خبر پھیلائی گئی ہے۔ میسونی تنظیم کے سربراہ راڈ مین اور ڈاکٹر ڈیوڈ پر کڑی نظر رکھی جائے گی تو جلد ہی یہ انکشاف ہوگا کہ سلمان سعدی زندہ ہے۔ اسے بڑی رازداری سے کہیں چھپا کر رکھا گیا ہے اور اس کا علاج کرایا جا رہا ہے۔''

بڑے ممالک اور خفیہ تنظیموں کے وہ سربراہ جو ریڈ مرکری کے طلبگار تھے' ان کے جاسوس بڑی رازداری سے راڈ مین کے پیچھے پڑ گئے۔

رافیل نے نینی کو یہ نہیں بتایا کہ میں زندہ ہوں۔ اس نے کہا۔ ''اب تمہارا غازی اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ اس کی جو امانتیں تمہارے پاس ہیں۔ اب ان پر صرف تمہارا حق ہے۔ کوئی ان کا دعویدار نہیں ہے۔''

لاٹھی اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور انگوٹھی اس کے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''پتہ نہیں کیوں' مجھے اپنے محسن کی موت کا یقین نہیں ہو رہا ہے؟''

''تمہیں یقین کرنا چاہیے اور اپنی آئندہ زندگی کے متعلق سوچنا چاہیے۔ اتنی بڑی دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے۔ باپ مر چکا ہے۔ دوبار بیوہ ہو چکی ہو۔ آخری سہارا غازی کا تھا' اب وہ بھی نہیں رہا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ ہم قابل اعتماد لائف پارٹنر بن کر رہیں گے۔ اس لاٹھی اور انگوٹھی سے بہت سے فائدے اٹھائیں گے۔''

وہ بولی۔ ''یہ ایک مسلمان کی امانتیں ہیں۔ غازی جی نے یہ انگوٹھی اور لاٹھی مجھے اجمیر نگری میں دی تھی۔ میں انہیں وہاں واپس لے جاؤں گی اور خواجہ بابا کے مزار کے پاس رکھ دوں گی۔ اس کے بعد ان امانتوں کے ساتھ وہی ہوگا' جو بھگوان کو منظور ہوگا۔''

''تم بہت دھرم والی ہو۔ اس بات کو سمجھو' بھگوان کو یہی منظور ہے کہ غازی اس دنیا سے اٹھ جائے اور اس کی دونوں چیزیں جو تمہارے پاس ہیں' وہ تمہارے پاس ہی رہا کریں۔''

''میں یہاں سے ہندوستان جانے تک انہیں آزماتی رہوں گی۔ اگر یہ میرے حق میں چمتکار دکھائیں گی تو میں انہیں اپنے پاس رکھ لوں گی۔ ورنہ جو سوچا ہے' وہی کروں گی۔ انہیں خواجہ بابا کے حوالے کر دوں گی۔''

رافیل شمری چاہتا تھا کہ میرے زندہ سلامت رہنے والی بات نینی کو معلوم نہ ہو۔ آئندہ یہ بات اسے مختلف ذرائع سے معلوم ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے وہ چاہتا تھا کہ نینی اس کی شریک حیات بن جائے۔ اپنی مرضی سے اور اپنی خوشی سے انگوٹھی اور لاٹھی اس کے حوالے کر دے۔ وہ جبر سے حاصل نہیں کرے گا۔ صبر سے اور محبت سے انہیں اپنے ہاتھوں میں لے گا تو وہ چیزیں اس کے حق میں بھی کرامات دکھایا کریں گی۔

رافیل اسے دن رات سمجھا رہا تھا' منا رہا تھا۔ یوں پانچ دن گزر گئے۔ نینی اسے ٹال رہی تھی۔ آخر اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ ''اگر تمہیں میری ضرورت ہے تو مجھ سے شادی کرو۔ انگوٹھی اور لاٹھی کا خیال دل سے نکال دو۔ میں یہ چیزیں ہندوستان واپس لے جاؤں گی۔ انہیں خواجہ بابا کے حوالے کروں گی۔''

وہ جھنجلا گیا۔ اس نے اپنے اعلیٰ عہدیداروں سے مشورہ کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''اگر آپ انگوٹھی اور لاٹھی کے سلسلے میں اس سے زور زبردستی نہ کریں۔ کوئی دوسرا شخص اس سے یہ چیزیں چھین لے تو ہم دیکھیں گے کہ اس چھیننے والے کو کوئی نقصان پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر نقصان نہیں پہنچے گا تو ہم اس سے یہ چیزیں لے لیں گے۔''

رافیل نے کہا۔ ''یہ آئیڈیا خوب ہے۔ کسی چور بدمعاش کو کرائے پر حاصل کرو۔ وہ یہاں آئے گا اور نینی سے دونوں چیزیں چھین کر لے جائے گا۔ جب یہاں سے دور نکل جائے گا اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو تم اسے رقم دے کر وہ چیزیں میرے پاس لے آنا۔''

اس پلاننگ پر عمل کرنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ کوئی بھی چور بدمعاش آسانی سے یہ واردات کر سکتا تھا۔ چور اور ساہوکار کے درمیان گٹھ جوڑ تھا۔ کوئی رکاوٹ پیش آنے والی نہیں

تھی۔اس لئے دن کے وقت یہ واردات کی گئی۔ جو شخص واردات کرنے اس رہائش گاہ میں آیا۔وہ اچھی طرح پیئے ہوئے تھا۔ نشے کی مستی میں جھوم رہا تھا۔ اس رہائش گاہ میں نینی بالکل تنہا تھی۔ پلاننگ کے مطابق سیکورٹی گارڈز وغیرہ کو بھی وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔

نینی نے پوچھا۔"تم کون ہو؟ کس کی اجازت سے اندر آئے ہو؟"

وہ نشے میں جھومتے ہوئے بولا۔"یوں تو میرا نام رفیع الدین پاشا ہے۔ مگر سب مجھے ٹائیگر کہتے ہیں۔ میں بہت خطرناک ہوں۔ جو مقابلے پر آتا ہے' اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہوں۔"

نینی ذرا سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بولا۔"میں تم سے پوچھنے والا تھا کہ تم کون ہو؟ مگر تمہارے ہاتھ میں یہ ڈنڈا دیکھ کر سمجھ گیا کہ تم وہی ہو۔"

وہ بولی۔"یہ ڈنڈا نہیں ہے' لاٹھی ہے۔ غازی جی اسے عصا کہتے تھے۔"

"کہتے ہوں گے۔ اس وقت میں نشے میں ڈگمگا رہا ہوں۔ مجھے سہارے کی ضرورت ہے۔ اپنا یہ ڈنڈا مجھے دو۔ میں اسے پکڑ کر کھڑا رہوں گا۔"

وہ بولی۔"نہیں۔ یہ صرف میرے پاس رہتا ہے۔ اسے کوئی مجھ سے نہیں لے سکتا۔"

وہ ریوالور نکال کر اس کا نشانہ لیتے ہوئے بولا۔"ایک گولی چلے گی اور میں یہ ڈنڈا لے کر چلا جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر اس سے لاٹھی چھین لی۔ اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔"یہ تو مجھ سے بھی اونچی ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی تھیں' ڈنڈا چھوٹا ہوتا ہے۔ اسے عصا کہنا چاہئے.... چلو اب انگشتری بھی نکالو۔"

اس نے پوچھا۔"یہ کیا ہوتی ہے؟"

"تم انگشتری نہیں سمجھتیں؟ وہ جو انگلی میں پہنی جاتی ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے' تم نے اسے سونے کی چین سے باندھ رکھا ہے۔"

نینی نے پوچھا۔"یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے؟"

"کسی نے بھی بتائی ہے۔ تم یہ بتاؤ' جو چیز انگلی میں پہننے کی ہے' اسے تم نے گلے سے کیوں لٹکا رکھا ہے؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ کیا تم مجھ سے یہ دونوں چیزیں جبراً حاصل کرنے آئے ہو؟"

"ہاں۔ میں یہ چیزیں تم سے چھین کر لے جاؤں گا۔ مگر تمہیں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔"

"کیوں مجھے دیکھ کر حیران کیوں ہو رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تم اس ڈنڈے سے زیادہ خوبصورت ہو۔"

نینی نے تصحیح کی۔"ڈنڈا نہیں۔ عصا...."

"ہاں۔ بھول گیا تھا۔ یہ عصا ہے۔ مگر اس میں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہارے اندر تو حسن و شباب کا مال مصالحہ بھرا ہوا ہے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے اسے لانے کو کیوں کہا؟ تمہیں لانے کو کہتے تو یہاں سے اٹھا کر لے جانے میں مزہ آتا۔"

وہ بولی۔"پلیز۔ مجھے بتاؤ' کس نے تم سے کہا ہے کہ یہ چیزیں چھین کر لے جاؤ؟"

"جس نے بھی کہا ہے۔ اس سے غلطی ہوئی ہے۔ اسے کہنا چاہئے تھا کہ تمہیں لایا جائے اور اس ڈنڈے کو یہاں پھینک دیا جائے.... ضرور ان سے غلطی ہوئی ہے۔ ٹھہرو.... میں ابھی فون کر کے پوچھتا ہوں۔"

وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالنا چاہتا تھا۔ مگر ایک چھوٹا سا کین نکلا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔"یہ سالی شراب میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ چلو۔ ایک گھونٹ پی لیتا ہوں۔ نہیں تو یہ ناراض ہو جائے گی۔"

اس نے کین کا ڈھکن کھول کر ایک گھونٹ پیا۔ اسے بند کر کے ایک جیب میں رکھا۔ پھر دوسری جیب سے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ نینی چپ چاپ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے لاٹھی تھامے ڈگمگا رہا تھا اور نمبر پنچ کر رہا تھا۔ بار بار غلطیاں کر رہا تھا۔ ایک نمبر مٹا کر پھر دوسرا نمبر پنچ کرنے لگتا تھا۔

نینی نے اس سے فون چھین کر کہا۔"مجھے نمبر بتاؤ۔ میں رابطہ کرتی ہوں۔"

وہ آگے پیچھے جھومتے ہوئے نمبر بتانے لگا۔ نینی نے ان نمبروں کو پنچ کرنے کے بعد فون کو کان سے لگایا۔ وہ فون لیتے ہوئے بولا۔"خبردار! تم بات نہیں کرو گی' میں کروں گا۔"

دوسری طرف سے رافیل کے ایک ماتحت عہدیدار نے کہا۔"ہیلو ٹائیگر! کیا بات ہے؟"

وہ بولا۔"بات کیا ہو گی؟ تم الٹا سیدھا کام کراتے ہو۔ میں اپنے علاقے کا بہت بڑا بدمعاش ہوں۔ چھوٹی موٹی وارداتیں نہیں کرتا اور تم مجھ سے ایک ڈنڈا اغوا کرا رہے ہو؟ جبکہ میں شباب سے بھرپور اس حسینہ کو اٹھا کر لا سکتا ہوں۔"

ماتحت نے پریشان ہو کر کہا۔"اوہ گاڈ! تم نے پی رکھی ہے؟ میں نے تمہیں پینے سے منع کیا تھا۔"

''ہاں۔منع تو کیا تھا'مگر تم نہیں جانتے' پینے کے بعد چوہا بھی شیر ہو جاتا ہے۔واردات کرتے وقت دل میں کسی کا ڈر نہیں رہتا۔''

''تم شیر ہو'ٹائیگر کہلاتے ہو۔مگر وہاں کیا کر رہے ہو؟فوراً انگوٹھی اور لاٹھی لو اور چلے آؤ۔''

''انگوٹھی اور لاٹھی تو کوئی بھی معمولی چور اُچکا لا سکتا تھا۔تم نے مجھ جیسے ٹائیگر کی خدمات کیوں حاصل کیں؟میں اس حسینہ کو بھی ساتھ لاؤں گا۔''

''ایسی غلطی نہ کرنا۔جب وہ انگوٹھی اور لاٹھی کے ساتھ رہتی ہے تو ہمارے لئے مصیبتیں پیدا کر دیتی ہے۔ہم اس عورت سے بہت نقصان اٹھا چکے ہیں۔اسے وہیں چھوڑو اور وہ دونوں چیزیں یہاں لے آؤ۔وقت ضائع نہ کرو۔''

''وقت تم ضائع کر رہے ہو۔میری بے عزتی کر رہے ہو۔میں چھوٹی واردات نہیں کروں گا۔اس حسینہ کو بھی ساتھ لے کر آؤں گا۔''

رافیل اپنے ماتحتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔اس نے کہا۔''اس کم بخت سے کہو'جو کرنا ہے کرے'مگر انگوٹھی اور لاٹھی فوراً یہاں لے آئے۔''

ماتحت نے ہیلو ہیلو کہا۔پھر فون کو دیکھتے ہوئے کہا۔''اس نے فون بند کر دیا ہے۔''

رافیل نے غصے سے کہا۔''کس گدھے کے بچے سے یہ واردات کرا رہے ہو؟تمہیں کوئی اور نہیں ملا تھا؟''

''سر!یہ پینے کے بعد گدھا ہو جاتا ہے۔ورنہ بہت ہی کام کا آدمی ہے۔ہم کئی بار اس سے بڑے بڑے کام لے چکے ہیں۔''

''اپنے آدمیوں سے کہو'اس گدھے کے بچے پر نظر رکھیں۔اسے انگوٹھی اور لاٹھی کے ساتھ سیدھا یہاں آنا چاہئے۔اس کے ساتھ نینی بھی ہوگی۔اس لئے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

وہ وہاں سے اٹھ گیا۔اس کے ماتحت نے فون پر اپنے کارندوں سے کہا۔''ٹائیگر وہاں سے نینی کے ساتھ نکلنے والا ہے۔وہ نشے میں ہے۔دور ہی دور سے اس کی نگرانی کرو۔اگر وہ راستے سے بھٹکنے لگے تو اسے یہاں لے آؤ۔''

ادھر ٹائیگر نے موبائل فون کو جیب میں رکھا۔دوسری جیب سے کین نکال کر دو گھونٹ پئے۔پھر اپنے آپ کو ٹٹولتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔''میرا ریوالور کہاں ہے؟''

نینی دونوں ہاتھ پیچھے کئے کھڑی تھی۔اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔''یہ میرے

پاس ہے۔''

وہ حیرانی اور پریشانی سے بولا۔''یہ تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا؟''

اس نے کہا۔''تم کبھی ریوالور نکال رہے ہو'کبھی شراب کا پوا نکال کر پیتے ہو۔کبھی موبائل فون نکالتے ہو۔ایسے وقت ریوالور کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر بھول گئے تھے۔میرا دھرم'میرا عقیدہ کہتا ہے'لاٹھی نے تمہارے پاس آ کر ریوالور کو میرے پاس پہنچا دیا ہے۔اب یہ بتاؤ'تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟''

''میں ان کے نام نہیں جانتا۔وہ بڑے لوگ ہیں۔بڑے بڑے کام کراتے ہیں اور بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں۔مگر اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔''

''میں تمہارے ساتھ چلوں گی'ان کے چہرے دیکھوں گی۔مجھے یقین ہے'رافیل انگوٹھی اور لاٹھی حاصل کرنے کے لئے ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔''

وہ دونوں اس رہائش گاہ سے باہر آئے۔ٹائیگر آگے آگے ریوالور کے نشانے پر تھا اور وہ پیچھے تھی۔اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر حکم دیا۔''اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھو اور کار ڈرائیو کرو۔''

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔''ابھی وہ فون پر ٹھیک کہہ رہا تھا'تم بہت خطرناک ہو۔مصیبتیں پیدا کر دیتی ہو اور بہت نقصان پہنچاتی ہو۔تمہیں ساتھ نہ لایا جائے۔''

دوسری طرف کارندوں نے فون کے ذریعے ماتحت عہدیدار سے کہا۔''سر!معاملہ کچھ الٹ گیا ہے۔ٹائیگر اس عورت کو نہیں لا رہا ہے۔بلکہ وہ عورت اسے گن پوائنٹ پر کہیں لے جا رہی ہے۔''

ماتحت نے گھبرا کر کہا۔''اور کہاں لے جا رہی ہوگی یہیں آ رہی ہوگی؟تم سب اس سے دور رہو۔ورنہ جان سے جاؤ گے۔ہم بھی یہاں سے جا رہے ہیں۔''

اس نے وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے فون کے ذریعے رافیل سے رابطہ کیا۔پھر کہا۔''وہ انگوٹھی اور لاٹھی کرامات دکھا رہی ہیں۔ہم پھر ناکام ہو رہے ہیں۔نینی اس شرابی ٹائیگر کو گن پوائنٹ پر رکھ کر ہماری طرف آ رہی ہے۔آپ تو پہلے ہی چلے گئے ہیں۔ہم بھی یہاں سے جا رہے ہیں۔''

رافیل نے جھنجلا کر کہا۔''یہ عورت مجھے غصہ دلا رہی ہے۔میں نہیں مانتا کہ ابھی انگوٹھی اور لاٹھی نے کوئی کرامت دکھائی ہے۔اگر وہ گدھے کا بچہ شراب پی کر نہ جاتا تو نینی کے زیر اثر

کبھی نہ آتا۔تم اپنے نشانہ بازوں کو حکم دو کہ ابھی نینی کو چاروں طرف سے گھیر کر گولیوں سے چھلنی کر دیں۔اس کے پاس جو انگوٹھی اور لاٹھی ہے انہیں میرے پاس لے آئیں۔''

''یس سر! میں ابھی حکم دیتا ہوں۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔وہ سب ادھر ادھر بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔رافیل اپنی رہائش گاہ میں واپس جانا چاہتا تھا۔مگر اب اس نے بھی راستہ بدل دیا تھا۔وہ کسی دوسری جگہ وقت گزارتے ہوئے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ نینی کہاں پہنچ رہی ہے اور اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس کے گن مین اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو رہے ہیں یا نہیں؟

وہ تیزی کار ڈرائیو کرتا ہوا جا رہا تھا۔ایک موڑ پر اس نے ایکدم سے بریک لگاتے ہوئے کار روک دی۔دوسری طرف سے آنے والی کار اس سے ٹکرانے والی تھی۔مگر حادثہ نہیں ہوا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ کر رک گئیں۔

رافیل غصے سے جھنجلاتا ہوا باہر نکلا۔''کیا اندھے ہو گئے ہو؟ غلط ٹریک پر آ رہے ہو۔کیا شراب پی کر گاڑی چلا رہے ہو؟''

اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا۔ٹائیگر نشے میں ڈگمگاتا ہوا باہر آیا۔رافیل کرائے کے بدمعاشوں سے رابطہ نہیں رکھتا تھا۔مگر یہ جانتا تھا کہ اس کے ماتحت عہدیدار ایسے بدمعاشوں سے کام لیتے رہتے ہیں۔پھر یہ کہ ٹائیگر اپنے علاقے کا مشہور بدمعاش تھا۔ابھی اس کے ماتحت نے کہا تھا کہ وہ شراب کے نشے میں نینی کے پاس گیا ہے۔

رافیل نے پوچھا۔''کیا تم ٹائیگر ہو؟''

وہ بڑے فخر سے بولا۔''ہاں۔میں اتنا مشہور ہوں کہ مجھے ساری دنیا جانتی ہے۔''

''تھوڑی دیر پہلے مجھے بتایا گیا ہے کہ نینی تمہیں گن پوائنٹ پر کہیں لے جا رہی تھی؟''

''لے جا رہی تھی نہیں.....لے جا رہی ہے۔میں اب بھی گن پوائنٹ پر ہوں۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا۔ نینی باہر آتی ہوئی دکھائی دی۔اس کے ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ریوالور.....

وہ بڑی پھرتی سے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالنا چاہتا تھا۔اس سے پہلے ہی اس نے گولی چلا دی۔

وہ چیخیں مارتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر زمین پر گرا۔وہ لاٹھی ٹیکتی ہوئی اس کے قریب آئی۔پھر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولی۔''پہلے بازو زخمی ہوا تھا۔اب دونوں پیروں سے اپاہج

بن جاؤ۔''

اس نے دوسری گولی سے دوسری ٹانگ کو زخمی کیا۔پھر کہا۔''اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے آدمیوں کو ابھی حکم دو کہ کوئی میرا پیچھا نہ کرے۔میں جا رہی ہوں۔انگوٹھی اور لاٹھی کے ساتھ کسی وقت بھی تمہاری موت بن کر چلی آؤں گی۔''

وہ پلٹ کر اپنی کار کی طرف آنا چاہتی تھی۔وہاں ٹائیگر نہیں تھا۔وہ بہت دور بھاگتا چلا جا رہا تھا۔اس نے رافیل سے کہا۔''مجھے نقد رقم کی ضرورت ہوگی۔تمہارے پاس جتنی بھی رقم ہے مجھے فوراً دو۔''

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔''کار کے ڈیش بورڈ میں لاکھوں ڈالرز ہیں۔مجھ پر رحم کرو۔فوراً کسی قریبی ہوسپٹل پہنچا دو۔''

نینی نے اس کے لباس کے اندر سے ریوالور نکالا۔پھر کار کے اندر آ کر ڈیش بورڈ کھول کر دیکھا۔وہاں بڑے بڑے نوٹوں کی چار گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔وہ ساری رقم لے کر دوسری کار میں آ کر بیٹھ گئی۔پھر اسے اسٹارٹ کر کے وہاں سے جانے لگی۔

اس نے دشمنوں سے نجات حاصل کی تھی۔اب آزاد تھی۔کہیں بھی جا سکتی تھی۔لیکن اس انجانے شہر میں کہاں جاتی؟

میری موت کی خبر نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔وہ شرمندگی سے سوچ رہی تھی۔''میں واقعی منحوس ہوں۔میری نحوست نے انگوٹھی اور لاٹھی کی موجودگی کے باوجود غازی جی کو مار ڈالا۔شائد اس لئے کہ میں ان سے محبت کرنے لگی تھی۔ان کی پتنی بننا چاہتی تھی۔میرا کوئی محبوب کوئی پتی زندہ نہیں رہ پاتا۔غازی جی بھی نہ رہے۔''

وہ رافیل کی رہائش گاہ میں واپس آئی۔وہاں اس کا سفری بیگ رکھا ہوا تھا۔جس میں پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تھے۔وہ فوراً ہی اس بیگ کو لے کر وہاں سے نکل آئی۔آگے بھارتی سفارتخانے میں جا کر اسے اپنی روداد سنانا چاہتی تھی کہ وہ بحری جہاز سے نکل کر عدن کی بندرگاہ پہنچی تھی۔وہاں سے استنبول آئی تھی اور اب بھارت واپس جانا چاہتی ہے۔

وہ کار ٹائیگر جیسے بدمعاش کی تھی۔اسے زیادہ دیر استعمال میں رکھنا مناسب نہیں تھا۔اس نے شہر کے ایک حصے میں پہنچ کر وہ کار چھوڑ دی۔اپنا سفری بیگ اور لاٹھی لے کر وہاں سے کسی شاہراہ کی طرف جانے لگی۔آگے کوئی بھی ٹیکسی ڈرائیور اسے بھارتی سفارتخانے تک پہنچا سکتا تھا۔

وہ تھوڑی دور چلتی ہوئی ایک پررونق علاقے میں پہنچی تو سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔اس کے آس پاس سے گزرنے والے اسے رک رک کر دیکھنے لگے۔وہ میرے عصا کے باعث تماشہ بن گئی تھی۔

وہ چھ فٹ کے عصا کو نہ سر پر رکھ سکتی تھی' نہ کاندھے پر جھنڈے کی طرح اٹھا سکتی تھی۔عصا کو درمیان سے تھام کر چلتی تو آگے پیچھے والے اس سے ٹکراتے رہتے۔بس ایک ہی مناسب طریقہ تھا۔ایک نوجوان حسین عورت لاٹھی زمین پر ٹیکتی جارہی تھی۔ایک نئی اور انوکھی بات تھی۔اس لئے تماشہ بن رہی تھی۔

آگے کچھ فاصلے پر ٹیپو ایک ٹیکسی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔اس کی گاڑی میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔وہ ٹیکسی کے ذریعے آگے جانا چاہتا تھا اور ڈرائیور کہیں گیا ہوا تھا۔وہ اس کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔

ایسے وقت اس نے دور سے آتی ہوئی نینی کو دیکھا۔اس نے بھی حیرانی سے سوچا۔''ایک نوجوان حسینہ لاٹھی ٹیکتی ہوئی کیوں چل رہی ہے؟اگر وہ جوانی میں سہارے کی محتاج نہیں ہے تو اتنی لمبی لاٹھی اٹھا کر کیوں چل رہی ہے؟''

قدرت کے کھیل سمجھ میں نہیں آتے۔البتہ کوشش کی جائے تو کسی حد تک سمجھ میں آجاتے ہیں۔انگوٹھی اور عصا اپنا کھیل دکھاتے آرہے تھے۔انہوں نے پانچ دنوں سے نینی کو بے یارومددگار رکھا تھا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں مرچکا ہوں۔

ان کی طرف سے اس لئے کرامات ظاہر نہیں ہوئیں کہ کاتب تقدیر کی مرضی کے مطابق ابھی میری نجات کا وقت نہیں آیا تھا۔

جب وقت آیا تو ٹائیگر جیسے بدمعاش کو شراب کے نشے میں بدمست بنا کر اس کے پاس پہنچا دیا۔جس کے نتیجے میں رافیل اس سے انگوٹھی اور عصا حاصل نہ کرسکا۔اپنے مقصد میں ناکام رہا اور دوسری بار ہوسپٹل پہنچ گیا۔

وہ لاٹھی زمین پر ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ چل رہی تھی اور اسے میرے جاں نثار دوست ٹیپو کے پاس پہنچا رہی تھی۔اس نے قریب آکر اسے ڈرائیور سمجھتے ہوئے پوچھا۔''کیا ٹیکسی خالی ہے؟''

اس نے کہا۔''میں باہر کھڑا ہوا ہوں۔اندر کوئی نہیں ہے۔اس لئے یہ ٹیکسی خالی ہے۔''

''میں انڈین ایمبیسی جانا چاہتی ہوں۔''

''تمہاری یہ لاٹھی ٹیکسی میں نہیں سمائے گی۔کھڑکی سے باہر نکل جائے گی۔ٹریفک پولیس والے اعتراض کریں گے۔''

''میں اسے سیدھا ڈیش بورڈ۔۔۔پچھلی سیٹ تک رکھوں گی۔کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔''

''میں حیران ہوں' یہ پوچھ رہا ہوں کہ لاٹھی لے کر کیوں چلتی ہو؟''

''یہ میرے محبوب' میرے محسن غازی جی کی امانت تھی۔انہیں لوٹانے آئی تھی۔یہاں آکر پتہ چلا' ان کا دیہانت ہوچکا ہے۔اب یہ امانت میرے ہی پاس رہے گی۔''

ٹیپو نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔''غازی۔۔۔میرا بھی ایک جان سے زیادہ عزیز جانی یار سلمان سعدی ہے۔ہم اسے غازی کہتے ہیں۔میں اسے تلاش کرنے آج ہی یہاں آیا ہوں۔''

یہ وہی دن تھا جب ٹیپو رائنا کے ساتھ استنبول آیا تھا۔اور راڈ مین سے چھپ کر اس کا تعاقب کرتے ہوئے مجھ تک پہنچنا چاہتا تھا۔لیکن راڈ مین نے صرف اسے ہی نہیں' اپنے تمام مخالفین کو بڑی چالاکی سے ڈاج دیا تھا اور رائنا کو بڑی رازداری سے لے کر میرے پاس پہنچنے والا تھا۔

ادھر نینی ٹیپو کی زبان سے سلمان سعدی کا نام سن کر چونک گئی۔اس کے باپو پنڈت دینا ناتھ نے اسے بتایا تھا کہ عمیر بن غازی کا ایک نام شہزادہ سلمان سعدی بھی ہے۔اس نے اس نام کو اور سلمان سعدی کی شخصیت کو فی الحال چھپا رکھا ہے۔

اس نے کہا۔''تم جس سلمان سعدی کو جانی یار کہہ رہے ہو' کیا وہ پاکستانی ہے؟''

''ہاں۔وہ بدقسمتی سے یہاں دشمنوں کے چنگل میں ہے۔''

''میرے غازی جی کو بھی دشمن پکڑ کر لے گئے تھے۔تم اپنے جانی یار کو غازی بھی کہتے ہو۔ان کا پورا نام کیا ہے؟''

''تم میرے جانی یار سے بہت دلچسپی لے رہی ہو۔اس کا پورا نام عمیر بن غازی ہے۔''

اس نے جیسے تڑپ کر پوچھا۔''کیا سچ کہہ رہے ہو؟ وہ میرے محسن تھے۔اگر ان کی تلاش میں آئے ہو تو وہ مرچکے ہیں۔''

''اگر تم میرے دوست عمیر بن غازی عرف سلمان سعدی کی بات کررہی ہو تو وہ زندہ ہے۔''

نینی کا دل اندر ہی اندر خوشی سے دھڑکنے لگا۔مگر یقین نہیں آرہا تھا۔ٹیپو کہہ رہا تھا۔''آج سے چار دن پہلے یہ خبر اڑائی گئی تھی کہ میرا دوست سلمان یعنی غازی مارا گیا ہے۔پھر یہ خبر جھوٹی ثابت ہوئی اسی لئے میں اسے یہاں تلاش کرنے آیا ہوں۔''

ٹیپو کی باتیں سن کر نینی کی سمجھ میں آیا کہ رافیل انگوٹھی اور لاٹھی اس سے حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بول رہا تھا۔ تاکہ وہ مجھے مردہ سمجھ کر رافیل کی طرف مائل ہو جائے۔ اس سے شادی کر لے۔ اس طرح انگوٹھی اور لاٹھی اس کے حوالے کر دے۔

اس نے لاٹھی کو چوم لیا۔ اسے سینے سے لگا کر بولی۔ ''ہے بھگوان! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میرے غازی جی زندہ سلامت ہیں۔ اب میں ان کی امانتیں واپس کئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔''

ایسا کہتے وقت لاٹھی کو ایک طرف ہلکا سا جھٹکا لگا۔ نینی نے اس طرف رخ کیا۔ لاٹھی کو پھر جھٹکا لگا۔ وہ پھر اسی طرف بڑھ گئی۔ ایسا بار بار ہو رہا تھا۔ لاٹھی جس رخ پر جھٹکا کھا رہی تھی۔ وہ اسی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔

ٹیپو نے اس کے پیچھے چلتے ہوئے پوچھا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟ مجھ سے بات کرو۔ میرے ساتھ رہو۔ میرا خیال ہے' اس انجانے شہر میں تم تنہا ہو۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟''

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں۔ تنہا دکھائی دیتی ہوں مگر نہیں ہوں۔ یہ غازی جی کی امانت میرے ساتھ ہے۔''

''کیا غازی نے یہ لاٹھی تمہیں دی ہے؟''

''ہاں۔ ایک انگوٹھی بھی دی ہے۔ مجھے لگتا ہے' آج ان کے پاس پہنچ جاؤں گی اور یہ چیزیں ان کے حوالے کر دوں گی۔''

''تم نہیں جانتیں' میں نہیں جانتا کہ میرا یار کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ پھر تم کیسے کہہ رہی ہو کہ آج اس کے پاس پہنچ جاؤ گی؟''

''میں نہیں جانتی۔ غازی جی کی دی ہوئی یہ دونوں چیزیں چمتکار دکھاتی ہیں۔ اگر دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلتے رہو۔''

ٹیپو کو یقین نہیں تھا کہ وہ لاٹھی ایسا کوئی کمال دکھائے گی اور اس بھٹکنے والی کو میرے پاس پہنچا دے گی۔ وہ خود میری تلاش میں بھٹک رہا تھا۔ اس لئے نینی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے چل رہا تھا۔

نہ راستے کا پتہ تھا' نہ منزل کا کوئی نشان تھا۔ مگر وہ آپ ہی آپ کشاں کشاں میری طرف چلے آ رہے تھے۔

☆☆☆

وہ کلرڈ شیشوں والی گاڑی ایک جگہ آ کر رک گئی۔ رائنا کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ نہیں سکتی تھی کہ کہاں ہے؟ راڈ مین نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گاڑی سے نکالا۔

وہ اس کا سہارا لے کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ''کیا یہ وہی جگہ ہے؟ اگر ہم پہنچ گئے ہیں تو میری آنکھوں پر سے پٹی ہٹا دو۔''

راڈ مین نے کہا۔ ''ذرا صبر کرو۔ ابھی ہم ایک بلڈنگ میں پہنچے ہیں۔ میرے ساتھ تھوڑی دور چلتی رہو۔''

وہ چل رہی تھی۔ کبھی دائیں کبھی بائیں مڑتی جا رہی تھی۔ پھر وہ ایک جگہ گھوم کر رک گئے۔ وہ بیزار ہو کر بولی۔ ''راڈی! تم نے تو مجھے اندھا بنا دیا ہے۔ اب ہم کہاں ہیں؟ یہاں کیوں رک گئے ہو؟''

''یہ لفٹ کا دروازہ ہے۔ ذرا صبر کرو۔ ابھی کھلنے والا ہے۔''

ایک ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر آ گئے۔ وہاں راڈ مین نے اس کی آنکھوں پر سے اسکارف ہٹا دیا۔ لفٹ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اس دروازے کی چھوٹی سی جالی کے باہر ایک دیوار نظر آ رہی تھی۔ اس دیوار پر کسی طرح کے علامتی نشانات بنے ہوئے تھے۔ وہ نشانات نیچے سے اوپر جا رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لفٹ اوپر سے نیچے جا رہی تھی۔

رائنا نے پوچھا۔ ''کیا ہم زمین کے نیچے کسی تہہ خانے میں جا رہے ہیں؟''

''ہاں۔ میں نے سلمان کو یہاں رکھا ہے' کہ اگر دشمنوں کو یہاں کا سراغ مل جائے گا۔ تب بھی وہ اس تہہ خانے تک پہنچ نہیں پائیں گے۔''

لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھل گیا۔ رائنا نے باہر آ کر دیکھا۔ اس تہہ خانے میں معمول کے مطابق تاریکی نہیں تھی۔ وہاں اے سی کی ٹھنڈک اور روشنی تھی۔ وہ راڈ مین کے ساتھ جس کوریڈور سے بھی گزر رہی تھی' وہاں مسلح گارڈز دکھائی دے رہے تھے۔

پھر راڈ مین اس کے ساتھ ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ مسلح گارڈ نے ان کے لئے دروازہ کھولا۔ وہ دونوں اس وسیع و عریض کمرے میں آ گئے۔ جہاں میں بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔

میں نے اسے کمرے میں داخل ہوتے نہیں دیکھا۔ جب وہ نگاہوں کے سامنے آئی تو میں ایکدم سے چونک گیا۔ پہلے تو یوں لگا' جیسے وہ خیالوں سے نکل کر نگاہوں کے سامنے آئی ہے۔ محض ایک فریب نظر ہے' جب وہ بھائی جان کہتی ہوئی میری طرف آئی تو میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ خواب و خیال نہیں تھی۔ حقیقتاً آئی تھی۔

اس بہن کے لئے' اس کینسر کی مریضہ کے لئے' میرے دل میں جو جذبات تھے' وہ ایکدم سے مچل گئے۔ راڈ مین' محالا اور جیکوب یہی ردعمل دیکھنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ بھی ٹی وی اسکرین کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔

رائنا کو دیکھ کر پہلے تو میں ایکدم سے چونک گیا تھا۔ میری نگاہیں اس کی طرف کھنچی جارہی تھیں۔ وہ قریب آکر جھکی تو میں نے بے اختیار اس کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔

راڈ مین' محالا اور جیکوب تالیاں بجانے لگے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ٹی وی اسکرین پر کہہ رہا تھا۔ "آخر سانپ اپنے بل سے نکل ہی آیا۔ سلمان! تمہارے اندر غضب کی قوت برداشت ہے۔ بجلی کے جھٹکے کھانے کے بعد بھی تم گونگے اور بہرے بنے رہے۔"

محالا نے رائنا کو ناگواری سے دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا۔ "میں نے ایسے ایسے جذباتی جھٹکے دیئے کہ اسی برس کا بوڑھا ہوتا تو وہ ہڑبڑا کر جوان ہوجاتا۔ مگر تم نے ڈھٹائی دکھائی۔ ایک لمحے کے لئے بھی میری طرف مائل نہ ہوئے۔ کسی طرح کا ردعمل ظاہر نہ ہونے دیا۔ مگر بہن کو دیکھتے ہی ایکدم سے تڑپ گئے۔ میں آج کی یہ بات کبھی نہیں بھولوں گی۔ تم نے میری انسلٹ کی ہے۔"

راڈ مین نے کہا۔ "اپنی انسلٹ کو بھول جاؤ' یہ دیکھو کہ ہم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ تو معلوم ہوگیا کہ اس کی یادداشت گم نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنی بہن کو پہچان لیا ہے۔ ہمیں بھی پہچان رہا ہے۔"

ادھر رائنا کہہ رہی تھی۔ "بھائی جان! آپ کیسے ہیں؟ کیا بہت کمزوری محسوس کررہے ہیں؟ کیا میری باتیں سن رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں؟"

راڈ مین نے کہا۔ "یہ زبردست بہروپیا اور نوٹنکی ہے۔ سب کچھ سمجھتا آرہا ہے۔ اسے سب کچھ یاد ہے۔ اس سے پوچھو' اس نے ریڈ مرکری کہاں چھپا رکھی ہے؟"

رائنا نے کہا۔ "پلیز تم خاموش رہو۔ تمہیں اپنی پڑی ہے۔ پہلے یہ معلوم کرو کہ یہ بولنے کے قابل ہیں بھی یا نہیں؟"

"اب تو بہروپیا بڑی آسانی سے بولے گا۔ نہیں بولے گا تو میں تمہیں علاج کے لئے پاکستان نہیں لے جاؤں گا۔ تم یہیں بلڈ کینسر کے عذاب میں مبتلا رہ کر اس کے سامنے دم توڑو گی۔"

وہ بولی۔ "تم میری انسلٹ کررہے ہو۔ میں تمہاری محبت ہوں' تمہاری شریک حیات ہوں۔ کیا میرا علاج کرانے کے لئے اس طرح کی شرط لگاؤ گے؟ بھائی جان کچھ بولنے کے قابل

نہیں ہوں گے' ریڈ مرکری کا راز نہیں بتائیں گے تو کیا تم میرا علاج نہیں کراؤ گے؟ اور اپنی محبت کرنے والی وفادار شریک حیات کو یوں ہی مرنے کے لئے چھوڑ دو گے؟"

"جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو' تب سے تمہاری محبت اور وفاداری نے مجھے کیا دیا ہے؟ کیا تم اپنے اس مسلمان بھائی کے خلاف میرے کام آئی ہو؟"

"اس سے زیادہ کیا کام آؤں گی کہ صرف میری وجہ سے میرے بھائی نے کبھی تمہیں جانی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"ہاں۔ صرف تمہیں دکھانے کے لئے مجھے جانی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ ورنہ ہماری تنظیم کے ایسے ایسے منصوبوں کو خاک میں ملایا ہے کہ اس کی سزا صرف موت ہے۔ ایسی موت کہ اسے زندہ رکھ کر بار بار مارا جائے۔"

وہ محالا کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہاں سے چلتا ہوا' بیڈ کے ایک طرف سے گھومتا ہوا رائنا کی طرف آتے ہوئے بولا۔ "تمہاری محبت اور وفاداری نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ تم نے ایک بیٹے کو جنم دیا مگر وہ بیٹا نہیں میرا ایک بدترین دشمن ہے۔ میں تمہاری خالی محبت اور کھوکھلی وفاداری لے کر کیا کروں؟"

رائنا میرا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے کھڑی تھی۔ اس نے قریب آکر اس کا ایک بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسے مجھ سے دور کرتے ہوئے کہا۔ "میں صاف اور سیدھی بات کہہ رہا ہوں' مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنے بھائی کے لئے بہت ضروری ہو۔ یہ تمہیں مرنے نہیں دے گا۔ پاکستان لے جانے کے لئے' تمہارا علاج کرانے کے لئے ابھی ریڈ مرکری کی بات کرے گا۔"

وہ بولی۔ "راڈی! تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ تم نے مجھے پاکستان لے جانے کے لئے یہاں بلایا ہے۔ بھائی جان کو بھی وہاں لے جانے کی بات کررہے تھے۔"

اس نے مجھے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے وہاں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی یادداشت گم نہیں ہوئی ہے۔ یہ فولادی دماغ اور فولادی اعصاب رکھتا ہے۔ یہ سن بھی رہا ہے اور اب تھوڑی دیر میں مجبور ہوکر بولنے والا ہے۔"

اس نے رائنا کے بازو کو ایک جھٹکا دیا۔ اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ پھر کہا۔ "تم اپنی فکر کرو۔ اگر اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہو تو اس سے کہو میری بات مان لے۔ ورنہ....."

''ورنہ کیا کرو گے؟ یہ تو کہہ چکے ہو کہ مجھے مرنے کے لئے چھوڑ دو گے۔ میرا علاج نہیں کراؤ گے۔ کوئی بات نہیں.... میں ایک اچھی زندگی جی چکی ہوں۔ میں نے بہت کچھ پایا ہے۔ ایک بھائی کی بے لوث محبت اور ایک بیٹے کا بھرپور پیار.... اور تم جیسے بے وفا خاوند کو اپنے حصے کی ساری وفاداریاں دیں۔ بس بہت جی چکی۔ مجھے اپنا علاج نہیں کرانا ہے۔''

اس نے اچانک ہی رائنا کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ میں ایکدم سے تڑپ گیا۔ بستر سے اٹھنا چاہتا تھا۔ مگر کمزوری کے باعث اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ اٹھتے اٹھتے گر جاتا تھا۔ ان لمحات میں ایک ذرا سی بھی توانائی ملتی تو وہاں سے اٹھ کر راڈ مین کا ہاتھ توڑ دیتا۔

میں بار بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میری معصوم بہن پر ہاتھ اٹھایا تھا' مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ میری حالت پر محالا اور جیکوب ہنس رہے تھے۔

راڈ مین نے کہا۔ ''میں تمہاری بہن پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ بس تم بولنا شروع کر دو۔ نہیں بولو گے تو....''

اس نے رائنا کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایک زور کا جھٹکا دیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ بے چاری تکلیف سے تڑپ رہی تھی۔ ادھر میں تڑپ رہا تھا۔ ہم ظالموں کے لئے تماشہ بن گئے تھے۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''تیری یہ بہن کینسر سے نہیں مرے گی۔ تیری بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے مرے گی۔ اب بھی نہیں بولے گا تو میں اس کے کپڑے پھاڑوں گا۔ ایک بھائی کے سامنے بہن کو ننگا کروں گا۔ دیکھوں گا' تیری غیرت کیسے برداشت کرتی ہے؟''

رائنا اس سے دور ہونے کے لئے پیچھے ہٹنے لگی۔ کہنے لگی۔ ''مجھ سے دور رہو۔ آج میں نے تمہارا اصلی چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اب سے پہلے بھائی جان دبی زبان سے تمہاری شکایتیں کرتے تھے۔ میرا بیٹا تمہارے خلاف بولتا تھا۔ مگر میں یقین نہیں کرتی تھی۔''

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ ''مجھ سے دور ہو کر کہاں جاؤ گی؟ کوئی دروازہ میرے حکم کے بغیر نہیں کھلے گا۔ میں تمہارے ساتھ جو چاہوں گا وہ سلوک کروں گا۔ تمہارا یہ مردہ بھائی مجھے روک نہیں پائے گا۔ اور باہر سے مدد کے لئے خدائی فوج نہیں آئے گی۔ کوئی اس تہہ خانے تک پہنچ نہیں پائے گا۔ تم نے باہر مسلح گارڈز دیکھے ہیں۔ وہ ادھر آنے والوں کو بھون کر رکھ دیں گے۔''

وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ میرے بیڈ کے آس پاس بھاگتی پھر رہی تھی۔ وہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آؤ میرے پاس آؤ.... میں تمہارا لباس تار تار کرنا

چاہتا ہوں۔''

وہ شرم سے اور غصے چیختے ہوئے بولی۔ ''میں تمہاری بیوی ہوں' عزت ہوں۔ تمہیں ایسا کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔''

''سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے کبھی تمہیں بیوی نہیں سمجھا' محض ایک آلہ کار کی حیثیت سے اپنے پاس رکھا۔ بڑی مدتوں کے بعد آج تم میرے بہت کام آنے والی ہو۔ ابھی تمہارے لباس تک پہنچوں گا تو یہ تڑپ کر بول پڑے گا۔''

یہ کہتے ہی وہ اس کی طرف لپکا۔ وہ دوڑتی ہوئی بیڈ کے ایک طرف سے گھومتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ میرے سوا کوئی اسے بچانے والا نہیں تھا۔ راڈ مین نے قریب آ کر اس کے اسکارف کو پکڑ کر کھینچا۔ پھر لباس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت میں نے تڑپ کر کہا۔ ''رک جاؤ.....''

سب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ راڈ مین نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''مردہ آخر بول پڑا۔ ایک بار پھر تالیاں.....''

سب تالیاں بجانے لگے۔ راڈ مین نے کہا۔ ''ہاں تو بولو.... ریڈ مرکری کہاں ہے؟ اپنی بہن کی عزت بچاؤ اور اسے کینسر سے بھی بچاؤ۔ علاج کے لئے پاکستان لے جاؤ۔ مگر پہلے ریڈ مرکری میرے حوالے کرو۔''

میں نے بڑی نقاہت سے کہا۔ ''ہاں۔ تمہارے حوالے کروں گا۔ مگر پہلے رائنا کا علاج ہو گا۔ یہ صحت یاب ہو گی اور وہ روحانی معالج یقین دلائے گا کہ اسے کینسر سے نجات مل گئی ہے' تب میں.....''

راڈ مین نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہرگز نہیں.... میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں کہ تمہاری بہن کو صحت یاب ہونے دوں۔ اسے کینسر سے نجات ملے گی تو تمہاری کوئی کمزوری میرے ہاتھ میں نہیں رہے گی۔ بولو ریڈ مرکری کہاں ہے؟'

میں نے کہا۔ ''میں اپنی بہن کی قسم کھا کر کہتا ہوں' اس کا علاج کراؤ گے' یہ صحت یاب ہو جائے گی تو میں ضرور تمہارا مطالبہ پورا کروں گا۔''

اس نے پھر رائنا کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ اسے جھٹکا دیا تو وہ تکلیف سے چیخنے لگی۔ اس نے کہا۔ ''باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ بول رہے ہو تو فوراً بولو.... ریڈ مرکری کہاں ہے؟ میں دس تک گن رہا ہوں۔ نہیں بولو گے' گنتی پوری ہو جائے گی تو میں غیرت مند بھائی کے سامنے بہن کے لباس کی دھجیاں اڑا دوں گا۔''

اس نے ایک ذرا توقف سے گنتی شروع کی۔ ''ایک...''

میں پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ ''کیا کروں؟ کیا اسے بتا دوں؟''

اس نے دو انگلیاں دکھاتے ہوئے کہا۔ ''دو....''

عقل سمجھا رہی تھی' اسے نہ بتایا جائے۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا اور رائنا کو بھی اس تہہ خانے سے باہر جانے نہیں دے گا۔ اس نے رائنا کے بال چھوڑ دیئے گردن دبوچ لی۔ پھر کہا۔ ''تین..''

''میں کیا کروں؟ کیا اپنی آنکھیں بند کرلوں؟ وہ رائنا کے ساتھ جیسا بھی سلوک کرے' نہ دیکھوں۔

لیکن نہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ بہن کی چیخیں سنائی دیں گی۔ وہ چیخیں میری غیرت کو میرے ضمیر کو اور میری مردانگی کو جھنجھوڑیں گی.... یا خدا! میں کیا کروں؟ میری مدد فرما میرے معبود!''

اس نے اونچی آواز میں کہا۔ ''چار....''

پتہ نہیں وہ تہہ خانہ زمین کے اندر کس حصے میں تھا؟ کسی کو میرا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔ کوئی وہاں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

اس نے اپنی ہتھیلی پھیلا کر پانچ انگلیاں دکھاتے ہوئے کہا۔ ''پانچ....''

نینی زمین پر لاٹھی ٹیکتی ہوئی چل رہی تھی۔ ٹیپو اس کے ساتھ تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں جانا ہے؟ جس طرح بادبانی کشتی ہوا کے رخ پر چلتی ہے' اسی طرح وہ لاٹھی کے ساتھ آگے اور آگے کھنچی جا رہی تھی۔

راڈ مین نے مجھے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم بے غیرت نہیں ہو۔ میں خوب جانتا ہوں۔ اپنی بہن کی عزت ضرور بچاؤ گے۔ اسے بے لباس نہیں ہونے دو گے۔''

پھر اس نے گنتی پڑھی۔ ''چھ.....''

پھر اس نے کہا۔ ''اب میں دیر نہیں کروں گا۔ ہر دو سیکنڈ کے بعد گنتی آگے بڑھاؤں گا۔ سات....''

کہتے ہیں' سات نمبر خوش قسمتی لاتا ہے۔ نینی کے ہر قدم پر لاٹھی زمین پر پڑتی تھی۔ اس بار زمین پر پڑتے ہی وہ ذرا سی اندر دھنس گئی۔ اس نے لاٹھی کو وہاں سے کھینچنا چاہا تو وہ اور دھنس گئی۔

ٹیپو نے لاٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ بولی۔ ''پتہ نہیں۔ یہ اندر دھنس گئی ہے۔ میں اوپر کھینچنا چاہتی ہوں' یہ اور اندر چلی جاتی ہے۔''

راڈ مین نے جیسے چیختے ہوئے گنتی پڑھی۔ ''آٹھ...''

آگے دو سیکنڈ گزرتے ہی اس نے کہا۔ ''نو...''

اگلے دو سیکنڈ کے بعد گنتی پوری ہوتے ہی بہن کا لباس تار تار ہونے والا تھا۔

اس سے پہلے ہی جیسے زلزلہ آ گیا۔ زلزلے سے زمین پھٹتی ہے' مگر وہاں چھت تڑخ گئی۔ وہ سب گھبرا کر سر اٹھا کر چھت کو تکنے لگے۔ راڈ مین گنتی بھول گیا تھا۔ ٹی وی اسکرین بجھ گئی تھی۔ آڈیو ویڈیو کے تمام سسٹم ناکارہ ہو گئے تھے۔

نینی ٹیپو کے ساتھ ایک عمارت کے پچھلے حصے میں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دونوں زمین میں دھنسنے والی لاٹھی کو اوپر کھینچنا چاہتے تھے مگر یکبارگی وہ ان کے ہاتھوں سے پھسل کر زمین کے اندر چلی گئی۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہاں صرف ایک سوراخ رہ گیا۔ وہ دونوں زمین پر گھٹنے ٹیک کر زمین پر بیٹھ گئے۔ سر جھکا کر سوراخ کے اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

تہہ خانے میں سب نے چونک کر دیکھا۔ چھت میں ایک سوراخ ہو گیا تھا۔ عجب کراماتی منظر تھا۔ ایک لاٹھی اس سوراخ سے گزرتی ہوئی سیدھی بیڈ پر آئی۔ پھر میرے سر سے پاؤں تک جیسے مجھ پر لپٹ گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں نہیں تھے' مگر مجھے لگ رہا تھا' جیسے وہ مجھ سے لپٹ گئی ہے۔

پھر جیسا جھٹکا مجھے لگا' اس کے آگے بجلی کا جھٹکا کچھ نہیں ہے۔ میں یکبارگی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی راڈ مین کے منہ پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ اللہ تعالیٰ قوی ہے' قادر مطلق ہے۔ اس نے میری قوت لوٹا دی۔ میرا ایک ہاتھ پڑتے ہی وہ پیچھے جا کر گرا تھا۔ ناک سے اور باچھوں سے لہو بہنے لگا تھا۔

محالا اور جے کوب کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھ جیسا بیمار اچانک ہی تندرست اور توانا ہو گیا ہے۔ جے کوب اچھل کر بیڈ پر آیا۔ پھر اس نے حملہ کرنے کے لئے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں پر روک لیا۔ سر سے بلند کرتے ہوئے ایک طرف پھینک دیا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گرا' تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔

مجھ پر حملہ کرنے والا فوراً ہی وہاں سے اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

آہ.....! میرے ساتھ پھر وہی ہونے لگا' جیسا پہلے ہو چکا تھا۔ جب بھی میں مخالفین کو شکست دے کر کامیاب ہوتا تھا تو عارضی طور پر ملنے والی توانائی ساتھ چھوڑ دیتی تھی۔ میں پھر پہلے جیسی کمزوری محسوس کرتے ہوئے بستر پر گر پڑا۔ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

راڈ مین اپنی ناک سے اور منہ سے بہتے ہوئے لہو کو پونچھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ بے کوب بھی تکلیف سے کراہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے نڈھال اور کمزور دیکھ کر رائنا پریشان ہو گئی۔ میرے پاس آ کر مجھ پر جھک کر پوچھنے لگی۔ ''بھائی جان! آپ ٹھیک تو ہیں؟''

میں ایسی کمزوری محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت بول نہیں پا رہا تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ جب دشمن پوری طرح شکست کھا جاتے تھے' بھاگ جاتے تھے یا فنا ہو جاتے تھے' تب میری توانائی زائل ہو جاتی تھی۔ میں پہلے کی طرح بوڑھا اور کمزور ہو جاتا تھا۔

حیرانی یہ تھی کہ میں نے پوری طرح دشمنوں کو شکست نہیں دی تھی۔ وہ مار کھانے کے بعد اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور میں ایک فاتح بن کر وہاں سے نکل نہیں پایا تھا۔ کمزوری مجھ پر مسلط ہو گئی تھی۔ پھر مجھے یاد آیا کہ لاٹھی میری محافظ ہے۔ لیکن توانائی لاوہ اسٹون سے حاصل ہوتی ہے۔ میں وہ انگوٹھی پہن کر دشمنوں کو پوری طرح خاک میں ملا دیتا تھا۔

ابھی ان سے پوری طرح نمٹنے سے پہلے ہی کمزور پڑ گیا تھا۔ بے دم ہو کر بستر پر گر پڑا تھا۔ اب اٹھنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ راڈ مین میرے قریب آنے سے کترا رہا تھا۔ دور سے کہہ رہا تھا۔ ''کیا تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اب اس کا نتیجہ دیکھو گے۔ میرے مسلح گارڈز آ کر تمہاری ایسی پٹائی کریں گے کہ تم اپنی سلامتی کے لئے رحم کی بھیک مانگتے مانگتے ریڈ مرکری میرے حوالے کر دو گے۔''

وہ مسلح گارڈز کو بلانے کے لئے دروازے کی طرف جانے لگا۔ رائنا نے پریشان ہو کر مجھ سے کہا۔ ''بھائی جان! آپ اچانک کیسے طاقتور ہو گئے تھے؟ اب اتنے ہی کمزور پڑ گئے ہیں۔ فار گاڈ سیک... خود کو سنبھالیں۔ پتہ نہیں یہ راڈی کیا کرنے والا ہے؟''

میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرنے والا ہے اور اب کیا ہونے والا ہے؟ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ لاٹھی کہاں سے میرے پاس آئی؟ اور لاوہ اسٹون والی انگوٹھی کہاں ہے؟

نینی اور ٹیپو بڑی دیر تک سر جھکائے سوراخ میں جھانک کر دیکھنے کی ناکام کوششیں کرتے رہے۔ پھر مایوس ہو کر اٹھ گئے۔ نینی نے کہا۔ ''بھگوان کو یہی منظور ہے۔ اسی لئے لاٹھی یہاں آ کر مجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ خود ہی میرے ہاتھوں سے نکل کر زمین کے اندر چلی گئی ہے۔''

وہ مایوس ہو کر وہاں سے جاتے ہوئے بولی۔ ''میں بہت منحوس ہوں۔ غازی جی کے درشن نہیں کر سکوں گی۔ جب ان کی امانت ہی نہیں رہی تو کس منہ سے ان کے سامنے جاؤں گی؟''

ٹیپو نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ''میرے یار کے درشن اس وقت کرو گی' جب اس کا کوئی سراغ ملے گا۔''

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ اس وقت سونے کی چین سے بندھی ہوئی انگوٹھی سینے میں چبھ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر اس جگہ کو دیکھا جہاں زمین میں سوراخ ہو گیا تھا اور لاٹھی اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ مگر انگوٹھی ابھی اس کے پاس تھی۔

اس نے ہمیشہ یہی دیکھا تھا کہ انگوٹھی اور لاٹھی ساتھ رہتی ہیں۔ پھر لاٹھی اس سے جدا کیسے ہو گئی؟

ٹیپو نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

اس نے سونے کی چین سے انگوٹھی کو نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہمیشہ لاٹھی کے ساتھ رہتی ہے۔ مجھے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ لاٹھی کہیں بھی گئی ہے انگوٹھی کے پاس واپس آئے گی۔''

وہ پلٹ کر اس سوراخ کے پاس جانے لگی۔ ٹیپو نے کہا۔ ''ہماری زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ ہم انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیسے ہو گیا؟''

''ہاں۔ ابھی میں لاٹھی ٹیکتی ہوئی بڑی دور سے چلی آ رہی تھی۔ مگر یہاں آتے ہی زمین میں سوراخ ہو گیا اور وہ میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔''

وہ باتیں کرتے ہوئے اس سوراخ کے پاس پہنچ گئے۔ ٹیپو نے کہا۔ ''تم کہتی ہو یہ دونوں چیزیں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔ چلو اس بات کو پھر آزماؤ۔ اسے اپنی ہتھیلی پر رکھو اور یہ دھیان کرو کہ لاٹھی اپنی انگوٹھی کی طرف واپس آ رہی ہے۔''

نینی نے ہتھیلی پھیلا کر انگوٹھی اس پر رکھی۔ پھر اسے دیکھتے ہوئے پرارتھنا کرنے لگی۔ ''ہے بھگوان! اگر میں سچی ہوں' میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے تو مجھے غازی جی سے ملا دے اور لاٹھی کو اس انگوٹھی کے ساتھ رہنے دے۔ اسے اس کے پاس لے آ.....''

اس کے بات ختم ہوتے ہی ہتھیلی ذرا سی کانپ گئی۔ اس پر رکھی ہوئی انگوٹھی ایک طرف ڈھلکتی ہوئی' لڑھکتی ہوئی ہتھیلی سے گری۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اسے نیچے سے جانے سے روکتی' وہ کھسکی اس سوراخ میں چلی گئی۔

راڈ مین دروازہ کھول کر مسلح گارڈز کو بلانے والا تھا۔ لیکن وہاں جا کر رک گیا تھا۔ فون

کے ذریعے اپنے مشیر اعلیٰ سے کہہ رہا تھا۔ ”ہم نے سی آئی اے والوں کی تحریری رپورٹ پڑھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ سلمان سعدی کے پاس ایک انگوٹھی اور لاٹھی ہے۔ جن کے جادوئی اثر سے وہ سپرمین بن جاتا ہے اور اس کے سپرمین بننے کا تماشہ میں ابھی دیکھ چکا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے وہ ایک چیونٹی کی طرح تھا۔ میں اسے ایک چٹکی میں مسل سکتا تھا۔ اب اچانک ہی وہ ایک بپھرا ہوا شیر بن گیا ہے۔“

وہ نہیں جانتا تھا کہ میں اچانک ہی پھر شیر سے چیونٹی بن گیا ہوں۔ میں بستر پر پڑا کمزوری کے باعث ہانپ رہا تھا۔ سانسیں بحال نہیں ہو رہی تھیں۔ لاٹھی میرے ساتھ تھی۔ اتنا یقین تھا کہ کوئی مجھ پر حملہ کرنے آئے گا تو یہ پھر مجھے تحفظ فراہم کرے گی۔

ایسے ہی وقت میرے سینے پر ہلکی سی چوٹ لگی۔ یوں جیسے کسی نے چھوٹا سا پتھر مارا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ یکبارگی یوں لگنے لگا' جیسے کھوئی ہوئی توانائی پھر بحال ہو رہی ہے۔

میں نے تکیے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ لاوہ اسٹون والی انگوٹھی میرے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی بچھڑی ہوئی محبوبہ سینے سے لگ کر دھڑک رہی تھی۔ میں خوشی سے جھوم گیا۔ اسے اپنی مٹھی میں لے لیا۔ لیٹے لیٹے ایکدم سے اچھل کر بیٹھ گیا۔

رائنا' محالا اور جے کوب مجھے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ پہلے ایک بیمار نے اٹھ کر راڈ مین اور جے کوب کی پٹائی کی تھی۔ پھر نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑا تھا۔ اب دوبارہ اسی طرح صحت مند اور پھرتیلا دکھائی دے رہا ہے۔ جمناسٹک کے کرتب دکھانے والے کی طرح اچانک ایکدم سے اچھل کر بیٹھ گیا ہے۔

نینی اور ٹیپو سوراخ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے اندر جھانکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ لاٹھی کے بعد انگوٹھی بھی وہاں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس سوراخ کے اندر گہری تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ٹیپو نے چونک کر پوچھا۔ ”تم کچھ محسوس کر رہی ہو؟“

اس نے پوچھا۔ ”مجھے کیا محسوس کرنا چاہئے؟“

اس سوراخ سے ہلکی ہلکی سی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔“

وہ سوراخ سے کچھ اوپر ہتھیلی لاتے ہوئے بولی۔ ”ہاں۔ آ رہی ہے۔“

وہ بولا۔ ”جبکہ زمین کے اندر سے حرارت نکلتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا کبھی نہیں نکلتی۔ ذرا محسوس کرو' یہ اے سی کی ٹھنڈک ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں' زمین کے اس حصے کے نیچے ائر

کنڈیشن کمرہ ہے۔“

نینی نے خوش ہو کر کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کسی تہہ خانے میں غازی جی کو قید کیا گیا ہے۔“

وہ جوشیلے انداز میں زمین پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ”بے شک۔ میرا یار یہیں کہیں ہے۔“

نینی نے ذرا جھک کر سوراخ کے پاس منہ لا کر آواز دی۔ ”غازی جی....!“

جس طرح لاٹھی اور انگوٹھی سوراخ سے گزرتی ہوئی مجھ تک پہنچی تھی' اسی طرح اس کی آواز لہراتی ہوئی میری طرف آئی۔ ”غازی جی.... ای۔ ای۔ ای....! میں نینی بول رہی ہوں۔ کیا وہ دونوں امانتیں آپ کے پاس پہنچ گئی ہیں....؟“

میں نے سر اٹھا کر چھت کی طرف سوراخ کو دیکھا۔ سچا پیار' سچی لگن اور ایمان سے بھرپور دیانتداری ایسی ہی ہوتی ہے۔ زمین کے سینے میں سرنگ بنا کر چلتی آتی ہے۔

نینی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ مجھے یکبارگی یاد آیا کہ میں نے اسے پہلی بار جہاز میں دیکھا تھا۔ اس کے پتی نے اسے سمندر میں پھینک دینا چاہا تھا۔ لیکن وہ ایک سیفٹی بوٹ میں جا کر عصاء کے پاس گری تھی اور لاوہ اسٹون والی انگوٹھی تو میں نے پہلے ہی اسے دے رکھی تھی۔

میں اب تک گونگا بہرہ بن کر ڈاکٹر ڈیوڈ اور راڈ مین کی باتیں سنتا رہا تھا اور بہت کچھ معلوم کرتا رہا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مجھے استنبول کی کسی خفیہ رہائش گاہ کے تہہ خانے میں لا کر رکھا گیا ہے۔ نینی کے سلسلے میں یہ بات بڑی قابل تعریف تھی کہ وہ میری امانتیں واپس کرنے کے لئے مجھے ڈھونڈتی ہوئی یہاں تک آئی تھی۔

میں نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ ”نینی! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے بروقت یہ امانتیں مجھ تک پہنچائی ہیں۔“

جواباً ٹیپو کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”سلمان! میں بھی یہاں ہوں۔ تمہاری انگوٹھی اور عصاء کا کمال دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے جانثار چند منٹوں میں یہاں پہنچ جائیں گے مگر ہم تمہارے پاس کیسے پہنچیں؟ کیا تم کوئی راستہ بتا سکتے ہو؟“

میں نے ایک انگلی میں انگوٹھی پہنتے ہوئے کہا۔ ”میری فکر نہ کرو۔ اب میں اپنی ذات میں ایک لشکر جرار ہوں۔ تم نینی کا خیال رکھو۔ میرا انتظار کرو۔ میں جلد ہی اوپر آنے والا ہوں۔“

راڈ مین مجھ سے دور دروازے کے پاس کھڑا اپنے مشیر اعلیٰ سے فون پر باتیں

کر رہا تھا۔ خوفزدہ ہو کر میری طرف دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''ابھی کمزور اور بیمار تھا اور اب اچانک ہی اچھل کر بیٹھ گیا ہے۔ یہ یاد رکھو اگر ہمارے مسلح گارڈز اسے قابو میں کر لیں گے تو اچھی بات ہوگی۔ اگر ناکام رہیں گے تو تم فوراً ہی سی آئی اے والوں کو اور مختلف تنظیموں کے سربراہوں کو یہ بتا دو کہ سلمان سعدی استنبول کی ایک ملٹی ٹریڈرز بلڈنگ میں ہے۔ اسے اس عمارت سے باہر نکلنے نہ دیا جائے۔''

میں نہیں جانتا تھا کہ وہ فون پر کس سے بول رہا ہے؟ اور کیا بول رہا ہے؟ میں بیڈ سے اتر کر تن کر کھڑا ہو گیا پھر لاٹھی فرش پر ماری تو اس نے فوراً ہی فون کو بند کیا اور دروازے کو کھول دیا پھر مسلح گارڈز کو اندر آنے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ دیکھو وہ قیدی اب مریض نہیں رہا ہے۔ یہ فرار ہونا چاہتا ہے۔ اسے کمزور اور نہتا نہ سمجھنا۔ یہ بہت ہی خطرناک ہے۔ کسی بھی طرح اسے قابو میں کرو۔ ہتھکڑیاں پہناؤ اور بیڈ پر رسیوں سے باندھ دو۔''

میں رائنا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا دوسرے دروازے کے پاس آیا۔ مسلح گارڈز نے مجھے للکارا۔ ''رک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دیں گے۔''

راڈ مین نے جلدی سے کہا۔ ''اسے جان سے نہیں مارنا ہے اگر قابو میں نہ آئے تو صرف زخمی کر دینا۔''

میں دوسرا دروازہ کھول کر رائنا کے ساتھ باہر جا رہا تھا۔ انہوں نے فرش کی طرف فائرنگ کی۔ میں نے اس کمرے سے نکل کر دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ ادھر دوسرے کوریڈور میں دوسرے مسلح گارڈز تھے۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ رائنا کو راڈ مین کو شریک حیات کی حیثیت سے جانتے تھے۔ لہٰذا اسے دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے۔

ایک گارڈ نے رائنا سے کہا۔ ''ہم نے اندر فائرنگ کی آواز سنی ہے۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے آگے بڑھتے ہی لاٹھی چلائی۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ میں ان سب کے قریب جاتا ہوا گھوم گھوم کر لاٹھی چلا رہا تھا۔ وہ رائنا کی وجہ سے دھوکہ کھا گئے تھے۔ گولی چلانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ جب تک وہ اپنی گنیں سیدھی کرتے تب تک میرے عصاء نے انہیں سیدھا کر دیا تھا۔ ہتھیار ان کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ عصاء کی مار ایسی پڑی تھی کہ وہ جوابی حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

کمرے میں آنے والے گارڈز اب دوسری طرف سے گھوم کر آ رہے تھے۔ میں نے عصا رائنا کے ہاتھوں میں دیا۔ پھر ایک کلاشنکوف اٹھا کر تڑاتڑ فائرنگ شروع کر دی۔ ادھر سے

آنے والے چار گارڈز تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میرے ہاتھوں میں ایک ہتھیار آ گیا ہے۔ وہ بھی دھوکے میں مارے گئے۔ تین تو وہیں ڈھیر ہو گئے۔ چوتھا راڈ مین کے لئے ڈھال بنتا ہوا فائرنگ کرتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔

میں چھپ چھپ کر فائر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یوں کاؤنٹر فائرنگ کے دوران میری ایک گولی راڈ مین کی ایک ٹانگ پر لگی۔ تو وہ لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑا۔ وہ محافظ اسے کھینچ کر دیوار کی آڑ میں لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن فرض کی ادائیگی کے دوران میری گولی کی زد میں آ گیا۔

راڈ مین حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ زمین پر کھسکتے ہوئے پیچھے جا کر دیوار سے لگ گیا۔ میں اور رائنا ایک دیوار کی آڑ میں تھے۔ رائنا نے کہا۔ ''میں تین کوریڈورز سے گزر کر تمہارے پاس آئی تھی۔ ابھی تیسرے کوریڈور کے گارڈز باقی ہیں۔ وہ ادھر ضرور آئیں گے۔''

نگاہوں کے سامنے ذرا فاصلے پر راڈ مین دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔ اپنی ٹانگ کو پکڑ کر تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ میری طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہو اور یقین ہو گیا ہو کہ اب تب میں مارا جائے گا۔

اس نے کہا۔ ''رائنا! ہم نے زندگی کے چوبیس برس بڑی محبت سے ایک ساتھ گزاریں ہیں۔ تم اس لمبی مدت کو کبھی نہیں بھلاؤ گی۔ مجھے جان سے زیادہ چاہتی ہو میری جان بچاؤ گی۔''

رائنا نے کہا۔ ''جسے جان بچانے کو کہہ رہے ہو اسے تو تم نے ایک پل میں ننگا کر دیا۔ اگر میرا یہ بھائی نہ ہوتا تو اس وقت میں کس حال میں ہوتی؟ کیا میرے جسم پر یہ لباس رہتا یا تم اسے تار تار کر چکے ہوتے؟''

''میں محض دھمکی دے رہا تھا۔ اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ اپنی محبت کرنے والی پیاری شریک حیات کو کسی کے بھی سامنے ننگا کر دوں۔''

''زیادہ نہ بولو کسی کے بھی سامنے تم طمانچہ مار سکتے ہو۔ کسی کے سامنے میرے سر کے بال نوچ سکتے ہو۔ میرا اسکارف نوچ کر پھینک سکتے ہو۔ تو اس کے آگے بھی بہت کچھ کرنے والے تھے۔ لیکن اب کسی قابل نہیں رہے ہو تو باتیں بنا رہے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''تم نے میری بہن کی آنکھوں پر جھوٹے پیار کی جو پٹی باندھی تھی وہ کھل چکی ہے۔ تمہارا بیٹا پہلے ہی تمہاری مکاریوں کو سمجھ چکا تھا۔ میں اپنی بہن کا دل نہیں توڑنا چاہتا

تھا۔اس لئے اس کے سامنے تمہارے خلاف کچھ نہیں بولتا تھا۔مگر آج تقدیر تمہیں ایسے موڑ پر لے آئی ہے جہاں تم خود ہی ننگے ہو گئے ہو۔"

"میں سچ مچ دل و جان سے تمہیں چاہتی تھی۔مگر آج سے اتنی نفرت کروں گی کہ کہیں بھی تمہارا نام سن کر تھوک دیا کروں گی اور یہ اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو کہ میں نے اسی لمحے سے تمہیں اپنی زندگی سے باہر تھوک دیا ہے۔"

گارڈز کے بھاری بھرکم بوٹوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔وہ بڑے محتاط انداز سے چلتے ہوئے ادھر آرہے تھے۔میں نے دیوار کی آڑ سے دیکھا۔وہ بھی تعداد میں چار تھے۔ان کے پیچھے محالہ اور جے کوف ڈرتے آرہے تھے۔میں نے تڑاتڑ فائرنگ شروع کی تو وہ سب پیچھے چلے گئے۔میں نے راڈ مین سے پوچھا۔"کیا ابھی تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

وہ جلدی سے بولا۔"ہاں۔پلیز مجھ سے کوئی سمجھوتہ کرو۔تم میری سلامتی کے لئے جو شرائط پیش کرو گے وہ سب مان لوں گا۔"

"تو پھر اپنے آدمیوں سے کہو ہتھیار پھینک دیں اور ہمیں یہاں سے جانے کا راستہ دیں۔میں تمہیں یرغمال بنا کر لے جاؤں گا۔"

"پلیز مجھے اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔یہاں میرا علاج ہو جائے گا۔تمہیں یہاں سے جانے سے کوئی نہیں روکے گا۔میں تمہیں لفٹ تک پہنچاؤں گا۔تم تہہ خانے کے اوپر جا سکو گے۔"

"پہلے ان سے کہو میری طرف ہتھیار پھینکیں اور سب خالی ہاتھ ہو جائیں۔"

اس نے گارڈز کو حکم دیا۔"فوراً ہتھیار پھینکو۔میں تکلیف میں مبتلا ہوں۔میرا فوراً علاج ہونا چاہئے۔"

ان سب نے ہتھیار پھینک دیئے۔اب کوئی مجھ پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔میں دیوار کی آڑ سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا راڈ مین کے پاس آیا۔وہ میرے نشانے پر تھا۔میں نے کہا۔"نجات چاہتے ہو تو فوراً اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔مجھے لفٹ تک لے کر جاؤ۔"

وہ کراہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔میں نے کہا۔"زیادہ ایکٹنگ نہ کرو۔گولی تمہاری ایک ٹانگ کو زخمی کرتے ہوئے گزر گئی ہے۔اگر یہ تمہارے جسم میں دھنس جاتی تم بے حال ہو جاتے۔یہاں سے لنگڑاتے ہوئے چلو۔مگر چلو۔"

پھر میں نے ان تمام گارڈز سے کہا۔"تم سب محالہ اور جے کوف کے ساتھ ہمارے

آگے آگے چلو۔"

محالہ نے کہا۔"پلیز سلمان! مجھے اور میرے بیٹے کو جانے دو۔"

"بائیس برس کے بعد اپنے اس شوہر کے قریب آئی ہو مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گی؟ اور یہ سچ بتاؤ' کیا یہ واقعی میرا بیٹا ہے؟"

"ہاں۔یہ ہمارا بیٹا ہے۔تمہارا خون ہے۔میں نے اسے نو ماہ پیٹ میں رکھ کر پیدا کیا ہے۔"

میں نے جے کوف سے پوچھا۔"کیا تم واقعی میرے بیٹے ہو؟"

وہ بولا۔"یس پاپا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں...."

میں نے اس کا نشانہ لے کر فائر کیا۔گولی اس کے بازو کو زخمی کرتے ہوئے گزر گئی۔وہ چیختا ہوا محالہ سے لپٹ گیا۔میں نے کہا۔"میرے بیٹے ہو اور مجھے مار ڈالنے کے لئے اچھل کر میرے بیڈ پر آئے تھے۔میں تم سے اور محالہ سے کہتا ہوں فوراً بتاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟"

وہ دونوں پریشان ہو کر راڈ مین کی طرف دیکھنے لگے۔وہ ان کا سربراہ تھا ان سے بہتر جانتا تھا کہ میرا بیٹا کہاں ہوگا؟ محالہ نے جے کوف کو سنبھالتے ہوئے کہا۔"میں قسم کھا کر کہتی ہوں یہی تمہارا بیٹا ہے۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔"ہاں۔پاپا! آپ یقین کریں۔میں آپ کا بیٹا ہوں۔"

میں نے راڈ مین محالہ اور جے کوف کو دیکھتے ہوئے کہا۔"تم سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں گونگا بہرہ نہیں تھا۔خاموش رہ کر تم سب کی باتیں سنتا رہا تھا۔تم لوگوں کی باتوں سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔اس کی ڈمی ہے۔"

انہیں یاد آیا کہ میں واقعی گونگا بہرہ بن کر ان سب کی باتیں سنتا رہا تھا۔میں نے جے کوف کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔"اگر تم میرے بیٹے ہو تب بھی میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔جو باپ پر قاتلانہ حملہ کرے وہ بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔"

یہ کہہ کر میں نے اسے گولی مار دی۔وہ فرش پر گر کر ٹھنڈا پڑ گیا۔محالہ اور راڈ مین خوف سے زرد پڑ گئے۔مجھے ایسے دیکھنے لگے جیسے اگلے لمحے میں ان کی باری ہے۔تمام گارڈز نہتے ہو چکے ہیں۔کوئی نہیں بچائے گا۔وہ دونوں اب میرے رحم و کرم پر تھے۔

میں نے کہا۔"ادھر آؤ۔اپنے باس کو سہارا دے کر لفٹ کی طرف لے چلو اور تم تمام گارڈز ہمارے آگے آگے چلو گے۔"

محالہ نے آ کر راڈ مین کو سہارا دیا۔ وہ اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر میرے اور رائنا کے آگے آگے لنگڑاتے ہوئے چلنے لگا۔ رائنا نے کہا۔ ''میں اس کے ساتھ کلرڈ شیشوں والی کار میں آئی تھی۔ وہ یقیناً اوپر عمارت کے کسی حصے میں ہوگی۔ میں اپنے بیٹے کو فون کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے آدمی یہاں ہوں گے وہ ہمارے گارڈز بن کر رہیں گے۔''

''ناماں کو ضرور فون کرو۔ ویسے ٹیپو یہاں پہنچا ہوا ہے۔ یقیناً میرے کئی جانثار بھی آس پاس موجود ہوں گے۔''

وہ بولی۔ ''ٹیپو کا نمبر میرے پاس ہے۔ میں ابھی اسے انفارم کرتی ہوں۔''

اس نے فون کے ذریعے ٹیپو سے رابطہ کیا۔ اس نے پوچھا۔ ''رائنا! تم کہاں ہو؟''

''میں بھائی جان کے ساتھ ہوں۔ ہم اس تہہ خانے سے باہر آرہے ہیں۔ تم بتاؤ اس وقت کہاں ہو؟''

''میں ملٹی ٹریڈرز بلڈنگ کے پیچھے ہوں۔ یہاں ہمیں ایک تہہ خانے کا سراغ مل رہا ہے۔''

''ہم اسی تہہ خانے سے باہر آرہے ہیں۔ اس بلڈنگ کے سامنے آجاؤ۔ میرے بیٹے کو اور اس کے تمام مسلح گارڈز کو بھی اطلاع دے دو۔ تم سب کو چند منٹوں میں یہاں پہنچ جانا چاہئے۔''

''فکر نہ کرو۔ ہم پہنچے ہوئے ہیں۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ ہم لفٹ کے پاس پہنچ گئے۔ وہ لفٹ مقفل رہتی تھی۔ راڈ مین نے جلد ہی مجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے مخصوص نمبروں کے ذریعے اس کے لاک کر کھولا تو اندر روشنی ہوگئی۔ دروازہ کھل گیا۔ اس کے نہتے گارڈز ہم سے دور کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بازو میں اس کی گردن دبوچ لی۔ پھر کہا۔ ''خبردار! اگر کوئی قریب آئے گا تو میں اسے گولی ماردوں گا۔''

پھر میں اسے کھینچتا ہوا لفٹ کے اندر لے آیا۔ محالہ کو حکم دیا کہ وہ بھی اندر آئے۔

وہ نشانے پر تھی۔ انکار نہیں کرسکتی تھی۔ فوراً ہی لفٹ کے اندر آگئی۔ راڈ مین نے پوچھا۔ ''یہ کیا کررہے ہو؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ یہاں پہنچ کر مجھے زندہ رہنے کے لئے چھوڑ دو گے؟''

''وعدہ نہ کرتا تو اتنی آسانی سے لفٹ تک نہ آتے۔ طرح طرح کے مسائل پیدا کرتے رہتے۔''

رائنا نے ایک بٹن کو دبایا' دروازہ بند ہوگیا۔ راڈ مین نے پوچھا۔ ''مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ اگر مارنا ہے تو یہیں مار ڈالو۔''

''میں کہہ چکا ہوں' تمہیں زندہ رکھوں گا۔ تمہاری اور محالہ کی سلامتی اسی میں ہے کہ میرا بیٹا میرے حوالے کردو۔ وہ میرے پاس آئے گا میں اسے آزماؤں گا۔ اگر واقعی وہ میرا بیٹا ثابت ہوگا تو تم دونوں کو رہا کردوں گا۔ ایک مسلمان دو یہودیوں کو زبان دے رہا ہے۔ یقین کرلو کہ میرا بیٹا میرے حوالے کرنے کے بعد زندگی کی سانسیں لیتے رہو گے۔''

لفٹ اوپر آکر رک گئی۔ دروازہ کھل گیا۔ ہم سب باہر آگئے۔ کچھ فاصلے پر کلرڈ شیشوں والی کار کھڑی ہوئی تھی۔ رائنا نے کہا۔ ''یہی کار ہے۔ چابی اس کے پاس ہے۔''

میں نے راڈ مین کی جیبیں ٹٹول کر اس کا موبائل فون پاکٹ ڈائری اور کار کی چابی نکال لی۔ رائنا نے چابی لے کر کار کے دروازے کھولے۔ میں نے راڈ مین کو اگلی سیٹ پر بٹھایا۔ رائنا سے کہا۔ ''محالہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھو۔ یہ ذرا سی بھی مکاری دکھائے اور فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے گولی مار دینا۔''

میں نے تہہ خانے سے حاصل کیا ہوا ایک ریوالور اسے دیا۔ پھر لاٹھی کو اس طرح کار میں رکھا کہ وہ ڈیش بورڈ سے پچھلی سیٹ تک کار میں سما گئی۔ اس کے بعد رائنا سے کہا۔ ''ٹیپو سے رابطہ کرو۔''

اس نے موبائل پر نمبر پنچ کئے پھر فون مجھے دیا۔ میں نے اسے کان سے لگا کر انتظار کیا پھر ٹیپو کی آواز سن کر کہا۔ ''ٹیپو! میرے یار! میری جان! کتنے برس کے بعد میں نے تمہاری آواز سنی ہے اور تم میری وازسن رہے ہو۔''

وہ بولا۔ ''میرے دوست! ہم تقریباً گیارہ برس کے بعد ملنے والے ہیں۔ اب ہمیں ملنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ یہ بتاؤ ابھی کہاں ہو؟''

''میں تہہ خانے سے اوپر آگیا ہوں۔ ایک کار میں بیٹھ کر یہاں سے نکل رہا ہوں۔ تم اس بلڈنگ کے پاس ہو۔ عمارت کے سامنے آجاؤ۔ میں کلرڈ شیشوں والی کار میں ہوں۔ تم مجھے دیکھ نہیں پاؤ گے' میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ تمہارے پاس آجاؤں گا۔''

چند لمحوں کے بعد نینی کی آواز سنائی دی۔ ''غازی جی! میں نینی بول رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے' آپ تہہ خانے سے باہر آگئے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے اب آپ پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ لاٹھی اور انگوٹھی آپ کے پاس ہے۔ آپ سلامت رہیں گے۔''

میں نے بڑی محبت سے کہا۔ ''نینی! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھلاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم بحری جہاز سے کس طرح یہاں تک پہنچی ہو اور تم نے کس طرح انگوٹھی اور لاٹھی کو میرے

پاس پہنچ گیا ہے؟ ہم ملیں گے تو ڈھیر ساری باتیں ہوں گی۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

میں اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ راڈ مین نے کہا۔ "میرے زخم سے خون رس رہا ہے۔ پلیز فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔"

میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "گندہ خون ہے جتنا بہتا ہے بہہ جانے دو۔ یہ اطمینان رکھو کہ تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔"

ایسے ہی وقت اس کے فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے اس کا فون اپنی جیب میں رکھا تھا۔ اسے نکال کر بٹن دبا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بولو۔"

دوسری طرف سے مشیر اعلیٰ نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں موت کا فرشتہ ہوں۔ تم مجھے نہیں پہچانو گے اس لئے کہ ابھی تمہارے نصیب میں زندگی ہے۔ ابھی میں راڈ مین اور محالہ کے سروں پر منڈلا رہا ہوں۔"

اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "راڈ مین کہاں ہے؟ اس سے بات کراؤ۔ میں اس کا مشیر اعلیٰ ہوں۔"

"تم اسے ساری زندگی مشورے دیتے رہے۔ اب میرا مشورہ سنو اور اس پر عمل کرو۔ میں اپنے بیٹے یعقوب سلمان کی واپسی چاہتا ہوں۔ اگر وہ چھ گھنٹے کے اندر مجھے واپس نہ ملا تو تمہاری تنظیم کا یہ سربراہ محالہ کے ساتھ مارا جائے گا۔"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا وہ انگوٹھی اور لاٹھی تمہارے پاس ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فون بند کر دیا۔ کار کو آگے بڑھاتے ہوئے راڈ مین سے کہا۔ "تمہارا وہ مشیر اعلیٰ انگوٹھی اور لاٹھی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ تمہارے لوگ میری ان دو چیزوں کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

اس نے کہا۔ "سی آئی اے والوں کی ایک تحریری رپورٹ کے مطابق یہ انگوٹھی اور لاٹھی غیر معمولی کمالات دکھاتی ہیں۔ ان کمالات کو جادو بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے تم یہاں سے فرار ہونے کے بعد کہیں چھپ نہیں سکو گے۔ مختلف تنظیموں کو بھی ان دو چیزوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے اور تمہارے ساتھ یہ لاٹھی رہے گی تو تم ہزار بھیس بدلنے کے باوجود پہچان لئے جاؤ گے۔"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ یہ میرا ایک بہت بڑا مسئلہ

ہے۔ میں سوچوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا کوریڈور سے گزر رہا تھا۔ آگے دائرہ نما چڑھائی تھی۔ اس چڑھائی سے گزرتے ہوئے ہم عمارت کی بیسمنٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں درجنوں کاریں پارک کی گئی تھیں۔ میں کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے گزرتا ہوا عمارت کے باہر آ گیا۔ باہر دور تک احاطے کی دیواریں تھیں۔ سامنے بڑا سا آہنی گیٹ تھا۔ لوگ آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے گیٹ سے گزرتے ہوئے ٹیپو کو دیکھا پھر ایک طرف کار روک کر دروازہ کھولتے ہوئے اسے آواز دی۔ نینی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں ہی دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور آتے ہی لپٹ گئے۔

رائنا پچھلی سیٹ پر ریوالور لئے بیٹھی تھی۔ راڈ مین اس کے نشانے پر تھا۔ اس نے سر گھما کر کہا۔ "رائنا! ہم نے برسوں بڑی محبت سے دن رات گزارے ہیں۔ میری ایک بھول کو معاف کر دو۔ مجھے یہاں سے فرار ہونے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں آج ہی کسی فلائیٹ سے تمہیں پاکستان لے جاؤں گا۔"

وہ سخت لہجے میں بولی۔ "بس آگے کچھ نہ کہنا۔ میں کچھ نہیں سنوں گی۔ یہ ٹریگر دب جائے گا۔ گولی چل جائے گی۔"

عمارت کے سامنے مین روڈ پر بیشمار گاڑیاں چل رہی تھیں۔ میرے جانثار اپنی اپنی گاڑیوں کے ساتھ سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی میرے پاس آ گئے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ "راڈ مین اور محالہ کو خفیہ اڈے میں لے جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"

پھر میں نے راڈ مین کے پاس آ کر ادھر کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "باہر آؤ۔ مگر یاد رکھو اگر لوگوں کو مخاطب کرو گے اور یہ ظاہر کرو گے کہ تمہیں قیدی بنا کر لے جایا جا رہا ہے تو ہم زبان کھلنے سے پہلے تمہیں جہنم میں پہنچا دیں گے۔"

وہ کار سے نکلتے ہوئے بولا۔ "تم نے چھ گھنٹے کی مہلت دی ہے۔ میری تنظیم کے اعلیٰ عہدیدار اس سے پہلے ہی یعقوب سلمان کو تمہارے پاس بھیج دیں گے۔"

میرے جانثار اسے محالہ کے ساتھ اپنی گاڑی میں لے گئے۔ ایک جانثار نے مجھ سے کہا۔ "سر! آپ میری کار میں آ جائیں۔"

رائنا کار سے باہر آتے ہوئے بولی۔ "یہ راڈ مین کی کار ہے۔ اسے یہیں چھوڑ دینا مناسب ہوگا۔"

ٹیپو نے کہا۔ "ہاں۔ہم اسے یہیں چھوڑ دیں گے۔"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میری بہن! اب میں بہت مصروف رہوں گا۔لیکن تمہاری طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔تم ٹیپو کے ساتھ جاؤ۔یہ کسی بھی پہلی فلائیٹ سے تمہیں پاکستان لے جائے گا۔"

وہ بولی۔ "ابھی سی آئی اے والوں کو اور دوسری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے دشمنوں کو معلوم ہوگا تو وہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے۔آگے نہ جانے کیسے کیسے خطرات کا سامنا کرو گے؟ایسے وقت ٹیپو جیسے جانثار کو تمہارے ساتھ ہونا چاہئے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔میرا ہر جانثار اپنی جگہ ٹیپو اور سلمان سعدی ہے۔میں دشمنوں سے نمٹ لوں گا۔تم اپنے علاج کی فکر کرو۔ناماں کو فون پر بتاؤ کہ تم ٹیپو کے ساتھ پاکستان جا رہی ہو۔"

اس نے کہا۔ "میں ابھی اپنے بیٹے سے بات کروں گی۔تمہیں یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا نہیں چاہئے۔تم یہاں سے جاؤ۔"

"پہلے تم ٹیپو کے ساتھ جاؤ۔"

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی ایک گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔میں نے راڈ مین کی کار سے اپنے عصاء کو نکالا پھر نینی کے ساتھ چلتا ہوا ایک جانثار کی کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ہم سب وہاں سے چل پڑے۔ایک جانثار نے مجھے ٹیپ ریکارڈر دیتے ہوئے کہا۔ "میسونی تنظیم والے آپ سے رابطہ کریں اور راڈ مین کے متعلق کچھ پوچھنا چاہیں کہ وہ کہاں ہے' کس حال میں ہے اور اسے کب رہا کیا جائے گا؟ تو ایسے وقت آپ یہ ٹیپ ریکارڈر آن کر دیں۔اس ریکارڈر سے ایک آدھ بار راڈ مین کی دھیمی دھیمی سی آواز ابھرے گی۔یہ تاثر پیدا ہوگا کہ آپ اسے اپنے ساتھ کہیں لے جا رہے ہیں۔"

میں نے وہ ریکارڈر اپنے پاس رکھ لیا۔نینی میرے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔میں نے کہا۔ "اب تم اپنی روداد سناؤ۔میں نے آخری بار تمہیں ایک لائف بوٹ میں دیکھا تھا۔تم وہاں لاٹھی کے پاس بیہوش پڑی ہوئی تھیں۔اس کے بعد مجھے گولیاں ماری گئی تھیں۔میں بیہوش ہو گیا تھا۔پتہ نہیں کتنے دن کتنے ہفتے کتنے مہینے گزر چکے ہیں؟ آج ہم پھر مل رہے ہیں۔"

وہ فرط محبت سے قریب آ کر مجھ سے لگ گئی۔طرح طرح کی تکالیف اور بے انتہا اذیتیں برداشت کرنے کے بعد مجھے اچانک ایسا لگا جیسے تقدیر میری زندگی کا سارا حسن اور تمام رنگینیاں مجھے ان لمحات میں لوٹا رہی ہے۔نینی ایسی تھی کہ پہلی ہی نظر میں حواس پر چھا جاتی

تھی۔جب کہ میں اسے کئی مہینوں سے دیکھتا آ رہا تھا۔اگرچہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر ابتداء میں اس کی طرف مائل نہیں ہوا تھا۔بعد میں اس کا حسن اس کی رعنائی اور اس کی دلنشین ادائیں مجھے پکارنے لگی تھیں۔

مختصر یہ کہ میں نے اس کا طلبگار بننے میں دیر کر دی تھی۔وہ کندن ورما کی پتنی بن گئی تھی۔اجمیر شریف سے ممبئی تک پھر بحری جہاز تک وہ میرے لئے ممنوعہ رہی۔اب حالات منع نہیں کر رہے تھے۔ساری رکاوٹیں دور ہو گئی تھیں۔

مگر نہیں....میں جذبات کی رو میں بہہ نہیں سکتا تھا۔حالات اب بھی سنگین تھے۔میری سلامتی خطرے میں تھی۔اب صرف میسونی تنظیم ہی نہیں سی آئی اے والے اور مختلف ممالک کے اور مختلف تنظیموں کے سربراہ میرا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔مجھے دنیا کے ہر ملک' ہر شہر' ہر علاقے میں ڈھونڈنے والے تھے۔میں کہیں آرام اور سکون سے نہیں رہ سکتا تھا۔

ایسی صورت میں محبت کے لئے سوچنا اور وقت نکالنا ناممکن سا تھا۔وہ مجھے اپنی روداد سنا رہی تھی کہ کس طرح بحری جہاز سے نکل کر کیسی کیسی مصیبتیں جھیلتی ہوئی مجھ تک پہنچی ہے۔واقعی وہ مجھ سے ملنے اور میری امانتیں مجھ تک پہنچانے کی خاطر بدترین حالات سے گزرتی رہی تھی۔اس کا یہ عزم اور حوصلہ ثابت کر رہا تھا کہ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔

بہر حال مجھے دشمنوں سے نجات مل گئی تھی۔میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔راڈ مین نے زبردست چال چلی تھی۔ریڈ مرکری تک پہنچنے کے لئے اس نے تمام خطرناک تنظیموں اور سی آئی اے والوں کو بھی میری موت کا یقین دلا دیا تھا۔یوں اُن سب کو مجھ سے دور کر دیا تھا۔

کوئی میری روداد پڑھے گا تو یقین نہیں کرے گا کہ میں پانچوں حواس سے محروم ہو کر اس تہہ خانے سے ایک مُردے کی طرح زندگی گزار کر آیا ہوں۔اب پھر سے ایک نئی زندگی اور رہائی پانے کے باوجود سکون سے نہیں رہ سکتا تھا۔ابھی میرے سامنے پہاڑ جیسے مسائل تھے۔

سب سے پہلے ایک محفوظ پناہ گاہ لازمی تھی۔میرے جانثار ایک پناہ گاہ کا انتظام کر چکے تھے۔دیکھنا یہ تھا کہ میں نینی اور اپنے عصا کے ساتھ وہاں کتنے دن رہ پاؤں گا؟

باہر میسونی تنظیم کے کتے میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ان کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا تھا کہ اب وہ مجھ سے ریڈ مرکری حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرا بڑا دھچکا یہ پہنچا تھا کہ اس تنظیم کا سربراہ راڈ مین میرے شکنجے میں تھا۔اس تنظیم

میں محالہ کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں تھی۔

دشمن ایک نہیں ہزار تھے۔ میسونی تنظیم والوں نے ان سب کو اطلاع دی تھی کہ شیر پنجرہ توڑ کر نکل بھاگا ہے۔ اب جو اسے پکڑے گا' وہی ریڈ مرکری حاصل کر سکے گا۔

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ حالات میں اردگرد موت ہی موت تھی۔ وہ ریڈ مرکری حاصل کرنے کے بعد مجھے زندہ چھوڑنے والے نہیں تھے۔ موت اور زندگی کے اس کھیل میں نہ وہ جھکنے والے تھے اور نہ میں حوصلہ ہارنے والا تھا۔

میرے جانثار بھی بڑے زندہ دل تھے۔ انہوں نے میسونی تنظیم کے دفتر کے قریب ہی ایک عمارت میں مجھے پہنچایا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں ان کے اتنے قریب ہوں۔ اس عمارت میں میرے ایک جانثار کا وسیع وعریض اپارٹمنٹ تھا۔ وہاں ایکسپورٹ امپورٹ کا دھندہ جاری رہتا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ میں نے عارضی طور پر اس آفس کے ایک کمرے میں رہائش اختیار کی ہے۔

میں نے وہاں تحفظ حاصل کرتے ہی میسونی تنظیم کے بورڈ آف ڈائریکٹر کو فون پر مخاطب کیا۔ ''ہیلو۔ میں تھری ایس بول رہا ہوں۔''

میری آواز سنتے ہی اس نے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔ ''راڈ مین کہاں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''حبس بے جا میں۔ جیسا کہ اب تک میں تھا۔''

''خیریت چاہتے ہو تو اسے فوراً رہا کرو۔''

میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ''کیا اب تک تم لوگ میری خیریت چاہتے رہے تھے؟ کیوں بچکانہ دھمکی دے رہے ہو؟''

''تھری ایس! تم استنبول سے نکل نہیں سکو گے۔ حرام موت مارے جاؤ گے۔''

''میرے ساتھ راڈ مین اور محالہ کی بھی لاشیں ملیں گی۔ تمہارا صدر دفتر ہمارا اگلا ٹارگٹ ہے۔ اگر شکاری کتوں کے ذریعے مجھے تلاش کرو گے تو وہ کتے مجھ تک پہنچنے سے پہلے مارے جائیں گے۔ ان کے ساتھ تمہارے ہیڈ آفس میں موت کا تماشہ ہوگا۔ تم میں سے کوئی بچ نہیں پائے گا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تم میرا ایکشن دیکھو گے۔''

استنبول کے تین علاقوں میں درجنوں کتوں کے ٹرینرز تھے۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں بھی چھ تربیت یافتہ کتے تھے۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہی یہ خبر عام ہوئی کہ چھ افراد ماسک پہن کر آئے اور انہوں نے آناً فاناً تمام کتوں کو گولیوں سے اڑا دیا۔ پھر وہاں سے ایسے فرار ہو گئے' جیسے طوفان

آ کر گزر گیا ہو۔

خطرناک تنظیموں کے جو کارندے اور عہدیدار چار دیواریوں سے باہر نظر آئے تھے' وہ بھی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے شہر میں دہشت پھیل گئی۔ جن علاقوں میں واردات ہو رہی تھی۔ وہاں کی دکانیں اور کاروبار بند ہو رہے تھے۔ سی آئی اے کے دو جاسوس بھی مارے گئے تھے۔

دشمن یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں رہائی پاتے ہی ایسا خطرناک ردعمل پیش کروں گا۔ میں جیسے موت کا ہرکارہ بن گیا تھا۔ اب وہ مجھے ڈھونڈ نکالنے کے لئے بے خوف وخطر اپنے خفیہ مورچوں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ بہت محتاط رہ کر ائیرپورٹ اور بندرگاہ کی ناکہ بندی کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں کسی بھی تدبیر سے فرار نہ ہو سکوں۔ استنبول سے نکل جاؤں گا تو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انہیں ہمیشہ کی طرح نچاتا رہوں گا۔

جو عصا میری سلامتی کا ضامن تھا' وہی مسئلہ پیدا کر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس کے ساتھ چھپ کر وہاں سے نکلا جا سکتا تھا؟ ظالموں نے مجھ پر ایسے مظالم ڈھائے تھے کہ مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں بیمار اور بے حد کمزور تھا۔ بستر سے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کی قربت سے حیرت انگیز توانائی حاصل ہوتی تھی۔ میں چلنے پھرنے اور دوڑنے کے قابل ہو جاتا تھا۔

وہ میرے لئے آتی جاتی سانسوں کی طرح لازمی ہو گیا تھا۔ جب تک دواؤں سے اور تیمارداری سے بھلا چنگا نہ ہوتا' تب تک عصا کو عارضی طور پر بھی جدا نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے وہاں سے نکلنے کے ایک منصوبے پر عمل کیا جا رہا تھا۔

میری ٹیم میں میری طرح کئی قدآور جوان اور بوڑھے تھے۔ یہ طے پایا کہ ایسے ہی ایک بوڑھے اور نینی جیسی جوان لڑکی کو ایک ٹرالر میں خشکی کے راستے روانہ کیا جائے گا۔ اس ٹرالر میں انسانی ضرورت کا تمام سامان ہوگا۔ ایک ملازمہ اور ایک ملازم بھی ہوگا۔ وہ دونوں حقیقتاً خطرناک فائٹر ہوں گے۔

ٹرالر کے نچلے حصے میں لوہے کی جو چادر ہوتی ہے۔ اس میں عصا کو چھپایا جائے گا۔ کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ ٹرالر کے اس حصے میں اسے چھپایا گیا ہے۔ شبہ اس لئے بھی نہیں ہوگا کہ میرے اور نینی کی جگہ سفر کرنے والے اپنے اصلی چہروں کے ساتھ خشکی کے راستے سیاحت کے کاغذات کے ساتھ کھلی کتاب کی طرح ہوں گے۔ کسی ملک کا قانون انہیں آگے بڑھنے سے نہیں

رو کے گا۔

ایسے وقت میں اور نینی ہائی وے چھوڑ کر دوسرے مختلف راستوں سے سفر کریں گے۔ پھر استنبول سے نکل کر اس ٹرالر کے آگے پیچھے چلتے رہیں گے۔ آگے ترکی کی سرحد سے نکلنے کے بعد اس ٹرالر میں پہنچ کر اس بوڑھے اور جوان عورت کو ان کی ڈیوٹی سے فارغ کریں گے۔ پھر وہ ہماری کار میں واپس چلے جائیں گے۔

مجھے امید تھی کہ ہم وہاں سے دوسرے دن روانہ ہوسکیں گے۔ میں حجاب کو بھول نہیں سکتا تھا۔ دشمنوں پر کسی حد تک قابو پانے کے بعد اس سے دو باتیں کرنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔

حالات نے مجھے اس قدر مجبور اور بے بس کر دیا تھا کہ ہمارے درمیان فون کے ذریعے بھی رابطہ نہ ہوسکا۔ میں نے لندن میں اپنے دست راست کو فون پر مخاطب کیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا' خدا کا شکر ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد آپ کی آواز سن رہا ہوں۔ امید ہے' اب ہم ایکشن میں آئیں گے۔''

میں نے کہا۔''نہیں۔ ابھی ہم روپوش اور گمنام رہیں گے۔ مجھے حجاب اور ندا کے متعلق بتاؤ؟ کیا حجاب کا علاج جاری ہے؟''

''جی ہاں۔ جو ڈاکٹر علاج کر رہا ہے۔ وہ بہت ہی ماہر تجربہ کار اور بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ لیکن مرض میں خاطر خواہ افاقہ نہیں ہو رہا ہے۔ وہ آپ کے لئے فکر مند رہتی ہیں۔ نمازیں پڑھتی ہیں اور دن رات دعائیں مانگتی رہتی ہیں۔''

''کیا وہ ہوسپٹل میں ہے؟''

''نہیں۔ یہاں آپ کی ایک رہائش گاہ میں ہیں۔ کیا آپ ان کا فون نمبر نوٹ کریں گے؟''

اس نے مجھے نمبرز بتائے۔ میں نے انہیں سیو کیا۔ پھر اس سے رابطہ کیا۔ وہ میری آواز سنتے ہی حیرت اور مسرت سے رو پڑی۔''یہ آپ ہیں....؟ آپ ہی ہیں ناں....؟''

''ہاں۔ میں تمہارا عمیر بول رہا ہوں۔''

وہ ایکدم سے رونے لگی۔ کہنے لگی۔''میرا دل کہہ رہا ہے' آپ کی ہی آواز سن رہی ہوں۔ ابھی میرے اندر آپ ہی گونج رہے ہیں۔ مگر....''

میں نے پوچھا۔''مگر کیا؟''

''آپ نے کہا تھا کہ درجنوں جانثار آپ کے ہم شکل ہیں۔ آپ ہی کی طرح اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے اور بولتے ہیں۔ میں کبھی کسی ہم شکل سے دھوکا کھا سکتی ہوں۔ ابھی یہ شبہ کر رہی ہوں کہ ان لمحات میں کوئی میرا عمیر بن کر بول رہا ہے۔''

میں نے کہا۔''شبہ دور کرنے کے لئے کوڈ ورڈز مقرر کئے گئے تھے۔''

''جی ہاں۔ وہ کوڈ ورڈز میرے دل میں لکھے ہوئے ہیں۔ آپ میرے عمیر ہیں تو بولیں۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''وہ کوڈ ورڈز یہ ہیں۔ میرا پیار تم پر ادھار ہے۔ تمہیں صحت یاب ہو کر میرے پاس آ کر پیار کا قرض چکانا ہے۔''

وہ خوشی سے لہرا کر بولی۔''ہائے میں مرجاؤں۔ آپ ہی میرے عمیر ہیں۔ خدا نے میری دعائیں سن لی ہیں۔ اب آپ ہم سے ملنے آئیں گے یا ہمیں اپنے پاس بلائیں گے؟

ندا! ہائے ندا....! تم کہاں ہو؟ جلدی آؤ۔ تمہارے جیجو آئے ہیں۔''

ندا کچن سے دوڑتی ہوئی کمرے میں چیختی ہوئی آئی۔''جیجو....میرے جیجو....! صبح سے میری آنکھ پھڑک رہی تھی۔ میں سمجھ گئی تھی' کوئی بہت بڑی خوشخبری ملنے والی ہے۔''

وہ کمرے میں آ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔''کہاں ہیں جیجو....؟''

حجاب نے فون پر کہا۔''سن رہے ہیں آپ....؟ یہ کیسی باؤلی ہو رہی ہے؟ ہونٹوں پر جیلی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اس کی چرا کر کھانے والی عادت نہیں گئی۔''

میں ہنسنے لگا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر حجاب کے کان سے لگے ہوئے فون کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوشی قدرے مایوسی میں بدل گئی تھی۔ حجاب فون پر اس کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔''اسے فون دو۔''

اس نے خود ہی آگے بڑھ کر بہن سے فون چھین لیا پھر کان سے لگا کر سلام کرنے کے بعد کہا۔''یہ کیا بات ہوئی؟ اتنے دن سے خوابوں میں آتے رہے اور اب فون پر تشریف لائے ہیں۔ کیا سیدھے یہاں نہیں آسکتے تھے؟''

حجاب نے ذرا جھک کر فون سے کان لگایا۔ میں نے کہا۔''دادی اماں! یوں تو حجاب کو جھگڑا کرنا چاہئے تھا۔ مگر تم کر رہی ہو۔ میں اب تک مشکلات سے گزر رہا ہوں۔ آسانی سے تم دونوں کے پاس نہیں آسکوں گا۔ ابھی اور انتظار کرنا ہوگا۔''

حجاب نے کہا۔''میں آخری سانس تک انتظار کروں گی۔ آپ عجلت میں نہ آئیں۔ ہر طرح سے اپنی سلامتی کا خیال رکھیں۔''

میں نے کہا۔ ''سنا ہے' علاج بڑی توجہ سے ہو رہا ہے۔ لیکن مرض جوں کا توں ہے۔''
ندا نے کہا۔ ''ڈاکٹر کہتے ہیں' یہ آپ کی محترمہ بیمارِ محبت ہیں۔ ان کے لئے کہا گیا ہے عرض ہے..... مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی... اصل دوا آپ ہیں۔ جس دن آپ کو دیکھیں گی فوراً اٹھ کر کھڑی ہو جائیں گی۔''
میں نے کہا۔ ''حجاب! یہ کیا ہو رہا ہے؟ دوائیں اثر کیوں نہیں کر رہی ہیں؟''
''آپ جانتے ہیں' یہ مرض کیسا موذی ہے۔ سب ہی کہتے ہیں ایڈز موت کا دوسرا نام ہے۔ میں ایک ہی دعا مانگتی ہوں۔ دشمن آپ کا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ ایک بار میرے سامنے آ جائیں۔ میں بڑے سکون سے ندا کو آپ کے حوالے کر کے آنکھیں بند کر لوں گی۔''
وہ بول رہی تھی اور ندا کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ ''ندا! تم بہن کو بھی رُلاؤ گی۔ تمہیں تو اپنی آپی کا حوصلہ بن کر رہنا چاہئے۔''
وہ سسکتے ہوئے بولی۔ ''آپ آپی سے پوچھ لیں۔ میں کبھی اِن کو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ ہمیشہ ہنساتی رہتی ہوں۔ لیکن ابھی.....''
وہ روتے ہوئے بولی۔ ''ابھی آپ کی آواز سن کر تڑپ رہی ہوں۔ ساری رکاوٹیں توڑ کر دوڑتی ہوئی آ کر آپ سے لپٹ جانا چاہتی ہوں۔ جیجو! ایک بار آ جائیں۔ کسی طرح آ جائیں یا کسی طرح ہمیں اپنے پاس بلا لیں۔''
میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کاش یہ ممکن ہوتا۔ پھر بھی ممکن بنانے کی کوشش کروں گا۔ جیسے ہی محفوظ پناہ گاہ ملے گی۔ وہاں ساری دنیا کو بھول کر تم دونوں کو بلاؤں گا۔''
حجاب نے کہا۔ ''خدا کرے آپ محفوظ رہیں اور ہمیں بلا لیں۔ میں ایک بار آپ کے قدموں میں آنا چاہتی ہوں۔ پھر بلا سے جان جائے۔ میں آپ کی تمام بلائیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔''
ہم بڑی دیر تک بڑے جذبے سے ایک دوسرے کو محبتیں دیتے رہے۔ پھر میں نے دوسرے دن فون کرنے کا وعدہ کر کے رابطہ ختم کر دیا۔
مجھے استنبول سے نکلنے کی جلدی نہیں تھی۔ میرے وفادار بہت محتاط رہ کر منصوبے پر عمل کر رہے تھے اور بڑی رازداری سے میرا علاج کرا رہے تھے۔ نینی میرے ساتھ ایک ہی کمرے میں تھی۔ اس کی قربت میری بوڑھی جوانی کو بھڑکا سکتی تھی۔ لیکن ظالموں کی مسلسل سختیوں نے اور جسمانی کمزوریوں نے مجھے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ میں جذبات کی کھچڑی پکانے کے لئے جوانی کے

چولہے پر چڑھنے والا نہیں تھا۔
حجاب مجھ سے دور تھی اور نینی قریب تھی۔ قربت کے باوجود میں رومانس کے موڈ میں نہیں تھا۔ ہم صرف ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا کرتے تھے۔ اس نے ہاتھ تھام کر پوچھا۔ ''کیا آپ ہمیشہ مجھے اپنے چرنوں میں رکھیں گے؟''
میں نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے باپو کے احسانات کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ تمہیں اس دنیا میں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔''
وہ بولی۔ ''نحوست میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی ہے۔ باپو نے کہا تھا' میں آپ کی دھرم پتنی بن جاؤں گی تو پھر سدا سہاگن رہوں گی۔''
''پنڈت جی نے یہ بھی کہا تھا کہ ایک مسلمان کے ساتھ رشتہ نبھا نہیں سکو گی۔''
''انہوں نے ایک بات آپ سے نہیں کہی تھی۔ مجھے تنہائی میں سمجھائی تھی۔''
میں نے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ ''کیا بات سمجھائی تھی؟''
''وہ جانتے تھے' میں دھرم کو اتنا مانتی ہوں کہ کسی مسلمان کو قبول نہیں کروں گی۔ اوپری دل سے آپ کی پتنی بن جاؤں گی تو اس طرح نبھا ہو گا۔ میری کنڈلی کہتی تھی کہ میں دل سے آپ کو اور آپ کے دھرم کو قبول کروں گی' تب ہی نحوست مجھ سے دور ہو گی۔''
''تمہارے باپو نے درست سمجھایا تھا۔ میں چاہوں گا' اپنا دھرم نہ چھوڑو۔ صرف میری خاطر اسلام قبول کرنے کی بات دل میں نہ لاؤ۔ کوئی بھی معاملہ ہو' اس میں مکمل رہو۔ آدھی ادھر آدھی اُدھر ہوئیں تو کہیں کی نہ رہ سکو گی۔''
''میں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اب عقل سے سوچنے سمجھنے لگی ہوں۔ میرا دل ودماغ آپ کے دین کی طرف مائل ہو چکا ہے۔ آپ کو یہ بتا چکی ہوں کہ بحری جہاز سے یہاں تک کتنی مصیبتیں اٹھاتی آ رہی ہوں؟ اب تک کانٹوں پر چلنے کے بعد آپ کا دین قبول کرنا چاہتی ہوں۔''
میں نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر سینے سے لگا لیا۔ پھر کہا۔ ''انشاءاللہ تم آج ہی ہمارا دین قبول کرو گی۔ ابھی میرے لئے نامحرم ہو۔ اس لئے قاضی صاحب آئیں گے۔ میں تم سے نکاح پڑھاؤں گا۔''
وہ خوشی سے لہراتی ہوئی آ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ میں بیڈ کے سرہانے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے دھڑکتے ہوئے وجود کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے چند لمحوں کے

لئے آنکھیں بند کرلیں۔ بدن آنچ دے رہا تھا۔ لیکن پہلے کی طرح بیمار اور کمزور تھا۔ تہہ خانے سے درجنوں دشمنوں کو پچھاڑ کر آیا تھا۔ حیران تھا کہ اب ایک عورت کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا تھا۔

اگرچہ لاوہ انگوٹھی میرے پاس تھی۔ عصا کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ تاہم توانائی پلٹ کر نہیں آرہی تھی۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ بیمار پر بوجھ نہ ڈالو۔ الگ ہو کر بیٹھو۔

لیکن کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ اچانک الگ ہوگئی۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر یوں منہ بنانے لگی' جیسے متلی ہورہی ہو۔ پھر اس نے ابکائی لی۔ یکایک اس کی طبیعت بگڑ گئی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر ''اونک اونک'' کرتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔

میں واش روم کے دروازے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہاں سے ابکائی لینے اور گہری گہری سانسیں لینے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میرے تجربے نے کہہ دیا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔

وہ تھوڑی دیر بعد واش روم سے باہر آئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ آنکھوں میں تھکن اتر آئی تھی۔ چہرے سے بیمار لگ رہی تھی۔ بیڈ کے سرے پر جھکے ہوئے انداز میں بیٹھ کر ذرا آرام سے سانسیں لینے لگی۔

میں نے مخاطب کیا۔ ''نینی!''

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا میں جو سمجھ رہا ہوں' وہی بات ہے؟''

اس نے جھکے ہوئے سر کو ہاں کے انداز میں ہلایا۔ میں بیڈ سے اتر کر بولا ''تمہیں آرام کرنا چاہئے۔ یہاں لیٹ جاؤ''

وہ بولی۔ ''آپ کیوں اٹھ گئے؟''

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑی مایوسی سے بولی۔ ''ڈر تھا کہ یہ بات کھلے گی تو آپ مجھے اپنے قابل نہیں سمجھیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''ایسا نہ سوچو۔ تم میرے لئے قابل قبول ہو۔ مگر زچگی کے بعد...''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا پھر پوچھا۔ ''ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ قاضی صاحب آئیں گے۔ نکاح پڑھائیں گے۔ میں آپ کا دین قبول کروں گی۔''

''حاملہ عورت کلمہ پڑھ سکتی ہے' دین قبول کرسکتی ہے۔ لیکن منکوحہ نہیں بن سکتی۔ ایسا نکاح جائز نہیں ہوتا۔ تم زچگی سے فارغ ہونے تک میرے لئے ممنوعہ رہوگی۔ میں تمہیں دس ماہ کے بعد شریک حیات بناؤں گا۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس کے جذبے اس کی آرزوئیں پیاسی رہنے والی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ شکست خوردہ سی ہو کر بولی۔ ''کچھ نہیں۔ سر گھوم رہا ہے۔''

''میں نے کہا ناں آرام سے لیٹ جاؤ۔''

وہ بولی۔ ''جو کرنا ہے' آپ اپنے دین کے مطابق کریں گے۔ لیکن...''

''پہلے لیٹ جاؤ۔ پھر باتیں کرو۔''

''میں بحری جہاز سے یہاں تک آپ کے لئے ترستی آئی ہوں۔ آپ بالکل ہی الگ نہ رہیں۔ کم از کم مجھے سینے سے لگائیں۔''

''یہ بچوں جیسی ضد مناسب نہیں ہے۔''

''میں آپ کے سامنے ننھی سی بچی ہوں۔ ابھی آپ کے بازوؤں میں چھپ کر لیٹنا چاہتی ہوں۔ ہم آگے نہیں بڑھیں گے۔ میں چپ چاپ آنکھیں بند کرکے سو جاؤں گی۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیسے میری قربت کے لئے تڑپ رہی ہے؟ وہ بار بار بیوہ ہونے کے بعد بدترین حالات سے لڑتی ہوئی میرے پاس آئی تھی۔ اب ایک ہی چھت کے نیچے الگ الگ نہیں رہنا چاہتی تھی۔

اور فطری تقاضے الگ رہنے بھی نہیں دیتے۔ وہ بیڈ کے سرے پر اکڑوں ہوگئی تھی۔ گھٹنوں میں منہ چھپا کر کہہ رہی تھی۔ ''میں مرجاؤں گی۔ مگر دور نہیں رہوں گی۔ پلیز۔ مجھے پکڑ لیں۔ مجھے سمیٹ لیں۔ مجھے دبوچ کر مار ڈالیں۔ ختم کردیں۔ کچھ بھی کریں۔ تھوڑی سی حیاتی دے دیں۔''

میں نے دلاسہ دینے کے لئے قریب آکر اس پر ہاتھ رکھا۔ نینی کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میرے ہاتھ لگاتے ہی وہ بھڑک گئی۔ اس کے اندر جیسے بجلی بھر گئی تھی۔ وہ یک لخت اٹھ کر گردن میں بانہیں ڈال کر لپٹ گئی۔ کچھ سمجھانے سے پہلے ہی مجھ پر دھاوا بول دیا۔ میں جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ اسے تھام کر شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ میں نے پھر سمجھانے کے انداز میں کہنا چاہا۔ ''نینی!''

مگر آگے نہ کہہ سکا۔ اس نے ہونٹوں پر مہر لگادی۔ یہ حکمِ زباں بندی تھی کہ چپ ہوجا۔ کچھ نہ بول۔ جذبوں میں تول...

میرے محبوب! تجھے دشمنوں نے مار ڈالنا چاہا۔ میں روح پھونکنے آئی ہوں۔

تو ہاتھی ہے۔ کمزوری کے باوجود سوا لاکھ کا رہے گا۔ تو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

اے کوہ کاف کے دیوزاد! سبز پری آئی ہے۔ اس کی پرواز بھلا دے۔ اس کے ایک ایک پر کو نوچ ڈال۔ قصہ تمام کر دے۔ کچھ بھی کر مجھے اپنے نام کر دے۔"

میں نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ بستر کی اوپری سطح پر بچھا دیا۔ ایسے بچھونوں پر بڑے بڑے ایمان والے گر پڑتے ہیں۔ میرا ایمان ایسا بھی کمزور نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان تھا۔ یہ اس معبود کی طرف سے کھلی نشانی تھی کہ عصا اور لاوہ انگوٹھی کے وسیلے سے میں بیماریوں کو اور موت کو پچھاڑ رہا تھا۔ یہ یقین تھا کہ بلاناغہ نمازیں پڑھتے ہوئے گناہوں سے بچتے ہوئے بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا ہوں۔

میں اس بچھونے پر گرنے کے باوجود سنبھل گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ چپ چاپ سو جائے گی۔ وہ سمجھتی تھی کہ میں بیمار اور کمزور ہوں۔ فی الوقت اس کی ایک ہی آرزو تھی کہ مجھ سے لگی رہے۔ اگرچہ بدن کی جوالامکھی آگ ہو رہی تھی۔ تاہم اس نے بھڑکایا نہیں۔ میرے بھی ارادے چٹان تھے۔ میں اسے تھپکتا رہا۔ وہ سو گئی۔

ایمان والے بے ایمانی کو تھپکنا اور سلانا جانتے ہیں۔

☆☆☆

میں نے ڈائری بند کر دی۔ اگر اسے مسلسل پڑھتا تو وہ اسی دن اختتام کو پہنچ جاتی۔ لیکن میرے اپنے معاملات یہاں میری توجہ چاہتے تھے۔ میں شکارگاہ کے اطراف دو کلو میٹر کے رقبے کا مالک بن گیا تھا۔ عدالتی فیصلہ میرے حق میں تھا۔ لیکن بھیم پارہ کے مندر کے پجاری پنڈت اور چند متعصب ہندو اس معاملے میں معترض تھے۔

وہ کہہ رہے تھے کہ شکارگاہ کا ایک کمرہ پوجا گھر ہے۔ اور وہاں بھگوان شری کرشن مراری کی مورتی رکھی ہے۔ اسے مندر بنانا چاہئے۔ وہ شکارگاہ ایک مسلمان کی ملکیت نہیں ہونی چاہئے۔

ایسے متعصب لوگوں نے کچھ عرصہ پہلے کٹر ہندو ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ بابری مسجد کو رام مندر بنا دیا تھا۔ میری شکارگاہ کے سلسلے میں بھی یہی جھگڑا اٹھا رہے تھے۔ میرا وکیل اگرچہ ہندو تھا لیکن قانون کے مطابق میرے حق میں عدالتی جنگ لڑ رہا تھا۔

قانون کے مطابق ایک مسلمان غازی صلاح الدین اس شکارگاہ کا مالک تھا۔ وہاں وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتا تھا۔ اس کے گھر میں کسی کو مندر بنانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ چونکہ بات جائز اور قانونی تھی۔ اس لئے عدالت نے میرے حق میں فیصلہ سنایا تھا۔

اس فیصلے کے مطابق بھگوان کی مورتی کو وہاں سے کسی مندر میں منتقل کرنا چاہئے تھا۔ لیکن بیشمار ہندو اعتراض کر رہے تھے۔ عدالتی فیصلے کے خلاف جلوس نکال رہے تھے۔ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اپنی جانیں دے دیں گے۔ مگر بھگوان کو شکارگاہ سے نکالنے نہیں دیں گے۔ یہ بھگوان کو نیچا دکھانے اور ذلیل کرنے والی بات ہے۔

یہ ایسی بات تھی کہ ہندو اکثریت بھڑک رہی تھی۔ جس جج نے میرے حق میں فیصلہ سنایا تھا۔ اس کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے۔ چند مجرمانہ ذہن رکھنے والوں نے اس جج کے بیٹے کو اغوا کر لیا تھا۔ پھر اسے ہلاک کر دیا تھا۔ بیشمار فسادی شکارگاہ کے سامنے دھرنا دے رہے تھے۔ گھیراؤ کرنے کے لئے آس پاس کیمپ لگا رہے تھے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔ میں ان حالات میں اُدھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔

وہاں کے پولیس کمشنر دارا اکبر نے مجھ سے کہا۔ "فساد پھیلانے والے ہندوؤں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ تھانے کچہری والے تمام قانون کے محافظ بے بس ہو جائیں گے۔ دانشمندی یہی ہے کہ آپ اس شکارگاہ کی ملکیت سے دستبردار ہو جائیں یا پھر اس کمرے کو پوجا گھر ہی رہنے دیں اور اس جنگل سے گزرنے والے ہندوؤں کو وہاں جا کر پوجا کرنے کی اجازت دے دیں۔"

میں نے کہا۔ "دارا صاحب! آپ مسلمان ہیں کیا اپنے گھر میں دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں رکھیں گے؟ گھر کے کسی کمرے کو عبادت گاہ بنائیں گے یا پوجا گھر؟"

"میں پوجا گھر کبھی نہیں بناؤں گا۔ لیکن آپ کا معاملہ مختلف ہے۔ ہندو اکثریت جو چاہے گی، وہی ہوگا۔ آپ نے خواہ مخواہ زمینیں اور وہ شکارگاہ خریدی ہے۔"

وہ پولیس کمشنر تو کیا، زمین کی تہہ میں خزانہ ڈھونڈنے والے بھی یہ نہیں جان سکتے تھے کہ میں نے وہ شکارگاہ کیوں خریدی ہے؟

اور جس مقصد کے لئے خریدی تھی، وہ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔ پہلے یقین تھا کہ میرا بیٹا انگوٹھی اور عصا حاصل کرنے کسی دن وہاں آئے گا تو وہ شکارگاہ کو اپنے ہی باپ کا گھر پائے گا۔ ہم باپ بیٹے وہاں کے مالک ہوں گے۔ یہاں ہمارا راز معلوم کرنے والا ہمیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ ہوگا۔

افسوس! ہمارا راستہ روکنے والے ہزاروں پیدا ہو گئے تھے۔ یہ معاملہ آگے جا کر اور سنگین ہونے والا تھا۔ اتنا سنگین کہ میرے مخالفین شکارگاہ کے کھڑکی دروازے توڑ کر اندر گھسنے والے تھے۔ اسے کرشنا مندر بنانے والے تھے۔ ایسے وقت وہاں کا قانون کمزور پڑ جاتا اور

قانون کے محافظ منہ دیکھتے رہ جاتے۔

پھر عمیر کو تہہ خانے میں جانے کے لئے پوجا گھر کا راستہ کبھی نہ ملتا۔ میں ہی اسم اعظم پڑھتا ہوا غار کے راستے سے وہاں جا سکتا تھا۔ میرے لئے مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے بیٹے کی خاطر وہ جگہ خریدی تھی۔ اب یہ فکر لاحق ہوگئی تھی کہ مجھے ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟

میں نے قسم کھائی تھی کہ اپنے گھر کو مندر بنانے نہیں دوں گا۔ اگر وہاں بھی بابری مسجد کی طرح زور زبردستی کی جائے گی تو میں اپنے آخری حوصلے تک شرپسندوں سے لڑتا رہوں گا۔ جو پوجا کرنے کے لئے وہاں جائے گا' میں اس کی موت بن جاؤں گا۔

پولیس کمشنر دارا نے پوچھا۔ ''ہاں تو مسٹر غازی! ہماری بات مان رہے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔ اب وہ شکار گاہ نہیں ہے۔ ایک مسلمان کا گھر ہے۔ میں وہاں کسی کو پوجا کرنے نہیں دوں گا۔ قانونی طور پر میری پوزیشن مضبوط ہے۔''

''لاکھوں ہندو تمہاری جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ ہم قانون کے محافظ ہو کر تمہیں تحفظ فراہم نہیں کر سکیں گے۔''

''آپ میرے کام نہیں آئیں گے۔ یہ آپ کی مجبوری ہے۔ مگر میں اپنے دین کے معاملے میں ثابت قدم رہوں گا۔ فی الحال صلح جوئی اور سمجھوتے کے راستے نکالوں گا۔ ورنہ میرا آخری فیصلہ یہی ہوگا کہ میں اپنے گھر کو شرپسندوں کے حوالے نہیں کروں گا۔''

میں تو قسم کھا چکا تھا اور مجھے اس کے مطابق عمل کرنا تھا۔ شکار گاہ کے اطراف بیشار ہندو ڈیرا جما چکے تھے۔ میں اُدھر جا نہیں سکتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر نے وہاں کے دروازوں کو مقفل کر کے سرکاری مہر لگا دی تھی۔ عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ فیصلہ ہونے تک ہندو انتظار کر رہے تھے۔ اگر اُن کے ارادوں کے خلاف سنایا جاتا تو وہ دروازہ توڑ کر وہاں قبضہ جما لیتے۔

یہ اندیشہ بھی تھا کہ بھگوان کی مورتی کو نہلانے اور صاف ستھرا کرنے کے لئے وہاں سے ہٹایا جاتا تو مخالفین کو تہہ خانے کا چور دروازہ مل جاتا۔ آئندہ چند دنوں یا چند ہفتوں میں اس تہہ خانے کا راز کھل سکتا تھا۔

اور خزانے سے زیادہ اہم میرے بیٹے کی لاوہ انگوٹھی اور لاٹھی تھی۔ یہ چیزیں کسی کے ہاتھ لگ جاتیں تو میں قدرتی طور پر حاصل ہونے والی پراسرار قوتوں سے محروم ہو جاتا۔ ان کی حفاظت کرنا انہیں مخالفین کی پہنچ سے دور رکھنا میرا فرض تھا۔

میں عدالتی فیصلہ سننے تک دہلی میں رہنا چاہتا تھا۔ لیکن انگوٹھی اور عصاء کو تہہ خانے

سے نکالنے کے لئے ایک شام بھیس بدل کر بھیم پارہ آیا۔ رات کی تاریکی میں شکار گاہ کی طرف جا کر دیکھا اس کے اطراف دور تک کیمپ لگے ہوئے تھے۔ عارضی طور پر جھونپڑیاں بنائی گئی تھیں۔ لالٹین اور مشعلوں کی روشنی میں مسلح شرپسند آتے جاتے اور ایک دوسرے سے باتیں کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

میں وہاں سے دور غار میں آ گیا۔ اپنے ساتھ ایک لالٹین لے گیا تھا۔ اسے روشن کر کے تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ اس غار سے اور تہہ خانے سے بابا سائیں کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ انہوں نے خزانے تک پہنچنے کا دوسرا راستہ بتا کر صرف مجھ پر ہی نہیں' میری آئندہ نسلوں پر بھی احسان کیا تھا۔

میں لالٹین کی روشنی میں چلتا ہوا اسم اعظم پڑھتا ہوا اس خزانے والے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں اربوں کھربوں روپے کی مالیت کے ہیرے موتی اور سونے کی اینٹیں تھیں۔ اس وقت لاٹھی اور انگوٹھی میرے لئے اہم تھی۔ میں نے بڑی عقیدت سے عصا کو اٹھا کر چوما۔ اسے سینے سے لگایا۔ انگوٹھی کو بھی چوم کر وہاں رکھے ہوئے چرمی بیگ میں ڈال دیا۔ ان چیزوں سے میرے بیٹے کو غیر معمولی قوتیں حاصل ہوتی رہی تھیں۔ وہ دشمنوں سے محفوظ رہتا تھا۔ پتہ نہیں اب وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا؟

میں نے انہیں کمرے سے باہر سرنگ کے ایک حصے میں لا کر رکھ دیا۔ پھر سوچا' کیوں نہ تمام خزانے کو اس سرنگ میں منتقل کر دوں؟ یہی دانشمندی ہوگی۔ جب کوئی چور راستہ معلوم کر کے اس تہہ خانے میں آئے گا تو اسے صرف دو انسانی ڈھانچے وہاں ملیں گے۔

میں نے محنت کی اُدھر کا مال اٹھا اٹھا کر اِدھر لا کر رکھنے لگا۔ میں رات کے آٹھ بجے وہاں پہنچا تھا۔ خزانہ اتنا تھا کہ اسے منتقل کرتے کرتے رات کا ایک بج گیا۔ محنت زیادہ ہوئی مگر بروقت ہوئی۔ آدھی رات کے بعد میں نے کسی کی آواز سنی۔ فوراً ہی سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔

وہ چھت پوجا گھر کا فرش تھی۔ آواز وہیں سے آ رہی تھی۔ میں نے دھیان دیا تو بولنے والے کے الفاظ واضح طور پر سنائی دیئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''پنڈت جی! کیا راجہ ولبھ نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ خزانہ کہیں چھپا کر رکھا ہے؟''

میں بولنے والے کی آواز سن کر قدرے حیران ہوا۔ وہ ڈپٹی کمشنر دارا اکبر تھا۔ پنڈت اس سے کہہ رہا تھا۔ ''ہاں۔ اس وقت میں چھ برس کا تھا۔ میرے پتا جی مندر کے پجاری تھے اور

مانے ہوئے وید تھے۔ راجہ ولبھ کا علاج کر رہے تھے۔''

مندر کمیٹی کے چیئر مین کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''راجہ بہت بیمار تھا۔ اس کی بڑی بیٹی کو کسی نے گولی مار دی تھی اور دوسری بیٹی پھول وتی ہوائی جہاز کے حادثے میں مرگئی تھی۔ وہ راجہ صدمے سے ہمارے سامنے دم توڑ رہا تھا۔''

پنڈت نے کہا۔ ''ایسے وقت اُس نے کہا تھا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں رہی ہے۔ وہ ایک خفیہ خزانے کو مندر کے لئے وقف کرے گا۔''

چیئر مین نے کہا۔ ''وہ دم توڑ رہا تھا۔ پوری بات کہہ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے اتنا ہی کہا کہ وہ خزانہ جنگل میں..... جنگل میں...''

چیئر مین ذرا چپ ہوا پھر بولا۔ ''وہ اس سے آگے کچھ نہ بول سکا۔ اس کا دم نکل گیا۔''

پنڈت نے کہا۔ ''یہ جنگل پچاس کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ میرے پتا جی پچاس برس تک اس جنگل کی خاک چھانتے رہے۔ ان کے بعد میں اور چیئر مین صاحب شکارگاہ میں آ کر ڈھونڈتے رہے۔ ہمیں اس خزانے کی بو تک نہیں مل رہی ہے۔''

چیئر مین نے دارا اکبر سے کہا۔ ''ڈپٹی صاحب! ہم یقین سے کہتے ہیں' خزانہ اسی شکارگاہ کے نیچے دبا ہوا ہے۔''

دارا اکبر نے کہا۔ ''ہوں۔ غازی کے پاس مال و دولت دیکھ کر آپ شبہ کر رہے ہیں؟''

پنڈت نے کہا۔ ''آپ بہت بڑے پولیس افسر ہیں۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ یہ بتائیں' کیا ہمارا شبہ غلط ہے؟''

دارا نے کہا۔ ''نہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ ستر برس کے بعد اس دنیا میں دوبارہ پیدا ہوا ہے۔ ستر برس میں اس کے پاس جو دولت تھی وہ اس کی بیوی اور بچے پاکستان لے گئے۔ غازی انہیں تلاش کر رہا ہے۔ موجودہ حالات میں اسے کنگال ہونا چاہئے تھا۔''

چیئر مین نے کہا۔ ''مگر وہ ہم سے زیادہ دولت مند ہے۔ سنا ہے' اس نے یہ شکارگاہ اور آس پاس کی زمینیں خریدنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کئے ہیں؟''

پنڈت نے کہا۔ ''سمجھنے کی بات ہے' اس نے اس ویران شکارگاہ کو اور ویران جنگل کو خریدنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کیوں کئے؟''

''یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ وہ لاکھوں ہندوؤں کے احتجاج کے باوجود اس شکارگاہ سے دستبردار کیوں نہیں ہو رہا ہے؟''

دارا اکبر نے کہا۔ ''ہاں۔ غازی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اس کمرے کو جبراً پوجا گھر بنا کر رکھا جائے گا تو وہ اپنے آخری حوصلے تک لڑے گا۔ جو بھی یہاں پوجا کرنے آئے گا' اس کی موت بن جائے گا۔''

پنڈت نے کہا۔ ''ہم لاکھوں ہیں۔ ہماری تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ غازی تنہا ہے' اسے اپنی موت کا خوف نہیں ہے۔ وہ مرتے دم تک اس شکارگاہ کو نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تو بس ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ راجہ ولبھ کا خزانہ اسی زمین کے نیچے کہیں ہے۔''

وہ تینوں بول رہے تھے۔ میں تہہ خانے میں کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہاں ایک چوتھا شخص بھی تھا۔ وہ ماہر تعمیرات تھا۔ خفیہ تہہ خانوں اور ان کے چور راستوں کے بارے میں بڑی معلومات رکھتا تھا۔ اس وقت بھگوان کرشن مراری کی مورتی کو ہر زاویے سے ٹٹول رہا تھا۔

دارا اکبر نے اس ماہر سے پوچھا۔ ''مسٹر دھرما! کیا اس مورتی سے کچھ معلوم ہو رہا ہے؟''

دھرما نے کہا۔ ''ہاں۔ اس مورتی کو یہاں سے ہٹانے کے بعد کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر تھوڑی دیر کے لئے اسے وہاں سے ہٹاؤ۔''

''مورتی کے پاؤں اس چبوترے پر جمے ہوئے ہیں۔ اسے ہٹانے کے لئے پاؤں توڑنے پڑیں گے۔''

پنڈت اور چیئر مین نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہے رام رام! توڑنے کی بات نہ کرو۔ یہ گھور پاپ ہوگا۔''

ڈپٹی کمشنر دارا اکبر نے کہا۔ ''میں نے آپ لوگوں کے کہنے سے خزانے تک پہنچنے کے لئے مقفل دروازے کی سیل توڑی ہے۔ ہم چھپ کر یہاں آئے ہیں۔ یہاں سے جاتے وقت میں دوبارہ دروازہ سیل کروں گا۔ لیکن عدالتی فیصلے کے بعد جب یہاں کا دروازہ کھولا جائے گا تو بھگوان کی ٹوٹی ہوئی مورتی ملے گی۔ تمام ہندو مشتعل ہو جائیں گے۔ پتہ نہیں یہاں کیسے ہنگامے برپا ہوں گے؟''

چیئر مین نے کچھ سوچا۔ پھر کہا۔ ''آگے جو ہوگا اس کا الزام ہم پر نہیں آئے گا۔ اب یہ کرنا پڑے گا تو کرو۔ مورتی کے پاؤں توڑو۔ دیکھو وہاں نیچے کیا ہے؟''

پنڈت نے چیئر مین کو دیکھا۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ دھرما نے بھگوان کے چرنوں میں جھک کر کہا۔ ''ہے کرشن مراری! مجھے معاف کرو۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کے پاؤں

زیادہ نہ ٹوٹیں۔"

وہ کوشش کرنے لگا۔ پیروں کے آس پاس کا فرش توڑنے لگا۔ وہ چبوترہ اس طرح ٹوٹا کہ بھگوان صحیح سلامت وہاں سے نکل آئے۔

ان سب نے آگے آ کر دیکھا۔ جہاں مورتی نصب تھی۔ وہاں لوہے کی ایک چرخی دکھائی دے رہی تھی۔ دھرما نے اس چرخی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گھمایا۔ وہ ادھر گھومنے کے بعد پھر ایک بار گھوم کر واپس آ گئی۔ اس نے ایسا دو بار کیا تو چرخی پوری طرح گھوم گئی۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہی وہ چبوترہ جیسے درمیان سے پھٹ گیا۔ آہستہ آہستہ سرکتا ہوا دو حصوں میں تقسیم ہونے لگا۔

میں سر اٹھائے اس زینے کو دیکھ رہا تھا جو چھت کی طرف گیا تھا۔ ان کی باتیں اور چبوترے سے پیدا ہونے والی آوازیں سن کر سمجھ گیا کہ انہیں چور راستہ مل گیا ہے۔

میں نے فوراً ہی اس کمرے سے باہر آ کر اسم اعظم پڑھتے ہوئے دیوار پر دونوں ہاتھ رکھے۔ دیوار کا وہ حصہ جو دروازے کی طرح کھل گیا تھا۔ وہ واپس اپنی جگہ آ گیا۔ دیوار ایسے برابر ہو گئی جیسے وہاں کبھی کوئی دروازہ نہ رہا ہو۔

میں نے ایک چھوٹے سے پتھر پر بیٹھ کر ان کی طرف دھیان دیا۔ دارا اکبر' پنڈت' چیئر مین اور دھرما احتیاط انداز میں سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آئے۔ ایک کے ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ وہ وہاں دو انسانی ڈھانچے دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔ دھرما نے سہم کر کہا۔ "یہاں تو موت ہے۔"

چیئر مین نے کہا۔ "خزانہ کہاں ہے؟ یہ تہہ خانہ تو بالکل خالی ہے؟"

دارا اکبر نے ٹارچ کی لائٹ ادھر ادھر پھینکتے ہوئے کہا۔ "یہاں کچھ لوگ آئے تھے۔ ان کے درمیان خزانے کے لئے جنگ ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک پارٹی کے یہ دو آدمی مارے گئے۔ اور جیتنے والی پارٹی خزانہ سمیٹ کر لے گئی۔"

پنڈت نے کہا۔ "یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ بلکہ یہی ہوا ہے اور یہ تو ہم موٹی عقل سے بھی سوچ سکتے ہیں۔ وہ جیتنے والی پارٹی غازی ہی ہے۔"

سب نے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ایک نے کہا۔ "پتہ نہیں یہاں کتنا خزانہ تھا؟ وہ تو یہاں جھاڑو پھیر گیا ہے۔"

پنڈت نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "یہاں ایک تنکا بھی نہیں چھوڑا ہے۔ ہم اسے نہیں

چھوڑیں گے۔"

وہ سب قسمیں کھا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ کس طرح میرا محاسبہ کیا جائے گا؟ دارا اکبر نے کہا۔ "وہ کبھی اقرار نہیں کرے گا۔ کسی بھی خفیہ خزانے سے لاعلمی ظاہر کرے گا۔"

"یقیناً خزانہ بہت ہوگا۔ کسی بھی طرح یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس نے وہ کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

چیئر مین نے کہا۔ "عقلمندی تو یہ ہوگی کہ نہ اُس سے پوچھا جائے' نہ جھگڑا کیا جائے۔ بلکہ بڑی رازداری سے معلوم کیا جائے۔ ہمارے جاسوس اس کے پیچھے لگے رہیں گے تو کبھی نہ کبھی معلوم ہو جائے گا کہ اس نے تمام خزانہ کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

دارا وقفے وقفے سے ٹارچ روشن کر رہا تھا۔ پھر اس نے چونک کر کہا۔ "وہ دیکھو اُدھر کوئی چیز چمک رہی ہے۔"

وہ سب تہہ خانے کے ایک گوشے میں آئے۔ وہاں ہیرے کا ایک ننھا سا ٹکڑا چمک رہا تھا۔ دارا اکبر نے جھپٹنے کے انداز میں اسے اٹھایا۔ سب ہی کے سینے سے ہائے نکلی۔

"ہائے! یہ ہیرا ہے۔"

سب ایک دوسرے کی ہتھیلی سے اسے لے لے کر دیکھنے لگے۔ "اصلی ہے۔ یہاں اور بھی ہوں گے۔"

وہ لالٹین اور ٹارچ کی روشنی میں ایک ایک گوشے کی طرف جا کر دیکھنے لگے۔ دیوار کے کنارے کنارے جمی ہوئی گرد کو ہٹانے لگے۔ مزید ایک ہیرا اور چار بیش قیمت موتی ہاتھ آئے۔ وہ لالچ کی شدت سے تڑپ گئے۔ چاروں طرف گھوم گھوم کر جوش اور جنون میں یوں ہانپنے لگے' جیسے چھپے ہوئے بچے کھچے خزانے کو سانسوں کے ذریعے کھینچ کر نکال لینا چاہتے ہوں۔

وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ ان کے نصیب میں اتنا ہی تھا۔ ایک نے کہا۔ "ہے بھگوان! وہ کتنا قیمتی خزانہ لے گیا ہے؟ یہ چار موتی اور دو ہیرے کروڑوں روپے کے ہوں گے۔ پتہ نہیں' وہ کتنا مالدار ہو گیا ہوگا؟"

"ہم میں سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ بلکہ وہ غازی خود نہیں جان سکتا کہ کس قدر دولتمند ہو چکا ہے؟"

چیئر مین نے دانت پیس کر پاؤں پٹخ کر کہا۔ "ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"وہ مر جائے گا تو خزانہ پھر کبھی ہمارے ہاتھ نہیں لگے گا۔"

"خزانے کا راز باہر جائے گا تو بیشمار حصے دار پیدا ہو جائیں گے۔ سرکاری جاسوس ہماری ٹوہ میں لگے رہیں گے۔"

دارا اکبر نے کہا۔ "ہم غازی سے دشمنی کر کے نقصان اٹھائیں گے۔ ابھی یہاں طے کرلو کہ خزانے تک پہنچنے کے لئے ہمارا طریقہ کار کیا ہونا چاہئے؟"

پنڈت نے کہا۔ "ہاں۔ دشمنی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میں اس سے سمجھوتہ کروں گا۔ اس سے کہوں گا' وہ مجھے خزانے میں سے حصہ دے گا تو میں اس کی مخالفت کرنے والوں ہندوؤں کو سمجھا منا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔ اس شکارگاہ کو کرشنا مندر نہیں بنایا جائے گا۔"

"اور میں مندر کمیٹی کا چیئرمین ہوں۔ میں بھی یہی کروں گا۔ تمام محاسبہ کرنے والے ہندو ہماری بات مانیں گے۔ یہاں سے چلے جائیں گے۔ غازی ہمارا احسان مند ہوگا۔ ہمارا حصہ ہمیں ضرور دے گا۔"

دارا اکبر نے کہا۔ "میں پولیس افسر ہوں۔ بظاہر تم لوگوں سے لاتعلق رہوں گا۔ خزانے سے انجان بن کر دن رات اس کی نگرانی کروں گا۔ ایسے طریقہ کار سے ذرا وقت تو لگے گا لیکن یہ ضرور معلوم ہوگا کہ اس نے خزانہ یہاں سے کہاں منتقل کیا ہے؟"

میں دیوار کے دوسری طرف آرام سے بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ مجھ سے نمٹنے اور خزانے تک پہنچنے کے سلسلے میں اپنا اپنا طریقہ کار بیان کر رہے تھے۔ پھر وہ باتیں کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

میں ان لمحات میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ مجھے جیسے آگہی ملی تھی کہ ابھی وہاں جا کر خزانے کو منتقل کرنا ہے اور میں نے بروقت ایسا کیا تھا۔ آئندہ کوئی سرنگ کے اس حصے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ میرا بیٹا بھی صدق دل سے اسم اعظم پڑھے بغیر وہاں نہیں آسکتا تھا۔

خزانہ محفوظ تھا۔ لیکن انگوٹھی اور عصا میرے بیٹے کی پہنچ سے دور ہو گئے تھے۔ جب تک میرا اس سے سامنا نہ ہوتا یا فون سے رابطہ نہ ہوتا' تب تک اسے معلوم نہ ہوتا کہ وہاں کیسی تبدیلیاں آگئی ہیں اور اس کی اہم چیزیں میرے پاس امانت کے طور پر محفوظ ہیں۔

میں غار والی سرنگ اور تہہ خانے سے نکل آیا۔ جس چٹان پر بابا سائیں عبادت کیا کرتے تھے۔ وہاں میں نے فجر کی نماز ادا کی۔ باہر دھوپ نکلنے تک کلام پاک کی تلاوت کرتا رہا۔ پھر غار سے نکل کر دیکھا' حد نظر تک جنگل ہی جنگل تھا۔ میں اُدھر سے بھیم پارہ جاتا تو پنڈت اور چیئرمین وغیرہ دوستی کرنے چلے آتے۔ میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ تقریباً تیس کلومیٹر تک

پیدل چلنے کے بعد چھوٹے سے شہر میں پہنچا۔ پھر دریائی راستے سے دہلی آگیا۔

میں اس دوران میں ڈپٹی کمشنر دارا اکبر' پنڈت اور چیئرمین کی طرف دھیان دیتا رہا۔ اُن کی باتیں سنتا رہا۔ پنڈت اور چیئرمین کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ دہلی پہنچ گئے ہیں۔ وہاں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میرے بنگلے کے چوکیدار نے کہا تھا کہ صاحب کہیں گئے ہیں۔ سات تاریخ کو عدالت میں مقدمے کی سماعت ہے۔ اس روز آئیں گے۔

میں اپنا چہرہ اور حلیہ بدل کر اس شہر کے ایک ہوٹل میں تھا۔ وہاں صرف دارا اکبر ہی نہیں را ایجنسی کے جاسوس بھی مجھے تلاش کر رہے تھے۔ یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔

تمام الیکٹرونک میڈیاز کے ذریعے یہ ناقابل یقین اور حیرت انگیز بات مشتہر ہوتی رہی تھی کہ میں ستر برس تک موت کی نیند سونے کے بعد اس دنیا میں آیا ہوں۔ اس حوالے سے انڈیا میں میرے متعلق یہ تحقیق ہو رہی تھی کہ غازی صلاح الدین نے ستر برس پہلے ہندوستان میں کہاں اور کیسی زندگی گزاری تھی؟

را ایجنسی اور سی آئی اے والوں کو معلوم ہوا کہ میری بیوی ساجدہ میرے بچوں کے ساتھ پاکستان چلی گئی تھی۔ وہاں میرے جوان ہونے والے بیٹے کا نام عمیر بن غازی ہے۔

وہ عمیر بن غازی جو سونے کا بیوپاری ہے اور تھری ایس یعنی شہزادہ سلمان سعدی کے نام سے زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے روس کی ایک لیبارٹری سے ریڈ مرکری نامی خطرناک جوہری مادہ چرایا ہے۔

سی آئی اے' انٹرپول' موساد اور را ایجنسی کے علاوہ دنیا کی کئی خطرناک تنظیمیں ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے تھری ایس کو گرفتار کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہیں آتا اور کبھی ہاتھ آکر گیلے صابن کی طرح پھسل جاتا ہے۔

پچھلے کئی ماہ سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ تھری ایس کے پاس پُراسرار قوتیں ہیں۔ ایک لاوہ انگوٹھی اور ایک عصا ہے۔ جب یہ دو چیزیں اس کے پاس ہوتی ہیں تو وہ ہزار دکھ بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود آہنی شکنجوں سے نکل جاتا ہے۔

تھری ایس کے متعلق یہ رپورٹ تھی کہ وہ تین ماہ پہلے ایک زیر زمین تہہ خانے سے فرار ہو گیا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں' اس نے میسونی تنظیم کے سربراہ راڈمین کو بھی اغوا کیا ہے اور اس کی رہائی کے سلسلے میں اپنے بیٹے یعقوب سلمان کا مطالبہ کر رہا ہے۔

رپورٹ میں یہ حیرت انگیز بات بھی لکھی ہوئی تھی کہ پہلے وہ انگوٹھی اور عصا سے محروم

تھا۔ پھر اچانک ہی وہ چیزیں اس کے پاس پہنچ گئی تھیں اور یہ کرشمہ دیکھا گیا تھا کہ کمزور اچانک ہی شہ زور بن گیا تھا۔ درجنوں مسلح گارڈز کو موت کے گھاٹ اتارتا ہوا وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔

اب یہ یقین سے کہا جا رہا تھا کہ وہ پراسرار انگوٹھی اور عصا کے ذریعے غیر معمولی قوت اور کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ دو چیزیں اس کے ساتھ نہ ہوں تو اسے آسانی سے گرفتار کیا جا سکے گا۔ ان حقائق کے پیش نظر اب تمام مخالفین انگوٹھی اور عصا کو زیادہ اہمیت دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تھری ایس آئندہ چھپ کر نہیں رہ سکے گا۔

وہ سوا چھ فٹ کی لاٹھی اس کی پہچان بن گئی تھی۔ وہ انگوٹھی کو آسانی سے چھپا سکتا تھا۔ لیکن لاٹھی کو کسی بھی تدبیر سے چھپا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جا سکتا تھا اور یہ سب جان گئے تھے کہ لاٹھی کے بغیر اگر کہیں جائے گا تو پراسرار قوتوں سے محروم ہو جائے گا۔ تب اسے گرفتار کرنا آسان ہو جائے گا۔

یورپ کے کئی ممالک میں اسے تلاش کیا جا رہا تھا۔ یہ رائے قائم کی جا رہی تھی کہ وہ لاٹھی کی وجہ سے کسی خفیہ پناہ گاہ سے باہر نہیں آ رہا ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ سانپ کب تک اپنے بل میں گھسا رہے گا؟ کبھی تو کوئی مجبوری اسے باہر لائے گی۔

را ایجنسی کے افسران نے ڈپٹی کمشنر دارا اکبر سے ملاقات کی تھی۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا تھا۔ را کے چیف نے کہا۔ ''مسٹر دارا! آپ کئی بار غازی سے ملتے رہے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟''

دارا اکبر نے کہا۔ ''وہ بہت ہی شاطر اور تیز طرار ہے۔ اس نے ایک طویل مدت کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کی ہے۔ اپنی قبر سے نکلنے کے بعد پراسرار سا لگتا ہے۔''

''پراسرار کیوں لگتا ہے؟''

''وہ ستر برس کے بعد ہندوستان آیا ہے۔ یہاں اس کی زمین جائیداد نہیں ہے۔ اس کے باوجود اچانک اس کے پاس کہیں سے دولت آ گئی ہے۔ اس نے بھیم پارہ کے جنگل کا ایک بڑا حصہ خریدنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کئے ہیں۔''

''آپ نے پوچھا نہیں کہ اس نے اتنی دولت کہاں سے حاصل کی ہے؟''

''اس کے وکیل نے بیان دیا ہے کہ دہلی کے مضافات میں اس کا ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اس نے ستر برس پہلے اس مکان کے آنگن میں سونے کی اینٹیں دبائی تھیں، وہ اب اس کے کام آ رہی ہیں۔''

''کیا وکیل کا یہ بیان درست ہے؟''

''ہاں۔ غازی نے ہیرا پھیری کی ہے۔ جس مکان کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں ایک بوڑھا رہتا ہے۔ اس نے بیان دیا ہے کہ وہ مکان دراصل غازی کا ہے۔ وہ بوڑھا جب پانچ برس کا تھا، تب غازی نے وہ مکان اس کے باپ کو رہنے کے لئے دیا تھا۔''

را کے چیف نے کہا۔ ''عمیر بن غازی کی زمین جائیداد لاہور میں ہے۔ وہ سونے کا بہت بڑا بیوپاری ہے۔ ہماری انکوائری کے مطابق غازی اپنے بیٹے سے اور اس کے بچوں سے ملنے کبھی پاکستان نہیں گیا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ اپنے بیٹے سے لاتعلق رہتا ہوگا؟''

دارا نے کہا۔ ''اگر عمیر لاٹھی اور انگوٹھی کے ساتھ روپوش رہتا ہے تو غازی اس کے بچوں سے اپنے پوتے پوتیوں سے تو مل سکتا ہے۔ وہ یہاں ایسے رہتا ہے جیسے عمیر سے یعنی تھری ایس سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ اور یہ یقین کرنے والی بات نہیں ہے۔ ان کے درمیان بڑی راز داری سے رابطہ رہتا ہوگا۔''

''ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ اس سے بھی آگے یہ شبہ ہو رہا ہے کہ عمیر اپنی لاٹھی اور انگوٹھی کے ساتھ کسی طرح چھپ چھپا کر یہاں اپنے باپ کے پاس آ گیا ہے۔ یا پھر باپ یہاں ہے اور بیٹا پاکستان میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ ان کے درمیان فون کے یا انٹرنیٹ کے ذریعے رابطہ رہتا ہے۔''

''آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟''

''ہم غازی کا محاسبہ کریں گے۔ ہمارے جاسوس بڑی راز داری سے دن رات اس کی ٹوہ میں رہیں گے۔ اس کی فون کالز ڈیٹکٹ کرنے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ آج کل دہلی میں نہیں ہے۔ کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے کہ وہ ابھی کہاں ہے اور کیا کرتا پھر رہا ہے؟''

دارا اکبر نے کہا۔ ''میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ سات تاریخ کو عدالت میں ضرور آئے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم اسی دن اس کی کلاس لیں گے۔''

میرا بیٹا ساری دنیا کے جرائم پیشہ لوگوں کو انگلی کا ناچ نچا رہا تھا۔ وہ مجرم نہیں تھا۔ مگر سی آئی اے اور را ایجنسی جیسے ادارے اسے مجرم گردانتے تھے اور اب وہ بیٹے کے حوالے سے باپ کی بھی گردن دبوچنے آ رہے تھے۔

حالات سنگین ہونے والے تھے۔ خدا کی قدرت سے وہ انگوٹھی اور عصا میری تحویل میں آ گئے تھے۔ بیٹے سے ملاقات نہ ہونے کے باوجود اس کی جان سے زیادہ اہم چیزیں میرے پاس آ کر محفوظ ہو گئی تھیں۔ آئندہ مجھے بدترین حالات کا سامنا کرتے ہوئے انہیں حفاظت سے رکھنا تھا اور بوقت ضرورت انہیں بیٹے تک پہنچانا تھا۔

مگر وہ کہاں تھا؟

اگر اسے لاٹھی اور انگوٹھی کی اشد ضرورت ہو گی تو وہ یہاں کیسے آئے گا...؟ آئے گا تو اب شکار گاہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ کسی بھی طرح پوجا گھر میں پہنچے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ وہاں کا چور راستہ کھل چکا ہے۔ تہہ خانہ خالی پڑا ہے۔

یہ لازمی ہو گیا تھا کہ میرا بیٹے سے جلد از جلد رابطہ ہو جائے اسے میں مطمئن کر لوں کہ انگوٹھی اور عصا محفوظ ہیں۔ وہ جب چاہے گا' مجھ سے مل کر اپنی اہم چیزیں حاصل کر لے گا۔

میں زیادہ دنوں تک ہوٹل میں روپوش نہیں رہنا چاہتا تھا۔ آج نہیں تو کل حالات کا سامنا کرنا ہی تھا۔ اچانک ہی میرے مخالفین کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ مجھے مندر کمیٹی کے چیئرمین اور پنڈت سے' ڈپٹی کمشنر دارا اکبر سے اور را ایجنسی کے افسران سے نمٹنا تھا۔

لیکن اہمیت اپنے بیٹے کی تھی۔ مجھے معلوم کرنا تھا کہ وہ کہاں ہے اور میں کس طرح اس سے رابطہ کر سکتا ہوں؟

میں نے تیسری اور آخری ڈائری اٹھائی۔ وہی آخری امید تھی۔ اسے پڑھنے کے بعد بیٹے کا کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

☆☆☆

عمیر بیگ وقت کئی مسائل سے دوچار ہو رہا تھا۔ سوا چھ فٹ کے عصا کو چھپا کر استنبول سے نکلنا بلکہ موجودہ چار دیواری سے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا۔ عصا اس کی پہچان بن گیا تھا۔ کمزور بینائی رکھنے والے دشمن بھی اسے دور سے پہچان سکتے تھے۔

میں نے ڈائری پڑھی۔ اس نے آگے چل کر لکھا تھا...

"میرے جانثاروں نے ایک ٹرالر میں بڑی مہارت سے تبدیلی کی تھی۔ اس گاڑی کے نیچے لوہے کی جو چادر تھی' اسے کھول کر وہاں عصا کو حفاظت سے رکھ دیا تھا۔ پھر لوہے کی چادر کو پہلے کی طرح وہاں مضبوطی سے جما دیا تھا۔ اب کوئی جاسوسی آلہ اس کی نشاندہی نہیں کر سکتا تھا۔ سفر شروع ہو چکا تھا۔ اس ٹرالر میں میری اور نینی کی جگہ ایک بوڑھا شخص ایک نوجوان

عورت کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ہم ترکی کی سرحد پار کرنے کے بعد ان کی جگہ ٹرالر میں پہنچ کر اپنے عصا کے ساتھ سفر جاری رکھنے والے تھے۔ لاوہ انگوٹھی ایک ڈور سے بندھی ہوئی تھی۔ اسے میں گلے میں پہنے رہتا تھا۔

میں نینی کے ساتھ لینڈ کروزر کی پچھلی سیٹ پر تھا۔ صحت ایسی نہیں تھی کہ لمبی ڈرائیو کرتا رہتا۔ میرا ایک جانثار ہمیں کچے ناہموار راستوں سے لے جا رہا تھا۔ ہائی وے کے سیدھے اور صاف راستے سے کترا رہا تھا۔ یوں ہمیں نامعلوم دشمنوں سے نجات مل رہی تھی۔

یہ ایک مسئلہ حل ہو رہا تھا۔ میری منزل ہندوستان تھی۔ ارادہ تھا کہ بھیم پارہ کے جنگل کے قریب کسی شہر میں رہوں گا۔ وہاں کسی مکان میں نئے نام اور نئے حلیے سے رہ سکتا تھا۔ یوں آرام سے وہاں رہ کر دوسرے تمام اہم معاملات سے نمٹنے کا موقع مل سکتا تھا۔ نینی تو ساتھ ہی تھی۔ حجاب اور ندا کو بھی وہاں بلا لیتا۔

اور یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ ناکامی ہو گی اور وہ لاٹھی مسئلہ بن جائے گی تو اسے شکار گاہ کے تہہ خانے میں لے جا کر چھپا دوں گا۔ انگوٹھی اور عصا کا ساتھ عارضی نہیں تھا۔ یہ دونوں چیزیں آخری سانس تک میرے ساتھ رہنے والی تھیں۔ ذہن میں یہ خیال آتا رہتا تھا کہ میں دنیا کے کسی بھی ملک میں کسی بھی چھوٹے بڑے علاقے میں آسانی سے رہ نہیں پاؤں گا۔ البتہ کسی جزیرے میں جا کر کھلی فضا میں سانسیں لے سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے' اُدھر کوئی دشمن نہ آئے۔

ویسے یہ خام خیالی تھی۔ میرے دشمن ریڈ مرکری کے لئے پاگل ہو رہے تھے۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے کسی جزیرے میں تو کیا' قبر میں بھی پہنچ سکتے تھے۔ یہ ریڈ مرکری میرے لئے عذاب جان تھی۔ میں اس سے نجات حاصل کر کے کہیں آرام اور سکون سے باقی کی زندگی گزار سکتا تھا۔

نجات اس طرح حاصل ہوتی کہ میں اسے سپر پاور امریکہ کے حوالے کرتا تو مجھے جان کی امان مل جاتی۔ میں اس کی چھتر چھایہ میں سلامتی سے عیش و آرام سے رہ سکتا تھا۔

اور اگر اسے جمہوریہ چین کے حوالے کر دیتا تو وہاں مجھے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا۔ میں اس وسیع و عریض ملک میں آسانی سے گھومتا پھرتا اور چین کی بانسری بجاتا رہتا۔

میرے سامنے دو آسان راستے تھے۔ لیکن میں اپنے پاک وطن کی محبت سے مجبور تھا۔ میرا پاکستان ایٹمی قوت بن چکا تھا۔ ریڈ مرکری اس سے خطرناک جوہری مادہ تھا۔ اگر میرے ملک کو یہ جوہری قوت حاصل ہو جاتی تو ہمارے آگے سپر پاور اور بڑے بڑے ممالک بھی دم نہ

مارتے۔ پھر پاکستان کا شمار بھی ایک مکمل ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا۔

یہ میرا خواب تھا۔ فی الحال اس کی تعبیر مل نہیں سکتی تھی۔

کیوں نہیں مل سکتی تھی؟

اس لئے کہ ملک وقوم کی کوئی بھی امانت کسی مومن حکمران کے مضبوط ہاتھوں میں دی جاتی ہے اور اس حوالے سے میرا ملک ابھی کمزور ہے۔ جس سائنس داں نے اپنے جذبہ حب الوطنی سے پاکستان کو ایٹمی قوت بنایا ہے۔ اسے ایک طویل مدت سے بندر کھا گیا ہے۔ اس پر بھی یہی الزام ہے کہ اس نے بڑے ممالک کی اجازت کے بغیر چور راستوں سے یورینم حاصل کیا ہے اور اس دنیا کے پہلے اسلامی ملک کو ایٹمی قوت بنایا ہے۔

وہ بیچارہ سائنس داں اپنی حب الوطنی کی سزا پا رہا ہے۔ اگر میں ریڈ مرکری کو بے حس اور خودغرض سیاست دانوں کے حوالے کروں گا تو نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مجھے بھی الٹا لٹکا دیا جائے گا۔ میری فریاد کوئی نہیں سنے گا۔ دنیا کی تمام عدالتوں کے دروازے بند ہو جائیں گے اور میں ایسی غلطی کرنا نہیں چاہتا۔

میرا ایمان ہے کہ ایمان کا بول بالا ہوگا۔ کبھی تو حب الوطن' سچے اور دیندار حکمران آئیں گے اور میں بڑے اعتماد سے ملک وقوم کی یہ امانت ان کے حوالے کروں گا۔

میں انتظار کروں گا۔ زندگی کی آخری سانسوں تک کسی کو ریڈ مرکری کی ہوا بھی لگنے نہیں دوں گا۔ انشاءاللہ کبھی نہ کبھی میرے وطن کے دیندار حکمران اس سے استفادہ کریں گے۔

بڑے بڑے ممالک نے اور عالمی عدالت نے مجھے خطرناک مجرم قرار دیا ہے۔ اپنے ملک کی عدالت بھی مجھے تھری ایس کی حیثیت سے مجرم کہہ چکی ہے۔ میں آئندہ عمیر بن غازی کی حیثیت سے پاکستان جاؤں گا تو مجھے گرفتار کرلیا جائے گا۔

میرے لئے زمین تنگ ہوگئی ہے۔ اپنے ہی وطن کی دھرتی ممنوعہ ہو چکی ہے۔ دشمن مجھے اس قدر مجبور اور بے دست و پا بنا دینا چاہتے ہیں کہ میں آخرکار تھک ہار کر ان کے قدموں میں گر پڑوں۔ لیکن اس کے برعکس میری ضد اور قوت ارادی انہیں تھکا رہی تھی۔

میں نے ریڈ مرکری کو جہاں چھپایا تھا۔ انہیں اس جگہ کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد میرے بیٹے مراد اور سلطان کے ہاتھ ایک نقشہ لگا تھا۔ اس نقشے میں ایک خاص مقام تک پہنچنے کی رہنمائی کی گئی تھی۔ میری اولاد کا خیال تھا کہ وہی خفیہ خزانے کا نقشہ ہے۔ مراد اور سلطان نے اسے میرے ایک سیف سے چرایا تھا۔ میسونی تنظیم کی ایک بہت

چالباز عورت حریکا نے میرے بیٹوں سے وہ نقشہ حاصل کیا تھا۔ میری ایک ڈائری پڑھی تھی۔ تب یہ بھید کھلا تھا کہ عمیر بن غازی ہی شہزادہ سلمان سعدی ہے۔ پھر اس کی مخبری نے مجھے راڈ مین کے شکنجے میں پہنچا دیا تھا۔

حریکا کو پورا یقین تھا کہ وہ خزانے کا نقشہ نہیں ہے۔ میں نے وہاں ریڈ مرکری چھپا رکھی ہے۔ وہ کسی کو رازدار بنائے بغیر اسے حاصل کر کے اربوں ڈالرز کمانا چاہتی تھی۔ اس نے میسونی تنظیم والوں کو اور راڈ مین کو بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ میرے دونوں بیٹے اس کے تابعدار بن گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ لیبیا کے اس صحرائی علاقے میں گئی' جہاں سے وہ نقشہ اس کی رہنمائی کرنے والا تھا۔

میں نے مراد اور سلطان کو پہلے ہی وارننگ دی تھی کہ وہ وہاں نہ جائیں۔ وہاں خزانہ نہیں' موت ہے۔ ان کی سلامتی کے لئے سمجھایا تھا کہ وہاں جگہ جگہ بارودی سرنگیں ہیں۔ ایسے جان لیوا جدید آلات اور ہتھیار نصب کئے گئے ہیں جو نظر نہیں آتے جان لینے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ کہاں چھپے ہوئے تھے؟

وہ سمجھ رہے تھے' میں انہیں خزانے تک پہنچنے سے روک رہا ہوں۔ حریکا بھی لالچ میں ماری گئی تھی۔ وہ تینوں وہاں جا کر اس نقشے سمیت فنا ہو گئے تھے۔ یہ میرے دوسرے مخالفین کو معلوم نہ ہوسکا کہ ریڈ مرکری تک پہنچنے کا نقشہ حریکا کے ہاتھ کبھی لگا تھا اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ حریکا اچانک کہاں گم ہوگئی ہے؟ یہ میسونی تنظیم والے بھی نہ جان سکے۔

حقیقتاً ریڈ مرکری وہاں نہیں ہے۔ جہاں میرے دو بیٹے حریکا کے ساتھ حرام موت مر چکے ہیں۔ دراصل وہ جگہ میرے جاں نثاروں کی خفیہ پناہ گاہ اور جدید اسلحہ کا گودام ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کرنے اور خفیہ پیغامات پہنچانے کے لئے وہاں ایک بھرپور نیٹ ورک قائم کیا گیا ہے۔

یہ کوئی جان ہی نہیں سکتا کہ میں نے وہ ریڈ مرکری کہاں چھپائی ہے؟ اس ڈائری میں بھی نہیں لکھوں گا۔ کیونکہ کبھی یہ ڈائری دشمنوں کے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ وہ کہاں ہے؟ کیسے حفاظتی انتظامات سے رکھی ہوئی ہے؟ یہ راز صرف میرے اور ٹیپو کے سینے میں چھپا رہے گا۔

ہمارا سفر جاری تھا۔ ہم ترکی کی سرحد پار کر چکے تھے۔ میں نینی کے ساتھ ٹرالر میں آ گیا تھا اور ٹرالر میں سفر کرنے والے لینڈ کروزر میں رخصت ہوگئے تھے۔ سفر کے دوران ہماری خدمت کے لئے محمت گرگئے نامی ایک باورچی تھا اور ایک ملازمہ کا نام سلوئی تھا۔ حقیقتاً وہ دونوں

انتہائی خطرناک فائٹر تھے۔ پہلے بھی میرے کام آتے رہے تھے۔ ہندی زبان روانی سے بولتے
تھے۔ اس لئے انہیں ہندوستان لے جا رہا تھا۔

میں نے ٹرالر میں آرام سے بیٹھ کر میسونی تنظیم کے سربراہ کو فون پر مخاطب
کیا۔ ”ہیلو...! استنبول میرے وجود سے خالی ہو چکا ہے۔ اب مجھے کسی دوسرے ملک میں تلاش کرو۔“

اس نے کہا۔ ”ہم تمہیں تلاش نہیں کریں گے۔ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ تم راڈمین
اور محالہ کو ہمارے حوالے کر دو۔“

”میرا پیچھا کیسے چھوڑو گے؟ کیا ریڈ مرکری حاصل نہیں کرو گے؟“

”اس سلسلے میں پہلے بھی کہتے آ رہے ہیں کہ دشمنی ختم کرو اور امن و امان سے لین دین
کی بات کرو۔ یوں کب تک بھاگتے اور چھپتے پھرو گے؟“

”میں بھاگتا نہیں ہوں۔ اپنے پیچھے بھگاتا ہوں۔ یہی سوال میں کرتا ہوں‘ آخر کب
تک سائے کے پیچھے بھاگتے رہو گے؟“

”ہم بحث نہیں کریں گے۔ محالہ اور راڈمین کی واپسی کی بات کرو۔ تم نے کہا تھا اگر
ہم چھ گھنٹوں کے اندر اندر تمہارے بیٹے یعقوب کو تمہارے حوالے کر دیں گے تو تم انہیں رہا
کر دو گے۔“

”ہاں۔ اس وقت میں استنبول میں چھپا ہوا تھا۔ اپنے بیٹے کو وہاں حاصل نہیں کر سکتا
تھا اور نہ ہی فون پر اس سے بات کر سکتا تھا۔ اب قیدیوں کا تبادلہ کرو۔ میرے بیٹے کو حفاظت سے
اٹلی کے گاڈ فادر نامان کے پاس پہنچا دو۔“

”ہم آج ہی اسے پہنچا دیں گے۔ تم بھی آج ہی محالہ اور راڈمین کو ہمارے حوالے کرو۔“

”سوری... تم لوگوں نے میرے بیٹے کی ایک ڈمی پیش کر کے دھوکہ دیا ہے۔ محالہ نے
بھی قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ لیکن فریب ظاہر ہو گیا۔“

اس نے کہا۔ ”آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔“

”ایسا تب نہیں ہو گا‘ جب میں اپنے پاس آنے والے یعقوب سلمان کو اچھی طرح
جانچتا پرکھتا رہوں گا۔ جب یقین ہو جائے گا کہ وہ واقعی میرا بیٹا ہے تو محالہ اور راڈمین تمہارے
پاس پہنچ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ آج رات تک تمہیں یعقوب سلمان کے متعلق اطلاع ملے گی کہ وہ
گاڈ فادر نامان کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔“

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے دوران میں نے بڑی فتوحات‘ بڑی
دولت حاصل کی تھی۔ لیکن اولاد کے معاملے میں کنگال تھا۔ مجھے اب تک محبت کرنے والی ایک
بھی سعادت مند اولاد نصیب نہیں ہوئی تھی۔ میرے تینوں بیٹے منور‘ مراد اور سلطان شیطان
صفت تھے۔ ان میں سے دو حرام موت مر چکے تھے۔ باقی ایک بیٹا منور اپنی کرنی کا پھل
پا رہا تھا۔ وہ زندہ تھا۔ لیکن اس کی مردانگی مر چکی تھی۔ وہ ایک خسرے کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔

اب صرف ایک بیٹا یعقوب سلمان تھا۔ اس سے نیک توقعات وابستہ تھیں۔ اب سے
دس برس پہلے وہ بارہ برس کا تھا تب میں نے ویڈیو کیسٹ کے ذریعے اسے اسکرین پر دیکھا تھا۔
اس کی باتیں سنی تھیں۔ اس بیٹے نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ یہودیوں کے درمیان پرورش پانے
کے باوجود دین اسلام کے متعلق بڑی ذہانت سے بولتا رہا تھا۔

میں اس سے ملنے کے لئے تڑپ گیا تھا۔ یہ قسم کھائی تھی کہ اسے میسونی تنظیم کے جال
سے نکال کر یہاں لاؤں گا۔ لیکن بدترین حالات نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میں دس برس تک
شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت کو ختم کر کے عمیر بن غازی کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر مجبور
ہو گیا تھا۔

خدا کا شکر ہے‘ اب میری قسم پوری ہو رہی تھی۔ یعقوب سلمان آئندہ رانا کے بیٹے
گاڈ فادر نامان کے پاس حفاظت اور سلامتی سے رہنے والا تھا۔ میں اس سے فون پر باتیں
کر سکتا تھا اور ضروری ہوتا تو اسے بڑی رازداری سے اپنے پاس بلا سکتا تھا۔

حجاب اور ندا روز ہی میرے فون کا انتظار کرتی تھیں۔ میں دوسرے‘ تیسرے دن ان
سے باتیں کرتا تھا۔ اپنے حالات انہیں بتاتا تھا۔ وہ دونوں میرے جاں نثاروں کی نگرانی میں ہر
طرح محفوظ تھیں۔ اب تک کسی دشمن کو یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ میری سرپرستی میں وہاں آرام سے
زندگی گزار رہی ہیں۔

ان کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی رہتی تھیں۔ بڑی توجہ سے حجاب کا علاج کرایا
جا رہا تھا۔ اس پر دوائیں اثر نہیں کر رہی تھیں۔ دن بہ دن صحت گرتی جا رہی تھی۔

وہ ایک ہی بات کہتی تھی کہ میری زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ ندا کو اپنے پاس بلا لیں۔
ورنہ یہ یہاں تنہا رہ جائے گی۔

میں نے دونوں بہنوں کو یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ میری سرپرستی میں رہا کریں گی اور میں
ندا کو کبھی تنہا نہیں رہنے دوں گا۔

میں راڈ مین کی قید سے نکلنے کے بعد استنبول میں پندرہ دن تک روپوش رہا۔ وہاں میرا علاج ہوتا رہا پھر انگوٹھی اور عصا کی قربت سے محسوس ہوتا رہا کہ جسمانی کمزوری قدرے دور ہو رہی ہے۔

ٹرالر میں سفر کے دوران نینی اور سلویٰ میری خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ محمت تُر گئے میرا باڈی بلڈر تھا۔ صبح و شام میرے بدن کی مالش کیا کرتا تھا۔ میں رفتہ رفتہ اچھی خاصی توانائی محسوس کرنے لگا تھا۔

یوں بھی میری زندگی کے کیلنڈر کی تاریخیں آگے نہیں' پیچھے جا رہی تھیں۔ میرے بڑھاپے اور کمزوری کا ایک ایک دن کم ہوتا جا رہا تھا۔ جوانی کی سمت واپس جانے کے لئے دھیمی دھیمی سی توانائی پیدا ہو رہی تھی۔

ہم سفر کے دوران کہیں پڑاؤ ڈالتے تو میں ٹرالر سے نکل کر جاگنگ کرتا تھا اور کچھ فاصلے تک دوڑ لگاتا تھا۔ نینی مجھے دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ کبھی حسرت سے آہیں بھی بھرتی تھی۔ کیونکہ میری توانائی اس کے کسی کام آنے والی نہیں تھی۔ اس کے آگے ایک طویل انتظار تھا۔ اسے زچگی کے مرحلے سے گزرنا تھا۔

ہم کسی روک ٹوک کے بغیر سفر کر رہے تھے۔ قانون کے مطابق خشکی کے راستے سفر کرنے کے سلسلے میں مکمل کاغذات ہمارے پاس تھے۔ ہم سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتے تھے۔ ایک دن یا ایک رات کے لئے کہیں قیام کرتے تھے۔ اس کے بعد آگے بڑھ جاتے تھے۔ تقریباً ایک ماہ بعد ہم ہندوستان کی سرحد میں داخل ہو گئے۔

ہم نے راجھستان کے شہر جودھ پور میں قیام کیا۔ آئندہ میں خشکی کے ذریعے آنے والے سیاح کی حیثیت برقرار رکھنا چاہتا تو مجھے ہر جگہ تھانے میں اپنی آمد و رفت کی رپورٹ درج کرانی پڑتی۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے ہمہ وقت مجھ پر نظر رکھتے۔ اس لئے اب میں سیاح والی حیثیت کو ختم کر کے وہاں آزادی سے جگہ بدل بدل کر رہنا چاہتا تھا۔

ہمارا ٹرالر شہر سے باہر ایک تالاب کے کنارے تھا۔ اس کے نچلے حصے سے عصا کو نکالنے کے لئے لوہے کی چادر ہٹانی تھی۔ ہم صبح وہاں پہنچے تھے۔ اس لئے یہ کام رات کے اندھیرے میں کرنا چاہتے تھے۔ پھر یہ کہ ہمیں ایک گاڑی بھی حاصل کرنی تھی۔ ریگستانی علاقے میں کہیں پیدل نہیں جا سکتے تھے۔

سلویٰ اور محمت تُر گئے نے کہا۔ "ہم شہر جا رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے کوئی گاڑی

خریدنی ہوگی۔ کسی سے مانگ کر یا چھین کر لے جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "تم جاؤ۔ میں اوزار لے کر گاڑی کے نیچے جا رہا ہوں۔ لوہے کی چادر ایک طرف سے کھلے گی تو عصا باہر نکل آئے گا۔"

سلویٰ نے کہا۔ "ادھر سے گزرنے والے حیرانی سے دیکھیں گے۔ پوچھیں گے کہ لاٹھی کو وہاں کیوں رکھا گیا تھا؟"

"میں نادان نہیں ہوں۔ کسی کی موجودگی میں عصا کو باہر نہیں نکالوں گا۔ یہی تاثر دوں گا کہ نیچے لیٹ کر گاڑی کی مرمت کر رہا ہوں۔"

محمت تُر گئے نے اوزار اٹھا کر کہا۔ "آپ آرام کریں۔ میں گاڑی کے نیچے جاتا ہوں۔ ابھی وہاں سے عصا نکال کر لے آؤں گا۔ یہ آدھے گھنٹے کا کام ہے۔ اس کے بعد شہر جا کر گاڑی کا انتظام کروں گا۔"

وہ اوزار لے کر ٹرالر کے نیچے چلا گیا۔ سلویٰ نے کہا۔ "لنچ کا وقت ہو رہا ہے۔ میں کھانا بنانے جا رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "کچھ بنانے کی زحمت نہ کرو۔ ہم ایک دوسرے سے دور رہ کر شہر جائیں گے۔ وہاں سے کھا پی کر اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کر واپس آ جائیں گے۔"

سلویٰ نے کہا۔ "تب تک تُر گئے گاڑی کا انتظام کر لے گا۔"

میں نے کہا۔ "ایک بات اچھی طرح یاد رکھو۔ اگر شہر میں ہم پر کوئی شبہ کرے گا تو ہم خود کو تنہا سفر کرنے والے سیاح ظاہر کریں گے۔ تاکہ پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ ہم ایک ساتھ ایک ٹرالر میں سفر کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔"

کیونکہ آئندہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اسی لئے انہیں یہ باتیں سمجھا رہا تھا۔ ہم نے وہاں صرف ایک تھانے میں اپنی انٹری کرائی تھی۔ صرف ایک تھانے میں ہمارے کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تھیں اور کوئی ہمارے بارے میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ہم چاروں ایک ساتھ خشکی کے راستے سے آئے ہیں۔

میں تھانے میں انٹری کرانے کے بعد ٹرالر میں آ کر داڑھی مونچھوں کے اضافے سے ایک سکھ بن گیا تھا۔ سر پر پگڑی تھی اور کلائی میں ایک کڑا پہن لیا تھا۔ آنکھوں کے لینس بدل گئے تھے۔ بھنوئیں گھنی ہو گئی تھیں۔ کوئی مجھے عمیر بن غازی اور شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

محمت ٹرگئے بعد میں آنے والا تھا۔ہم تینوں لنچ کے لئے وہاں سے چل پڑے۔تقریباً آدھا جودھ پور قلعہ کی چار دیواری میں تھا۔قلعہ کے ایک دروازے میں داخل ہونے کے بعد نینی اور سلوئی الگ الگ آٹو رکشے میں بیٹھ کر مختلف سمتوں میں چلی گئیں اور میں ایک تانگے میں وہاں کے تنگ راستوں سے گزرنے لگا۔

وہاں مرغیوں' بکریوں اور اونٹوں کے گوشت ہوٹلوں میں پکائے جاتے تھے۔مگر وہ جھٹکے کے گوشت ہوتے تھے۔جانوروں کو اسلامی طریقے سے ذبح نہیں کیا جاتا تھا۔مسلمان ایسے ویجیٹیرین ہوٹلوں میں کھاتے ہیں' جہاں صرف دال اور سبزیاں پکائی جاتی ہیں۔

میں نے ایک جگہ پشپا دال بھاجی کا سائن بورڈ پڑھا۔پھر اس ڈھابے میں آکر بیٹھ گیا۔کھانے کا آرڈر دے کر فون پر نینی کو مخاطب کیا۔"ہیلو کہاں ہو؟"

اس نے کہا۔"میں پرانے شہر سے نکل آئی ہوں۔ریلوے اسٹیشن کے قریب کلنگا ہوٹل ہے۔وہاں کھانے کے لئے جارہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔سلوئی سے رابطہ رکھو اور دو بجے تک واپس آجاؤ۔"

"میں دو سے پہلے ہی آجاؤں گی۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔دال بھاجی اور روٹیاں آگئی تھیں۔ مجھے عصا کی فکر تھی۔کھانے کے دوران محمت ٹرگئے سے فون پر پوچھا۔"کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے کہا۔"عصا نکال کر ٹرالر میں رکھ دیا ہے۔آپ یہاں آئیں گے تو میں لنچ کے لئے جاؤں گا اور گاڑی کا بھی انتظام کروں گا۔"

"میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔"

میں فون بند کر کے کھانے میں مصروف ہوگیا۔ایسے وقت نینی کے ساتھ گڑبڑ ہوگئی۔وہ کولنگا ہوٹل کی میز پر آکر بیٹھی تو کھانے کا آرڈر دینے سے پہلے ہی ایک ادھیڑ عمر کا شخص اس کے سامنے آکر میز پر جھک کر اسے بڑی اپنائیت سے دیکھتے ہوئے بولا۔"ارے نین کنول! تم یہاں ہو؟"

نینی نے اسے پہچاننے کی کوشش کی پھر پوچھا۔"آپ کون ہیں؟ مجھے کیسے جانتے ہیں؟"

وہ میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔"تم پنڈت دینا ناتھ کی بیٹی ہو۔یہ تو پورا اجمیر نگر جانتا ہے۔"

"میں نے تو آپ کو اس شہر میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"جب تم دماغی مریضہ بن گئی تھیں اور ہم انٹیلی جنس والوں کو لاٹھی اور عمیر بن غازی کے بارے میں کچھ بتا نہیں پا رہی تھیں' تب مجھے تمہاری نگرانی پر معمور کیا گیا تھا۔"

وہ پریشان ہوگئی' سمجھ گئی کہ انٹیلی جنس والوں کی نظروں میں آگئی ہے۔اس نے کہا۔"ایکسکیوزمی۔میں ابھی واش روم سے آتی ہوں۔"

وہ جواب سنے بغیر تیزی سے چلتی ہوئی واش روم میں آئی۔پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر کے مجھے فون پر مخاطب کیا۔"ہیلو! میں نینی بول رہی ہوں۔یہاں ایک انٹیلی جنس والے نے مجھے پہچان لیا ہے۔"

میں نے کہا۔"یہ تو ہمارے لئے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔وہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"ابھی پتہ نہیں' کیا کہنے والا ہے؟ جب میں اجمیر میں سی آئی اے والوں کی نگرانی میں تھی' تب یہ شخص وہاں ڈیوٹی پر تھا۔مجھے اور میرے باپو کو اچھی طرح جانتا ہے۔"

میں نے کہا۔"یقیناً اب بات بڑھے گی۔فون سے میرا نمبر مٹادو۔مجھ سے لاعلمی ظاہر کرو۔یہ کہو کہ بحری جہاز سے استنبول گئی تھیں۔پھر وہاں سے آرہی ہو۔اب اپنے گھر اجمیر جارہی ہو۔"

"مجھے یہی کرنا ہوگا۔مگر میں آپ سے دور ہوجاؤں گی۔یہ انٹیلی جنس اور سی آئی اے والے آپ سے ملنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

"نینی! ویسے بھی تمہاری زچگی تک ہمارے درمیان فاصلہ رہنا تھا۔"

"لیکن اب جو فاصلہ قائم ہوگا تو میں آپ کی صورت بھی نہیں دیکھ سکوں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔صرف دس ماہ تک یہ برداشت کرو۔پھر بڑی رازداری سے تمہیں اپنے پاس بلالوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔میں ابھی نمبر مٹا رہی ہوں۔یہ میرے دل پر لکھا رہے گا۔آئندہ جب بھی رابطہ کروں گی تو نمبر مٹادیا کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔زیادہ بات نہ کرو۔اس جاسوس کو شبہ ہوگا۔اپنی میز پر واپس جاؤ۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔اس نے میرے نمبرز مٹانے کے بعد فون کو پرس میں رکھا پھر باہر نکلنے کے لئے دروازہ کھولا تو ٹھٹک گئی۔وہ دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔مسکراتے ہوئے بولا۔"تم کسی سے کچھ بول رہی تھیں؟"

وہ ناگواری سے بولی۔"جاسوس ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ چھپ کر کسی کی

پرسنل باتیں سنیں۔''

''مجبوری ہے نینی! ہمارا پیشہ ہی کچھ ایسا ہے۔ ہم اچانک کسی کے بیڈروم میں اور ٹوائلٹ میں گھس جاتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ وہاں کس حالت میں ہے؟ آؤ۔ میز پر چلو۔ میں نے تمہارے لئے کھانے کا آرڈر دیا ہے۔''

وہ دونوں میز پر آگئے۔ اس نے کہا۔''میرا نام رانا پرتاب ہے۔ عمیر بن غازی کی پوری ہسٹری ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس کے متعلق آخری رپورٹ یہ ہے کہ وہ بحری جہاز میں تمہارے ساتھ تھا۔''

''یہ رپورٹ غلط ہے۔ میں اپنے پتی ونود شرما کے ساتھ تھی۔ اچانک معلوم ہوا کہ غازی بھی اس جہاز میں موجود ہے۔''

''چلو یہی سہی۔ تم اس کے ساتھ نہیں تھیں۔ نہ جانے وہ تمہارے ساتھ کیا کر رہا تھا؟ پھر پتہ چلا کہ اس نے تمہارے پتی کو سمندر میں پھینک دیا تھا۔ خود گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا۔ اسے امریکی سی آئی اے والے ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں سے لے گئے تھے۔ یہ بتا سکتی ہو کہ اب وہ کہاں ہے؟''

''میں کیسے بتا سکتی ہوں؟ میں تو خود وہاں مرتے مرتے بچی تھی۔''

''ہاں۔ یہ بھی انفارمیشن ہے کہ وہ چمتکار دکھانے والی انگوٹھی اور لاٹھی تمہارے پاس تھی۔''

''میں نے وہ دونوں چیزیں پھینک دی ہیں۔ کیونکہ وہ نقلی تھیں۔ اگر اصلی ہوتیں تو میرا پتی مارا نہ جاتا۔ میں ودھوا نہ ہوتی۔''

اس نے قائل ہونے کے انداز میں سر ہلایا۔ لیکن اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔''تم عدن کی بندرگاہ میں جہاز سے اتر گئی تھیں۔ اس وقت لاٹھی تمہارے ساتھ تھی۔''

''اس لئے تھی کہ میں اسے آزما رہی تھی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ میری مصیبتوں میں کوئی چمتکار نہیں دکھا رہی ہے تو میں نے اسے پھینک دیا۔''

''عمیر بن غازی کے متعلق یہ انکشاف ہوا ہے کہ وہی تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی ہے۔ پہلے تو یہ خبر اڑائی گئی کہ وہ مر گیا ہے۔ پھر ایک ماہ قبل معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ استنبول میں لاٹھی کے ساتھ کہیں دیکھا گیا تھا۔ پھر کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ تعجب ہے' پھینکی ہوئی ناکارہ لاٹھی اس کے پاس کیسے پہنچ گئی؟''

''آپ بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری پھینکی ہوئی ناکارہ لاٹھی اس کے پاس

کیسے پہنچے گی؟''

''تم وہ لاٹھی لے کر استنبول گئی تھیں۔''

''یہ غلط ہے۔''

''کیا استنبول نہیں گئی تھیں؟''

''ضرور گئی تھی۔ لیکن لاٹھی میرے ساتھ نہیں تھی۔''

''تم وہاں سے یہاں کیسے آئیں؟''

''ایک ٹورسٹ ٹیم کے ساتھ خشکی کے راستے آئی ہوں۔''

''وہ ٹورسٹ ٹیم کہاں ہے؟''

''میں نہیں جانتی' میں ان کے ساتھ کراچی تک آئی تھی۔ وہاں ان سے الگ ہو گئی۔ کھوکھرا پار کے راستے یہاں آئی ہوں۔''

''خشکی کے راستے سفر کرنے کے سلسلے میں کاغذات تو ہوں گے؟''

''کاغذات تھے۔ میرے بوائے فرینڈ نے مجھ سے بیوفائی کی۔ میرا سامان لے کر بھاگ گیا۔ میں لٹ لٹا کر یہاں آئی ہوں۔''

''تم بڑی خوبصورتی سے باتیں بنا رہی ہو۔''

''مسٹر رانا! میں مصیبت زدہ ہوں۔ آپ اپنے پیشے کے مطابق مجھ پر شبہ ضرور کریں۔ مگر میری مدد کریں۔ میرے پاس صرف دو سو روپے ہیں۔ مجھے اجمیر پہنچا دیں۔ میں گھر پہنچ کر آپ کا قرض چکا دوں گی۔''

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔''ہاں۔ مصیبت زدہ لگتی ہو۔ میں تمہیں گھر پہنچاؤں گا۔ پلیز۔ اپنا موبائل فون مجھے دو۔''

''آپ میرے فون کا کیا کریں گے؟''

''کہا نا اپنے پیشے سے مجبور ہوں۔''

اس نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔''پلیز۔ بحث نہ کرو۔''

ویٹر میز پر کھانا لا کر رکھنے لگا۔ نینی نے اپنا فون پرس سے نکال کر اسے دیا۔ وہ بولا۔''کھانا شروع کرو۔''

وہ فون کو آپریٹ کرتے ہوئے دیکھنے لگا کہ ابھی اس نے واش روم میں کس نمبر پر بات کی تھی؟ ریسنٹ کال والا نمبر نہیں تھا۔ اس نے فون واپس کرتے ہوئے کہا۔''بہت چالاک

ہو۔نمبر مٹا دیا ہے۔''

''اپنی اور باپو کی نیک نامی کے لئے وہ نمبر مٹا دیتی ہوں۔ وہ دھوکے باز ہرجائی اپنے سامان کے ساتھ ایسی تصاویر لے گیا ہے کہ جنہیں میں چھپا کر رکھتی ہوں۔ اگرچہ وہ تصویریں میرے پتی کے ساتھ ہیں۔مگر شرمناک ہیں۔''

وہ ایسی ٹھوس باتیں بنا رہی تھی کہ انٹیلی جنس والا جاسوس کا شبہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔وہ اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔اس نے کہا۔''تم یہ تمام بیان لکھ کر دو گی۔ میں کوشش کروں گا کہ سی آئی اے والے تمہیں زیادہ پریشان نہ کریں۔''

پھر اس نے فون کے ذریعے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسر سے رابطہ کیا اور کہا۔''سر! ایک اہم رپورٹ ہے۔ پنڈت دینا ناتھ کی بیٹی نین کنول عرف نینی انڈیا واپس آ گئی ہے۔ابھی جودھ پور میں میرے سامنے موجود ہے۔''

اس نے دوسری طرف کی باتیں سنیں۔پھر کہا۔''جی ہاں۔ یہ میرے ساتھ رہے گی۔ میں اسے آج رات کی ٹرین سے اجمیر لا رہا ہوں۔''

وہ ذرا چپ ہوا۔باتیں سنتا رہا۔پھر بولا۔''یہ عمیر بن غازی کے سلسلے میں لاعلمی ظاہر کر رہی ہے۔مگر ہمیں الرٹ ہو جانا چاہئے۔وہ بھی یہاں ہو سکتا ہے۔آپ تمام انٹیلی جنس والوں کو اور را ایجنسی والوں کو انفارم کریں۔وہ یہاں سے دہلی' کولکتہ' ممبئی اور مدراس تک ناکہ بندی کر دیں۔جس شخص کے پاس بھی لاٹھی ہوگی' اُس کا محاسبہ کریں گے۔''

وہ ذرا چپ ہوا پھر بولا۔''جی ہاں۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ یہاں جودھ پور میں ہو سکتا ہے۔جودھ پور' جے پور' جیسلمیر' اودے پور سے نکلنے والے تمام راستوں پر ناکہ بندی کرائیں۔''

نینی سر جھکائے کھا رہی تھی۔اس کی باتیں سن کر دل گھبرا رہا تھا۔وہ کوشش کر رہی تھی کہ چہرے سے پریشانی ظاہر نہ ہو۔یہ سوچ کر بھی دل دکھ رہا تھا کہ اچانک ہی مجھ سے بچھڑ رہی ہے اور یہ جدائی تقریباً دس ماہ تک رہے گی۔

میں نے فون کے ذریعے سلویٰ سے کہا۔''نینی ایک انٹیلی جنس والے کی نظروں میں آ گئی ہے۔میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔وہ ہم سے لاتعلق رہے گی۔اس کے باوجود ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔فوراً یہاں سے نکلو۔اب شائد ہماری ملاقات دہلی میں ہوگی۔''

میں آٹو رکشے میں بیٹھ کر قلعے کے دروازے تک آیا۔پھر وہاں سے پیدل چلتا ہوا' دوڑتا ہوا ٹرالر کے پاس پہنچا۔محمت ٹرگئے نے مجھے دور ہی سے دیکھ کر عصا دکھایا۔میں نے قریب

پہنچ کر اسے بھی خطرے سے آگاہ کیا۔اپنے سفری بیگ میں ضروری سامان رکھتے ہوئے کہا۔''میں جا رہا ہوں۔شائد ہم دہلی میں مل سکیں گے۔فون کے ذریعے ایک دوسرے کی خبر لیتے رہیں گے۔''

انگوٹھی میری ایک انگلی میں تھی۔میں نے عصا اور سفری بیگ کو اٹھایا۔پھر محمت ٹرگئے سے معانقہ کر کے وہاں سے چل پڑا۔میں آدھی زندگی دشمنوں سے چھپتے ہوئے گزار چکا ہوں۔اس سلسلے میں مہارت حاصل ہو چکی ہے۔انہیں آسانی سے ڈاج دیتا رہا ہوں۔مگر اب.....

اب عصا میری ایسی پہچان بن گیا تھا کہ میں ہزار بہروپ میں رہنے کے باوجود لاکھوں کی بھیڑ میں پہچانا جا سکتا تھا۔یہ میرے لئے زندگی کی سانسوں کی طرح اہم تھا۔میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔یہ میرے لئے باعث رحمت بھی تھا اور باعث زحمت بھی.....

مجھے وہاں سے جے پور اور اس کے بعد دہلی جانا تھا۔میں ٹرین میں سفر کرتا تو عصا کو برتھ کے نیچے چھپا دیتا اور چھپانے کی کہیں جگہ نہ ملتی۔ٹرین میں تلاش کرنے والے جاسوس آسانی سے اس عصا کو دیکھ لیتے۔

پھر یہ کہ وہاں سے دہلی جانے والی ٹرین اجمیر شہر سے ہو کر گزرنے والی تھی۔وہاں کے جاسوس اور سپاہی تو پوری ٹرین کو کھنگال کر رکھ دیتے۔میری گرفتاری لازمی ہو جاتی۔

ایسے وقت میں فرار ہوتا تو عصا ان کی تحویل میں چلا جاتا۔پھر اس کی دوری اور جدائی مجھے مہنگی پڑتی۔بس میں بھی سفر نہیں کر سکتا تھا۔ٹیکسی میں جاتا تو لاٹھی ڈیش بورڈ سے پچھلی سیٹ تک رکھی رہتی۔تلاشی کے بغیر ہی نظر آ جاتی۔

ایسے ہی وقت کہتے ہیں' نہ پائے رفتن' نہ جائے ماندن۔

نہ میرے قدم آگے جا سکتے تھے' نہ جودھ پور کی زمین پر ٹھہر سکتے تھے۔میں اس شہر سے دور ہائے وے کے کنارے ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھا سوچ رہا تھا۔الجھ رہا تھا۔

ایسے وقت محمت ٹرگئے نے فون پر پوچھا۔''آپ کہاں ہیں؟''

میں نے اسے جگہ بتائی۔وہ بولا۔''وہیں میرا انتظار کریں۔ میں ایک ٹیکسی لا رہا ہوں۔''

''ٹرگئے! ہم عصا کو ٹیکسی میں چھپا نہیں سکیں گے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ٹیکسی ڈرائیور ایک اسمگلر ہے۔میں نے اسے پانچ ہزار ڈالر دیئے ہیں۔وہ ہمیں ایسے راستوں سے لے جائے گا' جہاں روکنے ٹوکنے والے نہیں ہوں گے۔''

وہ پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ میں جھاڑی کے پیچھے سے نکل آیا۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر سلوئی تھی۔ عصا کو اسی طرح ڈیش بورڈ سے پچھلی سیٹ تک رکھا گیا۔ میں سلوئی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ٹیکسی وہاں سے چل پڑی۔ وہ ڈرائیور اسمگلر تھا۔ کسی حد تک انگریزی زبان جانتا ہوگا۔

تُر گئیے نے ترکی زبان میں کہا۔ ''جب مجھے معلوم ہوا کہ نینی انٹیلی جنس والوں کی نظروں میں آگئی ہے تو میں آپ کے رخصت ہوتے ہی تھانے گیا تھا۔ وہاں ہماری انٹری کے سلسلے میں ایسے کاغذات کی فوٹو کاپیاں تھیں، جن کے ذریعے ہم آگے کہیں پہچانے جاسکتے تھے۔''

سلوئی نے کہا۔ ''اب ہمارا وہاں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تُر گئیے نے تھانیدار کو شیشے میں اتار لیا۔ اس کے آگے دس ہزار ڈالرز رکھے۔ اس بیچارے نے کبھی زندگی میں اتنے ڈالرز نہیں دیکھے تھے۔''

تُر گئیے نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''وہ تھوڑی دیر کے لئے سلوئی کو مانگ رہا تھا۔ اس نے سوری کہہ دیا۔ اپنی جگہ مزید دو ہزار ڈالرز دیئے۔ یوں کام بن گیا۔''

وہ بولی۔ ''پتہ نہیں، یہ مرد اتنے بھوکے کیوں ہوتے ہیں؟ عورت کو دیکھتے ہی رال ٹپکنے لگتی ہے۔''

تُر گئیے نے کہا۔ ''سب ہی عورتوں کو دیکھ کر رال نہیں ٹپکتی۔ تمہارا ایسا بدن ایسا چیختا ہے کہ جھپٹ پڑنے کے لئے جی مچل جاتا ہے۔ تم نے کتنے ہی جھپٹنے والوں کو دن میں تارے دکھا دیئے ہیں۔ بیچارے مٹی چاٹ کر رہ گئے۔''

میں نے مسکرا کر پوچھا۔ ''تمہارا کیا حال ہے؟''

''میں تو دور ہی دور سے طلب کرتا ہوں۔ یہ ہے کہ پگھلتی ہی نہیں۔ پھر یہی سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ اس کے اندر عورت والے جذبات نہیں ہیں۔ یہ یونہی مردانہ وار زندگی گزارتی رہے گی۔''

میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ میرے بالکل قریب تھی۔ بلاشبہ صورت کے اعتبار سے حسین تھی اور بدن کے اعتبار سے سنگین تھی۔ یقیناً پارساؤں کی توبہ توڑتی ہوگی۔

وہ دو برس پہلے میرے جانثاروں کی فہرست میں شامل ہوئی تھی۔ کبھی اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے کارنامے سنتا رہتا تھا۔ اب وہ میری خدمت کے لئے استنبول سے آئی تھی۔ میں نے پہلی بار ٹرالر میں اسے دیکھا تو اس کی سحر انگیز شخصیت نے متاثر کیا۔ لیکن وہ

ناڑ دھیما دھیما سا تھا۔ کیونکہ نینی طرح طرح کے مصائب اٹھاتی ہوئی انگوٹھی اور لاٹھی کو ایسے وقت میرے پاس لائی تھی، جب دشمن میری بہن کو بے لباس کرنا چاہتا تھا اور میں شرم سے مرجانے والا تھا۔

میں نینی کا یہ کارنامہ کبھی بھلا نہیں پاؤں گا۔ وہ سلوئی تو کیا حجاب سے بھی زیادہ میرے دل میں جگہ بنا چکی تھی۔ اس لئے میں نے اس کی موجودگی میں سلوئی کو نظر انداز کیا تھا۔

بے چاری نینی بری طرح پھنس گئی تھی۔ اچانک ہی توقع کے خلاف مجھ سے جدا ہوگئی تھی۔ میری سلامتی کی خاطر زبان نہیں کھول رہی تھی۔ خود گرفتار ہو کر میری آزادی کے راستے ہموار کررہی تھی۔

میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ جیسے ہی حالات سازگار ہوں گے۔ میں اسے دس ماہ سے پہلے ہی اپنے پاس بلالوں گا۔ میں اسے دل کی گہرائیوں سے یاد کررہا تھا۔ وہ اسی لمحے میں آگئی۔

میں نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو نینی! میں تمہارے لئے فکرمند ہوں۔ کیا وہ جاسوس تمہیں پریشان کررہا ہے؟''

''میری فکر نہ کریں۔ میں نے ایسی باتیں بنائی ہیں کہ وہ مجھ پر شبہ نہیں کررہا ہے۔ مگر تالاب کے کنارے خالی ٹرالر کو دیکھ کر پولیس اور انٹیلی جنس والے کہہ رہے ہیں کہ آپ یہاں آئے تھے۔ خطرہ محسوس کرتے ہی ٹرالر چھوڑ کر فرار ہوگئے ہیں۔ دہلی، کولکتہ، ممبئی اور مدراس جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی ہورہی ہے۔ آپ یہاں سے کیسے نکل پائیں گے؟''

''میں اب تک خیریت سے ہوں۔ انشاءاللہ مکھن کے بال کی طرح نکل جاؤں گا۔ تم میری فکر نہ کرو۔ کیا تمہیں اتنی آزادی سے فون کرنے کی سہولت حاصل ہے؟''

''نہیں۔ میں انٹیلی جنس کے ایک انسپکٹر رانا پرتاب کے ساتھ رات کی ٹرین سے اجمیر جارہی ہوں۔ ابھی ہم یہاں ایک سرکٹ ہال میں ہیں۔ وہ ٹوائلٹ گیا ہے۔ اس لئے آزادی سے بول رہی ہوں۔ پھر آپ کا نمبر مٹا دوں گی۔''

پھر اس نے بڑی مایوسی سے کہا۔ ''فلش کرنے کی آواز آرہی ہے۔ وہ باہر آنے والا ہے۔ میں پھر کسی وقت بات کروں گی۔ میرا دل، میرا دماغ، میری تمام وفائیں صرف آپ کے لئے ہیں۔''

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''تمام راستوں کی ناکہ بندی ہورہی ہے۔ تم کیا کروگے؟''

اس نے کہا۔ ''کرنے نہ کرنے والا اوپر بیٹھا ہے۔ چور راستوں کی ناکہ بندی مشکل سے ہوتی ہے۔ ہمارا راستہ کوئی نہیں روکے گا۔ میں یہ کھیل برسوں سے کھیل رہا ہوں۔''

ٹُرگیے نے کہا۔ ''استنبول میں صرف سی آئی اے اور یہودی تنظیم کے دشمن تھے۔ وہ چند گھنٹوں میں یہاں پہنچیں گے۔ یہاں را ایجنسی کا اضافہ ہوگیا ہے۔ ہم ان سے بھی نمٹ لیں گے۔ لیکن یہ سوا چھ فٹ کا عصا ہم کو کہیں چھپنے نہیں دے گا۔''

''یہ میرے دم کے ساتھ رہے گا اور یہی دوڑا دوڑا کر بے دم بھی کر رہا ہے۔ میری بہتری اور سلامتی اسی سے منسوب ہے۔''

سلویٰ نے کہا۔ ''جب یہ عصا نہیں تھا' تب بھی آپ دشمنوں سے لڑتے اور محفوظ رہتے تھے۔ یہ کب سے آپ کے پاس آیا ہے؟''

''جب سے میری اولاد کی عداوتوں نے مجھے جسمانی طور پر توڑ کر رکھ دیا تھا۔ دشمنوں نے کبھی مجھے اتنا نقصان نہیں پہنچایا' جتنا میرے تین بیٹوں نے پہنچایا ہے۔''

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''میں تو شائد مر ہی جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو میری ایک نیکی پسند آگئی۔ جیسے آسمان سے وحی اترتی ہے' ایسے ہی یہ عصا میرے لئے اتارا گیا ہے۔''

میں اپنے جانثاروں پر یہ حقیقت واضح نہیں کرسکتا تھا کہ یہ عصا ایک ناقابل یقین کرشمہ دکھا رہا ہے۔ میں اسے تھام کر ٹیکتا ہوا چلتا رہوں گا تو بڑھاپے سے کھوئی ہوئی جوانی تک پہنچوں گا۔

اور جب تک واپسی کا سفر جاری رہے گا' یہ عصا میرے دم کے ساتھ رہے گا۔ کوئی بھی چیز آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لئے کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے اور میں تو جوانی جیسا ناقابل حصول سرمایہ حاصل کرنے والا تھا۔

ٹُرگیے نے مجھ سے پوچھا۔ ''ابھی یہ آپ کے ساتھ ہے۔ کیا آپ جسمانی توانائی محسوس کر رہے ہیں؟''

''ہاں۔ اچھی خاصی توانائی محسوس کر رہا ہوں۔ راڈ مین مجھے اعصابی کمزوری کی دوائیں دیتا رہا تھا۔ اب اُن دواؤں کے اثرات زائل ہو چکے ہیں۔''

سلویٰ نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے۔ ٹُرگیے نے بھی سفر کے دوران ایک ماہ تک خوب مالش کی ہے۔''

اس نے کہا۔ ''تیل کی وہ شیشی میرے گھر میں ایک طرف پڑی رہتی تھی۔ میری والدہ

نے بتایا تھا کہ میرے دادا حکیم تھے۔ انہوں نے بیس جڑی بوٹیوں سے وہ تیل بنایا ہے۔ بڑا ہی زود اثر ہے۔ جسمانی توانائی کے لئے اکسیر ہے۔''

میں نے کہا۔ ''واقعی اکسیر ہے۔ میں نے پچھلے چند دنوں میں کمزوری محسوس نہیں کی۔''

وہ بولا۔ ''اللہ نے چاہا تو رہی سہی کمزوری بھی ختم ہو جائے گی۔''

رات ہو چکی تھی۔ ڈرائیور نے کہا۔ ''جودھ پور سے جے پور دو گھنٹے کا راستہ ہے۔ میں لمبے راستے سے لے جا رہا ہوں۔ ہم چار گھنٹوں میں جے پور کے قریب سے گزر رہے ہیں۔''

سلویٰ نے پوچھا۔ ''دہلی کتنی دور ہے؟''

اس نے کہا۔ ''یوں تو پانچ گھنٹے کا راستہ ہے۔ ہم نو یا دس گھنٹوں میں پہنچیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''لمبا تھکا دینے والا سفر ہے۔ کوئی بات نہیں۔ ہم خیریت سے جا رہے ہیں۔''

ڈرائیور نے کہا۔ ''آگے ایک دھابا ہے۔ آپ وہاں پیٹ پوجا کرسکتے ہیں۔ پھر راستے میں کوئی گاؤں کھیڑا نہیں آئے گا۔ ہم صبح چار بجے تک دہلی پہنچیں گے۔''

ہم ایک گھنٹے کے بعد اس دھابے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس کے پیچھے دور تک چاندنی میں دس بارہ کچے مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ اس وقت دھابے کا مالک سو رہا تھا۔ گاڑی کا ہارن سنتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کچھ کہے بغیر ہی سمجھ گیا کہ اسے کیا کرنا ہے؟ اس نے کم سے کم وقت میں روٹیاں اور انڈے کے آملیٹ تیار کر دیئے۔ کچے دودھ کی لسی پیش کی۔ اگرچہ ہمارے پاس ٹن پیکڈ کھانا موجود تھا۔ مگر تازہ کھانے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ویسے بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ آگے کیسے حالات پیش آنے والے ہیں؟ ہم نے احتیاطاً وہ کھانا محفوظ رہنے دیا تھا۔ بوقت ضرورت کام آسکتا تھا۔

ایک طویل عرصے کے بعد انسانی آبادی کے ہنگاموں سے نجات ملی تھی۔ اس ویرانے میں بہت سکون' بہت آسودگی مل رہی تھی۔ ہم کھانے کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ سلویٰ نے کہا۔ ''بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا اچھا لگ رہا ہے؟''

''یہاں شر انگیزی' شور ہنگامہ' قتل و غارت گری نہیں ہے۔ سکون ہے۔ کسی کی طرح کا اندیشہ نہیں ہے۔''

وہ میرے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے

کی آواز سنائی دی۔ٹیکسی ایک جھٹکے سے رک گئی۔سامنے کچھ فاصلے پر گھڑ سوار نظر آ رہے تھے۔ان میں سے ایک نے گولی چلائی تھی۔ٹیکسی کے ایک پہیے کو ناکارہ بنا دیا تھا۔

میں نے کہا۔"جو تم بول رہی تھیں۔وہی میں سوچ رہا تھا۔سوچتے اور بولتے ہی خون خرابے والے آ گئے۔"

ایک گھڑ سوار گرجنے کے انداز میں بول رہا تھا۔"سب لوگ ہاتھ اٹھا کر باہر آ جاؤ۔جو بندوق لے کر نکلے گا' ہم اسے نرک میں پہنچا دیں گے۔"

پہلے سلوئی اور ڈرائیور ہاتھ اٹھا کر باہر نکلے۔ایک چٹپٹی عورت کو دیکھتے ہی انہوں نے اپنا اپنا کلیجہ تھام لیا۔"ہائے۔یہ تو کوئی اپسرا ہے۔لگتا ہے اندر سبھا سے آئی ہے۔"

حُر گیئے نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔"ایک بوڑھا بابا لاٹھی کے بغیر باہر نہیں آ سکے گا۔اسے لاٹھی پکڑنے دو۔"

وہ گھڑ سوار پانچ تھے۔بولنے والا اُن کا سردار تھا۔اس نے حقارت سے کہا۔"لاٹھی....؟لاٹھی ہمری بندوق کے سامنے کیا کرے گی؟بڈھے سے بولو اپنی اماں کو پکڑ کر باہر آ جائے۔"

وہ گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا۔"اور اس پھلجھڑی کو ہم لے جائیں گے۔اُدھر....جھاڑی کے پیچھے۔"

میں لاٹھی لئے باہر آیا۔سلوئی نے کہا۔"سر!مجھے اس کے ساتھ جانے دیں۔میں اس سے نمٹ لوں گی۔"

سردار اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا۔"ٹیکسی کے پاس جاؤ۔گاڑی کے اندر اور پیچھے ڈگی میں جتنا سامان ہے۔سب نکالو۔دیکھو کتنی نقدی' کتنا جیور ہے؟کوئی منہ اٹھا کر بولے تو گولی مار دو۔"

پھر اس نے سلوئی کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔"چل ہمرے سنگ۔"

سلوئی نے کہا۔"ایک اور ساتھی کو لے چلو۔"

وہ گھور کر بولا۔"کاہے لے چلیں؟کا ہم کو ہجڑا سمجھو ہو؟"

وہ بولی۔"میری بات سمجھو۔تم مجھے پکڑو گے تو تمہاری بندوق کون پکڑے گا؟"

وہ قائل ہو کر بولا۔"ہاں۔ای بات ہمری بدھی میں نہیں آئی۔"

اس نے اپنے ایک ماتحت سے کہا۔"اے بھگو!تُو آ جا۔یہ لوگائی بڑی کھائی کھلائی

لگتی ہے۔"

وہ سلوئی کو نشانے پر رکھ کر وہاں سے جانے لگا۔اسے ایک سے کسی طرح بچنا تھا۔وہ خطرات سے کھیلنے جا رہی تھی۔حُر گیئے نے کہا۔"سر!ابھی لاٹھی نہ چلائیں۔ذرا اس کی مکاری کا تماشہ دیکھیں۔"

وہ ان کے نشانے پر رہ کر آگے آگے چلتی ہوئی جھاڑیوں کے پیچھے آ گئی۔ادھر سے ہم نظر نہیں آ رہے تھے اور نہ وہ تینوں ہمیں دکھائی دے رہے تھے۔

سردار نے بھگو کو اپنی بندوق دیتے ہوئے کہا۔"اس کو بھی دھر لے۔پر ہم بندوق کاہے کو تان رہے ہیں؟کا ہم ایک لوگائی کو قابو میں نہیں کر سکیں گے؟"

بھگو نے اس کی بندوق لے لی تھی۔اسی وقت سلوئی نے یکبارگی فضا میں چھلانگ لگائی۔سردار کے منہ پر فلائنگ کک پڑی۔وہ ایک عورت کے اچانک حملے سے بوکھلا گیا۔بھگو نے اس کا نشانہ لیا۔لیکن وہ سردار کے پیچھے پہنچ گئی تھی۔ایک بازو میں اس کی گردن دبوچ کر بولی۔"خبردار!ذرا بھی حرکت کی تو گولی چل جائے گی۔"

سردار کی پیٹھ پر کسی سخت سی چیز کا دباؤ پڑ رہا تھا۔صاف پتہ چل رہا تھا کہ پستول یا ریوالور ہے۔گولی آر پار ہونے والی ہے۔

اس نے سردار کو ڈھال بنایا تھا۔بھگو گولی نہیں چلا سکتا تھا۔وہ سخت لہجے میں بولی۔"ایک لحہ بھی ضائع کئے بغیر ہتھیار پھینک دو۔"

سردار کی سلامتی کے لئے بھگو نے یہی کیا۔ان کے نہتے ہوتے ہی سلوئی نے پیٹھ پر لات ماری تو وہ آگے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا بھگو سے ٹکرا گیا۔پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے سلوئی نے دونوں بندوقیں اٹھا لیں۔ایک کو اپنے پیچھے پھینکا اور دوسرے سے سردار کا نشانہ لے کر ٹھینگا دکھاتے ہوئے کہا۔"تمہاری پیٹھ سے یہ لگا ہوا تھا۔اب تم دونوں میں سے کوئی ایک مرے گا۔دوسرا زندہ رہے گا۔بولو کون مرے گا؟"

سردار نے جلدی سے بھگو کی طرف انگلی اٹھائی۔"یہ۔یہ مرے گا۔"

وہ سہم کر بولا۔"یہ کا کہہ رہے ہو؟ہم تمرے تابعدار ہیں۔ہم تمرے لئے جان کی بازی لگاتے رہتے ہیں۔"

سردار نے کہا۔"تو پھر لگا اور ہم کو جندہ رہنے دے۔"

وہ ڈانٹ کر بولی۔"منہ سے آواز نہ نکالو۔ادھر سے کوئی آئے گا تو دونوں کو مار ڈالوں

گی۔ چپ چاپ اپنے اپنے چاقو نکالو اور خود فیصلہ کرو..... جلدی کرو۔''

سردار نے فوراً ہی چاقو نکال کر اسے بھگو کے پیٹ میں اتار دیا۔ پھر دوسری بار تیسری بار یہی کیا۔ اس کے حلق سے آواز بھی نہ نکل سکی۔ وہ زمین پر گر کر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔

سلوئی نے کہا۔ ''اب دوسرے دو ساتھیوں کو بلاؤ۔ تم نے زندہ رہنے کے لئے ایک کو مار ڈالا۔ اب مجھے حاصل کرنے کے لئے دوسروں کی قربانی دو۔''

وہ انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ ہم تم کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ہم کو جانے دو۔''

''مجھ کو لوٹنے کے لئے یہاں لائے ہو۔ اب گھبرا رہے ہو۔ کیسے مرد ہو؟''

''سمجھو کہ ہم مرد نہیں ہیں۔ ہم کو جانے دو۔''

''اگر تم نے کسی دو کو نہ بلایا تو گولی چل جائے گی۔''

اس نے بندوق کی نال کو دیکھا وہ ٹھیک اس کے منہ کی طرف تھی۔ اس نے فوراً ہی پلٹ کر آواز دی۔ ''دھرمو! راجو.....! ادھر آؤ۔ ہم بلاتے ہیں۔ جلدی آؤ۔''

ادھر ہمارے پاس زیادہ سامان نہیں تھا۔ صرف سفری بیگ تھے۔ وہ تینوں تلاشی لے چکے تھے۔ انہیں ڈالرز کی گڈیاں ملی تھیں۔ وہ اپنے سردار کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی آواز سنتے ہی دھرمو اور راجو تیزی سے ادھر جانے لگے۔ میں اور ٹُر گئے خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ سلوئی کیا کر رہی ہے؟

وہ دونوں جیسے ہی جھاڑی کے قریب پہنچے تڑاتڑ دو گولیاں چلیں۔ وہ دونوں اچھل کر زمین پر گرے پھر تڑپنے لگے۔ سلوئی نے سردار سے کہا۔ ''اب تم جا سکتے ہو۔''

اس نے فوراً ہی اپنے گھوڑے کی طرف دوڑ لگائی۔ پھر اس کی لگام پکڑ کر سوار ہونے لگا۔ اسی لمحے میں فائر کی آواز کے ساتھ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ رکاب پر پاؤں رکھ کر گھوڑے کی پیٹھ پر پہنچتے پہنچتے وہاں سے پلٹ کر زمین پر آ گیا۔

ایک آخری بچا تھا۔ اپنے ساتھیوں اور سردار کا انجام دیکھتے ہی وہاں سے بھاگنے لگا۔ گھوڑے پر چڑھنے والے کو زمین بوس ہوتے دیکھ چکا تھا۔ سمجھ چکا تھا کہ موت سواری کا موقع نہیں دے گی۔ جان بچانے کے لئے اپنے پیروں پر بھروسہ کرتے ہوئے دوڑ لگا رہا تھا۔

کسی کو اس بیان بازی کے لئے زندہ نہیں چھوڑنا تھا کہ اس ٹیکسی میں سفر کرنے والوں کے پاس ایک عصا بھی تھا۔ یوں دشمنوں کو معلوم ہو جاتا کہ عمیر بن غازی عرف تھری ایس

ہندوستان پہنچ گیا ہے۔

اس ویرانے میں آخری فائر کے ساتھ آخری چیخ دور تک تھرائی پھر گہرا سناٹا چھا گیا۔ میں نے دیکھا۔ سلوئی جھاڑی کے پیچھے سے خالی ہاتھ آ رہی تھی۔

میں نے متاثر ہو کر کہا۔ ''واہ کیا بات ہے۔ خالی ہاتھ گئی تھیں۔ تنہا پانچوں کو ٹھکانے لگا کر خالی ہاتھ آ رہی ہو۔''

ٹُر گئے نے کہا۔ ''میں نے کہا تھا' یہ دشمنوں کو دن میں تارے دکھا دیتی ہے۔ اور رات کو تو جہنم میں ہی پہنچا دیتی ہے۔''

وہ میرے سامنے آ کر رک گئی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تم نے دل خوش کر دیا ہے۔ بولو کیا انعام دوں؟''

وہ بڑی خاموشی سے میرے اور قریب ہو گئی۔ اس کی سنجیدگی اس کی قربت معنی خیز تھی۔ میں نے حیرانی سے کہا۔ ''سلوئی.....؟''

وہ سانسوں کے اور قریب ہو گئی۔ آنچ دیتے ہوئے بولی۔ ''انعام.....''

میں نے زبان دی تھی کہ اسے انعام دوں گا اور وہ بے شک وشبہ انعام کی مستحق تھی۔ اس کا نام سلوئی تھا۔ میں من وسلوئی کی طرح دہکتے ہوئے دو انگاروں پر اتر گیا۔

وہ شعلہ گل تھی یا جلتی ہوئی پھلواری تھی۔ دیکھو تو چاندنی تھی۔ چھو لو تو آگ کا دریا تھا۔ میں نے انگور سمجھ کر چھو لیا تھا' وہ شراب بن گئی تھی۔

عجب معاملہ تھا۔ میں اسے انعام دے رہا تھا اور وہ انعام میں مل رہی تھی۔

ٹُر گئے ڈرائیور کے ساتھ ٹیکسی کا پہیہ بدل رہا تھا۔ دونوں ہماری طرف دیکھتے بھی جا رہے تھے۔ سلوئی جلدی سے الگ ہو کر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ میرے بڑھاپے کی زمین پر رینگتی ہوئی جوانی بھی سمجھا رہی تھی کہ بس ابھی گھٹنوں کے بل اتنا ہی چلنا چاہئے۔

ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو ٹُر گئے نے اگلی سیٹ سے گھوم کر سلوئی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''میں نے کہا تھا' یہ ہمیشہ مردانہ وار زندگی گزارتی رہے گی۔ اس کے اندر کوئی عورت نہیں رہتی۔ میں اپنے الفاظ واپس لے رہا ہوں۔''

وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ میرے قریب ایک بالشت کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔ ''کیا ہو گیا تھا تمہیں؟ میں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔''

عورت اپنے اندر کی بات کھول کر نہیں بتاتی۔ پتہ نہیں اس کے دل میں میرے لئے

کچھ کچھ ہو رہا تھا؟ وہ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ شائد انتظار کر رہی تھی کہ میں پہل کروں گا۔ آخر اسے ہی پہل کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے پوچھا کہ انعام کیا دوں؟ تو وہ مہکتی و چہکتی خوشبو کی طرح سانسوں میں اتر گئی۔

رات کے دو بجے نینی نے فون پر کہا۔ ''میں رانا پرتاب کے ساتھ ٹرین سے اجمیر جا رہی ہوں۔ وہ اپنی برتھ پر گہری نیند میں ہے۔ میں ٹوائلٹ میں آ کر بول رہی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''ٹوائلٹ میں ٹرین کی کھٹا کھٹ کا شور بڑھ جاتا ہے۔ تمہاری آواز دب رہی ہے۔ پھر بھی میں سن رہا ہوں۔ تم خیریت سے ہو ناں؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟''

''میں خیریت سے ہوں۔ یہ لوگ مجھے زیادہ پریشان نہیں کریں گے۔ پریشانی تمہارے لئے ہے۔''

وہ جیسے ہانپتے ہوئے بول رہی تھی۔ ''غازی جی! آپ کے لئے خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ پورے ہندوستان کی انٹیلی جنس پولیس اور آرمی کو الرٹ کر دیا گیا ہے۔ اس دیس میں آپ کا چھپ کر رہنا ممکن نہیں ہے۔''

''کسی بھی ملک میں چھپ کر رہنا ناممکن لگتا ہے۔ پھر بھی جہاں چاہتا ہوں رہتا ضرور ہوں۔''

''میں چاہوں گی' آپ یہاں رہیں۔ مگر اس لاٹھی کو کسی بھی طرح چھپا کر رکھیں اور انگوٹھی کو بھی انگلی میں نہ پہنیں۔''

''میں اسی فکر میں ہوں کہ عصا کو کیسے چھپا کر رکھا جا سکتا ہے؟''

''ابھی آپ دہلی' کولکتہ' ممبئی اور مدراس کی طرف نہ جائیں۔ رانا کی باتوں سے معلوم ہوا ہے کہ ہمالیہ اور شملہ کی پہاڑیوں میں بھی آپ کو تلاش کیا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے' میں سوچتا ہوں کہ ابھی مجھے کہاں روپوش رہنا چاہئے؟''

''اگر لاٹھی کو کہیں چھپا دیں گے تو آپ کی آدھی سے زیادہ پریشانی ختم ہو جائے گی۔ آپ آسانی سے بھیس بدل کر کہیں بھی رہ سکیں گے۔''

پھر اس نے کہا۔ ''میں زیادہ باتیں نہیں کروں گی۔ رانا نیند سے جاگے گا تو مجھ پر شبہ کرے گا۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے سلویٰ اور ٹُر گئے سے کہا۔ ''میرے لئے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ مجھے یہاں سے دہلی تک کسی بھی چھوٹے بڑے شہر یا گاؤں میں چھپنا نہیں چاہئے۔''

ٹُر گئے نے پوچھا۔ ''ہم راستہ بدل کر کہاں جا سکتے ہیں؟''

میں سر جھکا کر سوچنے لگا۔ وہ دونوں بھی سوچ میں پڑ گئے۔ اصل مسئلہ لاٹھی کا تھا۔ اسے اس طرح رکھنا تھا کہ وہ میرے قریب بھی رہے اور تلاش کرنے والوں کو دکھائی بھی نہ دے اور یہ ممکن نہیں تھا۔ سوا چھ فٹ کی لاٹھی کو نگاہوں سے اوجھل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک ہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اسے شکار گاہ کے تہہ خانے میں خزانے کے ساتھ چھپا کر رکھا جائے۔

انگوٹھی اور عصا وہاں محفوظ رہیں گے۔ میں یہ دیکھ چکا تھا کہ ان سے دور ہوتے ہی دشمن مجھ پر حاوی ہونے لگتے تھے۔ بڑی مشکل تھی۔ اپنے محافظ عصا کو نہ دور کر سکتا تھا' نہ سینے سے لگا کر رکھ سکتا تھا۔

سلویٰ نے کہا۔ ''میری عقل میں ایک بات آ رہی ہے کہ آپ عصا کو کہیں چھپا دیں اور اس کا ایک فوٹو اپنے پاس رکھیں۔''

ٹُر گئے نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کیا وہ فوٹو ان کی حفاظت کرے گا؟ کیا وہ کوئی کرشمہ دکھائے گا؟''

وہ بولی۔ ''میرا ذہن تو یہی کہتا ہے کہ وہ عصا فوٹو کے ذریعے ان کی نگاہوں کے سامنے رہے گا۔ یا پھر ان کے دھڑکتے ہوئے دل کے پاس جیب میں رکھا رہے گا تو ضرور اپنے اثرات دکھائے گا۔''

وہ بول رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ ایمان اور عقیدہ کیا ہے؟

ہم نے خدا کو دیکھا ہے' نہ اپنے رسول ﷺ کو۔ لیکن ان کے اسمائے مقدس کے تغرے ہمارے گھروں کی دیواروں پر آویزاں رہتے ہیں۔ ہم انہیں دیکھتے رہتے ہیں اور وہ ہمارے دلوں میں اترتے رہتے ہیں۔

یہ ایک جذبہ ہے۔ ایک عقیدہ ہے کہ ہم ان کے ناموں کے لاکٹ اپنے گلے میں پہنتے ہیں۔ وہ لاکٹ ہمارے دھڑکتے ہوئے دلوں سے لگے رہتے ہیں۔ ایک امید' ایک سہارا' ایک اعتماد قائم رہتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے اور بہتر کرتا ہے۔

سلویٰ کی بات دل کو لگ رہی تھی کہ فوٹو کی صورت میں وہ عصا میرے دل سے لگا رہے گا۔ ٹُر گئے نے پوچھا۔ ''آپ کیا کہتے ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''عصا کو کہیں تو چھپانا ہوگا؟ لہٰذا اس کا ایک فوٹو اپنے پاس رکھ کر آزمایا جائے۔''

ٹُر گیئے نے ڈرائیور سے کہا۔ ''گاڑی روکو۔ ابھی یہیں تصویر اتارتا ہوں۔''

ٹیکسی رُک گئی۔ ہمارے پاس اعلیٰ کوالٹی کا ایک انسٹنٹ کیمرہ تھا۔ تصویر مکمل پرنٹ کے ساتھ اسی وقت نکل آتی تھی۔ ٹُر گیئے نے عصا اور انگوٹھی کو ایک درخت سے لگا کر رکھا۔ ان کی ایک تصویر اتاری پھر انہیں سپاٹ زمین پر لٹا کر تصویر کھینچی۔ فوراً ہی ان کے پرنٹ نکل آئے۔ دونوں تصویروں میں عصا اور انگوٹھی پوری طرح نظر آ رہے تھے۔

سلوئی نے کہا۔ ''ایک تصویر آپ رکھیں۔ دوسری میں رکھتی ہوں۔ کبھی ضرورت ہوئی تو آپ کو دوں گی۔''

میں نے ایک تصویر اپنے پاس جیب میں رکھ لی۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ آگے کہاں جانا تھا؟ کہاں رہنا تھا؟ اس سلسلے میں وہ دونوں سوچنے لگے۔ میں نے تو سوچ لیا تھا کہ میرا عصا شکار گاہ کے تہہ خانے میں ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔

ٹُر گیئے نے کہا۔ ''اب ہمیں الگ ہو کر دور ہی دور سے فون کے ذریعے ایک دوسرے کی خبر رکھنی ہوگی۔ انٹیلی جنس والے کل صبح تک یہ معلوم کر لیں گے کہ جودھ پور میں جو ٹرالر ہے وہ کہاں سے آیا ہے اور اس میں کتنے افراد سفر کر رہے تھے؟''

میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''آگے جھانسی شہر آتا ہے۔ کیا اس لمبے راستے میں وہ شہر آئے گا؟''

''ہاں۔ ایک گھنٹے کے اندر ہم وہاں سے گزریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں وہاں اتر جاؤں گا۔''

سلوئی نے کن انکھیوں سے مجھے دیکھا۔ ان لمحات میں میرا دل کہہ رہا تھا کہ پہلے حجاب سے پھر نینی سے بچھڑ گیا۔ سلوئی سے نہیں بچھڑنا چاہئے۔

ٹُر گیئے نے کہا۔ ''میں جھانسی کے ریلوے اسٹیشن تک جاؤں گا۔ نہ میرے پاس عصا ہوگا اور نہ ہی میں آپ کی طرح دکھائی دیتا ہوں۔ کوئی مجھ پر شبہ نہیں کرے گا۔ میں ٹرین کے ذریعے دہلی جاؤں گا اور بھاری رشوت دے کر اپنے سفری کاغذات تبدیل کراؤں گا۔''

میں نے کہا۔ ''یہ کاغذات تبدیل کرانے کے بعد اجمیر جاؤ۔ وہاں نینی کے حالات معلوم کرتے رہو۔ ضرورت کے وقت اس کے کام آتے رہو۔''

''یس سر! میں یہی کروں گا۔ سلوئی! تم بھی دہلی چلو گی؟''

وہ جواب دینے سے پہلے ہچکچانے لگی۔ پہلو بدلنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''یہ میرے

ساتھ رہے گی۔''

اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر جلدی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں دھماکے کر رہی ہوں گی۔

آدھے گھنٹے کے بعد دور سے روشنی دکھائی دی۔ ڈرائیور نے کہا۔ ''ہم جھانسی پہنچ رہے ہیں۔ آپ کہاں جانا چاہیں گے؟''

میں نے کہا۔ ''ایسی جگہ پہنچاؤ' جہاں لانگ روٹ پر جانے والی ٹیکسیاں ملتی ہیں۔''

ہم رات کے دو بجے جھانسی شہر میں داخل ہوئے۔ دکانیں بند تھیں۔ راستے سنسان تھے۔ ڈرائیور نے اپنے ایک شناسا ٹیکسی والے سے ملایا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ہمیں دریا کنارے ہنومان گھاٹ جانا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''وہ تو یہاں سے چالیس کلومیٹر سے بھی آگے ہے۔ دس کلومیٹر کے کچے راستے سے جانا ہوگا۔ میری گاڑی کے انجر پنجر ڈھیلے پڑ جائیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''جانے کی بات کرو۔''

وہ بولا۔ ''میرے کو وہاں سے خالی ٹیکسی لانی ہوگی۔ ایک بات بولتا ہوں' پورے ایک ہجار روپے لوں گا۔''

''میں اس سے بھی زیادہ ایک ہزار ڈالر دوں گا۔ کیا تم ڈالر لینا چاہو گے؟''

وہ خوش ہو گیا۔ ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر بولا۔ ''آؤ جی! ابھی لے چلتا ہوں۔''

سلوئی اپنا اور میرا سفری بیگ لے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں ٹُر گیئے سے مصافحہ کر کے سیٹ پر آ گیا۔ ہمارے درمیان یہ طے پایا کہ فون کے ذریعے رابطہ رہے گا۔ وہ اجمیر جا کر دور ہی دور سے نینی کی نگرانی کرتا رہے گا۔

ہم اس سے رخصت ہو گئے۔ ڈرائیور نے آگے جا کر ایک پیٹرول پمپ پر گاڑی روکی۔ ہم نے دیکھا وہاں ٹنکی فل ہونے تک پیٹرول بھرنے والا ملازم بار بار میرے عصا کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے بھی کچھ کہا۔ وہ تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

سلوئی نے کہا۔ ''ہم جہاں بھی جائیں گے' یہ لاٹھی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہے گی۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ اگرچہ ہندوستان میں لاٹھی لے کر چلنا ایک عام سی بات ہے۔''

اس نے کہا۔ ''بوڑھے اسے ٹیک کر چلتے ہوں گے۔''

''تگڑے جوان بھی سینہ تان کر یوں زمین پر لاٹھی مارتے ہوئے چلتے ہیں' جیسے

بندوق ہاتھ میں آگئی ہو۔"

ٹیکسی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ ہنومان گھاٹ کی طرف جانے لگی۔

میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔"وہ ملازم لاٹھی کے بارے میں تم سے کچھ کہہ رہا تھا؟"

"ہاں۔ کہہ رہا تھا کہ آج رات گیارہ بجے ریڈیو سے خبریں نشر ہو رہی تھیں۔ ملازم اپنے کام سے لگا ہوا تھا۔ اس نے پوری طرح خبر نہیں سنی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ پولیس کو ایسے آدمی کی تلاش ہے جس کے پاس سوا چھ فٹ لمبی لاٹھی ہے۔"

خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ میں نے اور سلوئی نے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے میرے اور عصا کے بارے میں گھر گھر تک خبر پہنچ رہی تھی۔

ڈرائیور نے پوچھا۔"سردار جی! آپ تو سکھ ہیں۔ سکھ لاٹھی لے کر نہیں' کرپان لے کر چلتے ہیں؟"

سلوئی نے کہا۔"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"کہنا کیا ہے؟ بات سمجھ میں آگئی ہے۔ پولیس والے سردار جی کو ہی تلاش کر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں آپ کے کام آسکتا ہوں۔"

"تم کیسے کام آسکتے ہو؟"

"آپ کہیں چھپ کر رہنا چاہیں گے تو ہنومان گھاٹ سے پہلے ہی بیلا پور گاؤں میں میرا ایک جگری دوست ایک مکان میں اکیلا رہتا ہے۔ وہ وہاں کا مکھیا ہے۔ آپ اس کے گھر میں رہیں گے تو بیلا پور کا ایک بچہ بھی اس کی اجازت کے بغیر پولیس کو مخبری نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا۔"ہمیں ان علاقوں میں نہیں رہنا ہے۔"

"تو پھر حکم کریں۔ آگے جہاں جانا چاہیں گے' ٹیکسی میں پہنچا دوں گا۔"

"ہم دریائی راستے سے گوالیار جائیں گے۔"

وہ چپ ہو گیا۔ سلوئی نے ترکی زبان میں کہا۔"یہ ٹوہ لے رہا ہے۔ جاننا چاہتا ہے کہ ہم کہاں جا کر چھپنا چاہتے ہیں؟ کیا ہم واقعی گوالیار جائیں گے؟"

"نہیں۔ ہم اس کی مخالف سمت جائیں گے۔"

ڈرائیور نے پوچھا۔"یہ آپ لوگ کون سی زبان بول رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔"زبان یار من ترکی۔ و من ترکی نمی دانم..... ہم ازبک زبان بول رہے ہیں۔"

سلوئی نے کہا۔"تم چپ چاپ گاڑی چلاؤ۔ ہمیں باتیں کرنے دو۔"

ہم ترکی زبان میں بولنے لگے۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتا ہوا خاموشی سے گاڑی چلانے لگا۔ وہ کتنا دیانتدار تھا اور کس حد تک ہم سے تعاون کرنا چاہتا تھا؟ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے؟ ہم موجودہ حالات میں کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔

میں نے کہا۔"ہم ہنومان گھاٹ تک نہیں جائیں گے۔ گھاٹ سے دو کلومیٹر پہلے ہی تمہیں فارغ کر دیں گے۔"

"گھاٹ سے دو کلومیٹر پہلے کوئی گاؤں کھیڑا نہیں ہے۔ آپ ویران جگہ کہاں اتریں گے؟"

"تم ہماری فکر نہ رو۔"

"جی سمجھ گیا۔ آپ میرے اوپر بھروسہ نہیں کر رہے ہیں۔ کرنا بھی نہیں چاہئے۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔"

ہم نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ وہ بولا۔"سردار جی! میری ایک گونگی بیوی اور چار بچے ہیں۔ میں اپنی بوڑھی بیمار ماں کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ میرے کو آپ سے ڈر لگ رہا ہے۔"

میں نے کہا۔"تعجب ہے۔ مجھ سے کیوں ڈر رہے ہو؟"

"آپ شبہ کر رہے ہیں کہ میں یہاں سے جاتے ہی کسی بھی تھانے میں مخبری کروں گا۔ پولیس کو بتاؤں گا کہ آپ ہنومان گھاٹ سے کدھر جانے والے ہیں؟"

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔"آپ مجھے یہاں سے زندہ نہیں جانے دیں گے۔"

میں نے کہا۔"میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح ڈرتا۔ مگر تم اپنے بھگوان پر بھروسہ رکھو۔ یہاں سے زندہ جاؤ گے۔"

"میری ماں آپ کو دعائیں دے گی۔"

"میں ایک ماں کی دعائیں ضرور لوں گا۔ ابھی جہاں تک جانا چاہتا ہوں' وہاں تک تمہیں لے جاؤں گا۔ اور ماں کے علاج کے لئے پانچ ہزار ڈالر دوں گا۔"

وہ خوش ہو کر مجھے اور سلوئی کو دعائیں دینے لگا۔ اپنی ماں کی اور اپنے بچوں کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ کسی کے سامنے حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کے سامنے بھی ہمارا راز نہیں کرے گا۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ رات کی تاریکی میں ہمیں کہاں پہنچا کر آیا ہے؟

پہلے میں نے سوچا تھا کہ ہنومان گھاٹ پہنچ کر ڈرائیور کو رخصت کروں گا۔ وہاں سے چمبل دریا کے کنارے کنارے تین کلومیٹر تک چلتا ہوا بھیم پارہ پہنچ جاؤں گا۔ وہاں سے جنگل کا راستہ لوں گا اور کسی کی نظروں میں آئے بغیر شکار گاہ میں ہمیشہ کی طرح رازداری سے داخل ہو جاؤں

گا۔ میں اس شکار گاہ میں جانے اور واپس آنے تک کے تمام خفیہ راستے اچھی طرح جانتا تھا۔

میں نے بھیم پارہ سے پانچ کلومیٹر پہلے رتناولی گھاٹ پر ٹیکسی رکوائی۔ ڈرائیور کو پانچ ہزار ڈالر دیئے تو وہ ہندو روایت کے مطابق میرے پیر چھونے کے لئے جھک گیا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ ''تم مجھے دیوتا مان کر جھک رہے ہو۔ مگر یہ مناسب نہیں ہے۔ صرف بھگوان کے آگے جھکا کرو۔ اب جاؤ یہاں سے۔''

وہ دعائیں دینے لگا کہ میری اور سلویٰ کی جوڑی سلامت رہے۔ سلویٰ نے خوش ہو کر اپنی طرف سے ایک ہزار ڈالر دیئے۔ وہ پھر دعائیں دیتا ہوا گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

میں نے کہا۔ ''اچھا ہوا چلا گیا۔ ورنہ وہ دعائیں دیتا رہتا اور تم رقم لٹاتی رہتیں۔''

وہ ہنسنے لگی۔ میں نے سردار جی کی داڑھی مونچھیں اور پگڑی نوچ کر دریا میں پھینک دیں۔ پھر اپنا سفری بیگ اٹھا کر وہاں سے کنارے کنارے چلنے لگے۔ میرے دوسرے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ میں اسے زمین پر ٹیک کر چلتے ہوئے بولا۔ ''آگے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر بھیم پارہ ہے۔ ہم رات کے اندھیرے میں وہاں سے گزر جائیں گے۔''

اس نے پوچھا۔ ''آگے کہاں جائیں گے؟''

میں تھوڑی دیر تک چپ چاپ چلتا رہا پھر بولا۔ ''ایک بہت ہی اہم راز ہے۔ میں نے آج تک کسی کو نہیں بتایا۔ تمہیں بتا رہا ہوں۔''

''میں خوش نصیب ہوں۔ مجھے اپنا سمجھ کر راز دار بنا رہے ہیں۔''

میں نے اسے شکار گاہ کے تہہ خانے اور خزانے کے بارے بتایا۔ وہ حیرانی سے سنتی رہی۔ پھر بولی۔ ''بیشک۔ وہ ایسی جگہ ہے' جہاں انگوٹھی اور لاٹھی محفوظ رہیں گی۔ آپ کو تو یقین ہے ناں کہ اس تہہ خانے کا چور راستہ کسی کو معلوم نہ ہوگا؟''

''پورا یقین ہے۔ تقریباً ستر برس گزر چکے ہیں۔ اب تک کسی نے وہ راستہ دریافت نہیں کیا ہے۔ شکار گاہ مقفل رہتی ہے۔ میں اس طویل عرصے میں کئی بار وہاں جا چکا ہوں۔ وہاں کوئی پوجا کرنے بھی نہیں آتا۔''

ہم بھیم پارہ کی آبادی سے کترا جنگل کے راستے شکار گاہ تک پہنچ گئے۔ صبح ہونے والی تھی مگر اس سے پہلے رات کی تاریکی باقی تھی۔ میں وہاں کی ایک کھڑکی کو باہر سے کھولنے کا طریقہ جانتا تھا۔ اسی راستے سے اندر جایا کرتا تھا۔ یوں باہر کا دروازہ بدستور مقفل رہا کرتا تھا۔

اس بار سلویٰ بھی میرے ساتھ کھڑکی کے راستے اندر آئی۔ ہم ایک کمرے سے گزر کر پوجا والے کمرے میں پہنچے تو میں ٹھٹک گیا۔ دور ہی سے کرشن مرامری کی مورتی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے سلویٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر دبے قدموں آگے بڑھ کر بھگوان کی مورتی کے پاس آ کر دیکھا۔ وہاں نیچے تہہ خانے میں جانے کا چور راستہ کھلا ہوا تھا۔

یہ میرے یقین کو ٹھیس پہنچانے والا انکشاف تھا۔ وہ تہہ خانہ اب خفیہ نہیں رہا تھا۔ وہاں کا چور راستہ کوئی اور بھی جانتا تھا۔ پتہ نہیں وہاں کوئی ایک ہی تھا یا ایک سے زیادہ افراد تھے؟

سلویٰ دبے قدموں میرے قریب آئی۔ میں نے بالکل اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ ''تہہ خانے میں کوئی ہے۔ معلوم کرنا ہوگا کتنے لوگ ہیں؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ میں نے عصا کو سنبھالا پھر دبے قدموں اس خلا کے پاس آیا' جہاں سے ایک زینہ تہہ خانے میں گیا تھا۔

میں زینے کے تیسرے پائدان پر پہنچ کر رک گیا۔ سلویٰ میرے پیچھے تھی۔ کوئی بول رہا تھا۔ ''ہے بھگوان! یہ خزانہ تو ہماری سوچ سے بھی زیادہ ہے۔''

دوسرے کی آواز سنائی دی۔ ''ہم ایک ہی رات میں اسے یہاں سے نہیں لے جا سکیں گے۔''

''ہاں۔ کئی بار آنا ہوگا۔ ابھی تو جتنا لے جا سکتے ہیں' لے چلو۔''

ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ صرف دو ہیں۔ میں نے اور دو پائدان نیچے اتر کر دیکھا تو وہ نظر آ گئے۔ میں نے سر گھما کر سلویٰ کو دیکھا۔ پھر دو انگلیاں دکھا کر اشارے سے کہا کہ وہ دو ہیں۔ وہ بھی دو پائدان نیچے آ گئی۔ اس وقت وہ دونوں ہماری طرف پشت کئے ہیرے موتی مٹھیوں میں بھر بھر کر کپڑے کے ایک تھیلے میں ڈال رہے تھے۔

وہ دونوں تگڑے جوان تھے۔ ایک نے دولت سمیٹنے کی خاطر اپنا ریوالور قدموں کے پاس فرش پر رکھا تھا۔ دوسرے کی کمر سے ایک چاقو لٹکا ہوا تھا۔ میں ایک اور پائدان نیچے آیا۔ سلویٰ نے مجھے پکڑ لیا۔ اگرچہ میں بیمار نہیں تھا لیکن اس کی نظروں میں کمزور تھا۔ وہ نہیں

چاہتی تھی کہ میں آگے جا کر ان لوگوں سے ٹکراؤں۔

میں دشمنوں سے نمٹنے کے سلسلے میں اس کی مہارت دیکھ چکا تھا۔اس لئے اسے آگے رہنے دیا۔ہم زینے سے اترتے ہوئے تقریباً فرش کے قریب آ گئے تھے۔سلویٰ نے تالی بجائی تو وہ دونوں چونک کر سہم کر اچھل پڑے۔

انہوں نے پلٹ کر ہمیں دیکھا۔بڑی پھرتی دکھانے کی کوشش کی۔لیکن اس سے پہلے کہ ایک اپنی کمر سے چاقو نکالتا۔سلویٰ نے ''ہا۔ہپ...'' کی آواز نکالتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی۔

دوسرا فرش پر جھک کر ریوالور اٹھانا چاہتا تھا۔میں نے اس کی سمت عصا کو پھینکا تو وہ فضا میں چک پھیری کی طرح گھومتا ہوا شک شک کی آواز کے ساتھ اس کے سر پر جا کر لگا۔وہ تکلیف کی شدت سے چیختے ہوئے فرش پر گر پڑا۔

اس چاقو والے کو اپنا ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔سلویٰ نے اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔وہ اچھا خاصا باڈی بلڈر تھا۔ابتدا میں یہ سوچا تھا کہ ایک عورت کو زیر کر لے گا۔لیکن جب وہ ''ہاہپ ہپ۔'' کی للکارتی ہوئی آواز نکال کر کک مارتی تھی اور کراٹے کے ہاتھ دکھاتی تھی تو وہ چکرا کر رہ جاتا تھا۔

آخر وہ مجبور ہو کر چاقو نکالنے لگا تو سلویٰ نے ہاتھ پر ایک کک ماری۔چاقو ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہوا۔سلویٰ نے کہا۔''لو۔کیچ کرو۔مجھ پر حملہ کرو۔''

اس نے سر اٹھا کر بلندی سے واپس آتے ہوئے چاقو کو دیکھا۔اسے کیچ کرنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے۔اسی وقت منہ پر ایک لات پڑی۔وہ مار کھا کر پیچھے گیا۔پھر سنبھل کر آگے آیا تو چاقو سلویٰ کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔قمیص پھٹ گئی تھی۔سینے پر یہاں سے وہاں تک لہو کی لکیر بنتی چلی گئی۔سلویٰ نے اس کے بالوں کو مٹھی میں پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔وہ چاقو اس کی گردن پر رکھتے ہوئے اس پر سوار ہو گئی۔اس کی پشت پر بیٹھ کر اسے دبوچ لیا۔

یہ غلط ہوا۔اسے صرف مجھ پر سوار ہونا تھا۔مگر حالات نے اس بدنصیب کو ذرا دیر کے لئے خوش نصیب بنا دیا تھا۔وہ کم بخت میرے حصے کی حرارت محسوس کر رہا تھا۔

میری لاٹھی جس کے سر پر پڑی تھی۔وہ جیسے سر سے گیا تھا۔کھوپڑی الٹ گئی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟اس دنیا میں ہے بھی یا نہیں؟

وہ فرش پر پڑا تھا۔آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ایسے وقت اس کا ہاتھ فرش پر

پڑے ہوئے ریوالور پر گیا۔تب اس کی جان میں جان آئی۔آنکھوں کے آگے سے تاریکی چھٹنے لگی۔اس نے ریوالور کو گرفت میں لے کر ٹریگر پر انگلی رکھ کر مجھ پر گولی چلانی چاہی۔میں اچھل کر ریوالور والے ہاتھ پر کھڑا ہوا تو نشانہ چوک گیا۔فائر کی آواز کے ساتھ گولی اس کی پسلی میں گھس گئی۔وہ ماہی بے آب کی طرح پھڑ پھڑانے لگا۔

میں نے ریوالور اپنے ہاتھ میں لے لیا۔سلویٰ اپنے شکار کی گردن پر چاقو رکھ کر پوچھ رہی تھی۔''کون ہو تم لوگ؟''

میرا شکار ٹھنڈا ہو چکا تھا۔میں نے دوسرے کو نشانے پر رکھتے ہوئے سلویٰ سے کہا۔''اتر بھی جاؤ۔یہ ہواؤں میں اڑ رہا ہوگا۔موت کو یوں دلچسپ بناؤ گی تو سب ہی اس طرح مرنے کی تمنا کریں گے۔''

وہ اس پر سے ہٹ گئی۔وہ تکلیف سے کراہتا ہوا کروٹ بدل کر چاروں شانے چت ہو گیا۔سینے پر چاقو کا زخم تھا۔میں نے اس پر جھک کر پوچھا۔''تم کون ہو؟ تمہیں یہ خفیہ راستہ کیسے معلوم ہوا؟''

وہ لرزتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولا۔''مجھے نہ مارو۔یہاں پھر کبھی نہیں آؤں گا۔مجھے جانے دو۔''

میں نے سخت لہجے میں کہا۔''جواب دو۔کوئی دوسری بات نہ کرو۔''

وہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولا۔''میں راجہ ولبھ کے دیوان دیو مکھر جی کا داماد ہوں اور یہ جو مر چکا ہے' یہ اس کا بیٹا اور میرا سالا تھا۔برسوں پہلے جب راجہ بستر مرگ پر تھا' تب اُس نے مندر کمیٹی کے عہدیداروں کو' پنڈت کو اور میرے سسر دیوان کو بلا کر کہا کہ اس کے پاس خفیہ خزانہ ہے۔چونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔اس لئے وہ خزانے کو مندر کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔''

چاقو کے زخم سے جلن اٹھ رہی تھی۔وہ پھر رحم کی بھیک مانگنے لگا۔میں نے کہا۔''بولتے رہو گے تو زندہ رہو گے۔رکو گے تو سانسیں رک جائیں گی۔''

اس نے کہا۔''راجہ ولبھ انہیں یہ نہ بتا سکا کہ وہ خزانہ کہاں ہے؟اس وقت وہ دم توڑ رہا تھا۔وہ کہہ رہا تھا کہ یہ خزانہ جنگل میں...جنگل میں.....

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔اس کا دیہانت ہو گیا۔میرا سسر دیو مکھر جی خزانہ حاصل کرنے کے لئے پاگل ہو گیا تھا۔وہ مندر کمیٹی والوں سے چھپ کر جنگل میں بھٹکنے لگا۔یہ

جنگل پچاس کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ دیو مکھر جی چھپ چھپ کر مندر کمیٹی والوں کو دیکھتا رہا۔ وہ لوگ جنگل میں جگہ جگہ کھدائی کر رہے تھے اور ناکام ہو رہے تھے۔"

وہ ذرا توقف سے بولا۔ "کئی برس بیت گئے۔ جب مکھر جی کا بیٹا جوان ہوا اور میں ان کا داماد بن گیا تو انہوں نے مرتے سمے یہ بتایا کہ خزانہ جنگل میں کہیں ہے۔ شکار گاہ کے ایک ایک کمرے کے فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا گیا ہے۔ نیچے کہیں تہہ خانے کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔"

وہ ریوالور کے نشانے پر تھا۔ میں نے کہا۔ "بات مختصر کرو۔ بتاؤ یہاں تک کیسے پہنچے؟"

اس نے کہا۔ "تمام تلاش کرنے والے پوجا کے کمرے تک آئے۔ انہوں نے شری کرشن جی کی مورتی کو چھو کر پکڑ کر دیکھا۔ وہ چبوترے پر جمی ہوئی تھی۔ اسے کئی بار کس طرح گھمانا پھرانا چاہئے' وہ لوگ نہیں جانتے تھے۔ ایسا ہم نے کیا۔ کئی بار یہاں آکر مورتی کو گھماتے پھراتے رہے اور تجربہ کرتے رہے۔ آج ہمیں یہ چور دروازہ مل ہی گیا۔"

میں نے پوچھا۔ "شکار گاہ کے اندر کیسے آتے ہو؟ جبکہ دروازہ باہر سے مقفل رہتا ہے۔"

"میرے پاس ڈوپلیکیٹ چابی ہے۔"

سلوئی نے اس کے لباس کی تلاشی لی۔ دو چابیاں مل گئیں۔ میں نے پوچھا۔ "کیا مندر کمیٹی والے ادھر آتے ہیں؟"

"وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں۔ شائد انہیں مورتی کے ذریعے چور راستہ کبھی نہیں ملے گا۔"

میں نے ریوالور سلوئی کو دیا۔ پھر عصا کو تھام کر اُس کا سرا اس کے حلق پر رکھا۔ سلوئی نے چاقو کا ایسا ہاتھ دکھایا تھا کہ وہ بچنے والا نہیں تھا۔ سسک سسک کر بڑی مشکل سے جان دینے والا تھا۔ میں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ اس کے حلق پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو آخری کراہ نکلی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔

وہ اپنے ساتھ ایک چرمی بیگ لائے تھے۔ اس میں چھینی ہتھوڑی جیسے اوزار رکھے ہوئے تھے۔ ایک ریوالور اور درجنوں بلٹس بھی تھیں۔ میں نے ان لاشوں کو دیکھ کر کہا۔ "اوپر چلو۔ وہاں باتیں ہوں گی۔"

میں نے ایک ریوالور اٹھا لیا۔ اس نے چرمی بیگ سے ریوالور اور بلٹس لئے۔ پھر ہم تہہ خانے سے نکل کر پوجا کے کمرے میں آ گئے۔

رات گزر چکی تھی۔ باہر دن کا اجالا پھیل گیا تھا۔ وہ ایک کھڑکی کو ذرا سا کھول کر دور تک دیکھتے ہوئے بولی۔ "بہت ہی ویران جنگل ہے۔ یہاں خونخوار درندے ہوں گے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں۔ اسی لئے یہاں شکار گاہ بنائی گئی تھی۔ مگر اب جنگلی درندے نہیں رہے۔ اس لئے یہاں کوئی شکار کھیلنے نہیں آتا۔ میں نے اسے ہمیشہ مقفل پایا ہے۔"

"یہ آپ کے لئے بہترین پناہ گاہ ہو سکتی ہے۔"

"ہاں۔ مگر یہاں اچانک ہی کوئی آ سکتا ہے۔ ویسے ہم ایک آدھ دن گزار سکتے ہیں۔"

وہ بولی۔ "ہم پچھلے تیس گھنٹوں سے جاگ رہے ہیں۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں۔ ہم نیند پوری کرنے کے بعد فریش ہو کر یہاں سے نکلیں گے۔ ویسے کھانے کے لئے کیا ہے؟"

"میرے بیگ میں ٹن پیکڈ کھانا ہے۔ آپ کے بیگ میں ڈرائی فروٹ اور منرل واٹر کی بوتلیں ہیں۔"

"پھر تو ہم یہاں دو دن گزار سکیں گے۔"

ہم وہاں کے ایک ایک کمرے میں جا رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "باتھ روم میں پانی ہے۔ میں سونے سے پہلے باتھ لوں گی۔"

"میں بھی غسل کر کے کچھ کھانے کے بعد نیند پوری کروں گا۔"

ہم نے اپنے اپنے لئے کمرے مقرر کئے۔ پھر میں شیو کرنے اور غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے لئے باتھ روم میں چلا گیا۔ جودھ پور سے وہاں تک بڑی لمبی دوڑ ہوئی تھی۔ اس کے باوجود میں تھکن محسوس نہیں کر رہا تھا۔ لیکن ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہی نیند کی جھونکے آنے لگے۔

میں باتھ روم سے نکل کر لباس پہننے کے بعد سو جانا چاہتا تھا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ میں نے سلوئی کے کمرے میں آ کر پوچھا۔ "کب تک نکل رہی ہو؟ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی باتھ روم کا دروازہ کھلا.... اور دروازہ کیا کھلا کہ آنکھیں کھل گئیں۔

میرا دل ایک دھڑا کے سے اُچھلنے کودنے لگا۔ اس نے شانوں سے نیچے صرف ایک تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ اجلے چمکتے دمکتے بدن پر پانی کی بوندیں شبنم کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ سیاہ زلفوں کے پس منظر میں جگنو کی طرح سلگ رہی تھیں' بجھ رہی تھیں۔ بڑی شریر تھیں۔ کبھی آنکھ کھول رہی تھیں' کبھی آنکھ مار رہی تھیں۔ بدن کی پھسلن سے ڈھلکتے ہوئے پوچھ رہی تھیں کہ تم کب پھسلو گے؟

وہ شعلہ بدن ایسا بھیگا بھیگا ہوا تھا کہ کوہ طور ہوتا تو جل جاتا۔ پتہ نہیں میں کیسے صحیح

سلامت کھڑا ہوا تھا؟

ویسے تو بظاہر سنبھل گیا تھا۔ مگر اندر سے ڈگمگا رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی تھی کہ بھوک لگی ہے۔ اس نے روبرو آ کر پوچھا۔ ''بھوک....؟''

پتہ نہیں اس کے سوال میں کونسی بھوک تھی؟ میں نے کہا۔ ''ایک بھوک تو اڑ گئی ہے' دوسری پنجے گاڑ رہی ہے۔ میں کیا کھاؤں گا؟ یہ مجھے کھا رہی ہے۔''

''ان حالات میں کسی کا لقمہ بن جاؤ یا کسی کو لقمہ بنا لو۔''

''ہاں۔ مگر رکاوٹ ہے۔''

''کیسی رکاوٹ ہے....؟ میں تمہاری تحویل میں ہوں۔ تمہارے اختیار میں ہوں۔''

میں سلوئی کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ خدا کس طرح مجھ سے راضی ہے؟ مجھے کھوئی ہوئی جوانی مل رہی ہے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ ہر حال میں دینی احکامات کی تعمیل کرتا رہوں اور گناہوں سے باز رہوں۔

وہ چاہتی تھی کہ بھیگے بدن کا جادو سر چڑھ کر بولے۔ وہ قریب آ کر بولی۔ ''کیا میں آپ کے قابل نہیں ہوں؟''

''تم میرے حواس پر چھا رہی ہو۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''تو پھر....؟''

میں نے کہا۔ ''ہم ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں۔''

''آپ تو ایسی باتوں کو نہیں مانتے۔''

''میں پہلے گمراہ تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے' مجھے راہ راست پر نہیں رہنا چاہئے؟''

''یہ تو میرے لئے اچھی بات ہے۔ دینی احکامات کے مطابق مجھے اپنائیں گے تو میں تمام عمر آپ سے رشتہء ازدواج میں منسلک رہوں گی۔''

''میں رشتوں کی بھیڑ میں اکیلا ہوں۔ میرے چاہنے والے بہت ہیں۔ حجاب اور نینا جیسی چاہنے والیاں ہیں۔ لیکن رشتہء ازدواج کے مطابق کوئی چاہنے والی نہیں ہے۔ محبوبائیں ہیں' بیوی نہیں ہے۔''

''پلیز۔ مجھے اپنی منکوحہ بنا لیں۔''

وہ میرے اور قریب آ گئی۔ میں نے ایک ذرا پیچھے ہٹ کر کہا۔ ''پلیز فاصلہ رکھو۔ میں نے تمہیں ایکشن میں دیکھا ہے۔ تم حسین بھی ہو اور خطرناک بھی۔ میرے حالات کے مطابق

ایک مکمل شریک حیات بن کر رہو گی۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''کیا آپ مجھ سے نکاح پڑھا رہے ہیں؟ آج ہی۔ بلکہ ابھی....''

''اس جنگل میں نہ کوئی قاضی ہے' نہ وکیل ہے' نہ کوئی گواہ....''

''خدا گواہ ہے۔ وہ ہماری نیتوں کو جانتا ہے۔ ہم ابھی دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں گے۔ پھر ایک دوسرے کو لائف پارٹنر تسلیم کریں گے۔''

''بیشک۔ نیتوں کا حال خدا جانتا ہے۔ ہم اپنے معبود کو حاضر و ناظر جانتے ہیں۔ وہ عالم الغیب ہے۔ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ ہماری مجبوریاں بھی جانتا ہے۔ ہم کسی انسانی آبادی میں جا کر کسی قاضی سے نکاح نہیں پڑھوا سکیں گے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد پتہ نہیں کہاں کہاں چھپتے پھریں گے۔ لیکن....''

''لیکن کیا....؟''

''اس معاملے میں جلدی نہ کرو۔ ذرا عقل سے سوچو سمجھو۔ میری اور اپنی عمر کا حساب کرو۔ میں بوڑھا ہوں' تم جوان ہو۔''

''آپ بوڑھے نہیں ہیں۔''

''کیا ستر اور چھہتر برس میں کوئی جوان ہوتا ہے؟''

''آپ عمر کا حساب نہ کریں۔ مرد کو عورت جوان بناتی ہے۔ عورت نہ ہو تو مرد جوانی میں ہی بوڑھا ہو جائے۔''

میں نے کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔ ''لباس پہنو۔ پہلے ہم کچھ کھائیں گے۔ پھر نماز ادا کریں گے۔ اس کے بعد رشتہء ازدواج میں منسلک ہو جائیں گے۔''

میں دوسرے کمرے میں آ گیا۔ اپنے سفری بیگ سے ایک تولیہ نکال کر اسے مصلے کی طرح بچھا لیا۔ پھر اس پر دوزانو ہو کر ربّ کریم کے سامنے سر جھکا لیا۔ وہ معبود مجھے گمراہی سے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما رہا تھا۔

ایک تو وہ بلا کی حسین اور دلنشین تھی۔ پھر یہ کہ تولیہ لپیٹ کر یوں دیوانہ کر دینے کے انداز میں سامنے آئی تھی کہ میرا ایمان کمزور ہو سکتا تھا۔ میری نیت ڈگمگا سکتی تھی۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ میں دیوانہ وار گناہ کا مرتکب ہو سکتا تھا۔

خدا کا شکر ہے۔ میں صراط مستقیم پر ثابت قدم رہا۔ میں اسی لمحے میں نماز کی نیت کئے بغیر بے اختیار سجدے میں چلا گیا۔ ایمان کی کشش نے سر جھکا دیا۔ میں سبحانَ ربی الاعلیٰ پڑھتا رہا

اور خدا کا شکر ادا کرتا رہا۔

وہ ایک سجدہ ایسا تھا کہ میں سر اٹھانا بھول گیا۔ میرے آس پاس کی دنیا گم ہوگئی۔ وہ سجدہ خدا تک پہنچ رہا ہوگا۔ پتہ نہیں' میں کہاں پہنچ گیا تھا؟ خود کو ایسے بھول گیا کہ 'میں' میں نہ رہا۔

پچھلے ایک دن اور دو راتوں سے جاگ رہا تھا۔ خدا مجھے معاف کرے۔ سجدے کے حالت میں ہی سو گیا۔

ایسی گہری نیند آئی کہ ہاتھ پاؤں پھیلانا یاد نہ رہا۔ جس حالت میں تھا' اسی حالت میں اپنی ذات سے غافل ہوگیا۔

سلویٰ کھانا لے کر لائی۔ اس نے مجھے دیکھا۔ پھر سوچا کہ ابھی نماز سے فارغ ہو جاؤں گا۔ وہ انتظار کرنے لگی۔ لیکن میں سجدے سے نہیں اٹھ رہا تھا۔

اس نے تعجب سے دیکھا' سوچا پھر آواز دی۔ میں نے نہیں سنی۔ پھر وہ آواز دینے کے لئے قریب آئی تو حیران رہ گئی۔ میرے دھیمے دھیمے سے خراٹے سنائی دے رہے تھے۔

وہ میری بھاگ دوڑ اور تھکن کو سمجھتی تھی۔ مجھے محبت اور ہمدردی سے دیکھنے لگی۔ اس نے ایک طرف رکھے ہوئے کھانے کو ڈھانپ دیا۔ پھر میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

تھکن اور نیند کا غلبہ ایسا ہی ہوتا ہے اور جب نیند حاوی ہوتی ہے تو پھانسی کے تختے پر بھی آ جاتی ہے۔ صبح سات بجے میری آنکھ لگی تھی۔ سہ پہر تین بجے نیند کا غلبہ کم ہوا اور کچھ بے آرامی اور الجھن سی محسوس ہوئی تو میں نے کروٹ لی۔ یوں ایک طرف گر پڑا دماغ کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ فوراً ہی آنکھ کھل گئی۔

میں نے دیدے پھیلا کر دیکھا۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر یاد آیا کہ شکار گاہ میں ہوں' نماز ادا کرنے سے پہلے سجدہ کر رہا تھا اور ایک طرف لڑھک گیا تھا۔

میں نے فوراً وہاں سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ سلویٰ میرے قریب فرش پر پڑی تھی۔ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی اور کچھ فاصلے پر کھانے کے ٹن رکھے ہوئے تھے۔ بات سمجھ میں آگئی کہ بیچاری کھانا لے کر آئی تھی۔ لیکن میرے جاگنے کا انتظار کرتے کرتے خود سو گئی۔

میں نے موبائل فون پر وقت دیکھا تو سہ پہر کے تین بجے تھے۔ میں آٹھ گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔ میری نیند پوری ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے جگانا نہیں چاہئے۔ وہ خود ہی جاگ جائے گی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باتھ روم میں آیا۔ وہاں وضو کیا پھر تولیہ بچھا کر نماز ادا کرنے

لگا۔ زندگی میں عیش و آرام بھی ہیں' صدمات بھی ہیں۔ گناہوں کی رنگینیاں بھی ہیں' نیکی اور ثواب کی روشنیاں بھی ہیں۔ جب گناہوں سے نجات ملے تو عبادت کے نور میں ضرور بھیگنا چاہئے۔ یہ میں آزما رہا ہوں کہ ایک سجدہ کرو تو شوق عبادت میں ہزاروں سجدے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

میں نے سلام پھیرتے وقت دیکھا۔ سلویٰ میرے دائیں طرف دو زانو بیٹھی نماز ادا کر رہی تھی۔ اس نے بھی سلام پھیرتے ہوئے مجھے دیکھا۔ پھر ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا۔

خدا کا شکر کیسے ادا کیا جائے؟ ہمارے ہاتھ گناہوں کی سیج پر نہیں جائے نماز پر مل رہے تھے۔ ایک ازدواجی رشتہ ایمان کے سائے میں نیک نیتی سے قائم ہو رہا تھا۔ خدا دیکھ رہا تھا' ہم نے کلمہ پڑھ کر ایک دوسرے کو قبول کر لیا۔

☆☆☆

وہ ڈائری کا آخری صفحہ تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس کے سفری بیگ میں تین ڈائریاں ہیں۔ دو پہلے ہی لکھ چکا ہے۔ اب تیسری بھی پُر ہوگئی ہے۔ جب اسے وقت ملتا ہے' کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہے۔

اس کی تحریر کہہ رہی تھی کہ وہ آخری صفحے پر مزید کچھ نہیں لکھ سکے گا۔ اچانک اُفتاد آ پڑی ہے۔ اس کی اہم چیزیں چرمی بیگ میں ہیں اور وہ عصا کے ساتھ اس بیگ کو تہہ خانے میں رکھ کر جا رہا ہے۔

یہ آزمائے گا کہ انگوٹھی اور عصا سے دور رہ کر ان کا ایک فوٹو اپنے دل کے قریب رکھ کر جسمانی و دماغی توانائی حاصل کر سکے گا یا نہیں؟ اپنے مخالفین پر غالب آتا رہے گا یا نہیں؟

وہ کئی پہلوؤں سے مجبور ہوگیا تھا۔ لاٹھی کو ساتھ لے کر چل نہیں سکتا تھا۔ ایک اور مجبوری یہ ہوئی کہ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کے لئے کسی وکیل گواہ اور قاضی کے پاس نہ جا سکا۔

اس نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر سلویٰ کو اپنی منکوحہ بنا لیا... حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے۔

یہی بات ہوئی۔ وہ ازدواجی رشتہ قائم نہ کر سکا۔ پتہ نہیں اچانک کیسے حالات بدل گئے تھے کہ اسے اپنی کنواری بیوی کے ساتھ وہاں سے فوراً ہی جانا پڑا۔

ڈائری ختم ہوگئی۔ میں نے اسے بند کر دیا۔ خدا جانے وہ کہاں گیا ہوگا؟ کن حالات سے گزر رہا ہوگا؟ ایک اندازے کے مطابق وہ چار یا چھ ماہ پہلے انگوٹھی اور عصا کو وہاں رکھ کر گیا ہوگا۔

اگر اتنا عرصہ گزر گیا ہے تو کیا اسے انگوٹھی اور عصا کے فوٹو کا سہارا مل رہا ہے؟

عصا نہ سہی اس کی تصویر ہی سہی۔ کیا وہ تصویر کرامات دکھا رہی ہے؟

کیا وہ مطمئن ہے؟ اسی لئے تہہ خانے کی طرف نہیں آرہا ہے۔

یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ وہ آئے گا تو مجھے کیسے خبر ہوگی؟

ہم باپ بیٹے کب ملیں گے؟ کیسے ملیں گے؟

یا خدا! یہ تو ہی جانتا ہے کہ وہ مجھ سے کتنی دور ہے؟

دور ہے بھی یا نہیں؟ ہوسکتا ہے' کہیں آس پاس ہو اور ملاقات نہیں ہو رہی ہو؟ میرا دل کہتا تھا کہ ابھی وہ ہندوستان میں ہے۔ کہیں سمندر پار نہیں گیا ہے۔

سمندر پار نہ سہی' آس پاس کے ممالک میں گیا ہوگا۔ سب سے زیادہ کشش اپنے وطن پاکستان کی ہوگی۔ لیکن وہ اُدھر جانے کی غلطی نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ روس کی ایک لیبارٹری سے ریڈ مرکری لے جانے والا شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے ظاہر ہو چکا تھا۔

وہاں سی آئی اے والے اس کے کاروبار پر' جائیداد پر اور اس کی فیملی پر کڑی نظر رکھتے ہوئے اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ عمیر یقیناً اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوگا۔

ادھر سی آئی اے' را ایجنسی کے جاسوس' ڈپٹی کمشنر دارا اکبر' پنڈت اور مندر کمیٹی کے چیئرمین اپنے اپنے مقاصد کے لئے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ ڈپٹی کمشنر دارا اکبر' پنڈت اور چیئرمین کا مقصد خزانہ حاصل کرنا تھا۔ سی آئی اے اور را والے میرے ذریعے میرے بیٹے تک پہنچنا چاہتے تھے۔

میں چند دنوں کے لئے گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ اگلے ماہ کی سات تاریخ کو شکار گاہ کے سلسلے میں عدالت سے فیصلہ ہونے والا تھا۔ میں اس روز عدالت میں حاضر ہونے والا تھا۔ میرے تمام مخالفین سات تاریخ کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اسی روز اپنے اپنے طور پر مجھے گھیرنے والے تھے۔

مجھے اپنے بیٹے کی فکر تھی۔ جو تصویر وہ اپنے دھڑکتے ہوئے دل کے پاس رکھتا تھا۔ اس تصویر کی انگوٹھی اور عصا اپنی کرامات نہیں دکھا رہے ہوں گے۔ میرا عمیر مشکلات سے دو چار ہو رہا ہوگا۔

ان حالات میں وہ انگوٹھی اور عصا حاصل کرنے شکار گاہ کی طرف گیا ہوگا یا اُدھر جانا چاہے گا تو اسے مطلوبہ اہم چیزیں کیسے حاصل ہوں گی؟

اس اہم سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ ہم باپ بیٹا کہاں ملیں گے؟

خدا ہی ہمیں ملا سکتا تھا۔ آخر وہ کیسے ملائے گا؟

سی آئی اے' را ایجنسی اور موساد تنظیم کے علاوہ دنیا کی تمام خطرناک تنظیموں کے کارندے ہندوستان پہنچے ہوئے تھے۔ وہ سب حیران تھے کہ تھری ایس سوا چھ فٹ کی لاٹھی لے کر استنبول سے انڈیا کیسے پہنچ گیا ہے؟ وہاں سے یہاں تک کسی کی نظروں میں کیوں نہیں آیا اور اب انڈیا کے کس علاقے میں عصا کے ساتھ چھپا ہوا ہے؟

انہیں یقین تھا کہ وہ لاٹھی کو ڈھونڈ نکالیں گے اور جب وہ ملے گی تو تھری ایس بھی گرفت میں آجائے گا۔ ان دنوں ہر گھر' ہر گلی کوچے میں لاٹھی کا ذکر ہونے لگا تھا۔ جو بھی بوڑھا یا جوان لاٹھی لے کر چلتا تھا۔ پولیس والے اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

گاؤں اور چھوٹے شہروں میں لوگ چوروں سے نمٹنے اور جانوروں کو بھگانے کے لئے اب بھی لاٹھیاں استعمال کرتے ہیں۔ ایسے تمام گھروں میں چھاپے پڑتے تھے۔ لاٹھیوں کو ناپ کر دیکھا جاتا تھا۔ لیکن انہیں سوا چھ فٹ کی لاٹھی نہیں مل رہی تھی۔

مجھے یہ اندیشہ تھا کہ عمیر کبھی لاٹھی اور انگوٹھی کی تصویر کے ساتھ پکڑا جائے گا تو اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ساری دنیا کے انٹیلی جنس والوں کو جن دو چیزوں کی تلاش ہے۔ ان کی تصویر وہ اپنی جیب میں کیوں رکھتا ہے؟ ان چیزوں سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یہ بھید کھل سکتا تھا کہ وہ بھیس بدل کر رہتا ہے۔

پھر ایک دن میرے تمام اندیشے اچانک ہی ختم ہو گئے۔ میرے بیٹے نے ایسی چال چلی کہ اپنے ساتھ لاٹھی رکھنا تقریباً آسان ہو گیا۔ اسے تلاش کرنے والے تمام مخالفین حیران رہ گئے کہ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے؟

ایک روز ہندوستان کے چار کثیر الاشاعت اخباروں میں انگوٹھی اور عصا کی وہی تصویر شائع ہوئی' جو عمیر کی جیب میں رہا کرتی تھی۔ وہ تصویر بڑے اخباری سائز میں تھی۔

اس کے نیچے لکھا تھا کہ یہ چمتکار دکھانے والی انگوٹھی اور لاٹھی ہے۔ بھگوان جس سے پرسن ہوتا ہے۔ رب جس سے راضی ہوتا ہے۔ ان دو چیزوں کے ذریعے اس کی مشکلات آسان کر دیتا ہے۔

جو شخص اصلی یا نقلی لاوہ پتھر کی انگوٹھی بنوا کر پہنے گا اور اپنے ساتھ دن رات سوا چھ فٹ کی لاٹھی رکھے گا۔ خدا اس کی مشکلیں آسان کر دے گا۔ بھگوان اس کے دلدر دور کر دے گا۔

اور جو غریب ہے' ایسی انگوٹھی بنوا نہیں سکتا۔ ایک لاٹھی بھی نہیں خرید سکتا۔ وہ اخبار میں شائع ہونے والی اس تصویر کو اپنے گھر میں رکھے۔ پاکٹ سائز کی تصویر بھی شائع کی گئی ہے۔ اسے اپنی جیب میں رکھے۔ پھر خدا کی شان اور بھگوان کی لیلا دیکھے۔ اس کی دکھ بیماریاں دور ہوتی رہیں گی۔

مجبور اور بے بس افراد ہر شہر ہر گاؤں میں ہوتے ہیں۔ وہ دکھ درد دور کرنے والی ہر بات کا یقین کر لیتے ہیں۔ اس دوا کو یا اس چیز کو بڑی عقیدت سے آزماتے ہیں۔

اور یہی ہوا۔ اس روز تمام اخبارات ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ پولیس' آرمی اور انٹیلی جنس والے بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انڈیا کے چار مختلف زبانوں کے اخبارات نے انگوٹھی اور لاٹھی کی تصاویر کیوں شائع کی ہیں؟

متعلقہ شعبوں کے اعلیٰ افسران ان اخبارات کے مالکان کی گردنیں دبوچنے آ گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ انگوٹھی اور لاٹھی کی تصاویر کس نے شائع کروائی ہیں؟ اور تم لوگوں نے اپنے اخبارات میں کیوں شائع کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا۔ "اشتہار چھپوانے کے لئے جو بھی معقول رقم ادا کرتا ہے۔ ہم اس کا اشتہار ضرور چھاپتے ہیں۔ ہم نے جو بھی شائع کیا ہے' وہ کسی طور قابل اعتراض نہیں ہے۔"

سی آئی اے کے ایک افسر نے پوچھا۔ "یہ اشتہار کس نے شائع کرایا ہے؟ اس کا نام اور پتہ بتاؤ؟"

ایک نے کہا۔ "اس نے ہم سے فون پر بات کی تھی۔ اپنا نام اور پتہ نہیں بتایا۔ یہ کہا کہ اشتہار صاف ستھرا ہے اور عوام کی بھلائی کے لئے ہے۔ اس کی اشاعت پر کسی طرح کی قانونی گرفت نہیں ہو گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "ہم پورے ایک صفحہ کا اشتہار چھاپنے کے لئے پورے دو لاکھ روپے لیتے ہیں۔ اس نامعلوم شخص نے تین لاکھ روپے ادا کئے۔ ہم یہ منافع حاصل کرنے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔"

"اس نے رقم کیسے ادا کی؟"

ایک نے کہا۔ "مجھے فون پر کہا گیا کہ میرے گھر کے لیٹر بکس میں تین لاکھ روپے رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں لے کر گن لو اور واقعی وہاں پورے تین لاکھ روپے رکھے ہوئے تھے۔"

دوسرے اخبار کے مالک نے کہا۔ "مجھے فون پر کہا گیا کہ میرے بچے کے اسکول

بیگ میں تین لاکھ روپے ہیں۔ میرا سات برس کا بچہ اسکول سے آیا۔ میں نے اس کا بیگ کھول کر دیکھا تو پوری رقم موجود تھی۔"

باقی دو اخبارات کے مالکان نے بھی یہی کہا کہ انہیں بچوں کے اسکول بیگ سے رقمیں ملی تھیں۔

را کے چیف نے کہا۔ "آپ لوگوں کو مجرمانہ انداز میں چھپ کر پیمنٹ کی گئی۔ پیمنٹ کرنے والے نے نہ اپنا نام پتہ بتایا' نہ آپ کے روبرو آیا۔ آپ کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ اس اشتہار کے پیچھے بہت بڑا جرم کر رہا ہے۔"

"ہم کیسے سمجھ لیتے؟ وہ کس طرح کسی جرم کا مرتکب ہو رہا ہے؟"

سی آئی اے کے ایک افسر نے کہا۔ "لاوہ انگوٹھی اور سوا چھ فٹ کی لاٹھی اس مجرم کی پہچان ہے۔ اب ایسی ہی دو چیزیں ہزاروں سینکڑوں لوگوں کے پاس رہیں گی تو ہم کیسے سمجھیں گے کہ ان میں سے مجرم کون ہے؟"

اخبار کے ایڈیٹر نے کہا۔ "اشتہار میں لکھا گیا ہے کہ وہ چیزیں چمتکار دکھاتی ہیں۔ ابھی دو چار دنوں میں جب یہ چیزیں لوگ رکھیں گے اور کوئی چمتکار نہیں ہو گا تو پھر نہ کوئی انگوٹھی پہنے گا اور نہ لاٹھی لے کر چلے گا۔"

موساد کے چیف نے کہا۔ "ہاں۔ یہی ہو گا۔ جب وہ چیزیں کرامات نہیں دکھائیں گی تو وہ جھوٹا اور فریبی کہلائے گا۔ بائی داوے تھری ایس ایسا نادان نہیں ہے۔ یہ سمجھنا ہو گا کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی ہے؟"

را کے ایک افسر نے کہا۔ "وہ زیادہ دنوں تک چھپ کر نہیں رہ سکے گا۔ اسی لئے گھبرا رہا ہے۔ ایسی بے تکی حرکتیں کر رہا ہے۔"

وہ مخالفین اپنے طور پر درست کہہ رہے تھے۔ نقلی لاوہ انگوٹھی بنوا کر پہننے سے اور کوئی سی بھی لاٹھی اپنے ساتھ رکھنے سے کسی کا بھلا ہونے والا نہیں تھا۔ لیکن جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ عمیر نے یورپ اور افریقہ میں مصروف رہنے والے اپنے جانثاروں کو اور سینکڑوں کارندوں کو ہندوستان بلایا تھا۔ وہ سب ہر صوبے کے چھوٹے بڑے شہروں میں پہنچ گئے تھے۔ فون کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے اور وہاں بے روزگار رہنے والوں کو بھاری تنخواہیں دے کر اپنا آلہ کار بنا رہے تھے۔

وہ تمام جانثار اور کارندے پچھلے کئی ماہ سے مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے آلہ کاروں

کو سمجھایا تھا کہ وہ آئندہ ایسے لوگوں پر نظر رکھیں گے' جن کے پاس لاوہ انگوٹھی اور سوا چھ فٹ لمبی لاٹھی ہوگی۔ ایسے لوگوں کے کام آنا ہوگا۔

ان لوگوں میں جو بیمار ہوگا' اس کے پاس جا کر خدائی خدمتگار بن کر اس کے لئے علاج اور دواؤں کی سہولت فراہم کرنی ہوگی۔ وہ ایسے لوگوں کی بیٹیوں کی شادیاں کرائیں گے۔ کسی کو چھوٹا موٹا کاروبار کرانے کے لئے رقم پہنچائیں گے۔

تمام جانثاروں نے ایسا نیٹ ورک اور سیٹ اپ قائم کیا تھا کہ وقتِ ضرورت کہیں بھی ہزاروں لاکھوں روپے فوراً پہنچا دیئے جاتے تھے۔ میرا بیٹا پہلے ہی شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے بے انتہا دولتمند تھا۔ پھر یہ کہ تہہ خانے سے اچھا خاصا خزانہ سمیٹ کر لے گیا تھا۔ انہیں صحیح مصرف میں لا رہا تھا۔

دشمنوں کا خیال تھا کہ لوگ جلد ہی انگوٹھی اور لاٹھی کو بے اثر اور بیکار پا کر پھینک دیں گے' ان کی تصویریں شائع کرنے والوں کو گالیاں دیں گے۔ مگر ایک ہفتے کے اندر ہی پتہ چلا کہ وہ دعائیں دے رہے ہیں۔ گاؤں اور شہروں میں انگوٹھیاں پہننے والوں کی اور لاٹھیاں لے کر چلنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی ہے۔

مخالفین پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بڑی حیرانی اور پریشانی سے سوا چھ فٹ کی لاٹھیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ رہے تھے۔ یہ چرچا سن رہے تھے کہ دونوں چیزیں چمتکار دکھا رہی ہیں۔

تمام جاسوس اور پولیس والے ایک ایک سے پوچھتے پھر رہے تھے کہ تمہارے ساتھ کیسے چمتکار ہوا ہے؟

ایک آفس کلرک نے کہا۔ ''جب میں لاٹھی کو ہاتھ میں لے کر چلتا ہوں تو یوں لگتا ہے' شنکر بھگوان کا ترسول ہاتھ میں آ گیا ہے۔ میں نے کئی مہینوں سے بجلی کا بل ادا نہیں کیا تھا۔ بچوں کے اسکول کی فیس ادا نہیں کی تھی۔ ایک روز آفس سے گھر آنے کے لئے بس میں بیٹھا تھا۔ اس بس میں کئی لوگ میری طرح لاٹھی پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا بریف کیس قدموں کے پاس رکھا تھا۔''

وہ ذرا چپ ہوا۔ پھر بولا۔ ''ہر ہر مہا دیو۔ جے ہو انگوٹھی اور لاٹھی کی۔ جب میں بس سے اترا تو دیکھا میرا بریف کیس بدل گیا ہے۔ میں نے وہیں فٹ پاتھ کے کنارے اسے کھول کر دیکھا تو میری اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ وہاں بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی

تھیں۔ میں بریف کیس کو جلدی سے بند کر کے گھر آ گیا۔ اس دن سے ہمارے دن پھر گئے۔''

وہ پھر انگوٹھی اور لاٹھی کی جے جے کار کرنے لگا۔ عمیر کے جانثاروں نے نامور فلاحی اداروں کو بڑی بڑی رقمیں عطیہ کے طور پر دی تھیں۔ تمام جانثار فون کے ذریعے فلاحی اداروں سے رابطہ رکھتے تھے۔ ضرورت مند افراد کی نشاندہی کرتے تھے۔ ان میں گردوں کے مریضوں کو گردے مل جاتے تھے۔ بہت سے مریضوں کو دائمی امراض کی دوائیں مفت ملنے لگی تھیں۔

بھاری رشوتیں دی جائیں تو ملازمتیں مل جاتی ہیں۔ جو بے روزگار انگوٹھی پہن کر لاٹھی تھام کر انٹرویو کے لئے جاتے تھے۔ انہیں ملازمت مل جاتی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ عمیر کے کارندوں نے در پردہ رشوتیں دے کر انہیں برسرِ روزگار کیا ہے۔

اکثر قدرتی طور پر خوش قسمتی سے جن کا بھلا ہوتا تھا۔ وہ یہی کہتے تھے کہ انگوٹھی اور لاٹھی کی کرامات سے ان کے مسائل حل ہو رہے ہیں اور جن کے مسائل حل نہیں ہوتے تھے' وہ کہتے تھے کہ اُن سے کوئی پاپ ہوا ہے۔ اس لئے وہ چیزیں بے اثر ہو گئی ہیں۔

میرا بیٹا قد آور تھا۔ اس کی طرح لاکھوں افراد لاٹھیاں لے کر چلنے لگے تھے۔ ایسے لوگوں کو روک کر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ان میں سے کوئی تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی ہے یا نہیں؟

ایک محاسبہ کرنے والا ناکام ہو کر جاتا تھا تو دوسرے جاسوس پھر کسی دن محاسبہ کرنے چلے آتے تھے۔ انہیں یاد نہیں رہتا تھا۔ بار بار ایک ہی شخص کو پریشان کرتے تھے۔ اس طرح لوگ پولیس اور سراغ رسانوں سے ناراض ہو گئے تھے۔ ان کے خلاف بولنے لگے تھے۔

اخبار والے' دین دھرم والے اور اندھا عقیدہ رکھنے والے احتجاج کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ لوگوں کو اپنے عقیدے کے مطابق لاٹھیاں لے کر آزادی سے چلنے دیں۔ انہیں روک ٹوک کر ان کا وقت برباد نہ کریں اور نہ انہیں پریشان کریں۔

عمیر اپنی دولت سے اور خفیہ خزانے سے خوب فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ایسی چالیں چل رہا تھا کہ اب وہ اپنا عصا اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ اس کی وجہ سے اب وہ پہچانا نہیں جا سکتا تھا اور ایسے وقت وہ چاہتا ہوگا کہ اس کی انگوٹھی اور عصا اس کے ساتھ رہیں۔

کوئی اندیشہ نہیں رہا تھا۔ لہٰذا انہیں حاصل کرنے کے لئے وہ شکارگاہ کی طرف گیا ہوگا یا اُدھر جانے والا ہوگا۔ ایسا سوچتے ہی میرے اندر بے چینی پیدا ہو جاتی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی اہم چیزیں حاصل کئے بغیر وہاں سے واپس چلا جائے۔

شکار گاہ کے اطراف انتہا پسند ہندوؤں نے ڈیرا جما رکھا تھا۔ اگر عدالتی فیصلہ میرے حق میں ہوتا تو وہ اسے تسلیم نہ کرتے۔ شکار گاہ کی کھڑکیاں دروازے توڑ کر اندر گھس جاتے اور فوراً اسے کرشنا مندر بنا لیتے۔

میں خزانہ وہاں سے منتقل کر چکا تھا۔ انگوٹھی اور عصا ایسی سرنگ میں محفوظ تھے' جہاں میرے سوا کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ اب مجھے اس شکار گاہ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ میری دلچسپی' میری توجہ صرف اپنے بیٹے کے لئے تھی۔

میں نے فیصلہ کیا کہ وہ شکار گاہ ہندوؤں کے حوالے کردوں اور ان سے یہ شرط منواؤں کہ میں اس چار دیواری کے ایک حصے میں رہا کروں گا۔ پھر کچھ عرصے بعد وہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ عمیر وہاں بھیس بدل کر آئے گا اور کسی طرح تہہ خانے میں پہنچنا چاہے گا تو میں وہاں رہ کر اسے پہچان لوں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ تہہ خانہ خالی ہو چکا ہے۔ اس کی انگوٹھی اور عصا میرے پاس محفوظ ہیں۔

میرا بیٹا اسی شکار گاہ میں یا اس کے آس پاس کہیں مل سکتا تھا۔ اِسی اُمید پر میں نے ڈپٹی کمشنر دارا اکبر سے فون پر کہا۔ ”میں نہیں جانتا' سات تاریخ کو عدالت میں کیا فیصلہ سنایا جائے گا؟ اس سے پہلے ہی میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ پوجا گھر کی وہ چار دیواری ہندوؤں کے حوالے کردوں گا۔“

دارا اکبر نے کہا۔ ”یہ تو بڑی دانشمندی کا ثبوت دے رہے ہو۔ تمہارے اس فیصلے سے امن وامان یقینی ہوگا اور ہندو جنتا تمہاری عزت کرے گی۔“

”اس سلسلے میں میری ایک شرط ہے۔ مجھے کم از کم ایک برس تک شکار گاہ کے ایک حصے میں رہنے دیا جائے۔ آپ اُن ہندوؤں سے میری یہ شرط منوالیں۔“

”یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تمہاری شرط مان لیں گے۔ لیکن اس سے پہلے میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم نہیں جانتے' مندر کمیٹی کے چیئرمین اور پنڈت بھی تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ تم سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہیں۔“

میں تہہ خانے میں رہ کر دارا اکبر' پنڈت اور چیئرمین کی باتیں سن چکا تھا۔ وہ میرے ذریعے خزانہ حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔

میں نے کہا۔ ”میں فی الحال کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ آپ پنڈت اور چیئرمین کو ٹال دیں۔“

”وہ تو میں ٹال دوں گا۔ انہیں تم سے دور رکھوں گا۔ مگر مجھ سے تمہیں ملنا ہوگا۔ ملو گے تو فائدے میں رہو گے۔ ایک بہت ہی اندر کی بات بتا رہا ہوں۔ سی آئی اے' را' اور موساد کے جاسوس تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ میں موجودہ حالات میں تمہارے بہت کام آ سکتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ شکار گاہ کی طرف جا کر ان ہندوؤں سے معاملات طے کریں۔ وہیں آپ سے ملاقات ہوگی۔“

”معاملات تو طے ہو جائیں گے۔ ان کی فکر نہ کرو۔ لیکن میں تم سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ تم میرے بنگلے میں آؤ۔ میری بیوی اور بیٹی سے ملو۔ دہلی کے گھریلو پکوان کے چٹخارے لو۔ یہاں اتنا اچھا وقت گزارو گے کہ پھر میرا گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہو گے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں آج رات آپ کے بنگلے میں آؤں گا۔“

”میں چاہتا ہوں' کسی کو معلوم نہ ہو کہ تم کہاں ہو؟ یہ بھی نہ معلوم ہو کہ ہم رازداری سے مل رہے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”یہ رازداری رہے گی۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔ میں شام تک آپ کے بنگلے میں پہنچ جاؤں گا۔“

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس کی آواز اور لب ولہجے پر دھیان دیا تو اس کی باتیں سنائی دیں۔ وہ اپنے بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بیوی اور بیٹی سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ شام کو آ رہا ہے۔“

اس کی بیوی نے کہا۔ ”یعنی خزانے کی کنجی آ رہی ہے؟“

”ہاں۔ اسے اس طرح پھانسنا ہے کہ وہ ہمیں بالکل اپنا سمجھنے لگے۔“

پھر اس نے بیٹی سے کہا۔ ”ثناء! جیسا تمہیں سمجھایا ہے' ویسا ہی کرنا ہے۔“

ثناء نے کہا۔ ”اس سے بھی زیادہ کروں گی۔ وہ ایک بار مجھ سے ملے گا تو بار بار یہاں آئے گا۔ بلکہ یہاں سے جانا ہی بھول جائے گا۔“

ڈپٹی دارا اکبر کی بیوی کا نام رباب تھا۔ وہ دن رات خود کو سنوارتی رہتی تھی۔ بھرپور جوان لڑکی بننے کے لئے زیادہ سے زیادہ آئینے کے سامنے وقت گزارتی تھی۔ اس نے شوہر سے کہا۔ ”ثناء نادان ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں اسے اپنے حسن وشباب کے سحر میں جکڑ لوں گی۔“

ثناء نے کہا۔ ”ممی! میں نادان نہیں ہوں۔ بیس برس کی بالغ لڑکی ہوں۔“

رباب نے کہا۔ ”بکواس مت کرو۔ اپنی عمر زیادہ نہ بتاؤ۔ تم ابھی پندرہ برس کی ہو۔“

”آپ کم عمر بننے کے لئے میری عمر کم کرتی رہتی ہیں۔ ڈیڈی نے اپنی ڈائری میں

میری تاریخ پیدائش لکھی ہے۔"

"تمہارے ڈیڈی نے غلط تاریخ لکھی ہے۔ میری شادی بارہ برس کی عمر میں ہوگئی تھی۔ اپنے باپ سے پوچھ لو۔ تم ایک برس کے اندر ہی پیدا ہوگئی تھیں۔ ابھی تم پورے پندرہ برس کی نہیں ہوئی ہو اور میں ستائیس برس کی بھرپور جوان عورت ہوں۔ مجھے تو کوئی بچے والی عورت سمجھتا ہی نہیں ہے۔ جو دیکھتا ہے' کنواری کہتا ہے۔"

دارا کے فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔ وہ فون پر بات کرنے کے لئے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ثناء نے کہا۔ "ممی! کیوں میری زبان کھلواتی ہیں؟ میں نے کئی بار شاور کے نیچے آپ کو نہاتے دیکھا ہے۔ آپ ہر طرف سے ڈھیلی ہوگئی ہیں۔ اوپر سے باندھ کر رکھتی ہیں۔ اس لئے خزاں میں بہار جیسی لگتی ہیں۔"

"یو شٹ اپ۔ تم میری انسلٹ کر رہی ہو۔ تم کیا جانو' میں آج بھی آگ ہوں۔ جلا کر رکھ دیتی ہوں۔ غازی کو شیشے میں اتارنے کا جو تجربہ میرے پاس ہے' وہ تمہیں میری عمر کو پہنچنے کے بعد ملے گا۔ وہ ستر اسی برس کا بوڑھا ہے۔ میری اس کی ساتھ نبھے گی۔ تم اس کے سامنے بچی لگو گی۔"

"میں نے کتنے ہی چینلز اور میگزین میں اس کی تصویریں دیکھی ہیں۔ وہ جوان دکھائی دیتا ہے۔ میری اور اُس کی جوڑی خوب رہے گی۔"

"صاف کیوں نہیں کہتیں کہ خزانے پر ناگن بن کر بیٹھنے کے لئے اسے ٹریپ کرنا چاہتی ہو؟ وہاں سے حاصل ہونے والے قیمتی ہیرے موتی میرے ہاتھ نہیں لگنے دو گی۔ تم بے مروت ہو ماں باپ کو بھی حصہ نہیں دو گی۔"

"بے مروت تو آپ کہلائیں گی۔ ایک شوہر کے ہوتے' ہوئے دوسرے کو ٹریپ کریں گی۔"

"تمہارے ڈیڈی کو اعتراض نہیں ہے۔ وہ کسی بھی طرح غازی سے خزانہ حاصل کرنے کے لئے اسے زلفوں کی ریشمی زنجیروں سے باندھ کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر آپ کا بھروسہ نہیں ہے۔ غازی آپ کے ہتھے چڑھے گا تو آپ ڈیڈی کو چھوڑ کر اس کے ساتھ بھاگ جائیں گی۔"

"تم کیسی بیٹی ہو؟ کوئی سوتیلی بیٹی بھی ایسی باتیں نہیں کرے گی۔ تمہارا باپ مجھے خود غرض اور بیوفا نہیں کہتا۔ تم کہہ رہی ہو۔ کیا اسی دن کے لئے تمہیں دودھ پلایا تھا؟"

"فیڈر کا دودھ پلایا تھا۔ مجھے سب معلوم ہے۔ کہیں بدن ڈھیلا نہ پڑ جائے۔ اس لئے بازار کا دودھ پلاتی تھیں۔"

"تم بیٹی نہیں' دشمن ہو۔"

"آپ بھی دشمن ہیں۔ میرے اور غازی کے کباب میں ہڈی بن رہی ہیں۔"

"دیکھو ثناء! ہم اسی طرح لڑتی رہیں گی تو وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ دانشمندی یہ ہے کہ تم اپنے حربے آزماؤ۔ میں اپنے آزماؤں گی۔ اگر وہ میری طرف جھکے گا تو تم اس کی طلب سے باز آجاؤ گی اور اگر وہ تمہاری طرف مائل ہوگا تو میں ہنسی خوشی تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گی۔"

"یہی ہونا چاہئے۔ مجھے منظور ہے۔"

میں سب سن رہا تھا۔ مجھے پھانسنے کے سلسلے میں زلفوں کو زنجیر بنایا جا رہا تھا۔ میرے استقبال کے لئے ریشمی آنچل بچھائے جانے والے تھے۔ ماں بیٹی میں سمجھوتہ ہو رہا تھا کہ دونوں اپنی قسمت آزمائیں گی۔ میں جسے قبول کروں گا' خزانے کی لاٹری اسی کے نام نکل آئے گی۔

ہماری دنیا میں عجب تماشے ہوتے ہیں۔ دولت حاصل کرنے کے لئے تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر ماں بیٹی بازاری بن جاتی ہیں اور شوہر اور باپ دلالی شروع کر دیتے ہیں۔

☆☆☆

برائن بلر ایک کروڑ پتی پبلشر تھا۔ لندن سے شائع ہونے والے "دی لائٹ" نامی ایک کثیر الاشاعت میگزین کا مالک تھا۔ وہ در پردہ چور دروازوں سے بھی مال کماتا تھا۔

ایک رات اسے میسیج ملا۔ "کم بی ہائنڈ دا کرٹن (پردے کے پیچھے آؤ)..."

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر اس کی سم تبدیل کی۔ تھوڑی دیر بعد کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ "ہیلو میں برائن بلر بول رہا ہوں۔"

"اور میں تمہارا ایک بلیک ڈیلر ہوں۔ بیس لاکھ ڈالرز کا بزنس ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "تھینک یو۔ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"میگزین دی لائٹ کے دو فرضی نمائندوں کے نام آئی ڈی کارڈز جاری کرنے ہیں۔ ایک کا نام رابرٹ ٹیلر ہے۔ اس کی حیثیت میگزین کے رپورٹر اور اسٹوری کلکٹر کی ہوگی۔ دوسری کا نام مونیکا ٹیلر ہے۔ وہ میگزین کی فوٹو گرافر کہلائے گی۔"

"ابھی یہ دونوں کہاں ہیں؟"

"ہندوستان میں ہیں۔ یہ میاں بیوی ہیں۔ دنیا کی تمام انٹیلی جنس والے اور خفیہ تنظیموں کے جاسوس انہیں تلاش کررہے ہیں۔"

"پھر تو وہ مسٹر شہزادہ سلمان سعدی ہوں گے اور کوئی مونیکا ٹیلر ان کی دست راست ہوگی۔"

"یو شٹ اپ۔ تھری ایس کا نام زبان پر نہ لاؤ۔ ورنہ جانتے ہو' بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔"

"میں ہمیشہ اپنی زبان بند رکھتا ہوں۔ مجھے صرف مال کمانے سے مطلب ہے۔ اب ذرا سوچو! میرا میگزین پوری دنیا میں مقبول ہے۔ انٹیلی جنس والے مجھ پر کبھی کسی طرح کا شبہ نہیں کرتے ہیں۔ مسٹر تھری ایس....."

وہ فوراً ہی کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "توبہ کرتا ہوں' ان کا نام نہیں لوں گا۔ یہ یاد رکھوں گا کہ ان کا رابرٹ ٹیلر ہے۔ وہ میگزین کے آئی ڈی کارڈ اور سروس کارڈ کے مکمل کاغذات کے ساتھ ہندوستان میں رہیں گے تو کوئی ان پر شبہ نہیں کرے گا۔"

"ہم یہی چاہتے ہیں۔"

"ہم اپنے میگزین کی طرف سے انہیں ایک ڈیوٹی دیں گے۔ ہمیں ایک ایسے شخص کی مکمل ہسٹری چاہئے' جو ستر برس تک مردہ رہنے کے بعد پھر زندہ ہو کر دنیا میں آیا ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"یہ بکواس نہیں ہے۔ پچھلے کئی مہینوں تک اخبارات میں اس کا چرچا ہوتا رہا ہے۔ کتنے ہی ٹی وی چینلو نے ایسے تین افراد کو اسکرین پر پیش کیا ہے' جنہوں نے حیات بعد الموت پائی ہے۔ کیا تم لوگ اخبار نہیں پڑھتے ؟"

"پڑھتے ہیں لیکن ایسی مضحکہ خیز خبروں کی سرخی پڑھتے ہی انہیں نظر انداز کر کے اہم خبروں سے دلچسپی لیتے ہیں۔"

"یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے۔ وہ شخص غازی صلاح الدین آج بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ کہا جارہا ہے' وہ غازی ایک بہت بڑے سونے کے اسمگلر عمیر بن غازی کا باپ ہے۔"

یہ ایسی بات تھی کہ عمیر کا وہ جاں نثار چونک گیا۔ میگزین کا مالک برائن طرح یہ نہیں جانتا تھا کہ شہزادہ سلمان سعدی ہی عمیر بن غازی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیوں کے جاسوس غازی صلاح الدین کی سخت نگرانی کرتے ہوئے سونے کے اس اسمگلر تک پہنچنے کی

کوششیں کررہے ہیں۔"

اس جاں نثار نے بظاہر لاپرواہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کسی غازی صلاح الدین اور عمیر سے دلچسپی نہیں ہے۔ تم کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات ہی کہہ رہا ہوں۔ اتنے بڑے کام کے بیس لاکھ ڈالرز کم ہیں۔"

بڑی سفاکی سے کہا گیا۔ "تمہاری زندگی کی قیمت کیا ہے؟ صرف ایک گولی..... ابھی کسی بھی لمحے میں کہیں سے بھی آئے گی پھر تم نوٹ گننے کے قابل نہیں رہو گے۔"

وہ ایکدم سے سہم کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ تھری ایس کے جاں نثار کسی بھی جگہ' کسی بھی لمحے میں کسی کی سانسیں چھین لیتے ہیں۔

وہ گڑگڑانے کے انداز میں بولا۔ "وہ۔ میں نے تو سوچا تھا تھری... نہیں۔ وہ رابرٹ ٹیلر جی داتا ہیں۔ اس لئے مانگنے کی جرات کی تھی۔"

"تمہارے تیار کردہ آئی کارڈز اور متعلقہ کاغذات مکمل اور مستند ہوں گے اور ان پر بھی کسی طرح کا شبہ نہیں کیا جائے گا تو تمہاری پے منٹ بڑھا دی جائے گی۔"

"تھینک یو۔ منی منی تھینکس..... میں ابھی کاغذات تیار کراتا ہوں۔"

"ایک گھنٹے کے اندر تمہارے بینک اکاؤنٹ میں رقم پہنچ جائے گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ عمیر اور سلوئی کو ہندوستان میں آئندہ رابرٹ ٹیلر اور مونیکا رابرٹ کی حیثیت سے رہنا تھا۔ اس سلسلے میں میگزین کے نمائندے کی حیثیت سے ان کے لئے ٹھوس ثبوت تیار کئے جارہے تھے۔

☆☆☆

یہ باپ بیٹے کی داستان ہے۔ بیٹے کے سلسلے میں بعض باتیں ایسی ہوں گی' جنہیں ایک باپ وضاحت سے نہیں کہہ سکے گا اور باپ کے متعلق بھی کچھ ایسی باتیں ہوسکتی ہیں' جنہیں بیٹا اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔

لہٰذا یہاں سے اس داستان کے دو راوی ہوا کریں گے۔ غازی صلاح الدین اپنی داستان سنائے گا اور عمیر بن غازی اپنی زبان سے اپنی رُوداد سنایا کرے گا۔ اس طرح یہ دنیا کی پہلی سلسلہ وار داستان ہوگی' جس کے دو راوی ہوں گے۔

ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا' اب ہو رہا ہے۔ اس تکنیک کے باعث یہ داستان توقع سے زیادہ دلچسپ ہوتی چلی جائے گی۔

☆☆☆

ہاں تو قارئین کرام! میں عمیر بن غازی عرف شہزادہ سلمان سعدی بول رہا ہوں۔

جیسا کہ اپنی ڈائریوں کے ذریعے بیان کر چکا ہوں' میں شائد پہلا شخص ہوں جو بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا ہے۔

لفظ شائد اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے' بی بی زلیخا کے علاوہ کسی اور نے بھی بڑھاپے میں اچانک جوانی کی بہار دیکھی ہو اور یہ بات ہمارے علم میں نہ ہو۔

میں تو اپنی بات کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے عاجز بندے کو جوانی کی بہت بڑی نعمت دوبارہ عطا کر رہا تھا۔ میں ساری عمر دن رات عبادت کرنے اور سجدہء شکر ادا کرنے کے باوجود پوری طرح شکر ادا کرنے کا حق ادا نہیں کر سکتا تھا۔

پھر بھی حتی الامکان یہ کوشش کرتا تھا کہ ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ ہو۔ میری آنکھ تہجد کے وقت بھی کھل جایا کرتی تھی۔ یہ قلبی اطمینان حاصل ہو رہا تھا کہ میں دینی فرائض ادا کر رہا ہوں۔

میں ایک ایک دن کے حساب سے بہت ہی ست رفتاری سے جوانی کی سمت واپس جا رہا تھا۔

چھ ستمبر ۲۰۰۰ء کی رات کو واپسی کا سفر شروع ہوا تھا۔ تب سے دو برس گزر چکے تھے۔ اس دوران راڈ مین کی قید میں رہا۔ مجھے نقصان پہنچانے والی اور کمزور بنانے والی دوائیں کھلائی گئیں۔ جس کے نتیجے میں یہ معلوم نہ کر سکا کہ میرے اندر جوانی کی توانائی کس حد تک پیدا ہو رہی ہے؟

جہاں تک جسمانی توانائی کا تعلق ہے' وہ مجھے لاٹھی اور انگوٹھی کے ذریعے حاصل ہوتی تھی۔ پھر دشمنوں پر غالب آنے کے بعد میں پہلے کی طرح کمزور ہو جاتا تھا۔

دراصل یہ آزمانا تھا کہ کسی شریک حیات کے ساتھ ازدواجی وظیفہ ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس پہلو سے خود کو آزمانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ بھلا کیسے ملتا؟ جب میں نے واپسی کا سفر شروع کیا' تب پہلی عورت حجاب میری زندگی میں آئی تھی۔ وہ میرے دل کو بھا گئی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن ندا نے بھی اپنی معصومیت سے متاثر کیا تھا۔

لیکن میں اس کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم نہ کر سکا۔ اس نے خود کو مجھ سے دور کر لیا تھا۔ وہ ایڈز کی مریضہ تھی۔ مجھے اپنا روگ لگانا نہیں چاہتی تھی۔ اب مجھ سے بچھڑ کر لندن کے بہترین تجربہ کار ڈاکٹرز کے زیر علاج تھی۔

راڈ مین کی قید سے رہائی پانے کے بعد نینی میری زندگی میں آئی۔ اس نے میرے لئے جیسی بے مثال قربانیاں دی تھیں' ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ دین اسلام قبول کر چکی تھی۔ لیکن میں اس سے نکاح نہ پڑھوا سکا۔ کیونکہ وہ حاملہ تھی' ماں بننے والی تھی۔

اسے کہتے ہیں' قسمت کی خرابی.... منزل سامنے ہوتی تھی' میں اسے پا نہیں سکتا تھا۔

جب واپسی کا سفر شروع کیا' تب ستر برس کا تھا۔ تب سے دو برس گزر چکے تھے۔ اس حساب سے اب میں اڑسٹھ برس کا تھا۔ میرے بڑھاپے کے دو برس گزر گئے تھے۔

لیکن معلوم تو ہو کہ جوانی کی ہلکی سی رمق بھی پیدا ہو رہی ہے یا نہیں؟

جب تک کوئی شریک حیات زندگی میں نہ آتی' تب تک معلوم نہ ہوتا کہ میں بڑھاپے اور جوانی کے کس سنگم پر' کس مرحلے میں ہوں؟

بالآخر سلویٰ میری زندگی میں آئی۔ ہم نے شکار گاہ کے ویرانے میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایک دوسرے کو قبول کیا۔ لیکن وہاں تنہائی اور مکمل آزادی حاصل ہونے کے باوجود ازدواجی رشتہ قائم نہ کر سکے۔

ایسے وقت ہم نے گانے بجانے کی دھیمی دھیمی سی آوازیں سنیں۔ میں نے کھڑکی کے ایک پٹ کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ بہت دور سے کوئی بیس پچیس ہندو یکتارا بجاتے اور بھجن گاتے ہوئے شکار گاہ کی طرف آ رہے تھے۔

میں نے کہا "سلویٰ! نکلو یہاں سے..... یہ لوگ یہاں پوجا کرنے ضرور آئیں گے۔"

ہم کھڑکی کے راستے شکار گاہ کے اندر آئے تھے۔ اسی راستے سے فرار ہو گئے۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ کسی بھی چاہنے والی کے ساتھ ازدواجی لمحات گزار نہیں پا رہا تھا۔

ہم وہاں سے فرار ہو گئے۔ جھانسی پہنچے' یعنی جہاں سے چلے تھے' وہاں واپس آ گئے۔ ہم نے ایک مہنگے ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا۔ میں بہت بے قرار تھا۔ دروازہ بند کرتے ہی اسے کھینچ کر آغوش میں بھر لیا۔ ایسے وقت یہ بات ذہن میں گردش کر رہی تھی کہ وہ اَن چھوئی دوشیزہ ہے اور میں ستر برس کا بوڑھا ہوں۔ کیا ازدواجی مراحل سے گزر سکوں گا؟

ایک دھیما دھیما سا اندیشہ تھا اور یہ حوصلہ بھی تھا کہ مجھے واپسی کے سفر کی آگاہی مل چکی ہے اور میں ان لمحات میں کسی طرح کی کمزوری یا احساس کمتری میں مبتلا نہیں تھا۔

اور سلویٰ تو جیسے من و سلویٰ کی طرح بڑھاپے کے آنگن میں اتری تھی۔ قیامت جگا رہی تھی۔ یہ تو دیکھ ہی چکا تھا کہ زبردست فائٹر تھی۔ جذبات کی جنگ لڑنا بھی خوب جانتی تھی۔

میں تھوڑی دیر بعد ہی ہانپنے لگا۔میرے اندر دستک سنائی دی۔ ’’ارے او نادان!صرف دو برس میں بڑھاپا کیسے گزر جائے گا؟یہ قدرتی معاملات ہیں۔دو ہی برس میں جوانی چھلانگ مار کر نہیں آئے گی۔‘‘

خدا میری شرم اور میری مردانگی کا بھرم رکھنا چاہتا تھا۔اسی لئے پہلے حجاب کو پھر نینی کو مجھ سے دور کر دیا تھا۔ان لمحات میں بھی میرا رب مجھ پر مہربان ہوا۔اس نے سلوٰی کو مجھ سے دور کر دیا۔

یہ بیان کئے بغیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ ہمارے درمیان اچانک فاصلہ کیسے پیدا ہو گیا؟

بعض اوقات انسان جو سوچ بھی سکتا' وہ ہو جاتا ہے۔میں جو بات کہنے جا رہا ہوں' وہ بات کسی کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی کہ وہاں اچانک کیا ہو گیا تھا؟

ایک انکشاف ہوا' حیران کرنے والا انکشاف ہوا.....وہ لڑکی نہیں تھی۔یہ تھا قدرت کی طرف سے ملنے والا جھٹکا...وہ لڑکا بھی نہیں تھا۔اسے کسی طور خسرہ یا خواجہ سرا بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔

وہ خدا کی ایسی مخلوق تھی' جو جنس کے اعتبار سے ادھوری ہوتی ہے۔نہ پوری عورت ہوتی ہے' نہ مکمل مرد.....

ہارمونز کی کمی بیشی سے زنانہ اور مردانہ مزاج میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔پھر بھی کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ آئے' بدن کا ادھورا پن قائم رہتا ہے۔

یہ انکشاف ہوتے ہی وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔میں نے پوچھا۔’’تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟‘‘

’’کس منہ سے بتاتی؟شرم اور جھجک روک رہی تھی۔میں چپ رہی کہ خود ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔‘‘

میں بیڈ سے اتر کر ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔اس نے پاس آ کر میرے قدموں میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔’’آپ ناراض ہو گئے ہیں؟‘‘

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔’’تم جیسی ہو' اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔جو قدرتی معاملات اٹل ہوتے ہیں' انہیں چپ چاپ تسلیم کر لینا چاہئے۔‘‘

’’کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟‘‘

’’تم بہت اچھی ساتھی بن سکتی ہو۔بہترین فائٹر ہو۔میری محافظ بن کر رہ سکتی ہو۔لیکن

ایک کمرے میں ایک بیڈ پر رہنے والا رشتہ کبھی قائم نہیں ہو سکے گا۔‘‘

وہ سر جھکا کر بولی۔’’میں آپ کی منکوحہ ہوں۔‘‘

’’جو ازدواجی وظیفہ ادا نہ کر سکے' وہ منکوحہ نہیں رہتی۔تمہیں سمجھنا چاہیے کہ تمہاری قربت مجھے بھڑکاتی رہے گی۔آگ بھڑکتی رہے اور نہ بجھے تو اندر سے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔انسان کو ذہنی مریض بنا دیتی ہے۔‘‘

وہ ایسے حقائق سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔اس نے کہا۔’’ہم نے ایک ہی کمرہ لیا ہے۔میں باہر کہاں جاؤں؟‘‘

’’اسی کمرے میں رہو۔فون کر کے معلوم کرو' کیا ہمیں کہیں جانے کے لئے کوئی ٹرین مل سکے گی؟‘‘

وہ فون کے ذریعے معلومات حاصل کرنے لگی۔میں سنجیدگی سے سوچنے لگا۔’’میری زندگی میں آنے والی یہ تیسری صنف نازک ہے جو قریب آتے آتے دور ہو گئی ہے۔خدا مجھے سمجھا رہا ہے۔مجھے سمجھنا چاہئے' میرے چاہنے سے جوانی آج کل میں نہیں آئے گی۔انسان قانون قدرت کے مطابق لمحہ لمحہ گزارتا ہوا جوانی سے بڑھاپے تک جاتا ہے۔اسی طرح میں ایک ایک لمحہ' ایک ایک دن' ایک ایک مہینہ اور ایک ایک برس گزارتے ہوئے جوانی کی دہلیز تک پہنچوں گا۔

مجھے خواہ مخواہ خود کو آزمانا نہیں چاہئے' اور نہ ہی کسی شریک حیات کی آرزو کرنی چاہئے۔چپ چاپ دن رات عبادت کرنا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرتے رہنا چاہئے۔‘‘

ہمیں دو گھنٹے بعد ممبئی جانے والی ٹرین مل گئی۔ہم نے سفر کے دوران نیند پوری کی۔دوسرے دن ممبئی پہنچ گئے۔وہاں بھی یہ مسئلہ تھا کہ ہوٹل کے ایک کمرے میں ایک بیڈ پر نہیں رہ سکتے تھے۔

سلوٰی دوسرا کمرہ لیتی تو پوچھا جاتا' وہ اکیلی لڑکی کون ہے؟کہاں سے تنہا آ رہی ہے؟

وہاں پیشہ ور عورتیں کئی بڑے ہوٹلوں میں گاہکوں کو پھانسنے کے لئے ایک کمرہ کرائے پر لے کر رہتی ہیں۔سلوٰی کا شمار بھی ان میں ہونے لگتا۔

ہم نے دو چار گھنٹے ریلوے اسٹیشن کے سرائے میں گزارے۔ہندوستان میں قدم قدم پر بھیک مانگنے والے دکھائی دیتے ہیں۔وہاں اتنی غربت ہے کہ ایک روٹی کا پیسہ مانگنے کے لئے قدموں میں گر جاتے ہیں۔

ایک ادھیڑ عمر کی عورت میرے قدموں میں گر پڑی۔میں نے اسے اٹھاتے ہوئے

پچاس روپے کا ایک نوٹ دیا اور کہا۔ ''اگر تم ہماری رہائش کے لئے کسی اچھے مکان میں لے چلو تو سو روپے دوں گا۔''

وہ بولی۔ ''میرے مکان میں چلو۔ میں تم دونوں کی سیوا کروں گی۔''

سلوئی نے کہا۔ ''وہاں لوگ ہمارے بارے میں پوچھیں گے اور ہم کسی کو اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے۔''

میں نے کہا۔ ''لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اسی دیس کے اسی شہر کے رہنے والے ہیں۔''

وہ بولی۔ ''میرا ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ بیس برس پہلے گھر سے بھاگ گیا تھا۔ پھر واپس نہیں آیا۔ میں محلے والوں سے کہوں گی' تم میرے بیٹے ہو' واپس آ گئے ہو اور بہو بھی ساتھ لائے ہو۔''

میں نے اور سلوئی نے ایک دوسرے کو حسرت سے دیکھا۔ کہاں کی بیوی؟ کہاں کی بہو...؟ ایسا رشتہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ہمیں دو کمروں کی ضرورت ہے۔ ہم دونوں الگ الگ رہتے ہیں۔''

وہ بولی۔ ''الگ کمرے بھی مل جائیں گے' مگر کرایہ ہزار روپے لوں گی۔''

میں نے اسے دو ہزار روپے دیئے۔ یوں عارضی طور پر ایک محفوظ جگہ رہنے کو مل گئی۔ کچھ عرصے تک وہاں گزارہ ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ اندیشہ تھا کہ کسی دن انٹیلی جنس والوں کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ لندن سے آئی ڈی کارڈز اور دیگر اہم کاغذات آنے تک ہمیں کسی طرح چھپ کر رہنا تھا۔

فی الحال ہم اس طرح بخیریت تھے کہ ہمارے پاس لاٹھی نہیں تھی۔ ہم لاٹھی کی تصویر جیب میں رکھتے تھے اور میں ایک انگلی میں لاوہ انگوٹھی پہنے رہتا تھا۔

بیشمار لوگ ایسی نقلی انگوٹھیاں پہننے اور لاٹھیاں لے کر چلنے لگے تھے اور لاکھوں افراد ان کی تصویریں فریم کروانے کے بعد انہیں بھگوان کی مورتی کے پاس رکھتے تھے۔ وہ دونوں چیزیں ان کے لئے برکت کا باعث بن گئی تھیں۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے' میں نے یورپ اور امریکہ میں رہنے والے اپنے سینکڑوں کارندوں کو ہندوستان بلایا تھا۔ وہ سب انڈیا کے مختلف صوبوں اور شہروں میں پھیل گئے تھے۔ فون کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے۔

جن کے پاس وہ انگوٹھی اور سوا چھ فٹ کی لاٹھی ہوتی تھی یا ان کی تصاویر ان کے پاس

ہوتی تھیں' وہ کارندے ایسے لوگوں پر نظر رکھتے تھے۔ ان میں سے جو بیمار ہوتا تھا' بیروزگار ہوتا تھا۔ جہیز نہ ہونے کے باعث جن لڑکیوں کی شادیاں نہیں ہوتی تھیں۔ وہ کارندے بڑی رازداری سے ان کے کام آتے تھے۔ ان کی مرادیں پوری کرتے رہتے تھے۔

راء ایجنسی اور دوسرے مخالفین حیران تھے۔ بازاروں میں لاٹھیاں اور انگوٹھیاں دھڑا دھڑ فروخت ہو رہی تھیں۔ خوبصورت فریموں میں ان کی تصویریں بھی خریدی جا رہی تھیں۔ اگرچہ سب ہی کی ضرورتیں پوری نہیں ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ دوسروں کی ضرورتیں پوری ہوتی دیکھتے تھے تو کہتے تھے' ان سے کوئی پاپ ہوا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے تو ان کی بھی مرادیں بر آئیں گی۔

جن کی مرادیں بر آئی تھیں۔ وہ مارے عقیدت کے لاٹھی اور انگوٹھی کو بھگوان کے استھان پر رکھ کر پوجنے لگے تھے۔ کتنے ہی کمزور عقیدہ رکھنے والے مسلمان ان کی تصویروں کو تہہ کر کے تعویز بنا کر گلے میں ڈالے رکھتے تھے۔

تمام خفیہ ایجنسیوں والے حیران تھے کہ لاکھوں کی نہ سہی' ہزاروں کی مرادیں کیسے پوری ہو رہی ہیں؟ وہ ایسے لوگوں سے ملتے تھے۔ ان سے سوالات کرتے تھے اور یہی جواب ملتا تھا کہ ہم نہیں جانتے یہ کیسے چمتکار ہو جاتا ہے؟

ایک نے کہا۔ ''میں نے لاٹری کا ٹکٹ خریدا تھا۔ پتہ چلا' وہ لاٹری نکالنے والے فراڈ تھے' کہیں بھاگ گئے ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن ایک شخص نیلی وردی پہن کر آیا۔ اس نے لاٹری کا ٹکٹ دے کر کہا' مبارک ہو۔ تمہارے نام دو لاکھ روپے کی لاٹری نکلی ہے۔''

وہ نیلی وردی والا اسی وقت بیگ سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر دینے کے بعد بولا۔ ''معلوم ہوتا ہے' تم نے اپنے گھر میں انگوٹھی اور لاٹھی رکھی ہے؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ ان کی برکت سے مجھے اتنی بڑی رقم مل رہی ہے۔''

وہ نیلی وردی والا مسکراتا ہوا چلا گیا۔''

ہریانہ کے ہسپتال میں ایک مریض نے بیان دیا۔ ''میرے پاس آپریشن کے ڈیڑھ لاکھ روپے نہیں تھے۔ میری گھر والی نے مجھے انگوٹھی پہنائی تھی۔ ایک لاٹھی میرے سرہانے رکھ دی تھی۔ پتہ چلا' ہسپتال کے کاؤنٹر پر کوئی سخی داتا ڈیڑھ لاکھ روپے جمع کر کے گیا ہے۔''

انٹیلی جنس والے جس سے بھی پوچھتے تھے' وہ یہی کہتا تھا کہ انگوٹھی اور لاٹھی کرشمہ دکھاتی ہیں۔ جن کے ساتھ کرشمہ نہیں ہوا تھا' وہ کہتے تھے' آج نہیں تو کل ہمارے ساتھ بھی ضرور ہو

گا۔ ہمارے دن بھی پھریں گے۔

ان حالات میں میرے لئے آسانی پیدا ہوگئی تھی۔ ابھی تک کسی نے مجھے روکا ٹوکا نہیں تھا۔ کیونکہ میرے پاس لاٹھی نہیں تھی۔ ایک سپاہی نے پوچھا تھا۔ ''تمہاری انگلی میں انگوٹھی ہے' مگر ہاتھ میں لاٹھی نہیں ہے؟''

میں نے جیب سے تصویر نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہے لاٹھی....''

اس نے کہا۔ ''کچھ چائے پانی کے لئے دے دو۔''

میں نے بیس روپے دیئے وہ چپ چاپ چلا گیا۔ جس ملک میں غربت زیادہ ہوتی ہے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی رشوتیں دے کر بڑے بڑے کام نکالے جاتے ہیں۔ ایسے ملکوں میں چھپ کر رہنا بڑی حد تک آسان ہوجاتا ہے۔

لیکن میرے پیچھے تو را' موساد' سی آئی اے' انٹر پول اور دنیا کی دیگر خطرناک تنظیمیں لگی ہوئی تھیں۔ ان سے ہمیشہ چھپ کر رہنا بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ مجھے کسی نہ کسی دن اُن کی نظروں میں آنا ہی تھا۔

ہم اس میزبان عورت کے گھر میں پینگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتے تھے۔ دو الگ کمروں میں تھے۔ پھر بھی ایک چھت کے نیچے قریب ہی رہتے تھے۔ تنہائی زیادہ ملتی تھی۔ ایسے وقت وہ اور زیادہ پر کشش لگتی تھی۔ وہ بھی آ کر مجھ سے لگ جانا چاہتی تھی۔ اس کے باوجود ہم اپنے آپ پر جبر کرتے تھے۔ یہ سوچ کر صبر کرتے تھے کہ ہماری قربت کا آخری مرحلہ پچھتاوا ہوگا۔

میں محسوس کر رہا تھا' میرے اہم معاملات سے میرا دھیان ہٹ جاتا ہے اور میں انجام کو سمجھنے کے باوجود ایک ضدی بچے کی طرح اسے دبوچ لینا چاہتا ہوں۔ اگر یہی حال رہا تو میں خواہشات کے غلبے میں رہ کر مخالفین کے شکنجے میں آجاؤں گا۔

سلویٰ نے کہا۔ ''ایسے گزارہ نہیں ہوگا۔ میری قربت بڑی مشکلات پیدا کرے گی۔ آپ اپنے ذہن کو پوری طرح اہم معاملات پر مرکوز نہیں کرسکیں گے۔ آپ کسی دوسری جگہ میری ڈیوٹی لگا دیں۔''

یہ لازمی ہوگیا تھا۔ وہ جو کہہ رہی تھی' وہی میں چاہتا تھا۔ اس سے دور ہوجانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ بڑے پیار سے' بڑے ارمانوں سے میری زندگی میں آئی تھی اور آتے ہی دور ہونے والی تھی۔ انسان بہت مجبور ہوجاتا ہے۔ کشتی ڈوبنے لگے تو غیر

ضروری سامان کو دریا میں پھینک کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

ویسے ہم ایک دوسرے کے لئے ضروری ہونے کے باوجود غیر ضروری ہوگئے تھے۔

سلویٰ نے کہا۔ ''مجھے انڈیا سے جانے کی اجازت دیں۔ میں اپنا علاج کراؤں گی۔ میڈیکل سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ ایسے تجربہ کار ڈاکٹر ہوں گے جو مجھے مکمل لڑکی بنا سکیں گے۔''

''خدا کرے تم مکمل ہوجاؤ۔ تمہیں کوشش کرنی چاہئے۔ تم میرے نکاح میں رہوگی۔ مکمل ہوکر آؤ گی تو میں جشن مناؤں گا۔ بڑی دھوم دھام سے دنیا والوں کے سامنے تمہیں دلہن بناؤں گا۔''

میرے جاں نثار کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ اس وقت بھی میرے آس پاس' اس محلے میں یا قریبی علاقے میں تھے۔ میں نے فون پر ایک جاں نثار سے کہا۔ ''سلویٰ ترکی واپس جائے گی۔ اس کی بحفاظت روانگی کا انتظام کرو۔ میں آج رات یہاں سے نکلوں گا۔ یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ میں کسی پوش علاقے میں پینگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنا چاہتا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''ہم ابھی آپ کے لئے انتظامات کر رہے ہیں۔''

اس نے فون بند کردیا۔ عصر کا وقت ہوگیا تھا۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر کے اپنے کمرے میں نماز پڑھنے لگا۔ وہاں ایک ہندو عورت کے بیٹے کی حیثیت سے تھا' اس لئے چھپ کر نمازیں پڑھتا تھا اور یہ مجھے منظور نہ تھا۔ اسی لئے وہاں سے جانے والا تھا۔

میں نماز سے فارغ ہوکر گھر سے باہر نکلا تو دروازے کے سامنے ایک پولیس افسر چار مسلح سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟ ہمیں اتنا تو معلوم ہوچکا ہے کہ رادھا بائی کے بیٹے نہیں ہو۔''

رادھا بائی نے کہا۔ ''کون کہتا ہے' یہ میرا بیٹا نہیں ہے؟ کیا ماں سے زیادہ اپنے بچے کو کوئی جانتا ہے؟''

''ہاں۔ پولیس والے ماں سے بھی زیادہ جانتے پہچانتے ہیں۔''

سلویٰ مکان کے اندر تھی۔ اس نے فون کے ذریعے جاں نثاروں کو اطلاع دی۔ ''دروازے پر پولیس آگئی ہے۔ باس کا محاسبہ ہو رہا ہے۔ فوراً محاذ بناؤ۔''

پولیس افسر مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ''نہ تم رادھا بائی کے بیٹے ہو' نہ ہندو ہو۔ دروازہ بند کرنے کے باوجود ایک پڑوسن نے تمہیں کی ہول سے دیکھا ہے۔ تم نماز پڑھ رہے تھے۔''

سلویٰ باہر آئی۔ پولیس افسر نے اسے دیکھ کر کہا۔ ''تم نے ساڑھی پہنی ہے' ماتھے پر بندیا ہے۔ سنا ہے' ہندی اچھی طرح بولتی ہو۔ مگر چہرہ بتا رہا ہے' کسی باہر ملک سے آئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''ہم کس طرح یقین دلائیں کہ اسی دیس کے باسی ہیں؟''

''تھانے چل کر یقین دلاؤ۔''

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا۔ ''انہیں ہتھکڑی لگاؤ۔''

میں نے کہا۔ ''جلدی نہ کرو آفیسر! یہیں سمجھوتہ کرلو تو بہتر ہے۔ ابھی آدھے گھنٹے کے اندر تمہیں دس لاکھ روپے ملیں گے۔''

اس نے چونک کر پہلے مجھے دیکھا۔ پھر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''ہر سپاہی کو الگ سے ایک ایک لاکھ ملیں گے۔''

سپاہیوں نے اپنے افسر کو دیکھ کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ افسر نے کہا۔ ''رقم نکالو۔''

میں نے فون پر کہا۔ ''فوراً پندرہ لاکھ روپے لے آؤ۔ دیر نہ کرنا۔ یہاں خواہ مخواہ محلے والوں کی بھیڑ لگ رہی ہے۔''

میرے جاں نثار نے کہا۔ ''ابھی رقم پہنچ رہی ہے۔ آپ سلویٰ کے ساتھ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکلیں۔ ہم راستے میں آپ کے لئے گاڑی لے آئیں گے۔''

میرے جاں نثار چاہتے تھے' محلے والے یہی سمجھیں کہ پولیس ہمیں گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ اب ہم واپس نہیں آئیں گے اور واپس آنا بھی تھا۔

آدھے گھنٹے کے اندر پولیس والوں کی جھولیاں بھر گئیں۔ افسر نے پوچھا۔ ''آپ ہی تھری ایس ہیں ناں؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔ میں نے تھری ایس کا نام سنا ہے۔ کبھی اسے دیکھا نہیں ہے۔''

وہ بولا۔ ''میں تھری ایس سے بھی لاکھوں روپے وصول کر سکتا ہوں۔''

میں نے پوچھا۔ ''وہ کیسے؟''

''وہ تھری ایس جس کا اصل نام عمیر بن غازی ہے' یہ نہیں جانتا کہ اس کا باپ غازی صلاح الدین زندہ ہے۔''

میں نے اور سلویٰ نے اسے چونک کر دیکھا۔ پھر میں نے پوچھا۔ ''تعجب ہے۔ بیٹا کیوں نہیں جانتا کہ باپ زندہ ہے؟''

''تھری ایس سمجھتا ہے' اس کا باپ ہوائی جہاز کے حادثے میں مارا گیا تھا۔ بیشک وہ

مر گیا تھا۔ مگر ستر برس کے بعد زندہ ہو کر پھر اس دنیا میں آیا ہے۔''

سلویٰ منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''کبھی تمہیں تھری ایس ملے گا تو کیا ایسی بچکانہ بات پر یقین کرے گا؟ کیا ایسی اطلاع دینے پر تمہیں لاکھوں روپے انعام میں دے گا؟''

وہ بولا۔ ''آپ شاید ٹی وی نہیں دیکھتے۔ اخبار نہیں پڑھتے۔ ساری دنیا نے اخبارات میں اس کی تصویریں دیکھی ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی اور دو انگریز ستر برس کے بعد نئی زندگی پا کر ہماری دنیا میں آئے ہیں۔''

رادھا بائی نے کہا۔ ''میں نے بھی ان تینوں کو ٹی وی پر چلتے پھرتے اور بولتے دیکھا ہے۔ ہمارے دھرم میں سب مانتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد پھر جنم لے کر دنیا میں آتا ہے۔''

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں ان فضول باتوں سے کیا لینا ہے؟ آپ ہمیں اپنی گاڑی میں یہاں سے لے چلیں۔ ہم راستے میں کہیں اتر جائیں گے۔''

ہم سب بڑی سی پولیس وین میں آ کر بیٹھ گئے۔ محلے والوں نے یہی سمجھا کہ وہ ہمیں گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔ اس علاقے سے باہر نکلتے ہی ایک جاں نثار نے فون پر کہا۔ ''آپ گاڑی رکوائیں۔ ہم آ گئے ہیں۔''

میرے کہنے پر پولیس افسر نے گاڑی رکوائی۔ سامنے ایک کار آ کر رک گئی تھی۔ میرا جاں نثار اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم اس کار میں آ کر بیٹھ گئے۔

وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''کل تک آپ کے لئے میگزین دی لائٹ کے آئی ڈی کارڈز اور دیگر اہم کاغذات پہنچ جائیں گے۔ آج کی رات آپ ایک ہوٹل میں گزاریں۔ کل سے کوئی آپ پر شبہ نہیں کرے گا۔ آپ یہاں آزادی سے رہیں گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''سلویٰ کے لئے کیا ہو رہا ہے؟''

''یہ ابھی میرے ساتھ جائیں گی۔ کل صبح دس بجے کی فلائٹ سے لندن روانہ ہو جائیں گی۔''

یہ سنتے ہی سلویٰ کھسک کر قریب ہو کر مجھ سے لگ گئی۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ میں نے اسے ایک بازو کے حصار میں لیا تو وہ رونے لگی۔ یوں چپکنے لگی' جیسے میرے اندر جذب ہو جانا چاہتی ہو۔

یہ اس پر ظلم ہو رہا تھا۔ قدرت نے اسے ادھوری بنایا تھا۔ مگر اس کے اندر جذبات کی

بارود بھر دی تھی۔ میں اس بارود سے کھیل نہیں سکتا تھا۔ یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ ہم جدا ہو جائیں۔ وہ بڑے صبر و تحمل سے اپنا علاج کرائے۔ علاج کامیاب ہو تو واپس آئے۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے منہ چھپالے۔

ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں پہنچ کر ہم بچھڑ گئے۔ وہ طوعاً و کرہاً اس جاں نثار کے ساتھ چلی گئی۔

ہوٹل کے ریسپشن پر دوسرا جاں نثار میرا منتظر تھا۔ اس نے میرے لئے ایک کمرہ لیا تھا۔ ہم وہاں آ کر بیٹھ گئے۔

میں نے کہا۔ ”کل تک آئی ڈی کارڈز وغیرہ مل جائیں گے۔ میں یہ موجودہ میک اپ اور بہروپ ختم کردوں گا۔ سلویٰ میرے ساتھ فوٹو گرافر مونیکا بن کر رہنے والی تھی۔ اب اس کی جگہ کسی جوان لڑکی کو نہ لایا جائے۔ آئندہ کوئی تجربہ کار بوڑھی لیڈی ہوگی۔“

”یہی ہوگا سر! اسی ہوٹل میں دو کمرے لئے جائیں گے۔ آپ نئے چہرے، نئی پرسنلٹی کے ساتھ شبہات سے بالاتر ہو کر رہیں گے۔ دوسرے کمرے میں ایک بوڑھی مونیکا رہے گی۔“

پھر اس نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے کہا۔ ”سر! آپ کے لئے ایک اہم اور چونکا دینے والی خبر ہے۔ آپ نے اپنے والد کی صورت بچپن میں دیکھی ہوگی۔ یہ دیکھیں۔“

اس نے اخبار کا صفحہ میرے سامنے کیا۔ پھر کہا۔ ”یہ آپ کے والد غازی صلاح الدین ہیں۔“

میں نے اخبار لے کر بڑی عقیدت و محبت سے جیسے پہلی بار ان کی تصویر دیکھی۔ جب وہ ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک ہوئے تھے۔ تب میں پانچ برس کا تھا۔ بعد میں امی نے ان کی ایک تصویر دکھائی تھی۔ میرے نالائق بیٹوں نے وہ تصویر کہیں گم کر دی تھی۔

اب بڑھاپے میں ان کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر ایسی بھرپور مردانگی اور ایسی سختی تھی، جیسے فولاد کو تراش کر انہیں بنایا گیا ہو۔ لوگ انہیں دیکھ مرعوب اور متاثر ہو جاتے ہوں گے۔

اخبار میں لکھا ہوا تھا۔ ”غازی صلاح الدین بدنام زمانہ مجرم شہزادہ سلمان سعدی عرف تھری ایس کا باپ ہے۔ یہی تھری ایس پاکستان میں عمیر بن غازی کے نام سے زندگی گزار رہا تھا۔ یہ پورے ایشیا میں سونے کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔

کہا جاتا ہے دونوں باپ بیٹے کے درمیان خفیہ رابطہ رہتا ہے۔ وہ پاکستان کے لئے بڑی رازداری سے بھارت کے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔

یہ عمیر بن غازی بھارت کے کسی علاقے میں چھپا ہوا ہے۔ یہی پورے دیس میں لاٹھی اور انگوٹھی کے تماشے کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے، آدھا ہندوستان انگوٹھی پہن کر اور لاٹھی لے کر چلنے لگا ہے۔

دنیا کے تمام جاسوس، تمام خفیہ ایجنسیاں اسے تلاش کر رہی ہیں۔ یہ منصوبہ بندی کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان سے باہر نہ جانے پائے۔ یہیں اسے گرفتار کر لیا جائے۔

اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ جو تھری ایس کی نشاندہی کرے گا اور گرفتار کرائے گا، اسے سونے میں تولا جائے گا۔ اس کے وزن کے برابر اسے سونا دیا جائے گا۔“

میں نے اخبار کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ”سپر پاور اور دیگر بڑے ممالک یہ بات چھپا رہے ہیں کہ وہ ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے مجھے مجرم کی حیثیت سے مشہور کر رہے ہیں اور مجھے گرفتار کرانے والے کو سونے میں تولنا چاہتے ہیں۔“

میں نے اخباری تصویر پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”بہرحال میرے پاپا اب سب سے زیادہ میرے لئے اہم ہیں۔ معلوم کرو، یہ کہاں ہیں اور کس طرح ان سے رابطہ ہو سکتا ہے؟“

اس نے کہا۔ ”سر! تمام مخالفین اسی انتظار میں ہیں کہ باپ بیٹے کے درمیان رابطہ ہو۔ وہ آپ کے پاپا کے ذریعے آپ تک آسانی سے پہنچ سکیں گے۔“

”چلو کوئی بات نہیں۔ ہم انہیں خوش کر دیں گے۔ ان کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں گے۔ انہیں بعد میں پتہ چلے گا کہ وہ خوش فہمی میں مبتلا تھے۔“

”آپ پچھلے کئی مہینوں سے طرح طرح کے مصائب میں گرفتار رہتے آئے ہیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ انتہائی بدترین حالات سے گزرتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ عجیب و غریب بات معلوم نہ کر سکے کہ آپ کے پاپا وفات پا چکے تھے۔ پھر ستر سال کے بعد زندہ ہو کر ہماری دنیا میں آئے ہیں۔“

میں نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنے جاں نثار کو دیکھا۔ وہ کبھی بے تکی باتیں نہیں کرتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر پہلے پولیس افسر نے بھی یہی کہا تھا۔

وہ جاں نثار ایشیا اور یورپ سے شائع ہونے والے کئی میگزین اپنے بیگ سے نکال کر سینٹر ٹیبل پر رکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”آپ اپنے پاپا کی پوری ہسٹری پڑھیں۔ ساری دنیا تسلیم کر رہی ہے کہ وہ اپنی وفات کے ستر سال بعد پھر سے دنیا میں آئے ہیں۔“

وہ تمام رسالے رکھ کر چلا گیا۔ میں نے ایک کو اٹھا کر پڑھا۔ پہلے تو یہی سن کر پاپا کی طرف

دل کھنچا جارہا تھا کہ وہ ابھی زندہ ہیں۔ پھر یہ رسالے عجیب و غریب باتیں کررہے تھے۔ جنہیں پڑھ کر دل ان کی طرف ایسے کھنچا جارہا تھا' جیسے ابھی اڑ کر ان کے پاس پہنچ جانا چاہتا ہو۔

یہ پڑھ کر یقین ہورہا تھا کہ دنیا کے نامور ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا تھا۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے اور مختلف مذاہب کے علماء نے تسلیم کیا تھا کہ پاپا نے موت کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد دوبارہ زندگی حاصل کی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی آیات اصحاب کہف اور البقرہ کی سورتوں کا حوالہ دیا گیا تھا۔ پھر میں کیسے یقین نہ کرتا؟

عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا تھا۔ میں نے نماز بھی پڑھی اور سجدہ شکر بھی ادا کیا۔ اب میں خود غرض رشتے داروں کی بھیڑ میں تنہا نہیں تھا۔ میرے پاپا میرے ساتھ رہنے والے تھے۔

میں نے اپنے جاں نثار سے فون پر کہا۔ ''فوراً معلوم کرو' میرے پاپا کہاں ہیں اور ہمیں کس طرح تمام مخالفین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُن تک پہنچنا چاہئے؟''

اس نے کہا۔ ''آپ کے درجنوں جاں نثار انہیں تلاش کررہے ہیں۔ کل صبح تک انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ بھی معلوم کرو کہ پاپا نے ہوائی جہاز کے حادثے سے پہلے کیسی زندگی گزاری ہے؟ میں ان کی ابتدائی لائف ہسٹری معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے فون بند کردیا۔ ان لمحات میں میرے اندر عجب طرح کی مسرتیں بھر گئی تھیں۔ اب سے پہلے باپ کی محبت اور قربت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اب ہونے والی تھی اور یہ حقیقت مجھے مست کررہی تھی کہ لہو کے رشتوں میں یہی ایک خالص رشتہ ہوگا' اسی رشتے سے مجھے یہ زندگی ملی ہے۔ وہ میرے والد ہیں اور میں ان کا بیٹا ہوں۔ یہ رشتہ' یہ مسرتیں مجھے ملنے والی تھیں۔

☆☆☆

میں غازی صلاح الدین ہوں۔ میرے چند مخالفین خزانے تک پہنچنے کے لئے مجھے تلاش کررہے ہیں اور میں اپنے بیٹے تک پہنچنے کے لئے سرگرداں ہوں۔

میں نماز کے دوران فون کو بالکل آف رکھتا ہوں۔ تاکہ عبادت کے دوران خلل پیدا نہ ہو۔ میں نے مسجد سے باہر آکر فون کو آن کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی کسی نے پکارا۔ میں نے نمبر پڑھے۔ کوئی اجنبی کال کررہا تھا۔

میں نے کال اٹینڈ نہیں کی۔ بٹن دبا کر اسے خاموش کردیا۔ کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ مجھے اندازہ تھا' پھر کال آئے گی اور یہی ہوا۔ میں نے بٹن دبا کر کہا۔ ''ہیلو

کون.....؟''

ایک انگریز نے اپنی زبان میں کہا۔ ''میں سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر بول رہا ہوں۔ تم غازی صلاح الدین بول رہے ہو؟''

''ہاں۔ میں غازی صلاح الدین ہوں۔ کیا آپ مجھے تلاش کررہے ہیں؟''

''ہاں۔ تم روپوش کیوں ہوگئے ہو؟''

''تم لوگوں سے دور رہ کر آرام و سکون سے ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے' نہ مجھ پر کسی طرح کا کوئی الزام ہے۔ نہ ہی میری گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کیا گیا ہے۔ پھر تم لوگ کیوں مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہو؟''

''مسٹر غازی! میں پرسنلی وعدہ کرتا ہوں' تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ مجھ سے ملاقات کرکے فائدے میں رہو گے۔''

''وضاحت کرو' مجھے کیا فائدہ پہنچے گا؟''

''میں تم سے ملنے کے بعد پھر کسی جاسوس کو تمہارے پاس پھٹکنے بھی نہیں دوں گا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں ابھی ملوں گا۔ تم کہاں ہو؟''

''مجھے معلوم ہوا ہے' تم کٹر مسلمان ہو۔ لہٰذا نماز پڑھنے کسی مسجد میں ضرور جاتے ہوگے۔ اس لئے یہاں کی سب سے بڑی جامع مسجد کے سامنے آیا ہوں۔''

''صحیح جگہ پہنچے ہو۔ میں یہاں بلیک ہنڈا اکارڈ میں ہوں۔ تم آجاؤ یا میں تمہارے پاس آؤں؟''

''تمہاری یہ بلیک ہنڈا نظر آرہی ہے۔ میں ابھی آرہا ہوں۔''

وہ اپنی گاڑی ایک کنارے پارک کرکے تیزی سے چلتا ہوا میری کار کی کھڑکی کے پاس آیا۔ پھر جھک کر پوچھا۔ ''مسٹر غازی صلاح الدین.....!''

میں نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے بیٹھ کر در[illegible] کرنے کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام جان البرٹ ہے۔ تم سے مل کر خوشی ہو رہی [illegible]''

''مجھے رسمی طور پر کیا کہنا چاہئے؟ کیونکہ پولیس اور انٹیلی جنس والوں [illegible] کر کبھی خوشی نہیں ہوتی۔ خدا کرے' یہ ملاقات خوش آئند ہو۔''

''خوش آئند اس طرح ہوگی کہ تم مجھ سے [illegible] رہو گے' مجھ سے دوستی رکھو گے۔ میں ایک بزرگ اور تجربہ کار افسر مانا جاتا ہوں۔ سب ہی سے کہوں گا کہ کوئی تمہارا محاسبہ نہ

کرے۔ پھر تم دیکھو گے کہ راء، موساد، سی آئی اے انٹر پول اور کسی بھی خفیہ تنظیم کا کوئی جاسوس تمہارے قریب نہیں آئے گا۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔ ایسا ہو جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

وہ بولا۔ "دراصل تمہارے بیٹے نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ دنیا کے تمام جاسوس یقین سے کہتے ہیں، تمہارے اور تھری ایس کے درمیان خفیہ رابطہ رہتا ہے۔"

"وہ غلط سوچ رہے ہیں۔ مجھے موت کے بعد یہ نئی زندگی حاصل کر کے دس ماہ ہو چکے ہیں۔ تب سے بیٹے کی صورت دیکھنے کو ترس رہا ہوں۔ میں نے تو اس کی آواز بھی نہیں سنی ہے۔"

"اگر تم دن رات میری نگرانی میں رہو گے اور مجھے معلوم ہوتا رہے گا کہ کہاں ہو؟ کہاں جا رہے ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟ کن لوگوں سے مل رہے ہو تو میں گواہی دوں گا کہ تم سے ملنے والوں میں تھری ایس کبھی نظر نہیں آتا ہے۔"

"بیشک۔ تمہارے ذریعے یہ ثابت ہو جائے گا کہ بیٹے سے میرا کوئی رابطہ نہیں رہتا ہے۔ لیکن میری ذاتی آزادی ختم ہو جائے گی۔ اگر میں رازداری سے کسی سے عشق بھی کروں گا، کسی خاتون سے ملنا چاہوں گا تو وہ ملاقات راز میں نہیں رہے گی۔"

"یہ ہمارے علم میں ہے کہ تم کسی سے عشق نہیں کر رہے ہو۔ اس کے برعکس عبادت میں مصروف رہتے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے۔ اس معبود نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ میں اسم اعظم پڑھتے ہوئے یہ زندگی گزار دینا چاہتا ہوں۔"

"تم اپنے دینی معاملات میں آزاد ہو۔ رازداری کی کوئی بات نہیں ہے۔ میری بات مان لو۔"

"مان لیتا ہوں۔ تم میری نگرانی کرتے رہو۔ ابھی یہاں سے ہوٹل تاج محل جا رہا ہوں۔ چار گھنٹے بعد شام کے سات بجے تک انسپکٹر جنرل آف پولیس دارا اکبر کے گھر جاؤں گا۔ پھر وہاں سے ڈنر کے بعد ہوٹل واپس آ جاؤں گا۔ صبح تک وہاں رہوں گا۔ پھر فجر کی نماز پڑھنے یہاں آؤں گا۔"

اس نے کہا۔ "تمہارا نمبر میرے پاس ہے۔ میرا نمبر تمہارے فون میں آ چکا ہے۔ آئندہ فون کے ذریعے رابطہ رہے گا۔"

وہ مصافحہ کر کے کار سے باہر چلا گیا۔ اب میں سی آئی اے والوں کی نگرانی میں رہنے

والا تھا۔ اگر چاہتا تو ڈپٹی ڈائریکٹر جان البرٹ سے کترا جاتا۔ اسے ڈاج دے کر ہوٹل کے کمرے میں آ جاتا۔ لیکن اس طرح چھپ کر میں تمام سراغ رسانوں کو اپنا مخالف بنا رہا تھا۔ جبکہ شکار گاہ کے پوجا گھر کے معاملے میں ہزاروں ہندو پہلے ہی مخالف ہو گئے تھے۔

ایسی صورت میں قانون کے محافظوں کو دوست بنائے رکھنا ہی دانشمندی تھی۔ انہیں یہ یقین دلائے رکھنا لازمی تھا کہ میں نے اپنے بیٹے کا سایہ تک نہیں دیکھا ہے۔

یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ بیٹے سے اچانک ملاقات ہوگی تو غضب ہو جائے گا۔ وہ نہیں جانتا ہے کہ میری نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ میرے قریب آتے ہی سی آئی اے والوں کی نظروں میں آ جائے گا۔

عقل سمجھا رہی تھی، مجھے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ بیٹا اطلاع دیئے بغیر اچانک ہی میرے قریب نہ آئے۔ کچھ ایسا ہو جائے کہ پہلے ہمارے درمیان فون کے ذریعے رابطہ ہو جائے۔ پھر ہم سی آئی اے والوں کو ڈاج دینے کے کئی تماشے دکھا سکیں گے۔

ادھر آئی جی آف پولیس دارا اکبر، بھیم پارہ کے مندر کا پنڈت اور مندر کمیٹی کا چیئرمین سب ہی مجھے تلاش کر رہے تھے۔ سب ہی دوستی کر کے مجھے شیشے میں اتار کر خزانے تک پہنچنا چاہتے تھے۔

دارا اکبر ان سب سے پہلے مجھے پھانسنے کے لئے منصوبہ بنا چکا تھا۔ اس نے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی۔ شام ہی سے آنے کی تاکید کی تھی۔ سی آئی اے کے جان البرٹ کی طرح اس نے بھی کہا تھا کہ میرے دوست بن کر رہو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے۔ میں قانون کے آہنی ہاتھوں کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک دوں گا۔

حقیقتاً وہ اپنی جوان بیٹی ثناء اور بیوی رباب کے ذریعے مجھے ٹریپ کرنا اور خزانے تک پہنچنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی غیر معمولی قوت سماعت کے ذریعے اس کی بیوی اور بیٹی کی باتیں سنی تھیں اور یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بڑے پیار سے بڑی حکمت عملی سے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔

میں نے ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے اپنی قوت سماعت سے جان البرٹ کی باتیں سنیں۔ وہ ماتحت سراغ رسانوں کو میری آج کی تمام مصروفیات کے بارے میں بتا کر کہہ رہا تھا کہ انہیں دور ہی دور سے میری نگرانی کرنی چاہئے۔

پھر وہ راء، موساد اور دوسری خفیہ ایجنسیوں کے اعلیٰ افسران سے رابطہ کر رہا تھا۔ کہہ

رہا تھا۔ ”میرے معاملات غازی سے طے ہوگئے ہیں۔ آئندہ وہ سی آئی اے والوں کی نظروں میں رہا کرے گا۔ ہم اس سے ملاقات کرنے والوں پر آسانی سے نظر رکھیں گے۔ لہٰذا کسی بھی ایجنسی کے کسی بھی جاسوس کو اس کے قریب نہیں جانا چاہئے اور نہ ہی فون کے ذریعے اس کا محاسبہ کرنا چاہئے۔“

راء کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”تھری ایس ہمارے ملک میں ہے۔ ہم اس کے باپ کے ذریعے اسے آسانی سے ٹریپ کرسکتے ہیں۔ لیکن تم ہمیں غازی کا محاسبہ کرنے سے روک رہے ہو۔“

البرٹ نے کہا۔ ”ہم صرف ایک ہفتے تک غازی کی نگرانی کریں گے اور اس کے ذریعے تھری ایس تک پہنچنا چاہیں گے۔“

موساد کے اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ ”پھر ایک ہفتے بعد کیا ہوگا؟“

اس نے کہا۔ ”وہ شکارگاہ کے مقدمے کے سلسلے میں سات تاریخ کو عدالت میں حاضر ہوگا۔ ایسے وقت ہم اسے گرفتار کریں گے۔ پھر مختلف میڈیا نہ کے ذریعے اعلان کریں گے کہ تھری ایس نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش نہ کیا تو اس کے باپ کو گولی ماردی جائے گی۔“

یہ ہمارے مخالفین کی کیننگی تھی۔ ابھی جان البرٹ نے دوست بن کر مجھے تحفظ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن یہ طے کرچکا تھا کہ میرے بیٹے نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش نہ کیا تو وہ تحفظ دینے والا مجھے گولی ماردے گا۔

دوسری طرف دارا اکبر نے بھی وعدہ کیا تھا کہ کسی بھی پولیس اور انٹیلی جنس والے کو میرے خلاف کسی طرح کی کوئی کارروائی کرنے نہیں دے گا۔ لیکن اسے خزانہ حاصل نہ ہوتا تو وہ جھنجھلا کر مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیتا۔

ہم باپ بیٹا جن حالات سے گزر رہے تھے' ان کے پیش نظر اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن حالات کا یہ تقاضہ بھی تھا کہ میں عارضی طور پر دشمنوں سے دوستی کرلوں۔ جان البرٹ کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھوں کہ اس کے جھانسے میں آچکا ہوں۔

میں اسی دارا اکبر کو سبز باغ دکھا رہا تھا کہ وہ جلد ہی مجھے الو بنا کر خزانہ حاصل کرنے والا ہے۔ میں شام کو اس کے بنگلے کے سامنے پہنچا۔ وہ انسپکٹر جنرل آف پولیس تھا۔ بنگلے کے باہر اور اندر مسلح سپاہی الرٹ رہتے تھے۔ میں نے اپنے پہنچنے کی اطلاع دی تو وہ اعلیٰ افسر میرے استقبال کے لئے احاطے کے گیٹ پر آگیا۔ آسان الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ خزانے کے

استقبال کے لئے آیا تھا۔

اسے صرف مصافحہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اس نے مجھے گلے لگا کر یوں بھینچ لیا' جیسے ہیرے جواہرات اپنے اندر جذب کررہا ہو۔ پورچ میں اس کی بیوی رباب اور بیٹی ثناء کھڑی ہوئی تھیں۔ اگر وہاں مسلح سپاہی نہ ہوتے تو وہ ماں بیٹی بھی مجھے اپنے اندر اتار لینے کی کوششیں کرتیں۔

رباب چالیس برس کی ہوگی۔ لیکن سولہ برس کی چھوکری بننے کی بھرپور کوششیں کرکے آئی تھی۔ میں نے اس پر ایک نظر ڈالی پھر آنکھیں ثناء پر ٹھہر گئیں۔ ایسی بات نہیں تھی کہ اس کے حسن وشباب نے متاثر کیا تھا۔

نہیں۔ اسے دیکھتے ہی یکبارگی پھول وتی سامنے آگئی تھی۔ وہی قد' ویسی ہی جسامت' چہرے پر راجکماری کی رونق اور رعونت تھی۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے اس کی آنکھیں بول رہی ہوں۔ مجھ سے پوچھ رہی ہوں۔ ”کہاں گم ہوگئے تھے؟ پچھلے ستر برسوں سے انتظار کررہی ہوں۔ راجہ پرتھوی ولبھ کے راج محل سے نکل کر تمہاری زندگی کے چور دروازے سے چلی آئی ہوں۔“

میں حیران تھا۔ اس پر سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔ کیا عجب ماجرہ تھا؟ میں دشمن کا گھر سمجھ کر آیا تھا اور وہاں گمشدہ پیار کی بھرپور جھلک مل رہی تھی۔

ثناء نے طرح طرح کی تدبیریں سوچ رکھی تھیں کہ کس طرح مجھے متاثر کرے گی اور اپنی طرف مائل کرے گی؟ لیکن سامنا ہوتے ہی وہ کسی کوشش کے بغیر کامیاب ہورہی تھی۔ میری دیوانگی نے اسے اور اس کے ماں باپ کو سمجھا دیا کہ میں ان کی بیٹی پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا ہوں۔

دارا اکبر نے کہا۔ ”یہ میری بیٹی ثناء ہے۔ میں اس کے بارے میں کیا کہوں؟ سب ہی کہتے ہیں' لاکھوں میں ایک ہے۔ اور یہ میری وائف رباب ہے۔ شادی سے پہلے مقابلہ حسن میں مس انڈیا بننے والی تھی۔ لیکن جج حضرات کی جانبداری کے باعث یہ اعزاز دوسری دوشیزہ لے گئی۔“

میں نے رباب کو مسکرا کر دیکھا۔ دل میں کہا۔ ”کھنڈر بتا رہے ہیں' عمارت عجیب رہی ہوگی۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”میں آج بھی کسی مس انڈیا سے کم نہیں ہوں۔ جوہری کی نظر رکھنے والے ہی میری قدر جان سکتے ہیں۔“

وہ اشارتاً کہہ رہی تھی کہ مجھے جوہری بن کر اس کی قدر کرنا چاہئے۔ میں تو ثناء کو دیکھ کر حیران ہورہا تھا اور بے اختیار اپنے ماضی کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

ہم ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ ثناء اور رباب کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ لیکن پھول وتی مجھے ماضی کی طرف کھینچ رہی تھی۔

جب اس نے دین اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ تب مجھ سے کہا تھا۔ "ہمارے دھرم میں آواگون پر سب ہی یقین رکھتے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد پھر جنم لیتے ہیں۔ اگر میں مرجاؤں گی تو پھر تمہارے لئے جنم لے کر اس دنیا میں آؤں گی۔"

ہمارا اسلامی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد قیامت کے دن ہی اٹھائے جائیں گے۔ مجھے قیامت سے پہلے جو زندگی ملی تھی' وہ عجیب وغریب اور ناقابل فہم تھی۔ ایسا سب ہی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ لیکن صدیوں بعد قرآن مجید میں بیان کئے ہوئے واقعات کی تصدیق کے لئے کبھی کسی کو موت کے برسوں بعد نئی زندگی ضرور ملی ہوگی۔ جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ فی الحال یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ میں نے حیات نو پائی ہے۔

دارا اکبر نے کہا۔ "مندر کمیٹی کا چیئرمین اور پنڈت تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کبھی ان سے ملو۔"

میں نے کہا۔ "آپ ہماری اس ملاقات کو راز میں رکھنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے' پنڈت اور چیئرمین سات تاریخ سے پہلے مجھے ڈھونڈ نہیں پائیں گے۔ لیکن سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر جانتا ہے کہ میں اس وقت آپ کے بنگلے میں ہوں۔ میری نگرانی ہو رہی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔ میں نہیں چاہوں گا کہ تم کسی کی نگرانی میں رہو۔"

"تو پھر کوئی تدبیر کریں کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔"

"تدبیر تو کرنی ہی ہوگی۔ اس دیس کے کئی منتری میرے دوست اور ہم راز ہیں۔ میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔ وہ تم پر سے سی آئی اے والوں کا پہرہ ہٹا دیں گے۔"

"یہ امریکی سی آئی اے والے اپنے باپ کی بھی بات نہیں مانتے' وہ کئی منتری تو کیا' پردھان منتری کے دباؤ میں بھی نہیں آئیں گے۔ میرے بیٹے تک پہنچنے کے لئے دن رات میری نگرانی کرتے رہیں گے۔"

"میں پولیس والا ہوں۔ سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلے تو ٹیڑھی انگلی سے نکال لیتا ہوں۔ تم میری بیٹی اور وائف سے باتیں کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ فون اٹھا کر جانے لگا۔ میں نے کہا۔ "ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولا۔ "ہاں۔ ہاں جو بات ہے' کھل کر بولو۔"

"میں آپ کی صاحبزادی سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ثناء خوش ہوگئی۔ رباب بجھ سی گئی۔ دارا اکبر نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"

پھر اس نے بیٹی سے کہا۔ "ثناء! غازی کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔"

وہ اپنے فون پر نمبر پنچ کرتا ہوا چلا گیا۔ ثناء شرماتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے جھکی جھکی نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک طرف جانے لگی۔ میں اس کی طرف یوں کھنچا جا رہا تھا' جیسے ان دیکھی زنجیروں سے اس کے ساتھ باندھ دیا گیا ہوں۔

میں نے ایک نظر رباب پر ڈالی۔ صاف سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ سلگ رہی ہے۔ میں اسے نظر انداز کرتا ہوا ثناء کے پیچھے چلتا ہوا اس کے کمرے میں آ گیا۔

اس نے کہا۔ "آپ میری ممی اور ڈیڈی کے سامنے کتنی بیباکی سے دیکھتے رہے ہیں۔ کیا مجھ میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں بہت ہی خاص بات ہے۔ کیا تمہیں ایسا لگتا ہے کہ تم نے پہلے بھی مجھے کہیں دیکھا ہے؟"

"کیا آپ نے مجھے پہلے کہیں دیکھا ہے؟"

"میں تمہاری بات کا جواب دوں گا۔ پہلے میرے سوال کا جواب دو۔"

"ہاں۔ آپ کو دو بار خوابوں میں دیکھ چکی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "خوابوں میں ہم کہاں ملے تھے؟"

وہ ذرا چپ رہی۔ پھر بولی۔ "میں نے بچپن سے اب تک شہری زندگی گزاری ہے۔ کبھی کسی جنگل میں نہیں گئی۔ لیکن پہلی بار خواب میں ایک ہرا بھرا گھنا جنگل دیکھا۔ وہاں آپ میرے ساتھ تھے۔"

میں نے دل میں کہا۔ "ہاں۔ ہمارے پیار کی ابتداء بھیم پارہ کے ایک جنگل سے ہوئی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "ہم جنگل میں کیوں ملے تھے؟"

"میں کیا بتاؤں؟ خود سوچ رہی تھی' حیران ہو رہی تھی کہ زندگی میں کبھی جنگل نہیں دیکھا' خواب میں کیوں دیکھا؟ اور آپ کون ہیں؟ کیا شہر میں نہیں' جنگل میں رہتے ہیں؟"

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی۔ "جب میں نے اخباروں میں آپ کی تصویریں دیکھیں 'آپ کو ٹی وی اسکرین پر چلتے پھرتے اور بولتے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ حیرانی یہ تھی کہ یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے آپ کو خواب میں دیکھ چکی تھی۔"

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر نظریں جھکا کر کہا۔ "میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔ پھر آپ نے ایک چینل پر کہا تھا کہ اپنی بیوی پھول وتی کے ساتھ ایک ہوائی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ یہ یقین کریں کہ آپ کی باتیں سننے سے پہلے میں نے دوسری بار خواب میں خود کو آپ کے ساتھ ہوائی جہاز میں دیکھا تھا۔"

"ہوائی جہاز میں کیا دیکھا تھا؟"

"وہاں ایک مختصری ملاقات ہوئی تھی۔ پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔"

میں نے دل میں کہا۔ "یقیناً وہ موت کا اندھیرا تھا اور ہم اس تاریکی میں بچھڑ گئے تھے۔"

ثناء نے پوچھا۔ "اب آپ بتائیں' کیا آج سے پہلے مجھے کہیں دیکھا ہے؟"

میں نے اسے بڑے پیار سے' بڑے جذبے سے دیکھا۔ وہ شرمانے مسکرانے لگی۔ پھر بولی۔ "ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"تم نے اخباروں میں اور مختلف چینلز پر مجھے دیکھا اور پہچان گئیں کہ میں ہی تمہارے خوابوں میں آ رہا ہوں۔ لیکن تم نے میری محبوبہ' میری شریک حیات پھول وتی کو کبھی نہیں دیکھا ہے۔ ایک بار دیکھ لیتیں تو آئینہ دیکھتے ہی کہہ دیتیں کہ تم ہی میری پھول وتی ہو۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے بولی۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا میں واقعی آپ کی پھول وتی جیسی ہوں؟"

"سر سے پیر تک ہو بہو وہی ہو۔"

"میں نے اب تک کسی نامحرم سے نہ دلچسپی لی تھی' نہ کسی کو چھونے کی خواہش کبھی پیدا ہوئی تھی۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے ایک ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "مجھے چھو کر یقین کرنے دو کہ میری پھول وتی واپس آ گئی ہے۔"

ثناء جیسے کھنچی چلی آئی۔ ہماری سانسیں ایک دوسرے کو آنچ دینے لگیں۔ وہ مجھے ستر برس کے بعد مل رہی تھی۔ میری طرح وہ بھی دنیا میں واپس آئی تھی۔ میں نے بے اختیار اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

دل جسے چاہتا ہے' اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ میں ثناء کا نہیں پھول وتی کا دیوانہ ہو رہا تھا اور وہ میرے جذبات کے مطابق پھول وتی بن کر مجھے دھوکا دے رہی تھی۔

بہت چالاک تھی۔ اس نے مختلف اخبارات میں میری پوری ہسٹری پڑھی تھی۔ جو روداد شائع ہوتی رہی تھی۔ اس میں پھول وتی کا ذکر تھا کہ میری اور اس کی ملاقات کیسے ہوئی تھی؟ اور وہ کیسے رازداری سے دین اسلام قبول کر کے میری شریک حیات بن گئی تھی پھر یہ کہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔

ثناء نے بہت کچھ پڑھا تھا۔ اس کے مطابق اس نے جھوٹ کہا تھا کہ وہ مجھے دو بار خوابوں میں دیکھ چکی ہے۔ میں ایسی باتوں سے کبھی دھوکا نہ کھاتا۔ لیکن قسمت کا عجب تماشہ تھا کہ وہ پھول وتی کی ہم شکل تھی۔ اس سے مشابہت رکھنا محض ایک اتفاق تھا۔ لیکن میں اسے دیکھ کر پاگل ہو رہا تھا۔

میں ایسا قد آور ہوں کہ پھول وتی قد آور ہونے کے باوجود میری کمر تک آتی تھی۔ میں اسے بازوؤں میں اٹھا کر اپنی دھڑکنوں سے لگاتا تھا۔ وہی وقت' وہی منظر لوٹ آیا تھا۔ میں اپنی پھول وتی کو انگ انگ سے بڑے ترنگ سے پا رہا تھا۔ وہ بھی خود کو مجھ پر نچھاور کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں راجہ پرتھوی ولبھ کی بیٹی ہوں۔"

میں نے جذبات کے شور اور ہنگاموں میں کہا۔ "ہاں۔ تم میری پھول وتی ہو۔"

"میرے پتا مہاراج کے خفیہ خزانے پر میرا حق ہے۔"

میں بدن کے خزانوں تک پہنچ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "بیشک تم ہی تمام خزانوں کی حقدار ہو۔"

"میں تمہاری شریک حیات ہوں۔ تم اپنا حق وصول کر رہے ہو۔ میرا بھی حق مجھے ادا کرو۔ مجھے ابھی خزانے تک پہنچاؤ۔"

"ضرور پہنچاؤں گا۔ لیکن ابھی صرف پیار کی باتیں کرو۔"

وہ مطمئن ہو گئی۔ اس کے اور اس کے ماں باپ نے سوچا تھا کہ مجھے شیشے میں اتارنا بہت مشکل ہو گا۔ شائد میں انہیں خفیہ خزانے تک نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن وہ جتنا مشکل سمجھ رہے تھے اتنا ہی وہ مرحلہ آسان ہو گیا تھا۔

انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی بیٹی پھول وتی کی ہم شکل ہے اور ایسی مشابہت نے ان کی مشکلیں آسان کر دی تھیں۔ یہ سچ ہے' عورت کدال اٹھا کر زمین نہیں کھودتی۔ گھر بیٹھے اپنے حسن و شباب کے جادو منتر سے زمین کی تہہ میں خفیہ خزانوں تک پہنچ جاتی ہے۔

دو گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ رباب کی آواز سنائی دی۔ ''ثناء! کھانا لگ رہا ہے۔ ڈائننگ ٹیبل پر آجاؤ۔''

ثناء نے کہا۔ ''او کے مام! ہم آدھے گھنٹے میں آرہے ہیں۔''

رباب چلی گئی۔ میں نے کہا۔ ''تم میری پھول وتی ہو۔ اپنے والدین سے کہو' تمہیں کسی اور نام سے نہ پکاریں۔''

وہ بولی۔ ''یہ نام بہت خوبصورت ہے۔ آج سے سب ہی مجھے اس نام سے پکاریں گے۔''

پھر وہ بیڈ سے اتر کر بولی۔ ''میں ابھی شاور لے کر آتی ہوں''

تب مجھے احساس ہوا کہ عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ میں نے کہا۔ ''پہلے میں شاور لوں گا۔ لیکن نماز پڑھنے کے لئے دوسرا لباس نہیں ہے۔ مجھے ہوٹل جانا ہوگا۔''

وہ میری گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ ''اب تو میں کہیں جانے نہیں دوں گی۔ ابھی ڈیڈی سے کہتی ہوں' وہ تمہارا سامان ہوٹل سے لے آئیں گے۔''

اس نے الماری سے ایک دھلی ہوئی چادر نکال کر مجھے دی اور کہا۔ ''تم غسل کر کے اسے لپیٹے رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

میں چادر لے کر باتھ روم میں گیا۔ وہ فاتحانہ انداز میں اپنے والدین کے پاس آئی۔ پھر بڑے فخر سے بولی۔ ''میں نے ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔ غازی کہتے ہیں' میں ان کی شریک حیات پھول وتی ہوں اور وہ مدفون خزانہ میرے باپ پرتھوی ولبھ کا ہے۔ اس لئے میں اس خزانے کی حقدار ہوں۔ جب کہوں گی' وہ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔''

باپ نے خوشی سے جھوم کر بیٹی کو آغوش میں لے کر چوم لیا۔ ''واہ! میری بیٹی نے تو کمال کر دیا۔ ہم ابھی اسی وقت وہاں جائیں گے۔''

وہ بولی۔ ''جلدی نہ کریں۔ پہلے انہیں نماز پڑھنے اور کھانے پینے دیں۔ آپ ابھی ہوٹل جا کر ان کا سامان لے آئیں۔ وہ لباس بدلنا چاہتے ہیں۔ فوراً جائیں۔ دیر نہ کریں۔''

''ابھی جاتا ہوں۔ ابھی اس کا سامان لے آتا ہوں۔''

وہ آئی جی آف پولیس جیسے خوشی سے ناچ رہا تھا۔ کہیں ایک جگہ ٹک نہیں رہا تھا۔ اپنی بیوی رباب کو بھی پیار کر رہا تھا۔ ثناء نے کہا۔ ''غازی چاہتے ہیں' آج سے سب ہی مجھے پھول وتی کہا کریں۔ یہ بھول جائیں کہ میرا نام ثناء ہے۔''

رباب نے ناگواری سے کہا۔ ''یہ کیا بات ہوئی؟ ہم مسلمان ہیں۔ تمہیں ہندوانہ نام

سے کیوں پکاریں گے؟''

دارا اکبر نے کہا۔ ''خزانے تک پہنچو۔ نام اور دین دھرم کا حساب نہ کرو۔ بے حساب دولت حاصل کرنے کے لئے میں بھی راجہ پرتھوی ولبھ بن جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر وہ ہوٹل کی طرف چلا گیا۔ ثناء نے باپ کے جانے کے بعد ماں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''مام! آپ نے کہا تھا' میں کامیاب ہو جاؤں گی تو آپ غازی کی طرف سے باز آجائیں گی۔ میں نے ان کے ساتھ دو گھنٹے گزارے ہیں۔ ان کی پھول وتی بن چکی ہوں۔ آپ انہیں اپنا داماد تسلیم کرلیں۔''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''تم ہمیں خزانے تک پہنچانے والی ہو۔ ہم ماں بیٹی کے تمام اختلافات ختم ہو چکے ہیں۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ ایسے ہی وقت ثناء کی طبیعت گھبرانے لگی۔ وہ ماں سے الگ ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''مام! مجھے کچھ ہو رہا ہے' دل گھبرا رہا ہے۔''

یہ کہتے ہی وہ ''اوں اوں'' کی آوازیں نکالتی ہوئی جھک گئی۔ ابکائی آرہی تھی۔ مگر پیٹ خالی تھا۔ کچھ نکل نہیں رہا تھا۔ ماں نے اسے چھو کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

وہ بیٹی کو سہارا دے کر اپنے بیڈ روم میں لے آئی۔ فوراً ہی فیملی ڈاکٹر کو فون پر کہا۔ ''ثناء کی طبیعت اچانک ہی خراب ہوگئی ہے۔ پلیز فوراً آؤ۔ یہ بہت گھبرا رہی ہے۔''

ان کی فیملی لیڈی ڈاکٹر آدھے گھنٹے کے اندر وہاں پہنچ گئی۔ اس نے ثناء کا معائنہ کیا۔ گھبراہٹ دور کرنے کے لئے دوائیں کھلائیں پھر کہا۔ ''یہ ماں بننے والی ہے۔''

یہ دماغ کو جھٹکا پہنچانے والی بات تھی۔ رباب نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تم جانتی ہو' اس کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ یہ ابھی کنواری ہے۔''

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ میرا علم' میرا تجربہ جو کہہ رہا ہے' وہی بول رہی ہوں۔ اگر یقین نہیں ہو رہا ہے تو کسی اور ڈاکٹر سے معائنہ کرالیں۔ الٹرا ساؤنڈ کرالیں۔ ویسے جب تک طبیعت نہیں سنبھلے گی۔ میں یہاں رہوں گی۔''

ثناء اپنے وجود کے اندر ایک بوجھ سا محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ رہ رہ کر سر چکرا رہا تھا۔ وہ حیرانی سے اور پریشانی سے سوچ رہی تھی کہ اچانک حاملہ کیسے

ہوگئی ہے؟

یہ خدا جانتا تھا کہ اب سے پہلے کوئی مرد اس کی تنہائی میں نہیں آیا تھا۔ اب سے تھوڑی دیر پہلے صرف میں اس کی تنہائی کا رازدار تھا۔ کیا اتنی جلدی حمل ٹھہر سکتا ہے؟

ایسا تو کبھی نہیں ہوتا۔ اور جیسا کبھی نہیں ہوتا' ویسا ہو رہا تھا۔

دارا اکبر انسپکٹر جنرل آف پولیس تھا۔ اسے ہوٹل سے میرا سامان لانے پر کسی نے نہیں روکا۔ وہ گھر پہنچا تو اسے یہ ناقابل یقین خبر ملی کہ وہ نانا جان بننے والا ہے۔ اس نے بیوی سے کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہماری بیٹی تو کنواری ہے۔''

یہ کہتے ہی اسے چپ لگ گئی۔ اس کے دماغ نے چیخ کر کہا۔ ''تم نے بیٹی کو ایک غیر مرد کے ساتھ بند کمرے میں چھوڑ دیا۔ کیا ایسی دلالی کے بعد بیٹی کنواری رہے گی؟''

وہ سر جھکا کر میرا سامان لے کر کمرے میں آیا۔ اس نے جھکی جھکی نظروں سے مجھے دیکھا۔ مجھ سے پوچھ نہیں سکتا تھا کہ میں نے اس کی بیٹی کے ساتھ یہ کیسا کارنامہ انجام دیا ہے؟ کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابھی بیج بویا اور ابھی فصل اُگ آئی؟

میں نہیں جانتا تھا' ثناء کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میرا سامان آتے ہی میں ایک لباس پہن کر اس کمرے میں نماز پڑھنے لگا۔ دارا اکبر بیٹی کے پاس چلا گیا۔

اس کی بیٹی میری زندگی میں غیر معمولی اہمیت اختیار کر رہی تھی۔ پھول وتی بن کر میرے حواس پر چھا رہی تھی۔ چار رکعتیں پڑھنے کے بعد احساس ہوا کہ میں جائے نماز پر خدا کے سامنے تھا' سجدے کر رہا تھا مگر بے خیالی میں پھول وتی کے ساتھ تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد اس کی قربت مجھے جائے نماز سے دور لے گئی تھی۔

میں نے پریشان ہو کر سوچا۔ ''یہ تو میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس معبود نے میری پھول وتی کو ثناء کے روپ میں لوٹایا ہے اور میں عبادت کے دوران اپنے الرحمن الرحیم کو بھول کر اس معشوق کو یاد کرتا رہا۔''

میں نے توبہ کی۔ پھر دوسری چار رکعتیں پوری توجہ سے پڑھنے کی کوشش کی۔ ایسے وقت کہتے ہیں کہ شیطان بہکاتا ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم خود ہی بھٹکتے ہیں اور الزام شیطان کو دیتے ہیں۔ میں بھی بہکتا رہا' کبھی سنبھلتا رہا۔ یوں کسی طرح عشاء کی نماز ادا کی۔

ایسے تو سب ہی نماز پڑھتے ہیں۔ آدھا دھیان خدا کی طرف ہوتا ہے اور آدھا دنیاوی معاملات میں الجھا رہتا ہے۔ لیکن میری نمازیں دل و دماغ کی اور روح کی گہرائیوں سے ہوا

کرتی تھیں۔ مجھے بابا سائیں نے سمجھایا تھا کہ نماز شروع کرتے ہی کس طرح عبادت میں غرق ہو جانا چاہئے؟ جیسے ڈوب کر تمام ہو چکے ہو۔ ہم دنیا کے لئے اور دنیا ہمارے لئے مر چکی ہو اور ہمارے وجود میں صرف اللہ ہی اللہ کی گونج سنائی دے رہی ہو۔

میں نے بڑی مشقوں اور بڑی ریاضت کے بعد عبادت میں محو ہونا سیکھا تھا۔ بابا سائیں نے فرمایا تھا۔ ''نماز خشوع و خضوع سے ہوگی تو ڈوب کر اسم اعظم پڑھنا آ جائے گا۔''

میں ان کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا اور بڑی کامیابی سے اسم اعظم پڑھنے لگا تھا۔ اسی اسم اعظم کی بدولت تہہ خانے کی دیوار کو در بنا کر خزانے تک پہنچا کرتا تھا۔

میں نے عہد کیا کہ آج تہجد کی نماز پوری محویت سے پڑھوں گا۔ میں وہاں سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ دارا نے کہا۔ ''ثناء بیمار ہے۔ تمہیں یاد کر رہی ہے۔''

میں اس کے ساتھ رباب کے بیڈ روم میں آیا۔ ایک آدھ گھنٹہ پہلے اسے دیکھا تھا' وہ پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ اب ایکدم سے زرد پڑ گئی تھی۔ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔

میں نے بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔ ''یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

اس نے اپنے والدین کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکا کر کمرے سے چلے گئے۔ وہ بولی۔ ''تم نماز پڑھ کر آئے ہو۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہتی ہوں' تم میری زندگی میں' میری تنہائی میں آنے والے پہلے مرد ہو۔ صرف تم نے ہی مجھے پیار کیا ہے۔''

میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''مجھے یقین ہے' تم صرف میرے لئے ہی پیدا ہوئی ہو۔ میرا اور کوئی رقیب ہے' نہ ہوگا۔''

''پھر میرے پاؤں کیسے بھاری ہو گئے؟ میں ماں بننے والی ہوں۔''

میں نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ تمہارے آنے سے پہلے میں ایک ہلکی پھلکی سی کنواری لڑکی تھی۔ یہ تمہاری قربت کا کیسا جادو ہے کہ اچانک بوجھل ہو گئی ہوں؟ نہ کنواری ہوں نہ سہاگن اور اچانک ہی حاملہ ہو گئی ہوں؟''

''میں نہیں مانتا۔ تمہیں فوراً کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔''

''ابھی میری فیملی ڈاکٹر نے آ کر اچھی طرح معائنہ کیا ہے۔ وہ پورے یقین سے کہہ رہی ہے کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ کل الٹرا ساؤنڈ ہوگا تو صحیح رپورٹ سامنے آئے گی۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ ''کیا یہ ممکن ہے؟''

میرے ایمان نے کہا۔ ''خدا کے کارخانے میں ہر بات ممکن ہے۔''

یہ خیال بھی آیا۔ ''کیا ثناء جھوٹی اور چالباز نہیں ہے؟

پتہ نہیں اور کتنوں کے ساتھ منہ کالا کیا ہو؟''

میں نے تڑپ کر سوچا۔ ''ہرگز نہیں۔ میری پھول وتی کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ وہ پہلے بھی میری زندگی میں آئی تو اچھوتی اور پاکباز تھی۔ آج بھی کوری کنواری میرے پاس آئی تھی۔''

یہ بہت ہی الجھانے والا معاملہ تھا۔ ابھی ایک ہی بار ہمارا ملاپ ہوا تھا۔ کیا اتنی جلدی ماں بننے کے آثار پیدا ہو جائیں گے؟

نہیں۔ کل کی میڈیکل رپورٹ بتائے گی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

دارا اکبر خزانے تک پہنچنے کے لئے بے چین تھا اس نے کمرے میں آ کر بیٹی سے کہا۔ ''یہ خواہ مخواہ نئی الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ کل معلوم ہو جائے گا کہ ہماری فیملی ڈاکٹر کی تشخیص غلط ہے۔ تمہاری اس اچانک بیماری کی کوئی دوسری وجہ معلوم ہو گی۔ تم حوصلہ رکھو۔ ابھی کام کی باتیں کرو۔''

وہ بولی۔ ''میں غازی سے باتیں کر چکی ہوں۔ یہ کہہ چکے ہیں کہ میں ان کی پھول وتی ہوں اور وہ تمام خزانہ میرا ہے۔''

''تو پھر اس خزانے کو یہاں تمہارے پاس ہونا چاہئے۔''

میں نے کہا۔ ''خزانہ اتنا ہے کہ اسے کئی کھیپ میں لانا ہو گا۔ ایک ہی دن میں نہیں لاسکیں گے۔''

وہ بولا۔ ''جیسا مناسب ہو گا' ویسا ہی کریں گے۔ پہلے ہمیں وہاں لے چلو۔''

''سی آئی اے والے میری نگرانی کر رہے ہیں۔ ہم وہاں جائیں گے تو وہ بھی ہمارے پیچھے خزانے تک پہنچ جائیں گے۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''کیا مصیبت ہے؟ آج ہی ان کتوں کو ہمارے پیچھے آنا تھا۔ لعنت ہے' ابھی اپنے آدمیوں سے معلوم کرتا ہوں کہ کتنے جاسوس تمہاری نگرانی کر رہے ہیں؟ وہ کہاں ہیں اور کس بھیس میں ہیں؟''

وہ فون پر نمبر پنچ کرتا ہوا بڑبڑایا۔ ''آج کی رات یونہی گزر جائے گی۔ ہم ابھی وہاں نہیں جاسکیں گے۔ کیا ہمیں اس شکارگاہ میں جانا ہو گا؟''

میرا جواب سننے سے پہلے وہ فون پر بولنے لگا۔ ''ہیلو۔ کیا رپورٹ ہے؟ وہ سی آئی اے والے کہاں ہیں؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''اب تک تین افراد ہماری نظروں میں آ چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے' یہ تین ہی ہیں۔ کوئی چوتھا ہوتا تو ہم اسے بھی ڈھونڈ نکالتے۔ حکم کریں' ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''انتظار کرو۔ ابھی فون کروں گا۔''

پھر وہ فون بند کر کے مجھ سے بولا۔ ''وہ صرف تین ہیں۔ جب صبح ہم یہاں سے نکلیں گے تو اس سے پہلے میرے آدمی انہیں گولی مار دیں گے۔ پھر کوئی ہمارے پیچھے نہیں آئے گا۔''

میں نے کہا۔ ''یہ بہت بڑی غلطی ہو گی۔ سی آئی اے کے علاوہ اور دوسری تمام ایجنسیوں کے جاسوس یہی کہیں گے کہ میرے بیٹے تھری ایس نے مجھ سے چھپ کر ملنے کے لئے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس الزام میں مجھے گرفتار کر لیا جائے گا۔''

''تم مجھے خزانے تک پہنچاؤ۔ میں تمہیں گرفتاری سے بچاؤں گا۔''

''مجھے معلوم ہونا چاہئے' آپ کیسے گرفتاری سے بچائیں گے؟ سی آئی اے' راء' موساد جیسی تنظیمیں ایسی بااختیار اور خود مختار ہیں کہ ان کے آگے کسی بھی ملک کے حکمران بے بس ہو جاتے ہیں۔ آپ تو محض پولیس ڈیپارٹمنٹ کے آئی جی ہیں۔''

''میں ایسی چال چلوں گا کہ ان تین سی آئی اے والوں کے مرڈر کا اور تھری ایس سے خفیہ ملاقات کرنے کا الزام تم پر نہیں آئے گا۔''

''پہلے مجھے مطمئن کریں' آپ کیسی چال چلیں گے؟ پلیز۔ سی آئی اے کے کسی بھی فرد کو ہلاک نہ کریں۔ کسی دوسری تدبیر پر عمل کریں۔''

ثناء نے کہا۔ ''ڈیڈ! یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ جب تک انہیں پوری طرح تحفظ حاصل نہیں ہو گا' تب تک میں انہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گی اور یہ جب بھی جائیں گے' جہاں بھی جائیں گے۔ میں ان کے ساتھ رہوں گی۔''

وہ خزانے تک پہنچنے کے لئے ایسا مضطرب ہو رہا تھا کہ بیٹی سے جھنجلا کر بولا۔ ''تم ہمارے درمیان نہ بولو۔ خاموش رہو۔''

''کیوں خاموش رہوں؟ خزانہ میرا ہے۔ میں کیوں نہ بولوں؟ کیا اسے حاصل کرنے کے لئے غازی کو دشمنوں کے ٹارچر سیل میں پہنچا دوں؟''

وہ ذرا نرم پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ''بیٹی! تم نہیں جانتی ہو' مندر کمیٹی کا چیئرمین اور پنڈت اسے تلاش کر رہے ہیں۔ وہ متعصب ہندوؤں کے ذریعے اسے اغوا کرائیں گے پھر اس پر ایسے ظلم

وستم ڈھائیں گے کہ یہ مجبور ہو کر خزانے کا راز اُگل دے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں موم کا مجسمہ یا پتھر کی مورتی نہیں ہوں کہ وہ توڑ دیں گے اور میں چپ چاپ ٹوٹ جاؤں گا۔ وقت آنے پر دیکھ لینا' کیسے دشمنوں کے ہوش اڑاتا ہوں؟"

وہ بولی۔ "ڈیڈ! خزانے سے زیادہ ضروری ہے کہ میں غازی کے سامنے اپنی پارسائی ثابت کروں۔ میں کل ان کے ساتھ ہوسپٹل جاؤں گی' الٹراساؤنڈ کراؤں گی اور میڈیکل رپورٹ حاصل کروں گی۔"

میں نے کہا۔ "تب تک آپ پلاننگ کریں کہ ہم کس طرح سی آئی اے والوں کو ڈاج دے کر بھیم پارہ کے جنگل میں جاسکیں گے؟"

وہ فکر میں مبتلا ہو گیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے خزانہ بالکل سامنے رکھا ہوا ہے۔ مگر اس کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں۔ بے انتہا دولت پا کر بھی اسے دونوں ہاتھوں سے سمیٹ نہیں پا رہا ہے۔ بیٹی اور اُس کا یار ہی اس کے ہاتھ کھول سکتے ہیں۔

ثناء اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیڈ سے اترتے ہوئے مجھ سے بولی۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ڈائننگ روم میں چلیں۔"

ایسے ہی وقت رباب نے آ کر کہا۔ "کھانا لگ گیا ہے۔ آپ سب آجائیں۔"

ہم سب ڈائننگ ٹیبل کے اطراف آ کر بیٹھ گئے۔ رباب نے جوانی کی دوڑ میں بیٹی سے شکست تسلیم کر لی تھی۔ اب مجھے ہونے والا داماد مان کر کھانے کی ڈشیں میری طرف بڑھا رہی تھی۔

میں نے کہا۔ "میں آپ کی بیٹی کو شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔"

اس نے خوش ہو کر دارا کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "یہ تو ہمارے لئے خوشی کی بات ہے۔"

دارا اکبر نے کہا۔ "ہم خزانہ حاصل کرنے کے بعد اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیں گے۔"

وہ عجیب بے غیرت انسان تھا۔ اپنی بیٹی کو سر سے پیر تک میرے حوالے کر چکا تھا۔ لیکن جائز رشتے میں منسلک کرنے کے لئے خزانہ حاصل کرنے کی شرط لگا رہا تھا۔

میں نے اپنی پھول وتی کو دیکھ کر کہا۔ "میں کل ہی ہوسپٹل سے آنے کے بعد تم سے نکاح پڑھوانا چاہتا ہوں۔ تم کیا کہتی ہو؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "آپ ابھی کہیں' ابھی آپ کے نکاح میں آجاؤں گی۔"

میں نے دارا سے کہا۔ "میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی...؟ آپ کیا فرماتے ہیں؟"

وہ بولا۔ "مجھے اعتراض نہیں ہے۔ لیکن وعدہ کرو' کل نکاح پڑھوانے کے فوراً بعد ہی اس جنگل کی طرف چلو گے۔"

"میں کہہ چکا ہوں' پہلے سی آئی اے والوں سے نجات حاصل کریں۔ پھر پھول وتی کو اس کے خاندانی خزانے تک لے جاؤں گا۔"

"میں کل تک کوئی راستہ نکالوں گا۔ ہم کل شام تک ضرور وہاں کے لئے روانہ ہو سکیں گے۔"

ہم کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ میری قربت سے پہلے ثناء اپنے باپ کی طرح خزانہ حاصل کرنے کے لئے مچل رہی تھی۔ اب مجھے پالینے کے بعد خزانے کی طلب دھیمی پڑ گئی تھی۔

اکثر لڑکیاں دولت کے مقابلے میں مردوں سے متاثر ہو جاتی ہیں۔ وہ جو مجھے اپنا اسیر بنانا چاہتی تھی' اب خود ہی اسیر ہو گئی تھی۔ ایسی دیوانی ہو گئی تھی کہ اب ہمیشہ میرے بازوؤں کے شکنجے میں رہنا چاہتی تھی۔

اس نے بیڈ روم میں آتے ہی دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ پھر کہا۔ "مجھے ہاتھوں میں لو۔ اپنے برابر کرو۔ میں گردن میں بانہیں ڈالنا چاہتی ہوں۔ تمہاری دھڑکنوں سے لگنا چاہتی ہوں۔"

میں بھی یہی چاہتا تھا۔ اپنی پھول وتی کو سمیٹ کر اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا تھا۔ لیکن جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے بولا۔ "ابھی یہ مناسب نہیں ہے۔ ابھی ہم گناہ گار بن رہے ہیں۔ کل نکاح ہو جانے دو۔"

"وہ تو ہوگا' کل ضرور ہوگا۔ جب ہم ایک دوسرے کے ہو چکے ہیں اور ہمارے درمیان کوئی حجاب نہیں رہا ہے تو اب کبھی نہیں رہے گا۔"

میں نے کہا۔ "ہم جذبات میں بہہ کر ایک بار گناہ کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ ہمیں پھر وہی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ بس ایک رات کی بات ہے۔ کل ہمارا یہ رشتہ جائز ہو جائے گا۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔ "تم تو میرے لئے ضروری ہو۔ میں تمہاری طرف کھنچی جا رہی ہوں۔ لیکن میں تمہارے لئے ضروری نہیں ہوں۔ مجھ میں کوئی کشش نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہ کہو۔ تم ایک مدت کے بعد میری زندگی میں آئی ہو۔ میرا جی چاہتا ہے'

تمہیں سینے سے لگانے کے بعد پھر کبھی الگ نہ کروں۔لیکن...''

میں بولتے بولتے رُک گیا۔اس نے اپنا دوپٹہ اتار کر ایک طرف اچھالا تو وہ لہراتا ہوا میرے منہ پر آ گیا۔جیسے منہ پر ریشمی نقاب آ گیا ہو۔میں آگے بول نہ سکا۔ریشم کے پیچھے سے ریشمی نظارہ جھلک رہا تھا۔وہ لباس کا بوجھ اتار رہی تھی۔کہہ رہی تھی۔''تم کہتے ہو تو تم سے دور رہوں گی۔لباس بدل کر چپ چاپ سو جاؤں گی۔''

وہ چپ چاپ سونے کی بات کر رہی تھی' جبکہ میرے اندر جذبات شور مچانے لگے تھے۔میں چند لمحوں تک اپنے نفس پر قابو پانے کی کوششیں کرتا رہا' خود کو روکتا رہا۔لیکن نہ جانے کب میرے قدم بہک گئے؟ معلوم نہیں' وہ مجھ سے آ لگی تھی' یا میں اس سے جا لگا تھا؟ کچھ بھی ہوا ہو مگر ندی کے دو کنارے ایک ہو گئے تھے۔

یہ گیان ہوا کہ عابد و زاہد ایسے مرحلوں پر کیسے ڈگمگا جاتے ہیں؟ میں جائز اور ناجائز' محرم اور نامحرم کا فرق بھول گیا۔اس شجر کے سائے میں پہنچ کر جنت سے نکالے جانے کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔

ایک ذرا سا خیال آیا' فجر کی نماز چھوٹ نہ جائے۔

میں نے اس خیال کو یہ کہہ کر تھپک کر سلا دیا کہ فجر سے پہلے غسل کر لوں گا۔

ایسے رنگین و سنگین لمحات میں پچھلی ٹھوکریں یاد نہیں رہتیں۔ایک بار اسی طرح میں نے ہوائی جہاز میں پھول وتی کے ساتھ رات کالی کی تھی۔پھر صبح سے پہلے غسل کرنا اور نماز پڑھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

اس رات وہی وقت لوٹ آیا تھا۔شائد پھر ٹھوکریں لگنے والی تھیں۔پھر سزا ملنے والی تھی۔سوچنے سمجھنے کے باوجود پھول وتی پھر ایک بار ہوش اڑا رہی تھی۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔پتہ نہیں کیا وقت ہوا تھا؟ ہم نڈھال سے ہو کر سو گئے۔بڑی مستی بھری نیند آئی۔وہ بھی میری آغوش میں چھپ کر سو رہی تھی۔

صبح سے پہلے میں نے پھول وتی کو خواب میں دیکھا۔ہم ایک دریا کے کنارے سرسبز و شاداب ماحول میں تھے۔وہ میرے سینے پر سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔مجھ سے کہہ رہی تھی۔''وعدہ کرو' مجھ پر کبھی شبہ نہیں کرو گے۔''

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیٹ پر رکھتے ہوئے بولی۔''یہ تمہارا بچہ ہے۔''

میں نے کہا۔''ہاں۔مجھے یقین ہے' یہ میرا بچہ ہے۔''

''یہ تیسرا مہینہ ہے۔کچھ دنوں میں پیٹ نکل آئے گا۔پھر ساری دنیا دیکھے گی۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔''اور میں فخر سے کہوں گا کہ میں باپ بننے والا ہوں۔ابھی یہ تمہارے وجود کے اندر ہے۔اس کی حفاظت کرتی رہو۔''

''میں مر کر بھی اس کی حفاظت کرتی رہوں گی۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔''کیسا احمقانہ دعویٰ کر رہی ہو؟ مرنے کے بعد اس کی حفاظت کیسے کرو گی؟''

''میں نہیں جانتی۔مگر جب تک بچے کو تمہاری گود میں نہیں دوں گی' تب تک میری روح بھٹکتی رہے گی۔یہ امانت تمہارے حوالے کرنے کے بعد ہی مجھے سکون ملے گا۔''

''یہ محض جذباتی باتیں ہیں کہ مرنے کے بعد بھی تم میرے بچے کو جنم دو گی۔پھر اسے میرے حوالے کرو گی۔''

میری بات ختم ہوتے ہی وہ ایک جھٹکے سے یوں الگ ہو گئی' جیسے نادیدہ ہاتھوں نے اسے مجھ سے چھین لیا ہو۔پھر ان ہاتھوں نے اسے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔

میں دریا کے کنارے دوڑنے لگا۔وہ منہ زور لہروں میں بہتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔''میرے لئے پریشان نہ ہونا۔میں آؤں گی' ضرور آؤں گی۔تمہاری امانت ضرور لوٹاؤں گی۔''

وہ بولتی جا رہی تھی اور لہروں میں بہتی دور ہوتی جا رہی تھی۔حتیٰ کہ ان لہروں میں گم ہو گئی۔نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

پھر میری آنکھ کھل گئی۔میں نے دیکھا' وہ میری آغوش میں موجود تھی۔موت کے اندھیروں میں گم ہونے کے بعد واپس آ گئی تھی۔میں نے اسے بازوؤں میں بھینچ کر پیار کیا۔وہ نیند میں کسمسائی۔اس نے ایک ذرا سی آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔پھر مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں۔اطمینان ہو گیا کہ میں اس کا ہوں اور اس کی دھڑکنوں سے لگا ہوا ہوں۔وہ پھر سو گئی۔

میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو چونک گیا۔فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔صبح ہو چکی تھی۔دھوپ نکل آئی تھی۔وال کلاک میں دس بج رہے تھے۔یہ معلوم ہوتے ہی دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا کہ نئی زندگی پانے کے بعد پہلی بار فجر کی نماز چھوٹ گئی تھی۔

یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ چھوٹ گئی۔میں نے جوانی کی خرمستیوں میں رہ کر بدمستیوں میں ڈوب کر چھوڑ دی تھی۔

میں وہاں سے اٹھ کر واش روم میں آ گیا۔اک [illegible] مجھے

گزری ہوئی نماز نہیں مل سکتی تھی۔

میں نے سوچا۔ "ایسی غفلت اور غلطی کی تلافی کروں گا۔ اب سے ظہر کی نماز تک عبادت کرتا رہوں گا اور اسم اعظم پڑھتا رہوں گا۔"

لیکن یہ بھی نہ ہوسکا۔ ثناء بیدار ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ ناشتہ کرنے کے بعد ہوسپٹل جانا پڑا۔ یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ واقعی ایک ہی دن میں ماں بننے کے آثار پیدا ہوگئے ہیں یا نہیں؟

اس کے والدین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ دارا اکبر خزانے تک پہنچنے سے پہلے میرا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔

ہوسپٹل کی ماہر لیڈی ڈاکٹر نے ثناء کا معائنہ کیا۔ پھر دارا سے کہا۔ "آپ کی بیٹی ماں بننے والی ہے۔"

ماں نے پوچھا۔ "کیا سہاگ کی پہلی رات گزارتے ہی دوسرے دن ماں بننے کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں؟"

"ایسا نہیں ہوتا۔ حیض کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اگر ثناء نے میاں کے ساتھ ایک ہی رات گزاری ہے تو یہ میرے تجربات میں نئی اور انوکھی بات ہے۔"

پھر الٹرا ساؤنڈ کرایا گیا۔ ڈاکٹر نے رباب سے کہا۔ "آپ بیٹی کے متعلق صحیح بیان نہیں دے رہی ہیں۔ آپ کی بیٹی نے سہاگ کی ایک رات نہیں، کئی راتیں گزاری ہیں۔ یہ تین ماہ سے حاملہ ہے۔"

ثناء غصے سے چیخ پڑی۔ "یہ کیا بکواس ہے؟ کل سے پہلے میری تنہائی میں کوئی نہیں آیا تھا۔"

وہ میرا بازو تھام کر بولی۔ "میں نے آپ کے سوا کسی کا منہ نہیں دیکھا ہے۔ پھر یہ حمل تین مہینوں سے کیسے جاری رہے گا اور جب ایسا تھا تو تین ماہ پہلے آثار کیوں ظاہر نہیں ہوئے؟ کل آپ سے ملنے کے بعد اچانک میری طبیعت کیوں خراب ہوگئی؟ یہ جھوٹ ہے۔ یہ میڈیکل رپورٹ غلط ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، مجھے کیا سمجھنا اور کیا کرنا چاہیے؟ رباب اس کا ہاتھ پکڑ کر ہم سے دور لے گئی۔ اس نے بیٹی سے دھیمی سرگوشی میں کہا۔ "اس میڈیکل رپورٹ کو تم لاکھ جھٹلاؤ۔ آگے جا کر سچ سامنے آجائے گا۔ تم تین ماہ گزار چکی ہو۔ آئندہ پانچ مہینوں کے بعد کسی دن بھی زچگی ہوجائے گی۔"

وہ بولی۔ "مام! میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ کل سے پہلے کوئی مرد میری تنہائی میں نہیں آیا تھا۔"

"تم لاکھ قسمیں کھاؤ، غازی کے سامنے بھی پارسائی جتاؤ۔ لیکن میں ماں ہوں، مجھ سے جھوٹ نہ بولو۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی۔ "میں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں۔ آپ اور ڈیڈی کل سے مجھے کھلی بے حیائی کی اجازت دے رہے ہیں۔ اگر میں تین ماہ پہلے بے حیا بن جاتی تو بے حیا والدین سے کبھی نہ ڈرتی۔ کھل کر رنگ رلیاں مناتی۔"

وہ غصہ دکھا رہی تھی۔ پھر اچانک رونے لگی۔ آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "کل سے مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے میں سچ مچ پھول وتی ہوں۔ اس میڈیکل رپورٹ کے بعد یقین ہو رہا ہے، جو پھول وتی کے ساتھ ہوا، وہی میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے، وہ اپنی موت کے وقت تین ماہ کی حاملہ تھی۔ میں غازی کی تنہائی میں پہنچتے ہی اسی طرح تین ماہ کی حاملہ کہلا رہی ہوں۔"

میں سر جھکائے دور بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ بیشک میڈیکل رپورٹ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ مجھے پچھلی رات کا خواب یاد آرہا تھا۔ پھول وتی نے کہا تھا۔ "وعدہ کرو۔ مجھ پر شبہ نہیں کرو گے۔ یہ تمہارا بچہ ہے۔"

میں نے کہا تھا۔ "ہاں۔ یہ میرا بچہ ہے۔"

اس نے کہا تھا۔ "یہ تیسرا مہینہ ہے۔ کچھ دنوں میں پیٹ نکل آئے گا۔ پھر ساری دنیا دیکھے گی۔"

پھر مجھے خواب کا وہ حصہ یاد آیا، جب وہ دریا کی منہ زور لہروں میں بہتی جارہی تھی۔ مجھ سے بچھڑتے ہوئے کہتی جارہی تھی۔ "میرے لئے پریشان نہ ہونا۔ میں آؤں گی... ضرور آؤں گی.... تمہاری امانت ضرور لوٹاؤں گی۔"

میں نے سر گھما کر اپنی پھول وتی کو دیکھا۔ وہ دور کمرے سے باہر ماں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ پھر اس کے ایک بازو کو تھام کر بولا۔ "قسمیں نہ کھاؤ۔ کسی کو یقین نہ دلاؤ۔ مجھے یقین ہے، تم صرف میرے لئے پیدا ہوئی ہو۔ تمہاری زندگی میں میرے سوا نہ کوئی آیا ہے، نہ آئے گا۔ یہ بچہ خواہ ایک دن کا ہو یا تین ماہ کا .... یہ میرا ہے۔"

وہ مارے خوشی کے روتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی۔ ان لمحات میں دل کی گہرائیوں سے یقین ہو رہا تھا کہ میری پھول وتی سچ مچ لوٹ آئی ہے۔

اتنی بڑی دنیا میرا ایک ہی بیٹا تھا۔ جو بچھڑا ہوا تھا۔ مجھ سے مل نہیں رہا تھا۔ الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ نے بتایا تھا کہ اور ایک بیٹا آنے والا ہے۔

اب ایک نہیں' دو تھے۔ پتہ نہیں دونوں کب آنے والے تھے...؟ مجھے دونوں کا انتظار تھا۔

گھر واپس جاتے وقت دارا اکبر کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ رباب اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی۔ پچھلی سیٹ پر پھول وتی میرے ایک بازو کے حصار میں میرے سینے پر سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ اب میں اسے پھول وتی ہی کہوں گا۔

دارا اکبر نے کہا۔ ”میں ابھی قاضی صاحب کو بلاؤں گا' تم دونوں کا نکاح پڑھواؤں گا۔“

پھول وتی خوش ہوگئی۔ میں نے انکار میں سر ہلایا تو اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ”حاملہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ ہمیں بچے کی ولادت تک انتظار کرنا ہوگا۔“

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اسے اس پہلو سے اطمینان حاصل ہو گیا تھا کہ میں شبہ نہیں کر رہا ہوں۔ اسے بدکار نہیں کہہ رہا ہوں اور خود کو اس بچے کا باپ تسلیم کر رہا ہوں۔

وہ بولی۔ ”ٹھیک ہے۔ ایسی حالت میں نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن ہم دنیاداری کے لئے میرج سرٹیفکیٹ حاصل کرلیں گے۔ اس طرح آزادی سے ازدواجی زندگی گزار سکیں گے۔“

میں نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔ ”ہم جھوٹے سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر ازدواجی رشتہ قائم نہیں کریں گے۔ اگر کریں گے تو گناہ کے مرتکب ہوں گے۔“

وہ سرگوشی میں بولی۔ ”میں نہیں مانتی' میں آپ کو مجازی خدا مانتی ہوں۔ آپ میرے ہونے والے بچے کے باپ ہیں۔ ہم ایک کمرے میں' ایک چھت کے نیچے' ایک بیڈ پر رہا کریں گے۔ میں دیکھوں گی' آپ مجھ سے کیسے دور رہ سکیں گے؟“

یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ اگلے چھ سات ماہ تک اس کے ساتھ رہتے ہوئے اس سے دور کیسے رہ سکتا تھا؟ وہ مدتوں بعد میری طرح واپس آئی تھی۔ میں چھ ماہ کے لئے تو کیا' چھ پل کے لئے بھی اس سے دور نہیں جا سکتا تھا۔

میں اس کی قربت سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ گناہ کا کھلا ہوا راستہ دکھائی دے

رہا تھا۔ میں نے اس راستے کو صحیح بتانے کے لئے سوچا' وہ تین ماہ کا بچہ جو ستر برس پہلے پھول وتی کی کوکھ میں تھا۔ وہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے کہہ رہا تھا کہ اب ثناء کی کوکھ میں آ گیا ہے۔

گویا وہ بچہ جائز تھا۔ کیونکہ پھول وتی میری منکوحہ تھی۔

ایک اہم سوال یہ تھا کہ ثناء کی کوکھ میں بچہ جائز تھا تو پھر ثناء بھی میرے لئے جائز ہے۔

لیکن نہیں..... بچے کے سلسلے میں قدرتی ثبوت مل رہے تھے کہ ایک کنواری تین ماہ کی حاملہ بن گئی ہے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ کنواری حاملہ کیسے ہوگئی؟

یہ بڑی بات ہے' اگر خدا کی قدرت سمجھ میں آجائے۔

انسان کی پیدائش کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس اصول سے ہٹ کر بھی قدرت کا کرشمہ دکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ان کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا دخل تھا' نہ کسی عورت کا.....

اور بی بی حواؑ کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ اس طرح ان کی پیدائش میں مرد کا تو دخل تھا مگر عورت کا کوئی دخل نہ تھا۔

پھر خدا کی قدرت یوں بھی ظاہر ہوئی کہ حضرت عیسیٰؑ کو باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا کیا۔

میرے معاملے میں یہ بات تھی کہ میرا بچہ ایک نہیں دو ماؤں کی کوکھ میں پل رہا تھا۔ پہلے پھول وتی کے پیٹ میں تین ماہ تک رہا۔ آنکھوں نے دیکھا اور دماغ نے کہا' پھول وتی ستر برس پہلے مر گئی۔ بچہ بھی اس کے ساتھ نابود ہو گیا۔

اور اب انکشاف ہو رہا تھا کہ ثناء کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی مرد نہیں آیا تھا اور وہ تین ماہ کی حاملہ ہو گئی ہے۔ جبکہ عورتیں ایک ایک لمحے کے حساب سے پہلے ایک ماہ کی۔ پھر دو ماہ کی' اس کے بعد تین ماہ کی حاملہ بنتی ہوئی زچگی کے مرحلے تک پہنچتی ہیں۔ اس قدرتی دستور کے برعکس ثناء ایک ہی دن میں تین ماہ کی حاملہ بن گئی تھی۔

پچھلی رات خواب میں آگہی ملی تھی۔ پھول وتی نے کہا تھا' میرا بچہ اس کے پاس امانت ہے۔ وہ میری امانت لوٹانے ضرور آئے گی۔

الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ سے پہلے جو آگہی ملی تھی۔ اس کے مطابق میرا تین ماہ کا بچہ ثناء

کی کوکھ میں آگیا تھا۔ میری امانت مجھے واپس مل رہی تھی۔ ستر برس کے بعد باپ کی طرح بیٹے کی بھی واپسی ہو رہی تھی۔

اور وہ جو میرے بچے کو اپنے وجود میں چھپا کر لا رہی تھی۔ اس وقت کار کی پچھلی سیٹ پر مجھ سے لگی بیٹھی تھی۔ وہ اپنی صورت اور سراپے سے اپنے طور اور طریقے سے اور اپنی اداؤں سے بلاشبہ پھول وتی تھی۔ فرق اتنا ہی تھا کہ میری منکوحہ نہیں تھی۔

اگر میری منکوحہ ہوتی تو خواب کے ذریعے یا کسی بھی طریقے سے آگہی ملتی کہ وہ میرے لئے جائز ہے۔ فی الحال حقیقت یہ تھی کہ دونوں پھول وتی جسمانی طور پر دو مختلف ہستیاں تھیں۔ ایک سے میرا نکاح ہو چکا تھا۔ دوسری اب کنواری تو نہیں رہی تھی مگر میری منکوحہ بھی نہیں تھی۔ اس سے نکاح پڑھوانا لازمی تھا۔

جب تک مجھے آگہی نہ ملتی' قدرت کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملتا' تب تک وہ میرے لئے نامحرم تھی۔ اس سے ازدواجی رشتہ جائز نہ ہوتا۔

اور اس سے نکاح تو چھ ماہ بعد ہی ہوتا۔ اس سے پہلے یہ چیلنج تھا کہ میں اس کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہ کر دین اور شریعت کے مطابق فاصلہ رکھ سکوں گا یا نہیں؟ تقویٰ کا درس مل رہا تھا کہ گناہ کی آزادی ملے' تب بھی گناہ سے بچتے رہو۔

ہم بنگلے کے سامنے پہنچے تو بڑے آہنی گیٹ کے سامنے مندر کمیٹی کا چیئرمین اور پنڈت اپنی گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ دارا اکبر پریشان ہو کر انہیں دور سے دیکھتے ہی بڑبڑایا۔ "لعنت ہے۔ یہ کتے کہاں سے آگئے۔۔۔۔؟ غازی! اب تو یہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

میں نے کہا۔ "ہم یہاں سے واپس نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے آپ کی کار پہچان لی ہے۔ سامنا کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے کار ان کے قریب لا کر روک دی۔ پھر باہر نکل کر بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ میں نے بھی آ کر ان سے مصافحہ کرنا چاہا تو انہوں نے لپک کر مجھے گلے لگا لیا۔ ایسی اپنائیت ظاہر کرنے لگے' جیسے میرے بغیر اب تک ان کی زندگی ادھوری تھی۔

ہم سب کوٹھی کے اندر آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ میری پھول وتی اپنی ماں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ پنڈت نے کہا۔ "آئی جی صاحب! آپ نے وعدہ کیا تھا' غازی سے ملاقات ہوگی تو آپ ہمیں اطلاع دیں گے اور غازی ہمیں ملے گا تو ہم آپ کو فوراً بلائیں گے۔"

مندر کے چیئرمین نے کہا۔ "مگر آپ نے اطلاع نہیں دی۔ غازی کو اپنے ساتھ لئے پھر رہے ہیں۔"

دارا اکبر نے کہا۔ "کیسے اطلاع دیتا؟ ابھی غازی سے ملاقات ہوئی ہے۔ یہ بیمار ہے۔ میں ابھی ایک اسپیشلسٹ کے پاس اسے لے گیا تھا۔"

پنڈت نے مجھ سے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہوا ہے؟"

مجھ سے پہلے دارا اکبر نے کہا۔ "اس کا دماغ کمزور ہو گیا ہے۔ یہ بہت سی باتیں بھول چکا ہے۔ ڈاکٹر نے دوائیں دی ہیں۔ اگر یہ دوائیں استعمال نہیں کرے گا' آرام نہیں کرے گا تو سب کچھ بھول جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانے گا۔"

دونوں نے بڑی تشویش سے مجھے دیکھا۔ ایک نے پوچھا۔ "تمہیں خزانے والی جگہ یاد ہے ناں؟"

میں نے سر ہلایا۔ "ہاں یاد ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "تو پھر اس سے پہلے کہ سب کچھ بھول جاؤ' ہمیں ابھی وہاں لے چلو۔"

دارا نے کہا۔ "ڈاکٹر نے اسے آرام کرنے کی تاکید کی ہے۔ یہ یہاں سے شکارگاہ تک چھ گھنٹے کا سفر نہیں کر سکے گا۔ کل تک آرام آ جائے گا۔ ہم پرسوں یہاں سے چلیں گے۔"

چیئرمین نے کہا۔ "شکارگاہ میں اب کیا رکھا ہے؟ ہم وہاں تہہ خانے میں جا کر دیکھ چکے ہیں۔ وہ خالی پڑا ہے۔ وہاں دو انسانی ہڈیوں کی ڈھانچے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اسی تہہ خانے کی ایک دیوار کے پیچھے وہ خزانہ ہے۔ اس دیوار کے پیچھے کوئی نہیں جا سکے گا۔ صرف میں اسم اعظم پڑھ کر وہاں پہنچتا ہوں۔"

پنڈت نے پوچھا۔ "اگر وہ اسم اعظم پڑھنا بھول گئے تو کیا ہوگا؟"

"اللہ تعالیٰ کا نام میرے دل و دماغ پر نقش ہے۔ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ آپ حضرات پرسوں تک صبر کریں۔"

چیئرمین نے کہا۔ "ہم صبر کریں گے۔ مگر یاد رکھو! شکارگاہ کے اندر ایک پوجا گھر ہے۔ ہزاروں ہندو اب پوری شکارگاہ کو مندر بنانا چاہتے ہیں۔ تمہاری جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔ میں مندر کمیٹی کا چیئرمین ہوں اور یہ پنڈت ہے۔ صرف ہم ہی تمہیں ہندوؤں کی دشمنی سے بچا سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "وہ شکارگاہ میری ملکیت ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ اپنے اس گھر کو مندر

بننے نہیں دوں گا۔"

"ہم تمہارے گھر کو بچائیں گے۔ وہ مندر نہیں بنے گا۔ پھر آئی جی صاحب قانون کے رکھوالے ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ ہیں۔ سات تاریخ کو عدالت کا فیصلہ بھی تمہارے ہی حق میں ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "مانتا ہوں' آپ سب میری بہتری چاہتے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو خزانے تک ضرور لے جاؤں گا۔ مگر آج نہیں پرسوں....."

چیئرمین نے دارا سے کہا۔ "ہم پرسوں تک اس بنگلے کے آگے اور پیچھے والے دروازے پر نظر رکھیں گے۔ غازی یہاں سے جہاں بھی جائے گا' ہم اس کے ساتھ جائیں گے۔ اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ بولا۔ "تم اپنے اطمینان کے لئے جو چاہو کرو۔ لیکن ہم یہاں سے پرسوں ہی جائیں گے۔"

وہ وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے ایک مسلمان کے گھر کا پانی بھی نہیں پیا۔ کیونکہ وہ دونوں اعلیٰ ذات کے برہمن تھے۔ چھوٹی ذات کے ہندوؤں کے گھر بھی نہیں جاتے تھے۔

دارا نے پریشان ہو کر کہا۔ "ان دونوں سے پیچھا چھڑانا ہی ہوگا۔ ایک تو سی آئی اے والے پہلے ہی تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔ اوپر سے یہ مصیبت بن کر چلے آئے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "آپ سی آئی اے والوں سے نمٹیں۔ باقی ان دونوں سے باآسانی نمٹ لیا جائے گا۔"

"میں نے تدبیر سوچ لی ہے۔ پہلے تم صحیح جگہ تو بتاؤ۔ کیا ہم شکارگاہ کے تہہ خانے میں جائیں گے؟ وہاں ہزاروں ہندوؤں نے گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ ہمیں پنڈت اور چیئرمین کو ساتھ لے جانا ہوگا۔ وہ دونوں ان ہندوؤں سے تمہیں بچائیں گے۔ ورنہ سب ہی تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔"

"ہم اسی جنگل میں دوسری جگہ جائیں گے۔"

"تو پھر کل ہی چلو۔ میں نے سوچ لیا ہے' ہم یہاں سے کھ منتری راما راؤ کے محل میں جائیں گے۔ منتری جی یہ ظاہر کریں گے کہ تم ان کی انیکسی میں مہمان کے طور پر رہنے لگے ہو۔"

"کیا مجھے وہاں رہنا ہوگا؟"

"یہی ظاہر کیا جائے گا۔ محل کے چاروں طرف سخت سیکورٹی ہے۔ سی آئی اے والوں

کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ سب یہی سمجھیں گے کہ تم وہاں رہنے گئے ہو۔ سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر زیادہ سے زیادہ فون پر تم سے رابطہ کر سکے گا۔ تم اس سے یہی کہو گے کہ وہاں آرام سے ہو۔ اب سات تاریخ کو ہی عدالت میں حاضری دو گے۔"

میں نے پوچھا۔ "ہم وہاں سے جنگل کی طرف کیسے جائیں گے؟"

"کھ منتری اپنی گاڑی میں تمہیں وہاں لے جائے گا۔ اس کی کار کے شیشے کلرڈ ہیں۔ باہر سے تم دکھائی نہیں دو گے۔ آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں ہوں گی۔ سی آئی اے کے جاسوس یہی سمجھیں گے کہ تم محل کی انیکسی میں ہو اور کھ منتری سرکاری دورے پر کہیں جا رہا ہے۔"

میں نے قائل ہو کر کہا۔ "بہت عمدہ تدبیر ہے۔ لیکن پنڈت اور چیئرمین یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ میں کھ منتری کا مہمان ہوں۔ وہ شبہ کریں گے کہ آپ تنہا خزانے تک پہنچنے کے لئے کوئی چال چل رہے ہیں۔"

وہ سوچنے لگا۔ پنڈت اور چیئرمین سے وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم پرسوں وہاں جائیں گے۔ اس سے پہلے وہ مجھے کھ منتری کے محل میں چھپنے نہ دیتے۔ اس محل میں مجھ سے ملنے کی ضد کرتے۔

دارا نے ناگواری سے کہا۔ "کیا کریں' وہ دونوں جونک کی طرح چمٹ گئے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "انہیں ساتھ لے چلیں۔ وہاں ان دونوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔"

وہ سر ہلا کر بولا۔ "یہی کرنا ہوگا۔"

خزانے کے حصے داروں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ میں کہہ چکا تھا کہ میرا آدھا حصہ ہوگا۔ باقی آدھے خزانے کے حصے دار خود نمٹ لیں۔ پنڈت اور چیئرمین کو ٹھکانے لگانے کے بعد دارا اکبر اور کھ منتری باقی خزانہ آپس میں بانٹنے والے تھے۔

دولت گھر بیٹھے حاصل نہیں ہوتی۔ ساری عمر محنت کرتے رہو تو کسی کو ملتی ہے' کسی کو نہیں ملتی اور جسے نہیں ملتی' وہ خون خرابے سے حاصل کرتا ہے۔ مجھے تو بیٹھے بٹھائے پھول وتی کے ذریعے مل گئی تھی۔ باقی دارا اکبر' کھ منتری' چیئرمین اور پنڈت کے درمیان خون خرابے کے امکانات تھے اور شائد میں بھی گیہوں کے گھن کی طرح پسنے والا تھا۔

میں نے دوسرے دن اپنی پھول وتی کو سمجھایا۔ "میرے ساتھ جنگل میں نہ جاؤ۔ یہ مردوں کے معاملات ہیں۔ وہاں پتہ نہیں کیسے حالات پیش آنے والے ہیں؟ میں آج رات یا کل صبح تک واپس آجاؤں گا۔"

وہ ماننے والی نہیں تھی۔ میں نے پیار سے منالیا۔ یہ وعدہ کیا کہ واپس آکر اسے اپنے گھر لے جاؤں گا۔ وہاں ہم ایک پر امن اور ازدواجی زندگی گزاریں گے۔

ویسے اب تک حالات بتارہے تھے کہ مجھے اور میرے بیٹے عمیر کو کبھی پرسکون گھریلو زندگی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ خزانے کا حصول کہہ رہا تھا کہ خون کی ندیاں بہنے والی ہیں۔ یہ تو تاریخی حقیقت ہے کہ خزانوں کی تلاش اکثر موت کی طرف لے جاتی ہے۔

☆☆☆

میگزین دی لائٹ کے آئی ڈی کارڈز اور دیگر اہم کاغذات آگئے تھے۔ ان مستند کاغذات کی رُو سے اب میں تھری ایس یا عمیر بن غازی نہیں تھا۔ ایک مشہور و معروف میگزین کا نمائندہ رابرٹ ٹیلر بن گیا تھا۔ اس سلسلے میں کاغذات اتنے ٹھوس تھے اور رابرٹ ٹیلر کی پچھلی ہسٹری اور کارکردگی کا ریکارڈ ایسا مستند تھا کہ کوئی جاسوسی ادارہ مجھ پر کسی طرح کا شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

میں اس نئے روپ بہروپ کے ساتھ ممبئی سے دہلی آگیا۔ ہوٹل تاج محل کے ایک کمرے میں قیام کیا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے پاپا نے بھی وہیں قیام کیا تھا۔ تقدیر کی اجازت نہیں تھی کہ باپ بیٹے کی ملاقات ہوجائے۔ اس لئے آئی جی آف پولیس دارا اکبر اسی شام اس ہوٹل سے میرے پاپا کا سامان لے گیا تھا۔ پاپا اس آئی جی کے گھر اپنی نئی پھول وتی کے ساتھ رہنے والے تھے۔

ویسے میرے جاں نثاروں نے اس حد تک معلومات حاصل کی تھیں کہ زمین جائیداد کے سلسلے میں مقدمہ بازی ہورہی ہے اور پاپا سات تاریخ کو عدالت میں حاضر ہونے والے ہیں۔

ایک جاں نثار نے کہا۔ ”ایک اندازے کے مطابق آپ کے پاپا دہلی شہر میں ہیں۔ انشاءاللہ آپ جلد ہی ان سے مل سکیں گے۔“

مجھے امید تھی کہ اسی شہر میں ان کا سراغ ملے گا۔ پھر میں کسی طرح چھپ کر ان سے مل سکوں گا۔

میں نے کہا۔ ”سات تاریخ دور نہیں ہے۔ پلاننگ کرو کہ پاپا کو دیکھتے ہی پھر انہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوگے۔ میں بھی تدبیر سوچ رہا ہوں، کسی بھی طرح اسی دن ان سے ملوں گا۔ یہ انتظام کرو کہ اس کے بعد ہم باپ بیٹے ہمیشہ ساتھ رہ سکیں۔“

میں بہت خوش تھا۔ میرے جاں نثاروں کے تجربات اور ان کی سرگرمیاں مجھے جلد ہی پاپا تک پہنچانے والی تھیں۔ ان کے بعد میرا بیٹا یعقوب میرے لئے اہم تھا۔ میں ہر نماز کے بعد

دعا مانگتا تھا کہ میرا یہ بیٹا اصلی ہو۔ میسونی تنظیم والے کسی ڈمی کو بیٹا بنا کر مجھے دھوکا نہ دیں۔

ان یہودیوں نے اپنے سربراہ راڈ مین کو میری قید سے رہائی دلانے کے لئے میرے بیٹے کو اٹلی پہنچادیا تھا۔ یعقوب میری منہ بولی بہن رائنا کے بیٹے نامان کے محل میں تھا۔ میں نے اسے فون پر مخاطب کیا۔ ”ہیلو یعقوب! میرے بیٹے! کیسے ہو؟“

اس نے پہلے سلام کیا۔ پھر کہا۔ ”یہاں نامان بھائی کے پاس آرام اور سکون سے ہوں۔ یہودیوں کے سائے سے نکل آیا ہوں۔ نامان بھائی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ رائنا آنٹی نے بھی مجھ سے فون پر باتیں کی ہیں۔ مجھے دعائیں دے رہی تھیں۔“

”بیٹے! وہ تمہاری پھوپھی ہیں۔ نامان کو سگا بھائی سمجھو۔ یہ ماں بیٹے تمہیں جان سے زیادہ عزیز رکھیں گے۔ بشرطیکہ تم ہمارے ساتھ خلوص اور نیک نیتی سے رہو۔“

”میں جانتا ہوں پاپا! آپ ایک فراڈ ڈمی یعقوب سے دھوکا کھا چکے ہیں۔ مجھ پر بھی شبہ کرتے رہیں گے۔ میں آپ کا اصلی بیٹا ہوں یا نہیں؟ یہ خدا بہتر جانتا ہے۔“

میں نے پوچھا۔ ”تم نے ہوش سنبھالتے ہی وہاں کیا دیکھا اور کیا سمجھا؟“

”میں نے اپنی ممی محالہ کو پہلے ماں کی حیثیت سے پہچانا۔ ان کی آغوش اور ان کی ممتا کو بچپن سے سمجھتا آیا ہوں۔“

”وہ میرے بارے میں تم سے کیا کہتی تھیں؟“

”وہ کہتی تھیں، آپ بہت خطرناک ہیں۔ کسی دن مجھے ان سے چھین کر لے جائیں گے۔ وہ مجھے سمجھاتی تھیں کہ ایک مسلمان باپ کے پاس کبھی نہ جانا۔ وہ آپ کو ظالم کہتی تھیں۔“

”تم کیا کہتے تھے؟“

”یہ خون کی کشش ہے۔ قدرتی بات ہے۔ میں ممی سے کچھ نہیں کہتا تھا۔ چپ چاپ آپ کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ آپ کے کارنامے سنتا تھا اور متاثر ہوتا رہتا تھا۔ سوچتا تھا، یہودیوں نے امریکہ جیسے سپر پاور کو اپنی مٹھی میں کررکھا ہے۔ کتنے ہی اسلامی ممالک ان کے دباؤ میں رہتے ہیں۔ لیکن آپ کبھی ان کے شکنجے میں نہیں آتے۔“

اس نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ”میری ممی میسونی تنظیم کی اہم رکن ہیں۔ راڈ مین کی مشیر اور دست راست ہیں۔ مجھے ان کے ذریعے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے کیسے کیسے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور کس طرح زرخرید مسلمانوں کے ذریعے ان منصوبوں پر عمل کیا جاتا ہے؟“

میں نے پوچھا۔ "وہ ریڈ مرکری کے متعلق کیا کہتے ہیں؟"

"وہ سب تشویش میں مبتلا ہیں۔ کہتے ہیں' اگر آپ وہ جوہری مادہ چین کو دیں گے تو بیلنس آف پاور نہیں رہے گا۔ چین امریکہ سے زیادہ پاورفل ہو جائے گا۔"

اس نے ذرا توقف سے کہا۔ "یہ کہا جاتا ہے کہ آپ محب وطن ہیں۔ پاکستان کو جوہری توانائی کے حوالے سے خود مختار اور سپر پاور بنانا چاہتے ہیں۔ فی الحال محب وطن حکمرانوں کے منتظر ہیں۔ اسی لئے آپ نے ریڈ مرکری کو کسی ملک کے حوالے نہیں کیا ہے۔ اسے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔

پاپا! یہ یہودی آپ کے مقابلے میں برسوں سے ناکام ہوتے آ رہے ہیں۔ لیکن کبھی تو ان کا داؤ چلے گا۔ کبھی تو یہ اپنی کسی چال میں کامیاب ہو کر آپ کو شکنجے میں لیں گے۔ تب آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کیا آپ ایسا کبھی سوچتے نہیں ہیں؟"

"میں کوئی سپر مین نہیں ہوں کہ کبھی ان کے شکنجے میں نہیں آ سکوں۔ کئی بار ان کی گولیوں کا نشانہ بن چکا ہوں۔ لیکن میرے دھوکے میں بیچارے میرے ہم شکل تھری ایس مارے گئے۔"

میں ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "راڈ مین نے کئی بار قریب رہ کر رائنا کی شادی کی تقریب میں اور نامان کی سالگرہ کے جشن کے دوران مجھ پر قاتلانہ حملے کئے۔ ابھی ایک تہہ خانے میں اس نے مجھے قیدی بنا کر رکھا تھا۔ میں ریڈ مرکری اس کے حوالے نہ کرتا تو وہ مجھے کبھی اس تہہ خانے سے زندہ باہر جانے نہ دیتا۔

اب تم دیکھ رہے ہو' میں اس کے چنگل سے رہائی پا چکا ہوں اور وہ میرا قیدی بن گیا ہے۔ اس کی تنظیم کے موجودہ سربراہ نے اسے رہائی دلانے کے لئے تمہیں میرے حوالے کیا ہے۔ میں جلد ہی تمہاری ماں کو رہا کر دوں گا۔ مگر اسے قیدی بنا کر رکھوں گا۔

اس کے بعد تمہارے متعلق صحیح معلومات حاصل کرتا رہوں گا۔ اپنے بیٹے کی کسی ڈمی سے دھوکا نہیں کھاؤں گا۔"

"پاپا! میں پانچوں وقت کا نمازی ہوں اور آپ کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے دعائیں مانگتا ہوں۔ میں نے ایک عالم دین کی خدمات حاصل کی ہیں۔ ان سے دینی تعلیمات حاصل کر رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا' یہودی کس طرح میرے ذریعے آپ کو دھوکا دیں گے اور کیا حاصل کریں گے؟ میں اتنا ہی سمجھ رہا ہوں کہ مجھے ایک مسلمان باپ کا بیٹا بننے کے لئے اسلامی تعلیم حاصل کرتے رہنا چاہئے۔ مجھے صرف اور صرف خدا پر بھروسہ ہے۔ ایک دن آپ ضرور مجھ

پر دل سے اعتماد کر لیں گے۔"

میں نے کہا۔ "خدا کرے ایسا ہی ہو۔ تم دین کے راستے پر چلتے رہو۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ اس معبود کی مرضی ہو گی تو میں تمہیں گلے لگانے ضرور آؤں گا۔"

پھر میں نے نامان سے باتیں کیں۔ اس نے کہا۔ "انکل! یعقوب نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ بہت ہی غیر معمولی ذہانت کا حامل ہے۔ اس کی یادداشت حیرت انگیز ہے۔ میں گاڈ فادر کی حیثیت سے اپنے مخالفین کے خلاف بہت ہی کمزور چال چلنے والا تھا۔ اس نے ہر پہلو سے سمجھایا کہ چال سیدھی نہیں' حالات کے مطابق الٹی چلو۔

میں نے الٹی چال چلی تو وہ مخالفین کی توقع کے خلاف تھی۔ وہ مات کھا گئے۔ میرے دو آدمی آستین کے سانپ تھے۔ یعقوب نے ان کی سازشیں پکڑ لیں۔

میں کیا بتاؤں انکل! مجھے ایسا لگ رہا ہے' جیسے یعقوب کی صورت میں آپ میرے پاس موجود ہیں۔ وہ صرف مشورے نہیں دیتا' آپ کی طرح ایکشن میں آ کر دشمنوں کے لئے خطرناک بھی بن جاتا ہے۔"

اس کی تعریفیں اور کارنامے سن کر مجھے دلی مسرتیں حاصل ہو رہی تھیں۔ نامان نے کہا۔ "میں پورے یقین سے کہتا ہوں' یہ آپ کا بیٹا ہے۔ پلیز یہاں آئیں اور اسے گلے لگائیں۔"

"میں ضرور آؤں گا۔ دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیاں مجھے تلاش کر رہی ہیں۔ وہاں اٹلی میں تمہارے محل کے اطراف بھی وہ میرے منتظر ہیں۔ وہ جانتے ہیں' میں کسی نہ کسی دن اپنے بیٹے سے ملنے آؤں گا۔ پھر یہ کہ ابھی انڈیا میں ہوں۔ یہاں اپنے والد کو تلاش کر رہا ہوں۔"

میں نے یعقوب اور نامان کو بتایا کہ جس غازی صلاح الدین کے متعلق اخبارات میں بہت کچھ پڑھ چکے ہیں اور مختلف چینلز میں انہیں چلتے پھرتے اور بولتے دیکھ چکے ہیں۔ وہ کوئی غیر نہیں ہیں۔ ستر سال تک موت کی گہری نیند سو کر دنیا میں واپس آنے والی ہستی میرے پاپا ہیں اور یعقوب کے دادا جان ہیں۔

یعقوب نے کہا۔ "مجھے اپنی پیدائش پر فخر ہے۔ آپ کی طرح میرے دادا بھی ایک غیر معمولی انسان ہیں۔ کیا ان سے ملاقات کرنے میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں؟"

میں نے کہا۔ "ہاں۔ دشمنوں نے ایک طرف تم پر اور دوسری طرف تمہارے دادا پر کڑی نظر رکھی ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں' میں ادھر اپنے باپ سے اور اُدھر اپنے بیٹے سے ملنے کسی دن کسی بہروپ میں ضرور آؤں گا۔ تب وہ مجھے گرفتار کر سکیں گے۔"

وہ بولا۔ ''پاپا! میری طرح گرینڈ پا بھی آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہوں گے؟''

''ہاں۔ ہم ایک مثلث کے اندر تین زاویے ہیں۔ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ مگر دور دور ہیں۔ ابھی مل نہیں پا رہے ہیں۔''

''پاپا! آپ گرینڈ پا سے مل نہیں سکتے۔ میں تو آسانی سے مل سکتا ہوں۔ یہودی تنظیم کو مجھ سے اور گرینڈ پا سے کچھ نہیں لینا ہے۔ وہ ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ کیونکہ راڈ من آپ کی قید میں ہے۔''

میں اس بات پر غور کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''را، موساد اور سی آئی اے والے بڑی خوشی سے میری اور گرینڈ پا کی ملاقات کا منظر دیکھیں گے۔ وہ میری اور گرینڈ پاپا کی ملاقات کے وقت آپ کے منتظر رہیں گے۔ ایسے وقت آپ حالات کے مطابق اپنے طور پر کوئی گیم کھیل سکیں گے۔''

میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''شاباش! اچھی تدبیر ہے۔ پاپا مجھ سے نہیں مل پائیں گے۔ اپنے پوتے سے مل کر خوشی سے نہال ہو جائیں گے۔ تمہاری صورت میں بیٹے سے آدھی ملاقات ہو جائے گی۔''

''کیا آپ مجھے انڈیا جانے کی اجازت دے رہے ہیں؟''

''ہاں۔ نامان سے کہو وہ ایک پریس کانفرنس منعقد کرے۔ اس کانفرنس میں تم اعلان کرو گے کہ تھری ایس عمیر بن غازی کے بیٹے اور حیات بعد الموت پانے والے غازی صلاح الدین کے پوتے ہو۔ چونکہ تمہارے پاپا تھری ایس روپوش رہتے ہیں۔ ان سے ملاقات ممکن نہیں ہے' اس لئے اپنے گرینڈ پا سے ملنے انڈیا جا رہے ہو۔''

''میں سمجھ گیا' اس طرح اخبارات اور مختلف چینلو کے ذریعے گرینڈ پا کو معلوم ہوگا کہ ان کا پوتا ان سے ملنے آ رہا ہے۔ دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیاں الرٹ ہو جائیں گی۔ سب کی توجہ دادا اور پوتے پر رہے گی۔ ان حالات میں آپ اپنے کسی منصوبے پر عمل کر سکیں گے۔''

''بیٹے! میری چال کچھ اور ہے۔ میں موسٹ پاپولر میگزین کا نمائندہ ہوں۔ یہاں کوئی دشمن مجھے پہچان نہیں پا رہا ہے۔ دادا سے ملنے آؤ گے تو میں انٹرویو لینے پہنچ جاؤں گا۔ دشمنوں کی بھیڑ میں بھی باپ' بیٹا اور پوتا پوری آزادی سے ملیں گے۔''

''واہ پاپا! بڑی زبردست تدبیر ہے۔ چالاک سے چالاک دشمن کی عقل میں بھی یہ بات نہیں آئے گی کہ آپ ان سب کے سامنے اپنے پاپا اور بیٹے سے مل رہے ہیں۔''

''میرے جاں نثار جلد ہی پاپا کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ اس کے بعد ان سے ملنے کی یہی تدبیر

ہوگی۔ میں اس پلاننگ پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ تم بھی کرو۔ پھر یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اتنی دیر تک بیٹے سے گفتگو کر کے میں بھی اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔ دل ہی دل میں اسے اپنا بیٹا تسلیم کرنے لگا۔ چونکہ ایک بار بیٹے کی ڈمی سے دھوکا کھا چکا تھا۔ اب اسے اچھی طرح سمجھ کر قبول کرنا چاہتا تھا۔

اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے میں نے یعقوب کو یہ راز بتایا تھا کہ میں انڈیا میں میگزین دی لائٹ کے نمائندے کی حیثیت سے رہتا ہوں۔

اب اگر یعقوب فراڈ ہوگا تو یہ اہم راز میسونی تنظیم تک پہنچائے گا۔ دہلی میں دور ہی دور سے مجھے جانچا پرکھا جائے گا۔

پھر یعقوب یہ خبر دے گا کہ میں ایک نمائندے' ایک رپورٹر کی حیثیت سے ایک پریس کانفرنس میں اپنے باپ اور بیٹے سے انٹرویو لوں گا۔ ایسے وقت مجھے نہایت آسانی سے گرفتار کیا جا سکے گا۔

یعقوب غیر معمولی ذہانت کا حامل تھا۔ مگر میرے سامنے بچہ تھا۔ میں اس بچے کو دکھانا چاہتا تھا کہ کس طرح عین وقت پر بازی پلٹ دیا کرتا ہوں؟

اور اگر دی لائٹ کے نمائندے پر کوئی شبہ نہ کرتا۔ اسے گرفتار نہ کیا جاتا تو میں سمجھ لیتا کہ یعقوب نے مجھے دھوکا نہیں دیا ہے۔ بلاشبہ وہ میرا اپنا لخت جگر ہے۔

میں جرائم کی دنیا میں بتیس دانتوں کے درمیان رہتا آ رہا ہوں۔ یہ خوب جانتا ہوں کہ کس طرح ان دانتوں کے درمیان رہ کر زخمی نہیں ہونا چاہئے۔ دانتوں کا کام ہے چبا ڈالنا' پیس ڈالنا... وہ مجھے کبھی کبھی زخمی کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں چبا ڈالنے اور پیس ڈالنے کی حسرت ہی رہ جاتی ہے۔

☆☆☆

مندر کمیٹی کا چیئرمین اور پنڈت بنگلے کے آگے اور پیچھے والے گیٹ پر پہرہ دے رہے تھے۔ انہیں مجھ پر اور دارا اکبر پر بھروسہ نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دارا اکبر انہیں دھوکا دے کر ان سے چھپ کر میرے ذریعے خزانے تک پہنچ جائے گا۔

پنڈت اور چیئرمین کے تین جوان بیٹے باری باری اگلے اور پچھلے گیٹ کے سامنے اپنی گاڑیوں میں موجود رہتے تھے۔ میں نے غیر معمولی سماعت کے ذریعے ان کی باتیں سنی تھیں۔ تین جوان بیٹوں نے اپنے پاس ہتھیار چھپا کر رکھے تھے۔ اگر خزانے کے بٹوارے میں

بے ایمانی ہوتی تو وہ ہمیں گولی مار دیتے۔

دارا اکبر نے کھ منتری راما راؤ کے محل میں جا کر اس سے ملاقات کی۔ راما راؤ نے کہا۔ "غازی کو یہاں لاؤ۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں' وہ خزانہ کہاں ہے؟ کتنا ہے؟ سونا چاندی اور ہیرے جواہرات کس قدر ہیں؟"

دارا اکبر نے کہا۔ "منتری مہاراج! خزانہ اس قدر ہے کہ اسے کئی کھیپ میں لانا ہوگا۔ ہم اسے بیک وقت کسی ٹرک میں لاد کر گھر نہیں لاسکیں گے۔ یہ کام بڑی رازداری سے ہوگا۔"

منتری نے بے چین ہو کر کہا۔ "تم غازی پر بھروسہ نہ کرو۔ وہ جگہ معلوم کرلو۔ اسے یہاں لے کر آؤ۔ ہم وہاں تک پہنچنے کا ایک نقشہ بنالیں گے۔ پھر غازی ہمارے لئے ضروری نہیں رہے گا۔"

"وہ ہر حال میں ضروری ہے۔ کہتا ہے' ہم اس مقام تک پہنچ کر بھی ایک تنکا حاصل نہیں کرسکیں گے۔ جب وہ اسم اعظم پڑھے گا' تب راستہ کھلے گا۔ اس کی ایمانی قوت سے ہی ہم خزانہ حاصل کرسکیں گے۔"

وہ صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "میری بے چینی بڑھتی جارہی ہے۔ غازی کو یہاں لاؤ۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں' وہ کیسی جگہ ہے؟ کیسا اسرار ہے کہ صرف وہی اللہ کا نام لے گا تو راستہ کھلے گا؟ ہمیں یہ بھید معلوم ہونا چاہئے۔"

"وہ کل صبح یہاں آئے گا۔ پھر آپ باہر والوں پر ظاہر کریں گے کہ وہ یہاں مہمان کے طور پر رہنے لگا ہے۔ جب آپ اپنی کلرڈ شیشے والی گاڑی میں اسے یہاں سے لے جائیں گے تو سی آئی اے والے یہی سمجھیں گے کہ آپ سیاسی دورے پر بھیم پارہ جارہے ہیں اور غازی آپ کے محل میں ہے۔ غازی بھی فون کرنے والوں کو یہی یقین دلائے گا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ طبیعت ناساز ہے۔ اس لئے کل صبح سے پہلے محل سے نہیں نکلے گا۔"

راما راؤ نے کہا۔ "میرے ساتھ دو مسلح گارڈز رہیں گے۔ وہ میرے غلام ہیں' بہترین فائٹرز بھی ہیں۔ مندر کمیٹی کے چیئرمین اور پنڈت کو وہاں سے زندہ لوٹنے نہیں دیں گے۔"

"ان کے تین تگڑے جوان بیٹے ہیں۔ وہ بھی یقیناً مسلح ہوں گے۔ لیکن غازی جیسے ہاتھی کے سامنے ٹھہر نہیں پائیں گے۔ میں بھی پولیس والا ہوں۔ کاؤنٹر فائرنگ کا کھیل خوب جانتا ہوں۔"

"تم ابھی جاؤ' چیئرمین اور پنڈت کو میرے پاس بھیج دو۔ میں ان سے بات کرکے

اندازہ کروں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں؟"

دارا اکبر وہاں سے چلا گیا۔ کھ منتری راما راؤ اپنے طور پر ایسی چالیں چلنا چاہتا تھا کہ خزانے کے طلبگاروں کی تعداد کم سے کم ہو جائے۔ فی الحال تعداد بڑھتی جارہی تھی۔

یوں تو خزانہ صرف میرا اور پھول وتی کا تھا۔ لیکن اب دارا اکبر' منتری راما راؤ' چیئرمین' پنڈت اور ان کے تین بیٹوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ راما راؤ کے دو مسلح باڈی گارڈز ہیرے جواہرات کو دیکھ کر للچانے والے تھے۔ ان کی چمک دمک سب ہی کا ایمان خراب کرنے والی تھی۔

مندر کمیٹی کا چیئرمین اور پنڈت ایک گھنٹے کے اندر محل میں آگئے۔ اپنے صوبے کے کھ منتری سے مصافحہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "ہم بڑے آگوان ہیں کہ آپ جیسی مہان ہستی سے ہاتھ ملانے اور باتیں کرنے کا اعزاز حاصل کررہے ہیں۔"

کھ منتری نے پوچھا۔ "آپ یہ بتائیں' خزانے کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"ہم کیا بتائیں؟ غازی بہت ہی مکار ہے۔ ہم اس تہہ خانے میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی غازی تمام خزانہ سمیٹ کر کسی دوسری جگہ لے گیا تھا۔"

"میں نے سنا ہے' خزانہ بہت زیادہ ہے۔ پھر ایک تنہا شخص اسے کہاں لے گیا ہوگا؟ کتنی دور لے گیا ہوگا؟"

"وہ وہیں آس پاس کہیں ہے۔ غازی کہتا ہے' صرف وہی اسم اعظم پڑھ کر ہمیں خزانے تک پہنچا سکتا ہے۔"

راما راؤ نے کہا۔ "دارا اکبر نے بتایا ہے' جس تہہ خانے میں پہلے خزانہ تھا' وہاں اب انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہیں۔ یقیناً غازی نے انہیں ہلاک کیا ہوگا۔"

"ہاں۔ اسی نے انہیں ہلاک کیا ہوگا۔"

راما راؤ نے کہا۔ "وہ ہلاک ہونے والے خزانے کے راز سے واقف ہو گئے ہوں گے۔ انہوں نے حصے داری کے لئے اسے مجبور کیا ہوگا۔ تب وہ انہیں خزانے کے پاس اس تہہ خانے میں لے گیا ہوگا اور وہاں ایک تنکا بھی دینے کے بجائے انہیں موت دی ہوگی۔"

چیئرمین نے سر ہلا کر کہا۔ "بالکل یہی بات ہے۔ ہم اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ غازی بہت مکار ہے۔ وہ ہم سے بھی دھوکا کرسکتا ہے۔"

پنڈت نے کہا۔ "مگر وہ ایک ہے۔ ہمارے ساتھ تین تگڑے پہلوان بیٹے ہیں۔ پھر

منتری جی! آپ ہمارے ساتھ ہیں۔"

منتری نے کہا۔"ہاں۔میرے ساتھ دو مسلح گارڈز رہیں گے۔غازی پر کڑی نظر رکھیں گے۔اگر وہ کسی طرح دھوکا دینا چاہے گا تو میرے گارڈز اسے گولی ماردیں گے۔"

پنڈت نے کہا۔"وہ دھوکا دے یا نہ دے۔اسے ختم کرنا ہی ہوگا۔"

منتری نے کہا۔"دارا اکبر نے اسے داماد بنایا ہے۔وہ اس کی موت نہیں چاہے گا۔ہم حصے داروں کی تعداد کم کرنے کے لئے اس آئی جی پولیس افسر دارا اکبر کو بھی وہیں موت کی نیند سلادیں گے۔"

چیئرمین نے کہا۔"یہ تو آپ ہمارے دل کی' ہمارے منہ کی بات کہہ رہے ہیں۔وہ خزانہ ایک ہندو راجہ پرتھوی ولبھ کا تھا۔اس پر ہم ہندوؤں کا حق ہے۔"

پنڈت نے کہا۔"وہ خزانہ شری کرشن مراری کے قدموں تلے بڑی حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔ایک مسلمان اسم اعظم پڑھ کر اسے دوسری جگہ لے گیا ہے۔وہ ہمارا ہے' ہم اسے واپس لائیں گے۔"

"اور ان دو مسلمان حصے داروں کو وہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"بھیم پارہ جانے سے پہلے ہمیں خزانے کی جگہ معلوم ہونی چاہئے۔وہاں تک پہنچنے کا نقشہ تیار کرنا چاہئے۔"

"ایسا نقشہ تو غازی ہی ہمارے سامنے تیار کر سکے گا۔"

منتری راماراؤ نے اپنے فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے کہا۔"میں اسے یہاں بلاتا ہوں۔"

اس نے رابطہ ہونے پر کہا۔"ہیلو دارا اکبر! میں ابھی نقشہ تیار کرانا چاہتا ہوں۔تم غازی کو اسی وقت یہاں لے آؤ۔"

میں اپنی قوت سماعت کے ذریعے ان سب کی باتیں سن رہا تھا۔اگر انہیں خزانے تک لے جاتا تو پنڈت کے تین اور مکھ منتری کے دو مسلح گارڈز مجھے چاروں طرف سے گھیر کر فائرنگ کرتے تو میں ہزار مردانگی دکھانے کے باوجود وہاں سے زندہ واپس نہ آتا۔

دانشمندی یہی تھی کہ وہاں جانے سے پہلے اپنے لئے حفاظتی انتظامات کرلوں۔میں نے اپنے بیٹے کی طرح جاں نثاروں کی فوج نہیں بنائی تھی۔لہٰذا دشمنوں سے مات کھا سکتا تھا۔وہاں خزانے سے بھی جاتا اور جان سے بھی چلا جاتا۔

دارا اکبر نے مجھ سے کہا۔"مکھ منتری نے ابھی ہمیں طلب کیا ہے۔جبکہ کل صبح آنے کو

کہا تھا۔وہ خزانہ حاصل کرنے کے لئے ایسا بے چین ہے کہ اسے تمام رات نیند نہیں آئے گی۔"

میں نے کہا۔"آپ کا وہ مکھ منتری اور پنڈت خزانہ ملتے ہی ہمیں گولی ماردیں گے۔ان کے ساتھ پانچ مسلح افراد ہوں گے۔"

"ہم بھی نہتے نہیں ہوں گے۔اپنے پاس بھرے ہوئے ریوالور اور کارتوس رکھیں گے۔پھر یہ کہ خزانے تک پہنچنے سے پہلے میں ان کے باڈی گارڈز کو ناکارہ بنادوں گا۔"

"ناکارہ کیسے بنائیں گے؟"

"یہاں سے بھیم پارہ جانے کے راستے میں ایک ڈھابہ ہے۔اس راستے سے گزرنے والے مسافر وہاں کھانے پینے کے لئے رُکتے ہیں۔"

دارا نے بتایا کہ وہ ڈھابہ دراصل ایک اسمگلر کا ہے۔وہ ڈھابے کی آڑ میں اسمگلنگ کا دھندہ کرتا ہے۔دارا اکبر کو اچھا کمیشن دیتا ہے۔وہ ڈھابے کے مالک کو حکم دے گا کہ پنڈت کے بیٹوں کو اور منتری کے مسلح گارڈز کو کھانے پینے کی چیزوں میں اعصابی کمزوری کی دوا ملا کر دی جائے۔وہ حکم تعمیل ضرور کرے گا۔اس طرح ان کے مسلح محافظ اعصابی کمزوری میں مبتلا ہوجائیں گے۔مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

ہم اس تدبیر پر عمل کرکے ان پر حاوی ہوسکتے تھے۔ان پر غالب آنے کے بعد صرف راماراؤ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔کیونکہ وہ اُتر پردیش کا مکھ منتری تھا۔یہ باتیں ریکارڈ میں ہوتیں کہ وہ ہمارے ساتھ بھیم پارہ گیا ہے۔

اس کا زندہ سلامت رہنا ضروری تھا۔اس طرح وہ خزانے کا حصے دار بھی بن کر رہتا۔اس کے بعد ہم دوسرے تمام حصے داروں کو وہیں نیست و نابود کرنے والے تھے۔میں دارا کے ساتھ محل میں پہنچا تو راماراؤ' پنڈت اور چیئرمین نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔راماراؤ کے بیڈروم میں نقشہ بنانے کے لئے ڈرائنگ کا سامان موجود تھا۔

اس نے کہا۔"غازی! ہمارے پاس خزانے تک پہنچنے کا نقشہ ہونا چاہئے۔تم ابھی نقشہ بناؤ اور ہمیں بتاؤ کہ وہ شکارگاہ کے نیچے زمین کے کس حصے میں ہے؟"

میں نے شکارگاہ کے تہہ خانے کی چار دیواری کاغذ پر بنائی پھر کہا۔"ہم کرشن بھگوان کی مورتی کے نیچے زینے سے اتریں گے تو بائیں طرف کی دیوار کے پیچھے وہ تمام خزانہ ہے۔"

منتری راماراؤ نے کہا۔"جب اس دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہے تو تم نے تہہ خانے کا تمام خزانہ وہاں تک کیسے پہنچادیا؟"

میں نے کہا۔ ”جو دین دھرم کو مانتے ہیں‘ وہی میری بات سمجھیں گے کہ میں نے دین ایمان کی قوت سے وہ خزانہ وہاں پہنچایا ہے اور میں ہی اسم اعظم پڑھ کر اس دیوار میں دروازہ بنا کر آپ کو خزانے تک لے جا سکتا ہوں۔“

راما راؤ نے کہا۔ ”تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ تمہاری ایمانی قوت سے بھی اس دیوار میں دروازہ نہیں بنے گا‘ تب ہم وہاں کیسے پہنچیں گے؟“

پنڈت نے کہا۔ ”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہمارے بیٹے کدال سے اس دیوار کو توڑ ڈالیں گے۔“

راما راؤ نے کہا۔ ”ہاں۔ یہی کرنا ہوگا۔“

دارا اکبر نے کہا۔ ”اس شکار گاہ کے اطراف ہندوؤں نے ڈیرہ ڈنڈا جمایا ہوا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم پوجا گھر کے تہہ خانے میں کیا کر رہے ہیں؟“

وہ سب ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ مکھ منتری نے پنڈت اور چیئرمین سے کہا۔ ”آپ دونوں تمام ہندوؤں کو وہاں سے ہٹا سکتے ہیں۔ ان سے یہ جھوٹ کہہ سکتے ہیں کہ سات تاریخ کو عدالت جو بھی فیصلہ سنائے‘ غازی وہ شکار گاہ ان کے حوالے کر دے گا۔ پھر وہ اسے کرشنا مندر بنا سکیں گے۔ فی الحال وہاں سے چلے جائیں۔“

میں نے کہا۔ ”میں مسلمان ہوں۔ اپنے گھر کو مندر بنانے والی بات کبھی نہیں کروں گا۔“

”میں مکھ منتری ہوں۔ تمہیں حکم دیتا ہوں‘ جو کہہ رہا ہوں‘ وہی تمہیں کرنا ہوگا۔“

”میں اپنے دینی جذبے کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا۔ آپ زیادہ سے زیادہ کسی جھوٹے الزام میں مجھے جیل بھجوا دیں گے۔ میرا وکیل مجھے وہاں سے نکال لائے گا۔ میں مخالفین سے لڑنا جانتا ہوں۔ خواہ وہ مخالف دیس کا پردھان منتری ہی کیوں نہ ہو۔“

راما راؤ مجھے غصے سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ ”آپ صوبے کے حاکم ہیں۔ مگر یاد رکھیں! میں امریکی سی آئی اے کی نگرانی میں ہوں۔ اس وقت بھی محل کے باہر میری نگرانی کرنے والے موجود ہیں۔ میں صرف ایک کال کروں گا اور کہوں گا کہ آپ نے مجھے حبس بے جا میں رکھا ہے تو وہ سب دندناتے ہوئے یہاں چلے آئیں گے۔“

وہ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ حاکم ہونے کے باوجود مجھ سے حکم نہیں منوا سکے گا۔

دارا اکبر نے کہا۔ ”منتری جی! آپ غصہ نہ کریں۔ ہم آپس میں مل جل کر ہی خزانہ حاصل کر سکیں گے۔“

وہ اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”میں ایسے غازی بازی اور پاجی کا محتاج نہیں ہوں۔ پنڈت اور چیئرمین کے ساتھ وہاں جا کر سارا خزانہ حاصل کر سکتا ہوں۔“

میں وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”آپ نے مجھے پاجی کہا ہے۔ میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ فی الحال آپ کا خدا ہی حافظ ہے۔“

میں جانے لگا۔ مکھ منتری نے کہا۔ ”دارا اکبر! تمہاری بھی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ یہاں سے اور یاد رکھو! تم دونوں میں سے کوئی بھیم پارہ کا رخ نہیں کرے گا۔ میں ہوم منسٹر کو فون کرتا ہوں‘ وہ غازی کی نگرانی کرائیں گے۔ اسے گھر سے باہر نکلنے نہیں دیں گے۔ کل تک تمہارا ٹرانسفر کسی دوسری جگہ کر دیا جائے گا۔ تمہیں آئی جی کے عہدے سے گرا دیا جائے گا۔“

دارا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”رحم کریں مائی باپ! غازی نافرمان ہے۔ میں تو آپ کا فرمانبردار ہوں۔ میرا ٹرانسفر نہ کریں۔ میں آپ کے چرنوں میں رہنا چاہتا ہوں۔“

وہ گرجدار آواز میں بولا۔ ”یو شٹ اپ۔ نکل جاؤ یہاں سے..... ورنہ میرے ملازم دھکے دے کر نکالیں گے۔“

میں محل سے باہر آ کر کار میں بیٹھ گیا تھا۔ دارا اکبر سر جھکائے میرے برابر والی سیٹ پر آ گیا۔ میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

وہ غصے سے بولا۔ ”کیا تم منتری جی کا حکم نہیں مان سکتے تھے؟ اس شکار گاہ کو مندر بنانے پر راضی ہو جاتے تو تمہارا کیا جاتا؟ وہ حاکم ہے‘ اب تو ہمیں اُدھر جانے بھی نہیں دے گا۔ ہزاروں لاکھوں ہندوؤں کو تمہارے خلاف بھڑکائے گا۔ تم عدالت میں کیس جیتنے کے باوجود وہاں قدم نہیں رکھ سکو گے۔“

میں چپ چاپ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر بولا۔ ”خاموش کیوں ہو؟ اب بھی وقت ہے۔ جا کر اس سے معافی مانگو۔ اس کے قدموں میں گر پڑو۔“

میں نے کہا۔ ”آپ کو قدموں میں گرنے کی عادت ہے۔ آپ آدھے مسلمان اور آدھے ہندو ہیں۔ جب خزانہ حاصل کرنے کے لئے بیٹی کو میرے حوالے کر سکتے ہیں تو پھر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔“

”یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا مجھے بے غیرت کہہ رہے ہو؟“

"اتنے بے غیرت کہ ایک مسلمان کے گھر کو مندر بنانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ مجھے ایک ہندو کے قدموں میں گرنے کو کہہ رہے ہو۔"

"یوشٹ اپ۔ گاڑی روکو۔ باہر نکلو میری گاڑی سے۔"

"سوری۔ تمہارے گھر تک جاؤں گا۔ وہاں سے اپنا سامان لے جاؤں گا اور اس سامان میں تمہاری بیٹی ہے۔ اسے بھی لے جاؤں گا۔"

"میری بیٹی کو ہاتھ بھی لگاؤ گے تو گولی مار دوں گا۔"

"مجھے گولی نہیں مارو گے۔ کیونکہ میں تمہیں خزانے تک پہنچاؤں گا۔ اللہ نے چاہا تو دشمن کبھی وہاں تک پہنچ نہیں پائیں گے۔ صرف ہم پہنچیں گے۔"

وہ ایکدم سے نرم پڑ گیا۔ میری طرف گھوم کر بولا۔ "کیا سچ کہہ رہے ہو؟ وہ خزانہ انہیں نہیں، ہمیں ملے گا؟"

"وہ خزانہ پھول وتی کا ہے۔ پھول وتی کو ہی ملے گا۔"

"یعنی کہ میری بیٹی کو۔ یعنی کہ مجھ کو اور تم کو؟ یعنی کہ صرف ہمارے گھر والوں کو ملے گا؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ تم مکھ منتری کے قدموں میں جاؤ۔ میرے گھر کو مندر بناؤ۔"

"لعنت ہے اس منتری پر...... میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

"یعنی میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے۔ بیٹی کو میرے حوالے کرو گے۔ میرے قدموں میں رہو گے؟"

"ہاں۔ مجھے یقین ہے، دشمن وہ خزانہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وہ صرف ہمیں ملے گا۔ تم نے کہا تھا، وہاں تک پہنچنے کا دوسرا راستہ بھی ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ میرا بازو تھام کر بولا۔ "پلیز مجھے بتاؤ، کیا ہم آج ہی ادھر جا سکتے ہیں؟"

"آج کیا ابھی جا سکتے ہیں۔ مگر نہیں جائیں گے۔ پہلے راستے کے کانٹے چنتے رہیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ سی آئی اے والے میری نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے پیچھے چلے آئیں گے پھر یہ کہ مکھ منتری اور پنڈت بھی ناکام ہونے کے بعد ہم پر کڑی نظر رکھیں گے۔"

"کیا مصیبت ہے؟ ایک سے پیچھا چھڑاؤ تو دوسرے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ان سب سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے گا؟"

"یہ تم سوچو۔ مجھے خزانے تک پہنچنے کی جلدی نہیں ہے۔ جب تم دشمنوں سے نجات حاصل کر لو گے، تب ہم ادھر جائیں گے۔"

میں نے گھر آ کر پھول وتی سے کہا۔ "تمہارا باپ مجھے اس گھر سے نکال رہا تھا۔ جاؤ اس پوچھو ہمارے موجودہ حالات کیا ہیں اور وہ کیا چاہتا ہے؟"

وہ بولی۔ "مجھے اس گھر میں نہیں رہنا۔ تم جہاں جاؤ گے، میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"ساتھ رہنے کے لئے ہمیں کورٹ میرج کرنی ہوگی۔ فی الحال اپنے باپ کے پاس جاؤ، اس کا محاسبہ کرو۔ مجھے تھوڑی دیر کے لئے تنہا چھوڑ دو۔ میں سی آئی اے والوں سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ باپ سے باتیں کرنے چلی گئی۔ میں نے تنہائی میں مکھ منتری کی باتیں سنیں۔ وہ پنڈت اور چیئرمین کے ساتھ دوسری صبح بھیم پارہ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا، صرف خدا جانتا تھا کہ وہ خزانے تک پہنچ سکیں گے یا نہیں؟ میں نے اس خزانے کو اسم اعظم سے منسوب کر دیا تھا۔ میرا ایمان تھا کہ میری طرح اسم اعظم پڑھے بغیر کوئی وہاں تک پہنچ نہیں پائے گا۔

☆☆☆

میرے جاں نثار پاپا کے سلسلے میں اہم معلومات حاصل کر رہے تھے۔ ایک جاں نثار نے کہا۔ "سر! بڑی اہم بات معلوم ہوئی ہے۔ آپ نے جس شکارگاہ کے تہ خانے میں عصاء اور دوسرا سامان چھپا کر رکھا ہے۔ اس شکارگاہ کو اور اس کے آس پاس کی زمینوں کو آپ کے پاپا نے خرید لیا ہے۔"

یہ بات چونکا دینے والی تھی۔ مجھے پہلے ہی سوچنا چاہئے تھا۔ خزانے کا راز میری امی کو پھر مجھ کو پاپا سے ہی معلوم ہوا تھا۔ مجھے یہ یاد رکھنا چاہئے تھا کہ وہ ستر برس کے بعد نئی زندگی پا کر ضرور اُدھر گئے ہوں گے۔

پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ پاپا نے تہ خانے میں جانے کے بعد میرے عصاء کو دیکھا ہوگا، میری ڈائریاں ضرور پڑھی ہوں گی۔

میں اس پہلو سے غور کرنے لگا تو دل نے کہا۔ "میرے پاپا نے اس عصاء کو وہاں محفوظ رکھنے کے لئے اس شکارگاہ کو اور آس پاس کی زمینوں کو خرید لیا ہے۔"

میرے جاں نثار نے کہا۔ "متعصب ہندو اس شکارگاہ کو کرشنا مندر بنانا چاہتے ہیں۔"

آپ کے پاپا کہتے ہیں اب وہ شکار گاہ ایک مسلمان کا گھر ہے۔ وہ اسے مندر نہیں بننے دیں گے۔ عدالت میں یہی مقدمہ چل رہا ہے۔ سات تاریخ کو عدالتی فیصلہ سنایا جائے گا۔"

میں نے پوچھا۔ "بھیم پارہ کے ہندوؤں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہوگا؟"

"جی ہاں۔ ہزاروں ہندو شکار گاہ کے آس پاس دھرنا دے رہے ہیں۔ آپ کے پاپا کے خون کے پیاسے ہو چکے ہیں۔ عدالتی فیصلہ آپ کے پاپا کے حق میں ہوگا تو وہ لوگ انہیں وہاں آنے نہیں دیں گے۔ مار ڈالنا چاہیں گے۔"

"یا خدا! میرے پاپا خطرات کا سامنا کرنے والے ہیں اور یہ مجھے ابھی معلوم ہو رہا ہے۔ اگر انہوں نے میری ڈائری پڑھی ہوگی تو پھر اس عصاء کی حفاظت کے لئے جان لڑاتے رہیں گے۔"

میں نے کچھ سوچا پھر کہا۔ "ہمارے تمام جاں نثاروں سے کہو مختلف صوبوں اور شہروں میں نہ رہیں۔ بھیم پارہ جائیں۔ پاپا وہاں کسی وقت بھی جائیں گے تو ان پر ایک ذرا آنچ نہ آئے۔"

اس نے کہا۔ "میں ابھی تمام ساتھیوں کو کال کرتا ہوں۔ ہم وہاں دھرنا دینے والے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیں گے۔"

میں نے کہا۔ "کسی بھی طرح پاپا کا فون نمبر معلوم کرو۔ یہ بھی دھیان میں رکھو کہ سی آئی اے اور دوسری خفیہ تنظیمیں ان کی فون کالز ڈیٹیکٹ کر رہی ہوں گی۔"

وہ میرے احکامات کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ میری لاعلمی میں پاپا مجھ سے دور نہیں تھے۔ اسی شہر میں آئی جی دارا اکبر کے بنگلے میں تھے اور خزانے کے سلسلے میں ان کے اور مکھ منتری کے درمیان عداوتیں پیدا ہو گئی تھیں۔

میں یہ کبھی نہ چاہتا کہ کوئی اس خزانے تک پہنچے۔ میرے لئے خزانے سے زیادہ اہم میرا عصاء تھا۔ وہ شکار گاہ متنازعہ ہو گئی تھی۔ پاپا کے ہاتھ سے نکل سکتی تھی۔ اس سے پہلے عقل کہہ رہی تھی کہ کسی بھی طرح عصاء کو وہاں سے نکال لانا چاہئے۔

میں نے فون پر اپنے جاں نثار سے کہا۔ "سات تاریخ کو عدالت کا جو بھی فیصلہ ہوگا' ہندو اپنی ضد پر قائم رہیں گے۔ کرشنا مندر بنانے کے لئے جبراً شکار گاہ پر قبضہ جمائیں گے۔ میں نے اس سے پہلے اپنے عصاء کو اور اپنی ڈائریوں کو وہاں سے نہ نکالا تو وہ چیزیں پھر کبھی میرے ہاتھ نہیں آئیں گی۔"

"آپ درست فرما رہے ہیں۔ ہمیں آج ہی رات کو کسی بھی طرح اس تہہ خانے میں

پہنچنا چاہئے۔"

"معلوم کرو صبح تک کتنے جاں نثار وہاں پہنچ سکیں گے؟ میں ایک گھنٹے بعد یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

"آل رائٹ سر! ہم آپ کو کور کرتے رہیں گے۔ میں تھوڑی دیر میں جاں نثاروں کی تعداد بتاؤں گا۔"

اس سے رابطہ ختم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ انڈیا کے کئی صوبوں سے جاں نثار صبح تک بھیم پارہ نہیں پہنچ سکیں گے۔ کوئی دوپہر کو اور کوئی شام کو پہنچ پائے گا۔ وہاں ہندو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مجھے تنہا نہیں جانا چاہئے تھا۔

میں نے صبح پانچ بجے تک نیند پوری کی۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ پندرہ جاں نثار آگئے ہیں۔ باقی پچیس شام تک آئیں گے۔ میں نے ان کا انتظار نہیں کیا۔ پندرہ جاں نثاروں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

یہ وہ وقت تھا' جب مکھ منتری راما راؤ اپنے قافلے کے ساتھ ہائی وے پر جا رہا تھا۔ ہم بھی اسی راستے پر تھے۔ ان کی تین گاڑیاں تھیں۔ میرے جاں نثار پانچ گاڑیوں میں تھے۔ ہم سب ایک دوسرے سے انجان تھے۔ مگر ایک ہی منزل کے مسافر تھے۔

ہائی وے پر ہماری گاڑیاں ایک دوسرے سے کبھی آگے نکل رہی تھیں کبھی پیچھے ہو رہی تھیں۔ ہم سوچ رہے تھے' یہ کون لوگ ہیں؟ کسی گاڑی میں عورت نہیں ہے۔ سب ہی ہٹے کٹے مرد دکھائی دے رہے تھے۔ ہماری طرح وہ بھی یہی سوچ رہے ہوں گے۔

آخر ہم سب اس ڈھابے پر پہنچ کر رک گئے۔ جس کا مالک اسمگلر تھا اور آئی جی دارا اکبر کا تابعدار بھی تھا۔ اس نے فون کے ذریعے اطلاع دی۔ "آئی جی صاحب! مکھ منتری آگئے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ان کا کام ہو جائے گا۔"

مکھ منتری کو دیکھتے ہی ڈھابے میں بیٹھے ہوئے تمام مسافر ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

میں نے حیرت سے کہا۔ "مکھ منتری کے ساتھ پروٹوکول ہوتا ہے۔ مسلح محافظوں سے بھری ہوئی درجنوں گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہیں۔ آپ کے ساتھ صرف دو باوردی گارڈز کیوں ہیں؟"

وہ تمام لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔ "میں جنتا کا سیوک ہوں۔ کبھی کبھی جنتا کا دکھ سکھ معلوم کرنے کے لئے پروٹوکول کے بغیر اپنے محل سے نکلتا ہوں۔"

پنڈت نے کہا۔ ''جو کوئی دکھی ہے' ضرورت مند ہے' وہ ابھی عرضی لکھ کر دے۔ کھ منتری جی آپ کی آوازیں اسمبلی میں پہنچائیں گے۔''

کئی مسافر کھانا پینا بھول کر عرضیاں لکھنے بیٹھ گئے۔ کھ منتری کے لئے کھانے کی بڑی سی میز لگائی گئی۔ میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ دوسری میزوں پر آگیا۔

ایک بڑا سا ٹی وی آن تھا۔ فلمی گیتوں کا پروگرام پیش کیا جا رہا تھا۔ منتری نے کہا۔ ''نیوز لگاؤ۔ اپنے دیس کی خبریں سنا کرو۔''

چینل بدل گیا۔ خبریں سنائی جا رہی تھیں۔ ایک نیوز ریڈر کہہ رہی تھی۔ ''بدنام زمانہ شہزادہ سلمان سعدی عرف تھری ایس کے بیٹے یعقوب غازی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ اس نے کبھی اپنے باپ کی صورت نہیں دیکھی۔ کیونکہ وہ روپوش رہتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے دادا غازی صلاح الدین سے ملنے انڈیا آرہا ہے۔''

منتری راما راؤ نے ایک لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ ''اچھا ہی ہوا' ہم غازی سے پیچھا چھڑا کر آگئے۔ یہ کم بخت دنیا بھر کی میڈیا میں بڑا نام کما رہا ہے۔''

میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ اس نے میرے پاپا کو کم بخت کہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ پاپا سے پیچھا چھڑا کر آیا ہے۔ یعنی پاپا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور عداوتی تعلق ہے۔ تب ہی وہ ان سے پیچھا چھڑا کر یا شائد انہیں دھوکا دے کر آیا تھا۔

سوال پیدا ہوا۔ ''یہ پاپا سے پیچھا چھڑا کر بھیم پارہ کی طرف کیوں جا رہا ہے؟''

اب تو میں اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ پنڈت نے کہا۔ ''ہاں۔ یہ غازی بہت نام کما رہا ہے۔ مگر اس کا بیٹا تو ایک نمبر کا بدمعاش ہے۔ سنا ہے' پوری دنیا کے جاسوس اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

میں فوراً ہی اٹھ کر ڈھابے سے باہر آکر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ مجھے غصہ برداشت کرنا تھا۔ وہ میرے لئے اور پاپا کے لئے اچھے الفاظ استعمال نہیں کر رہے تھے۔ اگر وہاں پھٹ پڑتا تو منتری اور پنڈت حرام موت مارے جاتے۔ ویسے بھی ان کی شامت آگئی تھی۔ وہ گھر واپس جانے والے نہیں تھے۔

میرے کچھ جاں نثار گاڑیوں میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ کچھ ڈھابے میں مصلحتاً بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی پتہ چلا کہ منتری کے دو باڈی گارڈز اور پنڈت کا ایک بیٹا اچانک بیمار ہو گئے ہیں۔ وہ تینوں بے حد کمزوری محسوس کر رہے تھے۔

چیئر مین کہہ رہا تھا۔ ''انہوں نے جو لسی پی ہے' اس میں کچھ ملایا گیا ہے۔''

ڈھابے کے مالک نے کہا۔ ''آپ نے بھی لسی پی ہے اور بھی لوگ پی رہے ہیں۔ رسوئی گھر میں جھوٹے گلاس رکھے ہوئے ہیں۔ جا کر دیکھ لیں۔ ان گلاسوں کو لیبارٹری میں لے جا کر ٹیسٹ کرائیں۔ آپ کا شک دور ہو جائے گا۔''

ڈھابے کے مالک نے ان تین گلاسوں کو بڑی چالاکی سے چھپا دیا تھا۔ یہ الزام ثابت نہیں ہو سکتا تھا کہ منتری کے تین آدمیوں کو اعصابی کمزوری کی دوا پلائی گئی ہے۔

میں سوچنے لگا' یہ کیا ہو رہا ہے؟ کوئی ایک اچانک بیمار ہوتا تو یہ محض اتفاقاً ہوتا۔ لیکن بیک وقت تین افراد بیمار اور کمزور ہو گئے تھے۔ میری سمجھ میں یہی آرہا تھا کہ کسی نے بڑی رازداری سے منتری کی سیکورٹی کو کمزور بنایا ہے۔ آگے ضرور کچھ ہونے والا ہے۔

میں نے اپنے جاں نثاروں سے کہا۔ ''تم دو گاڑیوں میں یہاں سے آگے نکل جاؤ۔ کھ منتری سے بہت دور آگے آگے چلو۔ ہم ان کے پیچھے آئیں گے۔''

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''آپ نے سنا ہوگا' کھ منتری کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کے پاپا سے پیچھا چھڑا کر آیا ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''کیوں پیچھا چھڑا کر آیا ہے؟ پاپا سے کیا دشمنی ہے؟''

میں نے کہا۔ ''ایسے سوالات کرتے رہو تو جواب سجھائی دیتا ہے کہ یہ پاپا سے کترا کر بھیم پارہ جا رہا ہے اور وہاں کے جنگل میں خزانے کی کشش ہے۔ کیا کھ منتری کو خزانے کا راز معلوم ہو گیا ہے؟''

یہ ایسی بات تھی کہ تمام جاں نثار قائل ہو گئے۔ ایک نے کہا۔ ''ہم صحیح وقت پر بھیم پارہ جا رہے ہیں۔''

دوسرے نے کہا۔ ''وہاں پہنچنے سے پہلے ہم ان میں سے کسی کو ٹریپ کریں گے۔ اسے گن پوائنٹ پر رکھیں گے تو وہ اُگل دے گا کہ کھ منتری کہاں جا رہا ہے اور کیوں جا رہا ہے؟''

ہم نے دیکھا' کھ منتری کا قافلہ ڈھابے سے باہر آرہا تھا۔ وہ تین بیماروں کو سہارا دے کر اپنی گاڑیوں کی طرف جا رہے تھے۔ میرے جاں نثار دو گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں سے آگے نکل گئے۔ جب کھ منتری کی گاڑیاں آگے جانے لگیں تو ہم کچھ فاصلہ رکھ کر ان کا تعاقب کرنے لگے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ایک مسلح گارڈ نے کہا۔ ''گاڑی روکو۔ میرے

پیٹ میں گڑبڑ ہو رہی ہے۔“

پنڈت کے بیمار بیٹے نے کہا۔”ہاں۔جلدی سے گاڑی روکیں۔میں بھی کھیتوں میں جاؤں گا۔“

قافلہ رک گیا۔وہ دونوں گاڑیوں سے نکل کر کھیتوں کی طرف بھاگنے لگے۔تیسرا بیمار بھی کھیتوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔

راما راؤ نے پریشان ہو کہا۔”یہ کیا مصیبت آ گئی ہے؟ ہمارے تین تگڑے جوان ناکارہ ہو گئے ہیں۔“

پنڈت نے کہا۔”ہم بھیم پارہ پہنچتے ہی ان کا علاج کرائیں گے۔یہ پہلے کی طرح تگڑے ہو جائیں گے۔“

راما راؤ نے کہا۔”میرا سمے برباد ہو رہا ہے۔مجھے آج رات دہلی واپس جانا ہے۔کل منتری منڈل میں اگلے چناؤ کے بارے میں اہم میٹنگ ہے۔“

چیئرمین نے کہا۔”آپ پنڈت جی کے ساتھ پہلے بھیم پارہ پہنچیں۔شکار گاہ کے پاس سے ہندوؤں کا دھرنا ختم کرائیں۔میں ان بیماروں کا علاج کراتے ہی آپ کے پاس شکار گاہ میں پہنچ جاؤں گا۔“

منتری اور پنڈت اپنی دو گاڑیوں میں وہاں سے آگے چلے گئے۔ہم ایک موڑ پر رک کر انہیں دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

میں نے آگے جانے والے جاں نثاروں سے فون پر کہا۔”منتری اور پنڈت کی گاڑیاں آگے آ رہی ہیں۔ان پر نظر رکھو۔باقی بیمار یہاں رک گئے ہیں۔ہم ان سے نمٹ رہے ہیں۔“

ہم تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس ایک گاڑی کے پاس پہنچ گئے' جہاں چیئرمین تنہا کھڑا ہوا تھا اور کھیتوں میں جانے والوں کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

ہماری گاڑیاں اس کے آگے پیچھے آ کر رک گئیں۔جاں نثار اپنی اپنی گاڑیوں سے نکل کر کھیتوں کی طرف دوڑتے ہوئے جانے لگے۔وہ سہم کر ہمیں دیکھ رہا تھا۔

میں نے پوچھا۔”تم کھ منتری کے کیا لگتے ہو؟ بھیم پارہ کیوں جا رہے ہو؟ فوراً سچ بولو ورنہ حرام موت مرو گے۔“

میرے دو جاں نثاروں نے اسے نشانے پر رکھا تھا۔وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔”میں منتری جی کا سیوک ہوں۔بھیم پارہ میں سیاسی جلسہ ہے۔منتری جی بھاشن دینے جا رہے ہیں۔“

میں نے ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔وہ پیچھے جا کر اپنی گاڑی سے ٹکرا گیا۔ایک ہی ہاتھ میں اس کے منہ سے اور ناک سے خون بہنے لگا تھا۔

میں نے کہا۔”پروٹوکول کے بغیر کوئی سیاست دان کسی جلسے میں نہیں جاتا۔سچ بولو اور غازی صلاح الدین کا پتہ ٹھکانہ بتاؤ؟“

وہ آستین سے لہو پونچھتے ہوئے بولا۔”وہ دہلی میں ہے۔آئی جی دارا اکبر کے بنگلے میں رہتا ہے۔“

”فون نمبر بولو؟“

وہ میرے پاپا کا فون نمبر نہیں جانتا تھا۔اس نے دارا اکبر کے نمبر بتائے۔میں نے پوچھا۔”تم لوگ غازی صلاح الدین سے پیچھا چھڑا کر آئے ہو؟“

اس نے پہلے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔پھر نہیں کہتے ہوئے انکار میں سر ہلانے لگا۔ایسے ہی وقت کھیتوں سے فائر کی دو آوازیں ابھریں۔

میں نے کہا۔”تمہارے دو آدمی گئے۔کیا تم بھی جانا چاہتے ہو؟“

اس نے انکار میں سر ہلایا۔میرے جاں نثاروں نے اپنی گن کے سیفٹی کیچ ہٹائے۔میں نے کہا۔”سچ نہ بولے تو گئے۔۔“

وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔”مجھے نہ مارو۔مجھے زندہ رکھو گے تو مالا مال کر دوں گا۔ہم بہت بڑا خزانہ حاصل کرنے جا رہے ہیں۔اس میں سے تمہیں بھی حصہ دیں گے۔“

لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے تیسری گولی چلنے کی آواز ابھری۔میں نے کہا۔”تمہارا تیسرا آدمی بھی گیا۔تم ہمارے ساتھ چلو۔ہم بھیم پارہ میں کھ منتری سے نمٹ لیں گے۔“

میں اسے جاں نثاروں کے حوالے کر کے گاڑی میں آ گیا۔ہم وہاں سے آگے جانے لگے۔مجھے پاپا کا پتہ ٹھکانہ معلوم ہو گیا تھا۔میں دارا اکبر کے فون پر ان سے بات کر سکتا تھا۔لیکن یہ سراسر عجلت اور نادانی ہوتی۔تمام خفیہ تنظیموں کے جاسوس پاپا کا ٹھکانہ جانتے ہوں گے۔ان کی اور آئی جی کی کالیں بھی ڈیٹکٹ کرتے ہوں گے۔میں ان سے رابطہ کر کے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ بیٹا باپ سے مخاطب ہو رہا ہے۔

میرے جاں نثار نے کہا۔”کوئی بھی تعلق ظاہر کر کے آپ بات کریں گے تو وہ سمجھ لیں گے کہ آپ اپنے والد تک پہنچنے کا راستہ بنا رہے ہیں۔“

میں نے کہا۔”کسی بھی حیلے حوالے سے فون پر بات کرنا مناسب نہیں

ہوگا۔ میرا بیٹا یعقوب یہاں آرہا ہے۔ اس کے ذریعے ہم باپ' بیٹے اور پوتے یکجا ہوسکیں گے۔ اس روز زبردست گیم کھیلو۔ پاپا کو اغوا کر کے ایسی جگہ پہنچا دو' جہاں مخالفین کا سایہ بھی نہ پہنچ سکے۔ اس کے بعد ہی ہم باپ بیٹے آزادی سے مل سکیں گے۔"

میں نے گاڑی روک کر چیئرمین کو بلایا۔ وہ میرے ساتھ والی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "وہاں ہزاروں ہندوؤں نے دھرنا دیا ہے۔ ان کی موجودگی میں تہہ خانے کے اندر کیسے جاؤ گے؟ پھر وہاں سے خزانہ نکال کر کیسے لاؤ گے؟ کیا سب لوگوں کی نظروں میں نہیں آؤ گے؟"

اس نے کہا۔ "منتری جی وہاں پہنچتے ہی تمام دھرنا دینے والوں کو بلائیں گے۔ تقریر کریں گے۔ انہیں یقین دلائیں گے کہ اس مسلمان کے گھر کو کرشنا مندر ضرور بنایا جائے گا اور سلسلے میں عدالتی فیصلے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا' لیکن ابھی وہ قانون کو ہاتھ میں نہ لیں۔ شکارگاہ کا محاصرہ ختم کر کے چلے آئیں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا وہ مکھ منتری کی بات مان لیں گے؟"

"ضرور مانیں گے۔ پنڈت جی بھی انہیں یقین دلائیں گے۔ مکھ منتری جی ان سے وعدہ کریں گے کہ سات تاریخ کی شام کو وہ خود آکر شکارگاہ کا دروازہ ہندو جنتا کے لئے کھولیں گے۔"

وہ یقین سے کہہ رہا تھا کہ شام تک وہ جگہ متعصب ہندوؤں سے خالی ہوجائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو منتری اعلان کرے گا کہ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ پوجا کرنے کے لئے شکارگاہ کے اندر جا رہا ہے۔ پوجا کے دوران کوئی مداخلت نہ کرے اور نہ ہی کوئی شکارگاہ کے قریب آئے۔ یوں بھی کوئی نہیں آسکے گا۔ دروازہ اندر سے بند رہے گا۔

میں نے پوچھا۔ "خزانہ کس طرح باہر لایا جائے گا؟"

وہ بولا۔ "ہماری گاڑیوں میں بڑے بڑے سائز کے سوٹ کیس رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ظاہر کیا جائے گا کہ منتری جی چاندی سونا اور نوٹوں کی گڈیاں کرشن بھگوان کے چرنوں میں رکھنے آئے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اور وہ سوٹ کیس خالی ہوں گے۔ ان میں خزانہ بھر کر لے جائیں گے۔"

اس نے کہا۔ "مگر سوٹ کیس خالی نہیں ہوں گے۔ ان کے اندر کدال اور بیلچے ہوں گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "وہاں کدال اور بیلچوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"وہ خزانہ اب تہہ خانے میں نہیں ہے۔ غازی نے اسے دیوار کے دوسری طرف پہنچا دیا ہے۔ وہ کہتا ہے' اسم اعظم پڑھتے ہی دیوار میں دروازہ بن جاتا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے' صرف وہی ہمیں خزانے تک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن ہم اس کے بغیر ہی کدال کے ذریعے دیوار توڑ کر خزانہ حاصل کرلیں گے۔"

یہ مجھے نئی بات معلوم ہوئی کہ پاپا نے خزانہ وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا ہے۔ یقیناً میرے عصاء کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کیا ہوگا۔

میری امی نے بتایا تھا کہ خزانے تک پہنچنے کا دوسرا انتہائی دشوار گزار راستہ ہے۔ صرف دیانتدار' سچے عبادت گزار ہی اسم اعظم پڑھ کر وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ تمہارے پاپا اسی دوسرے راستے سے ضرورت کے مطابق خزانہ لے کر آیا کرتے تھے۔

امی انہیں یاد کر کے روتی تھیں۔ اب وہ رونے والی اللہ کو پیاری ہوگئی تھی اور جو اللہ کو پیارے ہوگئے تھے' وہ پھر دنیا میں واپس آگئے تھے اور وہی دشوار گزار راستے سے خزانے تک پہنچتے ہوں گے۔ انہوں نے وہیں میرے عصاء کو حفاظت سے رکھا ہوگا۔

اب میں دیکھنا چاہتا تھا کہ مکھ منتری وغیرہ دیوار توڑ کر وہاں تک پہنچ پائیں گے یا نہیں؟

منتری راما راؤ اور پنڈت ہم سے پہلے بھیم پارہ پہنچ گئے تھے۔ فون کے ذریعے پہلے ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ مکھ منتری وہاں کی جنتا سے ملنے اور بھاشن دینے آرہے ہیں۔ ایک کھلے میدان میں ہزاروں لوگ جمع ہوگئے تھے۔ مکھ منتری کی جے جے کار ہو رہی تھی۔

شکارگاہ کے اطراف دھرنا دینے والے متعصب ہندو بھی آگئے تھے۔ وہ حکومت اور منتری کے خلاف نعرے لگا رہے تھے' کہہ رہے تھے۔ "پہلے شکارگاہ کا دروازہ کھلواؤ' اسے کرشنا مندر بناؤ پھر بھاشن دو۔ ورنہ ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

منتری نے مائیک کے سامنے آکر دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں آپ کا سیوک ہوں۔ وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے۔ آج یہ کہنے آیا ہوں کہ عدالت جو بھی فیصلہ سنائے۔ میں سات تاریخ کو یہاں آؤں گا اور آپ سب لوگوں کے ساتھ شکارگاہ میں جا کر وہاں کا دروازہ کھولوں گا۔ چاہے خون کی ندیاں بہہ جائیں۔ میں منتری کا عہدہ چھوڑ دوں گا۔ لیکن اسے کرشنا مندر ضرور بناؤں گا۔"

وہ ہندوانہ جذبات بھڑکاتے ہوئے ایسی جوشیلی تقریر کر رہا تھا کہ تمام متعصب ہندو اس کی جے جے اور واہ واہ کرنے لگے۔

اس نے کہا۔ "میں آپ سے بنتی کرتا ہوں کہ شکارگاہ سے واپس آجائیں۔ دھرنا ختم

کردیں۔ یہاں رہ کر کرشنا مندر کی ایک کمیٹی بنائیں۔ میں اس کمیٹی کا ایک کارکن بن کر رہوں گا۔“

پنڈت نے کہا۔ ”منتری مہاراج ابھی شام کو شکار گاہ میں میرے ساتھ جائیں گے‘ پوجا کے اس کمرے کی دھلائی صفائی اپنے ہاتھوں سے کریں گے۔ ہے کرشنا کرشنا کی جاپ کرتے رہیں گے۔ ایسے وقت وہاں کوئی مداخلت کرنے نہ آئے۔“

منتری نے کہا۔ ”میں ڈھیر سارا سونا چاندی اور کرنسی نوٹ لایا ہوں۔ وہ بھگوان کے چرنوں میں ارپن کروں گا۔ آپ سے پھر بنتی کرتا ہوں‘ آپ سب ابھی وہاں سے چلے آئیں۔ جب میں شکار گاہ کے باہر آکر اسے لاک کردوں گا تو پھر وہاں جائیں اور کرشنا مندر کی نگرانی کریں۔ کیونکہ میں وہاں لاکھوں روپے اور سونا چاندی چھوڑ کر آؤں گا۔“

وہ ایسی باتیں کہہ رہا تھا کہ سب ہی قائل ہو رہے تھے۔ شکار گاہ کے اطراف سے دھرنا ختم کرکے آرہے تھے اور ایک نئی کرشنا مندر کمیٹی بنا رہے تھے۔ مزید یہ کہ مکھ منتری کو اس کمیٹی کا چیئرمین مقرر کررہے تھے۔

منتری کا قیام شاہی گیسٹ ہاؤس میں تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد شکار گاہ کی طرف جانے والا تھا۔ ایسے وقت چیئرمین نے میرے ساتھ وہاں آکر کہا۔ ”آپ انہیں دھابے میں دیکھ چکے ہیں اور یہ شری مان جان چکے ہیں کہ ہم یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟“

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ”تم کیسے جانتے ہو؟ کون ہو تم؟“

میں نے کہا۔ ”یہ فضول سا سوال ہے۔ میں کوئی بھی ہوں‘ یہ بھید جیسے بھی جانتا ہوں؟ آخر جانتا تو ہوں۔ مجھے ساتھ نہیں لے جاؤ گے تو جنتا کو تمہارا اصلی چہرہ دکھاؤں گا۔ حقیقت بتاؤں گا کہ یہ جتنے سوٹ کیس پوجا گھر میں لے جارہے ہو۔ ان میں سونا چاندی اور کرنسی نہیں ہے۔ کدال اور بیلچے ہیں۔“

وہ تلملا گیا۔ صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ”کون ہو تم؟ کہاں سے مرنے آگئے ہو؟“

”مارنے آیا ہوں۔ اسی لئے تلملا رہے ہو۔ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ مجھے خزانے میں حصہ دار بنانے سے انکار نہیں کرسکتے۔“

چیئرمین نے کہا۔ ”منتری مہاراج! اس کے آدمیوں نے آپ کے دونوں باڈی گارڈز کو اور پنڈت جی کے بیٹے کو گولی ماردی ہے۔“

یہ سنتے ہی پنڈت اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”ہائے میرا بیٹا! میں ابھی جاؤں گا اسے دیکھوں گا۔ کہاں ہے وہ؟“

اس کے دو جوان بیٹوں نے اپنی گنیں سیدھی کیں۔ مجھے نشانے پر لے کر کہا۔ ”ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

میں اچھل کر مکھ منتری کے پیچھے آگیا۔ اپنا ریوالور اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے بولا۔ ”اپنے ہتھیار پھینکو۔ ورنہ یہ ریوالور منتر پڑھے گا۔ پھر تمہارا یہ منتری چھو منتر ہو جائے گا۔“

وہ سن چکے تھے کہ ہم نے تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور میں اتنی ہی سفاکی سے منتری کو بھی گولی مار سکتا تھا۔ پنڈت اور چیئرمین اپنے بیٹوں کے سامنے آکر بولے۔ ”ہتھیار پھینک دو۔ یہاں ایک بھی گولی چلے گی تو بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ یہ بات چھپی نہیں رہے گی کہ ہم خزانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔“

ایک گن مین نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ ہم گولی نہیں چلائیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”ٹھیک نہیں ہے۔ جب تک ہتھیار نہیں پھینکو گے‘ موت منتری کے قریب رہے گی۔“

ریوالور اس کی کنپٹی سے لگا ہوا تھا۔ وہ غصے سے بولا۔ ”ہتھیار پھینکو۔ کیا مجھے مروانا چاہتے ہو؟“

انہوں نے ہتھیار ایک طرف پھینک دیئے۔ میں نے منہ میں دو انگلیاں ڈال کر سیٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے میں مسلح جاں نثار دوڑتے ہوئے اندر آگئے۔

میں نے کہا۔ ”ان دو جوانوں کو اپنی گاڑی میں بٹھاؤ۔ یہ تہہ خانے میں کدال چلانے کے کام آئیں گے۔“

پھر میں نے اپنا ریوالور لباس کے اندر رکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں تو منتری مہاراج! خزانہ ہمیں پکار رہا ہے۔ اس راج سنگاسن سے اٹھو اور چلو۔“

وہ دیکھ رہا تھا کہ پوری طرح میرے شکنجے میں ہے۔ وہ کسی کو اپنی مدد کے لئے بلا نہیں سکتا تھا۔ جو بھی مدد کے لئے آتا‘ خزانے کا طلبگار بن جاتا۔ یوں حصے داروں کی تعداد اور بڑھ جاتی۔

وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر میرے ساتھ باہر آگیا۔ میں نے اسے اپنی کار میں بٹھایا۔ پنڈت اور چیئرمین دوسری گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ باہر لوگوں نے میرے مسلح جاں نثاروں کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ وہ مکھ منتری کے سیکورٹی گارڈز ہیں۔ یوں ہمارا قافلہ بھیم پارہ سے روانہ ہو کر شکار گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

اُدھر دھرنا جمانے والے بھیم پارہ جا کر نئی مندر کمیٹی بنا کر ایک نئے کرشنا مندر کے

سپنے دیکھ رہے تھے۔ وہاں کوئی دور سے بھی دیکھنے والا اور مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔ ہم نے شکار گاہ کے اندر آ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

میرے ساتھ صرف ایک جاں نثار تھا۔ باقی باہر کھڑے ہوئے تھے۔ پنڈت اور چیئرمین کرشن جی کی مورتی کو دائیں بائیں گھما کر پہلے بھی تہہ خانے میں جا چکے تھے۔ انہوں نے نیچے جانے کا راستہ بنا لیا۔

پنڈت کے دونوں بیٹوں نے کدال اور بیلچے اٹھا لئے۔ بے انتہا دولت کا لالچ بھی کیا ہوتا ہے؟ وہ اپنے بیٹے کی ہلاکت کو نظر انداز کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا' خزانہ حاصل کرتے ہی مرنے والے کا کریا کرم کرنے جائے گا۔

میں نے اپنے جاں نثار سے کہا۔ ''تم اس کمرے میں رہو۔ میں تہہ خانے میں جا رہا ہوں۔''

میں ریوالور نکال کر ان کے پیچھے تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ وہاں دو انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے اور کچھ نہیں تھا۔ پنڈت کے دونوں بیٹے کدال اٹھا کر دیوار کو توڑ رہے تھے۔

منتری نے کہا۔ ''پہلے اس دیوار میں بڑا سا سوراخ کر کے دیکھو! اس کے پیچھے کوئی خزانہ ہے بھی یا نہیں؟''

وہ دونوں ایک ہی جگہ کدالیں مارنے لگے۔ ان کی دھمک سے چھت کی مٹی تھوڑی تھوڑی سی گر رہی تھی۔ میں سوچتی ہوئی نظروں سے دیوار کے اوپری حصے کو دیکھنے لگا۔ مٹی وہیں سے جھڑ رہی تھی۔

دیوار تقریباً دو فٹ چوڑی ہوگی۔ بڑی مشقت کے بعد سوراخ ہو گیا۔ منتری نے حکم دیا۔ ''رک جاؤ۔ مجھے دیکھنے دو۔''

کدال چلانے والے پیچھے ہٹ گئے۔ اس نے وہاں جا کر سوراخ سے آنکھ لگا کر دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑا۔ ہیرے جواہرات چمکتے دمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ پنڈت اور چیئرمین بھی باری باری سوراخ سے جھانک کر دیکھنے لگے۔ مجھے اپنے عصاء کی فکر تھی۔

میں نے ان سب کو ریوالور کے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سے دور زینے کی طرف جاؤ۔ میں بھی سوراخ سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

جب میں دوسری طرف دیکھتا تو وہ مجھ پر کدال سے حملہ کر سکتے تھے۔ اس لئے میں نے انہیں دور کر دیا۔ پھر سوراخ سے آنکھ لگا کر دیکھا۔ خزانہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ مجھے اپنا عصاء نظر

آیا۔ وہ ایک دیوار سے لگا ہوا تھا۔ وہیں میرا چرمی بیگ خالی پڑا تھا۔ اس میں ڈائریاں نہیں تھیں۔ میں اطمینان کی سانس لے کر سوراخ سے دور ہٹ گیا۔ پاپا نے عصاء کو وہاں حفاظت سے رکھا تھا اور ڈائریاں لے گئے تھے۔

وہ سب خزانے تک پہنچنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔ منتری بھی ان جوانوں کے ساتھ کدال چلا رہا تھا۔ دیوار بہت مضبوط تھی۔ مگر ٹوٹ رہی تھی۔ میں نے پھر چھت کی طرف دیکھا اب مٹی کے ساتھ پتھر کے ٹکڑے بھی اوپر سے گر رہے تھے۔ مٹی اور دھول کے باعث میں نے منہ پر اور ناک پر رومال رکھ لیا تھا۔ میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔

میں پیچھے ہٹتا ہوا زینے پر آ گیا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ ''بھاگو وہاں سے۔۔۔''

وہ پانچوں خطرات سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ انہیں صرف خزانے تک پہنچنے کی دھن تھی۔ میں نے زینے پر چڑھتے ہوئے کہا۔ ''چھت گرنے والی ہے۔ یہاں سے نکلو۔''

مگر وہ کیوں نکلتے؟ دیوار کا سوراخ بڑا ہو گیا تھا۔ کچھ اور بڑا ہونے کے بعد وہ وہاں سے گزر کر خزانے تک پہنچ سکتے تھے۔ لہٰذا جنونی انداز میں کدالیں چلا رہے تھے۔

چھت سے گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ میں چھلانگیں مارتا ہوا زینے کے اوپری حصے پر آ کر کمرے میں پہنچ گیا۔ جاں نثار نے کہا۔ ''سر! کمرے کا فرش لرز رہا ہے۔ شائد یہ زلزلے کے جھٹکے ہیں۔''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ ''نکلو یہاں سے۔۔۔''

ہم دوڑتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر آئے۔ میں نے چیخ کر جاں نثاروں سے کہا۔ ''گاڑیاں آگے بڑھاؤ۔ دور نکل جاؤ۔''

ہم دونوں دوڑتے ہوئے اور پلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔ جیسے سچ مچ زلزلہ آ گیا تھا۔ شکار گاہ کی دیواریں ہل رہی تھیں۔ گڑگڑاہٹ کی آوازوں کے ساتھ زمین وہاں تک لرز رہی تھی' جہاں ہم پہنچ گئے تھے۔ ہم وہاں سے بھی دور بھاگتے جا رہے تھے۔

پھر جیسے زوردار دھماکے ہونے لگے۔ ہم نے ایک جگہ رک کر دیکھا' شکار گاہ کی دیواریں گر رہی تھیں۔ خزانہ حاصل کرنے والوں کی کدالوں نے اس عمارت کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دیواریں اور چھتیں زمین بوس ہو گئیں۔

گرد و غبار سے وہاں کا منظر دھندلا گیا تھا۔ وہ شکار گاہ حرف غلط کی طرح مٹ چکی تھی۔ خزانہ حاصل کرنے والوں کا مدفن بن چکی تھی۔

☆☆☆

میں پھول وتی کو پا کر ساری دنیا کو بھول جانا چاہتا تھا۔ دارا اکبر اور کھ منتری مجھے خزانے کے معاملے میں الجھا رہے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس الجھن سے بھی عارضی طور پر نجات مل گئی تھی۔

میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد پھول وتی کے ساتھ پھر کمرے میں بند ہو گیا تھا۔ اس کی قربت جس قدر حاصل ہو رہی تھی۔ اسی قدر یہ یقین مستحکم ہو رہا تھا کہ میری طرح وہ بھی اس دنیا میں واپس آئی ہے۔

اگرچہ اسے پا کر خدا کا شکر ادا کرتا رہتا تھا۔ مگر دینی احکامات کے خلاف گناہ کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اس بات کو نظر انداز کر رہا تھا کہ وہ میری منکوحہ نہیں ہے۔

مجھے تقریباً آٹھ یا نو ماہ تک اس سے فاصلہ رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ سوچ کر اس کی قربت حاصل کر رہا تھا کہ جب نکاح کے بغیر وہ میرے بچے کی ماں بن رہی ہے۔ وہ بچہ ستر برس پہلے منکوحہ پھول وتی کی کوکھ میں تین ماہ رہ کر موجودہ پھول وتی کی کوکھ میں آیا ہے تو وہ جائز ہے' اسی طرح موجودہ پھول وتی کی قربت بھی جائز ہے۔

میں اس حقیقت سے کترا رہا تھا کہ بابا سائیں نے اس پھول وتی کا نکاح مجھ سے پڑھوایا تھا۔ ستر برس کی طویل جدائی کے بعد وہ نکاح قائم نہیں رہا تھا۔ اسے دوسری بار منکوحہ بنانا لازمی تھا۔ لیکن میں آٹھ یا نو ماہ تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے بہک رہا تھا۔

ایسے قدرتی حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اس کے قریب رہ کر مجھے پارسائی قائم رکھنی تھی۔ اس سے پرہیز کرنا تھا۔ یہ سچ ہے کہ نیک اور عبادت گزار بندوں کو اسی طرح آزمایا جاتا ہے۔

میں اس آزمائش سے با آسانی گزر سکتا تھا۔ اگر اس کی قربت مجھے بہکا رہی تھی تو میں چند ماہ کے لئے اس سے دور رہ سکتا تھا۔ نہ اس کی نظروں میں آتا' نہ اسے دیکھ کر ایمان کو متزلزل کرتا۔

میرے دل میں خدا کا خوف ہے۔ اس کے باوجود کوئی میرے دل کی دیوانگی کو سمجھے کہ وہ ستر برس کے بعد ملی تھی۔ اسے کیسے چھوڑ کر چند ماہ کے لئے کہیں چلا جاتا؟ جذبات کی ہلچل سے گزر کر خود کو سمجھاتا تھا کہ خدا معاف کرنے والا ہے۔ وہ میری مجبوری سمجھتا ہے۔

جبکہ کوئی مجبوری نہیں تھی۔ فقط نفس کو مارنا تھا اور یہ مجھ سے ہو نہیں پا رہا تھا۔

ایک ہی غلطی بار بار کرتے رہنا اور یہ کہتے رہنا کہ خدا کی خاص عنایت مجھ پر ہے'" مجھے معاف کر رہا ہے تو یہ سراسر نادانی اور خوش فہمی ہوتی ہے۔

میرے دل میں یہ اندیشہ چھپا ہوا تھا کہ مجھے گناہ کی سزا ملے گی۔ چونکہ نہیں مل رہی تھی'

اس لئے پھول وتی کی قربت جاری تھی۔

فون سے کالنگ بیل سنائی دی۔ میں نے نمبر پڑھے۔ دارا اکبر جانتا تھا' اس کی بیٹی کے ساتھ ہوں۔ وہ دروازے پر آ کر دستک نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے فون کے ذریعے مجھے پکار رہا تھا۔

میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔ "فرمایئے؟"

اس نے کہا۔ "بڑا غضب ہو گیا ہے۔ وہ شکار گاہ ٹوٹ پھوٹ کر ملبے کا ڈھیر بن گئی ہے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں۔ کہا جا رہا ہے' کھ منتری اور پنڈت وغیرہ اس ملبے کے نیچے دب کر مر گئے ہیں۔ فوراً ٹی وی آن کرو۔ یہ خبر بار بار نشر کی جا رہی ہے اور وہ ملبہ دکھایا جا رہا ہے' جہاں پہلے شکار گاہ تھی۔"

میں فون بند کر کے فوراً ہی بیڈ سے اتر گیا۔ پھول وتی نے پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے ٹی وی آن کرتے ہوئے کہا۔ "وہ شکار گاہ ٹوٹ پھوٹ کر نابود ہو چکی ہے۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "یہ کیسے ہو گیا؟ تم نے تو کہا تھا' وہ پہاڑ کی چٹانوں سے تراش کر بنائی گئی ہے۔ بہت مضبوط ہے۔ کیا وہاں زلزلہ آیا تھا؟"

"خدا جانے کیا ہوا تھا؟ یہ دیکھو! یہ بھیم پارہ کا جنگل ہے۔ یہیں وہ شکار گاہ تھی۔"

اسکرین پر وہاں کا منظر پیش کیا جا رہا تھا۔ میں کئی بار وہاں جا چکا تھا۔ اب اس جگہ کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔ کمنٹری کرنے والا کہہ رہا تھا۔ "برٹش راج میں ایک راجہ نے پہاڑی چٹانوں کو کاٹ کر ایک شکار گاہ بنانے کا حکم دیا تھا۔ ہندوستان کے راجے مہاراجے وہاں آ کر جنگلی جانوروں کا شکار کیا کرتے تھے۔

اس شکار گاہ کا آخری راجہ پرتھوی ولبھ تھا۔ اس کی بیٹی پھول وتی نے ایک مسلمان غازی صلاح الدین سے شادی کی تھی۔

یہ وہی غازی صلاح الدین ہے' جو اپنی موت کے ستر سال بعد پھر زندہ ہو کر دنیا میں آیا ہے اور ہمارے بھارت دیش کی راج دھانی دہلی میں رہتا ہے۔

غازی صلاح الدین نے ایک رات پہلے اُتر پردیش کے کھ منتری سے ان کے محل میں ملاقات کی تھی۔ کہا جاتا ہے' کھ منتری راما راؤ کو شکار گاہ سے بہت دلچسپی تھی۔ انہوں نے غازی سے اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کی تھیں۔ پھر دوسری صبح بھیم پارہ گئے تھے۔

منتری جی نے دہلی سے بھیم پارہ تک کا سفر پراسرار انداز میں کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ

کہ وہ پروٹوکول کے بغیر بھیم پارہ گئے تھے۔

دوسری بات یہ کہ ہائی وے کے کنارے ان کے دو باڈی گارڈز اور پنڈت جی کا ایک بیٹا کھیتوں میں مارے گئے۔

یہ معلوم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ کس نے ان تینوں کو گولیاں ماری ہیں؟

یہ ابھی معلوم نہ ہوسکا کہ منتری راما راؤ کے ساتھ مسلح افراد کون تھے' جو پانچ گاڑیوں میں ان کے ساتھ تھے؟ شکارگاہ کی تباہی کے بعد صرف مکھ منتری کی تباہ شدہ کار وہاں دیکھی گئی ہے۔ باقی پانچ گاڑیاں وہاں سے جاچکی ہیں۔ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ مکھ منتری' مندر کا چیئرمین اور پنڈت ملبے میں دب کر مرچکے ہیں۔ باقی پانچ گاڑیوں والے زندہ سلامت وہاں سے فرار ہوگئے ہیں۔"

دارا اکبر نے مجھے پھر فون پر مخاطب کیا۔ میں نے کہا۔ "فرمائیے....؟"

"پلیز۔ یہاں میرے کمرے میں آؤ۔ کیا تم پریشان نہیں ہو کہ وہ خزانہ پہاڑی زمین کی گہری تہہ میں دب گیا ہوگا؟ آئندہ وہاں کیسے پہنچا جائے گا؟"

"میرے پریشان ہونے سے وہ خزانہ باہر نہیں آئے گا۔ پہاڑی پتھر اور وہ چٹانیں دور تک دھنس گئی ہیں۔ خزانے تک پہنچنے کا دوسرا راستہ بھی بند ہوچکا ہوگا۔"

"تم اسم اعظم پڑھ کر اس دفن شدہ خزانے کو نکال سکتے ہو۔"

"میں ایک گناہ گار بندہ ہوں۔ اولیاء اللہ کی طرح کرامات دکھا کر پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ بہتر ہے' اس خزانے پر فاتحہ پڑھ لو۔"

"نہیں غازی! ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ آج ہی میرے ساتھ وہاں چلو' جہاں سے دوسرا راستہ خزانے تک جاتا ہے۔"

"تمام انڈین اور دوسرے ممالک کے پریس رپورٹرز اور دنیا بھر کے ٹی وی چینل کی ٹیمیں وہاں پہنچی ہوئی ہیں۔ میلوں دور تک اس تباہی کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ کیا ہمیں وہاں جاکر پھنسنا چاہئے؟"

"ہاں۔ تمہاری اس بات پر یاد آیا' کئی پریس رپورٹرز یہاں آنے والے ہیں۔ یہاں آؤ اور بتاؤ' ان سے کیا کہنا ہے؟"

"ان سے کہو کہ غازی پرسوں شام تمہارے گھر آیا تھا۔ تمہارے ساتھ مکھ منتری سے ملنے گیا تھا۔ اس کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا کہ سات تاریخ کو عدالت میں ملے گا۔"

"تم یہاں آؤ۔ میں اکیلا پریس والوں سے سر نہیں کھپاؤں گا۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں' میں یہاں اکیلا خزانے تک پہنچنے کی پلاننگ نہ کروں؟"

وہ جلدی سے بولا۔" ہاں ہاں پلاننگ کرو۔ ضرور کرو۔ پریس والوں کی فکر نہ کرو۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ جب بھی بھیم پارہ سے پریس اور چینلز والوں کی بھیڑ چھٹے گی' ہم ادھر جائیں گے۔ تم پلاننگ کرو شاباش...."

اس نے خیالی خزانے تک پہنچنے کی شاباشی دے کر رابطہ ختم کیا۔ میں نے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ کا سیکرٹری کہہ رہا تھا۔" ہماری نظروں میں وہ پانچ گاڑیوں والے اہم تھے' جو زندہ سلامت فرار ہوگئے تھے۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ دہلی کی مختلف رینٹ اے کار والوں سے وہ پانچ گاڑیاں حاصل کی گئی تھیں۔ حاصل کرنے والوں کا قیام مختلف ہوٹلوں میں تھا۔ وہ یورپ کے کئی ممالک سے آئے تھے۔

مزید چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ امیگریشن ڈیپارٹمنٹ والوں کے پاس ان کی انڈیا میں انٹری کے کاغذات نہیں ہیں۔ وہ بڑی چالاکی سے ہمارے دیس میں داخل ہوئے ہیں۔

خفیہ ایجنسیاں اور دنیا کے معروف انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کے جاسوس کہہ رہے ہیں کہ تھری ایس عمیر بن غازی اور اس کے کارندے ان پانچ گاڑیوں میں تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے' تھری ایس کو اس شکارگاہ سے کیا لینا تھا؟

جواب سیدھا سا ہے۔ تھری ایس کے باپ غازی صلاح الدین نے وہ شکارگاہ خریدی تھی۔

اگر بہت پیچھے جاکر دیکھا جائے تو ستر برس پہلے وہ شکارگاہ راجہ پرتھوی ولبھ کی تھی اور غازی کی بیوی پھول وتی راجہ پرتھوی ولبھ کی بیٹی تھی۔

یوں غازی سے اور اس کے بیٹے تھری ایس سے اس شکارگاہ کا تعلق بہت دیرینہ ہے اور اس تعلق کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔

یہ خیال قائم کیا جارہا ہے کہ وہ شکارگاہ ان باپ بیٹے کے لئے بہت اہم ہے۔ وہاں یا تو پچھلے راجاؤں کا خزانہ رکھا ہوا تھا یا....

پھر بہت ہی چونکا دینے والی لرزہ خیز بات یہ ہے کہ تھری ایس عمیر بن غازی نے ریڈ مرکری وہاں چھپا کر رکھی تھی۔

ماہرین کہتے ہیں' ریڈ مرکری وہاں ہوتی تو شکارگاہ کی تباہی کے بعد پورا اُتر پردیش نیست و نابود ہوجاتا ہے۔ اب یہ یقین سے کہا جارہا ہے کہ تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی عرف عمیر بن غازی وہاں پانچ گاڑیوں میں اپنے کارندوں کے ساتھ گیا تھا اور شکارگاہ کی تباہی سے پہلے ریڈ مرکری وہاں سے نکال کر لے گیا۔"

یہ باتیں سن کر میں پریشان ہوگیا۔ جہاں خزانہ تھا' وہاں ریڈ مرکری کی بات کی جارہی

تھی۔ اس شکارگاہ کے ملبے کو سپر پاور اور بڑے ممالک کا مسئلہ بنایا جا رہا تھا۔

میری شامت آ گئی تھی۔ میرا بیٹا ان کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ وہ مجھے گرفتار کرنے والے تھے۔ میں نے فوراً ہی سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر جان البرٹ کو فون پر مخاطب کیا۔ ''سر! میں غازی صلاح الدین بول رہا ہوں۔ یہاں آئی جی دارا اکبر کے بنگلے میں ہوں۔ میری نگرانی کرنے والے جاسوس آپ کو رپورٹ دے رہے ہوں گے۔''

وہ بولا۔ ''ہاں۔ مجھے تمہارے بارے میں ایک ایک پل کی رپورٹ مل رہی ہے۔ تم بنگلے سے نکل کر مکھ منتری کے محل میں گئے تھے۔ پھر ایک گھنٹے بعد واپس آ گئے تھے۔''

''جی ہاں۔ دوسری صبح مکھ منتری اس شکارگاہ کی طرف گیا تھا۔ یہ بات میں صرف آپ کو بتا رہا ہوں کہ وہ شکارگاہ کے تہہ خانے میں خزانہ حاصل کرنے گیا تھا۔''

''تم اس کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟''

''میں جانتا تھا' جہاں وہ گیا تھا وہاں خزانہ نہیں تھا۔ وہ کسی دوسری جگہ ہے۔''

''کہاں ہے مجھے بتاؤ؟''

''آپ یہاں آئیں گے تو میں آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔ آپ آنکھوں سے دیکھیں گے کہ وہاں ریڈ مرکری جیسا خطرناک جوہری مادہ چھپا کر نہیں رکھا گیا ہے۔''

''تم مجھے کیا دکھانے جاؤ گے؟ جبکہ تمہارا بیٹا وہاں سے ریڈ مرکری نکال کر لے گیا ہے۔''

''یقین کریں' میرا بیٹا بھی نہیں جانتا ہے کہ وہ خزانہ اس پہاڑی کے اندر کس حصے میں رکھا ہوا ہے؟''

''پھر وہ شکارگاہ کی طرف کیوں گیا تھا؟''

''یہ قیاس آرائی کی جا رہی ہے۔ کسی نے میرے بیٹے کو وہاں نہیں دیکھا۔ آپ اس پہلو سے غور کریں کہ مکھ منتری پروٹوکول کے بغیر وہاں کیوں گیا تھا؟ اس لئے کہ وہ اپنے خاص بھروسے کے آدمیوں کو پانچ گاڑیوں میں لے گیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے گاڑیاں کرائے پر لینے کے رینٹ اے کار والوں کو دھوکا دیا ہے۔''

ڈپٹی ڈائریکٹر نے قائل ہو کر کہا۔ ''تمہاری باتوں میں وزن ہے۔ میں تمہارے ساتھ جا کر اس خزانے کو دیکھوں گا۔ تم یہ ثابت کرو کہ وہاں ریڈ مرکری چھپائی نہیں گئی ہے۔''

''ابھی ثابت کروں گا۔ آپ ابھی آئیں۔ ہم وہاں چلیں گے۔''

''میں واشنگٹن میں ہوں۔ چار گھنٹے بعد یہاں سے فلائی کروں گا۔ کل صبح دہلی پہنچوں گا۔''

''آپ کے یہاں آنے تک راء اور موساد والے مجھے گرفتار کر لیں گے۔''

''کوئی گرفتار نہیں کرے گا۔ میں یہاں سے احکامات جاری کراتا ہوں۔ کل وہاں پہنچ

رہا ہوں۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں سوچنے لگا۔ ''ڈپٹی ڈائریکٹر اور اس کے ماتحت میرے ساتھ خزانے تک جائیں گے تو وہاں میرے بیٹے کا عصاء نظر آئے گا۔ وہ اسے اپنی تحویل میں لینا چاہیں گے اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔''

میں نے فی الحال گرفتاری سے بچنے کے لئے سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کا سہارا لیا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ خزانے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یہی کہیں گے کہ ہم نے ریڈ مرکری کو پہلے ہی کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا ہے۔ وہ ہم پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ بہرحال میں نے کچھ کر گزرنے کے لئے کل تک کی مہلت حاصل کر لی تھی۔

میں نے پھر ٹی وی کی طرف دیکھا۔ نیوز ریڈر کہہ رہی تھی۔ ''ریڈ مرکری جیسا خطرناک جوہری مادہ پتہ نہیں کتنے برسوں سے ہمارے دیس میں چھپا کر رکھا گیا تھا؟ تھری ایس اسے شکارگاہ کے تہہ خانے سے نکال کر لے گیا ہے اور اب یقیناً ہمارے ہی دیس میں اسے کہیں چھپا کر رکھے گا۔

اس کا بیٹا یعقوب اپنے دادا غازی صلاح الدین سے ملنے انڈیا آنا چاہتا تھا۔ ہمارے سفارت خانے نے اسے ویزا دینے سے انکار کر دیا ہے۔ یعقوب کی آمد کے پیچھے تھری ایس کی کوئی گہری چال ہو سکتی ہے۔ وہ بظاہر اپنے دادا سے ملے گا۔ مگر درپردہ باپ کے لئے کام کرے گا۔ لہٰذا جب تک باپ گرفتار نہیں ہو گا' تب تک بیٹے کو اس دھرتی پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

میں خوش ہو رہا تھا کہ نصیب میں اگر بیٹے سے ملاقات نہیں ہے تو پوتے سے ہی مل کر کلیجہ ٹھنڈا ہو گا۔ لیکن اب اس پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ مجھے وہاں سے نکلنا تھا اور تنہا بابا سائیں کے غار کے راستے میں جا کر دیکھنا تھا کہ میرے بیٹے کا عصاء محفوظ ہے یا وہ بھی زمین کی تہہ میں کہیں گم ہو گیا ہے؟ یہ معلوم کرنے کے بعد مجھے روپوش رہنا تھا یا کسی دوسرے ملک کا رخ کرنا تھا؟

میں نے پھول وتی کو دیکھا' کیا اسے چھوڑ کر جانا ہو گا؟

وہ مجھ سے نظریں ملتے ہی بولی۔ ''شکر ہے۔ تم نے میری طرف تو دیکھا۔ پورے ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں۔ تم تو مجھے بھول ہی گئے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''سوری.... حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔ کسی وقت بھی راء' موساد اور سی آئی اے والے مجھے گرفتار کرنے آ سکتے ہیں۔''

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''ہائے اللہ! میں تمہارے بغیر نہیں رہوں گی۔''

وہ آ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ میں نے کہا۔ ''کل صبح تک اطمینان ہے۔ گرفتاری عمل میں نہیں آئے گی۔ تب تک مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''تم جہاں بھی جاؤ گے' میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''میں نجانے کتنے خطرات سے کھیلتا رہوں گا؟ تم ساتھ رہو گی تو دشمن تمہیں میری کمزوری بنالیں گے۔ کیا تم مجھے کمزور بنانا چاہو گی؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ میں نے کہا۔ ''تم آخری سانسوں تک میری ہو۔ یہاں صبر اور سلامتی سے میرا انتظار کرو۔ میں واپس آؤں گا یا پھر تمہیں اپنے پاس بلاؤں گا۔''

''کب تک بلاؤ گے؟''

''جب حالات سازگار ہوں گے۔''

''اگر حالات سازگار نہ ہوئے تو...؟''

''دکھ مصیبتیں ہمیشہ ساتھ نہیں رہتیں۔ نجات کے اور خوشحالی کے بھی در کھلتے ہیں۔''

وہ ایکدم سے لپٹ کر بولی۔ ''میں تمہارے لئے کیا کروں؟''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ہلکا سا ناشتہ لے آؤ۔''

وہ جذبات میں ڈوب کر بول رہی تھی۔ میں نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر فرمائش کی۔ اس نے سنجیدگی سے مسکرا کر مجھے دیکھا' پیار کیا' پھر وہاں سے چلی گئی۔

میرے ہلکے سے ناشتے میں خالص گھی کے چھ پراٹھے' چھ انڈے اور پانچ کلو دودھ ہوتا تھا۔ وہ آدھے گھنٹے سے پہلے آنے والی نہیں تھی۔ میں اس بنگلے سے نکلنے کی تدبیر سوچنے لگا۔

بظاہر کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن نجانے کتنے سی آئی اے والے اس بنگلے کی نگرانی کر رہے تھے؟ میں باہر نکل کر جہاں بھی جاتا' وہ پیچھے لگے رہتے۔

میں جس پہلو سے بھی تدبیر سوچ رہا تھا' یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ مجھے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے اور مجھے ہر حال میں وہاں سے نکلنا تھا۔ تھک ہار کر سوچ رہا تھا۔ ''نکلوں گا' ضرور نکلوں گا۔ انہیں اپنے پیچھے لگاؤں گا۔ پھر آگے جا کر آنکھ مچولی کھیلتا ہوا اُن کی نظروں سے گم ہو جاؤں گا۔''

پھول وتی ناشتے کی ایک بڑی سی ٹرالی لے آئی۔ اس ٹرالی میں اتنا کچھ تھا کہ دس افراد کے کھانے پینے کے بعد بھی کچھ بچ جاتا اور وہ میرا ہلکا سا ناشتہ تھا۔ کوئی مجھے ہاتھی' کوئی دیو اور کوئی پہاڑ کہتا تھا۔ قد چھ فٹ گیارہ انچ تھا۔ جوتے پہننے کے بعد پورے سات فٹ کا ٹاور دکھائی دیتا تھا۔ قد کے مطابق ڈیل ڈول ایسا تھا کہ دو چار دشمنوں کو بازوؤں کے حصار میں دبوچ لیتا تو وہ شکنجے

سے نکل نہ پاتے۔

پتہ نے قدرت نے عورت کو کیسا دل' جگر اور حوصلہ دیا ہے کہ مجھے برداشت کر لیتی تھیں؟ میں تمام عورتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میری زندگی میں دو ہی شریک حیات ساجدہ اور پھول وتی آئی تھیں۔

ساجدہ اپنی طبعی عمر گزار کر دنیا سے جا چکی تھی۔ پھول وتی جا کر واپس آ گئی تھی۔ میں کھانے میں مصروف تھا۔ وہ مجھے پیار سے اور حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا واقعی تم کہیں روپوش رہنے جا رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''جب خفیہ ایجنسیوں والے مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے یا گولی مار دیں گے' تب یقین آ جائے گا۔''

وہ جلدی سے کرسی کھینچ کر قریب ہو گئی۔ میرے بازو سے لپٹ کر بولی۔ ''خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ ایسی باتیں زبان پر نہ لایا کرو۔ میں تمہاری سلامتی چاہتی ہوں۔ تم ابھی کہیں جاؤ اور چھپنے کی جگہ بناؤ۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ناشتے کے بعد یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

اس نے مجھے جیسے ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ پھر میرے بازو پر اپنا چہرہ رگڑتے ہوئے پوچھا۔ ''میرا کیا ہوگا؟''

''کچھ روز کی جدائی ہوگی پھر ملن کی گھڑیاں آئیں گی۔''

''اگر تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے تو مجھے کیسے خبر ہوگی؟''

''میری خبر نہ ملے تو کچھ نہیں کر پاؤ گی۔ صرف خدا پر بھروسہ کرو گی۔ یہ یقین رکھو گی کہ میں جہاں بھی ہوں' زندہ ہوں اور کسی دن ضرور واپس آؤں گا۔''

وہ رونے لگی۔ میں نے کہا۔ ''ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ یہ بات اپنے سائے سے بھی نہ کہنا۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''میں ہزاروں میل دور جا کر بھی تمہاری باتیں سن سکتا ہوں۔ تم جب بھی اپنے حالات بیان کرتی رہو گی تو میں سنتا رہوں گا۔''

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بولی۔ ''کیا ایسا ممکن ہے؟''

''ہاں۔ میں جس کی آواز ایک بار سن لیتا ہوں' اسے پھر کبھی نہیں بھولتا۔ دنیا کے کسی حصے میں بھی رہ کر اس کی باتیں سن لیتا ہوں۔ ابھی تمہارے ڈیڈی بنگلے کے باہر لان میں پریس اور میڈیا والوں سے جو باتیں کر رہے ہیں' انہیں سن رہا ہوں۔ جب ان کی طرف توجہ نہیں دوں گا تو ان کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ اسی طرح سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر واشنگٹن میں ہے۔ میں

اس کی باتیں بھی سنتا رہتا ہوں۔"

"یا خدا! اتنی دور کی باتیں کیسے سن سکتے ہو؟ یہ بالکل ہی ناممکن ہے۔"

"فون کے ذریعے پلک جھپکتے ہی دنیا کے آخری سرے سے بولنے والے کی آوازیں سن لی جاتی ہیں۔"

"سننے کے لئے فون جیسا آلہ ہوتا ہے۔"

"قدرتی طور پر میرے کانوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ دنیا کے کسی بھی گوشے سے میری جانی پہچانی آواز کو میری قوت سماعت کھینچ کر لیتی ہے۔ سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کی آواز کو فون کے ذریعہ سن چکا ہوں۔ اسے پہچانتا ہوں' اسی لئے یہاں بیٹھ کر بھی اس کی باتیں سن سکتا ہوں۔"

وہ میرے بازو کو جھنجوڑ کر بولی۔"پلیز۔ مجھے یقین دلاؤ۔"

"تم ابھی یہاں سے کہیں دور چلی جاؤ۔ کچھ بھی بولتی رہو۔ پھر واپس آؤ۔ میں تمہاری وہ باتیں تمہیں سناؤں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔"میں ابھی جاتی ہوں۔ بنگلے سے باہر اس گلی کے کونے پر کھڑی ہو کر بولوں گی۔"

"جاؤ۔ مگر یہ راز اپنے ڈیڈی سے تو کیا' اپنے سائے سے بھی نہ کہنا۔"

وہ چلی گئی۔ میں کھانا چھوڑ کر' کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ہی اس کی آواز سنائی دی۔"میرے محبوب! میری جان! میری زندگی! میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اپنی زندگی میں آنے والے کسی مرد کو یوں دیوانہ وار چاہنے لگوں گی۔ یقین کرو اب تو ایسی دیوانگی' ایسا جنون ہے کہ تمہاری آغوش میں مر جانے کو جی چاہتا ہے۔

اب سوچتی ہوں تو ایسا لگتا ہے' جیسے میرے اندر پھولوتی سو رہی تھی۔ تمہارے آتے ہی بیدار ہوگئی ہے۔ وہ زندہ ہو چکی ہے اور ثناء مر چکی ہے۔

میرے خیالات بدل چکے ہیں۔ یہ یقین کر چکی ہوں کہ سر سے پاؤں تک راجکماری پھولوتی ہوں۔ محل میں رہنے والی پری ہوں۔ جسے ایک دیوتے نے آ کر اپنی مٹھی میں لے لیا ہے۔

کیسے درندے ہو؟ کیسے اتھل پتھل کر دیتے ہو؟ شیرازہ بکھیر دیتے ہو؟ تمہارے ہر ظلم پر پیار آتا رہتا ہے۔

میں تمہارے بغیر کیسے رہ سکوں گی؟ تم مجبوراً دور جاتے ہو' جاؤ... پر کسی طرح تنہائی کی قربتیں دے جاؤ۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔"میں واپس آ رہی ہوں۔"

میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر کھانے میں مصروف ہوگیا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کمرے

میں آ کر دیکھا۔ میں دودھ سے بھرا جگ اٹھا کر غٹا غٹ پی رہا تھا۔

اس نے کہا۔"تم تو کھانے پینے میں لگے ہو۔"

میں نے کاپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"اسے پڑھو۔"

اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا کر پڑھا تو تحریر پڑھتے ہی شدید حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس نے مجھے میرے محبوب' میری جان' میری زندگی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہی الفاظ وہاں درج تھے۔

پھر وہ جیسے جیسے پڑھتی گئی' حیرت کے سمندر میں غرق ہوتی گئی۔ پھر مجھ سے آ کر لپٹ گئی۔ دودھ میری باچھوں سے بہہ رہا تھا۔ کچھ جگ سے چھلک کر اس پر جا رہا تھا۔ وہ مجھ پر صدقے واری ہو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔"یہ تو تم کرامات دکھا رہے ہو۔ کسی آلے کے بغیر دور کی باتیں سن لیتے ہو۔ کیا اپنی باتیں بھی میرے کانوں تک پہنچا سکتے ہو؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"افسوس! یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ایک غیر معمولی عطیہ ہے۔ میں اس معبود کا شکر ادا کرتا رہتا ہوں۔"

وہ بولی۔"جدید ٹکنالوجی ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔ ہم دنیا کے آخری سرے کے لوگوں کو اپنے ڈرائنگ روم اور بیڈ روم میں چلتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ جس لمحے میں وہ کہیں بولتے ہیں' اسی لمحے میں ہم انہیں بولتے ہوئے دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں۔"

میں نے کہا۔"انسان قدرتی حالات سے بہت کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ جلد ہی وہ دور آئے گا' جب معمولی سے آپریشن کے ذریعہ کانوں کی بناوٹ میں ایسی تبدیلی کر دی جائے گی کہ فون کے بغیر دنیا کے ہر حصے سے آنے والی آوازیں سن لیا کریں گے۔"

"تمہارے جانے کے بعد میں بولتی رہوں گی۔ تم سنتے رہو گے۔ لیکن تمہاری آواز سننے کے لئے اپنی باتوں کا جواب معلوم کرنے کے لئے میں ترستی رہوں گی۔"

"مجبوری ہے۔ لیکن یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ میں تمہاری باتیں سن کر تمہارے اچھے برے حالات سے واقف ہوتا رہوں گا۔ خدانخواستہ تم پر کوئی مصیبت آئے گی تو جان کی بازی لگا کر یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔ اگر نہ آ سکا تو دور ہی سے تمہارے کام ضرور آؤں گا۔"

"میں دل سے مانتی ہوں' تم مجھ سے غافل نہیں رہو گے۔ ہر روز فون کے ذریعے میری خبر لیتے رہو گے۔"

"فون پر تکیہ نہ کرنا۔ اگر دشمنوں کے شکنجے میں آؤں گا تو وہ سب سے پہلے مجھ سے فون چھین لیں گے۔"

میں نے دارا اکبر کی طرف توجہ دی پھر کہا۔"پریس اور میڈیا والے جا چکے

ہیں۔تمہارے ڈیڈی ہماری طرف آ رہے ہیں اور مجھے ان سے بھی رخصت ہونا ہے۔جبکہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

اس نے فوراً ہی دوڑتے ہوئے جا کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔مجھ سے آ کر لپٹ گئی۔''میں تمہیں کس دل سے جاتے ہوئے دیکھوں گی؟''

''پھول وتی بہت حوصلے والی تھی۔تم وہی ہو۔اسی کے دل سے مسکراتے ہوئے مجھے جاتے ہوئے دیکھو۔''

میں نے اسے اٹھا کر دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا۔دروازے پر دستک ہوئی۔اس کے باپ کی آواز سنائی دی۔''غازی! باہر آؤ۔مجھے ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

میں نے کہا۔''آپ جائیں۔میں ڈرائنگ روم میں آ رہا ہوں۔''

وہ چلا گیا۔میں نے پھول وتی کو بیڈ پر ڈال دیا۔رخصت ہونے سے پہلے پیار کے ضروری آداب بجا لانے لگا۔وہ رو رہی تھی اور مجھ پر قربان ہو رہی تھی۔دارا اکبر ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہا تھا اور میرے نہ آنے پر تلملا رہا تھا۔بار بار آ کر دستک نہیں دے سکتا تھا۔سمجھدار تھا' سمجھ رہا تھا اور جھنجلا رہا تھا۔

میں ایک گھنٹے کے بعد ایک شکاری کے لباس میں اس کے سامنے آیا۔وہ میرے ساتھ سفری بیگ دیکھ کر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

میں نے کہا۔''اگر میں یہاں سے جا کر چھپنے کی جگہ نہیں بتاؤں گا تو خفیہ ایجنسیوں والے کسی وقت بھی میری جان کو آ جائیں گے۔''

''باہر سی آئی اے والے تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''میں ان سے پیچھا چھڑا لوں گا۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔میں تمہیں تنہا جانے نہیں دوں گا۔پہلے ہم خزانے کی طرف جائیں گے۔''

''یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں' تم اپنا دین ایمان چھوڑ دو گے۔لیکن میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے۔آؤ۔میرے ساتھ چلو۔''

ہم بیرونی دروازے کی طرف جانے لگے۔وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔''رکو تو سہی۔پہلے یہ طے کر لو' کہاں جانا ہے؟''

''جہاں تقدیر لے جائے گی' وہیں جانا ہے۔''

ہم باہر پورچ میں آ گئے۔میں اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔وہ برابر والی سیٹ پر آ کر

بولا۔''مجھے اپنی گن تو لینے دو۔''

''میرے پاس ایک گن ہے۔وہی کافی ہے۔''

میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔سیکورٹی گارڈز جگہ جگہ کھڑے ہوئے تھے۔اپنے آئی جی کو گزرتے دیکھ کر سیلوٹ کر رہے تھے۔

وہ بولا۔''میرے ایک اشارے پر یہ لوگ مین گیٹ نہیں کھولیں گے۔تم اپنی مرضی کے بغیر نہیں جا سکو گے۔''

کار آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مین گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔میں نے ریوالور نکال کر کہا۔''حضور گن پوائنٹ پر رہیں گے تو گیٹ ضرور کھلے گا۔''

وہ چپ رہا۔سامنے مین گیٹ کھل رہا تھا۔ہم احاطے سے باہر ایک گلی سے گزر کر شاہراہ پر آ گئے۔وہ سر گھما کر پیچھے دیکھتے ہوئے بولا۔''ایک کار اور ایک موٹر سائیکل ہمارے تعاقب میں ہے۔''

''میں آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔''

''تم اس طرح نکل کر بہت بڑی حماقت کر رہے ہو۔''

''وہ تو کر چکا ہوں۔''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا پھر کہا۔''اچھی بات ہے۔جب ہم خطرہ مول رہے ہیں تو پھر خزانے کی طرف ہی جائیں گے۔''

''خوش ہو جاؤ۔ہم وہیں جا رہے ہیں۔''

ہم ہائی وے پر تھے۔دہلی کی آبادی سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ایسے وقت میں نے عقب نما آئینے میں اور دو گاڑیاں دیکھیں۔وہ تیزی سے چلتی ہوئی آ رہی تھیں۔پھر اچانک ہی ان گاڑیوں سے فائرنگ ہونے لگی۔موٹر بائیک والا اچھل کر سڑک پر گرا۔پھر لڑھکتا ہوا ایک درخت سے ٹکرا کر ساکت ہو گیا۔

وہ سی آئی اے کا ایک جاسوس تھا۔اس کے بعد ایک کار میں دو تین جاسوس تھے۔وہ فائرنگ کرنے والوں پر جوابی فائر کر رہے تھے۔

دارا اکبر نے پریشان ہو کر کہا۔''پتہ نہیں یہ کون لوگ ہیں؟ ایک دوسرے پر گولیاں چلا رہے ہیں۔''

ایک پہیہ زوردار دھماکے سے پھٹا۔سی آئی اے والوں کی کار بے قابو ہو کر رکتے رکتے سڑک کے کنارے گئی۔ڈھلان پر جاتے ہی الٹ کر قلابازیاں کھاتی ہوئی ایک جگہ رک گئی۔اس کار کے زخمی کھڑکیوں کے راستے نکل رہے تھے۔وہ گولیوں کا نشانہ بن گئے۔اب وہ فائرنگ

کرنے والے دو گاڑیوں میں ہمارے پیچھے آرہے تھے۔

دارا اکبر نے کہا۔ ''اب یہ ہم پر گولیاں چلائیں گے۔ اپنا ریوالور مجھے دو۔''

میں نے کہا۔ ''وہ ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔ لیکن قریب نہیں آرہے ہیں۔ ہمارے درمیان کافی فاصلہ ہے۔''

''وہ کسی وقت بھی فاصلہ کم کریں گے اور ہمیں ختم کر دیں گے۔''

''پلیز۔ مجھے سوچنے دو' انہوں نے سی آئی اے والوں کو کیوں ختم کیا ہے؟ کیا مجھے ان سے نجات دلا چکے ہیں؟''

ان میں سے ایک گاڑی رفتہ رفتہ ہمارے قریب آرہی تھی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ایک شخص سفید رومال لہرا رہا تھا۔ سفید جھنڈی دوستی' صلح اور امن و امان کے لئے ہوتی ہے۔ میں نے کار روک دی۔

وہ گاڑیاں بھی رک گئیں۔ ایک شخص باہر نکل کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر تنہا ہماری طرف آیا۔ وہ نہتا تھا۔ اس نے میرے سامنے کھڑکی کے پاس آتے ہی فوجی انداز میں ایڑھیاں بجا کر سلیوٹ کیا۔ پھر کہا۔ ''پاپا! ہم سب آپ کو پاپا کہتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے تھری ایس کے تابعدار ہیں۔''

میں فوراً ہی کار سے باہر آیا۔ پیچھے گاڑیوں سے مسلح جاں نثاروں نے نکل کر مجھے سلیوٹ کیا۔

اس نے کہا۔ ''ہم کسی سی آئی اے والے کو آپ کے پیچھے نہیں آنے دیں گے۔ آگے آپ جہاں بھی جائیں گے' آپ کو سیکورٹی دیتے رہیں گے۔''

میں نے بڑے جذبے سے پوچھا۔ ''میرا بیٹا کہاں ہے؟''

''وہ خیریت سے ہیں۔ آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ ہم آپ کے حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''حالات یہ ہیں کہ اب مجھے بھی روپوش رہنا ہوگا۔''

''کیا آپ کسی خفیہ پناہ گاہ میں جارہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آج ہی اپنے صاحبزادے سے مل سکیں گے۔''

میں نے دارا اکبر کو دیکھا۔ وہ بھی کار سے باہر آگیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''یہ آئی جی آف پولیس ہیں۔ میرے سسر بھی ہیں۔ انہیں یہاں سے ذرا دور لے جاؤ۔''

ایک جاں نثار نے دارا کو نشانے پر رکھ کر کہا۔ ''چلئے جناب! ہم ادھر جا کر پیار بھری باتیں کریں گے۔''

وہ اعتراض کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''وقت برباد نہ کرو۔ ان کے ساتھ جاؤ۔''

وہ ہم سے دور چلا گیا۔ میں نے ایک جاں نثار سے کہا۔ ''فی الحال میری ایک خفیہ پناہ گاہ ہے۔ میرے بیٹے سے بات کراؤ۔''

''پاپا! آپ کی فون کال سے صاحبزادے پکڑے جاسکتے ہیں۔ ہم آئی جی کا فون نمبر جانتے ہیں۔ اس پر تھری ایس آپ سے باتیں کرسکتے تھے۔ مگر وہ ایسا نہیں کررہے ہیں۔''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''احتیاط لازمی ہے۔ اب فون ضروری نہیں ہوگا۔ اس سے کہو' میری خفیہ پناہ گاہ میں آجائے۔''

''وہ جگہ کہاں ہے؟''

''اس کی امی نے بتایا ہوگا کہ خزانے تک پہنچنے کا دوسرا راستہ بھی ہے۔ اس سے کہو' وہ بابا سائیں کے غار میں آجائے۔ ہم باپ بیٹا اس غار کے تہہ خانے میں چھپ کر ملیں گے۔ میں ابھی اسی طرف جارہا ہوں۔''

''آپ ہماری گاڑی میں چلیں۔ اسے یہیں چھوڑ دیں۔''

میں نے کہا۔ ''آئی جی کو یہاں سے گن پوائنٹ پر واپس لے جاؤ۔ یہ سیدھی طرح نہیں جائے گا۔''

میں ان کی ایک گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ دارا اکبر دور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اپنا سفری بیگ لے کر ان کے ساتھ جارہا تھا۔

وہ چلانے لگا۔ ''غازی! مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔ یہ بے ایمانی ہے۔ تم مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ کر خزانہ حاصل کرنے جارہے ہو۔ میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔ میری بیٹی کی خاطر مجھے ساتھ لے چلو۔''

اس کی آواز دور ہوتی چلی جارہی تھی۔ میں آگے نکل آیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا جاں نثار فون پر کوڈ ورڈز کے ذریعے میرے بیٹے کو بتا رہا تھا کہ میں کہاں جارہا ہوں؟ اور وہ خوش ہوکر کہہ رہا تھا۔ ''میں اپنے پاپا سے ملنے آرہا ہوں۔''

انہیں یقین تھا کہ فون کال ڈیٹکٹ کرنے والے نہ کوڈ ورڈز کو سمجھ پائیں گے' نہ ہم باپ بیٹے کی ملاقات میں رکاوٹ پیدا کرسکیں گے اور میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کسی طرح کی رکاوٹیں پیدا نہ ہوں۔

میں نے راستے میں رک کر ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر سے پہلے بابا سائیں کے غار میں پہنچ گیا۔ جاں نثاروں نے اپنی اپنی گاڑیاں وہاں سے دور جنگل کے گھنے درختوں کے درمیان چھپا دی تھیں۔ میرے بیٹے کا انتظار کررہے تھے۔

میں نے غار میں آ کر اس وسیع و عریض چٹان کو دیکھا' جہاں بابا سائیں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ جگہ ایسی صاف ستھری تھی' جیسے بابا سائیں کی زندگی میں رہا کرتی تھی۔

میں نے عقیدت سے جھک کر اُسے چھو لیا۔ پھر اس چٹان پر آ کر عصر کی نماز ادا کی۔ نماز میں محویت کے درمیان یوں محسوس ہوتا رہا' جیسے بابا سائیں کے ساتھ عبادت کر رہا ہوں۔

میں نے سلام پھیرنے کے بعد دیکھا تو وہ نہیں تھے۔ ایک جاں نثار نے کہا۔ ''آپ کے صاحبزادے راستے میں ہیں۔ یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔ لیکن یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ یہاں دشمن آسانی سے آسکتے ہیں۔''

میں نے چٹان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اس کے نیچے تہہ خانہ ہے۔ وہاں کوئی نہیں آسکے گا۔''

اس نے بے یقینی سے اس وسیع و عریض چٹان کو دیکھا۔ اسے بھاری بھرکم کرین کے ذریعے بھی وہاں سے سرکایا نہیں جا سکتا تھا۔

میں نے چٹان سے اتر کر کہا۔ ''اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ قادر مطلق ہے۔ میں اس پر ہاتھ رکھ کر اسم اعظم پڑھ کر اسے ذرا سا ہٹا دیتا ہوں تو نیچے تہہ خانے میں جانے کا راستہ بن جاتا ہے۔''

میں نے اس چٹان پر دونوں ہاتھ رکھے۔ اپنے ذہن کو اور خیالات کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مرکوز کیا۔ پھر دل کی گہرائیوں سے آواز نکالی۔ ''اللہ.... اللہ.... یا اللہ....!''

چٹان اپنی جگہ جمی ہوئی تھی۔ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میں نے پھر صدق دل سے پڑھا۔ ''اللہ..... اللہ..... یا اللہ.....!''

گہری خاموشی.... گہرا سناٹا.... چٹان کے سرکنے کی آواز نہیں آئی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ چٹان اپنی جگہ تھی۔ میں اسم اعظم ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ ادائیگی کے بنیادی اصولوں سے اور روحانی قوت سے محروم ہو گیا تھا۔

مجھے ایسا صدمہ پہنچا کہ میں گرنے کے انداز میں زمین پر بیٹھ گیا۔

جاں نثار نے پوچھا۔ ''پاپا! کیا ہوا؟''

میں نے سر اٹھا کر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ ''مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے۔''

میں زمین پر سے اٹھ کر اس مقدس چٹان پر اوندھے منہ گر پڑا۔ ''یا خدا! میرے جانے انجانے گناہوں کو معاف کر میرے مالک! آمین...''

وہ چٹان میرے لئے مقدس تھی۔ بابا سائیں وہاں ساری عمر عبادت کرتے رہے تھے۔ میں نے ستر برس کے بعد دنیا میں واپس آ کر ایک نئی زندگی پا کر یہ عہد کیا تھا کہ یہ زندگی اللہ

تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف کر دوں گا۔ صرف اہم ضروریات کے مطابق دنیاوی معاملات میں دلچسپی لوں گا۔

مجھ سے غلطیاں ہو رہی تھیں۔ مجھے سوچنا' سمجھنا اور اپنا محاسبہ کرنا تھا۔ اس سے پہلے بیٹے کو یہاں آنے سے روکنا تھا۔ میں نے جاں نثار سے کہا۔ ''یہ تہہ خانہ بند ہو گیا ہے۔ عمیر کو یہاں آنے سے روکو۔ ہم دشمنوں سے چھپ کر نہیں مل سکیں گے۔''

میری بات ختم ہوتے ہی باہر گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ فون سے کالنگ ٹون سنائی دے رہی تھی۔ جاں نثار نے فون کو کان سے لگا کر پوچھا۔ ''یہ فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟''

اس نے دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر فون بند کرتے ہوئے کہا۔ ''پاپا! کئی طرف سے فائرنگ ہو رہی ہے۔ ہمیں گھیرا جا رہا ہے۔ آئیں یہاں سے نکلیں۔''

وہ غار کے دہانے کی طرف بھاگتے بھاگتے رک گیا۔ مجھے وہاں سے لئے بغیر جا نہیں سکتا تھا۔ میرا سفری بیگ چٹان کے ایک سرے پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہاں آ کر اسے اٹھایا تو اچانک ہی پیروں تلے گڑگڑاہٹ کی آواز ہوئی۔ میں گرتے گرتے سنبھل گیا۔

تہہ خانے میں جانے کا راستہ ایک ذرا سا کھل گیا تھا۔ میں دوڑتا ہوا کھلی جگہ آیا۔ پھر جیسے ہی تہہ خانے میں اترا۔ وہ چٹان گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ اپنی پہلی جگہ واپس آ گئی۔

میں دنیا والوں سے حتیٰ کہ اس جاں نثار کی نظروں سے بھی چھپ گیا۔ ہم نے دشمنوں کو غافل سمجھا تھا۔ صرف سی آئی اے والوں سے پیچھا چھڑا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم ان سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ جبکہ وہ ہماری لاعلمی میں دور تک جال پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے۔

میں معلوم کر سکتا تھا کہ تہہ خانے کے باہر کیا ہو رہا ہے؟ میں نے غیر معمولی سماعت کے ذریعے اس جاں نثار کی طرف توجہ دی۔ مگر اس کی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے صدمے سے سوچا۔ ''کیا وہ دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا ہے؟''

میں نے ایک اور جاں نثار کی آواز سننے کی کوشش کی۔ مگر کچھ سنائی نہیں دیا۔ غار کے اندر اور باہر ہونے والی فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ میں جیسے بہرہ ہو گیا تھا۔

میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اندر کہیں سے روشنی نہیں آ رہی تھی۔ گہری تاریکی تھی۔ میں اپنی غیر معمولی بصارت سے تاریکی میں کچھ دور تک دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا' غیر معمولی سماعت کے ذریعے کیوں سن نہیں پا رہا ہوں؟

میں نے ایک جاں نثار کو فون پر اپنے بیٹے سے باتیں کرتے سنا تھا۔ اگرچہ کوڈ ورڈز میں باتیں ہو رہی تھیں۔ لیکن فون کے اسپیکر سے مجھے بیٹے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

بیٹے کی آواز اور لب و لہجہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا تھا۔ میں نے بعد میں اس کی

آواز سنی۔ وہ اپنے جاں نثاروں سے کہہ رہا تھا کہ وہ راستے میں ہے اور جلد ہی بابا سائیں کے غار میں پہنچنے والا ہے۔

اب تہہ خانے کی تنہائی میں پھر اس پر توجہ دی۔ اس کی آواز سن کر مطمئن ہونا چاہا' لیکن کچھ سنائی نہیں دیا۔ بڑی دیر تک انتظار کیا کہ وہ کچھ بولے گا اور میں سنوں گا۔ لیکن اس کے آس پاس کی بھی کوئی آواز میرے کانوں میں نہیں آ رہی تھی۔

میں نے پریشان ہو کر پھول وتی پر توجہ دی۔ وہ تو مجھے رہ رہ کر یاد کر رہی ہوگی۔ کچھ بول رہی ہوگی مگر اس کی آواز بھی گم ہو گئی تھی۔

میں نے دارا اکبر کے متعلق سوچا کہ وہ مجھے گالیاں دے رہا ہوگا۔ تعجب کی بات تھی' وہ خاموش تھا۔

کیا ساری دنیا خاموش ہو گئی تھی؟ تہہ خانے کے باہر ہزاروں میل دور تک کوئی نہیں بول رہا تھا۔ میں نے موبائل فون نکال کر دیکھا تو وہ آف تھا۔ میں نے آن کرنے کا بٹن دبایا۔ وہ بیدار نہیں ہوا۔ جیسے اس کی بیٹری ختم ہو چکی تھی۔ وہ میری طرح کسی سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا۔

تب مجھے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ میری غیر معمولی قوت سماعت ختم ہو چکی ہے۔ فون اچانک مردہ ہو گیا ہے۔ آواز کے تمام ذرائع ختم ہو چکے ہیں۔ باہر کی دنیا کو نہ میں دیکھ سکتا ہوں' نہ سن سکتا ہوں۔

میں نے سر اٹھا کر وسیع و عریض چٹان کو دیکھا۔ اس نے مجھے تہہ خانے میں ڈھانپ دیا تھا۔ گویا قبر کا منہ بند کر دیا تھا۔ مجھے زندہ درگور کر دیا تھا۔

میں اسم اعظم پڑھ کر چٹان کو ذرا سا بھی سرکا نہیں سکتا تھا۔ یہ آزما چکا تھا کہ اسم اعظم پڑھنے کی روحانی قوت سے بھی محروم ہو گیا ہوں۔

میں پتھر سے بنی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر جا سکتا ہوں یا نہیں....؟ میں نے اس چٹان پر دونوں ہتھیلیاں جما کر صدق دل سے پڑھا۔ "اللہ....اللہ.... یا اللہ! آہ میرے معبود! یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں غیر معمولی قوت سماعت سے محروم ہو گیا۔ اسم اعظم پڑھنے کی روحانی قوت سے خالی ہو گیا۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

میں سیڑھیاں اتر کر پھر پتھر پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ مجھے سزا مل رہی ہے۔ میری صلاحیتیں اور روحانی قوتیں مجھ سے چھین لی گئی ہیں۔

اب مجھے اپنا محاسبہ کرنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ زندگی دی' دینی احکامات کی تعمیل کے لئے اور میں نے یہ بھی عہد کیا تھا کہ زندگی یاد الٰہی میں' دینی تعلیم عام کرنے میں اور تمام بندوں کے حقوق ادا کرتے رہنے میں گزاروں گا۔

پھر میں نے کیا کیا؟

وہی کیا' جو بندے ہوس کے غلام ہو کر کیا کرتے ہیں۔

پہلی بار ہوائی جہاز میں پھول وتی کے ساتھ رات کالی کی۔ یہ خیال نہیں کیا کہ وہ برفانی علاقہ ہے۔ صبح سے پہلے غسل نہیں کر سکوں گا۔ میں نے عبادت کو اہمیت نہیں دی۔ فجر کی نماز ادا نہ کر سکا۔ اس کی سزا مجھے مل چکی تھی۔ اپنی اور پھول وتی کی زندگی ہار گیا تھا۔

دوسری بار پھول وتی (ثناء) میری زندگی میں آئی۔ میں نے پھر وہی غلطی کی۔ اس رات بھی عیش و طرب میں ڈوبا رہا۔ فجر کی نماز نہ پڑھ سکا۔ اس سے بڑی غلطی اور غفلت اور کیا ہو سکتی تھی؟ سزا تو ملنی ہی تھی۔

میں نے کوئی چھوٹی غلطی نہیں کی۔ گناہ بھی کیا ہے۔ پھول وتی سے پہلے نکاح پڑھوانا چاہئے تھا۔ وہ ستر برس کے بعد پہلے نکاح سے خارج ہو چکی تھی۔

یہ مجبوری تھی کہ حاملہ عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ زچگی کے بعد ہو جاتا ہے۔ مگر میں نے انتظار نہیں کیا۔ دن رات اس سے ناجائز رشتہ قائم کرتا رہا۔ سزا تو ملنی ہی تھی۔

میں وہاں سے اٹھ کر چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔ وہ تہہ خانہ نیم تاریکی میں ایک کال کوٹھری جیسا لگ رہا تھا۔ وہاں سے ایک سرنگ دور وہاں تک جاتی تھی' جہاں میں نے خزانہ منتقل کیا تھا۔

میرے دل میں آیا کہ اس خزانے کی جگہ سے بھی آگے جا کر دیکھوں' شائد اس پہاڑ کے نیچے سے باہر جانے کا کوئی راستہ مل جائے۔

میں اس سمت جانے کے لئے آگے بڑھا پھر رک گیا۔ مغرب کی اذان سنائی دے رہی تھی۔ میں تو بہرہ ہو گیا تھا۔ میری قوت سماعت ختم ہو چکی تھی۔ دنیا کی کوئی آواز تہہ خانے کے اندر مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ پھر اذان کی آواز کیسے سنائی دے رہی تھی؟

باہر تقریباً پچاس کلومیٹر تک جنگل پھیلا ہوا تھا۔ میرے بہرے ہونے تک فائرنگ کی آوازیں گونجتی رہی تھیں۔ ان حالات میں بھلا غار کے باہر کون نماز پڑھنے آ سکتا تھا؟ لیکن آواز بالکل قریب سے آ رہی تھی۔

میں نے چونک کر سر اٹھا کر اس چٹان کو دیکھا۔ چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ بابا سائیں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اوپر اپنی عبادت کی جگہ ہوں گے۔

میں نے پوری توجہ سے سنا۔ میں ساری دنیا کے شور اور ہنگاموں میں بھی ان کی آواز الگ سے پہچان سکتا تھا۔ وہ اذان دے رہے تھے۔ چھت کے اوپر نماز کے لئے پکار رہے تھے۔

میں نے تڑپ کر سیڑھی کے اوپری حصے پر آ کر دونوں ہتھیلیاں چٹان پر جما دیں۔ پھر

چیخ کر کہا۔ ''بابا سائیں! میری مدد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے۔ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ خدارا! میرے خدا' میرے معبود کو راضی کریں۔ وہی گناہوں کو معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

میری ہتھیلیاں اس چٹان پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھا۔ ''اللہ.... اللہ.... یا اللہ....!''

مجھے پورا یقین تھا کہ بابا سائیں اوپر ہیں۔ میرے اسم اعظم کی ادائیگی میں تاثیر ہوگی۔ چٹان سرک جائے گی۔ میں باہر نکل جاؤں گا۔

لیکن وہ چٹان اپنی جگہ اٹل رہی۔ نجات نہیں ملی۔ غلطیاں اتنی آسانی سے معاف نہیں کی جاتیں۔ ان کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ تلافی کرنی ہی پڑتی ہے۔

میں ایک مجرم کی طرح سر جھکائے چھوٹی سی چٹان پر آیا۔ اس چٹان پر ایک دن زخمی ہوکر آیا تھا۔ میرے جسم میں تین گولیاں پیوست ہوگئی تھیں۔ بابا سائیں نے روحانی آپریشن کیا تھا۔ اسم اعظم پڑھ کر وہ تمام گولیاں میرے جسم سے نکال دی تھیں۔

میں وہاں آکر نماز پڑھنے لگا۔ اپنے اوپر چھت والی چٹان پر بابا سائیں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ پیش امام کے طور پر نماز پڑھا رہے تھے اور میں پڑھ رہا تھا۔

یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ جسمانی طور پر وہاں موجود ہیں یا صرف ان کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں انہیں چشم تصور سے دیکھ رہا تھا اور نماز ادا کررہا تھا۔

پھر عشاء کے وقت تک وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ میں بھی ان کے ساتھ پڑھتا رہا۔ یہ یقیناً بابا سائیں کی روحانی صحبت تھی۔ عشاء کے نماز کے بعد مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ میں اس چٹان پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی نیند آگئی۔

وہ میری قبر تھی۔ میں اپنی قبر میں سو رہا تھا۔

قوت سماعت سے محروم ہونے کے باوجود آواز سن رہا تھا۔

بابا سائیں بول رہے تھے۔ ''پیغمبروں نے بھی غلطیاں کیں اور سزا پائی۔ حضرت یونسؑ کو ایک طویل مدت تک مچھلی کے پیٹ میں مقید رکھا گیا تھا۔ تم قبر کے پیٹ میں مقید رہوگے۔

معیادِ قید نامعلوم ہے۔

تم دنیا والوں کے لئے پھر ایک بار مر چکے ہو۔

اپنے رب کو راضی کرو۔ صرف وہی گناہوں کو معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

خاموشی چھا گئی۔

موت کی خاموشی... مگر میں زندہ تھا۔

نہ اِدھر کا تھا' نہ اُدھر کا تھا۔

نہ دنیا میں تھا' نہ عاقبت میں.....

میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

میں فیصلے کی سولی پر لٹکا ہوا ہوں۔

وہ غفور رحیم ہے۔ کیا میرا رب مجھے معاف کرے گا؟

لوگو....! میرے لئے دعا کرو۔ دیکھو کہ پھر اس دنیا کے دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں۔

☆☆☆

سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے واشنگٹن سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ میرے پاپا غازی صلاح الدین کو ابھی گرفتار نہ کیا جائے۔ وہ دوسرے دن دہلی پہنچنے والا تھا۔ یہ تاکید کی گئی تھی کہ فی الحال خفیہ خزانے اور ریڈ مرکری کے سلسلے میں پاپا کا محاسبہ نہ کیا جائے۔

بظاہر اس حکم کی تعمیل کی گئی تھی۔ لیکن راء' موساد اور دیگر دوسری خفیہ ایجنسیوں کے مسلح کارندے درپردہ پاپا کی نگرانی کررہے تھے۔ جب وہ دارا اکبر کے ساتھ بنگلے سے نکلے تو میرے جاں نثاروں نے انہیں سی آئی اے کے کارندوں سے نجات دلائی۔

ایسے وقت ہم نہیں جانتے تھے کہ خفیہ ایجنسیوں کے کارندے دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی نگرانی کرتے ہوئے محاصرہ کرتے جارہے ہیں۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہوئے میرے پاپا کے اور میرے جاں نثاروں کے گرد گھیرا تنگ کرتے رہے تھے۔

بابا سائیں کے غار میں پاپا میرا انتظار کررہے تھے۔ میں ستر برس کے بعد زندہ ہونے والے باپ سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ مگر افسوس ہم باپ بیٹے کے مقدر میں ملاقات نہیں تھی۔ میرے ایک جاں نثار نے اطلاع دی کہ میں پاپا سے ملنے نہ آؤں۔ اس غار کے پاس دشمنوں سے کاؤنٹر فائرنگ ہورہی ہے۔

میں جہاں تھا' وہیں رک گیا۔ دشمن ریڈ مرکری حاصل کرنے کے لئے پاگل ہورہے تھے۔ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ میں نے اس پہاڑ کی تہہ میں اُسے چھپا کر رکھا ہے۔

یہ خیال کیا جارہا تھا کہ پاپا اس خطرناک جوہری مادے کو چھپانے کے لئے بابا سائیں کے غار میں گئے ہیں۔ میں بھی ان سے ملنے اور اسے کہیں حفاظت سے چھپانے جاؤں گا۔ ایسے وقت وہ ہم باپ بیٹے کو گرفتار کرسکتے تھے یا ہلاک کرسکتے تھے۔

اور انہوں نے بروقت ہمارا محاصرہ کیا تھا۔ میں تو محاصرے سے نکل گیا تھا۔ میرے پاپا اور بارہ جاں نثار چاروں طرف سے فائرنگ کی زد میں آگئے تھے۔

اس کاؤنٹر فائرنگ میں میرے چار جاں نثار مارے گئے۔ باقی فرار ہو گئے۔ ہمارے دشمن بھی خاصی تعداد میں ہلاک ہوئے تھے۔ ایک جاں نثار پاپا کے ساتھ غار میں تھا۔

اس نے بیان دیا کہ پاپا نے اسم اعظم پڑھ کر چٹان کو وہاں سے ہٹانا چاہا تھا، مگر ناکام ہو گئے تھے۔ پھر دشمنوں نے اچانک ادھر آ کر فائرنگ کی تو ایسے وقت وہ چٹان خود بخود اپنی جگہ سے ذرا سرک گئی۔ جب پاپا نیچے تہہ خانے میں چلے گئے تو وہ پھر اپنی جگہ واپس آ گئی۔

میرا جاں نثار ان کے ساتھ نہ جا سکا۔ جبکہ وہ ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا ان کے پاس گیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی نیچے تہہ خانے میں جانے کا راستہ بند ہو گیا تھا۔

مجھے عارضی طور پر اطمینان ہوا کہ پاپا محفوظ ہو گئے ہیں۔ دشمن کبھی تہہ خانے میں پہنچ نہیں سکیں گے اور میں بعد میں جب چاہوں گا' ان سے ملاقات کے لئے جا سکوں گا۔

جب شام ہو گئی اور رات گزرنے لگی تو مجھے تشویش ہوئی۔ تہہ خانے میں اندھیرا ہو گا اور وہ بھوکے پیاسے ہوں گے۔ انہیں وہاں سے نکل کر باہر آنا چاہئے تھا۔

اگرچہ وہ دوسرے دن بھی بھوکے پیاسے رہ سکتے تھے۔ لیکن اس کے بعد....؟

آخر وہ کب تک وہاں چھپے رہتے؟ دشمنوں کے ٹل جانے کے بعد تو وہاں سے نکل سکتے تھے۔

پھر مجھے اطلاع مل رہی تھی کہ انڈین آرمی اور دنیا بھر کے سراغ رسانوں کی ٹیمیں غار کے اطراف پہاڑ کے اوپر سے نیچے تک حرکت میں آ گئی ہیں۔

وہ لوگ جیسے پورے پہاڑ کو کھود کر ریڈ مرکری نکال لانا چاہتے تھے۔ انہیں یقین تھا' ہم نے اسے وہیں چھپا کر رکھا ہے۔ پہاڑ کے اندر سرنگ بنانے والے اور زمین کی تہہ میں پہنچنے والے ماہرین بھی جدید آلات اور مشینوں کے ساتھ پہنچے ہوئے تھے۔ وہ سب کئی دنوں تک وہاں سے ٹلنے والے نہیں تھے۔

پاپا کے متعلق یہ سوچ کر کلیجہ منہ کو آ رہا تھا کہ وہ تہہ خانے میں بند ہو چکے ہیں۔ کیا زندہ درگور ہو چکے ہیں؟

کیا وہاں اندر ہی اندر اور بھی سرنگیں ہیں؟ باہر نکلنے کا اور بھی کوئی راستہ ہے؟

انڈین آرمی کے ساتھ آئے ہوئے ماہرین ایسی ہی سرنگیں تلاش کر رہے تھے۔ انہوں نے بابا سائیں کے غار میں آ کر دیکھا۔ وہاں سے ایک راستہ اندر کی طرف گیا تھا۔ اس راستے سے پھر دو راستے مختلف سمت گئے تھے۔ وہ سب ان راستوں پر دور تک گئے مگر آگے نہ جا سکے۔ راستہ بند ہو گیا تھا۔ بڑی بڑی چٹانیں حائل ہو گئی تھیں۔

صرف ایک راستہ ادھر جاتا تھا۔ جہاں پاپا نے خزانے کو منتقل کیا تھا اور میرا عصا بھی

وہاں رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے بابا سائیں کے نقش قدم پر چلنا اور اسم اعظم کا ورد کرنا لازمی تھا۔

اس پہاڑ کے نیچے دور تک جانے کا راستہ نہیں تھا۔ تین سرنگیں آگے تک گئی تھیں۔ پھر چٹانیں حائل ہو گئی تھیں۔ راستے بند ہو گئے تھے۔ وہ واپس غار کے اس حصے میں آئے' جہاں وہ وسیع و عریض چٹان تھی' جس پر بابا سائیں عبادت کیا کرتے تھے۔

راء اور موساد کے سراغ رسانوں کا بیان تھا کہ انہوں نے دور ہی دور سے پاپا کی نگرانی کی تھی۔ انہیں اس غار میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اگر وہ باہر نہیں نکلے تھے تو پھر کہاں چلے گئے تھے؟

ان کے دماغوں میں یہ بات لگ رہی تھی کہ وہاں کوئی خفیہ راستہ ہے' جہاں سے پاپا فرار ہو گئے ہیں یا کوئی خفیہ پناہ گاہ ہے۔ جہاں وہ ابھی تک چھپے ہوئے ہیں۔

تہہ خانوں اور خفیہ سرنگوں کا سراغ لگانے والے ماہرین کہہ رہے تھے کہ وہ جو وسیع و عریض چٹان ہے' اس کے نیچے تہہ خانہ ضرور ہو گا۔

ایک ماہر نے کہا۔ "یہ چٹان ایک چبوترے کی طرح دور تک بچھی ہوئی ہے۔ اسے تو بڑی بڑی کرینوں کے ذریعے بھی ہٹایا نہیں جا سکتا۔ لیکن کسی دوسری جگہ سے اس کے نیچے جانے کا راستہ ضرور ہو گا۔"

اس سلسلے میں آئی جی آف پولیس دارا اکبر کا محاسبہ کیا گیا۔ اس سے طرح طرح کے سوالات کئے گئے۔ موساد کے چیف نے کہا۔ "اس نے یقیناً خزانے تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ بتایا ہو گا۔ ہم سے نہ چھپاؤ۔ اگر ہم اس خزانے تک پہنچ جائیں گے تو تمہیں مالا مال کر دیں گے۔"

دارا اکبر پچھلے کئی دنوں سے دیکھ رہا تھا کہ پاپا واپس نہیں آئے تھے۔ وہاں جانے سے پہلے انہوں نے اسے دھوکا دیا تھا۔ اپنے جاں نثاروں کے ذریعے اسے گھر واپس بھیج دیا تھا۔ اپنے ساتھ خزانے تک نہیں لے گئے تھے۔ لہٰذا اس نے پاپا کے مخالفین سے تعاون کیا۔

اس نے کہا۔ "دوسرا راستہ اسی غار کے اندر سے جاتا ہے۔ غازی نے کہا تھا' جب وہ چٹان پر ہاتھ رکھ کر اسم اعظم پڑھتا ہے تو چٹان سرک جاتی ہے۔ اسے آگے جانے کا راستہ مل جاتا ہے۔"

اس کے اس بیان سے وہ چٹان بہت اہم ہو گئی۔ سب کی توجہ اسی طرف تھی۔ تمام ماہرین اس چٹان کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ معلوم کر رہے تھے کہ اس کا ایسا کونسا حصہ ہے جو اسم اعظم پڑھتے ہی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے اور نیچے جانے کا راستہ مل جاتا ہے؟

انہیں ایسی کوئی جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی' جہاں چٹان میں دراڑ پڑ گئی ہو یا چھوٹا سا سوراخ بن گیا ہو۔ وہ بہت ہی ٹھوس اور مضبوط تھی۔

ایک ماہر نے ناگواری سے کہا۔ ''یہ فضول سی باتیں ہیں کہ اسم اعظم پڑھنے سے یہ دور تک پھیلی ہوئی مضبوط چٹان کہیں سے سرک جاتی ہے۔ ہم نہیں مانتے۔''

ایک سراغ رساں نے کہا۔ ''یہ تو کوئی جادوئی قسم کی بات ہے۔ کیا جادوگروں کو بلا کر ان سے معلوم کیا جائے؟''

ایک خفیہ ایجنسی کے سربراہ نے کہا۔ ''پہلے تو جادوگروں سے کام لیا جائے۔ اگر کام نہ بنے تو اس چٹان کو ڈائنا مائٹ سے اڑا دیا جائے۔''

لہٰذا جادوگروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ دو بڑے تانترک مہاراج نے وہاں آ کر چلاکشی کی۔ طرح طرح کے جادوئی ہتھکنڈے آزمائے۔ اس چٹان پر سندور کی لکیریں کھینچ کر منتروں کا جاپ کیا۔

یہ سلسلہ دس دنوں تک جاری رہا۔ تمام دنیا کے سراغ رساں اور ماہرین دیکھ رہے تھے کہ چٹان اپنی جگہ اٹل تھی۔ ایک ذرا ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ آخر انہوں نے جادوگروں کو وہاں سے بھگا دیا۔

ڈائنا مائٹ کے ذریعے بڑی بڑی چٹانوں کو توڑ کر پہاڑ کے اندر راستے بنائے جاتے ہیں۔ اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ بابا سائیں کی اس چٹان کو ڈائنا مائٹ سے اڑا دیا جائے پھر تو نیچے جانے کا راستہ کھل جائے گا۔

اس غار کے اور پاپا کے روپوش ہونے کے سلسلے میں خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ میرے زرخرید ہندوستانی جاسوس بھی مجھے رپورٹ دیتے رہتے تھے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟

میں یہ سن کر پریشان ہو گیا تھا کہ پاپا اگر اب تک تہہ خانے میں ہیں تو ان کا کیا بنے گا؟ ڈائنا مائٹ کے بلاسٹ ہونے سے آس پاس کی چٹانیں ٹوٹ کر اس تہہ خانے کے خلاء کو بھر دیں گی۔ پھر پاپا کا وجود کہاں رہے گا؟

پاپا کی طویل خاموشی نے پہلے ہی مایوس کر دیا تھا کہ شائد اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔

اس کے باوجود ایک امید تھی۔ دل یقین دلاتا تھا کہ وہ کہیں بھی ہیں تو زندہ سلامت ہیں۔ اور اس تہہ خانے میں قید ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ اگر وہاں قید ہو جاتے تو بھوکے پیاسے رہتے۔ نہ باہر نکل پاتے' نہ ہی کہیں سے ایک قطرہ پانی ان کے حلق میں آ کر ٹپکتا۔ ایسے وقت موت لازمی ہوتی۔ اس تہہ خانے میں جانے کے بعد بارہ دن گزر چکے تھے۔ مایوسی میرا سر جھکا رہی تھی۔

بس دل کی گہرائیوں سے ایک خون کا رشتہ ہوتا ہے' وہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ''پاپا جہاں

بھی ہیں' زندہ سلامت ہیں۔ لیکن بہت مجبور ہیں۔ اسی لئے میرے کسی جاں نثار سے رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔''

میرے ایک جاں نثار نے کہا تھا کہ پاپا نے اس کا فون نمبر محفوظ کیا تھا۔ انہیں موت نے مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ کچھ ایسے حالات سے گزر رہے تھے' جن کا علم ابھی ہمیں نہیں تھا۔

تمام ایجنسیوں کے سربراہ سر جوڑ کر سوچ رہے تھے اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔

ایک نے کہا۔ ''اس چٹان کے نیچے ایسی خفیہ پناہ گاہ ہے' جہاں غازی صلاح الدین عیش و آرام سے ہے۔ وہاں اس کے کھانے پینے کا اور دیگر ضروریات پوری کرنے کا تمام سامان موجود ہوگا۔''

دوسرے نے کہا۔ ''اگر ہم ڈائنا مائٹ سے اس چٹان کے ٹکڑے کریں گے تو آس پاس کی چٹانیں بھی ٹوٹ کر گریں گی۔ ایسی حالت میں اس کی پناہ گاہ محفوظ نہیں رہے گی۔ وہ وہیں دب کر مر جائے گا۔''

تیسرے نے کہا۔ ''اگر ریڈ مرکری اس کے پاس ہوگی تو ڈائنا مائٹ کے ذریعے اس خطرناک جوہری مادے سے جو تباہی پھیلے گی' اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

وہ اندازہ کر رہے تھے کہ اس جوہری مادے سے پورا اُتر پردیش نہ سہی' اس کا کچھ حصہ تو نیست و نابود ہو جائے گا۔ باقی حصے متاثر ہوں گے۔ وہاں کے باشندے اندھے' بہرے' لنگڑے لولے ہو کر طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔ وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لئے ڈائنا مائٹ والی بات ملتوی کر دی گئی۔

لیکن وہ اس پہاڑ کا اور اس غار کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے پہاڑ کے اوپر سے لے کر نیچے تک اور کئی میل دور تک فوجیوں کا پہرہ بٹھا دیا۔ جگہ جگہ یہ بورڈ لکھ کر لگا دیئے کہ ادھر دس میل کا رقبہ علاقہ ممنوعہ ہے۔ عام لوگوں کو وہاں سے گزرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا مہینہ گزر رہا تھا۔ پھول وتی رو رہی تھی۔ ثناء نے پھول وتی کے نین نقش اور روپ رنگ لے کر ہی میرے پاپا کو جیت لیا تھا۔ اب چھ ماہ کی حاملہ تھی۔ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر انہیں یاد کرتی تھی۔

''میرے محبوب! میرے سرتاج! کہاں ہیں آپ؟ آپ نے کہا تھا' میں بولتی رہوں گی تو آپ سنتے رہیں گے۔ میں کب تک بولتی رہوں؟ کبھی تو جواب دیں۔

اتنی طویل مدت تک خاموشی رہے' کوئی پتہ ٹھکانہ نہ ملے تو سب ہی کہتے ہیں کہ وہ شخص اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ لیکن دشمن کہتے ہیں' آپ زندہ ہیں۔ کہیں روپوش ہیں۔

دشمنوں کے منہ میں گھی شکر۔ بدبخت دوستوں سے ایسے دشمن ہی بھلے۔ وہ آپ کی زندگی کا مژدہ سناتے رہتے ہیں۔"

دارا اکبر غصے اور حقارت سے کہتا تھا۔"وہ مر چکا ہے۔ اسے بھول جاؤ اور اس بچے کو پیدا ہوتے ہی کسی یتیم خانے میں بھیج دو۔ اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ تمہارے سامنے ایک لمبی عمر پڑی ہے۔ کسی سے شادی کرو اور اسے بھول جاؤ۔"

"ایسی باتیں نہ کریں ڈیڈ! یہ میرا بچہ ہے۔ میرے غازی کی نشانی ہے۔ میں اسے کلیجے سے لگائے رکھوں گی۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ یہ ناجائز ہے۔ تم اس کی منکوحہ نہیں تھیں۔"

"میں ستر برس پہلے ان کی منکوحہ تھی۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ ستر برس پہلے تمہارا باپ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ تم اس کی دلہن کیسے بن گئیں؟"

"آپ کے سوال کا جواب میں نہیں دے سکوں گی اور آپ میرے سوال کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جس دن غازی میری زندگی میں آیا۔ اس کے دوسرے دن الٹراساؤنڈ کی رپورٹ نے بتایا' میں تین ماہ کی حاملہ ہوں۔ آپ بتائیں' یہ عجیب و غریب بات کیسے ہوگئی؟"

"میں کیا بتاؤں؟ وہ کوئی جادو ٹونا کرنے والا شخص تھا۔ کہتا تھا' کچھ پڑھ کر وہ خفیہ راستہ کھول سکتا ہے۔ کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا۔"

"وہ کوئی جادو منتر پڑھنے والی بات نہیں کہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے اسم اعظم پڑھنے کی بات کیا کرتا تھا۔"

"کچھ بھی ہو۔ یہ بچہ میرے گھر میں پیدا نہیں ہوگا۔ زچگی کے وقت تم ہوسپٹل میں رہو گی۔ پھر فارغ ہونے کے بعد اسے وہیں چھوڑ کر آؤ گی۔"

"میں کہہ چکی ہوں' یہ بچہ میری جان ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ آپ کا گھر آج ہی چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

"آج نہیں آج سے دو دن بعد جاؤ گی۔ پہلے اپنے رہنے سہنے کا ٹھکانہ بناؤ گی۔ اس کے بعد میں یہاں سے جانے کی اجازت دوں گا۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔"جب مجھے جانا ہے تو آج ہی جاؤں گی۔"

"یہ مت بھولو کہ میں صرف تمہارا باپ ہی نہیں' ایک پولیس افسر بھی ہوں۔ میرے حکم کے بغیر نہ تم اس گھر سے باہر قدم نکال سکو گی اور نہ ہی کہیں کوئی ٹھکانہ بنا سکو گی۔ یہاں دو دنوں

تک آرام سے رہو۔ اس کے بعد مرنے کے لئے کہیں بھی چلی جاؤ۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈروم میں آیا پھر دروازہ بند کر کے فون پر نمبر پنچ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ ہوتے ہی بولا۔"سر! میں آئی جی دارا اکبر بول رہا ہوں۔"

سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر جان البرٹ کی آواز سنائی دی۔"ہاں۔ بولو کیا ہوا؟"

"میں نے آپ کی پلاننگ کے مطابق اپنی بیٹی سے جھگڑا کیا ہے۔ وہ آج سے دو دن بعد گھر چھوڑ کر جائے گی اور کہیں اپنا ٹھکانہ بنائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کل کے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوگی کہ تم نے اپنی بیٹی کو گھر سے نکال دیا ہے۔ کیونکہ وہ غازی کے بیٹے کو جنم دینے کے بعد اس کی پرورش کرنا چاہتی ہے اور باپ کو یہ منظور نہیں ہے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔"ٹی وی چینل کے ذریعے بھی یہ خبر نشر کی جائے گی۔ تھری ایس اور اس کے کارندے یہ خبریں ضرور سنیں گے۔ کل اخبارات میں بھی پڑھیں گے تو اسے معلوم ہوگا کہ تم نے اس کی ماں کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ ایسے وقت دربدر ہو رہی ہے جبکہ غازی کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

دارا اکبر نے کہا۔"اچھی پلاننگ ہے۔ تھری ایس اپنے باپ کی شریک حیات کو اور پیدا ہونے والے بھائی کی ماں کو دربدر ہونے نہیں دے گا۔ چھپ چھپا کر اس کا سہارا بننا چاہے گا تو آپ لوگوں کی نظروں میں آجائے گا۔"

وہ بولا۔"اس کے علاوہ بھی ہم جانتے ہیں کہ اسے اور کس طرح ٹریپ کر سکیں گے؟ بہرحال تمہاری بیٹی تھری ایس کی ایک بہت بڑی کمزوری بن جائے گی۔"

بیشک۔ سی آئی اے والوں کی پلاننگ بڑی زبردست تھی۔ جب میں نے رات کو نشر ہونے والی خبروں میں یہ سنا کہ دارا اکبر میری ماں کو' میرے باپ کی امانت کو گھر سے بے گھر کر رہا ہے تو میں تڑپ گیا۔

یہ نہیں جانتا تھا کہ پاپا اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں؟ لیکن ان کی امانت زندہ سلامت تھی اور میری وہ ماں پاپا کے بچے کو جنم دینے والی تھی۔ میرا بھائی اس دنیا میں آنے والا تھا۔ میرے دل میں ہلچل سی پیدا ہوگئی تھی۔ ایک بیٹے کے جذبات چیخ رہے تھے' کہہ رہے تھے۔"میں پاپا کو اس تہہ خانے سے نکال کر نہ لا سکا۔ لیکن ان کی امانت کی حفاظت تو کر سکتا ہوں۔"

میں نادان نہیں ہوں۔ برسوں سے خطرناک خفیہ ایجنسیوں سے کھلواڑ کرتا آ رہا ہوں۔ ان سب کی رگ رگ کو پہچانتا ہوں۔ اپنے دل کے تڑپا دینے والے اور بھڑکا دینے

والے جذبات کی ہلچل میں یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ دشمن نے ایک نیا اور مضبوط جال پھینکا ہے۔ مجھے اندھا دھند ماں کی طرف دوڑنا نہیں ہے۔ پہلے جال کو دیکھنا ہے کہ اسے کہاں کہاں سے توڑ سکتا ہوں؟

میں نے اپنے جاں نثاروں سے کہا۔ ''دارا اکبر نے ابھی میری ممی کو گھر سے نہیں نکالا ہے۔ اس سے پہلے پبلسٹی کر رہا ہے۔ یہ خبر مجھ تک پہنچا رہا ہے کہ میری ممی کو گھر سے بے گھر کیا جانے والا ہے۔''

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''سی آئی اے والوں کی پلاننگ بہت اچھی تھی۔ بس ان سے یہی ایک غلطی ہو گئی۔ آپ کی ممی کو گھر سے نکالنے کے بعد یہ خبر نشر کی جاتی تو شائد ہم دھوکا کھا جاتے۔ آپ حکم دیں' ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

میں نے کہا۔ ''کوئی ایسی تدبیر کرو کہ میری ممی جب اُس گھر سے نکلیں تو ان کی انگلی میں لاوہ انگوٹھی اور ہاتھ میں عصاء ہو یا پھر ان کی تصویریں ہوں۔ پھر تم سب ان کی غیبی مدد کر سکو گے۔ جیسا کہ سب ہی کے ساتھ ہوتا آ رہا ہے۔''

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''آج تک ہم غیبی مدد کرتے آ رہے ہیں اور دشمن ہمارے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ اس بار بھی یہی ہوگا۔''

دو دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ میری ممی دارا اکبر کا بنگلا چھوڑ کر اپنی سہیلی کے گھر رہنے گئی ہیں۔ ان کے پاس اپنا بینک بیلنس تھا۔ وہ کہیں اچھا سا کرائے کا مکان لے کر ایک جوان اور ایک بوڑھی دایا کو اپنی خدمت کے لئے رکھ سکتی تھیں۔ مگر ان کی سہیلی نے بڑی محبت سے ضد کر کے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

دنیا بھر کے جاسوس ان کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ میں مطمئن تھا کہ وہ میرے جاں نثاروں کی نظروں میں تھیں۔ خدانخواستہ ان پر کوئی مصیبت آتی تو پھر ہم ان کے لئے بہت کچھ کر گزرتے۔

میرے بیٹے یعقوب کو بھارتی حکومت نے ویزا نہیں دیا تھا۔ وہ یہاں آتے آتے رہ گیا تھا۔ ایک تو وہ ہم سے ویسے ہی بہت دور تھا۔ سرحدی رکاوٹوں کے احساس نے یہ دوری اور بڑھا دی تھی۔ وہ ہم سے ملنے کے لئے اور زیادہ بے چین ہو گیا تھا۔

میں مصروفیات کے باعث کبھی کبھی اس سے فون پر باتیں کرتا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر مجھ سے رابطہ کیا۔ ''پاپا! اسلام علیکم..!''

میں نے کہا۔ ''وعلیکم سلام! تم یقیناً اپنے گرینڈ پا کے سلسلے میں پریشان ہو؟''

''یس پاپا! وہ اچانک کیسے گم ہو گئے ہیں؟ کم از کم موبائل فون سے تو رابطہ کر سکتے ہیں۔''

''اگر ان کا فون کار آمد ہوتا تو ضرور اپنی خیریت کی اطلاع دیتے۔ ان کے فون میں کوئی خرابی ہو گئی ہو گی۔''

''میں کتنی امیدیں لے کر انڈیا آنا چاہتا تھا۔ خیالوں میں ان سے مل کر خوش ہوتا رہتا تھا۔ لیکن ایک تو انڈین گورنمنٹ نے ویزا نہیں دیا' دوسرے یہ کہ وہ اچانک ہی گم ہو گئے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے' اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔''

''یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مجھ سے چھپ چھپا کر مل نہیں سکو گے۔ انڈیا کے جاسوس باہر سے آنے والوں کی بہت ہی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔''

''کیا میں آپ کی طرح میگزین دی لائٹ کا رپورٹر اور فوٹو گرافر بن کر نہیں آ سکتا؟''

''دنیا کے تمام جاسوس یہ جانتے ہیں کہ تم اٹلی میں گاڈ فادر نامان کے محل میں ہو۔ وہاں سے گم ہو جاؤ گے تو پورے یقین سے یہی سمجھا جائے گا کہ بھیس بدل کر مجھ سے ملنے کے لئے انڈیا پہنچ گئے ہو۔''

''پاپا! میں آپ کی طرح چالیں چلنا جانتا ہوں۔ یہاں نامان بھائی کے محل میں میری ایک ڈمی رہے گی اور دشمنوں کو یقین ہوتا رہے گا کہ میں یہاں موجود ہوں تو کسی کو یہ شبہ نہیں ہوگا کہ انڈیا پہنچ گیا ہوں۔''

''یہاں آ کر کیا کرو گے؟ ہم کبھی آزادی سے مل نہیں سکیں گے۔ تمہارے گرینڈ پا اس پہاڑی تہہ خانے میں جا کر گم ہو گئے ہیں۔ انہیں وہاں سے نکال کر نہیں لا سکو گے۔ صرف مجھ سے ہی ملنا ہے تو میں کسی دن اٹلی آ جاؤں گا۔ ہم نامان کے محل میں کسی رکاوٹ کے بغیر مل سکیں گے۔''

''نو پاپا! جب تک گرینڈ پا ہماری زندگی میں واپس نہ آئیں' آپ انڈیا نہ چھوڑیں۔ میں وہاں آ کر آپ سے مل نہیں پاؤں گا۔ کوئی بات نہیں' اصل بات یہ ہے کہ میں ایک ملک' ایک محل تک محدود رہنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے طور پر دنیا دیکھنے اور کچھ کرنے کی اجازت دیں۔''

''ہوں....'' میں سوچ میں پڑ گیا۔

اس نے پوچھا۔ ''آپ چپ کیوں ہو گئے؟''

''سوچ رہا ہوں' تمہیں کنوئیں سے نکل کر تالاب میں' تالاب سے نکل کر دریا میں پھر دریا سے نکل کر سمندر میں پہنچنا چاہئے۔''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''تھینک یو پاپا!''

''مجھے بتاؤ' وہاں سے یہاں تک پہنچنے کی کیا پلاننگ کر رہے ہو؟''

''آپ مجھے سنبھالنے کے لئے پوچھ رہے ہیں کہ میں کہیں کوئی غلطی نہ کروں؟''

''بیشک ابھی تمہیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔''

”سوری پاپا! آپ میرے گرینڈ پا کی انگلی پکڑ کر یہاں تک نہیں پہنچے۔ میں بھی آپ کی انگلی نہیں پکڑوں گا۔“

میں خوش ہو گیا۔ اس کی زبان سے میرا لہو بول رہا تھا۔ میں نے بظاہر اختلاف کیا۔ ”فضول باتیں نہ کرو۔ ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی ہے۔ تمہیں اچھی طرح تربیت حاصل کرنی ہوگی۔ میرے جاں نثار تمہیں تربیت بھی دیتے رہیں گے اور سیکورٹی بھی فراہم کرتے رہیں گے۔“

”میرے لہو میں آپ کی تربیت ہے۔ آپ میری رگوں میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ ایک بار مجھے آزما کر تو دیکھیں۔“

وہ میری طرح ضدی تھا۔ بڑے سلیقے سے اپنی ضد منوا رہا تھا۔ میں نے سوچا' اجازت دے دوں۔ مگر میرے جاں نثار بڑی رازداری سے اس کی نگرانی کرتے رہیں گے اور دیکھتے رہیں گے کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے؟

میں نے کہا۔ ”آل رائٹ۔ تم اپنے معاملات میں آزاد رہو گے۔ میں اور میرے جاں نثار کسی طرح کی مداخلت نہیں کریں گے۔“

اس نے خوش ہو کر کہا۔ ”او تھینک یو پاپا...!“

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ فون کی سم تبدیل کر دی۔ ناماں کے ذاتی ٹیلیفون ایکسچینج سے منسلک ہونے کے لئے میں وہ سم استعمال کیا کرتا تھا۔ اس ایکسچینج کے ذریعے جو بھی کال آتی تھی' اسے ڈیٹکٹ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں اپنے پاپا اور اپنے بیٹے یعقوب کے متعلق سوچنے لگا۔ عمر کے حساب سے ہم تینوں کے درمیان طویل فاصلہ تھا۔ جب ستر برس پہلے پاپا زندگی سے محروم ہوئے تھے' تب وہ پچیس برس کے تھے۔ جب دنیا میں واپس آئے' تب وہ اسی طرح پچیس برس کے جوان تھے۔ میرا بیٹا یعقوب بائیس برس کا ہو چکا تھا۔ پاپا کی موجودہ عمر ستائیس برس تھی۔ اس حساب سے دادا اور پوتے کے درمیان صرف پانچ برس کا فاصلہ تھا۔ دادا اپنے پوتے سے صرف پانچ برس بڑے تھے۔

ستر برس تک موت کا جو وقفہ رہا تھا۔ اس وقفے میں عمر ٹھہر گئی تھی۔ اسی لئے وہ ستائیس برس کے جوان دکھائی دیتے تھے۔

اور میری عمر کا صحیح حساب لگایا جائے تو میں پچھتر برس کا ہو چکا تھا۔ ابھی ہم تینوں یکجا نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ دنیا یہ دیکھ کر حیران ہوتی کہ میں پچھتر برس کا بوڑھا ہوں اور میرے والد ستائیس برس کے جوان ہیں اور بیٹا ان سے صرف پانچ برس چھوٹا ہے۔

ہم تینوں کبھی [illegible] ملتے تو عجو[illegible] دکھائی دیتے۔ میں اپنے باپ کا باپ دکھائی دیتا اور جو باپ ہے' وہ میرا بیٹا نظر آتا۔ یعقوب اور پاپا [illegible] کبھی نہ مانتا۔

میں بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے چھ ستمبر ۲۰۰۰ء کے کیلنڈر پر نشان لگایا تھا۔ تین برس گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں یہ نمایاں تبدیلی ہوئی تھی کہ میں پہلے کی طرح دبلا پتلا ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں رہا تھا۔ بدن میں گوشت بھر گیا تھا۔ ایک صحت مند بوڑھا دکھائی دیتا تھا۔

بوڑھا اس لئے نظر آتا تھا کہ سر کے اور بھنوؤں کے بال سفید تھے۔ میں خضاب نہیں لگاتا تھا۔ اس بات کا منتظر تھا کہ آئندہ تمام بال قدرتی طور پر سیاہ ہوتے جائیں گے۔

دو برس پہلے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ مجھے شوگر ہے۔ چونکہ دو برس پہلے یہ مرض نہیں تھا۔ اب میں تین برس پیچھے چلا گیا تھا۔ اس لئے اب اس مرض کے آثار نہیں رہے تھے۔

تین برس پہلے میں دمے کا مریض تھا۔ لہٰذا آئندہ چار پانچ برسوں میں یہ مرض آپ ہی آپ ختم ہونے والا تھا۔ کیونکہ پچھلے پانچ برس پہلے مجھے یہ عارضہ نہیں تھا۔ میری سانسیں نہیں پھولتی تھیں۔

یہ مشاہدہ کر رہا تھا کہ یہ امراض ڈاکٹروں اور دواؤں کے بغیر خود ہی ختم ہو رہے تھے۔ اور یہی دیکھ کر حوصلہ مل رہا تھا' یقین ہو رہا تھا کہ بڑھاپے سے میرا سفر جوانی کی طرف جاری ہے۔

ابتداء میں یہ خیال تھا کہ میں دیکھتے دیکھتے ہی جوان ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ میری نادانی تھی۔ میں نے حجاب سے ازدواجی رشتہ قائم کرنا چاہا مگر اس کی بیماری نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔

پھر نینی کو اپنی زندگی میں لانا چاہتا تھا۔ وہ پہلے شوہر سے حاملہ تھی۔ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ تیسری محبوبہ سلوئی آئی' اسے بھی شریک حیات نہ بنا سکا۔

ہر بار قدرتی طور پر رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آئی کہ میرا بڑھاپا اچانک ہی چھلانگ مار کر جوانی کی دہلیز پر نہیں پہنچے گا۔ مجھے صبر کرنا ہوگا۔ انتظار کرنا ہوگا۔

بیشک میرا واپسی کا سفر جاری رہے گا۔ مجھے ایک ایک پل' ایک ایک دن' ایک ایک مہینہ اور ایک ایک سال کے حساب سے پیچھے جانا ہوگا۔ اگر تیس اور چالیس سال کے درمیان مرد کڑیل جوان ہوتا ہے تو مجھے کم از کم تیس برسوں تک انتظار کرنا ہوگا۔

تیس سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تجربہ اور مشاہدہ بڑا خوش آئند تھا کہ بڑھاپے کی بیماریاں رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ یقین مستحکم ہو گیا تھا کہ میں اپنی جوانی کی اُٹھان تک ضرور پہنچوں گا۔

اور واپسی کا یہ سفر انتہائی دلچسپ ہوگا۔ میں نے سوچا۔ ”آئندہ تیس برس کے بعد کیا ہوگا؟ میں ابھی پچھتر برس کا ہوں۔ تیس برس کے بعد پینتالیس برس کا کڑیل جوان دکھائی دوں گا۔

میرے پاپا ابھی ستائیس برس کے ہیں۔تیس برس کے ستاون برس کے بوڑھے نظر آئیں گے۔میرا بیٹا یعقوب بائیس برس کا ہے۔وہ باون برس کا بوڑھا دکھائی دے گا۔

ابھی میں بوڑھا ہوں اور وہ دونوں جوان ہیں۔آئندہ میں جوان ہو جاؤں گا اور وہ دونوں بڑھاپے کی طرف سفر کرتے رہیں گے۔

ایک وقت آئے گا' جب یعقوب کے بچے تیس چالیس برس کی عمریں گزارتے ہوئے میرے برابر ہوں گے۔چونکہ ان کی عمر آگے بڑھتی رہے گی اور پیچھے کی طرف میرا سفر جاری رہے گا۔اس لئے وہ میرے مقابلے میں بوڑھے ہوتے جائیں گے اور میں جوان ہوتا چلا جاؤں گا۔

اگر میں چالیس برس کی عمر میں کسی پچیس برس کی لڑکی سے شادی کروں گا تو وہ پندرہ برس کے بعد چالیس برس کی ہو جائے گی اور میں واپسی کے سفر میں پچیس برس کا دکھائی دوں گا۔وہ مرجھاتی جائے گی اور میں پھول کی طرح کھلتا چلا جاؤں گا۔

میری زندگی یوں بھی ہنگاموں سے بھرپور ہے۔اس ہنگامہ پرور زندگی میں پتہ نہیں اور کیسی کیسی دلچسپیاں پیدا ہوتی رہیں گی؟

☆☆☆

یعقوب کئی مہینوں سے یہ منصوبہ بنا رہا تھا۔اس بات کا عہد کر رہا تھا کہ انڈیا ضرور جائے گا۔نامان کے محل سے نکل کر اٹلی کی سرحد پار کرنے کے سلسلے میں جو رکاوٹیں تھیں' وہ اس کے پیش نظر تھیں۔

پہلی رکاوٹ تو یہ تھی کہ دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیاں اسے اپنی نظروں میں رکھتی تھیں۔کوئی نامان کے محل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔لیکن دور ہی دور سے اس کی نگرانی ہوتی رہتی تھی۔یہ سب ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ باپ بیٹا کسی دن ضرور ملیں گے اور ملاقات کا وہ دن میرا آخری دن ہوگا۔

یعقوب اپنی ایک ڈمی پیش کر کے انہیں جھانسا دے سکتا تھا۔لہٰذا اس نے ایک ایسے ہندو نوجوان کا انتخاب کیا تھا' جو قد و قامت میں اور چہرے کی بناوٹ میں اس سے مشابہت رکھتا تھا۔

اس نوجوان کا نام ارجن ورما تھا۔وہ ہندوستان سے دولت کمانے آیا تھا اور گاڈ فادر نامان کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔نامان نے کہا تھا۔''تمہیں ماہانہ پچاس ہزار یورو ملا کریں گے۔تم اس محل میں یعقوب سلمان سعدی بن کر رہا کرو گے۔''

پچاس ہزار یورو اس کی توقع سے زیادہ تھے۔وہ راضی ہو گیا۔نامان نے کہا۔''گاڈ فادر جتنا فیاض اور سخی داتا ہے۔اتنا ہی سنگدل بھی ہے۔اگر وفادار رہو گے تو زیادہ سے زیادہ

کماتے رہو گے۔جھوٹ بولو گے' کبھی دھوکا دینے کی کوشش کرو گے تو تمہارے گھر والوں کو تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔''

اس نے کہا۔''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔مجھے اپنی زندگی سے بہت پیار ہے۔لہٰذا آپ جیسے گاڈ فادر کو کبھی دھوکا دینے کی حماقت نہیں کروں گا۔''

اسے محل کے ایک گوشے میں رکھا گیا۔وہاں یعقوب اس کے طور طریقے سیکھ رہا تھا اور اپنے طور طریقے اسے سکھا رہا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کی آواز اور لب و لہجے میں بولتے تھے۔یعقوب اس کے گھر والوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔

اس نے اپنی ڈمی کے لئے ارجن ورما کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ اسے ہندوستان جانا تھا۔پھر یہ کہ وہ انٹرنیٹ کے ذریعے لڑکیوں سے دوستی کرتا تھا۔ان میں دو ہندوستانی لڑکیاں تھیں۔وہ ان سے باتیں کرتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کرتا تھا کہ ان میں سے کس کو آسانی سے پھانس کر اسے اپنی دلہن بنا کر ہندوستان جا سکتا ہے۔

ان میں سے ایک لڑکی رنجنا نے اسے اپنی طرف مائل کیا تھا۔وہ لندن میں تعلیم حاصل کرنے آئی تھی۔لیکن پڑھنے لکھنے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔اس لئے اب کسی اچھے خوبرو اسمارٹ لڑکے سے شادی کر کے ہندوستان واپس جانا چاہتی تھی۔

اور یعقوب یہی چاہتا تھا کہ آج شادی کرے اور کل ہندوستان چلا جائے۔انہوں نے ویب کیم کے ذریعہ ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

رنجنا نے اس سے پوچھا۔''یہ بتاؤ میں کیسی لگی؟''

اس نے کہا۔''پہلے تم بتاؤ میں کیسا لگا؟''

وہ بولی۔''میرے ذہن میں جو آئیڈیل تھا' تم اس سے بھی اچھے ہو۔''

وہ بولا۔''تم اچھی نہ ہوتیں' تب بھی میں تمہاری تعریفیں کرتا۔مگر تم تو بہت ہی اچھی ہو۔سمجھ میں نہیں آتا' کن الفاظ میں تمہاری تعریف کروں؟''

''تم بولتے بہت اچھا ہو۔''

''تم بھی بولتے وقت جب ہاتھ نچاتی ہو' بل کھاتی ہو تو بہت اچھی لگتی ہو۔''

''میں نے بچپن سے ہی رقص اور موسیقی کی تعلیم حاصل کی ہے۔جب مجھے ناچتے' لہراتے اور بل کھاتے دیکھو گے تو دیوانے ہو جاؤ گے۔''

''اچھا۔ایسی بات ہے تو ابھی دیوانہ بناؤ۔''

''نہیں ابھی نہیں۔تمہاری یہ فرمائش شادی کے بعد پوری کروں گی۔ویسے تم اٹلی کے کس شہر میں ہو اور کرتے کیا ہو؟''

"میں وینس میں ہوں۔ یہاں ایک سیون اسٹار ہوٹل کے ریسپشن میں کام کرتا ہوں۔ میرے ماتا پتا کا دیہانت ہو چکا ہے۔ دہلی کے بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کرتا رہتا ہوں۔ وہاں ایک بہن ہے۔ یہاں سے جاؤں گا تو اس کی شادی کراؤں گا۔ بہن پرائی ہو جائے گی تو پھر میرا اپنا کوئی نہیں رہے گا۔ باقی سب دور کے رشتے دار ہیں۔ اب تم اپنے رشتے داروں کے متعلق بتاؤ؟"

"میرے ڈیڈی کا نام ایشور لال ہے۔ وہ انڈیا میں ہوم منسٹر ہیں۔ پولیس، انٹیلی جنس اور انفارمیشن والے ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی یعقوب نے دل میں کہا۔ "یہ سسرا تو بہت ہی خطرناک ہوگا۔ میرے متعلق بڑی کڑی انکوائری کرائے گا۔ بال کی کھال نکالے گا۔ پھر ہر پہلو سے مطمئن ہونے کے بعد ہی مجھے اپنا داماد بھی تسلیم کرے گا اور ہندوستان کی زمین پر قدم رکھنے کی اجازت بھی دے گا۔"

اس نے کہا۔ "پھر تو تمہارے ڈیڈی میرے متعلق سخت انکوائری کرائیں گے؟"

"ہاں۔ یہ تو بہت ضروری ہے۔ وہ جب تک مطمئن نہیں ہوں گے۔ تمہیں انڈیا جانے کے لئے ویزا نہیں ملے گا۔"

"اگر نہ ملا تو ہماری شادی بھی نہیں ہو سکے گی۔"

"شادی تو ضرور ہوگی۔ تم میرے دل میں گھس گئے ہو۔ تمہیں ویزا نہیں ملے گا تو میں بھی انڈیا نہیں جاؤں گی۔ تمہارے ساتھ یہیں رہوں گی۔"

"لیکن مجھے تو وہاں ضرور جانا ہے۔ اپنی بہن کی شادی کرانی ہے۔ پھر یہ کہ میں ہندوستانی شہری ہوں۔ میرے پاس انڈیا کا پاسپورٹ ہے۔ میں یہاں سے انڈیا زرمبادلہ بھیجتا ہوں۔ پھر تمہارے ڈیڈی مجھے کیسے روکیں گے؟"

"اگر یہ سارے ثبوت انہیں حاصل ہو جائیں گے تو وہ تمہیں کبھی نہیں روکیں گے۔ بلکہ گلے لگائیں گے۔"

ارجن ورما اگرچہ نامان کے محل میں رہتا تھا اور یعقوب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتا تھا۔ لیکن سیون اسٹار ہوٹل کے رجسٹر میں اس کا نام ایک ملازم کی حیثیت سے درج تھا۔ اس ہوٹل کا مالک گاڈ فادر نامان تھا۔ اس کے حکم کے مطابق ارجن ورما کا سروس ریکارڈ کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں کسی کو فراڈ کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

یعقوب نے ارجن ورما کی بہن شکنتلا سے دو بار فون پر بات کی۔ اس کے ہونے والے پتی اور سسرال والوں سے بھی گفتگو کی۔ سب ہی اسے ارجن سمجھتے رہے۔

پھر رنجنا نے فون پر کہا۔ "میرے ڈیڈی سرکاری دورے پر اٹلی آ رہے ہیں۔ وہ

اچانک ہی ہوٹل میں آ کر پہلے تمہیں دور دور سے دیکھیں گے پھر ملاقات کریں گے۔ انہوں نے مجھے تاکید کی ہے کہ یہ بات تمہیں نہ بتاؤں۔ مگر دل سے مجبور ہو کر بتا رہی ہوں۔"

یعقوب پلاسٹک سرجری کے ذریعے ارجن ورما بن چکا تھا اور ارجن ورما اسی طرح اس کا ہم شکل بن گیا تھا۔ وہ محل چھوڑ کر ہوٹل میں آ گیا۔ وہاں اس کی رہائش کے لئے ایک ویل فرنشڈ کوارٹر تھا۔ وہ وہیں رہ کر ہوٹل میں کام کرنے لگا۔

ایک ہفتے کے اندر ہی ہوم منسٹر ایشور لال وہاں آیا۔ اس نے خود کو ہوم منسٹر کی حیثیت سے ظاہر نہیں کیا۔ اس کی بیٹی نے یعقوب کی تصویریں باپ کے پاس بھیجی تھیں۔ وہ ان تصویروں کے ذریعے اسے پہچان گیا تھا اور دور ہی دور سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر استقبالیہ کاؤنٹر پر آ کر اس سے ملاقات کی۔

اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں انڈین ہوم منسٹر ایشور لال ہوں۔"

یعقوب نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ اچانک ہی آئے ہیں۔ میں ابھی آپ کی رہائش کا انتظام کرتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "میں سرکاری دورے پر آیا ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔ اپنے بارے میں بولو۔ کیا یہی تمہارا مستقبل ہے؟ میری بیٹی ایک راجکماری کی زندگی گزارتی ہے۔ اس کے اخراجات کیسے پورے کرو گے؟"

یعقوب نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں اس کے اخراجات پورے نہیں کر سکوں گا۔ اس سے کہہ چکا ہوں، یہی میری اوقات ہے۔ وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر مجھے لائف پارٹنر بنانے کا فیصلہ کرے۔"

"تم یہ ملازمت چھوڑ کر انڈیا آ جاؤ۔ میں وہاں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایسی نوکری دلاؤں گا، جہاں اندھی کمائی ہوتی ہے۔"

"سوری۔ آپ جیسے وزیر بادشاہ پانچ برس کے لئے حکومت کرنے آتے ہیں۔ اس کے بعد الیکشن ہوتا ہے تو دوسری پارٹی آ جاتی ہے۔ آپ اقتدار کی کرسی سے اترتے ہیں تو ہماری نوکریاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔"

"اگر میں آئندہ انتخاب کے بعد اقتدار میں نہ رہا، تب بھی کوئی چنتا کی بات نہیں ہے۔ میں خاندانی رئیس ہوں۔ تم میری شاندار کوٹھیوں میں رہ کر سونے کا لقمہ چبایا کرو گے۔"

"پھر ایک بار سوری۔ میں گھر داماد بن کر نہیں رہوں گا۔"

یعقوب کی دوٹوک باتیں سن کر اسے ناراض ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ مسکرانے لگا۔ اس

سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ تمہاری باتیں اچھی لگیں۔ میں تمہیں اپنا داماد سوئیکار کروں گا۔''

وہ وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ یعقوب اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''یہ خاندانی رئیس ہے اور انڈین گورنمنٹ کے ایک شعبے کا وزیر ہے۔ میں ہوٹل کا ایک معمولی ملازم ہوں۔ آخر مجھ میں ایسی کیا بات ہے کہ یہ مجھے داماد بنانے پر راضی ہو گیا ہے؟''

اس کی رضامندی کے پیچھے ضرور کوئی بات ہوگی۔ وہ بات یعقوب کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے فون پر رنجنا سے کہا۔ ''جوانی' جوانی کو کھینچتی ہے۔ یہ تو سمجھ میں آ رہی ہے کہ تم نے مجھے اور میں نے تمہیں کیوں پسند کیا ہے؟ لیکن تمہارے بوڑھے باپ نے مجھ میں ایسا کیا دیکھا ہے کہ داماد بنانے پر راضی ہو گئے ہیں؟''

''میں ان کی لاڈلی بیٹی ہوں۔ وہ میری پسند کو اہمیت دیتے ہیں۔ بس اس سے آگے کچھ نہ سوچو۔ جتنی جلدی ہو سکے لندن آؤ۔ یہاں ہم کورٹ میرج کریں گے۔ شادی کرنے کے بعد سب ہی لندن' پیرس اور سوئٹزر لینڈ جاتے ہیں۔ ہم ہنی مون منانے کے لئے انڈیا جائیں گے۔''

یعقوب نے فون کا رابطہ ختم کیا۔ پھر نامان کے پاس آ کر کہا۔ ''میں نے پاپا سے کہا تھا' ان کی انگلی پکڑ کر نہیں چلوں گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں' میں نے جو پلاننگ کی ہے۔ اس پر کتنی کامیابی سے عمل کر رہا ہوں؟ اب میرے انڈیا جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ میں کل ہی کسی فلائٹ سے لندن جاؤں گا اور وہاں رنجنا سے کورٹ میرج کروں گا۔''

نامان نے کہا۔ ''تم واقعی اپنے پاپا کی طرح ضدی اور خود سر ہو۔ کسی پر تکیہ نہیں کرتے۔ بیشک اپنی پلاننگ کے مطابق کامیاب ہوتے جا رہے ہو۔''

''آپ نے وعدہ کیا ہے' میرے متعلق پاپا کو یہ نہیں بتائیں گے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کہاں جا رہا ہوں؟''

''میں اپنی زبان پر قائم رہوں گا۔ تمہارے پاپا بھی مجھ سے جبراً کچھ نہیں پوچھیں گے۔ اطمینان رکھو انہیں تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے جاں نثار بہت ہی تیز طرار اور بڑے تجربہ کار ہیں۔ یہ نہ بھولنا کہ وہ تمہاری لاعلمی میں تم پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔''

''میں کوشش کروں گا کہ مجھ پر نظر رکھنے والے مجھے نظر آ جائیں۔ پھر میں آسانی سے انہیں ڈاج دے کر گم ہو جاؤں گا۔ وہ مجھے ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔''

یعقوب دوسرے دن لندن پہنچا۔ رنجنا اپنی ماں اور جوان بھائی کے ساتھ ایئر پورٹ آئی تھی۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ وہ ہوٹل میں قیام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن

ہونے والی ساس اسے زبردستی اپنی رہائش گاہ میں لے آئی۔

رنجنا اور یعقوب اب تک ایک دوسرے کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھتے آئے تھے۔ اب پہلی بار روبرو ملاقات ہو رہی تھی۔ رنجنا بہت ہی حسین اور پرکشش تھی۔ یعقوب نے اسے دیکھ کر سنجیدگی سے سوچا۔ ''کیا میں اسے صرف اپنے مقصد کے لئے استعمال کروں گا یا سنجیدگی سے شریک حیات کے طور پر بھی قبول کروں گا؟ یہ تو دل میں گھسی جا رہی ہے۔''

اس نے یقیناً بچپن سے ہی رقص اور موسیقی کی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ وہ اسے آتے جاتے' چلتے پھرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی چال میں ایسی لوچ اور لچک تھی کہ بدن ہر قدم پر بل کھاتا اور لہراتا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے سوچ لیا کہ تنہائی میں ملے گی تو اس کا رقص ضرور دیکھے گا۔ اس کی ماں اور بھائی کورٹ میرج کے انتظامات کر چکے تھے۔ دوسرے دن وہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

وہ یعقوب کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی اور وہ ایسی لڑکی تھی' جس کی ہر ادا میں رقص کا انداز تھا۔ وہ سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ یہ پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ عورت کا جادو کس طرح سر چڑھ کر بولتا ہے؟

وہ دوسری صبح تھک کر سو گیا۔ دوپہر کو کھانے کے وقت رنجنا نے اسے جگایا۔ اس نے اسے اپنی طرف کھینچ کر کہا۔ ''میں نے سوچا تھا' تنہائی میں تمہارا رقص دیکھوں گا۔ لیکن تم ساری رات ایسا جادو جگاتی رہیں کہ میں ساری دنیا کو حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھول گیا۔''

وہ بہت ہی سنجیدہ اور اداس اداس سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''میرا رقص نہ ہی دیکھو تو اچھا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔''

پھر وہ ایکدم سے لپٹ کر رونے لگی۔ یعقوب نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟''

وہ جلدی سے الگ ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ''کچھ نہیں۔ تم نے مجھے اتنی خوشیاں دی ہیں' جو پہلے کبھی کسی سے نہیں ملیں۔''

''پھر تو یہ رونے کی نہیں' خوش ہونے کی بات ہے۔ تم آنسو کیوں بہا رہی ہو؟''

''میں نے کہا ناں' یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ چلو اب اٹھو۔ شاور لو اور فوراً کھانے کی میز پر آ جاؤ۔''

یعقوب نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر منہ پھیر کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے کے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ وہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی اور کچھ الجھی ہوئی بھی تھی۔

وہ شاور لے کر لباس تبدیل کرنے کے بعد ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ماں اور بیٹا شاپنگ کے لئے گئے تھے۔ ان سب کو دوسرے دن انڈیا جانا تھا۔ ان کی ایک خاص ملازمہ کھانے کی ڈشیں لا کر ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

وہ ملازمہ ایسی بدصورت تھی کہ بچے اسے رات کو دیکھ کر ڈر جاتے۔ پتہ نہیں کیوں رنجنا کی ماں اسے اپنے ساتھ رکھتی تھی؟ انڈیا سے ساتھ لائی تھی اور اپنے ساتھ ہی واپس لے جانے والی تھی۔

وہ کھانے کے دوران میز کے قریب کھڑی رہی۔ یعقوب نے اس سے کہا۔ "تم جاؤ۔ ضرورت ہوگی تو بلا لیا جائے گا۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "مالکن کا حکم ہے کہ آپ دونوں کو اکیلا نہ رہنے دوں۔ ہر پل آپ کی سیوا کرتی رہوں۔"

اس کے سیاہ چہرے پر دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں یوں لگتی تھیں جیسے دو سفید بٹن ٹانک دیئے گئے ہوں۔ ان آنکھوں سے مکاری صاف جھلکتی تھی۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا' جیسے کھا جانے والے انداز میں گھور رہی ہو۔

میں نے رنجنا سے انگریزی میں پوچھا۔ "کیا یہ انگریزی زبان سمجھتی ہے؟"

وہ بولی۔ "نہیں۔ اگر تم اس کے خلاف کچھ کہنا چاہتے ہو تو پلیز خاموش رہو۔ یہ بہت چالاک ہے۔ ہماری گفتگو کے انداز سے سمجھ لے گی کہ ہم کیا بول رہے ہیں؟ پلیز اپنے چہرے سے ناگواری ظاہر نہ کرو۔"

یعقوب نے مسکرا کر ہندی زبان میں کہا۔ "تم سب بہت اچھے ہو اور تمہاری یہ ملازمہ تو بہت ہی اچھی ہے۔ ہمارا کتنا خیال رکھتی ہے۔ ہمیں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی۔"

یعقوب نے اسے خوش کرنے کے لئے یہ بات کہی تھی۔ مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کی بٹن جیسی آنکھیں اپنی عادت کے مطابق گھور رہی تھیں۔ وہ دونوں کھانے کے بعد کمرے میں آ گئے۔ اس چڑیل ملازمہ سے پیچھا چھوٹ گیا۔

رنجنا نے کمرے میں آ کر دروازہ بند کرتے ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ ملازمہ کے خلاف کچھ بولنا چاہتا تھا۔ اس کا اشارہ پا کر چپ ہو گیا۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ایک میز کے پاس پہنچی پھر کاغذ کی ایک پرچی پر لکھنے لگی۔ "اس کمرے میں ایک خفیہ مائیک ہے۔ پچھلی رات سے ہماری باتیں سنی جا رہی ہیں۔ ممی اور بھیا یہ نہیں چاہتے کہ میں اپنی کوئی پرسنل بات تم سے کہوں۔"

یعقوب نے اس تحریر کے نیچے لکھا۔ "اگر کوئی پرسنل بات ہے تو تم نے کبھی انٹرنیٹ کے ذریعے یا فون پر مجھ سے کیوں نہیں کی؟"

اس نے لکھا۔ "پہلے تم میرے لئے ایک عام سے عاشق مزاج نوجوان تھے۔ لیکن ایک رات گزارنے کے بعد میرا دل میرا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ تم ہی میری دنیا ہو۔ میری زندگی ہو' میری جان ہو۔ میں تمہیں ضائع نہیں ہونے دوں گی۔"

یعقوب نے لکھا۔ "ضائع ہونے کا مطلب کیا ہے؟ کیا مجھے کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر لکھا۔ "ہمیں زیادہ دیر تک یہاں چپ نہیں رہنا چاہئے۔ وہ ملازمہ سمجھ لے گی کہ ہم تحریر کے ذریعے باتیں کر رہے ہیں۔"

پھر وہ اس کاغذ کو لے کر واش روم میں آئی۔ وہاں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے کموڈ میں ڈال کر فلش کے ذریعے بہا دیا۔ وہ اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا اور الجھ رہا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر ذرا اونچی آواز میں بولی۔ "پلیز۔ اب تم مجھے چھوڑ دو۔ پوری رات پریشان کرتے رہے۔ میں تھک گئی ہوں۔ مجھے سونے دو۔"

ملازمہ کمرے کے باہر کہیں اس کی باتیں سن رہی ہوگی۔ رنجنا یہ تاثر دے رہی تھی کہ اتنی دیر تک پیار و محبت میں معروفیت کے باعث وہ دونوں خاموش رہے تھے۔

یعقوب اپنی تدبیر پر بڑی کامیابی سے عمل کرتا آ رہا تھا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ اسی طرح کامیابی سے انڈیا پہنچ جائے گا۔ لیکن خلاف توقع عجیب سی الجھن اور رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ وہ میز پر آ کر کاغذ پر کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ رنجنا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انکار میں سر ہلایا۔ وہ اشارے کی زبان سے بولا۔ "ہاتھ چھوڑو۔"

رنجنا نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اس کے سر کو اپنی طرف جھکایا۔ کان کے بالکل قریب اپنا منہ لا کر بہت ہی دھیمی سرگوشی میں کہا۔ "بار بار کاغذ کے ٹکڑوں کو فلش کیا جائے گا تو اس کے شور سے ملازمہ کو شبہ ہوگا۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ یعقوب اس کے ساتھ بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ پریشان ہو کر ایک گونگے کی طرح ہاتھ کے اشارے سے بولا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بھی گونگی بن کر ہاتھ کے اشاروں سے بولی۔ "ذرا صبر کرو۔ ہمیں پھر کسی وقت باتیں کرنے کا موقع ملے گا۔"

وہ جو پوچھنا چاہتا تھا' جو بولنا چاہتا تھا' وہ گونگے اشاروں کے ذریعے بول نہیں پا رہا تھا۔ یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اچانک ایسی رکاوٹیں کیسے پیدا ہو گئی ہیں' جو سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں؟ لیکن وہ نادیدہ پابندیوں کے باعث کچھ بول نہیں پا رہی تھی اور وہ اس کی زبان سے کچھ سنے بغیر' سمجھے بغیر سکون سے رہ نہیں سکتا تھا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے اشارے سے بولا۔ "باہر چلو۔"

اس نے التجا کی۔ انکار میں سر ہلایا۔ یعقوب نے اسے کھینچ کر اپنے کاندھے پر لاد لیا۔ پھر کمرے سے باہر جانے لگا۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا۔ وہ اس کے کاندھے پر لدی ہوئی ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور بول رہی تھی۔ ''پلیز۔ مجھے نیچے اتارو۔ اس طرح کہاں لے جا رہے ہو؟''

وہ چڑیل ملازمہ دوڑتی ہوئی آئی۔ پھر راستہ روکنے کے انداز میں بولی۔ ''اسے نیچے اتارو۔ کہاں لے جا رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''تم ملازمہ ہو' ملازمہ ہی رہو۔ ہٹو راستے سے...''

اس نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر ذرا سا ہٹایا تو وہ دوسری طرف جا گری۔ جلدی سے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رہائشی کاٹیج کے باہر ان کی رینٹ کار کھڑی ہوئی تھی۔ یعقوب نے باہر آ کر اس کار کو استعمال نہیں کیا۔ رنجنا کو ریشم کے تھان کی طرح شانے پر لاد کر آگے بڑھ گیا۔

وہ بولی۔ ''چلنا ہی ہے تو گاڑی میں بیٹھو۔ کیوں تماشہ بنا رہے ہو؟''

''دنیا والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم میری بیوی ہو۔ میں اپنا مال کسی بھی طرح اٹھا کر لے جاؤں گا۔ کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔''

اس نے احاطے کے گیٹ سے باہر آ کر اسے فٹ پاتھ پر اتار دیا۔ پھر کہا۔ ''جس طرح ہمارے کمرے میں خفیہ مائیک لگا ہوا ہے' اسی طرح تمہاری ممی نے اس کار میں بھی مائیک لگایا ہوگا۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اب ہم باہر کہیں بھی آزادی سے گھومتے پھرتے رہیں گے اور تم مجھے بتاؤ گی کہ ماں اور بھائی نے اپنی اس بیٹی پر پابندیاں کیوں عائد کی ہیں؟''

ایسے ہی وقت ایک ٹیکسی ان کے قریب آ کر رک گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔ ''کیا آپ کہیں جانا چاہیں گے؟''

یعقوب نے ہندی زبان میں کہا۔ ''ہم ایک لمبی آؤٹنگ کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ کیا چلو گے؟''

وہ بولا۔ ''سوری۔ میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔ انگریزوں کے ملک میں ہو' انگریزی بولو۔''

یعقوب نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے رنجنا سے کہا۔ ''آؤ یہاں بیٹھو۔ یہ ہماری زبان نہیں سمجھتا۔ تم آزادی سے میری الجھنیں دور کر سکو گی۔''

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ یعقوب نے ڈرائیور سے انگریزی میں کہا۔ ''ہمیں پورے لندن کی سیر کراؤ۔ سمجھو کہ آج تمہاری چاندی ہے۔''

ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ یعقوب نے رنجنا سے کہا۔ ''ہاں تو بتاؤ' کیا مسئلہ ہے؟''

اس نے بولنے کے لئے منہ کھولا پھر چپ ہو گئی۔ کالنگ ٹون سنائی دے رہی تھی۔ وہ فون کی ننھی سی اسکرین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ممی کال کر رہی ہیں۔''

وہ جھنجھلا کر بولا۔ ''تمہاری ماں روایتی ساس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہاں بھی کباب میں ہڈی بن رہی ہے۔''

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔ ''یس ممی!''

دوسری طرف سے ماں نے کہا۔ ''بھتنی کہہ رہی ہے' وہ تمہیں زبردستی اٹھا کر گھر سے باہر لے گیا ہے۔''

اس چڑیل جیسی ملازمہ کو سب ہی بھتنی کہا کرتے تھے۔ رنجنا نے کہا۔ ''او نو ممی! یہ مجھے زبردستی نہیں لائے ہیں۔ بس یونہی شوخی اور شرارت سے اٹھا کر گھر کے باہر آ گئے ہیں۔ ابھی ہم ایک ٹیکسی میں جا رہے ہیں۔''

''کہاں جا رہی ہو؟ میں نے سختی سے کہا تھا' میری اجازت کے بغیر تم ارجن کے ساتھ باہر نہیں جاؤ گی۔''

''میں نے ارجن کو سمجھایا تھا۔ باہر نہیں آنا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہ مجھے اٹھا کر لے آئے۔''

''فون ارجن کو دو۔''

رنجنا نے فون یعقوب کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''یس ممی! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ میری بیوی ہے۔ میں اس کے ساتھ باہر سیر و تفریح کے لئے نکلا ہوں۔ ابھی ہم واپس آ جائیں گے۔''

وہ سختی سے بولی۔ ''آ جائیں گے نہیں' ابھی آؤ۔ میں گھر پہنچ رہی ہوں۔ اس کاٹیج کی چار دیواری میں تم دونوں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''پلیز۔ اتنی سختی سے حکم نہ دیں۔ میں آپ کا داماد ہوں' ملازم نہیں ہوں۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''اگر میری بات نہیں مانو گے تو میں داماد کا رشتہ توڑ دوں گی۔ تمہیں ٹھوکر مار کر بیٹی کو انڈیا لے جاؤں گی۔''

''یہ بہت بڑی دھمکی ہے۔ میں اپنی رنجنا کو چھوڑنا نہیں چاہوں گا۔ اگر آپ چھڑانا چاہیں گی تو مجھے اس مسئلے پر غور کرنا ہوگا۔ لہٰذا غور کرنے کے لئے مجھے کچھ مہلت دیں۔ میں ایک گھنٹے بعد فون کروں گا۔''

اس نے جواب سنے بغیر فون کو آف کر دیا۔ تاکہ دوبارہ کوئی کال نہ آئے۔ پھر رنجنا

سے کہا۔ "یہ تمہاری ماں رانی جودھابائی کیوں بن گئی ہے؟ ہماری شادی ختم کرنے اور ہمیں الگ کرنے کی باتیں کر رہی تھی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "ارجن! میں مصیبت میں پڑ جاؤں گی۔ پلیز۔ واپس چلو۔"

"کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے' میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

"تمہارے اس عزم اور حوصلے کے باوجود کیا سے کیا ہو سکتا ہے' یہ تم نہیں جانتے۔"

"تو پھر مجھے جاننے دو اور بتاؤ' یہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے؟"

"جو بھی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"یعنی تم مجھے کسی نقصان سے بچانا چاہتی ہو؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ یعقوب نے پوچھا۔ "اتنا بتا دو' مجھے کس طرح نقصان پہنچ سکتا ہے؟"

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے چپ رہی پھر بولی۔ "میں ہوم منسٹر ایشور لال کی بیٹی نہیں ہوں اور یہاں جو میری ممی اور بھیا ہیں' ان سے میرا خون کا رشتہ نہیں ہے۔"

یہ ایک نیا انکشاف تھا۔ یعقوب نے کہا۔ "جب ان سے لہو کا کوئی رشتہ نہیں ہے تو پھر ان کی ایسی کی تیسی۔ ہم واپس نہیں جائیں گے۔"

"مجھے جانا ہوگا۔ میں ایسی زنجیروں سے بندھی ہوئی ہوں' جو کسی کو نظر نہیں آئیں گی۔"

"کیا تم ان سے خوفزدہ ہو؟ اگر ان کی گرفت سے نکلنا چاہو گی تو کیا وہ تمہیں گولی مار دیں گے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "مجھے اپنی جان کی فکر نہیں ہے۔ میرے ماں باپ اور بھائی بہن ان کے شکنجے میں ہیں۔ میں ان کے حکم کے خلاف کوئی کام کروں گی تو وہ سب کے سب مارے جائیں گے۔"

"اوہ گاڈ! تم پورے خاندان کے ساتھ ان کے شکنجے میں کیسے آ گئیں؟ کیا نجات کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں ان کے احکامات کی تعمیل کرتی رہوں گی اور جب ان کا کام پورا ہو جائے گا تو وہ مجھے آزاد کر دیں گے۔ کسی بھی شخص کے ساتھ ایک اچھی ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے پچاس لاکھ روپے بھی دیں گے۔"

"تم نے میرے ساتھ ازدواجی زندگی کا سفر شروع کیا ہے۔ پھر وہ رکاوٹیں کیوں پیدا کر رہے ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میری بڑی بہن کی شادی کہیں نہیں ہوتی تھی۔ ہم بہت غریب تھے۔ جہیز نہیں دے سکتے تھے۔ ایشور لال نے جہیز دے کر اسے سہاگن بنا دیا۔ اس کی مہربانی سے میرا چھوٹا بھائی ایک بہت مہنگے اسکول میں پڑھ رہا ہے۔ میری ماں دائمی مریضہ ہے۔ بہت ہی مہنگے ڈاکٹروں سے اس کا علاج کرایا جا رہا ہے۔ میرے باپو نے ان سے بیس لاکھ روپے لے کر ایک بڑا سا جنرل اسٹور کیا ہے۔ پھر میں ان کا ایک بہت ہی اہم کام کر گزروں گی تو وہ مجھے پچاس لاکھ روپے دیں گے۔"

رنجنا نے سر اٹھا کر یعقوب کو دیکھا پھر کہا۔ "اب سوچو' وہ اتنا سب کچھ مفت میں تو نہیں کریں گے۔ جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ مجھے کرنا ہی ہوگا۔ اس کے بعد ہی مکتی ملے گی۔"

"آخر وہ تم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

وہ یعقوب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے ان کے حکم کے مطابق تین شادیاں کرنی ہوں گی اور تین شوہروں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہوگا۔"

پھر وہ اس سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ "پہلے شوہر تم ہو۔"

یعقوب اسے ایک بازو کے حصار میں لے کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ اسے چومنے لگا۔ پھر تھپکتے ہوئے بولا۔ "حوصلہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ اسے تھپک رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "تعجب ہے' اس ہوم منسٹر ایشور لال کو مجھ کیا دشمنی ہے؟ وہ انڈیا سے خود چل کر اٹلی آیا' وہاں ہوٹل میں مجھ سے ملاقات کی اور مجھے داماد بنانا قبول کر لیا۔ اب پتہ چل رہا ہے کہ وہ قربانی کے بکرے کو دیکھنے اور پرکھنے آیا تھا۔"

اس نے رنجنا کے چہرے کو اپنی انگلیوں سے سہلاتے ہوئے پوچھا۔ "وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں کہ تم تین شادیاں کرو اور تین شوہروں کو موت کے گھاٹ اتارو؟"

وہ بولی۔ "ایشور لال کا جو بیٹا یہاں ہے۔ جسے میں بھیا کہتی ہوں۔ اس کا نام منوہر لال ہے۔ اسے کوئی عجیب سی بیماری ہے۔ ہر اماوس کی رات اس پر دورہ پڑتا ہے۔ وہ پاگل اور جنونی ہو جاتا ہے۔ اگر باندھ کر نہ رکھا جائے تو دیواروں سے سر پھوڑنے لگتا ہے۔ ایک بار اس نے بلندی سے چھلانگ لگا کر جان پر کھیل جانے کی کوشش کی تھی۔ اسے بڑی مشکل سے قابو میں کیا گیا تھا۔"

"کیا اس کا علاج کرایا جا رہا ہے؟"

"ہاں۔ بھارت سے لے کر لندن تک کتنے ہی معروف اور تجربہ کار ڈاکٹروں نے علاج کیا ہے۔ لیکن اس کی بیماری کسی ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

یعقوب نے کہا۔ "میں اسے کل سے نارمل حالت میں دیکھ رہا ہوں۔"

"وہ ہمیشہ نارمل رہتا ہے۔ صرف اماوس کی رات اس پر جنون طاری ہوتا ہے۔ وہ رات گزر جاتی ہے تو جنون بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تم اسے کل سے دیکھ رہے ہو۔"

"اسے جہنم میں جانے دو۔ میں تم سے پوچھ رہا ہوں' ایشور لال نے تمہیں تین شادیاں کرنے اور تین مرڈر کرنے کا حکم کیوں دیا ہے اور تم خواہ مخواہ اس کے بیٹے کی بیماری کی باتیں لے بیٹھی ہو۔"

"میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہی ہوں۔ پہلی شادی تم سے کی ہے۔ پہلے تمہیں ہلاک کروں گی تو اس کا علاج ہو جائے گا۔"

یہ کہتے ہی وہ یعقوب سے لپٹ گئی۔ پھر روتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں مر جاؤں گی۔"

یعقوب نے پھر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "نہ تم نے مارا ہے' نہ میں مر چکا ہوں۔ تمہارے سامنے زندہ ہوں۔ ابھی سے کیوں رو رہی ہو؟ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "وقت آ چکا ہے۔ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ کل ہم انڈیا جائیں گے۔ ایک ہفتے بعد اماوس کی رات ہے۔"

"ہے تو پھر...؟ اُس رات کیا ہوگا؟"

"ایشور لال مہا کالی کلکتے والی کی پوجا کرتا ہے۔ وہاں کے مہا پنڈت نے اس سے کہا ہے' صرف جانوروں کی بلی دینے سے ماں بھوانی پرسن نہیں ہوگی۔ تمہارے بیٹے کا علاج دنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ تم ماں کے چرنوں میں تین انسانوں کو بھینٹ چڑھاؤ گے تو پھر تمہارا بیٹا کبھی بیمار نہیں پڑے گا۔ اماوس کی رات اس پر دورہ نہیں پڑے گا۔"

"کالی مائی کے چرنوں میں پہلے کبھی جوان مردوں' عورتوں اور معصوم بچوں کی بلی دی جاتی تھی۔ اب یہ قانون کے خلاف ہے۔ ایسا جو بھی کرتا ہے' اسے گرفتار کیا جاتا ہے۔ سزائے موت دی جاتی ہے۔"

"ہاں۔ یہ قانون کے خلاف ہے۔ لیکن ماں بھوانی کے کٹر پجاری اب بھی چھپ چھپا کر انسانوں کی بلی چڑھاتے ہیں۔ ایشور لال اگرچہ ہوم منسٹر ہے۔ قانون کا رکھوالا ہے۔ لیکن بیٹے کا علاج کرانے کی خاطر بڑی رازداری سے ایسا کر رہا ہے۔"

"تم نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد مجھ سے شادی کی ہے۔ پھر کیوں رو رہی ہو؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں اپنے حالات سے مجبور ہو گئی تھی۔ ہم دو دو وقت کے فاقے کرتے تھے۔ اب سارے دلدّر دور ہو گئے ہیں۔ جب اس کا بیٹا منوہر لال نارمل ہو جائے گا۔ اس پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا تو مجھے پچاس لاکھ روپے ملیں گے۔"

وہ اس کے بازو سے لگی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں بہت خود غرض تھی۔ اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کی خاطر میں نے تین انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا معاہدہ کر لیا۔"

"کیا تمہیں خون بہانا آتا ہے؟ کیا پہلے کبھی کسی کو ہلاک کیا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "کبھی نہیں کیا۔ کبھی ایک چیونٹی کو بھی مسلتی ہوں تو افسوس ہوتا ہے۔"

"تعجب ہے' پھر تین شوہروں کو قتل کرنے کا معاہدہ کیسے کر لیا؟"

"میں نرتکی ہوں۔ جب سال میں ایک بار کالی مائی کی پوجا بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے اور ہزاروں لوگ مندر میں آتے ہیں تو میں وہاں رقص کرتی ہوں۔

اور جب کوئی دھنوان کئی جانوروں کی بلی دینے کے لئے مندر میں آتا ہے تو مجھے رقص کرنے کے دس ہزار روپے دیئے جاتے ہیں' تب ڈھول بجتے ہیں اور میں رقص کرتی ہوں۔

ایسے وقت مجھے بھنگ پلائی جاتی ہے۔ تم جانتے ہو' بھنگ کا نشہ کیسا ظالم ہوتا ہے؟ پیتے وقت جو بات دماغ میں بٹھا دی جائے پھر وہی بات نقش ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت میں اپنے آپ کو بھول جاتی تھی۔

جب رقص کرتے کرتے جوش اور جنون میں آتی تھی تو ایسے وقت میرے ہاتھوں میں تلوار تھما دی جاتی تھی۔ پھر جو جانور دیوی ماں کے چرنوں میں پڑا رہتا تھا۔ میں اس کی گردن اڑا دیتی تھی۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ ایک چیونٹی کو بھی مسلتی ہو تو افسوس کرنے لگتی ہو؟"

"ہاں۔ لہو انسان کا ہو یا کسی جانور کا میں اسے بہتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ مرغیاں بیچنے والے جب اپنے گاہکوں کے سامنے کسی مرغی کی گردن اڑاتے ہیں تو میں منہ پھیر لیتی ہوں۔ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔"

وہ ٹیکسی کی چھت کو ایسے دیکھ رہی تھی' جیسے دور خلاء میں تک رہی ہو۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ رقص کرنے کے دوران کس طرح جانوروں کی گردنیں اڑا دیا کرتی ہے؟ پھر اس نے یعقوب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں' ایسے وقت صرف بھنگ کا نشہ نہیں ہوتا۔ مندر کا مہا پجاری مجھے کچھ اور بھی کھلایا پلایا کرتا ہے۔ کچھ ایسے خطرناک منتر پڑھتا ہے کہ میں اپنے آپ میں نہیں رہتی۔

میں نے کئی بار سوچا' مندر میں ناچنے نہیں جاؤں۔ لیکن وہاں سے اتنی رقم ملتی رہتی تھی کہ تینوں وقت کا چولہا گرم رہتا تھا۔ مجبوراً مہینے میں دو چار بار رقص کرنے کے لئے وہاں پڑتا تھا۔

مہا پجاری نے ایشور لال سے کہا تھا' رنجنا غضب کی رقاصہ ہے۔ ماں بھوانی اس سے پرسن رہتی ہے۔ اگر رنجنا راضی ہو جائے اور باری باری تین شادیاں کر کے ہر اماوس کی رات اپنے اپنے ایک ایک شوہر کی گردن اڑاتی رہے تو پھر تمہارے بیٹے پر کوئی بلا سوار نہیں ہوگی۔ اس پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا۔ وہ ہمیشہ کے لئے تندرست ہو جائے گا۔

اور میں راضی ہو گئی۔ میری' میرے ماں باپ کی اور میرے بھائی بہن کی زندگی سنور رہی تھی۔ ہم خوشحال ہو رہے تھے۔ میں لہو بہانے کے سلسلے میں اس لئے بے حس ہو گئی تھی کہ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتی تھی۔ گردن اڑانے کے بعد رقص کرتے کرتے گر کر بیہوش ہو جاتی تھی۔

جب ہوش آتا تھا تو عارضی طور پر سب کچھ بھول جاتی تھی۔ یہ ساری باتیں اب بھی خواب کی طرح یاد آتی ہیں اور میں طرح دے جاتی ہوں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

میں نے سوچا تھا' کسی سے شادی کروں گی تو وہ میرا کونسا سگا ہوگا۔ اماوس کی رات اسے موت کے گھاٹ اتاروں گی تو افسوس نہیں ہوگا۔ ایک گزرے ہوئے خواب کی طرح اسے بھلا جاؤں گی۔"

پھر وہ ایکدم سے لپٹ کر بولی۔ "نہیں۔ میں تمہیں انڈیا نہیں جانے دوں گی۔ تمہاری زندگی سے دور' ہو جاؤں گی۔ مجھے ایک ہی رات گزارنے کے بعد معلوم ہو گیا ہے کہ ہماری زندگی میں آنے والا پہلا مرد کس طرح حواس پر چھا جاتا ہے؟ تم میری رگ رگ میں سما گئے ہو۔ میں بھنگ کے نشے اور جادو منتر سے مغلوب ہو کر تمہارا خون بہاؤں گی تو بعد میں زندہ نہیں رہوں گی۔ ہم دونوں ہی مر جائیں گے۔ اس سے بہتر ہے' تم زندہ رہو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

یعقوب نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے' میں تمہیں یونہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا؟ یہ بات موٹی سی عقل سے بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ تم مجھے پھانس کر وہاں نہیں لے جاؤ گی تو ایشور لال تمہارے ماں باپ اور بھائی بہن کی بلی چڑھا دے گا اور تمہارا جو حشر کرے گا' اس کا بھی مجھے اندازہ ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں اس سے نمٹ لوں گی۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

"فکر تو اس وقت کروں گا' جب تمہیں اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں گا۔ جب چھوڑنا ہی نہیں ہے تو فکر کیسی؟"

وہ حیرانی سے بولی۔ "کیا یہ سب کچھ جان کر بھی تم انڈیا جاؤ گے؟"

"ہاں۔ مجھے وہاں بہن کی شادی کرنی ہے اور تمہارے حالات سے نمٹنا ہے۔"

"تم اس کے دشمن بن جاؤ گے تو وہ تمہاری بہن کی شادی بھی نہیں ہونے دے

گا۔ ہندوستان میں رہ کر جہاں جاؤ گے' وہاں موت تمہارا پیچھا کرتی رہے گی۔"

"اور میں وہاں نہیں جاؤں گا تو موت تمہاری فیملی کے کسی فرد کو نہیں چھوڑے گی۔ ایشور لال قانون کے خلاف بڑی رازداری سے تین انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ تم اس کی رازدار ہو۔ وہ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہاں میری بہن کو بھی تباہ کر دے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ کیسی مشکل آ پڑی ہے؟ نہ ہم جا سکتے ہیں' نہ یہاں رہ سکتے ہیں۔"

یعقوب کی کوئی بہن نہیں تھی۔ لیکن انڈیا میں ارجن ورما کی بہن شکنتلا تھی اور یعقوب کو ارجن ورما کی حیثیت سے وہاں جا کر اس بہن کی شادی کرانی تھی۔ یہ اس کا اخلاقی فرض تھا۔ پھر وہ مجھ سے ملنے کے لئے اور اپنے دادا کو تلاش کرنے کے لئے یہاں آنا چاہتا تھا اور آنے کے تمام راستے تقریباً ہموار کر چکا تھا۔ بس یہ ایک نئی افتاد آ پڑی تھی۔ اس سے نمٹنا ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے رنجنا سے کہا۔ "ہمارے سامنے دو ہی سوال ہیں' جانا ہے یا نہیں جانا ہے؟"

وہ بولی۔ "تمہیں نہیں جانا ہے۔"

"پھر تو تمہیں بھی نہیں جانا ہے۔ جہاں میں رہوں گا' وہاں تم رہو گی اور جہاں تم جاؤ گی' وہاں میں بھی جاؤں گا۔"

یعقوب نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ "ہاں۔ ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔"

وہ اس کے بازو سے لگی ہوئی تھی۔ الگ ہو کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ "بیشک مجھے یہاں چھوڑ کر انڈیا جاؤ۔ لیکن اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کی سلامتی کے لئے وہاں جا کر شادی کرو۔ ایشور لال کے حکم کے مطابق تین شادیاں اور تین مرڈر کرو۔ اس طرح تم اور تمہارا پورا خاندان محفوظ رہے گا۔"

وہ مجھے ایک ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "بس آگے نہ بولو۔ تمہارے بعد میری زندگی میں اور کوئی مرد نہیں آئے گا۔ اگر جبراً آنا چاہے گا تو میں اس سے پہلے ہی اپنی جان دے دوں گی۔"

"یعنی ایشور لال سے جو معاہدہ کیا ہے' اسے پورا نہیں کرو گی۔ خود کو اور اپنے پورے خاندان کو تباہ کر ڈالو گی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا' میں کیا کروں گی؟ وہاں جا کر اپنی ماں کو' اپنے باپو کو دیدی اور چھوٹے بھائی کو تباہ و برباد ہوتے نہیں دیکھ پاؤں گی۔"

یعقوب نے اسے ایک بازو کے حصار میں لے کر کہا۔ "جب تم میری زندگی میں آ چکی ہو تو تمہیں سوچنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کرنا ہے' میں کروں گا۔"

ایسے وقت ٹیکسی ڈرائیور نے کھنکارتے ہوئے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا پھر کہا۔ "دی

آر بورن فار تھری ایس اینڈ وی ہیو ٹو ڈائی فار تھری ایس (ہم تھری ایس کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور تھری ایس کے لئے ہی جان دیتے رہیں گے)“

یعقوب نے چونک کر اسے دیکھا۔اس نے کہا۔”سر! ہم آپ کے پاپا کے حکم کے مطابق اٹلی سے آپ کی نگرانی کرتے آرہے ہیں۔ابھی آپ کے کاٹیج کے آگے پیچھے دو جاں نثار موجود ہیں اور ایک ہمارے پیچھے آرہا ہے۔“

یعقوب نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔کئی گاڑیاں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

اس نے کہا۔”وہ ٹریفک کے ہجوم میں نظر نہیں آئے گا۔میری گردن کے پیچھے کالر کے نیچے ایک مائیک ہے۔آپ دونوں کی آوازیں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔یہ ریکارڈنگ گاڈ فادر نامان کے ٹیلیفون ایکسچینج میں جارہی ہیں۔تھوڑی دیر میں یہ باتیں آپ کے پاپا تک پہنچائی جائیں گی۔وہ آپ کو بتائیں گے کہ موجودہ مسائل کس طرح حل کیے جاسکیں گے؟“

یعقوب نے کہا۔”سوری....اگر تھوڑی دیر بعد پاپا میری ریکارڈنگ سنیں گے تو وہ میری یہ بات سن لیں‘ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ان کی انگلی پکڑ کر نہیں چلوں گا۔پہلے اپنی ذہانت سے کام لوں گا۔اگر ناکام ہو جاؤں گا تو ہار پچھتا کر ان کے آگے سر جھکاؤں گا۔

پاپا! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے آزادی اور خود مختاری سے اپنے طور پر کام کرنے دیں گے اور انڈیا آنے کا موقع دیں گے۔ٹھیک ہے آپ ایک باپ کی محبت سے مجبور ہیں۔یہ نہیں چاہتے کہ میں کہیں ٹھوکریں کھاؤں۔اس لئے اپنے جاں نثاروں کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔

میں مانتا ہوں‘ اکثر پیچیدہ مسائل سے تنہا نمٹ نہیں پاؤں گا۔ایسے وقت بھی مجھے آپ کی نہیں‘ البتہ آپ کے چند جاں نثاروں کی ضرورت پیش آئے گی۔

اب آپ سنیں کہ میں قدم قدم پر موت سے پنجا لڑانے کے لئے آپ کی بہو رنجنا کے ساتھ انڈیا آرہا ہوں۔وہاں میرے سر پر ننگی تلواریں لٹکتی رہیں گی۔لیکن ایک تلوار بھی مجھے چھو نہیں پائے گی۔میں غازی صلاح الدین کا پوتا اور تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی کا بیٹا ہوں۔سنئے کہ میں کیا کرنے جارہا ہوں؟

اگر وہ اپنے دھرم کے مطابق کہتے ہیں کہ دیوی ماں کے چرنوں میں انسانوں کی گردنیں اڑانے سے ان کے بیٹے کا علاج ہو جائے گا تو اپنے دین اسلام کے طریقہ علاج کے مطابق ثابت کروں گا کہ ایک انسان کی جان لینے سے دوسرے انسان کو نہ زندگی ملتی ہے‘ نہ شفاء ملتی ہے۔ہمارے دین میں قتل اور خون خرابہ نہیں ہے۔سلامتی ہے۔

میری پلاننگ کے مطابق آپ کے جاں نثار آج ہی اس کے بیٹے منوہر لال کو اغوا

کریں گے اور کسی خفیہ پناہ گاہ میں لے جاکر اس کا باقاعدہ علاج کرائیں گے۔ہمارے دین کے مطابق جو طریقہ علاج ہے اور شفاء پانے کے لئے جو وظائف پڑھے جاتے ہیں‘ ان سب پر پوری توجہ سے عمل کیا جائے گا تو یقیناً منوہر لال کو شفاء حاصل ہوگی۔

ایشور لال سیدھی طرح اپنے بیٹے کا علاج کرانے کے لئے اسے ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔اسی لئے اغوا کرنا ضروری ہے۔

اس کا بیٹا میرا قیدی بن کر رہے گا تو اس کی سلامتی کے لئے وہ مجھے اور رنجنا کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اسے میں نے اغوا کرایا ہے۔آپ کے جاں نثار اس سے معاملات طے کریں گے۔یہ کہیں گے کہ اس کے بیٹے کو نیک مقاصد کے لئے اغوا کیا گیا ہے۔لہٰذا وہ شور نہ مچائے۔اس کی واپسی کا انتظار کرے۔

خدا کے فضل سے جب وہ واپس آئے گا تو تندرست ہوگا۔انشا اللہ پھر کبھی کسی اماوس کی رات اس پر دورہ نہیں پڑے گا۔

الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔اپنے معبود حقیقی پر پورا بھروسہ رکھتا ہوں۔میرا ایمان یہ ہے کہ میں دشمن کے بیٹے کو بھی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور کبھی کسی کالی مائی کے مندر میں نہیں جاؤں گا۔میری شریک حیات کسی دیوی دیوتا کے آگے نہیں ناچے گی۔“

یعقوب اپنے منصوبے اور اپنے خیالات مجھ تک پہنچانے کے لئے ذرا اونچی آواز میں بول رہا تھا اور خود کو مسلمان کہہ رہا تھا۔رنجنا بڑی حیرانی سے اس کا منہ تک رہی تھی۔اس کے سامنے ایک نیا ارجن منکشف ہو رہا تھا‘ وہ ایسا پراسرار تھا کہ ہر طرف اس کے جاں نثار اور خدمت گزار تھے‘ جو اس کی نگرانی کر رہے تھے اور کوئی خدمت گزار اس ٹیکسی کے پیچھے بھی آرہا تھا۔پھر اس کی باتیں کہیں دور اس کے پاپا تک پہنچائی جارہی تھیں۔

وہ بڑے جذبے سے اپنے باپ تک یہ بات پہنچا رہا تھا کہ اپنی دلہن کو‘ اپنی شریک حیات کو کسی دیوی دیوتا کے آگے ناچنے نہیں دے گا۔اسے کسی مندر میں بھی نہیں جانے دے گا۔

پہلے تو اسے ایک ذرا ذہنی جھٹکا لگا تھا کہ وہ ایک مسلمان کو اپنا تن من دے چکی ہے اور اس مسلمان نے اسے دھوکا دیا ہے۔پھر اس نے اپنا تجزیہ کیا‘ وہ بھی اسے دھوکا دے رہی تھی۔اس کی دلہن بن کر کسی مندر میں لے جاکر اسے موت کے گھاٹ اتارنے والی تھی۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے تھے۔مگر دونوں میں فرق کیا تھا؟ ایک تو اس کی زندگی ہی چھین لینا چاہتی تھی۔دوسرے نے دھوکا دے کر اس کی آبرو لوٹ لی تھی۔لیکن اسے لوٹنا نہیں کہیں گے۔کیونکہ باقاعدہ کورٹ میرج کے بعد اس کی رضامندی سے سب کچھ

ہوا تھا۔

جھوٹ اور فریب کے کھیل تماشے میں ساری باتیں ناجائز ہوتی ہیں اور انہیں جائز کرنے کے لئے باہمی رضامندی لازمی ہوتی ہے۔

یعقوب نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اسے فریب دے کر اس کی زندگی چھین لینے والی تھی۔ اس کے باوجود وہ اسے قبول کر رہا تھا۔ رنجنا کو بھی اس کے فریب کا علم ہو رہا تھا۔ اب وہ اس مسلمان کو قبول کرے گی یا اس کی زندگی سے نکل جانا چاہے گی؟

یہ بہت اہم مسئلہ تھا۔ ایشور لال نے اسے جس دلدل میں چھوڑا تھا' وہاں سے ایک مسلمان ہی اسے فیملی سمیت باہر نکال سکتا تھا اور تھوڑی دیر پہلے وہ کہہ چکی تھی کہ اس کے سوا آئندہ کسی دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھے گی۔ ایشور لال کے حکم کے مطابق دوسری تیسری شادیاں نہیں کرے گی۔

اور یہ پابندی نہیں تھی کہ صرف ہندو مذہب کے ہی کسی جوان کو پھانس کر کالی مائی کی بھینٹ چڑھایا جائے۔ یعنی وہ کسی مسلمان سے' یہودی سے اور کسی عیسائی سے بھی شادی کر کے اپنا جسم اسے دے سکتی تھی۔ یہ تہذیب کے خلاف انتہائی شرمناک بات تھی۔ وہ تو پہلے ہی یعقوب پر فریفتہ ہو چکی تھی۔ اب دل اور دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا' جب ایک مسلمان کی ہو چکی ہے تو پھر اسی کی ہو کر رہنا چاہئے۔

عشق نہ پوچھے ذات.... پیار کی دیوانگی دین اور دھرم کے فرق کو مٹا دیتی ہے۔ وہ یعقوب کو دیکھتے دیکھتے پھر اس کے بازو سے لگ گئی۔

☆☆☆

واپسی
4
محی الدین نواب

یعقوب نے پھر میری انگلی پکڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ جس دلدل میں جا کر پھنسا تھا' وہاں سے نکلنے کی جو تدبیر اس نے کی تھی۔ واقعی وہ اس کی ذہانت اور حاضر دماغی کی غمازی کر رہی تھی۔

میں نے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔ ''میرا بیٹا کس قدر اعلیٰ ظرف ہے' دشمن کے بیٹے کو بھی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام میں کسی کا خون بہا کر اس کے خون سے کسی دوسرے کو غسلِ صحت نہیں دیا جاتا۔''

وہ اپنے عمل سے ثابت کر رہا تھا کہ فراڈ نہیں ہے' ڈمی نہیں ہے۔ میرا اپنا لہو ہے۔ اس کی ریکارڈ کی ہوئی باتیں مجھ تک پہنچائی گئی تھیں۔ انہیں سن کر میں خوشی سے نہال ہو گیا تھا۔ تین ناخلف بیٹوں کو بھگتنے کے بعد ایک انتہائی ذہین اور فرمانبردار بیٹا نصیب ہو رہا تھا۔

میں نے جاں نثاروں سے کہا۔ ''وہ کبھی میرے مشوروں اور منصوبوں کے مطابق عمل نہیں کرے گا۔ وہ جو چاہتا ہے' جیسا کرتا ہے' اسے کرنے دو۔ کسی طرح کی بحث کئے بغیر اس کے احکامات کی تعمیل کرتے رہو۔''

میرے جاں نثار اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ ایشور لال کے بیٹے منوہر لال کو اغوا کرنے کی پلاننگ کرنے لگے۔ یعقوب' رنجنا کے ساتھ کاٹیج میں واپس آیا تو منوہر اپنی ماں کے ساتھ شاپنگ کر کے واپس آ چکا تھا۔

اس کی ماں نے روایتی ساس کی طرح دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے گھور کر یعقوب کو دیکھا پھر پوچھا۔ ''میری بیٹی کو کہاں لے گئے تھے؟''

''یہ کل تک آپ کی بیٹی تھی' اب میری بیوی ہے اور کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی کو کہاں لے گیا تھا؟''

"یہ شادی کے بعد بھی میری بیٹی ہے۔ میں اس کا بھلا برا تم سے زیادہ سمجھتی ہوں۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ آئندہ اسے میری اجازت کے بغیر کہیں نہیں لے جاؤ گے۔ یہ جہاں بھی جائے گی، میں اس کے ساتھ رہوں گی۔"

یعقوب بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے جو کرنا تھا، اس کی تو وہ پلاننگ کر چکا تھا۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ آئندہ آپ جیسا کہیں گی، ویسا ہی کروں گا۔"

وہ مطمئن ہو کر بولی۔ "اور ایک بات یاد رکھو، یہ تمہاری بیوی ہے۔ اس لئے رات کو تمہارے ساتھ رہے گی۔ مگر سارا دن میرے ساتھ رہا کرے گی۔"

"میں کہہ چکا ہوں، آپ جو کہیں گی، وہی کروں گا۔ اس وقت شام کے پانچ بجے ہیں۔ لیں، اپنی بیٹی کو سنبھالیں۔ رات کو کھانے کے بعد میں اسے وصول کروں گا۔"

وہ اپنے کمرے میں آ کر ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ رنجنا نے اس کی زندگی میں آتے ہی اسے اپنے مسائل میں الجھا دیا تھا۔

میں نے اپنے پاپا کے، پھر اپنے اور پھر یعقوب کے حالات پر غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہم باپ، بیٹے اور پوتے کو عورتیں راس نہیں آ رہی ہیں۔

وہ ایسے کہ ستر برس پہلے پاپا کی زندگی میں پھول وتی آئی تھی۔ اس کے تین چار ماہ بعد ہی وہ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پھر دنیا میں واپس آئے تو اس وقت تک بخیریت رہے، جب تک کہ دوسری پھول وتی ان کی زندگی میں نہیں آئی۔ جب وہ آئی تو وہ زمین کی تہہ میں جا کر گم ہو گئے۔ نہ ان کی موت کی تصدیق ہو رہی تھی، نہ زندگی کا سراغ مل رہا تھا۔

میری زندگی میں بھی کوئی عورت آ کر نہیں ٹھہری۔ حجاب پچھلے تین برسوں سے لندن میں زیر علاج تھی۔ نینی پچھلے شوہر سے حاملہ ہونے کے باعث مجھ سے بچھڑ گئی تھی اور سلویٰ تو عجوبہ تھی۔ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاری نہیں جا سکتی تھی۔ اس لئے وہ بھی آتے ہی بچھڑ گئی۔

میں میگزین دی لائٹ کے نمائندے کی حیثیت سے دہلی میں تھا۔ اسی شہر میں میری ایک ڈمی موجود تھی۔ وہ ضرورت کے مطابق کسی بھی وقت میری جگہ لے سکتی تھی۔ میں نے اپنے جاں نثاروں سے کہہ دیا تھا کہ دی لائٹ کی فوٹو گرافر کی حیثیت سے جو عورت آ رہی ہے، وہ جوان نہ ہو۔ بوڑھی ہو یا پھر کوئی مرد ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی عورت معاون کی حیثیت سے میرے قریب رہے۔

انہوں نے ایک بوڑھی عورت کا انتخاب کیا تھا۔ اس کا نام مونیکا تھا۔ وہ باقاعدہ میرے جاں نثاروں میں نہیں تھی۔ کبھی کبھی اچھا خاصہ معاوضہ لے کر ہمارا کام کر دیا کرتی تھی۔

میں راؤ مین کی قید میں بہت بری طرح بیمار تھا۔ مرتے مرتے زندگی کی طرف واپس آیا تھا۔ میری یادداشت کمزور ہو گئی تھی۔ یوں بھی میری زندگی میں اتنے واقعات، اتنے مسائل اور اتنے لوگ آتے جاتے رہے تھے کہ میں کسی کو صحیح طرح یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔

مونیکا کو بھی بھول چکا تھا۔ میں نے سوچا۔ "پتہ نہیں وہ بوڑھی عورت کس حد تک قابل اعتماد ہو گی؟ مجھے فوراً ہی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہئے۔"

میں ہوٹل تاج محل سے چلا آیا۔ میری جگہ میرا جاں نثار وہاں پہنچ گیا۔ وہ اپنی اصل صورت شکل میں تھا اور اسی کی تصویر کے مطابق دی لائٹ کے دفتر میں اس کا ایک ٹھوس سروس ریکارڈ تیار کیا گیا تھا۔ اس سروس ریکارڈ کے مطابق اس کا نام رابرٹ ٹیلر تھا اور وہ پچھلے پندرہ برسوں سے اس میگزین کے لئے اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔

یوں دیکھا جائے تو وہ میری ڈمی نہیں تھا۔ میں اس کی ڈمی بنا ہوا تھا۔ عارضی طور پر اس کا ہم شکل ہو گیا تھا۔ اپنے چہرے پر معمولی سی تبدیلیاں کرنے کے بعد ہوٹل تاج محل سے نکل آیا تھا۔ اصلی صورت شکل والا جاں نثار رابرٹ ٹیلر کی حیثیت سے وہاں پہنچ گیا تھا۔

مونیکا شام کی فلائیٹ سے آئی۔ ایئرپورٹ سے سیدھی ہوٹل پہنچی۔ اس کے لئے دوسرا کمرہ لیا گیا تھا۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر شاور لیا۔ پھر ایک بھڑکیلا سا لباس پہن کر رابرٹ ٹیلر کے دروازے پر پہنچ گئی۔

میرے جاں نثار نے دستک کی آواز سن کر دروازہ کھولا تو ایک خوشبو کا جھونکا آیا۔ وہ ایک بیوٹی پوز دکھانے کے انداز میں کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ عمر کے حساب سے پینتالیس اور پچاس کے درمیان ہو گی۔ اس عمر میں سولہ برس کی دوشیزہ بننے کی بھرپور کوشش کر کے آئی تھی۔

میرے جاں نثار نے سمجھ لیا کہ وہ کس مزاج کی ہو گی؟ اس نے بظاہر حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ سحر تو نہیں، جس کا انتظار تھا؟ اے پری روح! اے پری جمال حسینہ! تو کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ آگے بڑھ کر بولی۔ "ہائے رابرٹ! تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ دی لائٹ کے دفتر سے میری تصویر بھیجی گئی ہے۔ میں تمہارے ساتھ کام کرنے والی فوٹو گرافر ہوں۔"

"دفتر والوں نے ایک بوڑھی مونیکا کی تصویر بھیجی ہے۔ تم تو غضب کی جوان حسینہ

ہو۔ تم پر جہاں نظر پڑتی ہے' گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔"

وہ خوشی سے بل کھا رہی تھی۔ اس کی موٹی سی کمر ایسی تھی' جیسے کمرہ ہو۔ بل کھانے سے انکار کر رہی تھی اور وہ ادائیں دکھانے سے باز نہیں آ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ "دفتر کا فوٹو گرافر بالکل ہی اناڑی تھا۔ پتہ نہیں' میری کیسی واہیات سی تصویر اتار کر بھیج دی ہے۔ اصل روپ تو تمہارے سامنے ہے۔ کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟"

اس نے ایک طرف ہٹ کر آنے کا راستہ دیا۔ وہ لہراتی بل کھاتی ہوئی اندر آ گئی۔ جب جاں نثار نے اندر سے دروازے کو بند کیا تو اس نے پوچھا۔ "یہاں کہیں خفیہ مائیک اور کیمرہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ یہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"تو پھر ہمیں کھل کر بات کرنی چاہئے۔ سلمان...!"

جاں نثار نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا؟ تم مجھے سلمان کہہ رہی ہو؟"

"اور کیا کہوں؟ تم تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی ہو۔ میں اچھی طرح پہچان گئی ہوں۔ تم مجھے نہیں پہچان پا رہے ہو۔ کیونکہ میں مونیکا کے میک اپ میں ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "تم مونیکا نہیں ہو تو پھر کون ہو؟"

"میں تمہاری للی ڈی سوزا ہوں۔"

"کون للی ڈی سوزا؟ کیا ہم پہلے بھی مل چکے ہیں؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ آج سے پچیس برس پہلے جب میں بیس برس کی تھی تو ہم نے کئی راتیں ایک ساتھ گزاری ہیں۔ میرے حساب سے تم ستر یا پچھتر برس کے ہو چکے ہو۔ کیا بڑھاپے میں یادداشت اتنی کمزور ہو گئی ہے کہ مجھے بھول گئے؟"

"تم خود کو للی ڈی سوزا کہہ رہی ہو اور مجھے تھری ایس شہزادہ سلمان کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔ جبکہ میں رابرٹ ٹیلر ہوں۔"

"وہ تو تم زبردست بہروپیئے ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ بن جاتے ہو۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ میں تھری ایس ہوں؟"

"کسی نے کہا نہیں' تمہارے ایجنٹ نے کہا تھا' تھری ایس کے معاملے میں ایک کام کرنا ہے۔ مجھے میگزین دی لائٹ کی فوٹو گرافر کی حیثیت سے دہلی جانا ہے۔ وہاں ایک اہم شخص رابرٹ ٹیلر کے بہروپ میں ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کام کرنا ہے۔ تب ہی میں سمجھ گئی تھی کہ وہ تم

ہی ہو سکتے ہو۔"

"پھر تو تم نے بہت ہی غلط سمجھا ہے۔ میں بیشک رابرٹ ٹیلر کے بہروپ میں ہوں۔ لیکن تھری ایس نہیں ہوں۔"

وہ بالکل قریب ہو کر بولی۔ "عورت جس کے ساتھ راتیں گزارتی ہے پھر برسوں گزر جانے کے بعد بھی اس کی قربت سے اسے پہچان لیتی ہے۔ مجھے آغوش میں لو۔ کس کرو۔ میں تمہیں پہچان لوں گی۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ "پلیز۔ یہاں آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارے متعلق ضروری معلومات حاصل کر کے ابھی پانچ منٹ میں آتا ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"ہرگز نہیں۔ تم میری معاون بن کر آئی ہو۔ میں جو کہوں گا اس پر عمل کرو گی۔ اگر ایسا نہیں کرو گی تو میں تمہارے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دوں گا۔ دی لائٹ والوں سے کہوں گا کہ وہ تمہیں واپس بلا لیں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اچھی بات ہے جاؤ۔ میرے متعلق معلومات حاصل کر کے آؤ۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ دروازے کو بند کرتے ہوئے اس نے فون کے ذریعے اپنے ایک جاں نثار ساتھی سے رابطہ کیا۔ پھر پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟"

اس نے کہا۔ "میں نیچے وزیٹرز لابی میں ہوں۔"

"مونیکا کے لئے ایک غلط عورت کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ للی ڈی سوزا بہت ہی فلرٹ اور غیر ذمہ دار ہے۔ کام کی باتیں کرنے کے بجائے مجھ سے فلرٹ کر رہی ہے۔ مجھے تھری ایس کہہ رہی ہے۔ تم فوراً اوپر آؤ۔ اس کے کمرے میں جاؤ اور دی لائٹ کے سلسلے میں جو ضروری کاغذات ہیں۔ اس کے سامان سے نکال کر لے جاؤ۔ اسے کمزور نہ بنایا گیا تو وہ ہمیں کمزور بنا دے گی۔"

وہ فون بند کر کے واپس کمرے میں آیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "تصدیق ہو گئی ہے۔ تمہیں یہاں مونیکا فوٹو گرافر کا رول ادا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور تم واقعی للی ڈی سوزا ہو۔"

وہ خوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کے قریب آ کر بولی۔ "میری جان تھری ایس! پھر تو تمہیں پچیس برس پہلے کی وہ حسین و جمیل للی ڈی سوزا یاد ہو گی' جو ہر رات تمہاری

نیندیں اڑاتی رہتی تھی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے گردن میں بانہیں ڈالیں۔ وہ جلدی سے اس کی بانہوں کو الگ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''ان دنوں تم بیس برس کی تھیں۔ آج اس حساب سے پینتالیس برس کی ہو۔ میں بھی بوڑھا ہو چکا ہوں، تم بھی بوڑھی ہو چکی ہو۔ لہٰذا یہ جوانی کے چونچلے نہ کرو۔ ہمیں سنجیدگی سے صرف کام کی باتیں کرنی چاہئیں۔''

وہ ناراض ہو کر بولی۔ ''تم مجھے بوڑھی کہہ کر انسلٹ کر رہے ہو۔''

پھر وہ دائیں بائیں گھوم کر مختلف زاویوں سے خود کو دکھاتے ہوئے بولی۔ ''کیا میں کہیں سے ذرا سی بھی عمر رسیدہ لگتی ہوں؟''

''تم نے خود کو اس تنگ لباس میں خوب کس کر باندھ لیا ہے۔ ذرا سوچو! جب یہ گٹھڑی کھلے گی تو کیسی دکھائی دو گی؟''

''تم میری انسلٹ کرتے جا رہے ہو۔ تمہیں جتنی گالیاں آتی ہیں، وہ سب مجھے دیتے رہو۔ مگر بوڑھی نہ کہو۔''

''وہاں صوفے پر آرام سے بیٹھو۔ عمر کا حساب چھوڑ دو اور کام کی باتیں کرو۔''

''تھری ایس! تم جرائم کی دنیا میں بہت ہی طاقتور، بہت ہی خطرناک ہو۔ لیکن میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں۔ تمہاری داشتہ بن چکی ہوں۔ ابھی شوخی دکھاؤں گی، سر چڑھ کر بولوں گی تو تمہیں جیت لوں گی۔ اگر جیت نہ سکی، ہار گئی تو تم مجھے زیادہ سے زیادہ سزائیں دو گے۔ لیکن دشمنوں سے جیسا سلوک کرتے ہو، ویسا میرے ساتھ نہیں کرو گے۔ مجھے گولی نہیں مارو گے۔''

کالنگ ٹون سنائی دی۔ میرے جاں نثار نے فون کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے اس کے ساتھی نے کہا۔ ''کام ہو گیا ہے۔ میں سارے کاغذات لے کر لفٹ کے ذریعے نیچے جا رہا ہوں۔''

اس نے 'ٹھیک ہے' کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر اس سے کہا۔ ''تم بوڑھی ہو، بوڑھی ہی رہو گی۔ میں تمہیں دھتکار رہا ہوں۔ نکل جاؤ، میرے کمرے سے۔''

''تھری ایس! اب تم غصے میں آئے ہو۔ اپنا اصلی روپ دکھا رہے ہو۔''

جاں نثار نے اسے ایک طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''آئندہ تھری ایس کا نام زبان پر لاؤ گی تو یہاں سے زندہ واپس نہیں جاؤ گی۔ جاؤ، گیٹ لاسٹ۔''

وہ طمانچہ کھا کر چپ چاپ وہاں سے جانے لگی۔ پھر دروازے پر پہنچ کر بولی۔ ''میں

آئندہ شوخی نہیں دکھاؤں گی۔ وعدہ کرتی ہوں، قسم کھاتی ہوں۔ کیا دی لائٹ کی فوٹو گرافر بن کر تمہارے ساتھ رہ سکتی ہوں؟''

''نہیں۔ کسی بھی پہلی فلائٹ سے واپس جانے کے لئے تیار رہو۔ یاد رکھو! اگر کسی کو شبہ ہوا کہ تھری ایس ہوٹل کے اس کمرے میں ہے تو تم ایک کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکو گی... جاؤ یہاں سے۔''

وہ چلی گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کر کے اس کے متعلق ساری تفصیلات بتائیں۔

میں نے کہا۔ ''میں پہلے ہی کہہ چکا تھا، کسی عورت کو میری معاون بنا کر نہ بھیجو۔ خواہ وہ بوڑھی ہی کیوں نہ ہو۔ آئندہ یاد رکھو، کوئی بھی عورت کسی بھی حیلے بہانے سے یا کسی مجبوری سے میرے قریب نہ آئے۔ اب اُس پر نظر رکھو۔ وہ یہاں سے جاتے جاتے کوئی گل ضرور کھلائے گی۔''

''آپ اطمینان رکھیں سر! وہ ہمارے خلاف کوئی قدم اٹھائے گی تو بری طرح پچھتائے گی۔''

اور وہ ایسی حماقت کرنے والی تھی۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔ فون نکال کر نمبر پنچ کرنے سے پہلے سوچ رہی تھی۔ ''میں نے تھری ایس کو پہچان لیا ہے۔ اس لئے وہ بدظن ہو گیا ہے۔ مجھ سے پیچھا چھڑا رہا ہے۔ آج یا کل کسی بھی فلائٹ سے مجھے واپس جانے پر مجبور کرے گا۔

وہ ایسے کسی بھی شخص کو زندہ نہیں چھوڑتا، جو اسے دیکھ لیتا ہے۔ اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کر لیتا ہے۔

ابھی اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر یہ بات میں کسی کو بتاؤں گی کہ وہ ہوٹل تاج محل کے روم نمبر ایک سو سولہ میں ہے تو ایک کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکوں گی۔ اس طرح اس نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ اس ہوٹل کے اس کمرے میں موجود ہے۔

مجھے یہاں سے جانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ لیکن جانے نہیں دے گا۔ مجھے یہیں ختم کر دے گا۔''

پھر اس نے سوچتے سوچتے نمبر پنچ کئے۔ لندن میں سی آئی اے کے ایک افسر سے اس کے تعلقات تھے۔ اس نے کہا۔ ''دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیاں تھری ایس کے پیچھے دوڑتی رہتی ہیں۔ مگر برسوں گزر گئے، تم میں سے کوئی آج تک اس پر قابو نہ پا سکا۔ کبھی وہ گرفتار ہوتا بھی ہے تو

تمہارے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ کیا آج اسے گرفتار کرنا چاہو گے؟"

"کیا تم جانتی ہو وہ کہاں ہے؟"

"ہاں۔ جانتی ہوں۔ میں اسے گرفتار کراؤں گی تو مجھے بہت بڑا انعام ملے گا اور وہ ہاتھ سے نکل گیا تو کوئی مجھے اس کے انتقام سے نہیں بچا سکے گا۔ میری موت لازمی ہو گی۔"

"تمہیں ڈرنا نہیں چاہئے۔ ہم پوری طرح تمہاری حفاظت کریں گے۔ وہ یا اس کے آدمی تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے۔ بولو وہ کہاں ہے؟"

"اس وقت میری بغل میں ہے۔ ابھی انڈیا میں سی آئی اے کے افسران سے رابطہ کرو انہیں بتاؤ کہ دہلی کے ہوٹل تاج محل میں وہ کمرہ نمبر ایک سو سولہ میں موجود ہے۔ میں اس کے برابر والے کمرے میں ہوں۔ پہلے مجھے سیکورٹی دی جائے۔"

"فکر نہ کرو۔ جب تم دونوں ایک ہی فلور پر ہو تو ہم ایک ہی وقت میں تمہیں سیکورٹی بھی دیں گے اور اسے گرفتار بھی کریں گے۔"

پھر لندن سے دہلی تک سی آئی اے کے جاسوس بڑی سرگرمی سے ایکشن میں آ گئے۔ انہوں نے پہلے ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر دسویں فلور کی ناکہ بندی کی۔ اس کے بعد مونیکا اور میرے جاں نثار کے دروازوں پر پہنچ گئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ دروازہ کھولتے ہی انہوں نے میرے جاں نثار کو گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔

پہلے اس کی جامعہ تلاشی لی۔ پھر اس کے ساتھ اندر آ گئے۔ ایک افسر نے کہا۔ "ہیلو مسٹر تھری ایس! یہ ثابت کرو کہ تم میگزین دی لائٹ کے نمائندے رابرٹ ٹیلر ہو۔"

اس نے کہا۔ "تمہارے آدمی میرے سامان کی تلاشی لے رہے ہیں۔ ابھی تمہارے سامنے تمام کاغذات آ جائیں گے۔"

"وہ کاغذات جعلی ہو سکتے ہیں۔"

"تم انہیں جعلی ثابت کرو اور مجھے دی لائٹ کے مالک اور پبلشر برائن ملر سے بات کرنے کی اجازت دو۔"

"ہم خود اس سے بات کر رہے ہیں۔"

اس افسر نے اپنے فون پر نمبر پنچ کئے۔ پھر لندن کے ایک افسر سے کہا۔ "آپ فوراً میگزین دی لائٹ کے مالک برائن ملر سے ملاقات کریں اور اپنی موجودگی میں ہم سے فون پر رابطہ کرائیں۔"

مجھے انتہائی خطرناک مجرم سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے میرے جاں نثار کو صرف گن پوائنٹ پر ہی نہیں رکھا گیا۔ فوراً ہی اسے ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔

اس کے بعد مونیکا کو وہاں لایا گیا۔ اس نے بیان دیا۔ "لندن میں سی آئی اے کے چیف جان ہولڈر کو میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تھری ایس مجھ سے دہلی میں کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مجھے مونیکا کا نام دیا گیا ہے اور اسی نام سے دی لائٹ کے مالک برائن ملر نے تصویروں کے ساتھ میرے کاغذات تیار کئے ہیں۔ اسی طرح تھری ایس نے رابرٹ ٹیلر کے نام سے اپنے کاغذات بنائے ہیں۔ یہ ان جعلی ڈاکومینٹس کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ میرے پاس بھی جو کاغذات ہیں' وہ جعلی ہیں۔ کیونکہ میرا نام مونیکا نہیں' للی ڈی سوزا ہے۔"

لندن سے کال آئی۔ میگزین دی لائٹ کے مالک برائن ملر سے بات کرائی گئی۔ اس نے کہا۔ "ہم نے کسی للی ڈی سوزا کو مونیکا کے نام سے ڈاکومینٹس جاری نہیں کئے ہیں۔"

للی نے کہا۔ "یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میرے پاس وہ تمام ڈاکومینٹس موجود ہیں۔ میں ابھی لا کر دکھاتی ہوں۔"

وہ ایک سراغ رساں کے ساتھ اپنے کمرے میں گئی۔ اٹیچی کو کھول کر دیکھا تو وہاں کاغذات نہیں تھے۔ اس نے اپنے بیگ میں دیکھا۔ وہاں بھی وہ کاغذات نہیں تھے۔

اس نے دوسرے کمرے میں آ کر سی آئی اے کے افسر سے کہا۔ "میں حیران ہوں' وہ کاغذات میرے سامان میں نہیں ہیں۔ یقیناً چرا لئے گئے ہیں۔"

لندن سے برائن ملر نے کہا۔ "یہ بکواس کر رہی ہے۔ نہ میں نے ایسے کوئی کاغذات اس کے نام جاری کئے ہیں اور نہ ہی میں نے کبھی للی ڈی سوزا کی صورت دیکھی ہے۔ رابرٹ ٹیلر کے پاس ہمارے جو کاغذات ہیں' وہ بالکل درست ہیں۔ آپ اپنی تسلی کے لئے ہمارے اس نمائندے کو حراست میں لے سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ ورنہ ہم قانونی چارہ جوئی کے لئے بالکل تیار ہیں۔"

میگزین کی طرف سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ میرا جاں نثار فراڈ نہیں ہے۔ سچ مچ اس میگزین کا نمائندہ ہے۔ وہ اسے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے مختلف آلات کے ذریعے اس کے چہرے کا معائنہ کیا۔ وہ اس کا اصلی چہرہ تھا۔ نہ اس پر عارضی میک اپ کیا گیا تھا' نہ پلاسٹک سرجری کرائی گئی تھی۔

لندن کے کئی رسالوں کے مالکان احتجاج کر رہے تھے۔ "ایک کثیر الاشاعت

میگزین دی لائٹ کے معروف رپورٹر رابرٹ ٹیلر کو ناحق پریشان کیا جا رہا ہے۔ قانون کے خلاف اسے حراست میں رکھا گیا ہے۔ اسے جلد سے جلد رہا کیا جائے۔"

میرے جاں نثار کو دوسرے ہی دن رہائی مل گئی۔ یہ ہر پہلو سے ثابت ہو چکا تھا کہ نہ تو وہ میک اپ میں ہے نہ ہی اس کے کاغذات غلط ہیں۔ دی لائٹ کے دفتر میں اس کا سروس ریکارڈ بہت ہی ٹھوس اور مکمل تھا۔

اگرچہ میرے جاں نثار کو ذرا پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن میرا بھلا ہو گیا۔ اب خفیہ ایجنسیوں کا کوئی جاسوس مجھ پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں رابرٹ ٹیلر کی حیثیت سے شبہات سے بالاتر ہو کر وہاں رہ سکتا تھا۔

للی ڈی سوزا فراڈ ثابت ہوئی تھی۔ دی لائٹ کی جانب سے جاری کردہ ڈاکومینٹس پیش نہیں کر سکی تھی۔ میگزین کے مالک برائن ملر نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے کثیر الاشاعت میگزین کے مالک کو جھوٹا اور فراڈ کہا تھا۔ یہ جھوٹ کہا تھا کہ دی لائٹ کی طرف سے اسے مونیکا کے نام سے کاغذات جاری کئے گئے تھے اور یہ الزام تراشی کی تھی کہ دی لائٹ والے بڑی رازداری سے تھری ایس کے لئے کام کرتے رہتے ہیں۔

ایک تو للی مقدمے میں الجھ گئی تھی' برائن ملر جرمانے کے طور پر اس سے لاکھوں پاؤنڈز وصول کرنے والا تھا۔ دوسری طرف وہ سمجھ رہی تھی کہ موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ تھری ایس اسے معاف نہیں کرے گا۔

میں نے خفیہ طور پر پیغام بھیجا تھا' "میری طرف سے آنے والی موت بہت ہی اذیت ناک اور ناقابل برداشت ہو گی۔ لہٰذا فیصلہ کرو' کس طرح مرنا چاہتی ہو؟ اگر آسانی چاہتی ہو تو میرے موت کے ہرکاروں کا انتظار نہ کرو۔ جتنی جلدی ہو سکے' خودکشی کر لو۔"

اس روز وہ خوف اور فکر سے نجات حاصل کرنے کے لئے خوب پیتی رہی۔ پھر نشے میں ٹن ہو کر گاڑی چلائی تو حادثے سے دوچار ہو کر مجھ سے بچ نکلنے کے لئے اپنی قبر میں جا کر چھپ گئی۔ اس نے جان بوجھ کر خودکشی نہیں کی۔ پھر بھی کسی بہانے موت کو گلے لگا ہی لیا۔

☆☆☆

یعقوب کی ساس نے حکم دیا تھا کہ تمام دن اس کی بیٹی رنجنا اس کے پاس رہے گی۔ رات کے کھانے کے بعد یعقوب کے پاس جائے گی۔ پھر صبح کمرے سے باہر آ جائے گی اور تمام دن اپنی ماں کے پاس رہا کرے گی۔

یعقوب جانتا تھا' آگے کیا ہونے والا ہے؟ اس لئے اس نے ساس سے جھگڑا نہیں کیا اور سر جھکا کر اس کی بات مان لی۔ رات کی تاریکی پھیلتے ہی اس نے رنجنا سے کہا' "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کھانا دو۔"

وہ بولی' "ابھی تو ساڑھے سات ہوئے ہیں۔ کیا اتنی جلدی کھاؤ گے؟"

"جتنی جلدی کھاؤں گا' اتنی ہی جلدی تم مجھے ملو گی۔ تمہاری ممی نے وعدہ کیا ہے' رات کے کھانے کے بعد تم میرے کمرے میں چلی آؤ گی۔"

اس کی ماں نے کہا' "ہاں۔ جب کھانے کا وقت ہو گا تو کھانے کے بعد یہ تمہارے پاس جائے گی۔"

وہ بولا' "کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"ہمارے کھانے کا وقت نہیں ہوا ہے۔"

"آپ لوگوں کے وقت سے مجھے کیا لینا ہے؟ یہ میری بیوی ہے۔ جب میرے کھانے کا وقت ہو گا تو اس کے بھی کھانے کا وقت ہو گا۔ جب میرے سونے کا وقت ہو گا تو اس کے بھی سونے کا وقت ہو گا۔ پلیز۔ اتنی سی بات پر جھگڑا نہ کریں۔"

اس کے بیٹے منوہر لال نے کہا' "ممی! خواہ مخواہ بات نہ بڑھائیں۔ چھوٹی سی بات ہے۔ مان لیں۔"

وہ بیٹے کے کہنے سے مان گئی۔ رنجنا اور ملازمہ نے میز پر کھانا لگایا پھر وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگی۔ اس کی ساس نے کہا' "ہم رات کے نو بجے کھاتے ہیں۔ کیا تم اس وقت تک صبر نہیں کر سکتے تھے؟"

وہ بولا' "ڈیئر مدر ان لاء! بات صبر کرنے کی نہیں ہے۔ وقت گزرنے کی ہے۔ جو وقت گزر رہا ہے۔ وہی ہمارا ہے۔ گزر گیا تو سمجھو' ہم بھی دنیا سے گزر گئے۔ زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں کھانے کے بعد کیا سے کیا ہو جائے؟"

وہ گھور کر بولی' "اگر کچھ ہونا ہو گا تو کھانے سے پہلے بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔ مگر نہیں ہو رہا ہے ناں... آپ دیکھ رہی ہیں' ہم خیریت سے کھا رہے ہیں اور خیریت سے کمرے میں جائیں گے۔"

ساس نے کہا' "تم دیکھنے میں تو بالکل ٹھیک لگتے ہو۔ مگر یہ بھتنی...."

اس نے چڑیل جیسی ملازمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' "یہ کہہ رہی ہے' تم

بہت خطرناک ہو۔''

''یہ غلط کہہ رہی ہے۔ آپ مجھے ٹھیک سمجھ رہی ہیں۔''

''نہیں۔ یہ کبھی غلط نہیں سمجھتی۔ بڑی انتر گیانی ہے۔ منتر پڑھتی ہے اور اندر کے بھید معلوم کر لیتی ہے۔''

یعقوب نے رنجنا کو دیکھا۔ پھر اپنی ساس سے پوچھا۔ ''کیا یہ بھتنی جادو ٹونا کرتی ہے؟''

ساس نے بھتنی سے کہا۔ ''اپنا کمال دکھاؤ۔''

اس کے سیاہ چہرے پر سفید بٹن جیسی دو آنکھیں یعقوب کو گھورنے لگیں۔ اس نے منتر پڑھنا شروع کیا۔ وہ ایک لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جانا چاہتا تھا۔ اچانک ہی رک گیا۔ یہ محسوس کیا کہ لقمہ نہ منہ تک آ رہا ہے' نہ پلیٹ کی طرف واپس جا رہا ہے۔ وہ ہاتھ جہاں ہے' وہیں رک گیا ہے۔

اس نے بھتنی کی طرف دیکھا۔ اس کی گھورتی ہوئی آنکھیں بڑی ڈراؤنی سی لگ رہی تھیں۔ وہ بڑے انہماک سے منتر پڑھ رہی تھی۔ اس کی ساس نے بھتنی سے کہا۔ ''چپ ہو جاؤ۔''

وہ چپ ہو گئی۔ یعقوب کا ہاتھ پہلے کی طرح حرکت کرنے لگا۔ وہ منہ میں لقمہ ڈال کر چباتے ہوئے بولا۔ ''یہ مسمیرزم ہے۔ یورپ اور افریقہ میں ایسے تماشے دکھانے والے بیشمار لوگ ہیں۔ اگر یہ بھتنی فٹ پاتھ پر کھڑی ہو جائے تو اچھے پیسے کما لے گی۔''

''اگر میں اسے حکم دوں گی تو یہ تمہیں الٹا لٹکا دے گی۔''

''یہ ایسی ہی باکمال ہے تو اس وقت مجھے کیوں نہیں روکا' جب میں رنجنا کو زبردستی اٹھا کر یہاں سے لے جا رہا تھا؟''

بھتنی نے کہا۔ ''تم نے مجھے دھکا دے کر نیچے گرا دیا تھا۔ میں پیٹ سے ہوں۔ تکلیف ہونے لگی تو منتر نہ پڑھ سکی۔''

یعقوب نے اس کے پیٹ کی طرف دیکھا۔ پھر تعجب سے پوچھا۔ ''اچھا تو تم پیٹ سے ہو۔ میں سمجھ رہا تھا' چربی چڑھی ہے۔ موٹی ہو گئی ہو۔ ویسے تمہارا پتی کہاں ہے؟''

''میرا کوئی پتی نہیں ہے۔ میں اپنے بھتنے کی رکھیل ہوں۔''

''اچھا تو بھوتوں کے خاندان میں شادیاں نہیں ہوتیں۔ جو بھتنی اچھی لگتی ہے' اسے رکھیل بنا لیا جاتا ہے؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ منہ پھیر لیا۔ یعقوب نے کھانے کے بعد نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔ ''آؤ رنجنا! میرے گھر چلو۔''

ساس نے تڑخ کر پوچھا۔ ''تمہارا گھر؟ میں اسے نہیں جانے دوں گی۔''

وہ بولا۔ ''سوری... میرے گھر کا مطلب ہے' میرے کمرے میں چلو۔ ابھی رنجنا میکے میں بیٹھی ہے۔ اب سسرال جائے گی۔''

وہ رنجنا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی ساس کے سامنے سے گزرتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ رنجنا نے کہا۔ ''رات کا کھانا کھانے کے بعد ٹہلنا چاہئے اور ہم ہیں کہ کمرے میں بند ہو رہے ہیں؟''

''باہر ٹہلنے جائیں گے تو تمہارا پورا میکا پیچھے پیچھے آئے گا۔ یہاں ہم قید ہو گئے ہیں۔ مگر تنہائی تو نصیب ہو رہی ہے۔''

وہ اپنے فون پر نمبر پنچ کرنے لگا۔ رنجنا نے اشارے سے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

اس نے اشارے سے جواب دیا۔ ''اطمینان رکھو' کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔''

اس نے رابطہ ہونے پر اٹلین زبان میں کہا۔ ''یہاں کب تک آ رہے ہو؟''

ایک جاں نثار کی آواز سنائی دی۔ ''ہم یہاں سے چل پڑے ہیں۔ جلد ہی پہنچنے والے ہیں۔''

''یہاں ایک ملازمہ ہے۔ کچھ جادو ٹونے جانتی ہے۔ اس سے بچ کر رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ اسے منتر پڑھنے کا موقع نہ دیا جائے۔''

''آل رائٹ سر! ہم یہی کریں گے۔''

رنجنا نے اس کے قریب آ کر اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اپنی طرف جھکایا۔ پھر کان میں سرگوشی کی۔ ''اگرچہ ممی اور بھیا یہ زبان نہیں سمجھتے۔ مگر اتنا تو سمجھ لیں گے کہ تم کسی دوسری زبان میں کوئی گڑبڑ کر رہے ہو۔''

''وہ جو سمجھتے ہیں' سمجھنے دو۔ فکر نہ کرو۔ ان کی شامت آ رہی ہے۔''

ایک کمرے میں منوہر لال' اس کی ماں اور وہ بھتنی تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اسپیکر کے ذریعے یعقوب اور رنجنا کی باتیں سننے کی کوششیں کر رہے تھے۔ باتیں صاف سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ ان کی آوازیں کٹ رہی تھیں۔

منوہر لال نے کہا۔ ''مائیک میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ تار لوز ہو گیا ہے۔ مجھے کمرے میں جا کر اسے درست کرنا ہوگا۔''

وہ تینوں دروازے پر آ گئے۔ منوہر کی ماں نے دستک دیتے ہوئے کہا۔ ''رنجنا!

دروازہ کھولو۔''

دروازہ نہیں کھلا۔ خاموشی رہی۔ منوہر نے دروازہ پیٹتے ہوئے کہا۔ ''دروازہ کھولو۔''

یعقوب نے کہا۔ ''دروازہ کیسے کھلے گا؟ یہ میاں بیوی کا کمرہ ہے۔ کچھ تو خیال کرو۔''

''تھوڑی دیر کے لئے کھولو۔ ضروری کام ہے۔''

اندر سے آواز آئی۔ ''ہمیں بھی کچھ ضروری کام کرنے دو۔''

''بکواس مت کرو۔ میری ایک آواز پر دروازہ کھولو۔''

''تم نے کہا تھا' یہ رات کو میرے پاس رہے گی اور دن میں تمہارے پاس۔ اپنی زبان سے نہ پھرو۔ واپس چلی جاؤ۔''

منوہر نے دروازے پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ ''آخری بار تم سے کہا جا رہا ہے' اگر دروازہ نہ کھلا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''تم سے برا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اسی لئے تو تمہیں گالی دیتا ہوں۔ سالے! شرم کرو۔ یہاں تمہاری بہن شرما رہی ہے۔''

وہ غصے سے ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر دروازے کی طرف گھونسا دکھاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ صبح تو باہر نکلو گے۔ میں تم سے نمٹ لوں گا۔''

ماں اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ پھر ملازمہ سے بولی۔ ''بھتنی! کیا تجھے ایسا کوئی منتر نہیں آتا' جسے پڑھتے ہی دروازہ کھل جائے؟''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''کوئی میرے سامنے ہوتا ہے' تب میں منتر پڑھ کر اسے گرا سکتی ہوں۔''

ایسے ہی وقت بجلی چلی گئی۔ منوہر نے کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''باہر بجلی کی روشنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے' مین سوئچ بورڈ میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ اس دروازے کو اندر سے مقفل رکھا گیا تھا۔ اسے کھلوانے کے لئے ہی جاں نثاروں نے یہ گڑبڑ کی تھی۔

منوہر لال نے جیسے دروازہ کھول کر باہر جانا چاہا۔ تین جاں نثاروں نے اسے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ چوتھے نے گھر کی بجلی بحال کر دی۔ وہ سب اندر آ گئے۔ دروازہ پھر سے بند ہوگیا۔

انہوں نے تینوں کو گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''خبردار! جو جہاں ہے' وہیں

رہے۔ اگر کسی نے ذرا سی بھی چالاکی دکھائی تو وہ جان سے جائے گا۔''

ایک جاں نثار نے بند دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ بند کیوں ہے؟ اندر کون ہے؟''

ساس نے کہا۔ ''اندر میری بیٹی اور داماد ہے۔''

جاں نثار نے پھر دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اے باہر نکلو۔''

یعقوب نے اندر سے کہا۔ ''میں سب سن رہا ہوں۔ تم خطرناک ارادے سے آئے ہو۔ میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔''

ایک جاں نثار نے بھتنی کو گن پوائنٹ پر رکھا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''میں اس چڑیل کو نشانے پر نہیں رکھ پا رہا ہوں۔ میرا ہاتھ بار بار ہٹ جاتا ہے۔ یہ زیرلب کچھ پڑھ رہی ہے۔''

یعقوب نے بند دروازے کے پیچھے سے کہا۔ ''اگر وہ پڑھ رہی ہے تو تم سب کی شامت آ چکی ہے۔ یہ اپنے منتروں سے تم سب کو جلا کر راکھ کر دے گی۔''

ایک جاں نثار نے آگے بڑھ کر اس بھتنی کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ کراہتی ہوئی زمین پر گر پڑی۔ اس کی باچھوں سے لہو رسنے لگا۔ اس پر رحم کھانا نادانی ہوتی۔ جاں نثار نے اس کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری تو وہ فرش پر چاروں شانے چت ہو کر تڑپنے لگی۔ پھر ایکدم سے ساکت ہوگئی۔

وہ جسمانی طور پر بہت کمزور تھی۔ ٹھوکر برداشت نہ کر سکی۔ بیہوش ہوگئی۔ ایک جاں نثار نے کہا۔ ''ہمیں وقت برباد نہیں کرنا چاہئے۔ اس جوان کو یہاں سے لے چلو۔''

ماں فوراً ہی بیٹے سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ''نہیں۔ اسے کہاں لے جاؤ گے؟ میں نہیں جانے دوں گی۔''

ایک جاں نثار نے اس کا بازو پکڑ کھینچتے ہوئے کہا۔ ''تم دیکھ چکی ہو' ہم نے اس عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ ہمیں ظلم کرنے پر مجبور نہ کرو۔''

دوسرے' جاں نثار نے منوہر لال کی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر اسے ہمارے ساتھ نہیں جانے دو گی تو ہم یہیں اسے گولی مار دیں گے۔ جانے دو گی تو یہ زندہ سلامت رہے گا۔''

وہ روتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یہ تو بتاؤ' اسے کیوں لے جا رہے ہو؟''

''اس سوال کا جواب تمہیں بعد میں ملے گا۔ ہم ایک ماں سے وعدہ کرتے ہیں' اس

کے بیٹے کو جانی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

دوسرے جاں نثار نے کہا۔ ''اور تم اپنے بیٹے کی سلامتی کے لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ پولیس کو فون نہ کرنا۔ کسی رشتے دار کو مدد کے لئے نہ بلانا۔ صرف اس کے باپ کو بتا سکتی ہو کہ ہم اسے مہمان بنانے کے لئے لے جا رہے ہیں۔''

تیسرے جاں نثار نے کہا۔ ''یہ بات اچھی طرح سمجھ لو' پولیس ہمارے پیچھے آئے گی تو تمہارا بیٹا تمہیں زندہ نہیں ملے گا۔''

منوہر لال اپنے چاروں طرف گن' شاٹ گن اور ریوالور وغیرہ دیکھ کر بری طرح سہا ہوا تھا۔ وہ اسے پکڑ کر باہر لے گئے۔ ماں چھاتی پیٹتی ہوئی ان کے پیچھے جانا چاہتی تھی۔ مگر دروازے پر رک گئی۔ اسے باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

وہ دروازے پر ہاتھ مار کر رونے لگی۔ پھر اس نے پلٹ بھتنی کو دیکھا۔ وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی' آہستہ آہستہ کسمسا رہی تھی۔ ہوش میں آنے والی تھی۔

وہ روتی ہوئی یعقوب اور رنجنا کے دروازے پر آئی۔ دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹتے ہوئے بولی۔ ''وہ میرے بیٹے کو لے گئے ہیں۔ اب تو دروازہ کھولو۔''

یعقوب نے پوچھا۔ ''کیا وہ واقعی چلے گئے ہیں؟''

''ہاں۔ جا چکے ہیں۔ شرم آنی چاہئے۔ تم بزدل ہو۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھے ہو۔''

اس نے دروازہ کھول کر ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ ''میں چوڑیاں نہیں' ریوالور لے کر بیٹھا ہوں۔ پہلے سوچا تھا' باہر نکلوں گا اور منوہر لال کی خاطر جان کی بازی لگا دوں گا۔ آخر وہ میرا سالا ہے۔ ساری دنیا ایک طرف جورو کا بھائی ایک طرف۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''باتیں بنا رہے ہو۔ پھر باہر کیوں نہیں آئے تھے؟''

''اس لئے نہیں آیا کہ میں ایک تھا۔ اگر ایک کو گولی مارتا تو باقی سب ہم سب کو تڑا تڑ گولیاں مار دیتے۔ آپ میری ساسو ماں ہیں۔ میں مرنے کے بعد بھی آپ کی لاش نہیں دیکھ سکوں گا۔''

رنجنا نے کہا۔ ''اس بھتنی کو دیکھو۔ اس کے منہ سے اور ناک سے لہو بہہ رہا ہے۔''

وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ رہی تھی۔ رنجنا نے کہا۔ ''اسے فوراً قریبی ہوسپٹل لے جانا چاہئے۔''

یعقوب نے کہا۔ ''نہیں۔ اسے ایسے ہی رہنے دو۔ یہ میرے خلاف منتر پڑھنے کے قابل نہیں رہے گی۔''

ساس نے جھنجھلا کر کہا۔ ''بھتنی کی فکر کر رہے ہو۔ تم لوگوں کو میرے بیٹے کی فکر نہیں ہے؟''

یعقوب نے کہا۔ ''ہم کیا کر سکتے ہیں؟ وہ دھمکی دے کر گئے ہیں کہ پولیس کو انفارم کیا یا کسی رشتے دار کو بلایا' ان کے خلاف کوئی کارروائی کی اور کسی نے ان کا تعاقب کیا تو وہ منوہر لال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

وہ روتے ہوئے بولی۔ ''وہ دشمن کون تھے؟ میرے بیٹے کو کیوں لے گئے ہیں؟ کہاں لے گئے ہیں؟ پتہ نہیں اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہوں گے؟''

وہ بولا۔ ''جیسا بھی سلوک کر رہے ہوں گے۔ لیکن وہ کالی مائی کے پجاری نہیں تھے۔ اس کی بلی نہیں چڑھائیں گے۔''

ساس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر رنجنا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟''

یعقوب نے کہا۔ ''آپ بہت معصوم ہیں۔ آپ کچھ نہیں جانتیں۔ ایسے لوگ شیطان کے پجاری ہوتے ہیں۔ وہ نوجوانوں کو اغوا کر کے شیطان کے قدموں میں ان کی گردنیں اڑا دیتے ہیں۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔''

پھر اس نے چونک کر اپنا فون نکالتے ہوئے کہا۔ ''انہوں نے کہا تھا' میں اس کے ڈیڈی کو انفارم کر سکتی ہوں۔''

اس نے نمبر پنچ کر کے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے اطلاع ملی کہ فون بزی ہے۔ اس نے ایشور لال کا دوسرا نمبر پنچ کیا۔ دوسری طرف سے لیڈی سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ ''صاحب اس وقت میٹنگ میں مصروف ہیں۔''

وہ غصے سے جھنجھلا کر بولی۔ ''انڈیا میں رات کا ایک بج رہا ہے۔ اس وقت صاحب کون سی میٹنگ میں ہیں؟''

''سوری۔ آپ کون بول رہی ہیں؟''

''میں ہوم منسٹر ایشور لال کی دھرم پتنی ہیم لتا بول رہی ہوں۔ کیا میرے یہاں آتے ہی لیڈی سیکرٹری بدل گئی ہے؟ تم نئی آئی ہو؟''

"جی ہاں۔ میں نے آج ہی جوائن کیا ہے۔"

"یہ ڈیوٹی کا کون سا وقت ہے؟ تم میرے گھر میں کیا کر رہی ہو؟"

یعقوب نے کہا۔ "عورت نہ ہو تو گھر کوئی بھی سنبھال لیتا ہے۔ مگر مرد کو سنبھالنے کے لئے پرسنل سیکرٹری لازمی ہوتی ہے۔"

وہ غصے سے بولی۔ "یوشٹ اپ۔"

دوسری طرف سے سیکرٹری نے کہا۔ "میڈم! میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ کیوں شٹ اپ کہہ رہی ہیں؟"

"تم سب نرک میں جاؤ۔ فون میرے پتی کو دو۔"

"آل رائٹ میڈم! ابھی دیتی ہوں۔"

"دیتی نہیں ہو، فوراً دو۔"

"پلیز۔ ذرا صبر کریں۔"

یعقوب نے پوچھا۔ "وہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"یوشٹ اپ۔ وہ بڑے پتی دیو بنے پھرتے ہیں۔ انڈیا پہنچ کر ان کی خبر لوں گی۔"

"بڑی ہاٹ خبر ہے۔ کیا میرے سسر کا سیکرٹریٹ رات کو بھی کھلا رہتا ہے؟"

وہ گھونسا دکھاتے ہوئے بولی۔ "تم چپ نہیں رہو گے تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ یہ سچ ہے کہ مرد سر کا درد۔ جہاں عورت نظروں سے اوجھل ہوئی، فوراً ہی دوسری لے آتے ہیں۔ میں تو تمہاری ایسی کی تیسی کر دوں گی۔"

"میں آپ کا پتی نہیں ہوں۔ اُدھر فون پر بولیں۔"

ادھر ایشور لال نے فون پر پوچھا۔ "تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیوں غصہ دکھا رہی ہو؟"

"غصہ نہ دکھاؤں تو کیا نئی آنے والی کا جشن مناؤں؟ بڑے سیاسی لیڈر بنے پھرتے ہیں۔ دن کے وقت جیو جنتا۔ رات کو عورت کا دھندہ۔ یہ نئی نویلی کون ہے؟"

یعقوب نے پوچھا۔ "ساسو ماں! اس وقت پتی دیو کی عیاشی اہم ہے یا بیٹے کا اغوا....؟"

وہ ایکدم سے چونک کر بولی۔ "ہائے میں مر گئی میرا بچہ!"

یہ کہتے ہی وہ چھاتی پیٹ کر رونے لگی۔ ایشور لال نے پوچھا۔ "تمہیں ہوا کیا ہے؟ ابھی غصہ دکھا رہی تھیں، ابھی رونا شروع کر دیا ہے؟"

وہ بولی۔ "ہم تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ ہمارا سب کچھ لٹ گیا ہے۔ وہ ہمارے بیٹے کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔"

"کیا بک رہی ہو؟ کون پکڑ کر لے گئے ہیں؟"

"میں کیا جانوں وہ کون تھے؟ ہتھیاروں کے ساتھ آئے تھے۔ بھتنی کو منتر بھی پڑھنے نہیں دیا۔ اسے اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ ہمارے منوہر کو یہاں سے لے گئے اور یہ دھمکی دی ہے کہ ہم نے پولیس کو اطلاع دی اور کوئی ان کے پیچھے آئے گا تو وہ ہمارے بیٹے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ وہ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ نہیں رہے گا تو ہمارے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ ان اغوا کرنے والوں نے کچھ تو کہا ہو گا کہ اسے کیوں لے جا رہے ہیں؟ اگر تاوان کے طور پر بڑی رقم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم ابھی ان کی پیمنٹ کریں گے۔ مگر ان سے رابطہ کیسے ہو گا؟"

وہ بولی۔ "میں کیسے بتاؤں، کیسے رابطہ ہو گا؟ واردات کرنے والے اپنا نام، پتہ ٹھکانہ اور فون نمبر نہیں بتاتے۔"

یعقوب نے کہا۔ "آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ لیکن وہ بڑی رقم وصول کرنے کے لئے ضرور آپ سے یا سسر جی سے رابطہ کریں گے۔"

ایشور لال نے پوچھا۔ "کیا یہ ہمارا داماد ارجن ورما بول رہا ہے؟"

"ہاں۔ وہی منحوس بول رہا ہے۔ اس کے آتے ہی دشمن پیدا ہو گئے ہیں۔ میرے بچے کو قربانی کا بکرا سمجھ کر لے گئے ہیں۔"

ایشور لال نے کہا۔ "قربانی کا بکرا تو تمہارے پاس بیٹھا بول رہا ہے۔ آج سے ساتویں دن اماوس کی رات ہے۔ ہمارا بیٹا واپس نہ آیا تو ہم اپنے اس پہلے داماد کی بلی کیسے چڑھائیں گے؟ وہاں ماں بھوانی کے سامنے ہمارے بیٹے کی موجودگی ضروری ہے۔"

وہ بولی۔ "ہے ماں جگدمبے! تیرے چرنوں میں میرے بیٹے کا علاج ہونے والا تھا۔ مہا پجاری نے کہا تھا، وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر اس پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا۔ اماوس کی رات آئے گی تو وہ جنون میں مبتلا نہیں ہو گا۔ ہنستا بولتا رہے گا۔"

ایشور لال نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، یہ اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیسی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے؟ اچانک ہی دشمن کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں؟"

وہ بولی۔ ''یہ سوچ سوچ کر کلیجہ منہ کو آ رہا ہے کہ جانے وہ لوگ میرے بیٹے کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہوں گے؟''

''اس بات کی فکر نہ کرو۔ انہیں بڑی سے بڑی رقم ملنے کی امید ہوگی' وہ اسے خیریت سے رکھیں گے۔ ذرا صبر کرو۔ ان کا فون ضرور آئے گا۔ وہ ضرور اپنا مطالبہ پیش کریں گے۔''

''میں ابھی انڈیا نہیں آؤں گی۔ کل کی فلائٹ کینسل کراؤں گی۔''

یعقوب نے جلدی سے کہا۔ ''ایسا نہ کریں۔ ہوسکتا ہے' صبح سے پہلے ہی وہ اپنا مطالبہ پیش کر دیں۔ ہوسکتا ہے' صبح ہوتے ہی منوہر لال واپس آ جائے۔ اس لئے جلدی نہ کریں۔ انتظار کرلیں۔''

ایشور لال نے کہا۔ ''میں ارجن کی بات سن رہا ہوں۔ وہ درست کہہ رہا ہے۔ ذرا صبر کرو۔ انتظار کرو۔ وہ ضرور ہم سے رابطہ کریں گے۔''

فون کے ذریعے نئی لیڈی سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ وہ ایشور لال سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ہیم لتا نے غصے سے چیخ کر کہا۔ ''وہ کلموہی ابھی تک آپ کے پاس پڑی ہے۔ چھی چھی چھی۔ کان پکڑ کر بھگوان کے سامنے اپنے پاپوں کا پرائسچت کریں۔ آپ منہ کالا کر رہے ہیں تو بیٹے پر مصیبتیں آ رہی ہیں۔''

وہ بولا۔ ''پیاری ہیم لتا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ کہہ رہی ہے کہ میرے بیٹے کی کال آنے والی ہے۔ میں فون بزی نہ رکھوں۔ اس لئے ابھی یہ فون بند کر رہا ہوں۔ بیٹے سے بات کرتے ہی تمہیں کال کروں گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''کیا میرا بیٹا کال کر رہا ہے؟ وہ کہاں سے بول رہا ہے؟''

یعقوب نے کہا۔ ''جہاں سے سب بولتے ہیں۔''

وہ گھور کر بولی۔ ''اے تم چپ رہو۔''

پھر وہ فون پر بولی۔ ''اے جی سنئے! پہلے میرے بیٹے سے میری بات کرائیں۔ ہیلو..... ہیلو..... ہیلو''

اس نے فون کو دیکھا' وہ بند ہو چکا تھا۔ وہ غصے سے یعقوب کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''تم بہت ہی منحوس ہو۔ میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں گی۔''

''دھکے دینے کی کیا ضرورت ہے؟ میں ابھی اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے چلا جاتا ہوں۔''

''خبردار! میری بیٹی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔''

وہ بولا۔ ''میرے پاس کورٹ میرج کا ثبوت ہے اور ہاتھ میں یہ ریوالور ہے۔ آپ قانوناً میری بیوی کو میرے ساتھ جانے سے نہیں روک سکیں گی۔ اگر بات بڑھے گی تو میں اپنی رنجنا کو گن پوائنٹ پر یہاں سے لے جاؤں گا۔''

اس نے بے بسی سے یعقوب کو دیکھا۔ پھر سر گھما کر اپنی ملازمہ پر نظر ڈالی۔ یعقوب نے کہا۔ ''یہ منتر پڑھنے کے قابل نہیں رہی ہے۔ اپنی موجودہ حالت کو سمجھیں' کس قدر کمزور ہو چکی ہیں۔ بیٹا بچھڑ گیا ہے۔ اُدھر سسر جی نئی سیکرٹری کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ اِدھر یہ داماد رنجنا کو لے کر چلا جائے گا' آپ کے پاس کیا رہ جائے گا؟ آپ کیا کرلیں گی؟ کیسے اپنے بیٹے کو واپس لائیں گی؟''

اس نے شکست خوردہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ اپنے فون کی طرف دیکھنے لگی۔ وہاں سے ابھی رنگ ٹون ابھرنے والی تھی۔ بیٹے کی کوئی اچھی خبر ملنے والی تھی۔

میرے جاں نثار منوہر لال کو ایک خفیہ اڈے پر لے آئے۔ وہاں اس سے پوچھا۔ ''تمہیں کیا بیماری ہے؟''

''میں بیمار نہیں ہوں۔ بالکل ٹھیک ہوں۔''

''اماوس کی رات کیا ہوتا ہے؟''

''میں اسے بیماری نہیں سمجھتا۔ پتہ نہیں کیسا دورہ پڑتا ہے؟ میں اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہتا۔ ممی اور ڈیڈی کہتے ہیں' میں پاگل اور جنونی ہو جاتا ہوں۔ اپنی جان دینے پر تل جاتا ہوں۔''

''کیا اس سلسلے میں تمہارا علاج کرایا جاتا ہے؟''

''انڈیا اور یورپ کے بڑے بڑے تجربہ کار ڈاکٹروں نے میرا علاج کیا ہے۔ کوئی بیماری ہوگی تو جائے گی۔ جبکہ کوئی بیماری نہیں ہے۔''

''تو پھر دورے کیوں پڑتے ہیں؟''

''مہا پجاری بہت ہی انتر گیانی ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے' راہو اور کیتو میرے دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مگر ماں بھوانی کے چرنوں میں جانوروں کی بلی دی جائے تو میرا دماغ صحیح ہو جائے گا۔''

''مہا پجاری کن جانوروں کی بلی دینے کو کہتا ہے؟ جان ور کا مطلب ہے' جان والے اور جان والے حیوان بھی ہوتے اور انسان بھی ہوتے ہیں۔ سچ سچ بتاؤ' تمہارا علاج کرنے کے

لئے کس کی بلی دی جائے گی؟ جانوروں کی یا انسانوں کی؟''

وہ جواب دینے سے ہچکچانے لگا۔ ایک جاں نثار نے کہا۔ ''ہم چاہتے ہیں' تم سچ بولو۔ کیونکہ جھوٹ بولو گے تو بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ سچ بولو گے تو زندہ بھی رہو گے اور تمہارا باقاعدہ علاج بھی کرایا جائے گا۔''

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ ''میرا علاج کرنے کے لئے تین انسانوں کو کالی مائی کی بھینٹ چڑھایا جائے گا۔''

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''دنیا کا کوئی مذہب انسانوں کا خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہندو دھرم میں بھی انسانوں کی ہتھیا سے منع کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں قانون کے محافظ ایسے کٹر ہندوؤں کو پکڑتے اور سزائیں دیتے ہیں جو انسانوں کو کالی مائی کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔''

''تمہارا باپ بھی کٹر ہندو ہے۔ ہوم منسٹر ہونے کے باوجود قانون کے خلاف تین انسانوں کی ہتھیا کرنا چاہتا ہے۔ اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لئے تین انسانی جانوں سے کھیلنا چاہتا ہے۔''

''اپنا موبائل فون نکالو' اپنے باپ کو کال کرو' اس سے پوچھو کہ ابھی تمہاری ہتھیا کی جائے' تمہاری گردن اڑا کر تمہارا سر اس کے پاس بھیج دیا جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟''

وہ اپنا فون نکال کر بولا۔ ''میں اپنے ڈیڈی سے کیا کہوں؟ کیا مجھے زندہ چھوڑنے کے لئے ان سے کوئی مطالبہ کرو گے؟''

''ہم کوئی مطالبہ نہیں کریں گے۔ تمہیں اپنے پاس رکھیں گے۔ تمہارا علاج کرائیں گے۔ جب تمہاری دماغی کمزوری' تمہارا جنون اور پاگل پن ختم ہو جائے گا' تم نارمل ہو جاؤ گے تو تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔''

منوہر لال ان سب کو بے یقینی سے دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا۔ ''کیا میں دیوتاؤں کے درمیان آ گیا ہوں؟ یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔ کوئی مطالبہ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس میرا علاج کرانا چاہتے ہیں۔ میری بہتری چاہتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟''

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟ اپنے باپ سے بات کرو۔''

اس نے نمبر پنچ کئے۔ رابطہ ہونے پر لیڈی سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ ''آپ کون ہیں؟''

''میں ہوم منسٹر ایشور لال کا بیٹا منوہر لال بول رہا ہوں۔ ڈیڈی سے بات کرائیں۔''

''ہولڈ کریں۔ وہ دوسرے فون پر بزی ہیں۔ میں انہیں انفارم کرتی ہوں۔''

وہ انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد باپ کی آواز سنائی دی۔ وہ تڑپ کر پوچھ رہا تھا۔ ''بیٹے! تم کہاں ہو؟ تمہاری ماں کہہ رہی ہے' تمہیں اغوا کیا گیا ہے؟ بھگوان کرے' یہ بات جھوٹ ہو۔''

''یس ڈیڈ! بھگوان کی کرپا سے یہ بات سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی ہے۔ مجھے اغوا کیا گیا ہے۔ لیکن اغوا کرنے والے دشمن نہیں ہیں۔''

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اگر وہ دشمن نہیں ہیں تو تمہیں گن پوائنٹ پر وہاں سے کیوں لے گئے ہیں؟''

''ڈیڈ! یہ میرا علاج کرانا چاہتے ہیں۔ میں ان کی نیکی اور جذبہ دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی سمجھ رہا ہوں کہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ پھر مجھ پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا۔''

''یہ کون لوگ ہیں؟ کیوں تمہارا علاج کرانا چاہتے ہیں؟ ان سے میری بات کراؤ۔''

منوہر لال نے جاں نثاروں سے پوچھا۔ ''کیا آپ میرے ڈیڈی سے بات کرنا چاہیں گے؟''

ایک جاں نثار نے اس سے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو مسٹر ایشور لال! اگر ہم یہ کہتے کہ انسانوں کی ہتھیا نہ کرو۔ اپنے بیٹے کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اس کا علاج کرائیں گے تو تم کبھی راضی نہ ہوتے۔ اس لئے ہم جبراً اسے یہاں لے آئے ہیں۔''

''تم لوگوں کو میرے بیٹے سے ہمدردی کیوں ہے؟ کیوں اس کا علاج کرانا چاہتے ہو؟ اور یہ جھوٹ ہے کہ میں انسانوں کی ہتھیا کرنا چاہتا ہوں۔ میں ہوم منسٹر ہوں' قانون کا رکھوالا ہوں۔ قانون کے خلاف کوئی کام نہیں کر رہا ہوں۔''

''جھوٹ بولو گے تو تمہارے بیٹے کی گردن اڑا دی جائے گی اور اس کا سر تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا۔ اس طرح ہم ایک کی جان لے کر تین انسانوں کی جانیں بچا سکیں گے۔''

''یہ کس نے کہہ دیا کہ میں تین انسانوں کی جان لینا چاہتا ہوں؟''

''بحث کو طول نہ دو۔ جو سچ ہے' اسے تسلیم کرو اور جو سچ ہے' اسے تمہارے بیٹے نے تسلیم کیا ہے۔ اسی لئے ہم اس کی عزت کر رہے ہیں اور اس کا علاج کرانا چاہتے ہیں۔''

''چلو مان لیتا ہوں۔ اسے میرے پاس لے آؤ اور اس کا علاج کراؤ۔''

''ہم اتنے نادان نہیں ہیں۔ بیٹا تمہارے ہاتھ آئے گا تو تم ہمارے سامنے نہیں جھکو گے۔ وہی کرو گے' جو تمہارا مہا پجاری کہتا ہے۔ جب تک منوہر کا علاج نہیں ہوگا' جب تک یہ

نارمل نہیں ہوگا' تب تک ہمارے پاس رہے گا۔تم اس کی صورت تو کیا' اس کی پرچھائیں بھی نہیں دیکھ سکو گے۔"

وہ مشکل میں پڑ گیا۔بیٹے کے علاج کے لئے تین انسانوں کی ہلاکت کا جو راستہ اختیار کیا تھا' وہ انجانے لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا۔پھر وہ عجیب لوگ تھے۔کسی رشتے اور تعلق کے بغیر اس کے بیٹے کا علاج کرانا چاہتے تھے اور باپ کو مجرمانہ حرکتوں سے روک رہے تھے۔

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔"آخر تم لوگ کون ہو؟"

"الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔ہمیں دہشت گرد کہہ کر ساری دنیا میں بدنام کیا جارہا ہے اور ہم اپنے عمل سے ثابت کررہے ہیں کہ تم جیسے لوگوں کو قتل و غارت گری سے اور کالی مائی کی بھیانک صورت لے کر دہشت گردی کرنے سے روک رہے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔"تم لوگ اس کا علاج کہاں کراؤ گے؟ میں نے انڈیا اور یورپ کے بہت ہی مشہور و معروف تجربہ کار ڈاکٹروں سے اس کا علاج کرایا ہے۔وہ دوا دارو سے نارمل نہیں ہوگا۔"

جاں نثار نے کہا۔"تین انسانوں کی ہلاکت سے بھی نارمل نہیں ہوگا اور جب نارمل نہیں ہوگا تو ہم اسے ختم کردیں گے۔کیونکہ یہ زندہ واپس جائے گا تو تم اسے پھر کالی مائی کے چرنوں میں لے جاؤ گے' وہاں حیوانیت اور درندگی کا مظاہرہ کرو گے۔لہٰذا اپنے بیٹے کی بہتری اور سلامتی چاہتے ہو تو اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ ہم مسلمان اپنے دین کے طریقہ کار کے مطابق اس کا علاج کرارہے ہیں تو اسے شفا حاصل ہو۔یہ نارمل ہوجائے۔یہ بیٹا اسی طرح سلامتی سے تمہارے پاس واپس آئے گا۔"

وہ زبردستی اپنے بیٹے کو ان سے چھین کر نہیں لاسکتا تھا۔مجبور ہو کر بولا۔"اچھی بات ہے۔تم لوگ اس کا علاج کراؤ۔میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گا۔لیکن میں اور میری پتنی روز اس سے فون پر باتیں کریں گے۔"

"نہیں۔ہفتے میں صرف ایک دن پندرہ منٹ کے لئے بات کرنے کی اجازت دی جائے گی اور ایک بات رکھو' تمہاری پتنی یہاں لندن میں نہیں رہے گی۔اس سے کہو' کل تک انڈیا چلی جائے۔اپنی بیٹی اور داماد کو بھی ساتھ لے جائے۔ہم تمہارے کسی رشتے دار کو یہاں برداشت نہیں کریں گے۔"

اس نے فون منوہر کی طرف بڑھایا۔وہ فون لے کر بولا۔"ڈیڈ! یہ میری بھلائی چاہتے

ہیں۔آپ ان کی تمام باتیں مان لیں۔میرا دل کہتا ہے' یہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور اچھی طرح میرا علاج کرائیں گے۔"

"بیٹا! ایک بار اپنی ماں سے بات کرلو۔نہیں تو وہ روتے روتے مرجائے گی۔"

"اچھی بات ہے' میں بات کروں گا۔"

اس نے فون بند کرکے ایک جاں نثار سے کہا۔"مجھے اپنی ممی سے بات کرنے کی اجازت دو۔نہیں تو وہ روتی رہیں گی۔یہاں سے انڈیا واپس نہیں جائیں گی۔"

اسے اجازت دے دی گئی۔اس نے ماں کے نمبر پنچ کئے۔پھر فون کو کان سے لگایا۔چند لمحوں بعد ماں کی تڑپتی ہوئی آواز سنائی دی۔"میرے بیٹے! میری جان! یہ تمہارا فون نمبر ہے۔تم ہی بول رہے ہو ناں؟"

"یس ممی! میں آپ کا بیٹا بول رہا ہوں۔میں بالکل خیریت سے ہوں۔یہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا رہے ہیں۔ابھی ڈیڈی سے ان لوگوں نے باتیں کی ہیں۔میں وہ ساری باتیں ابھی آپ سے نہیں کرسکوں گا۔مجھے زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ کل کی فلائٹ سے انڈیا واپس چلی جائیں۔اسی میں میری بھلائی ہے۔اگر آپ نہیں جائیں گی تو مجھے بہت نقصان پہنچے گا۔"

"بیٹا! یہ کون لوگ ہیں؟ ان سے میری بات کراؤ۔یہ جتنی رقم چاہیں گے' میں ابھی ادا کروں گی۔"

"آپ نہیں سمجھ پائیں گی۔یہ مجرم نہیں ہیں۔ہمیں نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔پلیز آپ ڈیڈی سے بات کریں۔آپ کو بہت کچھ معلوم ہوجائے گا۔بس میرے لئے پرارتھنا کریں کہ میرا جو علاج یہاں کرایا جائے گا' وہ کامیاب ہوجائے۔اوکے ممی! آئی لو یو۔اب ایک ہفتے بعد آپ سے بات ہوگی۔"

اس نے فون بند کردیا۔اس کی ماں بیم لتا ہیلو ہیلو کہتی رہ گئی۔پھر اس نے بھی فون بند کرکے سینے سے لگالیا۔بیٹے نے کہا تھا' کل اُسے انڈیا واپس جانا چاہئے۔تھوڑی دیر بعد فون پر اس کا پتی ایشور لال بھی یہی کہنے والا تھا۔یعقوب کی پلاننگ کامیاب ہورہی تھی۔وہ رنجنا کے ساتھ انڈیا پہنچ کر میرے بہت قریب آنے والا تھا۔

☆☆☆

سی آئی اے کے سراغ رساں اور اعلیٰ افسران نے پوری طرح مطمئن ہو کر تمام خفیہ ایجنسیوں تک یہ بات پہنچائی کہ رابرٹ ٹیلر بہروپیا نہیں ہے۔نہ وہ عارضی میک اپ میں رہتا

ہے، نہ ہی اس نے پلاسٹک سرجری کرائی ہے۔ وہ اپنے اصلی پیدائشی چہرے کے ساتھ میگزین دی لائٹ کا نمائندہ ہے۔

سی آئی اے والوں کے اطمینان کے باوجود دیگر خفیہ ایجنسیوں والے اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو رہے تھے۔ انہوں نے دور ہی دور سے اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے میرے جاں نثار کی تصویریں اتاری تھیں۔ ایسے کیمروں کے ذریعے میک اپ کے پیچھے چھپے ہوئے اصلی چہروں کی تصویریں اُتر آتی ہیں۔ میرے مخالفین کو مایوسی ہو رہی تھی۔ میں اصلی چہرے والے رابرٹ ٹیلر کے پیچھے سے نمودار نہیں ہو رہا تھا۔

فی الحال حالات کا تقاضہ تھا کہ میں اپنی خفیہ پناہ گاہ میں روپوش رہوں اور اپنے تمام جاں نثاروں کو شطرنج کے مہروں کی طرح آگے بڑھاتا رہوں۔ وہ سب میرے معاملات میں دن رات مصروف رہا کرتے تھے۔

ہم نے یہ ظاہر کیا تھا کہ دی لائٹ کا نمائندہ رابرٹ ٹیلر غازی صلاح الدین اور اس کے بیٹے تھری ایس کی پوری ہسٹری معلوم کرنے اور لکھنے کے لئے یہاں آیا ہوا ہے۔ دی لائٹ کے مالک اور پبلشر برائن ملر نے سی آئی اے، راء، موساد اور دیگر خفیہ ایجنسیوں سے رابطہ کیا تھا، ان سے اپیل کی تھی کہ غازی صلاح الدین اور اس کے بیٹے تھری ایس کے سلسلے میں رابرٹ ٹیلر سے تعاون کریں، ان کی ہسٹری لکھنے کے سلسلے میں اہم معلومات فراہم کریں۔

سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر جان البرٹ نے کہا۔ ''ان باپ بیٹے کا ماضی، حال اور مستقبل جاننے کے سلسلے میں جو ذرائع ہیں، وہ بہت محدود اور کمزور ہیں۔

پاکستان کے شہر لاہور میں تھری ایس عمیر بن غازی کے تین بیٹے تھے۔ وہاں اس کا خاندان دور تک پھیلا ہوا ہے۔

وہ تین بیٹے اپنے باپ عمیر بن غازی کی یہ اصلیت نہیں جانتے تھے کہ وہ تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی کی حیثیت سے دوہری زندگی گزار رہا ہے۔ وہ تینوں بیٹے اپنے باپ کے دشمن تھے۔ ان میں سے ایک بیٹا مراد اور دوسرا سلطان مارے گئے تھے۔ تھری ایس ایسا ظالم اور جلاد ہے کہ اس نے اپنے تیسرے بڑے بیٹے منور کو خسرہ بنا دیا ہے۔ وہ منہ چھپا کر زندگی گزار رہا ہے۔

لاہور میں اس خاندان کے افراد نے شہزادہ سلمان سعدی عرف تھری ایس کے متعلق دوسروں سے ہی سنا ہے۔ اپنے طور پر اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ تو ستر برس کے

بعد زندہ ہو کر واپس آنے والے دادا جان کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے۔''

میرے جاں نثار رابرٹ ٹیلر نے پوچھا۔ ''کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے کہ غازی صلاح الدین ایک نئی زندگی پا کر یہاں آیا لیکن اپنے بیٹے کی اولادوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کے لئے پاکستان نہیں گیا؟''

جان البرٹ نے کہا۔ ''اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ غازی صلاح الدین یہاں آتے ہی زمین جائیداد خریدنے اور یہاں اپنے قدم جمانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر ہندوؤں نے اس کی خریدی ہوئی شکار گاہ کو کرشنا مندر بنانے کا جھگڑا شروع کیا تو وہ مقدمے میں الجھ گیا۔

ایسے وقت یہ انکشاف ہوا کہ شکار گاہ کے تہہ خانے میں بہت بڑا خزانہ چھپا کر رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد ہم نے یقین کی حد تک یہ شبہ کیا کہ تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی نے وہاں خزانہ نہیں، ریڈ مرکری چھپا کر رکھی ہے اور اس کا باپ غازی صلاح الدین اس کی امانت کی حفاظت کر رہا ہے۔''

میرے جاں نثار نے کہا۔ ''لیکن وہ شکار گاہ تو تباہ ہو چکی ہے۔''

''ہاں۔ تھری ایس انتہائی خطرناک حد تک چالاک ہے۔ اس نے کسی طرح اس شکار گاہ کو تباہ کیا ہے اور اس کی تباہی سے پہلے ریڈ مرکری وہاں سے ہٹا کر اس غار کی طرف لے گیا ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ غازی صلاح الدین کا مدفن ہے۔ ہمارے سراغ رسانوں نے دور ہی دور سے اسے اس غار کے اندر جاتے دیکھا تھا۔ پھر کبھی باہر آتے نہیں دیکھا۔''

''شائد وہ کسی دوسرے راستے سے نکل گیا ہوگا۔''

''اس غار سے نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی تک اور آس پاس تقریباً دو سو کلو میٹر تک تہہ خانوں اور سرنگوں کا کھوج لگانے والے ماہرین نے معلوم کیا ہے۔ اس غار کے اندر جانے اور باہر آنے کا بس ایک ہی راستہ ہے۔''

''کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ وہ اندر جا کر کہیں گم ہو گیا ہے اور باہر نہیں آ رہا ہے؟''

''ہاں۔ تین ماہ گزر چکے ہیں۔ یہ چوتھا مہینہ ہے۔ کہتے ہیں، غار میں کوئی تہہ خانہ ہے۔ جہاں وہ جا کر چھپ گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ اب تک باہر نہ آ کر بھوکا پیاسا مر چکا ہوگا۔''

''اگر وہ کسی خفیہ پناہ گاہ میں مر چکا ہے تو کیا ریڈ مرکری وہاں محفوظ ہوگی؟''

''یہی تو فکر و پریشانی ہے۔ وہاں چھپائی گئی ریڈ مرکری محفوظ ہے بھی یا نہیں؟''

''یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ریڈ مرکری وہاں چھپائی گئی ہے؟''

''اگر وہ خطرناک جوہری مادہ وہاں ہے تو تھری ایس کبھی نہ کبھی ادھر ضرور آئے گا۔ اسی لئے وہاں پچاس کلومیٹر کے رقبے تک آرمی اور انٹیلی جنس والوں کا پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔''

''پھر تو وہ کبھی ادھر نہیں جائے گا۔ آپ کتنے برسوں تک پہرہ بٹھائے رکھیں گے؟''

''جب تک یہ معلوم نہیں ہو جائے کہ ریڈ مرکری وہاں نہیں ہے۔ اس نے کسی دوسری جگہ منتقل کر دی ہے۔ اس غار کے سامنے زمین کھود کر سرنگ بنائی جا رہی ہے۔ اگر اس غار کے نیچے کوئی تہہ خانہ ہے تو اس سرنگ کے ذریعے وہاں پہنچا جا سکے گا۔''

''کیا تین مہینوں سے ابھی تک سرنگ کھودی جا رہی ہے؟''

''ماہرین کی رپورٹ ہے کہ جو کھودی ہوئی سرنگ غار کی طرف جا رہی ہے۔ اس طرف بڑی مضبوط چٹانیں ہیں۔ انہیں توڑا نہیں جا سکتا۔ اس لئے راستہ بدل کر سرنگ بنائی جا رہی ہے۔''

''راستہ بدلنے کے بعد آپ غار کے تہہ خانے تک کبھی پہنچ نہیں پائیں گے۔''

جان البرٹ نے کہا۔ ''بیشک۔ ہم یہ سمجھ رہے ہیں۔ لیکن کوشش یہی ہے کہ دوسری طرف سے گھوم کر شاید سرنگ اس تہہ خانے تک پہنچ جائے۔''

''میں اپنے فوٹو گرافر کے ساتھ وہاں جا کر تصویریں لینا اور اس کھودی جانے والی سرنگ کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔''

''اس غار کی اور اس سرنگ کی بیشمار تصویریں ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔ تم اس کی کاپیاں وہاں سے حاصل کر سکتے ہو۔ فی الحال اس غار تک جانے کی کسی کو اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔''

میرے جاں نثار رابرٹ ٹیلر نے پوچھا۔ ''کیا تھری ایس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اور کوئی ذریعہ ہے؟''

''اجمیر شہر میں مشہور و معروف پنڈت دینا ناتھ کی بیٹی نین کنول عرف نینی ہے۔ اس نے تھری ایس کے ساتھ ممبئی سے استنبول تک بحری سفر کیا تھا۔ نینی کے تحریری بیانات بھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں محفوظ ہیں۔ اس کی نقل بھی تمہیں مل جائے گی۔''

''میں اپنے طور پر نینی کا انٹرویو لینا چاہتا ہوں۔ مجھے وہاں جانے اور اس سے ملنے کی اجازت دیں۔ میرا خیال ہے، اس سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہو گی۔''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''بیشک۔ میں تحریری اجازت نامہ دے رہا ہوں۔ تم وہاں جا کر اس کا انٹرویو لے سکتے ہیں۔''

میرے جاں نثار نے فون کی سم بدل کر مجھ سے رابطہ کیا۔ پھر سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے ملاقات کی تفصیل بتائی۔

میں نے نینی کے متعلق سن کر کہا۔ ''ہمارا ایک جاں نثار رحمت ٹرگئے اجمیر شریف میں موجود ہے، دور ہی دور سے نینی کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ بہت ہی وفادار اور جاں نثار عورت ہے۔ میں رابرٹ ٹیلر بن کر خود اس سے ملنے جاؤں گا۔ وہ تنہا اور بے یار و مددگار ہے۔ رحمت ٹرگئے اس کے کام آ رہا ہے۔ میں بھی اس کے مسائل کو سمجھوں گا اور اس کے کام آؤں گا۔''

''آپ وہاں کب تک جانا چاہیں گے؟''

''یعقوب اپنی سالی اور میری بہو کے ساتھ آج رات کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہا ہے۔ میرے جاں نثاروں سے کہو کہ کسی طرح میری بہو کی تصویر اتار کر لائیں۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ کل تک یہ معلوم کرتا رہوں گا کہ بیٹا کامیابی سے یہاں پہنچ گیا ہے اور کسی نئے مسئلے سے دوچار نہیں ہو رہا ہے تو پھر میں پرسوں اجمیر شریف جاؤں گا۔''

فی الحال میرے بیٹے کے ساتھ کوئی نیا مسئلہ پیش آنے والا نہیں تھا۔ اس کا سسر ہوم منسٹر ایشور لال کالی مائی کی بھینٹ چڑھانے کے لئے اسے کسی مندر میں نہیں لے جا سکتا تھا۔ اب اسے اپنے بیٹے کی سلامتی اور واپسی کی فکر تھی۔

دوسرے دن یعقوب ارجن ورما کی حیثیت سے رنجنا کو اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اس کی بہن شکنتلا کی شادی کے انتظامات کرنے تھے۔ شکنتلا کو ایک ذرا شبہ نہیں ہوا کہ وہ اس کا بھائی نہیں ہے، کوئی اور ہے۔ وہ بہت خوش تھی۔ میرا بیٹا وہاں شادی کے معاملات میں مصروف ہو گیا تھا۔

ایشور لال نے یعقوب سے کہا تھا۔ ''میں اپنے بیٹے کی سلامتی سے واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ اگر وہ واپس آئے گا اور اس کا علاج نہیں ہو گا تو ہم اپنے طریقے سے اس کا علاج کریں گے۔ اس کے لئے تمہیں اور رنجنا کو میرے گھر واپس آنا ہو گا۔''

اس ہوم منسٹر کے آدمی بڑی رازداری سے رنجنا اور یعقوب کی نگرانی کر رہے

تھے۔ مقصد یہی تھا کہ منوہر لال پر پھر دورہ پڑے گا تو دیوی کے سامنے رقص کرنے والی رنجنا کے ذریعے یعقوب کی بلی چڑھائی جائے گی۔

میرے جاں نثار بھی غافل رہنے والے نہیں تھے۔ وہ بھی رنجنا اور یعقوب کی نگرانی کر رہے تھے۔ میں اس کی طرف سے فی الحال مطمئن تھا۔ اس لئے دوسرے دن اجمیر شریف پہنچ گیا۔

میں پنڈت دینا ناتھ کی زندگی میں وہاں کئی ماہ تک رہ چکا تھا۔ اس شہر میں وجے کھنہ میرا تابعدار اور جاں نثار تھا۔ اس کا مکان میرے لئے خفیہ پناہ گاہ تھی۔ میں نے وہاں پہنچ کر رابرٹ ٹیلر کا عارضی میک اپ کیا۔ میرا جاں نثار رابرٹ ٹیلر وہاں کے ایک ریسٹ ہاؤس میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ رات کی تاریکی میں میری خفیہ پناہ گاہ میں آیا اور میں وہاں سے نکل کر اس کے ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گیا۔

میں نے یہ طے کیا تھا کہ جب تک واپسی کے سفر میں بڑھاپے سے جوانی کی طرف جاتا رہوں گا اور جب تک یہ یقین نہیں ہوگا کہ جوانی کی منزل تک پہنچ رہا ہوں' تب تک کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں وقت نہیں گزاروں گا۔ کبھی مجبوری کے تحت کسی کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا بھی پڑا تو یہ قسم کھالوں گا کہ اس سے فاصلہ رکھوں گا۔

اس وقت بھی میں نے قسم کھائی کہ نینی سے فاصلہ رکھوں گا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوگا کہ میں اس کا عمیر بن غازی ہوں تو وہ نہیں مانے گی۔ جذبات میں آکر فاصلہ مٹا دے گی۔ لہذا دانشمندی یہ ہوگی کہ خود کو اس پر ظاہر نہ کروں۔

اسے اطلاع دی گئی تھی کہ دی لائٹ کا ایک رپورٹر انٹرویو لینے آرہا ہے۔ میں وقت مقررہ پر پنڈت دینا ناتھ کے مکان میں داخل ہوا۔ اس مکان کا ہر حصہ میرا جانا پہچانا تھا۔ اسے دیکھ کر پرانی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ دینا ناتھ میرے محسن تھے۔ میں نے زیر لب ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔

نینی کچھ بیمار تھی۔ ایک ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ اس کا پیٹ نکل آیا تھا۔ بہت کمزور لگ رہی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو ہماری نظریں چار ہوئیں۔ اسی وقت اس نے ایک گہری سانس لی۔ انداز ایسا ہی تھا' جیسے گمشدہ خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے لمبی سانس کھینچ رہی ہو۔ میں محتاط ہو گیا۔

اس نے بڑی نقاہت سے کہا۔ ''آیئے مسٹر رابرٹ ٹیلر..! میں کوئی مشہور و معروف ہستی نہیں ہوں۔ پھر میرا انٹرویو لینے کیوں آئے ہیں؟''

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''جو تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی کے قریب سے بھی گزر جاتا ہے' وہ ساری دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ تمہارے متعلق یہ مشہور ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزار چکی ہو۔ ممبئی سے استنبول تک اس کے ساتھ بحری سفر کر چکی ہو۔''

''ہاں۔ اس کی سنگت جتنی خوشگوار تھی۔ اس کی جدائی اتنی ہی جان لیوا ثابت ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں میں کبھی اس سے مل پاؤں گی یا نہیں؟''

''خفیہ ایجنسیوں کے جاسوس تمہاری نگرانی کرتے ہوں گی' تمہارا محاسبہ کرتے رہتے ہوں گے؟''

''ہاں۔ ان کا خیال ہے کہ میرا عمیر کبھی چھپ کر مجھ سے ملنے آئے گا۔ میں دعا کرتی رہتی ہوں' وہ کبھی نہ آئے۔ اگر کبھی میری محبت سے اور اپنے فرائض سے مجبور ہو کر آئے تو دشمنوں کی نظروں میں کبھی نہ آئے۔''

''ساری دنیا اسے خطرناک مجرم کہتی ہے۔ تم کیا کہتی ہو؟''

''ساری دنیا اسے مجرم نہیں کہتی۔ یہ خفیہ ایجنسیاں جو بڑے ممالک کی دلال ہیں۔ ان کے لئے کام کرتی رہتی ہیں۔ وہی صرف میرے عمیر کو مجرم کہتی ہیں۔

کوئی ان سے پوچھے کہ عمیر بن غازی نے کیا جرم کیا ہے؟ ان کا کیا بگاڑا ہے؟ اگر اس نے ریڈ مرکری کہیں چھپا کر رکھی ہے تو ایسی ریڈ مرکری روس اور امریکہ کے سائنس دانوں نے بھی چھپا کر رکھی ہے۔

اگر عمیر اس ریڈ مرکری کے ذریعے چین کو یا اپنے ملک پاکستان کو بھی طاقتور بنانا چاہے گا تو اس سے پہلے امریکہ نے یہ جرم کیا ہے کہ اس نے ناخن برابر اسرائیل کو ایٹمی طاقت بنا دیا ہے۔ اپنی جی حضوری کرنے والے ممالک کو جدید اسلحہ اور طیارے فروخت کرتا ہے۔

سپر پاور کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ اگر وہ جرائم کی دنیا کا بادشاہ ہے اور اس کے خوف سے کوئی اس کا محاسبہ نہیں کرتا تو میرا عمیر بھی جرائم کی دنیا کا تاجدار بادشاہ ہے۔ کوئی اس کے تاج کو تو کیا' اس کی جوتیوں کو بھی نہیں چھو سکتا۔''

''تم ایسے سخت الفاظ میں کھل کر بول رہی ہو۔ کیا تمہارا سختی محاسبہ نہیں کیا جاتا ہے؟''

''یہ میرا پہلا انٹرویو ہے۔ میرا نہیں' آپ کا محاسبہ کیا جائے گا۔ آپ کو میری باتیں شائع کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وہ مجھے صرف دھمکیاں دیتے رہیں گے۔ میرا کچھ بگاڑ نہیں پائیں گے۔ کیونکہ میں اکیلی جان ہوں۔ زیادہ سے زیادہ وہ میری جان لے لیں گے۔''

"تمہارا کیا خیال ہے، عمیر بن غازی کبھی تم سے ملنے آئے گا؟"

"میں اس کے اچھے دنوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ مجھے دن رات ایسا لگتا ہے کہ اچھے دن آ رہے ہیں، وہ مجھ سے ملنے آ رہا ہے۔ ابھی تم آئے ہو تو ایسا لگ رہا ہے، جیسے وہ آ گیا ہے۔"

میں پھر محتاط ہو کر ذرا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "سنا ہے، عشق دیوانہ بنا دیتا ہے۔ جہاں دیکھو وہاں محبوب نظر آتا ہے۔ میں رابرٹ ٹیلر ہوں۔ مگر تم مجھ میں اپنے عمیر کو دیکھ رہی ہو۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "ہاں۔ دروازہ ہلتا ہے، ہوا کا جھونکا آتا ہے تو ایسا لگتا ہے، وہ آ گیا ہے۔ کبھی کوئی ملنے آتا ہے تو میں اس میں اپنے عمیر کو ڈھونڈنے لگتی ہوں۔"

میں نے اس کے پیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم عمیر کے بچے کی ماں بن رہی ہو؟"

وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "نہیں۔ مگر دن رات یہی سوچتی رہتی ہوں۔ اپنے ذہن کو، اپنے دل کو یہ کہتی رہتی ہوں کہ یہ ہونے والی اولاد عمیر کی ہے۔ مگر سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں ایک ہندو عورت ہوں۔ ہندو معاشرے میں رہتی ہوں۔ اسے کسی مسلمان کی اولاد نہیں کہہ پاؤں گی اور یہ سچ بھی ہے۔ یہ میرے اُس پتی کی اولاد ہے، جو بہت ہی جھوٹا اور فریبی تھا۔"

"کیا تم نے عمیر سے جسمانی تعلق قائم کیا تھا؟"

یہ تو اس کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "نہیں۔ ایسا کوئی تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔ ایک بار اس نے بڑی محبت سے مجھے گلے لگایا تھا۔ پھر معلوم ہوا، میں حاملہ ہوں تو وہ مجھ سے الگ ہو گیا۔ اس کے بعد پھر اس نے ہمیشہ میرے اور اپنے درمیان فاصلہ ہی رکھا۔"

ایسا کہتے وقت وہ مجھے بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا اور کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

وہ ایزی چیئر پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "کیا میں تم کو چھو سکتی ہوں؟"

یہ ایکدم سے چونکا دینے والا سوال تھا۔ اس کے سوال کے پیچھے معلوم ہو رہا تھا کہ اس کے اندر کھلبلی سی ہے۔ وہ رابرٹ ٹیلر کے بہروپ کے پیچھے مجھے محسوس کر رہی ہے۔ چھو کر خود کو تسلی دینا چاہتی ہے کہ میں دی لائٹ کا رپورٹر ہی ہوں۔ اس کا محبوب نہیں ہوں۔

میں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھے چھونا کیوں چاہتی ہو؟"

وہ مجھے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں تمہارے قریب نہیں آؤں گی۔ ہمارے درمیان فاصلہ ہوگا۔ تم صرف میری طرف ہاتھ بڑھاؤ گے۔ میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھوں گی۔"

"میں نے سنا ہے، تمہارے پتاجی بہت بڑے جیوتش اور انتر گیانی تھے۔ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ماضی حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتایا کرتے تھے۔"

"میرے باپو نے عمیر بن غازی کا ہاتھ نہیں دیکھا تھا۔ پہلے صرف نام سنا تھا اور نام سن کر ہی ان کی جنم کنڈلی بنائی تھی اور یہ پیشگوئی کی تھی کہ عمیر فلاں دن خواجہ معین الدین چشتی کے دربار پر آئیں گے، اس کے بعد ہمارے گھر آئیں گے اور یہی ہوا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا تم نے اپنے باپو سے ہاتھ کی لکیریں پڑھنا سیکھا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ میں ان کی طرح لکیریں پڑھنے میں مہارت نہیں رکھتی ہوں۔ پھر بھی کسی حد تک ہاتھ کی ریکھاؤں کو سمجھ لیتی ہوں۔"

کوئی جیوتشی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر مجھ جیسے چھپے ہوئے آدمی کو نہیں پہچان سکتا۔ اتنا تو جانتا تھا کہ نینی کو اس سلسلے میں مہارت حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے کرسی کھینچ کر ذرا قریب ہو کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ میرا ہاتھ تھام کر چند لمحوں کے لئے ساکت ہو گئی۔ کچھ محسوس کرنے لگی۔ پھر میری ہتھیلی پر ہاتھ پھیر کر آڑھی ترچھی لکیروں کو دیکھنے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھ کو تھام رکھا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ لکیروں کو غور سے دیکھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ لرز رہے ہیں۔

میں نے کہا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم بیمار ہو کمزور ہو۔ پلیز آرام سے لیٹ جاؤ۔"

میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی۔ "شما چاہتی ہوں۔ پانچ منٹ کے لئے اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ابھی آ جاؤں گی۔"

اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں، بدن کانپ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں جا کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں حیرانی سے سوچ رہا تھا۔ "کیا اس نے میرے ہاتھ کو تھام کر لکیروں کو دیکھ کر مجھے پہچان لیا ہے؟

نہیں۔ اگر پہچان لیتی تو ایکدم سے تڑپ کر دیوانہ وار مجھ سے لپٹ جاتی۔ لیکن وہ

اچانک ہی دور کیوں ہوگئی ہے؟ دوسرے کمرے میں کیوں چلی گئی ہے؟"

میرے تجسس نے مجھے بھڑکایا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا اس کمرے کے دروازے تک آیا۔ وہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ نینی بستر پر گری ہوئی تھی اور ایک گاؤ تکیے کو سینے سے لگا کر اسے بھینچ بھینچ کر رو رہی تھی۔

میں دبے قدموں واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اس کا یہ انداز مجھے الجھا رہا تھا یا تو اس نے مجھے پہچان لیا تھا یا پھر میرے ہاتھ کو تھامنے کے بعد اپنے عمیر کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ اب اسے یاد کرکے دوسرے کمرے میں جا کر رو رہی تھی۔

میں اس کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ بڑی بدنصیب تھی۔ ایک تو اس کی شادی نہیں ہوتی تھی۔ جس سے بھی رشتہ ہوتا تھا' وہ شخص مر جاتا تھا۔ پھر میں نے اس کے باپو کی ہدایت کے مطابق اسے اپنا عصاء اور لاوہ انگوٹھی دی تھی۔ تاکہ شادی کے سلسلے میں نحوست دور ہو جائے اور یہی ہوا تھا۔

شادی کے بعد وہ شوہر زندہ رہا تھا۔ لیکن ان کی نیت میں کھوٹ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ میرا عصاء اور انگوٹھی واپس کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک نقلی انگوٹھی اور نقلی عصاء میرے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ ایسے جھوٹ اور فریب کے نتیجے میں اس کا شوہر بے موت مارا گیا تھا۔

وہ بیوہ ہوگئی تھی اور تب ہی سے مجھ سے متاثر ہونے لگی تھی۔ ان دنوں میں اس سے دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس نے دوسری شادی کی۔ وہ شوہر سی آئی اے کا جاسوس تھا۔ اس کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ بحری جہاز میں اس سے ٹکراؤ ہوا۔ وہ مارا گیا۔ لیکن اس کی وجہ سے میں دشمنوں کی گرفت میں آ گیا۔

اس وقت تک نینی میری دیوانی ہوگئی تھی۔ اس نے میری انگوٹھی اور عصاء کی حفاظت کی۔ ان کی حفاظت کرتے ہوئے بڑے مصائب سے گزرتی رہی۔ پھر اس نے ایسے وقت میری امانت مجھ تک پہنچائی' جب میں راڈ مین کی قید میں تقریباً نصف مردہ ہو چکا تھا۔

اس نے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اپنی وفاداریوں سے مجھے جیت لیا تھا۔ وہ میری شریک حیات بننے کے لئے دین اسلام قبول کرنے والی تھی۔ ہم نکاح پڑھانے والے تھے۔ لیکن وہ پھر بدنصیب ثابت ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حاملہ ہے۔ ایسے وقت نکاح نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا پھر ہمارے درمیان دوری پیدا ہوگئی۔

اتنے عرصے تک دور رہنے کے بعد اس نے کچھ سوچا تھا' کچھ فیصلہ کیا تھا اور اب

دوسرے کمرے میں جا کر رو رہی تھی۔ مجھے پا کر بھی نہیں پا رہی تھی۔

وہ تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لئے تھے۔ ایزی چیئر پر بیٹھ کر بولی۔ "کچھ خیال نہ کرو۔ میں دل کا بوجھ ہلکا کرنے گئی تھی۔"

"مجھے انٹرویو کے لئے نہیں آنا چاہئے تھا۔ میری آمد نے تمہیں رُلا دیا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری ایک بات مانو گے؟"

"تم جو کہو گی' وہ مانوں گا۔"

"جب عمیر پہلی ہمارے گھر آئے تھے اور باپو کے ساتھ بھوجن کیا تھا تو اس روز میں نے دال پوری' ٹماٹر کی چٹنی اور دہی کا رائتہ بنایا تھا۔ عمیر نے خوب مزے سے کھایا تھا۔"

وہ بول رہی تھی اور مجھے وہ دن یاد آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "آج بھی میں نے وہی دال پوری' ٹماٹر کی چٹنی اور رائتہ بنایا ہے۔ میں چاہتی ہوں' تم یہاں بھوجن کر کے جاؤ۔ دیکھو انکار نہ کرنا۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "انکار نہیں کروں گا۔ تم جو بھی سامنے رکھو گی۔ وہ ضرور کھاؤں گا۔"

"ہمارے ہاں بھوجن سے پہلے اشنان کرتے ہیں۔ اگر تم اشنان نہ کرنا چاہو تو منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔ سامنے صحن میں نلکا ہے۔"

میں جوتے اور جرابیں اتار کر صحن میں گیا۔ پھر آستینیں چڑھا کر منہ ہاتھ دھو کر اپنے پیروں کو بھی اچھی طرح دھو لیا۔ پھر واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ ایک چھوٹے سے تسلے میں پانی لے کر آئی۔ پھر میرے قدموں کے پاس بیٹھ کر بولی۔ "اپنے پاؤں پانی میں ڈالو۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"پلیز۔ میری بات مان لو۔ کوئی سوال نہ کرو۔"

میں نے دونوں پاؤں اس تسلے کے پانی میں ڈبو دیئے۔ وہ انہیں اپنی ہتھیلیوں سے دھونے لگی۔

میں نے کہا۔ "میں ابھی پاؤں دھو کر آیا ہوں۔"

"جانتی ہوں۔ لیکن تم مہمان ہو۔ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے پاؤں دھو رہی ہوں۔ اب تم آرام سے بیٹھو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

وہ تسلا اٹھا کر وہاں سے جانے لگی۔ میں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ لیکن پوری طرح اوجھل نہیں ہوئی تھی۔ اس کا لہراتا ہوا دوپٹہ

دکھائی دے رہا تھا۔ وہ وہیں رک گئی تھی۔ میرے اندر پھر تجسس پیدا ہوا۔ میں نے فوراً ہی اٹھ کر دبے قدموں چلتے ہوئے دروازے کی طرف آ کر دیکھا۔ وہ صحن میں کھڑی ہوئی تھی' تسلے کو منہ سے لگا کر وہ پانی پی رہی تھی' جس سے میرے پاؤں دھو چکی تھی۔

میں ہکا بکا سا رہ گیا۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ پوری طرح سیراب ہونے کے بعد باقی پانی کو اپنے سر پر ڈالنے لگی۔ عجب دیوانگی تھی۔ عورتیں ایسی دیوانی ہوتی ہوں گی۔ لیکن میں زندگی میں پہلی بار ایسا بھرپور پیار اور ایسی بے مثال عقیدت دیکھ رہا تھا اور متاثر ہو رہا تھا۔

میں دبے قدموں واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ وہ مجھے پہچان گئی ہے۔ لیکن ظاہر نہیں کر رہی ہے.... کیوں ظاہر نہیں کر رہی ہے؟ جبکہ میرے پیار میں پاگل ہو رہی ہے۔ اسے تو تڑپ کر میرے پاس آ کر مجھ سے لپٹ جانا چاہئے تھا۔

لیکن وہ میرے ہی طریقہ کار پر عمل کر رہی تھی۔ میں خود کو اس سے چھپا رہا تھا۔ وہ بھی اپنے اندر کی بات مجھ سے چھپا رہی تھی۔ میری نظروں سے اوجھل ہو کر میرے پاؤں کی دھوون کو اپنے سینے میں' اپنے دل میں اتار رہی تھی۔ اس پریم پجارن نے تو مجھے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر بعد آ کر دستر خوان بچھایا۔ کیونکہ اس نے پانی سر پر ڈالا تھا۔ کپڑے بھیگ گئے تھے۔ اس لئے وہ لباس تبدیل کر کے آئی تھی۔ وہ کھانے کی تھال میرے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ ''ذرا چکھ کر بتاؤ' میں نے کیسا پکایا ہے؟''

میں نے دال پوری کا ایک لقمہ رائتے میں ڈبو کر کھایا۔ پھر چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔ ''بہت ہی مزیدار ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''میں ابھی آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے پلٹ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ دال پوری بہت ہی مزیدار تھی۔ لیکن اس کے پیار کا ذائقہ ایسا تھا' جسے میں محسوس کر رہا تھا اور سحر زدہ ہو رہا تھا۔

اب ایک دوسرے سے چھپنے والی کوئی بات نہیں رہی تھی۔ لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے پہچان کر بھی انجان کیوں بن رہی ہے؟

پھر یہ بھی تجسس تھا کہ اس نے مجھے کیسے پہچانا؟ کیا ہاتھ کی لکیروں سے پہچان گئی ہے؟

نہیں۔ اسے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے میں مہارت حاصل نہیں تھی۔ وہ میرے ہاتھ کو چھو کر بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔ کیونکہ ہمارے درمیان کبھی جسمانی تعلق نہیں رہا تھا۔ ہم نے ایک

دوسرے کو زیادہ ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس کے باوجود وہ مجھے اتنے یقین کے ساتھ پہچان گئی تھی کہ میرے پاؤں دھو کر پانی پی رہی تھی۔

وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا لفافہ تھا۔ وہ میرے سامنے دستر خوان کے دوسری طرف دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔

''تم اپنے میگزین کے لئے عمیر بن غازی کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات کرنے آئے ہو۔''

''ہاں۔ لیکن کچھ اہم چونکا دینے والی معلومات حاصل نہیں ہو رہی ہیں۔''

وہ لفافے سے چند کاغذات نکالتے ہوئے بولی۔ ''اب جو معلومات پیش کر رہی ہوں۔ وہ صرف تمہیں ہی نہیں' ساری دنیا کو چونکا دیں گی۔''

میں کھاتے کھاتے رک گیا۔ پتہ نہیں وہ میرے متعلق کیسا انکشاف کرنے والی تھی؟ ایسی تو کوئی حیران کن بات نہیں تھی' جسے میں نہیں جانتا تھا اور وہ جانتی تھی۔

وہ بولی۔ ''جب میں استنبول سے یہاں واپس آئی تو اپنے عمیر کے متعلق اور بہت کچھ جاننے کی لگن پیدا ہوئی۔ میں نے باپو کی الماری سے یہ لفافہ ڈھونڈ کر نکالا۔ باپو نے عمیر کی جنم کنڈلی بنائی تھی۔ اس میں ایک ایسی بات لکھی ہوئی ہے' جسے پڑھ کر میں حیران رہ گئی۔ اگر یہ باپو کے ہاتھوں کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتی کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''عمیر کے ساتھ کیا ہو رہا ہے یا کیا ہونے والا ہے؟''

''میں ابھی بتا رہی ہوں۔ اسے سننے کے بعد تم فیصلہ کرو کہ اپنے میگزین میں اسے شائع کرنا اور دنیا والوں کے سامنے لانا مناسب ہو گا یا نہیں؟''

''تم مجھے سناؤ۔ پھر ہم دونوں فیصلہ کریں گے کہ کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب ہے؟''

وہ ایک کاغذ اٹھا کر بولی۔ ''باپو نے لکھا ہے' میری جیوتش وِدیا اور میرے گیان کے مطابق عمیر بن غازی اپنی عمر کے ستر یا پچھتر برس کے بعد موت کی طرف نہیں جائے گا۔ وہ زندہ رہے گا اور بڑھاپے سے جوانی کی طرف الٹا سفر کرے گا۔''

میں نے کہا۔ ''ایسا تو کبھی نہیں ہوتا۔ آج تک اس دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ پھر تمہارے باپو نے یہ کیسے لکھ دیا؟''

''میرے باپو مہا گیانی تھے۔ ان کی جیوتش وِدیا کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ تم اس بحث میں نہ پڑو۔ میں جانتی ہوں' یہ سچ ہے اور ایسا ہو رہا ہے۔ عمیر بڑھاپے سے جوانی کے طرف

واپس جارہے ہیں۔"

"تم نے عمیر کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ کیا تم ایسا سمجھتی ہو؟ کیا اس میں جوانی کے آثار پیدا ہو رہے تھے؟"

"جب میں ان سے ملی تھی تو وہ راڈ مین کی قید سے نکل کر آئے تھے۔ بہت بیمار اور کمزور تھے۔ میں تو ان کی صحت مندی اور سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی تھی۔ اس وقت یہ نہیں جانتی تھی کہ باپو یہاں کیا لکھ کر گئے ہیں؟"

اس نے اپنے باپو کی تحریر پڑھتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی بیٹی نینی کو عمیر سے بیاہنا چاہتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ شادی نہیں ہو سکے گی۔ پھر بھی آزما رہا ہوں کہ میری جیوتش ودیا اور میرا گیان کس حد صحیح ہے؟"

نینی نے کاغذ سے نظریں ہٹا کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے درست لکھا ہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے' میں عمیر سے رشتہ ازدواج میں منسلک نہ ہو سکی۔"

وہ پھر اپنے باپو کی تحریر پڑھنے لگی۔ "میری جیوتش ودیا کے مطابق عمیر اگلے آٹھ برس تک کسی عورت سے ازدواجی رشتہ قائم نہیں کر سکے گا۔ ان آٹھ برسوں میں بڑھاپا رفتہ رفتہ ختم ہوتا رہے گا۔ جوانی رفتہ رفتہ نمایاں ہوگی۔ میرے اگلے حساب کے مطابق وہ دسمبر دو ہزار آٹھ میں کسی سے شادی کرے گا۔ تب بڑھاپا رخصت ہو رہا ہوگا اور شادی کامیاب ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "آٹھ برس کا مطلب یہ ہوا کہ عمیر ابھی پچھتر برس کا ہے تو سڑسٹھ برس کی عمر میں شادی کر پائے گا اور اگر ستر برس کا ہے تو باسٹھ برس کی عمر میں پہلی بار جوانی کی توانائی حاصل کرے گا؟ کیا بڑھاپے سے جوانی کے الٹے سفر میں وہ باسٹھ برس کی عمر میں جوان ہو جائے گا؟"

"میں نہیں جانتی۔ جو یہاں لکھا ہے' وہی پڑھ کر سنا رہی ہوں۔"

وہ کاغذ کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔ "میں عمیر کی زندگی کا بہت اہم راز تم کو بتا رہی ہوں اور یہ چاہتی ہوں کہ یہ بات تم اپنے میگزین میں شائع کرو۔ تاکہ عمیر تک یہ بات پہنچے۔ اس نے کہا تھا' میں زچگی سے فارغ ہو جاؤں گی تو وہ مجھ سے شادی کرے گا۔ مگر نہیں کر سکے گا۔ میرے باپو کی پیشگوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ ہم پھر جدا ہو جائیں گے۔ کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور پیش آئے گی۔"

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے' اب عمیر کی زندگی سے

ہمیشہ کے لئے دور چلی جاؤں گی۔ کبھی اس سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی آرزو نہیں کروں گی۔"

"تم نے ایسا فیصلہ کیوں کیا ہے؟"

"اس لئے کہ میں اس سے ہمیشہ کے لئے دور ہونے کے بعد اسے ایک نئی محبت دوں گی۔ میری شادی سے پہلے جس سے بھی رشتہ ہوتا تھا' وہ شخص مرجاتا تھا۔ شادی کے بعد بھی یہی ہوا۔ میرے دو شوہر مر گئے۔ میری زندگی میں آنے والا تیسرا شوہر عمیر ہو سکتا تھا۔ لیکن تقدیر ہمیں ایک دوسرے سے اسی لئے جدا کر رہی ہے کہ عمیر کے مقدر میں ایک طویل زندگی ہے۔ کیا تم یہ تمام باتیں یاد رکھ سکو گے؟ انہیں میگزین میں شائع کرو گے؟"

"تمہاری ایک ایک بات مجھے یاد رہے گی۔ لیکن تم عمیر کی زندگی سے دور ہو جانے کی کوئی ٹھوس وجہ بتاؤ؟"

"ٹھوس وجہ یہی ہے کہ باپو نے میری جنم کنڈلی بنائی ہے' اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ میں سہاگن بننے کے معاملے میں بدنصیب ہوں۔ جس چاہنے والے سے شادی کروں گی' وہ شادی کے کچھ دنوں بعد مر جائے گا اور جس چاہنے والے سے شادی نہیں کروں گی' وہ اپنی طبعی عمر تک زندہ رہے گا اور میں عمیر کو اس کی طبعی عمر تک زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔"

یہ بھی پیار کی انتہا تھی۔ وہ اپنی آتما کی گہرائیوں تک مجھے چاہتی تھی اور میری طویل عمر کی خاطر مجھ سے دور ہو رہی تھی۔

میں کھانا چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"بس پیٹ بھر دیا۔"

میں دسترخوان سے ہاتھ پونچھ کر وہاں اٹھ گیا۔ پھر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ مجھ سے کترانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "نینی! بس بہت ہو چکا۔ تم بہت عظیم عورت ہو۔ تم نے میرے لئے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اب بھی مجھے پالینے کے بجائے' میری طویل عمری کی خاطر مجھ سے دور ہو جانا چاہتی ہو۔ میں تم سے فاصلہ رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن نہیں رکھ سکوں گا۔ تمہارے پیار نے مجبور کر دیا ہے۔"

یہ کہتے ہی میں نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ بلک بلک کر روتے ہوئے بولی۔ "بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں عورت ہوں' مجھے کمزور نہ بناؤ۔ جو کرنا چاہتی ہوں' وہ کرنے دو۔ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ تمہیں طبعی عمر تک زندہ رہنا ہے اور مجھے دور رہ کر

تمہیں زندہ سلامت دیکھنا ہے۔"

"جب یہ طے ہے کہ میں بڑھاپے سے سفر کرتا ہوا جوانی کی منزل تک پہنچوں گا تو اس کا مطلب ہے' میں اتنے عرصے تک زندہ رہوں گا۔تم میرے ساتھ رہو گی تب بھی مجھے موت نہیں آئے گی۔"

وہ ایک جھٹکے سے الگ ہو کر دور ہٹتے ہوئے بولی۔"تم کو خدا کا واسطہ ہے' مجھ سے فاصلہ رکھو۔میں وعدہ کرتی ہوں' دور ہونے کے باوجود تم کو ایسی محبت دوں گی' جیسی آج تک کسی نے نہیں دی ہوگی۔

اگر تم میری بات مان لو گے اور یہاں سے جانے کے بعد پھر مجھ سے کبھی نہیں ملو گے تو میں اچانک تمہاری زندگی میں آؤں گی۔ایک نئے روپ بہروپ میں آؤں گی۔"

میں نے تعجب سے پوچھا۔"تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟ کیا تم کوئی نیا جنم لے کر آنے والی ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ کے مطابق میں ایک بیٹی کو جنم دینے والی ہوں۔وہ سولہ سترہ برس کے بعد جوان ہوگی۔پتہ نہیں' اس وقت تک میں زندہ رہوں گی یا نہیں؟ لیکن بیٹی کے روپ میں تمہارے پاس آؤں گی۔اس وقت تک تم اچھے خاصے جوان ہو جاؤ گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا میری زندگی میں تم نہیں آؤ گی' تمہاری بیٹی آئے گی؟"

"ہاں۔آج میں پچیس برس کی ہوں۔بیس برس کے بعد پینتالیس برس کی بوڑھی ہو جاؤں گی۔تم مجھ سے کم عمر ہو جاؤ گے اور میں تم سے عمر میں زیادہ دکھائی دوں گی۔میری بیٹی تم سے شادی کے قابل ہو جائے گی۔"

اگرچہ میری عمر کا پہیہ الٹا گھوم رہا تھا۔لیکن وہ عجب طرح سے الٹا گھما رہی تھی۔ویسے یہ درست تھا کہ میں جوان ہوتا جاؤں گا' وہ بوڑھی ہوتی جائے گی اور اس کی جگہ اس کی بیٹی شادی کی عمر میں پہنچ جائے گی۔

نیئی نے کہا۔"میری بات پر غور کرو۔ہمارے درمیان کبھی کوئی جسمانی تعلق نہیں رہا۔ہم نے بھول سے بھی کوئی جذباتی غلطی نہیں کی۔میں بالکل پاک اور اچھوتی ہوں۔اپنی بیٹی کا رشتہ تمہیں دینا چاہتی ہوں۔یقین کرو' جو محبتیں میں تمہیں نہ دے سکی' وہ میری بیٹی سے تمہیں

ضرور ملیں گی۔"

"تم بہت ہی بے تکی باتیں کر رہی ہو۔"

"میں وہ باتیں کر رہی ہوں' جو آج تک درست ہوتی آئی ہیں۔اگر تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی ہے تو ابھی خاموش رہو۔بحث نہ کرو۔آگے دیکھتے رہو کہ کیا ہونے والا ہے اور میں اپنے باپو کی وِدیا کے مطابق یقین سے کہتی ہوں' آئندہ بھی ہمارے درمیان رکاوٹیں پیدا ہونے والی ہیں۔ہم کبھی ایک نہیں ہو سکیں گے۔باپو نے لکھا ہے' آٹھ برس کے بعد بھی جب تم کسی سے شادی کرو گے تو وہ مسلمان لڑکی ہوگی۔ایک ہندو ماں کی ہندو بیٹی نہیں ہوگی۔"

"کیا تمہارے باپو نے یہ لکھا ہے کہ میری شادی تمہاری بیٹی سے ہوگی؟"

"باپو نے تمہاری صرف آٹھ برس کی زندگی کا حساب لکھا ہے۔آگے ان کاغذات میں کچھ نہیں ہے۔تم یہ نہیں پوچھو گے کہ میں نے اس بہروپ کے باوجود تمہیں کیسے پہچان لیا؟"

"ہاں۔مجھے بتاؤ' تم نے مجھے کس طرح پہچانا؟"

اس نے لفافے میں سے ایک کاغذ نکالا۔اس میں ایک کھلی ہوئی ہتھیلی بنی ہوئی تھی۔اس پر مقدر کی لکیریں کھینچی گئی تھیں۔اس نے کاغذ کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"یہ تمہارے ہاتھ کی لکیریں ہیں۔باپو نے بنائی ہیں۔اسے اپنی لکیروں سے ملا کر دیکھو۔میں نے ان ہی سے تمہیں پہچانا ہے۔"

"بیشک۔تمہارے باپو مہا گیانی تھے۔انہوں نے جتنی باتیں کہی ہیں' وہ سب درست ہوتی گئی ہیں۔آئندہ بھی وہی ہوگا' جس کی وہ پیشگوئی کر چکے ہیں۔"

ہم وہاں سے اٹھ گئے۔میں نے کرسی پر بیٹھ کر جرابیں اور جوتے پہنتے ہوئے کہا۔"میں پچھلے چار گھنٹے سے یہاں ہوں۔تمہاری نگرانی کرنے والے شبہ کریں گے۔سوال کریں گے کہ میں کتنا لمبا انٹرویو لے رہا ہوں؟ مجھے یہاں سے جانا چاہئے۔"

"تم جاؤ۔مگر وعدہ کرو' مجھ سے دور رہ کر میرا خیال رکھو گے۔اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری بیٹی کو دربدر ہونے نہیں دو گے۔"

"میں تمہاری بیٹی کے لئے ایسے حفاظتی انتظامات کروں گا کہ انشاءاللہ اس پر کبھی آنچ نہیں آئے گی۔لیکن...."

وہ ایک انگلی دکھاتے ہوئے بولی۔"بس آگے کچھ نہ بولو۔مجھے اس بات پر فخر ہے کہ تم بہت طاقتور ہو۔ناقابل شکست ہو۔لیکن تقدیر سے کبھی نہیں لڑ سکو گے۔اور تقدیر یہ ہے کہ میں

رفتہ رفتہ بوڑھی ہوتی جاؤں گی اور تم رفتہ رفتہ جوان ہوتے جاؤ گے۔''

جب میں رخصت ہو کر گھر سے باہر آیا تو میرا سر جھکا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا۔''یہ بڑی خوش آئندہ بات ہے کہ میں بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا ہوں اور آئندہ بھرپور جوانی کے ساتھ زندگی گزاروں گا۔ لیکن اس کا ایک منفی پہلو یہ تھا کہ آج جو لڑکیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ وہ میری موجودہ عمر کے مطابق بیٹیوں' پوتیوں اور نواسیوں کی طرح ہیں۔ لیکن میرے جوان ہونے تک وہ بچیاں نہیں رہیں گی اور میرے جوان ہونے کے بعد جو لڑکیاں پیدا ہوں گی' وہ بچیاں کہلائیں گی اور آج کی بچیاں بیس برس بعد ناچتی تھرکتی اور رومانس کرتی دکھائی دیں گی۔ یوں عمر کا عجیب وغریب چکر چلتا رہے گا۔''

مجھے نینی سے مل کر جتنی خوشی ہوئی تھی۔ اتنا ہی افسوس ہو رہا تھا۔ وہ سچ مچ شادی اور ازدواجی زندگی کے معاملے میں بہت ہی بدنصیب تھی۔ اپنے حالات کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد مجھ سے دور ہو رہی تھی۔

میں نے عارضی میک اپ اتار دیا۔ میرا جاں نثار پھر رابرٹ ٹیلر کا رول ادا کرنے لگا۔ میں دہلی واپس آ گیا۔ وہاں رپورٹ ملی کہ غار کے تہہ خانے تک پہنچنے کے لئے جو سرنگ کھودی جا رہی تھی' اس کا راستہ پہلے تو رک گیا تھا۔ راستے میں ایسی ٹھوس چٹانیں آ گئی تھیں' جنہیں جدید آلات سے توڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے وہ دوسری طرف سے راستہ بنا رہے تھے اور یہ حوصلہ مل رہا تھا کہ کوئی رکاوٹ نہیں آ رہی ہے۔ وہ مزید دو دنوں میں غار کے اس تہہ خانے میں پہنچ جائیں گے۔

میں پریشان ہو کر سوچنے لگا۔'' تہہ خانے میں کیا ہوگا؟ کیا پاپا وہاں زندہ سلامت موجود ہوں گے؟''

میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوچا۔'' کیا وہاں پاپا کی لاش ملے گی؟''

میں نے انکار کی صورت میں سر کو جھٹکا۔ میں ایسی کوئی بات سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ پاپا کے لئے جو محبتیں تھیں' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ زندہ ہیں۔ خدا کی قدرت کو سمجھو تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ پتھروں کے نیچے بھی جہاں کچھ نہیں ہوتا' وہاں کیڑوں کو خوراک مل جاتی ہے۔ میرے پاپا کو بھی کسی طرح کھانا پینا نصیب ہو رہا ہوگا۔ وہ زندہ سلامت ہوں گے۔

میں عشاء کی نماز کے بعد ان کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی خواہش بیان کرنے لگا کہ اس تہہ خانے میں کوئی ایسا خفیہ راستہ نکل آئے' جہاں سے

پاپا باہر نکل کر کہیں چلے گئے ہوں۔

یہ بچکانہ خواہش تھی۔ اگر وہ باہر نکل جاتے' کہیں جا کر روپوش ہو جاتے تو میرے جاں نثار سے فون پر ضرور رابطہ کرتے۔ مجھے تسلی دیتے کہ جہاں بھی ہیں' محفوظ ہیں۔

میں زندگی میں کئی بار موت سے دوچار ہوتا رہا ہوں۔ بڑے ہی بدترین حالات کا سامنا کرتا رہا ہوں۔ لیکن کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا جتنا پاپا کے لئے ہو رہا تھا۔

اس رات میں نے خواب میں انہیں دیکھا۔ پہلے ایک سیدھی ٹھوس چٹانی دیوار دکھائی دی۔ مجھے پاپا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اسم اعظم پڑھ رہے تھے۔''اللہ.....اللہ.....یا اللہ.....''

پھر میں نے دیکھا' اس دیوار میں دروازہ بن گیا تھا۔ پاپا اس دروازے سے گزر کر سامنے آ گئے۔ انہوں نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔''اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے۔ ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو وہ ہزار دروازے کھول دیتا ہے۔''

بس میں نے اتنا ہی خواب دیکھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کلمہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ مجھے آگہی ملی تھی۔ یہ حوصلہ مل رہا تھا کہ پاپا زندہ ہیں۔ میرے پاپا زندہ ہیں۔

دوسرے دن ندا نے کوڈ ورڈز میں کہا کہ میں اسے کال کروں۔ میں نے سم بدل کر رابطہ کیا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔'' حجاب کی طبیعت کیسی ہے؟ وہ ٹھیک تو ہے ناں؟''

وہ روتے ہوئے بولی۔'' ٹھیک نہیں ہے۔ اسی لئے تو آپ کو یاد کر رہی ہوں۔''

'' کیا ڈاکٹر اسے اٹینڈ کر رہے ہیں؟''

'' جی ہاں۔ آپ کے جاں نثار بہت ہی مستعد ہیں۔ فوراً ہی ڈاکٹروں کو پکڑ لاتے ہیں۔''

'' کیا تم اس کے سامنے رو رہی ہو؟''

'' نہیں۔ میں دوسرے کمرے میں ہوں۔''

'' جب ڈاکٹر اسے اٹینڈ کر رہے ہیں تو پھر ایسی کیا بات ہے کہ تم رو رہی ہو؟''

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔'' باجی کی آواز بند ہو گئی ہے۔ وہ بول نہیں پا رہی ہیں۔ پچھلی رات سے کوئی خوراک حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔ میں نے چمچ کے ذریعے انہیں جوس پلایا ہے۔ کل صبح طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ انہوں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ اسے لفافے میں

بند کر کے ایک جاں نثار کو تاکید کی تھی کہ اسے کھولا نہ جائے۔ جتنی جلدی ہو سکے' آپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں' کیا وہ خط آپ کو نہیں ملا؟''

''کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہوگی۔ وہ مجھے مل جائے گا۔ بائی دا وے اُس نے کیا لکھا ہے؟''

''میں نہیں جانتی۔ انہوں نے مجھے وہ خط پڑھنے نہیں دیا۔''

پھر اس نے کہا۔ ''آپ فون بند نہ کریں۔ ڈاکٹر مجھے بلا رہے ہیں۔ میں ابھی بات کرتی ہوں۔''

فون تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر اچانک ہی ندا کی چیخ سنائی دی۔ میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ ندا! کیا بات ہے؟ بولو ندا...!''

مجھے اپنے جاں نثار کی آواز سنائی دی۔ ''سر! سوری ٹو سے... میڈم وفات پا چکی ہیں۔''

میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں نے کہا۔ ''ندا کا خیال رکھو اور آج ہی اسے بہن کی میت کے ساتھ لاہور لے آؤ۔ میں بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔''

اسے علاج کے لئے لندن لے جایا گیا تھا۔ لہٰذا وہاں اس کی تدفین نہیں ہو سکتی تھی۔ میرے جاں نثار اس کی میت کو لاہور پہنچانے کے انتظامات کرنے لگے۔ وہ دوسری صبح وہاں پہنچنے والے تھے۔

میری زندگی میں حجاب نے اتنی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ اس کی وفات پر مجھے فوراً ہی وہاں پہنچنا چاہئے تھا۔ ورنہ حالات ایسے تھے کہ میں انڈیا چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ میرا بیٹا ارجن ورما کے روپ میں مجھ سے ملنے آیا تھا۔ ادھر پاپا نے خواب میں بشارت دی تھی۔ اگرچہ واضح طور پر کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن ان کی باتوں سے یقین ہو گیا تھا کہ وہ زندہ ہیں اور کسی دن' کسی وقت بھی واپس آ سکتے ہیں۔

میں نے پاپا کو اور اپنے بیٹے کو کبھی روبرو نہیں دیکھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہاں ملاقات ہونے کی امید تھی۔ مجھے کہیں جانا نہیں چاہئے تھا۔ لیکن جانا ضروری ہو گیا تھا۔

میں نے جاں نثاروں کو بتایا کہ پاپا کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ زندہ سلامت ہیں۔ ضرور کسی دن نمودار ہوں گے۔ لہٰذا وہ سب ان کی حفاظت کے لئے مستعد رہیں۔

پھر ان سے کہا۔ ''میرا بیٹا یعقوب یہاں ارجن ورما کے بہروپ میں ہے۔ اسے پیغام دو کہ میرا انتظار کرے۔ میں دو چار دنوں میں لاہور سے واپس آ جاؤں گا۔''

میرے ایک جاں نثار نے بڑی ہیرا پھیری سے لاہور جانے والے ایک طیارے میں

میرے لئے سیٹ حاصل کر لی۔ میں نے فون پر ندا سے کہا۔ ''میری ندا رانی! خود کو تنہا نہ سمجھنا۔ میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔''

وہ دس برس کی ایک شوخ و چنچل بچی تھی۔ اس وقت بلک بلک کر رو رہی تھی۔ میں نے اسے تسلیاں دیں۔

میں ائیر پورٹ پر پہنچا تو میرے جاں نثار نے ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ میڈم کا خط ہے۔ لندن سے آیا ہے۔''

یہ وہی خط تھا' جسے حجاب نے لکھا تھا اور جس کا ذکر ندا نے فون پر کیا تھا۔ وہ اب مجھے مل رہا تھا۔

جہاز کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لئے میں نے لفافے کو جیب میں رکھا۔ بورڈنگ کارڈ حاصل کیا۔ پھر طیارے میں آ کر بیٹھ گیا۔

میں نے سیٹ بیلٹ باندھ کر لفافے کو جیب سے نکالا۔ اسے کھولا۔ اس نے جو خط لکھا تھا' وہ دو صفحات پر مشتمل تھا۔ لفافے پر اور خط پر میرا نام نہیں تھا۔

اس نے لکھا تھا۔ ''میں آپ کا نام لکھ کر بڑے پیار سے بڑے جذبے سے آپ کو مخاطب کرنا چاہتی ہوں۔ مگر ایسا نہیں کروں گی۔ یہ خط دشمنوں کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔

میرے محبوب! آپ نے مجھے نئی زندگی دینے کے لئے' میرا علاج کرانے کے لئے انتہا کر دی۔ اپنی دولت پانی کی طرح بہاتے رہے ہیں۔ لندن جیسے مہنگے شہر میں مجھے اور ندا کو شاہانہ انداز میں رکھا ہے۔ میں آپ کی اس محبت کو خدا کے پاس جانے کے بعد بھی بھلا نہیں پاؤں گی۔

ہاں۔ ایسا ہی لگ رہا ہے' جیسے خدا کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ آپ سے بچھڑ جاؤں' میں کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتی ہوں۔

میرے بعد ندا کا کوئی نہیں ہے۔ اوپر خدا ہے' نیچے آپ ہیں۔ آپ کی مجبوری یہ ہے کہ ہمیشہ دشمنوں سے لڑتے رہتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے اور جاں نثاروں نے بھی بتایا ہے کہ ذرا بھی غافل ہوں گے تو دشمن آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

آپ ہمیں لندن بھیجنے کے بعد کبھی ملنے نہیں آئے اور آنا بھی نہیں چاہئے۔ یہ شکایت نہیں کر رہی ہوں۔ آپ کی مجبوریوں کو بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔

مگر سوچتی ہوں' میرے بعد ندا اکیلی کیسے رہے گی؟ ساری زندگی آپ کے جاں نثاروں کی نگرانی میں نہیں رہ سکے گی۔ اسے ایک دن رخصت ہو کر پرائے گھر جانا ہے۔ لیکن وہ

پرایا گھر کیسا ہوگا؟ کیا وہ پرایا شخص اسے ایسی محبتیں دے سکے گا' جیسی آپ مجھے دیتے آئے ہیں؟
نہیں۔آپ جیسا جیون ساتھی کسی خوش نصیب لڑکی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔اگر آپ میری ندا کو خوش نصیب بنانا چاہتے ہیں تو میرے بعد اسے اپنے نکاح میں لے آئیں۔''

یہ پڑھتے ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔نگاہوں کے سامنے ندا آ گئی۔اگرچہ وہ خوبصورت تھی' بہن کی ہم شکل تھی۔مگر دس برس کی بچی تھی۔میں نے کبھی بھول کر بھی اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچا تھا۔

اس وقت یہی بات سمجھ میں آئی کہ حجاب اپنی مسلسل بیماری سے اور بہن کی تنہائی کے خیال سے بہت پریشان ہوگئی ہے۔اسی لئے اس نے ایسی بے تکی بات لکھی ہے۔

میں نے آگے پڑھا۔اس نے لکھا تھا۔''آپ میری یہ بات پڑھ کر مجھے پاگل سمجھیں گے۔اسی لئے ایک بوڑھے سے اپنی کم سن بہن کو منسوب کر رہی ہوں۔نہیں....میں پاگل نہیں ہوں اور آپ بوڑھے نہیں ہیں۔

میں آپ کی زندگی کا وہ راز جانتی ہوں' جسے آپ نے مجھ سے بھی چھپایا ہے۔

جب ہم لاہور میں تھے تو ایک روز آپ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔یہ سمجھ رہے تھے کہ میں ندا کے ساتھ اپنے کمرے میں سو رہی ہوں۔لیکن میں آپ کے لئے بیڈ ٹی بنا کر لا رہی تھی۔ایسے وقت آپ زیر لب دعائیں مانگ رہے تھے۔اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے تھے کہ وہ معبود آپ کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لے جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایسی عنایت ایک بار بی بی زلیخا پر ہوئی تھی۔وہی عنایت آپ پر ہو رہی ہے۔آپ کا بڑھاپا رفتہ رفتہ ختم ہوتا جائے گا اور آپ بھرپور جوان ہوتے چلے جائیں گے۔

یہاں لندن میں بیمار رہتی ہوں۔تنہائی میں سوچتی رہتی ہوں کہ آپ کے قابل نہیں ہوں۔یہ بیماری کبھی ختم نہیں ہوگی۔

میں نہیں جانتی' آپ کا بڑھاپا کتنے دنوں میں یا کتنے مہینوں میں ختم ہوگا؟ لیکن جائے نماز پر آپ کی باتیں سن کر یقین ہوگیا ہے' آپ بی بی زلیخا کی طرح کسی دن بھی جوان ہو سکتے ہیں۔

پھر تو کوئی آپ کو بوڑھا نہیں کہے گا۔ندا چند برسوں میں دیکھتے ہی دیکھتے جوان ہو جائے گی۔

کیا آپ جوان لڑکی کو اپنے جاں نثاروں کی نگرانی میں رکھنا پسند کریں گے یا اس کے مجازی خدا بن کر اسے تحفظ دیں گے؟

مرنے والے کی کوئی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔میں جا رہی ہوں۔بس جانے ہی والی ہوں۔میری آخری خواہش یہی ہے کہ میری ندا رانی کو اپنی شریک حیات بنا لیں۔

یہ خط میری زندگی میں مل جائے تو آپ فون کے ذریعہ جواب دیں۔اگر زندگی نے مجھے مہلت نہ دی تو یہ التجا کرتی ہوں کہ میری آخری خواہش ضرور پوری کریں۔

اور زیادہ نہیں لکھوں گی۔آئندہ دیکھوں گی' اگر مرنے کے بعد روحیں دیکھتی ہیں تو میں دیکھوں گی کہ آپ نے ندا کو اپنا کر سہارا دیا ہے یا نہیں...؟

فقط آپ کی محبوبہ! آپ کی کنیز! آپ کی احسان مند...! خدا کے لئے ایک آخری احسان کر دیں۔''

تحریر ختم ہوگئی۔حجاب بھی ختم ہوگئی۔لیکن میرے سوچنے کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئی۔یہ جو زندگی کا الٹا پہیہ گھوم رہا تھا اور میں واپسی کے سفر میں خوش تھا کہ بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا ہوں تو اس سفر کے دوران کیسے عجیب تماشے شروع ہو رہے تھے؟

اگر آج میں نے کسی بچی کو گود میں کھلایا تو وہ سولہ برس کے بعد جوان ہو کر میری آغوش میں کھیلنے آ جائے گی۔

سوچو تو عجیب سا لگتا ہے۔جبکہ سولہ برس کے بعد وہ بچی نہیں رہے گی۔قانونی طور پر شادی کے قابل ہو جائے گی اور میں جسمانی طور پر بوڑھا نہیں رہوں گا۔کسی بھی جوان لڑکی سے شادی کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔

اور یہی ہو رہا تھا۔نینی نے ابھی اپنی بچی کو جنم نہیں دیا تھا۔اس سے پہلے ہی اسے میری شریک حیات بنانے کی باتیں کر رہی تھی۔اسی طرح ندا ابھی بچی تھی' لیکن آٹھ برس بعد اٹھارہ برس کی ہو کر میری دلہن بن سکتی تھی۔

میں ایسا سوچتے سوچتے چونک گیا۔پنڈت دینا ناتھ سے میرے متعلق جو پیش گوئیاں کی تھیں' ان میں ایک پیش گوئی یہ تھی کہ اگلے آٹھ برسوں تک میری زندگی میں کوئی عورت نہیں آئے گی۔آٹھ برس بعد کسی سے میری شادی ہوگی اور ندا رانی آٹھ برس بعد شادی کے قابل ہونے والی تھی۔

اگرچہ میری واپسی کے سفر میں ایسی باتیں ہو رہی تھیں' جو پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔لیکن ایک بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ میں واقعی بڑھاپے سے جوانی کی طرف جا رہا ہوں۔اب واپسی کے دوران جو تماشے ہوں گے' میں ان کا اہم کردار بنتا رہوں گا۔

☆☆☆

میں نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے پھر ایک بار اپنے پاک وطن کی سرزمین پر قدم رکھا۔

میرے جاں نثاروں کی ایک بڑی تعداد وہاں موجود رہتی تھی۔ میں نے ایک جاں نثار سے حجاب

کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''اُن کی میت لندن سے آچکی ہے۔ آخری رسومات ادا کرنے کے لئے آپ کا انتظار تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''ندا کہاں ہے؟''

میرے دست راست آدم ثانی نے کہا۔ ''وہ میرے گھر میں ہے۔ جب دونوں بہنیں یہاں سے لندن گئی تھیں تو میرے ہی حوالے سے ان کا پاسپورٹ بنوایا گیا تھا۔ پاسپورٹ اور دیگر اہم کاغذات کے مطابق وہ میری چچازاد بہنیں ہیں۔''

حجاب کی میت تدفین کے لئے تیار تھی۔ ایک سرد خانے میں رکھی ہوئی تھی۔ میں نے وہاں پہنچ کر ایک طویل مدت کے بعد اپنی محبوبہ کی صورت دیکھی۔

بیماری نے، پھر موت نے اسے سوکھے ہوئے پھول کی طرح مرجھا دیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی دل سے ایک آہ نکلی۔

آہ....! یہ وہ ہستی تھی، جس سے پہلی بار ٹھوکر نیاز بیگ میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے میرے دشمن بیٹے اور داماد سے جان بچانے کے سلسلے میں میری مدد کی تھی۔ پھر میری محبت بن گئی تھی۔

جب میں نے اسے شریک حیات بنانا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔ صاف کہہ دیا کہ میرے قابل نہیں ہے۔ وہ ایڈز کے مہلک مرض میں مبتلا تھی۔

میں سرد خانے میں کھڑا اسے بڑے جذبے سے دیکھ رہا تھا۔ وہ خود غرض نہیں تھی۔ اپنی بیماری مجھے لگانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے مجھ سے دور کا واسطہ رکھا تھا۔

وہ تقریباً تین برسوں تک لندن میں زیر علاج رہی۔ یہ وعدہ کیا تھا کہ مرض بالکل ختم ہو جائے گا، تو مجھ سے شادی کرے گی۔

حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے.....

میری دلہن بننے والی کو ڈولی میں آنا تھا۔ ڈولی کو دو کہار اٹھا کر لاتے ہیں۔ اب وہ چار کاندھوں پر جانے والی تھی۔

اس نے ایک بار مجھ سے پوچھا تھا۔ ''آپ لندن میں مجھ سے ملنے آئیں گے تو کیسے پہچانوں گی؟ کئی جاں نثار آپ کے ہمشکل ہیں۔ میں دھوکا کھا سکتی ہوں۔''

تب میں نے ایک کاغذ پر اسے کوڈ ورڈز لکھ کر دیئے تھے۔ میں نے ابدی نیند سونے والی سے کہا۔ ''حجاب! میری جان! میں آ گیا ہوں۔ یہاں میرا کوئی ہمشکل نہیں ہے۔ میرے کوڈ ورڈز یاد ہیں ناں...؟

میں نے تمہیں لکھ کر دیا تھا کہ میرا پیار تم پر اُدھار ہے۔ تمہیں صحت یاب ہو کر، میرے پاس آکر پیار کا قرض چکانا ہے۔

اور تم نے کہا تھا۔ ''یہ کوڈ ورڈز میرے دل پر نقش رہیں گے۔ میں صحت یاب ہو کر پیار کا قرض چکاؤں گی۔''

کیا ہوا تمہارا وعدہ...؟ نہ صحت یاب ہوئیں، نہ قرض چکایا۔ چپ چاپ آنکھیں بند کر کے مجھ سے دور جا رہی ہو۔

مگر ہاں۔ پیار کرنے والے ہر حال میں وعدہ پورا کرتے ہیں۔ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے، تم نے وہ قرض بہن کی طرف منتقل کر دیا ہے۔

تمہارا وہ آخری خط معنی و مطلب سے بھرپور ہے۔ ندا تمہاری ہمشکل ہے۔ آئندہ چند برسوں میں دوسری حجاب بن کر ابھرے گی۔ میری نگاہوں کے سامنے تم ہی تم رہو گی۔ آج جا رہی ہو، کل اس کی صورت میں واپس آؤ گی اور مجھے یقین ہوتا رہے گا کہ تم پیار کا قرض چکا رہی ہو۔

میں تمہارے پیار کا یہ انداز کبھی نہیں بھولوں گا۔ تم موت کے بعد بھی میرے لئے زندہ رہو گی۔''

میں نے ندا کو فون پر مخاطب کیا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ''جی جُو! آپ کہاں ہیں؟''

''میں آ گیا ہوں۔ اپنی باجی کی آخری رسومات ادا کرنے دو۔ اس کے بعد سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔''

وہ رو رہی تھی۔ میں نے اسے تسلیاں دینے کے بعد فون بند کر دیا۔ حقیقتاً اس کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ وہ مجھے جی جُو یعنی بہنوئی کہتی تھی۔ مگر حجاب کے آخری خط نے ہمارا رشتہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا، ندا کو کیسے بتاؤں کہ اس کی باجی کی آخری خواہش کیا تھی؟

میرے دست راست آدم ثانی کے دو بیٹے اور بہوئیں تھیں۔ پھر ان کے بچے تھے۔ اس کا گھر رشتے داروں سے بھرا ہوا تھا۔ ندا اس کی چچازاد بہن کے طور پر تھی۔ لندن سے آنے والی بہن کے لئے رہائش کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔

ایک بڑے سے ہال میں مرد حضرات قرآن خوانی میں مصروف تھے۔ ندا عورتوں کے درمیان بیٹھی تلاوت کر رہی تھی۔ آدم ثانی کی بہو نے بتایا کہ میں آ گیا ہوں۔ وہ کلام پاک کو چوم کر اسے غلاف میں رکھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو مجھے

دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

میں اصلی چہرے کے ساتھ نہیں تھا۔لہٰذا اس کے لئے اجنبی تھا۔وہ روتی ہوئی آئی تھی۔ اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا۔''میں تمہارا جی جُو ہوں۔عمیر بن غازی۔''

وہ میری آواز اور لہجہ پہچان رہی تھی۔مگر الجھ رہی تھی۔ ڈوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔''آپ کون ہیں؟میرے جی جُو کی آواز میں بول رہے ہیں۔''

آدم ثانی نے دروازے پر آ کر کہا۔''ندا!ان پر شبہ نہ کرو۔ یہ ہمارے آقا ہیں۔فی الحال بھیس بدل کر رہنے پر مجبور ہیں۔''

میں نے کہا۔''یہاں لاہور میں میرے خاندان کے بیشمار افراد اور تمام خفیہ ایجنسیوں والے میرے چہرے سے مجھے پہچانتے ہیں۔مجھے اسی بہروپ میں رہنا ہوگا۔''

وہ قریب آ کر میرے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔''ابھی تمہارا شبہ دور ہو جائے گا۔''

پھر میں نے آدم ثانی سے کہا۔''تم جاؤ۔ضرورت ہوئی تو تمہیں بلاؤں گا۔''

وہ چلا گیا۔میں نے ندا سے کہا۔''یاد کرو'ایک بار تمہاری باجی نے کہا تھا کہ کئی جاں نثار میرے ہمشکل ہیں۔وہ کسی سے دھوکا کھا سکتی ہے۔لہٰذا میری کوئی خاص پہچان ہونی چاہئے۔''

وہ بولی۔''اور جی جُو نے پہچان کے لئے کوڈ ورڈز لکھ کر دیئے تھے۔وہ کوڈ ورڈز باجی جانتی تھیں یا اب میں جانتی ہوں۔''

''اور میرا کوئی جاں نثار'میرا کوئی ہم شکل نہیں جانتا۔صرف مجھے معلوم ہیں کیونکہ میں عمیر بن غازی ہوں۔''

پھر میں نے کہا۔''کوڈ ورڈز یہ ہیں....میرا پیار تم پر ادھار ہے۔تمہیں صحت یاب ہو کر میرے پاس آ کر پیار کا قرض چکانا ہے۔''

یہ سنتے ہی وہ ایکدم سے تڑپ کر آگے بڑھی'پھر مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔''ہاں۔آپ میرے جی جُو ہیں۔ہائے جی جُو!یہ کیا ہو گیا؟باجی ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ کبھی واپس نہیں آئیں گی۔''

میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔''صبر کرو۔اللہ تعالیٰ دیتا ہے'وہی واپس لے لیتا ہے۔ہم سب کو اُس کی طرف لوٹنا ہے۔ میری حجاب کے لئے'اپنی باجی کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگتی رہو۔''

''میں تو ان کے لئے دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔مگر میرا کیا ہوگا؟میں اتنی بڑی دنیا میں اکیلی کیسے رہوں گی؟''

''تم اکیلی نہیں ہو۔میں ہوں ناں۔''

''آپ ابھی ہیں'ابھی نہیں ہیں۔پھر برسوں کے لئے گم ہو جائیں گے۔کیا آپ کے جاں نثاروں سے'آپ کے سیکورٹی گارڈز سے'آپ کی دولت سے میری تنہائی دور ہو سکے گی؟کیا میں آپ جیسے سرپرست کے بغیر کسی گھر میں اکیلی رہ سکوں گی؟''

وہ ایسے سوالات کر رہی تھی'جن کے جوابات میں فوراً نہیں دے سکتا تھا۔یہ سوچنا سمجھنا تھا کہ وہ کہاں رہے گی؟رفتہ رفتہ جوان ہونے والی لڑکی آخر کس کی سرپرستی میں رہے گی؟

میں ایک جگہ رہ نہیں پاتا۔دشمنوں سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بھاگتا پھرتا ہوں۔وہ میرے ساتھ کیسے رہ سکے گی؟

اس کمرے کے دروازے اور کھڑکی کے پاس عورتیں آ گئی تھیں۔ انہیں یہ تجسس تھا کہ ندا کس بوڑھے کے سینے سے لگ کر رو رہی ہے اور کس رشتے سے لگ رہی ہے؟

اگرچہ وہ جوان نہیں تھی۔ بالکل بچی بھی نہیں تھی۔موجودہ عمر کی مناسبت سے قد نکلا تھا۔اچھی صحت مند تھی۔ جب مجھ سے جدا ہوئی تو دس برس کی تھی۔اب تیرہ برس کی ہو چکی تھی۔بچپن سے لڑکپن کی طرف آ رہی تھی۔

مائیں ایسی عمر میں بچیوں کو احتیاط سے رہنے اور مردوں سے فاصلہ رکھنے کی تاکید کرتی رہتی ہیں۔دروازے اور کھڑکی سے دیکھنے والی عورتیں بھی یہی سوچ رہی ہوں گی کہ میرے اور ندا کے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے۔

آدم ثانی کی آواز سنائی دی۔وہ عورتوں کو ڈانٹ رہا تھا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟تم لوگوں نے یہاں بھیڑ کیوں لگائی ہے؟جاؤ یہاں سے۔''

ایک بوڑھی خاتون نے پوچھا۔''یہ کون ہے؟تمہاری بہن(ندا)سے اس کا کیا رشتہ ہے؟''

''یہ میرے آقا ہیں'بزرگ ہیں۔ سرپرست ہیں۔ آپ عورتیں ہوتی کیا ہیں؟دوسروں کی ٹوہ لینے کے لئے قرآن خوانی چھوڑ کر چلی آئی ہیں۔پلیز جائیں۔میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔ ادھر کوئی نہ آئے۔''

وہ سب چلی گئیں۔میں نے آدم ثانی کو بلا کر کہا۔''تم نے گھر کی عورتوں کو ڈانٹ

ڈپٹ کر ٹال دیا۔ مگر ہم دنیا والوں کی زبان، کیسے بند کریں گے؟ سب ہی پوچھیں گے کہ ندا سے میرا رشتہ کیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''جی ہاں۔ یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ جب تک اس کا حل نہ نکالا جائے' تب تک ندارانی کو آپ سے دور رہنا ہوگا۔''

وہ میرے بازو سے لگ کر بولی۔ ''نہیں۔ میں جی جُو سے دور نہیں رہوں گی۔ باجی نہیں رہیں۔ یہ بھی کہیں دور چلے جائیں گے تو میں مرجاؤں گی۔''

مجھے ان لمحات میں یوں لگا' جیسے حجاب میرے بازو سے لگی ہے۔ کہہ رہی ہے۔ ''میری صورت دیکھو' میں حجاب ہوں۔ قبر میں تو تنہا ہوں۔ کیا دنیا میں بھی تنہا چھوڑ دو گے؟''

میں نے ندا کو دیکھا' وہ حجاب سے مشابہت رکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

میں نے کہا۔ ''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ پھر میرے بازو سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی بند آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

میں نے آدم ثانی سے پوچھا۔ ''کیا میرے موجودہ شناختی کارڈ اور اہم کاغذات تیار ہو چکے ہیں؟''

''کل تک آپ کو تمام اہم کاغذات مل جائیں گے۔ ان کاغذات کے مطابق آپ عاقب محمود کے بڑے بھائی عاطف محمود ہیں۔ وہ چک نمبر دو سو دو کے ایک زمیندار تھے۔ اپنی ساری زمینیں فروخت کر کے لاہور آ گئے ہیں۔''

لاہور میں عاقب محمود میرا دوسرا دست راست تھا۔ اس کا بھائی عاطف محمود واقعی زمینیں فروخت کر کے انڈیا گیا تھا۔ وہاں اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ چونکہ ان بھائیوں کا دور د نزدیک کا کوئی رشتے دار نہیں تھا۔ اس لئے کوئی نہیں جانتا تھا کہ عاطف دیار غیر میں وفات پا چکا ہے۔

میں نے کہا۔ ''عاطف محمود کے نام سے ایک کوٹھی خریدو۔ اسے ویل فرنشڈ کرو۔ میں ندارانی کے ساتھ وہاں رہوں گا۔''

میں نے ندا پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ''کبھی پولیس انکوائری ہو سکتی ہے کہ ہم کس رشتے سے ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں؟''

ندا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ابھی تم کچھ نہ کہو۔ کیا تم جانتی ہو' تمہاری باجی نے مجھے آخری خط میں کیا لکھا تھا؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ میں نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''کمرہ بند کر لو اور اسے پڑھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

میں آدم ثانی کے ساتھ باہر لان میں آ گیا۔ میں نے عاقب اور دوسرے جاں نثاروں کو بھی وہاں بلایا۔ پھر کہا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔ پچھلی بار تھکن اتارنے کے لئے میں نے تھری ایس کی شخصیت کو گم کر دیا تھا۔ عمیر بن غازی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن میرے تین بیٹوں نے دشمنوں سے زیادہ مجھ سے دشمنی کی۔ میں تھکن اتارنا چاہتا تھا' انہوں نے مجھے تھکا مارا۔

بہر حال اس بار تھری ایس کو ہی نہیں' عمیر بن غازی کی شخصیت کو بھی ایک لمبی مدت کے لئے گم کر دینا چاہتا ہوں۔ ہمیشہ کی طرح میری جگہ ٹیپو سنبھالے گا۔''

ٹیپو کا اصل نام حیدر علی تھا۔ وہ اس نام کی مناسبت سے خود کو ٹیپو سلطان کہتا تھا۔

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''بیشک ٹیپو آپ کی طرح ذہین اور حاضر دماغ ہے۔ جب تک آپ عمیر بن غازی بن کر رہے' تب تک وہی تمام معاملات سنبھالتا رہا۔''

دوسرے جاں نثار نے کہا۔ ''آپ انڈیا میں اپنے پاپا کے منتظر تھے۔ ہم سب کو یقین ہے' وہ کسی دن واپس ضرور آئیں گے۔''

سب نے کہا۔ ''خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ آمین''

پھر ایک نے کہا۔ ''کیا آپ ایسے وقت انڈیا میں نہیں ہوں گے؟''

''میں جہاں بھی رہوں گا۔ پہلی فلائٹ سے ان کے پاس پہنچوں گا۔ ٹیپو' رانا کے علاج کے لئے یہاں آیا ہوا ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ فیصل آباد میں ہے۔''

''آج رات اس سے فون پر بات کراؤ۔ ابھی تو یہ مسئلہ حل کرنا ہے کہ میں یہاں ندا کے ساتھ کس رشتے سے رہوں گا؟''

ان سب نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''میری اور اس کی عمر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر بھی اسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔''

ایک نے کہا۔ ''پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔''

میں نے کہا۔ ''ابھی اس کی شادی کی عمر نہیں ہوئی ہے۔''

''کوئی بات نہیں' کورٹ میرج کے فارم میں ندا رانی کی عمر زیادہ لکھ دی جائے گی۔''

''میں نکاح نامے میں جھوٹ اور ہیرا پھیری نہیں چاہتا۔''

آدم ثانی نے کہا۔ ''ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں؟''

''ہاں۔ضرور پوچھو۔''

''کیا آپ کورٹ میرج کے بعد ازدواجی رشتہ قائم کریں گے؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔دو چار برس کے بعد جب وہ بالغ ہوگی' تب ازدواجی تعلقات ہوں گے۔''

''تو پھر دو چار برس کے بعد آپ باقاعدہ نکاح پڑھوائیں۔فی الحال قانونی گرفت سے محفوظ رہنے کے لئے کورٹ میرج کرلیں۔''

یہی مسئلے کا حل تھا۔پہلے نمائشی نکاح ہوتا۔پھر جب وہ شادی کی عمر کو پہنچتی تو شریعت کے مطابق اسے اپنی منکوحہ بنالیتا۔

ویسے یہ مسئلہ موجود رہتا کہ شرعی نکاح سے پہلے وہ نامحرم رہتی۔کورٹ میرج کے کاغذات ہاتھی کے دانت ہوتے۔صرف دکھانے کے لئے....نمائشی بیوی کو برتنے کے لئے نہ ہوتے۔

اس کا سیدھا سا' آسان سا راستہ یہ ہوتا کہ ہم ایک دوسرے سے دور رہتے۔جبکہ ندا مجھ سے دور رہنے والی نہیں تھی اور میں اسے دوسروں کی سرپرستی میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

عاقب نے کہا۔ ''کل کورٹ میرج ہوجائے گی۔آپ اپنی وائف کے ساتھ میری کوٹھی میں آجائیں۔میں وہاں تنہا رہتا ہوں۔پوری کوٹھی آپ کی ہوگی۔''

اپنے جاں نثار کے منہ سے ''وائف'' کا لفظ سن کر عجیب سا لگا۔وہ عمر میں مجھ سے ستاون برس چھوٹی تھی۔آئندہ میری شریک حیات کہلانے والی تھی۔میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوچا۔ ''کیا کرنا چاہئے؟''

میں کیا کرسکتا تھا؟ واپسی کا سفر کہہ رہا تھا' آج وہ چھوٹی ہے۔اب سے چالیس برس بعد وہ پچاس برس کی بوڑھی خاتون ہوگی اور میں تیس برس کا گبرو جوان دکھائی دوں گا۔

عمر کا جو پہیہ الٹا گھوم رہا تھا۔اس کے مطابق وہ ابھی بچی تھی' میں بوڑھا تھا۔بعد میں وہ بوڑھی ہوجائے گی اور اس کے سامنے میں بچہ نہ سہی' جوان کہلاؤں گا۔وہ بیچاری اپنی جوانی سے ہاتھ دھو چکی ہوگی۔

میرے بال سفید تھے۔میں خضاب نہیں لگاتا تھا۔اب سوچا کہ بڑھاپے کی سفیدی ختم کرنی ہوگی۔چہرے کی سرجری ایسے کراؤں گا کہ جوان نظر آتا رہوں۔اس طرح میرے اور اس کے درمیان عمر کا کم سے کم فرق دکھائی دے گا۔ہم دنیا والوں کی تنقیدی نظروں سے اسی طرح محفوظ رہ سکتے تھے۔

میں جاں نثاروں کے درمیان سے اٹھ گیا۔کوٹھی کے اندر ندا کے کمرے میں آیا۔اس نے میری آہٹ پاتے ہی سر پر آنچل رکھ لیا۔نظریں جھکالیں۔

ایسا پہلی بار ہوا۔ورنہ وہ بڑی ہی شوخ اور چنچل تھی۔خود کہیں ہوتی تھی' دوپٹہ کہیں ہوتا تھا۔اس وقت یک لخت بدل گئی تھی۔ایک سلیقہ شعار گھروالی کی طرح مجھے دیکھتے ہی سر کو ڈھانپ لیا تھا۔اس کا یہ انداز بتا رہا تھا کہ اس نے بہن کا خط پڑھ لیا ہے اور مرحومہ کی آخری خواہش کے مطابق سر جھکا رہی ہے۔

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میرے اور اپنے حالات کو سمجھو۔اگر یہ سمجھتی ہو کہ میری زندگی میں حجاب کی کمی پوری کرسکو گی اور میں اس عمر میں تمہارے لئے قابل قبول ہوں تو وہ خط اپنے پاس رکھو ورنہ واپس کردو۔''

وہ چپ بیٹھی رہی۔خط واپس نہیں کیا۔میں نے چور نظروں سے دیکھا' ویسے دیکھنا کیا تھا؟ اگرچہ تیرہ برس کی تھی' مگر بچی ہی تھی۔

میں نے اپنے آپ سے کہا۔ ''نہیں عمیر! اسے بچی ہی رہنے دو۔اس کے بچپن کی شوخیاں' لڑکپن کی معصوم ادائیں اس سے نہ چھینو۔

ابھی یہ لڑکی ہے۔اس کی سوچ میں سنجیدگی نہ لاؤ۔اس کے خوابوں اور خیالوں کو رفتہ رفتہ عمر کے مطابق تبدیل ہونے دو۔

پکوان وہی لذیذ ہوتا ہے' جو دھیمی آنچ پر پکتا رہتا ہے۔اسے قدرتی طور پر پلتے بڑھتے رہنے دو۔''

میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''ندا! ایک بات یاد رکھو۔تم بچی ہو' بچی ہی رہوگی۔پڑھنے لکھنے' کھانے پینے اور ہنسنے کھیلنے کی باتیں کروگی۔فی الحال ہنسنے کو نہیں کہہ رہا ہوں۔ابھی بہن کی جدائی کا غم تازہ ہے۔رفتہ رفتہ صبر آجائے گا۔''

میں نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ''ہم حالات سے مجبور ہوکر دنیا والوں کا منہ بند کرنے کے لئے کورٹ میرج کریں گے۔پھر کوئی اعتراض نہیں کرے گا کہ دن [illegible] کیوں رہتے

ہیں؟ کیا تم یہ مجبوریاں سمجھ رہی ہو؟''

اس نے ہولے سے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ اس پہلو سے مطمئن تھی کہ اب اکیلی نہیں رہے گی۔ اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''جی جُو! آپ میرے ساتھ دن رات رہیں گے۔ مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔''

پھر وہ ذرا ٹھٹک گئی۔ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''کیا مجھے جی جُو کہنا چاہئے؟''

''ہاں۔ جب تک شرعی طور پر میری منکوحہ نہیں بنو گی' مجھے جی جُو کہا کرو۔ اچھا لگتا ہے۔ کورٹ میرج کے بعد یہ بات ذہن سے نکال دینا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور تم پر ایک شوہر مسلط ہو گیا ہے۔ میں پہلے کی طرح تمہارا جی جُو رہوں گا۔ تم میری سالی رہو گی۔ ہمارے درمیان اخلاقی پابندیاں اور فاصلہ رہا کرے گا۔''

''آپ بہت اچھے ہیں۔ ایک بات پوچھوں؟''

''کیا پہلے کبھی پوچھ کر بات کرتی رہی ہو؟ پلیز پہلے جیسی آزاد اور بے باک ندا بن کر رہو۔''

''آپ جو کہیں گے' وہی کروں گی۔ جس طرح چاہیں گے' اسی طرح رہوں گی۔''

''تم کچھ پوچھ رہی تھیں؟''

''وہ... باجی نے خط میں لکھا ہے کہ آپ کی عمر واپس جا رہی ہے۔ پڑھ کر یقین نہیں ہو رہا ہے۔ کیا ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے؟''

''اگر دنیا کی آخری آسمانی کتاب پر ہمارا یقین مستحکم ہے تو ایسا ہماری دنیا میں ہو چکا ہے۔ بی بی زلیخا کو بڑھاپے میں جوانی واپس ملی تھی۔

اس کے بعد صدیاں گزر گئیں۔ پھر کسی کے ساتھ ایسا ہوا یا نہیں؟ میں نہیں جانتا' صرف اتنا جانتا ہوں کہ میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔''

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''تین برس پہلے تم نے دیکھا تھا' ہڈیوں کے ڈھانچے کی طرح تھا۔ اب ایک باڈی بلڈر کی طرح صحت مند ہوں۔

پہلے جو بیماریاں تھیں۔ ان میں سے کچھ ختم ہو گئی ہیں' کچھ ختم ہوتی جا رہی ہیں۔''

وہ بولی۔ ''آپ دشمنوں میں گھرے رہتے ہیں۔ اللہ نہ کرے' کبھی بیمار اور کمزور ہوں۔ میں ہر نماز میں آپ کے لئے دعائیں مانگتی رہوں گی۔''

وہ نظریں جھکائے میرے قدموں کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اب تک مجھے ایک بہنوئی

کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ اب تجسس میں مبتلا تھی کہ اس کی زندگی میں آنے والا شخص عجیب وغریب ہو گیا ہے۔

آئندہ میں اپنی تمام مصروفیات کو ترک کر کے گمنام رہ کر اس کے ساتھ زندگی گزارنے والا تھا۔

☆☆☆

یعقوب کا کام کرنے والے جاں نثاروں نے منوہر لال کو اغوا کر کے اس کے باپ ایشور لال کی کمر جھکا دی تھی۔ اس کی ماں ہیم لتا بیٹے کو ساتھ لئے بغیر انڈیا واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔

اگر وہ نہ جاتی تو یعقوب کا مقصد پورا نہ ہوتا۔ اس نے انڈیا جا کر بخیریت رہنے کے لئے ہی منوہر کو اغوا کرایا تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' ہر اماوس کی رات منوہر لال کو دورہ پڑتا تھا۔ وہ اس قدر پاگل اور جنونی ہو جاتا تھا کہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتا تھا۔ خود کو مار ڈالنے کی کوششیں کرتا تھا۔

کالی مائی کے مہا پجاری نے ایشور لال سے کہا تھا کہ وہ تین نوجوانوں کو کالی مائی کی بھینٹ چڑھائے گا تو اس کے بیٹے کا جنون اور بیماری ختم ہو جائے گی۔ پھر اس پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا۔

تین نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ایشور لال اور ہیم لتا نے رنجنا کو آلہ کار بنایا تھا۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ رنجنا پہلے ایک جوان سے شادی کرے گی۔ پھر اماوس کی رات کالی مائی کے سامنے رقص کرنے کے دوران اس نوجوان کی گردن اڑائے گی۔

پھر اسی طرح دوسری تیسری شادی کرے گی اور ان شوہروں کو بھی ماں بھوانی کی بھینٹ چڑھائے گی۔ اس مقصد کے لئے رنجنا نے پہلی شادی یعقوب سے کی تھی۔

رنجنا کی روداد یہ تھی کہ وہ راضی خوشی ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے بدترین حالات سے مجبور ہو کر یعقوب کو محبت کے جال میں پھانسا تھا۔ لیکن ایک سہاگ رات گزارنے کے بعد وہ اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔

اپنے شوہر کی بلی نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے یہ بھید کھول دیا کہ اگلی اماوس کی رات اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ یعقوب نے بھی یہ بھید کھول دیا کہ وہ ارجن ورما نہیں ہے۔ ایک مسلمان ہے۔ انڈیا جا کر اپنے باپ دادا سے ملنا چاہتا ہے۔

یعقوب نے کہا۔ ''میں نے انڈیا جانے کے لئے ارجن ورما بن کر تمہیں دھوکا دیا۔ تم

نے میری بلی چڑھانے کے لئے مجھ سے شادی کی۔"

رنجنا نے کہا۔ "میں نہیں جانتی تھی' تمہارے بازوؤں میں آتے ہی اپنا تن من سب کچھ ہار جاؤں گی۔ اب تو دھوکے سے تمہاری جان لینے کی بات سوچ بھی نہیں سکتی۔ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے سے پہلے اپنی جان دے دوں گی۔"

"تمہاری سچائی اور وفاداری نے مجھے جیت لیا ہے۔ تم میری ہندو دھرم پتنی ہو۔ کیا مسلمان شریک حیات بن کر رہو گی؟"

وہ راضی ہوگئی۔ ایشور لال آسانی سے راضی ہونے والا نہیں تھا۔ بیٹے کا علاج کرانے کی خاطر تین انسانوں کو ہلاک کرنے کی مکمل تیاریاں کر چکا تھا۔ اگر اسے سمجھایا جاتا کہ ایک بیٹے کا علاج کرنے کی خاطر تین انسانوں کی زندگیوں سے کھیلنا سراسر ظلم ہے تو وہ کبھی نہ مانتا۔ اس لئے اس کے بیٹے کو اغوا کیا گیا تھا۔

ایشور لال کو دھمکی دی گئی کہ کسی بھی انسان کو کالی مائی کی بھینٹ چڑھایا جائے گا تو ادھر اس کے بیٹے کی گردن اڑا دی جائے گی۔

وہ اکلوتا بیٹا ماں باپ کی جان تھا۔ وہ اب یعقوب کو یا کسی اور شخص کو کالی مائی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے تھے۔

انہوں نے اپنے بیٹے کی واپسی چاہی۔ جاں نثاروں نے کہا۔ "ہم تمہارے بیٹے کا علاج کریں گے۔ یہ نارمل ہو جائے گا تو اسے تمہارے پاس بخیریت پہنچا دیں گے۔"

انہوں نے پوچھا۔ "اگر وہ نارمل نہ ہوا تو؟"

"تو واپس نہیں کریں گے۔ کیونکہ تم اس کا علاج کرانے کے لئے پھر انسانوں کے لہو سے کھیلنا چاہو گے۔"

ایک جاں نثار نے کہا۔ "ہم اللہ کے پاک نام سے' اپنے دین کے اور اپنے مضبوط اعتقاد کے مطابق اس کا علاج کرائیں گے۔ انشاء اللہ پھر اس پر کبھی شیطانی دورہ نہیں پڑے گا۔ وہ پہلے کی طرح نارمل ہو جائے گا۔"

وہ ماں باپ گڑگڑانے لگے۔ کہنے لگے۔ "ہمارا بیٹا نارمل ہو یا نہ ہو۔ اسے واپس کردو۔ تاوان کے طور پر بڑی سے بڑی رقم لے لو۔"

"ہمارا ایمان ہے' اس کی یہ بیماری ختم ہو جائے گی۔ آئندہ اماوس کی رات تک انتظار کرو اور اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں۔ ہماری کامیابی

منوہر لال کو تمہارے پاس لائے گی۔"

ایک اور جاں نثار نے کہا۔ "اگر اماوس کی رات تم کسی انسان کو مندر میں لے جا کر ہلاک کرو گے تو تمہیں اپنے بیٹے کی لاش بھی نہیں ملے گی۔ لہٰذا مہا پجاری کے ورغلانے پر ایسی کوئی حماقت نہ کرنا۔"

یہ دھمکی ہی بہت تھی۔ وہ یعقوب کو انڈیا پہنچنے پر حبس بے جا میں نہ رکھتے اور نہ ہی اسے مندر لے جانے کی غلطی کرتے۔ اس طرح یعقوب کے سر سے خطرہ ٹل گیا تھا۔ وہ ہندوستان جا کر خیریت سے رہنے والا تھا۔

ہیم لتا بیٹے کے بغیر انڈیا واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے بیٹے منوہر لال نے سمجھایا۔ "ممی! میری زندگی چاہتی ہیں تو واپس جائیں۔ میں ضرور آؤں گا۔ پلیز میری بہتری کے لئے انڈیا چلی جائیں۔"

دوسرے دن ایک فلائٹ میں بکنگ ہو چکی تھی۔ یعقوب نے جاں نثاروں سے کہا۔ "میں روانگی سے پہلے رنجنا کو شرع محمدیؐ کے مطابق اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہوں۔"

یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ایک جاں نثار نے اپنے اپارٹمنٹ میں نکاح پڑھوانے کے انتظامات کئے۔ یعقوب اور رنجنا نے ہیم لتا سے کہا۔ "ہم شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔ جلد ہی واپس آ جائیں گے۔"

جب وہ واپس آئے تو رنجنا اسلام قبول کر کے یعقوب کی منکوحہ بن چکی تھی۔ رنجنا کا نام مٹ چکا تھا۔ اب اس کا نام صنم یعقوب ہو گیا تھا۔ وہ دین اسلام کے مطابق شرعاً میاں بیوی بن چکے تھے۔

وہ دونوں ہیم لتا اور بھتنی کے ساتھ ہندوستان چلے گئے۔ منوہر لال پیچھے رہ گیا۔ اس کے پیچھے یہ کہانی تھی کہ پچھلے دو ماہ سے ہر اماوس کی رات اس پر دورے پڑنے لگے تھے۔ اس سے پہلے وہ بالکل نارمل اور صحت مند تھا۔

ہندو دھرم میں بیشمار دیوی دیوتا ہیں۔ ان میں سے ایک انتہائی بھیانک صورت والی کالی مائی ہے۔ اس کی پوجا کرنے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے سامنے جانوروں کی گردنیں ماری جائیں تو وہ خوش ہو کر من کی مرادیں پوری کرتی ہے۔ جانور حیوان بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی....اور وہ حیوانوں سے زیادہ انسانوں کی قربانی سے خوش ہوتی ہے۔

ایسا عقیدہ رکھنے والے اور انسانوں کو ہلاک کرنے والے قانون کی نظروں میں مجرم

ہوتے ہیں۔ لہٰذا چھپ کر پوجا کے نام پر واردات کرتے ہیں۔

ہوم منسٹر ایشور لال قانون کا رکھوالا تھا۔ مہا پجاری نے اس کے بیٹے پر کالا جادو کیا تھا۔ بڑی رازداری سے ایسی دوا پلائی تھی کہ اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔

پہلے تو دو چار دنوں تک اس پر روز دورہ پڑتا رہا۔ پھر مہا پجاری نے منتروں کی ذریعے بندش کی۔ جس کے نتیجے میں اس کا دماغی مرض صرف اماوس کی رات تک محدود ہوگیا۔

ایشور لال اس سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے پجاری کے چرنوں کو چھو کر کہا۔ ''آپ نے میرے بیٹے کا مرض کم کردیا ہے۔ اپنی تانترک وِدّیا سے اس کی بیماری بالکل ختم کردیں۔''

پجاری نے کہا۔ ''اماوس کی رات بہت کالی ہوتی ہے۔ اس رات بیمار رہنے والوں کو صرف کالی ماتا ہی تندرستی اور نئی جیون دے سکتی ہے۔ آپ مہا کالی کے بھگت ہیں۔ اگر ماں کے چرنوں میں تین انسانوں کو بھینٹ چڑھائیں گے تو آپ کے بیٹے کی یہ بیماری ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی۔''

ایشور لال نے کہا۔ ''کسی انسان کی ہتھیا قانوناً جرم ہے اور میں ہوم منسٹر ہوں' ایسا نہیں کروں گا۔''

اس نے ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے معروف تجربہ کار ڈاکٹروں سے منوہر کا علاج کرایا۔ پجاری اپنی کالی دیوی کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے منوہر پر کالا جادو کیا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ قانون کا رکھوالا ایشور لال ایک بار اس کی بات مان لے گا' تین انسانوں کو ہلاک کرائے گا تو آئندہ وہ پجاری قانون کی چھاؤں میں مزید انسانوں کو دیوی ماں کی بھینٹ چڑھاتا رہے گا۔

مہا پجاری شیطان کو خوش کرنے اور کالے جادو پر غیر معمولی مہارت حاصل کرنے کے لئے ہوم منسٹر ایشور لال کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہ انسانوں کی گردنیں اڑا کر ہی شیطان سے زبردست کالے پراسرار علوم حاصل کرسکتا تھا۔

وہ اپنے کالے علم سے معلوم کرتا تھا کہ منوہر کا علاج کامیاب ہورہا ہے۔ تب وہ پراسرار منتروں کے ذریعے پھر اس کا دماغ الٹ دیتا تھا۔ ایسے شیطانی عمل کے باعث کامیاب ہونے والا علاج اور دوائیں بے اثر ہوجاتی تھیں۔

آخر ایشور لال تھک ہار کر پھر مہا پجاری کے قدموں میں آکر بولا۔ ''میں اپنے بیٹے کی صحت مندی اور سلامتی چاہتا ہوں۔ اس کے لئے آپ جو بولیں گے' وہ کروں گا۔ لیکن اس

کے بعد بھی میرا بیٹا نارمل نہ ہوا تو آپ کی گردن اڑا دوں گا۔''

مہا پجاری نے منوہر کو دماغی طور پر مریض بنایا تھا اور وہی منتروں کے ذریعے اس کا مرض ختم کرسکتا تھا۔

اس نے کہا۔ ''بیشک۔ آپ میری گردن اڑا سکتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں کرسکیں گے۔ تین جوانوں کا لہو بہتے ہی آپ کا بیٹا پہلے کی طرح بھلا چنگا ہوجائے گا۔ پھر اس پر کبھی دورہ نہیں پڑے گا۔''

وہ قانون کا محافظ ایشور لال راضی ہوگیا۔ مہا پجاری کو معلوم ہوا' لندن سے کسی ارجن ورما کو قربانی کے لئے لایا جارہا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ چند مسلمانوں نے منوہر کو اغوا کرلیا ہے۔ وہ اغوا کرنے والے سختی سے کہہ رہے ہیں کہ کالی مائی کے آگے کسی انسان کو ہلاک نہ کیا جائے۔ وہ مسلمان اپنے طور پر منوہر کا علاج کرنے والے ہیں۔

یہ سنتے ہی مہا پجاری منتر پڑھنے لگا۔ اس نے کالے عمل کے ذریعے اغوا کرنے والوں کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ پھر ایشور لال سے کہا۔ ''اپنے بیٹے کو ان اغوا کرنے والوں کے شکنجے سے کسی طرح نکال کر لائیں۔ نہیں تو وہ دھرم سے جائے گا۔ مسلمان ہوجائے گا۔''

ایشور لال نے کہا۔ ''میں لندن کی پولیس اور سراغ رسانوں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے بیٹے کو اغوا کیا گیا ہے۔ پولیس انہیں تلاش کرے گی تو وہ میرے بیٹے کو مار ڈالیں گے۔ آپ کسی طرح کالے جادو سے ان مجرموں کو نشٹ کردیں۔ میرے بیٹے کو کسی طرح واپس لے آئیں۔''

وہ بولا۔ ''میں ابھی سے کالی پوجا شروع کرتا ہوں۔ منوہر کو اپنے منتروں کے حصار میں لاؤں گا تو وہ ان کے شکنجے سے نکل آئے گا۔''

جاں نثاروں نے ایک جید عالم مولانا عبدالہادی سے گزارش کی تھی کہ وہ منوہر کا روحانی علاج کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ ''مریض کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہونا چاہئے۔''

ایک جاں نثار نے کہا۔ ''وہ مریض ایک ہندو ہے۔''

انہوں نے فرمایا۔ ''دنیا کے تمام مذاہب کے لوگ ایک بڑی اور ناقابل تسخیر قوت کو مانتے ہیں۔ وہ قوت ایک ہے۔ لاشریک ہے۔ نہ وہ کسی سے جنی گئی' نہ اس نے کسی کو جنا۔ وہی سب کا معبود ہے' اسے ہم اللہ کہتے ہیں اور ہندو بھگوان مانتے ہیں۔''

وہ ذرا ٹھہر کر بولے۔ ''اگر اس ہندو کے دل میں یہ کامل یقین ہو کہ جو کچھ ہوتا ہے' اسی معبود کے حکم سے ہوتا ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے' وہی موت دیتا ہے اور وہ کامل قدرت رکھنے والا ہمیں جادو ٹونے اور شیطانی اعمال سے بچاتا ہے تو میں اس ہندو مریض کا علاج کروں گا۔ اللہ نے چاہا تو اسے شفاء حاصل ہوگی۔''

ان کی ہدایات کے مطابق ایک صاف ستھرے کمرے میں سفید چاندنی بچھائی گئی۔ عود وعنبر سے کمرے کو معطر کیا گیا۔ وہ وہاں آکر منوہر کے لئے وظیفہ پڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی آمد سے پہلے ہی سفید اجلی چاندنی میں آگ لگ گئی۔

ایسا خلاف توقع ہوا تھا۔ مولانا عبدالہادی نے آکر جلی ہوئی چادر کو دیکھا۔ وہ عالم دین' تابعین اور صالحین تھے۔ ان پر شیطانی آگ تو کیا' آنچ بھی نہیں آتی تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ شیطانی قوتیں آڑے آرہی ہیں۔

وہ کچھ دیر خلا میں تکتے رہے۔ زیرلب کچھ پڑھتے رہے۔ پھر جاں نثاروں کو ہدایت کی۔ ''سورۃ اخلاص اور آیت الکرسی پڑھتے ہوئے دوسری چادر بچھاؤ۔''

وہ ہدایات پر عمل کرنے لگے۔ ایسے وقت وہ خود چوکھٹ پر کھڑے ہو کر وہی آیات پڑھتے رہے۔ اُجلی چادر دوبارہ بچھائی گئی۔ عود وعنبر کی خوشبو پھر پھیلنے لگی۔

انہوں نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ وہاں آگ تو کیا' ایک چنگاری بھی نہیں اڑی۔ ہلکی سی شیطانی آنچ بھی نہیں آئی۔

انہوں نے کمرے سے باہر آکر سبز بیری کے سات پتے لے کر ان کو پیس کر عرق نکالا۔ پھر پانی میں ملایا۔ منوہر لال نے اسے پیا اور باقی پانی سے غسل کیا۔ اس کے بعد صاف ستھرا اجلا لباس پہن کر کمرے میں آکر ان کے روبرو دوزانو ہوگیا۔

انہوں نے فرمایا۔ ''تمہارا جو بھی نام ہے' جو بھی مذہب ہے' تم ہر حال میں' ہر صورت میں خدا کے بندے ہو۔

جب بیمار ہوتے ہو تو کبھی انگریزی دوائیں کھاتے ہو۔ کبھی دیسی دوائیں اور کبھی جادو ٹونے سے علاج کراتے ہو۔ مرض ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن اپنے عقیدے کے مطابق علاج کے طریقے بدل جاتے ہیں۔

آج سے ہم اپنے دینی اور روحانی طریقوں سے تمہارا علاج کریں گے۔ شفاء دینے والا صرف اللہ ہی ہے۔

کیا تم شفاء پانے کے لئے کچھ عرصے تک دل میں یہ یقین کامل رکھو گے کہ اللہ کے پاک نام سے جو علاج کیا جارہا ہے' اس سے شفاء پاؤ گے اور تمہیں ایک نئی صحت مند زندگی حاصل ہوگی؟''

منوہر لال نے سر جھکا کر کہا۔ ''زندگی ہے تو مذہب اور دھرم ہے۔ دین ہے' دنیا ہے۔ خدا ہے' بھگوان ہے۔ دنیا میں طرح طرح کے گورکھ دھندے ہیں۔ ہم نہیں ہیں تو کچھ نہیں ہے۔ موت ہمیں گونگا' بہرہ' اندھا اور بے حس بنا کر سارے معاملات سے بے نیاز کردیتی ہے۔

میرے سر میں جو جنون سا جاتا ہے' اس سے چھٹکارہ پانے کے لئے وہ سب کچھ کروں گا' جو آپ کہتے رہیں گے۔

میرے لئے وہی علاج' وہی دھرم' وہی دین اہم ہے' جو مجھے دماغی طور پر صحت مند زندگی دے گا۔ آپ فرمائیں' مجھے کیا کرنا ہے؟''

انہوں نے پوچھا۔ ''سنا ہے' اماوس کی رات تم پر دورہ پڑتا ہے؟''

وہ بڑے دکھ سے بولا۔ ''جی ہاں۔ میں بہت بدنصیب ہوں۔''

''اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ نصیب بدلتا ہے۔ آج سے چھ دنوں کے بعد اماوس کی رات ہے۔ اگر صرف سات دنوں تک میری ہدایات کے مطابق پاک صاف رہو گے' کھانے پینے کی حرام شے کو منہ نہیں لگاؤ گے۔ جو کہوں گا' وہ کرتے رہو گے تو انشاء اللہ شفاء پاؤ گے۔''

''آپ میری بہتری چاہتے ہیں۔ میں سات دنوں تک آپ کی ہدایات پر عمل کرتا رہوں گا۔''

''تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم پر جادو کیا گیا ہے اور جادو سراسر شیطانی عمل ہے۔ لہٰذا میرے ساتھ پڑھو۔''

وہ ان کے ساتھ پڑھنے لگا۔ ''میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اور شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

مولانا نے فرمایا۔ ''میں تمہارا دھرم بدلنا نہیں چاہتا۔ علاج ہونے اور شفاء پانے تک دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدت اور پاکیزگی کا اعتراف ہمارے دین کے مطابق کرو۔ اٹھو اور میرے شانہ بشانہ کھڑے ہو جاؤ۔''

مولانا عبدالہادی جائے نماز پر تھے۔ وہ ان کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔

انہوں نے سمجھایا۔ ''ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس کے روبرو ادب سے

کھڑے ہوتے ہیں۔ اس معبود کے آگے جھکتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ تم میرے ساتھ یہی کرتے رہو۔ سارا دھیان اللہ کی طرف رکھو۔ اس دوران مجھے نہ دیکھو۔ اللہ کے سامنے سر جھکائے رکھو۔

اپنے دل میں اور دماغ میں اس یقین کو مستحکم کرتے رہو کہ اللہ کے سامنے ہو اور وہ تمہاری دکھ بیماری دور کرنے والا ہے۔"

یہ سمجھانے کے بعد وہ نماز پڑھنے لگے۔ منوہر نے ان کی طرح دونوں ہاتھ ناف کے پاس رکھے، سر کو جھکا لیا اور دل ہی دل میں اس یقین کو دہراتا رہا کہ وہ اللہ کے سامنے ہے اور اسے شفاء ملنے والی ہے۔

وہ مولانا کے ساتھ رکوع میں جاتا رہا اور سجدے کرتا رہا۔ ایسے ہی وقت دروازے اور کھڑکی کے پٹ لرزنے لگے۔ باہر اچانک ہی ہوا تیز آندھی کی طرح چلنے لگی تھی۔

سات سمندر پار مہا پجاری روحانی طرز عمل کا توڑ کر رہا تھا۔ اس کے منتر آندھی کی زبان سے گونج رہے تھے۔ وہ بند دروازے اور کھڑکیاں کو توڑ کر اندر آنا چاہتے تھے۔

مولانا نے دو رکعت ادا کرنے کے بعد منوہر سے کہا۔ "بیٹے! پریشان نہ ہونا۔ باہر شیطان در و دیوار سے سر پھوڑ رہا ہے۔ تم نے تھوڑی دیر پہلے یہ پڑھا تھا کہ شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہو۔ بے شک۔ اللہ قادر مطلق ہے۔ تمہیں پناہ مل رہی ہے۔"

وہ پھر نماز کے لئے اٹھ گئے۔ اب منوہر کے یقین میں پختگی آ رہی تھی۔ وہ بڑے صدق دل سے ان کے ساتھ نماز ادا کرنے لگا۔

اگرچہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ نماز پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ نماز اس کے لئے ایک طریقہ علاج تھی۔ انسان خواہ بے دین ہو یا دیندار ہو۔ اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کا ذریعہ صرف نماز ہی ہے۔

باہر موسم معمول کے مطابق تھا۔ نہ آندھی تھی، نہ ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ صرف دروازے اور کھڑکی کے پٹ اتنی شدت سے ہل رہے تھے، جیسے انہیں توڑ کر بلائیں اندر آ جائیں گی اور وہ بلائیں بڑی ہی بھیانک آوازیں نکال رہی تھیں۔ کوئی دوسرا انہیں نہ تو سن رہا تھا، نہ ہی دروازے اور کھڑکیوں کو لرزتے دیکھ رہا تھا۔ وہ محض کالے جادو کی گیدڑ بھپکیاں تھیں۔

منوہر لال نے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ان کے ساتھ ادا کیں۔ اس کے بعد مولانا کلام پاک کی تلاوت کرنے لگے تو منوہر لال پر وجد طاری ہونے لگا۔ اس پر ایسی بے خودی

طاری ہوئی کہ بے اختیار اس کی زبان اللہ اللہ کرنے لگی۔

اس رات کھانے کے بعد مولانا باہر چلے گئے۔ وہ اسی کمرے میں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک "اللہ اللہ" کی صدا ایک لوری کی طرح اسے تھپکتی رہی۔ پھر وہ گہری نیند سو گیا۔

جب سے اس پر دورہ پڑنے لگا تھا، تب سے وہ نارمل رہنے کے دوران بھی بے چینی سی محسوس کرتا رہتا تھا۔ راتوں کو کروٹیں بدلتے بدلتے آدھی نیند سوتا تھا۔ اس رات اللہ اللہ کرتے رہنے کے بعد گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔

اس نے رات کے پچھلے پہر خواب میں مہا پجاری کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مورکھ! پچھتائے گا۔ تُو اور تیرا سارا پریوار کالی ماتا کا بھگت ہے۔ بول! جے ماتا کی.... جے ماتا کی...."

منوہر نے محسوس کیا، اس کے اندر سے آواز نکل رہی تھی۔ "اللہ اللہ.... یا اللہ....!"

مہا پجاری کے آگے الاؤ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس نے غصے سے ایک مٹھی میں سفوف لے کر الاؤ میں پھینکا۔ شعلے اور زیادہ بھڑکنے لگے۔ وہ گرجدار آواز میں بولا۔ "نہیں۔ یہ کیا نام لے رہا ہے؟ بول! جے ماتا کی.... جے ماتا کی...."

وہ گرج رہا تھا اور اللہ اللہ کی دھیمی دھیمی سی صدا اس کے منتروں پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر منتر پڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "وہ تیرے سرہانے بیٹھا ہوا ہے۔ میرے منتروں کو پانی کر رہا ہے۔ اسے بھگا دے۔ تیرا کلیان ہوگا۔ ماں بھوانی تیری بیماری دور کر دے گی۔ ایک بار منہ سے بول! جے ماتا کی.... جے ماتا کی.... وہ بھاگ جائے گا۔ ایک بار اپنی زبان سے بول! جے بھوانی.... جے ماتا کی۔"

وہ خواب کی اسکرین پر دیکھ رہا تھا۔ آسمان پر کڑکتی ہوئی بجلی نے کہا۔ "یا اللہ....!"

ایسی کڑکتی ہوئی بجلی تھی کہ منوہر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا، مولانا اس کے سرہانے بیٹھے اسم اعظم پڑھ رہے تھے۔ "اللہ.. اللہ.... یا اللہ!"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے یاد آیا، مہا پجاری خواب میں کہہ رہا تھا، وہ تیرے سرہانے بیٹھا ہے۔ میرے منتروں کو پانی کر رہا ہے۔ اسے بھگا دے۔

آنکھ کھلتے ہی پجاری بھاگ گیا تھا۔ مولانا سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "غسل خانے میں جاؤ۔ آدھے گھنٹے میں واپس آؤ۔ فجر کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔"

اس خواب نے منوہر کو سمجھا دیا کہ مہا پجاری اس کے علاج میں رکاوٹیں پیدا

کررہا ہے۔ جبکہ وہ پہلے ہی دن روحانی علاج کے طریقہ کار سے متاثر ہوگیا تھا اور تاثر ایسا تھا کہ وہ چپ رہتا تھا' تب بھی اپنے اندر اللہ اللہ کی دھیمی دھیمی سی آوازیں سنتا رہتا تھا۔

دوسرے دن سے مولانا عبدالہادی صرف نماز پڑھنے کے لئے پانچوں وقت آتے رہے۔ اسے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یاد کراتے رہے۔

انہوں نے ہدایت کی اور کہا۔ ''دن رات یہ سورتیں پڑھتے رہو' اللہ سے لو لگاتے رہو اور یہ مستحکم یقین رکھو کہ کالے جادو سے صرف اللہ ہی نجات دلائے گا۔''

وہ مولانا کی غیر موجودگی میں ان سورتوں کو پڑھتا رہتا تھا۔ کھانے پینے اور آرام سے لیٹتے وقت دل ہی دل میں اللہ اللہ کرتا رہتا تھا۔ یوں چھ دن گزر گئے۔ شام کے بعد اماوس کی تاریکی چھا گئی۔ تاریکی پھیلتے ہی منوہر نے کہا۔ ''میرا دل گھبرا رہا ہے۔''

مولانا نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''میرے ساتھ ساتھ پوری لگن سے سورتیں پڑھتے رہو۔ مہا پجاری کے شیطانی عمل کے متعلق نہ سوچو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں قوت اور غلبہ دے گا۔''

وہ مولانا کے ساتھ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھنے لگا۔ اسے اپنے اندر دھیمے دھیمے سے منتر سنائی دے رہے تھے۔ ان پر بابرکت سورتوں کے دعائیہ فقرے حاوی ہونے لگے۔ مکھیوں کی طرح بھنبھنانے والے منتر نابود ہونے لگے۔

مولانا عبدالہادی اس رات کی صبح تک منوہر کے ساتھ رہنے والے تھے۔ یہ صحبت اسے حوصلہ دے رہی تھی۔ اس کے اندر ہر اماوس کی رات کی طرح جنون پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ کلام پاک کی آیات پر اعتماد مستحکم ہوگیا تھا۔

وہ مہا پجاری کو اور ساری دنیا کو بھول کر اونچی آواز میں ان سورتوں کو پڑھ رہا تھا۔ ایسا گہرا انہماک تھا کہ اسے بھیانک آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ دوسرے کمروں میں عبادت کرنے والے جاں نثار مہا پجاری کے منتروں کی اور چڑیلوں کی آوازیں سن رہے تھے۔

جس کمرے میں منوہر لال مولانا کے ساتھ تھا۔ اس کمرے کی کھڑکی اور دروازے کے پٹ لرز رہے تھے۔ ان کے لرزنے میں ایسی شدت تھی' جیسے وہ اب تب میں ٹوٹ جائیں گے اور بلائیں اندر جا کر منوہر کو دبوچ لیں گی۔

منوہر کمرے کے اندر مولانا کے شانہ بشانہ قبلہ رو بیٹھا ہوا تھا۔ اماوس کی رات اسے مضبوط رسوں سے باندھا جاتا تھا۔ تاکہ وہ جنون میں مبتلا ہو کر دیواروں سے سر نہ پھوڑے اور خود

کشی کی کوشش نہ کرے۔

اس رات نہ بلائیں اندر آ رہی تھیں' نہ منتر اُسے چھو رہے تھے۔ مولانا نے ایمان اور اللہ پر اعتماد قائم رہنے والی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ شیطانی منتر اور بلائیں اس دیوار سے ٹکرا رہی تھیں۔ منوہر تک پہنچ نہیں پا رہی تھیں۔

شیطان اپنی ضد سے کبھی باز نہیں آتا۔ آدھی رات کے بعد پراسرار منتروں میں شدت پیدا ہوگئی۔ شیطانی حملے خطرناک ہو گئے۔ منوہر کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے مولانا کی آغوش میں ڈھلک گیا۔

انہوں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ ''بیٹے! ہرگز نہ گھبرانا۔ سورتیں پڑھتے رہو۔''

وہ لرزتے ہوئے اونچی آواز میں پڑھنے لگا۔ اللہ کے کلام پر اس کا اعتماد اور اعتقاد مستحکم ہو چکا تھا۔ وہ شیطانی حملے کو نظر انداز کر کے نہایت خشوع و خضوع سے پڑھ رہا تھا۔

سیدنا حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ''نبی کریمؐ کے پاس ایک شخص آیا جو اکثر جنون میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ آپؐ نے اسے اپنے سامنے بٹھایا پھر سورۃ الفاتحہ' سورۃ البقرہ کی ابتدائی چار آیات اور آخری تین آیات اور آیت ایک سو تریسٹھ' آیت الکرسی' سورۃ آل عمران آیت اٹھارہ' سورۃ الاعراف آیت چوّن' سورۃ المومنون آیت ایک سو سولہ' سورۃ الصفت کی ابتدائی دس آیات' سورۃ الحشر کی آخری تین آیات' سورۃ الجن آیت تین' سورۃ الاخلاص اور معوذتین پڑھ کر اس شخص پر دم کیا تو اس پر طاری ہونے والا جنون ایسے ختم ہوگیا' جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔''

مولانا عبدالہادی مذکورہ بالا تمام آیات پڑھتے رہے اور منوہر پر دم کرتے رہے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے مکمل طور پر سنبھل گیا۔ اس پر رات چار بجے تک گہری نیند طاری ہوگئی۔ پھر مولانا نے اسے فجر کی نماز سے پہلے جگایا۔ اس نے بیدار ہو کر خود کو یوں تازہ دم محسوس کیا' جیسے کبھی کسی جنون میں اور دماغی اذیتوں میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔

اس نے فجر کی نماز کے بعد مولانا سے کہا۔ ''پہلے مجھ پر ایک بوجھ سا تھا' اب بہت ہی ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا ہوں۔ میں حیران ہوں۔ اماوس کی رات گزر چکی ہے ناں؟''

مولانا نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ ایک شیطانی رات گزر چکی ہے۔ تم پر بہت معمولی سا حملہ ہوا تھا۔ تم میری آغوش میں آ گرے۔ کالے جادو کے باقی تمام حملے ناکام رہے۔''

"مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ایک بار بھی مجھ پر جنون طاری نہیں ہوا۔ پہلے تو ایسی رات گزرتے ہی میں تھک ہار کر گر پڑتا تھا۔ بیہوش ہوجاتا تھا۔ آج تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ خوش ہورہا تھا۔ مولانا اسے کمرے سے باہر لے آئے۔ وہ ایک ایک جاں نثار سے گلے مل کر ان کا شکریہ ادا کررہا تھا۔

ایک جاں نثار نے مولانا سے پوچھا۔ "کیا یہ اپنے گھر واپس جاسکتا ہے؟"

انہوں نے منوہر سے کہا۔ "تمہیں کوئی بیماری نہیں ہے۔ تم پر کالا جادو کیا گیا ہے۔ جادو کرنے والے وہی لوگ ہیں' جو اپنی کالی مائی کے آگے انسانوں کی بلی دینا چاہتے ہیں۔"

منوہر نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا۔ "وہ میرے علاج کی خاطر تین انسانوں کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ مہا پجاری ایک خطرناک جادوگر ہے۔"

"پھر تو وہی کل رات تم پر حملے کرتا رہا تھا۔ یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم اس کے کالے منتروں کے اثر سے نکل جاؤ۔ وہ ہمارے روحانی علاج کو بے اثر کرنے کے سلسلے میں ناکام ہوچکا ہے۔"

انہوں نے ذرا توقف سے کہا۔ "چور چوری نہ کرسکے تو ہیرا پھیری کرتا ہے۔ وہ ناکام ہونے کے بعد میری عدم موجودگی میں تم پر حملے کرے گا۔ پھر تمہیں جنون میں مبتلا کرنا چاہے گا۔ تم آئندہ کسی وقت بھی اس کے شیطانی حملے کی زد میں آسکتے ہو۔ فی الحال تمہیں انڈیا نہیں جانا چاہئے۔ پھر یہ کہ ایک اماوس کی رات گزری ہے۔ تمہیں دوسری رات بھی یہاں میرے ساتھ گزارنا چاہئے اور جیسا کہ میں نے سمجھایا ہے' تمہیں دن رات معوذتین پڑھتے رہنا چاہئے۔"

منوہر نے کہا۔ "میں آپ کی تمام ہدایات پر عمل کرتا رہوں گا۔ ایک ماہ کے بعد پھر اماوس کی رات ہے۔ میں اس رات بھی اللہ کی پناہ میں اور آپ کے سائے میں رہنا چاہتا ہوں۔"

ایک جاں نثار نے کہا۔ "یہی تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ تم یہاں کالے جادو سے محفوظ رہوگے۔"

دوسرے نے کہا۔ "اپنے ماتا پتا سے فون پر بات کرو۔ انہیں دلی اطمینان حاصل ہونا چاہئے کہ تم اماوس کی بھیانک رات سے بخیریت گزر چکے ہو۔"

اس کی ماں ہیم لتا اور باپ ایشور لال دونوں ہی اس کے لئے پریشان تھے۔ انہوں نے خود ہی بیٹے سے فون پر رابطہ کیا۔ اس کی آواز سن کر کہا۔ "بھگوان کا شکر ہے۔ ہم تمہاری آواز سن رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے' تم ہوش و حواس میں ہو۔ ہمارے حساب سے لندن میں ابھی

اماوس کی رات گزری ہے اور صبح ہوگئی ہے۔"

وہ بولا۔ "یس ڈیڈ! وہ بھیانک رات گزر چکی ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مجھ پر دورہ نہیں پڑا۔ ایک ذرا سا بھی جنون میں مبتلا نہیں ہوا۔ میں بہت خوش ہوں۔"

ماں نے کہا۔ "تم اللہ کا نام لے رہے ہو۔ تمہیں بھگوان کا شکر ادا کرنا چاہئے۔"

اس نے کہا۔ "وہ اللہ ہی آپ کا بھگوان ہے۔ الگ الگ مذہب ہیں' الگ الگ نام ہیں۔ مگر ذات تو وہی ایک ہے اور لاشریک ہے۔ بس ایک اہم فرق ہے کہ کوئی دیوی اور دیوتا اللہ کا شریک نہیں ہے۔"

ایشور لال نے کہا۔ "بیٹے! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں رہو۔ اپنے دیوی دیوتا کا اپمان نہ کرو۔"

"میں گستاخ نہیں ہوں۔ اپنے دھرم کی دیوی اور دیوتاؤں کا اپمان نہیں کررہا ہوں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ جس اللہ نے مجھے مہا پجاری کے کالے جادو سے بچایا ہے' وہ ایک ہے' لاشریک ہے' اپنے کارخانۂ قدرت کو چلانے کے لئے کسی دیوی دیوتا کے تعاون کا محتاج نہیں ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ تمہیں مہا پجاری کے جادو سے بچایا گیا ہے؟"

"میں درست کہہ رہا ہوں۔ اس نے دیوی ماں کے چرنوں میں انسانوں کی ہتھیا کرنے کے لئے مجھے دماغی مریض بنایا ہے۔ آپ قانون کے رکھوالے ہیں۔ اس ہتھیارے شیطان کو گرفتار کریں۔ عدالت میں پیش کرکے اسے موت کی سزا دلائیں۔"

"تم وہاں مسلمانوں کے ساتھ رہ کر ان کی زبان بول رہے ہو۔"

"جو سچ ہے' وہ بول رہا ہوں۔ مہا پجاری نہیں چاہتا کہ میرا علاج ہوجائے۔ میرے سر سے جنون ختم ہوگا تو وہ دیوی ماں کو خوش کرنے کے لئے انسانوں کی ہتھیا نہیں کرسکے گا۔"

"بیٹے! تم بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔ یہاں آؤ اور اپنے دھرم میں رہو۔ میری اُن سے بات کراؤ۔ انہوں نے کہا تھا' تمہارا علاج ہوجائے گا تو وہ تمہیں میرے پاس بھیج دیں گے۔"

"بیشک۔ علاج کامیاب ہوا ہے۔ مگر شائد مکمل نہیں ہوا۔ مہا پجاری پھر مجھ پر حملے کرسکتا ہے۔ میں اگلی اماوس کی رات تک یہاں رہوں گا۔ جب یہ یقین ہوجائے گا کہ اللہ نے مجھے مکمل شفاء دے دی ہے تو آپ کے پاس آجاؤں گا۔"

"تم بار بار اللہ کا نام کیوں لے رہے ہو؟ کیا اپنے بھگوان کو بھول گئے ہو؟"

"بھولا نہیں ہوں۔ اللہ' ایشور ایک ہی نام۔ اللہ کہو یا رام رام..... یہاں اللہ کا نام لے

رہا ہوں۔ کیونکہ پچھلی تمام رات شیطان مردُود سے پناہ ملتی رہی ہے۔''

ہیم لتا نے اپنے پتی سے کہا۔ ''ہمارا بیٹا بدل گیا ہے۔ اغوا کرنے والے لاکھوں کروڑوں روپے وصول کرتے ہیں یا جسے اغوا کرتے ہیں' اس کی جان لے لیتے ہیں۔ مگر یہ مسلمان تو نہ بھاری رقم مانگ رہے ہیں' نہ بیٹے کو جان سے مار رہے ہیں۔ اس کا دھرم چھین رہے ہیں۔ اسے مسلمان بنا رہے ہیں۔''

منوہر نے کہا۔ ''ممی! آپ ان مسلمانوں کو غلط نہ سمجھیں۔ میں آپ کے دودھ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ یہ مجھے مسلمان نہیں بنا رہے ہیں۔''

میں اپنی سلامتی اور دماغی سکون حاصل کرنے کے لئے روحانی علاج کے طریقہ کار پر عمل کر رہا ہوں۔ ان کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی چند آیات پڑھتا رہتا ہوں۔''

ایشور لال نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''کیوں پڑھتے ہو؟''

''اس لئے کہ وہ دوا کی طرح اثر کرتی ہیں۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ دوا اثر کرے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ ضرور مگر دوائیں تو پی جاتی ہیں' کھائی جاتی ہیں اور وہ حلق سے اتر کر مرض کا توڑ کرتی ہیں۔''

''جو دوائیں مجھے دی جا رہی ہیں۔ وہ روح میں اترتی ہیں اور شیطانی عمل کا توڑ کرتی ہیں۔ مجھے جنون سے اور جادو سے اس لئے بھی نجات مل رہی ہے کہ میں مولانا عبدالہادی کے ساتھ نمازیں پڑھتا ہوں۔''

ایشور لال چیخ پڑا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا تم نماز پڑھتے ہو؟ پوجا نہیں کرتے ہو؟ فوراً یہاں واپس آؤ۔''

وہ بولا۔ ''ڈیڈ! میں واپس آنا چاہوں گا تو یہ لوگ مجھے نہیں روکیں گے۔ لیکن کیسے آؤں؟ کیا مولانا عبدالہادی جیسے معالج کو اور قرآن مجید کی مؤثر آیات کو چھوڑ دوں؟ پھر دماغی مریض بن جاؤں؟''

''تم یہاں آؤ۔ مہا کالی کے مندر میں تمہارا علاج ہو جائے گا۔''

''آپ انسانوں کی جان لے کر مجھے دماغی طور پر نارمل بنانا چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک چیونٹی کو بھی مارے بغیر مجھے دماغی اور جسمانی طور پر صحت مند بنا رہے ہیں۔''

وہ ٹھہر کر بولا۔ ''مجھے جب تک قلبی اطمینان حاصل نہیں ہوگا' میں نہیں آؤں گا۔ آپ میری سلامتی چاہتے ہیں تو مہا پجاری کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ میرے سر سے ہمیشہ کے لئے

خطرہ ٹل جائے گا۔ اگر آپ کو مجھ سے محبت ہے' میری سلامتی چاہتے ہیں تو مہا پجاری کو ختم کریں۔ میں واپس آ جاؤں گا۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ وہ اپنی ماں کے دودھ کی قسم کھا کر کہہ چکا تھا کہ اس کا علاج کرنے والے اسے مسلمان نہیں بنا رہے ہیں۔ صرف کالے جادو کے بھیانک نتائج سے بچانے کے لئے اسے قرآن مجید کی آیات اور نماز پڑھا رہے ہیں۔

یہ کہہ دیا گیا تھا کہ وہ ہندو ہے۔ دماغی طور پر نارمل ہونے کے بعد اپنے ہندو ماں باپ کے پاس جائے گا۔

یہ بات الگ تھی کہ وہ آئندہ اپنا تحفظ اور اپنی سلامتی مقدس آیات میں تلاش کرے گا یا نہیں؟

وہ دماغی مریض خود ہی سمجھنے والا تھا کہ اس کا علاج اور دوائیں کہاں ہیں اور اسے شیطان مردُود سے کہاں پناہ ملے گی؟

☆☆☆

یعقوب اور اس کی شریک حیات صنم (رنجنا) دہلی پہنچ گئے تھے۔ ایشور لال کی محل نما کوٹھی میں تھے۔ ہیم لتا ان دونوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے اور ایشور لال نے طے کیا تھا کہ ان کے بیٹے منوہر لال کو اغوا کرنے والے اس کے علاج میں ناکام رہیں گے تو وہ ماں باپ یعقوب کو مندر لے جا کر مہا کالی کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔

ان کے لئے یعقوب قربانی کا بکرا تھا۔ کسی دن بھی بیٹے کے علاج کے سلسلے میں کام آ سکتا تھا۔ جبکہ جاں نثار یہ دھمکی دے چکے تھے کہ وہ مندر میں کسی بھی انسان کو بلی چڑھائیں گے تو انہیں اپنے بیٹے منوہر کی لاش بھی نہیں ملے گی۔

وہ دھمکی میں آ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی سلامتی کی خاطر وعدہ کیا تھا کہ کسی انسان کو ہلاک نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود یعقوب کو اپنی نظروں میں اور کڑی پابندیوں میں رکھا تھا۔

یعقوب ارجن ورما کے بہروپ میں تھا۔ اپنی بہن شکنتلا کی شادی کرنے انڈیا آیا تھا۔ ایسے اہم معاملے میں وہ ارجن ورما اور رنجنا کو یعنی یعقوب اور صنم کو شکنتلا کے پاس کولکتہ جانے سے روک نہیں سکتے تھے۔

وہ دوسرے ہی روز ایک فلائٹ سے صنم کے ساتھ کولکتہ پہنچ گیا۔ وہاں شکنتلا اسے

بھائی سمجھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ ایک ذرا شبہ نہیں ہوا کہ بھائی کی جگہ کوئی اور آ گیا ہے۔

وہاں چار روز تک شادی کی دھوم دھام رہی' خوب ہنسنا بولنا اور ناچ گانا ہوتا رہا۔ پھر شکنتلا ڈولی میں بیٹھ کر پیا گھر چلی گئی۔

یعقوب اگرچہ بہروپ میں تھا۔ مگر شکنتلا کو رخصت کرتے وقت وہ جیسے ارجن ور ما بن گیا۔ بہن کو رخصت کرتے وقت سچ مچ رو پڑا۔

اس نے بعد میں صنم سے کہا۔ ''میری ماں یہودی ہے۔ اس سے جدا ہو چکا ہوں۔ جب سے پیدا ہوا ہوں' تب سے اپنے پاپا کو کبھی روبرو نہیں دیکھا۔ ماں بھی دور' باپ بھی دور... بھائی بہن بھی نہیں ہیں۔''

صنم نے کہا۔ ''اسی لئے شکنتلا میں ایک بہن کو دیکھ کر رو رہے تھے۔ میں نے پہلی بار تمہیں روتے دیکھا تھا۔ اچھے لگ رہے تھے۔''

وہیں کولکتہ میں صنم کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی تھے۔ اس نے رنجنا کی حیثیت سے ملاقات کی۔ کسی کو یہ نہیں بتایا کہ وہ دھرم بدل چکی ہے۔ نام بدل چکی ہے۔ اسے ہمیشہ انڈیا میں نہیں رہنا تھا۔

یعقوب نے کہا تھا۔ ''میں اپنے پاپا سے ملنے کے بعد فیصلہ کروں گا کہ آئندہ ہمیں کس ملک میں رہنا چاہئے؟''

تقدیر کا عجب تماشہ تھا۔ ایک طرف میں اپنے پاپا سے مل نہیں پایا تھا کیونکہ وہ زمین کی تہہ میں کہیں گم ہو گئے تھے اور دوسری طرف یعقوب اب تک مجھ سے مل نہیں پایا تھا۔ کیونکہ اس کے آتے ہی میں حجاب کی آخری رسومات ادا کرنے کے لئے انڈیا چھوڑ چکا تھا۔

میرے جاں نثاروں نے اطلاع دی کہ وہ کولکتہ میں ہے۔ انہوں نے فون پر ہمارا رابطہ کرایا۔ یعقوب نے کہا۔ ''مجھے یہاں آتے ہی معلوم ہوا کہ آپ اس ملک سے چلے گئے ہیں۔''

ہم باتیں کرتے وقت ایک دوسرے کو نام سے یا رشتے کے حوالے سے مخاطب نہیں کرتے تھے اور نہ ہی یہ ظاہر کرتے تھے کہ کون کس ملک میں ہے۔ اس طرح ہماری فون کالیں ٹیپ کرنے والے نہ ہمیں پہچان سکتے تھے' نہ ہمارا سراغ لگا سکتے تھے۔

میں نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے۔ ہم ملنے سے پہلے پھر ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ مجھے تمہارے حالات کا علم ہوتا رہتا ہے۔ تمہیں بھی میرے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہتا ہوگا؟''

اس نے پوچھا۔ ''آپ کب تک واپس آئیں گے؟ کیا میری دلہن کو نہیں دیکھیں گے؟''

''بہت دل کرتا ہے کہ ابھی آ کر تم دونوں کو گلے لگاؤں۔ مگر اپنے حالات سے مجبور ہوں۔ شائد وہاں نہیں آ سکوں گا۔ تمہیں یہاں آنا ہوگا۔''

''میں بھی یہاں کچھ روز تک مصروف رہوں گا۔''

''کوئی بات نہیں۔ جب حالات سازگار ہوں گے تو ہم ملنے کی کوئی جگہ مقرر کریں گے۔''

میں بیٹے سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ ندا کو تنہا چھوڑ نہیں سکتا تھا اور بیٹے کو لاہور بلا کر ندا کا تعارف یوں نہیں کرا سکتا تھا کہ بیٹے! یہ جو بچی دکھائی دے رہی ہے' یہ تمہاری ماں بننے والی ہے۔

عجب تماشہ کرنے والی بات ہوتی۔ بیٹا میری لاکھ عزت کرتا' لیکن دل میں یہ ضرور سوچتا کہ ندا نواسی اور پوتی کے برابر ہے۔ پاپا کو اس کی کم سنی کا کچھ تو خیال کرنا چاہئے۔

میں بیٹے کو اپنے اعتماد میں لے کر یہ راز بتا سکتا تھا کہ میرا بڑھاپا عارضی ہے۔ میں رفتہ رفتہ جوان ہونے والا ہوں۔ چند برسوں بعد ندا کم سن نہیں رہے گی اور میں بوڑھا دکھائی نہیں دوں گا۔ میرا سفر سچ مچ جوانی کی سمت جاری رہے گا۔

میں بیٹے کو یہ راز فون پر نہیں بتا سکتا تھا۔ کبھی روبرو بیٹھ کر اسے حقائق سے آگاہ کر سکتا تھا۔ لیکن میرے پاپا کے' میرے بیٹے کے اور میرے مقدر میں ابھی ایک دوسرے کے روبرو ہونا نہیں لکھا تھا۔

یہ بھی خیال تھا کہ کبھی بیٹے سے سامنا ہوگا تو وہ تنہا نہیں ہوگا۔ بہو بھی ساتھ ہوگی اور وہ بہو ندا کے حوالے سے میرے متعلق کیا سوچے گی؟ کیا رائے قائم کرے گی؟ بوڑھے سسر کو کیا ہو گیا ہے؟ انہیں کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہئے۔ لیکن ایک کم سن لڑکی کے ساتھ سہاگ رات منانے کے لئے اس کی پرورش کر رہے ہیں۔

میں آئندہ ایسا شخص دکھائی دینے والا تھا' جسے اپنی بزرگی کا خیال نہیں رہے گا اور جو خلاف تہذیب' خلاف دستور کم سن لڑکی کے ساتھ زندگی گزارے گا۔

اس کے بعد بھی پتہ نہیں اور کتنی کم سن لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہے گا؟ ایسے خیالات مجھے الجھاتے رہتے تھے۔

فی الحال یہ بات ذہن میں آ رہی تھی کہ یعقوب کو اور اپنی بہو کو کبھی لاہور نہ آنے دوں۔ ندا سے کبھی ان کا سامنا نہ کراؤں۔ اپنے اس ذاتی معاملے کو ان سے پوشیدہ رکھوں۔

جب حالات موافق ہوں گے اور انہیں اپنا رازدار بنانا ضروری ہوگا تو پھر اپنی واپسی کے سفر کے متعلق انہیں سب کچھ بتادوں گا۔

ابھی میں یعقوب کے حالات بیان کررہا ہوں۔ اس کو اور صنم کو منوہر لال کی فکر تھی کہ اس کا کامیاب علاج ہو پائے گا یا نہیں؟

لندن کے جاں نثار اس سے رابطہ رکھتے تھے اور بتاتے رہتے کہ مولانا عبدالہادی اس کا روحانی علاج کررہے ہیں۔ اماوس کی رات صنم بہت پریشان تھی۔ اس نے یعقوب سے کہا۔ ''اگر وہ آج رات نارمل نہ رہا تو ایشور لال مہا پجاری کی بات مانے گا اور تمہاری بلی دینا چاہے گا۔''

یعقوب نے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ اس کا بیٹا ہمارے شکنجے میں ہے۔ وہ اس کی سلامتی کے لئے مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اسے وارننگ دی گئی ہے کہ وہ کسی انسان کو مہا کالی کے مندر میں لے جاکر ہلاک کرے گا تو اسے بیٹا زندہ واپس نہیں ملے گا۔''

صنم نے کہا۔ ''ایسی دھمکی کے باوجود ایشور لال کے آدمی تمہاری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اس کے دماغ میں یہ بات ہوگی کہ وہ رازداری سے تمہیں ہلاک کرائے گا تو جاں نثاروں کو اس کی خبر نہیں ہوگی۔''

وہ بولا۔ ''تم نہیں جانتیں، پاپا کے جاں نثار یہاں میری نگرانی کررہے ہیں۔ وہ مجھ پر ایک ذرا آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

اماوس کی وہ رات گزر گئی۔ ایک جاں نثار نے فون پر یہ خوشخبری سنائی کہ علاج کامیاب ہوا ہے۔ پچھلی رات منوہر پر دورہ نہیں پڑا تھا۔ وہ نارمل رہا تھا۔

پھر یہ کہا گیا کہ مہا پجاری انسانوں کی بلی دینے کے لئے شیطانی حرکتیں کررہا ہے۔ اس نے کالے جادو کے ذریعے منوہر کو دماغی مریض بنا رکھا تھا۔

اگرچہ ایک اماوس کی رات وہ نارمل رہا ہے، روحانی علاج کامیاب ہوچکا ہے۔ تاہم مہا پجاری پھر پراسرار منتروں کے ذریعے روحانی علاج کو بے اثر کرنے کی کوششیں کرے گا۔

یعقوب نے کہا۔ ''شیطانی عمل کو ختم کرنے کے لئے شیطان کو مارنا ہوگا۔ بانس نہیں رہے گا تو بانسری بھی نہیں بجے گی۔ میں مہا پجاری کا قصہ تمام کردوں گا۔''

جاں نثار نے کہا۔ ''منوہر بھی یہی کہتا ہے۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔''

صنم یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''ابھی ہم کولکتہ میں ہیں۔ مہا پجاری یہیں سبھاش اسٹریٹ کے ایک مکان میں رہتا ہے۔ میں تمہیں وہاں پہنچا سکتی ہوں۔''

''پھر تو میں ابھی وہاں جاکر اس کی گردن دبوچ لوں گا۔''

''ابھی کیسے جاؤ گے؟ ایشور لال کے آدمی تمہاری نگرانی کررہے ہیں۔ پہلے انہیں راستے سے ہٹاؤ۔''

یعقوب نے فون کے ذریعے ایک جاں نثار کو بتایا کہ وہ مہا پجاری کو ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے ایشور لال کے آدمیوں کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔

اس نے پوچھا۔ ''ہمیں اس کا پتہ بتائیں۔ ہم اسے جہنم میں پہنچادیں گے۔ آپ کے پاپا نے کہا ہے، ہم یہاں آپ کو خطرات سے نہ کھیلنے دیں۔''

''پاپا سے کہو، میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں۔ مجھے خطرات سے کھیلنے کی اجازت دیں۔''

''ہم آپ کا پیغام انہیں دیں گے۔ ابھی آپ مہا پجاری کا پتہ بتائیں۔''

صنم نے فون لے کر اس کا مکان نمبر اور پتہ بتایا۔ پھر رابطہ ختم کردیا۔ یعقوب نے کہا۔ ''وہ مہا پجاری تمہارے ذریعے میری گردن اڑانا چاہتا تھا۔ میں اس کی گردن مارنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ حسرت ہی رہ جائے گی۔''

صنم نے کہا۔ ''میں تمہیں بتا چکی ہوں، میں مہا کالی کے مندر میں پوجا کے اور جانوروں کے بلی دان کے وقت رقص کرتی تھی۔ مہا پجاری سے ہمیشہ رابطہ رہا کرتا تھا۔ اس کا فون نمبر میرے موبائل فون میں ہے۔ کیا تم اپنی حسرت پوری کرنا چاہتے ہو؟''

یعقوب نے کہا۔ ''ہاں۔ اسے فون کرو۔ معلوم کرو، وہ اس وقت کہاں ہے؟ میں چاہتا ہوں، وہ جاں نثاروں کے ہاتھ نہ لگے۔ میرے ہتھے چڑھے۔''

صنم نے اپنے فون پر مہا پجاری کے نمبر پنچ کئے۔ فوراً ہی رابطہ ہوگیا۔ وہ بولی۔ ''پجاری جی! جے مہا کالی کی.... میں آپ کی داسی رنجنا بول رہی ہوں۔''

وہ خوش ہوکر بولا۔ ''اری رنجنا! یہ تُو ہے؟ ایشور لال نے بتایا تھا، تُو اپنے پہلے پتی ارجن ورما کے ساتھ لندن سے آگئی ہے۔ یاد ہے ناں.... اُس پہلے کے بعد تیرے اور دو پتی ہوں گے، جو مہا کالی کی بھینٹ چڑھیں گے؟''

''میں بھلا کیسے بھول سکتی ہوں؟ مجھے یاد ہے، اسی لئے تو ارجن ورما کے ساتھ کولکتہ آئی ہوں۔''

''کیا تُو ہمارے شہر میں ہے اور قربانی کے بکرے کو بھی لائی ہے؟''

''جی ہاں۔ اسے لائی تو ہوں۔ مگر آپ کے لئے بہت پریشان ہوں۔''

”میرے لئے کیوں پریشان ہے؟“

”میں نے رات سپنا دیکھا ہے۔ آپ بڑی مصیبت میں ہیں۔ آپ پر کٹھن سمے آ گیا ہے۔“

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”ٹھیک کہتی ہے۔ لندن کے کچھ مسلمان میرے دشمن بن گئے ہیں۔“

”میں نے بھی سپنے میں مسلمانوں کو دیکھا ہے۔ وہ گھر میں گھس آئے ہیں اور آپ کو گولیوں سے چھلنی کر رہے ہیں۔ کیا ابھی آپ اپنے گھر میں ہیں؟“

”ہاں۔ میں گھر میں ہوں۔ سوچ رہا ہوں' مندر جا کر ماں بھوانی کے چرنوں میں رہوں۔“

”آپ ابھی گھر سے نکل جائیں۔ میں آپ کے پہلے شکار ارجن ورما کو لے کر مندر آ رہی ہوں۔“

”واہ کیا بات ہے رنجنا! تُو مہا کالی... لہو چاٹنے والی کی سچی پجارن ہے۔ میں ابھی یہاں سے نکل رہا ہوں۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ صنم نے کہا۔ ”وہ اپنے گھر سے نکل رہا ہے۔ جاں نثاروں کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ کالی ماتا کے مندر میں دو گھنٹے تک پہنچے گا۔“

یعقوب نے پوچھا۔ ”ہمیں وہاں پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟“

”ہم بھی دو گھنٹے میں پہنچیں گے۔“

”فوراً یہاں سے نکلو۔ میں اس پجاری سے پہلے وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔“

وہ دونوں مکان سے باہر آ کر رینٹڈ کار میں بیٹھ گئے۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”کیا وہاں پجاری کے چیلے چپاٹے بھی ہوں گے؟“

”اس کے دو چیلے دن رات وہیں رہتے ہیں۔“

”کیا وہ جدید اسلحہ رکھتے ہیں؟“

”وہاں کبھی گن فائرنگ کی نوبت نہیں آئی۔ وہ تلوار ترسول' بغدا اور بھالے رکھتے ہیں۔“

وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ ”مجھے شارٹ کٹ راستہ بتاتی رہو۔ میں اس سے پہلے پہنچ کر وہاں کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔“

سپاہی کو میدان میں اترنے سے پہلے وہاں کے محل وقوع کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ کبھی ناکامی کی صورت میں اپنے بچاؤ کا اور فرار کا راستہ پہلے دیکھ لینا چاہئے۔

میرا بیٹا میری اجازت کے بغیر خطرے سے کھیلنے جا رہا تھا۔ میرے ناراض ہونے سے بہت پہلے کہہ چکا تھا کہ وہ زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھتے ہوئے انڈیا آئے گا تو میری انگلی پکڑ کر نہیں چلے گا۔

صنم نے پجاری کو جھوٹا سپنا سنایا تھا۔ لیکن پجاری نے سچ مچ یہ سپنا دیکھا تھا کہ دشمن اسے ہلاک کرنے آ رہے ہیں۔ اس نے ایک آئینے کے سامنے بیٹھ کر منتر پڑھے تو وہ آئینہ ترخ گیا۔ سپنے کی تصدیق ہو گئی کہ اس پر حملہ ہوگا۔

وہ نامعلوم دشمنوں سے بچنے کے لئے کالی مائی کے چرنوں میں ہی جا سکتا تھا۔ صنم نے بھی ایسا خواب سنایا تھا کہ وہ اسی وقت گھر سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھ کر مندر کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

جب جاں نثار اس کے گھر کا تالا توڑ کر اندر پہنچے تو انہیں پجاری نہیں ملا۔ ایک جاں نثار نے فون پر یعقوب سے کہا۔ ”سر! وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ آپ میڈم (صنم) سے پوچھیں' وہ اور کہاں مل سکتا ہے؟“

یعقوب نے کہا۔ ”وہ جہاں بھی مل سکتا ہے' وہاں میں جا رہا ہوں۔ تم لوگوں کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ فی الحال آرام کرو۔“

اس نے پوچھا۔ ”کیا آپ گھر سے باہر نکل کر پجاری کے پاس جا رہے ہیں؟“

”میں نے کہا ناں' فی الحال آرام کرو۔“

”پلیز۔ اتنا بتا دیں' کیا گھر سے باہر کہیں جا رہے ہیں؟“

”ہاں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔“

”آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ اتنا تو سوچنا چاہئے کہ ایشور لال کے آدمی آپ کا پیچھا کر رہے ہوں گے۔“

اس بات نے یعقوب کو چونکا دیا۔ وہ پجاری کو موت کے گھاٹ اتارنے کی دُھن میں ایشور لال کے آدمیوں کو بھول گیا تھا۔

جاں نثار نے پوچھا۔ ”ہیلو... آپ چپ کیوں ہیں؟“

وہ بولا۔ ”بیشک۔ میں ان نگرانی کرنے والوں کو بھول گیا تھا۔ کوئی بات نہیں' ان سے بھی نمٹ لوں گا۔ ہو سکتا ہے' وہ ایشور لال کی اجازت کے بغیر مجھے نقصان نہ پہنچائیں۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایشور لال تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کو اپنے بیٹے پر قربان

کر دے۔آپ ایک پجاری کو مار ڈالنے کی ضد میں کئی دشمنوں کے درمیان گھر جائیں گے۔"

"میں نے کہا ناں.....ان سے بھی نمٹ لوں گا۔"

وہ گڑگڑانے کے انداز میں بولا۔"میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں' آپ کے پاپا کی قسم دیتا ہوں' مجھے فوراً بتائیں' مہا پجاری کہاں ہے؟ آپ ابھی کہاں جا رہے ہیں؟"

اس نے خدا کا واسطہ دیا تھا۔میری قسم دی تھی۔یعقوب نے مجبور ہو کر صنم کو فون دیتے ہوئے کہا۔"بتاؤ' وہ مندر کہاں ہے اور انہیں کس راستے سے وہاں پہنچنا چاہئے؟"

صنم نے فون لے کر اسے کان سے لگایا۔پھر انہیں بتانے لگی کہ باوڑا برج سے اترتے ہی جو راستہ جنوب کی سمت جاتا ہے' وہ اس راستے پر چلتے ہوئے دریائے ہُگلی کے ساحلی راستے پر آجائیں۔وہاں سے تقریباً تیس کلومیٹر دور ایک کھنڈر جیسا مندر ہے۔وہیں مہا کالی کی پوجا ہوتی ہے اور وہ مہا پجاری کے پیچھے اسی طرف جا رہے ہیں۔

جاں نثار نے کہا۔"ہم آرہے ہیں۔پلیز آپ شہزادہ یعقوب سلمان کو سمجھائیں' وہ ہم سے پہلے وہاں نہ جائیں۔ہمارا انتظار کریں۔"

وہ بولی۔"اچھی بات ہے۔میں انہیں سمجھاتی ہوں۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔"واقعی تم نے مہا پجاری سے انتقام لینے کی دھن میں ایشور لال کے آدمیوں کو نظر انداز کر دیا۔یقیناً وہ نگرانی کرنے والے سمجھ گئے ہوں گے' میں تمہیں مندر میں لے جا رہی ہوں۔وہ لوگ دوسرے راستے سے وہاں ضرور پہنچیں گے۔نہ جانے تعداد میں کتنے ہوں گے؟"

وہ اس کے بازو سے لگ کر بولی۔"تم ان کے مقابلے میں تنہا ہو گئے ہو۔میری بات مانو' گاڑی روکو اور اپنے جاں نثاروں کا انتظار کرو۔"

اس نے کار روک دی۔اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔"میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔انتقام لینے کی جلدی میں نگرانی کرنے والوں کو بھول گیا۔مجھے پاپا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

صنم نے کہا۔"اس میں شرمندہ ہونے والی کیا بات ہے؟ تمہارے پاپا بھی اپنے جاں نثاروں سے مدد حاصل کرتے ہیں۔تم بھی یہی کرنے جا رہے ہو۔"

"میں نے پاپا سے کہا تھا' نہ ان کی انگلی پکڑ کر چلوں گا' نہ ان کے جاں نثاروں کی مدد حاصل کروں گا۔"

"تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ان کے جاں نثار لندن میں تمہارے کام آئے۔اگر وہ منوہر کو اغوا نہ کرتے تو اتنی آسانی سے آکر یہاں آزادی سے گھوم نہ سکتے۔اب یہاں بھی پاپا کے تابعدار اور وفادار تمہارے کام آرہے ہیں۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔"پاپا کے تمام جاں نثار زبردست تربیت یافتہ ہیں۔ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔انشاءاللہ میں بھی ایسے جاں نثاروں کی ایک ٹیم بناؤں گا۔"

صنم نے کہا۔"ایک عمدہ مشورہ دیتی ہوں۔نئے اور اجنبی لوگوں کو اپنا وفادار بنانا چاہو گے تو انہیں تربیت دینے میں برسوں لگ جائیں گے۔پھر یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ ان وفاداروں میں کتنے چھپے ہوئے غدار ہیں؟"

وہ قائل ہو کر بولا۔"ہاں۔پتہ نہیں پاپا نے کتنے برسوں کی محنت کے بعد ایسے جان پر کھیل جانے والوں کی فوج بنائی ہے؟ میں پتہ نہیں کتنے غداروں سے دھوکا کھاتا رہوں گا؟ تب وفاداروں کی ٹیم بنا پاؤں گا۔"

"اسی لئے سیدھا سا مشورہ دے رہی ہوں۔اپنے پاپا کے چند جاں نثاروں کو اُن سے مانگ لو۔اس کے بعد اپنی انا اور خودداری پر قائم رہو اور ان سے پھر کبھی مدد نہ مانگو۔"

اس نے بڑی محبت سے صنم کو دیکھا۔پھر کہا۔"تم بہت ذہین ہو۔بیٹا اپنے باپ سے ضرورت کی چیزیں مانگ سکتا ہے۔میں ان سے مانگ کر اپنی ایک الگ ٹیم بناؤں گا۔تم بہت اچھی ہو۔آئی لو یو..."

وہ آئی لو یو کا جواب دینے کے لئے اس کے گلے لگ گئی۔تھوڑی دیر بعد الگ ہو کر بولی۔"وہ جاں نثار ابھی تک نہیں آئے۔شائد راستہ بھٹک گئے ہیں۔انہیں کال کرو۔"

یعقوب نے رابطہ کیا۔"ہیلو۔تم لوگ کہاں ہو؟"

جواب سنائی دیا۔"ہم مندر میں ہیں۔آپ آجائیں۔"

اس نے حیرانی سے کہا۔"ہم یہاں انتظار کر رہے ہیں۔ہم نے تمہیں یہاں سے گزرتے نہیں دیکھا۔پھر وہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"پلیز۔یہاں آجائیں۔آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

یعقوب نے رابطہ ختم کیا۔پھر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔"یہ جاں نثار کتنے تیز طرار ہیں؟ ہم یہاں انتظار کر رہے ہیں اور وہ نہ جانے وہاں پہنچ کر کیا کر رہے ہوں گے؟"

وہ جاں نثار یعقوب کی طرف آرہے تھے۔انہوں نے ایشور لال کے آدمیوں کو دیکھ

لیا تھا۔ وہ راستہ بدل کر مندر کی طرف جا رہے تھے۔

وہ چار مسلح افراد ایک ویگن کار میں تھے۔ جاں نثار ان چاروں کو اور اس ویگن کار کو کئی بار دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے فائر کیا تو ویگن کا پچھلا پہیہ ایک دھماکے سے ناکارہ ہو گیا۔ تیز رفتار گاڑی ادھر سے ادھر ہوتی ہوئی سڑک کے کنارے ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

وہ دشمن گاڑی کے ڈگمگانے کے باعث خود کو سنبھال نہ سکے۔ پھر فائر کیسے کرتے؟ جاں نثار اپنی گاڑی سے نکل کر تڑاتڑ گولیاں برساتے ہوئے قریب آئے تو دو مر چکے تھے' باقی دو حادثے کے باعث زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں بھی گولی مار دی گئی۔

وہ جاں نثار دوسرے راستے پر بہت دور نکل آئے تھے۔ یہ معلوم تھا کہ آگے ساحلی راستے پر جانا ہے۔ لہٰذا وہ اندازے سے آگے بڑھتے ہوئے اس مندر میں پہنچ گئے۔

انہوں نے وہاں مہا پجاری کو اس کے دو چیلوں کے ساتھ دیکھا۔ وہ ایک بڑی سی انگیٹھی میں کوئلے دہکا رہے تھے۔ پجاری انگیٹھی کو سندور لگا کر منتر پڑھ رہا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق ارجن ورما بلی دان کے لئے وہاں آنے والا تھا۔ اس کی گردن اڑانے کے لئے ایک بڑا سا بغدا رکھا ہوا تھا۔

جاں نثاروں نے وہاں پہنچتے ہی دونوں چیلوں کو گولی مار دی۔ پجاری اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ انہیں گھور کر دیکھتے ہوئے منتر پڑھنے لگا۔ ایک جاں نثار نے اس کے گھٹنے پر گولی ماری۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

انہوں نے رسیوں سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ ایسے وقت بھی وہ منتر پڑھ رہا تھا۔ ان پر پھونکیں مار رہا تھا۔ ایک نے کہا۔ ''اس کا کالا جادو ہم پر اثر کر سکتا ہے۔ اسے منتر پڑھنے سے روکو۔''

انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے۔ ایک جاں نثار نے چمٹے سے دہکتے ہوئے انگارے اٹھائے۔ دوسرے نے پجاری کی ناک دبائی تو اس نے سانس لینے کے منہ کھول دیا۔ پھر ایک دم سے چیخ پڑا۔ اس کے منہ میں دو انگارے پہنچ گئے تھے۔

وہ رسیوں سے بندھا ہوا تڑپ رہا تھا۔ فرش پر ادھر سے ادھر ہو رہا تھا۔ اس کے منہ کے اندر چھالے پڑ گئے تھے۔ زبان جل گئی تھی۔ وہ منتر پڑھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

جاں نثاروں نے اس پر قابو پانے کے بعد یعقوب کو فون پر بتایا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ ایسے ہی وقت یعقوب ان سے فون پر باتیں کرتے ہوئے وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دو

لاشیں دیکھیں پھر مہا پجاری کو رسیوں سے بندھا ہوا دیکھا۔

ایک نے کہا۔ ''سر! یہ منتر پڑھ رہا تھا۔ ہم نے اس کا منہ جلا دیا ہے۔ آپ کے لئے اسے زندہ چھوڑا ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''آپ اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ یہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔''

یعقوب نے ناگواری سے کہا۔ ''تم لوگوں نے مجھے سمجھا کیا ہے؟ کیا میں تمہارے مارے ہوئے شکار کو ماروں گا؟ کیا نادان بچہ ہوں کہ اپنی گن سے تمہارے پیش کئے ہوئے کھلونے سے کھیلوں گا؟''

''پلیز۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ اسے مجبور اور بے بس بنانا ضروری تھا۔ ورنہ یہ کالے جادو سے ہم سب کو زیر کر سکتا تھا۔''

یعقوب نے کہا۔ ''پاپا سے میری بات کراؤ۔''

انہوں نے فوراً ہی مجھ سے رابطہ کیا۔ پھر فون یعقوب کو دیا۔ وہ سلام کرنے کے بعد بولا۔ ''مجھ سے ایک غلطی ہو گئی' جس کی وجہ سے آپ کے جاں نثار مجھ سے پہلے میرے شکار تک پہنچ گئے۔''

میں نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ یہ سمجھو کہ غلطی کیسے ہوتی ہے؟ یاد رکھو' جب بھی انتقام کے جوش میں آکر جذبات سے مغلوب ہو جاؤ گے تو غلطی ضرور ہو گی۔''

میں نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ''تم نے کہا تھا' میری انگلی پکڑ کر نہیں چلو گے۔ میں نے اعتراض نہیں کیا۔ تمہیں آزاد چھوڑ دیا۔ ابھی ایک غلطی ہوئی ہے۔ آئندہ بھی ٹھوکریں کھاؤ گے' تجربات کی بھٹی میں پکتے رہو گے تو کندن بنو گے۔''

''یس پاپا! میں آپ کی یہ باتیں یاد رکھوں گا۔ آپ کے جاں نثاروں نے میرے شکار کو باندھ رکھا ہے۔ انہیں سمجھا دیں' میں شہزادہ یعقوب سلمان ہوں۔ خود شکار کھیلتا ہوں۔ دشمنوں کو دوڑا دوڑا کر مارنا جانتا ہوں۔ کسی کے بندھے ہوئے شکار پر تھوکنا بھی نہیں چاہتا۔''

''شاباش! مجھے تم پر فخر ہے۔ اب جاؤ' میری بہو کو وہاں سے لے جاؤ۔''

یعقوب نے جاں نثار کو فون دیا۔ پھر صنم کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''چلو... ہمارا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔''

وہ اس کے ساتھ جانے لگا۔ مندر سے باہر نکلتے وقت اس نے ایک گولی چلنے کی آواز

گئی۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ فائر کی آواز نے سمجھا دیا کہ منوہر لال کو ایک مردود جادوگر سے نجات مل گئی ہے۔

☆☆☆

میری بہن رائنا کینسر کی مریضہ تھی۔ کینسر لاعلاج ہوتا ہے۔ میں نے سنا تھا' پاکستان میں ایک ایسا عامل ہے' جو کلام پاک کی آیات پڑھ کر سانپ کے زہر سے علاج کرتا ہے۔ کئی مریض اس کے پاس جا کر شفاء حاصل کر چکے ہیں۔

میں نے رائنا کو ٹیپو کے ساتھ پاکستان بھیجا تھا۔ یہ بیان کر چکا ہوں کہ رائنا میری مرحوم بہن رابعہ کی ہم شکل تھی اور رابعہ ٹیپو کی شریک حیات تھی۔

جب سے وہ ہماری زندگی میں آئی تھی' میں اس میں اپنی سگی بہن کو دیکھتا تھا اور ٹیپو چپ چاپ دور ہی دور سے اپنی شریک حیات کی جھلکیاں دیکھتا رہتا تھا۔

اس نے رائنا سے کبھی یہ نہیں کہا کہ اس کی ہم شکل رابعہ صرف اس کی شریک حیات نہیں تھی' بلکہ ایسی محبوبہ تھی' جس کی وفات کے بعد اس نے نہ دوسری شادی کی تھی' نہ کبھی کسی عورت کے قریب گیا تھا۔

وہ پچھلے بائیس برسوں سے رائنا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ہمارے دشمن راڈ مین کی بیوی تھی۔ کسی کی بیوی سے یہ کہنا مناسب نہیں تھا کہ تم سر سے پاؤں تک میری مرحوم بیوی جیسی ہو۔

وہ تنہائی میں پیتا تھا اور زیر لب بڑبڑاتا تھا۔ ''تم میری رابعہ ہو۔ یہ کیا قدرت کا تماشہ ہے کہ موت کے پردے میں جا کر رائنا کے روپ میں آ گئیں؟ اس پر ستم ظریفی یہ کہ ایک یہودی کی بیوی بن گئی ہو.... آہ! میں کیسے کہوں کہ تم میری ہو....؟''

جب رائنا پر یہ بھید کھلا کہ اس کا شوہر فراڈ ہے اور پچھلے بائیس برسوں سے دھوکا دیتا آ رہا ہے تو اس نے اس فریبی پر تھوک دیا' اس سے رشتہ توڑ دیا۔

ٹیپو کو یوں لگا' جیسے اس کے نام پیار کی لاٹری نکلنے والی ہو۔ وہ میری ہدایت کے مطابق رائنا کو علاج کے لئے لاہور لے آیا۔ گلبرگ میں اس کی ایک کوٹھی تھی۔ جہاں وہ برس دو برس میں ایک بار آتا تھا۔ اپنی رابعہ کی یادیں تازہ کرتا تھا' پھر چلا جاتا تھا۔

ایک طویل مدت کے بعد رائنا کے ساتھ آیا تو رائنا کی جگہ رابعہ دلہن کے لباس میں دکھائی دی۔ وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ رائنا نے پوچھا۔ ''اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''وہ۔ میں تو۔ بس یونہی تمہیں دیکھتا رہتا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''ہاں۔ میں نے کئی بار محسوس کیا ہے' تم بڑے جذبے سے مجھے دیکھتے ہو۔''

''ایسے وقت تم میرے متعلق کیا رائے قائم کرتی ہو؟''

''یہی کہ میں تمہارے دوست کی بہن رابعہ دکھائی دیتی ہوں۔ اس لئے تم بڑی محبت سے دیکھتے ہو۔''

''ایک بات میں نے اور میرے دوست نے تم سے چھپائی ہے۔''

اس نے پوچھا۔ ''کون سی بات؟''

''بات ایسی ہے کہ جب تک تم راڈ مین کی شریک حیات رہیں' تب تک ہم نے سوچا کہ میرا اور رابعہ کا رشتہ چھپانا مناسب رہے گا۔''

''تمہارا اور رابعہ کا رشتہ کیا تھا؟''

وہ ایک حسرت بھری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''وہ میری شریک حیات تھی۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا واقعی؟''

ٹیپو نے الماری سے ایک البم نکال کر کہا۔ ''اسے دیکھو۔''

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ البم کھول کر دیکھنے لگی۔ پہلے ہی صفحے پر رابعہ اور ٹیپو دولہا دلہن کے لباس میں دکھائی دے رہے تھے۔ رائنا کو یوں لگا کہ وہ پاکستانی دلہن بنی ہوئی ہے۔

وہ ورق الٹ کر دوسری تصویریں دیکھنے لگی اور وہ کوئی دوسری نہیں تھی۔ ایسا ہی لگ رہا تھا کہ سب ہی اس کی اپنی تصویریں ہیں۔ اس البم میں میری تصویریں بھی تھیں۔

میں ایک تصویر میں اس کا ہاتھ ٹیپو کے ہاتھ میں دے رہا تھا اور ایک تصویر میں اسے ٹیپو کے ساتھ کلام پاک کے سائے میں رخصت کر رہا تھا۔ وہ حیران ہو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ ''یہ تو میں ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے' میری شادی تم سے ہوئی تھی۔''

وہ بولا۔ ''ہاں۔ تم سے ہی ہوئی تھی۔ تمہارا صرف نام بدل گیا ہے۔ باقی ساری کی ساری رابعہ ہو۔''

اس نے بڑے جذبے سے رائنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم راڈ مین سے رشتہ توڑ چکی ہو۔ اس لئے آج کھل کر کہہ رہا ہوں' تم میری رابعہ ہو۔ وفات پانے کے بعد بھی میرے لئے واپس آئی ہو۔''

''پلیز۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ میں ایک جوان بیٹے کی ماں ہوں۔''

''جو تمہارا ہے' وہ میرا ہے۔ تمہارا نانامان میرا بھی بیٹا ہے۔''

اس نے سر اٹھا کر ٹیپو کو دیکھا۔ پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ بولا۔ ''میں نے تمہارا میرج سرٹیفکیٹ دیکھا ہے۔ شادی کے دن تم سترہ برس کی تھیں۔ آج تامان بائیس برس کا ہے۔ اس حساب سے تم انتالیس برس کی ہو۔ بوڑھی نہیں ہو' جوان ہو۔ کیا باقی زندگی کسی چاہنے والے کے بغیر گزار سکو گی؟''

وہ باقی زندگی گزار سکتی تھی۔ لیکن اب اچانک ہی ایک دیوانہ سامنے آ گیا تھا۔ اس کی دیوانگی کہہ رہی تھی کہ وہ جن محبتوں سے محروم رہی ہے۔ وہ ساری محبتیں اُس پر نچھاور کرنے والا ہے۔

وہ بولی۔ ''تم جانتے ہو' راڈ مین جھوٹا اور فریبی تھا۔ مجھے ایک شوہر کا سچا پیار نہیں ملا۔ اب میں مایوس اور بیزار ہو گئی ہوں۔''

''مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ تم پچھلے بائیس برسوں سے مجھے دیکھ رہی ہو۔ میرے متعلق سوچو' غور کرو۔ تمہیں ایک جیون ساتھی کی بھرپور محبتیں ملتی رہیں گی۔''

''میں کینسر کی مریضہ ہوں۔ موت کی دہلیز پر ہوں۔ میری تمنا نہ کرو۔''

''کروں گا۔ تمہاری موت سے لڑنے کے لئے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ خدا نے چاہا تو تم میرے لئے زندہ رہو گی۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولی۔ ''میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

''بیشک۔ تمہیں تنہائی میں سوچنا اور غور کرنا چاہئے۔ میں جا رہا ہوں۔ کل ہم یہ شہر چھوڑ دیں گے.... جانتی ہو کیوں؟''

اس نے سر اٹھا کر ٹیپو کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''یہاں لاہور میں میرے دوست تھری ایس کا خاندان دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے تین بیٹوں کی اولادیں اور بہت سے رشتے دار تمہیں دیکھیں گے تو حیرانی سے چیخ کر کہیں گے کہ تم رابعہ ہو۔ یہ انٹیلی جنس والوں کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔ بہتر یہی ہو گا کہ نہ تھری ایس کا کوئی رشتہ دار تمہیں دیکھے اور نہ ہی انٹیلی جنس والے تمہیں پریشان کریں۔''

وہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلا آیا۔ اس کے اندر مسرتیں بھری ہوئی تھیں۔ بائیس برس کے طویل عرصے کے بعد اس نے کھل کر محبت کا اظہار کیا تھا۔

رائنا نے ناگواری ظاہر نہیں کی تھی۔ مگر الجھی ہوئی سی تھی۔ ٹیپو کو یقین تھا کہ رفتہ رفتہ اس کی الجھنیں دور ہوتی رہیں گی۔ وہ ایک شوہر کے سچے پیار کو ترستی رہی تھی۔ وہ کمی' وہ محرومی دور کرنے کے لئے اس کی طرف مائل ہوتی رہے گی۔

وہ دوسرے دن لاہور سے فیصل آباد آ گئے۔ اس شہر سے کئی کلو میٹر دور جھنگ روڈ پر تیسر نامی ایک پنڈ ہے۔ وہاں ایک بوڑھا بابا رہتا تھا۔ وہ حافظ قرآن نہیں تھا۔ لیکن مہلک مرض سے نجات دلانے کے سلسلے میں اسے کئی آیات یاد تھیں۔ وہ علاج کرنے کے دوران ان آیات کو دل کی گہرائیوں سے پڑھتا تھا۔ یہ مستحکم عقیدہ تھا کہ وہ جس مریض کا علاج کرے گا' اسے شفاء ملے گی۔

اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ مست ملنگ ہے۔ کبھی ایک جگہ نہیں رہتا۔ ضرورت منداسے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی کبھی اپنے پنڈ میں نظر آتا تھا۔ وہ مریض خوش نصیب کہلاتا تھا' جو اسے ڈھونڈ نکالتا تھا۔ رائنا خوش نصیب تھی۔ وہ ٹیپو کے ساتھ تیسر پنڈ میں پہنچی تو وہ بابا کہیں سے بھٹکتا ہوا اپنی جھگی میں آ گیا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں سانپ کا ایک پٹارہ تھا۔ رائنا اور ٹیپو اس کے پیچھے چلتے ہوئے جھگی کے اندر آئے۔ وہ پٹارے کو ایک طرف رکھ کر فرش پر پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں اس کے سامنے دوزانو ہو گئے۔ ٹیپو نے کہا۔ ''بابا! ہم سات سمندر پار سے آئے ہیں۔ یہ میری ایک عزیزہ ہے۔ اسے بلڈ کینسر ہو گیا ہے۔ اللہ کی مرضی ہو گی' آپ کی مہربانی ہو گی تو اسے اس موذی مرض سے نجات ملے گی۔''

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ زیر لب ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر پوچھا۔ ''میری تلاش میں کب سے بھٹک رہے ہو؟''

''ہم آج ہی آئے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو رہی ہے۔''

وہ بولا۔ ''لوگ کہتے ہیں' میں دیوانہ پاگل ہوں۔ اپنے گھر سے بھاگ جاتا ہوں۔ پھر مہینوں بعد واپس آتا ہوں۔ یہ کوئی نہیں جانتا' میں جنگلوں اور بیابانوں میں کیوں بھوکا پیاسا بھٹکتا رہتا ہوں؟''

ٹیپو نے پوچھا۔ ''آپ اپنا گھر چھوڑ کر جنگلوں میں کیوں رہتے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''سانپ پکڑنے کے لئے.... کوئی ایسا ویسا سانپ نہیں۔ عام سانپوں سے کینسر نہیں جاتا۔ یہ جو کینسر ہوتا ہے ناں.... یہ سانپوں کے زہر سے زیادہ تڑپاتا ہے۔''

وہ رائنا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سانپ ڈستا ہے تو آدمی اسی وقت مر جاتا ہے۔ مگر کینسر تو اندر ہی اندر پل پل ہلاک کرتا رہتا ہے۔ دو چار مہینوں تک' دو چار برسوں تک' پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جان لے کر ہی رہتا ہے۔''

وہ انگریزی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ رائنا نے ٹیپو سے کہا۔ ''یہ تو بہت ہی غریب اور بد حال شخص ہے۔ کینسر کے پرابلم کو کیا سمجھتا ہوگا؟ تم کہاں لائے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ یہ میرا علاج کر سکے گا۔''

ٹیپو نے کہا۔ ''علاج کرنے والا خواہ کتنا ہی خستہ حال کیوں نہ ہو۔ وہ تو ایک وسیلہ ہوتا ہے۔ شفاء دینے والا تو صرف خدا ہے۔ تم خدا پر بھروسہ رکھو۔''

بابا نے پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہے؟''

ٹیپو نے کہا۔ ''یہ پوچھ رہی ہے' کیا آپ اس کا علاج کریں گے؟ اور کب کریں گے؟''

''اسے بتاؤ میں زہریلے ناگ کی تلاش میں بھٹکتا رہتا ہوں۔ اول تو ناگ آسانی سے نظر نہیں آتا۔ کہیں نظر آجائے تو جان جوکھم میں ڈال کر اسے پکڑتا ہوں۔ کسی دن اس کے زہر نے مجھے ڈس لیا تو سمجھو یہ علاج کا سلسلہ گیا۔ اس مرض کی دوا تیار کرنے کے لئے میں موت سے لڑتا ہوں۔ اس عورت سے باہر آنگن میں بیٹھنے کو کہو۔ پھر تم سے بات کروں گا۔''

ٹیپو نے کہا۔ ''آؤ رائنا! باہر چل کر آنگن میں بیٹھو۔ یہ بابا مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہے۔''

وہ آنگن میں آگئی۔ ایک چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''وہ تم سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ میرے سامنے کیوں نہیں کہہ رہا ہے؟ جبکہ میں اس کی زبان نہیں سمجھتی اور وہ میری زبان نہیں سمجھتا۔''

وہ رائنا کے شانے کو تھپک کر بولا۔ ''اس کا اپنا طریقہ کار ہے۔ وہ جو کہتا ہے' ہمیں وہی کرنا چاہئے۔ پھر وہ ابھی جو کہے گا' وہ بات تم سے نہیں چھپاؤں گا۔ ابھی آکر بتاؤں گا۔ تم یہاں آرام سے بیٹھو۔''

وہ اسے آنگن میں چھوڑ کر جھگی میں آیا۔ بوڑھے بابا کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''بیشک آپ خطرات سے کھیلتے ہیں۔ ناگ جیسے زہریلے سانپ کو پکڑتے ہیں۔ اس محنت اور عرق ریزی کے لئے آپ جتنی رقم چاہیں گے' میں ادا کروں گا۔''

''اور میں ایک پیسہ بھی نہیں لوں گا۔''

ٹیپو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''علاج کے پیسے لوں گا تو یہ میرا پیشہ بن جائے گا۔ لوگ ڈاکٹر بننے کے لئے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ پھر ڈاکٹری کی سند لے کر خوب دولت کماتے ہیں۔

میں نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔ خدا نے مجھے مفت میں مسیحائی دی ہے اور میں مفت علاج کرتا ہوں۔

مجھے اس کا صلہ یوں ملتا ہے کہ میرے پاس دولت نہیں ہے تو ڈاکو اور دشمن بھی نہیں ہیں۔ جو کینسر سے نجات حاصل کر لیتے ہیں' وہ مجھے دعائیں دیتے ہیں۔ کسی کے دل سے نکلی ہوئی خالص دعا کمانا بہت مشکل ہے۔ مگر میں آسانی سے کما رہا ہوں۔''

وہ بڑی اچھی باتیں کہہ رہا تھا۔ ٹیپو نے پوچھا۔ ''آپ اس کی دوا کیسے تیار کرتے ہیں؟''

''جب کوئی ناگ میرے قابو میں آتا ہے' تب میں اس کی گردن کاٹ کر لاتا ہوں۔ یہ دیکھو...!''

اس نے پاس رکھے ہوئے پٹارے کو کھولا۔ ٹیپو نے جھک کر دیکھا۔ اس پٹارے میں ایک ناگ کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔ وہ بولا۔ میں نے تمہاری عورت کو اسی لئے باہر بھیج دیا۔ جس کا علاج کرتا ہوں' اسے یہ سب کچھ نہیں دکھاتا۔ نہ اس کے سامنے زہر کے سلسلے میں زیادہ کچھ بولتا ہوں۔''

ٹیپو نے سر گھما کر آنگن کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں سے نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے بابا سے کہا۔ ''میری عورت بڑے حوصلے والی ہے۔ پھر بھی میں اس کے سامنے سانپ کا اور زہر کا ذکر نہیں کروں گا۔''

''یہی تمہاری عورت کے لئے بہتر ہوگا۔''

ٹیپو نے ناگ کے کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر کہا۔ ''کیا آپ اس کے سر سے زہر نکالیں گے؟ کیا میری عورت اسے استعمال کرے گی؟''

''یہ نادانی ہوگی۔ یہ زہر کا ایک ننھا سا قطرہ درجنوں مریضوں کو پلک جھپکتے ہی ہلاک کر دے گا۔ یہ زہر ہے' کوئی مذاق نہیں ہے۔''

وہ بوڑھے بابا کی باتیں توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں اپنے آنگن میں ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر ناگ کا سر وہاں رکھتا ہوں۔ پھر چھ قسم کی خاص جڑی بوٹیاں کاٹ کر اور پیس کر اس کے سر پر ڈالتا ہوں۔ پھر گڑھے کو بھر دیتا ہوں۔''

وہ ذرا توقف سے بولا۔ ''کسان بیج بوتے ہیں۔ میں زہر بوتا ہوں۔ ایک مالی کی طرح اس جگہ کو پانی سے سینچتا رہتا ہوں۔ کچھ دنوں میں وہاں سے کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ ایک پودا پنپتا ہے۔

ناگ کے زہر اور چھ جڑی بوٹیوں کی آمیزش سے وہ پودا وجود میں آتا ہے۔ میں اس

کی سبز پتیوں کو پیس کر عرق نکالتا ہوں۔''

ٹیپو نے پوچھا۔ ''کیا وہ عرق زہریلا نہیں ہوتا؟''

''کسی حد تک اسے زہریلا کہہ سکتے ہو۔ وہ چھ جڑی بوٹیوں کے مرکب سے دوا بن جاتا ہے۔ پھر یہ تب قابل استعمال ہوتا ہے' جب اس دوا کا ایک فیصد' ننانوے فیصد الکوحل میں ملاتا ہوں۔''

''جب پہلی بار آپ نے کسی مریض کو یہ دوا دی ہوگی تو کیا یہ اندیشہ نہیں رہا ہوگا کہ وہ مریض مر سکتا ہے؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''یہ خدا پر بھروسہ کرنے والی بات ہے۔ میں ناگ کا سر کاٹنے سے لے کر دوا تیار کرنے کے آخری مرحلے تک قرآن مجید کی آیتیں پڑھتا رہتا ہوں۔

جب میں نے پہلی بار یہ دوا تیار کی تو مقدس آیات پڑھتے ہوئے اس کی ایک خوراک اپنے حلق سے اتاری اور دیر تک اس کے ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔

مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ البتہ دل گھبرانے لگا۔ ایک ذرا نشہ سا چھانے لگا۔ میں نے بازار سے دودھ لا کر پیا۔ ناگ دودھ پیتا ہے۔ اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ وجہ یہ معلوم ہوئی کہ گھبراہٹ کم ہوگئی۔ میں نے اور ایک گلاس دودھ پیا تو طبیعت سنبھل گئی۔

میری ان باتوں کو اچھی طرح یاد رکھو۔ اپنی عورت کو صبح دوا کا ایک قطرہ اور شام کو ایک قطرہ ایک گھونٹ پانی میں ملا کر پلاؤ۔ ایسے وقت کلام پاک کی جو آیتیں بتائی جائیں' انہیں پڑھتے رہو۔

جب بھی اس کا دل گھبرائے' اسے دودھ پلاؤ۔ انشا اللہ رفتہ رفتہ شفا حاصل ہوتی رہے گی۔ ایک ہفتے بعد پھر اسے صبح و شام ایک ایک خوراک دو۔ ہر ایک ہفتے کے وقفے سے ایک ماہ تک قرآن مجید پڑھتے رہو اور اسے دوا کھلاتے رہو۔ اس کے بعد دوا ضروری نہیں رہے گی۔''

ٹیپو نے پٹارے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ دوا کتنے دنوں میں تیار ہوگی؟''

''میں بتا چکا ہوں' اسے تیار کرنے کے لئے کتنے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے؟ یہ پندرہ یا بیس دنوں میں قابل استعمال ہوجاتی ہے۔''

''کیا ہم پندرہ دنوں کے بعد آئیں گے تو آپ یہاں موجود رہیں گے؟''

''آج کے بعد یہاں نہیں آؤ گے۔ میرے پاس ایک بوتل میں دوا تیار رہتی ہے۔ میں ابھی ایک ماہ کی خوراک دے رہا ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک ٹین کے صندوق کے پاس گیا۔ اسے کھول کر ایک بوتل

نکالی۔ پھر ایک چھوٹی سی شیشی میں تھوڑی سی دوا انڈیل کر اسے بند کیا۔ بوتل کو صندوق میں رکھا۔

ٹیپو دیکھ رہا تھا اور خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اسے تیار شدہ دوا مل رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ بوڑھے بابا نے قریب آ کر دوا کی شیشی دینے سے پہلے کہا۔

''کلام پاک کی کوئی آیت سناؤ۔''

ٹیپو ہچکچانے لگا۔ اس نے بچپن میں تیس سپارے پڑھے تھے اور نمازیں بھی پڑھی تھیں۔ اس کے بعد وہ یورپ اور امریکہ کے ماحول میں رچ بس گیا تھا۔ وہ ایسی مصروف زندگی گزارتا رہا تھا کہ کبھی دینی معاملات کی طرف دھیان نہیں جاتا تھا۔

بابا نے پوچھا۔ ''تم مسلمان ہو؟''

''الحمدللہ مسلمان ہوں۔ ابھی شرمندگی ہو رہی ہے۔ آیتیں بھول گیا ہوں۔''

''بھول گئے ہو تو یہ دوا اثر نہیں کرے گی۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''میں ابھی فیصل آباد پہنچتے ہی کلام پاک کو آنکھوں سے اور سینے سے لگاؤں گا اور بھولی ہوئی تمام آیات اچھی طرح یاد کروں گا۔''

بوڑھے بابا نے اسے شیشی دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ اچھی طرح سن لو وہ دوا استعمال کرتی رہے گی اور تم کلام پاک نہیں پڑھو گے تو اسے شفا نہیں ملے گی۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔ کلام پاک کے علاوہ پانچوں وقت کی نمازیں بھی پڑھتا رہوں گا۔''

''عمل بہتر ہوگا تو نتائج بھی بہتر ہوں گے۔ میں دوا دے رہا ہوں' اسے مؤثر بنانا تمہارا کام ہے۔ اب جاؤ یہاں سے خدا حافظ۔''

اس نے دل کی گہرائیوں سے بابا کا شکریہ ادا کیا۔ پھر رائنا کے ساتھ فیصل آباد آ گیا۔

جب رابعہ اس کی شریک حیات تھی' تب وہ صحیح معنوں میں ایک مسلمان کی طرح اس کے ساتھ زندگی گزارتا رہا تھا۔

رائنا کی صورت میں پھر رابعہ آ رہی تھی۔ اسے شریک حیات بنانے کے لئے پھر سے دین کی طرف آنا تھا۔ کلام پاک کی آیات پڑھ کر وہ دوا کو مؤثر بنا سکتا تھا۔ رائنا کو ایک نئی زندگی دے سکتا تھا۔ وہ خود نئے سرے سے اپنے دین کی طرف مائل ہونے والا تھا۔

☆☆☆

میں نے بھی ایک نئے سرے سے زندگی گزارنے کے لئے روپوشی اختیار کر لی تھی۔ بیشار جانے انجانے دشمن' دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں اور خفیہ ایجنسیاں مجھے دوڑاتی رہی تھیں اور

میں اپنے پیچھے اُنہیں دوڑاتا آ رہا تھا۔ اب ندا کی خاطر یہ خطرناک کھیل کچھ عرصے کے لئے بند کر دینا چاہتا تھا۔

ندا کے روپ میں حجاب جھلکتی رہتی تھی۔ میرے اندر آ کر کہتی رہتی تھی۔ ''اسے تنہا نہ چھوڑو۔ اسے کسی کی سرپرستی میں اور محافظوں کی نگرانی میں چھوڑ کر بھول نہ جاؤ۔ جیسے مجھے بھول گئے تھے۔ تین برسوں میں کبھی میرے پاس آ نہیں پائے تھے۔''

ندا اور حجاب دونوں بہنیں جانتی تھیں کہ میں خطرات سے کھیلتا رہتا ہوں۔ ان سے دور رہنے کے لئے اپنے حالات سے مجبور ہوتا رہتا ہوں۔ وہ دونوں انتظار کرتی رہتی تھیں کہ جب اچھا وقت آئے گا تو ان سے ملنے ضرور آؤں گا۔

اور ان میں سے ایک انتظار کرتے کرتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دوسری کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو۔ مجھے اس کا مضبوط سہارا بننا تھا اور سہارا بننے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں ساری دنیا کے لئے مر جاؤں صرف اس کے لئے زندہ رہوں۔

لہٰذا میں نے عمیر بن غازی کی حیثیت کو' اُس کے وجود کو نامعلوم مدت کے لئے ختم کر دیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں' عاطف محمود کے نام سے اپنے دست راست عاقب محمود کا بڑا بھائی بن گیا تھا۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے چہرہ تبدیل کیا تھا اور ندا کے ساتھ عاقب کی کوٹھی میں رہنے لگا تھا۔

نہ کوئی مجھے پہچان سکتا تھا' نہ مجھ پر کسی طرح کا شبہ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ندا سے کہا۔ ''اب میں آزادی سے اور سکون سے سانسیں لے رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ پوری دنیا گھومنے کے لئے چھپ چھپ کر نہیں رہنا پڑے گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''یہ تو آپ بہت بڑی خوشخبری سنا رہے ہیں۔ کیا میں آپ کے ساتھ پوری دنیا کی سیر کروں گی؟''

''ہاں۔ مگر ابھی نہیں۔ شائد چھ یا سات ماہ بعد ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔''

''جب آپ عمیر بن غازی اور تھری ایس نہیں رہے ہیں۔ آپ کے مسائل اور الجھنیں نہیں ہیں تو پھر چھ سات ماہ کی پابندی کیوں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے پاپا کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ وہ بابا سائیں کے غار میں جا کر کہیں گم ہو گئے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے' وہ ایک دن واپس آئیں گے۔''

''کیا آپ اگلے چھ سات ماہ تک ان کی واپسی کا انتظار کریں گے؟''

''ان کا انتظار تو ساری زندگی کروں گا۔ بات کچھ اور ہے۔ جب وہ گم ہوئے' تب باپ بننے والے تھے۔ آئی جی دارا اکبر کی صاحبزادی ثناء ان کی شریک حیات ہیں۔

میرے جاں نثاروں کی معلومات کے مطابق وہ چھ یا سات ماہ میں ایک بیٹے کو جنم دیں گی۔ وہ بچہ لہو کے رشتے سے میرا بھائی ہوگا۔ میرا فرض ہے' میں اپنے بھائی کی اور ممی ثناء کی پوری طرح حفاظت کروں۔''

''کیا ان پر کوئی مصیبت آ سکتی ہے؟''

''آ سکتی ہے نہیں' آ رہی ہے۔ تمام انٹیلی جنس اور خفیہ ایجنسیوں والے ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے' پاپا جہاں بھی چھپے ہوئے ہیں' وہ اپنے بیٹے کی پیدائش کے وقت خود کو ظاہر کر سکتے ہیں یا چھپ کر بیٹے اور بیوی سے ملنے آ سکتے ہیں۔''

ندا نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ ''پھر انہیں یہ بھی شبہ ہے کہ میرے پاپا گم نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ میں نے انہیں کہیں چھپا دیا ہے اور وہ کہیں ریڈ مرکری کی پہریداری کر رہے ہیں۔''

''یہ آپ نے کیا ریڈ مرکری کی مصیبت پال رکھی ہے؟ یہ نہ ہوتی تو آپ پر طرح طرح کی مصیبتیں نازل نہ ہوتیں۔''

''ریڈ مرکری ہو یا نہ ہو۔ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ مصیبتیں ہوتی ہیں۔ کسی کے ساتھ کم ہوتی ہیں' کسی کے ساتھ زیادہ ہوتی ہیں۔''

''آپ کے ساتھ تو برداشت سے بھی زیادہ ہو رہی ہیں۔ خدا جانے آپ کیسے فولاد ہیں؟ ہنستے کھیلتے برداشت کرتے رہتے ہیں۔''

میں نے مسکراتے ہوئے سر جھکا کر دل ہی دل کہا۔ ''مرد سے زیادہ عورت فولادی ہوتی ہے۔ ہمارے جیسے فولاد کو جھیلتی رہتی ہے۔ یہ تجربہ تمہیں ہوگا' مگر ابھی نہیں۔''

وہ بہت خوش تھی۔ حجاب کے آخری خط نے اسے عارضی طور پر سنجیدہ بنا دیا تھا۔ وہ سر پر آنچل رکھنے لگی تھی' سر جھکا کر بولنے لگی تھی۔ پھر دو چار دنوں میں ہی اس کا بچپن لوٹ آیا۔ وہ پھر سے ہنسنے بولنے اور شرارتیں کرنے لگی۔

اور میں یہی چاہتا تھا کہ وہ بچپن اور جوانی کی درمیانی عمر شرارتیں کرتے ہوئے گزارے۔ اس کے ساتھ دن اور مہینے گزر رہے تھے۔ ہمارے درمیان فاصلہ رہتا تھا۔ لیکن ہم دلی طور پر اور دماغی طور پر ایک دوسرے سے متاثر ہوتے اور قریب ہوتے جا رہے تھے۔

لڑکیوں کے کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں' جنہیں وہ چپ چاپ اپنی ماں سے اور بہنوں سے شیئر کرتی ہیں۔ باپ اور بھائیوں سے چھپاتی ہیں۔ میں نے ایک تعلیم یافتہ اور تجربہ کار گورنس رکھی تھی۔ وہ ندا کے جو رمسائل حل کیا کرتی تھی۔

میں نے اسے رائنا اور ٹیپو کے بارے میں بتایا۔ پھر کہا۔ ''رائنا علاج کے لئے ٹیپو کے ساتھ آئی ہے۔ وہ دونوں فیصل آباد میں ہیں۔ رائنا میری بہن اور ٹیپو میرا وفادار دوست بھی ہے اور کبھی میرا بہنوئی بھی تھا۔ مجھے ان سے ملنا چاہئے۔''

ندا نے کہا۔ ''آپ کہیں بھی جائیں۔ اب آپ کے لئے خطرہ نہیں ہے۔ فی الحال کوئی دشمن نہیں ہے۔ ہم فیصل آباد جا کر ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔''

''یہی تو مسئلہ ہے' تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ رائنا سے کیا کہوں گا؟ اسے معلوم ہوگا کہ ہماری کورٹ میرج ہو چکی ہے تو اس کا ذہن ایک بوڑھے اور بچی کی شادی کو تسلیم نہیں کرے گا۔''

''پلیز۔ خود کو بوڑھا نہ کہیں۔ پلاسٹک سرجری کے بعد جوان لگ رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''پھر بھی عمر کی پختگی جھلکتی ہے۔''

''جھلکنے دیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں بچی ہوں۔ مگر خود کو بوڑھا کہیں گے تو میں بات نہیں کروں گی۔ کھانا بھی نہیں کھاؤں گی۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تم جو کہو گی' وہی خود کو کہوں گا۔ فی الحال یہ مسئلہ حل کرو۔ رائنا اور ٹیپو سے کیسے ملاقات کی جائے؟''

وہ بولی۔ ''ہم جائیں گے۔ آپ صاف صاف کہیں گے کہ ہم میاں بیوی ہیں۔''

''تم ابھی سے بیوی کا لفظ زبان پر نہ لاؤ۔ بچی ہو' بچی ہی رہو۔ پنڈت دینا ناتھ نے پیشگوئی کی تھی کہ اگلے آٹھ برس تک کوئی دلہن میری زندگی میں نہیں آئے گی۔ اس پیشگوئی کو تین برس گزر چکے ہیں۔ آئندہ پانچ برس بعد میں تم سے شرعی نکاح پڑھواؤں گا۔ اس سے پہلے اپنے بیٹے یعقوب سے اور بہو سے بھی تمہارا سامنا نہیں کراؤں گا۔''

''تو پھر آپ ایک دن کے لئے مجھے یہاں چھوڑ کر ان سے ملنے چلے جائیں۔''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''میں کبھی ایک دن کے لئے بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''میں بہت خوش نصیب ہوں۔ آپ مجھ سے ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہیں ہونا چاہتے۔''

وہ رقص کے انداز میں گھومتے ہوئے بولی۔ ''ہائے جی جو! ناچنے کو جی کرتا ہے۔ مگر

آپ کیا سوچیں گے؟''

''میں تو کہہ چکا ہوں' ہمیشہ ہنستی بولتی' ناچتی گاتی رہو۔ خبردار! کبھی خود کو منکوحہ نہ سمجھو۔ میں تمہارا خاوند نہیں ہوں۔ صرف جی جو ہوں۔''

وہ خوشی سے اچھل کر بولی۔ ''میں ابھی ریکارڈر آن کر کے مورنی بن جاؤں گی۔''

اس نے ایک سوئچ آن کیا۔ پھر ڈی وی ڈی سے اپنی پسند کا ایک گانا پلے کیا۔ اس کے بعد آرکسٹرا کی آواز ابھرتے ہی وہ رقص کرنے لگی۔ گانے کے بول پر تھرکنے لگی۔

''پنکھ ہوتے تو اڑ آتی رے..... رسیا او ساجنا.....''

وہ اپنی دونوں بانہیں یوں لہرا رہی تھی' جیسے دو پروں سے اڑتی ہوئی آ رہی ہو۔ میں اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ وہ دور تھی۔

اگرچہ موسیقی میں اور گانے کے بول میں جوانی کی پکار تھی۔ لیکن نگاہوں کے سامنے ایک کم سن لڑکی تھی۔ وہ لڑکپن کی دہلیز پر کہہ رہی تھی۔

دھیرے دھیرے چپکے سے پہچان ہونے
ابھی چھوٹی ہوں بالم جوان ہونے دے

میں نے خواہ مخواہ اسے ناچنے گانے کو کہہ دیا تھا۔ وہ ایک چلو سے نکل کر دریا اور دریا سے سمندر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ رقص کے مختلف زاویوں سے مجھے حیران کر رہی تھی۔ میرے اندر سے آواز نکل رہی تھی۔

غنچے سے گل' گل سے گلستاں ہو جائے گی
اے لڑکی! اس بوڑھے کو حیران ہونے دے

وہ مسرتوں کے ہجوم میں باولی ہو کر ناچتے ہوئے جیسے کہہ رہی تھی۔

مجھے دیکھ دیکھ کر ہوا میں اڑتا ہے
اس ننھی سی آندھی کو طوفان ہونے دے
ابھی چھوٹی ہوں بالم جوان ہونے دے.....

میں فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اسے خوشیاں منانے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے فون کی سم بدل کر ایک جاں نثار سے کہا۔ ''ٹیپو سے بات کراؤ۔''

اس نے کہا۔ ''او کے سر! ابھی رابطہ کراتا ہوں۔''

اب میں عاطف محمود تھا۔ اپنے فون کے ذریعے ٹیپو سے' یعقوب سے یا کسی بھی

جاں نثار سے بات نہیں کرتا تھا۔ جب ان ۔ سے بولنا ضروری ہوتا تھا تو سم بدل دیتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد کالنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ ٹیپو کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو برادر! کہاں ہو؟ کیسے یاد کیا؟''

میں نے پوچھا۔ ''میری بہن کیسی ہے؟ کیا علاج ہو رہا ہے؟''

''ہو چکا ہے۔ بوڑھے بابا نے تو کمال کر دیا۔ انہوں نے کلام پاک کی آیتیں پڑھ کر سانپ کے زہر سے جو دوا تیار کی تھی۔ رائنا اس کی آٹھ خوراکیں ایک ماہ تک روزانہ استعمال کرتی رہی۔ اس دوران میں نے اس کا دو بار میڈیکل چیک اپ کرایا۔ بخدا معجزہ ہو گیا۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق اب وہ کینسر کی مریضہ نہیں رہی ہے۔''

میں نے رائنا سے بات کی۔ وہ میری آواز سن کر خوشی سے رونے لگی۔ کہنے لگی۔

''بھائی! آپ نے اور ٹیپو نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اب میں اپنے بیٹے نامان کے لئے طبعی عمر تک جی سکوں گی۔''

''تمہیں نئی زندگی خدا نے دی ہے۔ اس معبود کا شکریہ ادا کرتی رہو اور یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے' چلی جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے رشتے دار رابعہ کی ہم شکل کو دیکھیں۔''

''میں چلی جاؤں گی۔ لیکن آپ سے ناراض ہوں۔''

''مجھ سے ناراض کیوں ہو؟''

''آپ نے یہ بات اب تک مجھ سے چھپائی کہ آپ کی رابعہ ٹیپو کی وائف تھی۔''

''اگر بتا دیتا تو تم ٹیپو کا سامنا کرتے ہوئے جھجکتی رہتیں۔ پچھلے بائیس برسوں سے اس کے ساتھ بیباکی اور بے تکلفی سے نہ رہتیں۔''

''ہاں۔ درست کہہ رہے ہیں۔ اب آپ کا یہ دوست مجھے پروپوز کر رہا ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟''

''میں ٹیپو کو بچپن سے جانتا ہوں۔ تمہیں بھرپور محبتیں دینے والا جیون ساتھی ملے گا۔ اپنے بیٹے نامان سے بات کرو۔ مجھے یقین ہے' وہ بھی ماں کو نئی مسرتیں دینا چاہے گا۔''

فون پر ٹیپو کی آواز سنائی دی۔ ''تھینک یو باس! تھینک یو میرے دوست! تمہاری سفارش تگڑی ہے۔ میرا کام بن جائے گا۔''

''خدا کا شکر ادا کرو' تمہیں رابعہ مل رہی ہے۔ اسے چوبیس گھنٹے کے اندر یہاں سے لے جاؤ۔''

''کیا تم ہم سے نہیں ملو گے؟''

''نہیں۔ مجبوری ہے۔ یہ سمجھ لو اور رائنا کو بھی سمجھاؤ کہ میں اس دنیا سے جا چکا ہوں۔ کبھی حالات بدلیں گے اور واپس آؤں گا تو تم سب سے ملاقات کروں گا۔ فی الحال خدا حافظ۔''

میں نے رابطہ ختم کر کے سم بدل دی۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ میں نے رائنا کو بہن بنا کر ایک بھائی کی تمام ذمہ داریاں پوری کی ہیں۔

راڈ مین اسے بیوی بنا کر مجھے ٹریپ کرنے کی کوششیں کرتا رہا اور ناکام ہوتا رہا۔ آخر کار وہ میرے شکنجے میں آ گیا۔ رائنا نے اس کا اصلی مکروہ چہرہ دیکھ کر اس پر تھوک دیا تھا۔ اس سے ہمیشہ کے لئے رشتہ ختم کر دیا تھا۔ اب وہ کینسر جیسے مہلک مرض سے نجات حاصل کرنے کے بعد ٹیپو کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے والی تھی۔

میں نے میسونی تنظیم سے وعدہ کیا تھا کہ میرا بیٹا یعقوب فراڈ نہیں ہو گا' اصلی ہو گا تو میں پہلے اس کی یہودی ماں محالہ کو رہا کروں گا۔ پھر راڈ مین کو بھی ان کے حوالے کر دوں گا۔

میں نے ٹیپو سے کہا۔ ''جب تک میں دشمنوں کے لئے نابود رہوں گا' تب تک تم ہمیشہ کی طرح میرے تمام معاملات سنبھالتے رہو گے۔''

''یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ ہمیشہ کی طرح میری شامت آئے گی۔ بولو کیا خاص ہدایات دینا چاہتے ہو؟''

''محالہ اور راڈ مین میرے بدترین دشمن ہیں۔ میں انہیں تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ زبان دے چکا ہوں کہ میرا بیٹا یعقوب اصلی ثابت ہو گا تو میں انہیں رہا کر دوں گا۔''

''تم وعدہ کے مطابق انہیں رہائی دو۔ مگر اپاہج بنا دو۔ پھر وہ تم سے دشمنی کے قابل نہیں رہیں گے۔''

''راڈ مین کو بے شک اپاہج بنا کر اسے میسونی تنظیم کے حوالے کر دو۔ لیکن یعقوب اپنی ماں سے فطری اور جذباتی طور پر وابستہ ہے۔ میں اپنے بیٹے کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ اس عورت کو صحیح سلامت جانے دو۔''

''او کے باس! ویسے یاد رکھو۔ تم پھر سے میرے سالے بن رہے ہو۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بہت خوش ہو۔ ہونا بھی چاہئے۔ تم نے میری بہن رابعہ سے سچی محبت کی۔ اس کے بعد کسی سے شادی نہیں کی۔ تمہیں صبر کا پھل مل رہا ہے۔ رائنا بھی میری رابعہ ہے۔ تم اسے بھی دل و جان سے چاہو گے۔ تم بہت اچھے ہو۔ آئی لو یو۔''

میں نے اسے اور ضروری ہدایات دینے کے بعد رابطہ ختم کر دیا۔

☆☆☆

چھ ماہ گزر گئے۔ میری ممی ثناء کی زچگی کا وقت قریب آ گیا۔ وہ ایک لالچی اور خود غرض باپ دارا اکبر کی صاحبزادی تھیں۔ پہلے تو اس شخص نے خزانہ حاصل کرنے کی لالچ میں پاپا سے دوستی کی۔ انہیں اپنا داماد بھی بنالیا۔ پھر جب ناکامی ہوئی تو سی آئی اے اور را والوں کا آلہ کار بن گیا۔

سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی ثناء کو گھر سے نکال دے۔ وہ بے گھر بے آسرا ہوگی تو میں اور میرے پاپا اسے بے سہارا اور در بدر نہیں ہونے دیں گے۔ کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کرتے رہیں گے۔ ایسے وقت ہمارا سراغ لگانا اور ہم تک پہنچنا ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔

دارا اکبر نے بیٹی کو گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ اپنی ایک سہیلی کے گھر میں پیئنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنے لگی تھیں۔ تمام جاسوس دور ہی دور سے ان کی نگرانی کرنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ میں یا میرے جاں نثار اُن کی مستقل رہائش کا انتظام کرنے اور انہیں آرام پہنچانے ضرور ان کے پاس آئیں گے۔

چھ ماہ گزر گئے۔ ہم میں سے کسی نے بے سہارا ہونے والی کی مدد نہیں کی۔ کیونکہ وہ محتاج نہیں تھیں۔ بینک میں ان کے لاکھوں روپے تھے۔ وہ آسانی سے اپنی ہر ضرورت پوری کر رہی تھیں۔

را ایجنسی کے ڈائریکٹر نے انہیں مجبور اور ضرورت مند بنانے کے لئے ان کے بینک اکاؤنٹ کو فریز کر دیا۔ ان کی سہیلی کو دھمکی دی کہ وہ ثناء کو اپنے گھر میں پناہ دے گی تو بڑے ہی برے انجام سے دوچار ہوگی۔

سہیلی نے انہیں اپنے گھر سے جانے کو کہہ دیا۔ وہ نو ماہ کا پیٹ لے کر فٹ پاتھ پر آ گئیں۔ کہیں کرائے کا مکان لینے اور ہسپتال میں داخل ہونے کے لئے ان کے پاس دس روپے کا ایک نوٹ بھی نہیں تھا۔ وہ اس قدر مجبور ہوگئی تھیں کہ انہیں ریلوے اسٹیشن کے سرائے میں بھی رات گزارنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔

سی آئی اے اور را ایجنسی کے منصوبے کے مطابق چند غنڈے انہیں پریشان کر رہے تھے۔ میرے جاں نثاروں کو مجبور کر رہے تھے کہ ان کی مدد کرنے کے لئے سامنے آئیں۔ وہ ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گئیں۔ غنڈے انہیں ہانک رہے تھے۔ کہہ رہے تھے۔ ''اسی طرح چلتی

رہو۔ ہم تمہیں کہیں بیٹھنے اور آرام سے لیٹنے نہیں دیں گے۔''

ایسے ہی وقت فائرنگ کی آواز کے ساتھ گولیاں سنسناتی ہوئی آئیں۔ دو غنڈے مر گئے۔ تیسرا وہاں سے بھاگ گیا۔ جاں نثاروں نے خود کو ظاہر نہیں کیا۔ لیکن ثناء کی حفاظت کے لئے میدان میں آ گئے۔

وہ ایک ہسپتال کے برآمدے میں آ کر بیٹھ گئیں۔ تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے آ کر ان کا معائنہ کیا۔ پھر انہیں لیبر روم میں پہنچا دیا۔ دشمنوں نے سمجھ لیا کہ ان کی مدد کرنے والے آس پاس موجود ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے وہ مجھ تک پہنچ سکیں گے۔

سی آئی اے اور را ایجنسی والوں کا خیال تھا کہ میں اپنی ممی ثناء کی مدد کر رہا ہوں یا پھر میرے پاپا اس غار کے کسی چور راستے سے نکل آئے ہیں اور اپنی شریک حیات کے برے وقت میں کام آ رہے ہیں۔ مخالفین کی پلاننگ کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ ہم باپ بیٹے میں سے کسی کو مقابلے پر آنے کے لئے مجبور کر رہے تھے۔

ان کے دو آلہ کار مارے گئے تھے۔ انہوں نے کئی آلہ کاروں کو ہسپتال کے اندر اور باہر پہنچا دیا۔ وہ چاہتے تھے' مقابلہ جاری رہے اور ہم میں سے کوئی ان کے ہاتھ لگ جائے۔

میرے جاں نثار نادان نہیں تھے۔ وہ براہِ راست مقابلہ نہیں کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی اچھی خاصی رقم سے آلہ کار خرید لئے تھے۔ فون کے ذریعے اُن کی رہنمائی کر رہے تھے کہ دشمن ہسپتال کے اندر کہاں ہیں؟ کس بھیس میں ہیں؟ اور انہیں اس طرح ٹھکانے لگانا ہے کہ مریض پریشان نہ ہوں۔

وہ ہدایات کے مطابق یہی کر رہے تھے۔ سائیلنسر لگے ہوئے ہتھیاروں سے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔ ہسپتال میں فائرنگ کی آوازیں نہیں گونج رہی تھیں۔ لیکن وہاں کا عملہ پریشان ہوگیا تھا۔

ہمارے دو آلہ کار گرفتار ہوگئے تھے۔ را والے انہیں اپنے ٹارچر سیل میں لے گئے۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر ہم باپ بیٹے کے بارے میں سوالات کرنے لگے۔ وہ دونوں کرائے کے قاتل تھے' ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ وہ کسی تھری ایس اور غازی صلاح الدین کو نہیں جانتے ہیں۔ وہ بڑی بڑی رقمیں لے کر کسی کے لئے بھی کام کرتے ہیں۔

رات ہوگئی تھی۔ وہ دردِ زہ میں مبتلا تھیں۔ صبح ہونے سے پہلے ماں بننے والی تھیں۔

ایسے وقت ایک جاں نثار نے را کے ایک افسر کو گولی ماردی۔ اس کے اعلیٰ عہدیدار کو فون پر کہا۔ ''اس کی لاش دیکھو۔ اس کے بعد تمہاری باری ہے۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہسپتال سے اپنے تمام کتوں کو ہٹالو۔ کوئی بھی میڈم ثناء کے قریب جائے گا تو تم مارے جاؤ گے۔ ہم جانتے ہیں' لندن آکسفورڈ یونیورسٹی میں تمہارا ایک بیٹا ہے۔ اس کی خیر مناؤ۔''

دوسرے جاں نثار نے سی آئی اے کے ایک افسر سے کہا۔ ''ہم جانتے ہیں' تمہارا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر واشنگٹن سے آیا ہے۔ ہم اسے واپس جانے نہیں دیں گے۔ اگر یہاں سے بچ کر جائے گا تو واشنگٹن میں مارا جائے گا۔ اس کی سلامتی کے لئے میڈم ثناء سے دور رہو۔''

اب سے پہلے میرے مخالفین یہ دیکھ چکے تھے کہ میری طرف سے ملنے والی دھمکیاں کھوکھلی نہیں ہوتی ہیں۔ دھماکہ ضرور ہوتا ہے۔ میرے دو جاں نثاروں کی فون کالز نے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا۔

یوں بھی وہ میری ممی ثناء کو جانی نقصان پہنچانے والے نہیں تھے۔ صرف ہمیں گرفتار کرنے کے لئے ایک ماں بننے والی کو پریشان کررہے تھے۔ شیطان کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ وہ جان سے نہیں مارتا' ہلکان کرتا رہتا ہے۔

صبح اذان سے پہلے ممی نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ جب اسے ممی کے پاس پہنچایا گیا تو وہ اسے دیکھ کر خوشی نہال ہوگئیں۔ اپنی ساری تکالیف اور دشمنوں کے مظالم بھول گئیں۔ اس بچے کا ناک نقشہ بالکل پاپا جیسا تھا۔

وہ اسے چوم کر بولیں۔ ''غازی! آپ کہاں ہیں؟ کیا اپنے بیٹے کی صورت میں واپس آئے ہیں؟''

وہ اسے سینے سے لگارہی تھیں۔ بار بار چوم رہی تھیں۔ پھر خیال آیا کہ بچے کے کان میں اذان سنانی ہے۔ اس نے نرس سے پوچھا۔ ''یہاں کوئی مسلمان ہے تو پلیز اسے بلاؤ۔ وہ میرے بچے کے کان میں اذان دے گا۔''

نرس نے کہا۔ ''اس ہوسپٹل میں ایک ہی مسلمان ہے اور وہ چھٹی پر ہے۔''

ممی نے نرس سے فون لے کر اپنے باپ دارا اکبر کو مخاطب کیا۔ ''ڈیڈ! میں ماں بن گئی ہوں۔ میں نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''تو میں کیا کروں؟ اگر تم واپس آنا چاہتی ہو تو غازی اور تھری ایس کو فون کرو۔ ان سے رابطہ ہو تو ہمیں بتاؤ' کسی طرح انہیں گرفتار کراؤ۔ پھر میرے گھر کے

دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔''

''میں نے یہ سوچ کر فون کیا تھا کہ آپ نواسے کی ولادت پر خوش ہوں گے۔ آپ کے دل میں کچھ تو بیٹی کے لئے جگہ ہوگی۔ لیکن افسوس ایسی بے حسی پر مجھے رونا آرہا ہے۔ میں اپنے بیٹے کو لے کر کبھی آپ کے گھر نہیں آؤں گی۔''

''جب گھر نہیں آنا ہے تو فون کیوں کیا ہے؟''

''آپ سے صرف اتنی سی درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ کسی مسلمان کو یہاں بھیج دیں۔ وہ میرے بیٹے کو اذان سنائے گا۔''

''اذان اتنی ہی ضروری ہے تو غازی کو یا تھری ایس کو پکارو۔ وہ آکر اذان دیں گے۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی فجر کی اذان کہیں دور سے سنائی دی۔ نرس اپنا فون لے کر کمرے سے چلی گئی۔ ممی نے فوراً ہی بیٹے کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے سر سے بلند کیا تاکہ اذان پوری طرح اس کے کانوں میں پہنچے۔ لیکن آواز واضح نہیں تھی۔ پتہ نہیں وہ مسجد وہاں سے کتنی دور تھی؟ آواز کبھی گم ہوجاتی تھی' کبھی سنائی دیتی تھی۔

وہ مایوس ہورہی تھیں۔ یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اذان کب ختم ہوئی۔ انہوں نے بچے کو سینے سے لگایا پھر سوچنے لگیں۔ ''کیا عورت اذان دے سکتی ہے؟''

اس دینی مسئلے کے متعلق وہ نہیں جانتی تھیں۔ اگر اجازت ہوتی' تب بھی بیٹے کے کان میں اذان نہیں دے سکتی تھیں۔ کیونکہ زچگی سے فارغ ہوئی تھیں۔

ایسے وقت دروازہ کھلا۔ لیبر روم میں کام کرنے والی ایک عورت کمرے میں آئی۔ اس کا ایک ہاتھ ساڑھی کے آنچل میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے قریب آکر وہ ہاتھ باہر نکالا تو ایک موبائل فون دکھائی دیا۔

اس نے ممی کی طرف وہ فون بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ایک آدمی نے مجھے پانچ سو روپے دیئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ فون آپ کے پاس پہنچادوں۔''

اس عورت نے کوئی جواب نہیں سنا۔ فون کو بیڈ پر رکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

ممی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ دشمنوں نے ان کا بینک اکاؤنٹ فریز کرکے انہیں پیسے پیسے کا محتاج بنادیا تھا۔ ایسے وقت کسی نے ایک مہنگا فون ان کے پاس پہنچایا تھا۔ انہوں نے سوچا۔ ''میں یہ فون لے کر کیا کروں گی؟ کسے کال کروں گی؟ کس سے مدد مانگوں گی؟''

ان کی سوچ کے جواب میں میسج ٹون سنائی دی۔ انہوں نے بٹن دبا کر پیغام پڑھا۔

ننھی سی اسکرین پر لکھا تھا۔ ''فون بیٹے کے کان سے لگاؤ۔''

وہ خوشی سے کھل گئیں۔ چند لمحوں بعد ہی کالنگ ٹون سنائی دی۔ انہوں نے بٹن دبا کر فون بیٹے کے کان سے لگایا۔ ''اللہ اکبر... اللہ اکبر...''

فون سے اذان کی آواز ابھر رہی تھی۔ بچہ سن رہا تھا۔ ممی تو بچپن سے اذانیں سنتی آئی تھیں۔ لیکن ایک بھاری بھرکم دل میں اتر جانے والی آواز سنتے ہی ان کا دل یک لخت زور زور سے دھڑکنے لگا۔

ہائے! کیوں دھڑکنے لگا؟

انہیں اپنے مجازی خدا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

یا خدا! کیا یہ سماعت کا فریب ہے؟

نہیں... وہ اس آواز کو نقار خانے اور قیامت کے شور و ہنگاموں میں بھی پہچان سکتی تھیں۔ ان کا فون والا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ بچے کے کان میں بچے کا باپ بول رہا تھا۔

میں ممی کی رُوداد سنا رہا ہوں۔ لیکن اس وقت میں بھی نہیں جانتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ میرے جاں نثار ہوسپٹل کے باہر اور اندر چھپے ہوئے تھے۔ وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس کمرے کے اندر کیسا معجزہ ہو رہا ہے؟

پاپا واپس نہیں آئے تھے۔ لیکن آواز لوٹ کر آئی تھی اور وہ آواز سمجھا رہی تھی کہ ہماری دنیا میں کہیں ان کا وجود ہے۔

اس آواز نے مسلمان کے بیٹے کو اذان سنا دی۔ جیسے ہی اذان اختتام کو پہنچی' ممی نے تڑپ کر فون کو اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹے کے مؤذن! میرے مجازی خدا! آپ کہاں ہیں؟''

انہیں سوال کا جواب نہیں ملا۔ وہ پھر تڑپ کر بولیں۔ ''میرے سرتاج! میرے جیون ساتھی! میں آپ کی پھول وتی بول رہی ہوں۔ مجھ سے بولیں۔ یہاں آئیں۔ ورنہ دشمن میری طرح آپ کے بیٹے کا بھی جینا حرام کر دیں گے۔''

دوسری طرف بدستور خاموشی رہی۔ انہوں نے التجا کی۔ ''آپ چپ کیوں ہیں؟ بولتے کیوں نہیں ہیں؟''

جیسے موت' زندگی کو خاموش کر دیتی ہے۔ ویسی ہی خاموشی چھا گئی تھی۔ ممی نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔ وہ بند ہو چکا تھا۔ سادہ اسکرین کہہ رہی تھی کہ فون بالکل ہی آف ہے۔

اسے پھر سے آن کرنا ہوگا۔

انہوں نے اسے آن کیا۔ پھر بٹن دبا کر ریسیوڈ کال کی لسٹ دیکھی تو کال کرنے والے کا کوئی نمبر نہیں تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ لیکن وہ نمبر مٹائے بغیر مٹ گیا تھا۔

انہوں نے میسج کی لسٹ میں جانے کے لئے بٹن دبائے۔ وہاں ننھی سی اسکرین پر عربی زبان میں لکھا تھا۔ ''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

بڑی حیرانی کی بات تھی۔ میسج دینے والے کا بھی فون نمبر نہیں تھا۔ اگر ممی سے کہا جاتا کہ وہ فریب سماعت تھا۔ انہیں دھوکا ہوا ہے' وہ ان کے مجازی خدا کی آواز نہیں تھی تو وہ کبھی نہ مانتیں۔

پاپا کی آواز اور لب و لہجے نے ملاقات کے پہلے ہی دن سے انہیں جکڑ لیا تھا۔ وہ تنہائی میں بھی ان کی گزری ہوئی باتیں یاد کرتی تھیں اور انہیں یوں لگتا تھا' جیسے وہ ان کے اندر بیٹھ کر بول رہے ہیں۔

پاپا کی ایک ایک بات' ایک ایک لفظ' ان کا لہجہ ممی کی رگوں میں لہو کی طرح دوڑتا رہتا تھا۔ انہوں نے انہی کی آواز اور لہجے میں وہ اذان سنی تھی۔

وہ مان ہی نہیں سکتی تھیں کہ فریب سماعت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ پاپا کی آواز واضح طور پر سننے کے بعد اس فون کو سینے سے لگا کر رو رہی تھیں۔ وہ ایک غار کے تہہ خانے سے نکل کر اس فون کے تہہ خانے میں گم ہو گئے تھے۔ دل کہہ رہا تھا' وہ پھر کسی دن' کسی وقت وہاں سے اپنی آواز سنائیں گے۔ ابھی ان کی خاموشی کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

اس فون کے پچھلے حصے میں ایک چھوٹی سی چٹ لگی ہوئی تھی۔ اس پر اسی فون کا نمبر پرنٹ کیا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اجنبی عورت کمرے میں آئی۔ اس نے کہا۔ ''آپ کے ایک ہمدرد اور مددگار فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ میرے فون پر ان سے بات کریں گی؟''

ممی نے کہا۔ ''مجھے ان کا فون نمبر بتاؤ۔''

اس نے نمبر بتائے۔ ممی نے ان نمبروں کو اپنے فون پر پنچ کیا۔ فوراً ہی رابطہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے میرے ایک جاں نثار نے میری آواز اور لب و لہجے میں کہا۔ ''ممی! میں غازی صلاح الدین کا بیٹا عمیر بن غازی بول رہا ہوں۔''

وہ بولیں۔ ''میں کیسے یقین کروں کہ تم عمیر ہو؟''

''آپ کو رفتہ رفتہ یقین ہو جائے گا۔ پاپا کے رشتے سے آپ میری والدہ ہیں۔ آپ نے میرے ایک بھائی کو جنم دیا ہے۔''

انہوں نے کہا۔ ''مجھے ہمدردی اور سہارے کی ضرورت ہے۔ فی الحال بہت بڑا سہارا مل رہا ہے۔ میں تم پر اس وقت بھروسہ کروں گی' جب مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''شکریہ ممی! آپ کو فائدہ پہنچتا رہے گا۔ میں نے آپ کی رہائش کا انتظام کیا ہے۔ آپ دو بوڑھے میاں بیوی کے ساتھ وہاں آرام سے رہیں گی۔ آپ کی خدمت کے لئے ایک ملازمہ بھی ہوگی۔ وہ میاں بیوی ابھی آپ کے پاس آ[illegible] رہے ہیں۔''

''دشمن مجھے کہیں رہنے نہیں دیتے۔ انہوں نے مجھے اس ہسپتال تک بھی پہنچنے نہیں دیا تھا۔ کیا میں آئندہ کہیں سلامتی سے رہ پاؤں گی؟''

''انشا [illegible] کسی طرح کی آنچ نہیں آئے گی۔ میرے جاں نثاروں نے آپ کو اس ہوسپٹل تک پہنچایا ہے۔ وہ آئندہ بھی سیکورٹی فراہم کرتے رہیں گے۔''

''تمہارا شکریہ [illegible] بچے کے ساتھ سکون سے رہ سکوں گی۔''

''ممی! آپ شکریہ [illegible] کریں۔ میں ایک بیٹے کا فرض ادا کر رہا ہوں۔''

دروازے پر دستک سنائی دی۔ پھر وہ دروازہ ذرا سا کھل گیا۔ ایک بڑے میاں نے جھانک کر پوچھا۔ ''بیٹی! ہم اندر آسکتے ہیں؟ میں اپنی شریک حیات کے ساتھ آیا ہوں۔''

ممی نے فون پر کہا۔ ''یہاں ایک عمر رسیدہ میاں بیوی آئے ہیں۔ کیا یہی مجھے لینے آئے ہیں؟''

جاں نثار نے کہا۔ ''ان سے نام پوچھیں۔ ایک کا نام سعید احمد ہے اور دوسری کا نام سعدیہ سعید ہے۔''

ممی نے ان سے نام پوچھے۔ انہوں نے وہی نام بتائے۔ وہ فون پر بولیں۔ ''یہ تمہارے ہی بھیجے ہوئے لوگ ہیں۔''

''ان پر بھروسہ کریں اور ان کے ساتھ جائیں۔ میں آپ سے فون پر رابطہ رکھوں گا۔ خدا حافظ۔''

فون بند ہوگیا۔ سعید اور سعدیہ ممی کی اجازت سے اندر آ گئے۔ دونوں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ سعید نے کہا۔ ''ہوسپٹل کا تمام بل ادا ہو چکا ہے۔ ہمارے ساتھ چلو اور ہماری بیٹی بن کر رہو۔''

سعدیہ نے بچے کو چوم کر اسے اٹھا لیا۔ پھر کہا۔ ''باہر گاڑی ہے۔ کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔ اب یہاں سے چلو۔''

ممی اپنا فون اٹھا کر ہوسپٹل سے باہر آئیں۔ وہاں ایک کار کی پچھلی سیٹ پر سعدیہ کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ سعید احمد نے اسٹیرنگ سیٹ پر آ کر کار اسٹارٹ کی۔ وہ تقریباً چھ ماہ سے گھر سے بے گھر ہو کر مخالفین کے مظالم برداشت کرنے کے بعد اپنے بیٹے کے ساتھ ایک نیا سفر شروع کر رہی تھیں۔

☆☆☆

مجھے یقین تھا' پاپا ابھی زندگی کی سانسیں لے رہے ہیں۔ جبکہ چھ ماہ گزر چکے تھے اور کہیں سے اُن کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔

سی آئی اے والوں نے اور انڈین آرمی نے اس غار کے تہہ خانے تک پہنچنے کے لئے زیر زمین سرنگ کھودی تھی۔ لیکن آگے نہ جا سکے۔ راستے میں چٹانیں حائل ہوگئی تھیں۔ انہیں توڑا نہیں جا سکتا تھا۔

انہوں نے سمت بدل کر سرنگ کی کھدائی جاری رکھی۔ لیکن آگے جا کر بھی چٹانیں حائل ہوتی گئیں۔ ماہرین نے کہا' اگر ان چٹانوں کے پیچھے وہ تہہ خانہ ہے اور غازی وہاں چھپا ہوا ہے تو اس کے لئے بھی باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دشمن تو یہی سمجھنے سے قاصر تھے کہ پاپا اندر کیسے گئے؟ جبکہ تہہ خانے میں جانے کے لئے کوئی چور راستہ بھی نہیں تھا۔ جب تمام دشمنوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا' تب وہ غار کے اندر تھے۔ سب ہی نے اس غار میں جا کر دیکھا تھا۔ وہ نظر نہیں آئے تھے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گم ہو گئے؟ کیسے گم ہو گئے؟

دشمنوں نے کہا۔ ''غازی جادو نہیں جانتا تھا۔ وہ غائب نہیں ہوا ہے۔ کسی نا معلوم طریقے سے زیر زمین چلا گیا ہے۔ اس غار کے نیچے ضرور کوئی تہہ خانہ ہے۔''

وہ دن رات اس تہہ خانے تک پہنچنے کی کوششیں کر۔تے رہے اور ناکام ہوتے رہے۔ ایک ماہ بعد یہ رائے قائم کی گئی کہ غازی کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملا۔ وہ تہہ خانے میں بھوکا پیاسا رہ کر جان سے جا چکا ہے۔

ایسی رائے قائم کرنے کے باوجود غار کے چاروں طرف پہاڑ کے دامن سے کافی بلندی تک تار کانٹوں کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ وہاں دن رات فوجی پہرہ دیتے رہتے تھے۔ چھ ماہ بعد پہرہ دینے والے بھی چلے گئے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ میرے پاپا اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔

لیکن مجھے اور میرے بیٹے یعقوب کو یقین تھا کہ وہ ضرور زندہ سلامت ہوں گے۔ چھ

ماہ بعد ممی نے فون کے ذریعے ان کی آواز سنی۔ وہ آواز بچے کو اذان سناتے ہی معدوم ہو گئی۔

اس اذان نے ان کے زندہ رہنے کی تصدیق کر دی۔ یہ تشویش پیدا ہوئی کہ اذان کے بعد وہ خاموش کیوں ہو گئے؟

انہوں نے ممی سے بات کیوں نہیں کی؟ اپنے نولود بیٹے کو تحفظ فراہم کرنے کے سلسلے میں اس کی ماں سے کوئی بات کیوں نہیں کی؟

کیا اس دنیا سے اور انسانوں سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے یا کوئی ایسا قدرتی بھید ہے' جو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟

ممی تو سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے اس فون کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہتی تھیں۔ دل کہتا تھا' بس کسی بھی لمحے میں پاپا کی آواز سنائی دے گی۔

بچے کے کان میں اذان دینا بہت ضروری تھا۔ اس لئے پاپا نے آواز سنائی تھی۔ کیا پھر کوئی اہم معاملہ درپیش ہو گا تو وہ فون پر بولیں گے؟

یہ سوال پریشان کر رہا تھا کہ صرف اہم معاملات میں کیوں بولیں گے؟ اپنی شریک حیات کو تسلیاں دینے کے لئے دو باتیں کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ یہ کیا اسرار ہے؟

ممی نے ہسپتال سے گھر آ کر ایک ہفتے تک پاپا کی کال کا انتظار کیا۔ پھر ایک دن انہوں نے روتے ہوئے فون کو پیشانی سے لگا کر کہا۔ ''آپ کہاں ہیں؟ خاموش کیوں ہیں؟''

انہوں نے ذرا چپ ہو کر انتظار کیا۔ پھر کہا۔ ''خدا کے لئے کچھ بولیں۔ میں نے اب تک بیٹے کا نام نہیں رکھا ہے۔ آپ اس کا نام رکھیں۔ ورنہ میں اسے بے نام رکھوں گی۔''

وہ رو رہی تھیں۔ فون کو کبھی پیشانی سے کبھی سینے سے لگا کر کہہ رہی تھیں۔ ''کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ اگر ہیں تو میرا قصور بتائیں۔ مجھے سزائیں دیں' لیکن بیٹے کو باپ سے محروم نہ کریں۔ اگر آپ نہیں آ سکتے' مجبوری ہے تو کوئی بات نہیں۔ اپنی آواز تو سنا سکتے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ بیٹا بے نام رہے؟''

وہ بولتے بولتے چونک گئیں۔ فون سے ہلکی سی ٹون سنائی دی تھی۔ انہوں نے فون کو دیکھا۔ کسی کا میسج آیا تھا۔

وہ فوراً ہی بٹن کو دبا کر میسج تک پہنچیں۔ ننھی سی اسکرین پر لکھا تھا۔ ''بیٹے کا نام غازی صلاح الدین ثانی.... ایک گیا' دوسرا آیا ہے۔''

آگے اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ ممی نے بٹن دبا کر دیکھا۔ میسج دینے والے کا نام اور فون نمبر

نہیں تھا۔

پہلے بھی ہوسپٹل میں یہی ہوا تھا۔ نہ نام لکھا تھا نہ نمبر.... جیسے میسج بھیجنے والے کا نام و نشان ہی نہ ہو۔ جبکہ وہ پہلی بار آواز سے پہچانے گئے تھے۔ دوسری بار لکھا تھا' بیٹے کا نام غازی صلاح الدین ثانی.... یوں اس بچے کو 'بیٹا' کہہ کر خود کو ظاہر کیا تھا۔

پھر بیٹے کا نام تجویز کرنے کے بعد لکھا تھا۔ ایک گیا دوسرا آیا ہے....

یہ دعوت فکر تھی کہ سوچو کون جا چکا ہے؟ کون آیا ہے؟

غازی صلاح الدین جا چکا ہے۔ اب نہیں آئے گا۔ وہی نام لے کر بیٹا آیا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ ہماری دنیا میں ہیں۔ مگر ہماری نظروں سے جا چکے ہیں' اوجھل ہو گئے ہیں۔ اب کبھی دکھائی نہیں دیں گے۔ وہ اپنے بیٹے کی صورت میں نظر آتے رہیں گے۔

کسی کے ساتھ کچھ بھی ہوتا رہے' وقت اپنی رفتار کے ساتھ گزرتا رہتا ہے۔ دو ماہ گزر گئے' میرا جاں نثار ممی سے فون پر رابطہ رکھتا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ میں واقعی ایک بیٹے کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ ان کی تمام ضروریات پوری ہو رہی تھیں اور انہیں اپنے بچے کے ساتھ مکمل تحفظ مل رہا تھا۔

جب انہیں اچھی طرح اس جاں نثار پر بھروسہ ہو گیا تو انہوں نے فون پر کہا۔ ''میں مانتی ہوں' تم میرے شوہر غازی صلاح الدین کے بیٹے عمیر بن غازی ہو۔ تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارے پاپا کی زندگی کے آثار مل رہے ہیں۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا وہ غار سے باہر آ گئے ہیں؟''

''میں نہیں جانتی' اُن کی صورت نہیں دیکھی ہے' صرف آواز سنی ہے۔''

''کیا آپ پورے یقین سے کہتی ہیں کہ ان کی آواز اور لب و لہجہ سنا ہے؟''

''مجھے گمان نہیں ہے' یقین ہے۔ انہوں نے موبائل فون کے ذریعے میرے بچے کے کان میں اذان دی تھی۔ میں نے کسی شک و شبہے کے بغیر واضح طور پر ان کی آواز سنی ہے۔''

''انہوں نے آپ سے کچھ کہا ہو گا؟''

''اسی بات کا تو ملال ہے۔ اذان کے بعد پھر ان کی آواز سنائی نہیں دی۔ انہوں نے بچے کے کان میں صرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی۔ پھر کسی دنیاوی معاملے پر بات نہیں کی۔''

انہوں نے جاں نثار کو بتایا کہ ایک اجنبی عورت ہسپتال کے کمرے میں آ کر انہیں فون دے کر گئی تھی۔ اسی فون کے ذریعے بیٹے کے کان میں آواز پہنچی تھی۔

پھر انہوں نے کہا۔ ''ہسپتال سے گھر آ کر میں انتظار کرتی رہی کہ وہ پھر کسی وقت مجھ سے بولیں گے۔ لیکن فون خاموش رہا۔ پھر میں نے فون کو پیشانی سے لگا کر روتے ہوئے التجا کی انہیں بچے کا نام رکھنے کو کہا۔ ایسے وقت ایک میسج موصول ہوا۔ انہوں نے بچے کا نام غازی صلاح الدین ثانی رکھا ہے۔ پھر یہ بھی لکھا کہ ایک گیا' دوسرا آیا ہے۔''

جاں نثار نے یہ تمام باتیں مجھے بتائیں۔ میں نے کہا۔ ''پاپا نے ممی سے دو بار رابطہ کیا ہے۔ ایک بار بچے کو اذان سنائی ہے۔ دوسری بار اس کا نام تجویز کیا ہے۔''

جاں نثار نے کہا۔ ''سر! پاپا نے بچے کو اپنا نام دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کہا ہے کہ ایک گیا اور دوسرا آیا ہے۔''

''ہاں۔ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ننھا غازی صلاح الدین ثانی آیا ہے اور وہ جا چکے ہیں۔ اب نہیں آئیں گے۔''

یہ صدمہ پہنچانے والی بات تھی کہ وہ نہیں آئیں گے۔ نہ آنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر وفات پاتے تو اذان سنانے کے لئے فون استعمال نہ کرتے۔ ان کا وجود تھا' تب ہی تو آواز سنی گئی تھی۔

میں نے بے چین ہو کر سوچا' ان کا وجود کہاں ہے؟

کیا ابھی تک اس غار کے تہہ خانے میں ہیں؟ یا وہاں سے نکل آئے ہیں؟

اگر نکل آتے تو ممی سے اور نوزائیدہ بچے سے ملنے ضرور آتے۔

اگر ملاقات کرنے کے سلسلے میں دشواری پیش آ رہی تھی تو موبائل فون کے ذریعے اپنی شریک حیات سے باتیں کرتے۔

نگران کی پراسرار خاموشی الجھا رہی تھی۔ میں شام کے وقت لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ سر جھکائے سوچ رہا تھا۔ ندا ایک ٹرے میں سینڈوچز اور چائے لے آئی۔ میز کے دوسری طرف بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

میں نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بولی۔ ''آپ کچھ پریشان ہیں؟''

میں نے ایک سینڈوچ لیتے ہوئے کہا۔ ''پریشان نہیں ہوں۔ پاپا کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

میں نے کھانے اور چائے پینے کے دوران اسے پاپا کے سلسلے میں موجودہ باتیں بتائیں۔ وہ بولی۔ ''یہ تو خوشی کی بات ہے' ان کی زندگی کا ثبوت مل رہا ہے۔ مگر حیران ہوں

انہوں نے اس تہہ خانے میں بھوکے پیاسے رہ کر کتنے دن گزارے ہوں گے اور [illegible] وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو باہر کیسے نکل آئے؟''

''دشمن جاسوس اور آرمی والے وہاں تک [illegible] انہوں نے غار کے تہہ خانے سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پایا۔ کسی کو اس غار کے اور پہاڑ کے آس پاس آتے جاتے نہیں دیکھا گیا۔ اگر کوئی خفیہ راستہ ہوگا تو پاپا کو پانچ ماہ تک وہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔''

ندا نے پوچھا۔ ''کیا وہ اتنے عرصے تک بھوکے پیاسے رہے ہوں گے؟''

میں نے کہا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نے کئی بار سوچا کہ وہ کس حال میں ہوں گے؟ اس پتھریلے پہاڑ کے اندر نہ پانی ہوگا' نہ کہیں سے خوراک پہنچتی ہوگی۔ پھر وہ کیسے جی رہے ہوں گے؟''

ندا نے کہا۔ ''اور وہ جی رہے ہیں۔ ان کی زندگی کا ثبوت مل رہا ہے۔''

''انہیں پہاڑ کے اندر تہہ خانے میں رزق ملتا رہا۔ مگر کیسے؟ عقل کام نہیں کرتی۔ کبھی ان سے ملاقات ہوگی تو معلوم ہوگا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے 'روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے' تنگ کر دیتا ہے۔''

یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ جو تہہ خانہ آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے بند ہے' وہاں رزق کیسے پہنچے گا؟

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا۔ ''اگر کسی کو ایسی کوٹھری میں بند کر دیں' جو چاروں طرف سے بند ہو تو رزق کہاں سے آئے گا؟''

انہوں نے فرمایا۔ ''جہاں سے موت آئے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ موت کی طرح رزق کو بھی اندر پہنچاتا ہے۔''

حضرت موسیٰ آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچے۔ وہاں تجلیاتِ الٰہی کا سامنا ہوا۔ ان کے دل میں بات آئی۔ ''میں اپنی زوجہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس کی کفالت کون کرے گا؟''

ندا آئی۔ حق تعالیٰ نے ان کے اطمینان کے لئے حکم دیا کہ سامنے پڑے ہوئے پتھر پر لاٹھی مارو۔

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس پتھر کے ٹکڑے ہو گئے۔ اس پتھر کے اندر سے ایک

پتھر برآمد ہوا۔

حکم ہوا' اس پتھر پر بھی لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری۔ اس کے بھی ٹکڑے ہوگئے۔ اس کے اندر سے ایک اور پتھر نکلا۔ اس پر لاٹھی مارنے کا حکم ہوا۔ اس کے بھی ٹکڑے ہوگئے' اس کے اندر سے ایک کیڑا برآمد ہوا۔ اس کے منہ میں ہرا پتا تھا۔

کیا انسانی عقل سوچ سکتی ہے کہ اس کیڑے کو کہاں سے رزق حاصل ہو رہا تھا؟

وہ پروردگار عالم ٹھوس پتھروں کے اندر بھی خوراک پہنچاتا ہے۔

وہ رزاق ہے۔ فضا میں فضا کے پرندوں کو' پانی میں پانی کے جانوروں کو خوراک مہیا کرتا ہے۔ ریگستان میں جہاں پانی نہیں ملتا' وہاں اونٹ کے جسم میں پانی اور چربی کا ذخیرہ کرتا ہے۔ پھر جب کبھی اونٹ کو کھانا اور پانی نہیں ملتا' تب وہ چربی پگھل پگھل کر غذا کا کام دیتا ہے۔

یہ تمام حقائق میری سمجھ میں آ گئے۔ پاپا ایک غار کے تہہ خانے میں تھے۔ کیا خدا کی قدرت ہے کہ بچہ ماں کے رحم میں' پیٹ کے تہہ خانے میں رہتا ہے اور ناف کے ذریعے خوراک حاصل کرتا ہے۔

ان حوالہ جات سے اطمینان قلب حاصل ہو رہا تھا کہ پاپا ہمارے لئے زندہ سلامت ہیں۔ وہ ہم سے رابطہ کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ اپنی شریک حیات سے بولتے کیوں نہیں ہیں؟ کبھی ملاقات ہوگی تو ان سوالوں کے جواب وہی دے سکیں گے۔

☆☆☆

منوہر لال کا روحانی علاج ہو رہا تھا۔ مولانا عبدالہادی اس کے ساتھ دن رات رہتے تھے۔ اسے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ جب تک علاج ہوتا رہے' تب تک پاکیزگی لازمی ہے۔ یہ یقین کامل ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی شفاء دیتا ہے۔

منوہر کو سمجھایا گیا کہ شفاء حاصل کرنے کے لئے دل میں یہ تہیہ کر لے کہ اللہ ایک ہے اور لاشریک ہے۔ اس کے سوا کسی کی پوجا نہیں کرنی چاہئے۔

یہ بھی ہدایت کی گئی کہ علاج کے آخری مرحلے تک صرف اللہ اللہ کہنا ہے اور اسی معبود کے آگے سجدہ کرنا ہے۔

منوہر تمام ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ پھر وہی اماوس کی رات آئی تو اس پر دورہ نہیں پڑا۔ نہ وہ جنون میں مبتلا ہوا۔ نہ خودکشی کی کوشش کی۔ وہ نارمل رہا تھا۔

یوں وہ شیطانی رات گزر گئی۔ بعد میں میرے جاں نثاروں نے اس شیطانی عامل مہا پجاری کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ روحانی علاج کے سلسلے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے کالے جادو کے ہتھیاروں کو ختم کر دیا۔

منوہر نے اپنے باپ کو یہ خوشخبری سنائی کہ اماوس کی ایک بھیانک رات گزر گئی ہے۔ روحانی علاج کامیاب رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آئندہ اماوس کی رات بھی اس پر دورہ پڑے گا یا نہیں؟

منوہر نے کہا۔ ''اس کے لئے لازمی ہے کہ اس مہا پجاری کو اس کے کالے جادو سمیت ختم کر دیا جائے۔''

اس کی ماں ہیم لتا اور باپ یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ مہا پجاری ان کے بیٹے سے دشمنی کر رہا ہے اور آئندہ بھی اس کے علاج میں رکاوٹیں پیدا کرتا رہے گا۔

ان کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ مہا پجاری حرام موت مارا گیا۔ ایشور لال نے کہا۔ ''یہ مسلمانوں کی سازش ہے۔ انہوں نے مہا پجاری کی ہتھیا کی ہے۔''

ہیم لتا نے کہا۔ ''ہمارا بیٹا مسلمانوں کے شکنجے میں ہے۔ وہ علاج کے بہانے اس کی ہتھیا کر سکتے ہیں۔ ہم تو لٹ جائیں گے۔ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ آپ اسے کسی طرح واپس لائیں۔''

''میں ان سے بیٹے کو زبردستی چھین کر نہیں لا سکتا۔ ان کے خلاف قانونی کارروائی کروں گا تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔''

''کیا وہ اسی طرح ان کی قید میں رہے گا اور ہم اس کے لئے تڑپتے رہیں گے؟''

''ذرا صبر کرو۔ منوہر نے کہا ہے' اگلی اماوس کی رات روحانی علاج کی پائیداری کو آزمایا جائے گا۔ اس کے بعد وہ یہاں آنا چاہے گا تو وہ مسلمان اسے نہیں روکیں گے۔''

''وہ اسے روکیں گے تو آپ ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''تم ان کا کیا بگاڑ لوگی؟ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ لندن جاؤ' بیٹے کو لے کر آؤ۔''

''غصہ کیوں کرتے ہیں؟ میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ آپ ہوم منسٹر ہیں۔''

''میں انڈیا میں ہوم منسٹر ہوں۔ لندن میں میری دال نہیں گلے گی۔''

''میری تو نیندیں اڑ گئی ہیں۔ آپ میرے ساتھ دو چار دنوں کے لئے چلیں۔ جب منوہر کہہ رہا ہے کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو وہ ہمیں بیٹے سے ملنے سے نہیں روکیں گے۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''یہاں راج نیتی کی مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔ لیکن بیٹے سے بڑھ کر کوئی مصروفیت نہیں ہوسکتی۔ میں یہ سوچ کر پریشان ہوتا رہتا ہوں کہ پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ ہمیں وہاں جا کر اس سے ملنا چاہئے۔''

انہوں نے صنم اور یعقوب سے فون پر کہا۔ ''ہم کچھ دنوں کے لئے لندن جارہے ہیں۔ کولکتہ سے یہاں آجاؤ۔ جب تک میں واپس نہ آؤں' تمہیں دہلی میں رہنا ہوگا۔''

اس نے حکم صادر کر کے فون بند کردیا۔ یعقوب نے صنم سے کہا۔ ''یہ ہوم منسٹر بن کر ہمارے دن رات کا مالک بن گیا ہے۔ ہم اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کہیں تفریح نہیں کرسکتے۔''

وہ بولی۔ ''اس دیس میں رہ کر اسے برداشت کرنا ہی ہوگا۔ چلیں کولکتہ نہ سہی' دہلی جا کر رہیں گے۔ وہاں تمہارا یعنی ارجن ورما کا اپنا گھر ہے۔''

''میں ارجن ورما کے گھر زیادہ رہنا نہیں چاہتا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا بھید کھل جائے گا۔ ارجن ورما کا کوئی رشتے دار مجھ پر شبہ کرسکتا ہے۔''

''کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ تم بڑی کامیابی سے اس کا رول ادا کررہے ہو۔''

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ صنم نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''وہاں میری بہن شکنتلا کی کئی سہیلیاں ہیں۔ ان میں سے ایک مسلمان لڑکی سینا ہے۔''

''ہاں۔ میں نے شکنتلا کی شادی میں اسے دیکھا ہے۔''

''تم نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ مجھ سے قریب ہونے کی کوششیں کرتی رہی تھی؟''

''میں جانتی ہوں۔ میں نے چھپ کر اس کی باتیں سنی ہیں۔ وہ آپ سے کہہ رہی تھی کہ بیوی والے ہو تو کیا ہوا' اس کے ساتھ رات گزارو گے تو بیوی کو بھول جاؤ گے۔''

یعقوب نے کہا۔ ''اور میں نے کہا تھا کہ خود کو بھول سکتا ہوں۔ لیکن اپنی صنم کو نہیں بھولوں گا' اس کی ایک رات بھی کسی حسینہ کو نہیں دوں گا۔''

صنم نے اس کے سینے پر سر رکھ کر کہا۔ ''تمہارا جواب سن کر میں تو خوشی سے ناچنے لگی تھی۔ تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔ آئی لو یو.....''

''میں جواباً نہیں کہوں گا کہ آئی لو یو ٹو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''نہ کہتے ہوئے بھی کہہ ہی دیا۔''

وہ بھی ہنسنے لگا۔ لیکن اندر سے کچھ پریشان تھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی' کچھ توقع کے خلاف ہونے والا ہے۔ دہلی نہ جائے تو اچھا ہے۔

اس کے باوجود وہ شہرا ہم تھا۔ وہاں مجھ سے اور اپنے دادا سے ملنے کی توقع تھی۔ اس نے سوچا' جب شامت آتی ہے تو کہیں بھی آجاتی ہے۔ جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔

وہ صنم کے ساتھ دہلی آگیا۔ شکنتلا بھی دو دنوں کے بعد سسرال سے میکے آئی تھی۔ اس کی کئی سہیلیاں اس سے ملنے آگئیں۔ ان میں سینا بھی تھی۔ وہ جس بلا سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ وہ شکنتلا سے ملنے کے بہانے چلی آئی تھی۔

ایک ذرا تنہائی میں موقع ملا تو اس نے کہا۔ ''ورما! پلیز تھوڑی دیر کے لئے مجھ سے کہیں ملو۔ میں تمہارے فائدے کی ایک بہت ضروری بات کہنا چاہتی ہوں۔''

یعقوب نے کہا۔ ''میں لڑکیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔''

''ٹھیک ہے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ کسی لڑکی کو فائدہ تو پہنچا سکتے ہو۔''

''سوری۔ میں ایسی نیکی نہیں کرتا۔''

وہ اس سے کترا کر چلا گیا۔ سینا دل تھام کر رہ گئی۔ وہ جتنا منہ پھیر رہا تھا۔ اتنا ہی اسے منہ لگانے کے لئے دل مچل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' کیا کرے؟ کس طرح ایک بار ہی سہی اسے حاصل کرلے؟ مگر کیسے؟

دوپہر کو کھانے کی میز پر وہ شکنتلا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ میز کے دوسری طرف یعقوب صنم کے ساتھ تھا۔ دوسری سہیلیاں آس پاس بیٹھی ہوئی ایک دوسرے کی طرف کھانے کی ڈشیں بڑھا رہی تھیں۔

سینا نے یعقوب کی طرف ایک ڈش بڑھائی۔ وہ بولا۔ ''شکریہ میرے پاس پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ بعد میں لوں گا۔''

وہ بولی۔ ''ورما جی! ایک بات کہوں۔ آپ ارجن ورما نہیں ہیں کوئی اور ہیں۔''

صنم کے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر پلیٹ پر آگیا۔ یعقوب بھی چند لمحوں کے لئے بوکھلا سا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''یہ میرے لئے نئی اطلاع ہے کہ میں' میں نہیں ہوں۔ سینا نے میرے اندر سے کسی اور کو دریافت کیا ہے۔''

سینا نے شکنتلا سے کہا۔ ''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ارجن کی بہن ہو۔ کیا یہ تمہارے بھائی جیسے ہیں؟''

شکنتلا نے کہا۔ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ میرے بھیا ہیں۔ سر سے پاؤں تک بھیا ہیں۔ تم کیا سمجھ رہی ہو؟''

''یہ سمجھ رہی ہوں کہ ان کی بولی ہندی نہیں ہے۔ اردو اور فارسی ہے۔''

وہ یعقوب سے بولی۔ ''ہندی میں حرف ز نہیں ہے۔ ہم ہندوستانی زیادہ کو جیادہ بولتے ہیں۔ ابھی آپ نے زیادہ کہا ہے۔ ہندی میں ف کی جگہ پھ بولا جاتا ہے اور آپ دریافت جیسا فارسی لفظ بولتے ہیں۔''

یعقوب نے کہا۔ ''ہاں۔ پہلے میں ٹھیٹ ہندی بولتا تھا۔ لیکن یورپ کے ملکوں میں رہ کر جڑیا گھر کو ''جو'' نہیں ''زو'' کہنے لگا ہوں۔ باپ کو پھادر نہیں فادر کہنا آ گیا ہے۔ پھر وہاں اردو بولنے والے ساتھیوں کے ساتھ رہا۔ بولی تو بدلنی ہی تھی' اس لئے بدل گئی۔ اس سلسلے میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

صنم نے کہا۔ ''سات سمندر پار جا کر آدمی کا دین دھرم بدل جاتا ہے۔ ان کی تو صرف زبان بدلی ہے۔ تم میرے پتی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہارے آدمی کے پیچھے پڑ جاؤں؟ کیا میرے پیچھے والوں کی کمی ہے؟''

ایسا بولتے وقت اسے ٹھسکا لگا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر کھانستی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔

''ایکسکیوزمی۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

وہ کھانستی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ شکنتلا نے صنم سے کہا۔ ''بھابھی! میری سہیلی کی باتوں کا برا نہ مانیں۔ یہ دل کی بہت اچھی ہے۔''

صنم نے مسکرا کر یعقوب کو دیکھا پھر شکنتلا سے کہا۔ ''ہاں۔ تمہاری سہیلی بہت دل والی ہے۔ ابھی کہہ رہی تھی' اس کے کئی چاہنے والے ہیں۔''

اس پر دوسری سہیلیاں ہنسنے لگیں۔ ایک نے کہا۔ ''بڑی چالو ہے۔ کسی سے فلرٹ کرنے میں دیر نہیں کرتی۔''

دوسری نے ناگواری سے کہا۔ ''جونک ہے جونک... کسی سے چمٹ جائے تو پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

یعقوب کے فون پر کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے نمبر پڑھے۔ ایک جاں نثار کی کال تھی۔ وہ معذرت چاہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے فون پر

بولا۔ ''ہاں میں بول رہا ہوں۔''

سبینا ایک جگہ چھپی ہوئی تھی۔ اسے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تو دوسرے دروازے سے نکل کر اس سے پہلے بیڈروم میں پہنچ گئی۔ یعقوب اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ باتھ روم میں چلی گئی۔

اسے دیوانگی اور جنون کہتے ہیں۔ وہ یعقوب کو ایک بار پا لینے کے لئے پاگل ہو رہی تھی۔ اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ اس سے لفٹ لیتی ہوئی پکڑی جائے گی تو بڑی سبکی اور بدنامی ہو گی۔

میں نے جاں نثار سے کہا تھا کہ یعقوب سے رابطہ کرائے۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نیٹ ورک کی خرابی کے باعث رابطہ نہ ہو سکا۔

اس نے کمرے میں آ کر فون کو ایک طرف رکھا۔ وہ کھانے کے بعد دانت برش کرنے کا عادی تھا۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

وہ نظر نہیں آئی۔ باتھ ٹب کے ساتھ ایک پلاسٹک کرٹن تھا۔ وہ اس پردے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے آنا چاہتی تھی۔ مگر رک گئی۔ یعقوب برش کرنے سے پہلے ٹراؤزر اتار کر کموڈ کے پاس آ گیا۔ عجیب صورتحال تھی۔ اس نے کرٹن کو ایک ذرا ہٹا کر دیکھا۔ حیرانی سے دیکھتی رہ گئی۔

واقعی حیرانی کی بات تھی۔ اس نے کھانے کی میز پر کہا تھا کہ وہ ارجن ورما نہیں ہے۔ وہ بات وہاں درست ہو رہی تھی۔ وہ ارجن ورما نہیں تھا۔ ایک مسلمان تھا۔

اس کی دیوانگی اور بڑھ گئی۔ جسے ایک بار حاصل کرنا چاہتی تھی' اسے بار بار حاصل کرنے کے در کھل گئے تھے۔ وہ واش بیسن کی طرف آیا تو آئینے میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ پردے سے نکل آئی تھی۔

وہ حیرانی اور پریشانی سے بولا۔ ''تم... تم یہاں کب آئیں؟''

ایسا کہتے ہی اس نے باتھ روم کے دروازے کو کھول دیا۔ صنم کمرے میں آ رہی تھی۔ اس نے آواز دی۔ ''صنم! یہاں آؤ۔''

وہ باتھ روم میں آتے ہی سبینا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ پھر نفرت سے بولی۔ ''لعنت ہے تم پر... تم ایک مرد کے پیچھے باؤلی ہو کر بازاری عورت بن گئی ہو۔''

سبینا نے کہا۔ ''تم تو بازاری عورتوں سے بھی گئی گزری ہو۔ ایک ہندو ہو کر اس

مسلمان کے ساتھ سوتی ہو۔"

"بکواس مت کرو۔ تم کھانے کی میز پر بھی میرے پتی پر شبہ کر رہی تھیں۔"

"پہلے شبہ کیا تھا۔ اب یقین سے کہتی ہوں' یہ مسلمان ہے۔ میں اس بات کی چشم دید گواہ ہوں۔"

یعقوب کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ خود کو چشم دید گواہ کیوں کہہ رہی ہے؟

وہ صنم سے بولی۔ "مان لو کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے اپنا راز دار بنالو۔ ورنہ انٹیلی جنس والوں کو فون کروں گی پھر وہ یہاں آئیں گے اور تمہارے اس پتی کو بے لباس کر کے دیکھیں گے۔ سوچو اس کے بعد کیا ہوگا؟"

سوچنا کیا تھا۔ بھارتی پولیس اور انٹیلی جنس والے ایسے کسی بھی مسلمان کو پاکستانی جاسوس کہہ کر ٹارچر سیل میں لے جاتے تھے۔ اس کے بعد اس کی لاش وہاں سے باہر لائی جاتی تھی۔

صنم اور یعقوب کو چپ لگ گئی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' اس بلا سے کیسے پیچھا چھڑائیں؟ وہ ایسا راز جان گئی تھی کہ اب اس کے سامنے وہ اونچی آواز میں بول بھی نہیں سکتے تھے۔

سینا نے صنم سے کہا۔ "تم مجھے بازاری عورت کہہ رہی تھیں۔ چلو یہی سہی۔ میرے بازاری پن کا تماشہ دیکھو۔ اس سے کہو کہ مجھے سینے سے لگا کر پیار کرے۔"

وہ قریب آ کر یعقوب سے لگتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے دور بھاگتے رہے۔ کیا اب مجھے دھتکار سکتے ہو؟"

اس نے اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں۔ وہ اپنی صنم کو بے بسی سے دیکھنے لگا۔ وہ بھی اسے جبراً اپنے میاں سے الگ نہیں کر سکتی تھی۔

یعقوب نے کہا۔ "پلیز مجھ سے دور رہو۔ مجھے سوچنے سمجھنے دو۔"

صنم اس کی بانہوں کو اپنے میاں کی گردن سے الگ کرنے آئی۔ اس نے کہا۔

"خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ یہ ابھی میرا ہے' تمہارا نہیں ہے۔"

پھر وہ یعقوب سے بولی۔ "جانی! مجھے پیار کرو۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ میں اپنے سائے سے بھی نہیں کہوں گی کہ تم بہروپیے ہو۔ تمہاری راز دار بن کر رہوں گی۔"

"تم جو کہو گی' وہ کروں گا۔ مگر مجھے سمجھنے تو دو۔ پلیز ذرا الگ ہو جاؤ۔ کمرے میں چلو۔ وہاں آرام سے باتیں کرو۔"

"میں تمہاری بات مان لوں گی۔ لیکن پہلے مجھے بازوؤں میں بھر لو۔ خوب پیار کرو۔ اپنی عورت کو دکھاؤ کہ میں تمہارے پیار کے قابل ہوں۔"

یعقوب نے صنم کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ اپنے مرد پر دوسری عورت کا قبضہ دیکھ کر رونے ہی والی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم میری مجبوریوں کو سمجھ رہی ہو۔ میں سینا کو سمجھا رہا ہوں۔ تم کمرے میں جاؤ۔ میں ابھی آ جاؤں گا۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے غصے اور نفرت سے سینا کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کمرے میں آ گئی۔ بیڈ پر اوندھے منہ گر کر رونے لگی۔ ایسی مجبوری تھی کہ اپنے مرد کو پرائی عورت کے بدن سے دور نہیں رکھ سکتی تھی۔

اس نے روتے روتے سر اٹھا کر دیکھا۔ باتھ روم کا دروازہ پوری طرح بند نہیں تھا۔ مگر وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ تصور کی آنکھ سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مجبوراً اسے پیار کر رہا تھا۔ مگر کر تو رہا تھا۔ جو حقوق اس کے تھے۔ وہ سب اسے دے رہا تھا۔

یہ ابتدا بتا رہی تھی کہ انتہا خطرناک ہوگی۔ یعقوب ہاتھ سے نکل جائے گا۔ وہ اسے مجبور کر سکتی ہے کہ بیوی کو طلاق دے دے۔ نہیں دے گا تو وہ ناکامی سے جھنجھلا کر اسے بھارتی انٹیلی جنس والوں کے حوالے کر دے گی۔

صنم کو یہی بات رُلا رہی تھی۔ یعقوب کی سلامتی کی خاطر اس سوکن کو برداشت کرنا ہوگا۔ لیکن وہ کم بخت اسے برداشت نہیں کرے گی۔ مجازی خدا کی زندگی سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکے گی۔

طرح طرح کے خیالات کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ وہ دونوں تھوڑی دیر بعد باتھ روم سے باہر آئے۔ سینا نے صنم کو فاتحانہ انداز میں دیکھا۔ پھر یعقوب سے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔ تم اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ کسی ہوٹل کا کمرہ لے کر فون کرو۔ میں رات نو بجے تک آ جاؤں گی۔"

پھر وہ صنم کو دیکھ کر بولی۔ "انہوں نے ایک بار کہا تھا' تمہاری ایک بھی رات کسی حسینہ کو نہیں دیں گے۔ آج سے میں تمہاری راتیں لے رہی ہوں۔ تم یہاں تارے گنتی رہو گی۔"

وہ فاتحانہ انداز میں لچکتی مٹکتی ہوئی چلی گئی۔ صنم دوڑتی ہوئی آ کر یعقوب سے لپٹ گئی۔ روتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم گندے ہو۔ میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ تم سے بات نہیں کروں گی۔"

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا۔ ''چپ ہو جاؤ۔ رونے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ مجھے ناپاک نہ سمجھو۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ آج رات تک کے لئے اسے ٹال دیا ہے۔''

''ابھی ٹال دینے سے کیا ہوتا ہے؟ رات تو اس کلموہی کے ساتھ گزارو گے۔''

''میں ایسا کوئی گناہ نہیں کروں گا۔''

صنم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ ''کیا سچ کہہ رہے ہو؟ مجھے چھوڑ کر اس کمینی کے پاس نہیں جاؤ گے؟''

''میں یہی کوشش کر رہا ہوں۔''

اس نے ایک جاں نثار سے رابطہ کیا۔ اسے اپنے موجودہ حالات بتائے۔ اس نے کہا۔ ''میں اس کے ساتھ رات گزارنا نہیں چاہتا۔ اس بلا سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''سر! ہمیشہ کے لئے اس کا منہ بند کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ اور کیسے لوگوں سے تعلقات رکھتی ہے؟ ایسا نہ ہو' اس کے پیچھے رہنے والے دشمن آپ کی جان کو آ جائیں۔''

یعقوب نے صنم سے سبینا کے متعلق پوچھا۔ پھر جاں نثار کو اس کا فون نمبر اور پتہ ٹھکانہ بتایا۔ اس نے کہا۔ ''سر! ہم کچھ ایسا کریں گے کہ وہ اپنے گھر سے نکل نہیں سکے گی۔''

''نہیں۔ وہ شبہ کرے گی کہ میں اس کا راستہ روکنے کی کوششیں کر رہا ہوں۔ ایک تدبیر ذہن میں آ رہی ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد کال کروں گا۔ تم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک فرضی نام سے کمرہ بک کراؤ۔''

یعقوب نے فون بند کر کے صنم سے کہا۔ ''ہمارے پاس فون کی ایک فاضل سم ہے۔ اسے لے آؤ۔''

وہ اپنے پرس میں سے ایک سم نکال کر بولی۔ ''تم کیا کر رہے ہو؟''

وہ فاضل سم کو اپنے فون میں لگاتے ہوئے بولا۔ ''وہ میرے مسلمان ہونے کی چشم دید گواہ ہے۔ دیکھو کہ میں اس کی گواہی کیسے خاک میں ملاؤں گا؟''

اس نے سبینا کے نام ایک میسج میں لکھا۔ ''میں ایک ہوٹل میں کمرہ بک کرا رہا ہوں۔ تم کیسے آؤ گی؟ کیا تمہارے ماں باپ نہیں آنے دیں گے؟''

سبینا نے جواب میں لکھا۔ ''میری فکر نہ کرو۔ تمہارے ساتھ رات گزارنے کے لئے ساری رکاوٹیں توڑ کر آؤں گی۔ ہوٹل کا نام بتاؤ؟''

''انتظار کرو۔ تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔''

یعقوب نے میرے جاں نثار سے رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ ''ہوٹل کا نام بتاؤ؟ جس نام سے کمرہ بک کراؤ گے' اسی نام کا آدمی اپنے آئی ڈی کارڈ کے ساتھ اس کمرے میں جائے گا اور اپنے فون میں میری دی ہوئی سم استعمال کرے گا۔''

''آل رائٹ سر! میں کناٹ پلیس کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کمرہ بک کرا رہا ہوں۔''

یعقوب نے میسج کے ذریعے ہوٹل کا نام بتایا پھر کہا۔ ''رات کو نو بجے وہاں انتظار کروں گا۔ ایک بار پھر یقین دلاؤ کہ تمہارے بزرگ تمہیں تمام رات میرے ساتھ رہنے دیں گے۔ میں شریف آدمی ہوں۔ ڈرتا ہوں' کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

جواباً میسج آیا۔ ''کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ میں آزاد پنچھی کی طرح اڑتی پھرتی ہوں۔ کوئی مجھ سے نہیں پوچھے گا کہ رات بھر کہاں تھی؟ او کے نو بجے آ رہی ہوں۔''

یعقوب نے رابطہ ختم کر کے صنم سے کہا۔ ''میری اٹیچی میں کپڑے اور ضرورت کا سامان رکھو۔ میں تین دنوں کے لئے روپوش رہنے جا رہا ہوں۔''

''تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے؟''

''صرف تین دنوں کی جدائی اس لئے برداشت کرو کہ کوئی دوسری عورت تمہاری ایک رات بھی چھیننے نہیں آئے گی۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''میں آپ کی محبت پر جتنا بھی ناز کروں' کم ہے۔''

''میں شکنتلا کے پاس جا رہا ہوں۔ گھر والوں کو بتا دوں کہ بہت ضروری کام سے ممبئی اور مدراس جانا پڑ گیا ہے۔ تین دنوں میں واپس آ جاؤں گا۔''

''کیا تمہیں ڈر نہیں ہے کہ وہ ہمارا بھید کھول دے گی؟''

''کیسا بھید؟ کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دینا' سبینا نہ ہمارے بیڈروم میں تھی' نہ باتھ روم میں آئی تھی۔ نہ ہم کسی کو آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ کیسے کہتی ہے کہ تمہارا پتی مسلمان ہے؟''

''ابھی تو وہ جھوٹی پڑ جائے گی۔ لیکن تم واپس آؤ گے' تب وہ انٹیلی جنس والوں کو یہاں لے آئے گی۔''

''میں تین دنوں میں واپس آؤں گا۔ تب تم دیکھ لینا کہ وہ کیسی ٹھنڈی پڑ چکی ہوگی؟''

اس نے جاں نثار سے فون پر کہا۔ ''میں دو یا تین دنوں تک روپوش رہنے کے لئے

ابھی گھر سے نکل رہا ہوں۔ مجھے کسی خفیہ رہائش گاہ میں پہنچاؤ۔"

اس نے کہا۔ "بیس منٹ میں ایک ویگن کار گھر کے سامنے آئے گی۔ اس میں چلے آئیں۔"

میرے تمام جاں نثار مستعد رہتے تھے۔ گھڑی کے کانٹوں کے ساتھ چلتے تھے۔ ٹھیک بیس منٹ میں وہ گاڑی آگئی۔ یعقوب اس میں بیٹھ کر چلا گیا۔

وہ شام کے چھ بجے گھر سے نکلا تھا۔ تین گھنٹے بعد رات نو بجے سبینا نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر آکر پوچھا۔ "مسٹر ارجن ورما کس روم میں ہیں؟"

کاؤنٹر کلرک نے کمپیوٹر آپریٹ کرتے ہوئے ہوٹل میں آنے والوں کے نام پڑھے۔ پھر کہا۔ "یہاں ارجن ورما نہیں ہیں۔"

سبینا نے اپنے فون پر یعقوب کے نمبر پنچ کئے۔ معلوم ہوا' وہ میسج بھیجنے والا نمبر بند ہے۔ ایسے ہی وقت یعقوب نے اسے فون کیا۔ وہ بولی۔ "تم کہاں ہو؟ یہاں ہوٹل میں تمہارے نام سے کوئی بکنگ نہیں ہے۔"

وہ ایک خفیہ رہائش گاہ میں تھا۔ اس نے کہا۔ "اب میں ارجن ورما کے بھیس میں نہیں ہوں۔ اپنے اصلی روپ میں غلام علی کے نام سے ہوں۔ کمرہ نمبر دو سو سات میں آجاؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔ میں واش روم میں ہوں۔"

"او کے۔ ابھی آرہی ہوں۔"

اس نے فون بند کرکے کاؤنٹر کلرک سے کہا۔ "سوری۔ میں نے غلط نام بتایا تھا۔ کیا یہاں مسٹر غلام علی روم نمبر دو سو سات میں ہیں؟"

اس نے پھر ایک بار کمپیوٹر کو آپریٹ کیا اور تصدیق کی۔ "یس میڈم! مسٹر غلام علی روم نمبر ٹو زیرو سیون میں ہیں۔"

وہ مطمئن ہوکر لفٹ کے ذریعے سیکنڈ فلور پر آگئی۔ روم نمبر ٹو زیرو سیون کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھل گیا۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ آجاؤ دروازہ کھلا ہے۔ وہ واش روم میں ہے۔

اس نے اندر آکر دروازے کو بند کردیا۔ وہ ایک مرد کو جکڑنے آئی تھی۔ خود پنجرے میں بند ہوگئی تھی۔

وہ اپنا پرس ایک طرف رکھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا تو اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ایک سیاہ فام موٹا بھدا سا شخص نکل آیا۔ وہ چیخ پڑی۔ "کون ہو تم؟"

سبینا کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی خوبصورت چھوکری میرے پاس آئے گی۔"

وہ پاؤں پٹختے ہوئے بولی۔ "ارجن ورما کہاں ہے؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کون ارجن ورما؟ تم کسی ہندو کے ساتھ نہیں' مسلمان کے ساتھ رات گزارنے آئی ہو۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔ "ہرگز نہیں۔ مجھے دھوکا دیا جارہا ہے۔ وہ مجھ سے بھاگ کر کہاں جائے گا؟ میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔"

وہ آگے بڑھ کر اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا۔ "ابھی تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری خاطر اس مہنگے ہوٹل میں کمرہ لیا ہے۔"

وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "چھوڑو مجھے ورنہ چیخنا شروع کردوں گی۔"

"بدنام ہونا ہے تو شروع ہوجاؤ۔ یہاں بھیڑ لگے گی تو لوگوں سے کیا کہو گی؟ اگر میں اجنبی اور نامہرباں ہوں تو میرے کمرے میں کیوں آئی ہو؟"

"مجھے یہاں دھوکے سے بلایا گیا ہے۔"

"کاؤنٹر کلرک گواہی دے گا کہ تم نے اپنی مرضی سے یہاں آنے کے لئے اسے میرا نام غلام علی بتایا تھا۔"

وہ اسے اٹھا کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے بولا۔ "تم نے میسج کے ذریعے یہاں آنے اور رات گزارنے کی بات کی ہے۔"

وہ بیڈ پر سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میں نے ارجن ورما کو میسج دیا تھا۔"

اس نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ پھر بیڈ پر چاروں شانے چت ہوگئی۔ غلام علی نے اپنا موبائل فون نکال کر اس کے بٹن دبائے۔ پھر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اسے پڑھو۔"

وہ پڑھنے لگی۔ وہاں لکھا ہوا تھا' کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ میں آزاد پنچھی کی طرح اڑتی پھرتی ہوں۔ کوئی مجھ سے نہیں پوچھے گا کہ رات بھر کہاں تھی؟ او کے نو بجے آرہی ہوں'۔

وہ مار کھا چکی تھی۔ رونے کے انداز میں بولی۔ "یہ میسج میں نے ورما کو دیا تھا۔"

"کون تمہاری بات کا یقین کرے گا جبکہ یہ میسج اور تمہارا فون نمبر میرے فون میں ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "مجھے جانے دو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ موبائل

فون کے ذریعے ایسی ہیرا پھیری کی جاتی ہے۔''

''جب یہ نمبر میرے پاس چھ ماہ سے ہے تو اس پر آنے والے میسج اور کالیں میری ہی ہوتی ہیں۔ تم چیختی رہ جاؤ گی کہ تمہارے ساتھ فراڈ ہوا ہے' کوئی نہیں مانے گا۔''

''ہاں کوئی نہیں مانے گا۔ اس ارجن ورما نے مجھے بری طرح پھنسا دیا ہے۔''

''کون ارجن ورما؟ جسے تم بلیک میل کر رہی ہو' وہ تو ایک مسلمان ہے۔ یہاں سے جاؤ گی تو اس کے خلاف کچھ کر سکو گی۔''

وہ بیڈ پر آ کر بولا۔ ''تم ایک مسلمان کو قانون کے شکنجے میں لانا چاہتی تھیں۔ کیوں ....؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ وہ تمہارے ساتھ گناہ گار نہیں بننا چاہتا تھا اور تم ہوس میں اندھی ہو رہی تھیں۔ صبح تک تمہاری ہوس اچھی طرح نکل جائے گی۔''

وہ اس پر چھا گیا۔ وہ چیخنا بھول گئی۔ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ شور مچائے گی تو بدنام ہو گی۔ اپنی پارسائی ثابت نہیں کر سکے گی۔ کاؤنٹر کلرک اور میسج اس کے خلاف ٹھوس ثبوت تھے۔ وہ اپنی مرضی سے آئی تھی۔ آزاد اور بے لگام تھی۔ گھر والے نہیں پوچھتے تھے کہ راتیں کہاں گزارتی ہے؟

صبح تک اس کے کس بل ڈھیلے پڑ گئے۔ جیسے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ ویسے ہی وہ خالی خالی سی ہو گئی۔ تھکن اور کمزوری ایسی غالب آئی کہ آنکھ لگ گئی۔ وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔ دوپہر کو تین بجے آنکھ کھلی' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کالا موٹا بھینسا ایک صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ وہ یعقوب جیسے قد آور خوبرو جوان پر مرمٹی تھی۔ اس کے برعکس ایک کالا عذاب اس پر نازل ہو گیا تھا۔

اب وہ جلد سے جلد اس سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ ''میں گھر جاؤں گی۔''

''میں نہیں روکوں گا۔ لیکن تمہارے جاگنے کے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوں۔ میرے ساتھ کھاؤ پیئو۔ پھر جاؤ۔ اس سے پہلے شاور لو۔ طبیعت ہلکی ہو جائے گی۔''

وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد باہر آئی تو میز پر کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر چپ چاپ کھانے لگی۔ وہ بھی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ جیسے رات گئی' بات گئی۔ جو بات ہوئی تھی' اسے بھول گیا تھا۔ کھانے کے بعد اسے جانا تھا۔ مگر اچانک ہی سر چکرانے لگا۔ سوئٹ ڈش بہت لذیذ تھی۔ اس نے کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا۔ وہ بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر لیٹ گئی۔ اس کے بعد اپنے آپ سے غافل ہو گئی۔

انسان کے صبح و شام سوتے جاگتے ہی گزرتے ہیں۔ کبھی آنکھیں بند ہوتی ہیں' کبھی کھلتی ہیں۔ یوں دن رات گزرتے رہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے بہت ہی کم مقدار میں اعصابی کمزوری کی دوا کھلائی جا رہی تھی۔ دو دن اور دو راتیں گزارنے کے بعد اس کی طبیعت ذرا سنبھل گئی۔ اسے مزید خوراک نہیں دی گئی تھی۔

اس نے کہا۔ ''میں گھر جاؤں گی۔''

وہ بولا۔ ''تم روز صبح یہی کہتی ہو۔ پر جاتی نہیں ہو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ پہلے شاور لو پھر جاؤ۔''

''نہیں میں گھر جا کر شاور لوں گی۔''

وہ اپنا پرس اٹھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔ پھر ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر پہنچی تو ماں باپ اور رشتے دار پریشان تھے۔ ماں نے پوچھا۔ ''تم دو دن سے کہاں تھیں؟ فون پر بات نہیں کرتی تھیں۔ صرف میسج دیتی تھیں کہ خیریت سے ہوں۔''

باپ نے کہا۔ ''پرسوں تم نے میرے بینک میں پچاس ہزار روپے جمع کرائے۔ ہم مطمئن ہو گئے کہ خیر خیریت سے ہو۔ مگر بیٹی! فون پر بات تو کرنی چاہیئے۔''

وہ اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے پریشان نہ کریں۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ بیڈ پر آ کر گر پڑی۔ یہ اس کے لئے نئی اطلاع تھی کہ باپ کے بینک اکاؤنٹ میں پچاس ہزار روپے جمع کرائے گئے تھے۔ کیا اس سانڈ نے دو دن اور دو راتوں کی مزدوری ادا کی تھی؟

وہ سوچنے لگی۔ ''میرے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے؟ یقیناً وہ ارجن ورما بن کر رہنے والا بہت گہرا ہے۔ بڑا چالباز ہے۔ میں اسے پھنسانا چاہتی تھی' مگر اس نے مجھے ایک کالے دیو کے شکنجے میں پہنچا دیا۔ میری توبہ ہے۔ اب میں کسی خوبرو مرد کی تمنا نہیں کروں گی۔ لیکن اس بہروپیے دشمن کو نہیں چھوڑوں گی۔''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فریش ہو کر اچھی طرح سوچنا سمجھنا چاہتی تھی۔ اس لئے شاور لینے باتھ روم میں چلی گئی۔

خود کو بہت چالاک اور تیز طرار سمجھتی تھی۔ دہلی شہر میں امیر کبیر لوگوں سے یارانے تھے۔ سرکاری افسران سے بھی دوستی تھی۔ اس نے تازہ دم ہو کر انٹیلی جنس کے ایک افسر دیال سنگھ سے فون پر رابطہ کیا۔ اس نے پوچھا۔ ''بولو سینا! کیسے یاد کیا؟''

''ایک چونکا دینے والی اطلاع دے رہی ہوں۔ یہاں قانون کی چھتر چھایہ میں ایک مسلمان جاسوس پرورش پا رہا ہے۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا کہہ رہی ہو؟''

''جو کہہ رہی ہوں۔ اس پر عمل کرو گے تو تمہاری ترقی ہوگی۔''

کیا واقعی کوئی مسلمان جاسوس تمہاری نظروں میں ہے؟''

''ہاں۔ تم ہوم منسٹر کی بیٹی رنجنا کو جانتے ہو؟''

''جانتا ہوں۔ وہ منسٹر صاحب کی منہ بولی بیٹی ہے۔ پچھلے مہینے لندن میں اس کی شادی ہوئی تھی۔''

''یہ جانتے ہو' کس سے شادی ہوئی تھی؟''

''ہاں۔ منسٹر صاحب کا وہ داماد اٹلی کے شہر وینس میں تھا۔ اس کا نام ارجن ورما ہے۔''

''اور وہ ارجن ورما مسلمان ہے۔ بہروپیا ہے۔ رنجنا جانتی ہے۔ اس نے اتنی بڑی بات ہوم منسٹر سے اور سب ہی سے چھپائی ہے۔ وہ منسٹر کی بیٹی بن کر اس مسلمان کو اپنے آنچل میں چھپا رہی ہے۔''

''تم بہت بڑی بات کہہ رہی ہو۔ یہ غلط ہوگی تو میری گردن پھنسے گی۔ ہوم منسٹر اپنے داماد کی توہین برداشت نہیں کرے گا۔ میری نوکری چلی جائے گی۔''

''نوکری نہیں جائے گی' ترقی ہوگی۔ تم ٹھوس ثبوت کے ساتھ اسے گرفتار کرو گے۔''

''وہ ثبوت کہاں ہے؟''

''اسی ارجن ورما کے پاس ہے۔ اس کا لباس اتارو۔ ثابت ہو جائے گا کہ وہ مسلمان ہے۔''

''یہ تو واقعی ٹھوس ثبوت ہوگا۔ کیا تم نے اس کے ساتھ رات گزاری ہے؟''

''گزاری ہے' تب ہی کہہ رہی ہوں۔''

''پھر تو میں ابھی جا کر اس کی گردن دبوچ لوں گا۔''

''مجھے بتاؤ' کب جا رہے ہو؟ میں بھی وہاں پہنچوں گی۔''

''ٹھیک ایک گھنٹے بعد ورما کے گھر کے پاس آ کر ملو۔''

وہ فوراً ہی باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگی۔ زیرلب بڑبڑانے لگی۔ ''ورما! تم نے مجھے ایک کلوٹے بدمعاش کے شکنجے میں پہنچایا تھا۔ میں دو دن اور دو راتوں تک اس سانڈ کو برداشت کرتی رہی۔ اب تمہیں ٹارچر سیل میں پہنچا رہی ہوں۔ وہاں تمہیں ایسی اذیتیں پہنچائی

جائیں گی کہ اپنے خدا کو پکارتے رہو گے اور خدا بھی تمہارے کام نہیں آئے گا۔

تم نے عورت کو سمجھا کیا ہے؟ میں کمزور نہیں' شہزور ہوں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتی ہوں۔''

وہ وقت سے پہلے ورما کے گھر پہنچ گئی۔ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ گھر میں ہے یا کہیں باہر گیا ہوا ہے؟

شکنتلا نے بتایا کہ وہ تین دنوں کے لئے ممبئی اور مدراس گیا تھا۔ آج ہی دوپہر کی فلائٹ سے آیا ہے۔ سیتا سے اس کا سامنا نہیں ہوا۔ اس وقت وہ صنم کے ساتھ اپنے بیڈروم میں تھا۔

دیال سنگھ درجنوں مسلح سپاہیوں کے ساتھ آیا۔ سپاہیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ پھر وہ اپنے سینئر افسر کے ساتھ اس مکان میں گھس گیا۔

شکنتلا کے پتی نے کہا۔ ''آپ لوگ قانون کے پاسبان ہیں۔ مگر قانون کے خلاف گھر میں گھس آئے ہیں۔ کیا یہاں چور بدمعاش رہتے ہیں؟''

سینئر افسر نے کہا۔ ''ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کتنے سادھو اور دیش بھگت ہو۔ ارجن ورما کو بلاؤ۔''

اسے بلایا گیا۔ وہ صنم کے ساتھ اپنے بیڈروم سے نکل کر اس کے سامنے آیا۔ دیال سنگھ نے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

اس نے پہلے سیتا کو دیکھا پھر کہا۔ ''ارجن ورما۔''

وہ مسکراتی بل کھاتی ہوئی اس کے پاس آئی پھر بولی۔ ''ورما جی! آپ ہندو ہیں۔ مگر میں آپ کو مسلمان بنانے آئی ہوں۔ ابھی اچانک پردہ اٹھے گا اور دھرم بدل جائے گا۔''

صنم نے کہا۔ ''تم خواہ مخواہ ہم سے دشمنی کر رہی ہو۔ آخر میرے پتی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''آج کے بعد پیچھے نہیں پڑوں گی۔ اپنے پتی سے کہو' بھید کھلنے سے پہلے مان لے کہ ہندو نہیں' مسلمان ہے۔''

سینئر افسر نے دیال سے کہا۔ ''دیال سنگھ! وقت برباد نہ کرو۔ اسے الگ کمرے میں لے جا کر دیکھو اور ہتھکڑی پہناؤ۔''

دیال نے دو سپاہیوں سے کہا۔ ''اسے کسی کمرے میں لے چلو۔''

حکم کی تعمیل کی گئی۔ شکنتلا' اس کا پتی اور دوسرے رشتے دار پریشان تھے۔ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ارجن پر شبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟

سینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ابھی ایک مزے کا سرپرائز ملے گا۔ سرپرائز دلچسپ بھی ہوگا اور شرمناک بھی۔''

پھر وہ صنم کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اور یہ جو ہندو ناری ہے۔ یہ کیسی دوغلی اور دھوکے باز ہے' ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

وہ سب جو کمرے میں گئے تھے۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کیا تھا۔ پھر دس منٹ میں دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ سب انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ دیال سنگھ کے چہرے پر مایوسی تھی۔ وہ غصے سے سینا کو دیکھ رہا تھا۔ سینئر افسر نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''سر! ہمیں ملنے والی اطلاع غلط تھی۔ یہ ہندو ہے' مسلمان نہیں ہے۔''

سینا نے حیرانی سے یعقوب کو دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ چیخ پڑی۔ ''یہ مسلمان بہروپیا ہے دیال سنگھ! آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔''

دیال سنگھ نے کہا۔ ''میرے ساتھ یہ دو سپاہی بھی تھے۔ کیا ہم سب نے دیکھنے میں غلطی کی ہے؟''

اب تمام رشتے داروں کی سمجھ میں آ گیا کہ ورما کو وہ لوگ دوسرے کمرے میں کیوں لے گئے تھے؟ صنم نے آگے بڑھ کر سینا کو زور کا طمانچہ مارا۔ ''کمینی! بازاری کتیا! ہمارے گھر میں آ کر بازاری تماشہ کر رہی ہے۔ تُو نے میرے پتی کو ننگا کرایا ہے۔''

وہ پیچھے ہٹ کر چیختے ہوئے بولی۔ ''ہاں ننگا کرایا ہے۔ میں نے اسے ننگا دیکھا ہے۔ یہ مسلمان ہے۔ میں دعوے سے کہتی ہوں' یہ مسلمان ہے۔''

وہ پاؤں پٹختی ہوئی سینئر افسر کے پاس آ کر بولی۔ ''آپ میری بات کا یقین کریں۔ اسے کمرے میں لے جائیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ میری آنکھیں کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ میں نے خود ان آنکھوں سے....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ارجن ورما نے اسے بازوؤں کی گرفت میں لے کر اپنی طرف کھینچا پھر کہا۔ ''میں ان افسروں کے ساتھ دوبارہ کمرے میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے خواہ مخواہ تماشہ بنایا جائے گا تو ان کے خلاف قانونی کارروائی کروں گا۔''

وہ اسے کھینچتا ہوا اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''تم نے میرے خلاف رپورٹ دی ہے۔ میں تمہاری تسلی کروں گا۔''

ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ جو دعویٰ کر رہی تھی۔ اسے باطل کرنا تھا۔ وہی واپس آ کر بیان بدل کر سچ بول سکتی تھی۔

وہ اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا اپنے بیڈ روم میں لے آیا۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کر کے بولا۔ ''مجھے کپڑا اتارنا ہوگا۔ لیکن ازل سے یہ ہوتا آیا ہے کہ تنہائی میں عورت ہو تو صرف مرد بے لباس نہیں ہوتا.... ہم دونوں کو ہوتا ہے۔''

''بکواس مت کرو۔ میں تمہیں دیکھنے آئی ہوں۔''

''اور میں تمہیں دیکھوں گا۔ تنہائی سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ تب ہی تم مجھے دیکھو گی۔''

''میں ایسی سستی نہیں ہوں کہ راضی ہو جاؤں گی۔''

''میں تمہیں ایک بوڑھی طوائف سے بھی زیادہ سستی بنا دوں گا۔ بولو یہاں سے چشم دید گواہ بن کر جانا چاہتی ہو یا نہیں؟''

''میں ابھی جا کر ان سے کہوں گی کہ تم اپنے ساتھ میرا منہ کالا کرنے کی باتیں کر رہے ہو۔''

''باہر سب جانتے ہیں کہ تم یہاں کیا تماشہ دیکھنے آئی ہو اور میں تماشہ نہیں بنوں گا۔ چلو یہاں سے۔''

وہ جانے کے لئے پلٹ گیا۔ وہ بولی۔ ''رک جاؤ۔ کیوں مجھے الجھا رہے ہو؟ میں نے اس باتھ روم میں دیکھا تھا۔ پھر تم کیسے بدل جاؤ گے؟ مسلمان ہو تو مسلمان ہی رہو گے۔ پلیز میری تسلی کر دو۔''

''میں بھوکا ہوں میری بھی تسلی کرو۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجے گی۔ ورنہ میں باہر جا کر کہوں گا کہ تم یہاں آنے کے بعد بھی مجھے ہندو تسلیم نہیں کر رہی ہو۔''

''میں سینئر افسر کے ساتھ یہاں آ کر دیکھوں گی۔''

''میں ایک افسر کے ساتھ آؤں گا۔ کیونکہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی کرے گا۔ لیکن تمہاری کوئی ڈیوٹی نہیں ہے۔ تمہیں یہاں آنے نہیں دوں گا۔''

وہ بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں پھر یہاں نہیں آؤں گی تو تجسس کے مارے مر جاؤں گی۔ پلیز۔ مجھے بتاؤ' تم انہیں مسلمان کیوں نہیں دکھائی دے رہے ہو؟''

''یہ ہیرا پھیری تب سمجھ میں آئے گی' جب دونوں ہاتھوں سے تالی بجے گی۔''

اس نے شکست خوردہ انداز میں ورما کو دیکھا پھر اپنا دوپٹہ کھینچ کر ایک طرف پھینک دیا۔ باہر سب منتظر تھے۔ سوچ رہے تھے کہ وہ کمرے سے نکلنے میں دیر کیوں کر رہے ہیں؟ کچھ سمجھ میں بھی آرہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

صنم بڑے اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے اپنے یعقوب پر ناز تھا۔ اس نے پہلے ہی سینا کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس وقت کسی خفیہ رہائش گاہ میں آرام سے تھا۔ جاں نثاروں نے ارجن ورما کو پہلی فلائٹ سے اٹلی سے یہاں بلایا تھا اور وہ اپنا رول ادا کر رہا تھا اور رول کیا ادا کرنا تھا وہ تو تھا ہی ارجن ورما.....

جب وہ سینا کے ساتھ بیڈ روم سے باہر آیا تو وہ اجڑی اجڑی سی دکھائی دے رہی تھی۔ یعقوب کو بے نقاب کرنے اور اس سے دشمنی کرنے کی حماقت میں دو راتوں تک ہوٹل میں اجڑتی رہی تھی۔ دوسری بار ورما نے اجاڑ ڈالا تھا۔

وہ بری طرح مات کھا چکی تھی۔ ناکام ہو چکی تھی۔ افسران کے سامنے آکر بولی۔ ''میری آنکھوں نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ یہ ورما مسلمان نہیں ہے۔ ہندو ہے۔''

دیال سنگھ نے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ پھر سپاہیوں سے کہا۔ ''اسے تھانے لے چلو۔ یہاں تو بیڈ روم کا دروازہ کھل گیا۔ ہمارا نہیں کھلے گا۔ یہ آسمان نہیں دیکھے گی۔ حوالات کی چھت دیکھتی رہے گی۔''

صنم تڑپ کر سینا کے سامنے آکر ڈھال بن گئی۔ پھر بولی۔ ''آفیسر! ایک عورت کو اس کی غلطی کی اور سزا نہ دو۔ یہ پہلے ہی سزائیں بھگت چکی ہے۔ اسے معاف کر دو۔''

ورما نے کہا۔ ''اس نے اپنی نادانی سے آپ لوگوں کا وقت ضائع کیا ہے۔ آپ کو جو زحمت ہوئی ہے، ہم اس کی تلافی کریں گے۔''

ورما نے دونوں افسران کو اپنے بیڈ روم میں لے جا کر لین دین کے معاملات طے کئے۔ وہ خوش ہو کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

وہ جا رہے تھے اور سینا، صنم کے قدموں میں گر کر دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے کئی بار کہہ چکا ہوں۔ رائنا میری مرحوم بہن رابعہ کی ہم شکل تھی۔ اور رابعہ تقریباً بائیس برس پہلے میرے دوست اور دستِ راست ٹیپو کی شریکِ حیات تھی۔

اس کی وفات کے بعد ٹیپو نے لاہور شہر چھوڑ دیا تھا۔ کبھی کبھی اس کی یادوں میں گم

ہونے کے لئے، اسے اپنے آس پاس دیکھنے کے لئے لاہور اپنی کوٹھی میں آجاتا تھا۔

وہاں البم میں اس کی تصویریں تھیں۔ الماریوں میں اس کے ملبوسات اور زیورات تھے۔ اس کوٹھی کے ایک ایک حصے میں یوں لگتا تھا جیسے وہ واپس آ گئی ہے۔

اور وہ رائنا کے وجود میں آ گئی تھی۔ وہ بڑا صابر تھا۔ اسے راڈ مین کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا' کیا خدا کبھی مہربان نہیں ہوگا؟

یہ رابعہ سے عشق کا جنون تھا کہ وہ بڑھاپے میں بھی ملے گی تو اسے سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ آخری سانسوں تک اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہے گا۔

خدا رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مہربان ہے۔ رائنا اس فریبی دغاباز شوہر پر تھوک کر ٹیپو کی زندگی میں آ گئی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں اس کے بیٹے نامان سے فون پر بات کی۔ ''ہیلو نامان! کیسے ہو بیٹے؟''

وہ بولا۔ ''میں تو خیریت سے رہتا ہوں۔ آپ بتائیں دن رات دشمنوں میں گھرے رہتے ہیں۔ بے شک آپ فولادی اعصاب رکھتے ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک کسی نہ کسی دشمن کے ہتھے چڑھ جاتا۔''

''ہتھے چڑھ گیا تھا۔ تم تو جانتے ہو تمہارے باپ راڈ مین نے مجھے اپنی قید میں بے بس اور بے یار و مددگار بنا دیا تھا۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''پلیز انکل! آپ اس یہودی کو میرا باپ نہ کہیں۔ میں کسی بھی دشمن سے زیادہ اس سے نفرت کرتا ہوں۔ چونکہ اس کے نطفے سے ہوں' اس لئے اسے گالیاں نہیں دے سکتا۔ ورنہ ابھی میرے منہ سے جانے کیا کچھ ابل پڑتا۔''

واقعی وہ باپ سے اتنی نفرت کرتا تھا کہ اس کا نام بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میری ممی نے جیون ساتھی کے لئے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا۔ جب میں ولدیت میں اس کا نام لکھتا ہوں تو بڑی شرمندگی مجھے ہوتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''بیٹے! تمہاری ماں میری بہن ہے۔ وہ بھی شرمندہ ہے۔ اس کی بیوی بن کر اس نے کبھی سکھ نہیں پایا۔ ہمیشہ جھوٹ کے سائے میں فریب کھاتی رہی۔ میری بہن تمہاری ماں بہت مظلوم ہے۔''

''مجھے ان کی مظلومیت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔''

''کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں پھر سے مسرتوں بھری ایک ازدواجی زندگی ملے؟''

"یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ ممی کی دوسری شادی کرانا چاہتے ہیں؟"

"بیٹے! میرا اور تمہارا فرض ہے کہ ان کی محرومیاں ختم کریں۔ جو مسرتیں انہیں نہیں ملیں ان تمام مسرتوں سے انہیں سرشار کریں۔"

"کیا ممی دوسری شادی کرنا چاہیں گی؟"

"اگر تم اعتراض نہ کرو تو انہیں ایک بہت ہی محبت کرنے والا جیون ساتھی ملے گا۔"

"کیا آپ کی نظروں میں کوئی ہے؟ اور کیا ممی راضی ہیں؟"

"ہاں وہ راضی ہیں... وہ اور تمہارے ٹیپو انکل ایک دوسرے کو قبول کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹیپو انکل تو بہت اچھے انسان ہیں۔ میں انہیں بہت چاہتا ہوں۔"

"تو پھر تمہاری طرف سے ڈن ہے؟"

"یس انکل! میں ابھی ممی سے بات کروں گا۔"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ ان سے باتیں کرو۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اولاد جوان ہو جائے تو بڑھاپے میں شادی کرنے کے لئے اولاد کا تعاون اور ان کی رضا مندی لازمی ہوتی ہے۔ نامان یہ دیکھتا آیا تھا کہ اس کی ماں کیسے کیسے دکھ جھیلتی آئی ہے۔ لہٰذا اسے سکھ دینے کے لئے فوراً راضی ہو گیا۔

میں نے دو گھنٹے بعد ٹیپو سے فون پر کہا۔ "نامان! کو ماں کی دوسری شادی پر اعتراض نہیں ہے۔ اب کسی بھی پہلی فلائٹ سے اٹلی چلے جاؤ۔ وہاں شادی خانہ آبادی کرو۔ رانا کو لاہور میں نہیں رہنا چاہئے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ رانا تمہارے رشتے داروں کی نظروں میں نہ آئے۔ اگر آئے گی تو دشمن یہی سمجھیں گے کہ تمہارے پاپا کی طرح تمہاری بہن بھی مدتوں بعد ایک نئی زندگی پا کر لاہور آئی ہے۔"

پھر اس نے ایک گھنٹے بعد فون پر کہا۔ "کل صبح دس بجے کی فلائٹ سے سیٹیں اوکے ہو گئی ہیں۔ لیکن رانا کی ضد ہے کہ وہ تم سے روبرو مل کر جائے گی۔ پلیز اس کی ضد پوری کرو۔ ہمیں اپنے پاس بلاؤ یا تم یہاں آجاؤ۔"

"دونوں ہی باتیں ناممکن ہیں۔ لیکن میں بہن کا دل نہیں توڑوں گا۔ کل صبح ملاقات کرنے ائرپورٹ آؤں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے اپنے پاپا کو کبھی روبرو نہیں دیکھا تھا۔ اخباروں اور رسالوں

میں ان کی تصویریں دیکھی تھیں۔ ان کا چہرہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا تھا۔ اس رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ یوں لگا جیسے روبرو ملاقات ہو رہی ہے۔

وہ خاموش تھے۔ انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ ان کے ایک ہاتھ میں عصا تھا اور دوسری ہتھیلی پر لاوا انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے دونوں ہاتھ میری طرف بڑھا دیئے۔

اگرچہ وہ کچھ نہیں بول رہے تھے لیکن بات سمجھ میں آرہی تھی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر انگوٹھی اور عصا پیش کر رہے تھے۔ یہ خاموش پیشکش کہہ رہی تھی کہ وہ دونوں چیزیں میرے لئے ضروری ہیں۔ مجھے ان سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر عصا کو تھام لیا۔ پھر ان کی ہتھیلی پر سے انگوٹھی کو اُٹھا کر اسے ایک انگلی میں پہن لیا۔ میری دونوں گم شدہ چیزیں مجھے مل گئیں۔ میں اپنے اندر ایک تازگی اور بے حد توانائی محسوس کرنے لگا۔ ایسے ہی وقت میری آنکھ کھل گئی۔

میرے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ نہ عصا تھا' نہ انگلی میں انگوٹھی تھی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ میں منہ ہاتھ دھونے پھر باقاعدہ وضو کرنے کے لئے واش روم میں آگیا۔

مجھے پہلی بار اس غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے طرح طرح کی مصروفیات میں اُلجھ کر انگوٹھی اور عصا کو بھلا دیا۔ یہ سوچ کر صبر کر لیا تھا کہ جو چیزیں گم ہو گئیں سو ہو گئیں۔ اب میں اس غار میں کبھی جا سکوں گا۔ نہ وہاں تک جانے کوئی راستہ ملے گا۔ نہ وہ غیر معمولی چیزیں حاصل کر سکوں گا۔

حقیقتاً مایوس ہونے کی بات تھی۔ میں مایوس ہو گیا تھا۔ ایسے میں اس خواب نے مجھ سونے والے کو جھنجوڑ دیا تھا۔ پاپا نے اس خواب کے ذریعہ سمجھا دیا کہ مجھے انگوٹھی اور عصا سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔

میں نے نماز پر توجہ دی پھر دعا مانگی کہ وہ دونوں گمشدہ چیزیں مجھے مل جائیں۔ دعا مانگتے وقت نگاہوں کے سامنے بابا سائیں کا وہ غار تھا' وہاں سے تہہ خانے کے اس حصے تک پہنچا جا سکتا تھا' جہاں پاپا نے انگوٹھی اور عصا کو خزانے کے ساتھ چھپا دیا تھا۔

انہوں نے اپنی زندگی میں میری ان غیر معمولی چیزوں کی حفاظت کی تھی اور اب خواب میں آ کر وہ امانتیں واپس کر رہے تھے۔ گویا کہہ رہے تھے' جاؤ... تمہاری امانتیں وہاں رکھی ہوئی ہیں' انہیں حاصل کرو۔

میں نماز کے بعد کلام پاک کی تلاوت کرنے لگا۔ ندا دوسرے بیڈ روم میں سوتی تھی۔

وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔ اس کے بعد میرے بیڈ روم میں آئی۔ میں تلاوت میں مصروف تھا۔ وہ سر پر آنچل رکھ کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ کلام پاک کے صفحات پر نظریں جما کر میرے ساتھ پڑھنے لگی۔

ہم نے ایک سپارہ ختم کیا۔ پھر میں نے کتاب بند کی۔ سر جھکائے وہیں بیٹھا رہا۔ دل ہی دل میں اسم اعظم پڑھتا رہا۔ ندا نے کہا۔ ''ناشتہ تیار ہے۔ چلیں۔''

میں نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا تم میری لاوا انگوٹھی اور عصا کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟''

''جی ہاں۔ باجی نے بتایا تھا' آپ وہ انگوٹھی پہن کر دشمنوں سے محفوظ رہتے ہیں اور عصا کے ذریعہ آپ کو غیر معمولی قوت حاصل ہوتی ہے۔ شاید وہ عصا آپ کا عجیب و غریب ہتھیار ہے۔ باجی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھیں۔''

پھر وہ جیسے چونک کر بولی۔ ''آپ نے پوچھا ہے تو یاد آ رہا ہے۔ وہ چیزیں کہاں ہیں؟''

میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ وہ اہم چیزیں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہیں۔ اس نے تمام واقعات سننے کے بعد کہا۔ ''انگوٹھی اور عصا قدرتی طور پر ملنے والی عنایات ہیں۔ یہ آپ کو ناقابل شکست بناتی ہیں۔ مگر یہ ایسی جگہ دفن ہو گئی ہیں' جہاں تک پہنچنا محال ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یوں کہو وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے اور مجھے کسی بھی طرح ان چیزوں تک پہنچنا ہی ہو گا۔''

''ضرور کوشش کریں۔ ان کے بغیر آپ ادھورے ہیں۔''

''ہم یہاں بیٹھ کر انہیں حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں ہندوستان جانا ہو گا۔''

اس نے ایک ذرا مایوس ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا آپ مجھے چھوڑ کر جائیں گے؟''

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم ہمیشہ میری جان کے ساتھ رہو گی۔''

وہ خوش ہو کر بولی۔ ''چلیں اُٹھیں۔ ناشتہ کریں۔''

وہ اُٹھ کر کچن کی طرف گئی۔ میں نے کلام پاک کو چوم کر اسے الماری کے اوپر رکھا۔ پھر ڈائننگ ٹیبل پر آ کر فون کے ذریعہ اپنے ایک جاں نثار آدم ثانی سے کہا۔ ''میں پلاننگ تبدیل کر رہا ہوں۔ ایک ہفتہ کے اندر ندا کے ساتھ انڈیا جا کر رہنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''کیا آپ کا نام آپ کی شخصیت اور شناخت تبدیل ہو گی؟''

''ہاں کسی ایسے ہندوستانی مسلمان کی آئی ڈی ہو جس پر انٹیلیجنس اور را والے کبھی شبہ نہ کریں۔''

''میں ابھی تمام ممالک کے جاں نثاروں سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کروں گا پھر آپ سے رابطہ کروں گا۔''

اس سے رابطہ ختم ہو گیا۔ میں زیر لب اسم اعظم پڑھنے لگا۔ پاپا نے میری والدہ مرحومہ کو تہہ خانے میں پہنچنے کے دو راستے بتائے تھے۔ ایک تو وہ شکار گاہ کا کمرہ تھا' جہاں سری کرشن جی کی مورتی تھی۔ اس مورتی کے قدموں کے نیچے سے وہ راستہ جاتا تھا۔

اب تو وہ پوری شکار گاہ اس تہہ خانے کی گہرائی میں دھنس گئی تھی۔ وہاں سے کبھی راستہ مل نہیں سکتا تھا۔ والدہ مرحومہ نے دوسرا راستہ بتایا تھا۔ وہ راستہ بابا سائیں کے غار سے جاتا تھا۔ لیکن کوئی نیک سچا دیندار ہی اسم اعظم پڑھ کر وہ راستہ کھول سکتا تھا۔

اور والدہ نے یہ بھی بتایا تھا کہ اسم اعظم پڑھنے کی مشق اس طرح غرق ہو کر کرنی چاہئے کہ اللہ کا پاک نام روح کی گہرائی سے ادا ہونے لگے۔ تب وہ وسیع و عریض بھاری بھرکم چٹان ذرا سا ہٹے گی اور تہہ خانے میں جانے کا راستہ دے گی۔

میں نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ عام حالت میں تو زیر لب پڑھتا ہی رہوں گا لیکن زیادہ سے زیادہ تنہا رہ کر دو زانو ہو کر سجدے کرتا رہوں گا اور دل کی رُوح کی گہرائیوں سے اسم اعظم ادا کرتا رہوں گا۔

میں اس وقت بھی ڈائننگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھے' کرسی پر بیٹھا ہوا اسم اعظم پڑھ رہا تھا۔ ندا ناشتے کی ڈشیں لا کر رکھ رہی تھی۔ وہ بھی اسم اعظم پڑھتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

وہ مجھ سے اس قدر متاثر تھی کہ جو میں کرتا تھا' وہی وہ کرنے لگتی تھی۔ یہ دل سے چاہتی تھی کہ میں انگوٹھی اور عصا جلد سے جلد حاصل کر لوں۔

وہ چائے کی کیتلی اور پیالیاں اُٹھائے ہوئے آئی۔ اس وقت بھی زیر لب پڑھ رہی تھی۔ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے ناشتہ شروع کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں نو بجے تک ائر پورٹ پہنچنا ہے۔ رائنا اور ٹیپو اٹلی جا رہے ہیں۔''

''آپ کہہ رہے تھے کہ ابھی مجھے ان سے نہیں ملائیں گے۔''

''ہاں تمہاری کمسنی کے باعث جھجک رہا ہوں۔ رائنا منہ سے کچھ نہیں بولے گی لیکن

دل میں ضرور سوچے گی کہ بھائی نے ایک بچی کو شریکِ حیات بنایا ہے۔''

''بے شک دنیا والے طرح طرح کی باتیں بناتے رہیں گے۔ ہم لوگوں کو ان کی سوچ کے مطابق بولنے سے نہیں روک سکیں گے۔''

''اسی لئے میں چاہتا ہوں' تم ائر پورٹ پہنچ کر مجھ سے الگ ہو کر دور دور رہو گی۔ جب رائنا اور ٹیپو چلے جائیں گے تو میرے پاس آ جاؤ گی۔''

وہ ایک لقمہ چبا کر ایک گھونٹ پانی پی کر بولی۔ ''میں بابا سائیں کے غار میں پہنچنے کے لئے بے چین ہوں۔ آپ انڈیا جانے کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟''

''انتظامات کر رہا ہوں۔ شام تک معلوم ہوگا کہ اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے۔''

ہم نو بجے سے پہلے ائر پورٹ پہنچ گئے۔ ندا پارکنگ ایریا میں کار سے اُتر کر مجھ سے دور ہوگئی۔ میں عمارت کے اندر آیا پھر دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ وہاں مرد' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ میری نظریں جیسے میلے میں گم ہو جانے والے بچوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

رائنا اور ٹیپو ویٹنگ ایریا میں اپنے لگیج کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب آیا۔ وہ مجھے عاقب محمود کے روپ میں پہچان نہیں سکتے تھے۔ میں نے کوڈ ورڈز ادا کئے تو ٹیپو خوش ہو کر فوراً ہی مجھ سے لپٹ گیا۔

رائنا ہمیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ٹیپو نے کہا۔ ''یہ تمہارے بھائی جان ہیں۔''

اس نے پہلے تو بڑی توجہ سے' خوب غور سے دیکھا۔ میں آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر کہا۔ ''میری بہنا! میں تمہارا امیر بھائی جان' شہزادہ سلمان سعدی ہوں۔''

اس بار وہ مجھے آواز اور لہجے سے پہچان گئی۔ میرے سینے سے آ کر لگ گئی۔ میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ ''میری اچھی بہن یوں سینے سے نہ لگو۔ یہ اسلامی ملک ہے۔ یہاں بھائی بہن اور ماں بیٹے بھی ایک دوسرے سے فاصلہ رکھ کر ملتے ہیں۔''

وہ فوراً ہی الگ ہوگئی۔ اس وقت خوشی سے رو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ ''آپ کے روبرو آ کر آپ سے لگ کر بھی دیدار کی پیاسی رہوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں' یہ میرا چہرہ نہیں ہے۔ کسی اور کی صورت ہے۔ تم میرے پاس آ کر بھی مجھے نہیں دیکھ رہی ہو۔ کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔''

وہ میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''یہی بہت ہے کہ اپنے بھائی کو چھو رہی ہوں۔ جب بھی اصلی چہرے کے ساتھ آئیں گے تو آپ کو جی بھر کے دیکھوں گی۔''

اس نے میرے ہاتھ کو اپنی پیشانی سے لگایا۔ میں کہا۔ ''تمہیں نئی زندگی مبارک ہو۔ میڈیکل رپورٹس کے مطابق کینسر کا مہلک مرض ختم ہوگیا ہے۔''

وہ بولی۔ ''یہ آپ کی اور ٹیپو کی مہربانیوں سے ہوا ہے۔''

ٹیپو نے کہا۔ ''خدا راضی ہو تو ہمارے جیسے مہربان پیدا ہو جاتے ہیں... رب راضی تو سب راضی۔''

میں نے سر گھما کر دیکھا تو چونک گیا۔ میرا بڑا بیٹا منور قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ بڑی حیرانی سے رائنا اور ٹیپو کو دیکھ رہا تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لاہور میں میرے تین دشمن لالچی بیٹے تھے۔ وہ تینوں دولت اور جائداد حاصل کرنے کی خاطر مجھے مار ڈالنے کی حتی الامکان کوششیں کر چکے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے مراد اور سلطان خزانے تک پہنچنے کی اندھی خواہش میں مارے گئے تھے۔ بڑے بیٹے منور کو خونخوار کتوں نے اس طرح بھنبھوڑا تھا کہ آپریشن کے بعد وہ خسرا بن گیا تھا۔

اس وقت وہی منور ہمارے قریب کھڑا ہوا بڑی حیرانی سے رائنا کو اپنی پھوپھی سمجھ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے ٹیپو کو فرانسیسی زبان میں کہا۔ ''جس کا اندیشہ تھا وہی ہو رہا ہے۔ تمہارے دائیں طرف منور کھڑا ہوا حیرانی سے رائنا کو دیکھ رہا ہے۔''

ٹیپو نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ منور نے جلدی سے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پھوپھا جان! آپ زندہ ہیں؟ اور پھوپھی جان بھی زندہ ہیں۔ مجھے آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں ہو رہا ہے۔''

میں اس کا باپ تھا۔ وہ مجھے عاقب محمود کے روپ میں نہیں پہچان رہا تھا۔ ٹیپو نے اس سے کہا۔ ''میں زندہ تھا۔ زندہ ہوں۔ مجھے مردہ کیوں سمجھ رہے تھے؟''

''اس لئے کہ تقریباً ۲۲ برس سے کہیں نظر نہیں آئے۔ ہم سگے رشتے دار ہیں۔ آپ نے کبھی فون پر بھی رابطہ نہیں کیا۔ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔''

پھر وہ رائنا سے بولا۔ ''پھوپھی جان! کیا آپ مجھے نہیں پہچان رہی ہیں؟ آپ کی وفات کے وقت میں ۱۲ برس کا تھا۔ اب میری صورت بہت بدل گئی ہے۔''

ٹیپو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''برخوردار! جب یہ وفات پا گئی تھیں تو تم کس سے بات کر رہے ہو۔ جو وفات پا چکی ہیں' کیا وہ تمہاری عمر کا حساب کرنے آئیں گی۔''

وہ بولا۔ ''یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ جب یہ وفات پا گئی تھیں تو پھر دنیا میں کیسے

آ گئیں؟ اگر آ ہی گئی ہیں تو مجھے کیوں نہیں پہچان رہی ہیں۔''

پھر وہ چونک کر بولا۔ ''ہاں یہ مرنے کے بعد پھر سے زندہ ہو کر آئی ہیں۔ ہمارے خاندان میں ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یہ آپ نے اخباروں رسالوں میں پڑھا ہوگا۔ میرے دادا غازی صلاح الدین ستر برس پہلے وفات پائے تھے۔ ابھی دو برس پہلے کی بات ہے۔ وہ پھر سے زندہ ہو کر آ گئے۔''

ٹیپو نے پوچھا۔ ''اور تمہارے والد عمیر بن غازی کہاں ہیں؟''

وہ ہاتھ نچا کر بولا۔ ''ان کی تو بات ہی نہ کرو۔ وہ میرے آئیڈیل باپ ہیں۔ میں نالائق تھا۔ زندگی میں ان کی قدر نہیں کی۔ اب پچھتاتا ہوں۔ کوئی بات نہیں۔ وہ بھی زندہ ہو کر واپس آئیں گے تو ان کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تمہارا باپ بھی مر چکا ہے؟''

''پتہ نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے جاسوسی کے ادارے بڑی بڑی خطرناک تنظیمیں انہیں ڈھونڈ رہی ہیں۔ مگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے وہ مر چکے ہیں۔ کوئی بات نہیں' ان کی بھی واپسی ہوگی۔''

ٹیپو نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''ہماری تو فلائٹ کا وقت ہو گیا ہے۔ تم اس سے نمٹو ہم جا رہے ہیں۔''

رائنا میرے پاس آئی۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اسے دعائیں دیں۔ منور نے کہا۔ ''پھوپھی جان! پھوپھا جان! آپ دونوں ہمارے گھر چلیں۔ فلائٹ کینسل کر دیں۔ یہ اتنی مدتوں بعد زندہ ہو کر واپس آئی ہیں۔ اس طرح نہیں جانا چاہئے۔''

وہ دونوں اسے نظر انداز کر کے جانے لگے۔ منور بولتا ہوا ان کے پیچھے جانا چاہتا تھا۔ میں نے پیچھے سے اس کا کالر پکڑ کر کھینچ لیا۔ وہ کالر چھڑاتے ہوئے بولا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ تمہارے رشتے دار نہیں ہیں۔''

''ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر رشتہ داری ہے۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ ہمارے گھر میں کئی فوٹو البم ہیں۔ ان سب میں پھوپھی جان کی تصویریں ہیں اور تصویریں نہ بھی ہوتیں تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ واپسی ہوئی ہے۔ مرنے کے بعد اس دنیا میں خاندانی واپسی ہوئی ہے۔''

وہ انگلیوں پر گننے لگا۔ ''پہلے تو میرے دادا آئے پھر یہ پھوپھی آئیں اور اب میرا

باپ واپس آئے گا۔ اور آئے گا کیا۔ آ گیا ہے۔''

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''اے پاپا! کیا اپنے بیٹے کو گدھا سمجھتے ہو۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ یہ تیسری خاندانی واپسی ہے۔''

میں ایک دم سے بوکھلا گیا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مجھے یوں پہچان لینے کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے اور زیادہ بدحواس کر دیا۔ اچانک ہی میرے قدموں میں گر کر میرے ایک پاؤں سے لپٹ گیا۔ پھر گڑگڑانے لگا۔ ''مجھے معاف کر دو پاپا! میں آپ کا گناہ گار ہوں۔''

دولت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کبھی چھپر پھاڑ کر آتی ہے۔ یہاں تو مصیبتیں چھپر پھاڑ کر آ رہی تھیں۔ انٹیلیجنس کا چیف رانا دلشاد احمد ہماری طرف آ رہا تھا۔ کئی برس پہلے جب میں لاہور میں دشمنوں سے نمٹ رہا تھا۔ تب رانا دلشاد احمد میرے بارے میں تفتیش کر رہا تھا۔ ایسے وقت میں لاہور سے فرار ہو کر ہندوستان پنڈت دینا ناتھ یعنی نئی گھر پہنچا تھا۔

جس رانا کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا' اب اسی کے ہتھے چڑھنے والا تھا۔ ادھر میرا دشمن بیٹا چیخ چیخ کر مجھے پاپا کہہ رہا تھا۔ باپ بیٹے کے رشتے کا اعلان کر رہا تھا۔

پھر پریشانی اور بڑھ گئی۔ رائنا اور ٹیپو کے جانے کے بعد ندا میرے پاس آ گئی۔ ایسے میں انٹیلی جنس کے چیف سے نمٹنا محال تھا۔ میں ندا کو چھوڑ کر فرار نہیں ہو سکتا تھا اور وہ بے چاری گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پسنے والی تھی۔

☆☆☆

انٹیلی جنس کا چیف رانا دلشاد احمد ہماری طرف آتے آتے رک گیا تھا۔ دو افراد اس کے پاس آ کر کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ یقیناً اس کے ماتحت جاسوس ہوں گے۔

رانا نے ان کی باتیں سن کر ہاتھ اٹھا کر ہماری طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے پہلے منور کو' پھر مجھے دیکھا۔ وہ میرے ایک پاؤں سے لپٹا ہوا اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ آس پاس سے گزرنے والے رک کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ بھیڑ لگ رہی تھی۔

میں نے جھک کر اسے ایک جھٹکے سے الگ کیا' پھر غصے سے کہا۔ ''اے! اٹھو۔ کیوں میرے قدموں سے لپٹے ہوئے ہو؟ کیوں مجھے پاپا کہہ رہے ہو' اپنا باپ کیوں بنا رہے ہو؟''

میں اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ سننے والوں کو جتا رہا تھا کہ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''مرنے کے بعد واپس آنا ہماری پرم پرا ہے' آپ اس کا مطلب جانتے ہیں۔ نہیں جانتے تو انڈین فلمیں اور ڈرامے دیکھا کریں۔''

رانا دلشاد اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمارے قریب آ کر رک گیا تھا۔ میں نے جھنجھلا کر
منور سے کہا۔ ''تم کون ہو؟ اور یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟''
''خاندان میں جو ہوتا آیا ہے' اُسے پرم پرا بولتے ہیں۔ ہندو ٹھیک ہی بولتے ہیں
انسان مرنے کے بعد سات بار جنم لیتا ہے' اس دنیا میں سات بار واپس آتا ہے۔ میرے دادا
برس کے بعد واپس آئے۔ آپ ان کے بیٹے ہیں' تین برس کے بعد واپس آئے ہیں۔ میں آپ کا
بیٹا ہوں۔ میں بھی مرنے کے بعد واپس آؤں گا۔ اسے خاندانی پرم پرا کہتے ہیں۔''
اس بات پر سب لوگ قہقہے لگانے لگے۔ ایک نے کہا۔ ''یہ تو پاگل ہے۔''
دوسرے نے مجھ سے پوچھا۔ ''بھائی صاحب! کیا آپ اسے جانتے ہیں؟''
میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''پتہ نہیں' کون ہے؟ میرے پاس آتے ہی قدموں
سے لپٹ گیا تھا۔ مجھے اپنا باپ بنا رہا ہے۔''
ایک بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''آپ کو مرنے کے بعد زندہ کر رہا ہے۔''
منور نے کہا۔ ''میں پاگل نہیں ہوں' سچ کہہ رہا ہوں۔ میری پھوپھی جان بھی اپنی
وفات کے بائیس برس بعد واپس آئی ہیں۔ ابھی بورڈنگ کارڈ لے کر ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے
لئے اندر گئی ہیں۔''
اس بات پر لوگ پھر قہقہے لگانے لگے۔ رانا نے قریب آ کر اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔
''تمہارے بیوی اور بچے تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ہمارے ساتھ چلو۔''
وہ بولا۔ ''رانا صاحب! اچھا ہوا' آپ آ گئے۔ میرے پاپا کو پولیس والے ڈھونڈ رہے
ہیں ناں؟ یہ دیکھیں! یہ آپ کے سامنے ہیں۔ میں ان کا بیٹا ہوں۔ میں نے انہیں پہچان لیا ہے۔
صرف یہ ہی نہیں' پھوپھی جان بھی واپس آئی ہیں۔ آپ نے آنے میں دیر کر دی۔ وہ ہوائی جہاز
میں بیٹھ گئی ہیں۔''
رانا نے اس کی پیٹھ کو تھپک کر کہا۔ ''شاباش! تم نے ایک خطرناک مجرم باپ کو
ڈھونڈ نکالا ہے۔ ہم اسے گرفتار کر کے لے جائیں گے۔''
وہ خوش ہو کر بولا۔ ''میں نے گرفتار بھی کرایا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگ
لی ہے۔ آپ تو انعام دیں گے۔ ان سے کہیں' یہ معافی دیں۔''
ایسے وقت منور کی بیوی یعنی میری بہو بلقیس بانو اپنے جوان بیٹے اور بیٹی کے ساتھ
آ گئی۔ اس نے منور سے کہا۔ ''توبہ ہے۔ آپ نے تو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم پورے

ائیرپورٹ میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''
منور نے خوش ہو کر کہا۔ ''اور میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ ہیں میرے پاپا' تمہارے سسر'
بچوں کے دادا اور قانون کے مجرم عمیر بن غازی عرف شہزادہ سلمان سعدی....''
ندا کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ میرے بازو سے لگ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ میں
پہچان لیا گیا ہوں۔ میری بہو' پوتے اور پوتی نے مجھ پر ایک نظر ڈالی۔ پھر بہو نے کہا۔ ''آپ
کے پاپا یہ نہیں ہیں۔ وہ تو ہمارے پاس آئے ہیں۔ ہم انہیں گھر میں بٹھا کر آئے ہیں۔ گھر چلیں۔
وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''
وہ غصے سے بولا۔ ''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ پاپا وہاں آ گئے ہیں؟ میں خواہ
مخواہ اس آدمی کے قدموں سے لپٹ گیا تھا۔''
میرے پوتے نے منور سے کہا۔ ''ڈیڈ! آپ نے یہ تیسری بار کسی کو باپ بنایا ہے اور دو بار
دو بوڑھوں کو دادا جان کہہ کر لپٹ گئے۔ پلیز کسی کو باپ دادا بنانے سے پہلے ہم سے پوچھ لیا کریں۔''
رانا نے بلقیس سے کہا۔ ''میں نے آپ کو سمجھایا تھا' انہیں گھر سے تنہا نہ نکلنے دیں اور
فون کے قریب جانے نہ دیں۔ یہ کئی بار مجھ سے فون پر کہہ چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ
شہزادہ سلمان سعدی کو دیکھا ہے۔ ہم اسے گرفتار کرنے آ جائیں۔''
منور نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ''میں کبھی جھوٹ نہیں کہتا۔ ابھی آپ نے سنا ہے' میری بیوی
نے پاپا کو پکڑ لیا ہے۔ گھر میں بٹھا کر آئی ہے۔ آئیں۔ ابھی چلیں اور انہیں گرفتار کریں۔ لیکن اس
سے پہلے مجھے ان سے معافی مانگنے دیں۔''
رانا نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ تم بیوی بچوں کے ساتھ جاؤ۔ میں ابھی آ جاؤں گا۔''
وہ بیوی اور بیٹی کے ساتھ جانے لگا۔ بیٹے نے یعنی میرے پوتے نے مجھ سے کہا۔
''ڈیڈ نے آپ کو پریشان کیا۔ میں سوری کہتا ہوں۔''
میں نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ ابنارمل
ہیں۔ بائی داوے ان کی یہ حالت کب سے ہے؟''
اس نے جواب دیا۔ ''ایک حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔ میجر آپریشن کے نتیجے میں
زخم تو بھر گئے۔ لیکن دماغ متاثر ہوا ہے۔ تب سے ابنارمل ہو گئے ہیں۔''
میرے پوتے نے یہ نہیں بتایا کہ منور کس حادثے میں زخمی ہو گیا تھا؟ اس نے باپ کی
عزت رکھنے کے لئے حقیقت چھپا لی تھی اور حقیقت میں جانتا تھا کہ کتوں نے انہیں اچھی طرح

بھنبھوڑ ڈالا تھا' ایسی ایسی جگہ سے زخمی کیا تھا کہ وہ آپریشن کے بعد نہ مرد رہے تھے' نہ عورت۔ تیسری مخلوق بن گئے تھے۔

میرے پوتے نے بڑے فخر سے کہا۔ ''میں ایک بہت مشہور و معروف صلاح الدین غازی کا پوتا ہوں۔ آپ نے ٹی وی چینلز اور اخبارات کے ذریعے دیکھا ہوگا' پڑھا ہوگا' میرے دادا موت کے بعد پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں آئے ہیں؟''

میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔ میں نے تمہارے دادا کو ٹی وی اسکرین پر دیکھا ہے۔ وہ تمہارے دادا کے والد ہیں۔ ان کا نام کیا ہے؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''عمیر بن غازی کہلاتے تھے۔''

میں نے کہا۔ ''تمہارا لہجہ بدل گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے' دادا سے لگاؤ نہیں ہے؟''

رانا نے ذرا قریب آ کر کہا۔ ''ایک مجرم سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ آپ نے ابھی دیکھا ہے' منور اگرچہ ابنارمل ہے۔ لیکن اسے بھی لگاؤ نہیں ہے۔ وہ آپ کو باپ سمجھ کر گرفتار کرانا چاہتا تھا۔''

پھر وہ مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں ابنارمل نہیں ہوں۔ لیکن دور سے آپ کو دیکھ کر دھوکا کھا رہا تھا۔ آپ کا قد' آپ کی جسامت بالکل عمیر بن غازی جیسی ہے۔ ویسے آپ کی تعریف...؟''

''میرا نام عاقب محمود ہے۔ ماڈل ٹاؤن میں رہتا ہوں۔ مجھ سے کوئی کام ہو تو خدمت کے لئے حاضر ہوں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''دعا کریں' ہم پولیس والوں سے کوئی کام نہ پڑے۔ ہم صرف مجرموں سے خدمات لیتے ہیں۔''

وہ مجھ سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔ میرا پوتا بھی جا چکا تھا۔ بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ میں نے اور ندا نے ایک دوسرے کو دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ پہچان لئے گئے ہیں۔ اتنی دیر سے ایک نیم پاگل بیٹا ہمارا خون خشک کر رہا تھا۔

میں نے کہا۔ ''مجھے اندیشہ تھا کہ یہاں رانا کو کوئی رشتے دار دیکھ کر رابعہ سمجھے گا۔ اس کی وجہ سے ہم پر مصیبت آئے گی۔''

ندا نے کہا۔ ''اور آپ کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ منور نے رانا کو پھوپھی سمجھ لیا اور آپ کی شناخت ہوتے ہوتے رہ گئی۔''

''خدا کا شکر ہے۔ انٹیلی جنس کے چیف رانا کو مجھ پر شبہ نہیں ہوا ہے۔ ویسے وہ آج

بھی میری تلاش میں ہے۔ میری بہو اور پوتوں سے ملتا رہتا ہے۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آئے پھر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ اسی وقت کالنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے ننھی سی اسکرین کو دیکھا۔ آدم ثانی کال کر رہا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''ہاں بولو...؟''

اس نے کہا۔ ''ہمارے ایک جانثار نے ساؤتھ افریقہ سے انفارمیشن دی ہے کہ وہاں مورشش میں ہیرے جواہرات کا ایک تاجر ہے۔ وہ ہندوستانی مسلمان ہے۔ دہلی میں اس کی ایک شاندار کوٹھی ہے۔ وہ آپ کی طرح صحت مند ہے۔ قد میں آپ کے برابر ہوگا۔ حسن پرست ہے۔ عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان ہوگی۔''

میں نے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ' میں اس کی جگہ کیسے لے سکوں گا؟''

''ہم اسے ہمیشہ کے لئے غائب کر دیں گے۔''

''تم لوگ جانتے ہو' میں خواہ مخواہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''

''وہ ایک ظالم درندہ ہے۔ بدترین سزاؤں کا مستحق ہے۔ اس نے پندرہ برس پہلے اپنے باپ کو ہلاک کرنے کے بعد اس کے کاروبار پر قبضہ جمایا تھا۔ ایک بھائی کو جان لیوا حادثے سے دوچار کیا۔ دوسرے بھائی کی موت کو خودکشی ثابت کیا۔ اب تنہا ہیرے جواہرات کا ارب پتی تاجر کہلاتا ہے۔''

''ہندوستان میں اس کا ریکارڈ کیسا ہے؟''

''بہترین ریکارڈ ہے۔ وہاں ہر الیکشن میں کروڑوں روپے سے ایک سیاسی پارٹی کی مدد کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں میں مقبول ہے۔ سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے اسے سلام کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان کی بھی مٹھیاں گرم کرتا رہتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''پھر تو یہ بالکل مناسب رہے گا۔ مجھے اس کے قریب رہ کر اس کے لب و لہجے' اس کی چال ڈھال اور مختلف سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنا ہوگا۔''

''جی ہاں۔ یہ ضروری ہے۔ آپ مورشش میں رہ کر اس سے تعلق پیدا کر کے ملتے رہیں گے تو بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔''

''انڈیا میں ہمارے جانثاروں سے کہو کہ وہاں اس تاجر کی تمام سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والی معلومات حاصل کریں۔ دہلی میں اس کی کوٹھی کے اندرونی حالات بھی معلوم کریں۔''

''اس کے بارے میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی معلومات حاصل کرنی

ہوں گی۔اس کے لئے کئی ماہ لگ جائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔میری اور ندا کی روانگی کا انتظام کرو۔ ہم مورشش میں عارضی رہائش اختیار کریں گے۔اس تاجر کا نام کیا ہے؟"

"اس کا پیدائشی نام شیخ امیرالدین ہے۔لیکن وہ امیر خیری کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمارے پاسپورٹ اور ویزا تیار کراؤ۔ ہم جلد از جلد یہاں سے جائیں گے۔"

میں نے رابطہ ختم کیا۔فون کو ڈیش بورڈ پر رکھ کر کار اسٹارٹ کی۔ پھر اسے پارکنگ ایریا سے نکال کر مین روڈ پر آ گیا۔ندا بہت خوش تھی۔اس نے پوچھا۔"ہم مورشش جائیں گے۔"

"انشاءاللہ...کل یا پرسوں تک روانگی ہوگی۔"

"میں ابھی گھر پہنچ کر سفر کی تیاریاں کرواں گی۔"

"ہاں۔مگر ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی اچھی بات ہے؟"

"لڑکیوں کے لئے شادی کی بات اچھی ہی ہوتی ہے۔"

وہ شرم سے سمٹ گئی۔میں نے کہا۔"سنتے ہی شرمانے لگتی ہیں۔"

وہ نظریں جھکا کر بولی۔"پلیز بتائیں' کیا بات ہے؟"

"میں نے تمہیں بتایا ہے' اجمیر شریف میں ایک پنڈت دینا ناتھ رہتے تھے۔انہیں علم نجوم میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔انہوں نے میرے ماضی' حال اور مستقبل کے بارے میں کچھ باتیں بیان کی تھیں۔ان میں سے ایک پیشگوئی یہ ہے کہ میں آٹھ برس بعد کسی لڑکی سے شادی کروں گا۔اس سے پہلے کوئی عورت میری زندگی میں نہیں آئے گی۔"

ندا نے کہا۔"آپ میری باجی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔لیکن وہ اپنی بیماری اور علاج کے باعث دور ہو گئیں۔پھر اس دنیا سے ہی چلی گئیں۔"

"تمہاری باجی کے علاوہ اور دو عورتیں میرے قریب آئیں' لیکن حالات ایسے پیش آئے کہ کسی سے شادی اور ازدواجی رشتہ قائم نہ ہو سکا۔"

"اس پیشگوئی کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟"

"چار برس گزر چکے ہیں۔شادی تم سے کرنی ہے تو اگلے چار برسوں تک انتظار کرنا ہوگا۔جبکہ اس عرصے سے پہلے ہی تمہاری شادی کی عمر ہو جائے گی۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔"پیشگوئی کے مطابق جو ہونے والا ہے وہ ہونے دیں۔"

"تم برس دو برس میں شادی کے قابل ہو جاؤ گی۔تمہیں میرا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔میں نے سوچ لیا ہے' پہلے تمہاری شادی ہو جائے۔"

وہ چونک کر بولی۔"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہم مورشش جا رہے ہیں۔وہاں تمہاری شادی امیر خیری سے ہو جائے گی۔"

"آپ زبان سے پھر رہے ہیں۔میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"میں کہوں گا تو ضرور کرو گی۔"

وہ رونے لگی۔"میں مر جاؤں گی' کسی اور کا منہ نہیں دیکھوں گی۔"

"ارے تم تو رونے لگیں۔یہ تو پوچھو' امیر خیری کون ہے؟"

"بلا سے کوئی بھی ہو۔میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں گی۔"

"باہر کودنے سے پہلے یہ تو پوچھ لو' امیر خیری کون ہے؟"

اس نے تڑخ کر پوچھا۔"کون ہے؟"

"میں ہوں۔وہاں میرا نام امیر خیری ہوگا۔میری شخصیت بدل جائے گی۔"

وہ مارے خوشی کے اور رونے لگی۔میں نے پوچھا۔"باہر کودنے کے لئے دروازہ کھولوں؟"

وہ ہنستی ہوئی میرے بازو سے لگ گئی۔

☆☆☆

لیبیا کے شہر طرابلس سے ستر کلومیٹر دور میرا ایک وسیع و عریض خفیہ اڈہ تھا۔میرے بیٹے مراد اور سلطان آستین کے سانپ تھے۔وہ میری ڈائری اور خفیہ اڈے کا نقشہ چرا کر طرابلس گئے تھے۔ان کا خیال تھا' میں نے وہاں چالیس من سونا اور ہیرے جواہرات چھپا کر رکھے ہیں۔

حریکا نامی ایک یہودی عورت میری دشمن تھی۔اس کا خیال تھا' میں نے ریڈ مرکری وہاں چھپائی ہے۔مراد اور سلطان' حریکا کے ساتھ اس خفیہ اڈے کی طرف گئے تھے۔وہاں جگہ جگہ بارودی سرنگیں تھیں۔ہم نے ایسے جان لیوا جدید آلات اور ہتھیار نصب کئے تھے' جو نظر نہیں آتے تھے' جان لینے کے بعد ظاہر ہوتے تھے۔

وہ تینوں خفیہ موت کے ظاہر ہوتے ہی جہنم میں پہنچ گئے تھے۔یہ نہ جان سکے کہ وہ میرے جانثاروں کی خفیہ پناہ گاہ اور جدید اسلحہ کا گودام ہے۔دنیا کے ایک سرے سے دوسرے

سرے تک اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کرنے اور خفیہ پیغامات پہنچانے کے لئے وہاں ایک بھرپور نیٹ ورک قائم کیا گیا تھا۔

اور وہیں راڈ مین اور محالہ کو قیدی بنا کر رکھا گیا تھا۔ سی آئی اے اور میسونی تنظیم کے جاسوس انہیں تلاش کر رہے تھے۔ وہ خواب وخیال میں بھی میرے اُس خفیہ اڈے تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔

ٹیپو نے رائنا کے ساتھ اٹلی میں دو دن گزارے۔ وہاں نامان کی رضا مندی سے یہ طے کیا گیا کہ ایک ہفتے بعد رائنا سے شادی کا جشن منایا جائے گا۔

وہ اپنی شادی خانہ آبادی کے معاملات طے کرنے کے بعد طرابلس کے خفیہ اڈے میں آگیا۔ اس نے جانثاروں سے کہا۔ ''راڈ مین کو کال کوٹھری سے نکالو اور اس کا پہلا آپریشن کرو۔''

راڈ مین چار اسکوائرفٹ کی ایک تنگ کوٹھری میں بیٹھا رہتا تھا۔ جگہ اتنی تنگ تھی کہ پاؤں پھیلا کر سو نہیں سکتا تھا۔ سانسیں لینے کے لئے ایک ننھے سے روشندان سے ہوا آتی رہتی تھی۔

جانثار اسے چوبیس گھنٹوں میں دو بار کھانے پینے کے لئے کچھ دیتے تھے' پھر کوئی اسے پوچھنے نہیں آتا تھا۔ اتنے عرصے میں وہ بیمار اور کمزور ہو گیا تھا۔ ٹیپو کی ہدایت کے مطابق دو جانثار اسے کوٹھری سے نکال کر آپریشن تھیٹر میں لے گئے۔ وہاں ایک انجکشن لگاتے ہی وہ بیہوش ہو گیا۔

جب ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک بیڈ پر پایا۔ اسے کسی کمرے میں منتقل کیا گیا تھا۔

ٹیپو نے آکر کہا۔ ''ہیلو راڈ مین! تم نے تھری ایس کو قیدی بنا کر' اسے انتہائی کمزور بنا کر طمانچہ مارا تھا۔ وہ طمانچہ مارنے والا ہاتھ کہاں ہے؟ ذرا دکھاؤ تو سہی۔''

اس نے بڑی بے بسی اور عاجزی سے کہا۔ ''میں جانتا ہوں' اپنا سر پٹخ کر معافی مانگوں گا' تب بھی مجھے معاف نہیں کیا جائے گا۔ پلیز ایک بار شہزادہ سلمان سعدی سے بات کراؤ۔ صرف ایک بار بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی بات کراؤں گا۔ لیکن تم کس ہاتھ سے فون پکڑو گے؟''

وہ اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس ہاتھ سے....''

پھر وہ ایکدم سے چونک گیا۔ صدمے سے چیخ پڑا۔ وہ ہاتھ کلائی تک تھا۔ اس کے بعد ہتھیلی غائب تھی۔ کلائی کے پاس پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ٹیپو نے موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ تھری ایس سے بات کرنا چاہتے ہو۔ یہ لو فون دوسرے ہاتھ سے پکڑو۔''

اس نے دوسرا ہاتھ بیڈ پر سے اٹھایا تو اسے دیکھ کر پھر ایک دماغی جھٹکا پہنچا۔ وہ ہاتھ بھی کلائی تک تھا۔ وہ صدمے سے کراہنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ٹیپو نے فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے کہا۔ ''تھری ایس کو معلوم ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

اس نے رابطہ ہونے پر مجھ سے کہا۔ ''ہیلو شہزادے! یہ ہوش میں آگیا ہے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کا ماتم کر رہا ہے۔ لو باتیں کرو'

اس نے آگے بڑھ کر فون کو راڈ مین کے کان سے لگایا۔ میں نے کہا۔ ''ویل راڈ مین! کس حال میں ہو؟ یاد ہے' تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا اور میں نے کہا تھا' اپنے ہاتھوں کا بیمہ کرالو۔ یہ نہیں رہیں گے۔''

وہ رو رہا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ تو تمہارے تمام دشمن کہتے ہیں کہ تم زبان کے دھنی ہو۔ جو کہتے ہو' وہی کرتے ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا' تمہارا بیٹا تمہیں مل جائے گا تو مجھے رہا کر دو گے۔''

''بیشک۔ رہائی ملے گی۔ میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔ تم اپنی میسونی تنظیم میں واپس جاؤ گے۔ لیکن سزائیں پانے کے بعد۔''

''سزا تو دے چکے ہو۔ مجھے دونوں ہاتھوں سے معذور کر چکے ہو۔''

''ہاں۔ میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں۔ تم نے جن ہاتھوں سے میری بہن کے لباس کو پھاڑ کر اسے برہنہ کرنا چاہا تھا' وہ ہاتھ اب نہیں رہے۔ آئندہ تم خود اپنا لباس اپنے ہاتھوں سے نہیں پہن سکو گے۔''

''تھری ایس! بہت ہو چکا۔ اب مجھے جانے دو۔''

''ابھی تو کچھ نہیں ہوا ہے۔ اور بہت کچھ ہونا ہے۔ بستر پر پڑے رہو اور یاد کرتے رہو کہ تم نے ایک تہہ خانے میں قیدی بنا کر مجھ پر کیسے مظالم ڈھائے تھے؟ میرا خدا مجھے نہ بچاتا تو تہہ خانے سے میری لاش ہی نکلتی۔''

''نہ میں نے تمہاری جان لی' نہ تم میری جان لو۔ اب دشمنی ختم کرو۔''

''تمہارے جیسے یہودی اور دشمنی ختم کریں گے...؟ کبھی نہیں۔ تم تو مجھے ایک سانس بھی لینے نہ دیتے۔ اس تہہ خانے میں مار ڈالتے' لیکن ریڈ مرکری حاصل کرنے کی بے چینی تھی۔ اس لئے مجھے زندہ رکھا تھا۔''

"اب تو میرا خیال ہے' تم نے خواہ مخواہ ریڈ مرکری کا شوشہ چھوڑا ہے۔ تمہارے پاس ایسا کوئی خطرناک جوہری مادہ نہیں ہے۔ تم ساری دنیا کو بیوقوف بنا رہے ہو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم نے بیوقوف بنتے بنتے دو ہاتھ گنوا دیئے اور پتہ نہیں کیا کچھ گنوانے والے ہو۔ جب یہاں سے اپنے لوگوں میں جاؤ گے تو وہ تمہاری حالت دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے اور شائد تمہاری طرح یہی سوچ کر صبر کریں گے کہ میں خواہ مخواہ ایک شوشہ چھوڑ رہا ہوں' میرے پاس کوئی جوہری مادہ نہیں ہے۔"

ایسے وقت میرے دو جانثار محالہ کو لے کر وہاں آئے۔ ٹیپو نے فون پر کہا۔ "شہزادے! تمہاری زوجہ محترمہ محالہ صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ لو اب اس سے باتیں کرو۔"

ٹیپو نے محالہ کو فون دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی۔ "ہائے سلمان! میں تمہاری آواز سننے اور تم سے باتیں کرنے کے لئے ترس رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میرے دین کے مطابق تم سے بہت پہلے ہی نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ نہ میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا' نہ تمہاری آواز سننے کا شوق ہے۔ مگر کیا کیا جائے؟ تم میرے بیٹے یعقوب کی ماں ہو۔ اگر یہ بیٹا نہ ہوتا تو آج تم اس دنیا میں نہ ہوتیں۔ اگر ہوتیں تو تمہارے سامنے راڈ مین پڑا ہے' اس کا انجام دیکھو۔ تمہارا بھی یہی انجام ہوتا۔"

اس نے کمرے میں آتے ہی راڈ مین کے دونوں ہاتھوں کو دیکھا تھا اور سہم گئی تھی۔

میں نے کہا۔ "تمہیں آج بھی اپنے حسن و شباب پر بڑا ناز ہے۔ میں راڈ مین کی طرح تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ لیکن تصور کرو' ذرا سوچو! اگر میں تمہاری ایک آنکھ نکلوا دوں تو تمہارے حسن کا ایک چراغ بجھ جائے گا۔ تم جوانی اور بڑھاپے کی دہلیز پر ہو۔ بس دوسرے چراغ کی روشنی میں زندگی گزارتی رہو گی۔"

وہ گھبرا کر چیخنے کے انداز میں بولی۔ "نہیں۔ سلمان! تم ایسا ظلم نہیں کرو گے۔ میں ایک آنکھ کے بغیر کیسی لگوں گی؟ او گاڈ! میں تمہیں اپنے اور تمہارے بیٹے کی قسم دیتی ہوں' میرا چہرہ نہ بگاڑنا۔ میں آئینہ نہیں دیکھوں گی۔ مر جاؤں گی۔"

"میں نے ایک بات کہی تھی۔ جو کہا ہے' وہ نہیں کروں گا۔ اگر تمہیں ذرا سا بھی نقصان پہنچاؤں گا تو میرے بیٹے کے دل کو تکلیف پہنچے گی۔ وہ محبت کرنے والا بیٹا ہے۔ آج بھی تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے۔"

وہ یکبارگی رو پڑی۔ التجا کرنے لگی۔ "ایک بار اس سے بات کرا دو۔ میں جانتی ہوں'

تمہارے کسی بیٹے نے تم سے وفا نہیں کی۔ سب دشمن تھے۔ صرف میری کوکھ سے جنم لینے والا یہ بیٹا ہی سعادت مند ہے' تمہارا فرمانبردار ہے۔ تم اسے دل و جان سے چاہتے ہو۔ میں اس کا واسطہ دے کر کہتی ہوں' ایک بار میرے بیٹے سے بات کرا دو۔"

"اس قدر جذباتی ہو کر نہ بولو۔ تم سے بیٹے کی ملاقات کراؤں اور یہودی دشمنوں کو اپنے پیچھے لگا لوں؟ میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں۔ بس ایک ہی بار تمہارے فریب میں آ کر تم سے شادی کی تھی۔ راڈ مین کی قید میں رہ کر اس کی سزا پالی اور میں جب وہاں قیدی بن کر تھا تو یاد کرو' تم مجھ سے کس بری طرح پیش آ رہی تھیں؟ اس انتظار میں تھیں کہ میں ریڈ مرکری کا راز راڈ مین کے سامنے اُگل دوں اس کے بعد مارا جاؤں۔ تم خوش قسمت ہو کہ میں بیٹے کی وجہ سے تم پر تھوک بھی نہیں سکتا۔ لعنت ہے تم پر... میں تمہارے لئے رہائی کا حکم دے رہا ہوں۔ فون ٹیپو کو دو۔"

اس نے فون ٹیپو کو دیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "راڈ مین کا دوسرا آپریشن کب ہوگا؟"

اس نے کہا۔ "آج سے دو دنوں کے بعد دوسرا پھر دو دنوں کے بعد تیسرا آپریشن ہوگا۔ اس کے بعد اس کی چھٹی کر دیں گے۔"

"اسے بڑی ہوشیاری سے میسونی تنظیم کے حوالے کرنا۔ یہ کبھی شبہ نہ ہو کہ ہمارا خفیہ اڈہ لیبیا کے کسی علاقے میں ہے۔"

ٹیپو نے محالہ کو دیکھا۔ پھر راڈ مین پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے بعد کمرے سے باہر آ کر بولا۔ "ہم محالہ اور راڈ مین کی ایک ساتھ چھٹی کریں گے۔ یہاں سے بہت دور جنوبی افریقہ کے آخری ساحل کیپ ٹاؤن کی طرف لے جائیں گے۔ وہاں سے میسونی تنظیم کے موجودہ سربراہ کو اطلاع دیں گے کہ وہ انہیں وہاں سے لے جائے۔"

ٹیپو نے یہی کیا۔ دوسرے آپریشن میں راڈ مین کا ایک گردہ نکال لیا۔ تیسرے آپریشن میں ایک آنکھ نکلوا دی۔ اب ایسے بگڑے ہوئے شخص کو فضائی راستے سے یا بحری راستے سے کسی دوسرے ملک میں پہنچایا نہیں جا سکتا تھا۔ میرے جانثار اس کو اور محالہ کو بیہوش کر کے ایک گاڑی میں ڈال کر وہاں سے ہزاروں میل دور کیپ ٹاؤن لے گئے۔

جب میسونی تنظیم کے موجودہ سربراہ کو اطلاع ملی کہ ان دونوں کو رہا کر دیا گیا ہے تو اس تنظیم کے جاسوس اور دوسرے کارندے بتائے ہوئے پتے پر کیپ ٹاؤن کے ایک علاقے میں پہنچ گئے۔

وہ دونوں ایک چھوٹے سے مکان میں تھے۔ وہ تمام کارندے اپنے سابق سربراہ راڈ مین کا انجام دیکھ کر لرز گئے۔ محالہ رو رہی تھی' قسمیں کھا رہی تھی کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ بہت جلد میری شہہ رگ تک پہنچے گی۔ جو شخص ہمیشہ ناقابل شکست بن کر رہا ہے' وہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

وہ انتقام کی آگ میں سلگ رہی تھی' غصے سے اپنا سر پیٹ رہی تھی' بالوں کو نوچ رہی تھی۔ بہت کچھ بول رہی تھی۔ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہی تھی۔ انہوں نے اپنے موجودہ سربراہ کو راڈ مین کی حالت بتائی۔ پھر فون کے ذریعے اس سے بات کرائی۔

سربراہ نے فون پر پوچھا۔ ''ہیلو راڈ مین! کیا واقعی تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے؟''

وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میرے دونوں ہاتھ نہیں ہیں۔ میں سہارے کے بغیر کسی سے فون پر بات بھی نہیں کر سکتا۔ اب آخری سانسوں تک ایک آنکھ سے دنیا کو دیکھتا رہوں گا اور میرا ایک گردہ بھی نکال لیا گیا ہے۔''

سربراہ نے کہا۔ ''او گاڈ! تھری ایس انسان نہیں' درندہ ہے۔ اگر ہمیں ریڈ مرکری کا راز معلوم ہو جاتا تو ہم اسے گولی مار دیتے۔ ایک پل میں موت دے دیتے۔ لیکن ایسا وحشیانہ سلوک نہ کرتے۔ اب ہم قسم کھاتے ہیں' سلمان سعدی کے ساتھ اس سے بھی زیادہ وحشیانہ سلوک کریں گے' اس کے لئے زمین تنگ کر دیں گے' اسے جلد از جلد گرفتار کر کے دونوں ہاتھ' دونوں پاؤں کاٹ دیں گے۔ دونوں آنکھیں' دونوں گردے نکال لیں گے۔ اس کا انجام دیکھ کر دنیا کے تمام خطرناک مجرم عبرت حاصل کریں گے۔''

وہ بھی محالہ کی طرح قسمیں کھا رہا تھا' چیلنج کر رہا تھا۔ فی الحال میرے تمام دشمن قسمیں کھا سکتے تھے' چیلنج کر سکتے تھے اور ایسا کرتے وقت انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔

☆☆☆

منسٹر ایشور لال اور اس کی بیوی ہیم لتا اپنے بیٹے منوہر کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔ منوہر کو کالے جادو کے ذریعے دماغی مریض بنایا گیا تھا۔ اس کا دنیاوی علاج ممکن نہیں تھا۔

ان کا خیال تھا' اس دماغی مرض کا توڑ صرف کالے جادو سے ہی ہو سکتا ہے۔ ایسے وقت روحانی علاج کے ذریعے منوہر بالکل نارمل ہو گیا تھا اور مہا پجاری اپنے کالے جادو سمیت فنا ہو چکا تھا۔

ہیم لتا اور ایشور لال کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا چمتکار ہو گیا ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے روحانی علاج کے ذریعے ہوا ہے۔ وہ بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے لندن آ گئے۔

وہ اپنے ماتا پتا کے سواگت کے لئے ایئر پورٹ آیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے نہیں کہا۔ ایک ہاتھ پیشانی پر لے جا کر اسلام علیکم کہا تو وہ دونوں چونک گئے۔

پھر وہ اپنی ہندوستانی تہذیب کے مطابق آگے بڑھ کر ماں باپ کے قدموں کو چھونے لگا تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ماں نے پوچھا۔ ''تم ہمیں سلام کر رہے ہو۔ کیا اپنے طور طریقے بھول گئے ہو؟''

وہ بولا۔ ''میں نے سلام کر کے آپ دونوں کی سلامتی چاہی ہے۔ بحث نہ کریں۔ میرے ساتھ چلیں۔''

ماں باپ نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر بیٹے کے پیچھے چلتے ہوئے عمارت کے باہر گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بیٹا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے عقب نما آئینے میں اسے دیکھ رہے تھے۔

وہ شگفتہ و شاداب نظر آ رہا تھا۔ چہرے سے اور آنکھوں سے پہلے کی طرح فکر و پریشانی اور مایوسی نہیں جھلک رہی تھی۔ ماں نے پوچھا۔ ''کیا پچھلی اماوس کی رات تم پر دورہ نہیں پڑا تھا؟''

اس نے کہا۔ ''بالکل نہیں۔ اس رات میں آرام اور سکون سے رہا تھا۔ جس کمرے میں تھا' اس کے دروازے اور کھڑکیاں لرز رہی تھیں۔ مہا پجاری اپنے کالے جادو کے ذریعے حملے کر رہا تھا اور عالم صاحب اس کا توڑ کر رہے تھے۔ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔''

ایشور لال نے کہا۔ ''یعنی وہ عالم صاحب مہا پجاری سے بڑے جادوگر ہیں؟''

''وہ جادوگر نہیں ہیں۔ آتما کی شکتی سے روحانی علاج کرتے ہیں۔''

''جو ناقابل علاج ہو' وہ دواؤں اور ڈاکٹروں کے بغیر صحت یاب ہو جائے تو اسے جادو ہی کہیں گے۔''

''نو ڈیڈ! جادو اور روحانیت میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ روحانیت میں بدن کے ایک ایک روئیں کی پاکیزگی لازمی ہوتی ہے۔ اس کے بعد نیت کی پاکیزگی لازمی ہوتی ہے اور نیت کی پاکیزگی یہ ہے کہ روحانی عمل سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔ جبکہ جادو کے ذریعے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان کی بلی دی جاتی ہے' ان کا خون بہایا جاتا ہے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ ماں باپ چپ رہے۔ کچھ نہ بولے۔ اس نے کہا۔ ''عالم

صاحب نے اماوس کی رات سے پہلے مجھے نہا دھو کر صاف ستھرا رہنے کو کہا۔ پھر یہ سمجھایا کہ بدن کے علاوہ نیت کو کس طرح پاک وصاف رکھا جاتا ہے؟

انہوں نے ہمارے دھرم اور ہمارے بھگوان کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ یہ سمجھایا کہ خدا ہر جگہ' ہر مذہب میں ہے۔ اگر دل' دماغ اور نیت کی پاکیزگی سے اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے۔ دینی اور دنیاوی معاملات میں کسی کو خدا کا شریک نہ کیا جائے تو یہ روحانیت کا ایسا پہلا مرحلہ ہے' جہاں سے کالے جادو کا اور شرپسندوں کے کسی بھی عمل کا توڑ کیا جا سکتا ہے۔''

وہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ وہ ایسی نپی تلی باتیں کہہ رہا تھا' جس میں اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ماں نے پوچھا۔ ''تمہیں اغوا کرنے والے کہاں ہیں؟''

''میرے آس پاس اب کوئی نہیں رہتا ہے۔ انہوں نے رہائش کے لئے مجھے ایک اپارٹمنٹ دیا ہے۔ پرسوں اماوس کی رات ہے۔ وہ اس روز میرے پاس آئیں گے۔ عالم صاحب بھی احتیاطاً آکر میری حفاظت کریں گے۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ پر کامل یقین ہے کہ پرسوں رات بھی میں بالکل نارمل رہوں گا۔ میرا دماغ ہمیشہ کی طرح صحت مند رہے گا۔''

ایشور لال نے ذرا ناگواری سے کہا۔ ''تم کہہ رہے ہو' اللہ تعالیٰ پر کامل یقین ہے۔ تمہیں کہنا چاہئے' بھگوان کی کرپا سے نارمل رہو گے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی کہہ رہا ہوں' آپ بھگوان کی کرپا کہہ رہے ہیں۔ دونوں باتیں ایک ہی ہیں۔ آپ محض اس لئے پریشان ہیں کہ میرے بولنے کا انداز بدل گیا ہے۔''

وہ آگے کچھ نہ بول سکے۔ ان کی کار ایک اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ وہ تینوں کار سے اتر کر اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچے۔ اس وقت منوہر زیر لب کچھ پڑھ رہا تھا۔ ماں باپ نے توجہ سے سنا تو وہ عربی زبان تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔

عالم صاحب نے ہدایت کی تھی کہ اپنے ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ہمیشہ سورۃ الفلق اور سورہ الناس پڑھتے رہا کرو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل ہوتی رہے گی۔

اس نے دروازہ کھول کر کہا۔ ''آئیں مام! کم آن ڈیڈ!''

وہ دونوں اس کے ساتھ اندر آئے۔ وہ لگژری اپارٹمنٹ بہت ہی ویل فرنشڈ تھا۔ لندن جیسے شہر میں اور ایک ہندو کے گھر کی دیوار پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ان دونوں کی زبان سے نکلا۔ ''ہرے کرشنا ہرے رام....''

منوہر نے بے اختیار کہا۔ ''اللہ اکبر.... اللہ اکبر..!''

ماں نے چیخ کر پوچھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟''

منوہر نے انکار میں سر ہلایا۔ پھر کہا۔ ''نہیں۔ ہمارے باپ دادا ہندو تھے۔ ہم بھی ہندو ہیں۔''

ایشور لال نے پوچھا۔ ''پھر یہ کیا ہے؟ ابھی تم عربی زبان میں کیا پڑھ رہے تھے؟''

''یہ تو میں اپنی دوا استعمال کر رہا ہوں۔''

دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''دوا....؟''

پھر ماں نے پوچھا۔ ''کیا یہ کوئی منتر ہے' جو جادو کرتے وقت پڑھتے ہیں؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا اور کہا۔ ''یہ روحانی نسخہ ہے۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ میں سمجھاتا ہوں۔''

وہ بے چین ہو گئے تھے۔ پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے ماں کا بازو تھام کر اسے ایک صوفے پر بٹھایا۔ پھر باپ کو بھی ماں کے پاس بٹھا کر کہا۔ ''میری بات ذرا صبر سے' دھیرج سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔''

وہ ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ باپ نے کہا۔ ''ہم کیسے صبر کریں' کیسے دھیرج رکھیں؟ ہمارے آتے ہی تم نے سلام کیا۔ پھر زیر لب نہ جانے عربی میں کیا پڑھ رہے ہو؟''

ماں نے کہا۔ ''ہم نے یہاں آکر ہرے کرشنا ہرے رام کہا تو تم مسلمانوں کی زبان سے خدا کا نام لینے لگے۔''

وہ بولا۔ ''یہی نام لیتا ہوں اور کلام پاک کی آیتیں پڑھتا رہتا ہوں تو ابھی آپ کے سامنے زندہ سلامت بیٹھا ہوں۔ کیا آپ میری زندگی نہیں چاہتے؟ یہ چاہتے ہیں کہ میں پھر سے دماغی مریض بن جاؤں اور اماوس کی رات مجھ پر دورہ پڑنے لگے؟''

ماں نے جلدی سے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں نہیں۔ بھگوان تمہیں ہماری بھی عمر دے۔ اب تو تم اچھے ہو گئے ہو۔ کیا یہ سمجھتے ہو' پھر تم پر دورہ پڑے گا؟''

''میں نہیں جانتا کیا ہوگا؟ پرسوں اماوس کی رات ہے۔ اگر مجھ پر دورہ نہیں پڑے گا تو آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ میرا موجودہ علاج ہی میرے لئے شافی ہے۔ جو آیتیں میں پڑھتا رہتا ہوں' انہیں جاری رکھوں گا اور ایک وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔''

باپ ایکدم سے چیخ پڑا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم نماز بھی پڑھتے ہو؟''

''ہاں۔ عالم صاحب نے کہا ہے' میں اسلام قبول کروں یا نہ کروں۔ اگر اپنے بدن کو اور اپنی نیت کو پاکیزہ رکھوں گا تو میری نمازیں قبول ہوتی رہیں گی اور میں ہمیشہ اسی طرح صحت مند رہوں گا۔''

ماں نے روتے ہوئے کہا۔ ''ہائے رام! تم تو ادھرمی ہو گئے۔''

باپ سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم کہتے ہو' دین اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ ہمارے دھرم میں ہو۔ لیکن دھرم میں کیسے رہو گے؟ کیا ادھر پوجا پاٹ کرو گے اور ادھر نمازیں پڑھو گے؟ اس طرح تو نہ اِدھر کے رہو گے' نہ اُدھر کے رہو گے۔''

''میں اس سلسلے میں بحث نہیں کروں گا۔ بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ جو دوا شفاء دیتی ہے' نئی زندگی دیتی ہے' اس کا استعمال جاری رہتا ہے۔ میری دوا اسلام ہے۔ بولیں ممی! بولیں ڈیڈ! کیا میں دوا چھوڑ دوں؟''

ایشور لال نے ایک ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ''اگر پرسوں اماوس کی رات تم پر دورہ پڑے گا تو ہم یہاں کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کرائیں گے۔''

''اب سے پہلے آپ نے ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے تجربہ کار ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ کوئی ڈاکٹر مہا پجاری کے کالے جادو سے مجھے نجات نہ دلا سکا۔''

ماں نے کہا۔ ''وہ پجاری مر چکا ہے۔ اب تم سے کوئی دشمنی نہیں کرے گا۔''

''ہماری دنیا میں اور خاص طور پر ہندوستان میں کالا جادو کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ شیطان کبھی نہیں مرتا۔ وہ دوسرے روپ بہروپ میں آتا رہتا ہے۔''

باپ نے پوچھا۔ ''کیا تم نے قسم کھالی ہے کہ مسلمانوں کے علاج کا ہی طریقہ اپنائے رکھو گے؟''

''ہاں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ جس دوا سے شفاء حاصل ہو رہی ہے' اسے ہمیشہ جاری رکھوں گا۔''

ماں پھر رونے لگی۔ ایشور لال نے کہا۔ ''ہیم لتا! تم تو رو رہی ہو اور میں رو بھی نہیں سکتا۔ مگر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ یہ ہماری اولاد ہے۔ اب تک اس کی دماغی پریشانی ہمیں پریشان کرتی رہی' نیندیں اڑاتی رہی۔ اب یہ دھرم سے نکل کر ہمارا سکون برباد کرتا رہے گا۔''

منوہر نے پوچھا۔ ''آپ کا سکون کیسے برباد ہوگا؟ اگر میں اسلامی روحانی دوا استعمال کر رہا ہوں تو آپ کا کیا بگڑ رہا ہے؟''

''نادان نہ بنو۔ کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ ہمارے ساتھ ہندوستان چلو گے' وہاں رہ کر نمازیں پڑھو گے اور عربی زبان میں نجانے کیا کیا پڑھتے رہو گے تو ہماری ہندو جاتی کیا کہے گی؟''

ہیم لتا نے کہا۔ ''وہ تو صاف صاف کہیں گے کہ بیٹے کو اپنے دھرم میں لاؤ یا پھر اسے گھر سے' خاندان سے' دل و دماغ سے اور اپنے دیش سے نکال دو۔''

ایشور لال نے کہا۔ ''میں سیاستدان ہوں۔ آج منسٹر ہوں' کل دو کوڑی کا ہو جاؤں گا۔ اگلے الیکشن میں کوئی ہندو مجھے ووٹ نہیں دے گا۔''

''اگر میں ہندوستان جاؤں گا اور روحانی دوائیں استعمال نہیں کروں گا' نمازیں نہیں پڑھوں گا' آیات نہیں پڑھوں گا تو مر جاؤں گا اور اگر مر جاؤں گا تو ہندوستان والوں کا کیا بگڑے گا؟ وہاں کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں اپنی جان سے جاؤں گا۔''

اس نے ماں باپ کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اگر آپ دونوں کو یہ معلوم ہو کہ بیٹا گڑھے میں گرنے جا رہا ہے تو کیا آپ اسے جانے دیں گے؟''

ہیم لتا نے کہا۔ ''ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ کیوں تمہیں کسی گڑھے میں گرنے دیں گے؟''

''تو پھر مجھے بچا لیں۔ میں ہندوستان نہیں جاؤں گا۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ نمازیں پڑھنے لگا ہوں۔ آپ کو الیکشن میں ہندوؤں کے لاکھوں ووٹ ملیں گے۔ اپنی فتح کا جشن وہاں منائیں۔ اس بیٹے کو بھول جائیں۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہمارا خاندان انڈیا سے لے کر یورپ اور امریکہ تک پھیلا ہوا ہے۔ سب ہی پوچھیں گے کہ تم انڈیا کیوں نہیں آ رہے ہو؟ اپنے ماں باپ کے ساتھ کیوں نہیں رہتے ہو؟ رشتے داروں سے کیوں نہیں مل رہے ہو؟ اگر کسی رشتے دار کے ہاں صبح سے شام تک جا کر رہو گے اور ایک وقت کی بھی نماز پڑھو گے تو سارا بھید کھل جائے گا۔''

ایشور لال وہاں سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹہلنے کے دوران پاؤں پٹخنے لگا۔ ''میں کیا کروں؟ اس لڑکے کو کیسے سمجھاؤں؟ اپوزیشن والے ہماری ٹوہ میں رہتے ہیں' کوئی نہ کوئی کمزوری تلاش کرتے ہیں پھر اس کمزوری کو الیکشن میں اچھالتے ہیں اور یہ تو بہت بڑی کمزوری ہو جائے گی۔ میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔''

وہ بیٹے کے سامنے آ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''مجھ پر دیا کرو۔ اپنے باپ کی عزت

کا اور نیک نامی کا خیال کرو۔ صرف ہندو جنتا ہی نہیں، سارے برہمن اور پنڈت بھی ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''میں بھی ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں، ابھی فیصلہ سنا دیں۔ میری زندگی چاہتے ہیں یا موت؟ اگر موت چاہتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ہندوستان جاؤں گا۔ وہاں آپ کی سیاسی شہرت کی خاطر ہندو جنتا کو خوش کروں گا۔ نمازیں نہیں پڑھوں گا۔ آیتیں بھی نہیں پڑھوں گا۔''

وہ ذرا رک کر بولا۔ ''آپ منسٹر کے بعد پرائم منسٹر بن جائیں۔ خوب شہرت حاصل کریں، خوب نام کمائیں، خوب دولت حاصل کریں۔ لیکن آئندہ اماوس کی رات مجھ پر دورہ پڑے گا۔ میں دماغی مریض بن جاؤں گا تو پھر میرا علاج ممکن نہیں رہے گا۔ میں پلٹ کر عالم صاحب کے پاس نہیں آؤں گا۔ مسلمانوں سے رجوع نہیں کروں گا۔ نماز سے منہ پھیرنے کے بعد شرم سے مر جاؤں گا۔ آپ ابھی سے میرے کریا کرم کا انتظام کر لیں۔''

ایشور لال بری طرح مایوس ہو چکا تھا۔ وہ بیوی کے پاس آ کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ہیم لتا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یہ بہت ہی سنگین معاملہ ہے۔ یہاں آتے ہی بیٹھے بیٹھے اس کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ذرا صبر سے، سوچ سمجھ کر اپنے بیٹے کو اہمیت دینی ہے۔ یہی ہمارا سب کچھ ہے۔ اس کے سوا ہمارا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ کی شہرت، نیک نامی اور دولت کس کام آئے گی، جب یہی نہیں رہے گا؟''

پھر یہی طے پایا گیا کہ پرسوں اماوس کی رات منوہر کی دماغی حالت دیکھی جائے۔ اگر اس رات بھی پوری طرح صحت مند رہے گا تو اسے پھر سے بیمار کرنے کے لئے ہندوستان نہیں لے جائیں گے، اگر لے جائیں گے تو اسے نماز پڑھنے اور آیات پڑھنے سے نہیں روکیں گے۔

ماں باپ کو فی الحال اتنا اطمینان تھا کہ بیٹے نے اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ البتہ اپنے دھرم سے ذرا بے دھرم ہو گیا ہے۔ اسے آئندہ سنبھال لیا جائے گا۔

ہیم لتا نے بیٹے کے پاس آ کر اس کی پیشانی کو چوم کر ایشور لال سے کہا۔ ''ابھی دل و دماغ سے ساری باتیں نکال دیں۔ بیٹے کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ اچھی اچھی باتیں کریں۔ اماوس کی رات دیکھیں تو سہی کیا ہوتا ہے؟ ابھی ہمیں خوب ہنسنا، بولنا اور انجوائے کرنا چاہئے۔''

ماں باپ نے فی الحال صبر کیا۔ موجودہ پریشانیوں کو عارضی طور پر نظر انداز کیا۔ وہ اوپری دل سے مسکرا کر باتیں کرنے لگے۔ پھر فریش ہو کر قریبی ریسٹوران میں گئے۔ وہاں لنچ کے دوران

ہیم لتا نے کہا۔ ''میں اپنے بیٹے کی شادی جلد سے جلد کرنا چاہتی ہوں، بہو لانا چاہتی ہوں۔''

ایشور لال نے کہا۔ ''بہو لانے کا فائدہ کیا ہوگا؟ اگر ہمارا بیٹا انڈیا نہیں آئے گا۔ یہیں زندگی گزارے گا تو بہو بھی ہمارے آنگن میں نہیں آئے گی۔ نہ بیٹا ہوگا، نہ بہو ہوگی، نہ بچے آنگن میں کھیلیں گے۔''

ہیم لتا نے کہا۔ ''آپ پھر وہی بحث چھیڑ رہے ہیں۔''

وہ بولا۔ ''ہمارے بیٹے کے معاملے میں جو بھی بات ہوگی، اس کی تان اسی سوال پر ٹوٹے گی کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان؟ جو بہو آئے گی، وہ ہندو ہوگی یا مسلمان؟ اگر ہندو ہوگی تو کیا وہ مسلمان پتی کو قبول کرے گی؟''

منوہر نے کہا۔ ''نہ وہ ہندو ہوگی، نہ مسلمان۔ ایک لڑکی سے میرا افیئر چل رہا ہے۔ دہلی میں اس سے دو بار ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ وہ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئی ہے۔ اس کا تعلق ایک انڈین عیسائی گھرانے سے ہے۔''

''کیا وہ کبھی انڈیا جا کر یہ بھید نہیں کھولے گی کہ تم ہندو ہو اور مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھتے ہو؟''

''میں اس سے بات کروں گا۔ اس نے مجھے فون کیا تھا کہ یہاں آ چکی ہے۔ میں اس سے ملنے جاؤں گا۔''

ایشور لال نے پوچھا۔ ''وہ عیسائی لڑکی کون ہے؟ اس کا باپ کون ہے اور یہاں کہاں رہتی ہے؟ اس نے کچھ بتایا ہے؟''

''ہاں۔ آج صبح فون پر اس نے اپنا پتہ بتایا ہے۔ لنچ کے بعد آپ کو اپارٹمنٹ میں چھوڑ کر اس سے ملنے جاؤں گا۔ پھر اسے آپ کے پاس لاؤں گا۔''

ہیم لتا نے کہا۔ ''تم نے انڈیا میں بہو پسند کی اور یہاں بتا رہے ہو؟ میں ابھی اسے دیکھوں گی۔ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''مام! جلدی کیا ہے؟ میں ابھی جاؤں گا اور شام تک اسے لے آؤں گا۔''

''نہیں۔ مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ میں دیکھنا چاہوں گی، وہ کیسی ہے؟ جیسی سوچتی ہوں، ویسی ہے یا نہیں؟''

''جیسی آپ چاہتی ہیں، ویسی ہی ہے۔ اسے دیکھیں گی تو دیکھتی رہ جائیں گی۔ بس ذرا صبر کریں۔''

وہ بڑی بے قراری سے بولی۔ ''اس کا نام تو بتاؤ؟''

''اس کا نام پوجا ایڈوانی ہے۔ باپ عیسائی ہے۔ ماں ہندوستانی تھی۔ بیٹی اپنی ماں کا ناک نقشہ اور روپ رنگ لے کر آئی ہے۔''

وہ بیٹے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''بس تم ابھی جاؤ اور ابھی اسے لے آؤ۔''

وہ لنچ کے بعد انہیں اپارٹمنٹ میں چھوڑ کر اپنی پوجا سے ملنے آ گیا۔ اب وہ نمازیں پڑھتا تھا۔ پچھلی اماوس کی رات سے اب تک اس نے پوجا نہیں کی تھی۔ لیکن اپنی پوجا سے ملنے آ گیا تھا۔ وہ پوجا دھرم کے مطابق نہیں تھی' پیار کے مطابق تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ ''ہائے منو! تم پورے پانچ منٹ لیٹ ہو۔''

وہ بولا۔ ''وقت کے کانٹے سے کانٹا نہ ملاؤ۔ دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔ پیار میں انتظار بہت ضروری ہے۔ اور جو انتظار نہیں کر سکتے' وہ پیار نہیں کر سکتے۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ اسی لئے میں نے احسان کیا ہے' پانچ منٹ تک انتظار کیا ہے۔''

اس بات پر دونوں ہنسنے لگے۔ وہ بولی۔ ''کہیں آؤٹنگ کے لئے چلیں؟''

''میری مام تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ ڈیڈ بھی تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم پہلے وہاں چلیں گے۔ پھر مام وغیرہ کے ساتھ آؤٹنگ ہو گی۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''پلیز۔ ابھی مام اور ڈیڈ سے نہ ملاؤ۔ میں انڈیا جاؤں گی تو وہاں ان کے پاؤں چھونے اور آشرواد لینے تمہارے گھر آؤں گی۔''

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ وہ یہاں آئے ہیں تو یہاں ان کے پاؤں چھو لو اور آشرواد لو۔''

''پلیز ابھی نہیں..... میں نے تمہیں بتایا تھا' میں ایک جیوتشی مہاراج کو بہت مانتی ہوں۔ انہوں نے میرے ہاتھ کی ریکھائیں دیکھ کر کہا تھا کہ اگلے الیکشن سے پہلے میں تمہارے مام اور ڈیڈ سے نہ ملوں۔ الیکشن کے بعد ان سے ملنے کی شبھ گھڑی آئے گی۔''

''میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ وہاں مہاپجاری نے بھی یہی کہا تھا اور میرے مستقبل کے بارے میں بڑی بڑی پیشگوئیاں کی تھیں جو سب کی سب غلط ہوئیں۔''

''میں تمہارے مہاپجاری کو نہیں جانتی۔ اپنے جیوتشی مہاراج کو جانتی ہوں۔ ان کی ہر بات درست ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ان کی پیشگوئی کے مطابق کوئی گڑبڑ ہو اور میں تمہیں ہمیشہ کے لئے کھو دوں... نہیں ہرگز نہیں۔''

یہ کہتے ہی وہ اس سے لپٹ گئی۔ آگ سے دور رہنا چاہئے وہ تو شعلوں میں لپٹ گیا تھا' پگھلتا چلا گیا۔ بڑے ہی جذباتی انداز میں بولا۔ ''میں بھی تم سے بچھڑنا نہیں چاہتا۔ ساری زندگی تمہیں اپنی دھڑکنوں سے لگائے رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ پرابلم کیسے حل ہو گی؟''

اس نے پوچھا۔ ''کیسی پرابلم؟''

''میری مام تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ ڈیڈ بھی تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب ان سے کیا کہوں گا؟''

وہ بیٹھ کر سوچنے لگے کہ کیا بہانہ کیا جائے؟ پھر وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں چینج کر کے آتی ہوں۔ تب تک تم سوچو' میں بھی سوچ رہی ہوں۔ کوئی تو بہانہ کرنا ہی ہو گا۔''

وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے ماں باپ نے اس کی رہائش کے لئے ایک اپارٹمنٹ کا انتظام کیا تھا اور ایک ہندوستانی گورنس رکھی تھی جو وہاں اس کے ساتھ تھی۔ اس نے آ کر پوچھا۔ ''آپ کے لئے چائے یا کافی لاؤں؟''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں۔ ہم باہر جا رہے ہیں۔ وہیں پیئں گے۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ماں ہونے والی بہو سے ملنے کے لئے بے چین تھی۔ آخر اس سے کیا بہانہ کیا جائے؟ وہ تو نہیں مانے گی۔ بہو سے ملنے کے لئے یہاں اس کے اپارٹمنٹ میں چلی آئے گی۔

ایک تدبیر یہ سمجھ میں آئی کہ ماں باپ سے جھوٹ بول دے کہ پوجا ابھی اچانک ہی انڈیا واپس چلی گئی ہے۔ وہاں اس کے خاندان میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ عالم صاحب نے اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ اپنے پورے بدن کی اور نیت کی پاکیزگی رکھے۔ کبھی جھوٹ نہ بولے۔ ورنہ وہ جو نمازیں پڑھتا ہے اور دعائیہ آیتیں پڑھتا رہتا ہے وہ قبول نہیں ہوں گی۔

اس نے فوراً ہی کان پکڑ لئے۔ اپنے دونوں گالوں پر ہولے سے طمانچے مارے۔ جو جھوٹ بولنے کا ارادہ کر رہا تھا' اس کے لئے معافیاں مانگنے لگا۔ شر سے اور شیطانی ارادوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے لگا۔

جھوٹ بولنا ہی شیطانی ارادہ ہے۔ اب وہ اپنے ماں باپ سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتا تھا۔ پوجا لباس بدل کر ڈرائنگ روم میں آئی تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر سر جھکائے کچھ زیر لب پڑھ رہا تھا۔

پوجا نے پہلے کبھی اسے ایسے انداز میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ اس کے منہ سے بہت دھیمی گنگناتی ہوئی آواز ابھر رہی تھی۔

وہ قریب آ کر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ اس کے قریب آنے کے باوجود وہ پڑھنے میں محو تھا۔ اس کی آمد پر اس نے ایک ذرا سی آہٹ نہیں سنی تھی۔ نہ ہی اس کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیا پڑھ رہا تھا کہ اپنے آس پاس کی دنیا سے بے خبر ہو گیا تھا؟

پوجا نے ذرا جھک کر کان لگا کر سنا' وہ عربی زبان میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ یہ اور حیران کرنے والی بات تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ منوہر عربی زبان نہیں جانتا پھر وہ اس زبان میں کیا پڑھ رہا تھا؟

وہ حیرانی سے اس کا منہ تکنے لگی۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی' پھر اس کے شانے کو تھپک کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ پڑھتے پڑھتے چونک گیا' سر گھما کر دیکھا۔ اسے معلوم ہوا کہ وہ تھوڑی دیر تک پڑھنے میں محو ہو گیا تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ پوجا کے گھر میں ہے۔

اس نے پوچھا۔ ''یہ تم عربی زبان میں پڑھ رہے ہو ناں؟''

''ہاں۔ یہ عربی ہے۔''

''کیا پڑھ رہے ہو؟''

وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں کیا سمجھاؤں؟ بس یہ سمجھ لو کہ عبادت کر رہا ہوں۔''

وہ حیرانی سے بولی۔ ''کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہندو ہو۔ تمہیں گیتا کا اشلوک پڑھنا چاہیے۔ مگر یہ عربی زبان میں کیا پڑھ رہے ہو؟''

وہ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا سوچتا رہا پھر بولا۔ ''پوجا! تم مجھ سے سچی محبت کرتی ہو ناں؟''

''اب میں کس زبان سے یقین دلاؤں کہ سچی محبت کرتی ہوں؟''

''تمہارے منہ میں جو زبان ہے' اسی سے کہہ دو کہ ہمیشہ میرے ساتھ زندگی گزارو گی' ہمیشہ میری رازدار بن کر رہو گی اور جو راز ابھی بتا رہا ہوں' وہ کسی سے نہیں بولو گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔ قسم کھاتی ہوں' ہمیشہ تمہاری رازدار بن کر رہوں گی۔ تمہارا جو بھی راز ہے' اسے اپنے سائے کے سامنے بھی زبان پر نہیں لاؤں گی۔''

وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔ ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں دماغی مریض تھا۔ ہر اماوس کی رات مجھ پر ایسا دورہ پڑتا تھا کہ پاگل ہو جاتا تھا' خودکشی کرنے لگتا تھا۔ اسے

وقت مجھے زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا۔''

''ہاں۔ تم نے مجھے بتایا تھا۔ آگے بولو۔''

وہ آگے بتانے لگا کہ کس طرح مہا پجاری نے اس سے دشمنی کی تھی اور عالم دین نے کس طرح اس کا روحانی علاج کیا ہے۔ اب وہ روحانی علاج کے مطابق نمازیں اور کلام پاک کی آیتیں پڑھتا رہتا ہے۔

وہ اسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا؟ تم نمازیں پڑھتے ہو؟ اب پوجا نہیں کرتے؟''

''نمازیں پڑھوں یا پوجا کروں' ایک ہی بات ہے۔ خدا کو یاد کرنا ہے۔ اس کے آگے جھکنا ہے۔ جسے ہم بھگوان کہتے ہیں' مسلمان اسے خدا کہتے ہیں۔ میں نماز پڑھتے وقت سجدہ کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بھگوان کے سامنے جھکتا ہوں۔''

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہندوؤں کے دھرم میں بھگوان ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں خدا ہوتا ہے اور ہم عیسائی مذہب کے ماننے والے اسے گاڈ کہتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ مسلمان پوجا کرے' ہندو نماز پڑھے اور عیسائی ان کی عبادت گاہوں میں جا کر عبادت کرے۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔''

''مگر ایسا ہو رہا ہے۔ میرے علاج کے لئے یہ ضروری ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ میں پوجا کروں۔ بھگوان کے آگے جھکنا ہے تو میں نمازیں پڑھ کر بھی اپنے ایشور کے سامنے جھکتا رہوں گا۔''

''تم صاف کیوں نہیں کہتے کہ مسلمان ہو گئے ہو؟''

''نہیں۔ میں ہندو تھا' ہندو ہوں اور ہندو رہوں گا۔ یہ دین اور دھرم سب دنیاوی باتیں ہیں۔ انسانوں نے اپنے آپ کو الگ الگ خانوں میں بانٹ لیا ہے۔''

''تم انڈیا جا کر ایسی باتیں کرو گے' نمازیں پڑھو گے تو کوئی تمہیں ہندو تسلیم نہیں کرے گا۔ سب یہی کہیں گے کہ مسلمان ہو گئے ہو۔ کیا سارے ہندوؤں' پنڈتوں اور پجاریوں کو یقین دلا سکو گے؟ سب تمہیں ادھرمی کہیں گے۔''

''مام اور ڈیڈ بھی یہی کہتے ہیں۔ ان کو اندیشہ ہے کہ میں وہاں جاؤں گا اور مجھے ادھرمی کہا جائے گا تو ایک ہندو بھی میرے ڈیڈ کو الیکشن میں ووٹ نہیں دے گا۔ ان کی سیاسی شہرت اور تمام نیک نامی خاک میں مل جائے گی۔''

"کیا پھر بھی تم نمازیں پڑھو گے؟"

"مجھے اپنا علاج کرنا ہے' زندہ رہنا ہے۔ یہ زندگی ایک ہی بار انسان کو ملتی ہے۔ علاج نہ ہوا' زندگی گئی تو میں بھی گیا اور جب میں گیا تو دین بھی گیا اور دھرم بھی گیا۔ آخر جانا کہاں ہے؟ ہم سب کی آخری منزل کہاں ہے؟ لوٹنا تو خدا کی طرف ہی ہے۔"

"تمہاری باتوں سے سر گھومنے لگا ہے۔ چلو اٹھو۔ آؤ ٹہلنے کریں۔ تازہ ہوا میں ذرا طبیعت بحال ہو جائے گی۔"

وہ جانے کے لئے اٹھتے ہوئے بولی۔ "اور ہاں۔ تم نے کیا سوچا ہے؟ اپنے مام اور ڈیڈ سے میرے بارے میں کیا کہو گے؟"

"عالم صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ کسی کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے۔ اگر ایسا کروں گا تو روحانی دوائیں اثر نہیں کریں گی۔"

"تم سچ بولو گے تو وہ مجھ سے ملنے کی ضد کریں گے۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔ ممی ناراض ہوں گی تو انہیں منا لوں گا۔"

"وعدہ کرو' وہ یہاں آنے کی ضد کریں گی' تب بھی تم انہیں میرا ایڈریس نہیں بتاؤ گے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں' وہ ادھر نہیں آئیں گے۔ اب چلو یہاں سے..."

بہت دنوں بعد پوجا سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزارنے لگا۔ یوں بھی ذہنی اذیتوں میں مبتلا رہا تھا۔ زندگی کا حسن اور اس کی رعنائیاں دل و دماغ سے نکل گئی تھیں۔ وہ مایوس ہو گیا تھا کہ شاید کبھی صحت مند زندگی نہیں گزار سکے گا اور نہ ہی اپنی پوجا کو پا سکے گا۔

وہ آؤٹ ڈور تفریح کے دوران بار بار اسے کرید رہی تھی' پوچھ رہی تھی۔ "سچ بتاؤ۔ اپنی پوجا سے کچھ نہ چھپاؤ۔ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟"

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ عالم صاحب نے نہ مجھ سے زبردستی اسلام قبول کروایا ہے' نہ میں نے کیا ہے۔ وہ میرا علاج کر رہے ہیں اور میں روحانی علاج سے گزر رہا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"اگر کچھ ہے اور تم اس وجہ سے نہیں بتا رہے ہو کہ میں ناراض ہو جاؤں گی' تم دھرم بدل دو گے تو شادی نہیں کروں گی... ایسا ہرگز نہ سوچو۔ تم کسی بھی دھرم یا دین میں رہو' میں زندگی کی آخری سانس تک تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

"یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو' ہر سانس میرے ساتھ آخری سانس تک رہو گی۔ میں سچ کہہ رہا ہوں' روحانی علاج کی خاطر میں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ چاہے مجھ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ جائیں' تب بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ کسی کو دھوکہ نہیں دوں گا اور تمہیں تو دھوکہ دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

اس کے ماں باپ انڈیا سے اس کے پاس آ گئے تھے۔ لہٰذا ان کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔ وہ دو گھنٹے بعد پوجا سے رخصت ہو گیا۔ وہ سیدھی اپنے فلیٹ میں آئی' اندر سے بہت بے چین تھی۔ اس نے اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر موبائل فون پر نمبر پنچ کئے پھر رابطے کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "ڈیڈی کی جان! وہاں خیریت سے ہو؟"

"یس ڈیڈ! بالکل خیریت سے ہوں۔"

"کیا منوہر سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں ہوئی۔ اس کے بارے میں ایک بہت ہی زبردست خبر ہے۔ آپ سنتے ہی چونک جائیں گے۔"

"تو پھر فون بند کرو۔ میں ایک ضروری میٹنگ میں ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد کال بیک کروں گا۔"

وہ فون بند کر کے ایک ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئی۔ چھت کی طرف تکتے ہوئے منوہر کے متعلق سوچنے لگی۔ وہ اسے فریب دینے کے لئے محبت کا ناٹک رچا رہی تھی۔ لیکن اب محسوس کر رہی تھی کہ سچ مچ محبت ہوتی جا رہی ہے۔

آئیڈیل بننے کے لئے ایک مرد میں جو خوبیاں ہوتی ہیں' وہ تمام کی تمام منوہر میں تھیں۔ ایک تو وہ خوبرو اور اسمارٹ تھا۔ پھر یہ کہ اب سچ بولنے لگا تھا۔ سچ بولنے والے اپنی محبوبہ کو' اپنی بیوی کو کبھی فریب نہیں دیتے' کبھی کسی دوسری کی طرف مائل نہیں ہوتے' اپنی دھرم پتنی سے جھوٹ نہیں بولتے' ساری زندگی اسی کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس وہ منوہر سے جھوٹ بول رہی تھی۔ اسے دھوکہ دے رہی تھی۔ اس کا نام پوجا ایڈوانی نہیں' بلکہ پوجا اگروال تھا۔ وہ اپوزیشن پارٹی کے بہت ہی معروف لیڈر لکشمن اگروال کی بیٹی تھی۔ اس نیتا لکشمن اگروال نے اپنے مخالف ایشور لال ورما کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لئے اپنی بیٹی کو اس کے بیٹے کے پیچھے لگا دیا تھا۔

پوجا نے دہلی میں اس سے دو بار ملاقات کی تھی۔ اس کے بہت قریب آ گئی تھی۔ منوہر

نے بھی اسے ہاتھ لگایا تھا‘ اسے پیار کیا تھا۔ لیکن لندن میں تیسری ملاقات ہوئی تو وہ بالکل بدل چکا تھا۔ آج اس نے قریب آکر اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ رکھنے کے باوجود بے پناہ محبت کا ثبوت دیتا رہا تھا۔ اس کی اس مہذب اور شریفانہ محبت نے بھی پوجا کو بہت متاثر کیا تھا۔

وہ دل پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنے لگی کہ منوہر جیسے آئیڈیل جوان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گی۔ اسے دل و جان سے اپنائے گی۔ پتہ نہیں‘ وہ اپنا دھرم چھوڑ چکا ہے یا نہیں؟ اگر چھوڑ دیا ہے‘ تب بھی وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔

باپ نے اسے فون پر مخاطب کیا۔ ”ہاں۔ ڈیڈی کی جان! بولو کیا کہنے والی تھیں؟“

اس نے کہا۔ ”ڈیڈ! منوہر کا علاج یہاں مسلمانوں نے کیا ہے۔ کتنی حیرانی کی بات ہے‘ اس کے باپ نے ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے تجربہ کار اور معروف ڈاکٹروں سے علاج کرایا تھا۔ لیکن اس پر شیطانی دورہ پڑنے کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب مسلمانوں کے روحانی علاج سے ختم ہو گیا ہے۔“

”کیا تم یہی کہنا چاہتی تھیں؟ یہ تو کوئی زبردست خبر نہیں ہے۔“

”ڈیڈ! آگے بھی بہت کچھ ہے۔ ان مسلمانوں نے اسے کھانے پینے کے لئے کوئی دوا نہیں دی۔ وہ اس سے نمازیں پڑھواتے ہیں‘ ان کی جو آسمانی کتاب ہے‘ منوہر اس کے کچھ اشلوک پڑھتا رہتا ہے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ ایسا کرتے رہنے سے پچھلی اماوس کی رات اس پر دورہ نہیں پڑا تھا۔ وہ بالکل صحت مند ہے۔“

وہ بولا۔ ”تعجب ہے۔ یقین نہیں آتا۔ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے اس پر کسی طرح کا جادو کیا ہوگا۔“

”وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ انہوں نے جادو نہیں کیا ہے۔ جادو اور روحانیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جادو میں ناپاکی اور غلاظت ہوتی ہے‘ خون خرابہ ہوتا ہے‘ اس کے ذریعے کسی کی بھی جان لی جاتی ہے۔ جبکہ روحانیت کے ذریعے دوسروں کی جان بچائی جاتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے منوہر کو ایک نئی زندگی دی ہے۔ وہ اتنا صاف ستھرا اُجلا اُجلا سا لگتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔“

باپ نے کہا۔ ”ٹھہرو۔ ذرا ٹھہرو۔ اتنی تیزی سے نہ بولو۔ ابھی تم نے کیا کہا ہے‘ وہ نمازیں پڑھتا ہے؟“

”ہاں۔ وہ بتا رہا تھا‘ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہے اور جب بھی تنہا ہوتا ہے تو مسلمانوں کی آسمانی کتاب کی وہ کیا کہتے ہیں؟ ہاں۔ یاد آیا‘ آیتیں پڑھتا رہتا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہندو نہیں رہا‘ مسلمان ہو گیا ہے۔“

”نو ڈیڈ! وہ کہتا ہے‘ ہم سب خدا‘ بھگوان اور گاڈ کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ سر جھکانے کے طریقے الگ ہوتے ہیں۔ طریقے الگ ہونے سے خدا نہیں بدل جاتا۔ اس نے جو طریقہ اختیار کیا ہے‘ وہ اس کا روحانی علاج ہے۔ جس کے ذریعے اسے نئی زندگی مل رہی ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ نماز پڑھتا رہے گا۔“

لکشمن اگروال نے خوش ہو کر کہا۔ ”وہ مارا.... بس اسے ہندوستان آنے دو۔ وہ روحانی علاج کے لئے نمازیں پڑھتا رہے گا تو ہم یہ حقیقت تمام میڈیا کے ذریعے اچھالیں گے کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ ہندوستان کی تمام جنتا اس پر تھو تھو کرے گی۔ الیکشن میں ایک بھی ووٹ اسے نہیں دے گی۔ اتنی بڑی کامیابی کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ واہ بیٹی! تم نے تو کمال کر دیا۔“

”ڈیڈ! اتنی جلدی خوش نہ ہوں۔ آگے بھی سن لیں۔“

”ہاں۔ سناؤ۔ ویسے جتنی بھی کمزوری ہاتھ آگئی ہے‘ یہی بہت ہے۔ پھر بھی آگے کیا ہے بولو؟“

”اس کا باپ اتنا نادان نہیں ہے کہ اسے ہندو جنتا کے سامنے نمازیں پڑھانے کے لئے انڈیا لے آئے گا۔ ابھی ماں‘ باپ اور بیٹے میں بحث چل رہی ہے کہ آگے کیا کرنا چاہئے؟ ویسے منوہر یہ طے کر چکا ہے کہ ہندوستان واپس نہیں جائے گا اور جب نہیں جائے گا‘ وہاں نمازیں نہیں پڑھے گا تو آپ کس طرح ہندوستان کی جنتا کو بتائیں گے کہ منسٹر ایشور لال ورما کا اکلوتا بیٹا مسلمان ہو گیا ہے؟“

وہ ذرا چپ رہا۔ پھر بولا۔ ”اسے کسی طرح تو ہندوستان لانا ہی ہوگا۔ اور بیٹی! تم ہی اسے پھانس کر یہاں لا سکتی ہو۔“

وہ بولی۔ ”یہ بھید جلد ہی کھل جائے گا کہ میں عیسائی نہیں ہوں‘ میرا نام پوجا اگروال ہے‘ میں ہندو ہوں‘ اپوزیشن کے بہت بڑے لیڈر کی بیٹی ہوں اور ایشور لال کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لئے اس کے بیٹے کو پھانس رہی ہوں۔“

”یہ بھید کھلنے سے پہلے تم اسے بہلا پھسلا کر یہاں لے آؤ۔“

"میں کس طرح بہلاؤں گی؟ پھسلاؤں گی؟ جبکہ اس کے ماں باپ یہاں پہنچے ہوئے ہیں؟ آپ تو جانتے ہیں' ہولی اور دیوالی جیسے کتنے ہی تہوار میں انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھا ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ آپ کی بیٹی ہوں۔ یہاں سامنا ہوگا تو فوراً ہی میرا بھید کھل جائے گا۔ ابھی منوہر مجھے ان سے ملانا چاہتا تھا۔ مگر میں نے ٹال دیا ہے۔ یہ سوچیں' کب تک ٹالتی رہوں گی؟"

وہ پریشان ہوکر بولا۔ "یہ تو بڑی گھمبیر صورتحال ہے۔ میری بیٹی! تمہیں بہت ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ اس کے ماں باپ کا سامنا نہیں کرنا ہے۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ کس طرح منوہر کو انڈیا لایا جاسکتا ہے؟ میرا دماغ تو گھوم پھر کر یہی سوچ رہا ہے کہ یہ کام صرف تم کر سکتی ہو۔"

"نو ڈیڈ! منوہر میری یہ بات نہیں مانے گا۔ اپنے باپ کو سیاسی طور پر کمزور بنانے کے لئے انڈیا نہیں جائے گا۔ آپ کوئی دوسری تدبیر سوچیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سوچتا ہوں' تم بھی سوچو۔ آج رات کسی وقت تمہیں کال کروں گا۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ ادھر پیار کرنے والی بیٹی اور اُدھر سیاست کرنے والا باپ اپنے اپنے طور پر سوچنے لگے۔ وہ منوہر کو چاہتی تھی' اس سے دل لگاؤ تھا مگر اس کے باپ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنے باپ کی سیاسی فتح کے لئے اس کے باپ کو مات دینے کی تدبیر سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

رنجنا کے متعلق یہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ منسٹر ایشور لال کی منہ بولی بیٹی تھی۔ وہ مہا کالی کے مندر میں نرتکی تھی' پوجا کے وقت رقص کرتی تھی۔ وہاں دیوی کے چرنوں میں جانوروں اور انسانوں کی بلی دی جاتی تھی۔

ایشور لال نے رنجنا کو اس لئے بیٹی بنایا تھا کہ وہ تین آدمیوں کو پھانس کر ان سے باری باری شادی کرے اور انہیں مہا کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کے لئے مندر میں لے آیا کرے۔

رنجنا نے انٹرنیٹ کے ذریعے سب سے پہلے ارجن ورما کو پھانسا۔ یعقوب اپنی پلاننگ کے مطابق ارجن ورما بن کر اس کی زندگی میں آگیا۔ وہ اس سے اس قدر متاثر ہوئی کہ پھر رنجنا نہ رہی۔ اس کی ایک مسلمان شریک حیات صنم بن گئی۔

یعقوب کو ہندو کے بہروپ میں آکر ہندوستان میں رہنا تھا۔ اس لئے یعقوب اور صنم

انڈیا آکر ارجن ورما اور رنجنا کے نام سے رہنے لگے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ثمینہ نام کی ایک فلرٹ کرنے والی لڑکی یعقوب کو پھانسنے میں ناکام رہی تو وہ اس کی دشمن بن گئی۔ اسے یہ راز معلوم ہوگیا کہ ارجن ورما بن کر رہنے والا یعقوب ہندو نہیں ہے' مسلمان ہے۔

اس نے ایک پولیس افسر کو بتا دیا کہ رنجنا کا پتی ہندو نہیں ہے۔ اس کا لباس اتارا جائے گا تو ایک بہروپیا مسلمان سامنے آئے گا۔

یہ ایک سنگین چونکا دینے والی رپورٹ تھی۔ پولیس افسر نے سپاہیوں کے ساتھ آکر اپنی معلومات کے مطابق رنجنا کے پتی کو حراست میں لیا۔ اسے بند کمرے میں لے جاکر بے لباس کرکے دیکھا تو وہ مسلمان نہیں' ہندو ارجن ورما ثابت ہوا۔

جانثاروں نے ارجن ورما کو اٹلی سے بلاکر یعقوب کی جگہ پہنچا دیا تھا اور یعقوب کہیں دوسری جگہ جاکر روپوش ہوگیا تھا۔ اگرچہ بھید نہیں کھلا تھا۔ تاہم یہ خبر دور تک پھیل گئی۔ اخبارات میں شائع ہوئی تو انٹیلی جنس اور موساد والے ارجن ورما کے پیچھے پڑ گئے۔ انہیں شبہ تھا کہ کوئی پاکستانی جاسوس وہاں پہنچا ہوا ہے اور کسی طرح ہیرا پھیری کرکے خود کو چھپا رہا ہے۔

ایک جانثار نے خفیہ پناہ گاہ میں آکر یعقوب سے کہا۔ "ہماری چال کامیاب رہی ہے۔ پولیس والے ارجن ورما سے دھوکہ کھا گئے ہیں۔ وہ اس بات سے مطمئن ہوکر گئے ہیں کہ ارجن مسلمان نہیں ہے۔"

یعقوب نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' خطرہ ٹل گیا ہے۔ اب کوئی مجھ شبہ نہیں کرے گا۔ مجھے وہاں اپنی وائف کے پاس جانا چاہئے۔"

"آپ ابھی ادھر نہ جائیں۔ احتیاط لازمی ہے۔ ہم کوشش کررہے ہیں' یہ بات سی آئی اے اور موساد والوں تک نہ پہنچے۔ ہمیں صبح کا اخبار دیکھنا چاہئے۔ ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے بھی خبریں سنتے رہیں گے۔ جب یقین ہوجائے گا کہ خطرہ ٹل گیا ہے' تب آپ یہاں سے جائیں گے۔"

یعقوب بے چین ہوگیا تھا۔ اس نے کہا۔ "میری صنم کو وہاں سے بلالیں۔ اسے آج رات کسی دوسری جگہ گزارنی چاہئے۔ اگر اس گھر میں رہے گی تو وہاں کی عورتیں یہی دیکھیں گی کہ ارجن کے ساتھ رات کو ایک کمرے میں ہے یا نہیں؟ میں نہیں چاہتا' وہ ایک کمرے میں رہیں۔"

جانثار نے کہا۔ "ہم نے سوچا نہیں تھا' ایسا مسئلہ پیدا ہوگا۔ آپ کی مسز وہاں ہندو گھرانے میں ہیں۔ ان کو ارجن ورما کے ساتھ پتی پتنی بن کر رہنا ہوگا۔"

''میں اپنی صنم کی پاک دامنی پر کبھی شبہ نہیں کروں گا۔ وہ ایک کمرے میں رہ کر بھی اس سے فاصلہ رکھے گی۔ پھر بھی اسے ایک نامحرم کے ساتھ بند کمرے میں نہیں رہنا چاہیے۔ وہ بیچاری ساری رات الجھتی رہے گی' جاگتی رہے گی۔''

''ایک ہی رات کی بات ہے۔ ہم کل صبح کے اخبارات پڑھیں گے اور مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرتے رہیں گے۔ اگر کوئی خطرہ' کوئی اندیشہ نہیں ہوگا تو آپ کل شام میں پھر ارجن ورما بن کر وہاں پہنچ جائیں گے۔''

اسے صبر کرنا تھا۔ وہ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ ''میں یہاں اپنے پاپا سے اور دادا سے ملنے آیا تھا۔ کیسی بدنصیبی ہے' کسی سے بھی مل نہ سکا۔ پاپا اچانک پاکستان چلے گئے اور دادا کے متعلق یقین کیا جا رہا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔''

اس نے سر اٹھا کر جانثار کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''آپ نے بتایا تھا' میری دادی (ثناء) کو اس دیس کے تمام جاسوس اور امریکی سی آئی اے والے پریشان کرتے رہے تھے۔ آپ لوگ روپوش رہ کر انہیں تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔''

''جی ہاں۔ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا۔ جو آرمی اور انٹیلی جنس والے آپ کی دادی کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ ہم نے ان دشمنوں کے ایک ایک' دو دو رشتے داروں کو ہمیشہ کے لئے ٹھکانے لگا دیا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ ہم نے دھمکی دی ہے کہ آپ کی دادی کو اور ان کے بچے کو ایک ذرا سا بھی نقصان پہنچے گا تو ہم ان کے پورے خاندان کو تباہ کر دیں گے۔ یوں بھی وہ اس بات سے سہمے ہوئے ہیں کہ آپ کے پاپا نے ریڈ مرکری اسی دیس میں کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ اگر انہوں نے آپ کی دادی ثناء کو اور ان کے بچے کو نقصان پہنچایا تو پتہ نہیں آپ کے پاپا اس ریڈ مرکری کے ذریعے کیسے کیسے دھماکے کریں گے؟''

یعقوب اپنے پاپا اور دادا کے متعلق کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میں ان سے نہ مل سکا۔ خدا کرے' میرے دادا کہیں زندہ سلامت ہوں اور کبھی میں ان سے مل سکوں۔ پاپا سے بھی امید ہے کہ کبھی ملاقات ضرور ہوگی۔ فی الحال یہاں اپنی دادی کے قریب ہوں' وہ اسی شہر میں کہیں رہتی ہیں۔ کیا ان سے ملنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی؟''

''آپ یہاں ہندو ارجن ورما کی حیثیت سے ہیں۔ ایک مسلمان خاتون سے ملنے جائیں گے تو طرح طرح کے سوالات پیدا ہوں گے کہ ان سے کیوں ملنے گئے ہیں؟ کس رشتے سے ملنے گئے ہیں؟''

دوسرے جانثار نے کہا۔ ''اس وقت انڈین سول ڈیپارٹمنٹ کے' ملٹری انٹیلی جنس کے جاسوس' موساد والے اور امریکی سی آئی اے والے سب ہی آپ باپ' بیٹے' دادا اور دادی کے سروں پر ننگی تلواروں کی طرح لٹک رہے ہیں۔ دانشمندی یہی ہوگی کہ اپنی دادی کی طرف فی الحال رخ نہ کریں۔''

واقعی یعقوب کے لئے یہی مناسب تھا کہ وہ فی الحال صنم کے پاس نہ جائے' نہ ہی اپنی دادی (ثناء) سے اور اس سے ہونے والے بچے سے ملاقات نہ کرے۔

اور ثناء نے جس بچے کو جنم دیا تھا' وہ رشتے میں یعقوب کا کیا لگتا تھا؟ وہ میرے پاپا کا بیٹا' میرا چھوٹا بھائی اور یعقوب کا چچا تھا۔ وہ ماں کی گود میں کھیلنے والا چچا یعقوب کے فرائض یاد دلا رہا تھا کہ اسے اپنے چچا سے غافل نہیں رہنا چاہیے' اس کا خیال رکھنا چاہیے' اس کی حفاظت کرتے رہنا چاہیے۔ کم از کم ایک بار آ کر اپنے چچا کو گود میں لے کر پیار تو کرنا چاہیے۔

ادھر صنم کے لئے جو مسئلہ تھا' اس نے اسے بڑی آسانی سے حل کر لیا۔ ہر ماہ دو چار یا چھ دن ایسے ہوتے ہیں کہ ہندو عورتیں اپنے پتی کے ساتھ ایک کمرے میں رات نہیں گزارتیں۔ لہٰذا وہ ارجن ورما کی ایک بیوہ موسی کے پاس آ کر سو گئی تھی۔ حالات سازگار تھے۔ کسی نے کسی طرح کا شبہ نہیں کیا۔

لیکن دوسری صبح شبہات پیدا ہونے والے عوامل ظاہر ہونے لگے۔ کئی بڑے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ منسٹر ایشور لال کی منہ بولی بیٹی رنجنا کے پتی ارجن ورما پر شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور پاکستانی جاسوس ہے۔

پاکستان اور پاکستانی دونوں ہی متعصب ہندوؤں کے دلوں اور دماغوں میں چبھتے رہتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح ان کے خلاف کارروائیاں کرنے کا بہانہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ چھوٹی سی بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت بنا دیا جاتا ہے۔

موساد کا ایک افسر چند سپاہیوں کے ساتھ ارجن ورما کو گرفتار کرنے آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''مسٹر ورما! ہم آپ کو حراست میں لینے آئے ہیں۔''

ارجن نے پوچھا۔ ''میرا جرم کیا ہے؟ میں ایک منسٹر ایشور لال کا داماد ہوں۔ آپ مجھے کسی عام آدمی کی طرح گرفتار کر کے نہیں لے جا سکتے۔''

''ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر منسٹر ایشور لال سے ہمارے دیش کو خطرہ ہو تو ہم اسے بھی گرفتار کر سکتے ہیں۔''

"مجھ سے دیش کو کیا خطرہ ہے؟ میں نے کیا کیا ہے کچھ معلوم تو ہو؟"

"ابھی ہمارے ساتھ وہاں چلیں۔ آپ کا محاسبہ ہوگا تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے کیا کیا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟"

اسے دیس کے ان محافظوں کے ساتھ جانا پڑا۔ موساد کے ایک دفتری کمرے میں چند افسران اور بہت ہی بوڑھے تجربہ کار جاسوس بیٹھے ہوئے تھے۔ ارجن کو وہاں بیٹھنے کے لئے نہیں کہا گیا۔ وہ حکم کے مطابق ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔

ایک دیوار پر بڑی سی ٹی وی اسکرین تھی۔ اس اسکرین پر ٹارچر سیل کا منظر دکھایا جا رہا تھا۔ وہاں ایک مجرم کو ٹارچر کیا جا رہا تھا۔ بڑی درندگی سے اذیتیں دی جا رہی تھیں۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ اس وڈیو فلم کی آواز بند کر دی گئی تھی۔ اس لئے اس کی چیخیں اور فریادیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

ایک افسر نے ارجن سے کہا۔ "بہتر ہے، تم اپنے بارے میں سچ سچ اگل دو۔ جھوٹ کا انجام تم اسکرین پر دیکھ رہے ہو۔ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ اس ٹارچر سیل سے کوئی زندہ واپس نہیں جاتا۔"

ارجن نے کہا۔ "میں جو ہوں، جیسا ہوں، آپ کے سامنے ہوں۔ میرا معائنہ کیا گیا، مجھے بے لباس کیا گیا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ میں جنم جنم کا ہندو ہوں۔ پھر میرے اسکول سے لے کر اب تک کے جو سروس ریکارڈز ہیں، وہ بھی میرے پاس موجود ہیں۔ آپ وہ سارے ریکارڈز دیکھ سکتے ہیں۔"

"ہم نے تمہارے کہنے سے پہلے ہی بہت کچھ دیکھ لیا ہے، سمجھ لیا ہے۔ ہم اپنے طور پر انکوائری کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے، تم ملازمت کرنے اٹلی گئے تھے۔ وہاں ایک شہر میں ملازمت کر رہے تھے۔ پھر اچانک ہی وہ نوکری چھوڑ دی اور گاڈ فادر نامان کے محل میں چلے گئے۔"

دوسرے افسر نے پوچھا۔ "اس محل میں جا کر کہاں گم ہو گئے تھے؟ ہمارے تعلقات سی آئی اے اور دنیا کی دیگر تنظیموں سے ہیں۔ تم جس محل میں گئے تھے، وہاں گاڈ فادر کہلانے والے کی تنظیم کے ایک ایک رکن کو ہم جانتے ہیں۔ ہمارے مخبر نے رپورٹ دی ہے کہ کسی نے تمہیں وہاں نہیں دیکھا۔ پھر تم کہاں گم ہو گئے تھے؟"

ارجن ذرا پریشان ہو گیا۔ موساد والوں نے بڑی دور تک معلومات حاصل کی تھیں۔

دراصل یعقوب ارجن کے بہروپ میں لندن گیا تھا اور لندن سے انڈیا آیا تھا۔ اس کی عدم

موجودگی میں ارجن، یعقوب کے بہروپ میں رہنے لگا تھا۔ وہ نامان کے محل میں رہتا تھا۔ اپنی ملازمت کے مطابق فرائض ادا کرتا تھا۔ لیکن چہرہ اور حلیہ بدل گیا تھا۔ کیونکہ اس کا چہرہ یعقوب لے گیا تھا۔

ایک اعلیٰ افسر نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ جواب دو...؟"

وہ بولا۔ "آپ جانتے ہیں، گاڈ فادر کی تنظیم کتنی خطرناک ہے؟ ان کے معاملات زیادہ تر غیر قانونی ہوتے ہیں۔ میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا۔ اتنا بتا دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے ایک اہم کام کے لئے مجھے اسپین بھیج دیا تھا۔ میں وہیں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس لئے...."

ایک بوڑھے غرانٹ جاسوس نے کہا۔ "بڑی مہارت سے باتیں بنا رہے ہو۔ چلو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ تم گاڈ فادر نامان کے کسی خفیہ مشن کے لئے اسپین گئے تھے۔ تم نے ابھی تسلیم کیا ہے، ان کے خفیہ معاملات کو جانتے ہو۔ پھر تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ نامان اور اس کی ماں رائنا تھری ایس یعنی شہزادہ سلمان سعدی کے منہ بولے رشتے دار ہیں؟"

وہ غرانٹ جاسوس کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ "شہزادہ سلمان سعدی نے رائنا کو اپنی بہن بنایا ہے اور تقریباً بائیس یا چوبیس برس سے ان کے رشتے بہت گہرے ہیں۔ وہ سگے رشتے داروں سے زیادہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ تھری ایس کے جانثار مختلف بھیس میں نامان کے محل میں آتے جاتے ہیں اور اس کے بہت کام آتے رہتے ہیں۔"

ایک افسر نے کہا۔ "تم اس گاڈ فادر کے تمام معاملات ہمیں نہ بتاؤ۔ صرف تھری ایس کے معاملات کھل کر بتا دو اور اپنے دیش بھگت ہونے کا ثبوت دو۔ ہم تمہاری عزت کریں گے۔ تمہیں سر پر بٹھائیں گے۔"

وہ بولا۔ "گاڈ فادر اپنے تمام کارندوں پر بھروسہ تو کرتا ہے۔ مگر انہیں تمام معاملات نہیں بتاتا۔ میں نے چند کارندوں کی زبان سے تھری ایس کا نام سنا ہے۔ لیکن یقین کریں، مجھے اس کے متعلق کوئی خاص بات کبھی نہیں بتائی گئی۔"

دوسرے جاسوس نے کہا۔ "ہم جانتے تھے، تم سچ نہیں بولو گے۔ تھری ایس اپنے جانثاروں کو اتنا کھلاتا پلاتا ہے، ایسے عیش و آرام سے رکھتا ہے کہ وہ کبھی غداری نہیں کرتے۔ تم اپنے دیش سے غداری کرو گے، لیکن تھری ایس سے کبھی نہیں کرو گے۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "میں آپ لوگوں کو کیسے یقین دلاؤں؟"

"یوشٹ اپ۔ تھری ایس اور گاڈ فادر ایک ہی ہیں۔ تم اب تک تھری ایس کا نمک کھاتے آرہے ہو۔ تم یہاں سے ملازمت کے لئے گئے تو کنگال تھے۔ اب یہاں آئے ہو تو تمہارے پاس ایک مرسڈیز ہے' دہلی کے ایک مہنگے علاقے میں رہنے کے لئے زمین خرید رہے ہو۔ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں' گاڈ فادر کے غلط دھندے میں تھا اور جہاں غلط دھندہ ہوتا ہے' وہاں چور دروازے سے کمانے کے کئی راستے نکل آتے ہیں۔ میں نے ایسے ہی راستوں سے دولت جمع کی ہے۔"

وہ بڑی ذہانت سے اور مستقل مزاجی سے جواب دے رہا تھا اور وہ لوگ پینترے بدل بدل کر اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کچھ مشورے کئے۔ اس کے بعد اعلیٰ افسر نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تم جا سکتے ہو۔"

وہ رہائی پا کر چلا آیا۔ لیکن یہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ اسے گاڈ فادر نامان اور تھری ایس کا کارندہ سمجھا جا رہا ہے۔ لہٰذا اب چھپ چھپا کر اس کی نگرانی کی جائے گی۔ اس نے گھر آ کر صنم کو ساری باتیں بتائیں۔

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ لوگ تو اب تم پر شبہ کرتے رہیں گے اور جب تک یہ سلسلہ رہے گا' یعقوب' ارجن بن کر میرے ساتھ نہیں رہ پائے گا۔"

"ہاں۔ موساد والوں کے متعلق کہا نہیں جا سکتا کہ کس دن اُن کا سر پھرے گا اور وہ اچانک یہاں آ کر مجھے پھر انکوائری کے لئے لے جائیں گے۔ اگر میری جگہ یعقوب ہوگا تو اُن کی حراست میں جاتے ہی بھید کھل جائے گا۔"

صنم نے اپنے فون کی سم بدل کر ایک جانثار سے رابطہ کیا۔ پھر اسے بتایا کہ ارجن ورما اور موساد والوں کے درمیان کیا باتیں ہو چکی ہیں اور وہ موساد والے اسے رہا کرنے کے باوجود اس پر شبہ کر رہے ہیں۔ آئندہ ارجن ورما کی کڑی نگرانی کی جائے گی۔

جانثار نے کہا۔ "ہمیں یہی اندیشہ تھا۔ اب یعقوب کو ارجن ورما بن کر نہیں رہنا چاہئے۔ موساد یا سی آئی اے والے کسی وقت بھی اچانک محاسبے کے لئے پہنچ سکتے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "اگر یعقوب یہاں ارجن بن کر نہیں رہ سکیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ میں اس گھر میں ان کے بغیر نہیں رہوں گی۔ باہر کہیں مل بھی نہیں سکوں گی۔ کسی اور حیثیت سے ان کے ساتھ اس ملک میں زندگی نہیں گزار سکوں گی۔ پھر ہوگا کیا؟"

"آپ میری کال کا انتظار کریں۔ یہ سم تبدیل نہ کریں۔ میں ابھی آپ سے بات کروں گا۔"

جانثار نے صنم سے رابطہ ختم کرنے کے بعد مجھے مخاطب کیا۔ ان کے حالات بتائے پھر پوچھا۔ "اب کیا کرنا چاہئے؟ کیا یعقوب بابا کو وہاں رہنا چاہئے؟"

میں نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ وہ وہاں مختلف بہروپ میں رہ سکتا ہے۔ لیکن صنم سے نہیں مل پائے گا اور صنم وہ گھر چھوڑ کر جائے گی کسی اور بہروپ میں یعقوب سے ملنا چاہے گی تو موساد اور سی آئی اے والوں کی نظروں میں آجائے گی۔"

"جی ہاں۔ اب یہ دونوں میاں بیوی بن کر انڈیا میں نہیں رہ سکیں گے۔ وہاں سے نکل کر کسی دوسرے ملک میں ازدواجی زندگی گزار سکیں گے۔"

"یعقوب سے کہو اٹلی واپس آجائے۔ ادھر سے میری بہو رنجنا کی حیثیت سے ارجن ورما کے ساتھ واپس اٹلی آئے گی۔ ارجن ورما کو دوبارہ اٹلی آنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ کیونکہ وہ وہاں ملازمت کر رہا ہے۔"

جانثار نے فون پر صنم کو مخاطب کیا۔ پھر کہا۔ "میں نے آپ دونوں کے مسئلے پر آقا سے بات کی ہے۔ انہوں نے ہدایت کی ہے کہ آپ ہندوستان چھوڑ دیں۔ ارجن ورما کے ساتھ اٹلی آجائیں۔"

"میں یعقوب کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"ہم آپ کو اُن سے جدا نہیں کر رہے ہیں۔ وہ بھی وہیں آئیں گے۔"

پھر جانثار نے یعقوب کے پاس آ کر فون کے ذریعے مجھ سے بات کرائی۔ وہ میری آواز سنتے ہی سلام کرنے کے بعد بولا۔ "اوہ پاپا! آپ کہاں ہیں؟ کب آئیں گے؟ میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"بیٹے! وہاں انتظار نہ کرو۔ موساد اور سی آئی اے والے ارجن ورما پر شبہ کر رہے ہیں۔ اس کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔ تم دوبارہ ارجن ورما بن کر میری بہو کے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ بہتر ہے' انڈیا چھوڑ دو۔ اٹلی واپس آجاؤ۔ صنم بھی وہیں پہنچ جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے' اب آپ سے ہندوستان میں یا پاکستان میں ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ میں پھر ناکام و نامراد جاؤں گا؟ یہ بھی کوئی نامرادی ہے کہ دادا جان سے بھی نہ مل سکا۔"

"بیٹے! وہ تقریباً ڈھائی برس سے لاپتہ ہیں۔ اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں' یہ خدا بہتر

جاتا ہے۔ اگر ہوں گے تو نہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی ہم سب ایک دوسرے سے ضرور ملیں گے۔ بہرحال تمہاری روانگی کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔"

"پاپا! جاں نثاروں سے کہیں، میں اُسی دن اُسی فلائٹ سے جاؤں گا، جس فلائٹ میں میری ممی اٹلی تک سفر کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ جو چاہتے ہو وہی ہوگا۔"

دوسرے دن سی آئی اے کے دفتر میں موساد کے افسران بھی تھے۔ ایک جونیئر افسر نے چند کاغذات پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ارجن ورما کی درخواست ہے۔ سفارت خانے میں آئی ہے۔ وہ اٹلی واپس جانے کے لئے ویزا حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "ہم نے پرسوں ہی اسے حراست میں لے کر اس کا محاسبہ کیا تھا۔ وہ بڑی ہوشیاری سے ہمارے تمام سوالوں کے جواب دیتا رہا تھا۔ لیکن اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اتنی جلدی اٹلی واپس جائے گا۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "جب واپس آ گیا ہے تو پھر وہاں کیوں جائے گا؟"

ایک اور نے کہا۔ "شائد ملازمت چھوڑ کر نہیں آیا تھا۔ اس لئے واپس جا رہا ہے۔ ہم اسے روک نہیں پائیں گے۔"

"ہم روکنا چاہیں گے تو اس کا باپ بھی نہیں جا سکے گا۔ ہمیں یہ سوچنا سمجھنا چاہئے کہ اچانک اس نے اٹلی جانے کا فیصلہ کیوں کیا ہے؟"

ایک بوڑھے غرانٹ جاسوس نے کہا۔ "سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے، وہ وہاں گاڈ فادر تاماں کے لئے کام کر رہا ہے اور تاماں کی رشتے داری شہزادہ سلمان سے ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ارجن گاڈ فادر تاماں کے زیر سایہ رہ کر تھری ایس کے لئے کام کرتا ہو۔ اسی کے کام سے شائد اچانک وہاں جا رہا ہو۔"

اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے، کیا اسے ویزا دے دیا جائے؟"

بوڑھے نے کہا۔ "ضرور دیا جائے۔ اگر ہم نے ٹھوس پلاننگ کے ساتھ کام کیا تو ارجن ورما کے ذریعے ہم تھری ایس تک ضرور پہنچ جائیں گے۔"

افسر نے پوچھا۔ "پلاننگ کیا ہو سکتی ہے؟ آپ کے ذہن میں اس کی کوئی آؤٹ لائن ہے تو ہمیں بتائیں؟"

بوڑھے جاسوس نے کہا۔ "ہم پرسوں ارجن کو یہاں حراست میں رکھ کر اس سے

باتیں کرنے کے دوران اس کی ویڈیو فلم تیار کرتے رہے تھے۔ گفتگو کا انداز، اس کا لب و لہجہ اور اس کا اٹھنا بیٹھنا ہمیں معلوم ہے۔ ہمارا بہروپیا اس کی صحیح نقالی کرے گا۔"

ایک افسر نے پوچھا۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو ویزا جاری کیا جائے گا، اس پر ارجن کی جگہ ہمارا بہروپیا جائے گا اور ارجن ورما کو غائب کر دیا جائے گا؟"

"جی ہاں۔ ہمارا وہ بہروپیا بہت ہی تجربہ کار جاسوس ہے۔ وہ ارجن ورما بن کر تھری ایس کے قریب پہنچتا رہے گا اور اس کے متعلق ہمیں انفارمیشن پہنچاتا رہے گا۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "ہماری پلاننگ اس سے بھی آگے بہت کچھ ہے۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ایک بہت ہی تیز طرار لڑکی ہے۔ وہ رنجنا کی جگہ لے سکتی ہے۔ ہم جب چاہیں گے، اصلی رنجنا کو بھی غائب کر دیں گے۔"

ایک افسر نے پوچھا۔ "کیا ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے بہروپیے ارجن ورما اور رنجنا کی جگہ کامیابی سے اپنے فرائض ادا کرتے رہیں گے؟ آپ کو یقین ہے، تھری ایس کو یا کسی اور کو ان پر شبہ نہیں ہوگا؟"

"مجھے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے بہروپیے جاسوسوں پر پورا بھروسہ ہے۔ اگر وہ بدنصیبی سے پکڑے جائیں گے تو ہمارا کیا نقصان ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ ہمارے دو جاسوسوں کی جان جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے تھری ایس کے لئے کام کرنے والی رنجنا اور ارجن ورما ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"

ایک افسر نے پوچھا۔ "ہمارے جاسوس کتنے دنوں میں رنجنا اور ارجن کی جگہ لے سکیں گے؟"

"تقریباً چھ سات روز درکار ہوں گے۔ انہیں ویزا جاری کرنے سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ وہ دونوں ایک ہفتے تک موساد کے ابزرویشن میں رہیں گے۔ ہمارے دو چار جاسوس دن رات ان کے ساتھ رہا کریں گے۔ جب اطمینان ہو جائے گا، تب ایک ہفتے بعد آٹھویں دن انہیں ویزا دے دیا جائے گا۔"

ایک اور بوڑھے جاسوس نے کہا۔ "ان سات دنوں میں ہمارے دونوں بہروپیوں کی پلاسٹک سرجری ہوتی رہے گی اور وہ رنجنا اور ارجن ورما کی ایک ایک بات کی، ایک ایک حرکت کی نقل کرتے رہیں گے۔"

وہ موساد والے میرے خلاف بہت ہی ٹھوس پلاننگ کر رہے تھے۔ مجھ تک پہنچنے کے

لئے رنجنا اور ارجن کی ڈمی بنا رہے تھے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتے تو میری بہو ارجن کے ساتھ ان کے ہاتھوں ماری جاتی۔

اور اگر وہ بہروپئے ناکام ہوتے تو ہمارے ہاتھوں مارے جاتے۔ جرائم کی دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ اپنے لہو کے رشتے بھی قربان ہو جاتے ہیں۔ میرے پاپا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ دشمنوں سے آنکھ مچولی کھیلتے کھیلتے ہمیشہ کے لئے گم ہو گئے تھے۔

آئندہ میری بہو کے ساتھ بھی یہی ہونے والا تھا۔ اور ہم سب اس بات سے بے خبر تھے۔ موساد والوں نے ان دونوں کو اس طرح ابزرویشن میں رکھا تھا کہ ان کے ڈپارٹمنٹ کی دو جوان لڑکیاں اور دو جوان مرد صبح ارجن ورما کے گھر آ جاتے تھے۔ وہاں صبح سے شام تک صنم اور ارجن کے ساتھ ہنستے بولتے رہتے تھے۔ ان کے بیڈ روم اور ڈرائنگ روم میں بھی ساتھ رہتے تھے۔ اگر وہ دونوں کہیں باہر شاپنگ کے لئے جاتے' کسی تقریب میں جاتے یا کسی رشتے دار سے ملنے جاتے تو وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔

دو دنوں کے بعد ان چار کی تعداد کم ہو گئی۔ صرف ایک جوان لڑکی اور ایک جوان مرد ان کے ساتھ رہنے لگے۔ جو غیر حاضر ہو گئے تھے' دراصل وہی دو بہروپئے تھے' جن کی اب پلاسٹک سرجری ہو رہی تھی۔ انہیں رنجنا اور ارجن ورما بنایا جا رہا تھا۔

یعقوب اپنی صنم سے بچھڑ گیا تھا۔ اس کی ایک جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔ مگر دل کو اطمینان تھا کہ ایک ہفتے بعد وہ اٹلی جاتے وقت اس کے ساتھ ہوائی جہاز میں سفر کرے گا۔

اور جانے سے پہلے' انڈیا چھوڑنے سے پہلے اس کا دل اپنے دادا جان کے لئے تڑپ رہا تھا۔ شائد وہ اس دنیا میں نہیں تھے۔ لیکن اس کی دادی ثناء تھی اور اس سے ہونے والی اولاد بھی تھی۔ بدنصیبی ایسی تھی کہ وہ ان سے بھی نہیں مل پا رہا تھا۔

وہ ہر نماز کے بعد دعائیں مانگتا تھا کہ کم از کم لہو کے ایک رشتے کو ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

وہ تقریباً بیس برس تک یہودی ماں کے سائے میں یہودیوں کے ماحول میں پرورش پاتا رہا تھا۔ صرف ایک محالہ لہو کے رشتے سے اس کی ماں تھی۔ اس کے بعد اب تک کسی رشتے نے اسے گلے نہیں لگایا تھا۔ مجھ سے بھرپور پیار اور سرپرستی مل رہی تھی۔ لیکن وہ بھی فون کے ذریعے مل رہی تھی۔ ہم باپ بیٹے اب تک ایک دوسرے کے روبرو نہیں آئے تھے۔

میری آواز کی اور میرے پاپا کی آواز کی ریکارڈنگ میرے جانثاروں کے پاس محفوظ

رہتی تھی۔ وہ ان سے کبھی کبھی کہتا تھا کہ آج پاپا کی آواز سننا چاہتا ہوں۔ پھر کسی دن کہتا تھا' اپنے دادا جان کی آواز سننا چاہتا ہوں۔

تب وہ جانثار اسے فون کے ذریعے کبھی میری اور کبھی اس کے دادا جان کی آوازیں سناتے تھے۔ وہ لہو کے رشتوں سے محروم رہنے والا ہماری آوازیں سن کر بڑے ہی جذباتی انداز میں گم ہو جاتا تھا۔ تصور میں مجھے اور اپنے دادا جان کو دیکھتا رہتا تھا۔

ایک روز وہ جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگ رہا تھا۔ بڑے جذبے سے کہہ رہا تھا "اے پروردگار! میں نے اب تک اپنے پاپا اور دادا جان کو نہیں دیکھا ہے۔ لیکن یہاں جو موجود ہیں' انہیں تو ایک نظر دیکھ لوں۔ یا اللہ! میں جانے سے پہلے اپنی دادی کو اور اپنے دادا کے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

یا اللہ! کیا میرے نصیب میں صرف ایک یہودی ماں ہے' جسے میں نے دیکھا ہے' جس کے گلے لگتا رہا ہوں؟ کیا گلے لگنے کے لئے میرے نصیب میں کوئی مسلمان رشتے دار نہیں ہے؟"

وہ نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے وسیع و عریض صحن میں آیا۔ اس کی نظر ایک بچے پر پڑی۔ وہ بہت دور سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا۔ چار یا پانچ برس کا ہوگا۔ اس نے پاجامہ اور قمیص پہنی ہوئی تھی۔ وہ بہت ہی صاف ستھرا اور اجلا اجلا سا تھا۔ اس کی طرف بے اختیار دل کھنچا جا رہا تھا۔

یعقوب نے سوچا' وہ تنہا کیوں ہے؟ اگر کسی کے ساتھ آیا ہے تو کوئی اس کے ساتھ نظر کیوں نہیں آ رہا ہے؟

وہ سوچتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا تو وہ پلٹ کر سیڑھیوں سے اترتا ہوا اس سے دور جانے لگا۔ جامع مسجد بہت اونچائی پر ہے۔ اس کے نشیب میں ایک بہت بڑا بازار ہے۔ وہ بازار کی طرف جا رہا تھا۔

یہ حیرانی کی بات تھی کہ ایک بچہ تنہا تھا اور بازار کی بھیڑ میں گم ہونے جا رہا تھا۔ یعقوب تیزی سے چلتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ واقعی بازار میں عورتوں مردوں کے درمیان کبھی نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا' کبھی اس کی جھلک دکھائی دے رہی تھی اور یعقوب بھیڑ سے گزرتا ہوا اس کے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آخر وہ بچہ بازار کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ سامنے ایک شاہراہ پر گاڑیاں گزر رہی

تھیں۔ یعقوب نے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا' وہ فٹ پاتھ پر تھا اور اب زیبرا کراسنگ سے گزر رہا تھا۔

یعقوب دوڑتا ہوا فٹ پاتھ پر پہنچا تو سگنل گرین ہو گیا' گاڑیاں تیزی سے گزرنے لگیں۔ وہ سڑک پار نہیں کر سکتا تھا۔ گاڑیوں کی بھیڑ کے اس پار وہ بچہ دوسرے فٹ پاتھ پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اپنے ننھے ننھے پاؤں سے ایک طرف جانے لگا۔ یعقوب اس بچے تک پہنچنے اور اس کے متعلق جاننے کے لئے بے چین تھا کہ وہ اتنے بڑے شہر میں اتنی بھیڑ تنہا کیوں ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟

سگنل سبز سے سرخ ہو گیا۔ گاڑیاں رک گئیں۔ وہ تیزی سے زیبرا کراسنگ پار کرتا ہوا دوسرے فٹ پاتھ پر آیا۔ بچہ بہت دور تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف جانے لگا۔ عجیب بات یہ تھی کہ فاصلہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا' وہ بچہ ایک ہسپتال میں داخل ہو رہا تھا۔

یعقوب ہسپتال کے اندر آیا۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہسپتال کے کسی دوسرے حصے میں چلا گیا تھا۔ یعقوب اسے ڈھونڈتا ہوا ایک لیڈی ڈاکٹر کے چیمبر کے قریب پہنچا۔ چیمبر کے باہر کئی خواتین لیڈی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنے آئی تھیں۔ وہاں بیٹھی اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔

وہ بچہ وہیں ایک خاتون کی گود میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ یعقوب وہاں پہنچا تو دونوں کی نظریں ملیں۔ اس بچے کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی اور عجیب سی کشش تھی۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے اس بچے کی آنکھوں سے کوئی بزرگ جھانک رہا ہو۔

اس عورت کے لباس سے پتہ چل رہا تھا کہ مسلمان ہے۔ یوں بھی اس کا وہ بچہ جامع مسجد میں آیا تھا اور یعقوب کو اپنے پیچھے لگا کر ہسپتال تک لے آیا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر خاتون کو سلام کیا۔ پھر کہا۔ ''آپ نے اپنے بچے کو باہر جانے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ یہ بہت دور چلا گیا تھا۔''

وہ بولی۔ ''جی ہاں۔ یہ تھوڑی دیر کے لئے باہر گیا تھا۔ لیکن میں اسے روکتی ٹوکتی نہیں ہوں۔ یہ جہاں بھی جاتا ہے' خیر خیریت سے واپس آ جاتا ہے۔ حالانکہ عمر زیادہ نہیں ہے۔ ابھی دو برس کا ہے۔''

یعقوب نے حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ دو برس کا ہے؟ ماشاء اللہ قد اور جسامت سے

چار پانچ برس کا لگتا ہے۔''

خاتون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''ہاں۔ یہ اپنے باپ پر گیا ہے۔ اس کے پاپا بہت ہی قد آور تھے۔ ہاتھی جیسا ڈیل ڈول رکھتے تھے۔''

یعقوب نے پوچھا۔ ''تھے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا اب نہیں ہیں؟''

خاتون کی آنکھیں صدمات سے بھر گئیں۔ اس نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''اللہ کرے' وہ اس دنیا میں موجود ہوں۔ میرا دل کہتا ہے' وہ میرے بچے کے سر پر سایہ بننے کے لئے ضرور واپس آئیں گے۔''

اپنے شوہر کے لئے اس عورت کے دل میں اور لب و لہجے میں اتنا درد و کرب چھپا ہوا تھا کہ سننے والے ضرور متاثر ہوتے ہوں گے۔ یعقوب بھی متاثر ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا غم' اس کا دکھ بھی یہی تھا۔ اس کے بھی دادا جان کہیں گم ہو گئے تھے۔ واپس نہیں آ رہے تھے۔

اس دوران وہ بچہ یعقوب کو ایسی لگن سے دیکھ رہا تھا' جیسے اسے چھونا چاہتا ہو' اس کے گلے لگنا چاہتا ہو۔ ایسے ہی وقت لیڈی ڈاکٹر کے چپڑاسی نے آواز لگائی۔ ''مسز ثناء غازی آ جائیں۔''

یعقوب ایکدم سے چونک گیا۔ ثناء نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ''تم یہاں بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

یعقوب کا دل اور دماغ اپنی دادی کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ بڑے جذبے سے بڑی لگن سے دیکھ رہا تھا۔ ''یہی میری دادی ہیں۔ میرے دادا کی شریک حیات ہیں۔ کیا میں ان کے گلے نہیں لگ سکتا؟''

وہاں یہ ممکن نہیں تھا۔ نہ وہ خود کو ان پر ظاہر کر سکتا تھا اور نہ ہی ظاہر کرنا دانشمندی تھی۔ یہ بھی سمجھ میں آ رہا تھا کہ آس پاس ہسپتال کے اندر یا باہر سی آئی اے اور موساد کے جاسوس موجود ہوں گے' اس کی دادی کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔

وہ اپنی دادی کو چھو بھی نہ سکا۔ لیکن ثناء نے بچے کو اپنی کرسی پر بٹھا کر وہاں سے جاتے ہوئے دوپٹے کو درست کیا تو اس کا ایک سرا یعقوب کو چھو کر گزر گیا۔ ان لمحات میں جیسے ممتا کی مہک آئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس کی دادی لیڈی ڈاکٹر کے چیمبر میں چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی بچہ کرسی پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دونوں بازوں پھیلا دیئے۔ یعقوب نے لپک کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ سینے سے لگا کر اس کے چہرے کو جگہ جگہ سے

چومنے لگا۔ وہ بھی اسے پیار کر رہا تھا۔

پھر وہ بچہ اس کے گلے لگ گیا۔ اس طرح لگا کہ یعقوب کی نظروں سے اس کا چہرہ اوجھل ہوگیا اور بچے کی نظروں سے یعقوب کا چہرہ اوجھل ہوگیا۔ ایک دوسرے کے گلے لگنے سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ گلے لگنے والے ایک دوسرے کو نظر نہیں آتے۔

تب ہی یعقوب نے وہ بھاری بھرکم دل میں اتر جانے والی آواز سنی۔ جانثاروں نے کئی بار اسے دادا جان کی آڈیو ریکارڈنگ فون کے ذریعے سنائی تھی۔ وہ آواز اور لب ولہجہ اس کے دل میں اور دماغ میں نقش ہوگیا تھا۔

اب وہی بھاری بھرکم لہجہ اس کے کان میں کہہ رہا تھا۔ ''صنم کو وہاں سے نکالو۔ میری بہو کو بچاؤ۔''

یعقوب ایکدم سے چونک گیا۔ اسے یوں لگا' جیسے دادا جان آگئے ہیں اور گلے لگ کر اس سے بول رہے ہیں۔ اس نے بچے کو ذرا الگ کر کے دیکھا تو وہ ایک معصوم سا بچہ تھا۔ اس کے چہرے سے اور آنکھوں سے بڑی معصومیت جھلک رہی تھی۔ کوئی بزرگی نہیں تھی۔

اس نے پوچھا۔ ''ابھی تم نے میرے کان میں کچھ کہا ہے؟''

وہ بڑی معصومیت سے بچوں جیسی آواز میں بولا۔ ''آپ یہاں سے جائیں۔''

اس نے پھر پوچھا۔ ''پلیز۔ اتنا بتا دو' ابھی تم نے میرے کان میں کچھ کہا ہے؟''

اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ ''پلیز۔ آپ یہاں سے جائیں۔''

وہ زبردستی اس کی گود سے اتر گیا۔ کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی آنکھوں سے ایسی بزرگی' ایسا رعب و دبدبہ جھلکنے لگا' جیسے اس کے دادا جان اسے دیکھ رہے ہوں۔

وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔ حالانکہ آگے بڑھ کر پھر گلے لگنا چاہتا تھا۔ لیکن پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ذرا دور ہو کر اس نے دیکھا تو بچے نے آنکھیں بند کر لیں۔ یعقوب کی موجودگی سے بے نیاز ہوگیا۔

ایسے ہی وقت کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے فون کو کان سے لگایا۔ ایک جانثار نے کہا۔ ''یعقوب بابا! آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اپنی دادی کے پاس پہنچ گئے ہیں؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی نگرانی ہو رہی ہے اور آپ اس وقت کتنے ہی دشمنوں کی نظروں میں آئے ہوئے ہیں۔ پلیز یہاں سے فوراً نکلیں اور میرا کالنگ نمبر فوراً ڈیلیٹ کریں۔ پلیز ہری اپ...''

رابطہ ختم ہوگیا۔ یعقوب نے اس نمبر کو اپنے فون سے مٹا دیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی کالنگ

ٹون سنائی دی۔ اس نے اٹینڈ کیا تو کوئی لڑکی بول رہی تھی۔ ''میں کوئی بھی ہوں۔ یہ نمبر نہ مٹانا۔ تمہارے کام آئے گا۔ دیٹس آل....''

اس نے سر گھما کر بچے کی طرف دیکھا۔ وہاں کرسی خالی تھی۔ وہ نہیں تھا۔ اس نے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھا۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ بچے نے بھی کہا تھا کہ اسے یہاں سے جانا چاہئے اور جانثار بھی یہی کہہ رہے تھے۔ لہٰذا وہ تیزی سے چلتا ہوا ہسپتال سے باہر جانے لگا۔

ایسے وقت اس نے دیکھا۔ دو افراد اس کے دائیں بائیں چل رہے تھے اور ایک شخص پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ہسپتال کے باہر پہنچتے ہی انہوں نے اسے روک لیا۔ پھر ایک نے اپنا آئی ڈی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی.... پلیز اپنا فون ہمیں دیں۔''

یعقوب نے فون اس کے حوالے کیا۔ اس نے ریسیونگ کال کی لسٹ پر نمبر پڑھے۔ پھر اپنے ماتحت سے کہا۔ ''یہ نمبر نوٹ کرو۔ ابھی تین بج کر پانچ منٹ پر کال آئی ہے۔ معلوم کرو' کس نے کال کی ہے؟ کیسے کی ہے؟''

ماتحت نمبر نوٹ کر کے وہاں سے ذرا دور چلا گیا۔ پھر فون پر کسی سے بات کرنے لگا۔

آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی نے یعقوب سے پوچھا۔ ''تم مسز ثناء غازی کو کیسے جانتے ہو؟ کب سے جانتے ہو؟''

''میں اس خاتون کو نہیں جانتا۔ ہاں ان کا یہی نام سنا ہے۔ چپڑاسی انہیں ڈاکٹر کے پاس جانے کو کہہ رہا تھا۔''

''تمہارا کوئی تو تعلق ان سے ہوگا۔ تب ہی ملنے آئے تھے۔''

''میں کہہ تو رہا ہوں' اس خاتون کو اب سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ اس بچے کے پیچھے دوڑتا ہوا آیا ہوں۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہسپتال کے باہر فٹ پاتھ پر بالکل تنہا تھا۔ مجھے تجسس پیدا ہوا کہ وہ اکیلا کیوں ہے؟ اس کے ساتھ کوئی بزرگ کیوں نہیں ہے؟ اگر آپ یہاں بہت پہلے سے ہیں تو آپ نے بھی اس بچے کو باہر سے آتے ہوئے دیکھا ہوگا؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ وہ بچہ باہر گیا تھا۔ پتہ نہیں کب گیا تھا؟ جب واپس آیا تو تم اس کے پیچھے چلتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔''

''پھر تو آپ کو سمجھنا چاہئے کہ میں بچے سے متاثر ہو کر آیا تھا۔ اس کی ماں کو نہیں جانتا تھا۔ بائی داوے معاملہ کیا ہے؟ وہ خاتون کون ہیں؟ کیا اس سے کسی کو بات نہیں کرنا چاہئے؟''

اس ماتحت نے افسر کے پاس آ کر فون بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''سر! اس نمبر پر رابطہ

ہو گیا ہے۔''

افسر نے فون کو کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہیلو۔ تم کون ہو؟''

ایک سریلی سی آواز سنائی دی۔ ''ہائے۔ ابھی میں نے اس نمبر پر فون کیا تھا۔ مگر وہ مرغا پھنسا نہیں۔ میری آواز سن کر اس نے فون بند کر دیا۔ بائی دا وے تم کون ہو؟ تمہاری عمر کیا ہے؟ میری آواز سے اندازہ کر سکتے ہو کہ بھرپور ہوں۔''

آفیسر نے شٹ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر اسے یعقوب کو دیتے ہوئے کہا۔ ''تم جا سکتے ہو۔''

وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوا پھر جامع مسجد کے قریب آ گیا۔ وہاں اس کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ ایسے ہی وقت کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ایک جانثار نے کہا۔ ''آپ نے دیکھ لیا' کس طرح آپ کی دادی جان کی نگرانی کی جا رہی ہے؟ میرا فون نمبر نہ مٹاتے تو مشکل میں پڑ جاتے۔''

اس نے پوچھا۔ ''یہ مجھے فون کرنے والی کون تھی؟''

''ایک کال گرل ہے۔ ہمارے لئے کبھی کبھی کام کرتی ہے۔ آج بھی کام آئی ہے۔''

''میں ابھی پاپا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بہت اہم بات ہے' جو آپ بھی سن لیں۔ میری صنم خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ مجھے ابھی خبر ملی ہے کہ صنم کو اس گھر میں نہیں رہنا چاہئے۔ اسے وہاں سے نکالنا ہے اور انجانے خطرات سے بچانا ہے۔''

میرے جانثاروں نے مجھے یعقوب کا پیغام پہنچایا۔ میں نے اس سے فون پر بات کی۔ اس سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے بیٹے...؟ تمہیں یہ خبر کہاں سے ملی ہے؟''

''پاپا! کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے دادا جان کی آواز سنی ہے؟''

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے معلوم ہوا ہے' تم میرے ننھے سے بھائی صلاح الدین ثانی کے پیچھے دوڑتے ہوئے اپنی دادی تک پہنچ گئے تھے۔''

''جی ہاں۔ دادی تو لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی تھیں۔ میں نے صلاح الدین ثانی کو پیار کیا تھا۔ اسے گلے لگایا تھا۔ گلے لگتے ہی مجھے اپنے کان میں دادا جان کی آواز سنائی دی تھی۔ جانثاروں نے اب سے پہلے کئی بار ان کی آواز فون کے ذریعے مجھے سنائی تھی۔ میں نے سننے میں کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ دادا جان کی آواز اور ان کا لب و لہجہ میرے دل و دماغ میں نقش ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''انہوں نے کیا کہا تھا؟''

''انہوں نے کہا ہے کہ صنم کو وہاں سے نکالو۔ میری بہو کو بچاؤ... اس سے زیادہ کچھ

نہیں کہا۔ میں نے صلاح الدین ثانی کو بڑی توجہ سے دیکھا ہے۔ وہ بہت معصوم ہے۔ اس کی آواز میں بھی معصومیت ہے۔ لیکن آپ ہی بتائیں' میں نے دادا جان کی آواز کیسے سن لی؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ یہ ایسا معمہ ہے' جو ہماری سمجھ میں اب تک نہیں آیا۔ اب سے پہلے جب صلاح الدین پیدا ہوا تھا تو تمہارے دادا جان نے فون کے ذریعے اس کے کان میں اذان سنائی تھی۔ جبکہ وہ جسمانی طور پر کہیں نظر نہیں آتے ہیں۔ بابا سائیں کے غار میں جانے کے بعد پتہ نہیں کہاں گم ہو گئے ہیں؟''

''پاپا! اپنی بہو کے لئے کچھ کریں۔ اسے ارجن ورما کے گھر سے نکالیں۔ اس پر دشمنوں کا سایہ تک نہ پڑنے دیں۔''

''تم اطمینان رکھو۔ میں اپنی بہو پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔ یہ سمجھ لو کہ اس کے قریب آنے جانے والے دشمنوں کا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

ہم باپ بیٹے کے دوران مختصر سی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ میں فون پر لمبی بات کرنے سے پرہیز کرتا تھا۔ یہ اندیشہ رہتا تھا کہ ہماری کال پکڑی جائے گی اور یہ اطمینان بھی ہوتا تھا کہ ہم تک پہنچنے والوں کو بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے۔ کیونکہ ہم سم بدل کر بات کیا کرتے تھے۔

میں نے جانثاروں سے کہہ دیا کہ صنم کو وہاں سے اس طرح نکالو کہ ہم پر کسی کو شبہ نہ ہو۔ دشمن یہی رائے قائم کریں کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔ جب تک وہ اپنی مطلوبہ رنجنا کو تلاش کرتے رہیں گے' ہم اپنی صنم کو ہندوستان کی سرحد پار کرا دیں گے۔

☆☆☆

میسونی تنظیم کے مرکزی دفتر میں اعلیٰ افسروں اور یہودی جاسوسوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب محالہ اور راڈ مین سے ملنے آئے تھے۔ راڈ مین کی دونوں ہتھیلیاں نہیں تھیں۔ پہلے دو آنکھیں تھیں' اب ایک چراغ گل ہو گیا تھا۔ وہ کانا ہو گیا تھا اور یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کا ایک گردہ بھی نکال لیا گیا ہے۔

اس کی حالت دیکھ کر سب ہی کو تھوڑی دیر کے لئے چپ لگ گئی تھی۔ کوئی سہم گیا تھا' کوئی غصے سے کھول رہا تھا' کوئی قسمیں کھا رہا تھا کہ تھری ایس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ برا سلوک کیا جائے گا۔ ایسی حالت کر دی جائے گی کہ لوگ اس کی لاش دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگیں گے۔

راڈ مین کو ایسا شاک لگا تھا کہ وہ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اکثر ہوش و حواس میں نہیں رہتا تھا۔ بہکی بہکی باتیں کرتا رہتا تھا۔

محالہ نے کہا۔" تھری ایس نے میرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میرے بیٹے جے کوب (یعقوب) کے طفیل مجھے جسمانی اذیتیں نہیں دے رہا ہے' نہ ہی اپاہج بنا رہا ہے۔"

وہ روتے ہوئے بولی۔" لیکن اس نے بہت زبردست دماغی صدمہ پہنچایا ہے۔ میرے بیٹے سے مجھے الگ کر دیا ہے۔ فون پر بھی اس سے بات کرنے نہیں دیتا۔ اگر وہ میرے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ میری بھی آنکھیں نکال دیتا تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی' جتنی اب ہو رہی ہے۔ میرا خدا ہی جانتا ہے' میں اپنے بیٹے کے لئے کیسے تڑپ رہی ہوں؟"

میسونی تنظیم کے موجودہ سربراہ ہوف مین نے کہا۔" تھری ایس ایک طویل مدت سے بے لگام ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہماری دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں اس کے لہو کی پیاسی ہیں۔ کئی بار اسے گولیوں سے چھلنی کیا گیا' بعد میں پتہ چلا کہ اس کی ڈمی ماری گئی ہے' وہ زندہ سلامت ہے۔"

" اکثر یہی ہوتا ہے' اس کی جگہ اس کے ہمشکل مارے جاتے ہیں اور ہم اپنے مشن میں ناکام رہتے ہیں۔ پتہ نہیں اس کے کتنے ہمشکل ہیں؟ بڑی کامیابی سے ہمیں دھوکہ دیتے آ رہے ہیں۔"

" آخری بار راڈ مین نے اسے بڑے ہی آہنی شکنجے میں لیا تھا۔ ایک تہہ خانے میں قید کر دیا تھا۔ وہاں سے ایک چیونٹی بھی باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ مگر وہ پھر ہاتھوں سے نکل گیا۔"

" ہمیں تو یقین نہیں ہے۔ مگر کہتے ہیں' اس کے پاس معجزے دکھانے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک عصاء ہے اور ایک انگوٹھی ہے۔ ان کے ذریعے وہ سمندر کی گہرائیوں سے بھی نکل آتا ہے۔"

محالہ نے ہوف مین سے کہا۔" آپ نے دیکھا نہیں ہے' اس لئے یقین نہیں کریں گے۔ لیکن میں نے اور راڈ مین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہماری قید میں تھری ایس ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ بستر پر کروٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔ پھر پتہ نہیں وہ لاوہ انگوٹھی اور عصاء کیسے اس کے پاس پہنچ گیا؟ اس کے ساتھ ہی اس میں غضب کی توانائی اور بلا کی طاقت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ لڑتا ہوا اور مسلح محافظوں کو مات دیتا ہوا ہمیں قیدی بنا کر وہاں سے لے گیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد ہم نے رہائی پائی ہے اور ہمارا یہ حال ہو گیا ہے۔"

ہوف مین نے کہا۔" انڈیا سے بھی یہ خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ وہ انگوٹھی اور عصاء بہت ہی کمالات دکھا رہے ہیں۔ اب تو وہاں بیشمار لوگ انگوٹھی اور ایک لاٹھی اپنے ساتھ رکھنے

لگے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ان دو چیزوں کی موجودگی سے ان کے بیشتر مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ جو بیروزگار ہوتے ہیں' انہیں ملازمت مل جاتی ہے۔ کسی کو غیب سے مالی امداد مل جاتی ہے اور کنواری لڑکیاں سہاگن بن جاتی ہیں۔"

ایک عہدیدار نے کہا۔" تھری ایس کی تنظیم انڈیا میں بڑے ہی منظم انداز میں غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کر رہی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انگوٹھی اور لاٹھی کے ذریعے معجزے ہو رہے ہیں۔ وہ بظاہر تماشے کرتا ہے مگر ان تماشوں کے پیچھے اپنا الو سیدھا کرتا رہتا ہے۔"

" وہ بلا کا مکار ہے۔ طرح طرح کی چالیں چلتا ہے۔ زبردست بہروپیا ہے۔ ایسے ایسے روپ بدلتا ہے کہ ہم اسے پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ بہت کم لوگوں نے اس کی اصلی پیدائشی صورت دیکھی ہے۔"

ہوف مین نے کہا۔" ہم نے خوب سوچ سمجھ کر اس کے بیٹے یعقوب کو اس کے حوالے کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے' بیٹے کے ذریعے باپ تک ضرور پہنچ پائیں گے۔"

" میں نے اپنے بیٹے کی قربانی دی ہے۔ اس کی شہہ رگ تک پہنچنے کے لئے اپنے بیٹے سے محروم ہو گئی ہوں۔ مجھے یقین ہے' ایک ماں کی قربانی ضائع نہیں جائے گی۔"

ہوف مین نے کہا۔" تمہارا یقین درست ہے۔ ہم بڑی حد تک کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔"

محالہ نے پوچھا۔" کیا میرا بیٹا آپ لوگوں کی نظروں میں ہے؟ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ میں اس کی آواز سننے کے لئے ترس گئی ہوں۔"

ہوف مین نے کہا۔" ہم تمہیں اس کی آواز بھی سنائیں گے اور شائد جلد ہی ملاقات بھی کرائیں گے۔"

" کیا وہ ہمارے جاسوسوں کی نظروں میں رہتا ہے؟"

" کبھی رہتا ہے' کبھی اوجھل ہو جاتا ہے۔ جب ہم نے اسے باپ کے حوالے کرنے کے لئے یہاں سے بھیجا تھا تو وہ اٹلی کے گاڈ فادر نامان کے محل میں گیا تھا۔ اس محل میں ہماری دو جاسوس عورتیں اور ایک مرد عیسائی بن کر رہتے ہیں۔ ان سے یعقوب کے متعلق اہم خبریں ملتی رہتی ہیں۔"

ایک عہدیدار نے کہا۔" ہمارے جاسوسوں نے وہاں یعقوب کو چھ ماہ تک دیکھا پھر وہ اچانک گم ہو گیا۔ ایک نوجوان ارجن ورما کے نام سے وہاں ملازمت کے لئے آیا۔ نامان نے

اسے ملازم رکھا۔ لیکن اس کے ساتھ اس طرح ہنستا بولتا' اٹھتا بیٹھتا تھا کہ شبہ ہوا' جیسے وہ ارجن ورما بہروپیا ہے۔ یہ بھی شبہ ہوا ہے کہ اس ارجن کے پیچھے یعقوب چھپا ہوا ہے۔''

''دو ہفتے بعد ارجن وہاں سے جانے کے لئے روانہ ہوا تو ہمیں اطلاع دی گئی کہ ہم لندن میں ارجن پر نظر رکھیں۔ وہ منسٹر ایشور لال کی فیملی میں گیا تھا۔''

ہوف مین نے کہا۔''ہمارے دو جاسوس اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ دونوں مارے گئے۔ ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے ان پر گولیاں چلائی تھیں؟ لیکن یہ یقین ہے کہ انہیں تھری ایس کے جانثاروں نے ہی قتل کیا تھا۔''

''ہمارے آدمی محتاط ہو گئے۔ ان جانثاروں کو تلاش کرنے لگے' معلوم کرنے لگے کہ وہ کہاں چھپے رہتے ہیں اور کس بھیس میں رہتے ہیں؟ ان سے نمٹے بغیر ارجن پر یعنی یعقوب پر نظر نہیں رکھی جا سکتی تھی۔''

عہدیدار نے کہا۔''ہمارے آدمی منسٹر ایشور لال کے بیٹے منوہر لال سے دھوکہ کھا گئے۔ وہ بھی یعقوب کی طرح قد آور تھا۔ ویسی ہی جسامت رکھتا تھا۔ پتہ چلا' آدھی رات کے بعد منوہر کہیں چلا گیا ہے۔ منسٹر کی بیوی ہیم لتا کے ساتھ صرف رنجنا اور ارجن رہ گئے تھے۔ ارجن ورما نے رنجنا سے کورٹ میرج کی تھی۔''

''جب دوسرے ہی دن رنجنا' ہیم لتا اور ارجن ورما انڈیا چلے گئے' تب ان کی ہیرا پھیری سمجھ میں آئی کہ منوہر لال ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ اسے لندن میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ ارجن کو ساتھ لے گئے تھے۔ دراصل ارجن ورما ہی ان کا بیٹا منوہر لال تھا۔ انہوں نے بڑی راز داری سے میک اپ کے ذریعے چہرے بدل لئے تھے۔ ارجن ورما' منوہر بن گیا تھا اور منوہر' ارجن ورما بن کر اپنی ماں اور رنجنا کے ساتھ انڈیا چلا گیا تھا۔''

محالہ نے پوچھا۔''یعنی میرا بیٹا یعقوب وہ ہے' جو منوہر بن کر راتوں رات کہیں چلا گیا تھا؟''

ہوف مین نے کہا۔''ہاں۔ ہم نے تمہارے بیٹے کو بچپن سے یہودی بنائے رکھنے کی کوششیں کیں۔ لیکن اس نے باپ کے پاس جاتے ہی اسلامی طور طریقے اختیار کر لئے۔ نماز پڑھنے لگا۔ وہ ہماری نظروں میں ہے۔ چیلسی کے علاقے میں ایک اپارٹمنٹ ہے۔ وہاں رہتا ہے۔''

''ہمارے نگرانی کرنے والوں نے اسے جمعے کے دن ایک مسجد میں جا کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اگر وہ منسٹر ایشور لال کا بیٹا منوہر لال ہوتا تو کبھی مسجد میں نہ جاتا۔''

محالہ نے کہا۔''میں نے بیس برس تک اس کی پرورش کی۔ میری تمام تعلیم و تربیت ضائع ہو گئی۔ وہ باپ کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ میں کیا کروں؟ میرے اندر کھلبلی سی پیدا ہو رہی ہے۔ میں اسے اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہوں۔''

ہوف مین نے کہا۔''ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ وہ تھری ایس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ اس نے تمہارے اور راڈ مین کے عوض اسے حاصل کیا تھا۔ لیکن حاصل کرنے کے بعد راڈ مین کی جو حالت کی' اس کے پیش نظر ہم انتقامی کارروائی ضرور کریں گے اور یعقوب کو واپس لائیں گے۔''

وہ بولی۔''دو برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اسے کب تک واپس لائیں گے؟''

''تھری ایس کی چالبازیوں کو اچھی طرح سمجھنا ہے۔ جلد بازی کریں گے تو دھوکہ کھا جائیں گے۔''

جاسوس نے محالہ سے کہا۔''میڈم! آپ بیوی کی حیثیت سے تھری ایس کے بہت قریب رہ چکی ہیں۔ پھر بھی اس کی چالبازیوں کو سمجھ نہیں پا رہی ہیں۔ یعقوب ارجن ورما کے بھیس میں اٹلی سے لندن گیا اور ہم یہی دھوکہ کھاتے رہتے کہ وہی ارجن ورما یعقوب ہے۔ لیکن ایک رات اچانک منوہر گم ہو گیا۔ کیا کوئی ماں اپنے بیٹے کو بے یار و مددگار چھوڑ کر کہیں جا سکتی ہے؟''

محالہ نے کہا۔''نہیں۔ میں ماں ہوں۔ میں سمجھتی ہوں' اپنے جے کوب کے بغیر کس قدر تڑپ رہی ہوں؟ میں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں' ہیم لتا اپنے بیٹے منوہر کو ارجن ورما کے روپ میں انڈیا لے گئی ہے اور میرا بیٹا یعقوب منوہر بن کر لندن میں رہ گیا ہے۔''

جاسوس نے کہا۔''انڈیا سے ایک لڑکی تعلیم حاصل کرنے لندن آئی ہے۔ اس کا نام پوجا ہے اور منوہر لال سے یعنی یعقوب سے اس کا افیئر چل رہا ہے۔ ہم معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ وہ لڑکی ایک انڈین لیڈر لکشمن اگروال کی بیٹی ہے۔ پوجا اور منوہر ایک دوسرے کو انڈیا سے جانتے ہیں۔''

''اب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ پوجا آپ کے بیٹے یعقوب کو منوہر سمجھ کر دھوکہ کھا رہی ہے۔ یا پھر پوجا کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ منوہر نہیں ہے' یعقوب ہے۔ اس لڑکی نے اسے یقیناً نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہو گا۔''

محالہ نے کہا۔''میں عارضی میک اپ کے ذریعے بھیس بدل کر لندن جاؤں گی اور پوجا سے شناسائی پیدا کروں گی۔ اس کے ذریعے دور سے ہی سہی' اپنے بیٹے کو دیکھتی رہوں گی۔

میں ماں ہوں' دھوکہ نہیں کھاؤں گی۔ ہزار بہروپ میں بھی اپنے بیٹے کو پہچان لوں گی۔ اگر وہ میرا بیٹا ہی ہوگا تو آپ لوگ اسے اغواء کر کے یہاں لانے میں دیر نہیں کریں گے۔''

''بیشک۔ ہم جلد سے جلد تھری ایس کی کمزوری اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔''

محالہ نے کہا۔ ''شہزادہ سلمان سعدی کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کا کوئی قابل فخر بیٹا نہیں ہے۔ لاہور میں تین بیٹے تھے' جن میں سے دو مارے گئے۔ تیسرے کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ کھسرا بن گیا ہے اور اپنارل ہے۔''

ہوف مین نے کہا۔ ''تھری ایس نے بے انتہا دولت کمائی ہے اور نا قابل شکست ہونے کی حیثیت سے خوب شہرت حاصل کی ہے۔ وہ دنیا کی تمام خوشیاں خرید سکتا ہے۔ بس ایک اولاد کہیں سے خرید نہیں سکتا اور وہ ایک قابل فخر اولاد تم سے ہونے والا بیٹا یعقوب ہے۔ ہم اسے اس کی بہت بڑی کمزوری بنا کر رکھیں گے۔ وہ ہمارے سامنے جھکنے اور ریڈ مرکری کا سودا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''میں کل کی فلائٹ سے لندن جاؤں گی۔ آج میرا چہرہ اس طرح تبدیل کرایا جائے کہ بیٹا مجھے پہچان نہ سکے۔ اگر منوہر کے بھیس میں میرا بیٹا ہی ہوگا تو میں اسے پسینے کی مہک سے پہچان لوں گی۔ وہ میرے پاس آ کر سانس لے گا تو سانسوں کی آنچ کہہ دیں گی کہ وہ میری کوکھ سے نکلی ہیں۔''

وہ بیٹے کی دیوانی تھی۔ ایک ہی بیٹا تھا' اس کے لئے ممتا مچلتی رہتی تھی۔ وہ دوسرے ہی دن لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔

اماوس کی دوسری رات آ گئی۔ منوہر ایک اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ اس کا ایک کمرہ خالی کر دیا گیا تھا۔ وہاں سفید چاندنی بچھا دی گئی تھی۔ عود اور عنبر کی خوشبو کمرے میں پھیل رہی تھی۔ منوہر مولانا عبدالہادی کے ساتھ عبادت میں مصروف تھا۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ اس کے ماں باپ ہیم لتا اور ایشور لال ڈرائنگ روم میں بیٹھے تجسس میں مبتلا تھے کہ کیا ہونے والا ہے؟ کیا آج رات اس پر دماغی دورہ پڑے گا؟ وہ پھر سے پاگل ہو جائے گا اور خود کشی کرنے کے لئے چیخنے چلانے لگے گا؟

پوجا بھی اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کی اماوس کی رات کیسے گزرنے والی ہے؟ اس نے کہا تھا۔ ''منوہر! کچھ ایسا کرو کہ میں اس رات تمہارے اپارٹمنٹ میں رہوں۔ تمہارے آس پاس رہ کر معلوم کروں کہ تم خیریت سے ہو یا نہیں؟''

اس نے کہا تھا۔ ''مجھے پورا یقین ہے' جس طرح میرا روحانی علاج ہو رہا ہے اور میں عبادت کر رہا ہوں' نمازیں پڑھ رہا ہوں تو مجھ پر کوئی شیطانی دورہ نہیں پڑے گا۔''

''میں یہی تو دیکھنے کے لئے بے چین ہوں۔''

''دیکھنے کے بعد کیا ہوگا؟ کیا تم اس علاج کو تسلیم کر لوگی' اور اگر تسلیم کر لوگی تو میری زندگی میں آنے سے پہلے' اسی طرح عبادت کرو گی؟''

وہ منوہر کے بازو سے لگ کر بولی۔ ''تمہارے پیار نے مجھے الجھا دیا ہے۔ تم ہندو ہو کر مسلمانوں کا روحانی علاج قبول کر رہے ہو اور اس سے ایک نئی زندگی بھی حاصل کر رہے ہو۔ میں سوچ رہی ہوں' مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''یہی جو میں کر رہا ہوں۔ شادی کے بعد پتنی اپنے پتی کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ اگر وہ نقش قدم اسے بھلائی کے راستے پر لے جا رہا ہے تو ضرور پتی کے خیال اور عقیدے کے مطابق زندگی گزارنا چاہئے۔''

وہ اس ارادے سے منوہر کی زندگی میں آئی تھی کہ اس کی اور اس کے باپ کی کمزوریاں معلوم کر کے اپنے باپ کو سیاسی فائدہ پہنچائے گی۔

اور وہ ایسا کر رہی تھی۔ اس نے اپنے باپ تک یہ خبر پہنچا دی تھی کہ منوہر نیم ہندو' نیم مسلمان ہے۔

لکشمن اگروال خوش ہو گیا تھا۔ آئندہ الیکشن جیتنے کے لئے اپنے مخالف ایشور لال کی بہت بڑی کمزوری ہاتھ آ گئی تھی۔ اگر منوہر ہندوستان جاتا تو وہاں کتنے ہی ہندو اسے نماز پڑھتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔

لیکن وہ انڈیا جانے والا نہیں تھا۔ اس کا باپ ایشور لال وہاں جا کر اپنی کوئی کمزوری اپنی جنتا پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تب لکشمن اگروال نے اپنی بیٹی پوجا سے کہا۔ ''اس کی ایک ہی صورت ہے' جب منوہر نماز پڑھتا ہے۔ اس وقت اس کی چپ چاپ ویڈیو فلم بنائی جائے اور جب آیتیں پڑھے تو اس کی آڈیو ریکارڈنگ کی جائے۔ ہم تمام آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ اپنی جنتا کو دکھائیں گے۔''

منوہر کے انڈیا نہ جانے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے اس کے ادھرمی ہونے کا راز کھلنے والا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایشور لال کا سیاسی کیریر خاک میں ملنے والا تھا۔ بیٹی نے وعدہ کیا تھا کہ منوہر کی ویڈیو اور آڈیو ریکارڈنگ تیار کرے گی۔

لیکن وہ صرف بیٹی نہیں تھی۔ محبوبہ بھی تھی۔ سینے میں دل تھا' دل میں دھڑکنیں تھیں اور وہ دھڑکنیں صرف منوہر کو پکارتی تھیں۔ وہ دوراہے پر تھی۔ جس منوہر کو چاہتی تھی' اس کے باپ کے سیاسی کیریئر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنے باپ کو اس کے مقابلے میں کامیاب اور کامران دیکھنا چاہتی تھی۔

عقل سمجھا رہی تھی' جب منوہر کے سامنے یہ بھید کھلے گا کہ وہ عیسائی پوجا ایڈوانی نہیں' بلکہ ہندو سیاسی لیڈر لکشمن اگروال کی بیٹی ہے اور اب تک اسے دھوکہ دیتی آ رہی ہے تو اپنے محبوب کی نظروں سے گر جائے گی۔ وہ کبھی اسے قبول نہیں کرے گا۔

جوانی میں باپ سے زیادہ محبوب حواس پر چھایا رہتا ہے۔ دل میں صرف عاشق کی حکمرانی رہتی ہے اور وہ منوہر سے بہت متاثر تھی۔ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ سوچ رہی تھی' آئندہ اسے کیا کرنا چاہئے؟ فی الحال یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اماوس کی رات اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

منوہر نے اس کی بے چینی دیکھی تو اسے بڑی رازداری سے اپنے فلیٹ میں لے آیا۔ ماں باپ کو خبر نہیں ہوئی۔ اس نے پوجا کو اپنے بیڈروم میں چھپا دیا۔ پھر جب مغرب کی نماز کے بعد مولانا عبدالہادی تشریف لائے تو وہ ان کے ساتھ عبادت کے کمرے میں آ گیا۔ ایک طرف پوجا بیڈروم میں چھپی ہوئی تھی۔ دوسری طرف ہیم لتا اور ایشور لال ڈرائنگ روم میں پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھنا چاہتے تھے کہ بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

مولانا نے ان سے کہا۔ ''اماوس کی رات آپ کے بیٹے پر بھاری پڑتی ہے۔ آپ دونوں پریشان ہیں۔ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ جا کر غسل کریں۔ سر سے پاؤں تک اچھی طرح پاک صاف ہو کر صاف ستھرا لباس پہن کر عبادت کے کمرے میں آ جائیں۔ ہماری عبادت میں مداخلت نہ کریں تو مجھے آپ کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

انہوں نے یہی کیا۔ نہا دھو کر پاک صاف ہو کر اس کمرے میں آ کر ایک طرف چپ چاپ بیٹھ گئے۔

پوجا نے دبے قدموں آ کر کھڑکی سے دیکھا۔ وہاں فرش پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ کمرے کی محدود فضا میں اگربتی کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ منوہر' مولانا کے ساتھ مصلے پر کھڑا ہوا عشاء کی نماز ادا کر رہا تھا۔ ان کے پیچھے کمرے کے ایک گوشے میں ہیم لتا اور ایشور لال

خاموش بیٹھے انہیں عبادت کرتے دیکھ رہے تھے۔

منوہر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد کلام پاک آیات پڑھنے لگا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو بتایا تھا کہ پچھلی اماوس کی رات کس قدر ہنگامہ ہوا تھا؟ مہا پجاری شیطانی حملے کر رہا تھا اور کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے لرز رہے تھے۔ شیطانی ہوا کے جھونکے دروازہ توڑ کر اندر آنا چاہتے تھے۔ مگر آ نہیں پا رہے تھے۔

ایسے وقت مولانا ہادی منوہر کو سمجھاتے رہے تھے کہ یہ کالے جادو اور شیطان کی گیدڑ بھبکیاں ہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اپنے دماغ میں صرف یہ خیال قائم کرو کہ اس وقت تم خدائے ذوالجلال کے سامنے حاضر ہو۔ اس معبود' اس پروردگار کے سوا کوئی تمہارے آگے پیچھے نہیں ہے۔ صرف وہی وہ ہے۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ہیم لتا اور ایشور لال دیکھ رہے تھے کہ جیسا پچھلی اماوس کی رات ہوا تھا' ویسا کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ بہت ہی سکون تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ آدھی رات کے بعد کچھ ہوگا۔

آدھی رات گزر گئی۔ مولانا بڑی ہی دھیمی آواز میں کلام پاک کی تلاوت کرنے لگے۔ ایک تو عربی الفاظ کا ترنم تھا' اوپر سے ان کا میٹھا لہجہ تھا۔ ان آیات کے معنی اگرچہ پوجا نہیں سمجھ رہی تھی۔ مگر وہ تلاوت اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ اس کے حواس پر ایک عجیب سا سحر طاری ہو رہا تھا۔

اگر انسانی فطرت کو پیش نظر رکھا جائے تو اس وقت پوجا شائد اس لئے کلام پاک کی تلاوت سے متاثر ہو رہی تھی کہ آدھی رات گزرنے کے بعد بھی اس کا منوہر خیر خیریت سے تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس پر شیطانی دورہ نہیں پڑ رہا تھا۔

اس کے ماں باپ ایک گوشے میں بیٹھے تھے۔ ہیم لتا نے اپنے پتی ایشور لال کا ہاتھ تھام لیا۔ وہاں وہ ایک دوسرے سے کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ لیکن لتا کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ ''میرا بیٹا جگ جگ جیوے اور یہ جیئے گا۔ صبح ہونے والی ہے۔ اس پر دورہ نہیں پڑا ہے۔ اس کی بیماری ختم ہو گئی ہے۔ اب یہ کبھی دماغی مریض نہیں رہے گا۔ ہے بھگوان! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو ہمارے بیٹے کے سر سے بلائیں دور کر رہا ہے۔ یہ نیک کام ہمارے پنڈت یا پجاری سے نہیں' ایک مسلمان عالم سے کروا رہا ہے۔ یہ تو ہی جانتا ہے کہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ تیری لیلا ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ تو جو بہتر سمجھ رہا ہے' وہ کر رہا ہے اور جو کر رہا ہے' وہ ہمیں منظور ہے۔ ہم تو اپنے بیٹے کی لمبی زندگی چاہتے ہیں۔

ہمارا بھی ایک بیٹا ہے۔ یہ پوجا کرے' یا نماز پڑھے۔ مگر جیے اور جیتا رہے۔"

ماں باپ کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔ وہ بیٹے کو تک رہے تھے۔ ایشور لال سوچ رہا تھا۔ "یہ کوئی جادو نہیں ہے۔ روحانی علاج ہے' جسے ہم آتما شکتی کہتے ہیں۔ بھگوان سب کا ہے۔ وہ ہمارا بھی ہے' مسلمانوں کا بھی ہے اور خدا سب کا ہے۔ وہ مسلمانوں کا بھی ہے' اور ہمارا بھی ہے۔ اسی لئے تو ہمارے بیٹے کو نئی زندگی دے رہا ہے۔"

پوجا کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔ سر جھکا کر بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے دل ہی دل کہنے لگی۔ "منوہر! میں اپنے اور اپنے باپ کی سیاسی اڑان بھول گئی ہوں۔

عوت صرف محبت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ وہ ایک بار جس کی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر کسی کی نہیں رہتی۔ اس کا جیون' اس کا سارا سنسار صرف اپنے چاہنے والے سے ہوتا ہے۔ میں تمہارے پیار میں بھیگ رہی ہوں۔ تمہارے رنگ میں رنگ رہی ہوں۔ تم ہندو ہو یا مسلمان... مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ آج سے تم جو نہیں ہو' وہ میں نہیں ہوں۔ تم جو ہو' میں بھی وہی ہوں۔"

فجر کی اذان ہوگئی۔ منوہر مولانا کے ساتھ نماز ادا کرنے لگا۔ نماز اور دعا کے بعد وہ پھر سجدے میں گر پڑا۔ خوشی کے مارے روتے ہوئے اللہ اللہ پکارنے لگا۔ اسے تو پہلے ہی یقین تھا کہ علاج ہو چکا ہے' اماوس کی دوسری رات بھی اس پر دورہ نہیں پڑے گا اور وہ واقعی وہ جنون میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ عام صحت مند انسانوں کی طرح بالکل نارمل تھا۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے ذہنی اذیتوں میں مبتلا تھا' ان کی تکلیف وہی جانتا تھا۔ اب ان تکالیف سے نجات ملتے ہی وہ سجدے میں گر پڑا تھا۔ وہاں سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ تڑپ تڑپ کر اللہ کو پکار رہا تھا۔

اس کی حالت دیکھ کر ماں باپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مولانا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے اس کی پشت کو تھپک کر کہا۔ "برداشت سے زیادہ غم ہوں تو اسے برداشت کرو اور برداشت سے زیادہ خوشی ہو تو اسے بھی سمیٹ کر اپنے اندر رکھو۔ یہ خوشیاں' یہ غم آتے جاتے رہتے ہیں۔ صرف ایک نماز ہے' جو ہمیشہ اپنے وقت پر قائم رہتی ہے اور تاقیامت قائم رہے گی۔ اسے کبھی نہ چھوڑنا۔"

وہ سجدے سے اٹھ گیا۔ مولانا اس سے اور ایشور لال سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔ ماں نے آگے بڑھ کر بیٹے کو گلے لگا لیا۔ اسے جذباتی انداز میں چومنے لگی۔ باپ بھی

اپنے بیٹے سے لپٹ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ "بیٹے! یہ تو چمتکار ہو گیا۔ بھگوان نے چاہا تو اب کبھی تم پر دورہ نہیں پڑے گا۔"

منوہر نے پوچھا۔ "کیا آپ اب بھی مجھے نمازیں پڑھنے اور آیات پڑھنے سے منع کریں گے؟"

ماں باپ نے فوراً ہی انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹا نہیں.... ہم آتما شکتی کو مانتے ہیں۔ یہ روحانی علاج ہے۔ اسے جاری رکھو۔"

منوہر کا دھیان پوجا کی طرف تھا۔ اس نے مسکرا کر ماں باپ کو دیکھا پھر کہا۔ "خدا کا شکر ہے' آپ دونوں مان گئے۔ اب اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ میں ابھی اپنے بیڈ روم سے ہو کر آتا ہوں۔"

وہ انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے بیڈ روم میں آیا تو پوجا دوسری طرف منہ کئے کھڑی تھی۔ اس نے مخاطب کیا۔ "پوجا...!"

پوجا نے اسے پلٹ کر دیکھا تو وہ چونک گیا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ رو رہی تھی۔ منوہر سے ملتے ہی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا تھا۔ جیسے شرم سے زمین میں گڑی جا رہی ہو۔

منوہر نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر قریب آ کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟"

اس نے منہ پر سے ہاتھ نہیں ہٹائے۔ روتے ہوئے بولی۔ "میں شرمندہ ہوں۔ تمہارے لائق نہیں ہوں۔ تمہیں دھوکہ دے رہی تھی۔"

"دھوکہ....؟ کیسا دھوکہ....؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ تم سے ایک بہت بڑا سچ چھپا رہی تھی۔ اب تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ "میں پوجا ایڈوانی نہیں ہوں۔ عیسائی نہیں ہوں۔"

یہ چونکا دینے والی' حیران کر دینے والی بات تھی۔ اس نے پوچھا۔ "پھر کون ہو؟"

"میں اپوزیشن پارٹی کے سیاسی نیتا لکشمن اگروال کی بیٹی پوجا اگروال ہوں۔ تمہیں ٹریپ کر رہی تھی۔ تمہارے ذریعے تمہارے باپ کی سیاسی' سماجی اور گھریلو کمزوریاں معلوم کرنا

چاہتی تھی۔ یہاں آتے ہی تمہاری یہ بہت بڑی کمزوری معلوم ہوئی کہ تم ہندو ہو کر نماز پڑھتے ہو اور روحانی علاج کے ذریعے دماغی طور پر صحت مند ہو رہے ہو۔"

وہ چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ بول رہی تھی۔ "آج میں نے اپنی آنکھوں سے تمہارا روحانی علاج ہوتے دیکھا ہے۔ یہ بیان نہیں کر سکتی کہ کس قدر متاثر ہوئی ہوں؟ اپنے جھوٹ اور فریب پر شرمندہ ہو رہی ہوں۔ تمہیں فائدہ پہنچ رہا ہے اور میں یہاں نقصان پہنچانے آئی ہوں۔ مجھے تو شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اب تمہیں شرمندہ نہیں ہونا چاہئے۔ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

اسی لمحے میں منوہر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مولانا عبدالہادی نے سمجھایا تھا کہ کسی بھی نامحرم سے دور رہا کرو۔ جب تک شادی نہ ہو اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔ صرف اپنے بدن کو ہی نہیں، نیت کو بھی پاک رکھا کرو۔

اس نے فوراً ہی پوجا کے شانے پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔ "کیا تم میری اتنی بڑی غلطی کو معاف کر رہے ہو؟"

"تم مجھ سے جھوٹ بول رہی تھیں، نہ بول سکیں۔ دھوکہ دے رہی تھیں، نہ دے سکیں۔ اب سچ بول رہی ہو اور پہلے سے زیادہ میرا اعتماد حاصل کر رہی ہو۔ میں دل سے کہتا ہوں کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرے بھگوان نے تمہیں معاف کیا۔"

وہ خوشی سے جھومتی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی۔ اس نے فوراً ہی اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں پوجا! ہمیں شادی سے پہلے اس طرح ایک دوسرے سے لگنا نہیں چاہئے۔ میں نے پہلے بھی سمجھایا ہے کہ فاصلہ رکھو۔ بھگوان نے چاہا تو ہم جلد ہی شادی کے بندھن میں بندھ جائیں گے۔ آؤ۔ میں اپنے ممی اور ڈیڈی سے تمہیں ملاؤں گا۔"

وہ جانے لگا۔ پھر دروازے پر پلٹ کر اس نے دیکھا۔ وہ پیچھے نہیں آ رہی تھی۔ وہیں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "تمہارے ممی اور ڈیڈی مجھے جانتے ہیں۔ تم مجھے ان سے ملانا چاہتے تھے اور میں اسی لئے کترا رہی تھی کہ وہ دیکھیں گے تو بھید کھل جائے گا کہ میں عیسائی نہیں ہوں۔ ایک سیاسی نیتا کی بیٹی ہوں۔"

"بھید کھلنے دو۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تو تمہیں دل و جان سے قبول

کر رہا ہوں۔ تمہاری سچائی نے مجھے جیت لیا ہے۔ میری زندگی میں تمہارے سوا کبھی کوئی نہیں آئے گی۔"

"مجھے تمہارے پیار پر اور اعتبار پر فخر ہے۔ لیکن تمہارے ڈیڈی مجھے قبول نہیں کریں گے۔ مجھے دیکھتے ہی یہ سمجھ لیں گے کہ میرے ذریعے تمہاری کمزوری اپوزیشن پارٹی والوں کو معلوم ہو گی تو کوئی ایک ہندو بھی انہیں ووٹ نہیں دے گا۔ وہ الیکشن میں ہار جائیں گے۔"

منوہر نے پوچھا۔ "کیا تم میری نمازوں اور روحانی علاج کے بارے میں اپنے ڈیڈی کو بتاؤ گی؟"

وہ سر جھکا کر ہچکاتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے یہ غلطی ہو چکی ہے۔ میں نے تمہاری تبدیلیوں کے متعلق انہیں بتا دیا ہے۔"

وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "اوہ گاڈ! یہ تم نے کیا پوجا...؟"

"یہ بات ابھی صرف ڈیڈی کو معلوم ہے اور صرف انہیں معلوم ہونے سے وہ ہندوستان میں اور ہمارے سیاسی حلقے میں یہ بات پھیلا نہیں سکیں گے۔"

"لیکن اب تو وہ جی جان سے سر توڑ کوشش کریں گے۔ اس بات کو پورے سیاسی حلقے میں پھیلائیں گے۔"

وہ بولی۔ "جب تک کوئی تمہیں نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھے گا، تب تک یقین نہیں کرے گا۔ ڈیڈی نے مشورہ دیا ہے کہ جب تم نمازیں پڑھتے ہو تو تمہاری ویڈیو فلم چپ چاپ تیار کروں اور آیتیں پڑھتے رہو تو آڈیو کیسٹ تیار کروں۔ اس طرح وہ الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے تمہیں آیات پڑھتے ہوئے سنائیں گے اور تمہیں نماز پڑھتے دکھائیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "تمہارے ڈیڈی بہت زبردست پلاننگ کر رہے ہیں۔"

"مگر میں نے نہ تو تمہاری آڈیو، ویڈیو تیار کی ہے اور نہ ہی کروں گی۔ تم سے دشمنی کروں گی تو اپنے آپ سے کروں گی۔ میں تم سے الگ نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی رہوں گی۔ یوں بھی لڑکیاں شادی کے بعد ماں باپ کو چھوڑ دیتی ہیں۔ میں ابھی سے انہیں چھوڑ دوں گی۔"

وہ بڑے پیار سے اور جذبے سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آئی لو یو پوجا! میں آخری سانسوں تک تمہاری قدر کرتا رہوں گا۔"

ایشور لال کی آواز سنائی دی۔ "اور ہم بھی پوجا کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے رہیں گے۔"

انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں اس کی ممی اور ڈیڈی کھڑے

ہوئے تھے۔ لتا نے پوجا کے پاس آ کر کہا۔ ”تم اچانک لندن کیسے آئی ہو؟ بہرحال اب آ ہی گئی ہو تو سمجھ لو کہ ہمارے دل میں رہو گی۔ ہم نے تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں۔ ہمیں ایسی ہی بہو کی ضرورت ہے جو ہمارے بیٹے کی رازدار بن کر رہے۔“

منوہر نے پوجا کو بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے ماں سے کہا۔ ”ایسا کیوں نہ کریں کہ یہ اپنے ماں باپ کے پاس کبھی واپس ہی نہ جائے اور ایسا کورٹ میرج کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ میں کل ہی اسے اپنی دھرم پتنی بنا لینا چاہتا ہوں۔“

یہ طے ہو گیا۔ دوسرے دن ایشور لال اپنی سیاست سے ہیم لتا اپنے بیٹے کی مسرت سے اور بیٹا اپنی محبت سے نہ ٹوٹنے والے بندھن میں پوجا کو باندھ لینے والے تھے۔

☆☆☆

دوسرے دن بہت کچھ ہونے والا تھا۔

دوسرے دن محالہ اپنے بیٹے یعقوب کو ٹریپ کرنے کے لئے لندن پہنچ گئی۔ محالہ اور میسونی تنظیم کے جاسوس بھی منوہر کو یعقوب سمجھ رہے تھے۔ اس غلط فہمی کے باعث ہونی انہونی ہونے والی تھی۔ جو نہیں ہونے والا تھا، وہ پیش آنے والا تھا۔ بہرحال [illegible] اسے آگے چل کر بیان کروں گا۔

دوسرے دن میں ندا کے ساتھ مورشش پہنچ گیا۔ جانثاروں نے وہاں ہماری رہائش کا انتظام کیا تھا۔ امیر خیری کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹ میرے سامنے لا کر رکھے گئے۔ ان کے ذریعے میں امیر خیری کو اسکرین پر چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور بولتے ہوئے دیکھ بھی سکتا اور سن بھی سکتا تھا اور اس کی صحیح نقالی کر سکتا تھا۔

بہرحال میں اپنا ذکر بھی آگے چل کر کروں گا۔

دوسرے دن ارجن ورما کے گھر سے صنم اغواء ہونے والی تھی۔ اسے رازداری سے بتا دیا گیا تھا اور وہ اغواء ہونے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی۔

موساد کے اعلیٰ افسران اپنی ٹھوس پلاننگ پر عمل کر رہے تھے۔ اپنی ایک بہترین بہروپیا عورت اور ایک بہروپیا جاسوس کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے رنجنا اور ارجن ورما بنا رہے تھے۔

وہ اپنی پلاننگ کے مطابق رنجنا کو یعنی صنم کو اور ارجن ورما کو بڑی رازداری سے قتل کرنے کے بعد ان کی جگہ اپنے بہروپیے جاسوسوں کو اٹلی بھیجنے والے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ میرا تعلق نامان سے اور اس کی والدہ رائنا سے ہے۔ وہ نامان کے محل میں جا کر مجھ تک پہنچنے کی

کوششیں کرنے والے تھے۔

ایک جانثار نے ارجن ورما کو بھی رازداری سے یہ سمجھا دیا تھا کہ جب صنم کو اغواء کر لیا جائے گا تو وہ اٹلی جانے سے انکار کر دے گا، یہ کہے گا کہ جب تک اغواء کرنے والے اس کی بیوی رنجنا کو واپس نہیں کریں گے۔ تب تک وہ انڈیا سے نہیں جائے گا۔

اس طرح موساد والوں کی پلاننگ دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اس کے بہروپیے جاسوس رنجنا اور ارجن کے بھیس میں نہ اٹلی جا سکیں گے۔ نہ وہ رنجنا کو یعنی صنم کو اور ارجن کو رازداری سے قتل کر سکیں گے۔

ارجن کی بہن شکنتلا نے دعوت دی تھی۔ اس کے دیور کی شادی تھی۔ ہنسنے بولنے اور ناچنے گانے کا پروگرام تھا۔ صنم خوب بن سنور کر ارجن کے ساتھ اس تقریب میں گئی۔ موساد کے جاسوس ان دونوں کی نگرانی کرتے رہتے تھے اور ہمارے جانثار ان جاسوسی کرنے والوں کی جاسوسی کرتے آ رہے تھے۔

جہاں شادی کی تقریب تھی۔ وہاں روشنی کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ رنگ برنگے قمقمے جل بجھ رہے تھے۔ اسپیکر کے ذریعے گانے کا شور دور تک گونج رہا تھا۔ ایسی بھیڑ، ایسی ہلچل اور ایسی روشنی میں کسی کو اغواء نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن واردات کرنے والے اپنا کام کر ہی جاتے ہیں۔

اچانک ہی روشنی کا سیلاب تھم گیا۔ ایکدم سے تاریکی چھا گئی۔ کسی نے مین سوئچ آف کر دیا تھا۔

ایسے ہی وقت صنم کے دائیں بائیں دو افراد آئے۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر سرگوشی میں کہا۔ ”میڈم! آپ چیخنا چلانا شروع کریں اور ہمارے ساتھ چلتی رہیں۔“

وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے چیخنے لگی۔ ”بچاؤ بچاؤ مجھے بچاؤ۔ یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے چھوڑ دو..... چھوڑ دو مجھے.....“

وہ چیختے چیختے ایسے چپ ہو گئی، جیسے منہ بند کر دیا گیا ہو۔ جبکہ ایسا نہیں کیا گیا تھا۔ اسے ساتھ لے جانے والے تاریکی میں کبھی کبھی ٹارچ روشن کرتے تھے۔ پھر بجھا دیتے تھے۔ اس طرح وہ ان کے ساتھ کبھی چلتی ہوئی، کبھی دوڑتی ہوئی لگن منڈپ سے باہر آ گئی۔

وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ ایک بڑی سی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ گاڑی وہاں سے جانے لگی۔ اس کے اندر روشنی ہو گئی۔ اس نے دیکھا، آگے پیچھے کی سیٹوں پر دو دو جانثار بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے پاس ایک خاتون تھی۔ وہ بولی۔

"بیٹی! تمہارے چہرے پر عارضی تبدیلی لانی ہے۔"

اس خاتون کو میک اپ میں مہارت حاصل تھی۔ وہ اس کے چہرے پر تبدیلیاں لانے لگی۔ ایک جانثار نے کہا۔ "آپ کا پاسپورٹ اور ویزا تیار ہے۔ اسی کی مناسبت سے چہرے میں تھوڑی سی تبدیلی لائی جا رہی ہے۔ یعقوب بابا ائیر پورٹ پر انتظار کر رہے ہیں۔ وہ بھی آپ کے ساتھ جانے والے ہیں۔"

صنم کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ جانثاروں نے بھاری رشوتیں دے کر صنم اور یعقوب کے پاسپورٹ تیار کروائے تھے اور ویزا بھی حاصل کیا تھا۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ صنم کو اغوا کیا جائے گا تو موساد اور انٹیلی جنس والے یہ نہیں سوچیں گے کہ اغوا ہونے والی جلد ہی ہوائی جہاز کے ذریعے کہیں جا سکتی ہے۔

موساد اور انٹیلی جنس والے یہ دیکھ رہے تھے کہ رنجنا اور ارجن ورما کی درخواست ویزا کے لئے سفارت خانے پہنچی تھی۔ وہاں سے موساد والوں کے پاس آگئی تھی۔ لہٰذا جب تک ویزا جاری نہ ہوتا' ان دونوں میں سے کوئی فضائی یا بحری راستے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔

اور واقعی انہوں نے یہی سمجھا۔ جیسے ہی اطلاع ملی کہ رنجنا کو اغوا کیا گیا ہے تو انہوں نے راستوں کی اور ہائی وے کی ناکہ بندی کرادی اور جب تک رکاوٹیں پیدا کی گئیں' تب تک وہ ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے تک عارضی میک اپ ہو چکا تھا۔ پاسپورٹ کی تصویر کے مطابق اس کی صورت ذرا سی تبدیل ہو گئی تھی۔ یعقوب اس کا منتظر تھا۔ آدھے گھنٹے بعد جہاز روانہ ہونے والا تھا۔ وہ دونوں بورڈنگ کارڈ لینے کے لئے اندر چلے گئے۔

میرے جانثار ہمہ وقت مشین کی طرح حرکت میں رہتے تھے۔ ہنگامی حالت میں کام نکالنا ہو تو ڈالرز کی مار مارتے تھے۔ ڈالرز سے کام نہ بنے تو گولی مار دیتے تھے۔

ارجن ورما جانتا تھا کہ صنم خوشی سے گئی ہے۔ اس کے جانے کے بعد ڈرامہ پلے کرنا ضروری تھا۔ اس لئے وہ چیخ رہا تھا' چلا رہا تھا۔ اپنی دھرم پتنی کے اغوا ہونے پر ہائے ہائے کر رہا تھا۔ موساد والے اسے اٹھا کر اپنی بلڈنگ میں لے آئے۔ اعلیٰ افسر نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "وہ اغوا کیسے ہو گئی؟"

ارجن نے کہا۔ "یہ تو اغوا کرنے والے بتائیں گے کہ کیسے ہوئی؟ میں نے تو اتنا دیکھا تھا کہ گھپ اندھیرا ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے دور عورتوں میں تھی۔ وہیں سے اس کے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی تھی۔ میں اسے آوازیں دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ مگر اندھیرے میں عورتوں اور مردوں سے ٹکرا رہا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے پر گرتے پڑتے جا رہے تھے۔ بعد میں پتہ چلا' کسی نے مین سوئچ آف کر دیا تھا۔ جب وہ آن ہوا اور روشنی ہوئی تو میری رنجنا وہاں نہیں تھی۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر روتے ہوئے بولا۔ "ہائے رنجنا تم کہاں ہو؟ وہاں کتنے ہی سیکورٹی گارڈز تھے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وہ اغوا کرنے والے دیدہ دلیر تھے۔ وہ سینکڑوں مردوں اور عورتوں کے درمیان سے میری بیوی کو اٹھا کر لے گئے۔"

"ہم یہی تو معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیوں اٹھا کر لے گئے؟"

"آپ انہیں پکڑ کر لائیں گے تو میں پوچھوں گا۔ آخر میری پتنی میں کیا خاص بات تھی جو اسے اٹھا کر لے گئے؟ وہاں تو اور بھی کتنی ہی حسین عورتیں تھیں۔"

ایک جاسوس نے پوچھا۔ "کیا تمہاری پتنی نے قیمتی سونے کے زیورات پہنے تھے؟"

"ہاں۔ پہنے تھے۔ لیکن وہاں کتنی ہی عورتوں نے میری بیوی سے بھی زیادہ بھاری بھرکم گہنے پہنے ہوئے تھے۔ ان اندھوں کو وہ عورتیں نظر نہیں آئیں' صرف میری بیوی ہی کیوں نظر آئی؟"

ایک افسر نے کہا۔ "وہ منسٹر ایشور لال کی بیٹی ہے۔ ایک منسٹر سے بھاری رقم وصول کرنے کے لئے اسے اغوا کیا گیا ہے۔ ہمیں انتظار کرنا ہوگا' وہ رقم کا مطالبہ کرنے کے لئے ضرور فون کریں گے۔"

ارجن نے کہا۔ "ہائے میری رنجنا۔ پتہ نہیں' وہ کب فون کریں گے؟ کب اسے واپس کریں گے؟ میں اٹلی کب جاؤں گا؟ اس کے بغیر تو کبھی نہیں جاؤں گا۔"

اس بات نے افسران کو چونکا دیا۔ رنجنا کی واپسی ضروری ہو گئی تھی۔ اگر اغوا کرنے والوں سے اسے حاصل نہ کیا جاتا تو وہ اپنے بہروپیوں کو رنجنا اور ارجن بنا کر نہ تو نامان کے محل میں بھیج سکتے تھے اور نہ ہی وہاں سے میرے متعلق معلومات حاصل کر سکتے تھے۔

افسر نے ارجن کو تسلی دی۔ "فکر نہ کرو۔ ہم جلد سے جلد رنجنا کو واپس لائیں گے۔"

موساد والے مشکل میں پڑ گئے تھے۔ ان کی پلاننگ تھی کہ اپنے بہروپیے جاسوسوں کو اٹلی بھیجنے سے پہلے رنجنا اور ارجن کو ہلاک کر دیں گے۔ ان کی لاشیں چھپا دیں گے۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ وہ مر چکے ہیں۔ سب ہی ان بہروپیوں کو ارجن اور رنجنا سمجھتے رہیں گے۔

ایک جاسوس نے اعلیٰ افسر سے کہا۔ "سر! ہمیں اس پہلو سے سوچنا چاہئے کہ رنجنا کو تھری ایس کے آدمی بھی اغوا کر سکتے ہیں۔"

وہ چند افسران دوسرے کمرے میں آ کر آپس میں بولنے لگے۔ ایک نے پوچھا۔

''تھری ایس کے آدمی رنجنا کو کیوں اغوا کریں گے؟''

جاسوس نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے' اس ارجن نے وہاں کوئی گڑبڑ کی ہو اور وہ لوگ سزا دینے کے لئے اس کی پتنی کو اٹھا کر لے گئے ہوں۔''

''اگر ارجن وہاں کوئی گڑبڑ کر کے آتا تو تھری ایس کے آدمی اسے کبھی زندہ نہ چھوڑتے۔ مار ڈالتے۔''

''ہوسکتا ہے' ارجن کو مار ڈالنے میں ان کو نقصان ہو۔ اسے زندہ رکھ کر صرف سزا دینا چاہتے ہوں۔ اب اس کی بیوی کی ایسی کی تیسی کرتے رہیں گے اور وہ دماغی صدمہ اٹھاتا رہے گا۔''

ایک اعلیٰ افسر نے کچھ سوچتے ہوئے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہوں۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ ہمیں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اگر تھری ایس کے آدمیوں نے رنجنا کو اغوا کیا ہے تو اب ہم اس کی ڈمی وہاں نہیں بھیج سکیں گے۔ ہماری جاسوس لڑکی رنجنا بن کر وہاں جائے گی تو بھید کھل جائے گا۔ وہ بولیں گے' ایک رنجنا کو تو ہم نے اغوا کیا ہے۔ یہ دوسری کہاں سے آگئی؟''

''بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد معلوم کرنا ہوگا کہ رنجنا کو کس نے اغوا کیا ہے اور کیوں کیا ہے؟''

میری بہو صنم کے گم ہو جانے سے یعنی رنجنا کے اغوا ہونے سے موساد والوں کی ساری پلاننگ چوپٹ ہوگئی تھی۔ انہوں نے بڑی محنت سے پلاسٹک سرجری کے ذریعے رنجنا اور ارجن کی ڈمی تیار کی تھیں۔ اب وہ ڈمی بننے والے بہروپئے کسی کام نہیں آسکتے تھے۔ ان کی تمام محنت' تمام سرمایہ ضائع ہوگیا تھا۔

بوڑھے جاسوس نے کہا۔ ''ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ ارجن کی جگہ ہمارا بہروپیا جائے گا۔''

اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ ''ہمارا بہروپیا وہاں جا کر یہ کیسے معلوم کرے گا کہ ارجن کے کوڈ ورڈز اور دوسرے خفیہ معاملات کیا ہیں؟''

''ہمارا بہروپیا ظاہر کرے گا کہ اس کی بیوی رنجنا کے اغوا ہونے کے باعث اسے دماغی صدمہ پہنچا ہے۔ اس کی یادداشت کمزور ہوگئی ہے۔ بعض معاملات کو تو وہ بالکل بھول ہی گیا ہے۔ انڈیا میں اپنی مغویہ بیوی کی یادیں ستاتی رہتی تھیں۔ اس لئے وہ اٹلی آگیا ہے۔ یہ امید لے کر آیا ہے کہ گاڈ فادر تامان اس کا دماغی علاج کرائے گا اور اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے گا۔''

دوسرے افسران نے اس بات کی تائید کی۔ ان کا بہروپیا ارجن ورما وہاں ایک نیم

دماغی مریض کی طرح رہ سکتا تھا اور ابنارمل رہ کر میرے متعلق بہت سی معلومات حاصل کرسکتا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن محالہ اپنے منصوبے کے مطابق لندن آگئی۔ اس کے ماتحت دور ہی دور سے منوہر کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''وہ اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں ہے۔''

وہ بولی۔ ''میں اسے دور سے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ کہاں ہوگا؟''

ایک ماتحت نے کہا۔ ''آج اس نے ایک لڑکی پوجا کے ساتھ کورٹ میرج کی ہے۔ ابھی وہ پوجا اور اپنے والدین کے ساتھ گھوم پھر رہا ہے۔ تفریح کر رہا ہے۔ آخری بار ہم نے اسے ایک ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔ شائد ابھی وہیں ہوگا۔''

اس نے حکم دیا۔ ''معلوم کرو' وہ کہاں ہے؟''

ماتحت نے فون کے ذریعے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کیا پھر کہا۔ ''میڈم یہاں آگئی ہیں۔ منوہر کے متعلق رپورٹ دو۔''

اس نے بتایا۔ ''وہ شیرٹن ہوٹل میں ہے۔ اپنی وائف اور ماں باپ کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف ہے۔''

وہ کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کا ماتحت ڈرائیو کرتا ہوا شیرٹن کی طرف جانے لگا۔ وہ یہ سن کر خوش ہو رہی تھی کہ اس کے بیٹے نے کسی لڑکی سے محبت کی ہے اور آج اس سے کورٹ میرج بھی کی ہے۔ وہ اپنی بہو کو دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔

اس نے فون کے ذریعے اپنے دوسرے ماتحتوں سے پوچھا۔ ''تم لوگ کہاں ہو؟''

جواب ملا۔ ''ہم آپ کے ساتھ ہی ہیں۔ میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ آپ کے پیچھے آرہا ہوں اور ہمارے باقی ساتھی آپ سے پہلے شیرٹن پہنچ جائیں گے۔''

محالہ نے کہا۔ ''تم لوگوں کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اگر میں نے اسے پہچان لیا اور وہ میرا بیٹا ہی ہوگا تو صرف اسے نہیں اس کے ساتھ میری بہو کو بھی اغوا کیا جائے گا۔''

''آپ مطمئن رہیں۔ ہم تمام تیاریاں کر چکے ہیں۔ منوہر کے ڈرائیور کو دس ہزار پاؤنڈز میں خرید لیا ہے۔ ہم جدھر چاہیں گے' وہ ڈرائیور اُدھر اسٹیرنگ موڑ دے گا۔''

منوہر پوجا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اس ہال میں تھا' جہاں کینڈل لائٹ ڈنر کیا جاتا ہے۔ اس کی میز کے قریب ہی ایک میز محالہ کے لئے ریزرو کی گئی تھی۔ وہ ڈائننگ ہال میں

پہنچی تو ذرا مایوسی ہوئی۔ اپنے بیٹے کو دیکھنے اور پہچاننے کے لئے خاطر خواہ روشنی نہیں تھی۔ ہر میز پر موم بتیاں روشن تھیں۔

محالہ نے اپنی میز پر آ کر وہاں سے منوہر کو دیکھا۔ اس کے چہرے کی بناوٹ یعقوب جیسی تھی۔ لیکن ناک نقشہ بیٹے کا نہیں تھا۔ یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ میک اپ کے ذریعے تبدیلی لائی گئی ہے۔

محالہ کا ایک ماتحت بہت ذہین اور تیز طرار تھا۔ وہ اس کی قدر کرتی تھی۔ اس کا نام وکی تھا۔ اس وقت بھی اس نے وکی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا تھا۔ یوں بھی دنیا والوں کو دکھانے کے لئے ساتھی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ورنہ اتنے بڑے ڈائننگ ہال میں وہ تنہا رہتی تو کتنی ہی سوالیہ نظریں اس پر اٹھتی رہتیں۔

وکی نے کہا۔ ''میڈم! اگر وہ آپ کا بیٹا ہے اور منوہر نہیں ہے تو کیا منوہر کے ماں باپ اس سے دھوکہ کھا رہے ہیں؟''

اس نے دور بیٹھے ہوئے منوہر پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ''یقیناً دھوکہ کھا رہے ہیں۔ میں ایک ماں ہو کر اسے سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ قریب سے دیکھوں گی' اس کی باتیں سنوں گی' اس کے لب و لہجے پر غور کروں گی تو شائد پہچان لوں گی۔''

وکی نے کہا۔ ''ابھی وہ منوہر کے لب و لہجے میں بول رہا ہوگا۔ آپ اسے قریب سے سنیں گی' تب بھی اس کی گفتگو سے پہچان نہیں پائیں گی۔''

''میں نے اسے اپنی دھڑکنوں سے لگایا تھا۔ اپنا دودھ پلایا تھا۔ میں اسے پسینے کی مہک سے پہچان سکتی ہوں۔ شائد پہچان لوں گی۔''

''اگر آپ قریب جائیں گی تو کیا وہ آپ کو نہیں پہچانے گا؟''

''یہ اندیشہ ہے۔ وہ پہچان سکتا ہے۔ نہ پہچانے تو اچھا ہے۔ بائی دا وے۔ تم مجھے میک اپ کے بعد کل سے دیکھتے آ رہے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے' بیٹا مجھے پہچان لے گا؟''

وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ میڈم محالہ دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ مگر ایک ذرا سی جھلک ملتی ہے۔ شبہ ہوتا ہے کہ آپ میڈم ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے' بیٹے کو بھی میری جھلک ملے گی۔ وہ مجھ پر شبہ کرے گا۔''

''شبہ کرے گا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ وہ ہمارے قابو میں نہیں آئے گا۔ فوراً ہی جانثاروں کو اطلاع دے گا۔ وہ ناگہانی آفتوں کی طرح یہاں پہنچ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے' اب

بھی دو چار اس کی حفاظت کے لئے یہاں موجود ہوں۔ آخر وہ شہزادہ سلمان سعدی کا بیٹا ہے۔ اسے سیکورٹی کے بغیر تنہا نہیں چھوڑا گیا ہوگا۔''

منوہر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے پوجا کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا۔ وکی نے کہا۔ ''یہ کہیں جا رہے ہیں۔''

محالہ نے کہا۔ ''یہ کھانا چھوڑ کر باہر کہیں نہیں جائیں گے۔ ضرور واش روم کی طرف جا رہے ہیں۔ میں بھی ادھر جاتی ہوں۔''

وکی نے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے' منوہر سے فاصلہ رکھیں۔ وہ یہاں آپ کو نہ پہچانے تو بہتر ہوگا۔ باہر کہیں پہچانے گا تو ہم معاملات سنبھال لیں گے۔''

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں اس سے فاصلہ رکھوں گی۔ مگر بہو سے کلوز ہونے کی کوشش کروں گی۔''

''پلیز۔ ابھی اسے بہو نہ کہیں۔ پوجا ہی سمجھیں۔ بہت زیادہ خود اعتمادی نقصان پہنچاتی ہے۔''

وہ بولی۔ ''تھینک یو۔ تم بہت اچھے مشورے دیتے ہو۔''

وہ وہاں سے جانے لگی۔ پوجا اور منوہر آگے آگے جا رہے تھے۔ پھر منوہر لیڈیز ٹائلٹ سے کچھ دور رک گیا۔ پوجا اندر جانے لگی۔ محالہ منوہر کے پیچھے سے گزرتی ہوئی واش روم میں گئی۔ منوہر سے نظریں بچا کر اس کے قریب سے گزرنے کا مقصد یہ تھا کہ پسینے کی مہک مل جائے۔ اس کے سونگھنے کی حس کسی حد تک تیز تھی۔ وہ ذرا قریب سے بیٹے کو پہچان سکتی تھی۔ لیکن مایوسی ہوئی۔ منوہر کے لباس سے پرفیوم مہک رہا تھا۔ پسینہ کہیں گم ہو گیا تھا۔ یوں بھی وہاں اچھی خاصی سردی تھی۔ ایسے موسم میں پسینے کی مہک کبھی نہیں ملتی۔

وہ واش روم میں آئی۔ پوجا وہاں واش بیسن کے پاس ہاتھ دھو رہی تھی۔ محالہ نے اسے بڑی لگن سے دیکھا۔ جیسے بہو کو دیکھ رہی ہو۔ پھر کہا۔ ''تم بہت خوبصورت ہو۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''تھینک یو۔ تم بھی بہت خوبصورت ہو۔ تمہارے چہرے میں بڑی کشش ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''اب کشش کہاں رہی؟ میں تو بوڑھی ہو رہی ہوں۔''

پوجا نے حیرانی سے کہا۔ ''تم اور بوڑھی۔ تم تو بھرپور جوان دکھائی دے رہی ہو۔''

''نہیں بیٹی! میرا ایک جوان بیٹا ہے۔ سنا ہے' اس نے شادی کی ہے۔ میں اپنی بہو کو

دیکھنے اور اس سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہوں۔ کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے؟"

پوجا نے بڑی خوشی اور فخر سے کہا۔ "آج ہی ہوئی ہے۔"

"اچھا... وہ جو باہر کھڑا ہے' وہ تمہارا شوہر ہے؟"

پوجا نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں وہی میرے جیون ساتھی ہیں' وہی میری زمین ہیں۔ زمین کے بغیر میں کھڑی نہیں رہ سکتی۔ وہی میرے آسمان ہیں۔ میں دعا مانگتی رہتی ہوں کہ آخری سانسوں تک اس آسمان کا سایہ میرے سر پر رہے۔"

"تمہاری باتوں سے لگتا ہے' اسے دل و جان سے چاہتی ہو۔ کیا مسلمان ہو؟"

"نہیں۔ ہم ہندو ہیں۔"

محالہ نے تعجب کا اظہار کیا۔ پھر کہا۔ "اگر تمہارے کہنے کے مطابق جو شخص باہر کھڑا ہے۔ وہ تمہارا شوہر ہے تو پھر وہ مسلمان ہوگا؟"

پوجا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

محالہ نے کہا۔ "میں اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔ انہوں نے تمہارے شوہر کو قریب سے گزرتے ہوئے اسے عربی زبان میں کچھ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔"

پوجا اور پریشان ہو گئی۔ ہاتھ دھونے کے بہانے اس سے کترانے لگی۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "عربی پڑھنے سے کوئی مسلمان نہیں ہو جاتا۔ میرے شوہر کئی زبانیں جانتے ہیں۔ انہیں عربی سیکھنے کا بھی شوق ہے۔ اس لئے وہ اکثر تنہائی میں عربی زبان کا سبق یاد کرتے رہتے ہیں۔"

یہ کہتے ہی وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ پونچھتی ہوئی اس سے کترا کر چلی گئی۔ محالہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی گھبراہٹ اور الجھن نے سمجھا دیا کہ منوہر نام کا ہندو ہے' درپردہ مسلمان ہے اور مسلمان ہے تو پھر اس کا بیٹا یعقوب ہے۔

اس کی ممتا بے چین ہو گئی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی واپس اپنی میز پر آ گئی۔ وکی کو بتانے لگی کہ پوجا سے کیا باتیں ہوئی ہیں اور کیسے بھید کھل رہا ہے کہ منوہر ہندو نہیں' مسلمان ہے۔

وکی نے کہا۔ "آپ کے بیٹے کے متعلق ہمیں جو رپورٹ مل رہی ہے' اس کے مطابق وہ باپ کے سائے میں رہ کر کٹر مسلمان ہو گیا ہے۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہے اور یقیناً عربی زبان بھی سیکھ رہا ہوگا اور اس منوہر کے بھیس میں آپ کا بیٹا ہی ہوگا۔ مگر ذرا صبر کریں۔ صرف موم بتیوں کی روشنی میں بیٹے کو نہ پہچانیں۔ باہر تیز روشنی ہوگی' وہاں اسے دیکھ کر اچھی طرح

سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ یہ ہماری نظروں میں ہے۔ ہم اسے اوجھل ہونے نہیں دیں گے۔"

وہ باتیں کرنے کے دوران منوہر' پوجا اور اس کے ماں باپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی سر گھما کر کبھی کبھی محالہ کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ پوجا نے انہیں بتایا تھا کہ وہ خاتون جو دوسری میز پر بیٹھی ہوئی ہے' اسے منوہر پر شبہ ہو گیا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ اس کے شوہر نے منوہر کو عربی زبان میں کچھ پڑھتے سنا ہے۔

ایشور لال نے پریشان ہو کر کہا۔ "منوہر! یہ تمہاری کیا عادت ہے؟ تم گھر میں ہو یا باہر' ہر جگہ عربی پڑھتے رہتے ہو۔"

وہ بولا۔ "میں ہمیشہ نہیں پڑھتا۔ جب تنہا رہتا ہوں تو اللہ کی پناہ حاصل کرنے کے لئے آیات پڑھنے لگتا ہوں۔ جب یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہی میری دوا ہے اور مجھے شفاء حاصل ہو رہی ہے تو اس دوا کو جاری کیوں نہ رکھوں؟"

نیم کتا نے کہا۔ "ہم تمہیں آیات پڑھنے سے منع نہیں کر رہے ہیں۔ مگر یہ بھی تو سوچو' اسی طرح پڑھتے رہو گے تو بھید کھلتا رہے گا۔"

منوہر نے کہا۔ "میں آپ لوگوں سے بحث نہیں کروں گا۔ کھانا جلدی ختم کریں اور یہاں سے چلیں۔"

محالہ اور وکی نے دیکھا کہ پندرہ منٹ بعد ہی وہ بل ادا کر کے وہاں سے اٹھ رہے تھے۔

محالہ نے کہا۔ "میرے بیٹے نے سمجھ لیا ہے کہ یہاں بھید کھل سکتا ہے۔ اس لئے فوراً ہی اٹھ کر جا رہا ہے۔"

وکی نے فون کے ذریعے دوسرے ماتحتوں کو اطلاع دی کہ منوہر اپنی فیملی کے ساتھ باہر آ رہا ہے۔ اس کی نگرانی جاری رہے۔ اسے کسی بھی حال میں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔

اس نے فون بند کرنے کے بعد محالہ سے کہا۔ "آپ اطمینان سے یہاں کھاتی پیتی رہیں۔ ہمیں منوہر کی رپورٹ ملتی رہے گی۔"

وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔ ذرا تیز روشنی میں اسے دور سے دیکھوں گی۔ اپنی تسلی کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ تیزی سے ادھر جانے لگی۔ منوہر' پوجا اور اپنے والدین کے ساتھ ٹی وی لاؤنج سے

گزر رہا تھا۔ وہاں منسٹر ایشور لال کا ایک شناسا مل گیا تھا۔ اس لئے وہ رک کر اس سے باتیں کرنے لگے۔

محالہ وہاں پہنچ کر منوہر سے فاصلہ رکھتے ہوئے اسے بڑی توجہ سے دیکھنے لگی۔ یعقوب میری طرح قد آور تھا۔ جسمانی طور پر باڈی بلڈر دکھائی دیتا تھا۔

وہ ذرا مایوس ہونے لگی۔ منوہر کا قد کچھ کم تھا۔ وہ اپنے دل کو تسلی دینے لگی کہ بہت دنوں بعد بیٹے کو دیکھ رہی ہے۔ اس لئے کچھ فرق محسوس ہو رہا ہے۔

منوہر اچھا خاصا صحت مند تھا۔ لیکن یعقوب کی طرح اس کا ایسا کسرتی بدن نہیں تھا جیسا کہ باڈی بلڈنگ کے نتیجے میں ہوا کرتا ہے۔ محالہ نے پھر دل کو تسلی دی کہ یعقوب اپنے باپ کے سائے میں رہ کر خوب کھانے پینے اور عیش کرنے لگا ہے۔ اس لئے اس کا بدن پھیل گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد منوہر پھر اپنی فیملی کے ساتھ وہاں سے جانے لگا۔ وہ اس کی چال پر غور کرنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر ٹھٹک گئی۔ مولانا عبدالہادی کسی کام سے وہاں آئے تھے۔ ان کے ساتھ دو شاگرد تھے۔

منوہر انہیں دیکھتے ہی تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے پہنچا پھر ان کے آگے سر جھکا کر اس نے مولانا کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کا ہاتھ چوم کر اپنی پیشانی سے لگایا۔

مولانا اسے دعائیں دے رہے تھے اور وہ بڑی عقیدت سے کچھ بول رہا تھا۔

محالہ بڑی حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور بڑے یقین سے سمجھ رہی تھی کہ یہی اس کا یہودی بیٹا ہے جو باپ کے پاس پہنچ کر مسلمان ہو گیا ہے اور اب ہندو کے بھیس میں رہتا ہے۔ پتہ نہیں یہ باپ بیٹا کیا چکر چلا رہے ہیں اور یہ کیوں ایسی ہندوانہ زندگی گزار رہا ہے؟

مولانا عبدالہادی اس سے رخصت ہو گئے۔ پوجا اور ماں باپ اس کے قریب آئے۔ وہ ان کے ساتھ باہر جاتے ہوئے زیر لب کچھ پڑھنے لگا۔ جب وہ محالہ کے قریب سے گزرا تو اس نے حیرانی سے سنا۔ اس کے پڑھنے کا انداز ایسا تھا' جیسے تلاوت کر رہا ہو۔ صاف سمجھ میں آ رہا تھا' قرآنی آیات پڑھتا جا رہا ہے۔

محالہ کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا۔ دماغ چیخ چیخ کر سمجھا رہا تھا کہ یہ ہندو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ منوہر نہیں ہے۔ اس کا بیٹا یعقوب ہے۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگی۔ پوجا نے ہوٹل سے باہر نکلتے ہوئے منوہر سے اور اپنے سسر سے کہا۔ ”وہ عورت جو واش روم میں ملی تھی اور منوہر کو مسلمان کہہ

رہی تھی' وہ ابھی وزیٹرز لابی میں تھی۔ منوہر کو بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔“

یہ سن کر وہ سب چلتے چلتے رک گئے۔ پلٹ کر ہوٹل کی طرف دیکھنے لگے۔ منوہر نے کہا۔ ”تعجب ہے' وہ ہمارے ساتھ والی میز پر بیٹھی تھی۔ کھانے میں مصروف تھی۔ کیا کھانا چھوڑ کر میری جاسوسی کرنے آئی تھی؟“

ایشور لال نے پریشان ہو کر کہا۔ ”آخر یہ عورت کون ہے؟ تمہارے پیچھے کیوں لگ گئی ہے؟ کیا اپوزیشن پارٹی والوں سے اس کا کوئی تعلق ہے؟“

پوجا نے کہا۔ ”یہ کوئی انگریز عورت ہے۔ ہمارے انڈیا والوں سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“

ایشور لال نے کہا۔ ”انگریزوں نے ہندوستان چھوڑ دیا' لیکن سیاست نہیں چھوڑی۔ آج بھی ہمارے سیاسی لیڈروں سے بڑا گہرا رابطہ رکھتے ہیں۔ اپنی سیاسی ضرورت کے مطابق ہماری راج نیتی میں مداخلت کرتے رہتے ہیں۔“

پوجا نے منوہر سے کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے' تمہارے روحانی علاج کا بھید کھلنے والا ہے۔ پتہ نہیں یہ عورت کون ہے؟ تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے۔ یہ بات اپوزیشن والوں تک پہنچائے گی تو کوئی نہیں مانے گا کہ تم اپنا علاج کر رہے ہو۔ سب ہی ڈنکے کی چوٹ پر کہیں گے کہ مسلمان ہو گئے ہو۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”ہاں۔ ہو گیا ہوں۔ مجھے زندہ رہنا ہے۔ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے اور یہ مجھے روحانی علاج سے مل رہی ہے۔ یہ علاج آخری سانسوں تک جاری رہے گا۔ اب تو میں نمازیں پڑھنے والا مسلمان ہی کہلاؤں گا۔“

ماں باپ اسے فکرمندی سے دیکھنے لگے۔ پوجا کو کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ تو پہلے ہی منوہر سے کہہ چکی تھی کہ جو تم نہیں ہو تو میں نہیں ہوں اور جو تم ہو' میں وہی رہوں گی۔

وہ اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ محالہ نے ڈائننگ ہال میں آ کر وکی کے پاس بیٹھ کر بڑے ہی جوش اور جذبے سے بتایا کہ اس نے اپنے کانوں سے منوہر کو قرآنی آیات پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ وہ منوہر نہیں ہے۔ اس کا بیٹا یعقوب ہے۔

وکی نے پوچھا۔ ”آپ نے اسے روشنی میں اچھی طرح دیکھا ہے۔ کیا وہ قد و قامت میں یعقوب جیسا ہے؟“

اس کا جوش و جذبہ ذرا سرد پڑ گیا۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ”بہت عرصے بعد دیکھا

ہے۔ اس لئے اس کے قد و قامت میں کچھ فرق سا محسوس ہوا ہے۔ لیکن زیادہ فرق نہیں ہے۔ یہ ثبوت تو کھل کر ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' وہ ایک مسلمان عالم سے بڑی عقیدت سے مل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ چوم رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کو پیشانی سے لگا رہا تھا۔ بڑی عقیدت سے کچھ بول رہا تھا اور عربی ایسے پڑھتا جا رہا تھا' جیسے مسلمانوں کی طرح تلاوت کر رہا ہو۔ وکی! میری بات مانو' وہ مسلمان ہے۔ اب شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔''

وکی نے کہا۔ ''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' میرے مشورے پر عمل کرتی رہیں گی اور میرا یہی مشورہ ہے کہ ذرا صبر کریں۔ کل دن کی روشنی میں پھر اسے ایک بار دیکھیں' سمجھیں۔ جب آپ کا دل اور دماغ یہی کہے گا کہ وہ یعقوب ہے تو ہم اسے اپنے خفیہ اڈے میں پہنچا دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کل تک صبر کروں گی۔ لیکن اس کے ساتھ میری بہو کو بھی لایا جائے گا۔''

''جو آپ کہیں گی' وہی ہوگا۔''

وہ پھر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

دوسرے دن دس بجے تک سوتی رہی۔ آنکھ کھلتے ہی اس نے فون کے ذریعے پوچھا۔

''میرے بیٹے کی رپورٹ سناؤ۔''

جواب ملا۔ ''منوہر اپنے اپارٹمنٹ میں ہے۔ کل اس نے شادی کی ہے۔ سہاگ رات گزاری ہے۔ جاگتا رہا ہوگا۔ اس لئے ابھی تک سو رہا ہے۔ جب باہر نکلے گا' کہیں جائے گا تو ہم آپ کو اطلاع دیں گے اور اس پر نظر رکھیں گے۔''

پھر اس نے وکی سے فون پر کہا۔ ''میں شاور لینے جا رہی ہوں۔ ایک گھنٹے بعد یہاں آ جاؤ۔ میرے ساتھ ناشتہ کرو۔ آج میں اپنے بیٹے کو دن کی روشنی میں دیکھوں گی۔''

اگرچہ بیٹے کے لئے ممتا مچل رہی تھی۔ لیکن اسے حاصل کرنے کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ مجھے اس کے ذریعے کمزور بنایا جائے۔ اسے پھر سے یہودی بنا دینے کی اور مار ڈالنے کی دھمکی دی جائے۔ انہیں یقین تھا کہ ایسی دھمکیاں مجھ پر اثر کریں گی۔

یہ حقیقت تھی کہ میرا وہی ایک بیٹا یعقوب سعادت مند' فرمانبردار' ذہین اور حاضر دماغ تھا۔ میری طرح خطرات سے کھیلنا جانتا تھا۔ میں کسی بھی حال میں اس سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ دشمنوں کو اندازہ تھا کہ میں اسے کس قدر دل و جان سے چاہتا ہوں۔ وہی میرا ایک وارث ہے۔ اسی کے ذریعے مجھے کمزور بنایا جا سکتا ہے۔ وہ بڑے ہی منظم طریقے سے میرے بیٹے کو اغوا کرنے پر تل گئے تھے۔

شاید ان کی مرادیں پوری ہونے والی تھیں۔ اسی دن میرا بیٹا میری بہو کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ صنم کو ارجن ورما کے گھر سے نکال کر یعقوب کے ساتھ لندن پہنچایا گیا تھا۔ آئندہ وہ دونوں کچھ عرصے تک لندن' پیرس اور سوئیزرلینڈ میں اچھے دن گزارنے والے تھے۔ اس کے بعد کہیں مستقل رہائش اختیار کرنے کا ارادہ تھا۔

محالہ کو دوپہر دو بجے اطلاع ملی کہ منوہر پوجا کے ساتھ کہیں باہر جا رہا ہے۔ ایک ماتحت نے فون پر کہا۔ ''ہم آپ کو اطلاع دیتے رہیں گے کہ وہ کن راستوں سے' کن علاقوں سے گزر رہے ہیں اور کس مقصد کے لئے کہاں جا رہے ہیں؟''

وہ وکی کے ساتھ اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ وکی نے فون کے ذریعے ماتحتوں سے رابطہ قائم رکھا تھا۔ اسے اطلاع مل رہی تھی کہ وہ دونوں کہاں ہیں؟ ایسی ہی ایک خبر کے مطابق وہ ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر میں پہنچ گئے۔

محالہ نے کہا۔ ''وکی! اس بھاگ دوڑ سے بہتر ہے' منوہر کو اپنے خفیہ اڈے میں پہنچا دو۔ میں وہاں قریب رہ کر اسے دیکھ لوں گی' سمجھ لوں گی۔ اگر وہ میرا بیٹا نہیں ہوگا تو ہم اسے جانے دیں گے۔ کل سے کشمکش میں ہیں کہ وہ ہمارا ہے بھی یا نہیں؟ یہ کشمکش ختم ہو جائے گی۔''

پارکنگ ایریا میں منوہر کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پوجا کے ساتھ شاپنگ کے لئے گیا تھا۔ وکی نے اس کے قریب ہی اپنی کار پارک کی۔ پھر فون پر ماتحتوں کو حکم دیا کہ منوہر اپنی کار کے پاس آئے تو اسے گن پوائنٹ پر اغوا کیا جائے۔ ہم اس کی کار کے پاس ہی ہیں۔ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

وہ انتظار ان کے لئے دردِ سر بن گیا۔ کیونکہ نئے دولہا دلہن تھے۔ جلدی واپس نہیں آ سکتے تھے۔ دولہا اپنی دلہن کو جی بھر کر شاپنگ کرا رہا تھا۔

محالہ اور وکی کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا' پوجا دونوں ہاتھوں میں ڈھیر سارے پیکٹس اٹھائے ہوئے آ رہی تھی۔ دکان کا ملازم بھی بہت سا سامان اٹھائے ہوئے تھا۔ انہوں نے ڈکی کھول کر سامان رکھا پھر پوجا نے ملازم سے کہا۔ ''جاؤ۔ منوہر سے کہو' جلدی آئیں۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔''

وہ چلا گیا۔ پوجا اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اسی وقت دو گن مین پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔ ایک نے اسے نشانے پر رکھ کر کہا۔ ''ذرا بھی منہ سے آواز نکالو گی تو ماری جاؤ گی۔ یہ دیکھ رہی ہو کہ ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔ کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ چیخنے سے

پہلے ہی ماری جاؤ گی۔"

وہ بولی۔"میں چیخنے چلانے کی غلطی نہیں کروں گی۔ مگر یہ تو بتاؤ' تم لوگ کون ہو؟ ہم سے دشمنی کیا ہے؟"

"اپنی سلامتی چاہو اور خاموش بیٹھی رہو۔ ہم تمہیں اور تمہارے شوہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

پوجا اور محالہ دونوں ہی اپنی اپنی کار میں اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے منوہر کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی بہت سے پیکٹس تھے۔ وہ اپنی کار کے قریب آتے ہی ٹھٹک گیا۔ اگلی سیٹ پر پوجا بیٹھی ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر دو اجنبی دکھائی دیئے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا' ایک شخص اس کے پاس آ کر بولا۔"میری جیب کو دیکھو۔ اس میں پستول ہے۔ اُدھر تمہاری بیوی بھی گن پوائنٹ پر ہے۔ ذرا بھی منہ سے آواز نکالو گے تو مارے جاؤ گے۔"

تب منوہر کی سمجھ میں آیا کہ پوجا اسی لئے چپ چاپ بیٹھی ہے کہ وہ سہمی ہوئی ہے۔ کچھ بول نہیں پا رہی ہے۔

منوہر نے پریشان ہو کر پوچھا۔"تم کون ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا۔"جو چاہتے ہیں' وہ بعد میں معلوم ہوگا۔ ابھی تم یہ تمام پیکٹس ڈکی میں رکھو گے۔ پھر اگلی سیٹ پر اپنی وائف کے ساتھ نہیں بیٹھو گے۔ پچھلی سیٹ پر جاؤ گے۔ چلو جلدی کرو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ کار کے پیچھے ڈکی کے پاس آ کر تمام سامان وہاں رکھا۔ محالہ اور وکی اپنی کار کی سیٹ پر بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت ایک سریلی سی آواز فضا میں لہرائی۔"ہائے منوہر! تم یہاں ہو؟"

منوہر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رنجنا (صنم) اس کی طرف آ رہی تھی اور اس کے پیچھے یعقوب تھا۔ اب وہ ارجن ورما کے بہروپ میں نہیں تھا۔ اپنی اصلی صورت کے ساتھ تھا۔ محالہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔"یہ منوہر کو جاننے والی کون کم بخت آ گئی ہے؟"

اس نے سر گھما کر دیکھا تو حیرانی سے اچھل پڑی۔ اسے اپنا بیٹا' اپنا لخت جگر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دبی دبی سی چیخ کے ساتھ بولی۔"وکی! اُدھر دیکھو۔ میرا بیٹا.... او گاڈ! میرا بیٹا تو وہ ہے اور میں منوہر کو یعقوب سمجھ رہی ہوں۔"

وکی نے بھی سر گھما کر ادھر دیکھا۔ حیران ہوا پھر پوچھا۔"اب کیا کریں؟"

"فوراً اپنے آدمیوں کو فون کرو۔ ان سے کہو' وہ جو اس لڑکی کے ساتھ نوجوان ہے' اسے گن پوائنٹ پر رکھ کر اپنی گاڑی میں بٹھائیں اور یہاں سے لے چلیں۔"

وکی نے فون کے ذریعے اپنے ایک ماتحت کو مخاطب کیا۔ وہ ماتحت وہیں نگاہوں کے سامنے منوہر کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ اس نے فون اٹینڈ کرتے ہوئے پوچھا۔"یس سر! کیا حکم ہے؟"

وکی نے کہا۔"وہ لڑکی جو منوہر کی طرف آ رہی ہے' اس کے ساتھ جو نوجوان ہے' اسے گن پوائنٹ پر رکھو اور گاڑی میں بٹھا کر لے چلو۔"

ادھر منوہر نے رنجنا کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ گن پوائنٹ پر ہے۔ رنجنا کو یعنی صنم کو اس سے دور رہنا چاہئے۔ اس کے قریب نہیں آنا چاہئے۔

ماتحت نے فون پر کہا۔"سر! ہم اس آنے والے جوان کو گن پوائنٹ پر لے جائیں گے۔ لیکن ابھی جسے نشانے پر رکھا ہے' اس کا کیا کریں؟ ایسے ہی چھوڑ دیں گے تو یہ پولیس کو ہمارے پیچھے لگا دے گا۔ ہمارے ایک ہی آدمی کی گن میں سائیلنسر لگا ہوا ہے اور اس نے پوجا کو نشانے پر رکھا ہے۔ ہم فائر کریں گے اور منوہر کو گولی ماریں گے تو ابھی بھیڑ لگ جائے گی۔"

وکی نے کہا۔"میں گولی مارنے کا حکم نہیں دے رہا ہوں۔ لہٰذا انہیں بھی ساتھ لے چلو اور جو نوجوان اس لڑکی کے ساتھ آیا ہے۔ انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے جاؤ۔"

محالہ کے چار ماتحت تھے۔ دو منوہر اور پوجا کے پاس رہ گئے۔ باقی دو نے یعقوب اور صنم کے پاس آ کر انہیں گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ انہیں بھی یہی دھمکی دی کہ شور مچائیں گے' لوگوں کو مدد کے لئے بلائیں گے تو گولی مار دی جائے گی۔

یعقوب نے اسی وقت ایک ہاتھ اٹھا کر سر کھجایا۔ یہ جانثاروں کے لئے ایک سگنل تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے ساتھ کچھ ہو رہا ہے۔ لہٰذا توجہ دو اور سمجھو کہ کیا ہو رہا ہے؟

وہاں دو جانثار تھے۔ انہیں توجہ سے دیکھنے لگے۔ ایک نے فون کے ذریعے مزید جانثاروں کو وہاں بلایا۔ وہ سب بہت ہی تجربہ کار تھے۔ انہوں نے گھاٹ گھاٹ کر پانی پیا تھا۔ دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ دو افراد یعقوب بابا کو گن پوائنٹ پر رکھ کر انہیں اپنی گاڑی میں بٹھانے لے جا رہے ہیں۔

یعقوب نے تامان کے محل میں رہ کر یہ ٹریننگ حاصل کی تھی کہ خطرے کے وقت مختلف حالات میں کس طرح ری ایکٹ کرنا اور مدد حاصل کرنا چاہئے؟

یعقوب مدد حاصل کر چکا تھا۔ جانثاروں کو سگنل دے چکا تھا۔ اب اس نے گاڑی میں

بیٹھنے سے پہلے، گن مین سے کہا۔ "جسٹ آ منٹ۔ میں نے تم لوگوں سے یہ نہیں پوچھا کہ مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ لیکن یہ میری بیوی ہے۔ اپنے اُس بھائی سے ملنا چاہتی ہے۔ لہٰذا اسے منوہر کے پاس پہنچاؤ۔"

گن مین نے کہا۔ "ہم تمہیں جہاں لے جا رہے ہیں۔ وہاں یہ اپنے بھائی سے مل سکے گی۔"

یعقوب نے کہا۔ "میں تم سے بحث نہیں کر رہا ہوں۔ تم بھی مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔ میری بیوی کو اس کے بھائی کے پاس پہنچا دو۔ ورنہ میں تمہارے ساتھ گاڑی میں نہیں بیٹھوں گا۔ گولی چلانا ہے تو لو چلاؤ۔ مجھے مارو اور خود بھی کتے کی موت مرو۔ فائر کرنے کے بعد زندہ سلامت نہیں جا سکو گے۔ لوگوں کی بھیڑ ہے۔ ہیوی ٹریفک ہے۔ دور پولیس والے بھی نظر آ رہے ہیں۔"

اسے گولی چلانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور یہ جانتا تھا کہ جسے لے جا رہے ہیں، وہ محالہ کا بیٹا ہے۔ وہ اسے نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے مجبور ہو کر اپنے ساتھی سے کہا۔ "اس کی بیوی کو اس منوہر کے پاس لے جاؤ۔"

اس ساتھی نے کہا۔ "اس گاڑی میں زیادہ لوگوں کی گنجائش نہیں ہے۔"

"نہیں ہے تو وہاں سے کسی ایک کو یہاں لے آؤ۔"

یہی کیا گیا۔ صنم ادھر منوہر کی طرف گئی تو پوجا کو یعقوب کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس طرح وہ دو گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں سے جانے لگے۔ ان کے پیچھے محالہ کی گاڑی تھی۔

یعقوب نے انہیں تھوڑی دیر کے لئے الجھا دیا تھا۔ وہاں تھوڑا سا وقت گزرنے دیا تھا۔ تاکہ جانثاروں کی تعداد بڑھ جائے اور وہ پوری طرح مستعد ہو جائیں۔

انہیں یکجا اور متحد ہونے میں دیر نہیں لگی تھی۔ وہ فون کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہوئے مختلف راستوں سے محالہ اور اس کے ماتحتوں کا تعاقب کر رہے تھے۔

انہوں نے یعقوب، صنم، پوجا اور منوہر کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی تھیں تاکہ انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا خفیہ اڈہ کہاں ہے؟ انہیں یہ گمان تھا کہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی وہاں تک پہنچ نہیں پائے گا۔ مگر جانثار پہنچ گئے۔

جب ان کی آنکھوں کی پٹیاں کھولی گئیں تو انہوں نے خود کو ایک بڑے سے ہال میں دیکھا۔ وہاں مختصر سا سامان تھا۔ صوفے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دو ماتحتوں نے انہیں گن

پوائنٹ پر رکھا تھا۔ باقی دو ماتحت باہر پہرہ دینے چلے گئے۔

محالہ ایک کمرے میں آئینے کے سامنے اپنا میک اپ اتار رہی تھی۔ وکی نے ہال میں آ کر کہا۔ "تم سب آرام سے بیٹھو۔ ہم تمہارے جانی دشمن نہیں ہیں۔"

اس نے منوہر اور پوجا سے کہا۔ "ہم نے غلط فہمی کی بنا پر تمہیں اغوا کیا ہے۔ ابھی رہا کر دیں گے۔"

پھر اس نے یعقوب سے کہا۔ "تم ہمارے لئے ضروری ہو۔ کیا یہ بتا سکتے ہو کہ ہم کون ہیں اور تم ہمارے لئے ضروری کیوں ہو؟"

یعقوب نے کہا۔ "ہاں۔ اس چار دیواری کو دیکھتے ہی معلوم ہو گیا کہ تم لوگ کون ہو؟"

وکی نے حیرانی سے کہا۔ "تعجب ہے۔ اس چار دیواری میں ایسی کیا بات ہے، جسے دیکھ کر ہمیں پہچاننے کا دعویٰ کر رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "یہ میسونی تنظیم کا سیکرٹ ہاؤس ہے۔ یہ تم نہیں جانتے، میری ماما جانتی ہیں۔ راڈ مین اور دوسرے کئی پرانے عہدیدار جانتے ہیں کہ میں یہاں اکثر آتا جاتا رہا ہوں۔"

محالہ وہاں آئی۔ پھر تیزی سے اپنے بیٹے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "ماما کی جان! تم ہماری تنظیم کے بہت سے خفیہ معاملات کو بتاتے ہو۔ پہلے ماں کے کلیجے سے لگ جاؤ۔ پھر باتیں ہوں گی۔"

وہ آگے بڑھ کر ماں سے لپٹ گیا۔ اسے پیار کرنے لگا۔ محالہ نے کہا۔ "تم ماں کو بھول گئے تھے۔ مگر ماں بھلا کیسے بھول سکتی ہے؟ دیکھو میں نے پھر تمہیں بلا لیا ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "بلانے کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ سمجھتی ہیں کہ میں پاپا کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ جاؤں گا؟"

"تم ماں کو چھوڑ کر باپ کے پاس گئے تھے۔"

"اس لئے گیا تھا کہ آپ ان کے ساتھ نہیں رہتی ہیں۔ آپ میرے لئے دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہیں۔ میں پاپا سے بھی کہتا ہوں کہ جیسی میری ماما ہیں، ویسی کسی کی ماں نہیں ہو گی۔ لیکن آپ اس قابل نہیں ہیں کہ میرے پاپا کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔"

"کیا بکتے ہو؟ تمہارے پاپا اس قابل نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو میں اپنی ساری زندگی ان کے نام کر دیتی۔"

"آپ میرے پاپا کی عظمت کو کبھی تسلیم نہیں کریں گی۔ انہوں نے ماما [illegible]

طرح سزا دی۔ وہ آج زندہ ہو کر بھی مردوں سے بدتر ہے۔ لیکن پاپا نے آپ کے بدن پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہیں ڈالی۔ اسی لئے کہ آپ میری ماں ہیں' مجھے دودھ پلایا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے کیا کیا؟ جب وہ راڈ مین کی قید میں تھے تو آپ نے ان پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔''

''تمہارے پاپا میرے خلاف زہر اُگلتے رہے ہیں اور تم یقین کرتے رہے ہو۔ جبکہ میں ان کی بیماری میں دن رات ان کی خدمت کرتی رہی ہوں۔''

''اور ریڈ مرکری کا راز اگلوانے کی کوششیں کرتی رہیں۔ علاج کے بہانے پاپا کو جو دوائیں دیتی رہیں' وہ انہیں مزید کمزور کرتی رہیں۔''

''تم اپنے باپ کی زبان سے بول رہے ہو۔ اس لئے میں بحث نہیں کروں گی۔''

''کرنی بھی نہیں چاہئے۔ جب آپ نے اپنے بیٹے کو گن پوائنٹ پر اغوا کرایا ہے تو میرے باپ کے ساتھ کیسی کیسی دشمنی کرتی رہی ہوں گی؟ یہ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھے گا۔''

''میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔ تم ماں کی محبت کو کیا سمجھو گے؟ میں نے سوچا' تم سیدھی طرح نہیں آؤ گے۔ اس لئے گن پوائنٹ پر یہاں بلایا ہے۔''

''بہر حال بلا لیا۔ ہم ماں بیٹا مل رہے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا میں اپنے گھر جاؤں گا اور آپ اپنے گھر جائیں گی؟''

''نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو گے اور اب میرے ساتھ رہو گے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ممتا سے مجبور ہو کر مجھے یہاں نہیں بلایا ہے۔ بلکہ پاپا کو کمزور بنانے کے لئے میسونی تنظیم کی پلاننگ کے مطابق اغوا کرایا ہے؟''

''تم اپنی عقل سے جو بھی سمجھو۔ میں ماں ہوں' اپنی محبت سے مجبور ہو کر تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔''

''اور میں گن پوائنٹ پر نہیں جاؤں گا۔ وعدہ کرتا ہوں' کسی دن اچانک آپ سے ملنے آؤں گا۔''

''پھر کسی دن آنے کی بات نہ کرو۔ اب آ ہی گئے ہو تو واپسی کا راستہ بھول جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔''

''میں نہیں جاؤں گا۔ میں مسلمان ہوں۔ یہودیوں کے ماحول میں نہیں رہوں گا۔ آپ کیسی ماں ہیں؟ پاپا کو کمزور بنانے کے لئے میسونی تنظیم کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے بیٹے کو اغوا کرا رہی ہیں؟''

''تم کچھ بھی سمجھو۔ میرے ساتھ شرافت سے چلو۔ ورنہ میرے ماتحت شرافت نہیں دکھائیں گے۔ بے ہوشی کا انجکشن لگائیں گے پھر تمہیں آسانی سے لے جائیں گے۔''

''اگر میں یہاں سے آپ کو پاپا کے پاس لے جاؤں گا تو آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ پہلی بار تو انہوں نے آپ کو معاف کر دیا تھا۔ دوسری بار انجام کیا ہوگا؟''

صنم' پوجا اور منوہر بہت پریشان تھے۔ چپ چاپ بیٹھے ماں بیٹے کی باتیں سن رہے تھے۔ یعقوب کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خوفزدہ نہیں ہے اور نہ ہی خود کو قیدی سمجھ رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ یقین ہے کہ یہاں سے بخیریت واپس چلا جائے گا۔

یعقوب نے ان سے کہا۔ ''پریشان کیوں ہو؟ ہم یہاں قیدی نہیں ہیں۔ ہمیں اغوا نہیں کیا گیا ہے۔ میری یہ ماں بڑی بھولی ہے۔ سمجھتی ہے' شہزادہ سلمان سعدی عرف عمیر بن غازی کے بیٹے کی گردن بہت پتلی ہے۔ ہاتھ میں آ گئی ہے۔ جبکہ ان کی گردن میرے ہاتھ میں ہے۔''

محالہ نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر وکی سے کہا۔ ''اس لڑکے کی غلط فہمی ختم کرو۔ جاؤ اور انجکشن لے کر آؤ۔ جب یہ بیہوش ہو جائے گا تو ان تینوں کی آنکھوں پر پھر سے پٹیاں باندھ کر انہیں کہیں لے جا کر چھوڑ دیا جائے گا۔''

وہاں دو گن مین تھے۔ انہوں نے خاص طور پر یعقوب کو نشانے پر رکھا تھا۔ محالہ نے ان سے کہا۔ ''یہ میرا بیٹا ہے۔ میری جان ہے۔ مگر اس پر کڑی نظر رکھو۔ اس پر سے نظر نہ ہٹاؤ۔ یہ یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ بھی کر گزرے گا۔ خبردار! اسے گولی نہ مارنا۔ مگر ہاں۔ زخمی کر دینا تاکہ بھاگنے کے قابل نہ رہے۔''

یعقوب نے کہا۔ ''ماما! یہ سمجھیں کہ اعلیٰ ظرفی کیا ہوتی ہے؟ میرے پاپا نے بدترین دشمنی کے باوجود آپ کے جسم پر خراش تک نہیں ڈالی اور آپ اپنے بیٹے کے لئے حکم صادر کر رہی ہیں کہ مجھے زخمی کر دیا جائے' یہاں سے بھاگنے یا چلنے پھرنے کے قابل نہ چھوڑا جائے؟ واہ ماما! واہ... کیا ممتا ہے آپ کی؟''

اس نے کلمے کی انگلی اور انگوٹھے کو ریوالور کی شکل بناتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیں! میرے پاس ہتھیار ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا ہے' میں یہاں سے فرار ہونے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ ابھی اس ریوالور سے انہیں گولی ماروں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دونوں گن مین کا باری باری نشانہ لیا اور پھر کہا۔ ''ٹھائیں... ٹھائیں...''

یکبارگی دونوں گن مین اپنی جگہ سے اچھل کر پیچھے گئے۔ پھر فرش پر گر کر تڑپنے لگے۔ ایک کی پیشانی سے اور دوسرے کے سینے سے لہو اُبل رہا تھا۔ محالہ کے دیدے حیرانی سے پھیل گئے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بیٹے کے اس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی' جس کی انگلیوں سے ٹھائیں ٹھائیں کہتے ہوئے گولی چلائی گئی تھی۔

یعقوب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ماما! اپنے پیچھے دیکھیں۔"

اس نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر دو جانثار کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ریوالور میں سائیلنسر لگے تھے۔ انہوں نے وہاں سے گولیاں چلائی تھیں۔

محالہ نے گھوم کر دوسرے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں کا دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ کھلا تھا۔ وکی اس دروازے سے ٹکراتا ہوا آ کر اندر فرش پر گر پڑا تھا۔ اسے بھی گولی لگی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر محالہ کی طرف دیکھا' کچھ کہنا چاہا۔ مگر بے دم سا ہو کر فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔

یعقوب نے کہا۔ "ماما! یہ جانثار باہر سے آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باہر جو آپ کے آدمی تھے' وہ جہنم میں پہنچ گئے ہیں۔ اب بتائیں' آپ کا کیا بنے گا؟"

محالہ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کسی شک و شبے کے بغیر حاصل ہونے والی کامیابی یوں اچانک ہی ناکامی میں بدل جائے گی۔

یعقوب نے کہا۔ "آپ شروع سے ہی پاپا سے دشمنی کرتی آئی ہیں۔ آج بیٹے سے بھی دشمنی کی۔ پہلی بار قیدی بننے کے بعد پاپا نے معاف کر دیا تھا۔ اب دوسری بار کیا وہ معاف کر دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو آپ کو لنگڑی لولی اور کانی بنا کر ہاتھ میں کانسہ دے کر فٹ پاتھ پر بٹھا دیں گے۔ ذرا سوچا کرتی تھیں' آپ کا انجام کیا ہو گا یا کیا ہونا چاہیے؟"

وہ ایک کرسی پر گم صم بیٹھی وکی کے علاوہ دوسرے ماتحتوں کی لاشیں دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ باہر بھی اس کے تمام ماتحت مارے گئے ہیں۔ وہاں جانثاروں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ وہ اس عمارت کے مختلف حصوں میں جا رہے تھے۔ یعقوب انہیں بتا رہا تھا کہ یہاں جو تہہ خانہ ہے' اس کا راستہ کہاں ہے اور وہاں جا کر انہیں کیا کرنا چاہیے؟

محالہ تڑپ کر بیٹے کے پاس آ گئی۔ اسے جھنجوڑتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم اپنے آدمیوں کو تہہ خانے میں جانے سے روکو۔ پلیز' گھر کے بھیدی نہ بنو۔ میں نے تمہیں کٹر یہودی بنانے کے لئے اور صیہونی تنظیم کا وفادار بنانے کے لئے یہاں کے راز بتائے تھے۔ تم یہاں سے

خفیہ دستاویزات نہیں لے جاؤ گے۔"

وہاں فرش کے نیچے ایک وسیع و عریض تہہ خانہ تھا۔ وہ صرف میسونی تنظیم کا ہی نہیں' دنیا کی بیشتر یہودی تنظیموں کا ریکارڈ روم تھا۔ وہاں بہت ہی اہم آڈیو' ویڈیو اور تحریری دستاویزات تھے۔ ان میں بیشتر دستاویزات برطانیہ اور امریکہ کے خلاف تھے۔ جرمنی' فرانس' برطانیہ اور امریکہ' اسرائیل کے زبردست حامی اور اتحادی ہیں۔ اس کے باوجود یہودی ان بڑے مددگار سپر پاور کہلانے والے ملکوں کی بہت سی کمزوریاں اپنے ریکارڈ روم میں چھپا کر رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کے ذریعے انہیں بلیک میل کر کے زیادہ سے زیادہ مالی اور عسکری امداد حاصل کرتے ہیں اور زبردست سیاسی حمایتیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال جانثار وہاں اپنا کام کر رہے تھے۔ اہم دستاویزات نکال کر لے جا رہے تھے۔ یعقوب نے ایک جانثار سے ہتھکڑیاں لیتے ہوئے محالہ سے کہا۔ "ماما! اپنے ہاتھ پیچھے کریں اور یہ ہتھکڑیاں پہن لیں۔"

وہ غصے سے بولی۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ اپنی ماں کی توہین کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

"توہین اس وقت ہو گی' جب میرے ہی جانثار زبردستی آپ کو ہتھکڑیاں پہنائیں گے اور یہاں سے اٹھا کر لے جائیں گے۔ پلیز۔ ایسی نوبت نہ آنے دیں۔"

اس نے ماں کے دونوں ہاتھ پیچھے لا کر ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ اس نے پوچھا۔ "تم کیا کر رہے ہو؟ کیا مجھے کہیں لے جا رہے ہو؟"

"آپ خاموش رہیں۔ صبر اور سکون سے دیکھتی رہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ بیٹا آپ کی طرح آپ سے بدترین دشمنی نہیں کرے گا۔"

وہ ماں کو عمارت سے باہر لے آیا۔ صنم' پوجا اور منوہر کے ساتھ ایک ویگن کار میں بیٹھ گئی۔ دوسری گاڑی میں اس کے جانثار تھے۔ اور بھی کئی جانثار عمارت میں رہ گئے تھے۔ وہاں اپنے طور پر کارروائیاں کر رہے تھے۔ وہ گاڑیاں ڈرائیو کرتے ہوئے اس عمارت سے دور ایک دو منزلہ بنگلے میں آئے۔ بیٹا اپنی ماں کو دوسری منزل کی بالکونی میں لے آیا۔ وہاں سے دور وہ عمارت دکھائی دے رہی تھی' جہاں سے وہ ابھی آئے تھے۔ اس نے ماں کے ایک ہاتھ کی ہتھکڑی کھولی۔ پھر اسے لوہے کی ریلنگ سے پھنسا دیا۔ اس طرح وہ ریلنگ سے بندھ گئی تھی۔ ہل نہیں سکتی تھی' کہیں جا نہیں سکتی تھی۔

پھر اس نے کہا۔ ''ماما! آپ کا ایک ہاتھ آزاد ہے۔ آپ فون کے ذریعے اپنی تنظیم کے سربراہ سے بات کرسکتی ہیں۔ اپنی حالتِ زار بتا سکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے، یہودیوں کا لشکر آپ کی مدد کے لئے یہاں آجائے۔ چلیں کوشش کریں۔''

اس نے ماں کے ہاتھ میں اس کا فون تھما دیا۔ وہ نمبر پنچ کرنے لگی۔ پھر اس نے فون کو کان سے لگایا۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ ''ہیلو مسٹر ہوف مین! میں بول رہی ہوں۔''

یعقوب نے اس کے ہاتھ سے فون چھین کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''اور میں بھی بول رہا ہوں۔ آپ نے میری ماں کی آواز سنی ہے۔ اب بیٹے کی آواز سنیں۔''

ہوف مین نے پوچھا۔ ''کیا تم جے کوب بول رہے ہو؟''

''مجھے جے کوب نہیں، یعقوب بولیں۔ آپ کی یہ دست راست میڈم محالہ مجھے ٹریپ کرکے آپ کے پاس پہنچانے آئی تھیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں ناں.... صیاد اپنے دام میں خود آپ آ گیا...''

وہ ماں کے کان سے فون لگا کر بولا۔ ''اب آپ بولیں۔''

وہ بولی۔ ''مسٹر ہوف مین! میں بری طرح پھنس گئی ہوں۔ ہمارے تمام آدمی مارے گئے ہیں۔ جے کوب نے اپنے جانثاروں کو تہہ خانے کے ریکارڈ روم تک پہنچا دیا ہے۔ ہم بہت بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پلیز فوراً اپنے آدمی بھیجیں۔ میں یہاں سے دیکھ رہی ہوں۔ اس عمارت کے احاطے میں اس کے جانثاروں کی گاڑیاں موجود ہیں۔ وہ وہاں ہیں۔ انہیں گھیرا جاسکتا ہے۔ پلیز جلدی کریں۔''

یعقوب نے فون کو اپنے کان سے لگا کر کہا۔ ''ہاں۔ جلدی کرو۔ ایک بار تم سے پہلے والے سربراہ راڈ مین نے جلدی کی تھی۔ پاپا کو تہہ خانے میں قید کیا تھا۔ آج وہ قید کرنے والا ٹوٹے پھوٹے، پچکے ہوئے کھلونے کی طرح تمہارے پاس پڑا ہے۔ اب تم نے اور ماما نے دوسری بار مجھے ٹریپ کرنے کی غلطی کی ہے۔ اس کی بھی ناقابل برداشت سزا تم لوگوں کو ملے گی.... کم آن جلدی کرو۔ یہ جانثار تمہارے خفیہ اڈے کے ریکارڈ روم سے انتہائی اہم دستاویزات نکال کر لے جارہے ہیں۔ تم چشم زدن میں اندازہ کررہے ہوگے کہ تمہیں کیسا ناقابل برداشت نقصان پہنچ رہا ہے؟ انہیں روکو۔ اپنا لشکر بھیجو۔ جلدی کرو۔''

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہوگیا۔ یعقوب نے کہا۔ ''ماما! تمہارے سربراہ ہوف مین نے رابطہ ختم کردیا ہے۔ کھلبلی پیدا ہوگئی ہے۔ اب وہ اپنا لشکر یہاں بھیج رہا ہوگا۔''

وہ عاجزی سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''بیٹے! تم نادانی کررہے ہو۔ ابھی دودھ پیتے بچے ہو۔ تمہارا باپ تمہیں الو بنا رہا ہے۔ اپنی ماں سے بدظن کررہا ہے۔ انسانی رشتوں کی تمام ہسٹری پڑھ کر دیکھو، سمجھو کہ ماں سے زیادہ اہم اور عظیم ہستی کوئی نہیں ہوتی۔''

''بیشک۔ میں نے پڑھا ہے، سنا ہے اور دیکھا ہے، مائیں اتنی عظیم ہوتی ہیں کہ ان کے سامنے سر جھکتا ہے۔ اگر خدا اجازت دے تو ہم ماں کے آگے سجدہ کریں گے۔ لیکن ہماری شرافت، ہماری تہذیب پوچھتی ہے کہ ایسی ماں کا کیا کریں، جو گن پوائنٹ پر اپنے ہی بیٹے کو اغوا کراتی ہے؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے، جب پیدا ہوا تھا تو گن پوائنٹ پر مجھے دودھ پلایا تھا۔''

''میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ باپ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔''

یعقوب نے فون کے ذریعے جانثاروں کو مخاطب کیا۔ پھر کہا۔ ''فوراً پاپا سے بات کراؤ۔''

انہوں نے دس منٹ کے بعد بیٹے سے کہا۔ ''ہیلو یعقوب! مجھے پل پل کی رپورٹ مل رہی ہے۔ تم ماں کو اس خفیہ اڈے سے دور کسی بنگلے میں لے گئے ہو۔ بیٹے! تمہاری ماں کو اور میسونی تنظیم کو زبردست سزا مل رہی ہے۔ ان کے اہم دستاویزات ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اب وہاں سے نکلو۔ زیادہ دیر نہ کرو۔ محالہ کو جانثاروں کے حوالے کردو۔''

''نو پاپا! یہ جیسی بھی ہیں۔ میری ماں ہیں۔ میں جانتا ہوں، آپ انہیں قیدی بنا کر اس بار معاف نہیں کریں گے۔ راڈ مین کی طرح سزا دیں گے اور میں یہ نہیں چاہتا۔''

''تم باپ کی جان ہو۔ جو چاہو گے، وہ مجھے منظور ہے۔ مگر جو کرنا ہے، فوراً کرو اور وہاں سے نکلو۔''

''آپ فون بند نہ کریں۔ میری ماما سے کچھ بولیں۔''

''بیٹے! میں اس عورت کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ اس سے بات کرنے کو نہ کہو۔''

''پلیز۔ یہ صرف ایک عورت ہی نہیں ہیں۔ میری ماں بھی ہیں۔''

وہ اب بھی ایک بچہ تھا۔ ماں سے زخم کھا کر اس کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اچھا فون اسے دو۔''

اس نے فون کو محالہ کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''کم آن میرے پاپا سے بات کریں۔''

وہ ذرا دیر چپ رہی۔ پھر یکبارگی رونے لگی۔ میں نے کہا۔ ''میں کئی بار یہ مگرمچھ کے آنسو دیکھ چکا ہوں۔ بہت زبردست ڈرامہ پلے کرتی ہو۔ تمہارے آنسو بیٹے کے دل پر ٹپک رہے ہوں گے۔ وہ تمہاری موجودہ حالت پر تڑپ رہا ہوگا۔ جبکہ اس نے خود ہی تمہیں ہتھکڑیاں

پہنائی ہیں۔"

وہ روتے اور سسکتے ہوئے بولی۔ "میرا بیٹا مجھے دے دو۔"

"گن پوائنٹ پر نہ ملا تو آنسو بہا کر مانگ رہی ہو۔ وہ میرے پاس نہیں ہے۔ ابھی تمہارے پاس ہے۔ اسے لے جاؤ۔ نہ جائے تو سمجھو' تم نے ماں کے تقدس کو' اس کی عظمت کو کیسے پامال کیا ہے؟ آج بھی وہ تمہاری عزت کر رہا ہے۔ لیکن وہ دن جلد ہی آئے گا' جب تمہاری ممتا پر تھوک دے گا۔ میں تو تم پر تھوک چکا ہوں۔ فون بیٹے کو دو۔"

محالہ نے فون کو اپنے کان سے ہٹا دیا۔ یعقوب نے کہا۔ "پاپا! میں ماما کو ایک اور موقع دے رہا ہوں۔ یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان کے یہودی رشتے دار آئیں گے اور انہیں یہاں سے لے جائیں گے۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تم وہاں سے فوراً نکلو۔ مجھے معلوم ہے' ابھی کیا ہونے والا ہے۔"

اس نے فون کو یعنی مجھے بوسہ دے کر رابطہ ختم کر دیا۔ جس نمبر پر رابطہ ہوا تھا' اسے مٹا دیا۔ اچانک ہی محالہ خوشی سے اچھل پڑی۔ "وہ آ گئے۔ میری مدد کے لئے آ گئے۔"

یعقوب نے دور اس عمارت کی سمت دیکھا۔ وہاں ایک درجن سے زیادہ گاڑیاں آ گئی تھیں۔ بیشمار مسلح افراد گاڑیوں سے نکل کر اس عمارت کا محاصرہ کر رہے تھے اور بڑے محتاط انداز میں اندر جا رہے تھے۔

محالہ نے کہا۔ "میرا فون دو۔ میں ان سے بولوں گی۔ وہ مجھے یہاں سے لے جائیں گے۔ تم نے اپنے باپ سے کہا ہے کہ مجھے واپس جانے دو گے۔"

اس نے ماں سے کچھ فاصلے پر فون کو فرش پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے جانے کے بعد آپ کو ذرا تکلیف ہو گی۔ لیکن کوشش کرتے کرتے فون تک پہنچ جائیں گی۔"

وہ غصے سے بولی۔ "یہ کیا حرکت ہے؟ فون مجھے دو۔ اب میں تمہاری محتاج نہیں ہوں۔ میرے مددگار آ گئے ہیں۔ وہاں دیکھو! تمہارے جانثاروں کی شامت آ گئی ہے۔ حرام موت مارے جائیں گے۔ ریکارڈ روم سے ایک فائل بھی نہیں لے جا سکیں گے۔"

اس کے بات ختم ہوتے ہی ایک زوردار دل دہلا دینے والا دھماکہ ہوا۔ محالہ نے کانپتے ہوئے دل سے دیکھا۔ خفیہ عمارت کا کچھ حصہ تباہ ہو رہا تھا۔ وہاں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر دوسرا دھماکہ ہوا۔ تیسرے دھماکے کے بعد پوری عمارت آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں آ گئی۔ چند مسلح افراد جان بچانے کے لئے بھاگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ باقی دھماکوں

کی نذر ہو گئے تھے۔

محالہ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ آنکھیں کھول کر نہیں' منہ کھول کر دیکھ رہی ہو۔

"میری بیچاری ماما...!" یعقوب نے ماں کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ "میرا بچپن' میرے دن رات اسی سینے سے لگے رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ باقی عمر بھی اپنی ماں سے لگا رہتا۔"

اس نے ماں کی پیشانی کو چوما۔ پھر اس کے دونوں رخساروں کو چوم کر کہا۔ "پلیز۔ واپس جا کر سوچیں۔ کیا میرے اور پاپا کے ساتھ رہ سکتی ہیں؟ میں روز صبح اٹھ کر ماں کا چہرہ چومنا چاہتا ہوں۔"

اس نے فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ ماں کے پیروں کو چھو کر کہا۔ "یہاں سے جنت کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسے کھولنے کے لئے آپ کو ماں بننا پڑے گا۔ آپ میرے پاپا کی اچھی شریک حیات تو نہ بن سکیں۔ میری اچھی ماں تو بن جائیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے الگ ہو کر اسے دیکھا۔ ماں نے پہلے بیٹے کو پھر تباہ ہونے والی عمارت کو دیکھا۔ وہاں آگ کے شعلے اور دھوئیں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ بیٹے کی بات سے متاثر ہو کر رو رہی تھی یا خفیہ اڈے اور ریکارڈ روم کی تباہی پر آنسو بہا رہی تھی؟ آنسو دوغلے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

بیٹا منہ پھیر کر چلا گیا۔

☆☆☆

لندن جیسے شہر میں جرائم تو ہوتے ہیں۔ لیکن بڑے پیمانے پر دہشت گردی جیسی وارداتیں نہیں ہوتیں۔ ایک طویل مدت کے بعد میسونی تنظیم کی اس عمارت میں بم دھماکے ہوئے تھے۔

لندن سے واشنگٹن اور جاپان تک یہ خبر چشم زدن میں پہنچ گئی تھی۔ خطرناک تنظیموں کے تمام دفاتر میں فون کھڑکھڑا رہے تھے۔ فیکس اور ای میل کے ذریعے معلومات حاصل کی جا رہی تھیں' کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کیا لندن میں دہشت گرد آ گئے ہیں؟ کیا پوری عمارت تباہ ہو گئی ہے؟

کسی شہر میں باغیانہ سیاسی تحریک نہ چل رہی ہو اور وہاں تخریبی کارروائی ہو تو سب حیران رہ جاتے ہیں۔ اس وسیع و عریض عمارت میں ایسے دھماکے ہوئے تھے' جیسے کسی منصوبے

کے تحت حکومت کو ہلا دینے کی کارروائی کی گئی ہو۔

اسکاٹ لینڈ یارڈ کی فورس' سی آئی اے اور انٹرپول کی ٹیمیں وہاں پہنچ گئی تھیں۔ امداد پہنچانے والی جماعتیں ایمبولینس کے ساتھ پہنچ رہی تھیں۔ فائر بریگیڈ والے آگ بجھا رہے تھے۔ زخمیوں کو اور لاشوں کو وہاں سے نکالا جا رہا تھا۔

میسونی تنظیم کا سربراہ ہوف مین اپنے ہیڈ آفس میں بیٹھا ٹی وی اسکرین پر وہ مناظر دیکھ رہا تھا اور فون کے ذریعے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ دھماکہ کسی دہشت گرد تنظیم نے نہیں کیا ہے۔ پچھلے پچیس برسوں سے تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی بڑی خطرناک وارداتیں کرتا آ رہا ہے۔ آج پہلی بار اس کے بیٹے یعقوب سلمان غازی نے ایسے دل دہلا دینے والے دھماکے کئے ہیں۔''

ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا۔ ''میں ٹی وی اسکرین پر رواں رپورٹنگ سن رہا ہوں۔ کیا یہ بتا سکتے ہیں' دھماکے سے پہلے آپ کے کتنے لوگ وہاں تھے؟''

''میں یہاں استنبول میں ہوں۔ یہ نہیں جانتا کہ اس وقت وہاں میرے کتنے ملازمین اور سیکورٹی گارڈز وغیرہ تھے۔ آپ دیکھ رہے ہیں' وہاں سے زخمیوں اور لاشوں کو نکالا جا رہا ہے۔''

''آپ یہ کیسے جانتے ہیں کہ یہ دھماکے یعقوب سلمان غازی نے ہی کئے ہیں؟''

''تھوڑی دیر پہلے یعقوب نے فون پر مجھے چیلنج کیا تھا۔ اس نے اس دھماکے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔''

ہوف مین یہ جھوٹا بیان دے رہا تھا۔ یعقوب نے نہ اس سے رابطہ کیا تھا' نہ دھماکوں کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ ہوف مین اسکاٹ لینڈ یارڈ کے اعلیٰ افسر سے کہہ رہا تھا۔ ''میری دست راست محالہ یعقوب کی ماں ہے۔ وہ بیٹے کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے لندن گئی تھی۔ لیکن بیٹے نے ماں کو کڈنیپ کر لیا۔ اب پتہ نہیں' اس عمارت میں دھماکے کرنے کے بعد وہ ماں کو کہاں لے گیا ہے؟''

محالہ ایک بنگلے کی بالکونی میں تھی۔ ایک ہتھکڑی کے ذریعے ریلنگ سے بندھی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر اس کا موبائل فون فرش پر پڑا تھا۔ یعقوب کے جاتے ہی اس نے اپنے فون تک پہنچنے کی کوششیں شروع کی تھیں۔ وہ ریلنگ کے پاس جھک کر اپنی ایک ٹانگ بڑھا کر فون تک پہنچ سکتی تھی۔

اس نے فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اپنی ایک ٹانگ فون کی طرف بڑھائی پھر پریشان

ہوئی۔ وہ فون اس سے ایک انچ کے فاصلے پر تھا اور اس کی ٹانگ اس سے آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔

وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے ایک پاؤں کا جوتا اتارا' موزے اتارے۔ جوتے کے لانبے فیتے کو پاؤں کے انگوٹھے سے باندھ کر فون کو دیکھا۔ ایک اندازہ لگایا پھر جوتے کو ادھر اچھال دیا۔ وہ جوتا فون کے دوسری طرف جا کر ٹھہر گیا۔

یہ انسان کی فطرت ہے' اس سے کوئی چیز چھین لی جائے تو وہ بڑی چالاکی سے' مکاری سے' کسی بھی تدبیر سے اسے حاصل کر ہی لیتا ہے۔ اس نے انگوٹھے سے بندھے ہوئے فیتے کو اپنی طرف آہستہ آہستہ کھینچا تو جوتا آہستہ آہستہ سرکتا ہوا فون کو اس کے پاس لے آیا۔

اس نے فوراً ہی فون کو اٹھا کر ہوف مین کے نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی دوسری طرف سے ریکارڈنگ سنائی دی۔ ہوف مین کا نمبر بزی تھا۔

وہ جھنجھلا گئی۔ ایک تو بیٹے نے اس کی کامیابیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ماں کو اپنے دام میں لا کر اسے بے دم کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔ فون کا حصول بھی مشکل بنا کر گیا تھا۔ اب کسی طرح وہ فون حاصل ہوا تو ہوف مین کہیں اور مصروف تھا۔ اپنوں سے مدد حاصل نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے اپنی تنظیم کے ایک عہدیدار کو فون پر مخاطب کیا۔ پھر کہا۔ ''ہوف مین سے کہو' فوراً مجھے کال کرے۔ میں مصیبت میں ہوں۔ ہمارے لندن کے ہیڈ آفس کی عمارت تباہ ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں' تھری ایس کے آدمیوں نے وہاں کتنے بم نصب کئے تھے؟ اب تک تین دھماکے ہو چکے ہیں۔''

عہدیدار نے پوچھا۔ ''آپ ابھی کہاں ہیں؟''

''میں اس تباہ ہونے والی عمارت سے دو سو میٹر دور ایک بنگلے کی بالکونی میں کھڑی ہوں۔ میرا بیٹا مجھے لوہے کی ریلنگ سے باندھ کر گیا ہے۔ پلیز۔ مجھے یہاں سے فوراً نکالو۔''

عہدیدار نے کہا۔ ''میں ابھی ہوف مین کو اطلاع دے رہا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے آدمی ابھی آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔''

وہ رابطہ ختم کر کے تباہ ہونے والی عمارت کی طرف دیکھنے لگی۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ فائر بریگیڈ کا عملہ ابھی تک آگ بجھانے میں مصروف تھا۔ عمارت کے جن حصوں میں آگ بجھ گئی تھی۔ وہاں سے زخمیوں کو اور لاشوں کو نکالا جا رہا تھا۔ انہیں ہوسپٹل لے جانے والی کئی ایمبولینس چیختی چنگھاڑتی آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

اسے اپنے بیٹے پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ تلملا رہی تھی۔ دل ہی دل میں قسمیں کھا رہی تھی کہ

پھر اسے کسی نہ کسی طرح ٹریپ کرے گی۔ زنجیروں میں جکڑ کر رکھے گی۔ باپ کے پاس جانے نہیں دے گی۔ دیکھے گی کہ وہ کب تک خودسر اور باغی بن کر رہے گا؟ کب تک باپ کی حمایت کرتا رہے گا؟

وہ تسلیم کرتی تھی کہ بیٹا ماں سے بھی محبت کرتا ہے۔ اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔ اسی نے باپ کے غصے اور غضب سے اسے بچایا تھا۔

دوسری بار بھی اس نے ماں ہو کر مجرمانہ غلطی کی تھی۔ بیٹے کو گن پوائنٹ پر اغواء کرانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنے طور پر مجبور تھی۔ پیار محبت سے اسے بلاتی تو وہ کبھی نہ آتا۔ کئی بار کہہ چکا تھا۔ ''ماما! میرے پاس آجائیں۔ آپ کو اصولاً پاپا کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ہم تینوں کو ایک ساتھ زندگی گزارنی چاہئے۔''

لیکن اسے پیار و محبت سے بھرپور گھریلو ماحول پسند نہیں تھا۔ اس کی گھٹی میں یہودیت پڑی ہوئی تھی۔ اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ پہلے میں نے اسے ٹھکرایا تھا' اب بیٹا نظر انداز کر رہا تھا۔

ہوف مین نے اسے فون پر مخاطب کیا۔ ''ہیلو محالہ! تمہارے بارے میں مختصر سی رپورٹ ملی ہے۔ ہمارے آدمی اس بنگلے کو تلاش کر رہے ہیں' جہاں تم بندھی ہوئی ہے۔ اگر بالکونی میں ہو تو وہاں آس پاس کی کچھ نشانیاں بتاؤ؟''

ایسے ہی وقت اس نے اپنے چند ماتحتوں کو دیکھا۔ وہ ایک جیپ میں تھے اور سامنے ہی گلی سے گزرتے جا رہے تھے۔ وہ اپنا اسکارف لہرا کر چیختے ہوئے بولی۔ ''وہ آگئے ہیں۔ میں انہیں سگنل دے رہی ہوں۔''

آنے والوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب وہ بنگلے کے اندر آ رہے تھے۔ ہوف مین نے فون پر کہا۔ ''تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ وہ تمہیں سلامتی سے لے جائیں گے۔ مجھے بتاؤ' یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ تم تو یعقوب کو ٹریپ کرنے گئی تھیں؟''

وہ اپنی تمام روداد سنانے لگی۔ اس دوران اس کے ماتحت وہاں آ کر ہتھکڑی کھولنے کی کوششیں کرتے رہے۔ پھر اس ہتھکڑی کو کاٹ کر اسے وہاں سے ایک رہائش گاہ میں لے آئے۔ وہ استنبول جانے والی تھی۔ اس کے لئے ایک فلائٹ میں سیٹ او کے ہو گئی تھی۔

اس نے فون پر ہوف مین سے کہا۔ ''یعقوب ابھی لندن میں ہوگا۔ اس سے پہلے کے اسکاٹ لینڈ یارڈ والے اسے گرفتار کریں اور اپنی کسٹڈی میں رکھیں' ہمیں کسی بھی طرح

یعقوب کو بے بس اور کمزور بنا کر یہاں سے لے جانا ہوگا۔ اگر وہ ہاتھ نہیں آئے گا تو پھر پتہ نہیں' اس کا باپ اسے کہاں لے جا کر چھپا دے گا؟''

یعقوب تو ماں کو ہتھکڑی لگا کر سیدھا ایئر پورٹ پہنچ گیا تھا۔ وہاں جاں نثاروں نے سوئٹزر لینڈ جانے والی فلائٹ میں دو سیٹیں او کے کرائی تھیں۔ وہ صنم کے ساتھ ہوا ہو چکا تھا۔

میں نے کہا۔ ''بیٹے! ماں نے تمہیں گن پوائنٹ پر اغواء کرایا۔ کیا تمہیں برا نہیں لگا؟''

''بے شک۔ انہوں نے ماں ہو کر دشمنوں کا انداز اختیار کیا۔ مجھے برا بھی لگا اور دل کو بے حد تکلیف بھی پہنچی۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ انہیں اپنے اور آپ کے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ میری یہ محبت' یہ دستور انہیں پسند نہیں ہے۔ وہ اچھی طرح جانتی ہیں' میں آپ کو چھوڑ کر ان پاس رہنے نہیں جاؤں گا۔ اس لئے انہوں نے مجبور ہو کر ایک دشمنوں جیسا انداز اختیار کیا تھا۔''

''وہ تمہیں جبراً حاصل کرنا چاہتی ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ اپنی ممتا سے مجبور ہے۔ تم اچھی طرح سمجھتے ہو' وہ مجھے کمزور بنانے کے لئے تمہیں اپنی گرفت میں رکھنا چاہتی ہے۔''

''میں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں پاپا!''

''تو پھر تمہیں چاہئے تھا کہ ماں کو ہمارے پاس لے آتے۔ جس طرح وہ تمہیں جبراً اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔ اسی طرح ہم اسے اپنے پاس رکھتے اور یہودی لابی سے بہت دور کر دیتے۔''

''آئندہ کبھی ایسا ہوگا۔ میں انہیں جبراً محبت کا قیدی بنا کر رکھوں گا۔ آپ نے ایک بار انہیں میری خاطر معاف کیا۔ میں نے بھی ممتا کے صدقے انہیں جانے دیا ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں' وہ آپ کی سلامتی نہیں چاہتی ہیں۔ پھر بھی انہیں جانے دیں۔ اللہ پر چھوڑ دیں۔ دیکھیں کہ آئندہ کیا ہوتا ہے؟''

''جو نیک نیتی کو نہیں سمجھتی' میری اور تمہاری محبت کو حرام سمجھتی ہے۔ اس کا انجام بہت برا ہوگا اور اس کے برے انجام کو ایک بیٹے کی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار رہو۔''

''نو پاپا! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' میری ماما کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ میری خاطر معاف کرتے رہیں گے۔''

''بیشک۔ میں نے وعدہ کیا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ وہ اندھیرے میں چلنے والی گولی کی طرح ہمیں آ کر لگے۔''

''ایسا نہیں ہوگا پاپا! آپ میری ماما کو مجھ پر چھوڑ دیں۔ آئندہ وہ ہم باپ بیٹے کو نقصان پہنچانا چاہیں گی تو میں ان سے نمٹ لوں گا۔''

''تم پر تو چھوڑ ہی دیا ہے۔ اسی لئے تو وہ ابھی تک زندہ ہے۔ ماں کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہو۔ اپنی فطری محبت سے مجبور ہو۔ لیکن باپ کی یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ وہ ناگن ہے۔ بیٹے کی آستین میں رہ کر باپ کو ڈس لے گی۔ میں اسے ہلاک کرنے کو نہیں کہتا۔ لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے دل کے قریب رکھنے کے لئے اسے راڈ مین کی طرح بے دست و پا بنا دو۔ جس طرح ایک من پسند پرندے کو پنجرے میں رکھ کر اسے چاہا جاتا ہے۔ اسی طرح ماں کو بستر پر اپاہج بنا کر ڈال دو اور اس سے محبت کرتے رہو۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے یہ طے کر لیا کہ اب ماں کے پیچھے پڑا رہے گا۔ اسے میسونی تنظیم میں سکون سے نہیں رہنے دے گا۔

ہمارے چند جانثار یہودی بن کر میسونی تنظیم میں رہا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ عام کارندوں کی طرح کام کیا کرتے تھے اور کچھ نے ہوف مین اور محالہ کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ ان کے خاص اور قابل اعتماد ماتحت بن کر گھر کے بھیدی کی طرح رہا کرتے تھے۔

یعقوب ان جانثاروں سے رابطے میں رہنے لگا۔ وہ اسے بتانے لگے کہ محالہ استنبول میں کہاں رہتی ہے اور کیسے کیسے معاملات میں مصروف رہا کرتی ہے؟ وہ لندن سے استنبول پہنچنے کے بعد جیسے آہنی قلعے میں پہنچ گئی تھی۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ میں بیٹے کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کا انتقام لینے کے لئے اسے نقصان پہنچاؤں گا۔

وہ پہلے سے زیادہ سخت سیکورٹی میں رہنے لگی تھی۔ ایک ٹی وی چینل کے ذریعے میرے خلاف بیان دے رہی تھی۔ یہ جھوٹ کہہ رہی تھی کہ میں نے اسے گن پوائنٹ پر اغوا کیا تھا اور جبراً میسونی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر والی عمارت میں لے گیا تھا۔

وہ دلی صدمات کا اظہار کرتے ہوئے رونے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''اس ظالم تھری ایس نے میرے بیٹے کو مجھ سے جدا کر دیا ہے۔ بیٹا میرے لئے تڑپتا ہے۔ میرے پاس آ کر رہنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ ظالم اسے دھمکیاں دیتا رہتا ہے کہ ماں کے پاس جائے گا تو اس کے جانثار اسے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔ اس کی ماں کو راڈ مین کی طرح اپاہج بنا دیں گے۔''

راڈ مین کو اس چینل کے ذریعے دکھایا جا رہا تھا۔ دنیا والے دیکھ رہے تھے کہ تھری ایس شہزاد سلمان سعدی نے اس پر کس قدر ظلم کیا ہے؟ درندگی کی انتہا کر دی ہے۔ اس کی ایک آنکھ

نکال لی ہے۔ ایک گردہ نکال لیا ہے اور دونوں ہاتھ کاٹ دیئے ہیں۔

ٹی وی کے ناظرین اسے دیکھ رہے تھے اور مجھے ظالم، درندہ سمجھ رہے تھے۔ یہ حقیقت نہیں جانتے تھے کہ راڈ مین نے مجھے تہہ خانے میں قیدی بنا کر کیسے کیسے مظالم ڈھائے تھے؟ میرے پاس اس کے خلاف کوئی ویڈیو فلم، کوئی ثبوت نہیں تھا۔ میں کسی شک و شبے کے بغیر ظالم درندہ کہلا رہا تھا۔

یعقوب نے ایک جانثار سے رابطہ کیا۔ وہ سیکورٹی گارڈ کے طور پر محالہ کے قریب رہا کرتا تھا۔ اس نے جانثار سے کہا۔ ''میں اپنا یہ فون آن رکھوں گا۔ تم مجھے ماما کے متعلق یہ رپورٹ دیتے رہو کہ وہ ٹی وی اسٹوڈیو سے نکل کر کہاں جائیں گی اور کیا کرتی رہیں گی؟''

یعقوب نے اس فون کو ایک کان سے لگا کر رکھا تھا۔ پھر اس نے دوسرے فون کے ذریعے اپنی ماما سے رابطہ کیا۔ وہ لائیو پروگرام میں ہوف مین اور تنظیم کے دوسرے عہدیداروں کے ساتھ بیٹھی میرے خلاف بیان دے رہی تھی۔ ایسے وقت ناظرین کی فون کالز آ رہی تھیں۔ لوگ سوال کر رہے تھے اور وہ ان کے جوابات دے رہی تھی۔

اسے بیٹے کی کال موصول ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ ''ہیلو آپ کون ہیں؟''

اس نے کہا۔ ''میں آپ کا بیٹا یعقوب سلمان غازی بول رہا ہوں۔ کیا دنیا والوں کے سامنے میرے سوالوں کے جواب دیں گی؟ میری کال جاری رہنے دیں گی یا اسے بند کر دیں گی؟''

محالہ نے پریشان ہو کر ہوف مین کی طرف دیکھا۔ ہوف مین نے کہا۔ ''بیٹے یعقوب! باپ کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بولتا ہے۔ تم ماں کو غلط اور باپ کو درست سمجھتے ہو۔''

محالہ نے کہا۔ ''میں اچھی طرح جانتی ہوں، اس وقت تم اپنے باپ کے پاس کہیں بیٹھے ہو۔ وہ تمہیں جو سکھا رہا ہے، وہی ابھی ہم سے کہو گے۔ بائی دا وے، کیا کہنا چاہتے ہو بولو؟''

اس نے کہا۔ ''میں بائیس برس کا جوان ہوں۔ تعلیم یافتہ ہوں۔ دنیا دیکھ رہا ہوں۔ اچھے اور برے کی تمیز رکھتا ہوں۔ ابھی ہوف مین نے کہا ہے کہ باپ کا جادو میرے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ میں نادان بچہ نہیں ہوں۔ جو سچ ہے، وہی بول رہا ہوں۔ میرے پاپا کو تم لوگوں نے تہہ خانے میں قیدی بنا کر رکھا تھا۔ ان پر جیسے مظالم ڈھائے تھے، اس کی کوئی ویڈیو فلم نہیں ہے۔ ورنہ راڈ مین کی طرح پاپا پر ڈھائے جانے والے مظالم کے مناظر بھی میں ضرور دکھاتا۔''

اس کی فون کال فوراً ہی کاٹ دی گئی۔ محالہ نے ہیلو ہیلو کہتے ہوئے یعقوب کو مخاطب کیا۔ ''میرے بیٹے! تم چپ کیوں ہو گئے؟ بولتے کیوں نہیں؟ ہیلو! باپ کی حمایت میں جتنا

جھوٹ بول سکتے ہو بولو۔ ہم سن رہے ہیں۔ ہیلو یعقوب! ہیلو...!"

پھر ہوف مین نے کہا۔ "نیٹ ورک کی خرابی کے باعث کال ڈراپ ہو گئی ہے۔ جیسے ہی اس سے رابطہ ہوگا' ہم ناظرین کو پھر اس کی باتیں سنائیں گے۔"

انہوں نے بڑی مکاری سے سچائی کا منہ بند کر دیا تھا۔ ٹی وی کے ناظرین تک حقائق کو پہنچنے نہیں دیا تھا۔ یعقوب نے پھر کال کی لیکن اس کال کو آن ایئر آنے نہیں دیا گیا۔

جانثار نے فون کے ذریعے یعقوب کو بتایا کہ اس ٹی وی اسٹوڈیو کے اندر اور باہر اچھی خاصی بھیڑ ہے۔ سیکورٹی کے سخت انتظامات ہیں۔ یہاں ہمارے جانثار بھی موجود ہیں۔

یعقوب نے کہا۔ "کسی جانثار سے رابطہ کراؤ۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔"

اس نے فون کو بند کیا۔ تھوڑی دیر میں ہی کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے بٹن دبا کر کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو کون؟"

جانثار نے کوڈ ورڈز ادا کئے۔ یعقوب نے کہا۔ "تم ٹی وی اسٹیشن کے باہر ہو۔ کیا یہ جانتے ہو کہ میری ماما کس گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے جانے والی ہیں؟"

اس نے کہا۔ "جی ہاں۔ جانتا ہوں۔ وہ بلیک ہنڈا اکارڈ میں آئی ہیں۔ اسی میں بیٹھ کر واپس جانے والی ہیں۔ اس گاڑی کے پیچھے کئی مسلح گارڈز کی گاڑیاں ہوں گی۔"

یعقوب نے کہا۔ "کسی طرح اس گاڑی کو اور کسی ایک اعلیٰ عہدیدار کو ناکارہ بنا دو۔ میں اپنی ماما کے دل و دماغ پر دہشت طاری کرنا چاہتا ہوں۔"

"یس سر! میں ابھی کوشش کرتا ہوں۔"

محالہ' ہوف مین اور دوسرے عہدیدار لائیو پروگرام کے بعد اسٹوڈیو سے باہر آئے۔ بلیک ہنڈا اکارڈ کی طرف جانے لگے۔ پرنٹ میڈیا کے رپورٹرز ان سے سوالات کر رہے تھے۔ وہ جوابات دیتے ہوئے اپنی گاڑی کے پاس پہنچے۔

ایسے وقت ایک عہدیدار اچانک ہی اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ سب نے دیکھا' اس کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا تھا۔ وہاں سے لہو بہہ رہا تھا۔ وہ ذرا دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

ایکدم سے بھگدڑ مچ گئی۔ محالہ اور ہوف مین فوراً ہی کار کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ سائیلنسر لگے ہوئے اسلحہ سے گولی چلائی گئی تھی۔ اس لئے سمت کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ گولی کہاں سے چلائی گئی ہے؟ پھر بھی سیکورٹی گارڈز ادھر ادھر دوڑتے بھاگتے ہوئے قاتل کو تلاش کر رہے تھے۔

وہ دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف اب کوئی گولی نہیں آ سکتی تھی۔ ایسے وقت کالنگ ٹون سنائی دی۔ محالہ نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ بیٹے کی آواز سنائی دی۔ "ماما! آپ میری فون کال کاٹ سکتی ہیں۔ لیکن گولی کا رُخ بدل نہیں سکیں گی۔ بس گولی نے ایک کا کام تمام کیا ہے۔ وہ آپ کی طرف آ سکتی تھی۔"

وہ بولی۔ "بکواس مت کرو۔ میں جانتی ہوں' تم ماں کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔ لیکن یہ کیسی حرکتیں کر رہے ہو؟"

"اب ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ آپ اس کار سے باہر نہ نکلیں۔ کتنے ہی اخباری رپورٹرز ادھر ادھر جا کر چھپ گئے ہیں۔ انہیں بلائیں اور بیان دیں کہ آپ نے میرے پاپا کے خلاف جھوٹی باتیں کی ہیں۔ میرے پاپا مظلوم تھے۔ آپ لوگوں نے ان پر مظالم ڈھائے تھے۔ یہ حقائق بیان کریں گی تو یہاں سے جا سکیں گی۔ ورنہ یہ کار آگے نہیں بڑھے گی۔"

وہ بولی۔ "ہمارے سیکورٹی کے انتظامات اتنے بھی ناقص نہیں ہیں کہ تم مجھے جانے سے روک سکو۔"

اس نے ڈرائیور سے کہا۔ "گاڑی چلاؤ۔ یہاں سے نکل چلو۔"

ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی۔ کار اسٹارٹ کی۔ پھر گیئر بدلے۔ اسی وقت ایک دھماکہ سا ہوا۔ کار کا پہیہ برسٹ ہو گیا تھا۔ سائیلنسر لگے ہوئے اسلحہ سے گولی چلائی گئی تھی۔

اب وہ کار آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ دوبارہ کالنگ ٹون سنائی دی۔ محالہ نے اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "تم بچکانہ حرکتیں کر رہے ہو۔"

"آپ کا بچہ ہوں۔ اگرچہ ایک بچے کی طرح ضد کر رہا ہوں۔ مگر اس میں آپ کی بہتری ہے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو' اپنی باتیں منوا لو گے؟ میں مجبور ہو گئی ہوں؟ ابھی دیکھو! یہاں سے کیسے جاتی ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ ہوف مین کے ساتھ کار کے اندر قیدی بن کر رہ گئی تھی۔ باہر نکل سکتی تھی۔ یہ یقین تھا کہ بیٹا اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہوف مین تھا' اس کی جان کو خطرہ تھا۔

کار کے باہر سختی سے چیکنگ ہو رہی تھی۔ غیر ضروری لوگوں کو وہاں سے ہٹایا جا رہا تھا اور جو ضروری تھے' ان کی جامہ تلاشی ہو رہی تھی۔ یہ شبہ تھا کہ سیکورٹی گارڈز میں کوئی دشمن چھپا ہوا ہے۔

ان کے اسلحہ کو چیک کیا جا رہا تھا۔ اس طرح یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ ابھی دو فائر کس نے کئے ہیں؟

تھوڑی دیر بعد لان کے ایک پودے کے پاس سائیلنسر لگا ہوا ریوالور پایا گیا۔ ہمارے جس جانثار نے اسے استعمال کیا تھا۔ اب وہ گرفت میں نہیں آ سکتا تھا۔ ایک سیکورٹی گارڈ کے طور پر اپنے اسلحہ کے ساتھ ان کے درمیان موجود تھا۔

محالہ بہت ضدی تھی۔ پرنٹ میڈیا کے رپورٹرز کو بلا کر میرے حق میں بیان نہیں دے رہی تھی۔ سیکورٹی بڑھا دی گئی تھی۔ تقریباً پچیس مسلح افراد دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ سب محتاط نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہ یقین تھا کہ ان کے درمیان سے ہی کسی نے گولیاں چلائی تھیں۔

ایک گاڑی بلیک ہنڈ ہارڈ کے پاس آ کر رک گئی۔ ایک درجن مسلح گارڈز نے دونوں گاڑیوں کو گھیر لیا۔ اس طرح محالہ اور ہوف مین ایک گاڑی سے نکل کر دوسری گاڑی میں پہنچ گئے۔ اس کے دروازے بند ہو گئے۔ آگے پیچھے کئی مسلح گارڈز گاڑیوں میں موجود تھے۔ اس طرح وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ان حالات میں پھر چھپ کر گولیاں نہیں چلائی جا سکتی تھیں۔ محالہ بخیریت اپنی رہائش گاہ کی طرف چلی گئی۔ میں نے ایک گھنٹے بعد فون پر یعقوب کو مخاطب کیا۔ پھر ہنستے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا میرے بیٹے! ماں سے نمٹنا کیسا لگا؟''

''کیا بولوں پاپا! ماما بہت ہی ضدی ہیں۔''

''بیٹا! عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ باوا آدم کے زمانے سے کوئی اسے سیدھا نہیں کر پایا۔ اچھا ہے' تمہیں تجربہ ہو رہا ہے۔ ماں کو سیدھا نہ کر سکے تو آئندہ کسی عورت پر بھروسہ نہیں کرو گے۔ ماں ہو' بہن ہو' بیٹی ہو یا بیوی ہو' آخر عورت ہی ہوتی ہے۔ اسے سونے کا نوالہ کھلاؤ مگر شیر کی نظروں سے دیکھو تو وہ بھیگی بلی بنی رہتی ہے۔''

میں نے اسے سمجھایا کہ عورت کو خوب محبتیں دو۔ مگر سر پر نہ چڑھاؤ۔ کبھی اس خوش فہمی میں نہ رہو کہ ٹیڑھی پسلی سیدھی ہو جائے گی۔ لگام ڈال کر رکھنے سے ہی وہ سیدھی رہتی ہے۔

میں نے اپنے طور پر بیٹے کو سمجھا کر رابطہ ختم کر دیا۔

☆☆☆

میرے ذہن میں یہ بات سما گئی کہ میں انگوٹھی اور عصاء کے بغیر ادھورا ہوں۔ یہ چیزیں یہ میرے لئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہیں۔ ان کے بغیر تن کر کھڑا نہیں رہ سکوں گا۔

میں نے بارہا آزمایا تھا' جب تین بیٹوں کی عداوت نے مجھے بیمار لاغر اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا تھا تو میں نے بابر بلا جیسے بدمعاش قاتل سے مقابلہ کیا تھا۔ وہ ایسا شہزور تھا کہ لوہے کی موٹی سلاخوں کو دو ہاتھوں سے موڑ دیتا تھا۔ میں نے کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہونے کے باوجود اس عصاء سے اس کا مقابلہ کیا تھا اور اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

راڈ مین کی قید میں یقین ہو چلا تھا کہ اس تہہ خانے سے میری لاش ہی باہر نکلے گی۔ میں اس قدر نحیف تھا کہ بستر پر کروٹ نہیں لے سکتا تھا۔ اپنے ہاتھ کی کسی انگلی کو ہلکی سی جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔ ایسے وقت نینی نے لا وہ انگوٹھی اور عصاء کو مجھ تک پہنچا کر کمال کر دیا تھا۔ اس انگوٹھی نے میرے اندر بلا کی توانائی بھر دی تھی اور میں عصاء کے ذریعے مسلح دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوا اس تہہ خانے کی قبر سے نکل آیا تھا۔

وہ دونوں چیزیں معجزے دکھاتی تھیں۔ مجھے دکھ بیماریوں سے نجات دلاتی تھیں۔ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے غیر معمولی قوتیں یا صلاحیتیں حاصل ہو جائیں۔ میری غیر معمولی قوتیں شکارگاہ کے تہہ خانے کے ملبے میں تھیں۔ میں بابا سائیں کے غار سے گزر کر انہیں حاصل کر سکتا تھا۔ مگر اپنی گوں نہ گوں مصروفیات کے باعث انہیں نظر انداز کرتا ہوا ان سے دور ہو گیا تھا۔

اب خیال آ رہا تھا کہ ان کے بغیر ادھورا ہوں۔ دشمنوں کی عداوتیں شدت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ دل نے' دماغ نے' حالات نے سمجھایا۔ ندا نے ضد کی۔ ''یہ دو چیزیں آپ کے ساتھ نہیں رہیں گی تو کسی دن' کسی وقت دشمن آپ پر غالب آ جائیں گے۔''

میں بھی تسلیم کر رہا تھا کہ جوانی کی طرف واپسی کی آخری منزل تک پہنچنے کے لئے انگوٹھی اور عصاء لازمی ہیں۔ یہ دو معجزے ساتھ نہ رہے تو شائد میں جوانی کی دہلیز تک پہنچ نہیں پاؤں گا۔

میں ندا کے ساتھ مورشش میں تھا۔ یہ ہمارا معمول ہو گیا تھا کہ ہم اسم اعظم پڑھتے رہتے تھے۔ کھانے' پینے اور سونے کے علاوہ دیگر ضروری کاموں سے جب بھی فارغ ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی ادائیگی کی مشق کرتے رہتے تھے۔

اگرچہ انگوٹھی اور عصاء ندا کو حاصل نہیں کرنا تھا۔ لیکن وہ ہر بہترین عمل میں میرے نقش قدم پر چلتی تھی۔ وہ چیزیں حاصل ہو جاتیں' میں ناقابل شکست ہو جاتا' دکھ بیماریاں کبھی مجھے چھو نے بھی نہ آتیں تو میری بہتری میں اس کی بھی بہتری تھی۔

ابتداء میں اس نے میرا حوصلہ بڑھانے کے لئے اسم اعظم پڑھنا شروع کیا تھا۔ کیونکہ میں بے انتہا مصروفیات کے باعث پوری لگن اور دلجمعی سے پڑھ نہیں پاتا تھا۔ جب ڈوب کر اللہ کا نام ادا کرتا تھا تو کتنے ہی دشمن مسائل مجھ پر دھاوا بولنے لگتے تھے۔

کوئی ایک مسئلہ ہوتو اسے نظر انداز کیا جائے۔ میری زندگی میں تو مسائل یکے بعد دیگرے شور مچاتے چلے آتے تھے۔

تین دشمن بیٹوں کی عداوتوں کے بعد ایک محبت کرنے والا سعادت مند بیٹا یعقوب ہی تھا۔ اسے یہودیوں کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کا مسئلہ تھا۔

سی آئی اے' انٹر پول' ایف بی آئی' راء اور موساد اور دیگر کئی خطرناک تنظیموں کے جاسوس دن رات مجھے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ ان سے خود کو مسلسل چھپائے رکھنے کا مسئلہ تھا۔

میرے پاپا لاپتہ ہو گئے تھے۔ اگر کہیں ہوں گے تو نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں جانثاروں کے ذریعے اپنی ممی ثناء اور ان سے ہونے والے بیٹے صلاح الدین ثانی کو تحفظ فراہم کر رہا تھا۔ یہ مسئلہ تھا کہ وہ دونوں اپنی سلامتی کے لئے کب تک میرے اور جانثاروں کے محتاج رہیں گے؟

ہماری دنیا کے سپر پاورز' دشمن تنظیمیں اور انتہائی خطرناک شاطر سراغ رساں میرے دشمن محض اس لئے تھے کہ میں نے ریڈ مرکری کو کہیں چھپا رکھا تھا۔

یہ اندیشہ نہیں تھا کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اور چالباز شاطر کبھی ریڈ مرکری تک پہنچ پائیں گے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ مسئلہ تھا کہ اس جوہری مادے کو اپنے پاک وطن کے حکمرانوں کے حوالے کروں گا تو نتیجہ کیا ہوگا؟

ڈاکٹر قدیر خان نے بڑی رازداری سے یورینیم حاصل کر کے پاکستان کو ایٹمی قوت بنایا۔ اس کا انجام کیا ہوا؟ اسے ایک گھر کی چار دیواری میں قید کر دیا گیا۔ ہر آنے جانے والے حکمرانوں کو پاکستانی قوم کے مشتعل ہونے کا اندیشہ تھا۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو وہ قدیر خان کو امریکہ کے حوالے کر چکے ہوتے۔

ایسا نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس عظیم ہستی کو حبس بے جا میں رکھ کر نا قدری کے نفسیاتی حربوں سے آہستہ آہستہ مارا جا رہا ہے۔

میں جس دن ریڈ مرکری اپنے کسی حکمران کے حوالے کروں گا' اس دن میری شامت آ جائے گی۔ ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں کی نظروں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جو پاک

وطن کو مضبوط اور ناقابل شکست بنانا چاہتا ہے۔ قابل احترام قدیر خان نے ایسا کرنا چاہا۔ اب زندگی کی آخری سانس تک عمر قید کی سزا بھگتا رہے گا۔

جو زخم ایک محب وطن کھا رہا ہے۔ وہ میں نہیں کھانا چاہتا اور دولت کمانے کے لئے اس جوہری مادے کو کسی ملک کے حوالے بھی نہیں کرنا چاہتا۔ میں پچھلے چوبیس برسوں سے انتظار کرتا رہا کہ کوئی سچا محب وطن سیاستداں آئے گا تو ریڈ مرکری اس کے حوالے کروں گا۔ لیکن پچھلے ساٹھ برسوں سے ہمارے لوگ ایک جیسے سیاستدانوں کو ووٹ دے کر' حکمران بنا کر مہنگائی اور کرپشن کے عذاب سے گزرتے آ رہے ہیں۔

میں نہیں جانتا' کب میرے وطن کی قسمت بدلے گی اور کب محب وطن سیاستداں اس ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گے؟ ہوسکتا ہے' میں نہ رہوں۔ میرا وقت پورا ہو جائے تو پھر ریڈ مرکری کا کیا ہوگا؟

دیکھا جائے تو میں نے وہ جوہری مادہ حاصل کر کے مصیبت مول لی تھی۔ اس دنیا کو تباہ کرنے والے تمام دشمنوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ چوبیس برسوں سے دن رات کا سکون برباد کرتا آ رہا تھا۔ مجھے اس جوہری مادے سے ایک پیسے کا بھی فائدہ نہیں تھا۔ اب اندیشہ یہ تھا کہ میری غفلت یا کسی کمزوری سے یا میری موت کے بعد ریڈ مرکری ان دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے گی' جو ابھی میرے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوگا تو میری برسوں کی بھاگ دوڑ کا فائدہ کیا ہوگا؟

تب میں نے فیصلہ کیا کہ اسے زمین کی تہہ میں زیادہ سے زیادہ دفن کر دیا جائے۔ کوئی چیز فائدہ نہ پہنچائے' اس کے برعکس جینا دوبھر کر دے تو کہتے ہیں' خاک ڈالو اس پر.....

لہٰذا میں خاک ڈال چکا ہوں۔ طرابلس سے کئی کلومیٹر دور جہاں میرا خفیہ اڈہ ہے۔ وہاں تیس فٹ کی گہرائی میں اس جوہری مادے کو دفن کر چکا ہوں۔ یہ راز صرف چھ جانثار جانتے ہیں۔ ہم نے قسم کھائی ہے' یہ راز ہمارے سینوں میں رہے گا اور ہماری میت کے ساتھ دفن ہو جائے گا۔

خدا کا شکر ہے' میں ریڈ مرکری کی طرف سے مطمئن تھا۔ آئندہ جب تک خدا کو منظور نہیں ہوگا' کوئی وہاں تک کبھی نہیں پہنچے گا۔

اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین میں چھپے ہوئے خزانوں کو اپنے بندوں سے ہمیشہ نہیں چھپاتا۔ کسان کو زمین کی تہہ سے پکی ہوئی فصل دیتا ہے۔ کان کن کو کوئلے اور ہیرے کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ غوطہ خور کو سیپ میں موتی دیتا ہے۔

اناج ہو معدنیات ہو یا پاتال میں چھپے ہوئے انجانے راز ہوں۔ وہ رب العالمین وہاں تک انہیں پہنچا دیتا ہے' جو اس کے مستحق ہوتے ہیں۔ کبھی نہ کبھی ریڈ مرکری تک بھی اس کے مستحقین پہنچیں گے۔

☆☆☆

اب میرا سارا دھیان لاوہ انگوٹھی اور عصا کی طرف تھا۔ دشمن یہ نہیں جانتے تھے کہ میں ان کی مطلوبہ ریڈ مرکری کو منوں مٹی تلے دبا چکا ہوں۔ وہ تو یہی سمجھتے تھے اور سمجھتے رہیں گے کہ وہ جوہری مادہ میرے گھر میں یا میری جیب میں پڑا ہے۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے مجھے بھی سکون سے نہیں رہنے دیں گے۔

ان سے محفوظ رہنے کے لئے انگوٹھی اور عصاء کو میرے پاس رہنا چاہئے تھا۔ جبکہ میرے وہ دونوں محافظ بھی زمین کی تہہ میں چھپے ہوئے تھے اور میں اسم اعظم کی برکت حاصل کئے بغیر وہاں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

پھر یہ کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے انڈیا میں رہنا ضروری تھا اور انڈیا میں رہنے کے لئے مجھے امیر خیری بن کر رہنا تھا۔ میرے جانثار مجھے امیر خیری کے متعلق مکمل معلومات فراہم کر رہے تھے۔ میں اس عیاش امیر کبیر شخص کی آڈیو کیسٹ سن کر اس کی آواز اور لب و لہجے کی ادائیگی کو سمجھ رہا تھا۔ ویڈیو کیسٹ دیکھ کر اس کے چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی نقل کرتا رہتا تھا۔

ایسی نقالی میرے لئے مشکل نہیں تھی۔ مشکل یہ تھی کہ اس کے ماضی اور حال کے خفیہ معاملات معلوم نہیں تھے۔ میرے جانثار کھوج لگا رہے تھے۔ گھر کی چار دیواری میں اور سینے کی کال کوٹھری میں چھپے ہوئے بھید ایک دو دن میں معلوم نہیں ہوتے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے مہینوں اور برسوں لگ جاتے ہیں۔

اور یہی ہو رہا تھا۔ ایک برس گزرنے کے بعد بھی رہ رہ کر اس کم بخت کا کوئی نیا راز یا اس سے تعلق رکھنے والی کوئی نئی بات معلوم ہوتی رہتی تھی۔ اگر میں اس کی تمام باتیں' تمام راز معلوم کئے بغیر امیر خیری بن کر انڈیا جاتا تو کسی دن بھی میرے بہروپئے ہونے کا بھید کھل جاتا۔

یوں دو برس گزر گئے۔ ایک تو اس کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں ہو رہی تھیں۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ میں پیچ در پیچ مصروفیات کے باعث پوری توجہ اور لگن سے اسم اعظم پڑھ نہیں پا رہا تھا۔

میرے برعکس ندا اسم اعظم میں جذب ہونے لگی تھی۔ اسے زیادہ سے زیادہ وقت

ملا تھا۔ وہ میرے سائے میں اس قدر محفوظ اور مطمئن تھی کہ کوئی مسئلہ اسے الجھاتا نہیں تھا۔ وہ بڑی آسودگی اور اطمینان سے پڑھتے پڑھتے اللہ کہتے کہتے اپنے نام کو' اپنے وجود کو بھول جاتی تھی۔

میں ایک صبح نماز سے فارغ ہو کر اس کے کمرے کی طرف آیا تو اللہ کا نام سن کر دروازے پر ہی رک گیا۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد قبلہ رو بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سینے سے جب اللہ کا نام نکلا تو میری عجیب سی کیفیت ہوئی۔ قدم رک گئے' یوں دم بخود ہوا کہ چند لمحوں تک سانس لینا بھول گیا۔ آج بھی صحیح طور پر بیان نہیں کر سکوں گا کہ ندا نے اسم اعظم کی ادائیگی کیسے کی تھی؟

اس نام کی پاکیزگی' اس کا تقدس ندا کی زبان سے اور حلق سے نہیں ابھرا تھا۔ وہ نام کسی عالم نا معلوم سے تڑپ کر نکلا تھا اور ندا کے سینے میں بھر گیا تھا۔ میں یقین سے کہتا ہوں' وہ اسم معظم نہ اس کی زبان سے نکلا تھا' نہ میرے کانوں نے سنا تھا۔

وہ ایک نہ سمجھ میں آنے والی روحانی لہر تھی۔ جو دل کی نامعلوم گہرائیوں سے نکلی تھی اور میرے دل تک پہنچی تھی۔

ان لمحات میں یہ انکشاف ہوا کہ اسم رب عظیم نہ کوئی سناتا ہے' نہ کوئی سنتا ہے۔ وہ وحی کی طرح دل سے نکلتا ہے اور دل میں اترتا ہے۔

یہ سودا زبان و بیان کا نہیں ہے۔ صرف اور صرف روح کی گویائی اور سماعت کا ہے۔

میں پہلی بار فرطِ عقیدت سے ندا کو تکنے لگا۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر اسم اعظم پڑھ رہی تھی۔ لیکن اب وہ ادائیگی نہیں تھی' جس نے میرے قدموں کو زنجیر کیا تھا اور ایک پل کے لئے روحانی کیفیات میں گم کر دیا تھا۔

ظاہر ہے' ابھی اس میں روحانی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ پڑھتے پڑھتے دنیا میں واپس آ جاتی تھی۔ ابھی مشق جاری تھی۔ ابھی اللہ سے لَو لگتی تھی۔ مگر دنیاداری کی لَو بھی لگتی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ نے اس کی عبادت اور محویت میں مداخلت کی تھی۔

وہ اب بھی پڑھ رہی تھی۔ مگر وحی کی طرح دل کو نہیں چھو رہی تھی۔ عبادت کے وقت صرف عبادت میں نہیں ڈوب رہی تھی۔ پھر بھی میرے مقابلے میں بڑی کامیابی سے رفتہ رفتہ اسم اعظم کو روح کی انگلی سے چھو رہی تھی۔

میں نے پہلی بار ندا کو توجہ سے دیکھا تو سمجھ میں آیا کہ مجھے پتہ نہیں چل رہا ہے اور وہ تبدیل ہو رہی ہے۔ اس میں سنجیدگی اور بردباری آ گئی ہے۔ شخصیت میں ایسا نامعلوم تقدس پیدا ہو رہا ہے' جو غیر شعوری طور پر متاثر کرتا ہے۔

گویا میں نہ جانتے ہوئے بھی اس سے متاثر ہورہا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ وہ جوان اور بالغ ہوچکی ہے۔ اس سے شادی کی بات کرتے کرتے رہ جاتا تھا۔ سوچتا تھا' پھر کسی وقت بات چھیڑوں گا اور سوچ کر رہ جاتا تھا۔ یوں وقت گزرتا جارہا تھا۔

مہا گیانی پنڈت دینا ناتھ نے اپنی زندگی میں پیشگوئی کی تھی کہ میری عمر الٹے پاؤں جوانی کی طرف جارہی ہے۔ لیکن میں اگلے آٹھ برسوں تک نہ کسی سے شادی کرسکوں گا' نہ ایک عیاش کی طرح کسی کے ساتھ ایک رات بھی گزار سکوں گا۔

ان کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ میری زندگی حجاب' نینی اور سلویٰ جیسی حسینائیں آئیں۔ لیکن میں کسی سے ازدواجی رشتہ قائم نہ کرسکا۔ اس پیشگوئی کو آٹھواں برس گزر رہا تھا۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں آج ہی ندا سے نکاح پڑھوا سکتا تھا۔

تعجب ہے' اتنی اہم بات' اتنی اہم خواہش اور اہم ضرورت کیسے ٹال رہا تھا؟ مجھے خود پتہ نہیں چل رہا تھا اور ندا عبادت گزار بنتی جارہی تھی۔ میں نے کمرے میں آکر دیکھا اور میں دیکھتا کیا؟ اب انکشاف ہورہا تھا کہ اس کی تبدیلی سے بے خبر رہا تھا اور وہ بے خبری میں مجھ پر اثر انداز ہوتی آرہی تھی۔

ان لمحات میں وہ جائے نماز پر ایک مقدس ہستی لگ رہی تھی۔ ایسی ہستی جس سے پاکیزہ ماحول میں صرف عبادت کی باتیں ہی کی جاسکتی ہیں۔

یہ کیا بات ہوئی....؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...

میں جوانی کی طرف واپس آرہا تھا اور وہ عین جوانی کے آغاز میں ایک مقدس بزرگانہ ہستی کے روپ میں ڈھل رہی تھی۔

اور کیسی مجبوری تھی کہ میں اس کی تبدیلی پر اعتراض نہیں کرسکتا تھا۔ میں مسلمان ہوں۔ دل میں خدا خوف ہے۔ میں تذبذب میں پڑگیا' کیا ہونا چاہئے؟ میں کیا کروں؟

میں ذرا اور قریب آکر اس سے فاصلہ رکھ کر دوزانو ہوگیا۔ وہ زیرلب پڑھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ چپ ہوگئے' تھم گئے۔ اس نے سر گھما کر دیکھا پھر دھیمی سے مترنم آواز میں پوچھا۔ ''آپ نے نماز پڑھ لی؟''

''خدا کا شکر ہے۔ اذان سے پہلے خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔ پھر کسی طرح کی کاہلی اور سستی کو غالب آنے نہیں دیتا۔ فوراً کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں۔ ابھی نماز ادا کرکے آرہا ہوں۔''

ندا نے سر گھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر دھوپ نکل آئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اگر آپ نے ابھی نماز پڑھی ہے تو آپ پر سستی غالب آگئی تھی۔ دیکھیں کتنا دن نکل آیا ہے؟''

میں نے جلدی سے بات بنائی۔ ''میں وقت پر اٹھ گیا تھا۔ دراصل واش روم میں دیر ہوگئی تھی۔''

اس نے مجھے تنبیہ کی انداز میں دیکھا۔ میں نظریں نہ ملا سکا۔ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ''آنکھ کھل گئی تھی۔ اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ذرا دیر ہوگئی۔ پھر بھی نماز پڑھ لی ہے۔''

''آپ کو یہ سمجھنا چاہئے' جب تک نماز صحیح وقت پر' صحیح جذبے سے نہیں پڑھیں گے' تب تک اسم اعظم صحیح ادائیگی سے پڑھ نہیں پائیں گے۔''

''تم تو دیکھ رہی ہو' حالات مجھے کس طرح الجھاتے رہتے ہیں؟ اسی لئے میں....''

اس نے ہاتھ اٹھا کر آگے کچھ کہنے سے رکنے کا اشارہ کیا۔ میں چپ ہوگیا۔ اس نے کہا۔ ''دنیاوی معاملات تو الجھاتے ہی رہتے ہیں۔ اس کے باوجود جو دیندار ہوتے ہیں' وہ مکمل خشوع وخضوع سے عبادت کرتے ہیں۔

آپ انگوٹھی اور عصاء حاصل کرنے کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ بیشک ہم اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ لیکن کیسے مانگتے ہیں؟

قبلہ رو کھڑے ہوتے ہیں' جھکتے ہیں' بیٹھتے ہیں' سجدے کرتے ہیں' سمجھتے ہیں کہ یہ نماز ہے اور ہم عبادت کا حق ادا کررہے ہیں۔ پھر مدد حاصل ہوجاتی ہے۔ ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو اٹھنا' بیٹھنا اور جھکنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ عبادت تھی ہی نہیں' وہ تو ایک نمائش ہوتی ہے' جو ختم ہوجاتی ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''تم یہ باتیں مجھے کیوں سنا رہی ہو؟''

''آپ نے اپنی پچھلی زندگی کا کچھ حال مجھے سنایا تھا۔ آپ نے نصف سے زیادہ جوانی عیش وعشرت میں گزاری۔ پھر ایک بہت ہی نیک عمل کے باعث خدا آپ پر مہربان ہوا۔ آپ دینی احکامات پر عمل کرنے لگے۔ آپ کو لاوہ انگوٹھی اور عصاء کے ذریعے تحفظ اور توانائی حاصل ہونے لگی۔ اس کے بعد ہی آپ نے نمازیں چھوڑ دیں۔''

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ ان دنوں دشمنوں کی ایسی یلغار تھی کہ میں جگہ جگہ بھاگتا پھرتا تھا۔''

''کہیں ایک جگہ نہ ٹکنے کے باوجود آپ دنیا کے تمام کام کرتے تھے' تمام ضرورتیں

پوری کرتے تھے۔ صرف نماز آپ کے لئے غیر ضروری ہو گئی تھی۔"

"یہ بات نہیں ہے۔"

"یہی بات ہے۔ اسی لئے انگوٹھی اور عصاء آپ کے ہاتھ سے نکل گئے۔"

یہ بات اتنی سچ' اتنی کڑوی تھی کہ میں جواب نہ دے سکا۔ واقعی میں پھر گیا تھا۔ صرف جمعے کی نماز پڑھ کر مسلمان ہونے کی ایک رسم ادا کرتا تھا۔ یہ گمان تھا کہ خدا مجھ سے راضی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ راضی ہے تو عصاء اور انگوٹھی عطا کرنے والے معبود نے مجھے ان عنایات سے محروم کیوں کر دیا ہے؟

اس نے کہا۔ "کئی دنوں سے سوچ رہی تھی' آپ کو غلطیوں کا احساس دلاؤں۔ مگر ڈرتی تھی کہ آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"میں ناراض نہیں ہوں۔ تم بہت اچھی ہو۔ اب میں نے عہد کر لیا ہے' کبھی ایک وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔"

"ایک اور سچ کہنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔ کہو....."

"آپ خدا کے خوف سے نہیں' دشمنوں کے خوف سے نماز قائم کر رہے ہیں۔ انگوٹھی اور عصاء حاصل کرنے کے لئے' مخالفین کو مات دینے کے لئے اسم اعظم پڑھ رہے ہیں۔ پلیز۔ اپنا محاسبہ کریں۔ کیوں نہیں پڑھ پا رہے ہیں؟"

"تم بولو' کیوں پڑھنے میں ناکامی ہو رہی ہے؟"

"خدا بندوں کی نیت کو دیکھتا ہے۔ پھر نمازیں قبول کرتا ہے۔ آپ کی عبودیت میں نماز نہیں ہے لاٹھی اور انگوٹھی ہے۔ وہ چیزیں ہیں' جنہیں پانے کے بعد آپ نماز سے پھر گئے تھے۔

ہمارا معبود غفور الرحیم ہے۔ بار بار معاف کرتا ہے اور سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔ سنبھلنے کے لئے لازمی ہے کہ دشمنوں کو نظر انداز کریں۔ دل میں صرف خوفِ خدا رکھیں۔ کہیں گوشہ نشین رہ کر عبادت کریں گے تو کوئی دشمن آپ کے سائے تک بھی پہنچ نہیں پائے گا۔ آپ ان سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے نیاز مند رہیں گے۔ میری طرح دل کی اور روح کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھ سکیں گے اور اسم اعظم کی روحانی ادائیگی کے لئے نماز صحیح وقت پر صحیح جذبے سے قائم رکھنا لازمی ہے۔"

وہ کوئی معلمہ یا پہنچی ہوئی بزرگ ہستی نہیں تھی۔ میرے سامنے کی بچی تھی۔ دین سے

تعلق رکھنے والی کوئی پیچیدہ بات نہیں کر رہی تھی۔ مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی تھیں' انہیں دین کے حوالے سے کہہ رہی تھی۔

میں نے کہا۔ "یہ میرے لئے مشکل ہے۔ بلکہ ناممکن ہے کہ میں دشمنوں کو نظر انداز کر کے گوشہ نشین ہو کر عبادت کروں۔"

پھر میں نے ٹھہر کر کہا۔ "اب سنو کہ مسائل کتنے ہیں؟ پاپا کی گمشدگی نے الجھا دیا ہے۔ اگر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں' ہماری دنیا میں نہیں رہے ہیں تو انہوں نے اپنے نوزائیدہ بیٹے صلاح الدین ثانی کو فون پر اذان کیسے سنائی ہے؟

صلاح الدین ثانی نے یعقوب کے گلے لگ کر پاپا کی آواز اور لہجے میں پیش آنے والے خطرے سے کیسے آگاہ کیا؟

کیا یہ اشارے نہیں مل رہے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور نہ سمجھ میں آنے والی وجوہات کی بناء پر خود کو ظاہر نہیں کر رہے ہیں؟ کسی مجبوری کے باعث نہ سامنے آ رہے ہیں' نہ براہ راست کچھ بول رہے ہیں۔

یہ ایسا معمہ' ایسی الجھن ہے کہ نماز کے وقت اور اسم اعظم پڑھنے کے دوران اچانک توجہ کو منتشر کر دیتی ہے۔

ممی (ثناء) اور صلاح الدین ثانی تمام دشمنوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ اگر میں اپنے جانثاروں کے ساتھ ڈھال بن کر نہ رہوں تو سی آئی اے' موساد اور دوسری خطرناک تنظیمیں انہیں کبھی سکون سے رہنے نہیں دیں گی۔ میں انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار نہیں کر سکوں گا۔"

میں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر کہا۔ "میں تمہارے پاس بیٹھا زندہ سلامت سانسیں لے رہا ہوں۔ یہ نینی کی بدولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے وسیلہ بنا کر مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اگر وہ انڈیا سے ہزاروں میل دور استنبول آ کر انگوٹھی اور لاٹھی کو مجھ تک نہ پہنچاتی تو راڈ مین کی قید سے نجات ناممکن ہو چکی تھی۔ اس تہہ خانے سے میری لاش ہی باہر نکلتی۔

آج نینی دنیا میں تنہا ہے۔ اس کے پتا پنڈت دینا ناتھ کا دیہانت ہو چکا ہے۔ شوہر دغاباز تھا' وہ مر گیا ہے۔ میں اسے منکوحہ بنا کر اس کا سہارا بن کر اس کے احسانات کا قرض چکا سکتا تھا لیکن اُن دنوں وہ حاملہ تھی۔ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر یہ پنڈت جی کی پیشگوئی تھی کہ میں اگلے آٹھ برس تک کسی کے ساتھ ازدواجی تعلق

قائم نہیں کر سکوں گا اور وہ پیشگوئی اب تک درست ثابت ہو رہی ہے۔

وہ اجمیر میں ہے۔ اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا ہے۔ اس نے یہ تو نہیں کہا کہ اپنے احسانات کا بدلہ چاہتی ہے۔ مگر یہ چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی جوان ہو تو میں اسے منکوحہ بناؤں۔"

ندا نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی اس عجیب سی خواہش پر کیسے اعتراض کروں؟ اس نے کہا کہ میری عمر واپس جوانی کی سمت جا رہی ہے۔ اس کی بیٹی جب اٹھارہ یا بیس برس کی ہوگی تو میں بھرپور جوان ہو جاؤں گا۔ تب نہ میں بوڑھا رہوں گا نہ وہ بچی رہے گی۔"

ندا نے سر جھکا لیا۔ میں نے کہا۔ "میں نہیں جانتا' اٹھارہ برسوں کے بعد کیا ہوگا؟ لیکن میرا یہ فرض ہے کہ نینی اور اس کی بیٹی کا محافظ اور سرپرست بن کر رہوں۔ میں یہ فرض ادا کر رہا ہوں۔ میرے جانثار جس طرح میری ممی اور صلاح الدین کی نگرانی کر رہے ہیں' اسی طرح نینی اور اس کی بیٹی کی ہر ضرورت پوری کر رہے ہیں۔

اس کی بیٹی چار برس کی ہو چکی ہے۔ ماں کا نام نین کنول عرف نینی ہے۔ بیٹی کا نام نین تارا عرف نن ترا ہے۔ میں نے ایک بار نینی سے فون پر بات کی تھی۔ اس نے بتایا ہے' وہ اپنی بیٹی کی پرورش مسلمانوں کے طور طریقوں سے کر رہی ہے۔

پچھلے چار برسوں میں سی آئی اے اور را والوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نینی کا تعلق پہلے بھی ٹھری الیاس سے تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن اس حقیقت کا ٹھوس ثبوت انہیں نہیں مل رہا ہے۔"

میں ذرا چپ رہا۔ پھر بولا۔ "بہرحال میں تمہارے سامنے مسائل بیان کر رہا ہوں۔ ان مسائل کی بھرمار مجھے توجہ سے اسم اعظم پڑھنے نہیں دیتی۔ نماز کے دوران بھی جیسی محویت ہونی چاہیے' وہ نہیں ہوتی۔"

ندا نے پوچھا۔ "اسم اعظم نہیں پڑھ پائیں گے تو بابا سائیں کے غار میں انگوٹھی اور عصاء تک کیسے پہنچیں گے؟"

"یہ میرا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ ہم دونوں پچھلے دو برسوں سے اسم اعظم پڑھتے آ رہے ہیں۔ میں لڑکھڑا رہا ہوں۔ تم مجھ سے بہت آگے نکل گئی ہو۔"

میں نے پھر اس پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم رب عظیم کے اسم اعظم میں اس قدر جذب ہو جاؤ گی۔ یا خدا!! ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے اسم اعظم کی ادائیگی پتہ نہیں کیسی مجذوبیت سے کی تھی؟ میں نے سنا تو دل ایک دم سے لرز گیا۔ میں جہاں تھا' وہیں تھم گیا۔

یقین سے کہوں گا کہ تم جلد ہی اسم اعظم کی ادائیگی میں کمال حاصل کرنے والی ہو۔"

میری بات سن کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر کہا۔ "اللہ رب العالمین ہے۔ مجھ پر مہربان ہے۔ میں پچھلے دو برسوں سے دن رات پڑھتی آ رہی ہوں۔ وہ معبود میری لگن' میرا جذبہ' میری نیت اور میری محویت کو قبول فرما رہا ہے۔"

یہ ایک دو دن کی بات نہیں تھی۔ وہ پچھلے دو برسوں سے دن رات پڑھتی آ رہی تھی۔ کبھی نیند سے آنکھ کھلتی تو اللہ کہتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ مجذوب ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جذب ہو کر رہ گئی تھی۔

اس نے کہا۔ "زبان سے اللہ کہتے کہتے میری سمجھ میں آیا کہ تڑپ کر آہ کہنے سے اللہ کے نام کی مکمل ادائیگی ہوتی ہے۔ مگر ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ ساری عمر آہیں بھرتے ہیں اور اس ایک آہ کو بھول جاتے ہیں۔ یہی ایک آہ ہے' جو تمام آہوں کو نابود کر دیتی ہے۔"

میں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ابھی کوئی آنکھ بند کرے اور دل کی گہرائیوں سے آہ کے ساتھ اللہ کہے اور کہتا رہے تو اس کے آس پاس کی دنیا گم ہو جائے گی۔ بند آنکھوں کے خلاء میں اللہ کی موجودگی ضرور محسوس ہوگی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نے کئی بار ایسی ادائیگی کی ہے۔"

اس نے کہا۔ "صحیح ادائیگی کے باوجود کمی رہ جاتی ہے۔ دین کے' دنیا کے اور یاد الٰہی کے سلسلے میں کوئی بھی کمی ہو تو وہ صرف نماز سے پوری ہوتی ہے۔ نماز اوّل ہے۔ نماز آخر ہے۔ آپ میں یہی خامی ہے کہ صحیح وقت پر صحیح جذبے سے نماز پڑھ نہیں پاتے۔ یہ کوتاہی آپ کو دشمنوں کے آگے کوتاہ قد بنا دے گی۔"

اس کی سچی اور ناقابل تردید باتیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔ میں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو یوں لگا میرے سامنے ڈھال رکھی ہوئی ہے۔ وہ ڈھال دشمنوں کے تمام حملوں کو روکنے والی ہے۔

میں نے کہا۔ "اللہ تم پر مہربان ہے۔ تمہاری عبادت قبول ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے' تم جلد ہی اسم اعظم کی ادائیگی میں روحانی پختگی حاصل کر لو گی۔ ایسا ہوگا تو تم بابا سائیں کے غار میں میرے ساتھ چلو گی۔ اسم اعظم کی برکت سے اس وسیع و عریض چٹان کو ہٹا کر راستہ بناؤ گی۔ جسے دنیا کی کوئی کرین اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکی۔"

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتی رہوں گی کہ وہ معبود مجھے آپ کی توقع کے مطابق

کامیابی عطا فرمائے اور میں انگوٹھی اور عصاء کو وہاں سے نکال لاؤں۔ لیکن.....''

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''ہاں بولو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''آپ یہ ذمہ داری مجھے سونپ کو تمام فکر و پریشانی سے نجات حاصل کر لیں گے۔ پھر کوئی حاجت نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنا نہیں ہوگا تو آپ پہلے کی طرح عبادت سے اور خاص طور پر نماز سے کترائیں گے اور اپنی مصروفیات کا دکھڑا سناتے رہیں گے۔''

میں تسلیم کرتا ہوں' یہ بات بھی سچ تھی۔ اب اسے میری ناراضی سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ سچ بول رہی تھی تاکہ میں آئندہ پھر نماز سے دور نہ ہو جاؤں۔

میں نے کہا۔ ''یہ انسانی فطرت ہے۔ جب دشمنوں کا خوف نہ ہو۔ کوئی بیماری حملہ نہ کرتی ہو۔ کوئی ناگہانی مصیبت دولت اور طاقت کی چٹکی بجاتے ہی چلی جاتی ہو تو پھر خدا یاد نہیں رہتا۔''

اس نے کہا۔ ''آپ کو بھی یاد نہیں رہتا۔ بھول جاتے ہیں کہ دولت' شہرت اور طاقت اسی رب کریم نے ادا کی ہے۔''

''ہاں۔ مانتا ہوں' ماضی میں ایسی غلطیاں کر چکا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں' آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ پانچ وقت کی نمازیں صحیح وقت پر صحیح جذبے سے پڑھوں گا۔''

''یہ یاد رکھیں کہ ماضی میں کتنی بار کن حالات میں آپ کبھی انگوٹھی سے' کبھی عصاء سے اور کبھی دونوں چیزوں سے محروم ہوئے؟ پھر آپ کو یاد آتا رہے گا کہ محض نماز سے کترانے کے باعث آپ غیر معمولی صلاحیتوں سے اور غیر معمولی قوتوں سے محروم ہوتے رہے ہیں۔''

''تم بہت اچھی ہو۔ میں یاد رکھوں گا اور تم یاد دلاتی رہو گی۔ مجھے ایک وقت کی نماز میں بھی سستی نہیں کرنے دو گی۔''

''اللہ مجھے توفیق دے۔ میں اپنا فرض ادا کرتی رہوں گی۔ اب ہمیں کچن میں چلنا چاہئے۔ یہ بتائیں' کیا ناشتہ کریں گے؟''

''جو کھلاؤ گی' کھاؤں گا۔ ابھی جو کہنے آیا تھا' وہ بات رہ گئی ہے۔''

''چلیں۔ کچن میں باتیں ہوں گی۔''

''یہیں جائے نماز پر ہو جائیں تو اچھا ہے۔''

''تو پھر بولیں؟''

ہم ایک دوسرے سے نظریں ملا کر باتیں کر رہے تھے۔ اچانک میری نظروں کا مفہوم بدل گیا۔ میں نے بڑے پیار سے دیکھا تو فوراً ہی اس کی نظریں جھک گئیں۔ وہ سمجھ گئی کہ میں

موضوع بدل رہا ہوں۔ دین سے ہٹ کر دنیاوی ضرورت کی طرف آ رہا ہوں۔

ابھی بہت ہی اہم اور ایمان افروز باتیں ہو رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں؟

میں نے بڑی خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ جو بات زبان سے ادا نہ ہو' وہ خاموشی سے کہہ دی جاتی ہے۔ اس کا ہاتھ ایک ننھی سی چڑیا کی طرح ہولے ہولے کانپنے لگا۔

موضوع بدل گیا' موسم بدل گیا۔ مزاج بھی بدل گیا۔ میں نے دھیمی سرگوشی میں پوچھا۔ ''میری دلہن بنو گی؟''

میں نے دیکھا' اس کے سینے میں ہلچل سی ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔ میں اس کی اندرونی کیفیت کو بھانپ رہا تھا۔

میرا خیال تھا' وہ شرما رہی ہے۔ منہ سے کچھ نہیں بولے گی۔ اس کی خاموشی رضامندی کی دلیل ہوگی اور رضامندی یوں ظاہر تھی کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ کے نیچے رہنے دیا تھا۔

پھر میری خوش فہمی ختم ہوگئی۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑی آہستگی سے کھینچ لیا۔ اپنے ہاتھوں کو دوپٹے میں یوں چھپا لیا' جیسے میں پھر پکڑنے آ جاؤں گا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ دھیمی سی لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ ایسی باتیں نہ کریں۔''

میں نے شدید حیرانی سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں پچھلے پانچ برسوں سے انتظار کر رہا ہوں۔ پنڈت جی کی بتائی ہوئی مدت پوری ہو چکی ہے اور تم شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہو۔''

میں بول رہا تھا' وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔ اس کا یوں جواب نہ دینا' کترا کر جانا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں سوچتا ہی رہ گیا۔ وہ کمرے سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

کیا پچھلے دو برسوں میں عبادت اور ریاضت اس پر غالب آ گئی ہے؟ وہ دنیاوی خواہشات سے دور ہو چکی ہے؟ یا خدا! کیا وہ اللہ والی بن کر رہنا چاہتی ہے؟ میں تیزی سے چلتا ہوا کچن میں آیا۔ وہ کچن کے کام میں لگ گئی تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''تم خاموش کیوں ہو؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟''

وہ چپ تھی۔ چولہے پر چائے کا پانی چڑھا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''میں ناشتہ نہیں کروں گا۔''

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''تم چپ رہنے کا روزہ رکھو۔ میں کھانے پینے کا روزہ رکھوں گا۔''

وہ پھر اپنے کام سے لگتے ہوئے بولی۔ ''پلیز آپ کچھ خیال نہ کریں۔ میں چاہتی ہوں' ابھی شادی کی بات نہ کی جائے تو اچھا ہے۔''

میں نے قریب آ کر پوچھا۔ ''کیوں نہ کروں؟ کیا ایک لڑکی سے شادی کی بات کرنا گناہ ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے۔''

''پھر یہ بات ہے کہ میں بوڑھا ہوں۔''

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر پوچھا۔ ''کیوں مجھ سے کترا رہی ہو؟''

''کبھی آپ سے کترانے کا خیال بھی دل میں نہیں آ سکتا۔ آپ ہاتھ چھوڑیں' میں بولتی ہوں۔''

''میری گرفت میں رہ کر بولو۔''

''میں دین کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں۔ مجھ سے فاصلہ رکھیں۔ پھر بولوں گی۔''

میں نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ناشتہ تیار کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ مجھے دن رات عبادت کرتے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے انسانی فطرت سے تعلق رکھنے والی تمام خواہشات کو کچل دیا ہے۔ اپنے جسم اور روح کی پاکیزگی کے ساتھ نماز ادا کرتی ہوں۔ تب کسی حد تک اسم اعظم پڑھنے میں کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔''

وہ اپنے کام سے لگی ہوئی تھی اور بول رہی تھی۔ ''میں مکمل کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس مرحلے تک پہنچنے دیں کہ بابا سائیں کے غار میں اس چٹان پر ہاتھ رکھ کر اللہ....یا اللہ...کہوں تو وہ چٹان سرک جائے اور انگوٹھی اور عصاء تک پہنچنے کا راستہ کھل جائے۔''

میں نے کہا۔ ''انشاءاللہ تمہیں کامیابی حاصل ہو گی۔ عبادت لازمی ہے۔ تم اسے دل و جان سے جاری رکھو۔ لیکن دنیاوی معاملات میں بھی رہو۔''

میں نے اسے سمجھایا۔ ''عیسائی راہبہ اور راہب بن جاتے ہیں۔ ہندو برہم چاری بن جاتے ہیں۔ مرد عورت سے اور عورت' مرد سے دور رہ کر اپنی ساری زندگی عبادت کے لئے وقف

کر دیتی ہیں۔ لیکن ہمارے دین میں رہبانیت کی اجازت نہیں ہے۔

مسلمانوں کو حکم ہے کہ شادی کی عمر کو پہنچتے ہی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاؤ۔ نسل انسانی کو آگے بڑھاؤ۔ دین کے احکامات کے مطابق عبادت کے تمام مدارج طے کرو اور دنیا کی اہم ذمہ داریوں کو بھی نبھاتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور عبادت کے سوا کوئی اور کام نہ کرنے کے لئے فرشتے کافی ہیں۔ انسان کو دنیا کے تمام اہم کام انجام دیتے ہوئے عبادت کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیا تم راہبہ بن کر رہنا چاہتی ہو؟''

وہ منہ پھیر کر سر پر آنچل درست کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ راہبہ بننا چاہتی ہوں۔''

''پھر کیا کہا ہے؟ میں تمہارے کترانے کے انداز کو کیا سمجھوں؟''

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ ''میں مہلت چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ بتاؤ' کب تک میری شریک حیات بننا چاہتی ہو؟''

وہ چپ رہی۔ کچھ سوچتی رہی۔ میں نے کہا۔ ''تم کسی الجھن میں ہو۔''

''الجھن آپ کے لئے ہے۔ یہ بتائیں' دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو تو آپ کسے اپنائیں گے؟ کسے چھوڑیں گے؟ مجھے حاصل کرنا چاہتے ہیں یا انگوٹھی اور عصاء آپ کے لئے لازمی ہیں؟''

''دونوں ہی لازمی ہیں۔''

''آپ سب ہی کچھ بیک وقت حاصل نہیں کر سکیں گے۔ میں نے نیت کی ہے' جب تک اسم اعظم پڑھنے کی روحانی صلاحیت اور پختگی حاصل نہیں ہو گی اور انگوٹھی اور عصاء تک آپ کو نہیں پہنچاؤں گی' تب تک ازدواجی خواہش کا دھبہ اپنے دامن پر لگنے نہیں دوں گی۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''میری ہر خواہش سے افضل آپ کی سلامتی ہے اور آپ کی سلامتی انگوٹھی اور عصاء کے حصول سے ہے۔''

وہ ناشتے کی ڈشیں میز پر لا کر رکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ ''میں ماں کے پیٹ سے جیسی پیدا ہوئی تھی۔ ویسی ہی اب تک ہوں۔ کسی خواہش نے مجھے ناپاک نہیں کیا ہے۔ آپ مجھے اسم اعظم کی روحانی قوت حاصل کرنے تک ہر پہلو سے پاک رہنے دیں۔''

میں چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک اپنی

بہن حجاب کی ڈپلیکیٹ تھی۔ وہی رنگ و روپ' وہی ناک نقشہ۔ قد اور جسامت بھی وہی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا' جیسے حجاب واپس آ گئی ہے۔

وہ اب اس دنیا میں نہیں تھی۔ میں نے اسے جان سے زیادہ چاہا تھا۔ اس نے بھی پیار کی انتہا کی تھی۔ لیکن مجھ سے شادی نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ ایڈز کی مریضہ تھی۔ اپنا روگ مجھے لگانا نہیں چاہتی تھی۔

آج وہی حجاب جیسے ندا کے روپ میں پھر شادی سے انکار کر رہی تھی۔ میری خاطر متقی اور پرہیز گار رہ کر مکمل طہارت کے ساتھ نماز پڑھنا اور اسم اعظم پڑھنا چاہتی تھی۔ میری ہی بہتری اور سلامتی کے لئے فی الحال شریک حیات بننے سے انکار کر رہی تھی۔

میں اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ شریک حیات بن کر بھی عبادت و ریاضت جاری رکھ سکتی ہے۔ لیکن میں کچھ کہہ نہ سکا۔ کالنگ ٹون نے مجھے متوجہ کیا۔ ایک جانثار کال کر رہا تھا۔ میں نے فون کو کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہاں کہو؟''

اس نے کہا۔ ''یعقوب بابا بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ بات کراؤ۔''

فون خاموش ہو گیا۔ پھر بیٹے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ ''میری بہو خیریت سے ہے؟''

''خیریت سے ہے اور آپ کو ایک نہایت قیمتی تحفہ دینے والی ہے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ کیا دادا بننے والا ہوں؟''

ندا نے چونک کر' سر گھما کر مجھے دیکھا۔ اس کے ہاتھ سے چائے کی کیتلی چھوٹنے والی تھی۔ اس نے سنبھال لی۔ وہ بہت کم سن تھی۔ یہ چونکا دینے والی بات تھی کہ جس کی دلہن بننے والی ہے' وہ ابھی دادا بننے والا ہے۔ میں ذرا جھینپ گیا۔ دوسری طرف منہ پھیر کر یعقوب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''یس پاپا! میں آپ کی خوشی کا اندازہ کر رہا ہوں۔ آپ ہماری خوشی کا اندازہ کریں۔''

''ہاں بیٹے! میں تمہاری اور صنم کی خوشیوں کا اندازہ کر رہا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''اس خوشی کے موقع پر آپ کی بہو آپ سے ناراض ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''بہو مجھ سے ناراض کیوں ہے؟''

''خود ہی سوچیں' ہماری شادی کو ڈھائی برس گزر چکے ہیں۔ اب تک آپ نے بہو کو دیکھ کر نہ سر پہ ہاتھ رکھا اور نہ اپنی صورت دکھائی۔''

''ہاں۔ میں ہمیشہ اپنی مصروفیات اور مجبوریاں بیان کرتا رہتا ہوں۔ لیکن اب اپنے پوتے یا پوتی کی خاطر ضرور ملنے آؤں گا۔''

وہ بولا۔ ''آنے کا وعدہ کر رہے ہیں تو میں ابھی آپ کی بہو سے بات کرواتا ہوں۔ ویٹ کریں۔''

دوسری طرف چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔ ایسے وقت ندا نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''آپ مجھے یہاں تنہا نہیں چھوڑیں گے اور اپنے ساتھ کبھی ان کے سامنے نہیں لے جائیں گے۔ میں عمر میں آپ کی بہو سے بھی چھوٹی ہوں۔''

یہ بات مجھے پتھر کی طرح لگی۔ میں اس وقت جواباً کچھ نہ کہہ سکا۔ فون پر صنم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے سلام کیا تھا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا واقعی آپ ہم سے ملنے آ رہے ہیں؟''

''ہاں۔ مگر ابھی نہیں۔ جس دن مجھے ننھا سا خوبصورت سا تحفہ دو گی۔ میں اسے چومنے اور تمہیں دعائیں دینے آؤں گا۔''

صنم اور یعقوب جانتے تھے کہ مجھ سے فون پر زیادہ دیر گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ لہٰذا جلد ہی ان سے رابطہ ختم ہو گیا۔

ندا نے کہا۔ ''آپ نہیں جائیں گے۔ بہو سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ ذرا سوچیں' کتنے طویل عرصے سے انہیں ٹال رہے ہیں۔''

وہ سچ بول رہی تھی۔ لیکن مجھے بیٹے اور بہو کی خوشیوں کے پیش نظر وہی کہنا تھا' جو ابھی ان سے کہا تھا۔ ہم ناشتے کی میز پر آ گئے۔ ندا نے کہا۔ ''ویسے مبارک ہو۔ آپ دادا بننے والے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''اگرچہ یہ خوشی کی بات ہے۔ لیکن تمہارے سامنے عجیب سا لگ رہا ہے۔''

''کیوں عجیب سا لگ رہا ہے؟''

''تم میری بہو سے بھی نسبتاً کم سن ہو۔''

''اور آپ سو برس کے بوڑھے نہیں ہیں۔ پھر یہ کہ جوان ہو رہے ہیں۔''

''میرے خاندانی معاملات میں یہ جوانی مہنگی پڑ رہی ہے۔ تم میری ہونے والی دلہن ہو۔ کبھی میرے بچے کی ماں بنو گی تو آج یعقوب سے ہونے والا جو پوتا ہے وہ ہمارے بچے سے

عمر میں بڑا ہوگا۔ یہ عجیب سلسلہ چلتا رہے گا کہ بہو بڑی' ساس چھوٹی' پوتا بڑا اور بیٹا عمر میں چھوٹا رہے گا۔''

''آج میں آپ کے مقابلے میں کم سن ہوں۔ ذرا حساب کریں۔ آج سے بتیس برس بعد پچاس برس کی ہو جاؤں گی اور آپ واپسی کا سفر کرتے ہوئے مجھ سے عمر میں بائیس برس چھوٹے ہو جائیں گے۔ میں بوڑھی ہو جاؤں گی اور آپ تیس برس کے جوان دکھائی دیں گے۔''

''ہاں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں' کیا ہونے والا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگلے تیس برسوں میں اپنے بیٹے یعقوب سے اور اپنے بھائی صلاح الدین ثانی سے عمر میں چھوٹا ہو جاؤں گا۔ ان دونوں سے ہونے والی بیٹیاں میرے برابر جوان ہوں گی تو دنیا کیا دیکھے گی؟ کیا سمجھے گی؟ لوگوں کو مغالطہ ہوگا کہ وہ سب میری کزن ہیں یا گرل فرینڈز ہیں۔''

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو چھو کر کہا۔ ''توبہ توبہ۔ میں تمام رشتوں سے دور چلا جاؤں گا۔ کبھی ان کا سامنا نہیں کروں گا تو معاملہ اور بھی الجھ جائے گا۔ اگر اپنے پوتے پوتیوں سے اور نواسے نواسیوں سے برسوں کی جدائی کے بعد کبھی اتفاقاً سامنا ہوگا تو ہم رشتوں کے حوالے سے ایک دوسرے کو پہچان نہیں پائیں گے۔ ایسے میں لاعلمی کے باعث ہمارے درمیان نئے غلط رشتے قائم ہو جائیں گے۔''

ندا نے کہا۔ ''واقعی بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔''

''پہلے تو میں خوش ہو رہا تھا کہ بڑھاپے کے بعد موت نہیں مل رہی ہے۔ دوبارہ جوانی مل رہی ہے۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں' جوانی کی طرف واپس جانا' خوش بختی نہیں کم بختی ہے۔ آئندہ پچاس برسوں میں میرے سینکڑوں پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہوں گے۔ اگر میں ان میں سے ہر رشتے کا نام اور روز نامچہ ریکارڈ کے طور پر نہیں رکھوں گا تو خدانہ کرے ان رشتوں سے لاعلمی کے باعث غلط رشتے قائم ہو جائیں گے۔''

میں نے سر تھام کر کہا۔ ''یا خدا! میں کیا کروں؟ مجھے شرم و حیاء عزیز ہے۔ جائز رشتے داری اور انسانی تہذیب عزیز ہے۔ کیا میں جوانی کی سمت واپس جانے سے انکار کروں گا تو واپسی کا سفر رک جائے گا؟''

''ایسا نہ سوچیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ اس سے انکار نہ کریں' بلکہ یہ زحمت کریں کہ اپنے تمام رشتوں کا تحریری حساب رکھتے رہیں۔ آپ کا خاندانی شجرہ دور تک پھیلتا جائے گا۔ آپ اس شجر کی ہر شاخ' ہر پھول اور ہر پتی کا نام اور رہائشی پتے لکھتے رہیں گے اور اس

خاندان کے سینکڑوں ہزاروں افراد آپ کا نام' تصویر اور آپ کی ہسٹری اپنے پاس رکھیں گے تو کبھی کوئی غلطی نہیں ہوگی۔''

میں نے سوچا پھر کہا۔ ''ایسے ہی طریقہ کار کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی۔ اپنے خاندان کے سینکڑوں افراد کا حساب رکھنا ہوگا۔ تب ہی بات بنتی رہے گی۔''

ہم ناشتے کے بعد ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں نے کہا۔ ''ہم اپنی باتیں کرتے کرتے پورے خاندان کا ذکر لے بیٹھے۔ دیکھو ندا! تمہیں راہبہ بن کر مجھ سے دور رہ کر عبادت نہیں کرنی ہے۔ یہ نہ سوچو کہ شادی کے بعد انگوٹھی اور عصاء حاصل نہیں کر سکو گی۔''

''میں آپ کی بہتری کے لئے سوچ رہی ہوں۔''

''پلیز میرے لئے ایسا نہ سوچو۔ یہ سوچو کہ پچھلے دو برسوں سے اسم اعظم پڑھتی آ رہی ہو۔ کیا یہ بتا سکتی ہو کہ بابا سائیں کی طرح اسم رب کریم پڑھنے کی پختگی اور صلاحیت اور کتنے برسوں میں پیدا ہوگی؟''

''یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ وہی ہماری عبادتوں کو قبول کرنے اور انعام دینے والا ہے۔''

''یہی تو پوچھ رہا ہوں' انعام کتنے عرصے میں ملے گا؟ دو چار ماہ میں یا برسوں میں؟ صاف کہہ دیتا ہوں' میں انتظار نہیں کروں گا۔ تم آج کل میں فیصلہ سناؤ۔''

اس نے چور نظروں سے مجھے دیکھا۔ شرم و حیاء کا تقاضہ تھا۔ وہ اپنی شادی اور ازدواجی معاملات میں کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے کہا۔ ''میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ تم شادی کی مسرتوں سے پہلے میری سلامتی چاہتی ہو۔ انشاء اللہ ہمیں انگوٹھی اور عصاء دونوں ہی ملیں گے۔ یہ حکم ہے کہ عبادت بھی کرو اور ازدواجی زندگی بھی گزارو۔''

میں وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس کے بعد بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

اس نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہیں؟ ناراض ہو گئے ہیں؟''

''ایک ناراض کرتا ہے' تب ہی دوسرا ناراض ہوتا ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر سوچو' پھر مجھ سے بات کرو۔''

میں وہاں سے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کوئی میرے حالات کو سمجھے۔ میں پچھلے دس برسوں سے کنوارہ تھا۔ اس دوران کئی حسینائیں آتی جاتی رہیں اور میں ازدواجی مسرتوں سے محروم ہوتا رہا۔

اور یہ محرومی ایسے وقت تھی، جبکہ میں جوانی کی طرف سفر کر رہا تھا۔ جوانی کے جو تقاضے ہوتے ہیں، وہ مجھے بہکا رہے تھے۔ میری دولت اور شخصیت سے متاثر ہو کر حسینوں کا میلا لگ سکتا تھا۔ کون دیکھنے آتا کہ میں دینی احکامات کے خلاف رنگ رلیاں منا رہا ہوں اور بظاہر پارسا بن کر رہتا ہوں۔

سنا ہے، قیامت کے دن گناہوں کو سزا ملے گی اور قیامت کس نے دیکھی ہے؟ جوانی بار بار پلٹ کر نہیں آتی۔ یہ ایک بار پلٹ کر آ رہی ہے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

گناہوں سے بچنے کی کوششیں کرتے رہو تو ایسے ہی خیالات بھڑکاتے رہتے ہیں۔ بہکنے کے سو حیلے بہانے ہوتے ہیں۔ مگر میں سنبھلتا آ رہا تھا۔ یہ بات ذہن میں تھی کہ یہ نئی جوانی میرے صبر کا امتحان لے رہی ہے۔ قدرت کی مہربانیوں کا مطلب یہ نہیں تھا کہ عیش و عشرت میں ڈوب جاؤں۔

میں بڑے صبر و استقلال سے یہ سوچتا سمجھتا آ رہا تھا کہ حجاب، نینی اور سلویٰ سے محروم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ قدرت فی الحال مجھے ازدواجی مسرتوں سے محروم رکھنا چاہتی ہے۔ ایسی محرومیت کے پیچھے کوئی مصلحت ہوگی۔

لیکن اب صبر و تحمل کی حد ہو گئی تھی۔ ندا بھی پچھلی تین حسیناؤں کی طرح ٹھینگا دکھا رہی تھی۔ ایسا کیوں ہو رہا تھا؟

کیا اب بھی میں بوڑھا ہوں؟ کیا خود کو جوان سمجھ کر جوان لڑکی کی تمنا نہیں کرنا چاہئے؟

پچھلے دس برسوں سے جوانی کی سمت سفر جاری تھا۔ اگرچہ میں بھرپور جوان نہیں ہوا تھا تو پہلے کی طرح بوڑھا بھی نہیں رہا تھا اور ندا مجھے بوڑھا سمجھ کر شادی سے انکار نہیں کر رہی تھی۔ وہ دشمنوں کے حوالے سے مجھے اور توانا اور ناقابل شکست بنانے کے لئے میری اس خواہش کو ٹال رہی تھی۔

اور وہ غلط سوچ رہی تھی۔

اور اللہ سے لو لگانے والی کے متعلق میں بھی غلط سوچ رہا تھا۔ یہ ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ عبادت کرنا اور بات ہے اور عبادت میں محو ہو کر روحانیت کے مراحل طے کرنا دوسرا معاملہ ہے۔

میں نے یہ دیکھا ہے کہ روحانیت کے مراحل سے گزرنے والے رفتہ رفتہ دنیا داری سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دور ہو جائے، میرے پاس رہے۔

میری دھڑکنوں سے لگ کر رہے۔

اس سے اپنی بات منوانے کا بس یہی ایک طریقہ تھا کہ میں ناراضی ظاہر کرتا رہوں۔ میں نے دوپہر کو کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے خوشامد کی۔ ''کچھ تو کھا لیں۔ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ ٹھیک ہے۔ لیکن رزق سے تو ناراض نہ ہوں۔''

''جب یہ جانتی ہو کہ تم سے ناراض ہوں تو یہ بھی جانتی ہو کہ مجھے کس طرح کھانا کھلا سکتی ہو؟''

''ہاں۔ جانتی ہوں۔ میں بھوکی رہوں گی تو آپ سے برداشت نہیں ہوگا۔ آپ خود بھی کھائیں گے اور مجھے بھی کھلائیں گے۔''

وہ بڑے اعتماد سے بول کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بیشک میں یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ بھوکی پیاسی غمزدہ رہے۔ میں لباس تبدیل کر کے گھر سے نکل گیا۔ کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا تو وہ دوڑتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اس وقت تک میں کار آگے بڑھاتا ہوا اس کی رفتار تیز کرتا ہوا مین گیٹ سے باہر نکل گیا۔ وہ مجھے آواز بھی نہ دے سکی۔

اس کے ساتھ یہی رویہ مناسب تھا۔ نہ میں اسے فاقہ کرتے ہوئے غمزدہ دیکھتا، نہ اس سے متاثر ہوتا اور نہ اسے مناتا۔ اصولاً اسے ماننا تھا اور میرے پاس آ کر مجھے منانا تھا۔

دن گزر گیا۔ شام ہو گئی پھر اندھیرا پھیلنے لگا۔ تب اس نے فون پر مخاطب کیا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ وہ بولی۔ ''کیا مجھ سے نہیں بولیں گے؟ میں ابھی تک بھوکی ہوں۔''

میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ چپ رہا۔ اس نے کہا۔ ''آپ کو مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر جانا چاہئے تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کس رشتے سے کہیں ساتھ لے جاؤں؟ ہم کس رشتے سے ایک چھت کے نیچے، ایک چار دیواری میں رہتے ہیں؟''

وہ ذرا چپ رہی۔ پھر بولی۔ ''اتنی بڑی دنیا میں خدا کے بعد صرف آپ ہی ہیں۔ خدا کے لئے آ جائیں۔''

میں نے پھر وہی سوال کیا۔ ''کس رشتے سے....؟''

وہ رونے لگی۔ اس کی سسکیاں سنائی دیں۔ میں نے فون بند کر دیا۔ اسے بند کرنے کے باوجود سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ میرے احساسات کو چھو رہی تھیں۔ میرا دل محبت

سے بھر گیا۔ لیکن میں کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

حجاب کے بعد میں نے اسے کبھی تنہا نہیں رہنے دیا تھا۔ آج پہلی بار اسے چھوڑ کر آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بہن کے بعد میرے سہارے کی عادی ہوگئی ہے۔ رات تنہا نہیں گزارے گی۔

جو سوچا تھا' وہی ہوا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد فون پر روتے ہوئے کہا۔ ''آپ جیتے میں ہاری۔ گھر آجائیں۔ جو کہیں گے' وہ مانوں گی۔''

''میں عشاء کی نماز پڑھ کر مولوی صاحب کو لے کر آؤں گا۔ وہ آج ہی ہمارا نکاح پڑھائیں گے۔''

''پلیز جلدی نہ کریں۔ میں آپ کی بات مان تو رہی ہوں۔''

''جو کام آج ہوسکتا ہے' میں اسے کل پر کبھی نہیں ٹالتا۔''

''میری بات مان لیں۔ کل نکاح پڑھائیں۔''

''آج کیوں انکار کررہی ہو؟ کل تک کیا فرق پڑ جائے گا؟''

''میں آج کی تمام رات عبادت کرنا چاہتی ہوں۔''

میں نے ایک گہری سانس لے کر شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں آرہا ہوں۔''

''خدا کا شکر ہے۔ کھانا تیار ہے۔ آجائیں۔''

میں نے فون بند کردیا۔ مورشش میں ایک خوبصورت مسجد ہے۔ میں نے وہاں عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر گھر کے دروازے پر آکر کال بیل کا بٹن دبایا۔ میرا خیال تھا' وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کررہی ہوگی۔ کال بیل کی آواز سنتے ہی دوڑتی ہوئی آئے گی اور بڑے پیار سے دروازہ کھولے گی۔ لیکن فوراً ہی دروازہ نہیں کھلا۔ وہ میرا کیا انتظار کرتی؟ میں ہی اس کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے پھر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ وہ دروازہ کھولنے نہیں آئی۔ میرے دل میں جو رومانی جذبات مچل رہے تھے' وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ یہ سمجھ میں آگیا کہ وہ عشاء کی نماز میں مصروف ہے۔

پھر یکبارگی سر سے پاؤں تک میں ہولے سے لرز گیا۔ اسم اعظم کی آواز ابھری تھی۔ یا اللہ....! رب عظیم کی ادائیگی میں ایسی شدت' ایسی تڑپ تھی کہ میں ہل گیا تھا۔ شاید گر پڑتا لیکن

فوراً ہی دروازے سے لگ گیا۔

پہلی بار معلوم ہوا کہ اسم اعظم روح کی گہرائی سے ادا کیا جائے تو اس نام کی آواز اور لہجے کی گونج سے دل پر ہیبت طاری ہوجاتی ہے۔

میں بہت سخت جان ہوں۔ ساری زندگی موت سے پنجے لڑاتا آیا ہوں۔ بارہا دشمنوں کی لائی ہوئی موت کا منہ پھیرتا رہا ہوں۔ کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ عام مسلمانوں کی طرح رسمی طور پر کہتا ہوں کہ میرے دل میں خدا کا خوف ہے۔ حقیقتاً ہم صرف زبان سے کہتے ہیں۔ مگر خدا سے ڈرتے نہیں ہیں۔ آج پتہ چلا کہ خوف کیا ہوتا ہے؟ موت سے نہ ڈرتے ہوئے بھی اسم اعظم سنتے ہی پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی بابا سائیں کی طرح اسم اعظم پڑھے۔

ندا کے سینے سے نکلی ہوئی اسم اعظم کی گونج اب تک میرے سینے میں لرز رہی تھی۔ یہ یقین ہورہا تھا کہ اسے اسم اعظم کی ادائیگی میں روحانی کمال حاصل ہونے لگا ہے۔

اب وہ پڑھنے کے دوران اپنے باطن میں پہنچنے لگی تھی۔ اپنے اندر پہنچنے کی لگن سے پہنچو تو روح سے شناسائی حاصل ہونے لگتی ہے۔ ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے' جیسے کچھ دریافت ہونے والا ہو۔

میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ دریافت کرنے کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔

میں دروازے سے لگا کھڑا تھا۔ پھر ایک بار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ پھر اسم اعظم کی گونج سنائی دی۔ اس بار آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ جیسے وہ دروازے پر آگئی ہو۔

تب میں نے محسوس کیا کہ دروازہ بند نہیں ہے' کھل چکا ہے۔ میں دروازے سے لگا ہوا تھا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر ہینڈل کو تھام کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

میں نے اندر آکر دیکھا۔ وہ نہیں تھی۔ اس کے سینے سے جو اسم اعظم ادا ہوا تھا' وہ ادائیگی فضا میں لہراتی ہوئی' گونجتی ہوئی آئی تھی اور دروازہ کھل گیا تھا۔

بے شک۔ اللہ جسے چاہتا ہے' عزت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے' ذلت دیتا ہے۔

اور ندا کو عزت مل رہی تھی۔ میں حیرانی سے دروازے کو تک رہا تھا۔ کیا سوچ کر آیا تھا کہ ندا اپنی عمر کے بانکپن کے ساتھ لہراتی بل کھاتی ہوئی آئے گی' دروازہ کھولے گی۔ میں اس سے روٹھ کر گیا تھا۔ مجھے منانے کے لئے گلے کا ہار بن جائے گی۔

میں ساری عمر عشق و ہوس کے گرداب میں گھومتا رہا تھا۔ آج آنکھ کھلی تو دل اور دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ کسی شاعر کی رومانی غزل' جھیل کا کنول اور تاج محل نہیں ہے۔ ایک

پاکیزہ ہستی ہے۔

وہ ہستی جو تیرے دل میں بستی تھی، وہ بدل چکی ہے۔ اس نے پچھلے دو برسوں کے ایک ایک لمحے میں عبادت کی طرح عبادت کی ہے اور طہارت کے صحیح مفہوم کے مطابق اپنے بدن کے روئیں روئیں کو پاک رکھ کر خدا کو پکارا اور خدا اسے سن رہا ہے۔ اسے قبول کر رہا ہے۔ اسے تبدیل کر رہا ہے۔ اب وہ بندہ نہیں رہی ہے۔ ایک پاکیزہ ہستی ہے۔ خبردار! اسے ہاتھ نہ لگانا۔

میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کی خوابگاہ میں پہنچا۔ اسی وقت وہ جائے نماز سے اٹھ گئی تھی۔ مصلے کو تہہ کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی آسودگی اور اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔

میں نے کہا۔ ''تم میرے بغیر تنہا نہ رہ سکیں۔''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''اب میں تنہا نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ میرے اندر رہتا ہے۔ صرف وہی میرے لئے ضروری ہے اور جب وہ میرے پاس ہے تو کوئی میرے لئے ضروری نہیں ہے۔''

میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ مجھے غیر ضروری کہہ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا میں بھی ضروری نہیں ہوں؟''

''آپ میرے اور میری باجی کے محسن ہیں۔ اس معبود نے آپ کو وسیلہ بنا کر آج بھی مجھے آپ کی سرپرستی میں رکھا ہے۔ آئیں کچن میں چلیں۔''

ہم دونوں کچن میں آ گئے۔ میں نے کہا۔ ''میں نے پہلی بار کال بیل کا بٹن دبانے سے پہلے دیکھا تھا، دروازہ بند تھا۔ تم دروازے پر نہیں آئیں۔ اسم اعظم پڑھ رہی تھیں۔''

وہ سالن گرم کر رہی تھی اور روٹیاں پکا رہی تھی۔ اس نے جواباً کہا۔ ''الحمدللہ....''

''جب تم نے دوسری بار اسم اعظم پڑھا تو دروازہ کھل گیا اور میں اندر آ گیا۔''

اس نے چونک کر سر گھما کر مجھے دیکھا۔ پھر بڑے جذبے سے کہا۔ ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا تم حیران نہیں ہو؟''

''حیران نہیں ہوں۔ آپ سے باتیں کر رہی ہوں۔ جب بھی چپ ہو جاتی ہوں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ میرا معبود میرا پروردگار مجھ سے راضی ہے۔ آپ سے بھی التجاء کرتی ہوں، مجھ سے راضی ہو جائیں۔ ابھی شادی نہ کریں۔ مجھے صرف اور صرف اپنے پاک

پروردگار سے لو لگانے دیں۔''

میں نے ناگواری سے کہا۔ ''تم پھر وہی بحث کر رہی ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کبھی رہبانیت کی طرف نہ جاؤ۔ عبادت بھی کرو اور دنیا داری بھی نبھاؤ۔''

''بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور میں حکم سے انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ لیکن آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ تھوڑی سی مہلت چاہتی ہوں۔ میں نے نیت کی ہے کہ جب تک انگوٹھی اور عصاء حاصل نہیں کروں گی، ان کے ذریعے آپ کو تحفظ فراہم نہیں کروں گی، تب تک خواہشات کی آلودگیوں سے دور رہوں گی۔''

''اور تب تک میں انتظار کرتا رہوں گا۔ پتہ نہیں کتنے مہینے کتنے برس لگ جائیں گے؟''

''آپ دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہے۔ مجھے کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ ذرا صبر کر لیں۔''

''تم ضد کرو گی۔ اپنی بات منواؤ گی تو میں ابھی چلا جاؤں گا۔''

وہ چپ ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں جیسے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ بہت آہستہ آہستہ کام کر رہی تھی۔

میں نے کہا۔ ''آخری فیصلہ سناؤ۔ ہاں یا ناں۔ پھر تمہاری خوشامد نہیں کروں گا۔ یہاں سے جاؤں گا اور کسی سے نکاح پڑھا لوں گا۔''

اس نے سر جھکا کر کہا۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی تحویل میں دیا ہے۔ میں آپ کی رضا میں راضی ہوں۔''

وہ راضی تھی۔ مگر دل سے نہیں۔ مجبوری سے ہاں کہہ رہی تھی۔ جب میں ڈائننگ ٹیبل پر اس کے ساتھ کھانے بیٹھا تو رہ رہ کر چور نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ غضب کا حسن تھا۔ ایسی کشش تھی کہ کھنچا چلا جاتا تھا۔ شائد کشش اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ وہ انکار کر رہی تھی۔ کوئی نہیں چاہتا کہ جو مسرتیں ہمیں ملنے والی ہیں، وہ ہاتھ سے نکل جائیں۔ مجھے ہر حال میں اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنی تھی۔

میں نے سوچا، ابھی یہ کترا رہی ہے۔ کوئی بات نہیں۔ کل جب دلہن بنے گی اور نئی مسرتوں سے مالامال ہوگی تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ دین کے ساتھ دنیا داری بھی لازمی ہے۔ میں مسلمان ہوں، ایسا دیندار ہوں کہ اسے زیادہ سے زیادہ عبادت میں مصروف دیکھ کر خوش ہوتا رہوں گا۔

میں نے کھانے کے دوران اسے سمجھایا۔ وہ چپ رہی۔ کسی گہری سوچ میں گم رہی۔ میں نے پھر اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر ہوں ہاں کہہ کر مختصر سا جواب دے کر مجھے ٹال دیا۔

میں کھانے کے بعد اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ یہ بات واضح تھی کہ میرے اور اس کے درمیان ذہنی مطابقت نہیں تھی۔ میں نے خود کو سمجھایا کہ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ اپنی ضد پوری نہ ہونے کے باعث مایوس ہو گئی ہے اور ناراضی ظاہر کر رہی ہے۔ کل تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔

میں لائٹ آف کر کے بیڈ پر آ گیا۔ خیالوں میں اسے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ بھرپور حجاب تھی یا بچی سے جوان ہونے والی ندا تھی؟ دونوں ہی میری آغوش میں تھی۔ میں نے حجاب کی تمنا کی تھی مگر اسے حاصل نہیں کر سکا تھا۔

اب ندا حاصل ہونے والی تھی۔ جبراً ہی سہی میری خواہش کی تکمیل ہونے والی تھی اور اس سے پہلے ہی میں اسے خیالوں میں حاصل کر رہا تھا۔ ایک بار میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ وہ تبدیل ہو چکی ہے۔ ایک پاکیزہ ہستی ہے۔ خبردار! اسے ہاتھ نہ لگانا۔

جس بات سے منع کیا جائے' دل اس کے لئے اور مچلتا ہے۔ وہ جو کل ملنے والی ہے' دل اسے آج ہی خیالوں میں حاصل کرنے لگتا ہے۔

میں شرم و حیاء کی حد سے گزر گیا۔ میں نے ایک پاکیزہ ہستی کو داغدار کر دیا۔ وہ ناراض نہیں تھی۔ بہت خوش تھی' میرے گلے لگ کر مجھ پر قربان ہو رہی تھی۔

خیالی دنیا میں تو وہی ہوتا ہے' جو ہم چاہتے ہیں۔ میری تنہائی میں آنے والی ندا مجھ سے راضی تھی۔ لیکن حقیقت کیا تھی؟ وہ پاکیزہ ہستی کہاں تھی؟

میں نے خیالوں کی دنیا سے نکل کر دیکھا۔ میں اپنی خوابگاہ میں تنہا تھا۔ رات کا ایک بجا تھا۔ میں نے بیڈ سے اتر کر سوچا' ذرا دیکھوں تو سہی' وہ کیا کر رہی ہے؟

وہ اپنی خوابگاہ میں تھی۔ میں نے کھڑکی کے پردے کو ذرا سا ہٹا کر دیکھا۔ وہ بستر پر نظر نہیں آئی۔ کمرے کا دوسرا حصہ وہاں سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ وہ جائے نماز پر تھی۔

اس نے کہا تھا' آج تمام رات عبادت میں مصروف رہے گی اور ایک رات کی کیا بات ہے؟ اس نے اپنی ساری زندگی عبادت کے لئے وقف کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی لو لگائی تھی کہ شادی کے نام پر میری مداخلت بھی گوارہ نہیں تھی۔

میں نے دیکھا' وہ سجدے میں تھی۔ اس کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ تب سمجھ میں آیا کہ وہ سسک رہی ہے' رو رہی ہے۔

مجھے شرمندہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن غصہ آ رہا تھا کہ کیا میں اس پر ظلم کر رہا ہوں؟ وہ بے سہارا ہے' نامحرم ہے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ایک چھت کے نیچے رہنے کے لئے منکوحہ بنا رہا ہوں۔ ساری زندگی کے لئے اس کا محافظ بن رہا ہوں۔ کیا اس پر ظلم کر رہا ہوں؟

میں جھنجلا کر وہاں سے چلا آیا۔ اپنے بیڈ پر آ کر تھوڑی دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر تھا کہ وہ تمام رات روتی رہی ہے' جاگتی رہی ہے اور عبادت کرتی رہی ہے۔ اس نے ناشتہ نہیں کیا۔ صرف چائے پینے لگی۔

میں نے کہا۔ ''تمہاری صورت سے پتہ چل رہا ہے کہ میں تمہیں اپنی شریک حیات نہیں بنا رہا ہوں۔ تمہیں عزت آبرو سے تحفظ فراہم نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ سزائے موت دے رہا ہوں۔''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''ایسا نہ بولیں۔ مجھے آپ سے شکایت نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے شکایت ہے۔ تم ناشتہ نہیں کر رہی ہو۔''

''طبیعت بوجھل سی ہے۔ سر بھاری سا لگ رہا ہے۔ ابھی جا کر نیند پوری کروں گی۔ پھر ناشتہ کروں گی۔''

''بہتر ہے' جا کر نیند پوری کرو۔ ہم لنچ باہر کریں گے۔ پھر شادی کے لئے جتنی چاہو شاپنگ کر لینا۔ بعد نماز مغرب ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔''

''میری ایک بات مانیں گے؟''

''ہزار باتیں مانوں گا۔ بولو۔''

''ہم باہر لنچ نہیں کریں گے اور میں شاپنگ بھی نہیں کروں گی۔ میرے پاس پہننے کے لئے نئے جوڑے ہیں۔''

''کل سے گھر کی چار دیواری میں ہو۔ کچھ تو آؤٹنگ ہونی چاہئے۔''

''میں نکاح سے پہلے زیادہ سے زیادہ عبادت میں وقت گزارنا چاہتی ہوں۔''

''نہ میں نے عبادت سے پہلے کبھی روکا ہے' نہ اب روکوں گا۔ لیکن شادی کے بعد تمہارا فرض ہوگا کہ اپنے شوہر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارو۔''

وہ چپ رہی۔ مگر بے چینی سے کرسی پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدلنے لگی۔ میں نے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''ایک بات کہنا چاہتی ہوں' مگر کہہ نہیں پاتی۔ سوچتی ہوں' آپ پھر سے ناراض ہو جائیں گے۔''

''ناراض کرنے والی بات نہ کہو' میں نہیں سنوں گا۔''

''آپ کی بہتری کے لئے کہنا چاہتی ہوں۔''

''میری بہتری رہنے دو۔ میں جانتا ہوں' تم کیا کہو گی؟''

اس نے جھکی جھکی نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''کل آپ نے کہا تھا کہ بیرونی دروازہ بند تھا' پھر کھل گیا تھا۔ جبکہ میں کھولنے نہیں آئی تھی؟''

''ہاں۔ میرے ذہن میں یہی بات آئی کہ یا تو تمہارے اسم اعظم پڑھنے کی وجہ سے وہ دروازہ کھلا تھا یا تم اسے پہلے ہی بند کرنا بھول گئی تھیں اور میں اسے کھول کر اندر آ گیا تھا۔''

''آپ کے جانے کے بعد میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''تو پھر وہ آپ ہی آپ کیسے کھل گیا؟''

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا۔ ''میں اسم اعظم پڑھ رہی تھی۔ آپ نے ضرور سنا ہو گا؟''

میں نے کچھ نہ کہا۔ وہ بھی کچھ نہیں بول رہی تھی۔ ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ایسا معجزہ ہوا تھا۔ یہ تسلیم کرنے والی بات تھی کہ ندا کو اسم اعظم پڑھنے کی روحانی قوت حاصل ہو گئی ہے۔

اس نے کہا۔ ''اگر میں بابا سائیں کے غار میں جاؤں اور اس چٹان پر ہاتھ رکھ کر اسم اعظم پڑھوں تو اللہ کی مرضی سے ہمیں غار کے اندر جانے کا راستہ مل جائے گا۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔ آپ میری بات مانیں۔ نکاح نہ پڑھائیں۔ پہلے یہاں سے انڈیا جانے کی تیاری کریں۔ کسی بھی پہلی فلائٹ میں ہمارے لئے سیٹ او۔کے کرائیں۔''

میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا' وہ چپ ہو گئی۔ فوراً ہی اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے

بولی۔ ''پلیز فاصلہ رکھیں۔''

میں نے کہا۔ ''پہلے ہم یہ فاصلہ مٹائیں گے' نکاح پڑھائیں گے۔ میاں بیوی بن کر یہاں سے بابا سائیں کے غار کی طرف جائیں گے۔''

''انگوٹھی اور عصاء کا تعلق روحانی قوتوں سے ہے۔ یہ چیزیں میری روحانی صلاحیتوں سے حاصل ہونے والی ہیں۔ پھر آپ دل کی' دماغ کی اور بدن کی پاکیزگی کے ساتھ انہیں کیوں نہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ انہیں حاصل کرنے کے بعد مجھ سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں۔''

میں جھنجھلا گیا۔ میز پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''تم پھر اپنی ضد منوانا چاہتی ہو؟ یہ دیکھ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے تمہیں روحانی صلاحتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ ہم آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں جا کر انہیں حاصل کر لیں گے۔ وہ چیزیں وہاں سے بھاگی نہیں جا رہی ہیں۔''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں نے یہ نیت کی ہے کہ اپنے بدن کی اور روح کی تمام تر پاکیزگیوں کے ساتھ اسم اعظم پڑھنے کی صلاحیت حاصل کروں گی۔ اس پاک نام کی برکت سے انگوٹھی اور عصاء حاصل کروں گی۔ اس کے بعد دنیاوی خواہشات کے متعلق سوچوں گی۔ میں نے عبادت کے دوران ہاتھ باندھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے جو نیت کی ہے۔ پلیز۔ اس کا لحاظ کریں۔''

میں نے غصے سے چیختے ہوئے ایک ہاتھ کھانے کی ڈشوں پر مارا۔ وہ ڈشیں شور مچاتی ہوئی کچھ میز پر بکھر گئیں' کچھ نیچے جا کر گریں۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھا تو میری کرسی پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ وہ سہم کر کھڑی ہو گئی تھی۔

میں نے کہا۔ ''جاؤ۔ تم آزاد ہو۔ میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہاں عیش وآرام سے رہو۔ تمہاری تمام ضرورتیں اور تمام اخراجات پورے ہوتے رہیں گے۔ مجھے کبھی کال کرنے کی زحمت نہ کرنا۔ تمہیں جواب نہیں ملے گا۔''

میں وہاں سے چلتا ہوا ڈائننگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں آیا۔ وہاں ایک اٹیچی میں ضروری سامان رکھنے لگا۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ روتے ہوئے کہنے لگی۔ ''مجھے معاف کر دیں۔ میں اب کچھ نہیں بولوں گی' چپ رہوں گی۔ آپ جو کہیں گے وہی کرتی رہوں گی۔''

''تم کل سے یہی تماشے کر رہی ہو۔ ابھی مجھے روکنے کے لئے میری بات سن رہی ہو۔ تھوڑی دیر بعد پھر اپنی بات' اپنی ضد منوانے کی کوششیں کرو گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔ اب کچھ نہیں بولوں گی' کچھ نہیں کروں گی۔ نہ آپ کو غصہ

آئے گا۔''

میں نے اسے اپنے قدموں سے الگ کیا۔ پھر کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ شام کو مولوی صاحب اور چار جانثاروں کے ساتھ آؤں گا۔ ان سب کی موجودگی میں ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔''

میں وہاں سے چلا آیا۔ اس سے دور ہو گیا۔ یہ طے کر لیا کہ نکاح کے وقت ہی وہاں جاؤں گا۔ اس سے پہلے جاؤں گا تو وہ پھر اپنی بات منوانے کی کوشش کرے گی۔

بہر حال بعد نماز مغرب میری مرادیں پوری ہو گئیں۔ ہمارا نکاح پڑھا دیا گیا۔ ندا نے مجھے قبول کر لیا۔ میرے چار جانثاروں کے ساتھ ان کی مائیں' بہنیں اور بیویاں آئی تھیں۔ انہوں نے کھانے پینے کے انتظامات کئے تھے۔ وہ ناچنا گانا بھی چاہتے تھے۔ ندا نے اعتراض کیا تو ہنسنے بولنے اور ناچنے گانے جیسی دھوم دھام نہیں ہوئی۔

نکاح کے بعد عورتوں نے اسے میری خوابگاہ میں پہنچا دیا تھا۔ میں مہمانوں کی موجودگی میں اس وقت وہاں نہیں گیا۔ ان کی خاطر مدارات کرتا رہا۔ عشاء کے بعد وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ تب میں اپنی خوابگاہ میں آیا۔

ہماری مشرقی روایات کے مطابق جب دولہا حجلہ عروسی میں آتا ہے تو دلہن گھونگھٹ میں چھپی سمٹی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن وہ گھونگھٹ میں نہیں تھی۔ سہاگ کی سیج پر بھی نہیں تھی۔

میں پوری طرح دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ مصلے پر تھی۔ میں اندر سے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ یہ مناسب نہیں تھا۔ اسے وہاں نہیں' میرے ارمانوں کی سیج پر ہونا چاہئے تھا۔

عجیب معاملہ تھا۔ مجھے عبادت کو نا مناسب نہیں کہنا چاہئے۔ عبادت تو کسی وقت بھی جاری رہ سکتی ہے۔ اس پر شیطان ہی اعتراض کر سکتا ہے۔ میری ساری رومانیت' سارے جذبات غارت ہو گئے۔ کیسی مجبوری تھی' میں اسے سمجھا بھی نہیں سکتا تھا۔ چپ چاپ بے بسی سے دیکھنے لگا۔

میں نے دیکھا' وہ نماز نہیں پڑھ رہی تھی۔ بڑی دیر سے سجدے کی حالت میں تھی۔ میں جب سے آیا تھا' اسی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ہی دھیمی آواز میں اسم اعظم پڑھ رہی تھی۔

اس کی دھیمی سی گنگناتی ہوئی آواز میں' بہت ہی درد و کرب تھا۔ وہ سہاگن بن کر خوش نہیں تھی۔ اسم اعظم کی ادائیگی کہہ رہی تھی' وہ رو رو کر اپنے معبود کو پکار رہی ہے۔

ان لمحات میں ہم دونوں عبودیت اور شیطانیت کے سنگم پر تھے۔ وہ اللہ کو پکار رہی تھی

اور میں ہوس کی سیج بچھائے انتظار کر رہا تھا۔

نکاح ہو چکا تھا۔ وہ میری منکوحہ تھی۔ میرے پاس آنے والی تھی۔ لیکن سجدے کی حالت میں یوں منہ چھپا ہوا تھا' جیسے قصائی سے بچنے کے لئے سجدے کی چادر میں خدا کے پاس چھپ رہی ہو۔

وہ نیت کر چکی تھی کہ اسم اعظم پڑھنے کی روحانی صلاحیت حاصل کرنے اور انگوٹھی اور عصا تک پہنچنے سے پہلے نفسانی خواہشات کا خیال بھی دل میں نہیں لائے گی۔

اور میرا مطالبہ بھی جائز تھا۔ وہ میری منکوحہ تھی۔ ازدواجی وظیفہ ادا کرنا اس کا فرض تھا۔

میں نے قریب آ کر آواز دی۔ ''ندا! تم بڑی دیر سے سجدے میں ہو۔ اٹھو.....''

سجدہ اٹل رہا۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میں نے قریب بیٹھتے ہوئے آواز دی۔

''ندا! اٹھ جاؤ۔ ہم رات گزاریں گے۔ پھر فجر کی نماز پڑھیں گے۔''

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو یوں لگا' جیسے برف کی سل پر ہاتھ رکھا ہو۔ پھر میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ یا حیرت! وہ ایسی ٹھنڈی ہو گئی تھی' جیسے ابھی فریزر سے نکالا گیا ہو۔

جوانی گرم ہوتی ہے' جذبے آگ ہوتے ہیں' تب ہی ہوس کو گرماتے ہیں۔ اس کے بدن میں آگ تو کیا' ننھی سی چنگاری بھی نہیں تھی۔

اب وہ بھڑکا نہیں رہی تھی۔ الجھا رہی تھی۔ کیا یہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈی ہو گئی ہے؟

میں جھک کر دونوں ہاتھوں سے اس کے شانوں کو تھام لیا۔ ہولے سے جھنجھوڑتے ہوئے آواز دی۔ ''ندا! اٹھو.....''

وہ اسم اعظم پڑھتی ہوئی اٹھی تو ایسا لگا' جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ میں بیٹھے بیٹھے اچھل کر پیچھے چلا گیا۔ یہ ایک احساس تھا کہ جھٹکا لگا ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بات اسم اعظم کی ادائیگی میں تھی۔ اس ادائیگی نے مجھے ندا سے دور کر دیا تھا۔ تاکہ میں اسے چھو بھی نہ سکوں۔

اس نے خواہشات کی آلودگیوں سے دور رہنے اور پاک رہنے کی جو نیت کی تھی' اس نیت پر اسم اعظم کی مہر لگ چکی تھی۔

میں پیچھے ہٹ گیا۔ یہ سمجھ میں آ گیا کہ وہ ایک پاکیزہ ہستی بن چکی ہے۔ میں نکاح کے بعد بھی اسے ہاتھ نہیں لگا سکوں گا۔ جب روحانی معاملات اسے اجازت دیں گے' تب ہی وہ آئے گی اور میں اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکوں گا۔

میں وہاں سے اٹھ گیا۔ دور ہو کر اسے حسرت سے دیکھنے لگا۔ اب وہ دوزانو بیٹھی سر

جھکائے اسم اعظم پڑھ رہی تھی۔ پتہ نہیں اس کی ادائیگی میں کیا بات تھی' مجھے پتھر لگ رہے تھے۔ میں سر جھکا کر اس کمرے سے باہر آ گیا۔

اپنی دلہن کو چھوڑ کر یوں لگا' جیسے ذلت کی مار پڑی ہے۔

نکاح پڑھانے کے باوجود میرے حق سے مجھے محروم کیا گیا تھا۔ مجھے محروم کرنے والی پارسا تھی۔ پاکیزہ تھی' عبادت گزار تھی۔ میں احتجاج بھی نہ کر سکا۔

کمرے سے باہر آ کر بری طرح جھنجھلا گیا۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ حجاب گئی' نینی گئی' سلوئی گئی اور اب ندا بھی گئی۔ پچھلی بار سلوئی سے نکاح پڑھایا تھا۔ مگر اس سے بھی ازدواجی تعلق قائم نہ ہو سکا تھا۔

پنڈت دینا ناتھ نے کہا تھا کہ میں آٹھ برسوں کے بعد ازدواجی مسرتیں حاصل کر سکوں گا۔ وہ آٹھ برس گزر چکے تھے۔ ندا سے نکاح ہو چکا تھا۔ پھر مسرتوں سے محروم کیوں ہو رہا تھا؟ میں تندرست اور توانا تھا۔ ایسی حالت میں فطری خواہش کی تکمیل کے بغیر کیسے رہ سکتا تھا؟

مجھ جیسے دولتمند اور صحت مند کبھی بھرم چاری بن کر نہیں رہتے۔ نیک نیتی سے شریفانہ زندگی گزارنے کے لئے ایک عورت لازمی ہوتی ہے۔

اور وہ ایک عورت میری زندگی میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر آ رہی تھی تو ٹھینگا دکھا کر جا رہی تھی۔ تقدیر منہ چڑا رہی تھی اور شیطانی ارادے کہہ رہے تھے۔ ''بہت ہو چکا۔ کوئی عورت دلہن بن کر نہیں آئے گی۔ ہاں۔ آئے گی... ابھی آئے گی مگر تہذیب کے چور دروازے سے آئے گی۔''

میں نے قد آدم آئینے میں خود کو دیکھا' سر سے پاؤں تک بڑی حد تک جوان دکھائی دے رہا تھا۔ حالانکہ واپسی کے سفر میں ابھی صرف دس برس گزرے تھے۔

کیا واپسی کا سفر یونہی رائیگاں جائے گا؟

کیا یہ جو جوانی مل رہی ہے' یہ صرف دکھاوے کے لئے ہے؟

کیا میں نمائشی جوان بن کر رہوں گا اور جوانی کے تقاضے کبھی پورے نہیں کر پاؤں گا؟

اب تک تو میرے ساتھ یہی ہو رہا تھا اور اب میں سلگ رہا تھا۔ برداشت کی حد ہو چکی تھی۔ تقدیر نے مجھے دلہن کے کمرے سے نکال دیا تھا۔ کیا دلہنوں کی کمی ہے؟ میں ابھی ایک رات کی دلہن لا سکتا تھا۔

میرے دماغ میں جیسے دھواں بھر گیا تھا۔ میں گھر سے باہر آ گیا۔ شائد کھلی فضاء میں

اندر کے جس سے نجات مل سکتی تھی۔ رات کا ایک بجا تھا۔ میں کار ڈرائیو کرتا ہوا سڑک پر نکل آیا۔

ہور شیش کے کئی علاقے رات کو بھی جاگتے تھے اور جہاں رت جگا ہوتا ہے۔ وہاں جرائم اور گناہوں کا بازار بھی گرم رہتا ہے۔ میں کہوں گا کہ بے خیالی میں ادھر نکل آیا تھا یا پھر میرے حالات مجھے تھپکنے اور تسکین پہنچانے کے لئے ایسی جگہ لے آئے تھے۔ جہاں عارضی مسرتیں ملتی ہیں اور وہ مسرتیں عارضی ہی سہی مگر زخم پر مرہم رکھتی ہیں۔

☆☆☆

تمام مخالفین کو یقین ہو گیا تھا کہ پاپا اس دنیا میں نہیں رہے۔ لیکن تھری ایس ہندوستان میں موجود ہے۔ یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ میں نے ریڈ مرکری کو اسی ملک میں کہیں چھپا کر رکھا ہے۔

ایسی ہی قیاس آرائی نے راء والوں کی اور بھارتی حکمرانوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ ان کے ذہین اور بہترین تربیت یافتہ جاسوس مجھے پورے ہندوستان میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

مجھے ڈھونڈ نکالنے کا سب سے اہم ذریعہ ممی ثناء تھیں۔ وہ بے چاری میرے پاپا سے دل لگا کر پھر ان کی منکوحہ بن کر مسلسل مصائب برداشت کرتی آ رہی تھیں۔ سی آئی اے کے اور موساد کے جاسوس دن رات ان پر نظر رکھتے تھے۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ یہ جانتے تھے کہ وہ اپنے بچے کے ساتھ زندہ سلامت رہیں گی تو ان کے ذریعے کبھی نہ کبھی مجھ تک ضرور پہنچ سکیں گے۔

وقت کا کام ہے گزرتے رہنا۔ یوں گزرتے گزرتے پانچ برس ہو گئے تو ان کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسز ثناء غازی کو پریشان کیا جائے گا تو تھری ایس تڑپ کر اپنی ماں کی مدد کے لئے ضرور آئے گا۔ ان سے رابطہ کرے گا اور اپنی ممی کی خاطر کوئی سمجھوتہ کرے گا۔

پانچ برس پہلے میں نے ایک افسر کو جہنم رسید کیا تھا۔ مخالفین کو دھمکیاں دی تھیں کہ پاپا کی شریک حیات کو اور بچے کو کوئی نقصان پہنچے گا تو تمام خفیہ ایجنسیوں اور تنظیموں کے اہم افراد باری باری مرتے رہیں گے۔

ایسی دھمکیوں کے باعث وہ اب تک خاموش رہ کر مجھے تلاش کرتے رہے تھے۔ اب مرنے مارنے پر تل گئے تھے۔ انہوں نے اچانک ہی ممی کی رہائش گاہ پر چھاپہ مارا۔ پورے گھر کی تلاشی لینے لگے۔

ماہرین نے اس گھر کے فرش کو جگہ جگہ سے ٹھونک بجا کر دیکھا۔ خیال تھا کہ وہاں کہیں

تہہ خانے میں ریڈ مرکری چھپا کر رکھی گئی ہے۔لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔

راء کے ڈائریکٹر نے ممی سے پوچھا۔"تمہارے ساتھ یہ بوڑھے میاں بیوی کون ہیں؟تمہاری آمدنی کے ذرائع کیا ہیں؟تم اتنے عیش وآرام سے کیسے رہتی ہو؟"

سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے کہا۔"ہمارا بدترین دشمن تھری ایس تمہاری سرپرستی کرتا ہے۔تم درپردہ اُس کے لئے کام کررہی ہو۔"

موساد کے چیف نے کہا۔"تم غازی صلاح الدین کی وائف ہو۔تھری ایس نے ریڈ مرکری کو پہلے غازی کی تحویل میں دیا تھا۔وہ مر چکا ہے۔اب وہ ریڈ مرکری کہاں ہے؟یہ صرف تم ہی بتاسکتی ہو۔نہیں بتاؤ گی تو ہم تمہارے اس بیٹے کو قیدی بنا کر لے جائیں گے۔آج کے بعد تم اس کی شکل بھی نہیں دیکھ پاؤ گی۔"

صلاح الدین ثانی سات برس کا ہوگیا تھا۔اس وقت ماں کے پاس کھڑا ہوا تھا۔گھر میں گھس آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔بڑی معصومیت سے چُپ چاپ ان کی باتیں سن رہا تھا۔اس نے راء کے ڈائریکٹر کو گھور کر دیکھا تو اس کے فون سے کالنگ ٹون ابھرنے لگی۔

وہ فون کا بٹن دبا کو کان سے لگاتے ہوئے بولا۔"ہیلو کون؟"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔"میں یہاں موجود ہوں۔سب دیکھ رہا ہوں۔سب سن رہا ہوں۔فوراً اپنے گھر کی خبر لو۔"

وہ بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی افسران سے بولا۔"وہ یہاں موجود ہے۔ہمیں دیکھ رہا ہے۔ہماری باتیں سن رہا ہے۔"

اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ پورے گھر میں غازی صلاح الدین کو تلاش کیا جائے۔

ایک افسر نے پوچھا۔"کیا وہ فون پر بول رہا ہے؟"

"ہاں۔جسٹ آمنٹ....."

یہ کہہ کر اس نے فون کو پھر کان سے لگا کر کہا۔"میں تمہاری آواز پہچان رہا ہوں۔تم کہاں ہو؟سامنے آؤ۔"

اسے جواب نہیں ملا۔فون بند ہو چکا تھا۔

موساد کے چیف نے پوچھا۔"کیا تم نے واقعی غازی کی آواز سنی ہے؟اگر وہ یہاں موجود ہے تو پھر فون پر کیوں بول رہا ہے؟سامنے کیوں نہیں آرہا ہے؟اس سے بولو!یہاں آئے۔ہم سے سمجھوتہ کرے۔"

اس نے بٹن دبا کر کال کرنے والے کے نمبر دیکھنا چاہے تو وہاں کوئی نمبر نہیں تھا۔وہ حیرانی اور پریشانی سے فون کو تکنے لگا۔ایک نے پوچھا۔"کیا بات ہے؟تم پریشان کیوں ہو؟"

وہ بڑے تعجب سے بولا۔"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟فون کرنے والے کا نمبر نہیں ہے۔یہ آپ ہی آپ کیسے مٹ گیا؟"

ممی کے دل کی دھڑکنیں یکبارگی تیز ہوگئیں۔ایسا تو اُن کے ساتھ بھی ہوا تھا۔جب صلاح الدین ثانی پیدا ہوا تھا تو اس وقت بھی جسمانی طور پر پاپا کا وجود نہیں تھا۔انہوں نے فون کے ذریعہ نوزائیدہ بیٹے کے کان میں اذان سنائی تھی۔پتہ نہیں انہوں نے کس فون سے اذان سنائی ہوگی'اس کا نمبر آپ ہی آپ مٹ گیا تھا۔

سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے پوچھا۔"غازی کیا کہہ رہا تھا؟"

"یہی کہہ رہا تھا کہ یہاں موجود ہے۔ہمیں دیکھ رہا ہے۔ہماری باتیں سن رہا ہے اور مجھے فوراً اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پھر کالنگ ٹون سنائی دی۔اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔اس کی وائف چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔"ہائے!ہم تو لٹ گئے۔گھر میں آگ لگ گئی ہے۔میں بچوں کے ساتھ جان بچا کر باہر آئی ہوں۔آپ کہاں ہیں؟"

"میں ابھی آرہا ہوں۔یہ بتاؤ'اچانک آگ کیسے لگ گئی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ایسی غضب کی آگ ہے کہ پڑوسی بھی گھر چھوڑ کر دور چلے گئے ہیں۔"

"حوصلہ کرو۔میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ فون بند کرکے وہاں سے جانے لگا۔ڈپٹی ڈائریکٹر نے پوچھا۔"کیا آپ کے گھر میں آگ لگ گئی ہے؟"

وہ جاتے جاتے بولا۔"ہاں۔ابھی غازی نے فون پر کہا تھا کہ فوراً اپنے گھر کی خبر لو۔"

وہ بولتا ہوا چلا گیا۔سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے اپنے فون کو دیکھا۔رنگ ٹون اُبھر رہی تھی۔لیکن فون کرنے والے کا نمبر اسکرین پر نہیں تھا۔وہ بڑبڑایا۔"امیزنگ...یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔"تم نے پرائے گھر میں گھسنے سے پہلے اپنے گھر کی گیس لائن چیک نہیں کی۔تمہارے اہم دستاویزات جل کر راکھ ہو چکے ہیں۔"

سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ ''غازی! یہ تم ہو۔ اپنی قبر سے بھی بولو گے تو میں تمہیں پہچان لوں گا۔ اگر یہاں چھپے ہو تو فوراً سامنے آؤ۔''

ممی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ اس فون کی طرف کھنچی چلی آئیں، جہاں سے پاپا کی آواز ابھر رہی تھی۔ ڈپٹی ڈائریکٹر نے جھنجھلا کر ان سے کہا۔ ''اس نے فون بند کر دیا ہے۔ تم شروع سے جانتی ہو وہ زندہ ہے۔ تم سے چھپ کر ملتا ہوگا اور ہم سب اسے مردہ سمجھ کر دھوکا کھا رہے ہیں۔''

موساد کے چیف نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا آپ کے فون پر بھی غازی بول رہا تھا؟''

''ہاں۔ اس نے را کے ڈائریکٹر کا ہی نہیں، میرا گھر بھی جلا دیا ہے۔ مگر ہم اس کے خلاف قانونی کارروائی کرتے رہیں گے۔''

اس کے فون نے پھر اسے متوجہ کیا۔ اس نے نمبر پڑھ کر فون کو کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہاں جیک! بولو تم کہاں ہو؟''

جیک نے کہا۔ ''میں بھاگتا ہوا آپ کے بنگلے کے پاس آیا ہوں۔ یہاں اندر اور باہر آگ ہی آگ ہے۔ فائر بریگیڈ والے اپنا کام کر رہے ہیں۔ لیکن آپ کا سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔''

وہ گرجتے ہوئے بولا۔ ''میں اس کی بیوی اور بچے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

ایسے وقت سپاہیوں نے آ کر کہا۔ ''ہم نے گھر کے اندر اور باہر ڈھونڈا ہے۔ وہ کہیں نہیں ہے۔''

ڈپٹی ڈائریکٹر نے گھور کر ممی کو اور میرے بھائی کو دیکھا۔ سات برس کا صلاح الدین ثانی اسے گھور رہا تھا۔ ڈپٹی ڈائریکٹر غصے میں اس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ پھر ڈگمگا کر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ باہر ایک دل دہلا دینے والا بم دھماکہ ہوا تھا۔ سب ہی لرز گئے تھے۔ چند لمحوں بعد ہی ایک اور دھماکہ سنائی دیا۔

دو جاسوس دوڑتے ہوئے وہاں آئے۔ ان میں سے ایک نے سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو اور موساد کے چیف کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ دونوں کی گاڑیوں میں بم رکھے ہوئے تھے۔ ان کے پرزے دور تک بکھر گئے ہیں۔''

ڈپٹی ڈائریکٹر نے حیرت سے کہا۔ ''ہماری سیکورٹی ہائی الرٹ رہتی ہے۔ پھر ہماری گاڑیوں میں بم کہاں سے آ گئے؟''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے صلاح الدین ثانی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''یہ بالکل اپنے باپ جیسا ہے۔ ایسا لگتا ہے، غازی اس کی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔''

ممی فوراً ہی اسے خود سے لگا کر بولیں۔ ''میرے بیٹے کو نظر نہ لگاؤ۔ تم لوگوں کے ساتھ جو ہو رہا ہے، اس سے عبرت حاصل کرو۔ جب تک میرے گھر میں گھسے رہو گے، تم سب پر ایسی ہی مصیبتیں نازل ہوتی رہیں گی۔''

''ہم اس ہاتھ بھر کے چھوکرے کو کال کوٹھری میں لے جا کر ڈالیں گے، اُلٹا لٹکائیں گے تو پھر ہم نہیں اس کا باپ عبرت حاصل کرے گا۔''

صلاح الدین ثانی تڑپ کر اپنی ماں سے خود کو چھڑا کر دوسرے کمرے کی طرف بھاگتے ہوئے بولا۔ ''آؤ مجھے لے جاؤ۔''

دو جاسوس اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے دوسرے کمرے میں گئے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا۔ وہ نظر نہیں آیا۔ بیڈ کے نیچے، الماری کے پیچھے دیکھا گیا۔ ٹوائلٹ سے آواز آئی۔ ''میں ممی کے ساتھ ایسی ہی آنکھ مچولی کھیلتا ہوں۔''

وہ دونوں دوڑتے ہوئے ٹوائلٹ میں آئے۔ وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ اس باتھ روم کا دروازہ دوسرے کمرے کی طرف بھی کھلتا تھا۔ دونوں ادھر گئے تو اسی کمرے میں پہنچ گئے، جہاں ممی، سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر اور موساد کا چیف کھڑا ہوا تھا۔

چیف نے پوچھا۔ ''کہاں بھاگتے پھر رہے ہو؟ وہ لڑکا کہاں ہے؟''

ایک نے کہا۔ ''وہ اُس کمرے سے نکل کر ابھی یہاں آیا ہے۔''

''کیا بکواس کرتے ہو؟ کیا وہ تمہیں یہاں دکھائی دے رہا ہے؟ جاؤ۔ اسے پکڑ کر لاؤ۔''

اس بار تین سپاہیوں کا اضافہ ہو گیا۔ وہ سب اسے بنگلے کے ہر حصے میں ڈھونڈنے لگے۔ وہ کہیں نہیں تھا۔ یہ کہا گیا کہ باہر نکل گیا ہے۔

وہ باہر آئے۔ سرونٹ کوارٹر کے باہر کھڑے ہوئے دو سپاہیوں نے کہا۔ ''وہ لڑکا یہاں نہیں آیا ہے۔''

وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔ وہ گھر کے اندر بھی نہیں تھا، باہر بھی نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح تلاش کیا گیا۔ ڈپٹی ڈائریکٹر نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اسے جہنم میں جانے دو۔ اس کی ماں کو لے چلو۔''

دو سپاہی آگے بڑھے ممی نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ ''رک جاؤ۔ میرے غازی کے سوا کوئی

مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

سپاہی رک گئے۔ موساد کے چیف نے کہا۔ ''بڑی پارسا بنتی ہے۔ میں تجھے ہاتھ لگاتا ہوں۔ یہاں سے گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا۔''

وہ آگے بڑھا پھر ممی کو پکڑنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا۔ اسی لمحے میں ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی۔ چیف کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ وہ اچھل کر فرش پر گرا پھر تڑپ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

سب سہم کر ادھر ادھر چھپنے لگے۔ خلاف توقع ایسا ہوا تھا۔ بنگلے کے باہر دور تک مسلح سپاہی تھے۔ اتنی سخت سیکورٹی توڑ کر کون آ سکتا تھا؟ فوری طور پر یہی سمجھ میں آیا کہ اپنے ہی سپاہیوں کے درمیان قاتل چھپا ہوا ہے اور اس نے کھڑکی یا روشندان سے گولی چلائی ہے۔

تمام سپاہی دوڑتے ہوئے کمرے کے باہر گئے۔ باہر کوریڈور میں کھڑے ہوئے سپاہیوں نے کہا۔ ''ادھر سے کسی نے گولی نہیں چلائی ہے اور یہاں کسی کی گن میں سائیلینسر لگا ہوا نہیں ہے۔''

سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر ممی کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ بولیں۔ ''یہ مجھے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی جہنم میں چلا گیا۔ کیا تم بھی نادانی کرو گے؟''

وہ طاقت اور اختیار کے زعم میں نادانی کر کے مرنا نہیں چاہتا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ وہاں کچھ غیر معمولی سی باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ یہاں گھر میں گھس آئے' وہاں اُن کے گھروں میں آگ لگ گئی۔ بچے پر جبر کرنا چاہا تو وہ اسی چار دیواری میں کہیں گم ہو گیا۔ غازی کی زوجہ کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی موساد کا چیف مارا گیا۔

وہ فوراً ہی پلٹ کر سپاہیوں سے بولا۔ ''چلو یہاں سے۔ ہم بعد میں ان سے نمٹ لیں گے۔''

وہ میدان چھوڑتے ہوئے یہ جتا رہا تھا کہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ سپاہی چیف کی لاش اٹھا کر لے گئے۔ تھوڑی بعد بنگلے کے اندر اور باہر کوئی نہ رہا۔ آنے والے تعداد میں چالیس تھے۔ باقی را' موساد اور سی آئی اے کے افسران تھے۔ ان میں سے ایک مارا گیا تھا۔

ان سب کے جاتے ہی ثانی ایک سرونٹ کوارٹر سے باہر آ گیا۔ ادھر میرے دو جاں نثار سپاہیوں کی وردی میں تھے۔ ان کے علاوہ تین جاں نثار گھر کے اندر فرمانبردار سپاہی بن کر تھے۔ ان میں سے ایک نے سائیلینسر لگے ہوئے ریوالور سے موساد کے چیف کا خاتمہ کیا تھا۔

صلاح الدین ثانی چھپتا ہوا بنگلے سے باہر آیا تھا۔ جاں نثاروں نے اسے سرونٹ کوارٹر میں چھپا دیا تھا۔ کہہ دیا تھا کہ بچہ ادھر نہیں آیا ہے۔

یہ ہیرا پھیری ڈپٹی ڈائریکٹر کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس نے یہی سمجھا کہ خلاف عقل غیر معمولی باتیں ہو رہی ہیں۔

اس نے فون پر میرے پاپا کی آواز سنی تھی۔ اسے کوئی جادوئی تماشہ لگ رہا تھا۔ فی الحال اس نے میدان چھوڑ دیا تھا۔

ثانی دوڑتا ہوا ماں کے پاس آیا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر اپنا فون اٹھا کر پیشانی سے لگا کر کہا۔ ''میرے سرتاج! نہ جانے آپ نے کیسے میرے بیٹے کو دشمنوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا؟ پتہ نہیں' کہاں سے گولی چلائی گئی تھی؟ وہ کم بخت آپ کی پھول وتی کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ مجھے آپ پر فخر ہے۔

کتنا عرصہ گزر چکا ہے' میں نے آپ کی صورت نہیں دیکھی۔ بس ایک بار آواز سنی ہے۔ اس طویل عرصے میں سوچتی رہی کہ فون کے ذریعے مجھ سے بولتے کیوں نہیں ہیں؟

تب یہ بات سمجھ میں آئی کہ میں آپ کی منکوحہ نہیں ہوں۔ چونکہ حاملہ تھی' اس لئے ہمارا نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔

میں آپ کے لئے نامحرم ہوں۔ اس کے باوجود میں نے آپ کے بیٹے کو جنم دیا ہے۔ یہ بیٹا میرا نہیں ہے' آپ کی منکوحہ پھول وتی کا ہے۔

برسوں پہلے کی اس امانت کو میں نے پیدا کیا ہے۔ پورے دو برس تک دودھ پلایا ہے۔

کیا بیٹے سے صرف دودھ کا رشتہ رہے گا؟ آپ نے کہا تھا' زچگی کے بعد ہمارا نکاح ہوگا۔ اب تو سات برس گزر چکے ہیں۔ آپ اللہ والے ہیں۔ اپنا وعدہ پورا کریں۔ آ جائیں اور مجھے شرعی طور پر اپنی شریک حیات بنا لیں۔

اگر مجبور ہیں۔ یہاں آنے میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں یا اور کوئی ایسی بات ہے' جسے میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں تو کوئی بات نہیں' آپ نہ آئیں۔ فون پر نکاح پڑھوا لیں۔

میں آپ کی سلامتی کے لئے جدائی برداشت کرتی رہوں گی۔ مگر آپ کے لئے نامحرم نہیں رہوں گی۔ آپ فون پر مجھ سے باتیں کر سکیں گے۔

خدا کے لئے ابھی میسج دے کر میری تسلی کریں۔ میری باتوں کا جواب دیں۔

وہ انتظار کرنے لگیں۔ فون کو تکنے لگیں۔ انہوں نے پاپا سے جائز مطالبات کئے

تھے۔ وہ ان کی منکوحہ بننے کی مستحق تھیں۔

جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ فون خاموش تھا۔ وہ رونے لگیں۔ کہنے لگیں۔ ''میں آپ کے اور پھول وتی کے لئے وسیلہ بن گئی۔ کنواری تھی' تین ماہ کی حاملہ ہوگئی۔ مجھے کم از کم اس محبت کا صلہ دیں کہ میں نے آپ کی امانت کو جنم دیا ہے اور آخری سانس تک اسے سینے سے لگائے رکھوں گی۔

اگر میں آپ کی محبت کے قابل نہیں ہوں تو آپ کی اولاد پیدا کرنے والی ایک مزدور عورت سمجھ کر میری مزدوری ادا کریں۔ مجھے منکوحہ بنا کر نیک نامی دیں۔''

پاپا کے ساتھ یقیناً کوئی مجبوری ہوگی' اسی لئے وہ بولنے سے کترا رہے تھے۔ ممی نے رونے' گڑگڑانے اور التجائیں کرنے کی حد کردی تھی۔ اس کے باوجود وہ نہیں بول رہے تھے۔

یہ ایسی ہی بات تھی کہ مردے کے سامنے آہ وزاری کرتے رہو' وہ نہ سنتا ہے' نہ بولتا ہے۔

صاف پتہ چل رہا تھا کہ پاپا کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ ہے کہ وہ دنیا کی تمام آوازوں سے' تمام رشتوں سے کٹ گئے ہیں۔

اگر دو چار بار فون کے ذریعے ان کی آواز سنی گئی تھی تو وہ فریب سماعت ہے۔ یا ایسا قدرتی معاملہ ہے' جو فی الحال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی' اسے وقت کبھی سمجھا دیتا ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رو رہی تھیں۔ انہیں محسوس ہوا' جیسے پاپا آگئے ہیں' ان کے سامنے ہیں۔ وہ کبھی دائیں کبھی بائیں محسوس ہو رہے تھے۔ ان کے آگے ٹہل رہے تھے۔

انہوں نے فوراً ہی منہ پر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔ غازی صلاح الدین ثانی ان کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں جا رہا تھا۔

پھر وہ سامنے آکر رک گیا۔ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''آنسو پونچھ لو۔ میں ہوں ناں...!''

ممی نے ایکدم سے چونک کر شدید حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔ یہ بات بیٹے نے نہیں' باپ نے کہی تھی۔ ایسی بھاری بھرکم آواز اور ٹھوس لہجہ کسی بچے کا نہیں ہوتا۔

وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بولیں۔ ''ابھی تم بول رہے تھے؟ ہاں۔ میں نے دیکھا ہے' تم ہی بول رہے تھے۔ پھر بولو میں تمہاری آواز سننا چاہتی ہوں.... میرے بیٹے! پھر بولو۔''

وہ ماں کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ''آپ روتی کیوں ہیں؟''

وہ بچہ تھا۔ اس نے بچکانہ انداز میں پوچھا۔ پھر گلے لگ گیا۔ اس کی صورت ممی کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ گلے لگنے والوں کو ایک دوسرے کی صورت نظر نہیں آتی۔ ایسے وقت پاپا کی آواز اور لہجہ سنائی دیا۔ ''میں مجبور ہوں نہیں آسکتا۔ تم میرے پاس آجاؤ۔''

ان کے دیدے حیرانی سے پھیل گئے۔ انہوں نے بیٹے سے الگ ہوکر اسے دیکھا۔ وہ پہلے کی طرح معصوم تھا۔ بیٹا ہی تھا۔ اپنا باپ نہیں تھا۔ آواز باپ کی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہی ہوا تھا۔ وہ پھر اسے گلے سے لگا کر بولیں۔ ''میں آؤں گی۔ ابھی آپ کے پاس آؤں گی۔ آپ کے بیٹے کو لے کر آؤں گی۔''

پھر آواز سنائی دی۔ ''تنہا آؤ گی۔''

''ٹھیک ہے۔ بیٹے کو سلانے کے بعد آؤں گی۔ مجھے بتائیں' آپ کہاں ملیں گے؟''

''فجر کی اذان سے پہلے معلوم ہو جائے گا۔''

وہ بچہ ماں سے الگ ہوگیا۔ ممی نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر وہی بچوں جیسی سنجیدگی اور معصومیت تھی۔ وہ بیٹے کو دیکھ کر سوچ رہی تھیں۔ ''کیسی عجیب سی بات ہے۔ باپ چپ رہتا ہے اور بیٹا باپ بن کر بولتا ہے؟''

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آج انہیں پاپا سے ملنے کے بعد معلوم ہونے والا تھا۔

انہوں نے بیٹے کو رات کا کھانا کھلایا۔ خود نہیں کھایا۔ ملن کی رُت آرہی تھی۔ خوشی کے مارے بھوک اڑ گئی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹے کے ساتھ لیٹ گئیں۔ خوشی اتنی تھی کہ نیند بھی نہیں آسکتی تھی۔

وہ بیٹے کو تھپک تھپک کر سلانے لگیں۔ سوچنے لگیں۔ ''کیا صبح اذان سے پہلے وہ آئیں گے؟''

''نہیں۔ ان کی کوئی مجبوری ہے۔ مجھے ہی یہاں سے جانا ہوگا۔''

وہ بے چینی سے سوچ رہی تھیں۔ ''پتہ نہیں' مجھے کہاں بلائیں گے؟ پھر میں کب تک واپس آؤں گی؟''

انہوں نے بیٹے کو دیکھ کر سوچا۔ ''بڑے میاں اور بڑی بی سے کہہ کر جاؤں گی۔ وہ اس کا خیال رکھیں گے۔ میں پھر کسی دن بیٹے کو باپ کے پاس لے جاؤں گی۔''

وہ ڈھیر ساری باتیں سوچ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ بیٹا سو گیا تھا۔ وہ سونے والی نہیں تھیں۔ لیکن نیند غالب آگئی۔

پاپا کو خواب میں دیکھنے کے لئے سونا ضروری تھا۔ رات کے پچھلے پہر انہوں نے اپنے محبوب کو دیکھا۔ وہ غار کے اندر اس چٹان پر بیٹھے اسم اعظم پڑھ رہے تھے۔ جہاں بابا سائیں عبادت کیا کرتے تھے۔

انہوں نے کہا۔ ”آؤ ثناء! یہاں میرے پاس بیٹھو۔“

وہ ان کے پاس چٹان پر آ کر دوزانو ہوگئیں۔ پاپا نے کہا۔ ”مجھ سے بڑی غلطیاں ہوئیں۔ بھاری گناہ ہوا۔ پہلی بار پھول وتی کے ساتھ ہوس میں اندھا ہوگیا۔ یہ نہیں سوچا کہ اس کی قربت مجھے فجر کی نماز سے محروم کر دے گی۔ کیونکہ اس برفانی علاقے میں غسل کرنے کا اہتمام نہیں تھا۔

اس لئے سزا ملی۔ میں اسم اعظم پڑھنے کی صلاحیت سے محروم ہوگیا۔ ستر برس تک موت کی نیند سوتا رہا۔

دوسری بار تم میری تنہائی میں آئیں۔ میں نے نکاح کے بغیر تمہاری قربت حاصل کی۔ پھر غفلت کی نیند میں ڈوب کر فجر کی نماز چھوڑ دی۔ دوسری بار بھی ہوس نے نماز چھڑا دی۔

اس کی سزا تو ملنی ہی تھی۔ میں اس چٹان کے نیچے تہہ خانے میں قید ہوگیا۔ خدا بہتر جانتا ہے اور بہتر کرتا ہے۔ اس نے میرے لئے بہتری کی۔ ساری دنیا سے میرا رشتہ توڑ دیا۔ میں نے صرف اپنے معبود حقیقی سے رشتہ جوڑا اور دن رات عبادت میں مصروف رہنے لگا۔“

وہ ذرا چپ ہوئے پھر بولے۔ ”فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ آؤ ہم نماز پڑھیں۔“

غار میں ایک طرف پانی رکھا تھا۔ ممی نے وہاں جا کر وضو کیا۔ پھر ان کے ساتھ آ کر نماز پڑھنے لگیں۔ جب وہ دونوں پہلی بار ملے تھے تو ہوس میں اندھے ہوگئے تھے۔ اب شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مل گئی تھی۔ پاپا نے دن رات عبادت کرتے ہوئے شائد اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا تھا۔

ممی نے نماز کے بعد پوچھا۔ ”کیا ہمارا معبود ہم سے راضی ہے؟“

پاپا نے کہا۔ ”ہاں۔ وہ غفور الرحیم ہے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ ہمیں بخش دیتا ہے۔ چلو اٹھو۔“

وہ ان کے ساتھ اٹھ کر چٹان کے ایک سرے پر آگئیں۔ وہاں سے تہہ خانے میں جانے کا راستہ ملتا تھا۔ پاپا نے چٹان پر ہاتھ رکھ کر اپنے اندر ڈوب کر اسم اعظم پڑھا۔ ”اللہ...“

اس ایک اسم کی ادائیگی میں ایسا جذبہ تھا اور جذب ہوجانے کی ایسی محویت تھی کہ ثناء

نے پہلی بار اسم اعظم کو اپنے دل میں اترتے ہوئے محسوس کیا۔

پاپا نے پھر جذب کے عالم میں کہا۔ ”اللہ.... یا اللہ...!“

اس غار میں گڑگڑاہٹ کی آواز ابھری۔ ثناء گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بھاری بھرکم وسیع و عریض چٹان ایک ذرا سی سرک گئی تھی۔ نیچے تہہ خانے میں جانے کا زینہ دکھائی دیا۔ وہ دونوں وہاں آگئے۔ زینے پر پہنچ کر نیچے اتر گئے۔ ان کے سر سے اوپر چٹان سرک کر اپنی جگہ واپس آگئی۔

جب قصہ ختم ہوجائے تو کتاب بند ہو جاتی ہے۔

مکان اپنے مکیں سے خالی ہو جائے تو سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اور جب حیات تمام ہو جائے تو قبر کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

وہ تہہ خانہ بھی بند ہوگیا۔

صلاح الدین ثانی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بے اختیار اسم اعظم پڑھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کسی نے اسے پڑھنا نہیں سکھایا تھا۔ وہ اسم اعظم اسے ورثے میں ملا تھا۔

اس نے سر گھما کر ماں کو دیکھا۔ وہ چاروں شانے چت لیٹی ہوئی تھیں۔ دونوں ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرے سے ابدی سکون جھلک رہا تھا۔

وہ بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر آگیا۔ دوسرے کمرے میں بڑی بی اور بڑے میاں سو رہے تھے۔ صلاح الدین ثانی نے بڑی بی کا بازو جھنجھوڑ کر آواز دی۔ ”نانی اماں! نانی اماں!...اٹھیں۔“

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ ”کیا ہوا بیٹے! کیا صبح ہوگئی ہے؟“

بڑے میاں بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اس نے کہا۔ ”نانی اماں! ممی بولتی نہیں ہیں۔ میں جگا رہا ہوں تو جاگ نہیں رہی ہیں۔“

وہ دونوں بیڈ سے اتر کر تیزی سے چلتے ہوئے ممی کے پاس آئے۔ پہلے انہیں آواز دی۔ پھر نبض ٹٹولی۔ سینے سے کان لگایا تو یقین ہوگیا کہ زندگی سے رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔

بیشک۔ جب قصہ ختم ہو جائے تو کتاب بند ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

ہماری دنیا رنگ، وروپ کی شراب و شباب کی مستیوں سے اور رنگینیوں سے بھری پڑی ہے۔ نائٹ کلب کی رنگینیوں میں آ کر پتہ چلا کہ میں احمق تھا۔ واپس ملنے والی جوانی کو اب تک

حجاب' نینی' سلویٰ اور ندا کے پیچھے ناحق دوڑتا رہا تھا اور ہلکان ہوتا رہا تھا۔

اتنی بڑی دنیا میں یہ صرف چار نہیں ہیں۔ چہار طرف حسن کا میلا لگا رہتا ہے۔ میں ہی اس رنگین میلے سے دور بھٹکتا رہا تھا۔

میں ایک کلب میں آ گیا تھا۔ اس مہنگے کلب میں صرف کروڑ پتی اور ارب پتی سرمایہ دار آتے تھے۔ میں نے ایک جانثار سے فون پر کہا۔ ''مجھے پچاس لاکھ ڈالرز چاہئیں۔ میں اس کلب میں رات گزارنا چاہتا ہوں۔ ابھی رقم یہاں پہنچاؤ۔''

اس نے کہا۔ ''آل رائٹ سر! میں ابھی آ رہا ہوں۔''

میں جہاں بھی جاتا تھا' وہاں میرے جانثار کروڑوں ڈالرز نقد تیار رکھتے تھے۔ میں ایک طویل مدت کے بعد نائٹ کلب کے رنگین ماحول میں آیا تھا۔ ایک سوئمنگ پول کے رنگ بدلتے شفاف پانی میں چند حسینائیں جل پریوں کی طرح تیر رہی تھیں۔ بدن کی اجلی رنگت کے مطابق بالشت بھر کے کپڑے ان کی عریانیت کو چھپا رہے تھے۔ وہاں کی میزوں پر بیٹھنے والے بار بار اس امید پر ادھر دیکھتے تھے کہ بالشت بھر کا کپڑا کسی وقت تو ادھر ادھر سرکے گا۔

کیبرے ڈانس کے اسٹیج پر بھی حسینائیں رقص کے دوران ایک ایک لباس اتار اتار کر پھینکتی تھیں۔ پھر تاریکی میں کہیں گم ہو جاتی تھیں اور دیکھنے والے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انتظار کرتے رہ جاتے تھے۔ دل مچل مچل کر کہتا تھا' ایک بار دیکھا ہے' بار بار دیکھنے کی ہوس ہے۔

بے انتہا امیر کبیر لوگوں کو حسین سوغات پیش کرنے سے پہلے اسی طرح للچایا جاتا تھا۔ وہ تجسس میں مبتلا ہو کر ان کی زیادہ سے زیادہ بولیاں لگاتے تھے۔

خمار خانے میں جواء کھیلنے کے لئے طرح طرح کے گیمز تھے اور گیم نوخیز لڑکیاں کھلاتی تھیں۔ سگریٹ اور شراب کے جام بھی وہی پیش کرتی تھیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہم گناہوں کے ماحول میں ہوں یا مہذب شریفانہ ماحول میں.... ہر جگہ عورت لازمی ہے۔ گناہ اور گمراہی سے بچنے کے لئے دینی احکامات کے مطابق عورت کے ساتھ زندگی گزارنی چاہئے اور میں دینی احکامات کے مطابق ایک طویل مدت سے یہی کوششیں کرتا آ رہا تھا۔ ناکامیوں نے مجھے اس کلب میں پہنچا دیا تھا۔

میں ریفریشمنٹ روم میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ میرے ایک جانثار نے مجھے آ کر سلام کیا۔ پھر ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔ ''میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھو اور بولو؟''

وہ میز کے ایک طرف کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں یہ کہنے کی جرات کر رہا ہوں کہ آپ نے شراب اور شباب سے توبہ کی تھی۔ کئی برس تک لاہور میں بیمار رہے۔ اپنے دشمن بیٹوں سے نمٹتے رہے۔ پھر لاہور سے نکل کر انڈیا اور استنبول گئے۔''

وہ مجھے یاد دلا رہا تھا کہ میں تین بیٹوں سے نمٹنے کے بعد راڈ مین کی قید میں صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ پھر وہاں سے نجات پا کر اب تک جو زندگی گزاری ہے۔ اس میں بازاری عورت کی ایک بھی جھلک اور شراب کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔

میں نے کہا۔ ''تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ آج میں نے توبہ کیوں توڑی ہے؟ ایسے عشرت کدے میں کیوں آیا ہوں؟''

''یس سر! صرف مجھے ہی نہیں آپ کے تمام جانثاروں کو دکھ پہنچ رہا ہے۔''

''یعنی یہاں آتے ہی میرے تمام جانثاروں تک خبر پہنچ گئی ہے کہ میں پھر بدل گیا ہوں' پھر عیش و عشرت میں مست رہنے والا ہوں؟''

وہ سر جھکا کر بولا۔ ''آج ہی آپ نے میڈم ندا سے نکاح پڑھوایا اور نئی دلہن کو تنہا چھوڑ کر یہاں آ گئے۔ آپ نے ہم سے کہا تھا کہ میڈم کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔''

''ہم کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ اچانک حالات کی ایک ٹھوکر سے فیصلے بدل جایا کرتے ہیں۔ مجھے ندا سے کوئی شکائیت نہیں ہے۔ میں اس کے پاس واپس جاؤں گا۔ اسے تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب جاؤ یہاں سے....''

اس نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ مجھ سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ چپ چاپ چلا گیا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ وہ جو بحث کرتا وہ درست ہوتی۔ جیسے ندا اپنی جگہ درست تھی۔ ایک میں ہی برسوں کی محرومیوں کے باعث غلط ہو گیا تھا۔

یہ جانتے ہوئے بھی غلطی میرے لئے ضروری ہو گئی تھی۔ محرومیت کی گرمی میرے دماغ کو گرم کر رہی تھی۔ اسے ٹھنڈا نہ کرتا تو پاگل ہو جاتا۔

میں وہاں سے اٹھ کر کیبرے اسٹیج کی طرف جانا چاہتا تھا۔ مگر دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ دروازہ شیشے کا تھا اور اس پار ایک حسین لڑکی آتے آتے مجھے دیکھ کر رک گئی تھی۔ اس میں بلا کی کشش تھی۔ نہ بھی ہوتی تو میں بھٹکنے کے لئے ہی آیا تھا۔

مجھ سے نظریں ملتے ہی وہ مسکرانے لگی۔ ہمارے درمیان کانچ کی دیوار تھی۔ میں نے آر پار ہو کر پوچھا۔ ''سیل ایبل ہو؟''

وہ ہاتھ بڑھا کر بولی۔ ''ہاں۔ اپنے نام کر لو۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ہاتھ کہہ رہا تھا کہ سر سے پاؤں تک ایسی ہی نازک اندام ہے۔ میں اس کلب میں آتے ہی اپنی منزل تک پہنچ رہا تھا۔

وہ ہاتھ چھڑا کر ایک ادا سے بل کھاتی ہوئی ذرا دور ہوئی پھر ایک پاؤں کے پنجے پر گھوم کر ہر زاویے سے خود کو دکھانے لگی۔ مجھے دیکھنے کی نہیں اسے پالینے کی بے چینی تھی۔

میں نے کہا۔ ''کم آن۔ ہم تنہائی میں وقت گزاریں گے۔''

وہ پاس آکر بولی۔ ''کاؤنٹر پر چلو اور پے منٹ کر دو۔''

میں اسے ایک بازو کے حصار میں لے کر کاؤنٹر کی طرف جانے لگا۔ یہ ہماری دنیا ہے۔ اگر ہم دولتمند ہیں تو جو چاہیں' جب چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔

پچھلے دس برسوں سے واپسی کا سفر کہہ رہا تھا کہ جوانی ملے گی مگر نادانی کرنے کے لئے کوئی نہیں ملے گی۔ چاہے جتنی کوششیں کر لو۔ حسینائیں آتی رہیں گی اور ہوس کی گرفت سے پھسلتی اور دور ہوتی رہیں گی۔

اگر مقدر میں یہی تھا تو میں اپنی دولت سے تقدیر کا لکھا بدل رہا تھا۔ میں نے کاؤنٹر پر آکر مطلوبہ رقم پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''پیمنٹ وداے ویل فرنشڈ روم....''

کاؤنٹر گرل رقم لے کر گننے لگی۔ میں نے بائیں طرف سر گھما کر دیکھا۔ ایک دروازے پر لکھا تھا۔ (Gayheaven) (نوخیز چھوکروں کی جنت)

اس کلب میں ایک پورشن ایسا تھا جو کم سن حسین لڑکوں کے لئے وقف تھا۔ وہ لڑکے پلاسٹک۔ سرجری کے ذریعے ایسی مہارت سے تبدیل ہو جاتے تھے کہ بالکل حسین نوخیز لڑکیاں دکھائی دیتے تھے۔ میں نے چونک کر اپنے بازو سے لگی ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا تم گے (Gay) ہو؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''او۔ یس۔ پہلے روم تو حاصل کرو۔ پھر مجھے دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔''

میں غلطی سے کلب کے اس حصے میں آ گیا تھا' جہاں بد ذوق عیاش دولتمند آکر راتیں گزارتے ہیں۔

میں ایکدم سے جھنجھلا گیا۔ پھر ایک حسینہ آکر ہاتھوں سے پھسل گئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے سوچ رہا تھا کہ اپنی دولت سے مقدر کا لکھا بدل رہا ہوں اور ابھی میرے منہ پر تقدیر کا جوتا

پڑ گیا تھا۔

محرومی میرے اندر دھماکے کر رہی تھی۔ میرے اندر یہ چیختا ہوا سوال پیدا کر رہی تھی کہ کیا مجھے ملنے والی جوانی ہاتھی کا دانت ہے؟ صرف دکھانے کے لئے ہے کسی کو چبانے کے لئے نہیں ہے؟

وہ پانچویں حسینہ تھی' جو گے بن کر ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ میں نے کاؤنٹر کی سطح پر ہاتھ مارتے ہوئے تقریباً چیخ کر کہا۔ ''اسٹاپ۔''

کاؤنٹر گرل نے چونک کر ذرا سہم کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''سوری... میں نہیں جانتا تھا کہ یہ گے ہے۔ میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ میری رقم واپس کرو۔''

اس گے بوائے نے مایوس ہو کر مجھے دیکھا پھر اونہہ کہہ کر منہ پھیر کر دوسرے کسٹمر کو پھانسنے چلا گیا۔ میں نے کاؤنٹر گرل سے رقم لیتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بہت زیادہ خوبصورت نہیں تھی۔ لیکن مجھے تو کسی بھی صنف نازک کی ضرورت تھی۔

میں نے پوچھا۔ 'تم سیل ایبل ہو؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''ہاں۔ مگر میری ڈیوٹی رات کے تین بجے تک ہے۔ اس کے بعد آسکتی ہوں۔''

میں نے وال کلاک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تین بجنے والے ہیں۔''

''ذرا صبر کریں۔ اس ڈیوٹی کا چارج لینے دوسری آئے گی پھر میں تمہارے پاس آجاؤں گی۔ لیکن....''

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''لیکن کیا؟''

''دیکھو! میں بہت ہی نامراد اور بکھرا ہوا شخص ہوں۔ مجھے مایوس نہ کرنا۔''

''میں تو مایوس نہیں کروں گی۔ آپ مجھے مایوس کر سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے ایک حسین لڑکی کو ریجیکٹ کیا ہے۔''

''اس لئے کہ مجھے کسی گے گرل کہلانے والے سے دلچسپی نہیں ہے۔''

وہ بولی۔ ''میں بھی تو وہی ہوں۔''

پھر مجھے جھٹکا سا لگا۔ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی اور مجھے لگ رہا تھا تقدیر منہ چڑا رہی ہے۔ میں وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا ڈانسنگ ہال کے پاس آیا۔ بس اب نامرادی اور ناکامی کی انتہا ہو چکی تھی۔

میرے اندر ضد پیدا ہوگئی کہ میری مراد کیسے پوری نہیں ہوگی...؟ اس چار منزلہ نائٹ کلب میں سینکڑوں حسینائیں تھیں اور سب ہی سکہ رائج الوقت کی ایک جھلک سے حاصل ہو جاتی تھیں۔ کیا ان میں سے کوئی ایک صرف ایک مجھے حاصل نہیں ہوسکتی تھی؟ میرے پیاس کے صحرا میں جل تھل نہیں ہوسکتی تھی؟ تقدیر کہاں تک مجھے روک سکتی تھی؟

سوئمنگ پول میں جل پریاں تیر رہی تھیں، تھرک رہی تھیں۔ بلندی سے غوطے لگا رہی تھیں اور مجھ جیسے نامراد کو ڈوب مرنے کو کہہ رہی تھیں۔ یہ بھی کوئی زندگی تھی؟ نہ کوئی خشکی میں مل رہی تھی، نہ پانی میں....

وہاں ایک کاؤنٹر کے پیچھے بڑی سی اسکرین پر وہ جل پریاں اٹکھیلیاں کرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ میں نے رقم دے کر اسکرین پر دیکھا۔ ان میں سے ایک کو پسند کیا۔ پھر وہاں رکھے ہوئے ایک بٹن کو دبایا۔ اس کے ساتھ ہی اسکرین پر روشنی کا ننھا سا دائرہ ابھرا۔ میں نے ماؤس کے ذریعے اس دائرے کو اپنی مطلوبہ حسینہ پر پہنچایا تو ایک گھنٹی بجی۔ ادھر اس حسینہ نے مسکراتے ہوئے ویڈیو کیمرے کو دیکھا پھر ہاتھ ہلایا۔ اب وہ پانی سے نکل کر آنے والی تھی۔

☆☆☆

یہ کہنے کی باتیں ہیں کہ انسان تقدیر ہار جاتا ہے۔ میں جیتنے کے ہزار راستے جانتا تھا۔ اب تو کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی۔ وہ پول سے نکل کر بدن کو اور بالوں خشک کرنے اور لباس پہننے گئی تھی۔

میں وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایسے وقت کالنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے ننھی سی اسکرین کو دیکھا۔ ندا کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ تو ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ شائد اب برف پگھل رہی تھی۔ میں اسے سجدے کی حالت میں چھوڑ کر آیا تھا۔ شائد وہ عبادت سے فارغ ہوگئی تھی۔ شائد اب شریک حیات کے فرائض ادا کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے یاد کر رہی تھی۔

میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ پھر خشک لہجے میں کہا۔ ''ہاں۔ بولو۔''

وہ بڑے پیار سے بولی۔ ''آپ نے وعدہ کیا تھا، مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔''

''میں دنیا چھوڑ کر نہیں گیا ہوں۔ واپس آجاؤں گا۔''

''ابھی آجائیں۔ باہر گمراہی اور تباہی ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''گھر میں کیا ہے؟ جس لڑکی سے نکاح پڑھایا، وہ کہاں ہے؟ اگر وہ تم ہو تو شادی اور ازدواجی مسرتوں سے محروم کیوں ہوں؟ جب مرد کو گھر سے کچھ نہیں ملتا تو وہ باہر

محرومیاں دور کرتا ہے۔''

''میں پھر التجا کرتی ہوں، کچھ عرصہ صبر کریں۔ آپ کو بہت کچھ حاصل ہونے والا ہے۔ یقین کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو آزما رہا ہے۔ اگر آزمائش میں ناکام رہیں گے تو آپ پر اللہ نہ کرے برے وقت آئیں گے۔''

وہ ذرا توقف سے بولی۔ ''آپ کے تین بیٹوں نے ایسی دشمنی کی تھی کہ آپ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔ راڈ مین آپ کو تہہ خانے میں مار ڈالنا چاہتا تھا۔ نینی نہ آتی تو آپ انگوٹھی اور عصاء سے محروم رہتے اور آج بھی محروم ہیں۔''

وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔ ''آپ ان دو چیزوں سے ناقابل شکست بن جاتے ہیں۔ پلیز مجھے بابا سائیں کے غار تک پہنچنے دیں۔ پھر آپ کی ازدواجی مسرتوں سے انکار نہیں کروں گی۔''

میں فون کو کان سے لگائے اس کی باتیں سن رہا تھا اور نگاہوں کے سامنے میری مطلوبہ حسینہ کیٹ واک کرتی آرہی تھی۔ کیا غضب کی چال تھی؟ میں صبر وتحمل کی چال بھول گیا۔ میں نے ندا سے کہا۔ ''سوری پھر کسی وقت کال کروں گا۔ صبح تک واپس آجاؤں گا۔''

میں فون بند کر کے آنے والی کے استقبال کے لئے اٹھ گیا۔ مجھے ندا کی آواز سنائی دی۔ ''آجائیں۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

میں نے چونک کر فون کو دیکھا۔ ابھی اسے بٹن دبا کر بند کیا تھا اور وہ بند تھا۔ پھر اس کی آواز کیسے سنائی دی تھی؟ میں نے اسے کان سے لگایا تو حیرانی سے میرا منہ کھل گیا۔ ندا کی آواز اور لہجے میں اسم اعظم سنائی دیا۔ ''اللہ..... یا اللہ.....!''

پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ حسینہ میرے سامنے آکر بڑے فخر سے مسکرانے لگی۔ اس کا خیال تھا، میں اس کے حسن وشباب کی فتنہ سامانیوں کو دیکھتے ہی حیران ہو رہا ہوں۔ کوئی کیا سمجھے کہ ہمارے عقل وفہم سے ماورا ایسی صدائیں ہوتی ہیں، جو آہنی دروازے توڑ کر آف کئے ہوئے فون سے یوں آتی ہیں، جیسے آسمان سے وحی آیا کرتی ہے۔

ہماری زندگی میں ایسا ہوتا ہے، ہمارے ایک طرف نیکی ہوتی ہے، دوسری طرف بدی ہوتی ہے اور ہم بیچ میں پھنسے ہوتے ہیں۔ ادھر سے ندا نے پکارا تھا۔ یا اللہ!....ادھر للکارے مارتی ہوئی گناہوں کی سوغات آئی تھی۔

کاؤنٹر گرل نے آنے والی کا تعارف کرایا۔ ''یہ مس مرینہ ہیں۔ یہاں کی اے ون کیٹگری کی سب سے حسین لڑکی ہے۔''

مرینہ قریب آ کر ایک ذرا بل کھا کر مجھ سے لگ گئی۔ جیسے پیاس کے صحرا میں برسنے والے بادل چھا گئے۔ پلک جھپکتے ہی ساری محرومیاں ہوا ہو گئیں۔ کیسا جادوئی بدن تھا؟ مکھن سے تراشی ہوئی لگ رہی تھی۔ میں برسوں کا بھوکا تھا۔ میری کھوپڑی ہوا میں اڑنے لگی۔

میں سحر زدہ سا ہو کر ایک لگژری بیڈ روم میں آ گیا۔ ان لمحات میں یہ یاد نہ رہا کہ ابھی ابھی ندا نے اسم اعظم سنایا تھا۔ گناہ گار ایسے ہی ہوتے ہیں' جب اپنے اندر عورت اچھلتی ہے تو اسم اعظم کی ہیبت بھی طاری نہیں ہوتی۔ دین ایمان' اللہ رسول سب خیالی باتیں لگتی ہیں۔

میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ بیڈ کے سامنے ایک بڑی سی ٹی وی اسکرین تھی۔ مرینہ نے اسے آن کیا۔ وہاں سے ایک حسینہ جلوے دکھانے لگی۔ وہ سر تال کے مطابق تھرک رہی تھی اور کیبرے رقص کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر اپنے بدن سے ایک ایک لباس بڑے ہی جذباتی انداز میں اتار کر پھینک رہی تھی۔

ایسا منظر مجھ جیسے گاہکوں کا بھڑکانے کے لئے تھا۔ مرینہ بھی یہی سحر طاری کرنے لگی۔ ہماری دنیا عورت سے جوان ہے۔ حسن و شباب کی رنگینیاں اور مدہوشیاں نہ ہوں تو مرد جوان ہوتے ہی بوڑھا ہو جائے گا۔

اور میں تو اب بوڑھا ہونے والا نہیں تھا۔

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ بڑھاپا رخصت ہو چکا ہے۔ واپسی کے سفر میں جوانی آ رہی ہے۔ بڑھاپا کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔

سامنے ٹی وی اسکرین پر جو کچھ ہو رہا تھا' وہی مرینہ میرے سامنے کر رہی تھی۔ میں نے جذبات سے بے قابو ہو کر اسے اپنی طرف کھینچا پھر دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اس کا لباس ادھر ادھر فرش پر بکھرا پڑا تھا اور میں تھا کہ اندر سے بکھر رہا تھا۔

اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ تقدیر بھی روکنے والی نہیں تھی۔ ہم بیڈ پر آ گئے۔

آہ....! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

مجھے اس کی ہلکی سی کراہ سنائی دی۔ میں اسے سمیٹ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی میری گرفت سے نکل کر اٹھ بیٹھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے گہری گہری سانسیں لی رہی تھی۔ پھر اس کے حلق سے ''اوں اوں'' کی آوازیں نکلیں۔ وہ ایسے جھٹکے کھا رہی تھی۔ جیسے قے کرنا چاہتی ہو۔ مگر اس کے اندر سے الٹ کر باہر کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ بیڈ سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی واش روم کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے ایسے دیکھا' جیسے مقدر دکھائی دے رہا ہو۔ میں ان لمحات میں حلق پھاڑ کر چیخنا چاہتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

غصے اور جھنجھلاہٹ کے مارے دیوار سے سر پھوڑنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک گلدان اٹھا کر اسکرین پر دے مارا۔ شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ کر دور تک بکھر گیا۔ مرینہ نے واش روم کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اسے ابکائیاں سی آ رہی تھیں۔ مگر پیٹ سے کچھ باہر نہیں آ رہا تھا۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے ہانپ رہی تھی۔ میں نے غصے سے کہا۔ ''جب تم ماں بننے والی ہو تو پھر دھندہ کرنے کیوں آئی ہو؟''

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''فار گاڈ سیک۔ یہ بات کلب کی انتظامیہ سے نہ کہنا۔ میرا لائسنس کینسل ہو جائے گا۔''

وہ کمرے میں آ کر بیڈ کے سرہانے بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''یہ پہلا مہینہ ہے۔ پیٹ نکلنے تک دو تین ماہ میں اچھی کمائی ہو جائے گی۔ پھر میں خود ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

میں نے چیخ کر پوچھا۔ ''اور میں کیا کروں؟ ہوس کی آگ میں جلتا رہوں؟''

''پلیز غصہ نہ کرو۔ ابھی طبیعت سنبھل جائے گی۔ میں صبح تک تمہیں خوش کرتی رہوں گی۔''

''لعنت ہے تم پر.....کیا میں ایک ماں بننے والی کے ساتھ منہ کالا کروں گا؟ ہرگز نہیں...''

''کسی نے منہ کالا کیا تھا' تب ہی ماں بننے والی ہوں۔ ایک عورت کو ماں بنانے سے پہلے یا بعد میں کالک ہی لگتی ہے۔ میری جگہ کوئی دوسری آئے گی تو ہو سکتا ہے' وہ آنے والے دنوں میں تمہارے بچے کی ماں بن جائے۔''

وہ ذرا ہانپتے ہوئے بولی۔ ''ہم تم اپنا منہ کالا تو کرتے ہی ہیں۔ اپنے بچے کے منہ پر بھی کالک تھوپ دیتے ہیں۔ کبھی اس بچے سے سامنا ہو جائے تو تم لوگ پہچان نہیں پاتے کہ یہ تمہاری ہی کالک کی پیداوار ہے۔''

میں تھوڑی دیر کے لئے جھنجھلا گیا تھا۔ یوں لگا تھا کہ محرومی پھر میرا منہ چڑا رہی ہے۔ مرینہ کی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ لیکن وہ درست کہہ رہی تھی۔ ہم جس کے ساتھ بھی راتیں گزارتے ہیں تو وہ کسی کی بہن' بیٹی یا ماں ہوتی ہے۔ وہ جو بھی ہو' جیسی بھی ہو' ہم اس کی چمک

دمک سے بہل کر گزر جاتے ہیں۔

کیونکہ ہم عورت کے بھوکے اور جنونی ہوتے ہیں۔

کیونکہ ہم یہ ٹھان لیتے ہیں کہ گناہ کرنا ہی کرنا ہے۔

کیونکہ گناہ کی سزا ابھی نہیں ملے گی۔ اگر کبھی یوم حساب آئے گا تو اس وقت دیکھا جائے گا۔

میں بھول گیا کہ ندا کے پاکیزہ ماحول سے آیا ہوں۔ اور تو اور یہ بھی بھول گیا کہ اسی کلب میں ندا کی آواز میں اسم اعظم سنا ہے۔

وہ فون جو بند ہو چکا تھا' گونگا ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے آخری وارننگ دی تھی۔ اس کے بعد قدرتی حالات نے مجھے گناہ گار بننے سے نہیں روکا۔ انسان اپنے ایمان افروز عمل سے تقدیر بناتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔

تعجب ہے' اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتے وقت عقل کہاں گم ہو جاتی ہے؟

شجر ممنوعہ کے سائے میں بھی عقل ضرور گم ہوتی ہے۔

میری مثال سامنے تھی۔ میں اس لگژری بیڈ روم کی چار دیواری میں عقل کا اندھا ہو گیا۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جن آزمائشوں سے گزرتا آ رہا تھا' ان میں ناکام ہو چکا ہوں۔

☆☆☆

میرے مخالفین کو میری ممی ثناء کی وفات کی خبر ملی تو وہ حیران ہوئے۔ سی آئی اے' راء اور دیگر خطرناک تنظیمیں ممی کی سخت نگرانی کرتی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے ذریعے وہ کسی دن روپوش ہونے والے غازی صلاح الدین تک پہنچیں گے اور تھری ایس کا بھی سراغ لگا سکیں گے۔

ان کی یہ امید بر نہیں آئی۔ ممی کی وفات نے انہیں مایوس کر دیا تھا۔ مجھ تک پہنچنے کا ایک مضبوط ذریعہ فناء ہو گیا تھا۔

وہ اپنے طور پر سوچنے لگے' کہنے لگے۔ ''تھری ایس کو یہ اندیشہ تھا کہ ہم مسز ثناء کے ذریعے اسے ڈھونڈ نکالیں گے' اس لئے اس نے ثنا کو ہلاک کرا دیا ہے۔''

آرمی اور انٹیلی جنس والوں نے ممی کے مکان کا محاصرہ کیا تھا۔ یہ تحقیق کرنا چاہتے تھے کہ ایک صحت مند خاتون اچانک کیسے وفات پا گئی؟

انہوں نے ممی کی آخری رسومات کی ادائیگی کو روک دیا۔ اپنے اطمینان کے لئے ان کا پوسٹ مارٹم کرایا۔ میڈیکل رپورٹ سے معلوم ہوا کہ ان کی طبعی موت نہایت سکون سے واقع

ہوئی ہے۔ ان کی وفات کے پیچھے کوئی سازش نہیں ہے۔

گھر سے قبرستان تک جاسوسوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ خیال تھا کہ غازی صلاح الدین اپنی شریک حیات کے آخری دیدار کے لئے بھیس بدل کر آئے گا اور تھری ایس بھی اپنی ممی کو کاندھا دینے آ سکتا ہے۔

تقریباً دو ماہ تک چالیسواں ہونے کے بعد بھی ان بوڑھے میاں بیوی کی نگرانی ہوتی رہی' جن کی سرپرستی میں ممی اور صلاح الدین ثانی زندگی گزارتے رہے تھے۔

اب ممی نہیں تھیں۔ اچانک ہی انکشاف ہوا کہ صلاح الدین ثانی بھی نہیں ہے۔ وہ اس گھر سے اچانک کہیں چلا گیا تھا۔

تمام مخالفین کے دماغوں میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ کہنے لگے کہ میرے جانثاروں نے اسے کسی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچا دیا ہے۔ یا اس کا باپ غازی صلاح الدین بڑی رازداری سے اسے کہیں لے گیا ہے۔

ممی اور صلاح الدین ثانی کی تصاویر انٹیلی جنس والوں کے پاس تھیں۔ انہوں نے اخبارات میں ثانی کی تصویریں شائع کرائیں۔ ٹی وی چینلز کے ذریعے ساری دنیا کو اس بچے کی تصویر دکھائی۔ اسے ڈھونڈ کر لانے والے کے لئے پچاس لاکھ روپے کا انعام رکھا اور خود بھی اس کی تلاش میں سرگرداں رہے لیکن وہ نہ ملا۔

تھک ہار کر سی آئی اے' راء' موساد اور دوسری تنظیموں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں کہا گیا کہ پچھلے چوبیس برسوں سے تھری ایس انہیں اپنے پیچھے دوڑا رہا ہے۔ تھری ایس کا باپ چھ برس پہلے بابا سائیں کے غار میں غائب ہو گیا تھا۔ آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ زندہ ہے بھی یا نہیں؟ اب اس کا سات برس کا بیٹا صلاح الدین ثانی گم ہو گیا ہے۔

ایک خفیہ تنظیم کے سربراہ نے کہا۔ ''وہ بچہ بھی باپ کی طرح ڈرامائی انداز میں گم ہوا ہے۔ دیکھا جائے تو وہ تینوں باپ بیٹے برسوں سے ڈرامائی انداز اختیار کرتے آ رہے ہیں اور ہم ان کے پیچھے ناحق پریشان ہو رہے ہیں۔ ہمیں کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔''

ایک نے کہا۔ ''ہم نے اس ریڈ مرکری کی ایک جھلک تک نہیں دیکھی ہے' جسے تھری ایس چرا کر لے گیا تھا۔ چوبیس برسوں میں کچھ تو اس کا سراغ ملنا چاہئے کہ وہ کہاں ہے؟ ہے بھی یا نہیں؟''

سی آئی اے کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''میرا دل میرا دماغ کہتا ہے' ریڈ مرکری تھری

ایس کے پاس نہیں ہے۔ تھری ایس نے اپنا ایک منظم گروپ بنا کر ریڈ مرکری کا شوشہ چھوڑ کر دنیا کی تمام خطرناک تنظیموں سے زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''مرغی انڈوں پر بیٹھ کر بچے نکالتی ہے۔ کچھ روز انڈوں پر بیٹھنے کا صلہ تو اسے ملتا ہے۔ تھری ایس چوبیس برسوں سے ریڈ مرکری پر آسن جمائے بیٹھا ہے اور ایک تنکا بھی حاصل نہیں کر رہا ہے۔ وہ جوہری مادہ اس کے پاس ہوگا تو کچھ حاصل کرے گا۔''

''اسے ریڈ مرکری سے کروڑوں ڈالرز کی آمدنی ہوسکتی ہے تو پھر وہ بڑی سے بڑی رقم کیوں نہیں کما رہا ہے؟''

وہ سب ہی ریڈ مرکری کے معاملے میں تھک گئے تھے۔ چوبیس برس کم نہیں ہوتے۔ اب تمام مخالفین اس نتیجے پر پہنچ رہے تھے کہ میں ایک طویل عرصے سے انہیں الو بناتا آ رہا ہوں۔

آخر میں اجلاس کے صدر نے کہا۔ ''ہم کیوں ریڈ مرکری کے پیچھے سر کھپا رہے ہیں؟ جب وہ کسی ملک سے اس کا سودا کرے گا تو بات چھپی نہیں رہے گی۔ تب ہم تھری ایس کے خلاف جو کر سکتے ہیں' وہ کریں گے۔''

''ویسے یہ یقین ہو چکا ہے کہ تھری ایس کے پاس نہ ریڈ مرکری ہے' نہ کبھی اس کا سودا ہوگا۔''

''پھر یہ کہ پچھلے کئی برسوں سے تھری ایس کی کوئی مصروفیت ہمارے علم میں نہیں آئی ہے۔ وہ گوشہ نشین ہوگیا ہے یا مر کھپ گیا ہے۔ اگر مر چکا ہے تو ہمیں کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا اور ہم اسے زندہ سمجھ کر خواہ مخواہ اپنی راتوں کی نیندیں حرام کرتے رہیں گے۔''

اس اجلاس میں یہ طے ہوگیا کہ تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی پر فی الحال مٹی ڈالی جائے۔ جب اس کی کوئی مصروفیت سامنے آئے گی' وہ کوئی واردات کرے گا اور اس کے جانثار حرکت میں آئیں گے تو ان سے نمٹ لیا جائے گا۔

اس فیصلے کے بعد میری فائل بند کر دی گئی۔ ریکارڈ روم میں میرے نام کے لاکر کو غیر معینہ مدت کے لئے لاک کر دیا گیا۔ میری داستان سے ریڈ مرکری کا باب ختم ہو چکا ہے۔ نہ میں اسے زمین کی تہہ سے نکالوں گا' نہ کسی ملک سے سودا کروں گا اور نہ ہی میرے ملک کے سیاست داں اس قابل ہیں کہ میں اس جوہری مادے کو ان کے حوالے کروں۔ میں اسے خدا کے حوالے کر چکا ہوں۔

میری داستان کا دوسرا تعلق میرے پاپا غازی صلاح الدین سے ہے۔ وہ برسوں پہلے

بابا سائیں کے غار میں جا کر گم ہو گئے تھے۔ ان کی زوجہ ثناء نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ اسی غار میں چلی گئی ہیں۔ وہاں سے واپسی ممکن نہیں تھی۔ اس لئے وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔

وہ ہستیاں اب واپس آنے والی نہیں تھیں۔ ان کا بیٹا کہاں چلا گیا ہے؟ کیوں چلا گیا ہے؟ وہ کبھی واپس آئے گا یا نہیں؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔

اب میری زندگی میں دو اہم چیزیں رہ گئی تھیں۔ انگوٹھی اور عصاء اور الٹے قدموں جوانی کی طرف واپسی کا سفر.... یہ میری بدبختی تھی کہ اس سفر میں میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

میرا خیال تھا' اس سفر میں جیسی چال چلوں گا تو چلتا ہی رہوں گا۔ دین ایمان' تہذیب واخلاق آڑے نہیں آئیں گے۔ کسی کو اس کی اوقات سے زیادہ عروج اور کامیابیاں حاصل ہوں تو وہ مغرور ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ وہ خود کو ٹھوکریں کھاتے ہوئے بھی دیکھ نہیں پاتا۔

میں کلب کے اس بیڈ روم میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ انعام میں ملنے والی جوانی کو کس بازار میں لے آیا ہوں؟ خوشبو کو غلاظت کی سیج پر لاؤ تو اس کی ماہیت کم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ انعام دیتا ہے تو بندوں کو آزماتا بھی ہے کہ وہ اس انعام کے متحمل اور مستحق بن کر رہ پاتے ہیں یا نہیں؟

میری آنکھ کھلی تو فوراً ہی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں ہوں؟ پھر یاد آیا کہ ایک رات کے خریدے ہوئے بستر پر ہوں۔ میں نے دائیں بائیں کروٹ لے کر دیکھا۔ وہ نہیں تھی۔ تاریکی صرف رات تک رہتی ہے۔ صبح ہوتے ہی رخصت ہو جاتی ہے۔

وہاں ہر کام رقم کی ادائیگی کے مطابق ہوتا تھا۔ اس کی جتنی قیمت ادا کی گئی تھی۔ اسی حساب سے وہ وقت گزار کر جا چکی تھی۔ دروازہ اور کھڑکیاں بند تھیں۔ پتہ نہیں چل رہا تھا' کتنا وقت گزر چکا ہے؟ میں نے موبائل فون کو آن کر کے وقت دیکھا۔ صبح کے دس بج چکے تھے۔ میں اب تک گہری نیند سوتا رہا تھا۔

مجھے اس بات کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا کہ میں نے ندا کو دلہن بنانے کے بعد اس کے ساتھ رات نہیں گزاری۔ میں تو گزارنا چاہتا تھا' اسی نے مجھے ٹرخا دیا تھا۔ پھر یہ کہ مرینہ نے اس کی کمی پوری کر دی تھی۔

میں نے ہوٹل کے کھانے سے بھوک مٹائی تھی۔ اس لئے گھر کی بریانی اس وقت یاد

نہیں آ رہی تھی۔ میں بیڈ سے اتر کر واش روم میں آیا۔ وہاں غسل کرتے وقت بھی یہ یاد نہیں آیا کہ ندا مجھے پاکیزہ ماحول میں رکھنا چاہتی تھی۔

عیش و عشرت میں رات سے صبح کرتے وقت یہ بھی بھول گیا کہ ہر رات کے بعد فجر کی اذان سنتا تھا اور نماز پڑھتا تھا۔ جب سے انگوٹھی اور عصاء حاصل ہوا تھا اور جب سے جوانی کی سمت واپسی کا سفر شروع ہوا تھا' تب سے میں نے ایک وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑی تھی۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل نہیں ہوا تھا۔ پہلی بار اس روز پہلی بار میں نے فجر کی نماز کو نظر انداز کر دیا.... جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

ہاں۔ ایک وقت کی نماز نہیں پڑھی تو کیا ہوا؟ کوئی قیامت تو نہیں آ جائے گی....؟

خطا ہو جائے تو ہم یہی سوچتے ہیں کہ کوئی بات نہیں آئندہ ہم سے خطا نہیں ہوگی۔

لیکن جان بوجھ کر ایک وقت کی نماز چھوڑ دی جائے اور پھر کہا جائے' کوئی بات نہیں دوسری وقت کی نماز پڑھ لی جائے گی۔ آئندہ کی نمازیں اپنی جگہ ہیں۔ لیکن جو نماز جان بوجھ کر چھوڑی گئی ہے' اس کی معافی نہیں ہے۔ سزا تو ضرور ملتی ہے۔

میرے پاپا کو اس کی سزا مل چکی تھی۔ جب وہ برفانی علاقے میں اپنی منکوحہ کے ساتھ تھے' یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ صبح غسل کرنے کے لئے پانی نہیں ملے گا اور ناپاکی نماز چھین لے گی۔ اس کے باوجود ہوس ان پر غالب آ گئی تھی۔

انہیں سزا ملی تھی۔ وہ ستر برس تک موت کے اندھیرے میں رہے تھے۔ پھر انہیں نئی زندگی ملی تو انہوں نے توبہ کی۔ ایک طویل عرصے تک نماز سے غافل نہیں رہے۔

عبادت کو جاری رکھنے کا جو وعدہ خدا سے کر لیا۔ اس کے مطابق آخری سانسوں تک نماز نہ چھوٹے۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ لیکن جان بوجھ کر کی گئی غلطیاں معاف نہیں کی جاتیں۔ ان کی سزائیں ضرور ملتی ہیں۔ میرے پاپا نے پھر ایک بار وہی غلطی دہرائی۔

جب ثناء ان کی زندگی میں آئی تو انہوں نے جیسے پھر سے بھول وتی کو پا لیا۔ وہ اس کے دیوانے ہو گئے۔ ایسے سحر زدہ ہوئے کہ پھر ایک بار ہوس ان پر غالب آ گئی۔ پھر ایک بار انہوں نے فجر کی نماز کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے بعد انہیں جو سزا ملی' اسے میں نے آنکھوں سے دیکھا۔ وہ جیتے جی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر کبھی ان کی زندگی کا نہ سراغ ملا نہ موت کی تصدیق ہوئی۔

اس حد تک معلوم ہوا کہ وہ بابا سائیں کے غار میں جا کر زندہ درگور ہو گئے ہیں۔

ہم اپنے سامنے اپنوں کو اور غیروں کو غلطیاں کرتے اور سزائیں پاتے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ میرے پاپا کے ساتھ ایسا دو بار ہوا اور میں نے اس سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ اس نائٹ کلب میں جا کر وہی غلطی کی' جو پاپا کر چکے تھے۔ ایک بار نہیں دو بار کر چکے تھے۔ یہ سمجھا کر گئے تھے کہ جان بوجھ کر کی ہوئی غلطی کی سزا ضرور ملتی ہے۔

اس کلب کے بیڈ روم میں مجھے یہ باتیں یاد نہیں آ رہی تھیں۔ اس وقت تو میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ ساری محرومیاں دور کر کے اپنے حال میں مست تھا۔ اس لئے بھی مستی چھائی تھی کہ میں نے وہ رات ایک بھرپور جوان کی طرح گزاری تھی۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ جوانی واپس آ گئی ہے۔

میں کلب سے باہر آ کر اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میرا دل کہہ رہا تھا' مجھے اپنا میڈیکل چیک اپ کرانا چاہئے۔ واپسی کے سفر سے پہلے مجھے جو بیماریاں تھیں' وہ رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھیں۔ اب وہ ختم ہو چکی ہیں یا نہیں؟ اس بات کی بھی تصدیق ہو جاتی تو اس سلسلے میں کسی شبے کی گنجائش نہیں رہتی کہ آئندہ بھی واپسی کا سفر جاری رہے گا اور کبھی کسی طرح کی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔

میں نے فون کے ذریعے ایک جانثار سے کہا۔ ''میری میڈیکل رپورٹ کی فائل ابھی لے آؤ۔ میں ڈاکٹر کریمر کے کلینک میں جا رہا ہوں۔''

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک اوپن ریسٹورنٹ میں آیا۔ وہاں ناشتہ کیا۔ ایسے وقت ندا یاد آئی۔ حجاب کی وفات کے بعد میں نے کبھی اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ اب تنہائی نے اسے سمجھایا ہو گا کہ آئندہ وہ میری باتیں مان کر ہی مسرتوں بھری ازدواجی زندگی گزار سکے گی۔ ورنہ یونہی اکثر تنہا رہے گی اور میں اسی طرح اسے چھوڑ کر جاتا رہوں گا۔

میں نے ندا کے نمبر پنچ کئے۔ پھر فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ریکارڈنگ سنائی دی کہ آپ کا موجودہ نمبر اس وقت بند ہے۔

میں نے آرام سے ناشتہ کیا' چائے پی۔ پھر کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھنے کے بعد دوبارہ ندا کو کال کی۔ دوسری بار بھی وہی ریکارڈنگ سنائی دی۔ میں نے فون بند کرتے وقت سوچا۔ ''کیا بات ہے' اس کا فون کیوں آف ہے؟''

ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ اس نے ناراضی ظاہر کرنے کے لئے اسے آف رکھا

ہوگا۔ ایک چاہنے والی کے دل میں یہ ارمان ہوتا ہے کہ وہ روٹھ جائے تو محبوب اسے منائے۔ میں نے دل میں سوچا۔ ''ٹھیک ہے۔ گھر جا کر اسے منالوں گا۔''

میرا جانثار ڈاکٹر کریمر سے ملاقات کا وقت مقرر کر چکا تھا۔ میں نے مقررہ وقت پر وہاں پہنچ کر اپنی میڈیکل رپورٹس دکھائیں۔ ڈاکٹر نے ان کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد میرا مکمل چیک اپ کرایا۔ پھر کہا۔ ''آپ کو دوسرے دن رپورٹس مل جائیں گی۔''

ان تمام مصروفیات میں اچھا خاصا وقت گزر گیا۔ میں ایک رات کے لئے ندا سے دور ہوا تھا۔ لیکن دوسرا آدھا دن بھی گزر گیا۔ جب گھر پہنچا تو دن کے دو بج رہے تھے۔

میں نے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کے بٹن کو دبانا چاہا تو رک گیا۔ وہ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں کسی وقت بھی واپس آ سکتا ہوں۔ اس لئے دروازے کو کھلا رکھا تھا۔ خود آ کر میرے لئے دروازہ کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ اس طرح ناراضی کا اظہار کرنے والی تھی۔

میں نے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے اسے وہاں بلانے کے لئے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ پھر دروازے کو پوری طرح کھول دیا۔ بیل کی آواز گھر کے اندر دور تک گئی تھی۔ مگر وہ نہیں آئی۔ میں نے پھر بٹن دبایا۔ پھر گھنٹی کی گنگناتی ہوئی آواز دور تک جا کر معدوم ہوگئی۔

میں نے ڈرائنگ روم میں آ کر وہاں کی ویرانی دیکھی۔ وہاں سے آگے بڑھتا ہوا بیڈ روم کے قریب پہنچ کر آواز دی۔ ''ندا.....!''

اس کی خوابگاہ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر پھر سے آواز دی۔ جب جواب نہ ملا تو دروازے کے ہینڈل کو تھام کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ میں نے اندر آ کر دیکھا۔ وہ خوابگاہ اس کے وجود سے خالی تھی۔

میں نے اپنے بیڈ روم میں آ کر اور کچن میں آ کر دیکھا پھر اسے آوازیں دیں۔ نہ وہ دکھائی دی' نہ اس کی آواز سنائی دی۔ پھر میں نے اس کے فون نمبر پنچ کئے۔ اندازہ تھا کہ اس کا فون آن ہوگا اور وہ کہیں چھپی ہوگی تو اس کا فون بے ساختہ پکارے گا۔

اور یہی ہوا کالنگ ٹون سنائی دینے لگی۔ میں تیزی سے چلتا ہوا اس کے بیڈ روم میں آیا پھر ایک طرف دیکھا اس کا فون میز پر رکھا ہوا تھا اور وہاں سے بیل سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اسے اٹینڈ کرنے والی نہیں تھی۔

میں نے الماری کھول کر دیکھی۔ وہ جب بھی شاپنگ کے لئے یا آؤٹنگ کے لئے

میرے ساتھ جاتی تھی تو ایک چھوٹا سا بیگ اپنے شانے سے لٹکائے رکھتی تھی۔ اس میں اس کا ضروری سامان رہا کرتا تھا۔

میں نے پوری الماری کو کھنگال کر دیکھا۔ پھر سیف کو کھول کر دیکھا۔ وہاں اس کا پاسپورٹ اور اس سے تعلق رکھنے والے ضروری کاغذات نہیں تھے۔ میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں نے فوراً ہی فون کے ذریعے ایک جانثار کو مخاطب کیا پھر پوچھا۔ ''ندا کہاں ہے؟''

اس نے کہا۔ ''وہ ابھی گیارہ بجے کی فلائٹ سے پاکستان گئی ہیں۔''

میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم نے میری اجازت کے بغیر اسے جانے کیوں دیا؟''

''میں نے آپ سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ لیکن وہ کل رات سے بند پڑا تھا۔ ہمارا ایک ساتھی اس نائٹ کلب میں گیا تھا۔ اس نے وہاں کے انچارج سے کہا کہ آپ سے ملاقات کرائی جائے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ لیکن انچارج نے کہا کہ جب انہوں نے اپنا فون بند رکھا ہے۔ کسی سے ملاقات نہیں کرنا چاہتے تو یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے کہ ہم اپنے کسٹمرز کو ڈسٹرب کریں۔ وہ یہاں عیاشی کے لئے آتے ہیں۔ کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔''

یہ سچ تھا کہ رات بھر میرا فون آف رہا تھا۔ مجھے اس بات پر غصہ آیا کہ انہوں نے میرے بیدار ہونے کا انتظار کیوں نہیں کیا؟

میرے جانثار نے کہا۔ ''آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم میڈم ندا کے ہر حکم کی تعمیل کیا کریں۔ جب آپ موجود نہ ہوں تو انہیں کسی طرح کی شکائیت کا موقع نہ دیں۔''

''بیشک۔ میں نے ایسا حکم دیا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میری غیر موجودگی میں اسے ایک ملک سے دوسرے ملک بھیج دیا جائے۔''

''سر! وہ آپ کی شریک حیات ہیں۔ آپ کے لئے اور ہمارے لئے قابل اعتماد ہیں۔ ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ یہاں سے جانے کا غلط فیصلہ کر رہی ہیں۔''

ندا جس انداز سے اچانک ہی مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔ اس سے میری توہین ہو رہی تھی۔ میں نے جھنجلا کر پوچھا۔ ''اس نے جانے کے سلسلے میں کچھ تو کہا ہوگا کہ اچانک کیوں جا رہی ہے؟''

اس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ میں نے گرجتے ہوئے کہا۔ ''جواب دو۔''

''وہ سوری سر! یہ آپ کی شریک حیات کے الفاظ ہیں کہ طہارت اور غلاظت ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتیں۔''

"وہ بیوقوف ہے۔ اتنی سی بات پر گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ اگر مجھ سے فون پر کہہ دیتی تو میں اس گھر میں قدم نہ رکھتا۔ دور ہی دور سے اسے دیکھتا' اپنی نگرانی میں رکھتا۔"

"سر! یہ ہم تمام جانثار دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس قدر دیندار اور عبادت گزار ہیں۔ وہ ہم سب کو پاکیزہ ہستی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ہمارا خیال ہے۔ بلکہ ایمان ہے کہ وہ عبادت اور ریاضت کے ان مراحل سے گزر رہی ہیں' جہاں انہیں آپ کے یا کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ انہیں صرف ایک خدا پر بھروسہ ہے اور اسی بھروسے پر وہ یہاں سے چلی گئی ہیں۔"

میں نے مٹھی بھینچ کر دھاڑتے ہوئے کہا۔ "تم نے اسے جانے کیوں دیا؟"

"سوری سر! اب آپ ہمیں بھی جانے دیں۔ صرف میں ہی نہیں اور بھی کئی جانثار یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ آپ سے دور رہیں۔ آپ سے بیوفائی نہ کریں۔ لیکن دور ہی دور رہ کر صرف ان احکامات کی تعمیل کریں' جن کا تعلق ہمارے دینی احکامات سے ہوگا۔"

میں نے خلاء میں تکتے ہوئے سوچا۔ "یہ میرے برسوں کے وفادار کھل کر غداری نہیں کر رہے ہیں۔ وفاداری کا دعویٰ کرنے کے باوجود درپردہ مجھ سے بدظن ہو چکے ہیں۔"

میں نے ناگواری سے کہا۔ "میں تمہاری دوغلی وفاداری کا محتاج نہیں ہوں۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔ میرے لئے تم مر چکے ہو۔"

اس نے کہا۔ "فون بند کرنے سے پہلے ایک بات سن لیں۔ صرف میں نہیں ہوں اور بھی کئی جانثار ہیں' جو آپ کے حکم سے دفع ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کی واپسی کا انتظار کریں گے۔ اس واپسی کا نہیں' جو جوانی کی سمت ہو رہی ہے۔ ہمیں اس واپسی کا انتظار رہے گا جو ایمان کی طرف ہوگی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے غصہ آ رہا تھا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے جانثار مجھ سے بدظن ہو جائیں گے اور میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ میں جانثاری کے عوض انہیں مالا مال کرتا رہتا تھا۔ وہ عیش و عشرت کی زندگیاں گزارتے تھے۔

میں نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا اور وہ میرا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ ایک ہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ انہیں چربی چڑھ گئی ہے۔ میں ان کے متعلق ایسا سوچ رہا تھا۔ جبکہ میرے دماغ پر چربی چڑھ گئی تھی۔ مجھے اپنی غلطیاں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

اور یہ بھی سمجھ میں آ رہا تھا کہ بڑے ہی نامعلوم طریقے سے قدرت مجھے سزا دے رہی ہے۔ میرے جانثاروں کو مجھ سے دور کر رہی ہے۔

اور آگے چل کر یہ بھی سمجھ میں آنے والا تھا کہ یہ سزا کا پہلا مرحلہ ہے۔ پہلے مرحلے میں جانثاروں نے ساتھ چھوڑا ہے۔ اگلے مراحل میں اور نہ جانے کیا ہونے والا ہے؟

میں نے لاہور کے جانثار آدم ثانی سے رابطہ کیا۔ پھر اس سے کہا۔ "میری شریک حیات ندا لاہور پہنچنے والی ہے۔ کیا اس سلسلے میں تمہیں اطلاع دی گئی ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ شام پانچ بجے کی فلائٹ سے یہاں پہنچنے والی ہیں۔ میں نے کوٹھی کی صفائی کرائی ہے۔ ان کی خدمت کے لئے پہلے جو ملازمہ تھی' اسے بھی بلا لیا ہے۔"

میں نے کچھ سوچا۔ پھر اس سے جھوٹ کہا۔ "ندا اپنا فون یہاں بھول گئی ہے۔ جیسے ہی وہاں پہنچے' اس سے میری بات کراؤ۔"

"یس سر! میں ان کے لئے ابھی ایک نیا فون لے آؤں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کرتے ہوئے دور میز پر رکھے ہوئے فون کو دیکھا۔ پھر سوچا۔ "وہ اپنا فون یہاں کیوں چھوڑ کر گئی ہے؟"

بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر فون اس کے پاس رہتا تو میں بار بار کال کرتا رہتا۔ اسی لئے اس نے رابطے کا ذریعہ ختم کر دیا تھا۔ اپنا فون میرے پاس پھینک کر چلی گئی تھی۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔ پھر بستر پر چاروں شانے چت ہو گیا۔ پچھلی رات وہ مجھ سے کترا رہی تھی۔ فاصلہ رکھنا چاہتی تھی۔ اب تو ہزاروں میل کا فاصلہ قائم کر دیا تھا۔ وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی اور یہ میری توہین تھی۔

میں نے سوچا۔ "اگر وہ مجھ سے اس قدر کترا رہی ہے تو پھر یہی سہی۔ میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا' دور رہوں گا۔ البتہ اسے پا لینے کی ہوس رہے گی۔"

وہ میری منکوحہ بن گئی تھی۔ میرے قریب آتے آتے بہت دور چلی گئی تھی۔ جو چیز ملتے ملتے بھی ہاتھ نہ آئے' دور نکل جائے تو اس کے لئے زیادہ تڑپ اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔

میں چپ چاپ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے لئے بے حد کشش بڑھ گئی ہے۔ میں اسے پا لینا چاہتا ہوں۔ لیکن اب میرے اندر بھی ضد پیدا ہو گئی تھی۔ میں اسے ٹھکرا دوں گا۔ کیا ہوا کہ وہ ایک لڑکی مجھے حاصل نہیں ہوگی۔ دنیا میں اس سے بھی زیادہ حسین ترین اور پرکشش لڑکیاں ہیں۔ ایسی حسیناؤں کو حاصل کرنے کے لئے دو چیزیں لازمی ہوتی ہیں۔ ایک دولت' دوسری جوانی اور یہ دونوں چیزیں میرے پاس وافر مقدار میں موجود تھیں۔

کالنگ ٹون نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے فوراً ہی اٹھ کر بیٹھتے ہوئے نمبر پڑھے۔ میرا ایک جانثار انڈیا سے کال کر رہا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بولو؟"

"ایک تشویشناک اطلاع دے رہا ہوں۔ صلاح الدین ثانی پچھلی رات سے لاپتہ ہے۔ ہم اس گھر کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ وہاں سے کب چلا گیا؟"

"کیا کہہ رہے ہو؟ وہ سات برس کا بچہ تنہا کہاں جائے گا؟ ضرور دشمنوں نے اغواء کیا ہوگا۔ اب وہ میرے اس ننھے بھائی کو میری کمزوری بنائیں گے۔"

"سر! ہم یقین سے کہتے ہیں' دشمنوں نے اسے اغواء نہیں کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ آپ کو ضرور چیلنج کرتے۔ ہم نے دیکھا ہے' وہ خود اس بچے کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"اسے کسی طرح تلاش کرو۔ وہ بچہ ہے۔ کہاں جا سکتا ہے اور کتنی دور جا سکتا ہے؟ اسی شہر میں کہیں ہوگا۔"

"صرف ہم ہی نہیں' دشمن بھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اخبارات میں اس کی تصویر شائع کرائی گئی ہے۔ ٹی وی چینلز کے ذریعے اسے دکھایا جارہا ہے اور ڈھونڈ کر لانے کے لئے پچاس لاکھ روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔"

میں نے تھوڑی دیر تک اس سے باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔ میں وہاں سے ہزاروں میل دور تھا۔ اپنے بھائی کی گمشدگی کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے یہ اطمینان تھا کہ صرف میرے جانثار ہی نہیں' دشمن بھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ آج نہیں تو کل وہ کسی کی نظروں میں آ سکتا تھا۔

میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچنے لگا۔ "یہاں مورشش میں کیا کر رہا ہوں؟ یہاں امیر خیری نامی ایک امیر کبیر شخص کا بھیس بدلنے آیا تھا۔ اسے قریب سے دیکھ کر انڈیا جا کر اس کا رول ادا کرنے والا تھا۔"

پلاننگ یہ تھی کہ وہاں ندا کے ساتھ رہ کر بڑی رازداری سے بابا سائیں کے غار میں جاؤں گا۔ اگر دل کی اور روح کی گہرائیوں سے اسم اعظم پڑھوں گا تو تہہ خانے میں جانے کا راستہ ملے گا۔ پھر میں انگوٹھی اور عصاء حاصل کرلوں گا۔ مجھے پھر سے غیر معمولی قوتیں حاصل ہو جائیں گی۔

جتنی آسانی سے سوچا تھا' اتنا ہی اسم اعظم پڑھنا میرے لئے دشوار ہو گیا تھا۔ واپس ملنے والی جوانی اور اس کے تقاضے مجھ پر حاوی ہو گئے تھے۔ میں ندا تک پہنچنے کی ہوس میں

مبتلا ہو گیا اور ندا خدا تک پہنچنے کی وجدانی کیفیات میں مبتلا رہی۔ وہ جس طرح اسم اعظم پڑھتے وقت اپنی ذات کو گم کر دیتی تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ انگوٹھی اور عصاء تک ضرور پہنچے گی اور وہ دو چیزیں میرے لئے ضرور لے آئے گی۔

جن پہ تکیہ تھا' وہی پتے ہوا دینے لگے.....

میں نے اس پر تکیہ کیا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔

اور یہ کہہ کر گئی تھی کہ طہارت اور غلاظت ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتیں۔

قدرتی طور پر حاصل ہونے والی انگوٹھی اور عصاء کو پاکیزہ ہاتھ ہی حاصل کر سکتے ہیں اور میں ندا کی نظروں میں پاکیزہ نہیں رہا تھا۔ پھر کیا وہ میرے لئے ان دو چیزوں کو حاصل کرے گی؟

نہیں.....وہ یہی کہے گی کہ انگوٹھی اور عصاء میرے ہاتھوں میں آئیں گے تو اپنی قدرتی تاثیر کھو دیں گے۔ وہ خود کو اور دوسری تمام متبرک چیزوں کو مجھ سے دور رکھے گی۔

اور جب وہ غیر معمولی قوتیں مجھے حاصل نہیں ہوں گی تو پھر میں امیر خیری کا بھیس بدل کر انڈیا جا کر کیا کروں گا؟

پہلے تو مجھے ندا کے ارادے معلوم کرنے ہوں گے۔ اگر وہ میرے ساتھ انڈیا میں رہ کر وہ چیزیں حاصل کرے گی تو پھر میں اپنا موجودہ حلیہ تبدیل کروں گا۔ امیر خیری بن کر ندا کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔

یہ سوچ کر بکی محسوس ہو رہی تھی کہ میں ندا کا محتاج ہو گیا تھا۔ وہ میرے سامنے کی بچی تھی۔ مجھے اپنا پابند بنا رہی تھی۔

میں سوچتے سوچتے چونک گیا۔ فون سے میسج ٹون سنائی دی۔ میں نے بٹن دبا کر پڑھا۔ ننھی سی اسکرین پر لکھا تھا۔

انسان اپنی طبعی عمر سے زیادہ جی نہیں سکتا۔

کوئی بڑھاپے سے جوانی اور بچپن کی طرف واپس جا نہیں سکتا۔

سو برس کا سامان نہ کرو۔ پل کی خبر رکھو۔

اس سے پہلے کہ اگلے پل کچھ ہو جائے۔ اٹھو.....

توبہ کرو۔

☆☆☆

موبائل فون نے ہم سب کو غیر ضروری پیغامات بھیجنے اور پیغامات وصول کرنے میں اس قدر مصروف کردیا ہے کہ ہم اپنی تعلیم وتربیت اور اہم فرائض کو بھول کر دن رات دلچسپ پیغامات ایک دوسرے کو ارسال کرتے رہتے ہیں۔

میرے پاس جو میسج آیا اس میں نصیحتیں اور ہدایتیں تھیں۔ لوگ ثواب کمانے کے لئے بھی دینی باتیں لکھ کر ہمیں پڑھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اس میسج کو آگے بڑھایا جائے۔ اس طرح اپنے رشتے داروں کو بھی میسج کی لت لگائی جائے۔

میں فون کی ننھی سی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو خیال گزرا کہ کسی نے یونہی نصیحتیں لکھ بھیجی ہیں۔ پھر غور کیا تو عقل نے سمجھایا کہ اس پیغام کا تعلق میری زندگی سے ہے۔ اس میسج کی پہلی سطر یہ تھی.....

''انسان اپنی طبعی عمر سے زیادہ جی نہیں سکتا۔

انسان کی طبعی عمر اس طرح تمام ہوتی ہے کہ وہ بڑھاپے کے بعد موت کے خانے میں آتا ہے۔ اپنی طبعی عمر کے خلاف واپس جوانی کے خانے میں آ کر لمبی عمر نہیں گزارتا۔''

میں نے میسج کی اس سطر پر غور کیا۔ وہ سطر جیسے میرے لئے لکھی گئی تھی۔ ایک میں ہی تھا، جو طبعی عمر کے خلاف جوانی کی سمت واپسی کے سفر کا دعویٰ کر رہا تھا۔

اس میسج کی دوسری سطر یہ تھی کہ کوئی بڑھاپے سے جوانی اور جوانی سے بچپن کی طرف واپس نہیں جا سکتا۔

یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آگئی کہ وہ میسج کسی دینی تبلیغ کا حصہ نہیں ہے۔ اسے خاص طور پر مجھے نصیحت کرنے کے لئے ارسال کیا گیا تھا۔

اگر ایسا ہے تو کس نے ارسال کیا ہے؟

میں نے بٹن دبا کر دیکھا، کسی کا نام نہیں لکھا تھا۔ بھیجنے والے کا فون نمبر تھا۔ میں نے اس نمبر کو پنچ کیا پھر فون کو کان سے لگایا دوسری طرف سے ریکارڈنگ سنائی دی کہ وہ نمبر بند ہے۔

کسی نے میسج بھیجنے کے بعد اپنا نمبر بند کر دیا تھا۔ ایسا کس نے کیا ہوگا؟

کون جانتا ہے کہ میں بڑھاپے سے جوانی کی سمت واپس جا رہا ہوں؟

جو میرے اپنے اس بات کو جانتے تھے انہوں نے میری واپسی کے سفر کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہا تھا۔ ہاں۔ اب ندا میری ذات پر تنقید کرنے لگی تھی۔ اس نے میرے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہنے سے انکار کیا تھا۔ وہ دینی معاملات میں اس قدر سخت رویہ اختیار کر رہی تھی

کہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

پہلے وہ میرے سہارے کی محتاج تھی۔ اب میں غیر اہم تھا اور دین و ایمان اسے جان سے زیادہ اہم ہوگیا تھا۔

وہ میسج یقیناً اسی نے دیا تھا۔ آخر میں لکھا تھا۔ ''سو برس کا سامان نہ کرو۔ پل کی خبر رکھو۔''

میں واپسی کے سفر میں سو برس سے زیادہ زندگی پانے والا تھا۔ وہ اس حقیقت سے انکار کر رہی تھی۔ ہماری دنیا میں جو ہوتا آیا ہے، اس حقیقت کے مطابق کہہ رہی تھی کہ پل کی خبر رکھو۔

''اس سے پہلے کہ اگلے پل کچھ ہو جائے۔ اٹھو.... توبہ کرو۔''

وہ مجھے تنبیہہ کر رہی تھی۔ وہ کوئی بزرگ ہستی نہیں تھی کہ جو کہتی، وہ ہو جاتا۔ ایک اسم اعظم پڑھنا کیا آگیا تھا، خود کو اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ بندی سمجھنے لگی تھی۔ نظروں سے دور ہو کر ناحق مجھ پر رعب طاری کرنا چاہتی تھی۔

میں فون کو بیڈ پر پھینک کر ایک قد آدم آئینے کے سامنے آگیا۔ دائیں بائیں گھوم کر خود کو ہر زاویئے سے دیکھنے لگا۔ آئینہ جھوٹ نہیں بولتا، جو ہمارا ظاہر ہوتا ہے، اسے پوری وضاحت سے دکھاتا ہے۔ وہ دکھا رہا تھا کہ میں عمر رسیدہ ہوں مگر بھرپور جوان ہوں۔

میرے بال سیاہ تھے۔ کہیں کہیں سے سفیدی جھلک رہی تھی۔ آج کل کے نوجوانوں کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ ایسا نزلے کے باعث بھی ہوتا ہے۔ سفید بالوں کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بوڑھا ہو گیا ہے۔

میں نے شرٹ اتار کر اپنے بازوؤں کے مسلز کو پھلا کر دیکھا۔ اگرچہ بدن میں سختی نہیں تھی مگر مسلز بن رہے تھے۔ سینہ چٹان کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

میں جوگنگ کے انداز میں پنجوں کے بل اچھلنے لگا۔ میری نظریں وال کلاک پر تھیں۔ تین منٹ بعد ہی رک گیا۔ جوگنگ نہ کر سکا ہانپ گیا۔ میں نے خود کو تسلی دی، جوان بھی ہانپتے ہیں۔ لیکن.... لیکن وہ جوگنگ کے دوران رکتے نہیں ہیں۔

میں نے سوچا، کوئی بات نہیں ہے۔ روز صبح اٹھ کر کھلی فضاء میں جوگنگ کرتا رہوں گا تو سانسیں بحال رہیں گی۔ جوگنگ کے دوران ہانپنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

شام کو چھ بجے آدم ثانی نے لاہور سے فون کیا اور کہا۔ ''میڈم یہاں پہنچ گئی ہیں۔ میں نے انہیں ایک نیا فون پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ ابھی آپ سے بات کریں۔''

میں نے کہا۔ ''اس نے ابھی تک کال نہیں کی ہے۔''

وہ بولا۔ ''کال کیسے کریں گی؟ انہوں نے تو مجھ سے فون ہی نہیں لیا اور چلی گئیں۔''

میں نے غصے سے پوچھا۔ ''کہاں چلی گئیں؟ مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب! میں نے ان سے کہا تھا کہ یہ نیا فون رکھ لیں۔ آپ اپنا فون وہاں بھول کر آئی ہیں۔ انہوں نے کہا' وہ بھول کر نہیں آئی ہیں۔ اسے جان بوجھ کر وہاں چھوڑ آئی ہیں۔ انہیں کسی فون کی ضرورت نہیں ہے۔''

''وہ کہاں گئی ہیں؟''

''انہوں نے ہماری لائی ہوئی گاڑی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر گئی ہیں۔''

میں نے گرجنے کے انداز میں پوچھا۔ ''کہاں گئی ہیں؟''

''عاقب اور دوسرے جانثار دور ہی دور سے ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ابھی معلوم ہو جائے گا' وہ کہاں پہنچنے والی ہیں؟''

میں فون بند کر کے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ وہ میرا فون' میری گاڑی اور میرا گھر استعمال نہیں کر رہی تھی۔ میری منکوحہ بننے کے باوجود ازدواجی رشتہ قائم کرنے سے پہلے ہی مجھ سے دور ہو گئی تھی۔ یہاں' وہاں لاہور میں سب ہی جانثار اس کی خودسری کو دیکھ رہے تھے۔ میری انسلٹ ہو رہی تھی۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔

اس کے رویے سے معلوم ہو گیا کہ وہ لاہور والی اس کوٹھی میں بھی نہیں جائے گی' جو اس کے نام سے خریدی گئی ہے۔ اسے دولت اور جائیداد کی ہوس نہیں تھی۔ اس کا تقویٰ اور پرہیز گاری بتا رہی تھی کہ اللہ والی بن چکی ہے۔

یہ بات میرے دل میں نہیں آئی کہ میں بھی اللہ سے لو لگا سکتا تھا۔ اس کی طرح دن رات عبادت میں محو نہ رہتا' کوئی بات نہیں مگر ہوس پرست تو نہ بنتا۔ ایک وقت کی نماز تو نہ چھوڑتا۔

تب مجھے یاد آیا کہ ندا نے مجھ سے دور ہو کر مجھے ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ظہر عصر کی نمازیں پڑھنا بھول گیا ہوں۔ مغرب کی نماز کا وقت گزر رہا تھا۔ میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ابھی نماز پڑھ سکتا تھا۔ پھر یاد آیا کہ صبح بازاری حمام میں غسل کیا تھا۔ وہاں رکھا ہوا صابن' تولیہ اور بستر وغیرہ نجانے کتنے لوگ استعمال کرتے ہوں گے؟ مجھے گھر آتے ہی طہارت کے پورے یقین کے ساتھ غسل کرنا چاہئے تھا۔

میں باتھ روم میں چلا گیا۔ وہاں دوسری اور مصروفیات میں وقت گزر گیا۔ جب

دروازہ کھول کر کمرے میں آیا تو عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ اسی وقت فون سے کالنگ ٹون ابھرنے لگی۔

میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ آدم ثانی نے کہا۔ ''سر! میڈم اس شہر سے تو کیا' اس ملک سے ہی چلی گئی ہیں۔''

میں نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو؟ وہ وہاں پہنچتے ہی کسی دوسرے ملک تک کیسے چلی جائے گی؟''

''وہ ائیرپورٹ سے ٹیکسی میں بیٹھ کر بارڈر کی طرف گئی تھیں۔ ہم نہیں جانتے' انہوں نے کیسے سرحد پار کی؟ ہم حیران ہیں کہ انہیں کسی نے نہیں روکا۔''

''وہ ٹیکسی ڈرائیور تو سرحد سے واپس آیا ہوگا۔ اس سے پوچھو۔''

''ہم نے پوچھا تھا' اس نے جواب دیا کہ میڈم اس کی ٹیکسی سے اتر کر انڈیا جانے والی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھیں۔ سرحد پار کرتے وقت انہیں کسی نے نہیں روکا تھا۔''

میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''سر! ایسا ہو نہیں سکتا۔ مگر ہو چکا ہے۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ وہ انڈیا گئی تھی۔ اس کا مقصد معلوم ہو گیا۔ وہ میرے لئے انگوٹھی اور عصاء حاصل کرنے گئی تھی۔

کیا میرے لئے.....؟

جبکہ مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔ یہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اسے ہاتھ لگاؤں۔ وہ اپنی حاصل کی ہوئی انگوٹھی اور عصاء کو ہاتھ لگانے دے گی؟ وہ تو مجھے ناپاک ہستی سمجھتی ہے۔

یہ سوچ کر جھنجھلاہٹ طاری ہو رہی تھی کہ وہ فون پر بھی مجھ سے بات نہیں کر رہی تھی۔ اگر ناراض تھی تو ناراضگی کی وجہ بتا سکتی تھی۔ اس کی خاموشی مجھے کرب میں مبتلا کر رہی تھی۔ شائد اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے کسی کے ساتھ پچھلی رات کالی کی ہے۔

اس کی ایک بات یاد تھی۔ اس نے کہا تھا' آپ صحیح وقت پر صحیح جذبے سے نماز ادا کریں۔

اور فجر سے اب تک اس دن کی ساری نمازیں چھوٹ گئی تھیں۔ عشاء کا بھی وقت گزر چکا تھا۔ لیکن قضاء پڑھ سکتا تھا۔ میں نماز کے لئے اٹھا..... اٹھنے سے نماز نہیں ہو جاتی۔ پڑھنے سے ہوتی ہے اور ابھی تک میں پڑھ نہیں پا رہا تھا۔

اور یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کس طرح آزماتا ہے؟ ہمیں اپنی

غلطیوں کے باعث پتہ ہی نہیں چلتا کہ آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ کوئی دروازے پر آیا تھا۔ میں کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آیا۔ پھر ڈرائنگ روم سے گزرتا ہوا دروازے پر پہنچا۔ ہائے.... یہ آزمائشیں کیسی رنگین اور سنگین ہوتی ہیں؟ میں نے دروازہ کھولا تو چند ساعت کے لئے آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں۔

چشمِ ماہ روشن دلِ ماشاد.... ایسا جلوہ کہ ہوس زندہ باد

نگاہوں کے سامنے کیا رنگ روپ تھا۔ کیا حسن کی دھوپ تھی۔ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ "سوری! میں شائد آپ کے آرام میں مخل ہو رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "خدا نے تمہیں آرام حرام کرنے کے لئے ہی بنایا ہے۔ اندر آؤ۔"

جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی اجنبی کیوں ملنے آیا ہے' تب تک اسے اندر بلایا نہیں جاتا۔ صرف عورت ہی ایسی ہے' جسے کسی تعارف کے بغیر گھر کے اندر بلا لیا جاتا ہے۔ شائد اس لئے کہ وہ پہلے ہی ہوس کی چار دیواری توڑ کر اندر آ چکی ہوتی ہے۔

اس نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی میری گردن میں باہیں ڈال دیں۔ کچھ پوچھنے سے پہلے ہی کہا۔ "مرینہ میری سہیلی ہے۔ اس نے بتایا ہے' تم خوش ہوتے ہو تو حاتم طائی بن جاتے ہو۔"

میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ "آج پتہ چلا' میں نہیں ہوں' حاتم طائی ہوں۔"

وہ بولی۔ "تم نے کاؤنٹر پر اس کی پے منٹ کی تھی۔ اس کے علاوہ تم نے خوش ہو کر اسے بیس ہزار دیئے تھے۔ وہ تو نہال ہو گئی ہے۔ تمہارے گن گاتی پھر رہی ہے۔"

"اور تم اس کی گنگناہٹ سن کر میرے پاس آئی ہو۔"

"مرینہ چاہتی ہے' تم نائٹ کلب جیسی مہنگی جگہ نہ جاؤ۔ جتنی رقم وہاں لٹاتے ہو۔ یہاں اس کی آدھی رقم میں مجھ جیسی لڑکیاں مل جائیں گی۔ کیا میں حسین اور پرکشش نہیں ہوں؟"

"بہت زبردست ہو۔ آتے ہی میرے حواس پر چھا گئی ہو۔"

"ہم سے رابطہ رکھو۔ مجھ سے دل بھر جائے گا تو دوسری تیسری آتی رہے گی۔"

"درست کہتی ہو۔ ایک تو میری آدھی رقم بچے گی' دوسری بات یہ کہ تمہارے ذریعے حسینائیں میرے دروازے پر آتی رہیں گی۔ لیکن بڑے بڑے نائٹ کلبوں میں ہماری صحت اور سلامتی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ وہاں کوئی مہلک بیماری لگانے والی عورت نہیں آتی۔ سب ہی میڈیکل چیک اپ کے بعد لائی جاتی ہیں۔"

وہ اپنے بیگ سے ایک کارڈ دکھاتے ہوئے بولی۔ "یہ میرا میڈیکل گرین کارڈ ہے۔ اس ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے مطابق مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ ایک ننھا سا ریڈ اسپاٹ بھی نہیں ہے۔"

میں اس کارڈ کو پڑھ کر مطمئن ہو گیا۔ وہ بولی۔ "تم جب بھی مجھے یا مرینہ کو کال کرو گے' ہم تمہارے معیار اور تمہاری پسند کے مطابق کسی حسینہ کو بھیج دیں گے۔ وہ بھی اپنا میڈیکل سرٹیفکیٹ تمہیں دکھائے گی۔"

میں نے سوچا نہیں تھا کہ آج رات باہر جاؤں گا۔ ندا اور کئی جانثاروں نے مجھ سے منہ پھیر کر کچھ مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ میں یہ پلاننگ کرنا چاہتا تھا کہ آئندہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے ہی وہ کال گرل آ گئی تھی اور آئندہ کے پروگرام پیش کر رہی تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ شیطان کتنی ہنرمندی سے اپنے آلہ کار ہمارے پاس بھیج دیتا ہے؟ وہ آلہ کار ایسی اداؤں سے دل میں اتر جاتے ہیں کہ پھر دین و دنیا کا ہوش نہیں رہتا۔

میں بھی مدہوش ہو گیا اور عشاء کی نماز بھی گزر گئی۔ برسوں پہلے میں نے ایسی غلطیاں کی تھیں۔ مجھ سے پہلے میرے پاپا نے بھی نماز کو نظر انداز کیا تھا۔ میں نے خود کو سمجھایا کہ نماز کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے۔ آج نہ سہی کل پڑھ لوں گا۔

ایک وقت کا بھی ناغہ کئے بغیر کل سے باقاعدہ پڑھوں گا۔

اور آج تک کسی انسان کی زندگی میں کل کبھی نہیں آیا۔

☆☆☆

خدا مہربان تو گدھا پہلوان.... مجھے پہلوانی کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔

دوسرے دن میڈیکل رپورٹ مل گئی۔ ڈاکٹر نے حیرانی سے کہا۔ "اگرچہ میں آپ کو مکمل طور پر چیک کر چکا ہوں۔ لیبارٹری کی تمام رپورٹس میرے سامنے ہیں۔ پھر بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ تمام بیماریوں سے پاک ہیں اور کلی طور پر صحت مند ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "آپ حیران کیوں ہیں؟"

"میں نے آپ کی پچھلی تمام رپورٹس پڑھی ہیں۔ دس برس پہلے کی ایک رپورٹ کے مطابق آپ کے اندر بلڈ کینسر کی علامات تھیں۔ اب ان علامات کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں ہے۔"

وہ میری فائل کھول کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کا معدہ کمزور تھا۔ ہلکی سی خوراک بھی ہضم نہیں ہوتی تھی۔ کئی کئی راتوں تک نیند نہیں آتی تھی۔ آپ لاغر ہو گئے تھے۔ چھڑی ٹیک کر چلتے تھے۔ ستر برس کی عمر میں کمر جھکنے لگتی ہے۔ آپ بھی بوڑھے ہو گئے تھے۔"

اس نے فائل سے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کہا۔ ''اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کا معدہ کمزور نہیں ہے۔ آپ کو بھوک لگتی ہے۔ نیند آتی ہے۔ سب سے حیرانی کی بات یہ ہے کہ بلڈ کینسر کی ایک ذرا سی بھی علامت نہیں ہے۔ آپ سینہ تان کر چلتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے' پھر سے جوان ہو رہے ہیں۔''

اگر میں اس سے کہتا کہ واقعی جوان ہو رہا ہوں اور اب بوڑھا نہیں رہا ہوں تو وہ کبھی یقین نہ کرتا۔

میں نے پوچھا۔ ''یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مجھ جیسا شخص جو عمر کے حساب سے بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق جوان ہے' صحت مند ہے اور تمام بیماریوں سے دور ہے اور آئندہ بھی جوان رہے گا؟''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''صحت مندی اور جوانی میں یہ فرق ہے کہ جوانی ایک مخصوص عمر تک رہتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے۔ صحت مندی بڑھاپے میں بھی قائم رہتی ہے۔ آپ حیرت انگیز طور پر صحت مند ہیں۔ لیکن جوان نہیں ہیں۔''

وہ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے درست کہہ رہا تھا۔ اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ میں بڑھاپے میں جوان نہیں ہوں۔ صحت مند ہوں۔ میری صحت مندی کے باعث دکھاوے کی جوانی جھلک رہی ہے۔

میں نے اس سے بحث نہیں کی۔ مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اپنی میڈیکل رپورٹ لے کر کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ ندا نے میرا ساتھ چھوڑ کر یہ تاثر دیا تھا کہ میں غلیظ ہوں' گناہگار ہوں اور یہ کہ خدا مجھ سے ناراض ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ رپورٹ نے ثابت کر دیا تھا کہ خدا مجھ سے راضی ہے اور میں پچھلے دس برسوں سے رفتہ رفتہ جوانی کے مرحلے داخل ہو چکا ہوں۔

میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ میرے اندر اس قدر مسرتیں بھر گئی تھیں کہ میں ہواؤں میں اڑنا چاہتا تھا۔

واقعی اگر پر نکل آتے تو اڑتا ہوا سیدھا ندا کے پاس پہنچ کر کہتا۔ ''کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسم اعظم پڑھنے اور عبادت کرتے رہنے سے ہی خدا راضی رہتا ہے۔ نہیں... کوئی ضروری نہیں ہے۔ بیشمار بندے نہ روزہ رکھتے ہیں' نہ نماز پڑھتے ہیں۔ پھر بھی خدا انہیں دولت اور دنیا

جہان کی نعمتوں سے مالا مال کرتا رہتا ہے۔ مجھے دیکھو' میں جوان ہو گیا ہوں اور دنیا جہان کی مسرتیں سمیٹ رہا ہوں۔''

کال ٹون سنائی دی۔ میں نے فون کو دیکھا۔ ایک جانثار کال کر رہا تھا۔ میں نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ''ہاں بولو۔''

''سر! یعقوب بابا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''بہت دن ہو گئے۔ بیٹے سے بات کراؤ۔''

تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ ''ہائے پاپا! آپ تو مجھے اور اپنی بہو کو بھول ہی گئے ہیں۔''

''اوہ مائی چائلڈ! میں مصروفیات کے دوران بھی تم دونوں کو یاد کرتا ہوں۔''

''صرف یاد کرتے ہیں۔ ہماری طرح ملنے کے لئے تڑپتے نہیں ہیں؟''

میں جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا پھر رک گیا۔ صنم کی آواز سنائی دی۔ ''پاپا! اسلام علیکم...''

''وعلیکم اسلام۔ کیسی ہو بیٹی؟''

''میں کیسی ہوں؟ گوری ہوں' کالی ہوں؟ تندرست ہوں یا بیمار ہوں؟ آپ کے صاحبزادے مجھے خوش رکھتے ہیں یا ستاتے رہتے ہیں؟ یہ آپ کبھی دیکھنے نہیں آتے۔ دور ہی دور سے پیار جتاتے ہیں۔ کیسی ہو بیٹی....؟''

''اوہو۔ میری بہو تو کچھ زیادہ ہی ناراض ہے۔ اب وعدہ کرتا ہوں۔ اپنی چاند جیسی بہو کو دیکھنے ضرور آؤں گا۔''

''پھر وہی وعدہ۔ میں اپنی ڈائری میں لکھتی رہتی ہوں۔ اب تک آپ چھ بار آنے اور ملنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔''

وہ درست کہہ رہی تھی۔ میں ندا کی موجودگی میں بیٹے اور بہو سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ نہیں تھی اور مجھے مورشش میں رہنا نہیں تھا۔ اس بار وعدے کے مطابق ان کے پاس جا کر انہیں خوش کر سکتا تھا۔

صنم نے کہا۔ ''ہم نے آپ کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ دادا بننے والے ہیں اگر یہ خوشخبری ہوتی تو آپ خوش ہو کر دوڑے چلے آتے۔''

میں اسے یقین دلا سکتا تھا کہ ایک پوتے یا پوتی کی آمد میرے لئے بہت بڑی خوشخبری

ہے۔ میں نے کہا۔ ''فون بند کرو۔ میں ابھی کال بیک کروں گا اور خوشخبری سناؤں گا۔''

میں نے فون بند کر کے ایک جانثار سے کہا' فوراً معلوم کرو میونخ جانے کے لئے کسی پہلی فلائٹ میں جگہ مل سکتی ہے یا نہیں؟

''میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ بیس منٹ بعد اس نے بتایا کہ اسی شام ایک فلائٹ میں سیٹ مل جائے گی۔

میں نے کہا۔ ''فوراً سیٹ او کے کراؤ۔''

پھر میں نے صنم سے رابطہ کیا۔ مجھے یعقوب کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا۔ ''فون میری بہو کو دو۔''

تھوڑی دیر بعد اس کی پیار بھری آواز سنائی دی۔ ''ہیلو پاپا! معلوم ہوتا ہے' آپ ہماری مطلوبہ خوشخبری سنانے والے ہیں۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں آج رات نو بجے تک وہاں پہنچ رہا ہوں۔ ہم رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔''

وہ خوشی سے چیخ پڑی۔ ''کیا سچ کہہ رہے ہیں؟''

''نو بجے ائیر پورٹ پر آؤ۔ سچ تمہارے سامنے ہوگا۔''

وہ گنگناتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''یا خدا! آج تو ہماری عید ہوگی۔''

پھر یعقوب سے بولی۔ ''پاپا آج رات آرہے ہیں۔''

وہ بولا۔ ''وہ رات کو آرہے ہیں تو پھر عید نہیں ہوگی' شب برات ہوگی۔''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ یعقوب نے اس سے فون لے کر کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ ''ہائے پاپا! آپ ہمیں ایسی خوشیاں دے رہے ہیں جو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئیں۔ ہیلو۔ ہیلو....''

اس نے فون کو دیکھا پھر کہا۔ ''پاپا کو مجھ سے نہیں اپنے پوتے سے لگاؤ ہے۔ بس تمہیں اپنے آنے کی خوشخبری سنائی اور فون بند کر دیا۔''

صنم نے کہا۔ ''جب وہ آئیں گے تو ہم خوب شکائیت کریں گے۔ ابھی گاڑی نکالو ہم پاپا کے لئے کوئی زبردست گفٹ لے کر آئیں گے۔''

وہ میونخ کی ایک مضافاتی بستی میں تھے۔ رہائش کے لئے ایک رینٹڈ بنگلہ تھا۔ ارادہ تھا کہ

جب سردی بڑھے گی اور نا قابل برداشت ہوگی تو کسی گرم معتدل علاقے میں چلے جائیں گے۔

وہ سات ماہ کی حاملہ تھی۔ ڈھیلے ڈھالے لباس پہنتی تھی اور الٹراساؤنڈ کی رپورٹ نے بتایا تھا کہ بیٹی ہونے والی ہے۔ صنم نے یعقوب سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں بیٹی کی خوشی ہے؟''

وہ اسے گلے لگا کر بولا۔ ''میں بہت خوش ہوں۔ پاپا بھی سنیں گے تو خوش ہوں گے۔ آج تک ہمارے خاندان میں بیٹے ہی پیدا ہوتے رہے۔ پہلی بار ایک بیٹی پیدا ہوگی۔''

وہ اسے چوم کر اپنے ایک بازو کے حصار میں لے کر بنگلے سے باہر آیا۔ وہاں دو جانثار کھڑے ہوئے تھے۔ یعقوب نے پوچھا۔ ''کیسے آنا ہوا؟''

ایک جانثار نے کہا۔ ''ہم یہیں آس پاس چھپ کر رہتے ہیں اور آپ کی نگرانی کرتے ہیں۔''

''اب خود کو ظاہر کیوں کر رہے ہو؟''

''آپ کے پاپا آرہے ہیں۔ ہم بنگلے کے اندر ڈیٹکٹو آلات نصب کرنے آئے ہیں۔''

دوسرے نے کہا۔ ''آپ آؤٹنگ کے لئے جائیں۔ یہاں ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔''

ایک نے صنم کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر جا کر بیٹھ گئی۔ یعقوب نے ایک جانثار سے کہا۔ ''تم سب ضرورت کے وقت سامنے آتے تھے۔ لیکن اکثر فون کے ذریعے رابطہ کرتے رہتے تھے۔ ہماری ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ پچھلے دو دنوں سے کسی نے رابطہ نہیں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

وہ بولا۔ ''جانثاروں کی تعداد کم ہوگئی ہے۔''

''کیوں کم ہوگئی ہے؟''

''انہوں نے عارضی طور پر آپ کے پاپا کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔''

''تعجب ہے' انہوں نے ساتھ کیوں چھوڑ دیا؟ سب ہی جانثاروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ پاپا کے لئے جان کی بازی لگاتے رہتے ہیں۔ اب وہ خدمات سے کیوں باز آگئے ہیں؟''

وہ ذرا چپ رہا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''معذرت چاہتا ہوں' جواب نہیں دے سکوں گا۔ آپ کے پاپا آرہے ہیں' آپ ان سے معلوم کر سکیں گے۔''

وہ دونوں جانثار بنگلے کے اندر جانے لگے۔ یعقوب انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے لئے یہ حیرانی کی بات تھی' بلکہ نا قابل یقین بات تھی کہ چند جانثاروں نے اس

کے پاپا کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

میرے بیٹے کی سمجھ میں بھی آرہا تھا کہ وہ منہ پھیرنے والے جانثار بیوفا اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ یعقوب سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا باپ گمراہ ہو گیا ہے اور جانثاروں نے احتجاجاً عارضی طور پر میرا بائیکاٹ کیا ہے۔

وہ کار اسٹارٹ کر کے بنگلے کے احاطے سے باہر آیا پھر ایک شاپنگ پلازہ کی طرف جانے لگا۔ صنم نے اسے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟ تمہارے ماتھے پر شکنیں ہیں۔ کوئی پریشانی ہے؟''

وہ بولا۔ ''میری پیدائش سے پہلے پتہ نہیں کتنے برسوں سے تمام جانثار میرے پاپا پر قربان ہوتے آئے ہیں۔ وہ جان کی بازیاں لگاتے رہتے ہیں۔ پھر اچانک کچھ وفاداروں کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ میرے پاپا کی خدمت گزاری سے کیوں باز آگئے ہیں؟''

صنم نے کہا۔ ''تم پاپا کے متعلق مجھے بتاتے رہتے ہو کہ وہ بعض اوقات بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے دشمنوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ بھی ان کی کوئی چال ہو گی۔ انہوں نے جانثاروں کو حکم دیا ہو گا کہ دشمنوں کو گمراہ کرنے اور انہیں بے نقاب کرنے کے لئے فی الحال پاپا کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ان کی کوئی ایسی چال ہو گی' جو ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔''

یعقوب کی پریشانی یکلخت دور ہو گئی۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم درست کہہ رہی ہو۔ پاپا بہت گہرے ہیں۔ یقیناً کوئی چال چل رہے ہیں۔ وہ آئیں گے تو میں ان سے حقیقت معلوم کروں گا۔''

وہ یعقوب کا ایک ہاتھ تھام کر بولی۔ ''اسٹیرنگ سیٹ سنبھالنے کے لئے ایک ہاتھ کافی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم چاہتی ہو' دوسرا ہاتھ تمہارے ہاتھوں میں رہے۔''

''صرف تھوڑی دیر کے لئے اپنا ہاتھ یہاں رکھیں اور اپنی بیٹی کی خیریت معلوم کریں۔''

اس نے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ کر کہا۔ ''یہ دیکھیں' ادھر سے ادھر ہو رہی ہے۔ اپنی ماں کو پریشان کر رہی ہے۔''

وہ بچی کی حرکتوں کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''بڑی شریر ہے۔ سکون سے نہیں رہتی۔ دنیا میں آئے گی تو بڑے ہنگامے کرے گی۔''

وہ بولی۔ ''اپنے دادا تھری ایس کی طرح...''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ یعقوب نے کالنگ ٹون سن کر پیٹ پر سے ہاتھ ہٹایا۔ پھر نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کوئی اجنبی کال کر رہا ہے۔ پتہ نہیں کون ہے؟''

''اٹینڈ تو کرو۔''

اس نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر پوچھا۔ ''ہیلو کون...؟''

مخالف کی آواز سنائی دی۔ ''تمہیں جنم دینے والی ایک ماں بول رہی ہے۔''

وہ حیرانی سے بولا۔ ''مام! آپ... آپ کو میرا نمبر کیسے معلوم ہوا؟''

''تم پیدا ہونے سے پہلے میرے پیٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ تمہیں سب سے پہلے میں نے دریافت کیا تھا۔ اس دنیا میں آکر جہاں بھی چھپو گے' ماں کا پیٹ تمہیں ڈھونڈ نکالے گا۔''

''یا خدا! ہم کتنے سکون سے تھے۔ آپ پھر مصیبت بننے آگئی ہیں۔''

''بڑے افسوس کی بات ہے۔ ماں کو مصیبت کہہ رہے ہو۔ میری بہو تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بولو وہ بچہ تمہیں اور اپنی ماں کو مصیبت کہے گا تو تمہیں کتنا صدمہ پہنچے گا؟''

''میرے بچے کی ماں نے اپنا دھرم چھوڑ کر میرا دین قبول کیا ہے۔ کیونکہ یہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ عورت کی دنیا اور دین اس کے شوہر سے ہوتا ہے۔ آپ نے میرے پاپا کو دل سے قبول کیا ہوتا تو آج میری ایک مسلمان ماں ہوتیں۔ نہ میری قربت سے محروم رہتیں' نہ میں آپ کی ممتا کے لئے ترستا رہتا۔ آپ کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتیں۔ اگر دیکھتیں تو آج ہم ایک چھت کے نیچے رہتے۔''

''تمہاری یہ تمنا ضرور پوری ہو گی۔ ہم ماں' بیٹا' بہو اور پوتا سب ایک چھت کے نیچے رہیں گے۔''

''آپ کے اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بیٹا نہیں بیٹی ہونے والی ہے۔''

''یہ تو اور اچھی بات ہے۔ وہ اپنی دادی جیسی ہو گی۔''

''خدا نہ کرے' وہ آپ جیسی ہو۔''

''میں تو اسے اپنے رنگ میں رنگ کر رہوں گی۔ اسے لکھ لو۔''

''اگر آپ کی باتیں ختم ہو چکی ہیں تو میں فون بند کروں۔''

محالہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے خود ہی رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے کن انکھیوں سے صنم کو دیکھا۔ وہ بولی۔ ''میں آپ کی باتوں سے سمجھ گئی ہوں کہ ماما کیا کہہ رہی تھیں؟''

''میں ذہن پر بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔ ایک طویل عرصے کے بعد یہ پھر میری زندگی میں کیوں آرہی ہیں؟ اپنی جگہ سکون سے کیوں نہیں رہتیں؟ میرا سکون کیوں برباد کرتی رہتی ہیں؟''

''وہ اپنی ممتا سے مجبور ہیں۔ جو کر رہی ہیں' اسے جائز سمجھتی ہیں۔''

''پتہ نہیں انہوں نے میرا فون نمبر کہاں سے حاصل کیا ہے؟ شائد انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ ہم اس شہر میں ہیں۔''

''انہیں معلوم ہونے دیں۔ اگر کوئی گڑبڑ کریں گی تو بری طرح پچھتائیں گی۔ پاپا آج رات یہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ انہیں دیکھتے ہی یہاں سے فرار ہو جائیں گی۔''

یعقوب نے ایک شاپنگ پلازہ کے سامنے کار روک دی۔ صنم نے کار سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمام راستے جانثاروں کی اور ماما کی باتیں کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ پاپا کے لئے گفٹ کیا لیں گے؟''

''کچھ بھی خرید لیں گے۔ پاپا ہم سے کچھ بھی لے کر خوش ہو جائیں گے۔''

''نہیں۔ گفٹ ایسا ہو کہ پاپا اسے دیکھتے ہی تعریفیں کرنے لگیں اور جسے ہمیشہ اپنے پاس رکھیں۔''

''پاپا تمام عمر دوڑتے رہتے ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے زمین نہیں رہتی تو ہمارا گفٹ کیا ان کے پاس رہے گا؟''

وہ باتیں کرتے ہوئے پلازہ کی عمارت میں آ گئے۔ صنم نے ایک بیوٹی پارلر کے سامنے رک کر کہا۔ ''ایسا کرو' میں یہاں اپنے بال سیٹ کراتی ہوں۔ تم کہیں جا کر کافی پیؤ اور گفٹ کے متعلق سوچو میں بھی سوچتی رہوں گی۔ ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ میں آدھے گھنٹے میں آؤں گا۔ پاپا کے لئے کوئی چیز پسند آ گئی تو خرید لوں گا۔''

صنم بیوٹی پارلر میں آ گئی۔ ایک ہیئر ڈریسر نے اس کا مسکرا کر استقبال کیا۔ اسے آئینے کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ اس کے دائیں بائیں کرسیوں پر دوسری خواتین اپنے چہروں کو نکھارنے کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہیئر ڈریسر نے اپنے فون کی کالنگ ٹون سن کر اسے

کان سے لگایا پھر کہا۔ ''ہاں بولو؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''اس کا شوہر یہاں سے دور دوسرے کوریڈور میں گیا ہے۔ تم اسے باہر لے آؤ۔''

ہیئر ڈریسر نے فون بند کر کے صنم سے کہا۔ ''میڈم! پلیز آپ اس کمرے میں چلیں۔ وہاں ایزی فیل کریں گی۔''

صنم وہاں سے اٹھ کر اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔ ہیئر ڈریسر نے اپنے لباس سے ایک پستول نکال کر اس کے پیٹ سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''شائد تم اپنی سلامتی نہ چاہو۔ مگر اپنے بچے کی سلامتی چاہو گی۔''

صنم نے سہم کر کہا۔ ''اسے ہٹاؤ گولی چل جائے گی۔ کیوں میرے بچے سے دشمنی کر رہے ہو؟''

''تم خاموشی سے میرے ساتھ چلو گی تو بچہ سلامت رہے گا.... چلو تمہارے پیچھے جو دروازہ ہے۔ اسے کھول کر باہر نکلو۔ پستول میرے لباس کے اندر ہی رہے گا۔ ذرا بھی شور مچاؤ گی یا اشارے سے کسی کو مدد کے لئے بلاؤ گی تو میں گرفتار ہونے سے پہلے گولی تمہارے پیٹ میں اتار دوں گا۔''

وہ اپنے بچے کی سلامتی چاہتی تھی۔ مجبور ہو کر اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔ کمرے کے دوسرے دروازے کو کھول کر اس کے ساتھ باہر چلی گئی۔

وہ میرے لئے گفٹ خریدنے آئی تھی۔ یعقوب سوچ بھی سکتا تھا کہ یوں شامت آ جائے گی۔ جو بچی ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی' اسے نشانے پر رکھ کر پہلی بار ماں باپ بننے والوں کو مجبور اور بے بس کر دیا جائے گا۔

وہ ایک کافی ہاؤس میں بیٹھا گرما گرم کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ کالنگ ٹون نے اسے متوجہ کیا۔ ننھی سی اسکرین نے بتایا کہ ماں پھر اسے پکار رہی ہے۔

اس نے بٹن کو دبا کر کان سے لگایا پھر پوچھا۔ ''آپ پیچھا نہیں چھوڑیں گی؟''

''بیٹے! اب تو ہمارے ساتھ رہنے کے دن آ گئے ہیں۔ مانتی ہوں' میری ممتا میں کشش نہیں رہی۔ تمہیں پیار سے بلاتی ہوں' تم باپ کو چھوڑ کر نہیں آتے۔ لیکن اب آؤ گے۔''

وہ کافی کا ایک گھونٹ پی کر بولا۔ ''اچھا کیا آسمان سے ندا آئی ہے کہ میں آپ کے

پاس آنے والا ہوں؟"

"ہاں ندا آئی ہے کہ تم اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہنے کے لئے میرے پاس دوڑے چلے آؤ گے۔"

اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے پوچھا۔ "اس بکواس کا مطلب کیا ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی فون پر صنم کی آواز سنائی دی۔ وہ سہمی ہوئی سی بول رہی تھی۔

"یعقوب! میں بول رہی ہوں۔ تمہاری ماں اور ان کے آدمی مجھے گن پوائنٹ پر لے جا رہے ہیں۔ یہ کہتے ہیں' میں شور مچاؤں گی تو میرے پیٹ میں گولی مار دیں گے۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کافی ہاؤس سے نکلتے ہوئے بول رہا تھا۔ "ماں کو فون دو۔ میں ان سے بات کرتا ہوں۔"

محالہ کی آواز سنائی دی۔ "فون میرے پاس ہے۔ بولو کب آ رہے ہو؟"

وہ عمارت سے باہر آتے بولا۔ "ماں! یہ کیا حرکت ہے؟ میری بیوی اور بچی کو ذرا بھی نقصان پہنچے گا تو میں آپ کا جانی دشمن بن جاؤں گا۔"

وہ پچکارتے ہوئے بولی۔ "نہیں میرے بچے! تم مجھ سے دشمنی کر ہی نہیں سکو گے اور میں کوئی چڑیل یا ڈائن تو نہیں ہوں کہ اپنی پوتی کو کھا جاؤں گی؟ میری پوتی کو جنم دینے والی میری بہو ہے۔ اسے بھی کلیجے سے لگا کر رکھوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تم آ جاؤ گے تو ہماری فیملی مکمل ہو جائے گی۔ صرف تمہارا باپ نہیں رہے گا۔ وہ تو میرے لئے پہلے ہی مر چکا ہے۔ اس کے نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ فوراً بتائیں' صنم کو کہاں لے جا رہی ہیں؟"

"صبر کرو جلد ہی بتاؤں گی۔ مگر یہ سن لو تمہیں وہاں تنہا آنا ہو گا۔ آنے کے بعد بیوی اور بچی کے ساتھ آرام سے رہو گے۔ اس چار دیواری سے باہر کبھی جا نہیں سکو گے۔"

"آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ کب تک قیدی بنا کر رکھیں گی؟ آپ ایک بار نہیں' کئی بار دیکھ چکی ہیں کہ پاپا کتنے زبردست ہیں۔"

وہ بولی۔ "سنا ہے' وہ بوڑھا شیر اب پنجے مارنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ اسی لئے پچھلے کئی برسوں سے کہیں گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ میں دیکھوں گی کہ وہ پوتی کو میرے شکنجے سے نکال کر لے جانے کے لئے کیا تیر چلائے گا؟"

"میں خوب سمجھتا ہوں' آپ مجھے پاپا سے چھین کر اپنے پاس رکھنے اور یہودی بنانے کے لئے میری بیٹی کو مجھ سے چھین رہی ہیں۔"

"خوب سمجھ رہے ہو۔ اگر تمہیں یہودی نہ بنا سکی تو اپنی پوتی کو ضرور اپنے رنگ میں رنگ لوں گی۔ صنم ہندو سے مسلمان ہوئی ہے۔ اب مسلمان سے یہودی بنے گی۔ ورنہ اسے ختم کر دوں گی۔ میری پوتی کو جنم دینے کے بعد یہ میرے لئے ضروری نہیں رہے گی۔"

"نہیں ماں! آپ وعدہ کریں' میری صنم کو ایک ذرا نقصان نہیں پہنچائیں گی۔"

"اگر یہ اللہ رسول کا نام نہیں لے گی۔ نمازیں نہیں پڑھے گی تو اپنی بیٹی کے ساتھ زندہ رہے گی۔"

پھر وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "سنا ہے' مسلمان کے گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان سنائی جاتی ہے۔ تمہاری بیٹی کے کانوں میں ہمارے ربی اور پیشوا یہودیت کا صور پھونکتے رہیں گے۔ آ جاؤ میرے لال! یہودیت کے سائے میں امن' سلامتی اور خوشحالی ہے۔"

یعقوب نے فون بند کر دیا۔ یہ بات اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی کہ بیٹی پیدا ہو گی تو اذان نہیں سنے گی۔ صنم کو اس شرط پر زندہ رکھا جائے گا کہ وہ نماز نہیں پڑھے گی۔ اسے پھر ایک مذہب تبدیل کر کے اپنی ساس کی طرح یہودی بننا پڑے گا۔

اس نے ایک جانثار کو فون پر بتایا کہ محالہ پھر دشمنی کر رہی ہے۔ وہ صنم کو اغواء کر کے کہیں لے جا رہی ہے۔ جانثار نے کہا۔ "جو ہو رہا ہے' اس سے آپ کے پاپا کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔"

یعقوب نے غصے سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"آپ برا نہ مانیں' اگر ہم پہلے کی طرح تھری ایس کی خدمت کریں گے' ان کی بہو اور ہونے والی پوتی کو آپ کی ماں کے عذاب سے نجات دلائیں گے تو آپ کے پاپا کو یہ احساس نہیں ہو گا کہ خدا ان سے ناراض ہے۔"

"یہ کیا بک رہے ہو؟ خدا میرے پاپا سے ناراض کیوں ہو گا؟"

"بہتر ہے' یہ سوال اپنے پاپا سے کریں۔ ہم چاہتے ہیں' وہ سبق حاصل کریں۔ اس لئے عارضی طور پر ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔"

یہ کہتے ہی جانثار نے رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے اپنے فون کو حیرانی اور پریشانی سے دیکھا۔ یہ ناقابل یقین اطلاع تھی کہ خدا اس کے پاپا سے ناراض ہے' اور جانثار اس کا ساتھ چھوڑ

رہے ہیں۔

وہ اب تک جانثاروں کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرتا رہا تھا۔ اس بار اس نے براہ راست میرے فون کے نمبر پنچ کئے۔ پھر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ریکارڈنگ سنائی دی کہ آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا ہے۔

اس نے کچھ دیر بعد پھر رابطہ کیا۔ پھر وہی ریکارڈنگ سنائی دی۔ تب اس کی سمجھ میں آیا کہ میں ہوائی جہاز میں ہوں اور پرواز کے دوران مسافروں کو موبائل فون استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

اس کی بیوی اور ہونے والی بیٹی کو اغواء کیا گیا تھا۔ وہ سکون سے نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ ماں تھوڑی دیر بعد فون پر اسے اپنے پاس بلائے گی' صنم اور ہونے والی بچی کے ساتھ رہنے کی نصیحت کرے گی۔

اور وہ وہاں جا کر قیدی بن کر اپنے ایمان سے' اپنی نمازوں سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے پھر اس جانثار سے رابطہ کر کے کہا۔ ''تم مسلمان ہو۔ اگر پاپا سے تم لوگوں کی ناراضگی ہے تو کیا یہ چاہو گے کہ میں اپنی وائف کی سلامتی کے لئے مام کے پاس جا کر اپنے دین و ایمان سے محروم ہو جاؤں؟''

اس نے کہا۔ ''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ اپنی مام کے پاس نہ جائیں۔ پاپا کا انتظار کریں۔ آپ کی مام ایک ہی دن میں آپ کی وائف کو یہودی نہیں بنائیں گی۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ آپ کے پاپا کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ خدا نے 'ہمیں ان کی طاقت بنا کر رکھا تھا۔ آئندہ وہ ہمارے بغیر تنہا کچھ نہیں کر پائیں گے۔''

''کچھ معلوم تو ہو' تم لوگوں نے پاپا کا ساتھ کیوں چھوڑا ہے؟''

''اس لئے کہ انہوں نے خدا کو چھوڑا ہے۔ جو خدا کا نہیں ہے' وہ ہمارا نہیں ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے پھر رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب پریشان ہو کر گونگے فون کو تکنے لگا۔ یہ بات منہ پر گھونسے کی طرح لگ رہی تھی کہ میں نے خدا کو چھوڑ دیا ہے اور اگر میں خدا کا نہیں ہوں تو کوئی جانثار میرا بن کر نہیں رہے گا۔

وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ مجھ سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ رات نو بجے ائیر پورٹ پر ملاقات ہونے کے بعد ہی اس کی الجھنیں دور ہو سکتی تھیں۔

☆☆☆

ہمارا طیارہ پچیس فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ میں پانچ گھنٹے بعد اپنے بیٹے اور بہو کے پاس پہنچنے والا تھا۔ اس بات سے بے خبر تھا کہ بہو کو اغواء کیا گیا ہے اور میرے جانثاروں کے بغیر بیٹا پریشان ہو کر بڑی بے چینی سے میرا منتظر ہے۔

میں یہ حقیقت جانتا تھا کہ ندا کی طرح کئی جانثاروں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ لیکن میں متفکر اور پریشان نہیں تھا۔ اس بات کی اہمیت نہیں تھی کہ جانثار میری بہت بڑی طاقت ہیں۔ میں نہیں مانتا تھا کہ ان کے بغیر چھپ کر حملہ کرنے والوں سے نمٹ نہیں سکوں گا۔

مجھے یہ گھمنڈ تھا کہ اپنی ذات میں قوت کل ہوں۔ کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ جب تھری ایس کی حیثیت سے نئی زندگی کی ابتداء کی تھی تو تنہا تھا۔ بعد میں جانثاروں کی فوج بناتا رہا تھا۔ اب پھر نئے سرے سے نئے جانثاروں کا لشکر بنا سکتا ہوں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ابتداء میں دشمن برائے نام تھے۔ اب ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مجھے ہر ملک ہر شہر میں بھیس بدل کر رہنا پڑتا تھا۔ جو نیٹ ورک قائم کیا تھا' اس کے ذریعے جانثار مجھے پل پل کی رپورٹ دیتے رہتے تھے' اطلاع دیتے رہتے تھے کہ کہاں خطرہ ہے اور کہاں میں امن وامان سے رہ سکتا ہوں؟

اب شائد وہ نیٹ ورک ٹوٹنے والا تھا۔ اسے آپریٹ کرنے والے جانثار مجھ سے بدظن ہو گئے تھے۔ مجھے ان کی جگہ جلد ہی دوسرے جانثاروں کو لانا تھا۔

میں نے یہ طے کیا تھا کہ بیٹے اور بہو سے ملنے کے بعد طرابلس کے خفیہ اڈے میں جاؤں گا۔ وہاں سے ان جانثاروں کو نکال دوں گا' جو مجھ سے بدظن ہو گئے تھے۔ نئے وفاداروں کے لئے ایک نیا خفیہ اڈہ اور نیا نیٹ ورک قائم کروں گا۔

ویسے تو میں نے یہ بھی طے کیا تھا کہ نئے سرے سے عبادت میں دل لگاؤں گا' آئندہ ایک وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔ بیشک میں ارادوں کے مطابق نماز پڑھ رہا تھا۔ لیکن ایک یا دو وقت کی نماز نکل جاتی تھی اور میں خود کو سمجھاتا تھا کہ کوئی بات نہیں۔ آئندہ نماز قضاء نہیں ہوگی۔

جب انسان گمراہ ہوتا ہے تو پھر مستقل مزاج نہیں رہتا۔ اپنے کسی ارادے اور وعدے پر قائم نہیں رہتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسی غلطیاں کرتا جا رہا ہے؟

میرے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ مجھے چاہئے تھا کہ میں سب سے پہلے اپنے خفیہ نیٹ ورک کی طرف توجہ دیتا' اسے پہلے کی طرح مضبوطی سے قائم رکھتا۔ اسی کے ذریعے میں دشمنوں

سے محتاط رہتا تھا۔ مگر اتنے اہم معاملے کو نظرانداز کر کے بیٹے اور بہو سے ملنے جا رہا تھا۔

اسی طرح نماز کے متعلق یہ سوچنے لگا تھا کہ میں کوئی ولی اللہ یا مولوی تو نہیں ہوں کہ پانچ وقت کی نمازیں بلاناغہ پڑھوں۔ میں ایک مصروف دنیا دار آدمی ہوں۔ جب بھی وقت ملے گا' نماز پڑھ لیا کروں گا۔

ایسے خیالات کے پیش نظر یہ بھول گیا تھا کہ کبھی خدا کا پسندیدہ بندہ تھا۔ اس معبود نے مجھے انگوٹھی اور عصاء جیسے انعامات سے نوازا تھا۔ اب وہ انعامات نہیں رہے تھے۔ رفتہ رفتہ میرے قدموں تلے سے جائے نماز بھی نکلتی جا رہی تھی۔

کہتے ہیں' تمہارا تو خدا ہی حافظ ہے۔ کیا خدا میرا محافظ ہوگا؟

کاش! مجھے اس وقت عقل آ جاتی اور میں سمجھ لیتا کہ کیسی غلطیاں کر رہا ہوں؟ مگر نہیں آتی.... گمراہی کے دوران عقل نہیں آتی۔

میں اسی خوش فہمی میں مست تھا کہ بڑھاپے سے نکل کر جوانی کی عمر کو پہنچ گیا ہوں۔

اس وقت سفر کے دوران ایک نوجوان عورت میری ہم سفر تھی۔ لیکن میرے اور اس کے درمیان ایک مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ عورت عباء پہنے ہوئے نقاب میں تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور دونوں ہاتھوں کا حسن بتا رہا تھا کہ حسین بھی ہے اور جوان بھی..... اور وہ محض دیکھنے کے لئے تھی چھونے کے لئے نہیں تھی۔ کیونکہ درمیان میں باریش بزرگ تھے۔ وہ ان کی بیوی ہوگی یا بیٹی۔ وہ جو بھی تھی' انگور کی طرح کشمی تھی۔

میں نے سوچا' جوان ہوتے ہی نیت ڈگمگانے کیوں لگتی ہے؟ کیا میں ہمیشہ جوان رہوں گا؟ جوانی میں کبھی نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ہم بوڑھے بھی ہوں گے۔

لیکن میری واپسی کا سفر کہہ رہا تھا کہ اب جوانی کے بعد بڑھاپا نہیں آئے گا۔ بچپن آئے گا۔

موجودہ سفر میں جوانی تک عروج حاصل ہوتا رہے گا پھر جوانی سے بچپن کی طرف زوال شروع ہوگا۔

آگے جا کر جوانی کی توانائی۔ پکے ہوئے پھل کی طرح پختہ نہیں رہے گی۔ ابھی پکا ہوا پھل ہوں۔ آگے جا کر کچا ہو جاؤں گا۔

ایک لڑکے کی طرح پھر ایک بچے کی طرح کمزور جاؤں گا۔

بوڑھے اور بچے دونوں ہی دوسروں کے سہارے کے محتاج ہوتے ہیں۔ میرا اختتام بڑھاپے میں نہیں' بچپن میں ہوگا۔ میں سہارے کا محتاج ہو جاؤں گا۔ کیا اس وقت اس بچے کو ماں کی گود ملے گی؟

میں بہت دور تک سوچنے لگا۔ جب عمر واپس جاتے جاتے جوانی اور بچپن کے درمیان پہنچے گی' تب کیا ہوگا؟

یہ ہوگا کہ جوانی کی پختگی سے نوجوانی کے کچے پن میں پہنچوں گا۔ یعنی چودہ یا پندرہ برس کا چھوکرا بن جاؤں گا اور یہ لڑکپن کا دور ہوتا ہے۔

ہم لڑکپن میں بچے نہیں رہتے اور جوان بھی نہیں ہوتے۔ لیکن جلدی سے جوان ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔

اس دور میں جوان عورت کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ یہ بے چینی شدت سے ہوتی ہے کہ جلدی سے مونچھیں نکل آئیں۔

جوان عورتوں کو آنٹی اور باجی کہنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ وہ نئے زاویے سے نظارے لئے جھلکتی ہیں۔

لڑکپن میں یا کچی جوانی میں عورت ایک دلچسپ راز کی طرح تجسس پیدا کرتی ہے۔ نہ دیکھو تو آنکھیں خود بخود ادھر جاتی ہیں۔ وہ خاموش رہ کر ہمارے اندر چیختی ہے۔ جستجو بھڑکاتی ہے کہ آؤ مجھے دریافت کرو۔

لیکن.... اب اس کے برعکس ہونے والا تھا۔ جوانی سے بچپن کی طرف جاتے جاتے داڑھی مونچھیں غائب ہونے والی تھیں اور عورت پھر سے آنٹی اور باجی بننے والی تھی۔ تب دنیا کی کسی عورت کو دیکھ کر گناہ کی ترغیب نہیں ہوگی۔ ہر عورت ماں اور بہن کی طرح مقدس ہو جائے گی۔

ایسے وقت سمجھ میں آتا ہے کہ بھٹکتا مرد ہے اور بدنام عورت کو کرتا ہے۔ اگر وہ ساری عمر بچپن میں گزارے تو کوئی عورت چکلے میں نہ بیٹھے۔

میں جب تک بوڑھا' بیمار اور کمزور تھا تو بچے کی طرح معصوم تھا۔ صرف اللہ ہی یاد آتا تھا۔ آج عورت دن رات ہوس کے کاندھوں پر سوار رہتی ہے۔

یہ خیال تشویش ناک تھا کہ میں بچپن کی دہلیز پر قدم رکھوں گا تو اس وقت جو میری شریک حیات ہوگی' وہ بھرپور جوان ہوگی۔ میرا زوال مجھے اپنی بیوی کے مقابلے میں نابالغ چھوکرا

بنائے گا۔

جب دس بارہ برس کے بعد میں گھٹنوں کے بل چلنے والا بچہ بن جاؤں گا تو کیا بیوی مجھے گود میں کھلائے گی؟

ایسی بات سوچتا ہوں تو کھوپڑی گھومنے لگتی ہے۔ میں تو تماشہ بن جاؤں گا۔ بیوی مجھے گود میں لئے محلے پڑوس میں گھومتی پھرے گی۔

وہ جو میرے بچوں کی ماں بن چکی ہوگی' وہ میرے چھوٹے بڑے بچوں کو سنبھالے گی یا مجھے....؟

اور تو اور میں اپنے بچوں سے بھی چھوٹا ہو جاؤں گا۔ وہ بچے مجھے پالنے میں جھلائیں گے۔

یہ بات دنیا والوں سے ہمیشہ چھپی نہیں رہے گی کہ میری عمر الٹے پاؤں چلتی ہوئی مجھے بیوی کی گود پھر پالنے میں لے آئی ہے۔ نجانے کتنے ممالک کے محقق اور سائنسداں مجھے دن رات خصوصی نگہداشت میں رکھیں گے اور مجھے بتدریج نوزائیدہ بچہ بنتے دیکھیں گے؟

پھر ڈاکٹر اور سائنسداں کوئی ایسی چیز بنائیں گے جو ماں کی کوکھ کی مانند ہوگی کیونکہ میں پیدا ہونے سے پہلے کی حالت میں پہنچ جاؤں گا۔

ایسے وقت بچوں کو ماں کی کوکھ سے سانسیں اور خوراک ملتی ہے۔ سائنسداں مجھے سانس اور خوراک پہنچانے کی تدبیر کریں گے۔

پھر وہ مرحلہ آئے گا' جب میرا جسمانی وجود نہیں رہے گا۔ میں گوشت کا ایک لوتھڑا بن جاؤں گا۔ رفتہ رفتہ لوتھڑا بھی نہیں رہے گا۔ میں اپنے باپ کا نطفہ بن جاؤں گا اور آخر کار وہ نطفہ بھی تحلیل ہو جائے گا۔

یہ میڈیکل سائنس میں بے مثال اور عجیب وغریب مشاہدہ ہوگا۔ ہر ذی روح کو اپنے جسمانی وجود کے ساتھ موت آتی ہے۔ میری موت سب سے نرالی ہوگی۔ نہ میرا جنازہ اٹھے گا' نہ کہیں مزار ہوگا۔ کوئی سمجھ نہیں پائے گا کہ میں تحلیل ہو کر کہاں گم ہو گیا ہوں؟

میں خود سوچ رہا تھا' خود حیران ہو رہا تھا۔ ہر انسان کو موت کے بعد اپنے جسم کے ساتھ مٹی میں جانا ہے یا دریا میں غرق ہونا ہے یا چتا پر جل جانا ہے۔ یعنی نابود ہوتے وقت آدمی پورے جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔

تو پھر میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوگا؟ نابود ہوتے وقت میں مجسم کیوں نہیں رہوں گا؟

میں کون سا انوکھا ہوں کہ مجسم نہیں رہوں گا؟

کسی انسانی جسم کو تیزاب سے گلا دیا جائے۔ تب بھی اس کی ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ قبر میں بھی ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ میری تو ہڈیاں بھی نہیں رہیں گی۔

کیا مادی حقائق کے خلاف میرے ساتھ ایسا ہوگا؟

میں نے ایک گہری سانس لے کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے بزرگ کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے تسبیح خوانی میں مصروف تھے۔ پھر میں نے چور نظروں سے عباء اور نقاب میں چھپی ہوئی دوشیزہ کو دیکھا۔ دیکھنے کے لئے کچھ نہیں تھا' پردہ تھا اور جہاں پردہ ہوتا ہے' وہاں ہوس تڑپ کر پیاسی رہ جاتی ہے۔

بزرگ نے سر گھما کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''اگر آپ عالم دین ہیں تو میں ایک مسئلے کا حل معلوم کرنا چاہوں گا؟''

انہوں نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے جتنا علم دیا ہے' اس کی روشنی میں شائد کوئی حل بتا سکوں گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا ایسا ممکن ہے کہ ملک الموت کسی ایک بندے کے جسم سے روح قبض نہ کرے؟ یا ایسا معجزہ ہو کہ وہ بندہ اپنے نقطۂ آغاز کی طرف جا کر نطفہ بن کر معدوم ہو جائے؟''

انہوں نے انکار میں سر ہلایا پھر کہا۔ ''یہ بات بالکل ہی بے تکی ہے۔ ازل سے ابد تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ کسی نے قصہ کہانی میں بھی ایسی بات نہیں لکھی۔ پھر لکھنے اور بولنے میں کیا جاتا ہے۔ طرح طرح کی بے تکی باتیں لکھ کر اسے سچ ثابت کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''میرے دماغ میں ایسی بات آ رہی ہے۔ خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ وہ معبود مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ بوڑھوں کو جوان بنا دیتا ہے۔ صرف اللہ ہی ناممکن کو ممکن بناتا ہے۔ کیا یہ ناممکن واقعہ نہیں ہو سکتا؟''

''بیشک۔ صرف اللہ ہی ہے جو ناممکن کو ممکن بناتا ہے۔ لیکن اس معبود کے قدرتی اصول اٹل ہیں۔ ہماری دنیا میں وہی ہوتا ہے' جو قدرت نے قیامت تک کے لئے طے کر دیا ہے۔ جب یہ طے ہو چکا ہے کہ کسی ذی روح کو اپنے نطفے کی طرف واپس نہیں جانا ہے تو پھر کسی کی واپسی نہیں ہوگی۔''

میں نے پوچھا۔ ''اگر میں ایسی کوئی کہانی لکھوں تو؟''

"تو تم لکھتے لکھتے اپنے اختتام کو پہنچ جاؤ گے۔ لیکن کہانی کے کسی کردار کو واپس اس کے نطفے تک نہیں پہنچا سکو گے۔"

میں نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ ان سے اپنی حقیقت بیان نہیں کی کہ میری واپسی کا سفر مجھے نقطۂ آغاز کی طرف لے جانے والا ہے۔

بیشک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ شائد میرے ساتھ بھی نہیں ہوگا۔ بزرگ نے فرمایا تھا کہ میں لکھتے لکھتے ختم ہو جاؤں گا لیکن کہانی کے اس کردار کو اس کے باپ کے نطفے تک نہیں پہنچا سکوں گا۔

اور میں کوئی قلم کار یا کہانی نویس نہیں ہوں۔ بزرگ کے فرمان کا مطلب یہ نکلتا تھا کہ میں لکھتے لکھتے نہیں سوچتے سوچتے تمام انسانوں کی طرح دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔

واپسی کا سفر میری پیدائش تک جاری نہیں رہ سکے گا۔ واللہ عالم یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے؟

اور جو ہونے والا ہے' وہ بتدریج ہو رہا تھا۔ ایسے ہی وقت طیارے کی محدود فضاء میں اسپیکر کے ذریعے آواز ابھرنے لگی۔ کہا جا رہا تھا کہ مسافروں کو اطلاع دی جاتی ہے' اس جہاز کو ہائی جیک کیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی چیخے گا' چلائے گا یا شور مچائے گا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔

یہ ایسی اطلاع تھی کہ جسے سنتے ہی عورتیں رونے لگیں۔ کمزور دل کے مرد گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر کراہنے لگے۔ میں نے سر اٹھا کر آگے پیچھے دیکھا۔ دو چار مسلح افراد گن تانے کھڑے تھے۔

بزرگ کے پاس بیٹھی ہوئی دوشیزہ بھی رونے لگی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "ساجدہ! میری بچی! حوصلہ رکھو۔ خدا پر بھروسہ کرو۔ جتنی آیتیں یاد ہیں' انہیں پڑھتی رہو۔"

میں بھی آیتیں پڑھنے لگا۔ اب اللہ کو یاد کرنے اور اس معبود سے مدد مانگنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں دنیاوی مصروفیات میں خدا کو اور نماز کو بھول جاتا تھا۔ اب تمام مصروفیات کو بھول گیا تھا۔ نمازیں یاد آ رہی تھیں۔

اس لئے بھی یاد آ رہی تھیں کہ مجھ جیسا شہزور مسلح ہائی جیکرز کے درمیان تنہا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس صورتحال میں جانثار میرا ساتھ دے سکیں گے یا نہیں؟

ایسے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمان کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ میرا خیال تھا' میں اس وقت' دل کی گہرائیوں سے آیات پڑھ رہا تھا اور بڑے ایمانی جذبے سے سوچ

رہا تھا کہ وہ ہائی جیکرز مجھے واش روم میں جا کر وضو کرنے کی اجازت دیں گے تو میں ابھی نماز پڑھوں گا۔

نہ وہ اجازت دینے والے تھے' نہ میں نماز پڑھنے والا تھا اور نہ ہی مسلط ہونے والی مصیبت ٹلنے والی تھی۔ مسافروں کے آگے اور پیچھے دو دو گن مین تھے۔ ان کے مزید دو ساتھی ہاتھوں میں ایک بڑا سا تھیلا اٹھائے ایک ایک مسافر کے سامنے سے گزرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اپنے اپنے فون نکالو اور اس تھیلے میں ڈالو۔

اور وہ سہمے ہوئے لوگ کسی حیل حجت کے بغیر اپنے فون اس تھیلے میں ڈال رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی فون کے ذریعے کسی کو اطلاع دے کہ طیارے کو اغواء کیا جا رہا ہے۔

ایک مسافر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "میں کبھی فون نہیں رکھتا۔ میری تلاشی لے سکتے ہو۔"

ایک نے اس کے لباس کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا۔ دوسرے نے جھک کر سیٹ کے نیچے سے موبائل فون اٹھا کر کہا۔ "اچھا تو تُو فون نہیں رکھتا۔ یہ تیرے باپ کا ہے؟"

یہ کہتے ہی اس نے شاٹ گن کے دستے سے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ اس کی اچھی طرح پٹائی کرنے لگے۔ پھر اسے نیم مردہ حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

مسافر کو نیم مردہ حالت میں دیکھ کر سب ہی سہم گئے تھے۔ اب کسی میں موبائل فون چھپائے رکھنے کی جرات نہیں تھی۔ وہ سب کچھ کہے سنے بغیر اپنے فون ان کی جھولی میں ڈالتے چلے جا رہے تھے۔

پھر وہ ہمارے سامنے آ گئے۔ میں تنہا دلیری دکھانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے فون نکال کر ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ ایک گن مین نے ساجدہ سے کہا۔ "اے برقعہ والی! نکال اپنا فون۔"

بزرگ نے کہا۔ "یہ میری بیٹی ہے۔ اس کے پاس فون نہیں ہے۔"

ایک نے کہا۔ "بکواس مت کرو۔ اس نے برقعہ میں چھپا رکھا ہے۔"

وہ عاجزی سے بولے۔ "بیٹے! میں جھوٹ نہیں بولتا۔ ہمارے خاندان میں کنواری بیٹیوں کو ایسی چیزیں رکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

دوسرے گن مین نے ایک الٹا ہاتھ بزرگ کو رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''تو چپ کر۔ بولے گا تو کتے کی موت مرے گا۔''

وہ ایک بزرگ عالم دین کی توہین کر رہے تھے۔ میں غصے سے تلملا گیا۔ مگر افسوس غصہ دکھا کر موت کو دعوت دینا نادانی ہوتی۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

وہ ہماری برداشت سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے ساجدہ کو پکڑ کر سیٹ پر سے اٹھایا۔ پھر عباء کے اوپر ہی سے اس کے بدن پر جگہ جگہ ہاتھ لے جا کر تلاشی لینے لگے۔ وہ حیاء کے مارے رونے اور چیخنے لگی۔ اس باپ کی کنواری بیٹی کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ آج تک۔ اس نے فون پر بھی کسی نامحرم کی آواز نہیں سنی تھی۔ ایسی پاکیزہ و پارسا لڑکی کے بدن پر ایسی جگہ ان کے ہاتھ پہنچ رہے تھے، جہاں پیدا کرنے والی ماں نے بھی ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔

بزرگ غصے سے کانپتے ہوئے ڈھارتے ہوئے بیٹی کو ان کی گرفت سے چھڑانے لگے۔ ایک نے گن کے دستے سے ان کے سر پر ضرب لگائی تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ دوسری ضرب لگتے ہی وہ بیدم سے ہو کر بیٹی کی سیٹ پر گر گئے۔ میں نے انہیں سنبھال کر سیٹ پر آرام سے بٹھایا تو پتہ چلا، ان کی روح جسم کی قید سے آزاد ہو گئی ہے۔

میں نے پریشان ہو کر ساجدہ کو دیکھا۔ وہ دونوں اسے اچھی طرح ٹٹول کر موبائل فون نہ پا کر آگے چلے گئے تھے۔ وہ ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر فرش پر بیٹھی رو رہی تھی۔

میں بے بسی سے کبھی اس کو کبھی اس کے مردہ باپ کو دیکھنے لگا۔ میں اب تک بہت بڑا سورما کہلاتا آرہا تھا۔ اس روز ایک لڑکی کو شرپسندوں سے نہ بچا سکا۔ اگرچہ اس کی آبرو سلامت تھی۔ لیکن پارسا لڑکی کے ممنوعہ بدن کو ٹٹولنا ہی اس کی موت کے مترادف تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ باپ مر چکا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس طیارے میں ایک بوڑھے کی لاش سیٹ پر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے سوچا، کیا کروں؟ ایک بیٹی کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ وہ یتیم ہو چکی ہے۔

اگلی پچھلی سیٹوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا ہے۔ میں نے بزرگ کی لاش کو بڑی مشکلوں سے اٹھا کر کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر رکھا۔ پھر ساجدہ کے پاس آیا۔ وہ فرش پر بیٹھی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ میں نے جھک کر بڑی ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخیں مارتی ہوئی پیچھے ہٹتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔

ایک گن مین نے دور سے میرا نشانہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ''یو ڈرٹی ڈاگ! کیا کر رہے ہو؟''

اس نے مجھے گالی دی۔ میں تلملا کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں قسم کھائی کہ اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ یہ یتیم ہو چکی ہے۔ تم لوگوں نے اس کے باپ کو مار ڈالا ہے۔''

ساجدہ یہ سنتے ہی چیخیں مارتی ہوئی باپ کے پاس آئی پھر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ میری یہ اطلاع دوسرے مسافروں تک پہنچی کہ اس طیارے میں ایک شخص کو ہلاک کیا گیا ہے۔

گن مین نے ہماری طرف آتے ہوئے کہا۔ ''تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہاں سب دیکھ رہے ہیں، ہم نے گولی نہیں چلائی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ بوڑھا تمہاری گولی سے نہیں، تمہارے ہاتھوں سے مرا ہے۔ تمہاری جوانی یہ حساب نہ کر سکی کہ ایک بوڑھا کتنی مار برداشت کر سکتا ہے؟''

اس نے گن کے دستے کو میرے سینے پر مارتے ہوئے کہا۔ ''چپ چاپ بیٹھو تم بھی.... کچھ بولو گے تو اس بوڑھے کی طرح اوپر پہنچ جاؤ گے۔''

اس نے میرے سینے پر ضرب لگائی تھی۔ میرے قدم اکھڑ گئے۔ میں فرش پر گر پڑا۔ وہ بولا۔ ''چل اٹھ اپنی سیٹ پر جا۔''

اس نے یہ کہتے ہی مجھے لات ماری۔ میں نے وہ لات پکڑ کر کھینچی تو وہ ڈگمگا گیا۔ توازن قائم نہ رکھ سکا۔ جیسے ہی میرے پاس آ کر گرا میں نے اس سے گن چھین لی۔ اب تو جان پر کھیل جانے کا وقت آگیا تھا۔ میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اسے گولی مار دی۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب تو مرنا تھا یا مارنا تھا۔ جوانی کی طرف واپس جانے والا بڑھاپا داؤ پر لگ چکا تھا۔

دوسرے گن مین نے سمجھا کہ اس کے ساتھی نے مجھے گولی ماری ہے۔ وہ ہماری طرف آرہا تھا۔ میں نے کروٹ بدل کر اوندھے منہ ہو کر فائر کیا۔ وہ اچھل کر فرش پر گرا پھر ایک ذرا تڑپ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

دو بار گولیاں چلی تھیں۔ تمام مسافر سہم کر روتے چیختے ہوئے سیٹوں کے درمیان دبک گئے تھے۔ اگلے حصے میں دو گن مین تھے۔ انہوں نے دور ہی سے مجھ پر گولیاں چلائیں۔ میں فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ گولیوں کی زد میں نہیں آیا۔ ان میں سے ایک میرے نشانے پر اتر کر موت کی

تاریکی میں پہنچ گیا۔ دوسرا چھپنے کے لئے مسافروں کی دوسری قطار کی طرف چلا گیا۔

میں نے مرنے والے کی پشت سے چھوٹی سی کٹ اتاری۔ اس میں کارتوس بھرے ہوئے تھے۔ اسپیکر سے آواز ابھرنے لگی۔ ''اے! تم کون ہو؟ ہتھیار پھینک کر پائلٹ کیبن کی طرف آ ؤ۔ ورنہ حرام موت مارے جاؤ گے۔''

میں نے دو سیٹوں کے درمیان چھپتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ ''بزدل حرام موت مرتے ہیں۔ میں مقابلہ کرتے ہوئے مروں گا یا تم سب کو مار ڈالوں گا۔''

جواباً ذرا دیر خاموشی رہی۔ ان کے سرغنہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں جیدار ہوں۔ ان کے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ وہ جس مشن کے لئے طیارے کو اغواء کر رہے تھے میں اس میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا۔

پھر اسپیکر سے آواز ابھری۔ ''اے سنو! ہمارا ایک ساتھی نہتا تمہارے پاس دونوں ہاتھ اٹھا کر آ رہا ہے۔ اس سے بات کرو۔ ہم سے سمجھوتہ کرو۔ جہاز کو جہاں اتارا جائے گا' وہاں تمہیں سلامتی سے جانے کا موقع دے دیا جائے گا۔''

میں نے پھر اونچی آواز میں کہا۔ ''میں صرف اپنی نہیں تمام مسافروں کی سلامتی چاہتا ہوں۔ تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو یہ جہاز جہاں اترے' وہاں اتر کر چپ چاپ چلے جاؤ۔ مجھے یہ دھمکی نہ دینا کہ جہاز کو تباہ کر دو گے۔ یہ تباہ ہو گا تو تم اپنے مشن میں ناکام ہو کر ہمارے ساتھ مرو گے۔''

میں فرش پر رینگتا ہوا دوسری قطاروں کے درمیان راہداری کے پاس آیا۔ ایک سیٹ کے نیچے سے جھانک کر دیکھا۔ دور اگلے حصے کی طرف دو گن مین بڑے محتاط انداز میں گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتے ہوئے سیٹوں کے نیچے سے جھانک کر دوسری قطار کی طرف دیکھتے ہوئے میری طرف آ رہے تھے۔

وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں دوسری قطاروں کی راہداری میں کہاں چھپا ہوا ہوں؟ وہ مجھے دیکھتے ہی گولی مارنے والے تھے۔ اس سے پہلے ہی میں نے گولی چلا دی۔ ایک رینگنے والا کراہتا ہوا اچھلا پھر فرش پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا موت کو قریب دیکھ کر اٹھ کر بھاگنے لگا۔ میری دوسری گولی نے اس کے بھی قدم اکھاڑ دیئے۔ وہ بھی اپنی زندگی سے اکھڑ کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

اب اگلے حصے میں کوئی نہیں تھا۔ پتہ نہیں وہ تعداد میں کتنے تھے؟ ان میں سے پانچ فنا ہو چکے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک تنہا مسافر نے پانچ کو ٹھکانے لگایا تھا۔ یہ ثابت ہو رہا تھا کہ میں اپنی زندگی داؤ پر لگا چکا ہوں۔

میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''تمہارے پانچ گئے... بولو اور کتنے ہیں؟ انہیں یہاں بھیجو۔''

اسپیکر سے آواز ابھری۔ ''تم سیدھی طرح قابو میں نہیں آ ؤ گے۔ اب ہم ایک ایک مسافر کو ہر ایک منٹ کے بعد گولی ماریں گے۔ ہم مسافروں سے کہتے ہیں' اگر وہ اپنی سلامتی چاہتے ہیں تو اس بیوقوف پاگل شخص کو سمجھائیں کہ وہ ہتھیار پھینک دے یا سب مل کر اس پر چڑھ دوڑیں۔ وہ گولی چلائے گا تو کوئی ایک آدھ مرے گا۔ باقی کو اس پاگل سے نجات ملے گی۔ ہم تمہاری سلامتی کی ضمانت دیتے ہیں۔ تم سب زندہ رہو گے۔ اگر اس پاگل کو پکڑ کر ہمارے حوالے نہیں کرو گے تو ایک ایک کر کے مارے جاؤ گے۔''

بولنے والا چپ ہو گیا۔ انتظار کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ مسافر اپنی سلامتی کے لئے مجھ پر دھاوا بولیں گے۔ میں جہاز کے پچھلے حصے میں تمام مسافروں کے پیچھے تھا۔ وہ سب سر گھما کر سیٹوں کے درمیان سے اٹھ کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری گن کا رخ ان سب کی طرف تھا۔ وہ مجھے پکڑنے آتے تو جو آگے ہوتے وہ مارے جاتے اور کسی میں اتنی جراءت نہیں تھی کہ وہ آگے آتا۔

ایک مسافر نے مجھے دیکھتے ہوئے بڑی بے بسی سے کہا۔ ''ہم کیا کریں؟ تم بھی مارو گے' وہ بھی ماریں گے۔ ہم کدھر جائیں؟''

میں نے کہا۔ ''جو جہاز اغواء کرنے والوں کو' تمہیں خطرات سے دوچار کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔ اس کا ساتھ دو۔''

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایک نے کہا۔ ''یہ ہمارے لئے لڑ رہا ہے۔ اسے لڑنے دو۔ وہ ہم میں سے کتنوں کو گولی ماریں گے۔ لو... پہلے میں ادھر جاتا ہوں۔''

وہ بولتا ہوا پائلٹ کیبن کی طرف جانے لگا۔ ''اے! کہاں ہو تم لوگ؟ میں آ رہا ہوں۔ پہلے مجھے گولی مار دو۔''

میں نے پچھلی قطار کی ایک سیٹ کے پیچھے چھپ کر اپنی گن سیدھی کر لی۔ جو بھی اس بوڑھے کو ہلاک کرنے آتا' میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔

جہاز میں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ سب ہی دم سادھے اس بوڑھے کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ کسی بھی لمحہ میں ٹھائیں کی آواز کے ساتھ گولی چلنے والی تھی۔ ایک اور بوڑھے کی لاش کا اضافہ ہونے والا تھا۔

سب ہی کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ گھڑی کی ٹِک ٹِک کے ساتھ وقت گزر رہا تھا اور وہ بوڑھا پائلٹ کیبن کے پاس زندہ سلامت کھڑا تھا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ ہائی جیکرز کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ جتنے بھی بچے تھے، وہ کیبن کے اندر تھے۔ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ چکے تھے۔ کوئی دروازہ کھول کر باہر نہیں آ رہا تھا۔

پھر اسپیکر سے آواز ابھری۔ مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا۔ ''ہیلو اجنبی! میں جہاز کا کیپٹن میکی راجر بول رہا ہوں۔ تمہاری دلیری ہمیں مہنگی پڑ رہی ہے۔ یہاں میرے ساتھ کو پائلٹ اور دو ہوسٹس ہیں۔ ہم سب گن پوائنٹ پر ہیں۔ یہ لوگ فیصلہ کر چکے ہیں کہ جہاز کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے مطلوبہ مقام تک نہ لے جا سکے تو ہمیں گولی مار دیں گے۔ تم سے التجاء ہے، ہمارے ساتھ ساتھ تمام مسافروں کی زندگیوں کو داؤ پر نہ لگاؤ۔''

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ ''یہ کیبن ساؤنڈ پروف ہے۔ تم جواب دو گے تو ہمیں سنائی نہیں دے گا۔ ہائی جیکرز کے لیڈر کا نام موٹو ماٹوسی ہے۔ اس کی بات سنو۔''

پھر اس کی آواز سنائی دی۔ وہ بول رہا تھا۔ ''ایک گھنٹے کے اندر اس جہاز کو ایک چھوٹے سے ایئر پورٹ پر اتارا جائے گا۔ وہاں میرے دو سو مسلح وفادار اس جہاز کو گھیر لیں گے۔ جب تک تم ہتھیار پھینک کر خود کو ہمارے حوالے نہیں کرو گے، تب تک اس جہاز کا عملہ اور تمام مسافر یہاں قیدی بن کر رہیں گے۔ خواہ کتنے ہی دن گزر جائیں۔ یہاں سے باہر جانے کا راستہ نہیں کھلے گا۔ اگر کھلے گا تو باہر جانے والوں کو میرے وفادار گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔''

میرا جواب اسے سنائی نہ دیتا۔ اس لئے میں چپ تھا۔ وہ بول رہا تھا۔ ''یہاں تمام مسافر بھوکے پیاسے مرتے رہیں گے۔ بیشک میں بھی اسی طرح مروں گا۔ لیکن تم سے زیادہ ضدی ہوں۔ حالات سے مجبور ہو کر گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔''

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ ''ہاں۔ ہمارے درمیان سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ میں تمہاری دلیری سے متاثر ہوں۔ تم سے دوستی کر سکتا ہوں اور دوستی کی شرط یہ ہے کہ ہتھیار پھینک کر میرے گلے لگ جاؤ۔''

وہ سمجھ رہا تھا، میں حالات سے مجبور ہو کر تمام مسافروں کی جان بچانے کے لئے دوستی کے فریب میں آ کر ہتھیار پھینک دوں گا۔ میں نے اس کے پانچ وفاداروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وہ مجھے کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر بعد اطلاع دی گئی کہ جہاز لینڈ کرنے والا ہے۔ تمام مسافر سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔

میں ایک کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ کیبن کا دروازہ بند تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہائی جیکرز کا لیڈر موٹو ماٹوسی اپنے ایک یا دو وفاداروں کے ساتھ کیبن میں ہے اور یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کیبن کا دروازہ کھولے گا تو دوسرے ساتھیوں کی طرح مارا جائے گا۔

مجھے اطمینان تھا۔ نہ کیبن کا دروازہ کھلے گا، نہ مجھے کوئی گولی مارنے آئے گا۔ میں کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ رات کی گہری تاریکی میں کہیں کہیں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاز ایک رن وے پر اتر کر دھیمی رفتار سے چلتا ہوا ایک جگہ رک گیا۔

وہ کوئی ویران سا علاقہ تھا۔ ایک جنریٹر کے ذریعے اس ایئر پورٹ کو کسی حد تک روشن رکھا گیا تھا۔ وہاں کوئی بڑی سی عمارت نہیں تھی۔ ایک چھوٹی سی چار دیواری نظر آ رہی تھی۔ تقریباً پچاس مسلح افراد تھے۔ وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے جہاز کو چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔

ان کے لیڈر نے ابھی کہا تھا کہ ایئر پورٹ پر اس کے دو سو مسلح افراد ہیں۔ اس نے محض خوفزدہ اور مرعوب کرنے کے لئے جھوٹ کہا تھا۔ اس کی کمزوری معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے پچاس سے زیادہ وفادار نہیں تھے اور وہ خود پائلٹ کیبن میں قیدی بن کر رہ گیا تھا۔

اس چار دیواری کے سامنے ایک بوڑھا شخص زرق برق لباس میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پیچھے اور دائیں بائیں مسلح افراد مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ سب اس بوڑھے کے باڈی گارڈز تھے۔ وہی ان کا سرغنہ ہوگا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ ان کا سرغنہ کیبن میں قید ہے۔ میرے سامنے مجبور ہو گیا ہے۔ میں اس سے اپنے مطالبات منوالوں گا۔ لیکن اب مایوسی ہو رہی تھی۔ میری پوزیشن ذرا کمزور ہو گئی تھی۔

وہ بوڑھا فون کو کان سے لگائے باتیں کر رہا تھا اور غصے سے پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس کے جو آدمی کیبن میں قید ہو گئے تھے۔ وہ قید ہونے والے اسے فون کے ذریعے بتا چکے تھے کہ ایک مسافر نے ان کے پانچ وفاداروں کو مار ڈالا ہے۔ باقی دو وفادار کیبن

میں چھپ کر رہنے کے باعث ابھی تک زندہ ہیں۔

یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کیبن میں جو ہیں' ان میں سے ایک موٹو ماٹوسی اس بوڑھے سرغنہ کا اکلوتا جوان بیٹا ہے۔ اس بوڑھے کا نام گوٹو ماٹوسی ہے اور وہ اپنے بیٹے کی سلامتی کے لئے پریشان ہو رہا تھا۔

اس وقت غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کہہ رہا تھا کہ بیٹے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔ جو مسافر ان سے دشمنی کر رہا ہے' اس سے کسی طرح سمجھوتہ کرو۔ کسی بھی طرح بیٹے کو بخیریت جہاز سے باہر آنا چاہئے۔

اسپیکر سے پھر آواز ابھری۔ ''اے اجنبی! میں موٹو ماٹوسی بول رہا ہوں۔ ابھی کیبن کا دروازہ کھول کر تم سے بات کروں گا۔ ایسے وقت پائلٹ اور کو پائلٹ ہمارے نشانے پر رہیں گے۔ تم ہم پر گولی چلاؤ گے تو ہم جہاز چلانے والوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مرتے مرتے بھی انہیں مار ڈالیں گے۔''

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک پارٹیشن کے پیچھے آ گیا۔ ایک ایئر ہوسٹس نے دروازہ کھولا تو وہ سب کیبن کے اندر دکھائی دینے لگے۔ پائلٹ اور کو پائلٹ گھٹنے ٹیکے سر جھکائے فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ موٹو ماٹوسی اپنے ماتحت کے ساتھ ان کے پیچھے تھا۔ انہوں نے جہاز چلانے والوں کو گن پوائنٹ پر رکھا تھا۔ ان کی انگلیاں ٹریگر پر تھیں۔ ایک ساعت میں ٹریگر پر دباؤ پڑتے ہی گولیاں نکل جاتیں۔

موٹو ماٹوسی نے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم جانتے ہیں' تم پارٹیشن کے پیچھے ہو۔ ہم سے سمجھوتہ کرو۔ ہمیں باہر جانے دو۔ پھر تمہیں سلامتی سے جانے دیا جائے گا۔''

میں نے کہا۔ ''میں صرف اپنی نہیں ان تمام مسافروں کی سلامتی چاہتا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''ہم تمام مسافروں کو اس جہاز میں جانے دیں گے۔''

''جب جانے دو گے تو اغواء کیوں کیا تھا؟''

''ہم اس ملک کے حکمرانوں کو مجبور کرنا چاہتے تھے۔ یہ مطالبہ کرنے والے تھے کہ ہمارے وفاداروں کو جیل سے رہا کیا جائے گا' تب ہم جہاز کو یہاں سے جانے دیں گے۔ لیکن تم نے ہمارے اس مشن کو ناکام بنا دیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مشن ناکام کیسے ہو گیا؟ جبکہ جہاز کو یہاں

اتار چکے ہو۔ مجھ سمیت سینکڑوں مسافر مجبور اور بے بس ہیں۔ تم لوگوں نے جہاز کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ تمہارا وہ سرغنہ جو باہر کھڑا ہے' وہ ناکام نہیں ہوا ہے۔ حکمرانوں سے اپنا مطالبہ منوا سکتا ہے۔''

''مطالبہ منوانے سے پہلے ہمارا اس جہاز سے باہر جانا ضروری ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیوں ضروری ہے؟ جیسے تمہارے پانچ آدمی مر گئے۔ ویسے تم دونوں بھی مر جاؤ گے۔ تمہارے سرغنہ کے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب ہائی جیک کرنے کی اتنی بڑی واردات کی ہے تو واردات کی کامیابی کے لئے تم دونوں کی بھی قربانی دی جا سکتی ہے۔ سرغنہ تمہاری سلامتی کیوں چاہتا ہے؟''

وہ جواب دینے سے ہچکچا رہا تھا۔ پھر بولا۔ ''تم سوال جواب نہ کرو۔ مسافروں کی سلامتی چاہو۔ ہمیں یہاں سے جانے دو۔ پھر تم سب کو بھی جانے دیا جائے گا۔''

''مجھے نادان بچہ نہ سمجھو۔ تمہاری کوئی اہمیت ہے' اسی لئے سرغنہ سلامتی سے تمہاری واپسی چاہتا ہے۔ تم یہاں سے باہر جاؤ گے' تب ہی وہ حکمرانوں سے کہے گا کہ اس کا مطالبہ نہ مانا گیا تو اس جہاز کو مسافروں سمیت تباہ کر دیا جائے گا۔ ابھی وہ سرغنہ مجبور ہے۔ بائی دا وے۔ اس کا نام کیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''گوٹو ماٹوسی ہے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''دونوں کے نام میں ٹوسی مشترک ہے اور موٹوما اور گوٹوما ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہم وزن نام ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی گہرا رشتہ ضرور ہے۔''

وہ بولا۔ ''تم فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم اس بوڑھے سرغنہ کے بیٹے ہو؟''

''پلیز۔ کام کی بات کرو۔''

''میں کام ہی کی بات کر رہا ہوں۔ گوٹو ماٹوسی کا بیٹا موٹو ماٹوسی... کیا یہ درست ہے؟''

اس نے پریشان ہو کر اپنے فون پر نمبر پنچ کئے پھر رابطہ ہونے پر اپنے باپ سے مقامی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ پھر دوسری طرف سے جواب سن کر فون بند کر کے بولا۔ ''ہاں۔ میں بیٹا ہوں۔ وہ باپ ہیں۔ میری سلامتی چاہتے ہیں۔ تم سمجھوتہ کرو۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اب معلوم ہوئی ہے باپ بیٹے کی کمزوری..... تم یقیناً

اکلوتے بیٹے ہو۔ باپ کے بڑھاپے کی لاٹھی ہو۔''

وہ پارٹیشن کی طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔''یہ دونوں جہاز چلانے والے ہمارے ناخدا ہیں۔ انہیں عزت سے کرسیوں پر بیٹھنے دو۔''

وہ بولا۔''تم اپنی بات کرو۔''

''میں بات شروع کر رہا ہوں۔ پہلی بات یہی ہے' انہیں عزت دو۔''

اس نے اور اس کے ماتحت نے بڑے محتاط انداز میں ان کے پیچھے رہ کر انہیں سیٹوں پر بٹھایا۔ میں نے کہا۔''اپنے باپ سے بولو' ہم تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔ جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آگے جا کر کسی ملک کے ایئر پورٹ پر رہا کر دیں گے۔''

وہ بولا۔''میں نادان بچہ نہیں ہوں۔ یہ جانتا ہوں' دوسرے کسی بھی ملک کے ایئر پورٹ پر پولیس مجھے گرفتار کرنے کے لئے موجود رہے گی۔''

اس نے پھر اپنے باپ سے فون پر رابطہ کیا۔ اس سے باتیں کیں۔ پھر مجھ سے کہا۔

''میرے ڈیڈ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

اس نے ایک ایئر ہوسٹس کو اپنا فون دیا۔ وہ اسے میرے پاس لے آئی۔ میں نے اسے کان سے لگا کر کہا۔''ہیلو مسٹر گوٹو ماٹوسی! سیدھی سی بات ہے' تم ہم پر بھروسہ نہیں کرو گے۔ ہم تم پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ اکلوتا بیٹا تمہاری بہت بڑی کمزوری ہے۔ میں تمام مسافروں کی سلامتی کے بعد ہی تمہارے بیٹے کو یہاں سے جانے دوں گا۔''

وہ بولا۔''تم میرے بیٹے کو کہیں بھی لے جا کر رہائی دو گے تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں' میرا بیٹا جیسے ہی باہر آئے گا' میں تم سب کو یہاں سے جانے دوں گا۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں روکوں گا۔''

اس کے لہجے میں بیٹے کے لئے محبت اور تڑپ تھی۔ ایسے وقت ایک جیپ کار وہاں آ کر رکی۔ اس میں سے ایک بوڑھی عورت اتر کر دوڑتی ہوئی گوٹو ماٹوسی کے پاس آئی۔ چیختے ہوئے کہنے لگی۔''میں نے سنا ہے' میرا بیٹا مصیبت میں ہے۔ جہاز کے اندر ہے۔ وہ باہر کیوں نہیں آ رہا ہے؟''

وہ اپنے شوہر کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔''اسے باہر نکالو۔ سنا ہے' کوئی دشمن اسے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ ہمارے پانچ آدمیوں کو مار چکا ہے۔''

وہ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولا۔''ذرا صبر کرو۔ میں اسی دشمن سے فون پر بات کر رہا ہوں۔''

میں نے فون پر کہا۔''گوٹو ماٹوسی! ٹیں ماں کو اس کے بیٹے کے پاس جانے دوں گا۔ اس کی ممتا کو سمجھ رہا ہوں۔''

''اور میں تمہاری چالبازی سمجھ رہا ہوں۔ ماں اپنے بیٹے کے پاس جائے گی تو تم اسے بھی قیدی بنا لو گے۔''

خاتون نے یہ سنتے ہی تڑپ کر کہا۔''میں جاؤں گی۔ اپنے بیٹے کے پاس جاؤں گی۔''

وہ دوڑتی ہوئی سیڑھیوں کے پاس جاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''دروازہ کھولو میں آ رہی ہوں۔''

گوٹو ماٹوسی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر اسے کھینچ کر سیڑھیوں سے دور لاتے ہوئے کہا۔''بیٹے کے لئے پاگل ہو کر جاؤ گی تو تم بھی واپس نہیں آؤ گی۔''

''ہاں' نہیں آؤں گی۔ وہاں بیٹے کے پاس تو رہوں گی۔ میرا بچہ وہاں اکیلا ہے۔''

میں نے کیبن کے اندر دیکھتے ہوئے کہا۔''موٹو ماٹوسی! تمہاری ماں آئی ہے۔ تمہارے پاس آنے کے لئے' تمہاری رہائی کے لئے تڑپ رہی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔''فار گاڈ سیک۔ کوئی سمجھوتہ کرو۔ مجھے باہر جانے دو۔ نہیں تو میری ماما مر جائے گی۔ اس کا دل بہت کمزور ہے۔ اسے ایک بار ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے۔''

میں نے کہا۔''مجھے تمہاری ماں سے ہمدردی ہے۔ تم بھی ہمدردی سے سوچو کہ اس جہاز کے سینکڑوں مسافروں کی سینکڑوں مائیں گھر کی دہلیز پر ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

وہ بولا۔''مجھے فون دو۔ میں ڈیڈ سے بات کروں گا۔''

ایئر ہوسٹس نے فون لے کر اسے دیا۔ اس نے باپ سے رابطہ کر کے کہا۔''کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ جہاز کسی رکاوٹ کے بغیر چلا جائے اور میں تمہارے اور مام کے پاس سلامتی سے آ جاؤں۔''

ایسی کیا تدبیر ہو سکتی تھی' جس پر عمل کر کے سب ہی مطمئن ہوتے؟ وہ اپنے گھر اور ہم اپنے گھر چلے جاتے۔

میں نے تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد کہا۔''موٹو ماٹوسی! ایک ہی راستہ ہے۔

تم ہتھیار پھینکو۔ میں تمہیں گن پوائنٹ پر یہاں سے لے جاؤں گا۔ پھر جب تک یہ جہاز تمام مسافروں کو لے کر نہیں جائے گا۔ تم میرے نشانے پر رہو گے۔"

وہ بولا۔ "یہ اچھی تدبیر ہے۔ میں ڈیڈ سے بات کرتا ہوں۔"

وہ فون پر بولنے لگا۔ تمام مسافر میری اس تدبیر پر اعتراض کرنے لگے۔ ایک عورت نے کہا۔ "اے رحمت کے فرشتے! تو کون ہے؟ ہماری سلامتی کی خاطر دشمنوں کے درمیان جائے گا۔ ہمارے جانے کے بعد وہ تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ایک مسافر نے کہا۔ "ہم تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"

دوسرے نے کہا۔ "تم ہمارے ساتھ اسی جہاز میں رہو گے۔ ہم سب تمہارے ساتھ جئیں گے' تمہارے ساتھ مریں گے۔"

ایک طرف سے آواز آئی۔ "ہمارا ضمیر گوارہ نہیں کرے گا۔ ہم جان بوجھ کر تمہیں موت کے منہ میں جانے نہیں دیں گے۔"

ہر طرف سے کوئی نہ کوئی کچھ نہ کچھ بول رہا تھا۔ میں گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ میری نظریں ساجدہ پر جا کر ٹھہر گئیں۔

اس کے چہرے پر نقاب نہیں رہا تھا۔ وہ اب تک باپ کی موت پر روتی رہی تھی۔ آنسو پونچھتی ہوئی مجھے بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی اور میں اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

میں ان لمحات میں یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا مجھے آخری موقع دے رہا ہے۔ آخری موقع یہ تھا کہ میں سینکڑوں مسافروں کی زندگی بچانے کے لئے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دوں اور میں ایسی نیکی کر کے خدا کو راضی کرنے والا تھا۔ میری پچھلی غلطیاں معاف ہو جاتیں۔

لیکن آزمائش کے بغیر معافی نہیں ہوتی اور آزمائش یہ تھی کہ ساجدہ کے روپ میں ہوس پکار رہی تھی۔

شائد مجھے اسی لئے جوانی واپس مل رہی تھی کہ میں بہک جاؤں یا سنبھل جاؤں۔ یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے یا تو وہ ہوس کا غلام بن جاتا ہے یا پھر ایک آزاد پارسا مومن بن سکتا ہے۔

اس وقت میرے ذہن میں نیکی بدی کی کوئی سوچ نہیں تھی۔ میں ایک مومن ایک مجاہد کی طرح تمام مسافروں کو بچانے کا عزم کر چکا تھا۔ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر جہاز سے باہر جانے

والا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ ایک دوشیزہ میرے اندر مچل رہی تھی۔ پوچھ رہی تھی' کیا مجھے تنہا چھوڑ کر جاؤ گے؟ ابو اس دنیا میں نہیں رہے۔ میرا اور کوئی نہیں ہے۔ بس ایک تم ہی تو ہو.....

اس وقت سب ہی زندگی اور موت کے دوراہے پر تھے۔ میں بھی جان کی بازی لگا رہا تھا۔ کمال ہے' ایسے سنگین لمحات میں بھی عورت ہمارے اندر گھس جاتی ہے۔

موٹو ماٹوسی نے کہا۔ "میں نے ڈیڈ سے بات کی ہے۔ وہ تمہاری دلیری سے خوش ہیں۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں ہتھیار پھینک کر تمہارے گن پوائنٹ پر جہاز سے باہر آ جاؤں۔"

ایک مسافر نے کہا۔ "ہمیں یہ شرط منظور نہیں ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "اے رحمت کے فرشتے! ہم تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "خاموش ہو جاؤ۔ ابھی جذباتی ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ ذرا سوچو' جب اس جہاز میں دن رات قیدی بن کر رہو گے۔ دوسرے دن سے فاقے شروع ہوں گے۔ پینے کے لئے ایک گھونٹ پانی بھی نہیں ملے گا۔ بچے دودھ کے بغیر اور بیمار دواؤں کے بغیر تڑپ تڑپ کر مرتے رہیں گے تو کیا اپنے پیاروں کو اس طرح مرتے دیکھ سکو گے؟"

سب کو چپ لگ گئی۔ باپ اپنے جوان بیٹوں کو اور بیٹے اپنے بزرگوں کو دیکھنے لگے۔ ماؤں نے اپنے ننھے بچوں کو کلیجے سے لگا لیا۔ وہاں کوئی ایک نہیں سب ہی ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مرنے والے تھے۔

میں نے کہا۔ "جذبات سے نہیں عقل سے سوچو۔ یہاں کسی ایک کو اپنی جان پر کھیل کر سب کو سلامتی سے گھر پہنچانا ہے اور میں تم سب کو گھر پہنچاؤں گا۔"

پھر میں نے موٹو ماٹوسی سے کہا۔ "اپنے باپ سے کہو' جب تم گن پوائنٹ پر جہاز سے باہر آؤ گے تو تمہارے تمام مسلح آدمی ہتھیار پھینک کر ہم سے بہت دور رہیں گے اور ایک جگہ رہیں گے۔ کوئی چھپ کر مجھ پر حملہ کرنے ادھر ادھر نہیں جائے گا۔"

وہ فون پر اپنے باپ سے یہ باتیں کرنے لگا۔ میں نے کہا۔ "میں آسانی سے ماننے والا نہیں ہوں۔ اپنے باپ سے بولو' جہاز کی سیڑھی کے پاس وہ جیپ کار لے آئے' جس میں ابھی تمہاری ماں آئی ہے۔"

وہ ابھی بول ہی رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "اور سنو! اس جیپ کی اگلی سیٹ پر تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھو گے۔ میں پچھلی سیٹ پر رہوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''ڈیڈ میری سلامتی کے لئے جہاز کو جانے دیں گے اور تم یہاں سے نکل کر میری سلامتی کے لئے خطرہ بنے رہو گے۔''

میں نے کہا۔ ''اگر کوئی مجھ پر گولی نہیں چلائے گا تو تم محفوظ رہو گے۔''

''لیکن تم ہمیں جیپ میں کہاں لے جاؤ گے؟''

''جہاں تمہارا کوئی آدمی ہمارا پیچھا کرتا ہوا نہیں آئے گا۔ جب مجھے اطمینان ہو جائے گا تو میں تمہیں وہاں ماں باپ کے ساتھ چھوڑ کر جیپ لے کر چلا جاؤں گا۔''

وہ فون پر اپنے باپ سے یہ تمام باتیں کہنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک اپنی زبان میں کچھ بولتے رہے۔ پھر اس نے کہا۔ ''ڈیڈ راضی ہیں۔ تم جو چاہو گے' وہی ہو گا۔''

یہ سن کر سب ہی مجھے محبت اور عقیدت سے دیکھنے لگے۔ میں ان کی رہائی کے لئے موت سے لڑنے جا رہا تھا۔ ساجدہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ آگے بڑھ کر مجھے یوں پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو' موت کے اندھیرے میں نہ جاؤ۔

میں نے اونچی آواز میں کہا۔ ''کیا جانے سے پہلے تم لوگ میری ایک خواہش پوری کرو گے؟''

ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ ''ضرور کریں گے۔''

''تمہاری ایک نہیں' ہزاروں خواہشیں پوری کریں گے۔''

''ہم سے خون مانگو' ہم اپنا خون دیں گے۔''

میں نے ساجدہ کی طرف انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔ ''میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ سب اسے دیکھنے لگے۔ میں نے ایک لڑکی کی خواہش کی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو ایک جوان لڑکی کو چھوتے ہی لوگ مجھے پتھر مارتے' لعن طعن کرتے۔ لیکن میں ان سب کو نئی زندگی دینے والا ہیرو بن کر اسے انعام میں مانگ رہا تھا۔

ایسے وقت بھلا کون انکار کرتا؟ وہ لڑکی کسی کی بہن یا بیٹی نہیں تھی۔ اس لئے سب ہی سخی داتا بن گئے۔ لے جاؤ ہمارا کیا جاتا ہے؟

ایک شخص نے کہا۔ ''اسے ساتھ لے جاؤ گے تو یہ بھی نیکی ہو گی۔ ظالموں نے اس کے باپ کو مار ڈالا ہے۔ یہ بیچاری تنہا رہ گئی ہے۔''

ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''آپ بہت اچھے ہیں۔ یہاں سب کی جان بچا رہے ہیں۔ میری بھی بہتری چاہیں گے۔ مگر آپ کے ساتھ کیسے جاؤں؟ یہاں میرے ابو کی میت ہے۔ ان کی تدفین کون کرے گا''

سب ہی کہنے لگے۔ ''ہم کریں گے.... ہم کریں گے۔''

''اپنے گھر کا پتہ بتاؤ؟ ہم تمہارے ابو کو وہاں لے جا کر آخری رسومات ادا کریں گے۔''

وہ بولی۔ ''میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ابو مجھے ایک دوست کے گھر لے جا رہے تھے۔ مجھے ان کی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔''

میں نے کہا۔ ''میں تمہارا سہارا بنوں گا۔ میرے ساتھ چلو۔ یہ لوگ تمہارے ابو کی تدفین کر دیں گے۔''

وہ پلٹ کر باپ کے پاس گئی' پھر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ میں نے موٹو ماٹوسی سے کہا۔ ''اپنے ہتھیار پھینک کر کیبن سے باہر آؤ۔''

اس نے اور اس کے ماتحت نے اپنے ہتھیار وہیں فرش پر ڈال دیئے اور کیبن سے باہر آ گئے۔ میں نے اس کے ماتحت سے کہا۔ ''تم آگے رہو۔ تمہارے پیچھے موٹو ماٹوسی رہے گا اور اس کے پیچھے میں چلوں گا۔ تم میں سے کوئی ذرا سی بھی چالاکی دکھائے گا تو اسی لمحے میں گولی چل جائے گی۔''

وہ میرے حکم کے مطابق آگے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ کو پائلٹ نے آ کر دروازے کو کھولا۔ ایک خاتون نے ساجدہ سے کہا۔ ''آؤ چلو۔ ہمارے مجاہد کے ساتھ چلو۔''

وہ باپ سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ''نہیں جاؤں گی۔ ابو کو چھوڑ کیسے جاؤں؟ کس دل سے جاؤں؟''

ایک شخص نے کہا۔ ''باپ کی موت کا ماتم ضرور کرو۔ مگر صبر بھی کرو۔ تمہارا کوئی نہیں ہے۔ شکر کرو' ایک دلیر مجاہد تمہارا سہارا بن رہا ہے۔''

دو عورتیں اسے سمجھا منا کر میرے پاس لے آئیں۔ میرے ایک ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے ہاتھ میں شاٹ گن تھی۔ میں نے اسے ریوالور دیتے ہوئے پوچھا۔ ''کبھی گولی چلائی ہے؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ مجھے حیرانی ہوئی یہ اطمینان بھی ہوا کہ وہ موجودہ سنگین حالات میں کسی حد تک کام آئے گی۔

میں نے موٹو ماٹوسی سے کہا۔ ''آگے بڑھو۔ باہر چلو۔''

وہ آگے بڑھنے میں موٹو ماٹوسی کو نشانے پر رکھ کر سیڑھیوں کے اوپری حصے میں آیا۔ اس کی ماں اسے دیکھتے ہی تڑپ کر آگے بڑھی۔ گوٹو ماٹوسی نے اسے پکڑ کر کہا۔ ''رک جاؤ۔ ذرا صبر کرو۔ بیٹا تمہارے پاس ہی آ رہا ہے۔''

ان کے پیچھے تقریباً پچاس مسلح افراد کھڑے ہوئے تھے۔ موٹو ماٹوسی نے میرے حکم کے مطابق ان تمام مسلح ماتحتوں سے کہا۔ ''ہتھیار پھینک کر وہاں سے بہت دور چلے جاؤ اور خبردار! میری سلامتی کے لئے کوئی چالاکی نہ دکھانا۔ میں سلامت رہوں گا۔''

وہ سب زمین پر ہتھیار پھینک کر وہاں سے دور چلے گئے۔ میں اس کے پیچھے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف دیکھتا رہا۔ جہاز کے نیچے اور دوسری طرف کوئی نہیں تھا۔ ان سب کو اپنے سردار گوٹو ماٹوسی کے اکلوتے بیٹے کی زندگی عزیز تھی۔ وہ چالاکی سے مجھ پر حملہ کر کے موٹو ماٹوسی کے لئے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

وہ سیڑھی سے اترا تو ماں آ کر اس سے لپٹ گئی۔ اپنی زبان میں کچھ کہتے ہوئے اسے چومنے لگی۔ ایک نہتا شخص جیپ ڈرائیو کرتا ہوا وہاں آیا۔ پھر جیپ سے اتر کر دور چلا گیا۔ میں نے موٹو ماٹوسی سے کہا۔ ''اپنے ماں باپ کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ تم جیپ ڈرائیو کرو گے۔''

ان تینوں نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں ساجدہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر آ گیا۔ وہ ریوالور تھامے بہت محتاط تھی۔ وہ تینوں ہمارے نشانے پر تھے۔ موٹو ماٹوسی جیپ کو جہاز سے بہت دور لے آیا۔ سیڑھیاں ہٹا دی گئیں۔ اندر سے تمام مسافر چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ ''مسٹر ان نون زندہ باد....

زندہ باد اے مجاہد اعظم!

تم سلامت رہو۔ ہزار برس۔ زندہ باد...''

جہاز کا دروازہ بند ہو گیا۔ آوازیں گم ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد جہاز نے حرکت کی پھر رن وے پر دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہو کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

میں اور ساجدہ دشمنوں کے درمیان تنہا رہ گئے۔ میری خود غرضی اس لڑکی کو اس ویرانے میں دشمن حالات سے دوچار کرنے لے آئی تھی۔ میں اپنے ضمیر کو سمجھا رہا تھا کہ اس کا محافظ بن کر رہوں گا۔ اس پر ایک ذرا آنچ نہیں آنے دوں گا۔

میں نے موٹو ماٹوسی سے کہا۔ ''جو راستہ کسی بڑے شہر کی طرف جاتا ہے۔ اس پر چلو اور بتاؤ ہم کس ملک میں ہیں اور ابھی کس شہر کی طرف جا رہے ہیں؟''

اس نے جیپ کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم چار گھنٹے بعد بن غازی پہنچیں گے۔''

جیپ آگے بڑھ کر ایک پختہ سڑک پر آ گئی تھی۔ ان کے تمام وفادار پیچھے رہ گئے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا' ہمارے دور ہوتے ہی انہوں نے اپنے ہتھیاروں کے پاس آ کر انہیں زمین پر سے اٹھا لیا تھا۔

انہیں تاکید کی گئی تھی کہ ہمارے پیچھے نہ آئیں۔ وہ اسلحہ اٹھائے چپ چاپ کھڑے تھے۔ ہم بہت دور ہوتے جا رہے تھے۔ پھر ایک موڑ پر جیپ دوسری سمت جانے لگی تو وہ سب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

میرے اعصاب تن گئے۔ میں نادیدہ حملہ آوروں کی زد میں تھا۔ ہمارے سامنے صرف ہیڈ لائٹس کی روشنی تھی۔ باقی دائیں بائیں اور پیچھے گہری تاریکی تھی۔ اس پراسرار ہیبت ناک تاریکی میں کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

تمام چینلز اور ریڈیو کے ذریعے جہاز کے ہائی جیک ہونے کی خبر پھیل گئی۔ یعقوب اپنی بیوی اور ہونے والی بچی کو واپس لانے کے سلسلے میں پرامید تھا۔ پورے یقین اور جذبے سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پاپا کے آتے ہی اس کی ماما ہوا ہو جائیں گی۔ بہو کو ایک بد دماغ ساس سے نجات مل جائے گی۔

لیکن طیارے کے اغواء ہونے کی خبر سنتے ہی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ پریشان ہو کر ٹی وی اسکرین کو تکنے لگا۔ پہلے تو یہ خبر سنائی گئی کہ مورشش سے روانہ ہو کر میونخ پہنچنے والے ہوائی جہاز کو ہائی جیک کیا گیا ہے۔ اس جہاز میں دو سو بیس مسافروں کو یرغمال بنایا گیا ہے۔

پھر بتایا گیا کہ وہ ہائی جیکرز لیبیا کے باغی ہیں۔ اپنے مطالبات منوانے کے لئے اس جہاز کو ایک خود ساختہ ایئرپورٹ کے رن وے پر اتاریں گے۔

ان ہائی جیکرز نے دھمکی دی تھی کہ لیبیا کے فوجی اس ویران علاقے کے ایئرپورٹ کی طرف آئیں گے یا دور ہی سے کسی طرح کی فوجی کارروائی کریں گے تو جہاز کے مسافروں کو ایک

ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

انہوں نے کہا تھا کہ وہ صلح کرانے والے غیر ملکی نمائندوں کو بھی اس علاقے میں برداشت نہیں کریں گے۔ دو سو بیس مسافروں کی رہائی ستر باغیوں کی رہائی سے مشروط تھی اور تمام معاملات فون کے ذریعے طے کرنا چاہتے تھے۔

یعقوب ٹی وی اسکرین پر خبریں سن رہا تھا اور میری سلامتی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

پھر بتایا گیا کہ جہاز کے پائلٹ اور ہائی جیکرز کے لیڈر موٹو ماٹوسی سے رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ باغیوں کے لیڈر گوٹو ماٹوسی سے رابطہ کیا جا رہا ہے۔

اسکرین پر گوٹو ماٹوسی کی تصویر دکھائی جا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جہاز میں ایک پاگل مسافر ہے۔ وہ تنہا ہمارے وفاداروں سے لڑ رہا ہے۔ اس نے ہمارے پانچ وفاداروں کو مار ڈالا ہے۔

یہ سنتے ہی یعقوب بڑے فخر سے اچھل کر بولا۔ ”ہپ ہپ ہرے..... یہ میرے پاپا ہیں۔ ایسی دلیری کوئی دکھا ہی نہیں سکتا۔“

گوٹو ماٹوسی کہہ رہا تھا۔ ”اگرچہ وہ ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے‘ اس کے باوجود پائلٹ اور کو پائلٹ میرے بیٹے کے نشانے پر ہیں۔ جہاز ہمارے قبضے میں ہے۔ ہم وارننگ دیتے ہیں‘ اگر کوئی جہاز یا ہیلی کاپٹر اس علاقے سے گزرے گا تو ہم ہائی جیک ہونے والے جہاز کو تباہ کر دیں گے۔“

جہاز کی تباہی کے ساتھ میری موت بھی تھی۔ یعقوب ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ٹی وی سے خبریں سنائی جا رہی تھیں کہ باغیوں کی طرف سے خاموشی ہے۔ یہ نہیں بتایا جا رہا ہے کہ جہاز کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ وہ کب زمین پر اترنے والا ہے؟

تقریباً آدھی سے زیادہ دنیا ٹی وی کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ سب ہی تجسس میں تھے کہ کیا ہونے والا ہے؟ دو سو بیس مسافروں کے خاندان بری طرح ٹینشن میں تھے۔

سب ہی کہہ رہے تھے کہ جس شخص نے جہاز کے اندر پانچ باغیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے‘ وہ واقعی پاگل ہے۔ اس نے خواہ مخواہ ہیرو بننے کے لئے تمام مسافروں کی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے۔ باغی کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنے مشن میں ناکام ہوتے ہی جہاز کو تباہ کر دیں گے۔

پوری دنیا کے نیوز چینلز کو لوگ فون کر رہے تھے اور میرے خلاف بول رہے تھے۔ یعقوب مجبور ہو کر میرے خلاف خبریں سن رہا تھا۔ لوگ پوچھ رہے تھے کہ وہ پاگل شخص کون ہے؟

پھر باغیوں کے لیڈر گوٹو ماٹوسی سے فون پر رابطہ کیا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ وہ جنونی قاتل کون ہے؟ اس کا نام معلوم ہوگا تو کمپیوٹر کے ذریعے صرف اس کا نام ہی نہیں‘ پتہ ٹھکانہ بھی معلوم ہو جائے گا۔

گوٹو ماٹوسی نے کہا۔ ”اس نے اپنا نام نہیں بتایا ہے۔ ہم سب اسے مسٹر ان نون کہہ رہے ہیں۔ ابھی میں کسی چینل سے بات نہیں کر سکوں گا۔ بہت مصروف ہوں۔“

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے ایک جاں نثار سے فون پر کہا۔ ”کیا تم لوگ موجودہ حالات میں بھی پاپا سے ناراض رہو گے؟ کیا میں اپنی بیوی اور ہونے والی بچی کی سلامتی کے لئے اپنی یہودی ماں کے سامنے گھٹنے ٹیک دوں؟“

اس نے کہا۔ ”ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ آپ کی وائف کو وہاں نماز پڑھنے سے روکا جائے۔ پھر ان کو اور آپ کی ہونے والی بچی کو آئندہ یہودی بنایا جائے۔ آپ انتظار کریں‘ ہم انہیں وہاں سے نکال لائیں گے۔“

یعقوب نے پوچھا۔ ”اور پاپا....؟“

”فی الحال ان کے لئے صبر کریں۔ دیکھیں کہ وہ کس راہ پر چل رہے ہیں اور کہاں پہنچنے والے ہیں؟ ہمارا ایمان ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔ ہم ان کے معاملے میں اور کچھ نہیں کہیں گے۔“

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے جھنجلا کر فون کو صوفے پر پھینک دیا۔ وہ میرے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ جبکہ ساری دنیا نیوز چینلز کے ذریعے مجھے غصہ دکھا رہی تھی۔ وہ کسی کا منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔

اب یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ جہاز میں میری اصلیت ظاہر ہو جائے گی کہ میں تھری ایس ہوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟

یہی ہوگا کہ دنیا جہان کے دشمن مجھے اس جہاز سے زندہ نکلنے نہیں دیں گے۔ میرے بیٹے کو یوں لگ رہا تھا کہ میرا آخری وقت آ چکا ہے۔

پھر یکلخت وہ خوشی سے کھل گیا۔ خبر سنائی جا رہی تھی کہ جسے پاگل جنونی قاتل کہا جا رہا تھا‘ اس نے اچانک بازی پلٹ دی ہے۔ باغیوں کے لیڈر کو‘ اس کی بیوی اور بیٹے کو اپنے چنگل میں لے کر جہاز کو اور مسافروں کو ان کے شکنجے سے نکال دیا ہے۔

یعقوب نے بڑے فخر سے کہا۔ "او یو پاپا! آپ نے جانثاروں کے بغیر تنہا ایسا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ سے بدظن ہونے والے جانثار شرمندہ ہو رہے ہوں گے۔"

خبروں میں کہا جا رہا تھا کہ اس اجنبی نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا ہے۔ جہاز میں اس کی سیٹ نمبر کے ذریعے اس کا نام اور پتہ معلوم کیا جا رہا ہے۔

نیوز کے تجزیہ نگار کہہ رہے تھے کہ وہ اجنبی مجاہد تمام مسافروں کو رہائی دلانے کے لئے باغی لیڈر کے بیٹے کے ساتھ جہاز سے باہر گیا ہے۔ اس نے مسافروں کی سلامتی اور رہائی کے لئے خود کو دشمنوں کے درمیان پہنچا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کسی کو رہائی نصیب نہ ہوتی۔

تھوڑی دیر بعد ہی یہ خوشخبری سنائی گئی کہ جہاز تمام مسافروں کو لے کر وہاں سے پرواز کر چکا ہے اور آدھے گھنٹے میں طرابلس کے ائیر پورٹ پر پہنچنے والا ہے۔

یہ بھی بتایا جا رہا تھا کہ وہ اجنبی مجاہد اپنے ساتھ ایک جوان لڑکی کو جہاز سے باہر لے گیا ہے۔ اس لڑکی کے باپ کو باغیوں نے مار ڈالا تھا۔ یہ عجیب سی بات تھی۔ جب وہ اجنبی یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ پانچ باغیوں کا قاتل ہے۔ جہاز کے باہر تمام باغی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ جانتے ہوئے بھی وہ ایک لڑکی کو ساتھ لے گیا ہے۔ کیوں لے گیا ہے؟

طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ شائد اس لئے لے گیا ہے کہ وہ باپ کی ہلاکت کے بعد تنہا رہ گئی تھی۔

یہ پوچھا جا رہا تھا کہ خطرات سے کھیلنے کے لئے اس تنہا لڑکی کو جہاز سے باہر لے جانا کون سی دانشمندی ہے؟

پھر پائلٹ اور مسافروں کا بیان سامنے آیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اجنبی مجاہد باغی لیڈر کو اور اس کی بیوی اور بیٹے کو گن پوائنٹ پر تمام مسلح باغیوں سے میلوں دور لے جانے کی پلاننگ کر چکا تھا۔ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے لڑکی کو ساتھ لے گیا ہے۔

یہ رائے قائم کی گئی کہ وہ مجاہد اور وہ لڑکی ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ لڑکی راضی خوشی اس کے ساتھ گئی ہے۔

مسافروں نے کہا۔ "ان کے درمیان عشق و محبت والی کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اجنبی بہت عمر رسیدہ تھا۔ تقریباً ساٹھ برس کا ہوگا اور لڑکی بیس بائیس برس کی ہوگی۔"

کسی نے پوچھا۔ "وہ بوڑھا اسے کیوں لے گیا ہے؟"

کسی نے جواب دیا کہ آدمی ساٹھ برس کی عمر میں سٹھیا جاتا ہے۔ وہ اجنبی سٹھیا کر اسے لے گیا ہے۔

یعقوب بریکنگ نیوز پڑھ رہا تھا۔ تجزیہ نگاروں کی باتیں سن رہا تھا۔ لوگ فون کے ذریعے یہی کہہ رہے تھے کہ وہ بوڑھا بڑا ہی دلیر اور جانباز ہے۔ لیکن عیاش ہے۔ بہت بڑا کارنامہ انجام دے کر ایک لڑکی کو انعام کے طور پر لے گیا ہے۔

میرا بیٹا اپنے باپ کے بارے میں ایسی باتیں سن رہا تھا۔ جھینپ رہا تھا۔ اسے شرم آ رہی تھی۔ پھر بھی دل کو سمجھا رہا تھا۔ "میرے پاپا ایسے نہیں ہیں۔ اس لڑکی کے باپ کو ہلاک کیا گیا ہے۔ وہ تنہا ہو گئی تھی۔ پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔ اسے بیٹی بنا کر لے گئے ہیں۔"

میں اپنے بیٹے کو اور لوگوں کو اس بات پر قائل نہیں کر سکتا تھا کہ جوانی کی طرف واپس آ گیا ہوں۔ پہلے ستر برس کا تھا۔ اب ساٹھ برس کا ہو گیا ہوں۔

کوئی یہ جان نہیں سکتا تھا کہ دس برس پیچھے آ کر اندر سے جوان ہو گیا ہوں۔ دنیا والے تو میرا ظاہری بڑھاپا دیکھتے رہیں گے اور جوان لڑکیوں کو میری بیٹی کہتے رہیں گے۔ میرا بیٹا بھی یہی کہہ رہا تھا۔

وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ایک تو میرے متعلق جو سن رہا تھا، اسے اس کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔ پھر یہ کہ اس کی محبوبہ اس کی شریک حیات کو محالہ کہیں لے گئی تھی۔ جانثار اس حد تک مہربان ہو گئے تھے کہ انہوں نے صنم کو محالہ کے شکنجے سے نکال لانے کا وعدہ کیا تھا۔

محالہ اپنی بہو کو لے آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بیٹا اپنی بیوی اور ہونے والی بچی کے پیچھے دوڑا چلا آئے گا۔ لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ اس نے بہو کو ایک آرام دہ مکان کے اوپری حصے میں قیدی بنا کر رکھا تھا۔

وہ جس کمرے میں تھی۔ اس کی کھڑکیاں باہر سے بند تھیں۔ انہیں کھول کر کسی کو مدد کے لئے پکار نہیں سکتی تھی۔ ایک دروازہ کوریڈور میں کھلتا تھا۔ اس کوریڈور سے ایک زینہ گراؤنڈ فلور کی طرف جاتا تھا۔ وہاں مسلح پہرے دار موجود رہتے تھے۔

محالہ نے کمرے میں آ کر کہا۔ "میرا بیٹا تمہاری مدد کے لئے نہیں آ رہا ہے۔ کیا جانثار اس کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں؟ کیا اس کا باپ تمہاری مدد کرنے آئے گا؟"

وہ بولی۔ "ہاں۔ پاپا آج یہاں آنے والے ہیں۔ آپ سمجھ سکتی ہیں کہ ان کے آنے

کے بعد آپ کا انجام کیا ہوگا؟"

"تمہارے پاپا کو اپنے انجام کی فکر ہے۔ وہ میرے خوف سے یہاں نہیں آئے گا۔"

"آج رات نو بجے کے بعد آپ کی یہ خوش فہمی ختم ہوجائے گی کہ وہ آپ سے خوفزدہ ہیں۔"

"کیا وہ کسی فلائٹ سے آرہا ہے؟"

"ہاں۔"

اچانک صنم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "نہیں.....وہ کسی فلائٹ سے نہیں آرہے ہیں۔ میں آپ کو ان سے خوفزدہ کرنے کے لئے ایسا کہہ رہی تھی۔"

محالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری طرح نادان عورت نہیں ہوں۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ دیکھو تم سے کیسے اگلوالیا؟ وہ کسی کی گرفت میں نہ آنے والا تھری ایس رات نو بجے کی فلائٹ سے آرہا ہے۔"

وہ موبائل فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے بولی۔ "ابھی انتظام کرتی ہوں۔ آج وہ مکھن کے بال کی طرح ہماری ایک چٹکی میں آجائے گا۔"

صنم نے اس کے فون پر جھپٹ کر کہا۔ "رک جاؤ۔ پہلے مجھے یعقوب سے بات کرنے دو۔"

جھپٹنے کے باعث محالہ کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ اس نے جھنجھلا کر صنم کو دھکا دیا۔ وہ دروازے سے ٹکرا گئی۔ پھر پلٹ کر فون کے پاس آئی۔ وہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ دونوں اسے اٹھانے کے لئے جھکیں تو ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ دونوں ہی فرش پر گر پڑیں۔

محالہ نے فوراً ہی اٹھ کر اس فون کو وہاں سے اٹھالیا۔ صنم کا پیٹ پھولا ہوا تھا۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے اٹھتے ہوئے بولی۔ "کسی کو فون نہ کرو۔ پہلے مجھے یعقوب سے بات کرنے دو۔"

وہ اٹھنے ہی والی تھی۔ محالہ نے اس کے پیٹ پر زور کی لات ماری۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیختی ہوئی فرش پر گر کر تڑپنے لگی۔ اس نے دوسری بار پھر اسی جگہ ٹھوکر ماری۔ اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ وہ ایسے چیخنے لگی جیسے اسے ذبح کیا جارہا ہو۔

محالہ نے دیدے پھاڑ کر دیکھا۔ وہ جہاں تڑپ رہی تھی، وہاں فرش پر خون پھیل رہا تھا۔ سات ماہ کی بچی کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی ایسی ٹھوکریں لگی تھیں کہ وہ خون تھوکنے لگی تھی۔

محالہ نے فوراً ہی اس کا نچلا لباس اتار دیا۔ گاڑھا لہو ایسے نکل رہا تھا جیسے گوشت کا لوتھڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہو۔ مسلح افراد چیخیں سن کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آرہے تھے۔ محالہ نے کمرے سے باہر آتے ہوئے کہا۔ "یہ شائد نہیں بچے گی۔ اسے مرنے دو۔ نیچے چلو۔"

وہ فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ کمرے سے چیخیں تڑپ تڑپ کر باہر آرہی تھیں اور وہ چیخیں رفتہ رفتہ دم توڑ رہی تھیں۔ محالہ نے فون کو کان سے لگا کر اوپر کمرے کی طرف دیکھا پھر میسونی تنظیم کے سربراہ ہوف مین سے کہا۔ "باس! ایک زبردست اطلاع ہے۔ آج رات نو بجے جو بھی فلائٹ یہاں آرہی ہے۔ اس میں تھری ایس ہوگا۔"

ہوف مین جہاں بیٹھا تھا، وہاں سے اچھل پڑا۔ "کیا سچ کہہ رہی ہو؟ تمہیں کہاں سے انفارمیشن ملی ہے؟"

"آپ جانتے ہیں، میں اس کی بہو کو اغواء کر کے لے آئی ہوں۔ اس نے نادانی میں یہ راز میرے سامنے اگل دیا ہے کہ تھری ایس اس کی مدد کرنے رات نو بجے کی فلائٹ سے آرہا ہے۔"

"او گاڈ! میں ابھی ٹی وی کے سامنے ہوں۔ یہ خبر سنائی جارہی ہے کہ مورشش سے روانہ ہو کر میونخ پہنچنے والے ایک جہاز کو ہائی جیک کیا گیا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد یہ چونکا دینے والی خبر سنائی گئی ہے کہ ایک مسافر نے پانچ ہائی جیکرز کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

اس نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ تنہا ہائی جیکرز سے لڑنے والا اور انہیں مار ڈالنے والا وہ شیطان تھری ایس ہی ہے۔ یقیناً وہی جہاز رات نو بجے میونخ پہنچنے والا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا کیا ہے؟"

محالہ نے کہا۔ "اگرچہ وہ سر کا درد ہے، مگر میرا مرد ہے۔ میں اس کی رگ رگ کو پہچانتی ہوں۔ وہ کسی زبردست پلاننگ کے مطابق ہائی جیکرز سے لڑ رہا ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر اوپر کمرے کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش تھی۔ شائد خاموشی سے تڑپ رہی تھی۔ منہ سے آواز نکالنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ کوئی اسے پوچھنے والا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ موت کی تاریکی میں گم ہورہی تھی۔

محالہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "باس! میں نے اس کی بہو کو مار ڈالا ہے۔ پتہ نہیں وہ

کہاں سے آ پہنچے گا؟ میں ابھی اس شہر سے نکل جاؤں گی۔"

"ایسی غلطی نہ کرنا۔ ایک مدت کے بعد وہ ہماری نظروں میں آنے والا ہے۔ ہم اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ ہائی جیکرز سے لڑ رہا ہے۔ آخر اس جہاز کو میونخ ضرور لائے گا۔ تمہارے جتنے بھی وفادار وہاں ہیں' ان سے کہو وہ ائیر پورٹ کے اندر اور باہر چھپ کر رہیں۔ پھر جیسے وہ نظروں میں آئے...."

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ سامنے اسکرین پر خبر سنائی جا رہی تھیں کہ وہ اجنبی مجاہد باغیوں پر حاوی ہو گیا ہے۔ اس نے ان کے سردار کو' اس کی بیوی اور اکلوتے بیٹے کو گن پوائنٹ پر رکھ کر دو سو بیس مسافروں کو رہائی دلائی ہے۔ وہ جہاز وہاں سے پرواز کر چکا ہے اور آدھے گھنٹے میں طرابلس پہنچنے والا ہے۔

ادھر محالہ ٹی وی آن کر کے وہی خبریں سن رہی تھی۔ ہوف مین فون پر کہہ رہا تھا۔ "بائی گاڈ! یہ تھری ایس شیطان کا بھی باپ ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے' اس نے کس طرح تمام باغیوں کو زیر کیا اور جہاز کو ان کے چنگل سے نکال کر دو سو بیس مسافروں کو زندہ سلامت طرابلس پہنچا رہا ہے۔"

محالہ نے کہا۔ "نیوز سنو' وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ایک جوان لڑکی کے ساتھ اس ویران علاقے میں رہ گیا ہے اور باغیوں کے لیڈر کو' اس کی بیوی اور بیٹے سمیت کہیں لے جا رہا ہے۔"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں' لیبیا میں وہ ویران مقام کہاں ہے؟ تھری ایس انہیں یرغمال بنا کر کسی انسانی آبادی کی طرف جائے گا۔ ہمارے گوریلا فائٹرز وہاں اسے گھیر لیں گے۔ وہ کم بخت ایک طویل مدت کے بعد ہماری نظروں میں آئے گا۔ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

محالہ نے کہا۔ "اب میرا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ میں جا رہی ہوں۔"

اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ پھر کہا۔ "وہ مر چکی ہے.... بیچاری مجھے ایک پوتی بھی نہ دے سکی۔"

وہ سفری بیگ میں ضروری سامان رکھنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جانثاروں کو منظم ہونے میں ذرا دیر ہو گئی۔ جب وہ بنگلے میں پہنچے تو وہاں ویرانی اور خاموشی تھی۔ محالہ اپنے محافظوں کے ساتھ جا چکی تھی۔

جانثار بڑی احتیاط سے بنگلے کے اندر پہنچے۔ گراؤنڈ فلور پر کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر کمرے کے دروازے پر پہنچے تو ٹھٹک گئے۔

صنم کا آدھا جسم لہو سے تر بتر تھا۔ ایک جانثار نے اس سے نظریں چراتے ہوئے بیڈ سے چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس پر ظلم کیا گیا ہے اور وہ اسقاط حمل کے باعث اپنی جان سے گئی ہے۔

ایک جانثار نے کہا۔ "وہ چڑیل زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ ہم اس شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں پر ابھی جائیں گے تو وہ بچ کر نہیں جا سکے گی۔"

وہ سب تیزی سے دوڑتے ہوئے فون پر دوسرے جانثاروں سے رابطہ کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

دو جانثار لاش کے پاس رہ گئے۔ انہوں نے بھی وہاں سے جاتے ہوئے فون کے ذریعے پولیس کو اس مرڈر کی اطلاع دی۔ پھر باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے دور ہو گئے۔

ایک نے کہا۔ "ہم یعقوب بابا کو ابھی اطلاع نہیں دیں گے۔ وہ غم و غصے سے بے قابو ہو کر لاش کے پاس آئیں گے تو پولیس انہیں شبہے میں گرفتار کر لے گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "ہاں۔ بہتر ہے' پولیس خود انہیں اس سانحے کی اطلاع دے۔"

اس کمرے میں صنم کی لاش کے پاس اس کا ہینڈ بیگ پڑا ہوا تھا۔ پولیس نے اس میں رکھے ہوئے کاغذات سے معلوم کیا کہ وہ اٹلی سے اپنے شوہر کے ساتھ وہاں کچھ عرصہ رہنے آئی تھی۔

پولیس افسر نے یعقوب کے پاس آ کر پوچھا۔ "تمہاری وائف کہاں ہے؟"

وہ بولا۔ "شام کو شاپنگ کے لئے گئی تھی۔ میں پریشان ہوں' وہ کہاں رہ گئی ہے؟ اس کا فون بھی بند ہے۔"

تب پولیس نے بتایا کہ اس کا مرڈر ہوا ہے۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسے بتایا گیا کہ اس پر ظلم کیا گیا ہے۔ جس کے باعث حمل ضائع ہو گیا ہے اور وہ مر گئی ہے۔

وہ پولیس کے ساتھ محالہ کے ویران بنگلے میں آیا۔ اپنی شریک حیات مرحومہ کو بدترین حالت میں دیکھ کر تڑپ گیا۔ وہ اس سے لپٹ کر رونا چاہتا تھا۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ لاش کے قریب جانے نہیں دیا۔ وہاں سراغ رساں آ گئے تھے۔ وہ اپنے طور پر کارروائیاں کر رہے تھے۔

یعقوب سے طرح طرح کے سوالات کئے جا رہے تھے۔ اس نے صاف صاف کہہ

دیا۔ ''میری ماما محالہ میسونی تنظیم کی ایک اعلیٰ عہدیدار ہے۔ ماں سے میری بنتی نہیں تھی۔ اس نے میری بیوی کو اغواء کرنے کے بعد مار ڈالا ہے۔ وہ ابھی اسی شہر میں ہوگی۔ اسے فرار ہونے سے پہلے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔''

تمام جانثار محالہ کے پیچھے گئے تھے۔ پولیس والے بھی اسے ڈھونڈنے نکل گئے۔ یعقوب سر تھام کر بیٹھ گیا۔ پوسٹ مارٹم کے بعد صنم کی لاش ملنے والی تھی۔ وہ اس کی تجہیز و تدفین کے سلسلے میں مصروف ہو گیا تھا۔

ایسے وقت تنہا رہ گیا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ ''یہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا؟ ہم کتنے ارمانوں سے ایک ننھی سی بچی کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک ہی ماں بیٹی ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔

یہ مجھے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے؟''

اس کے اندر سے ایک آواز ابھری۔ ''اپنے باپ کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔''

وہ ایکدم سے چونک گیا۔ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ ''کیا جانثار درست کہہ رہے ہیں؟ کیا چینلو کے ذریعے دنیا والے بھی سچ کہہ رہے ہیں کہ وہ ساٹھ برس کا بوڑھا سٹھیا کر جوان لڑکی کو جہاز سے اتار کر اپنے ساتھ لے گیا ہے؟''

اب یہ بات یعقوب کو چبھ رہی تھی کہ میں اس لڑکی کو کیوں لے گیا ہوں؟ اگر اسے بیٹی بناتا تو جہاز میں سلامتی سے چھوڑ جاتا۔ اپنے ساتھ خطرات سے کھیلنے کے لئے کیوں لے گیا ہوں؟

وہ پہلی بار اپنے باپ کی نیک نیتی پر شبہ کر رہا تھا۔

☆☆☆

رات کی گہری تاریکی ہمارے ساتھ چل رہی تھی۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کے باعث آگے بیٹھا ہوا موٹو ماٹوسی' اس کا باپ اور اس کی ماں سائے کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

پچھلے حصے میں جیپ کے ایک کنارے والی سیٹ پر میں تھا۔ میں نے موٹو ماٹوسی کو گن پوائنٹ پر رکھا تھا۔ وہ کبھی کبھی شاٹ گن کی نال کو گردن پر محسوس کرتا تھا اور اپنی سلامتی کے لئے چپ چاپ ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔

جیپ کے دوسری طرف ساجدہ میرے روبرو بیٹھی تھی۔ اس نے گوٹو ماٹوسی کو گن پوائنٹ پر رکھا تھا۔ اب اس کے بدن پر عباء اور چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ اس کے باوجود اسے

تاریکی نے پردے میں رکھا تھا۔ وہ ایک سائے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

اور میں اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔ حسن دیکھنے دکھانے کے لئے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔

کہتے ہیں' جوانی میں دیکھنے اور برتنے کی نیت کچھ اور ہوتی ہے اور بڑھاپے میں کچھ اور ہوتی ہے۔ کیوں ہوتی ہے؟ کیا بوڑھوں کے سینوں میں دل نہیں ہوتا؟ پھر یہ کہ میں بوڑھا کب تھا؟

دنیا والوں کو یقین دلانا مشکل تھا۔ کوئی یقین نہ کرتا کہ میں رفتہ رفتہ جوان ہو رہا ہوں۔ بلکہ ہو چکا ہوں۔

بلا سے کوئی یقین نہ کرے' یہ تو صرف میں ہی سمجھتا رہوں گا اور اپنے اندر انگڑائیاں لیتی ہوئی جوانی سے سرشار ہوتا رہوں گا۔

میں بڑھاپے کی بیماریوں اور کمزوریوں کو سہتا آیا تھا۔ جوانی کی سرپرستیوں سے انکار کیوں کروں؟

میرا رخ موٹو ماٹوسی کی طرف تھا۔ اسے گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے بہت محتاط تھا اور ساجدہ کی طرف بھی دھیان تھا۔ میں نے سر گھما کر اسے ایسی حسرت سے دیکھا' جیسے تاریکی میں اس کا چہرہ روشن ہو جائے گا اور دید کی پیاس بجھ جائے گی۔

سوچ لینے سے ایسا نہیں ہو جاتا اور جب ایسا نہیں ہوتا تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ میں نے بے چین ہو کر سوچا۔ ''کب ہمیں تنہائی نصیب ہوگی؟ سامنے بیٹھی ہوئی تین رکاوٹیں کب دور ہوں گی؟''

میں نے وقت کا اندازہ کیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ سے جیپ دوڑتی جا رہی تھی۔ ہم تمام مسلح باغیوں سے تیس یا چالیس میل دور چلے آئے تھے۔ یہ اندازہ تھا کہ وہ اپنی گاڑیوں میں دوسرے شارٹ کٹ کچے راستوں سے آ رہے ہوں گے۔

ایسا ہو سکتا تھا۔ وہ تاریکی میں جیپ کی پچھلی سیٹ پر فائر کرتے تو ہم مارے جاتے۔ سڑک کے کنارے گھنے درخت تھے۔ ان درختوں کی شاخیں سڑک پر جھکی ہوئی تھیں۔ ہم ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ان شاخوں کو دیکھ کر جھک جاتے تھے۔ وہ ہمارے اوپر سے گزر جاتی تھیں۔

میں نے ساجدہ سے کہا۔ ''ہوشیار رہو۔ باغی درختوں کی شاخوں میں چھپے ہو سکتے

ہیں۔ وہ اچانک ہم پر چھلانگ لگا سکتے ہیں۔ ہماری طرف گولیاں چلا سکتے ہیں۔''

وہ سہم گئی تھی۔ جیسے ہی چند شاخیں ہمارے اوپر سے گزرتی ہوئی گئیں۔ وہ چیخ مار کر میرے پاس آگئی۔ جیسے برسوں کی دعائیں قبول ہوگئی ہوں۔ وہ سہم کر مجھ سے لگ گئی تھی۔

میں نے اسے ایک بازو کے حصار میں لے کر ذرا اور خود سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ڈر گئیں؟ میں ہوں ناں۔''

گوٹو ماٹوسی کی گردن سے ریوالور کی نال ہٹ گئی تھی۔ وہ سر گھما کر ہماری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے ہوائی فائر کرتے ہوئے کہا۔''خبردار! کوئی پیچھے نہ دیکھے۔ ورنہ دوسری گولی اسے لگے گی۔''

وہ فوراً ہی سامنے دیکھنے لگا۔ وہ تینوں ہماری زبان نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے ساجدہ سے کہا۔''تم میرے سینے سے لگی رہو۔ میں تینوں کو سنبھال سکتا ہوں۔''

وہ بڑی معصومیت سے بولی۔''مجھے رات کو کبھی ڈر لگتا تھا تو میں ابو کے پاس آجاتی تھی۔''

اس نے مجھ سے لگ کر باپ کا حوالہ دیا۔ مجھے اچھا نہیں لگا۔ میں نے کہا۔''تمہارے ابو نہیں رہے۔ لڑکیاں ہمیشہ باپ کے سائے میں نہیں رہتیں۔ ایک دن انہیں کسی اجنبی کی پناہ میں آنا پڑتا ہے۔''

وہ بڑے جذبے سے بولی۔''آپ مجھے اجنبی نہیں لگ رہے ہیں۔ بالکل اپنے لگ رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے' میں اپنے ابو کے پاس آگئی ہوں۔''

میرے ذہن کو جھٹکا لگا۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔'' بکواس مت کرو۔ تمہارا باپ بوڑھا تھا۔ میں جوان ہوں۔ تم ایک جوان مرد کی پناہ میں ہو۔''

وہ ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا کر مجھ سے الگ ہوگئی۔ میں نے اس کا بازو تھام کر پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

وہ کچھ نہ بولی۔ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ مجھے اس کے رویے سے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ صرف باپ کا مقدس لمس چاہتی تھی۔ کسی اور رشتے سے میری قربت برداشت نہیں کر رہی تھی۔

مجھے آگے بیٹھے ہوئے دشمنوں کی طرف دھیان دینا تھا۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ کر کہا۔

''جاؤ۔ کہاں جاؤ گی؟ یہ بات دماغ سے نکال دو کہ جہاں جاؤ گی' وہاں باپ اور بھائی ملیں گے۔''

وہ مجھ سے دور ہو کر اپنی سیٹ پر واپس جا کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔''دور ہو جاؤ۔ مگر عقل سے سوچو کہ بابل کے آنگن سے نکلنے کے بعد پوری دنیا میں کسی بھی حسین لڑکی کا کوئی باپ یا بھائی نہیں بنتا۔ سب یار بننا چاہتے ہیں اور میں تو شریک حیات بنا کر عزت اور تحفظ دیتا رہوں گا۔''

تاریکی میں آنسو نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کی آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔''خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کریں۔ میں کسی سے منسوب ہوں۔ اسے چاہتی ہوں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ مجھے میرے منگیتر کے پاس پہنچا دیں۔''

میں نے تلملا کر غصے سے کہا۔''یو شٹ اپ۔ دوسری بار مجھے بزرگ نہ کہنا۔ اگر مجھ سے راضی نہیں ہو تو جہنم میں جاؤ۔ میں تمہیں ان تینوں کے پاس چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ تمہیں منگیتر کے پاس پہنچا دیں گے۔''

پھر میں نے موٹو ماٹوسی سے کہا۔''گاڑی روکو۔ یہ بتاؤ ہم کتنی دور آگئے ہیں؟''

اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کی پھر اسے روک کر کہا۔''ابھی میں نے گزرتے ہوئے سنگ میل کو پڑھا ہے۔ ہم باسٹھ میل دور آگئے ہیں۔''

میں نے کہا۔''تم سب جیپ سے اتر کر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک کے کنارے جاؤ۔ اور اپنا ایک موبائل فون مجھے دو۔''

اس نے اپنا فون مجھے دیا۔ میں نے اس کے باپ سے مقامی کرنسی لی۔ وہ تینوں جیپ سے اتر کر دور روشنی میں جا کر سڑک کے کنارے کھڑے ہوگئے۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس سے کہا۔''اگر تم سمجھتی ہو کہ میں غلط آدمی ہوں اور تمہاری مرضی کے خلاف ہوں تو اتر جاؤ۔ میں آگے جا رہا ہوں۔''

میں نے ایک منٹ انتظار کیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ تینوں روشنی میں تھے۔ ہمارے آگے جاتے ہی تاریکی میں گم ہوگئے۔

گوٹو ماٹوسی نے فوراً ہی اپنے موبائل پر نمبر پنچ کئے پھر اسے کان سے لگا کر پوچھا۔

''کہاں ہو؟''

جواب ملا۔''ہم قریب ہی ہیں۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس ہمیں یہاں سے نظر آ رہی ہیں۔''

''اب ہم جیپ میں نہیں ہیں۔ ہمارے لئے گاڑی اور ہتھیار لاؤ۔ اس کا پیچھا نہ چھوڑو۔ اس نے ہمارے مشن کو ناکام بنایا ہے۔ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

مجھے یقین تھا کہ میں زندہ رہوں گا۔ ابھی تو جوانی کی سمت جا رہا ہوں۔ بلکہ جوان ہو گیا ہوں۔ آئندہ نجانے کتنے برسوں تک زندہ رہنے کے بعد بچپن کی دہلیز پر قدم رکھوں گا۔ اس حساب سے فی الحال مجھے موت کا دھڑکا نہیں تھا۔

میں نے اس سے کہا۔ ''پیچھے کیوں بیٹھی ہو؟ سامنے سیٹ پر آؤ۔''

وہ میرے ساتھ والی سیٹ پر آ کر مجھ سے فاصلہ رکھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ ''تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کتنی دولت دوں گا؟ تم محل جیسی شاندار کوٹھی میں عیش و آرام سے رہو گی۔''

وہ بولی۔ ''میں ایک کمزور لڑکی ہوں۔ یہ نہیں جانتی کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ تقدیر جھکنے کو کہے گی تو جھک جاؤں گی اور کیا کر سکوں گی؟''

یہ عجیب سی بات ہے۔ مظلوم عورت آنسو بہائے تو اس پر اور زیادہ پیار آتا ہے۔

میں اپنے ضمیر کو سمجھا رہا تھا کہ کوئی زبردستی نہیں کر رہا ہوں۔ اس تنہا رہ جانے والی کو ایک شاندار زندگی دینے والا ہوں۔ وہ نادان ہے۔ ایک اجنبی سے سہم کر رو رہی ہے۔ میں پیار سے آنسو پونچھتا رہوں گا تو مان جائے گی۔ پھر ہنسنے بولنے لگے گی۔

میں نے کہا۔ ''آنسو پونچھو۔ میں تمہیں اتنا پیار دوں گا کہ پھر اجنبی نہیں رہوں گا۔ میرے قریب ہو کر بیٹھو۔''

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ''میں تقدیر کے آگے جھک رہی ہوں۔ آپ ایک وعدہ کریں۔''

''ایک نہیں، دس وعدے کروں گا اور انہیں پورا کروں گا۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

''ہمارے گھرانے میں بچپن سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حیاء عورت کا گہنا ہے۔ اسے کبھی گہن نہ لگنے دینا۔ مجھ پر کبھی کسی مرد کا سایہ نہیں پڑا۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو میں شرم سے مر جاؤں گی۔ آپ وعدہ کریں۔''

وہ ذرا رک کر بولی۔ ''مجھ سے نکاح پڑھائیں گے۔ اس سے پہلے ہاتھ نہیں لگائیں گے۔''

پہلے میں بھی دینی احکامات کا پابند تھا۔ لیکن نائٹ کلب میں جانے کے بعد نکاح کی پابندی غیر ضروری ہو گئی تھی۔ میں بے لگام ہو کر رنگ رلیاں مناتا رہا تھا اور یہ بات ذہن میں نقش ہوتی رہی تھی کہ کسی کو بستر پر لانے کے لئے نکاح ضروری نہیں ہوتا۔ کون اس جھمیلے میں پڑتا ہے؟

بابر با عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جس قدر عیش کر سکتے ہو کرو۔ یہ زندگی، یہ جوانی دوبارہ نہیں آئے گی۔

میں نے کہا۔ ''تم فضول سی بات کہہ رہی ہو۔ اس ویرانے میں کون ہمارا نکاح پڑھائے گا؟''

وہ بولی۔ ''ہم اس ویرانے سے نکل رہے ہیں۔ آگے بن غازی جیسے بڑے شہر میں پہنچیں گے۔''

''پتہ نہیں کب پہنچیں گے؟ میرا راستہ روکنے والے ہزار دشمن ہیں۔ ان سے مقابلہ کرتے رہنے کے لئے مجھے تمہارے پیار کی ضرورت ہے۔''

میں نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا پھر کہا۔ ''پھر نکاح کیا ہوتا ہے؟ ذرا سوچو.... مرد اور عورت کی رضامندی کو نکاح کہتے ہیں۔ تم مجھ سے راضی ہو یا نہیں۔''

اس نے سر جھکا لیا۔ میں نے کہا۔ ''ہم دونوں راضی ہیں۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔''

''میں آپ سے بحث نہیں کروں گی۔ آپ کو خدا کا واسطہ ہے۔ شرع محمدیؐ کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ آپ مسلمان ہیں۔ خدا سے ڈریں۔''

''میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ خدا مجھ سے کس قدر راضی ہے؟ وہ معبود مجھے بڑھاپے کے بعد جوانی عطا کر رہا ہے اور یہ جوانی میں تمہارے نام کر رہا ہوں۔ اس کے آگے گناہ اور ثواب کی کوئی بات مجھ سے نہ کرو۔''

میں نے جیپ کو ایک کچے راستے پر موڑ لیا۔ وہ راضی بھی ہو رہی تھی اور اعتراضات بھی پیش کرتی جا رہی تھی۔ ایک بار میری آغوش میں آنے کے بعد اس کے سارے کس بل ڈھیلے پڑ جاتے۔ پھر ناں ناں بھول کر ہاں ہاں کرتی رہتی۔

پکی سڑک سے دو سو کوس کی دوری پر گھنی جھاڑیاں تھیں۔ میں نے ان کے پیچھے آ کر جیپ کر روک دیا۔ ہیڈ لائٹس بجھا دیں۔ تاریکی ہمارے چاروں طرف اور گہری ہو گئی۔ وہ سہم کر بولی۔ ''لائٹس کیوں بجھا دیں؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اگر دشمن پیچھا کر رہے ہوں گے تو پکی سڑک سے گزرتے ہوئے انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ ہم جیپ کے ساتھ یہاں چھپے ہوئے ہیں۔''

میں بولتا ہوا جیپ سے اتر کر سامنے کی طرف سے گھوم کر اس کے پاس آنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

میں نے بالکل قریب پہنچ کر کہا۔ ''تمہارے پاس ہوں۔''

وہ خوف کے مارے چیخ پڑی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں ایک طرف سے گم ہو کر دوسری طرف سے اس کی سانسوں کے بالکل قریب آجاؤں گا۔ اندھیرے میں انسان سے نہیں' بھوت سے ڈر لگتا ہے۔ اس کے نقطہ نظر سے میں بھوت ہی تھا۔

وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہ ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگی۔ ''مجھے ہاتھ نہ لگائیں۔ جہاز میں انہوں نے ہاتھ لگایا تھا۔ بے حیائی کی تھی۔ میرا دم نکل رہا تھا۔ آپ ایسا کریں گے تو میں مرجاؤں گی۔''

میں نے اسے زمین پر بچھا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ سارے اعتراضات بھول جائے گی۔

مجھے ان لمحات میں ایک ذرا ندامت نہیں تھی۔ ایک ذرا سا بھی یہ خیال نہیں تھا کہ میں ظلم کر رہا ہوں۔

میں پوری سچائی سے یہ طے کر چکا تھا کہ اسے آج کے بعد عزت اور مان مرتبہ دوں گا۔ وہ میری شریک حیات بن کر عیش و عشرت سے زندگی گزارے گی۔

اتنی نیکیاں کرنے والا ظالم تو نہیں ہوسکتا؟ انسان غلطیاں کرتے وقت اپنے حق میں بڑے ٹھوس دلائل یاد کر لیتا ہے۔

وہ بھربھری مٹی والی زمین پر پڑی تھی۔ میں اس پر چھایا ہوا تھا۔ ایسے وقت محسوس ہوا کہ وہ ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ اب اعتراض کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں جھٹک رہی تھی۔

ہم تاریکی میں ایک دوسرے کو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے اس کے چہرے پر جھک کر کہا۔ ''میری گردن میں بانہیں ڈالو۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اسے اپنی گردن پر رکھا پھر اس پر جھکا تو وہ ہاتھ کٹی ہوئی ٹہنی کی طرح ایک طرف ڈھلک گیا۔

جب پہلی بار اس پر جھکا تھا تو سانسوں کی حرارت ملی تھی۔ دوسری بار حرارت نہیں ملی۔ وہاں سرد خاموشی تھی۔

پھر میں چونک گیا۔ میں نے اپنے سینے کا بوجھ اس کے سینے پر ڈال رکھا تھا۔ وہاں اب دھڑکنیں محسوس نہیں ہو رہی تھیں۔ دل خاموش تھا۔ میں فوراً ہی الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ جیب سے

موبائل فون نکال کر اس کی ننھی سی ٹارچ روشن کی تو اس کا چہرہ نظر آیا۔ اس حسین مکھڑے پر موت کی خاموشی تھی۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔

میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ کیا ہو گیا؟

میں نے اس کی نبض ٹٹولی۔ سینے سے کان لگا کر دل ہی دل میں کہا۔ ''دھڑکنو! اتنا کہہ دو میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ تم آپ ہی خاموش ہو گئی ہو۔''

میں نے ٹارچ بجھا دی۔ وہ تصور میں روشن ہو گئی۔ میرے سامنے چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کی لاش کہہ رہی تھی۔ ''میں بہت حسین ہوں۔ بھرپور جوان ہوں۔ آؤ مجھے لوٹ لو۔''

ایک جوان چہکتا ہوا بدن مردہ ہو جائے تو ہماری ہوس کیوں مردہ ہو جاتی ہے؟

میں زندہ تھا۔ میری ہوس کو بھی زندہ رہنا چاہئے تھا۔ لیکن اب ضمیر بیدار ہو کر چیخ رہا تھا۔

''اگر تم عزت اور مان مرتبہ دینے والے تھے تو ذرا صبر کر لیتے۔ کسی انسانی آبادی میں جا کر اس سے نکاح پڑھا لیتے۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی کہ نکاح سے پہلے ہاتھ نہ لگاؤ۔ لیکن تمہاری نظر میں نکاح والی اور نائٹ کلب والی برابر ہو گئی ہے۔

تم یہ ماننے والے نہیں تھے کہ ہماری دنیا میں ابھی حیاء والیاں ہیں۔ یہ محض محاورہ نہیں ہے۔ حقیقت ہے کہ شرم والیاں سچ مچ شرم سے مر جاتی ہیں۔''

میں اس سے دور ہو کر پیچھے ہٹ کر جیپ سے ٹکرا گیا۔ یہ تسلیم کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری وجہ سے مر گئی ہے یا میں نے اسے مار ڈالا ہے۔

میں اس یتیم لڑکی کو کیوں ساتھ لایا تھا؟

میں شہزور اور دلیر تھا۔ جان کی بازی لگا کر خطرات سے کھیل کر میں نے دو سو بیس مسافروں کی جانیں بچائی تھیں اور ان میں سے ایک بے سہارا لڑکی کو ویرانے میں لا کر مار ڈالا تھا۔

''نہیں....'' میں یکبارگی چیخنے لگا۔

''نہیں۔ میں نے نہیں مارا ہے۔ ہاں۔ ہاں۔ میں نے ایک معصوم کو مار ڈالا ہے۔''

میں انکار کر رہا تھا۔ لیکن ضمیر کی مار پڑ رہی تھی۔ اقرار بھی کر رہا تھا۔

کسی کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہاں دور تک کوئی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ تاریکی میں خود کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اپنے آپ سے چھپ کر غلطیوں کا اعتراف کرنے لگا۔

"ہاں۔ میں ہوس پوری کرنے کے لئے اس معصوم کو جہاز سے باہر لایا تھا۔ میں شیطان ہوں۔

ندا کی ایمان افروز باتیں میری سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ میں اسے بھی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ اگر وہ مجھے چھوڑ کر نہ جاتی تو دوسرے دن اپنی بھوک مٹانے کے لئے اسے بھی مار ڈالتا۔

مجھے کیا ہو گیا تھا؟ اس وقت یہ باتیں سمجھ میں کیوں نہیں آئیں؟

اس لئے کہ نئی جوانی دیوانی ہو گئی تھی۔

اب دیوانگی کہاں گئی؟ میرے قریب ایک ان چھوئی جوان لڑکی پڑی ہے۔ یہ واپس آنے والی جوانی کیوں نہیں مچل رہی ہے؟

جو جوانی انعام میں ملی تھی' کیا وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی ہے؟

کیا پھر سے بڑھاپا مسلط ہو گیا ہے؟

خدا انعام دیتا ہے تو عذاب بھی دیتا ہے۔

یا اللہ! توبہ توبہ....."

میں ٹارچ روشن کر کے اس کے قدموں کے پاس گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ "توبہ توبہ.....یا میرے اللہ!

کیا توبہ کرنے سے میری غلطی سدھر جائے گی؟

اسے زندگی واپس مل جائے گی؟ اور کیا خدا مجھے معاف کر دے گا؟

یہ میری بیٹی' پوتی اور نواسی کے برابر تھی۔ یہ ہوس کا غلام کس منہ سے کہے کہ میری بچی! مجھے معاف کر دے۔"

میں نے ٹارچ بجھا دی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔ میں نے شرم سے جھجکتے ہوئے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ پھر اسی لمحے میں ایکدم سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ایک بار نہیں بار بار کہا تھا کہ اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔

بیشک وہ ایسی پارسا' ایسی شرم والی تھی کہ مجھ جیسا گناہ گار اس کی لاش کو بھی چھو نہیں

سکتا تھا۔ مجھے اس سے دور رہنا تھا۔

میں کیا کروں؟ قبر کھود کر اسے دفن کرنا ہوگا' ہاتھ لگانا ہی ہوگا۔ یونہی چھوڑ کر جاؤں گا تو جانور اسے نوچ کر کھا جائیں گے۔ زندگی میں تو ایک انسان نے اسے نوچ ہی ڈالا تھا۔

میں پیچھے ہٹ کر جیپ سے لگ کر سوچنے لگا کہ قبر کیسے کھودوں؟ کدال اور بیلچہ نہیں ہے۔

میں نے پشت پر بندھی ہوئی کٹ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں شاٹ گن کے کارتوس اور ریوالور کی گولیاں تھیں۔ ایک لمبا سا چاقو بھی تھا اور مقامی کرنسی بھی تھی۔ کیا چاقو سے قبر کھودی جا سکے گی؟

میں نے چونک کر دور پکی سڑک کی سمت دیکھا۔ تین گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے دھیمی رفتار سے چل رہی تھیں۔ رفتار اس لئے دھیمی تھی کہ دشمن دائیں بائیں ٹارچ کی روشنی میں مجھے ڈھونڈتے ہوئے آ رہے تھے۔

پھر وہ اس کچے راستے کے قریب رک گئے۔ وہاں میری جیپ کے پہیوں کے نشانات تھے۔

وہ گاڑیوں سے اتر کر نشانات کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ بول رہے تھے۔ پھر دور تک ٹارچ کی روشنی پھینک کر یقین کر رہے تھے کہ میں اس راستے پر مڑ کر آگے کہیں گیا ہوں۔

ٹارچ کی روشنیاں گھنی جھاڑیوں کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ میں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن وہ ابھی ادھر سے گزرتے وقت مجھے دیکھ سکتے تھے۔

میں وہاں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ لاش کو چھپانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ وہ سب اپنی گاڑیوں میں جا کر بیٹھ رہے تھے۔ ادھر آنے ہی والے تھے۔ میں نے فوراً ہی جیپ میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا۔ گہری تاریکی میں راستہ دیکھے بغیر آگے نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے جیسے ہی ہیڈ لائٹس روشن کیں۔ وہ چیخنے لگے اپنی گاڑیاں کچے راستے پر موڑنے لگے۔

میں جیپ کی رفتار بڑھاتا ہوا کچے راستے پر جانے لگا۔ وہ مجھ سے دو سو گز پیچھے تھے۔ میرے آگے کوئی دھول اڑانے والی گاڑی نہیں تھی۔ میری گاڑی سے اڑنے والی دھول اور تاریکی ہیڈ لائٹس کے باوجود انہیں اندھا کر رہی تھیں۔

میں تیز رفتار تھا اور وہ محتاط انداز میں ڈرائیو کرتے ہوئے آ رہے تھے اور اندھا دھند آگے کی سمت فائر کرتے جا رہے تھے۔

اگر یہی سلسلہ رہتا تو وہ مجھے کبھی پکڑ نہ پاتے۔ لیکن آگے جا کر پھر پکی سڑک آ گئی۔

اس سڑک پر تعاقب کے دوران میں واضح طور پر انہیں دکھائی دیتا رہتا۔ دانشمندی یہ ہوتی کہ ان کی نظروں میں نہ آؤں۔

میں جیپ کو روک کر اتر گیا۔ میں نے شاٹ گن کو شانے سے لٹکایا۔ ریوالور کو کمر کی بیلٹ میں اُڑس لیا۔ پھر چاقو کھول کر جیپ کے ایک پہیے کو پنکچر کر دیا۔ اس کے بعد کچے راستے پر دور تک دوڑتا ہوا گیا۔ ایک جگہ رک کر دیکھا۔ وہ تین گاڑیاں میری جیپ کے پاس پہنچنے والی تھیں۔

میں ان کی طرف واپس مڑ کر تاریکی میں چھپتا ہوا ٹھوکریں کھاتا ہوا ان تین گاڑیوں کے پیچھے پہنچ گیا۔ یہ جنگی حکمت عملی ہے۔ آگے فرار کے راستے سے کٹ کر ایک گول چکر کاٹ کر دشمن کے پیچھے آ کر حملہ کیا جاتا ہے۔

میں گوریلا فائٹرز کی تکنیک کو خوب سمجھتا ہوں۔ وہ سب میری جیپ کے پاس آ کر ناکارہ پہیوں کو دیکھ رہے تھے۔ دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہہ رہے تھے۔

پھر ان میں سے کچھ دوڑتے ہوئے دائیں بائیں گئے۔ کچھ پکی سڑک کے اس پار چلے گئے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں فرار ہونے والا ان کے قریب ہی ان کے پیچھے آ جاؤں گا۔

پیچھے تین گاڑیاں تھیں۔ ان گاڑیوں کے پاس صرف ایک شخص گن لئے کھڑا تھا۔ میں نے چاقو کو دانتوں میں دبایا۔ پھر زمین پر رینگتا ہوا اس کی طرف جانے لگا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے گن تھامے ادھر ادھر گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ پھر میری آہٹ سنتے ہی چونک گیا۔ میں نے اسی لمحے میں چھلانگ لگائی۔ اس پر اس طرح آیا کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ ہاتھ سے گن چھوٹ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ آواز نکال کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرتا۔ میں نے چاقو اس کے سینے میں اتار دیا۔

گوریلا فائٹر تنہا ہو اور مقابلے میں درجنوں دشمن ہوں تو وہ ایسے ہی مکاری اور چالبازی سے جنگ لڑتا ہے۔ میں نے تینوں گاڑیوں کو قریب سے دیکھا۔ ایک کو پسند کیا۔ باقی دو گاڑیوں کے پہیوں کو ناکارہ بنا کر تیسری کو اسٹارٹ کیا۔ جب اس کی ہیڈ لائٹس آن ہوئیں تو دور جانے والوں نے پلٹ کر دیکھا۔ چیخ کر اپنے ساتھی سے پوچھا کہ اس نے گاڑی کیوں اسٹارٹ کی ہے؟

میں گاڑی کو تیزی سے بڑھا کر پکی سڑک پر آیا۔ پھر ان سے دور جانے لگا۔ تب ان کی سمجھ میں آیا کہ میں انہیں الو بنا کر جا رہا ہوں۔

وہ فائرنگ کرتے ہوئے سڑک پر دوڑتے ہوئے دور تک آئے۔ لیکن میں ان کی فائرنگ رینج سے اور ان کی پہنچ سے بہت دور نکل گیا تھا۔ وہ اپنی دو گاڑیوں کے پاس جا کر انہیں ناکارہ پا کر جھنجھلا گئے ہوں گے۔

میں نے ڈرائیو کرتے ہوئے بہت آگے جا کر سوچا کہ وہ کون لوگ تھے؟ موٹو ماٹوی اور دوسرے تمام باغی سیاہ فام تھے اور وہ جو ابھی میرا پیچھا کرنے والی تین گاڑیوں میں آئے تھے وہ سفید چمڑی والے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ بن غازی سے آنے والے بیرونی تنظیم کے جنگجو تھے۔

میں نے تیز رفتاری سے آگے جاتے جاتے اچانک گاڑی روک دی۔ مجھے ضمیر کی مار پڑی۔ میں نے کہا۔ ”آہ.... ! میں اس معصوم لڑکی کو چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں تاریکی میں وہ بے گور و کفن پڑی ہو گی۔ کیا وہ اس طرح مر جانے کے لئے پیدا ہوئی تھی؟“

میں کیا کروں؟ میری مردانگی اور انسانیت چیخ رہی تھی۔ ”جاؤ اپنے گناہوں کی تلافی کرو۔ اسے کفن پہناؤ اور قبر میں چھپا کر آؤ۔“

میں نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دور جانے والی سڑک کو دیکھا۔ میں دور چلا جاتا تو میرا جاگنے والا ضمیر مجھے زندہ نہ رہنے دیتا۔

میں نے گاڑی واپس موڑ لی۔ وہاں سے مایوس ہو کر جانے والے دشمن بھی واپس آ سکتے تھے۔ پھر ایک بار ٹکراؤ ہو سکتا تھا۔

ہم انسان ہیں۔ بہت ہی عجیب ہیں۔ گمراہ ہوتے ہیں تو ایک معصوم کی جان لے لیتے ہیں اور راہ راست پر آتے ہیں تو ایک بے گور و کفن کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔ میں سوچتا ہوا دھیمی رفتار سے ڈرائیو کرتا ہوا اس کچے راستے پر آیا۔ میں نے ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں۔ آسمان پر چاند نکل آیا تھا۔ مدھم سی چاندنی میں کچھ دور تک راستہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہاں دائیں بائیں آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ میری جیپ وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنی گاڑیوں کے پہیے بدل کر وہاں سے چلے گئے تھے۔

یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے میرا پیچھا کیوں نہیں کیا؟ کسی دوسری سمت کیوں چلے گئے؟ یہ تو طے تھا کہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ دور دور تک فون کے ذریعے رابطہ

کرر ہے ہوں گے اور مجھے گھیرنے کی پلاننگ کر رہے ہوں گے۔

میں ڈرائیو کرتا ہوا ان گھنی جھاڑیوں کے پاس پہنچا۔ پھر ہیڈ لائٹس آن کیں تو وہ ویرانہ دور تک روشن ہو گیا۔ اس روشنی میں وہ نظر نہیں آئی۔ وہ جہاں پڑی ہوئی تھی۔ وہ جگہ خالی تھی۔

میں نے جیپ سے اتر کر جھاڑیوں کے آگے پیچھے جا کر دیکھا۔ اس کی عدم موجودگی سے یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ دوبارہ زندہ ہو کر وہاں سے کہیں چلی گئی ہو۔

ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ لاش اپنی جگہ سے اٹھ کر کہیں جا نہیں سکتی تھی۔ اسے میسونی تنظیم والے لے گئے تھے۔

☆☆☆

یعقوب ڈرائنگ میں ایک صوفے پر ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا۔ تمام نیوز چینلز وقفے وقفے سے میرے متعلق خبریں نشر کر رہے تھے۔ بیٹا میرے بارے میں الجھ گیا تھا۔ ساری دنیا کہہ رہی تھی کہ میں ایک عیاش بوڑھا ہوں۔ اس لئے اپنے ساتھ جوان لڑکی کو کہیں لے گیا ہوں۔

نیوز چینلز کو فون کرنے والے پوچھ رہے تھے کہ وہ اجنبی کون ہے؟ سینکڑوں باغیوں سے لڑنے اور جہاز کو ان کے چنگل سے نکالنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہوگا۔ اس کا نام اور اس کی ہسٹری بتائی جائے۔

یعقوب دعائیں مانگ رہا تھا کہ میری اصلیت کسی پر ظاہر نہ ہو اور فون پر کسی طرح باپ بیٹے کا رابطہ ہو جائے۔

بیٹا رابطہ ہونے پر سب سے پہلے یہی پوچھنے والا تھا۔ ''وہ لڑکی کون ہے؟ اور آپ اسے کس رشتے سے اپنے ساتھ کہیں لے گئے ہیں؟ آپ دیکھیں.... سنیں.... دنیا والے کیا کہہ رہے ہیں؟ میں شرم سے زمین میں گڑا جا رہا ہوں۔''

ماں کے اعمال ایسے تھے کہ اس کا سر جھکا رہتا تھا۔ وہ کسی سے کہہ نہیں سکتا تھا کہ ایک یہودی عورت کا بیٹا ہے۔ اب باپ کا عمل بھی اس کا سر جھکا رہا تھا۔

اس کا دل اچانک ہی ہر طرف سے ٹوٹ رہا تھا۔ صنم کی موت نے اور زیادہ توڑ کر رکھ دیا تھا۔ سات ماہ کی بچی پیٹ میں رہ کر فنا ہو گئی تھی۔

ماں ہو' باپ ہو' بیوی ہو یا بیٹی' ہر رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ بکھر گیا تھا' نابود ہو گیا تھا۔

پولیس افسر نے کہا تھا کہ پوسٹ مارٹم کے بعد صنم کی لاش صبح ملے گی۔ اتنی بڑی دنیا

میں تنہا ہو کر وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔

آدھی رات کے بعد یہ خبر سنائی گئی کہ وہ اجنبی مجاہد جس لڑکی کو ساتھ لے گیا تھا' اس کی لاش گھنی جھاڑیوں کے قریب پائی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے' بوڑھے اجنبی نے اس لڑکی سے زیادتی کی تھی' جس کے نتیجے میں اس نے جان دے دی۔

یعقوب نے مارے شرم کے دونوں ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپ لیا۔ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''نہیں نہیں.... میرے پاپا نے ایسی گھناؤنی حرکت نہیں کی ہے۔''

پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اسکرین پر اس لڑکی کی لاش دکھائی جا رہی تھی۔ میسونی تنظیم کا سربراہ کہہ رہا تھا۔ ''ہم نے اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ وہ بدنام زمانہ مجرم تھری ایس شہزادہ سلمان سعدی ہے۔''

ہوف مین کہہ رہا تھا۔ ''تھری ایس ایک جنسی جنونی پاگل شخص ہے۔ اس کا ثبوت دنیا والوں کے سامنے یہ معصوم لڑکی ہے' جو عمر میں اس کی پوتی یا نواسی کے برابر ہے۔''

یعقوب غصے سے اٹھ کر پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے ادھر جا رہا تھا اور آ رہا تھا۔ ہوف مین کہہ رہا تھا۔ ''وہ تھری ایس ایک جھاڑی کے پیچھے اس لڑکی کے ساتھ منہ کالا کر رہا تھا۔ ہماری تنظیم کے رضاکاروں نے اسے گھیر لیا تھا۔ لیکن وہ بہت ہی خطرناک فائٹر ہے۔ ہمارے آدمیوں کے نرغے سے نکل گیا۔''

یعقوب نے غصے سے چیختے ہوئے ٹی وی کو اٹھا کر فرش پر دے مارا۔ ''نہیں نہیں.... آپ میرے پاپا نہیں ہیں۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔''

اس نے سینٹر ٹیبل کو اٹھا کر فش ایکوریم پر پھینکا تو وہ شیشے کا گھر ایک چھناکے سے ٹوٹ کر بکھر گیا۔ پانی دور تک فرش پر پھیل گیا۔ چھوٹی بڑی مچھلیاں فرش پر آ کر پانی کے بغیر تڑپنے لگیں۔

وہ ماں باپ کے بغیر تڑپ رہا تھا۔ اب تو جو ماں باپ تھے' وہ اس کے لئے مر گئے تھے۔ جو زندہ تھے' ان کے تصور سے ہی شرم آ رہی تھی۔ وہ ان کی اولاد ہونے سے انکار کر رہا تھا۔

فون کی ٹون چیخنے لگی۔ اس نے غصے سے فون کی طرف دیکھا۔ اس فون کو بھی دیوار پر مار کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن اسے انتظار تھا۔ بیوی کو قتل کر دینے والی ماں کا انتظار تھا۔ جانثاروں نے کہا تھا' اسے فرار نہیں ہونے دیں گے۔ کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالیں گے۔

اس نے فون کو صوفے پر سے اٹھا کر ایک بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ ''ہیلو....؟''

ایک جانثار نے کہا۔ ’’یعقوب بابا!‘‘

وہ چیخ کر بولا۔ ’’مجھے عزت سے یعقوب بابا نہ کہو۔ میں ایک کم ظرف اور گناہ گار باپ کا بیٹا نہیں ہوں۔‘‘

جانثار نے کہا۔ ’’آخر آپ کو معلوم ہو گیا کہ ہم نے آپ کے پاپا کا ساتھ کیوں چھوڑا ہے؟! اسی لئے آج ان کی ولدیت سے انکار کر رہے ہیں؟‘‘

’’مجھ سے کچھ نہ بولو۔ بس اتنا بتا دو کہ ماما کو ڈھونڈ کر لا رہے ہو یا نہیں؟‘‘

’’ہم انہیں لا رہے ہیں۔ آدھے گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔‘‘

وہ ایکدم سے تن گیا۔ ایک مٹھی یوں بھینچ لی‘ جیسے محالہ کی گردن گرفت میں آ گئی ہو۔ پھر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ’’میں انتظار کر رہا ہوں۔‘‘

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ فون بند کر کے خلاء میں تکنے لگا۔ اس کے سامنے کبھی ماں جھلک رہی تھی‘ کبھی باپ مسکرا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل کر بیڈ روم میں آیا۔ وہاں الماری کھولی۔ پھر ایک دراز کو کھولا۔ وہاں ایک ریوالور رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ وہ پوری طرح لوڈ تھا۔ اگر بھرا ہوا نہ ہوتا تب بھی ایک ہی گولی کافی تھی۔

اس نے دراز اور الماری کو بند کر دیا۔ سر گھما کر بیڈ کی طرف دیکھا۔ وہ بستر صنم کے وجود سے آباد رہتا تھا۔ اب ہمیشہ کے لئے اجڑ گیا تھا۔ وہ ہوس کا بستر نہیں تھا‘ جو کسی دوسری سے آباد ہو جاتا۔ اب وہاں کوئی نہیں... کوئی نہیں آئے گی۔

وہ سر جھکا کر ہارے ہوئے جواری کی طرح ڈرائنگ روم میں آیا۔ پھر ایک صوفے پر نڈھال سا ہو کر گر پڑا۔

جوان جھکتے نہیں ہیں‘ گرتے نہیں ہیں‘ اسے ماں نے تھکا مارا تھا۔ وہ صوفے پر گرا تو کیا گرا‘ اسے تو باپ نے دنیا کی نظروں سے گرا دیا تھا۔

فون نے پھر متوجہ کیا۔ اس نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ پھر مردہ لہجے میں کہا۔ ’’ہیلو۔ کون؟‘‘

’’میں تمہاری پھوپھی رائنہ بول رہی ہوں۔ ابھی ایک جانثار نے فون پر بتایا ہے کہ محالہ نے صنم کا حمل ضائع کر دیا ہے۔ اسے مار ڈالا ہے۔‘‘

’’جی ہاں۔ صنم نے پیدا ہونے کی سزا پا لی۔ میں ابھی سزا بھگت رہا ہوں۔‘‘

’’ایسا نہ کہو بیٹے! میں ٹیپو کے ساتھ کسی بھی پہلی فلائٹ سے آ رہی ہوں۔ تم اکیلے نہیں ہو۔‘‘

’’آنٹی! ماں ڈائن ہو اور باپ گناہ گار ہو تو بچہ اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔‘‘

’’بیٹے! ہم تمہارا دکھ سمجھ رہے ہیں۔ ٹی وی کے ذریعے تمہارے پاپا کے متعلق جو کہا جا رہا ہے‘ اسے میں نہیں مانتی۔ وہ میرے عبادت کرنے والے ایمان والے بھائی ہیں۔‘‘

’’پوری دنیا کے چینلز جھوٹ نہیں بولیں گے۔ اس لڑکی کی لاش سب نے دیکھی ہے۔ اس کے بعد مجھے تو شرم سے مر جانا چاہئے۔‘‘

یعقوب کو آواز سنائی دی۔ ’’بیٹے! میں تمہارا پھوپھا بول رہا ہوں۔ میرے ماتحت رہنے والے جو جانثار لیبیا میں ہیں۔ وہ تمہارے پاپا تک پہنچنے والے ہیں۔ میرے یار کو‘ تمہارے پاپا کو تحفظ ملے گا۔ پھر معلوم ہوگا کہ سچ کیا ہے؟‘‘

’’کیا آپ کے جانثار بھی غلط کہہ رہے ہیں؟ کیا وہ بھی پاپا سے بدظن ہو کر غلطی کر رہے ہیں؟‘‘

’’میں اس سلسلے میں جانثاروں سے بات کر رہا ہوں۔‘‘

’’آپ باتیں کرتے رہیں۔ وہ معصوم لڑکی میرے دماغ میں چیخ رہی ہے۔ تڑپ رہی ہے کہ پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔‘‘

اس نے فون بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایان نے مخاطب کیا۔ ’’ہیلو یعقوب! موجودہ حالات میں حوصلہ رکھو۔ کیا تم بھول گئے کہ میرا یہودی باپ راڈ مین کیسا خبیث تھا؟ اس نے مجھ جیسے اکلوتے بیٹے کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ باپ شیطان ہو تو بیٹے کا سر جھک جاتا ہے۔ مگر دیکھو‘ حوصلے سے جی رہا ہوں۔ جب تک زندہ رہوں گا‘ اس شیطان کا بیٹا کہلاتا رہوں گا۔ ذرا سوچو کہ میں کیسی سزا پا رہا ہوں؟ مگر جی رہا ہوں۔‘‘

’’ایان! تمہارا باپ پیدائش کے پہلے دن سے یہودی ذہنیت لے کر آیا تھا۔ میرا باپ تو بہت ہی دیندار اور فرشتہ صفت انسان کہلاتا تھا۔ اس نے کسی معصوم اور بے گناہ کو پہلے کبھی نقصان نہیں پہنچایا اور آج دیکھو‘ کتنے شرمناک طریقے سے ایک معصوم لڑکی کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔‘‘

یعقوب نے ذرا ٹھہر کر گہری سانس لے کر کہا۔ ’’تمہارا باپ لاکھ یہودی اور شیطان سہی‘ دنیا والوں نے اس کے متعلق کبھی ایسی شرمناک بات نہیں کی۔ میرا باپ تو اس یہودی سے بھی

بدتر ہو گیا ہے۔ میں اس وقت ذلت کی پستیوں سے بول رہا ہوں اور یہ میری آخری آواز ہے۔''

اس نے فون کو آف کر دیا۔ تاکہ پھر کوئی کال نہ آئے۔ اسے ڈور بیل سنائی دی۔ اس نے دروازے کے پاس آ کر اسے کھولا۔ باہر چار جانثار تھے۔ ان میں سے ایک نے محالہ کو کاندھے پر لاد رکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔

وہ اسے اندر لے آئے۔ ایک صوفے پر ڈال کر منہ سے ٹیپ ہٹا دیا۔ دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ پھر کچھ کہے سنے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

یعقوب خاموش کھڑا ماں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ صوفے پر پڑی اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ کھڑا ہوا تھا' وہ بھی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔ ''کیا کرو گے؟ بولو کیا کرو گے؟

کیا بیوی کا بدلہ لو گے؟ ماں کو مارو گے؟''

وہ چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب آ کر اس کے سامنے سینہ تان کر بولی۔

''ہاں۔ مجھے غصہ آیا تو میں نے اس کے پیٹ پر لات ماری۔ ایک نہیں دو بار ماری۔ وہ پھڑ پھڑا کر مر گئی۔ لو بدلہ لو۔ ماں کو مارو....''

یعقوب نے صدمے کی شدت سے آنکھیں بند کر لیں۔ چشم تصور میں اپنی صنم کو پھڑ پھڑا کر دم توڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ بولی۔ ''کس دل سے مجھے مارو گے؟ ماں ایک ہی ہوتی ہے۔ ایک ہی پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ دوسری نہیں ملے گی۔ بیویاں دس مل جاتی ہیں۔ بولو! مجھے گولی مارو گے؟''

یعقوب نے طرف رکھے ہوئے ریوالور کو دیکھا۔ پھر اسے اٹھا لیا۔ وہ سہم کر بولی۔

''کیا ماں کو مارو گے؟ میں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔''

وہ ریوالور کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ لو۔ اسے پکڑو اور مجھے بھی مار ڈالو۔''

وہ گھور کر بولی۔ ''کیا میں پاگل ہوں کہ اپنے پیٹ کی اولاد کو ہلاک کروں گی؟''

''جسے تم نے ہلاک کیا۔ وہ بھی کسی کے پیٹ کی اولاد تھی۔''

''ہو گی۔ میری بلا سے۔ اچھا ہوا بلا ٹل گئی۔ میں تمہارے لئے دوسری لاؤں گی۔''

یعقوب نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو۔ صرف اپنے پیٹ کی اولاد سے محبت

ہوتی ہے۔''

وہ اس کے پیروں کو چوم کر بولا۔ ''ماما! میں یہاں رہتا تھا ناں؟''

''ہاں میرے بچے! تم یہاں دنوں مہینوں رہے تھے۔''

وہ ذرا اٹھ کر اس کے سینے پر سر رکھ کر بولا۔ ''ماما! میں یہاں سے دودھ پیتا تھا ناں؟''

''ہاں میرے لعل! میں نے پورے دو برس تک تمہیں دودھ پلایا ہے۔''

''ماما!'' وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ ''دودھ پانی ہو گیا ہے اور دودھ میں پانی ملانے والی کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔''

اس نے ماں کو سینے سے لگا لیا۔ ریوالور کی نال اس کی پشت سے لگا دی۔ پھر کہا۔ ''میں بیٹا ہوں۔ آپ کو تڑپتے اور دم توڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔ اگر زندہ رہ گیا تو گناہ گار باپ کا منہ دیکھنا نہیں چاہوں گا۔ آؤ ماما! ہم چلیں۔''

اس نے ٹریگر دبا دیا۔ محالہ کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ گولی اس کی پشت اور سینے سے گزر کر بیٹے کے سینے میں گھس گئی۔ پھر جب تک بیٹے کے ہاتھ میں سکت رہی' گولیاں چلتی رہیں اور ماں بیٹے کے جسموں سے بیک وقت آر پار ہوتی رہیں۔ پھر وہ دونوں فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

میں بے خبر تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ مجھے اپنے اعمال کی سزا مل رہی ہے۔

بیٹا اپنے باپ کے گناہوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے مجھ سے شکایت نہیں کی' شرمندہ کرنے کے لئے میرے پاس نہیں آیا۔ چپ چاپ اس دنیا سے چلا گیا۔

☆☆☆

میں نے ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں۔ چاندنی میں دور تک راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے منزل کا پتہ نہیں تھا۔ یہ اندازہ تھا کہ وہ پختہ سڑک بن غازی کی سمت جا رہی ہے۔

میں اس شہر کے قریب پہنچ کر راستہ بدلنے والا تھا۔ اتنی عقل تھی' یہ سمجھ سکتا تھا کہ پولیس اور انٹیلی جنس والے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مجھے حراست میں لے کر یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ میں کون ہوں؟

تفتیش کے دوران میری اصلیت چھپی نہیں رہے گی۔ تھری ایس کی حیثیت سے ظاہر ہو جاؤں گا تو وہ مجھے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ میری اصلیت ظاہر ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے گوری چمڑی والے مجھے تلاش کرتے ہوئے آئے تھے۔ انہوں نے میرا تعاقب کیا تھا۔ مجھ تک پہنچنے میں ناکام ہونے کے بعد ساجدہ کی لاش اٹھا کر لے گئے تھے۔

وہ کون تھے؟ انہوں نے ایک لڑکی کی لاش کو اہمیت کیوں دی؟ اسے اٹھا کر کہاں لے گئے ہیں؟

ایسے کئی سوالات میرے دماغ میں گونج رہے تھے اور کسی کا جواب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

دراصل اس معصوم لڑکی کی موت نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ میرا دماغ کمزور ہوگیا تھا۔ اس لڑکی کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہا تھا۔ میرے اندر بار بار یہ دھمکی گونج رہی تھی کہ مجھ پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔

اب وہ راستہ ایک دریا کے کنارے سے گزر رہا تھا۔ میں نے جیپ روک دی۔ ایک مدت کے بعد یاد آیا کہ پچھلے دو دنوں سے ایک سجدہ بھی نہیں کیا ہے۔ نمازیں چھوڑتا چلا آ رہا ہوں۔

اگرچہ میں خدا کو بھول گیا تھا۔ تاہم پاک وصاف رہتا تھا۔ اس وقت خیال آیا کہ دریا سے وضو کر کے نماز ادا کرنا چاہئے۔ پھر سے خدا کو راضی کرنا چاہئے۔

میں نے موبائل فون پر وقت دیکھا۔ چار بج گئے تھے۔ فجر کی نماز کا وقت ہونے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت دیتا ہے‘ جسے چاہے ذلت دیتا ہے....اور میں یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ مجھے ذلت مل رہی ہے۔ نماز پڑھنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

میں وضو کرنے کے لئے جیپ سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ اسی وقت کالنگ ٹون سنائی دی۔ وہ موٹو ماٹوسی کا فون تھا۔ کوئی اسے کال کر رہا ہوگا۔ میں نے سوچا‘ کال ڈراپ کر دوں۔ فون آف کر دوں۔ پھر ذہن میں بات آئی کہ کال اٹینڈ کرنی چاہئے۔ دیکھیں کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ”ہیلو! میں سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر بول رہا ہوں۔ ہم نے گوٹو ماٹوسی سے سمجھوتہ کیا ہے۔ اس کے باغی رہا کئے جا رہے ہیں۔ اس کے عوض اس نے تمہارا یہ نمبر بتایا ہے۔ یہ اس کے بیٹے کا

فون ہے۔ کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟“

میں نے پوچھا۔ ”تم میرا نمبر معلوم کرنے کے لئے باغیوں کو رہا کیوں کر رہے ہو؟ کیا مجھ سے بات کرنا اتنا اہم ہے کہ وہ باغی غیر اہم ہوگئے ہیں؟“

”شہزادہ سلمان سعدی عرف تھری ایس! میں تمہارا نام لے رہا ہوں۔ اب سمجھ گئے ہو نا‘ تمہاری گرفتاری یا موت کتنی اہم ہے؟“

میں نے کہا۔ ”تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ یہ میرا نام نہیں ہے۔“

”تو پھر تمہارا نام عمیر بن غازی ہے۔ میسونی تنظیم کے سربراہ ہوف مین نے بتایا ہے‘ تمہاری صنم نے بیان دیا تھا کہ تم نو بجے میونخ پہنچنے والی فلائیٹ میں آ رہے ہو اور یہ وہی جہاز ہے‘ جس کے اندر تم نے باغیوں سے زبردست جنگ لڑی ہے۔ دو سو بیس مسافروں کی جانیں بچائی ہیں۔“

میں پھر انکار کرنا چاہتا تھا کہ تھری ایس نہیں ہوں۔ مگر یہ بھی جانتا تھا کہ وہ میری کسی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ میں بے نقاب ہو چکا تھا۔

اس نے کہا۔ ”بہتر ہے‘ بحث نہ کرو۔ خود کو قانون کے محافظوں کے حوالے کر دو۔ سی آئی اے کے جاسوس‘ میسونی تنظیم کے کارندے اور لیبیا کی فوج تمہارے اطراف گھیرا تنگ کر رہی ہے۔ تمہیں کہیں سے فرار کا راستہ نہیں ملے گا۔“

میں نے فون بند کر دیا۔ پھر جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سوچنے لگا کہ کہاں جاؤں؟

ایسے ہی وقت اذان کی آواز سنائی دی۔ ”آؤ نماز کی طرف آؤ...آؤ اپنی بہتری کی طرف آؤ۔“

میں نے تھوڑی دیر پہلے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تھا اور اب دشمنوں سے خوفزدہ ہو کر نماز چھوڑ کر جا رہا تھا۔ دین کے معاملات‘ میرے ارادے اور میرا اعتماد کمزور ہوگیا تھا۔

میں نے گاڑی کو روک کر سوچا کہ قریب کہیں انسانی آبادی ہے۔ وہیں سے اذان سنائی دے رہی ہے۔ مجھے وہاں جا کر نماز ادا کرنی چاہئے۔

نماز راہ نجات ہے اور مجھ گناہ گار کو نجات کا راستہ ملنے والا نہیں تھا۔ رب کریم نے مجھے نماز کی سعادت سے محروم کر دیا تھا۔

میں پھر گاڑی سے باہر نہ نکل سکا۔ اچانک ہی بہت دور سے گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس

دکھائی دیں۔ میں نے فوراً جیپ کو اسٹارٹ کر کے ریورس گیئر میں واپسی کے لیے موڑا۔ پیچھے بھی دور سے کئی گاڑیوں کی روشنیاں چیلنج کرتی چلی آ رہی تھیں۔

میں گاڑی سے اتر گیا۔ کیونکہ آگے پیچھے سڑک پر جا نہیں سکتا تھا۔ سڑک کے ایک طرف دریا تھا۔ دوسری طرف کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ گندم کی کھڑی فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ میں تیزی سے دوڑتا ہوا کھیتوں میں گھس گیا۔

ان فصلوں کے درمیان کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں ان سے دور نکل سکتا تھا۔ مجھے گاڑی میں جس سمت جانا تھا' اب ان فصلوں کے درمیان چھپتا جا رہا تھا۔

میں تیزی سے فصلوں کو دونوں ہاتھوں سے ہٹا کر راستہ بناتا جا رہا تھا۔ جہاں جیپ چھوڑی تھی' وہاں دو اطراف سے گاڑیاں آ کر رک گئی تھیں۔ وہ مسلح افراد گاڑیوں سے اتر کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے سے کچھ بولتے جا رہے تھے۔

میں نے ایک جگہ رک کر فون کے ذریعے ایک جانثار کو مخاطب کیا۔ پھر کہا۔ ''تم سب مجھ سے ناراض ہو۔ اس وقت میں دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں۔ یہ مجھے فرار ہونے نہیں دیں گے اور میں آخری گولی اور آخری سانسوں تک لڑتے ہوئے جان دے دوں گا۔''

اس نے کہا۔ ''جان دینا اور لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم آخری بار آپ کے کام آئیں گے۔ کیا آپ بن غازی جانے والی سڑک پر ہیں؟''

''میں نہیں جانتا' یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟ اس سڑک کے ایک طرف گندم کے کھیت ہیں اور دوسری طرف دریا بہہ رہا ہے۔''

''ہم سمجھ گئے آپ کہاں ہیں۔''

''میں کھیتوں میں چھپتا ہوا دشمنوں سے دور جا رہا ہوں۔ وہ سب سڑک پر سے اب کھیتوں کی طرف آ رہے ہیں۔''

''ہم زیادہ دور نہیں ہیں۔ آ رہے ہیں۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ میگا مائیکرو فون سے کہہ رہے تھے۔ ''یو بلڈی تھری ایس! بس بہت ہو چکا۔ آج تمہاری زندگی کی یہ آخری رات ہے۔ نہ تم کہیں چھپ سکو گے' نہ یہاں سے فرار ہو سکو گے۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو دونوں ہاتھ اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔''

بولنے والے کی آواز اس ویرانے میں گونج رہی تھی۔ انہوں نے ٹریسر گولی چلائی۔ وہ

گولی آسمان کی سمت جاتی ہوئی پھٹ پڑی۔ اس میں سے ایسی تیز شعاعیں نکلیں کہ وہ علاقہ اور تمام کھیت دور تک روشن ہو گئے۔

دو افسران دوربین کے ذریعے کھیتوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر مجھ سے کہا گیا۔

''ہم جانتے ہیں' تم ان کھیتوں میں چھپے ہوئے ہو۔ ابھی گولیاں چلیں گی تو یہاں سے نکلو گے یا تمہاری لاش باہر نکالی جائے گی۔ یہ آخری وارننگ ہے۔''

اس ٹریسر گولی سے پیدا ہونے والی روشنی ایک منٹ تک بہت روشن رہی۔ پھر آہستہ آہستہ معدوم ہوتی چلی گئی۔ میں دونوں ہاتھوں سے فصل کو ہٹاتا ہوا ان سے دور جا رہا تھا۔

اچانک ایک ہینڈ گرنیڈ کھیتوں کے درمیان آ کر گرا۔ زوردار آواز کے ساتھ پھٹ پڑا۔ اگر میں ادھر ہوتا تو میرے چیتھڑے اڑ جاتے۔

وہ فصل میں نہیں گھس رہے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ میں کہاں ہوں؟ وہ انجانے میں میری گولیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتے تھے۔ سڑک کے کنارے دور جا کر کھیتوں کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔

ایک اندازے کے مطابق وہ ایک منٹ میں دو سو گولیاں ضائع کر چکے تھے۔ مجھے کھیتوں سے باہر نکالنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر دور تک کھیتوں میں دستی بم پھینک رہے تھے۔ ایک بم مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کر گرا۔ ایسا زوردار دل ہلا دینے والا دھماکہ تھا کہ زمین لرز گئی۔ میں اچھل کر گر پڑا۔ پھر رینگتا ہوا وہاں سے دور جانے لگا۔

میں جوابی فائرنگ سے گریز کر رہا تھا۔ اگر فائر کرتا تو میرے ریوالور یا شاٹ گن سے دو چار مرتے مگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ میں کھیتوں میں کہاں چھپا ہوا ہوں؟

ابھی وہ اندھوں کی طرح اندازے سے حملے کر رہے تھے۔ اندازے درست بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک بار ہینڈ گرنیڈ کے دھماکے سے بال بال بچا تھا۔ دوسری بار ایک گولی آ کر میرے بازو کے آر پار ہو گئی۔ میں کراہتا ہوا بیٹھ گیا۔

دشمنوں کو پتہ نہ چلا کہ ان کی ایک گولی ٹھیک نشانے پر لگی ہے۔ پھر ایک ٹریسر گولی چلائی گئی تھی۔ وہ کھیت دور تک روشن ہو گئے تھے۔ میں کھڑی ہوئی فصل کے درمیان تھا۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

کبھی میں مرد میدان تھا۔ دور چار گولیاں کھا کر زخموں سے چور ہونے کے باوجود گرتا

نہیں تھا۔ مردانہ وار مقابلہ کرتا رہتا تھا۔ اس وقت بازو میں ایک گولی لگی تھی اور میں بیٹھ گیا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ واپس آنے والی جوانی منہ چڑا رہی تھی۔ بڑھاپا بے بسی سے کراہ رہا تھا۔

میں نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ میرے کراہنے کی آواز دشمنوں تک پہنچ سکتی تھی۔ میرے اس ہاتھ سے شاٹ گن گر گئی تھی۔ میں اس ہاتھ سے اب اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ دوسرے ہاتھ سے ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ کر اٹھ گیا۔

اسی وقت کان پھاڑ دینے والے دھماکے سنائی دیئے۔ زمین لرزنے لگی۔ میں نے فصلوں کے درمیان سر اٹھا کر دیکھا۔ بہت دور یکے بعد دیگرے دھماکے ہو رہے تھے۔ دشمنوں کی گاڑیاں زمین سے اڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضاء میں بکھر رہی تھیں۔ مجھ پر حملہ کرنے والے مختلف سمتوں میں بھاگتے ہوئے درختوں کے پیچھے جاتے ہوئے فائرنگ کر رہے تھے۔

میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ یقین ہو گیا کہ جانثار اپنی حکمت عملی کے مطابق جنگ لڑنے آ گئے ہیں۔

وہاں تو جیسے قیامت آ گئی تھی۔ مسلسل فائرنگ اور بم دھماکوں سے وہ ویران علاقہ گونج رہا تھا۔ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے کھیت روشن ہو گئے تھے۔ فصل تباہ ہو رہی تھی۔

آرمی کے دو ہیلی کاپٹر پرواز کرتے ہوئے آئے تھے۔ ان میں سے ایک اچانک ہی دھماکے سے تباہ ہو گیا۔ دوسرا پلٹ کر چلا گیا۔

پہلے نہیں سوچا تھا' اب سوچ رہا تھا کہ جب تک جانثار میرے ساتھ رہے' میں کبھی تنہا اور بے یار و مددگار نہیں رہا۔ میں اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ تنہا طاقتور ہوں۔

اس ویرانے میں بھی تنہا رہ جاتا اور جانثار نہ آتے تو کیا ہوتا؟ دشمن تو کہہ چکے تھے کہ وہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔

آخری رات.... ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور میرے ایک شانے کی ہڈی توڑتی ہوئی گزر گئی۔ میں لڑکھڑا گیا۔

آخری رات... دوسری گولی میری کمر میں آ کر پیوست ہو گئی۔ میں اچھل کر فصل کے درمیان گر پڑا۔

مجھ سے کچھ فاصلے پر دو دشمن گولیاں چلاتے آ رہے تھے۔ پھر کہیں سے تڑاتڑ کی آواز کے ساتھ ہی وہ دونوں چیخیں مارتے ہوئے لڑکھڑا کر ایسے گرے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ تین گولیوں کے زخموں نے مجھے کھوکھلا کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ جانثاروں کی مدد حاصل ہونے کے باوجود حالات کیسی کروٹ لینے والے ہیں؟ میرا کیا ہونے والا ہے؟

اپنا آخری انجام دیکھنے سے پہلے ہی میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

آنکھیں بند ہو جائیں تو زندگی کی تمام دکانداری بند ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

وہ ابھی زندہ ہے۔ لیکن ہوش و حواس سے بیگانہ ہے۔ کبھی حواس میں آتا ہے۔ آنکھیں کھول کر دو چار جانثاروں کو دیکھتا ہے پھر آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے۔

وہ درست کہتا ہے کہ اسے پھر سے جوانی کی سوغات ملی ہے۔ وہ غلط نہیں ہے۔ اسے بڑھاپے سے جوانی' جوانی سے بچپن اور بچپن سے نقطہ آغاز تک جانا ہے۔

لیکن کیسے جائے؟

اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے انعام تک پہنچنے کے لئے نماز اور نیک نیتی لازمی ہے۔

نیت ڈگمگا جائے تو نماز چھوٹ جاتی ہے۔ انعام ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

جوانی لہو کی روانی سے قائم رہتی ہے۔ تین گولیوں کے زخموں نے اس کا سارا لہو نچوڑ لیا ہے۔ وہ تین ماہ تک زیر علاج رہا ہے۔ دوائیں اثر نہیں کر رہی ہیں۔ پہلے کی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا ہے۔

ابھی اتنی توانائی ہے کہ کمرے سے واش روم تک چھڑی ٹیک کر آتا جاتا ہے۔ جانثاروں نے اس کے علاج کے سلسلے میں ایک ذرا کوتاہی نہیں کی ہے۔ طبیعت رفتہ رفتہ سنبھل رہی ہے۔ اب باہر آ کر لان میں ٹہلتا ہے۔ مگر ایک چھڑی کا سہارا لازمی ہو گیا ہے۔ اس کے بغیر چلتے چلتے ڈگمگانے لگتا ہے۔

وہ دیر تک سیدھا کھڑا نہیں رہ سکتا۔ دو زانو ہوتا ہے تو گھٹنے کمزوری کے باعث چٹخنے لگتے ہیں۔ اس لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے۔

ضمیر چٹکیاں لے کر کہتا ہے۔ ''عشق کدے میں عمر گزاری ہے۔ آخری عمر میں مسلمان ہو رہے ہو؟''

وہ گھبرا کر جانثاروں سے کہتا ہے۔ ''مجھے پیرس لے چلو۔''

برسوں پہلے پیرس میں اس کا ایک شاندار بنگلہ تھا۔ جہاں وہ دن رات شباب اور شراب میں ڈوبا رہتا تھا۔

اس بنگلے کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک دریا تھا۔ وہاں ایک گھنے درخت کے سائے میں روز صبح ایک مسلمان آ کر نماز پڑھتا تھا۔ ایک رات اس نے دیکھا' ایک کتے نے درخت کے سائے میں آ کر اس جگہ کو ناپاک کر دیا تھا۔

تب پہلی بار اس عیاش کے دل میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔ اس نے سوچا' صبح منہ اندھیرے وہ نمازی وہاں آئے گا۔ وہ نہیں جانتا ہے کہ نماز کی جگہ ناپاک ہو گئی ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے اور اس جگہ کو پھر سے پاک کرنا چاہئے۔

وہ کڑکڑاتی ہوئی سردی میں وہاں گیا تھا۔ بیلچے سے اس ناپاک جگہ کی مٹی کو ہٹاتا رہا تھا۔ مگر اطمینان نہیں ہوا کہ وہ جگہ پاک ہو گئی ہے۔

اس نے سوچا' صبح آ کر اس نمازی کو نماز کی جگہ بدلنے کے لئے کہے گا۔ پھر خیال آیا کہ صبح آنکھ نہ کھلی تو کیا ہو گا؟ اس نمازی کو وہاں کی ناپاکی سے مطلع نہیں کر سکے گا۔

تب اس نے وہاں ایک ایزی چیئر پر نیم دراز ہو کر رات گزاری۔ گرم کپڑوں میں اور کمبل میں چھپنے کے باوجود سردی میں ٹھٹھرتا رہا۔ تمام رات برفباری ہوتی رہی۔

ملازموں نے کہا تھا کہ وہ رات کو جاگتے رہیں گے اور صبح اس نمازی کو کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کے لئے کہیں گے۔ لیکن اس نے سوچا' ملازموں نے غفلت کی اور ان کی آنکھ لگ گئی تو کیا ہو گا؟

بہرحال ایسی غضب کی سردی اور برفباری تھی کہ صبح ہوتے ہوتے اس پر برف جم گئی۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو ایک ہسپتال میں تھا اور وہ بزرگ نمازی اس سے کہہ رہے تھے۔ ''خدا تم سے راضی ہے۔ توبہ کرو اور نماز پڑھو۔''

اس دن کے بعد وہ گمراہی سے باز آ گیا۔ نمازیں اور دینی کتابیں پڑھنے لگا۔

وہ اچھے دن گزر چکے ہیں۔ جانثار اسے پیرس لے آئے ہیں۔ وہ اس درخت کے سائے میں آ کر اس بزرگ نمازی کو یاد کر رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ خدا اس سے راضی ہے۔

اور واقعی جب وہ جکارتہ کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو ایک بزرگ نے اسے معجزہ

دکھانے والی لاوہ انگوٹھی دی تھی۔

اس کے جانثار اسے لاہور لے آئے۔ وہاں اس کے تین بیٹوں نے اسے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ایسے وقت پھر ایک بزرگ نے اسے ایک عصاء عطا کیا تھا۔

اس کے بعد وہ نیک نامی اور خوشحالی کی منزلوں سے گزرتا رہا تھا۔ اس نے کبھی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں ہونے دی تھی۔

انسان وہ ہے' جو اپنے ظرف میں رہے۔ اپنی پچھلی اوقات کو یاد رکھے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کسی کو اس کے ظرف سے' اس کی اوقات سے زیادہ مل جائے تو وہ اسے سنبھال نہیں پاتا۔ گمراہ اور مغرور ہو کر سب سے پہلے خدا کو بھول جاتا ہے۔

اسے یہ گمان ہو گیا تھا کہ جوانی آئی ہے تو پھر نہیں جائے گی اور یہ جوانی محض ہوس کا کھیل کھیلنے کے لئے ملی ہے۔ ایسے رنگا رنگ کھیل میں آدمی سب سے پہلے تہذیب اور شرافت سے جاتا ہے۔

پھر ہوس اور درندگی ایک کم سن لڑکی کو بھی اس کے لئے کھلونا بنا دیتی ہے۔

ایسے عقل کے اندھے اس پستی میں گرتے ہیں' جہاں وہ گرا ہوا ہے۔

وہ اپنی ایک ایک غلطی کو اور ایک ایک گمراہی کو یاد کرتا ہوا آخری منزل تک آ گیا ہے۔

وہ غار کے دہانے پر کھڑا ہے۔ بابا سائیں کی تلاوت کرنے کی آواز باہر آ رہی ہے اور اس کے دل میں اتر رہی ہے۔

اس کا باپ غازی صلاح الدین یہیں آیا تھا۔ پہلی بار یہیں بابا سائیں سے اسم اعظم کا روحانی درس حاصل کیا تھا۔

بیٹا بھی اسی غار کے دہانے پر آیا ہے۔ اب چھتری ٹیکتا ہوا اندر آ گیا ہے۔ تلاوت کی آواز پہلے سے زیادہ واضح ہو گئی ہے۔ وہاں کی فضاء عود و عنبر سے مہک رہی ہے۔ سانسوں میں اتر رہی ہے۔ تلاوت کے الفاظ اور ان کی ادائیگی ایک عجیب سی بے خودی طاری کر رہی ہے۔

اس وسیع و عریض چٹان پر بابا سائیں جھلک رہے ہیں۔

وہ ہیں بھی اور نہیں بھی.....

تلاوت کی سحر انگیز آواز ان کے وجود کا پتہ دے رہی ہے۔ ہاں.....وہ چٹان پر بیٹھے تلاوت میں مصروف ہیں۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہے۔ بابا سائیں کبھی دکھائی دے رہیں' کبھی اوجھل ہورہے ہیں۔

وہ ایک آیت پڑھ کر وہاں سے اٹھ گئے ہیں۔ چٹان سے اتر کر ایک کنارے آگئے ہیں۔ پھر انہوں نے چٹان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اللہ....! یا اللہ....!''

اسم اعظم وہ ہے' جس کے زبان پر آتے ہی بندہ دنیا و مافیا سے بے نیاز و لاتعلق ہو جائے۔

اللہ کہتے ہی سامنے صرف رب ذوالجلال کا جمال ہو۔ دنیا کا سارا حسن و جمال بجھ جائے۔

بابا سائیں نے ایسے جذب ہو کر اسم اعظم کی ادائیگی کی کہ اس نام کی روحانی ہیبت سے غار کی زمین اور پتھریلی دیواریں لرز گئیں۔ وہ چٹان ایک طرف ذرا سی سرک گئی ہے۔ نیچے جانے کا راستہ کھل گیا ہے۔

وہ چھڑی ٹیکتا ہوا کھلے ہوئے راستے پر آگیا ہے۔ نیچے جانے والے پتھریلے زینے کے ایک ایک پائدان پر تھرتھراتے ہوئے قدم رکھتا ہوا وہاں جارہا ہے' جہاں اس کا باپ گیا تھا۔

وہ غروب ہوگیا ہے۔

اوپر چٹان سرکتی ہوئی اپنی جگہ واپس آگئی ہے۔

جب قصہ ختم ہوجائے تو کتاب بند ہو جاتی ہے۔

مکان اپنے مکیں سے خالی ہو جائے تو سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اور جب حیات تمام ہو جائے تو قبر کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

وہ تہہ خانہ بھی بند ہوگیا ہے۔

(ختم شد)